اِمدادُ الاحکام

امداد الفتاویٰ کا تکملہ جو ۱۳۴۰ھ کے بعد کے فتاویٰ پر مشتمل ہے

تالیف

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عُثمانی رحمۃ اللہ علیہ

زیرِ نگرانی

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ دارُ العلوم کراچی ۱۴

فہرست مضامین "امداد الاحکام" جلد دوم

کتاب الزکوٰۃ

مضمون	صفحہ

باب المصارف

کمپنی کے شیئرز کی زکوٰۃ

کتاب الصّوم

فصل فی رویۃ الہلال

باب الاعتکاف

کتابُ الحج!

فصل فیمن یفرض علیہ الحج

بحری اور ہوائی جہازوں پر سفر اور متعلقہ احکام

کتاب النکاح

فصل فی المحرمات

باب الوکالۃ بالنکاح!

كتاب الطلاق

باب ایقاع الطلاق

باب الحضانۃ

کتاب النفقات

فصل فی نفقۃ الزوجۃ وسکناھا

فصل فی نفقۃ الاولاد والآباء والامہات

امدادُ الاحکام جلد دوم

بِسمِ اللهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

کتابُ الزکوٰۃ

پیشگی زکوٰۃ اگر زائد ادا کردیجائے تو اس کا حکم

سوال (۱) اگر پیشگی زکوٰۃ غلطی سے زائد ادا کردی جائے تو اسے آئندہ سالوں میں محسوب کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ مثلاً دس ہزار کی مالیت کا اندازہ کرکے سال حال اور ایک سال آئندہ کی زکوٰۃ ادا کردی، اور بعد میں حساب کے جانچ کرنے سے معلوم ہوا کہ اصل مالیت آٹھ ہی ہزار کی ہے، تو یہ جو دو ہزار سال حال اور دو ہزار سال آئندہ کی جملہ چار ہزار کی زکوٰۃ غلطی سے پیشگی ادا ہوگئی ہے یہ اس کے بعد کے سال میں وضع کی جاسکتی ہے؟

الجواب: وضع کی جاسکتی ہے، قال فی العالمگیریۃ: رجل لہ اربع مائۃ درھم فظن ان عندہ خمسمائۃ فادی زکوٰۃ خمسمائۃ ثم علم فلہ ان یحسب الزیادۃ للسنۃ الثانیۃ اھ (ص ۱۱۳ ج ۱) ۲۶ ربیع الثانی ۴۰ھ۔

وکیلِ زکوٰۃ کا زکوٰۃ کی رقم میں خیانت کرنا

سوال (۲) ایک شخص کو وکیل بنایا کہ وہ رقم زکوٰۃ اپنی ماں کو لے جاکر دیدے، اس نے درمیان میں خیانت کی، کہ کچھ رقم خود صرف کرڈالی، اور کچھ اپنی ماں کو دیدی وہ شخص خود بھی مصرف زکوٰۃ ہے، مگر اس کو وکیل بنایا گیا تھا مالک نہیں بنایا گیا تھا اس صورت میں زکوٰۃ ادا ہوجائے گی یا بقدر خیانت پھر ادا کرنا پڑے گی؟

الجواب: اگر وکیل خود بھی فقیر ہے جب بھی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، البتہ جس قدر اس نے اپنی ماں کو دیدیا ہے اس قدر زکوٰۃ ادا ہوگئی، باقی کا ضمان وکیل سے لے سکتے ہیں، قال فی الدر: ولو خلط زکوٰۃ موکلیہ ضمن وللوکیل ان یدفع لولدہ الفقیر وزوجتہ (الفقیرۃ) لا لنفسہ الا اذا قال ربھا ضعھا حیث شئت اھ قال فی الشامیۃ: وھذا حیث لو یأمرہ بالدفع، اذ لو خالف ففیہ قولان اھ (ص ۱۷ ج ۲) ۲۶ ربیع الثانی ۴۰ھ۔

کسی مسافر کو زادِ راہ کے واسطے کچھ رقم بطور زکوٰۃ دی، اگر وہ مسافر رقم واپس کردے تو کیا زکوٰۃ ادا ہو جائے گی

سوال (۳) ایک مسافر کہ جس نے بطور قرض زادِ راہ مانگا مگر میں نے یہ کہہ کر دیا کہ یہ قرض نہیں ہے تم واپس کرنا اور بہ نیت زکوٰۃ اُسے دیدیا اور وہ بحالتِ قیام بھی مصرفِ زکوٰۃ ہے، اب وہ روپیہ واپس کرنا چاہتا ہے، اس صورت میں زکوٰۃ ادا ہو گئی یا نہیں؟

الجواب، ادا ہو گئی۔

(بقیہ سوال) اگر ادا ہو گئی تو اس کا واپس کیا ہوا روپیہ کیا کیا جائے؟

الجواب؛ بہتر یہ ہے کہ وہ روپیہ واپس نہ لیا جائے، اور اگر لے لیا ہے تو افضل یہ ہے کہ اس کو صدقہ کر دیا جائے، اور اگر خود بھی رکھ لیں تو جائز ہے۔

دلیل الجواب؛ ماذکرہ فی الدر بقولہ وتسقط الزکوٰۃ عن موھوب لہ فی نصاب مرجوع فیہ مطلقا سواء رجع بقضاء او غیرہ بعد الحول لورود الاستحقاق علی عین الموھوب ولذا لا رجوع بعد ھلاکہ، قید بہ رای بقولہ عن موھوب لہ) لانہ لا زکوٰۃ علی الواھب اتفاقا لعدم الملک اھ قال الشامی رقولہ اتفاقا لعدم الملک) لان ملک الواھب انقطع بالھبۃ واشار بقولہ "اتفاقا" الی ان فی سقوطھا عن الموھوب لہ خلافا لان زفرؒ یقول بعدمہ ان رجع الواھب بلا قضاء لانہ لما ابطل ملکہ باختیارہ صار ذلک کھبۃ جدیدۃ وکمستھلک، قلنا بل ھو غیر مختار لانہ لو امتنع عن الرد اجبر بالقضاء فصار کانہ ھلک، شرح درر البحار اھ، ص ۵۹ ج ۲، قلت واما فی الصورۃ المسئولۃ فلاشک فی کون رد الموھوب لہ ھبۃ جدیدۃ لانہ لاجبر علیہ من الواھب فیسقط الزکوٰۃ عن الواھب قطعا الا انہ ینبغی للواھب ان لایقبل ھذا الرد لما ورد فی الصحیح عن عمر رضی اللہ عنہ انہ حمل رجلا علی فرس فی سبیل اللہ ثم راٰہ یباع فی السوق فاراد شراءہ فنھاہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلک وقال لاتعد فی صدقتک اھ، واللہ اعلم۔

۲۰ رمضان س۴۱ھ

مدیون بدین مہر پر وجوب زکوٰۃ کا حکم

سوال (۴) اگر کسی کے ذمہ اب تک دَینِ مہر باقی ہے تو اس پر احکام نصاب عائد ہوتے ہیں یا نہیں، دراں حالیکہ علاوہ دَینِ مہر سے زیادہ مالیت کے موجود ہوں؟

الجواب: احکامِ نصاب دو قسم کے ہیں، ایک وجوبِ زکوٰۃ، دوسری جوازِ اخذِ مالِ زکوٰۃ، وجوبِ زکوٰۃ تو محض علاقہ کے موجود ہونے سے نہیں ہوتا، جب تک چاندی یا سونا بقدرِ نصاب موجود نہ ہو، اور اُس پر حولانِ حول نہ ہو، یا مالِ تجارت نہ ہو، ہاں علاقے کی پیداوار پر عشر ہوگا اگر یہ خود کاشت کرتا ہے، پس اگر اس شخص کے پاس چاندی یا سونا یا مالِ تجارت بقدرِ نصاب فاضل از حوائجِ اصلیہ ضروریہ موجود ہو، اور اس پر سال بھی گذر جائے، تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اور دَینِ مہر وجوبِ زکوٰۃ سے اس وقت مانع ہے جبکہ اس رقم کو دَینِ مہر میں ادا کرنے کی نیت ہو، اور اگر مہر میں ادا کرنے کی نیت نہیں تو زکوٰۃ واجب ہوگی، اور صورتِ اوّل میں بھی قدرِ مالیتِ مہر سے زائد رقم میں زکوٰۃ واجب ہوگی، اگر وہ نصاب کو پہونچ جاوے، اور زکوٰۃ لینے کا جواز اس وقت ہے جبکہ زمین کی آمدنی اس کے اہل وعیال کے نفقہ قوت کو سال بھر کے لئے کافی نہ ہوتی ہو، مگر سوال کرنا جائز نہیں، کوئی خود دیدے تو لینا جائز ہوگا، اور اگر آمدنی نفقہ سالانہ کے لئے کافی ہے تو زکوٰۃ کا روپیہ لینا اس شخص کو جائز نہیں، اسی طرح صدقہ فطر وچرمِ قربانی کا حکم ہے، قال فی العالمگیریۃ ولوکان لہ ضیعۃ تساوی ثلثۃ آلاف ولا تخرج ما یکفی لہ ولعیالہ اختلفوا فیہ قال محمد بن مقاتل یجوز لہ اخذ الزکوٰۃ اھ (ص ۱۲۲ ج ۱) وفیہ ذکر البزدوی فی شرح الجامع الکبیر قال مشائخنا رحمھم اللہ فی رجل علیہ مھر مؤجل لامرأتہ وھو لا یرید اداءہ لا یجعل مانعاً من الزکوٰۃ لعدم المطالبۃ بہ عادۃ وانہ حسن ایضاً ھکذا فی جواھر الفتاوی اھ (ص ۱۱۱ ج ۱) - ۲۵ رشعبان ۱۳۴۲ھ -

مالِ مخلوط بالحرام پر وجوبِ زکوٰۃ کا حکم

سوال (۵) ایک شخص ہے جس کو دس ہزار روپے سالانہ آمدنی تو جائز مثلاً زمین کے اناج وغیرہ سے اور پانچ ہزار سالانہ مشکوک ذرائع سے، مثلاً لاٹری وجُوا وگھوڑ دوڑ کے انعام ورشوت سے آتا ہے، تو کیا یہ شخص اگر اپنے نوکروں کو تنخواہ دے گا، تو ملازم لوگوں کی آمدنی جائز ہے یا کہ نہیں، اور زکوٰۃ اس کو دس ہزار روپے پر دینا چاہئے یا کہ پندرہ ہزار پر، جس میں کہ پانچ ہزار مشکوک رقم ہے؟

الجواب: گھوڑ دوڑ کے انعام میں جو رقم اس کو ملتی ہے اس کو تو مطلقاً حرام نہیں کہا جا سکتا، بلکہ اس کی بعض صورتیں حلال بھی ہیں، البتہ جُوا اور سود ورشوت سے جو رقم آتی ہے وہ حرام ہے، اور اس کو اگر جائز آمدنی سے مخلوط نہیں کرتا تو اس پر زکوٰۃ

نہیں بلکہ اصلی مالکوں کو واپس کرنا لازم ہے، اور اگر حلال آمدنی سے اس کو مخلوط کر دیا ہے، اور دونوں میں تمیز نہیں ہو سکتی تو زکوٰۃ مجموعہ پر فرض ہوگی، اور اصل مالکوں کو مال کا واپس کرنا بھی لازم ہے، اور ملازموں کو اس حرام آمدنی سے عدم خلط کی حالت میں تو تنخواہ لینا جائز نہیں اور حلال آمدنی کے ساتھ خلط کی صورت میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے۔

قال فی الدر ولو خلط السلطان المال المعصوم بماله ملکه فتجب فیه الزکوٰۃ ویورث عنه لان الخلط استهلاك اذا لم یمکن تمییزه الخ قال الشامی قوله بماله متعلق بخلط واما لو خلطه بمغصوب اخر فلا زکوٰۃ فیه کما یذکره فی قوله کما لو کان الکل خبیثا اھ (ص ۳۹ ج ۲) قلت ظهر بذلك انه لا یملك شیئا بخلط مال القمار والربوا مالم یخلط بماله و قال فی قاضی خان ان کان غالب مال المهدی من الحلال لا بأس بان یقبل الهدیة ویاکل مالم یتبین عنده انه حرام لان اموال الناس لا تخلو عن قلیل حرام فیعتبر الغالب کما مر فی ص۱۸۲ من هذا الجزو الملقب بالقال المضبوط (تتمة الکلام علی الجواب) فی حکم المال المخلوط، قال فی الدر وجاز اخذ دین علی کافر من ثمن خمر لصحة بیعه بخلاف دین علی المسلم لبطلانه الا اذا وکل ذمیا ببیعه فیجوز عنده خلافا لهما وعلی هذا لومات مسلم وترك ثمن خمر باعه مسلم لا یحل لورثته کما بسطه الزیلعی، وفی الاشباه الحرمة تنتقل مع العلم الا للوارث الا اذا علم ربه قلت و مر فی البیع الفاسد لکن فی المجتبی مات وکسبه حرام فالمیراث حلال ثم رمز وقال لا نأخذ بهذه الروایة اھ قال الشامی تحت قوله کما بسطه الزیلعی الخ حیث قال لانه کالمغصوب وقال فی النهایة قال بعض مشائخنا کسب المغنیة کالمغصوب لم یحل اخذه وعلی هذا قالوا لومات الرجل وکسبه من بیع الباذق او الظلم او اخذ الرشوة یتورع الورثة ولا یأخذون منه شیئا وهو اولی بهم ویردونها علی اربابها ان عرفوهم والا تصدقوا بها لان سبیل الکسب الخبیث التصدق اذا تعذر الرد علی صاحبه اھ وتحت قوله فی الاشباه الخ قال الشیخ عبد الوهاب الشعرانی فی کتاب المنن

ومَا نقل عن بعض الحنفية من ان الحرام لايتعدى الى ذمتين سالت عنه
الشهاب بن الشلبي (الحنفي) فقال هو محمول على ما اذا لم يعلم بذلك اما
من رأى المكاس يأخذ من احد شيئا من المكس ثم يعطيه آخر ثم يأخذه
من ذلك الآخر فهو حرام اه وفى الذخيرة سئل ابو جعفر عمن اكتسب ماله
من امر السلطان والغرامات المحرمة وغير ذلك هل يحل لمن عرف ذلك
ان يأكل من طعامه قال احب الى فى دينه ان لا يأكل ويسعه حكما ان لم يكن
غصبا او رشوة اه وفى الخانية: امرأة زوجها فى ارض الجور اذا اكلت من طعامه
ذلك ولم يكن عينه غصبا او اشترى طعاما او كسوة من مال اصله ليس بطيب
فهى فى سعة من ذلك والاثم على الزوج اه حموى تحت قوله وهو حرام مطلقا
على الورثة الخ اى سواء علموا اربابه اولا فإن علموا اربابه ردوه عليهم والا تصدقوا به كما قدمناه
آنفا عن الزيلعى اقول ولا يشكل ذلك بما قدمناه آنفا عن الذخيرة والخانية
لان الطعام او الكسوة ليس عين المال الحرام فانه اذا اشترى به شيئا يحل
اكله على تفصيل تقدم فى كتاب الغصب بخلاف ما تركه ميراثا فانه عين
المال الحرام وان ملكه بالقبض والخلط عند الامام فانه لا يحل له التصرف
فيه قبل اداء ضمانه وكذا الوارثه فى الديانة لا الحكم فلا يجوز لوصى القاصر
التصدق به ويضمنه القاصر اذا بلغ تأمل اھ (ص ۸۰ ج ۵) وفى الدر
فى باب الغصب فان غصب وغير المغصوب فزال اسمه واعظم منافعه
اى اكثر مقاصده او اختلط المغصوب بملك الغاصب بحيث يمتنع
امتيازه كاختلاط بره ببره او يمكن بحرج كبره بشعيره ضمنه وملكه بلا
انتفاع قبل اداء ضمانه اى رضا مالكه باداء او ابراء او تضمين قاض و
القياس حله وهو رواية فلو غصب طعاما فمضغه حتى صار مستهلكا
يبتلعه حلالا فى رواية وحراما على المعتمد عہ حسما لمادة الفساد اھ قال الشامى

عہ قلت هذا مبنى على قولهما لا على قوله كما يظهر ۱۲ ظ قلت نعم يفتى بالحرمة فى حق الغاصب
وهو كاف لحسم مادة الفساد واما فى حق غيره فالافتاء بالحل ارفق لدفع الحرج كما سيأتى ۱۲

تحت قوله وهو رواية الخ جعلها فى الخلاصة وغيرها قول الامام والاستحسان قولهما وفى البزازية وكان الامام نجم الدين النسفيؒ ينكران يكون هذا قول الامام ويقول اجمع المحققون من اصحابنا انه لا يملكه الا باحدى الامور الثلثة وقالوا جميعًا الفتوىٰ علىٰ قولهما اهـ قلت ما قاله المحققون مخالف لعامة المتون كما مر فتدبر، ثم رأيت بعضهم نقل ان العلامة قاسم تعقبه اهـ (ص ۱۸۷ ج ۵) قلت وقد ذكر الشامىؒ قبل ذلك فى (ص ۱۸۶ ج ۵) وما افاده كلامه اى كلام المصنف من ان الملك فى المغصوب ثابت قبل اداء الضمان وانما المتوقف علىٰ اداء الضمان الحل هو ما فى عامة المتون اهـ ثم ردّ علىٰ صاحب النوازل فى توقيفه الملك ايضًا عليه وفى الدر فى باب البيع الفاسد الحرام ينتقل فلو دخل بامان واخذ مال حربى بلا رضاه واخرجه الينا ملكه وصح بيعه لكن لا يطيب له ولا للمشترى منه بخلاف البيع الفاسد فانه لا يطيب له لفساد عقده ويطيب للمشترى منه لصحة عقده وفى حظر الاشباه الحرمة تتعدى مع العلم بها الا فى حق الوارث وقيده فى الظهيرية بان لا يعلم ارباب الاموال وسنحققه ثمه اهـ قال الشامى وفى منية المفتى مات رجل ويعلم وارثه ان اباه كان يكسب من حيث لا يحل ولكن لا يعلم الطالب بعينه ليرد عليه حل له الارث والافضل ان يتورع ويتصدق بنية خصماء ابيه اهـ وكذا لا يحل اذا علم عين الغصب مثلا وان لم يعلم مالكه لما فى البزازية اخذ مورثه رشوة او ظلما ان علم ذلك بعينه لا يحل له اخذه والا فله اخذه حكما اما فى الديانة فيتصدق به بنية ارضاء الخصماء اهـ والحاصل انه ان علم ارباب الاموال وجب رده عليهم والا فان علم عين الحرام لا يحل له ويتصدق به بنية صاحبه وان كان مالا مختلطا مجتمعا من الحرام ولا يعلم اربابه ولا شيئا منه بعينه حل له حكما والاحسن ديانة

ﻋﮧ اى بالاداء او الابراء او تضمين قاض قلت ومقتضاه ان لا يجب على الخالط الزكوٰة بعد الخلط وقد صرح اصحاب المتون بخلافه كما ذكرناه ۱۲ منه

التنزہ عنہ اھ (ص ۲۰۱ ج ۴) قلت ومفادہ ان الحرمۃ انما تتعدی الی الغیر اذا
علم شیئا بعینہ حراما وعلم ربہ والا فیحل لہ اخذہ والتورع التنزہ عنہ
وھذا ھو الذی قلتہ فی المختلط ویؤیدہ ما فی قاضی خان: ان کان غالب مال
المھدی حلالا لا باس بان یقبل الھدیۃ ویاکل مالم یتبین عندہ انہ
حرام لان اموال الناس لا تخلو عن قلیل حرام فیعتبر الغالب اھ قیل لیس فیہ
تصریح بالخلط قلت قولہ لان اموال الناس لا تخلو عن قلیل حرام یشعر
بالخلط والا لقال لان احدا لا یخلو عن کسب حرام وایضا فالحکم یدور
مع العلۃ وھی فی المسئلۃ المذکورۃ دفع الحرج ولا یخفی کثرۃ اختلاط اموال
الناس بقلیل حرام وفی الافتاء بحرمۃ اخذھا حرج عظیم فیعتبر الغالب
مطلقا سواء کان قلیل الحرام مخلوطا او غیر مخلوط وفی الدر ولو خلط السلطان
المال المعصوم بمالہ ملکہ فتجب الزکوۃ فیہ ویورث عنہ لان الخلط استھلاک اذا
لم یمکن تمییزہ عند ابی حنیفۃؒ وقولہ ارفق اذ قل ما یخلو مال عن غصب اھ (ص ۲۹ ج ۲) قلت وفی
قولہ دلالۃ علی انتفاء الحرمۃ عن الاخذ اذا اخذ المال المختلط بالحرام بحیث لا یمکن تمییزہ
والا فلا رفق بالناس مع بقاء الحرمۃ وفی الھندیۃ: ولا یجوز قبول ھدیۃ
امراء الجور لان الغالب فی مالھم الحرمۃ الا اذا علم ان اکثر مالہ حلال
بان کان صاحب زرع او تجارۃ فلا باس بہ لان اموال الناس لا تخلو عن
قلیل حرام فالمعتبر الغالب وکذا اکل طعامھم کذا فی الاختیار (ص ۲۲۸ ج ۵)
وحملہ علی غیر المخلوط بعید وکیف یقال ان مقتضاہ ان اموال الناس الغیر
المخلوطۃ لا تخلو عن قلیل حرام ای والمخلوطۃ تخلو عنہ کلا فان التفسیر
بھذا المعنی لا یقبلہ احد، وفیہ ایضا قال الفقیہ ابو اللیث: اختلف الناس
فی اخذ الجائزۃ من السلطان قال بعضھم یجوز ما لم یعلم انہ یعطیہ
من حرام قال محمدؒ: وبہ ناخذ ما لم یعرف شیئا حراما بعینہ وھو قول
ابی حنیفۃؒ واصحابہ کذا فی الظھیریۃ وفیہ ایضا ولا ینبغی للناس ان
یاکلوا من اطعمۃ الظلمۃ لتقبیح الامر علیھم وزجرھم عما یرتکبون وان کان
یحل کذا فی الغرائب اھ وفیہ ایضا لو ان فقیرا یاخذ جائزۃ السلطان

مع علمہ ان السلطان یأخذھا غصبًا ایحل لہ قال ان خلط ذلک بدراھم اخریٰ فانہ لابأس بہ وان دفع عین المغصوب من غیر خلط لم یجز قال الفقیہ و ھذا الجواب خرج علیٰ قیاس قول ابی حنیفۃ لان من اصلہ ان الدراھم المغصوبۃ من اناس متیٰ خلط البعض بالبعض فقد ملکھا الغاصب ووجب علیہ مثل ماغصب وقالا لایملک تلک الدراھم وھی علیٰ ملک صاحبھا فلایحل لہ الاخذ کذا فی الحاوی اھ (ص ۲۲۸ ج ۶)۔

وحاصل الکلام ان خلط دراھم الغیر بمالہ بحیث لایمکن التمییز بینھا سبب الملک عند الامام فیملک الغاصب ولایحل لہ الانتفاع بھا قبل الضمان بالامور الثلثۃ فی روایۃ ویحل قبلہ فی روایۃ والمعتمد فی حق الغاصب الافتاء بالروایۃ الاولیٰ ای لایجوز لہ الانتفاع بھا قبل الاداء واما فی حق الغیر فینبغی الافتاء لہ بالحل والجواز فی قبول الھدیۃ واکل الطعام والبیع والشراء معہ اذا کان غالب مالہ حلالًا ولم یعرف شیئًا بعینہ حرامًا لان اموال الناس لاتخلو عن قلیل حرام فالمعتبر الغالب وفی الافتاء بخلاف ذلک حرج عظیم علی الامۃ والحرج مدفوع والمتورع ماجور، واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفاعنہ ۸ ج ۲ ۳۵ھ

احقر اشرف علی جو ان روایات کے مجموعہ سے سمجھا ہے جس سے سب روایات عملاً جمع ہوجاتی ہیں یہ ہے کہ حرام غیر مخلوط تو یقیناً حرام ہے، اور اس میں جہاں حل کا حکم کیا گیا ہے، مراد اس سے حرمتِ خاصہ کی نفی ہے، یعنی جو حرمت مِلکِ غیر ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے، اور نفیِ خاص سے نفیِ عام لازم نہیں، اور مخلوط میں یہ تفصیل ہے کہ جہاں خلط یقینی نہ ہو محض بناء بر عادۃ عامہ مظنون ہو وہاں غالب کا اعتبار ہے، اور جہاں خلط یقینی ہو وہاں خالط کے لئے تو مطلقاً حرام ہے، گو حرام قلیل ہو، اور غیر خالط کے لئے اگر وہ غیر مضطر ہے یعنی بچ سکتا ہے بدون حرج، غلبۂ حلال کے وقت قضاءً حلال اور دیانۃً حرام ہے، اور مضطر کے لئے جو بچنے سے حرج میں داخل ہوجاوے غلبۂ حلال کے وقت گنجائش ہے دیانۃً بھی۔

۹ ج ۲ ۳۵ھ

حکم ادائے زکوٰۃ بصورت سپردگی وکیل

سوال (۶) کیا زکوٰۃ دینے والا جب زکوٰۃ کا روپیہ کسی شخص کو تقسیم کرنے کے واسطے دیدے یا بذریعہ منی آرڈر وغیرہ کے بھیجدے، پھر بھی وہ اس بات کا ذمہ دار رہتا ہے کہ جس شخص کو روپیہ تقسیم کرنے کو دیا ہے وہ اس کو مستحق لوگوں کو دے گا، اور جائز مصرف میں صرف کرے گا؟

الجواب: قاعدہ یہ ہے کہ محض وکیل کو دیدینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، جب تک کہ وکیل اس کو مستحقین میں صرف نہ کردے، پس اگر وکیل ثقہ معتبر، دیندار ہے جس پر اطمینان ہے کہ وہ مستحقین ہی میں صرف کرے گا، غیر مستحقین کو نہ دے گا، اس وکیل کو رقم دیکر موکّل اپنے کو فرض زکوٰۃ سے سبکدوش سمجھ سکتا ہے، ہاں اگر بعد میں تحقیق سے معلوم ہوا کہ وکیل نے مستحقین کو نہیں دیا بلکہ غیر مستحقین کو دیا ہے، اور روکیل بھی دیتے وقت اُن کو غیر مستحق جانتا تھا، تو اس صورت میں موکّل کو زکوٰۃ دوبارہ دینا پڑے گی، لیکن جب وکیل معتبر دیندار ثقہ ہے تو موکل کے ذمہ یہ تحقیق واجب نہیں، ہاں اگر بعد میں خود معلوم ہوجائے کہ وکیل نے بے موقعہ صرف کیا، تو اب آئندہ اس وکیل کو ثقہ نہ سمجھے اور گذشتہ زکوٰۃ جو اس نے بے موقع صرف کی ہے دوبارہ ادا کرے، واللہ اعلم۔ ۲ر رجب ۴۵ھ

ادائے زکوٰۃ بلفظ قرض اور اس میں رجوع کی ایک صورت کا حکم

سوال (۷) زید نے عمرو سے کہا کہ ہمیں دس روپے قرض دو ہم چند روز میں ادا کر دیں گے، عمرو نے خیال کیا بیچارہ زید غریب ہی، اور مستحق زکوٰۃ ہے مگر غیرت مانع ہو رہی ہے، اس نے دس روپے زکوٰۃ کے دیدیئے، زکوٰۃ کی نیت سے اور بریٔ الذمہ ہوگیا، مگر سوال یہ ہے کہ زید بعد میں اگر دس روپے لاکر عمرو کو دے کہ لو بھائی آپ کے دس روپے، تو عمرو کو لینے جائز ہیں، یا نہیں؟ (جبکہ یہ بھی خطرہ ہو کہ اگر نہ لوں گا تو زید بگڑے گا، اور کہے گا کہ کیا تم نے ہمیں ایسا گمان کیا تھا، اور کوئی سبیل بھی زید کے سمجھانے کی نہ ہو) اور اگر جائز ہے تو پھر اس دس روپے کو اور کسی غریب مستحق زکوٰۃ کو دینے ضروری ہوں گے یا کہ عمرو کو اپنے کام میں لانے جائز ہیں؟

الجواب: اگر زید نے عمرو کو روپے دیتے ہوئے یہ کہہ دیا تھا کہ یہ روپیہ قرض مت سمجھنا، بلکہ تمہاری ملک ہیں تم کو ویسے ہی ہبۃً بلا قرض دیتا ہوں (گو یہ نہ کہا ہو کہ زکوٰۃ دیتا ہوں) تب تو زید پر سے زکوٰۃ ساقط ہوگئی، اور اس صورت میں عمرو اگر اس کو دس روپے دے گا تو یہ ہبہ مستانفہ ہوگا، اس کا لینا جائز ہے، مگر خلاف اولیٰ ہے،

اور لے لینے کے بعد صدقہ کر دینا بہتر ہے احترازاً عن صورۃ العود فی الصدقۃ، اور اگر زید نے عمرو سے اس کے سوالِ قرض کے بعد یہ نہیں کہا کہ یہ روپیہ قرض نہیں بلکہ ہبہ ہیں تو زکوٰۃ بوجہ نیتِ زکوٰۃ کے اس صورت میں بھی ادا ہوگئی، لیکن اس رقم کو عمرو سے واپس لینا جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں یہ بالکل عود فی الصدقہ ہے، عمرو اس رقم کو اپنے اوپر قرض سمجھ کر واپس کر رہا ہے، اور زید کی نیت قرض دینے کی نہ تھی، تو اب زید کو اس کی واپسی کا کچھ حق نہیں بخلاف صورتِ اُولیٰ کے کہ وہاں عمرو کو بوقتِ عطاء یہ معلوم ہو گیا تھا کہ یہ رقم قرض نہیں، پس صورتِ ثانیہ میں اگر زید نے اس رقم کو واپس لے لیا تو لازم ہے کہ اس کو پھر کسی حیلہ سے عمرو ہی کو واپس کر دے، ورنہ ادائِ زکوٰۃ میں شبہ رہے گا، قال فی الشامیۃ تحت قول الدر: وشرط صحۃ ادائہا نیۃ مقارنۃ لہ ای للاداء مانصہ اشار الی انہ لااعتبار للتسمیۃ فلو سماہا ہبۃً اوقرضاً تجزیہ علی الاصح اھ (ص ۱۶ ج ۲)، قلت ای وراعی مع تسمیتہ قرضاً حقیقۃ معنی التصدق بالنیۃ ولم یرجع علی الفقیر اما لو رجع علیہ بما ادی فالحکم عدم جواز الرجوع لاخذہ ملک الغیر وشبہۃ عدم سقوط الزکوٰۃ عنہ لو رجع علی الفقیر، واللہ تعالیٰ اعلم۔

قال الشامی فی مسئلۃ تصادق الدائن والمدیون علی ان لادین علیہ یستردہ الدافع ولیس للمدیون ان یأخذہ زیلعی اھ ثم قال ناقلاً عن النہر: ان اطلاق مسئلۃ التصادق محمول علی ما اذا کان الوفاء بغیر امر المدیون اما لو کان بامرہ فینبغی ان یرجع علی المدیون الخ قال وھو ملخص من کلام الفتح لکن قولہ فینبغی ان یرجع علی المدیون لیس فی عبارۃ الفتح وھو سبق قلم لان ہذا اذا لم ینو بالدفع الزکوٰۃ کما قدمناہ والکلام الاٰن فیما اذا نواھا و حینئذ لارجوع لہ ای للدافع علی احد لوقوعہ زکوٰۃ اھ (ص ۱۰۰ ج ۲)۔

زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد اس مال سے کوئی تجارت نہیں کی ویسا ہی پڑا رہا تو دوسرے سال اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

سوال (۸) زکوٰۃ جس مال کی دیدی گئی ہے اور اس مال سے کوئی تجارت وغیرہ نہیں کی وہ بدستور موجود رہی، تو اب دوسرے سال یا آئندہ اس مال پر کیا پھر زکوٰۃ دی جاوے گی یا نہیں؟

الجواب: جب تک یہ رقم مقدارِ نصاب یا اس سے زائد رہے گی اس وقت تک

ہر سال اُس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، ہاں جب زکوٰۃ ادا کرتے کرتے مقدارِ نصاب سے کم رہ جائے پھر سال پورا ہونے سے زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، مگر یہ کہ سال پورا ہونے سے پہلے کچھ اور رقم اس میں مل کر نصاب کامل ہو جائے، تو پھر زکوٰۃ واجب ہوگی، وعلیٰ ہذا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۵ ذی الحجہ ۴۴ھ

بذریعہ نوٹ زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم

سوال (۹) بدون سیم وزر خالص کے نوٹ اور گلٹ کی اکنی دونی چونی اور تانبہ کے پیسہ سے زکوٰۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب: چونکہ نوٹ مال نہیں ہے بلکہ سندِ ہر مال کی اور محض حوالہ ہے، یعنی سرکار کے جو ذمہ جو قرضہ ہے اس کے وصول کرنیکا، اور زکوٰۃ مال کی تملیک سے ادا ہوتی ہے، بدونِ تملیکِ مال ادا نہیں ہوتی، اور رفقط وصولِ قرض کا وکیل بنانے سے وکیل مالک نہیں ہو جاتا، بلکہ جب وصول کرلے اور قبضہ کرلے اس وقت مالک ہوتا ہے، اس لئے نوٹ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، لیکن جسکو زکوٰۃ میں نوٹ دیئے گئے ہیں اگر وہ اُن کے بدلے میں کسی سے روپیہ وغیرہ لے لے تو ادا ہو جائے گی، اور اگر اس نے یعنی جس کو زکوٰۃ میں نوٹ دیئے گئے تھے کسی کو قرض یا ادائگی قرض میں نوٹ ہی دیدیئے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی،

فی تنویر الابصار متن الدر المختار ھی تملیک جزء مال عینہ الشارع الخ اور بعد توکیل بالقبض قبضِ دین سے ادا زکوٰۃ کی روایت صفحہ آئندہ میں درج ہے، باقی اکنی دونی وغیرہ سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے، کیونکہ زکوٰۃ خلافِ جنس سے ادا کرنا جائز ہے جس چیز پر زکوٰۃ واجب ہے اس کی قیمت کا چالیسواں حصہ ان سکوں سے دیدیا جاوے، کما فی الشامی ص۲ ج۲، تحت قول الدر (والمعتبر وزنہما اداء و وجوبًا) واجمعوا علی انہ لو ادّی من خلاف جنسہ اعتبرت القیمۃ، واللہ اعلم، احقر عبد الکریم عفی عنہ ۱۶ شوال ۴۳ھ

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ ۱۶ شوال ۴۳ھ

کیا منی آرڈر کے ذریعہ زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے؟

سوال (۱۰) ڈاکخانہ کے ذریعہ زکوٰۃ کا روپیہ کسی مستحق کے پاس بھیجنے کی صورت میں جو روپیہ ڈاک خانہ میں داخل کیا جاتا ہے، وہ روپیہ مستحق کو نہیں ملتا بلکہ اس کے عوض میں دوسرا روپیہ ملتا ہے تو اس طرح پر زکوٰۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب: فی الدر المختار (تملیک الدین ممن لیس علیہ الدین

باطل (الا) فی ثلاث حوالة ووصية و (واذا سلطه) ای سلط المملك غير المديون
(علی قبضه) ای الدین (فیصح حینئذ ومنه ما لو وهبت من ابنها ما علی
ابیه فالمعتمد الصحة للتسلیط، وقال الشامی تحت (قوله علی قبضه) و
حینئذ یصیر وکیلا فی القبض عن الآمر ثم اصیلا فی القبض لنفسه ومقتضاه
صحة عزله عن التسلیط قبل القبض واذا قبض بدل الدراهم دنانیر صح
لانه صار الحق للموهوب له فملك للاستبدال واذا نوی فی ذلك التصدق
بالزکوۃ اجزأه کما فی الاشباه (شامی ج۲ ص۷۹۵)۔

اس میں تصریح ہے کہ اگر کسی شخص کو اپنا قرض وصول کرنے کے لئے کہہ دیا جاوے تو وہ شخص وکیل بالقبض ہو جاتا ہے، اور جب وہ وصول کرے گا تو مؤکل کی طرف سے وکیل اور اپنی طرف سے اصیل ہو کر وصول کرے گا، اور اگر وہ درہم کی جگہ دینار وصول کرے تب بھی صحیح ہے پس جب ڈاک خانہ داخل شدہ روپے کو بعینہ نہیں پہونچاتا تو وہ اس کے ذمہ قرض ہو جاتا ہے، اور مرسل الیہ وکیل عن الآمر اور اصیل عن نفسہ ہونیکی حیثیت سے اس کو وصول کرتا ہے، تو وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے اور زکوٰۃ کی نیت روانگی منی آرڈر کے وقت کر چکا تھا، اس لئے زکوٰۃ ادا ہو گئی، دوبارہ یعنی وقت قبض نیت ادائیگی زکوٰۃ کی ضرورت نہیں ہے، (کما ہو مصرح فی قولہ واذا نوی من ذلک التصدق بالزکوٰۃ اجزاہ) واللہ اعلم، البتہ اگر ڈاک خانہ سے مرسل الیہ کو نوٹ وصول ہوئے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، بلکہ ان کے بدلہ میں روپیہ وغیرہ جب کسی سے لے گا تب ادا ہو گی، کما مر فی الجواب عن السوال الاول، احقر عبد الکریم عفی عنہ ۱۶ رشوال ۴۳ھ، الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ ۱۶ رشوال ۴۳ھ

ایک شخص پر کئی سالوں کی زکوٰۃ واجب تھی بعد میں مال ضائع ہو کر وہ مقروض ہو گیا، تو سنین گذشتہ کی زکوٰۃ اس پر واجب ہوگی یا نہیں۔

سوال (۱۱) ایک شخص کے ذمہ پر کئی سال کی زکوٰۃ ادا کرنی واجب تھی، اس شخص نے اپنے مال کو جس کی زکوٰۃ واجب تھی تجارت میں لگایا، تجارت میں نقصان ہوا یعنی خسارہ آیا، اور تجارت کے باعث وہ مقروض ہو گیا، تو اس صورت میں اس شخص کے ذمہ سے زکوٰۃ معاف ہو گئی یا واجب رہی؟ بہشتی زیور کے تیسرے حصہ میں زکوٰۃ کے بیان میں اس طرح لکھا ہے، کسی کے مال پر پورا سال گذر گیا، لیکن ابھی زکوٰۃ نہیں نکالی تھی کہ سارا مال چوری ہو گیا، یا اور کسی طرح جاتا رہا، تو زکوٰۃ بھی معاف ہو گئی،

زکوٰۃ کے بیان کے ختم کے دو مسئلوں سے پیشتر یہ مسئلہ ہے۔

الجواب: فی الدر المختار والتوی بعد القرض والاعارة واستبدال مال التجارة بمال التجارة هلاك ويعتبر مال التجارة والسائمة بالسائمة استهلاك وفی الشامی تحت قوله (ويعتبر مال التجارة الخ) تتمة وحكم النقود مثل مال التجارة ففی الفتح رجل له الف حال حولها فاشترى بها عبداً للتجارة فمات او عروضاً للتجارة فهلك بطلت عنه زكوة الالف ولو كان العبد للخدمة لم تسقط بموته وتمامه فيه (ص ۳۳ ج ۲)۔

اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں (یعنی جبکہ ایسے مال کو تجارت میں لگایا جس میں زکوٰۃ واجب تھی، اور اس تجارت میں خسارہ ہوا تو) زکوٰۃ ساقط ہوگئی، البتہ اگر تجارت میں بیع وشراء غبنِ فاحش کے ساتھ کی ہو تو غبن کی مقدار ساقط نہ ہوگی، کما فی الشامی (صفحہ مذکورہ) عن البدائع وان حابی بما لا يتغابن فيه ضمن قدر زكوة المحاباة الخ

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ، ۲۶ رجب ۴۴ھ ، الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ ۲۹ رجب ۴۴ھ

ایک شخص اللہ واسطے محتاج کو ماہانہ رقم دیتا ہو شعبان اور رمضان کے مہینہ میں، اگر زکوٰۃ کی نیت سے رقم دیدے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں

سوال (۱۲) ایک محتاج شخص کو عمرو پانچ روپیہ ماہوار بلا کسی محنت واحسان کے للہ دیا کرتا ہے، عمرو پر دس روپیہ زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، ماہِ شعبان ورمضان شریف میں پانچ روپے دیتے وقت ادائگی زکوٰۃ کی نیت کرلیتا ہے، کیا اس صورت سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی؟

الجواب: ہاں زکوٰۃ ادا ہوجائے گی، زکوٰۃ دینے کے لئے یہ زبان سے کہنا ضروری نہیں، کہ یہ رقم زکوٰۃ کی ہے، واللہ اعلم، ۱۱ر شعبان ۴۵ھ۔

نوٹ سے زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم

سوال (۱۳) ۱ زکوٰۃ یا عشر ادا کرنے کے لئے نوٹ اگر فقیر کو دیا جائے تو زکوٰۃ یا عشر ادا ہوجائے گا یا نہیں؟

۲، اگر نوٹ زکوٰۃ میں دینا جائز نہیں تو جولاعلمی کی وجہ سے زکوٰۃ میں نوٹ دیئے جاچکے ہیں جن کی تعداد بھی معلوم اور یاد نہیں اس کا کیا حکم ہے؟ وہ زکوٰۃ یا عشر ادا ہوا یا نہیں؟

الجواب: اصل یہ ہے کہ نوٹ خود مال نہیں ہے، بلکہ سند مال ہے، اس لئے اس کے دینے سے زکوٰۃ اس وقت تک ادا نہ ہوگی جب تک فقیر اس کو بھنا کر اس کی رقم پر

قبضہ نہ کرے یا اس سے کوئی شے خرید کر اس شے پر قبضہ نہ کرلے، اگر اس نوٹ کو بھنا کر روپیہ پر قبضہ نہ کیا اور نہ اس سے کوئی شے خرید کر قبضہ میں کی بلکہ بعینہٖ وہی نوٹ کسی کو اپنے قرضہ میں دیدیا یا نوٹ اس کے پاس سے گم ہوگیا، یا وہ اس نے کسی کو ہبہ کردیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، کیونکہ فقیر کے قبضہ میں مال نہیں پہنچا۔

۲۔ گزشتہ کے متعلق دو صورتیں ہیں، ایک تو تحقیق: کہ جسقدر بدون تعب شدید کے تحقیق ہوسکے، دریافت کرکے معلوم کیا جائے کہ جن لوگوں کو زکوٰۃ میں نوٹ دیا گیا تھا انھوں نے اس کو کس طرح صرف کیا، دوسرے تحری ہے کہ جس مقدار کے متعلق تحقیق دشوار ہو اس کے متعلق یہ سوچا جائے کہ عادۃً اتنے آدمیوں میں جن کو ہم نے نوٹ دیتے ہیں ایسے آدمی کتنے ہوں گے جنھوں نے نوٹ کو ہم سے لیتے ہی اپنے قرضہ میں دیدیا ہوگا، یا صدقہ کردیا ہوگا، یا کسی کو ہبہ کردیا ہوگا، اس کو سوچا جائے، اندازہ سے اگر کوئی مقدار ذہن میں آئے تو جو مقدار راجح اور غالب ہو اس کے موافق زکوٰۃ کا اعادہ کردیا جائے، اور اس انداز میں اپنے دوچار احباب سے امداد لینے کا مضائقہ نہیں، واللہ اعلم۔ ۱۲ر رمضان شریف ۴۵ھ

حکم زکوٰۃ بر منافع کارخانہ

سوال (۱۴) میرے یہاں جو کارخانہ ہے اس میں ہڈی کی پسائی ہوتی ہے، اور چکی سے آٹا پیسا جاتا ہے، ہڈی کی فروختگی پر اور چکی کی پسائی پر زکوٰۃ پوری قیمت ہڈی اور پوری قیمت چکی کی پسائی پر ہوگی یا قیمت خرید ہڈی اور خرچہ تیل اور تنخواہ ملازماں غرضکہ کل اخراجات مجریٰ ہوکر منافع پر ہوگی؟ جواب سے مطلع فرمایا جائے۔ خاکسار حسین علی خان

الجواب: ہڈی کی فروختگی پر زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ زکوٰۃ ختم سال سے پہلے واجب نہیں ہوتی، حولانِ حول (سال تمام) ہونے پر واجب ہوتی ہے، پس سال تمام ہونے کے بعد دیکھا جائے کہ اسوقت کتنا مال موجود ہے، اور کتنی رقم موجود اور کتنے لوگوں کے ذمہ چڑھی ہوئی ہے، پس ختم سال پر جتنی ہڈی موجود ہو اور جتنی رقم باقی ہو اس پر زکوٰۃ واجب ہے، اور اس کا چالیسواں حصہ نکال دیا جاوے، اور درمیان سال میں جتنی رقم تنخواہِ ملازماں اور صرفہ تیل وغیرہ میں خرچ ہوچکی یا جو اپنی ذاتی ضروریات میں صرف ہوئی یا قرضہ میں دی گئی اُس پر زکوٰۃ نہیں، زکوٰۃ صرف اُس سرمایہ پر ہے جو اُس دن موجود ہو جس دن سال ختم ہوا، اور اس کے ساتھ وہ رقم بھی ملائی جائے گی جو کارخانہ کے منافع سے جمع ہو یا خریداروں کے ذمہ قرض ہو، اور پسائی آٹا میں چونکہ اناج وغلہ

دوسروں کا ہوتا ہے، اپنا سرمایہ نہیں ہوتا، اس میں زکوٰۃ کی صورت یہ ہے کہ ختم سال پر پسائی آٹا کی جو رقم موجود ہو یا پسوانے والوں کے ذمہ ہو اُس کا چالیسواں حصہ نکال دیا جائے اور جو رقم خرچ ہو گئی اس پر زکوٰۃ نہیں۔

یہ جواب حضرت مولانا کا فرمودہ ہے، والسلام۔　　۱۷ رجب ۱۳۴۶ھ

امانتِ زکوٰۃ بطور قرض دینے کا حکم

سوال (۱۵) زید کے پاس بکر کے زکوٰۃ کے روپے ہیں، اور اس کو زکوٰۃ کی ادائیگی کا وکیل بنایا ہے، چنانچہ حسبِ موقع و محل اُس زکوٰۃ کی امانت کو فقراء و مساکین پر تقسیم کرتا ہے، اور کبھی کوئی حاجت مند اگر قرض مانگتا ہے تو قرض کی نیت سے اس کو دیدیتا ہے، اور واپسی پر پھر اس روپیہ کو زکوٰۃ کے مد میں رکھ دیتا ہے، اور اس قرض کے ثواب کو بھی بکر کو بخش دیتا ہے، چونکہ زید کو معلوم ہے کہ بکر میرے اس تصرف کو بخوشی اجازت دیدے گا، اس لئے ایسا کرتا ہے، تو ایسی صورت میں یہ تصرفِ اقراض زکوٰۃ کے روپے میں جائز ہے یا نہیں، یا صریحی اجازت کی ضرورت ہوگی؟ ایسے تصرف کے بعد تدارک کی کیا صورت ہوگی، آیا بکر کو اطلاع دینا کافی ہوگا؟

الجواب: زکوٰۃ کی رقم کو بمدِ قرض استعمال کرنا چونکہ غرضِ معطی کے خلاف ہے اس لئے اس کا ایک ثمرہ تو یہ ہوگا کہ درصورتِ ضیاعِ رقم کے وکیل قرض دینے کی صورت میں اس رقم کا ضامن ہوگا، اور اگر وہ قرض نہ دیتا بلکہ اس رقم کو بجنسہٖ محفوظ رکھتا تو ضامن نہ ہوتا، دوسرے اس میں احتیاط کے بھی خلاف ہے، کہ بدون صریح اجازت مؤکل کے اس کے خلاف تصرف کیا جائے، پس لازم ہے کہ وکیل ماضی و مستقبل دونوں کے متعلق مؤکل کو اطلاع کرے، اور اجازت حاصل کرے، اور جب بکر کو معلوم ہے کہ زید اُس کے اس تصرف کو بخوشی قبول کرے گا تو اطلاع کرنے میں کیا حرج ہے، واللہ اعلم، ۱۲ شعبان ۱۳۴۶ھ

ختمِ سال پر جتنی رقم ہو سب پر زکوٰۃ واجب ہوگی

سوال (۱۶) بندہ صاحبِ نصاب تمام سال رہا، اور بندہ زکوٰۃ کا حساب ہر سال ۲۸ شعبان کو کرتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ بندہ نے اپنی زمین اجارہ پر ۸ ذیقعدہ میں بعوض مبلغ ۵۰۰ پانچسو روپے دی اور یہ وعدہ جانبین سے ہوا کہ فصل کٹنے کے بعد یعنی آئندہ ذیقعدہ میں مبلغ ۵۰۰ روپے دوں گا، کیونکہ ہمارے یہاں اسی طرح اجارہ پر دیتے ہیں، اس مدت سے قبل نہ میں مانگ سکتا ہوں نہ وہ دیتا ہے اب جبکہ بندہ ۲۸ شعبان کو زکوٰۃ کا حساب کرے گا، تو جس قدر روپیہ زیور ہونگے اس کے

ساتھ اجارہ کی اجرت کے روپے پانچ سو کی بھی زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں ؟

الجواب: ختم سال پر زکوٰۃ اسی رقم کی واجب ہوتی ہے جو ختم سال پر اس شخص کے پاس ہو، اور دین قوی پر زکوٰۃ واجب ہے، مگر بعد وصول کم از کم چالیس درہم کے ادا واجب ہوتی ہے، اور دین مؤجل جس کی اجل ختم سال سے متجاوز ہو اس کے مطالبہ کا قبل از اجل حق نہیں، نہ اُس پر قبضہ ہے، اس لئے وہ اس رقم کے ساتھ شمار کرنا واجب نہیں جس کی زکوٰۃ ختم سال پر واجب الادا ہے، لیکن اس رقم کی زکوٰۃ بھی قبل از وصول دیدی جاوے تو ادا ہو جائے گی، اور اسی میں سہولت ہے، ورنہ بعد وصول کے ادا کرنا واجب ہے۔

۲۰ رمضان المبارک ۴۶ھ

دین محیط مانع وجوب زکوٰۃ ہے

سوال (۱۷) میری جائداد تقریباً ڈیڑھ ہزار کی ہے، اس پر بارہ سو روپے قرضہ ہے، اور جائداد میں اپنی دخلی رہن کر چکا ہوں، اس کا منافع مجھے کچھ نہیں ملتا، اور سود بھی دینا نہیں پڑتا، میرے پاس تقریباً چار سو ساڑھے چار سو روپیہ کا زیور طلائی ونقرئی ہے، ایسی صورت میں مجھ پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں ؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں قرض کی وجہ سے زیور پر زکوٰۃ واجب نہیں،

قال فی الدر مع الشامیۃ یصرف الدین اولا الی مال الزکوٰۃ لا الی غیرہ ولو من جنس الدین خلافا لزفر اھ واللہ اعلم۔ ۲۵ رشوال ۴۶ھ

پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ کا مسئلہ

سوال (۱۸) زید محکمہ تعلیم میں ملازم ہے، اس کے ایک نابالغ لڑکی ہے، جس کی ماں مر چکی ہے، زید نے مرتے وقت لڑکی کی ماں سے مہر معاف نہ کرایا تھا، بعد میں حساب کر کے جملہ حقداروں کو مہر دیا گیا، چونکہ لڑکی کے حصہ کا مہر زیادہ تھا اور زید کی طاقت سے باہر تھا، کہ ایک دم سے ادا کر سکے، لہٰذا اس نے ایک ماہوار رقم کے ذریعہ سے ادا کرنے کا ارادہ کیا، پھر یہ خیال کر کے کہ روپے کی کافی حفاظت نہ ہو سکے گی اس نے اپنی تنخواہ سے پراویڈنٹ فنڈ کٹوانا شروع کر دیا، یعنی وہ ماہوار رقم جو سرکار ہر ماہ میں تنخواہ سے کاٹ لیتی ہے، اور اس پر سود دیتی ہے، اور سرکار میں لکھ دیا کہ اگر زید کی موت واقع ہو جائے تو یہ کل رقم جو جمع ہو زید کی لڑکی کو دی جائے، اور اگر لڑکی اُس وقت بھی نابالغ ہو تو ولی کے ذریعہ سے دی جاوے، چنانچہ اب وہ رقم ماہ بماہ جمع ہوتے ہوتے ایک خاصی تعداد میں ہو چکی ہے، مگر ابھی بہت دنوں تک اسی طرح

جمع ہونا چاہیے، تین سال سے یہ رقم جمع ہو رہی ہے، اور سود اور اصل دونوں مل کر اس میں ماہ بماہ اضافہ ہو رہا ہے، اب تک کچھ خیال نہ کیا گیا، مگر اب یکایک خیال آیا کہ زکوٰۃ نہیں دی گئی، لہذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ زکوٰۃ اس مال پر واجب ہی یا نہیں، اور یہ کہ اصل ہی پر زکوٰۃ ہوگی یا سود اور اصل دونوں پر، اگر زکوٰۃ واجب ہو تو اس کا طریقہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہی کہ آئندہ جو رقم ماہوار جمع ہوئی ہے اس میں سے زکوٰۃ بھرے کا روپیہ نکال کر زکوٰۃ ادا کر دی جائے اور بقیہ جمع کر دیا جائے، کیونکہ جو روپیہ جمع ہو چکا ہے اس میں سے واپس ملنا فی الحال بہت مشکل ہی، یا اگر کوئی اور طریقہ ادائیگی کا ہو تو اس سے مطلع کیا جائے، زید یہ بھی سمجھتا ہی کہ جو کچھ اصل روپیہ جمع ہو رہا ہے اُتنا ہی مہر کے قرضہ سے وضع ہو رہا ہے، باقی جو سود ملتا ہے وہ نابالغہ کے مال پر ہے، اور مہر کے قرضہ میں وضع نہیں ہو سکتا، کیا زید کا یہ خیال صحیح ہے، جواب با صواب سے مطلع فرمایا جاوے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں یہ رقم ابھی زید کی ملک میں نہیں آئی، اس لئے ابھی ادا ءِ زکوٰۃ واجب نہیں، ہاں یہ رقم چونکہ گورنمنٹ کے ذمہ دَین ہے، اور یہ دَین ضعیف ہی اس لئے ادا ءِ زکوٰۃ بعد قبضِ مال و حولانِ حول کے واجب ہوگا، ہاں اگر مال پر زید نے اپنی زندگی ہی میں قبضہ کر لیا اور وقت قبضہ کے اس کے پاس پہلے سے نصاب موجود ہو تو اس کے ساتھ ملا کر سب کی زکوٰۃ دیدے، یعنی جس وقت نصاب سابق کا سال پورا ہوا اسی وقت اس رقم کی بھی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے، اور اگر زندگی میں قبضہ نہ ہوا تو زید کے ذمہ اس کے متعلق وصیت کرنا لازم نہیں اور نہ وارث کے ذمہ گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ ہے،

قال الشامی مقتضی ما مرّ من ان الدین القوی والمتوسط لا یجب اداء زکوٰته الّا بعد القبض انّ المورث لومات بعد سنین قبل قبضه لا یلزمه الایصاء باخراج الزکوٰة عند قبضه لانه لم یجب علیه الاداء فی حیاته رای فکان کما اذا مات قبل الحول ۱۲) ولا علی المورث ایضا لانّه لا یملکه الّا بعد موت مورثه فابتداء حول من وقت الموت وفیه ایضاً عن المحیط ان اجرة دار التجارة او عبد التجارة علی الرّوایة الاولیٰ من الدّین الضعیف رلانّ المنفعة لیست بمال حقیقة فصار کالمهر) وعلی ظاهر الرّوایة من المتوسط رلانّ المنافع مال حقیقة لکنها لیست بمحل لوجوب الزکوٰة لانّها لا تصلح

نصاباً اذلا تبقی سنة) ووقع فی البحر عن الفتح انه کالقوی فی صحیح الروایة ثم رأیت فی الوالوالجیة التصریح بان فیه ثلاث روایات اھ (ص ۵۷، ۵۸ ج ۲)۔

قلت: وهذا انما هو فی اجرة دار التجارة وعبد التجارة واما اجرة الحر فینبغی ان تکون کالمهر بلا خلاف لان منافع الحر لیست بمال حقیقة وعلی هذا فهی من الضعیف لا تجب فیه الاداء الا بعد القبض وحولان الحول ....

واللہ اعلم۔

تتمہ: اور اس رقم میں جو بطور فنڈ کے وضع کرائی گئی ہے بعد وصول کے صرف اصل تنخواہ پر زکوٰۃ واجب ہی، اور سود کی رقم کو بتمامہ صدقہ کر دیا جاوے، اور یہ تصدق زید پر واجب ہے، لڑکی پر واجب نہیں، جبکہ اس کے قرض میں اصل اور سود کو ملا کر دیا جائے، فقط۔ ۴ ذیقعدہ ۱۳۴۶ھ

نابالغ کے نکاح میں والدین نے زوجہ کو زیور چڑھایا، بلوغ کے دس بارہ سال بعد والدین نے کہا کہ زیور ہم تمھیں ہبہ کر چکے ہیں تو اس پر زکوٰۃ کب سے واجب ہوگی، زمانۂ بلوغ سے یا علم بالہبہ سے

سوال (۱۹) زید نابالغ کا نکاح ہوا، اس کے والدین نے بیوی کو زیور چڑھایا، بعدہٗ زید بالغ ہوا اور بلوغت سے دس بارہ سال کے بعد والدین سے یہ کہا کہ میں علحدہ ہوتا ہوں، اور یہ زیور جو تم نے میری زوجہ کو دیا تھا واپس لیلو، والدین نے کہا کہ یہ زیور تو ہم تمہیں ہبہ کر چکے ہیں، چڑھانے کے ہی وقت سے، مگر زید کو اس ہبہ کا علم نہ تھا، صورتِ ہذا میں زید پر زکوٰۃ اس وقت سے ہے کہ جب سے اُسے ہبہ کا علم ہوا ہے، یا اُس وقت سے جبکہ والدین نے زیور چڑھایا ہے، اور بے علمی کے زمانے کی قربانی کی قضا ہی یا نہیں، زید کے والدین اپنے مال سے کبھی کبھی زید کی طرف سے قربانی کرتے تھے، اگر زید پر قربانی واجب ہوئی ہو تو یہ قربانی جو والدین زید کی طرف سے کرتے تھے زید کی قضاء قربانی میں مجری ہو سکتی ہے یا نہیں، اگر قربانی واجب ہوئی تو ہر سال کتنے دام نکالنے چاہئیں؟

الجواب: زید پر اس زیور کی زکوٰۃ وقت بلوغ سے ہے، زمانۂ قبل بلوغ کی زکوٰۃ واجب نہیں، اور وہ بھی اس شرط پر واجب ہے کہ زید والدین کے قول کو سچا سمجھتا ہو اور اگر گمان غالب یہ ہو کہ اس وقت انھوں نے مجھے شرما کر یا اور کسی وجہ سے یہ بات کہدی ہے تو زید پر اس زیور کی زکوٰۃ اُس وقت سے واجب ہے جس وقت سے اس کو ہبہ کا علم ہوا،

خدا سے معاملہ ہے، اس لئے زید بلاوجہ والدین پر بدگمانی نہ کرے، ہاں اگر واقعی کسی وجہ سے گمان غالب ان کے قول کے خلاف ہو جاوے تو گمان غالب پر عمل کرنا جائز ہے، اور یہی حکم تفصیل کے ساتھ قربانی کا ہے، اور قربانی کی قضا متوسط بکری کی قیمت صدقہ کرنے سے ہوتی ہے، ہمارے یہاں تو پانچ چھ روپے متوسط بکری کی قیمت ہے، زید اپنے یہاں کا نرخ بھی دیکھ لے، اگر اس کے یہاں اس سے کم یا زائد ہو تو اسی جگہ کا نرخ معتبر ہے، پس ہر سال کی طرف سے ایک متوسط بکری کی قیمت مساکین و غرباء کو صدقہ کردی جائے، اور صدقہ میں اپنے خاندان کے غرباء کو مقدم کرنا چاہئے، نانا، نانی، دادا دادی، باپ، ماں، اولاد، میاں بیوی کے سوا اور سب قرابت داروں کو زکوٰۃ وغیرہ دینا جائز ہے، واللہ اعلم، ۶؍ رمضان ۴۷ھ

موٹر اگر تجارت کے لئے نہ ہو اس پر زکوٰۃ نہیں، البتہ اس سے حاصل شدہ کرایہ پر زکوٰۃ واجب ہوگی

سوال (۲۰) زید کے پاس تعدادی چار ہزار روپیہ نقد ہے، جس میں سے اس نے دو ہزار دے کر مبلغ چار ہزار روپے کا موٹر کرایہ پر چلانے کے واسطے خرید کیا، اور کمپنی کا دو ہزار روپیہ اس پر قرض رہا، خریدنے کے بعد پانچ مہینہ موٹر چلا اور بذریعہ کرایہ مبلغ پانچ سو روپیہ وصول ہوا، اب زید کا زکوٰۃ نکلنے کا سال پورا ہوگیا، اور حال یہ ہے کہ زید دو ہزار روپے موٹر کی قیمت میں دے چکا ہے اور دو ہزار نقد پاس موجود ہیں، مگر دو ہی ہزار کا کمپنی کا قرضدار ہے اور مبلغ پانچسو روپے منافع موٹر کا موجود ہے، تو اب کمپنی کے قرض کو جدا کر کے صرف پانچسو روپیہ جو منافع موٹر کے ہیں اُن کی زکوٰۃ ادا کرے، یا دو ہزار جو گھر میں ہیں اُن کو بھی ملا کر زکوٰۃ دے، یا اُس منافع اور اُن دو ہزار کو جو گھر میں ہیں اور ان دو ہزار کو جو قیمت موٹر میں دے چکا کُل ساڑھے چار ہزار کی زکوٰۃ نکالے، ہر سہ صورت میں کون صورت اختیار کرے، اور یہ موٹر مالِ تجارت مانا جائے گا یا آلۂ تجارت؟ بیّنوا توجروا، فقط۔

الجواب: زید کے ذمہ صرف پانچسو روپے کی زکوٰۃ واجب ہے، جو منافع میں وصول ہوئے، موٹر پر، اور دو ہزار جمع پر زکوٰۃ واجب نہیں، یہ موٹر مالِ تجارت نہیں بلکہ مثل مکان کرایہ کے ہے، ولا زکوٰۃ فیہ الا فی المنافع، اور دو ہزار جمع فاضل عن الدین نہیں، فلا زکوٰۃ فیہ ایضاً، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۳؍ رمضان ۴۷ھ

بیوی صاحبِ نصاب ہو تو زکوٰۃ و قربانی اسی پر واجب ہوگی، شوہر پر واجب نہیں اور یہ کہ بیوی کو شوہر کی خدمت کا معاوضہ لینا جائز نہیں

سوال (۲۱) کسی عورت کو مہر کے عوض سو تولے

چاندی یا سونے کے زیورات ملے، اس کے سوا اور کچھ مال اس کے پاس نہیں، اب اس پر زکوٰۃ و قربانی واجب ہے تو کیونکر ادا کرے، کیا زیورات بیچ کر دے گی یا اس کے شوہر کو اپنی بیوی کی طرف سے ادا کرنا لازم ہوگا، کیونکہ عورت مرد کے لئے ایک نوکرانی کا کام بھی انجام دیتی ہے، لیکن اجرت کے لئے کوئی عقد نہیں، یوں ہی شوہر کی رضاجوئی کے لئے اپنی غیر متعلق کام تک کو بھی انجام دیتی ہے، اس صورت میں اگر شوہر اپنی بیوی کی طرف سے زکوٰۃ یا قربانی نہ دے تو مواخذہ عورت پر ہوگا یا مرد پر ؟

الجواب: زکوٰۃ و قربانی عورت پر واجب ہے، اس کی طرف سے مرد پر ادا کرنا واجب نہیں، اور عورت کو شوہر سے اپنی خدمت کا معاوضہ لینا بھی جائز نہیں، کیوں کہ خدمتِ زوج طاعت ہے اور طاعت کی اجرت لینا حرام ہے، الاما استثناہ الفقہاء للضرورۃ البتہ عورت اپنے مہر کا زوج سے مطالبہ کر سکتی ہے، اگر مرد مہر بھی نہ دے تو عورت زیور بیچکر زکوٰۃ و قربانی ادا کرے، فقط۔ ۲۹ ربیع الآخر ۴۸ھ

زکوٰۃ یکمشت کے بجائے سال بھر میں تھوڑی تھوڑی ادا کرنا

سوال (۲۲) زید صاحبِ نصاب ہے، اور بجائے سال تمام پر حساب کر کے کُل رقم زکوٰۃ یکمشت ادا کرنے کے دورانِ سال میں اپنی سہولت کے لئے وقتاً فوقتاً تھوڑی تھوڑی رقم علی الحساب شروع سال سے ادا کرتا رہتا ہے، ختم سال پر حساب سے اگر کمی رہتی ہے تو اس کو پورا کر دیتا ہے، اور اگر زیادتی ہو جاتی ہے تو اس کو آئندہ سال کی زکوٰۃ کی ادائیگی میں درج کر لیتا ہے، اور ختم سال پر حساب کے وقت اس پچھلی زیادتی کو اس سال کی ادائیگی میں شمار کر لیتا ہے، اسی طرح آئندہ بھی، دریافت طلب یہ ہے کہ یہ عمل شرعاً جائز ہے یا نہیں اور زکوٰۃ ادا ہوتی یا نہیں؟

الجواب: یہ صورت بھی جائز ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ سال تمام پر اس سال کی کُل زائد زکوٰۃ ادا کر دی جائے، کیونکہ موت و حیات کا اعتبار نہیں، اگر مرضِ موت میں مبتلا ہو گیا تو وہ رقم جو زکوٰۃ کے لئے الگ رکھی ہے ورثہ کی ملک ہو جائے گی، پھر وہ کیا خبر دیں یا نہ دیں۔

۲۰ جمادی الاول ۴۸ھ

بذریعہ منی آرڈر زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں

سوال (۲۳) زکوٰۃ بذریعہ منی آرڈر ارسال کرنے میں بڑی دشواری یہ ہوتی ہے، کہ ڈاک خانہ اس کا پابند نہیں ہے کہ وہاں روپیہ ہی ادا کرے بلکہ اکثر نوٹ ہی ادا کئے جاتے ہیں، اور نوٹ سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، اگر قواعد فقہیہ سے

قطع نظر کر کے منشا، شارع پر نظر کی جائے تو نوٹ سے زکوٰۃ علی وجہ الکمال ادا ہونا چاہئے، ایک تو اس لئے کہ نوٹ میں بھی اغناء مساکین حاصل ہے، بلکہ بعض اعتبارات سے یہ روپیہ سے بھی انفع ہے، روپیہ میں تو کھرا کھوٹا بھی ہے، اور پھر کھرے میں آواز بے آواز اور آواز دار میں گھسا اور بے گھسا بھی دیکھا جاتا ہے، اور نوٹ پھٹا چٹا میلا کچیلا ہر طرح کا آسانی سے چل جاتا ہے، پھر جس شخص نے نوٹ ہی پائے ہوں، یا حولانِ حول کے وقت اُس کے پاس نوٹ ہی ہوں تو وہ اور بھی زیادہ اس کا مستحق ہے کہ نوٹوں میں سے نوٹ ہی زکوٰۃ میں دیدے۔

الجواب من حضرت حکیم الامّت مد فیوضھم: نص کے ہوتے ہوئے ہم لوگوں کا قیاس کافی نہیں، اور پھر قیاس بھی حقیقی قیاس نہیں، جس میں علتِ جامعہ سے حکم متعدی ہوتا ہے، یہاں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ حکمت ہے، اور حکمت سے حکم کا تعدیہ نہیں ہوتا، وجہ یہ کہ حکمت حکم پر مرتب ہوتی ہے، اور علت پر حکم مرتب ہوتا ہے، سو اوّل حکم کا تحقق ہونا چاہئے، اس میں حکمتیں نکالی جاسکتی ہیں، اور حکم ہے زکوٰۃ کا، اور زکوٰۃ کا محل مال ہے اور نوٹ مال نہیں سندِ مال ہے، اور منی آرڈر سے ادا ہونے کی صرف یہ صورت ہے کہ کسی اور شخص کے پاس بھیجدے کہ وہ اُس کے روپے بھُناکر مسکین کو دیدے، فقط۔

اس کے بعد اُن کا دوسرا خط آیا جس کا جواب جامع امداد الاحکام نے تحریر فرمایا جو مع جواب کے ذیل میں مذکور ہے:۔

خط

دراصل ابتلائے عام کی وجہ سے حیلہ کی ضرورت ہے، بذریعہ منی آرڈر دوسرے کے نام سے بھیجنے میں اوّل تو مسکین کی دل شکنی اور اس دوسرے شخص کی بددیانتی کا احتمال ہے، سوائے اس کے کہ روپے کا پارسل کیا جائے، دوسرے اگر زکوٰۃ اس طرح ادا ہوسکتی ہے کہ زید نے ایک رقعہ عمر کو لکھدیا کہ حامل ہٰذا کو اتنا روپیہ ہمارے حساب میں دیدیا جاوے، اور اسے یہ ہدایت کی کہ تم ہمارے جس ایجنٹ یا وکیل یا نمائندہ کو چاہو یہ رقعہ دکھلاکے اتنے روپے لے لینا اور زید نے اپنی جگہ پر یہ نیت کرلی کہ جو کچھ دلا رہا ہوں یہ زکوٰۃ ہے، اگر اس طرح زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے تو پھر نوٹ بھی اسی طرح کی سندِ حوالہ ہے، اب اسی نوٹ سے وہ مسکین جو روپیہ وصول کرے وہ زکوٰۃ ہے یا جو دوسری اشیا، حاصل کریں وہ بھی زکوٰۃ ہیں، یہ نوٹ خود زکوٰۃ نہیں؟

الجواب من جامع امداد الاحکام: آپ نے جو صورت بیان کی ہے اس میں بھی محض رقعہ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، جب تک وہ شخص کسی ایجنٹ سے روپیہ وصول نہ کرے، اور اگر ایجنٹ نے اس کو روپے نہ دیئے، بلکہ کاغذ ہی دیدیا کہ فلاں سے لے لو جب بھی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، جب تک وہ روپیہ وصول نہ کرے، اور اگر فقیر نے تاجر کا رقعہ کسی کو اپنے قرض میں دیدیا کہ تم فلاں ایجنٹ سے اپنا قرض یہ رقعہ دکھلاکر وصول کرلو تو زکوٰۃ بالکل ادا نہ ہوگی، پس یہ صورت مسئلہ نوٹ کے خلاف حکم نہیں رکھتی، بلکہ جو احکام اس کے ہیں وہی اس کے ہیں، اور نوٹ سے زکوٰۃ کا ادا نہ ہونا صرف اس صورت میں ہے جبکہ فقیر بعینہ اس نوٹ کو اپنے قرض میں دیدے یا ہبہ کردے، یا اس سے چوری ہوجائے یا چھوڑ کر مرجائے، اور اگر اس کے روپے وصول کرکے اپنے قبضہ میں لائے، یا اس سے سودا خرید کر اپنی ملک میں لے آئے، تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی، پس دشواری کچھ نہیں، صرف اتنی ضرورت ہے کہ مرسل الیہ کو کوپن میں تنبیہ کردی جائے کہ پوسٹ مین سے نوٹ نہ لے، اور اگر لے تو نوٹ کو بعینہ اپنے قرض وغیرہ میں نہ دے، بلکہ روپیہ حاصل کرکے قرض ادا کرے، یا جمع رکھے۔

مقدار فرض سے زائد زکوٰۃ ادا کی تو وہ آئندہ سال زکوٰۃ میں محسوب ہوسکتی ہے یا نہیں

سوال (۲۴) یہ امر دریافت طلب ہے کہ دورانِ سال میں وقتاً فوقتاً زکوٰۃ تقسیم کی جاتی ہے، اور سال تمام پر حساب پورا کردیا جاتا ہے، اگر زکوٰۃ امسال مقدارِ فرض سے زائد تقسیم ہوجائے تو اس زائد رقم تقسیم شدہ کو آئندہ سال کی زکوٰۃ میں مجرا و محسوب کردیا جائے یا نہیں؟

الجواب: مقدار واجب سے زائد جو رقم زکوٰۃ میں دی گئی ہے وہ آئندہ سال کی زکوٰۃ میں محسوب ہوسکتی ہے، کما فی الشامی ص ۴۲ ج ۲: وفی الولوالجیۃ: لو کانت عندہ اربعمائۃ درھم فادّی زکوٰۃ خمسمائۃ ظانًا انہا کذلک کان لہ ان یحسب الزیادۃ للسنۃ الثانیۃ لانہ امکن ان تجعل الزیادۃ تعجیلاً اھ

احقر عبدالکریم عفی عنہ ۲۴ صفر ۴۵ھ۔ الجواب صحیح ظفر احمد ۲۵ صفر ۴۵ھ۔

نصاب زکوٰۃ کی تحقیق

سوال (۲۵) صاحب زکوٰۃ فریضہ کس کو کہتے ہیں، اور اس پر کب زکوٰۃ کا حکم دیا جائے گا، کہتے ہیں کہ اگر اس کے پاس دوسو درہم ہوں تو اس کو

نصاب کہتے ہیں اور اس پر پانچ درہم زکوٰۃ واجب ہے، لیکن یہ یقینی نہیں معلوم ہوا کہ درہم کی کیا قیمت ہے، پھر بعض علماء سے معلوم ہوتا ہے کہ ۳۹ یا ۴۰ یا ۵۰ یا ۵۲ ہو یا اس قدر کی چاندی ہو تو صاحبِ نصاب ہے، اور پھر ایک روپیہ چار آنہ زکوٰۃ واجب ہے، سکہ مروجہ سے ایک روپیہ[۱] چار آنہ ہے، اور درہموں سے پانچ درہم، نہ معلوم درہم سکہ مروجہ انگریزی سے کتنے بھر ہوتا ہے، اور اختلاف مابین علمائے کرام میں کیوں ہے، صحیح قول بالآخر مفتیٰ بہ کون ہے، حساب سے الگ الگ کر کے صورت بتلائی جائے، جو کہ ذہن نشین علی الفور ہو، ایسا ہی سونے کے بارے میں جب دریافت کیا جاتا ہے، کہ سونے پر کس قدر زکوٰۃ واجب ہے؟ تو جواب دیا جاتا ہے کہ بیس مثقال سونے پر نصف مثقال، پھر عدمِ فہم پر فرماتے ہیں کہ سات مثقال دس درہم کا ہوتا ہے، بلکہ دوسری جگہ ہے کہ فی کل اربعۃ مثاقیل قیراطان، لہٰذا دونوں شقوں کو لکھ دیا جائے کہ پہلی صورت سے کیا مراد ہے؟ اور ثانی سے کیا، وجہ اختلاف کیا ہے؟ حساب کی صورت میں ملا کر تحریر فرمائیے کہ بیس مثقال انگریزی تول کے حساب سے کس قدر ہوگا اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ بیس مثقال ساڑھے سات تولہ کا وزن ہوتا ہے، اور اس میں ۲ ماشہ[۲] اڑھائی رتی زکوٰۃ نکلتا ہے یہ کس حساب کی بناء پر ہے، خلاصہ حساب صحیح صحیح تحریر فرما کر ممنون ومشکور فرمایا جائے، نیز یہ بھی تحریر کیجئے کہ جتنا وزن زکوٰۃ کا سونا نکلے بعینہ وہی سونا مخرجہ زکوٰۃ دیا جائے یا اس کی قیمت دی جائے؟ مدلل اور مصرح جواب تحریر فرمایا جائے؟ بینوا بالدلیل وتوجروا عند اللہ الاجر الجزیل من جناب رب الجلیل۔

الجواب: حساب مذکورۂ بالا کی رُو سے صاحبِ مظاہر حق وغیرہ علمائے کرام کے نزدیک چاندی کا نصاب باون ۵۲ تولہ چھ ماشہ ہے، ہمارے اکابر اسی پر فتویٰ دیتے ہیں، دوسرے اقوال کی بناء وہی اختلاف فی الوزن ہے۔

نوٹ (۱):۔ سونے چاندی میں وزن کا اعتبار ہے، قیمت معلوم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، وہ ہر زمانہ میں بدلتی رہتی ہے، البتہ وزن کے اعتبار سے حساب کر کے پھر اس کی قیمت وقتیہ ادا کردے تو یہ جائز ہے۔

نوٹ (۲):۔ قولِ فقہاء (فی کل اربعۃ مثاقیل قیراطان) محض تمثیل کے طور پر ہے،

[۱] صحیح حساب سے ایک روپیہ پانچ آنہ ہوتے ہیں ۱۲ مجیب۔ [۲] صحیح یہ ہے کہ ۲ ماشہ ۲ رتی زکوٰۃ نکلتی ہے ۱۲ مجیب۔

یا بیس مثقال سے زائد کا حساب ہے، اس سے یہ مقصود نہیں کہ فقط چار مثقال میں زکوٰۃ واجب ہے۔ کتبہ الاحقر عبدالکریم، ۱۳ رجمادی الاولیٰ ۴۸ھ

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ ۱۳ رجمادی الاولیٰ ۴۸ھ۔

مسئلہ وجوب زکوٰۃ

سوال (۲۶) فرض کیا زید کے پاس سَو روپے ہیں، اس نے سال کے آخر میں جب یہ دیکھا کہ یہ سو روپے اس کے خرچ سے بچ رہا ہے، تو اس نے ڈھائی روپے زکوٰۃ دیدی، لیکن یہی ساڑھے ستانوے روپے جو اُسی سَو روپے میں ڈھائی روپے زکوٰۃ دینے کے بعد بچا ہے پھر سال تمام کے اخراجات کے بعد بچ گیا تو کیا اس ساڑھے ستانوے روپے کی بھی زکوٰۃ دی جاوے یا وہی اڑھائی روپے جو سو روپے کی زکوٰۃ تھا، اس رقم کے لئے کافی تھا، غرض یہ ہے کہ وہی سَو روپیہ کی رقم رکھی ہے، نہ اُس میں شامل کوئی رقم کی گئی، نہ اس میں سے کوئی رقم لی، اس کی زکوٰۃ کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب: دو روپیہ آٹھ آنہ تو ایک سال کی زکوٰۃ ہے، دوسرے سال اگر یہ روپیہ رہ گیا تو اس کی زکوٰۃ دوبارہ دینی پڑے گی، اسی طرح آئندہ بھی ہر سال موجودہ رقم کا چالیسواں حصہ دینا چاہیئے جب تک کہ مقدارِ نصاب رہی، اور جب مقدارِ نصاب نہ رہی تب واجب نہ رہے گی۔ احقر عبدالکریم عفی عنہ، ۱۷ رجمادی الاولیٰ ۴۸ھ۔

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ، ۱۸ رجمادی الاولیٰ ۴۸ھ۔

پراویڈنٹ فنڈ پر وجوب زکوٰۃ کا مسئلہ

سوال (۲۷) زید سرکاری ملازم ہے، اس کی تنخواہ سے بیس روپے ماہوار سرکار کاٹ لیا کرتی ہے، وہ رقم اس کی جو بیس روپے ماہوار سے سرکار میں جمع ہو رہی ہے بعد پنشن یکمشت سرکار ادا کردے گی، تو ایسی رقم پر بھی زکوٰۃ واجب ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں زکوٰۃ اس وقت واجب نہیں، بلکہ یہ رقم جب اس کے قبضہ میں آجائے اور حولانِ حول ہوجائے تو ــــ زکوٰۃ واجب[لہ] ہوگی، قال قاضی خان: اذا اجر دارہ او عبدہ بمائتی درھم لا تجب الزکوٰۃ مالم یحل الحول بعد

لہ اور اگر اس پر اس رقم کے آنے سے پہلے بھی زکوٰۃ واجب ہو تو اس رقم کے وصول ہونے کے بعد جب پہلے مال کا سال تمام ہو اسی وقت اُس سب رقم کی زکوٰۃ بھی اس کے ساتھ دی جائے ۱۲

القبض وفی قول ابی حنیفۃؒ فان کانت الدار او العبد للتجارۃ وقبض اربعین درھما بعد الحول کان علیہ درھم بحکم الحول الماضی قبل القبض الخ (ص ۱۲ ج ۲) قلت واذا لم یکن علیہ زکوٰۃ فی اجرۃ الدار والعبد الا اذا کانا للتجارۃ فاجرۃ نفسہ اولیٰ فان الحر لیس بمال - احقر عبد الکریم عفی عنہ ۱۷ رجمادی الاولیٰ ۴۸ھ

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ ۱۸ رجمادی الاولیٰ ۴۸ھ

بنک کا دیوالہ نکل جائے تو اس میں جمع کردہ روپے پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں

سوال (۲۸) زید نے کچھ روپیہ بنک میں جمع کیا، بنک کا دیوالہ نکل گیا، بنک سے روپیہ ملنے کی امید بھی ہے، اور اسی قدر ناامیدی بھی، کیونکہ پتہ نہیں کہ روپیہ ملے بھی کہ نہ ملے، یا کچھ ملے اور کچھ نہ ملے، ایسی صورت میں کیا جمع کنندہ پر زکوٰۃ واجب ہے؟

الجواب: اس روپے کی زکوٰۃ واجب رہے گی، مگر سردست ادا کرنا لازم نہیں، بلکہ عہ دس روپے آٹھ آنہ کی وصولی کے بعد وصول شدہ رقم کی سب گذشتہ برسوں کے متعلق زکوٰۃ ادا کرنا پڑے گی، احقر عبد الکریم عفی عنہ ۱۷ رجمادی الاولیٰ ۴۸ھ

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ ۱۸ رجمادی الاولیٰ ۴۸ھ

مسئلہ وجوب زکوٰۃ

سوال (۲۹) زید کے پاس دس ہزار روپے کی مالیت کی زمین ہے، اور اس زمین کا کچھ حصہ بعوض پانچ ہزار رہن ہے، اور شخص مذکور کے پاس پانچسو روپے کی مالیت کا زیور ہے، آیا اس زیور پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: اس زیور پر زکوٰۃ واجب ہے، عبد الکریم عفا عنہ ۷ رج ۲ ۴۸ھ

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ ۷ رجمادی الثانیہ ۴۸ھ

مہر مؤجل مانع وجوب زکوٰۃ ہے یا نہیں

سوال (۳۰) زید کے پاس پانچسو روپے کا زیور ہے، اور ایکہزار روپیہ اس کی زوجہ کا مہر اس کے ذمہ واجب الادا ہے، آیا اس زیور پر مرد کے ذمہ زکوٰۃ واجب ہے، یا نہیں؟

الجواب: اگر باوجود مہر مؤجل ہونے کے یہ شخص فی الحال ادا کرنے کی فکر میں ہے تب تو اس زیور پر زکوٰۃ واجب نہیں، ورنہ واجب ہے، کما فی العالمگیریۃ وذکر البزودی فی شرح الجامع الصغیر قال مشائخنا فی رجل علیہ دین مؤجل لامرأتہ وھو لا یرید اداءہ (ای فی الحال) لا یجعل مانعا من الزکوٰۃ لعدم المطالبۃ فی

العادۃ انہ حسن ایضاً ھکذا فی جواہر الفتاویٰ فقط۔ عبدالکریم عفاعنہ ۷ رج ۲ سنہ ۴۸ھ

الجواب صحیح، ظفر احمد عفاعنہ ۷ رجمادی الثانیہ سنہ ۴۸ھ۔

قرض پر وجوب زکوٰۃ کی ایک صورت کا حکم

سوال (۳۱) کسی کے پاس کچھ روپیہ تھا جس پر وہ زکوٰۃ نکالا کرتا تھا، اب وہ روپیہ دوسرے شخص کو قرض دیدیا، اب وہ مقروض کہتا ہے کہ مجھ سے نقد روپیہ نہیں ادا ہوسکتا، بلکہ اس کے عوض کچھ جائداد مجھ سے لکھالو اور اس کو بھی ادائیگی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، ایسی صورت میں زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اس صورت میں مدیون منکر تو نہیں ہے بلکہ قرض کا مقر ہے، اور جائداد رقم قرض کے عوض دینے کو تیار ہے، اس لئے قرض دینے والے کے ذمہ سے سنین ماضیہ کی زکوٰۃ ساقط نہیں، ہاں جب جائداد لے لے گا تو آئندہ زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

واستبدال مال التجارۃ بمال التجارۃ ھلاک وبغیر مال التجارۃ استھلاک، قال الشامی تشمل ما لو استبدلہ بعوض ما لیس بمال اصلا او بعوض ھو مال لکنہ لیس بمال الزکوٰۃ بان باعہ بعبد الخدمۃ او ثیاب البذلۃ فیضمن الزکوٰۃ فی ذلک کلہ لانہ استھلاک اھ (شامی ۳۳ ج ۲)۔

مثل سوال مذکور

سوال (۳۲) کسی شخص کے ذمہ کچھ روپیہ باقی ہے، اور وہ کہتا ہے کہ ایک دم روپیہ نہیں ادا ہوسکتا ہے، بلکہ دفعہ دفعہ ادا کریں گے، اور دفعہ دفعہ کرنے سے روپیہ اس قدر نہیں ہوتا ہے کہ جس کی زکوٰۃ فرض ہے، بلکہ کل روپیہ جو اس کے ذمہ ہے یکمشت ادا کرنے سے زکوٰۃ فرض ہوجاتی ہے، تو ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب: جب اس قرض میں سے گیارہ روپے چار آنہ وصول ہوں خواہ یکمشت یا تدریجاً تو اس گیارہ روپے چار آنہ کی زکوٰۃ یعنی چالیسواں حصہ دینا واجب ہوگا، اور جتنے برسوں کے بعد وصول ہوا ہو سب کی طرف سے اس گیارہ روپے چار آنہ کی زکوٰۃ واجب ہے، اس کے بعد پھر جب کبھی گیارہ روپے چار آنہ وصول ہوں تو اس کا بھی یہی حکم ہے، جب تک پورے گیارہ روپے چار آنے پر قبضہ نہ ہو اس وقت تک زکوٰۃ واجب نہیں، قال الشامی فاذا قبض ذلک کلہ او اربعین درھما منہ باقتطاع ذلک من اجرۃ الدار تجب زکوٰتہ لما مضی من السنین والناس عنہ غافلون (ص ۵۶ ج ۲) کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ ۲۵ رجب سنہ ۴۸ھ۔ الجواب صحیح، ظفر احمد عفاعنہ ۵ شعبان سنہ ۴۸ھ۔

زکوٰۃ کی رقم اور دیگر سامان دینے کی نیت سے علیحدہ رکھا تھا، مگر اپنے مال کے ساتھ زکوٰۃ کا مال بھی چوری ہوگیا تو زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں

سوال (۳۳) زید نے اپنے مال کی زکوٰۃ نکالی، اور اس زکوٰۃ کے پیسے سے کچھ تو مستحقین زکوٰۃ پر خرچ کیا، اور کچھ کپڑے مستحقین کے واسطے خرید کر رکھ لئے، اور پھر بھی کچھ نقد باقی رہ گئے تھے کہ اس کے ہاں چوری ہوئی، چوری میں زکوٰۃ کے پیسے اور کپڑے اور اس کا اپنا مال بھی چوری ہوگیا، سوال یہ ہے کہ زکوٰۃ سے سبکدوش ہوا یا نہیں، اگر نہیں تو کس طریقہ سے ادا کرے، بینوا بالصواب توجروا بالثواب ؟

الجواب: اگر فقط وہ مال چوری ہوتا جو کہ زکوٰۃ کی نیت سے الگ رکھا ہوا تھا تب تو زکوٰۃ سے سبکدوشی نہ ہوتی، لیکن جب دوسرا مال بھی چوری ہوگیا ہے تو اس مال مسروقہ کی زکوٰۃ معاف ہوگئی ہے، البتہ اگر کچھ مال صاحبِ واقعہ کے پاس باقی رہ گیا ہو تو اس باقی کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے، کما فی الدر المختار ولا یخرج عن العھدۃ بالعزل بل بالاداء للفقراء وقال الشامی فلو ضاعت لا تسقط عنہ الزکوٰۃ الخ (ص ۱۸ ج ۲) ولا فی ھالک بعد وجوبھا ومنع الساعی فی الاصح لتعلقھا بالعین لا بالذمۃ وان ھلک سقط حظہ فقط واللہ اعلم، ۱۴ ر رجب سنہ ۵۰ھ۔

حکم وجوب زکوٰۃ در زیورات

سوال (۳۴) کسی عورت کے پاس دو سو تولہ کے زیورات ہیں، اس کے ہاتھ پیر کان اور گلے میں مدام باون تولہ سے زائد رہتا ہے، اور یہ اس کی ضروریات میں سے ہے، اس کو پورے زیورات کی زکوٰۃ دینی ہوگی، یا ما بقیہ زیور کی دینی ہوگی کتاب کا حوالہ ازراہِ عنایت عنایت فرمایئے، آپ کی اصلاح تحریر ادلہ ہوگا۔

الجواب: اس عورت کے تمام زیورات پر زکوٰۃ واجب ہے، اُن پر بھی جو رکھے رہتے ہیں اور اُن پر بھی جو استعمال میں رہتے ہیں، صرح بہ فی الدر وغیرہ من المتون و الشروح، واللہ تعالیٰ اعلم۔　، ر ذیقعدہ سنہ ۱۳۴۸ھ۔

مسئلہ زکوٰۃ

سوال (۳۵) گورنمنٹ نے بعض فوجی پنشنر اشخاص کو مربعہ جات (اراضی جو نہر کے پانی سے سیراب ہو) بطور عطیہ کے عطا کئے ہیں، جن پر مطالبہ مال آبیانہ ششماہی لگتا رہتا ہے، علاوہ ازیں یہ شرط ٹھہرائی گئی کہ عرصہ پانچ سال تک بمع معاملہ کچھ رقم بطور مالکانہ ادا کرنی پڑے گی، اس وقتِ معینہ کے بعد مبلغ گیارہ صد روپیہ قیمت فی مربعہ ادا کرنے کے ہر شخص مالکِ مربعہ بن سکتا ہے، اور وہ مالکانہ بند ہو جائیگا اور ساتھ یہ بھی اختیار دیا گیا ہے کہ اگر وہ مالک نہیں بننا چاہتا تو مالکانہ

بدستور ادا کرتا ہے، جبراً قیمت نہیں لی جائیگی، اب جس شخص کے پاس قیمت مربعہ قبل از عطیہ موجود ہے اور اس نے اس نیت سے رکھی ہوئی ہے کہ قیمت مربعہ ادا کر کے مالکِ مربعہ بنوں گا اس پر بعد گذرنے سال کے زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: ہاں اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہے، کیونکہ وہ قرض سے فارغ ہے، گورنمنٹ کی رقم اس پر قرض نہیں، جبکہ یہ خود مختار ہے کہ اس رقبہ کا مالک بنے یا نہ بنے اور اس زمین کو خریدے یا نہ خریدے، تو عقد کا تحقق نہ ہوا، اور نہ ثمن اس کے ذمہ لازم ہوا، واللہ اعلم۔

۱۰ ذیقعدہ ۴۸ھ

قرض ہر حال میں مانعِ وجوبِ زکوٰۃ ہے

سوال (۳۶) ایک شخص نے چار ہزار روپے میں ایک زمین خریدی، جس کی ادا دس قسطوں میں قرار پائی ہے، ایک قسط وہ ادا کر چکا اور زمین پر قابض ہو گیا، دوسری قسط کے لئے ما فضل ۲۵ روپیہ اس کے پاس رکھا ہے، جس پر حولانِ حول ہو چکا ہے، تو اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں، اور زمین کا قرض مانع وجوبِ زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

الجواب: اس رقم پر زکوٰۃ واجب نہیں، قرض بہر حال مانعِ وجوب زکوٰۃ ہے، خواہ زمین کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے، اور خواہ اس کی ادا بالاقساط مشروط ہو یا بلا اقساط، واللہ اعلم، ۱۳ ذی الحجہ ۴۸ھ۔

مسوّدۂ زکوٰۃ بل کے بارے میں ایک استفتاء

سوال (۳۷) حضرت حکیم الامۃ دام مجدہم کی خدمت میں ایک سوال اس مضمون کا آیا تھا کہ تنظیمِ زکوٰۃ کے لئے مرکزی اسمبلی میں زکوٰۃ بل پیش کرنے کا ارادہ ہے جس کا مسوّدہ ارسالِ خدمت ہے شرعی نقطۂ نظر سے اس مسوّدے کے متعلق جو رائے ہو اس سے مطلع فرمایا جائے، اس کا جواب حضرت کے ایماء سے یہ دیا گیا:۔

الجواب: مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مسوّدۂ زکوٰۃ بل دیکھا گیا، آپ کی نیت کے نیک ہونے اور خیر خواہی پر مبنی ہونے میں شبہ نہیں، مگر ہم اس بل کی تائید سے بوجوہ چند معذور ہیں:۔

الف: کافر گورنمنٹ کے ذریعہ سے شرائعِ اسلام کی ترقی جب طلب کی جاتی ہے بجائے ترقی کے تنزّل ہی ہوتا ہے، وقف بل، اور خلع بل کی نظائر سامنے ہیں، کہ ان دونوں سے بجائے فائدہ کے شرعی حیثیت سے نقصان ہی ہوا۔

ب ؛ چونکہ قانون کا پاس کرنا صرف مسلمانوں کے ہاتھ میں نہیں بلکہ اکثریت کے ہاتھ میں ہے، اس لئے جس صورت سے بل پیش کیا جاتا ہے اس سے بدتر صورت میں پاس ہوتا ہے، چنانچہ خلع بل جس صورت سے پاس ہوا ہے وہ سب کے سامنے ہے کہ حاکم مسلم کی شرط جو اس بل کی جان تھی حذف کر دی گئی، اور سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ خود مسلمان ہی بوجہ جہل کے مخالف ہو جاتے ہیں، اور احکام شرع میں رائے زنی کرتے ہیں، کہ اس قید کی کیا ضرورت ہے؟

ج ؛ اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ میں خلیفۃ المسلمین و امیر المؤمنین کو بھی جبر کا حق نہیں، یہ بل ان میں بھی جبر کا حق دیتا ہے۔

د ؛ اموالِ ظاہرہ میں خلیفہ و امام کو حقِ جبر ضرور حاصل ہے، مگر اس کو عشر یا ربع عُشر سے زیادہ مسلمانوں سے وصول کرنے کا حق نہیں، یہاں کافر حکومت پہلے ہی سے زمینوں پر لگان اور تجارتوں پر ٹیکس وصول کر رہی ہے، اور اب کانگریسی حکومت رات دن مسلمانوں کو پیسنے کی فکر میں لگی ہوئی ہے، اگر اس کو عُشر اور رُبع عُشر کے وصول کا حق بھی دیدیا گیا اور اس کی تشخیص بھی اس کے ہی ہاتھ میں رکھی گئی، جیسا کہ بل میں ظاہر کیا گیا ہے تو مسلم مزارعین اور مسلم تجار پر وہ جتنا بار ڈالیں گے ظاہر ہے۔

ہ ؛ زکوٰۃ کی رقوم میں سے د فی صد گورنمنٹ کے عاملین کے لئے رکھا گیا ہے، جس میں کچھ تصریح نہیں کہ وہ عاملین مسلمان ہی ہوں گے، یا مسلم و غیر مسلم دونوں ہو سکتے ہیں، شقِ ثانی میں یہ حصہ زکوٰۃ کا غیر مصرف میں جائے گا۔

و ؛ زکوٰۃ کا ۲۰ فی صد دیگر اغراض کے لئے رکھا گیا ہے اس کی کوئی تشریح نہیں کی گئی، کہ کن مصارف میں صرف ہوگا، صرف کرنے والے مسلمان بھی ہوں گے تو مسائل سے ناواقف ہوں گے نہ معلوم کہاں کہاں صرف کریں اور مسلمانوں کی زکوٰۃ برباد ہو، اس طرح ۱۰ فی صد بطور سرمایہ محفوظ رکھا گیا ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ زکوٰۃ دینے والوں کی پوری زکوٰۃ ہر سال ادا نہ ہوگی، بلکہ اس کا کچھ ادا سے رہ جائے گا۔

ز ؛ افسر مشخص کا مسلم ہونا تو بل میں مصرّح ہے، مگر اس کے فیصلہ کی اپیل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے یہاں رکھی گئی ہے، جس کا مسلم ہونا شرط نہیں کیا گیا، اگر وہ غیر مسلم ہوا تو اس کے فیصلہ سے زکوٰۃ کا جو حشر ہوگا ظاہر ہے۔

ح ؛ انجمنوں کے اور ان کے بیت المال کے معائنہ کے لئے جو انسپکٹر اور ان انسپکٹروں کے

تقرر کا اختیار گورنمنٹ کو دیا گیا ہے، اس میں بھی یہ تصریح نہیں کہ وہ انسپکٹر مسلم ہوں گے یا غیر مسلم بھی ہو سکتے ہیں، شقِ ثانی میں اُن کی تنخواہ جو زکوٰۃ کی مد سے دی جائے گی، وہ محض برباد ہوگی، اور کافروں کو مسلمانوں کی زکوٰۃ اور بیت المال پر جو حق تصرّف ہوگا وہ جدا رہا، اس سے آئندہ جو کچھ خرابیاں پیدا ہوں گی وہ احکامِ وقت کے حالات سے باخبر طبقہ پر مخفی نہیں۔

ط: وزیرِ اوقات اور افسر متشخص اگر نام کا مسلمان ہوا اور عقیدۃً قادیانی یا اور کسی فرقہ کا ہوا (جو عامۂ مسلمین کے نزدیک مسلمان نہیں بلکہ مرتد ہیں) اور پورے مسائل سے سب ہی ناواقف ہوں گے، تو اس کے برائے نام اسلام سے بجائے نفع کے ضرر کا اندیشہ ہے، اس خطرہ سے حفاظت کی کیا سبیل ہے؟

ی: خلیفۂ اسلام جو عاملین کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے مقرر کرتا ہے، چونکہ خلیفہ تمام مسلمانوں کا نائب ہے جن میں فقراء بھی داخل ہیں تو خلیفہ یا اس کے عاملین کے ہاتھ میں زکوٰۃ پہونچتے ہی ارباب اموال کے ذمہ سے ادا ہو جاتی ہے، گویا فقراء کے ہاتھ میں پہنچ گئی مگر حاکم غیر مسلم یعنی غیر مسلم گورنمنٹ کا شرعاً یہ حکم نہیں اس کے یا اس کے عاملین کے قبضہ میں زکوٰۃ پہونچنے سے فوراً ادا ہونا شرعاً باطل ہے، پس اگر کوئی شخص زکوٰۃ ادا کرکے مرگیا، اور اس کی زکوٰۃ ابھی تک مصرف میں صرف نہ ہوئی تھی تو وہ رقم ورثہ کی طرف منتقل ہوکر ترکہ میں داخل ہوگی، اور اس کو مصارفِ زکوٰۃ میں صرف کرنا جائز نہ ہوگا، اس کا کوئی حل اس بل میں نہیں۔

الغرض جب تک باقاعدہ اسلامی حکومت نہ ہو زکوٰۃ کا انتظام غیر مسلم حکومت کے ذریعہ سے نہیں کیا جاسکتا، اس کی واحد صورت یہی ہے کہ گورنمنٹ مسلمانوں کو اجازت دے کہ وہ اپنا ایک حاکم مسلم مقرر کرلیں جس پر گورنمنٹ کا ویسا ہی اقتدار ہو جیسا والیانِ ریاست پر ہوتا ہے، اندرونی نظم و نسق میں وہ بالکل آزاد ہو، پھر حاکم مسلم زکوٰۃ کو قاعدۂ شرعیہ کے موافق وصول کرے تو یہ صورت جائز ہے۔

آپ نے اس بل کی ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے ہندوؤں کے کھاتہ پن کا تذکرہ کیا ہے، مگر ہندوؤں کا کھاتہ پن گورنمنٹ کے قانون کی طاقت سے نہیں چل رہا بلکہ خود ہندوؤں کی قومی طاقت سے چل رہا ہے، اگر مسلمان بھی اپنے یہاں کوئی خیراتی فنڈ ایسا قائم

کریں جو قومی طاقت سے چلے تو یہ ایک مفید صورت ہوگی، اور ہم خوشی کے ساتھ اس کی تائید کریں گے۔

اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں میں اس وقت دس فی صد زکوٰۃ دینے والے ہوں گے مگر غالباً یہی اوسط نماز پڑھنے والوں کا ہے، تو کیا کل کو نماز کے لئے بھی کوئی قانون بنوایا جائے گا، اور غالباً حج کرنے والے تو اس سے بھی بہت کم ہوں گے، تو کیا حج کیواسطے قانون بنوایا جائے گا؟ اگر نہیں تو زکوٰۃ ہی کے لئے قانون بنوانے کی کیا ضرورت ہے؟

دراصل ضرورت اس کی ہے کہ مسلمانوں کو احکامِ دین سے واقف کیا جائے، مذہبی تعلیم کو عام طور سے رواج دیا جائے، تبلیغ کی طرف پوری توجہ کی جائے، مسلمانوں کو نماز اور زکوٰۃ، روزہ اور حج اور تمام احکام کی ضرورت سے مطلع کیا جائے، ایسی انجمنیں قائم کی جائیں جن کا فریضہ تبلیغِ احکام ہو، جن کا کام مسلمانوں میں مذہبی روح پیدا کرنا ہو، جس دن قوم میں مذہبی بیداری پیدا ہو جائے گی وہ ہندوؤں کے کھاتہ پُن سے بہتر نظام قائم کرے گی، اور اگر مذہب اور احکامِ مذہب سے یہی غفلت رہی جو اس وقت ہے تو زکوٰۃ بل بھی کچھ مفید نہ ہوگا، بلکہ بجائے مصارفِ خیر کے گورنمنٹ کا عملہ اور افسر مشخص یا وزیر اوقاف کا خاندان اس بیت المال کو لقمۂ تر سمجھ کر ہضم کر جائے گا، اور مسلمان دیکھتے کے دیکھتے رہجائینگے، جس چیز کی ضرورت ہو کہ مسلمانوں کو حقیقی معنی میں مسلمان بنایا جائے، اور اس کی سہل صورت یہ تھی کہ مسلمانوں کا اونچا طبقہ جو علمی اور مالی اعتبار سے بڑا ہے وہ دین کی طرف توجہ کرتا، خود دیندار بنتا اور دوسروں کے لئے نمونہ ہوتا، جس سے اعلیٰ درجہ کی تنظیم ہو جاتی، اس سے تو سب دُور بھاگتے ہیں اور بجائے اس کے اپنی عبادات تک گورنمنٹ کے ہاتھ میں دیتے جا رہے ہیں جس کا انجام نہایت ہی خراب ہے، ظفر احمد والسلام۔

بابُ زکوٰۃ مال التجارۃ

کتبِ تجارت میں زکوٰۃ کا حکم

سوال (۱) میں نے دو سو پچپن روپے خرچ کرکے ۱۵۵۵ کتاب چھپوائیں اور فروخت کے لئے دُکان دار کے پاس رکھدیں (ابھی میرے ہاتھ میں زرِ دیسہ پیسہ کچھ بھی نہیں) ختم سال پر مجھ کو ۴۵۵ روپے ملیں گے، پھر وہی ۴۵۵ روپے بھی دوسری بار کتاب چھاپنے میں خرچ کیا جائے گا، میرا کچھ اور مال و متاع نہیں ہے، پس مجھ پر زکوٰۃ واجب

ہے یا نہیں؟

الجواب: آپ پر زکوٰۃ واجب ہے، اور مالِ تجارت کی زکوٰۃ کے لئے روپیہ پیسہ ہاتھ میں ہونے کی ضرورت نہیں، بلکہ مالِ تجارت کا موجود ہونا اور اس پر سال گذرنا شرط ہے، پس جب وہ ۱۰۰۰ کتابیں آپ کے پاس موجود ہیں، اور اُن پر سال گذر گیا تو انہی ایک ہزار میں سے ۲۵ عدد کتابیں زکوٰۃ میں نکال دی جائیں، یا ۲۵ کتابوں کی قیمت دیدی جائے، جو آسان ہو اور انفع للفقراء ہو، واللہ اعلم۔ ۱۲ر رمضان ۱۳۴۵ھ۔

باب صدقۃ السوائم

بکریوں کی زکوٰۃ کا حکم و نیز سرکاری اور زمیندار کی زمین میں اُن کے چرانے کا حکم

سوال (۱) ایک شخص رئیس کے پاس کچھ بکریاں بھی ہیں، اور اس کی زمین میں اس کے نوکر چراتے ہیں، ان میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

الجواب: بکریاں اگر چالیس یا اس سے زیادہ ہوں تو سال گذر جانے پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اگر بکریاں محض کھانے کے واسطے نہیں پالتا بلکہ اصل مقصود مال کا بڑھانا ہے، گو طبعاً کبھی کھا بھی لیتا ہو جس کا مفصل بیان کتب فقہ میں موجود ہے، خواہ وہ اپنی زمین میں چراتا ہو یا سرکاری زمین میں یا زمیندار کی زمین میں، سب صورتیں برابر ہیں، البتہ اگر چالیس سے کم ہوں تو زکوٰۃ واجب نہیں۔

سوال ۲ ایک شخص کے پاس بکریاں ہیں، دوسو، مگر زمین نہیں ہے، ایک جنگل، سرکاری زمین میں یا زمینداروں کی زمین میں چرا کر لاتا ہے، بازار میں دودھ بیچ کر گذر کرتا ہے، اس میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

الجواب: سرکاری اور زمیندار کی زمین میں چرانا درست ہے، بشرطیکہ کھیتوں اور درختوں کا نقصان نہ کرے، خودرو گھاس یا پتے چرائے، اور جس شخص کے پاس دوسو بکریاں ہیں اور وہ دودھ بیچکر گذارا کرتا ہے اس کا مقصود بکریوں کے پالنے سے کیا ہے، آیا صرف دودھ بیچنے ہی کے واسطے بکریاں پالتا ہے، یا مقصود مال کا بڑھانا ہے، اور بکریوں سے بچے لینا اور تبعاً دودھ سے بھی نفع حاصل کر لیتا ہے، ان دونوں باتوں میں سے جو مقصود ہو اس کو واضح لکھا جائے تو جواب دیا جائے گا۔

سوال ۳ ؛ چند زمیندار آپس میں ایک دوسرے کی زمین میں ڈنگر بکریاں چرا لیتے ہیں آپس کی رضامندی سے عام رواج سے یہ کیسا ہے ؟

الجواب ؛ جائز ہے، بشرطیکہ کھیتوں اور درختوں کا نقصان نہ کرے ، ۱۸ رمضان ۴۲ھ

علوفہ اور تجارتی مواشی پر وجوبِ زکوٰۃ کا حکم

سوال (۲) زید کے پاس ایک سو علوفہ بھینسیں ہیں، جن کا دودھ فروخت کرتا رہتا ہے ، اور جب کبھی ان بھینسوں میں سے کسی بھینس کا دودھ کم ہو جاتا ہے تو معاً بھینس کا خسارہ برداشت کرتے ہوئے اگر چار سو کی بھی ہو تب بھی ایک سو یا کچھ کم و بیش سے قصابوں کو فروخت کردی جاتی ہے، اور فوراً اگر اس کی جگہ پر دوسری بھینس خرید کر کے ایک سو کی تعداد پوری کرلی جاتی ہے ، چھ یا سات ماہ کے بعد ہر ایک بھینس کا دودھ کم ہو جانا لابدی امر ہے ، اور دودھ کم ہونے پر اسے فروخت کر دینا اور اس کے قائم مقام دوسری رکھ چھوڑنا بھی ضروری ہے ، غرض کہ کامل سال کسی بھینس پر بھی نہیں گذرتا ، بلکہ مرقومہ بالا صورت سے فروخت ہوتی رہتی ہیں اور نئی آتی رہتی ہیں۔

زید روزانہ اپنا حساب اس طور سے کرتا رہتا ہے کہ روزانہ جس قدر آمدنی ہوتی ہے اس میں سے خرچ شدہ رقم کے علاوہ ہر ایک بھینس کے عوض میں ایک روپیہ کاٹتا رہتا ہے ، اور اسی ایک روپے کے عوض میں بھینس کو روزانہ ایک روپیہ کم قیمت کی سمجھتا رہتا ہے مثلاً ایک روز دودھ مالعہ ۲۲۵ روپیہ کا فروخت ہوا تو ان میں سے سو خرچ کے نکال دیئے اور ایک سو روپے ہر ایک بھینس کی قیمت میں سے ایک ایک کاٹا ہوا الگ خرچ میں لیا گیا تو گویا کل مالعہ روپے خرچ ہو کر ۲۵ روپیہ سالم بچے ، ان کو اس روز کا نفع تصور کرتے ہوئے حساب میں لاتا ہے ، اور بھینس کی قیمت میں سے کم کرنے کی مثال یہ ہے کہ مثلاً تین سو روپے کی ایک بھینس دودھ فروخت کرنے کے لئے آج خریدی ، تو آج ہی سے اس کی قیمت میں سے ایک روپیہ کم کرتے ہوئے وہ بھینس مالعہ ۲۹۹ کی تصور کی گئی ، علی ہذا القیاس ایک روپیہ روزانہ اس کی قیمت میں سے کم سمجھتا رہا ، حتیٰ کہ دو سو دنوں کے بعد دو سو روپے کم تصور کرتے ہوئے بھینس صرف ۱۰۰ کی تصور کی گئی ، اور دودھ کم ہونے پر ۱۵۰ روپے میں قصاب کو فروخت کی گئی اور اپنے دل کو طفل تسلی کے طور پر یوں سمجھا لیا کہ ڈھائی سو کی بھینس گویا ڈھائی سو ہی میں فروخت کی گئی ، اب جو اس کی جگہ پر نئی بھینس خریدی جائے گی اس کے لئے پچاس روپے تو یہ بھینس کی قیمت کے وصول شدہ موجود ہیں ، اور دو سو ایک ایک روپیہ روزانہ قیمت میں

کم کئے ہوئے اور آمد میں سے کاٹ کر خرچ میں لئے ہوئے موجود ہیں، تو اس صورت سے کاٹنے سے کیا علوفہ بھینس تجارت کی بن جاتی ہے؟ بینوا، توجروا۔

ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ دودھ فروخت کرنے کی وجہ سے یہ کُل علوفہ بھینسیں مالِ تجارت بن چکیں، فلہذا اُن پر زکوٰۃ واجب ہے، حالانکہ متون میں سے کسی کتاب سے بھی علوفہ پر زکوٰۃ ثابت نہیں ہے، بلکہ تمام میں نفی موجود ہے، صاحبِ درمختار وجوبِ زکوٰۃ کے لئے نیتِ تجارت کو شرط قرار دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں، ولا فی العوامل وعلوفۃ مالم تکن العلوفۃ للتجارۃ، جلد دوم۔

صاحب ہدایہ علوفہ پر عدمِ وجوبِ زکوٰۃ کی علت بایں طور تحریر فرماتے ہیں کہ لان فی العلوفۃ تراکم المؤنۃ، صورتِ مسئولہ میں تو ہجومِ مؤنت ونفقات کا یہ عالم ہے کہ طویلہ کا کرایہ الگ دیا جاتا ہے اور بھینسوں کی خدمت کے لئے جو نوکر رکھے جاتے ہیں ان کو تنخواہیں الگ دی جاتی ہیں، اور دونوں وقت صبح وشام بھینسوں کو چارہ بانٹا الگ دیا جاتا ہے، فقہاء نے چوپاؤں میں علتِ وجوبِ زکوٰۃ نمو کو قرار دی ہے، کہ نما خواہ حقیقۃً ہو خواہ حکماً، لیکن زید کی نیت ابھی موجودہ بھینسوں کے متعلق بھی اور آئندہ جو خرید کرے گا اُن کے بارے میں بھی یہ ہوتی ہے کہ جب کبھی کسی بھینس کا دودھ کم ہو جائے گا تو خسارہ برداشت کرتے ہوئے چار سو کی بھینس بھی سو یا سوا سو تک قصابوں کو فروخت کر ڈالوں گا، تو اس صورت میں بایں طور نیت کرنے سے نما نہ تو حقیقی پایا گیا، اور نہ حکمی، پھر کیا یہ نیت وجوبِ زکوٰۃ کے لئے مؤثر ثابت ہوگی یا لغو جائے گی؟

حضرت مولانا مولوی مفتی محمد حسین صاحب صدر المدرس مدرسۂ راندیر تحریر فرماتے ہیں کہ صورتِ مسئولہ میں زکوٰۃ واجب نہیں، درمختار کی یہ عبارت اس کے لئے شاہد ہے کہ ولو نوی التجارۃ بعد العقد او اشتری شیئًا للقنیۃ ناویًا انہ ان وجد ربحًا باعہ لا زکوٰۃ علیہ، جلد دوم قبیل باب السائمۃ۔

لیکن مولوی صاحب موصوف اسے تسلیم نہیں کرتے، براہِ کرم ان تمام امور کو مدنظر رکھتے ہوئے جواب مع حوالۂ کتب محقق ومدلل تحریر فرماتے ہوئے عند اللہ ماجور ہوں۔

سوال ۲، جوہرۂ نیرہ مطبوعہ خیریہ جلد اوّل صفحہ ۱۲۰ میں سائمہ کے متعلق قولہ والسائمۃ الخ کے تحت میں درج ہے کہ لان اصحاب السوائم قد لا یجدون بدامن

ان یعلفوا سوائمھم فی بعض الاوقات فیجعل الاقل تابعًا للاکثر ثم ھذا الذی ذکرہ من الاسامۃ فی حق ایجاب زکوٰۃ السوائم انما یصح ان لو کانت الاسامۃ للدر والنسل اما اذا کانت للتجارۃ او للحمل والرکوب فلا تجب فیھا الزکوٰۃ اصلا، یہ عبارت کسی اور کتاب میں نہیں ہے، فلہٰذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا یہ عبارت صحیح ہے یا غلط؟ بینوا توجروا۔

الجواب وھو الموفق للصواب: یہ بات تو ظاہر ہے کہ جب وہ بھینسیں علوفہ ہیں تو اُن پر زکوٰۃ سوائم واجب نہیں، اور درمختار کی عبارت ولا فی العوامل وعلوفہ میں زکوٰۃ سوائم ہی کی نفی ہے، ونیز جوہرہ نیرہ کی عبارت مرقومہ بالا یعنی اما اذا کانت للتجارۃ او للحمل والرکوب فلا تجب فیھا الزکوٰۃ اصلا، میں زکوٰۃ سوائم ہی کی نفی ہے، اور درمختار کی عبارتِ مذکورہ ولو نوی التجارۃ بعد العقد الخ سے معلوم ہوا کہ اگر فروخت کرنے کا حتمی قصد نہیں ہے تو علوفہ میں زکوٰۃِ تجارت بھی واجب نہیں۔

اب رہی یہ بات کہ زید کی نیت مذکورہ فی السوال حتمی نیت ہے یا نہیں اور دودھ فروخت کرنا بھی تجارتِ مواشی ہے یا نہیں، سو بظاہر یہ نیت بیع مواشی کی حتمی نہیں اور نہ تجارت لبن کو تجارتِ مواشی کہہ سکتے ہیں، لہٰذا زکوٰۃِ تجارت ان بھینسوں پر نہ ہوگی، واللہ اعلم۔

عبدالکریم عفی عنہ۔ ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ

باب العشر والخراج

مسجد کی زمین پر عشر کا حکم	**سوال (۱)** کیا وقف زمین متعلق مسجد پر عشر ہے؟

الجواب: زمین وقف متعلق مسجد پر بھی عُشر ہے، قال فی العالمگیریۃ وکذا ملک الارض لیس بشرط للوجوب لوجوبہ فی الاراضی الموقوفۃ اھ (ص ۱۹۱ ج ۱)۔

۲۶ ربیع الثانی ۱۳۴۴ھ۔

زمین عشری اور خراجی کی تعریف اور بعض زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے کی تحقیق	**سوال (۲)** ۱: زمین عشری کی تعریف کیا ہے اور زمین خراجی کس کو کہتے ہیں، اور دوسرے سوال میں جو جزئیات مرقوم ہیں وہ عشری ہیں یا خراجی؟

۲: لاخراج بازیافتی اس زمین کو کہتے ہیں جو نصاریٰ کے تسلط کے قبل لاخراج تھی،

اور اس میں خزانہ وغیرہ دینا نہیں پڑتا تھا، جب اُن کا غلبہ ہوا اور مالکِ زمین لاخراج ہونیکا کوئی ثبوت نہ دے سکا تو سرکار نے کچھ خزانہ وٹیکس مقرر کرکے مالکِ زمین کو وہ زمین واپس دیتے ہیں

۳، نیابادِ اس زمین کو کہتے ہیں جسکو رعایا نے گورنمنٹ سے میعادی اجازت لیکر آباد کیا، اور جو خزانہ سرکار نے اس پر مقرر کیا وہ ادا کرتا ہے، اور جب میعادِ اجازت ختم ہوجاتی ہے گورنمنٹ خزانہ وغیرہ بڑھا دیتی ہے، اگر وہ لوگ زیادتی کو قبول کریں تو زمین ان کے پاس بحالہٖ رہتی ہے، ورنہ جو اس پر راضی ہو اس کو دیدیتے ہیں۔

۴ طرف دوسری قسم کی زمین والوں سے سرکار نے بوجہ ضرورت کے ایک روپیہ خزانہ کے مقابلہ میں دس روپے لیکر انھیں قائمی بندوبستی دیا، اور اُن سے وعدہ کیا کہ میں اُس زمین کو تم لوگوں سے لے کر دوسروں کو نہ دوں گا۔

۵ ؛ درِ رعایتی اس زمین کو کہتے ہیں جسکو زمینداروں نے سرکار سے خزانہ پر بندوبستی کرکے رعایا کو میعادی بندوبستی دیا بعض سے کچھ نذر وغیرہ لے کر بعض کو یوں ہی مثلاً ۹ سال کے لئے بندوبستی دیا اور ان سے وعدہ کیا میں یہ زمین تم لوگوں سے واپس نہ کروں گا، لیکن زمیندار اگر ان سے واپس کرنا چاہیں رعایا کو رکھنے کی کچھ قدرت نہیں۔

۶۔ زمین خراجی میں جو غلّہ ایک سال کی خورد و پوش سے زائد پیدا ہوتا ہو اس کی زکوٰۃ دینا واجب ہے یا نہیں، بر تقدیرِ اوّل اس کا حکم مالِ تجارت کی طرح ہے یا نہیں ؟

الجواب: (۱) الارض العشریۃ ما فتحھا المسلمون عنوۃ وقسموھا بین الغانمین او اسلم اھلھا برضاھم واقروا علیھا ولم یملکھا کافر منذ فتحوھا الی الاٰن، والخراجیۃ ما فتحوھا صلحا واقر اھلھا علیھا او کانت عشریۃ فملکھا کافر فی وقت۔

(۲) یہ زمین عشری ہے، (۳) یہ زمین خراجی ہے (۴) یہ بھی خراجی ہے،

(۵) اگر وہ زمین پہلے سے مسلمانوں ہی کے قبضہ میں تھی تو عشری اور اگر کسی وقت بعد قبضہ اہلِ اسلام کے کسی کافر کی ملک میں آچکی ہے تو خراجی ہے، اور اگر مسلمانوں کے قبضہ میں اس وقت ہے اور پہلے کسی کافر کے قبضہ میں آنا معلوم نہیں تب بھی عشری ہے، (۶) زمین خراجی یا عشری کی پیداوار زائد میں زکوٰۃ نہیں البتہ پیداوار کو فروخت کرکے جو رقم جمع کی جاوے، اگر وہ ضروریاتِ اصلیہ سے فاضل ہو تو بعد حولانِ حول کے اس میں زکوٰۃ ہوگی۔ ۸ رجب ۱۳۴۱ھ۔

انگریزی حکومت کو مالگذاری دینے سے عُشر ادا نہ ہوگا

سوال (۳) زمینداری میں یہ ہو کہ چالیسواں حصہ غلہ سے زکوٰۃ دیا جاتا ہے، عشر نہیں دیا جاتا ہے، صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ جب کہ اس زمین کی مالگذاری (جیسا کہ اس زمانہ میں ہے) اگر نہ دی جاوے اُس وقت عشر ہوگا، اس وقت زمین کی ہم گورنمنٹ کو مالگذاری دیتے ہیں، تو اس وقت میں عشر یا چالیسواں حصہ ساقط ہوجانا چاہئے، کچھ زکوٰۃ نہ آنا چاہئے؟

الجواب: انگریزوں کو مالگذاری دینے سے عشر ادا نہ ہوگا، اگر زمین عشری ہے تو عشر کا ادا کرنا لازم ہے، زمین کی پیداوار میں زکوٰۃ نہیں بلکہ عُشر ہی واجب ہے، ۸ رجب ۱۳۴۱ھ۔

ارضِ حربی میں عُشر و خراج کا واجب نہ ہونا

سوال (۴) ایک شخص کے پاس ہزار بیگہ زمین ہے، اور چھ آنہ بیگہ سرکار میں بھرتا ہے، باقی پھر کچھ کاشت کرتا ہے، کچھ دوسرے لوگوں کو عہ بیگہ مال لے کر دیتا ہے، وہ اس میں کھیتی کرتے ہیں، کچھ تہائی چوتھائی حصہ بٹائی پر دیتا ہے، وہ لوگ کاشت کرتے ہیں، اگر نہر کا پانی دیتے ہیں تو اس کا الگ مال دیتے ہیں، کنویں کا دیتے ہیں تو خود دیتے ہیں، بعض بارش کے پانی سے کھیتی کرتے ہیں، اب سوال یہ ہو کہ جس کی زمین ہے وہ کیا زکوٰۃ نکالے یا نہیں، اور نکالے تو کس قدر نکالے، دسواں یا بیسواں یا چالیسواں، روپیہ سے یا جنس سے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ انگریزی میں جو زمیندار ہیں اُن پر زکوٰۃ فرض نہیں، یہ مسئلہ کیسے ہو اور جو لوگ دوسرے زمیندار کی زمین لے کر کھیتی بیچتے ہیں، بتفصیل مذکور الصدر تو ان پر زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں، اگر ہے تو کس قدر اور روپیہ سے یا جنس سے؟

الجواب: قال فی ردّ المحتار تحت قول الدر فی تعریف الرکاز وجدہ مسلم او ذمی فی ارض خراجیۃ او عشریۃ ما نصہ قال فی فتح القدیر قید بالخراجیۃ والعشریۃ لیخرج الدار فانہ لا شیٔ فیہا لکن ورد علیہ الارض التی لا وظیفۃ فیہا کالمفازۃ اذ یقتضی انہ لا شیٔ فی الماخوذ منہا ولیس کذلک فالصواب ان لا یجعل ذلک لقصد الاحتراز واقول یمکن الجواب بان المراد بالعشریۃ والخراجیۃ ماتکون وظیفتہما العشر والخراج سواء کانت بید احد، ولا فتشمل المفازۃ وغیرہا بدلیل ماقدمناہ عن الخانیۃ من ارض الجبل عشریۃ فیکون المراد الاحتراز بہا عن دار الحرب ویدل علیہ انہ فی متن درر البحار عبر بمعدن غیر الحرب فعلم ان المراد معدن ارضنا ولہذا قال القہستانی بعد قولہ فی ارض خراج او عشر

الاخص فی ارضنا سواء کانت جبلاً او سہلا مواتا او ملکا واحترز بہ عن دارہ وارضہ وارض الحرب اھ ثم رأیت عین ما قلتہ فی شرح الشیخ اسمٰعیل حیث قال ویحتمل ان یکون احترازا عما وجد فی دار الحرب فان ارضھا لیست ارض خراج او عشر اھ (ص ۲۰۷ ج ۲) وفی العالمگیریۃ ثم ھذہ الدار ای دار الاسلام ۱۲) اذا صارت دار الحرب لو افتحھا الامام ثم جاء اھلھا قبل القسمۃ اخذوھا بغیر شیء وبعد القسمۃ بالقیمۃ ولو افتحھا الامام عادت الی الحکم الاول الخراجی یصیر خراجیاً والعشری یصیر عشریا اھ (ص ۱۴۶ ج ۳) قلت فیہ دلالۃ علی ان ارض الاسلام اذا صارت دار الحرب لا تبقی خراجیۃ ولا عشریۃ دل علیہ قولہ عادت الی الحکم الاول فافھم۔

ان عبارات کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اس وقت ہندوستان کی زمین نہ خراجی ہے نہ عشری، پس نہ زمیندار پر زمین کی پیداوار میں کچھ واجب ہے، نہ کاشتکار پر والیضاً یؤیدہ ما فی رد المحتار (ص ۳۸۷ ج ۳) تحت قول الدر کما یمنع لو وضع علیہ (ای علی الحربی المستامن) الخراج بان الزم بہ واخذ منہ عند حلول وقتہ لان خراج الارض کخراج الراس اھ ونصہ: ای فی انہ اذا التزمہ صار ملتزما المقام فی دارنا، بحراھ، دل علی اختصاص الخراج بدارنا کالجزیۃ، قال الشامی ناقلاً عن السرخسی ولا یترک ان یخرج الی دارہ لان خراج الارض لا یجب الا علی من ھو من اھل دار الاسلام اھ (ص ۳۸۷ ج ۳) ۱۸ رمضان ۴۲ھ۔

ہندوستان کی زمینوں پر عشر واجب ہے یا کیا

سوال (۵) اس ملک کی پیداوار پر عشر واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: روایاتِ فقہیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دار الحرب میں عشر واجب نہیں، لیکن اس ملک کے دار الحرب ہونے میں علماء کا اختلاف ہے، اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ عشر دیا جاوے، واللہ اعلم۔ احقر عبد الکریم عفا اللہ عنہ ۸ ر ۲ ر ۴۴ھ

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۸ ربیع الثانی ۴۴ھ۔

وجوبِ عشر و خراج کی ایک صورت کا حکم

سوال (۶) بندہ کے یہاں ۲۰ شعبان کو دس بیس من روئی پک کر آئی اور نصف سے زائد ابھی کھیت میں کچی ہے، وہ ۲۰ رمضان تک تمام آجاوے گی، تو ۲۸ شعبان کو اگر زکوٰۃ کا حساب لگائے تو اس روئی پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی، یا

اس کی قیمت کا اندازہ کر کے دینا واجب ہے یا نہیں، اور اگر زکوٰۃ واجب ہوگی تو جس قدر مکان میں آگئی اسی قدر پر واجب ہوگی یا جو بچی ہے اس پر بھی دینا ہوگا؟

الجواب: یہ روئی تجارتی ہے، یا تجارتی نہیں، اگر اپنی زمین کی پیداوار ہے تو اس پر حولانِ حول واجب نہیں، بلکہ جب پیداوار حاصل ہوجائے اُسی وقت عُشر یا خراج واجب ہے، اگر زمین عشری ہے یا خراجی، اور اگر تجارتی ہے تو سوال واضح لکھا جائے، ۲۰ رمضان ۴۶ھ۔

حکومت کے لگان سے عُشر ادا نہیں ہوتا

سوال (۷) ہمارے علاقہ کی زمین صرف بارش کے پانی سے سیراب ہوتی ہے کوئی نہر وغیرہ نہیں، لہٰذا گورنمنٹ کی طرف سے آبیانہ وغیرہ کچھ نہیں لگتا صرف مطالبۂ مال یعنی زرِ لگان بحساب مقررہ گورنمنٹ ہر ششماہی لگ جاتا ہے، کیا یہ زرِ لگان عُشر میں سے منہا کر لیا جا سکتا ہے، یا عشر پورا الگ دیا جائے اور گورنمنٹ کو مطالبہ الگ؟

الجواب: گورنمنٹ کے زرِ لگان سے عُشر نہیں ادا ہوسکتا، ۸ ۱۰ ذیقعدہ ۴۸ھ۔

کچی فصل کی کٹائی میں عُشر ہے یا نہیں

سوال (۸) ہمارے یہاں بہت فصل کچی کاٹ لی جاتی ہے، مثلاً جوار، نخود وغیرہ اور دانہ اُن سے نہیں حاصل ہوتا، ایسی سبز کاٹی ہوئی فصل پر عشر ہے یا نہیں؟

الجواب: امام صاحبؒ کے نزدیک اس پر بھی عُشر ہے، جتنا کاٹا جائے اس کا دسواں حصہ نکال دیا جائے، ۱۰ ذیقعدہ ۴۸ھ۔

بابُ صدقۃ الفِطر

صدقۂ فطر کی ادائیگی میں دوسرے شہر کے بھاؤ کا اعتبار نہیں

سوال (۱) جہاں گیہوں نہ ملے اور آٹا نہایت گراں قیمت ہو تو اگر دوسرا کسی اور شہر کے گیہوں کے بھاؤ سے صدقہ فطر ادا کرے تو جائز ہوگا یا نہ؟

الجواب: دوسرے شہر کی قیمت کا اعتبار نہ ہوگا، اگر گیہوں نہ ملے تو ایک صاع جَو کی قیمت ادا کردے، اور اگر کچھ نہ ملے تو تجار سے پوچھے کہ اگر یہاں گیہوں اس وقت ہوتا تو اس کا کیا بھاؤ ہوتا، اس کے حساب سے قیمت ادا کرے، واللہ اعلم، ۲۲ رمضان ۴۰ھ۔

صدقۂ فطر میں غیر منصوص چیزوں میں قیمت کا اعتبار ہے مقدار کا نہیں

سوال (۲) چاول فطرہ میں گیہوں جَو کی قیمت کے حساب سے دیا جائے گا یا ہر ایک کی مقدار مشروع کے حساب سے دیا جائے

چاول کا اصل گیہوں ہی یا نہیں؟ فقط۔

الجواب: فطرہ میں چاول دینا جائز ہے، مگر وزن اس کا مقرر نہیں، بلکہ نصف صاع گندم کی جو قیمت ہو اتنی قیمت کے چاول دیوے یا قیمت ہی دیدے، کما فی الدر المختار ص ۱۲۲ ج ۲ ومالم ینص علیہ کذرۃ وخبز یعتبر فیہ القیمۃ فقط۔

احقر عبدالکریم عفی عنہ ۱۰ر شوال ۴۳ھ الجواب صحیح ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۰ر شوال ۴۳ھ۔

چاول اور دھان سے صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم

سوال (۳) ہمارے ملک بنگالہ میں گیہوں نہیں ہے، دھان ہے، اور چاول ہے، اگر کسی نے روزہ کا فطرہ چاول سے یا دھان سے ادا کرنا چاہا تو ادا کر سکتا ہے یا نہیں، اور اگر ادا کر سکتا ہے تو کس طور پر حساب لگانا پڑے گا، گیہوں چار آنہ سیر اور چاول پونے تین آنہ سیر اور دھان دو آنہ سیر ہے، امید قوی ہے کہ ابد الآباد کے لئے ایک خلاصہ حکم فرما کر اطمینان فرمادیں؟

الجواب: نصف صاع گندم وغیرہ یا ایک صاع جو وغیرہ کی جو قیمت ہو اس قیمت کے جتنے چاول یا دھان آتے ہوں اتنے دیتے جاویں، فی الدر المختار مع الشامی ج ۲ ص ۱۲۲: ومالم ینص علیہ کذرۃ وخبز یعتبر فیہ القیمۃ اھ احقر عبدالکریم عفی عنہ۔

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۲۱ر شوال ۴۳ھ۔

صدقۂ فطر میں موضع مال کی قیمت کا اعتبار ہوگا یا صدقہ ادا کرنے کی جگہ کا

سوال (۴) ایک آدمی تھانہ بھون میں رہتا ہے، اور یہاں کے گیہوں سیر چھ آنہ کر کے خرید کرتا ہے، اور شہر مراد آباد میں تاجر لوگ گیہوں چار آنہ کر کے خرید کرتا ہے، اس تقدیر پر جو آدمی تھانہ بھون کا رہنے والا ہے وہ اگر مراد آباد کے بھاؤ سے فطرہ ادا کرے تو ادا ہوگا یا نہیں، یا تھانہ بھون کے بھاؤ سے دینا ہوگا؟

الجواب: قیمت صدقۂ فطر میں قیاس علی الزکوٰۃ کا مقتضیٰ تو یہ ہے کہ موضع مال کی قیمت کا اعتبار ہو قال فی الدر ویقوم فی البلد الذی فیہ المال ولو فی مفازۃ ففی اقرب المواضع الیہ اھ (ص ۳۵ ج ۲) وفیہ ایضاً صدقۃ الفطر کالزکوٰۃ فی المصارف وفی کل حال الا فی جواز الدفع الی الذمی وعدم سقوطہا بہلاک المال وقد مر اھ (ص ۱۲۷ ج ۲) اور اس فرق پر نظر کی جائے کہ زکوٰۃ کا سببِ وجوب مال ہے، اس لئے موضع مال معتبر ہوا، اور صدقۂ فطر کا سببِ وجوب راس ہے تو اس کا مقتضا یہ ہے کہ صدقۂ فطر

پس اُس جگہ کی قیمت کا اعتبار کیا جاوئے جہاں متصدق وقت ادائے صدقۃ فطر کے موجود ہے، والثانی راجح عندی نظراً الی العلۃ ولم ارہ صریحا فلیراجع، واللہ اعلم، ۲۴ رجب ۴۵ھ۔

ایک شخص ایک مسکین کو صدقۃ فطر دے یا کئی مسکینوں کو دینا بھی جائز ہے

سوال (۵) فتاویٰ امدادیہ میں ہے: وجاز دفع کل شخص فطرتہ الی مسکین علی المذہب کما جاز دفع صدقۃ جماعۃ الی مسکین واحد بلا خلاف، اور عالمگیریہ جلد اوّل کتاب الزکوٰۃ میں ہو کہ ویجب دفع صدقۃ فطر کل شخص الی مسکین واحد حتّٰی لو فرق علی مسکینین او اکثر لم یجز ویجوز دفع ما یجب علی الجماعۃ الی مسکین واحد کذا فی التبیین ص ۱۲۴ ج ۱، پس ان دونوں قول میں کس کا قول مرجح ہے، اور کس پر عمل کرے، ادلۂ شرعیہ سے ارشاد فرماویں؟

الجواب: قال فی الدر وجاز دفع کلّ شخص فطرتہ الی مسکین او مساکین علی ما علیہ الاکثر وبہ جزم فی الولوالجیۃ والخانیۃ والبدائع والمحیط وتبعہم الزیلعی فی الظہار من غیر ذکر خلاف وصحّحہ فی البرہان فکان ہو المذہب کتفریق الزکوٰۃ والامر فی حدیث اغنوہم للندب فیفید الاولویۃ کما دفع صدقۃ جماعۃ الی مسکین واحد بلا خلاف یعتدّ بہ اھ ص ۱۰۱ ج ۲۔

اس سے معلوم ہوا کہ فتاویٰ امدادیہ میں جو لکھا ہو وہی صحیح ہے، اور عالمگیریہ میں جو ایک شخص کا صدقۂ فطر ایک ہی مسکین کو دینا واجب اور تفریق کو غیر جائز لکھا ہو وہ قولِ ضعیف پر مبنی ہے، ہاں عمل میں اَولیٰ وہی ہے جو عالمگیریہ میں ہے، گو اس کے خلاف بھی جائز ہے، واللہ اعلم۔

۲۲ جمادی الثانیہ ۴۶ھ۔

جس جگہ گندم اور دوسری منصوص اشیاء موجود نہ ہوں وہاں صدقۂ فطر ادا کرنیکا طریقہ

سوال (۶) دریں دیار بر ہما زراعت گندم نیست، اگر بعوض گندم قیمتش دادہ شود، پس قیمتِ گندم وغیرہ منصوص علیہ کدام جا کردہ صدقۂ فطر دادہ شود، از روئے مہربانی رفع اشتباہ فرمایند؟

الجواب: والمعتبر فی الزکوٰۃ مکان المال وفی الوصیۃ مکان الموصی وفی الفطرۃ مکان المؤدی عند محمد وہو الاصح "در" بل صرح فی النہایۃ والعنایۃ بانّہ ظاہر الروایۃ وہو المذہب کما فی البحر، شامی (ص ۱۱۲ ج ۲) وفی الدر ایضا ولو فی مفازۃ ففی اقرب الامصار الیہ، فتح (ص ۳۵ ج ۲)۔

جس شہر میں گندم نہ ہو اگر وہاں جو (شعیر) موجود ہو یا اور کوئی منصوص تو صدقۂ فطر ایک صاع جو کی یا دوسرے منصوص کی قیمت سے ادا کیا جائے، اگر گندم اور جو وغیرہ منصوص نہ ہوں تو اس شہر سے قریب تر شہر جو ایسا ہو جس میں گندم و جو موجود ہوں تو اس قریب تر شہر میں نصف صاع گندم یا ایک صاع جو کی قیمت جو کچھ ہو اس سے صدقۂ فطر ادا کیا جائے، واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ ذیقعدہ ۴۷ھ

وزنِ صاع کی تحقیق

سوال (۷) صدقۂ فطر جو کہ ہر شخص کے ذمہ نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جو وغیرہ واجب بتلایا جاتا ہے، مگر یہ یقینی نہیں بتلایا جاتا کہ نصف صاع یا ایک صاع انگریزی تول کے حساب سے جو کہ اسی تولہ کا ہوتا ہے، کیا ہونا چاہئے؟ بعض کہتے ہیں کہ احناف کے نزدیک ایک صاع آٹھ رطل کا ہوتا ہے، مگر یہ معلوم نہیں کہ رطل کتنے وزن کا ہوتا ہے، اور کیا قیمت رکھتا ہے؟ بعض کا قول ہے کہ صاع انگریزی تول کے حساب سے ساڑھے تین سیر یا تین سیر دس چھٹانک کا ہوتا ہے، اور نصف صاع ایک سیر تیرہ چھٹانک یا ساڑھے بارہ چھٹانک یا ساڑھے نو چھٹانک یا دو سیر پختہ بتاتے ہیں، اب یہ بات دریافت طلب ہے کہ صاع اور نصف صاع کو حساب کی شکل میں لاکر بالتفصیل تحریر فرمایا جاوے تاکہ یقینی طور پر صاع اور نصف صاع کی بابت معلوم ہو جاوے کہ وہ اسی تولہ کے حساب سے کتنے کا ہوتا ہے، بیّنوا؟

الجواب: درمختار میں صاع کا وزن ایک ہزار چالیس درہم لکھا ہے، اور درہم کے بارے میں اختلاف ہے، لیکن شرح وقایہ میں دس درہم کو سات مثقال کے برابر لکھا ہے اور مثقال کا صحیح وزن بقول غیاث اللغات ۴ ۱/۲ ماشہ ہے، پس درہم ۳ ماشہ ۱/۵ ۱ رتی کا ہوا، (مظاہر حق میں بھی درہم کا یہی وزن لیا ہے) اور صاع دو سو بہتر تولہ کا ہوا، جیسا کہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے اپنی بیاض میں درج کر دیا ہے، اب اُن کے سیر ہر شخص اپنے اپنے علاقہ کے مطابق کر سکتا ہے، اسی کے حساب سے نصف صاع پونے دو سیر کا ہوتا ہے، اور ہمارے علمائے کرام کا یہی قول ہے، مگر احتیاطاً پورے دو سیر ادا کرنے کے لئے فرمادیا کرتے ہیں، اسی پر عمل کرنا چاہئے، اور دوسرے اقوال جو صاع کے متعلق ہیں ان کی بناء درہم کے وزن

ف خاص کر اس وجہ سے کہ مذکور وزن ماش یا مسور کا ہے یعنی جس برتن میں دو سو بہتر تولہ مسور سماتی ہو اس میں گیہوں بھر کر دینا چاہئے اور ظاہر ہے کہ گیہوں کا وزن اور ماش و مسور کا وزن متفاوت ہے، ف

ف و نیز گیہوں خود ہلکی و بھاری ہوتی ہے، پس احتیاط دو سیر میں ہے تاکہ یقیناً صدقۂ فطر ادا ہو جاوے ۱۲ منہ

میں اور خود صاع کے وزن میں (کہ وہ کتنے درہم کا ہے) اختلاف ہوتا ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

فائدۂ عظیمہ: حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے پاس ایک مُد تھا جس کی سند حضرت زید بن ثابتؓ تک مسلسل ہے کہ حضرت زیدؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مُد سے ناپ کر وہ مُد بنایا تھا، اُس مُد کو حضرت مولانا تھانوی مدظلہم العالی نے دو مرتبہ بھر کر وزن کیا تو اسّی کے سیر سے پونے دو سیر ہوا تھا، جو حساب مذکورہ بالا کے مطابق ہے، والحمد للہ علیٰ ذٰلک حمداً کثیراً۔

نوٹ: نصف صاع ۶ ماشہ، ۱۳۶ تولہ کا ہوا، اور چونکہ روپیہ ۱۱ ماشہ کا ہوتا ہے، اس واسطے ۲ رتی ۸ ماشہ ۵ تولہ کا اضافہ کرکے روپیوں کے حساب سے نصف صاع ۲ رتی ۲ ماشہ ۱۴۲ روپیہ بھر ہوتا ہے، کتبہ الاحقر عبد الکریم، ۱۳ / جمادی الاولیٰ ۴۸ھ۔

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ ۱۳ / جمادی الاولیٰ ۴۸ھ۔

فطرہ اور چرم قربانی کی قیمت میں تملیک شرط ہے

سوال (۸) میرے محلہ والے لوگ اکثر قرضدار ہیں اور بعضے تونگر نہیں ہیں، اس لئے چاہتا ہوں کہ اپنے محلّہ کی قربانیوں کے چمڑے اور روزوں کے فطرے ایک جگہ جمع کرکے ایک تحویل بنا کے اس کے روپے سے محلہ والوں کو نفع پہونچاؤں، خواہ نسیئۃً بیع کے طریقہ پر خواہ قرض حسنہ کی روش پر تاکہ محلہ والے لوگ سودی قرض سے بچیں، شرعاً یہ معاملہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ صورت جائز نہیں ہے، کیونکہ چرم قربانی کی قیمت اور صدقۂ فطر کا بطور تملیک دینا ضروری ہے، اور صورت مذکورہ فی السوال میں تملیک مفقود ہے، کما لایخفی، واللہ اعلم، احقر عبد الکریم عفا عنہ، ۱۵ / رمضان ۴۸ھ۔

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ۔

تحقیق مقدار صدقۂ فطر

سوال (۹) مقدار صدقۂ فطر بحساب بنگالہ کہ از دوازدہ ماشہ تولہ و از پنج تولہ چھٹانک و از شانزدہ چھٹانک یا ہشتاد تولہ سیر باشد چیست؟

الجواب: تقدیرش موقوف بر تحقیق صاع است، لما روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ادّوا صدقاتکم الخ و دراں اختلاف کثیر است، لیکن بقول فقہائے محققین وزن صاع ۱۰۴۰ درم است، (کذا فی الدر المختار وغیرہ)، و دہ درم ازاں ہا وزن ہفت مثقال (کذا فی الدر و شرح الوقایہ وغیرہما) و مثقال بقول صحیح چہار و نیم ماشہ (کذا فی الغیاث)

پس از ۵۴۰ ادرم مبلغ ۳۲۷۶ ماشہ وبحساب مسئول از یک صاع ۲۷۳ تولہ باشد، (چنانچہ در بیاض یعقوبی ومظاہر حق ہمیں حساب موجود است) وصدقۂ فطر نصف صاع از گندم یک سیر ویازدہ چھٹانک یک تولہ شش ماشہ گردید ر بوقتیکہ تولہ بوزن بارہ ماشہ گرفتہ شود (چنانچہ در بیاض یعقوبی ومظاہر حق ہمیں حساب موجود است) لیکن علماء کرام یک سیر دوازدہ چھٹانک بلکہ برائے مزید احتیاط دو سیر ہم فرمودہ اند، واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم، احقر عبد الکریم عفی عنہ، ۲۵ ر شوال المکرم ۴۸ھ، الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ۔

غیر منصوص اشیاء سے صدقہ فطر ادا کرنے میں قیمت کا اعتبار ہے مقدار کا نہیں

سوال (۱۰) آفتاب دولت سراج ملت جناب حکیم الامت دام ظلہٗ۔ السلام علیکم، بعد تمنائے قدمبوسی عرض خدمتِ اقدس یہ ہے کہ فدوی کو بوجہ کم علمی ذیل کے مسئلوں میں نہایت شک پیدا ہوا، لہٰذا امید واثق ہے کہ جواب بالمراد عطا فرما کر فلاح دارین بخشیں گے۔

(۱) صدقۂ فطر گیہوں اور جو وغیرہ وغیرہ کے علاوہ چاول جو ہمارے ملک میں خاص غلہ ہے سال بسال انگریزی تول سے ڈھائی سیر بمقابل نصف صاع دینے سے ادا ہوگا یا نہ، یا ہندوستان سے گیہوں کا بھاؤ سال بسال دریافت کرکے اس کی قیمت کے مقابل جتنے سیر چاول آئے دینا ہوگا، یہاں کے بعض عالم یہ بتلاتے ہیں کہ جس ملک میں جس غلہ کا زیادہ تر رواج ہے، اور اسی سے اوقات بسری ہوتی ہے، مذکورہ بالا مقدار پر دینے سے ادا ہوگا، اگر ہو یہ ہمارے مذہب میں ہے یا نہ، مگر یہاں کی اصلی خوراک صرف چاول ہے۔

الجواب: قال فی الدر: وفی الفطرۃ مکان المؤدی عند محمد وھو الاصح اھ وفیہ ایضاً وما لم ینص علیہ کذرۃ وخبز یعتبر فیہ القیمۃ اھ (ص ۱۲۲ ج ۲) جس ملک میں چاول کا رواج زیادہ ہو وہاں چاول کا نصف صاع ادا کرنے سے صدقۂ فطر ادا نہ ہوگا، بلکہ نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جو یا ایک صاع چھوارہ کی قیمت ادا کرنے سے صدقۂ فطر ادا ہوگا، اور گیہوں کی ہندوستانی قیمت سال بہ سال معلوم کرنا معتبر نہیں، بلکہ بنگال ہی میں نصف صاع گیہوں کی جو قیمت ہو اس کا لحاظ لازم ہوگا پس یا تو نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جو یا ایک صاع چھوارہ ادا کیا جائے، یا ان میں سے کسی ایک کی قیمت نقد یا اس قیمت کے برابر چاول ادا کئے جائیں۔

سوال (۲) کتاب صدقۂ فطر میں جو ایک صاع مذکور ہے چاول اس کے مقابل

میں دو چند دینے سے انگریزی تول سے اس کی مقدار کتنی ہوگی؟

الجواب: اس سوال کی حاجت کیا ہے، نصف صاع کا وزن پونے دو سیر ہے، انشی کے سیر سے اس کا دو چند خود معلوم کر لیا جائے، لیکن اگر ایک صاع چاول بھی نصف صاع گیہوں کی یا ایک صاع جو و چھوارہ کی قیمت کو نہ پہونچے تو صدقہ فطر ادا نہ ہوگا۔ ۲ ذیقعدہ ۴۸ھ

صدقہ فطر وصول کرنے کی غرض سے کمیٹیاں قائم کرنا

سوال (۱۱) بعض لوگ کوشش کر رہے ہیں کہ جابجا کمیٹیاں قائم کر کے لوگوں سے صدقۃ الفطر وصول کریں، اور اس کی تقسیم کا انتظام کمیٹیاں کریں، آیا یہ صورت جائز ہے یا نہیں، ؟

الجواب: آجکل کمیٹیوں کی جو حالت ہے اس سے یہ امید نہیں کہ صدقۃ الفطر کو صحیح طور پر مصارف میں صرف کیا جائے گا، نیز یہ بھی اندیشہ ہے کہ کمیٹی والے مسلمانوں سے صدقۃ الفطر جبراً وصول کریں گے، حالانکہ اس میں جبر کا کسی کو حق نہیں، اس لئے یہ صورت درست نہیں، ہر شخص جہاں چاہے اور جس کو چاہے اپنا صدقہ دے، یہی بہتر ہے، واللہ اعلم بالصواب

ظفر احمد عفا عنہ ۲۴ رجب ۵۸ھ، الجواب عین الصواب، اشرف علی عفی عنہ ۲۹ رجب ۵۸ھ

باب المصارف

تنو بیگھہ زمین کے مالک کو عیال دار ہونے کی صورت میں زکوٰۃ لینے کا حکم

سوال (۱) زید غریب ہے مسکین ہے، مگر اس کی دختر مرحومہ کا زرِ مہر مثلاً ہزار دو ہزار روپے زید کے داماد کے ذمہ واجب ہے، جو کہ نالش کرنے پر ممکن ہے وصول ہو جائیں اور ممکن ہے وصول نہ ہو سکیں مگر زید کا عزم نالش کر کے وصول کرنے کا ہے معاف کرنے کا نہیں ہے۔

اور ایسے ہی بکر مفلس خستہ حال عیال دار ہے مگر اس کے نام ایک موضع ویران شدہ میں آراضی زرعی ہزار بیگہ ہے، جو کہ موضع ویران ہو جانے سے محض بیکار پڑی ہے، کچھ آمد نہیں، البتہ فروخت کرئے تو کئی ہزار مل سکتے ہیں، تو ایسے دونوں شخصوں کو زکوٰۃ کا مال شرعاً جائز ہے یا نہیں، جواب باصواب معہ دستخط مرحمت فرما دیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں ان دونوں شخصوں کو زکوٰۃ لینا جائز ہے، مگر جس کے پاس افتادہ زمین ہے اس کو لازم ہے کہ اس کو فروخت کرنے کی کوشش کرے، اور جب تک خریدار نہ پیدا ہو زکوٰۃ کا مال لے سکتا ہے، قال فی الدر ومنه مالو کان ماله مؤجلاً او

علی غائب اومعسر او جاحد ولو له بینة فی الاصح اھ قال الشامی و فی الفتح دفع الی فقیرة لها دین مھر علی زوجھا یبلغ نصابا وھو موسر بحیث لو طلبت اعطاھا لا یجوز وان کان لا یعطی لو طلبت جاز اھ ص ۹۹ ج ۲ ذکر فی الفتاوی فی من له حوانیت ودور للغلة لکن غلتھا لا تکفیه ولعیاله انه فقیر ویحل له اخذ الصدقة عند محمد وعند ابی یوسف لا یحل اھ ص ۱۰۳ ج ۲ شامی و لوکان له ضیعة تساوی ثلثة الاف ولا تخرج ما یکفی له ولعیاله اختلفوا فیه قال محمد بن مقاتل یجوز له اخذ الزکوٰۃ عالمگیریه ص ۱۲۲ ج ۱، ۲۲ ربیع الاول ۴۰ھ۔

تراویح سنانے والے کو اجرت میں رقم دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی

سوال (۲) میرے ملکوں میں بعض حافظ بعض مسجدوں میں باجرت تراویح میں قرآن سناتے ہیں، اور بعض کو بعد ختم کے للہ وغیرہ کہہ کر دیتے ہیں، ایسے مُلک میں جو حافظ اجرت و شبہ اجرت کو ناجائز بتاتے ہیں اگر اس کو مصلیوں نے صدقۂ فطر و زکوٰۃ کہہ کر کچھ روپیہ پیسہ دیں، لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جو حافظ اجرت پر قرآن سُناتے ہیں اُن کو زکوٰۃ و فطرہ دینے سے واجب ذمہ سے ساقط نہ ہوگا، کیونکہ مال زکوٰۃ و فطرہ کا تصدق و تملیک مجاناً ضروری ہے، اور یہاں اجرت میں دیا گیا، البتہ جو حفاظ باجرت نہیں سُناتے، بلکہ اجرت و شبہ اجرت کو ناجائز سمجھتے ہیں اگر وہ فقیر ہوں صاحبِ نصاب نہ ہوں ان کو زکوٰۃ و فطرہ کا روپیہ دینا جائز ہے، مگر یہ تصریح کردینی چاہئے کہ یہ تم کو اجرت میں نہیں دیا گیا نہ تمہارا کچھ حق تھا، محض غریب سمجھ کر دیا گیا ہے، نیز جب ان حفاظ کے پاس قدر نصاب رقم جمع ہوجاوے اس کے بعد ان کو زکوٰۃ و فطرہ نہ دیا جاوے، ورنہ واجب ادا نہ ہوگا، الا ان یکون مدیونا یقدر ما یحیط بماله فیصح فافہم، ۳ شعبان ۴۰ھ۔

بیوی، شوہر، باپ، بیٹے کو صدقہ و نذر دینا جائز نہیں

سوال (۳) معروض اینکہ حضور فیض گنجور در بین یاران مسئلۂ مذکور اختلاف افتاد، ولہذا بخدمتِ حضور عرض کنم تاکہ از ہمگنان تنازع برخیزد و حق ظہور شود اقتداء ہمگناں بر رائے حضور زند، جناب از روئے مہربانی مسئلہ مرقومۃ الذیل را بیان فرمودہ فیصلہ کنند کہ اگر زوج محتاج باشد زوجہ صدقۂ نذر زوج خود را دادن جائز است یا نہ، یا بالعکس، اگر پدر محتاج باشد پسر پدر خود را صدقہ، نذر دادن جائز است یا نہ یا بالعکس مسئلہ نذر فتاوی عزیزی از مولانا شاہ عبد العزیز صاحب دہلویؒ جلد دوم صفحہ ۱۰۶

مرقوم است و مجموعہ فتاوی جلد دوم ص ۲۹۹ وجلد سوم ص ۳ ۲ از مولانا عبدالحی صاحب مرقوم است و بہشتی زیور حصہ سوم ص ۶۳ مرقوم است لیکن ہمگناں را ازیں کتب مسئلہ مذکور بتصریح در فہم نمی آید لاجرم بخدمت حضور عرض نمایم، زیادہ والسلام۔

الجواب: فی العالمگیریۃ (ص ۱۲۱ ج ۱) ولایدفع الی اصلہ وان علا وفرعہ وان سفل کذا فی الکافی ولایدفع الی امرأتہ للاشتراک فی المنافع عادۃ ولاتدفع المرأۃ الی زوجہا عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ کذا فی الہدایۃ وھکذا فی الدر وقال الشامی تحت قول الدر مصرف الزکوٰۃ الخ وھو مصرف لصدقۃ الفطر والکفارۃ والنذر وغیر ذلک من الصدقات الواجبۃ کما فی القہستانی، پس زوج و زوجہ و پدر و پسر را صدقہ نذر دادن جائز نیست، فقط

کتبہ اعبدالکریم عفی عنہ ۸ رجمادی الاولیٰ ۴۴ھ　　الجواب صحیح ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔

زکوٰۃ کے روپیہ سے ضیافت کرکے فقیروں کو کھلانے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی

سوال (۴) زکوٰۃ کے روپے سے اگر ضیافت کرکے فقیروں کو کھلادیوے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب: فقیروں کو کھانا کھلانے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، البتہ اگر ان کو کھانا بطور ملک دیدیا جاوے تو ادا[۱] ہو جاوے گی، کما فی الشامی (ص ۳ ج ۲) فلو اطعم یتیما ناویا للزکوٰۃ لایجزیہ الا اذا دفع الیہ المطعوم ۔ کتبہ الاحقر عبدالکریم ۸ جمادی الاولیٰ ۴۴ھ۔

کافر کو زکوٰۃ و دیگر صدقات واجبہ دینے کے متعلق "بہشتی زیور" کے مسئلہ پر شبہ کا جواب

سوال (۵) بہشتی زیور مدلل ومکمل جلد سوم صفحہ ۴۴ مسئلہ نمبر ۸ میں بحوالہ درمختار ص ۶۷ ج ۲ مرقوم ہے کہ زکوٰۃ کا پیسہ کسی کافر کو دینا درست نہیں، مسلمان ہی کو دیوے، اور زکوٰۃ اور عشر اور صدقۂ فطر اور نذر اور کفارہ کے سوا اور خیر خیرات کا کافر کو بھی دینا درست ہے، درمختار میں دیکھا گیا تو یہ عبارت ملتی ہے۔

وجاز دفع غیرھا وغیر العشر والخراج الیہ ای الذمی ولو واجبا کنذر وکفارۃ وفطرۃ خلافا للثانی وبقولہ یفتی حاوی القدسی، اور شامی میں خلافا للثانی کے تحت مرقوم ہے: حیث قال ان دفع سائر الصدقات الواجبۃ الیہ

---

[۱] بقدر اس کھانے کے قیمت کے خواہ اس کی تیاری میں لاگت کم لگی ہو یا زیادہ ۱۲ از حضرت مولانا مدظلہم العالی۔

لا یجوز اعتبارا بالزکوٰۃ وصحح فی الھدایۃ وغیرھا بان ھذا روایۃ عن الثانی و ظاھرہ ان قولہ المشھور کقولھما اور بقولہ یفتی کے تحت میں ہے الذی فی حاشیۃ الرملی عن الحاوی وبقولہ ناخذ قلت ولکن کلام الھدایۃ وغیرھا یفید ترجیح قولھما وعلیہ المتون، ان عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو یوسفؒ سے صرف ایک روایت ہے، کہ نذر وکفارہ ودیگر صدقات واجبہ کافر کو دینا جائز نہیں ہے، مگر طرفین کے نزدیک اور خود امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جیسا کہ وھو روایۃ عنہ سے ظاہر ہے، زکوٰۃ کے علاوہ باقی تمام صدقات واجبہ اور نافلہ کا دینا جائز ہے۔

اور بہشتی زیور کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ وصدقات واجبہ کے سوا کا دینا جائز ہے، اور صدقات واجبہ نہیں دے سکتا، اب شبہ یہ ہو رہا ہے کہ متون اور طرفین رحمہما اللہ کے خلاف بہشتی زیور میں کیوں درج ہوا، کیا کوئی دوسری دلیل ان سب دلائل پر فوقیت رکھنے والی موجود ہے، اگر موجود تھی تو کیوں نہیں درج فرمائی گئی، اور اگر نہیں موجود ہے تو یہ دلائل کیوں نظر انداز کر دیئے گئے، امید کہ شافی جواب سے تشفی بخشی جاوے؟

الجواب: چونکہ امام ابو یوسفؒ کی وہ روایت مفتیٰ بہ ہے جس میں نذر وکفارہ کو زکوٰۃ کے حکم میں داخل کیا ہے، (چنانچہ سوال میں بقولہ یفتی وبقولہ ناخذ خود نقل کیا ہے) پس اس بناء پر بہشتی زیور میں نذر وکفارہ کو زکوٰۃ کے ساتھ درج کیا ہے، باقی رہی یہ بات کہ متون کے خلاف کیوں لکھا، اس کا جواب یہ ہے کہ متون کے خلاف اگر فتویٰ کی تصریح موجود ہو تو فتوے پر عمل کیا جاوے گا، کما فی الشامی (ص ۴، ج ۱) اما لو ذکرت مسئلۃ فی المتون ولم یصرحوا بتصحیحھا بل صرحوا بتصحیح مقابلھا فقد افاد العلامۃ قاسم ترجیح الثانی لانہ تصحیح صریح ومافی المتون تصحیح التزامی والتصحیح الصریح مقدم علی التصحیح الالتزامی، اور ہم کو فقہاء کی تصریح کے بعد وجہ تلاش کرنے کی چنداں ضرورت نہیں، لیکن ان کی تصریح بالفتویٰ کے بعد اس کے کہنے کی جرأت ہو سکتی ہے، کہ امام ابو یوسفؒ کی روایت میں احتیاط ہے، اس لئے وہی مفتیٰ بہ ہے، کافر کو نذر وغیرہ دے کر ادا ہونا محتمل ہے، کما ہو الظاہر، بلکہ ہندوستان میں تو طرفینؒ کے قول کو لے کر بھی نذر وغیرہ صدقات واجبہ نہ دینا چاہئے، کیونکہ طرفین کے نزدیک بھی ہر کافر کو دینا جائز نہیں، بلکہ ذمی کی قید ہے، جیسا کہ سوال کی عبارت میں موجود ہے، ونیز درمختار ہی میں عبارتِ مذکورہ فی السؤال کے بعد ہے: واما

واما الحربی ولو مستامنا فجمیع الصدقات لا تجوز لہ اتفاقا بحر عن الغایہ (شامی ص ۱۰۸ ج ۲) اور ہندوستان کے کفار کا ذمی ہونا مختلف فیہ ہے، ہذا ما سنح لی واللہ اعلم بالصواب، کتبہ الاحقر عبد الکریم ۶ رمضان المبارک ۴۴ھ۔

زکوٰۃ اپنے لڑکے کو دینے سے ادا نہیں ہوتی

سوال (۶) خالد اپنے مال کی زکوٰۃ خود نکالتا ہے اس زکوٰۃ کا پیسہ سے اپنے لڑکے کے لئے کتابیں خرید دیتا ہے، آیا یہ زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں، اور یہ لڑکا حقیقی اور شامل حال ہو، شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: اس صورت میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، کیونکہ اولاد و والدین و زوجین زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہیں، واللہ اعلم، ۲۱ شعبان ۴۵ھ۔

جس شخص پر قربانی واجب ہو مگر زکوٰۃ واجب نہ ہو وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے یا نہیں

سوال (۷) بندہ کے اسباب مکان کی رو سے قربانی تو واجب ہے، اور بوجہ نہ جمع ہونے روپیہ کے زکوٰۃ واجب نہیں، اب میرے پاس جاڑے کا لحاف نہیں ہے، جو کچھ روپیہ حساب کا ہے وہ اگر لحاف میں خرچ کیا جاوے تو ضروری خرچ میں تنگی ہوگی، اب مدرسہ میں جو لحاف مد زکوٰۃ آئے ہیں بندہ کو لینا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: جو شخص صاحب نصاب زکوٰۃ نہ ہو مگر صاحب نصاب صدقۃ الفطر و قربانی ہو اس کو زکوٰۃ لینا جائز نہیں، قال فی الدر فی بیان نصاب صدقۃ الفطر و بہ ای بہذا النصاب تحرم الصدقۃ کما مر و تجب الاضحیۃ اھ (ص ۱۷ ج ۲) قال الشامی قولہ تحرم الصدقۃ ای الواجبۃ اما النافلۃ فانما یحرم علیہ سوالہا واذا کان النصاب لمذکور مستغرقا بحاجتہ فلا تحرم علیہ الصدقۃ ولا یجب بہ ما بعدہا اھ قلت ولکن السوال یفید فراغ النصاب عن الحاجۃ لقول السائل انہ ممن تجب علیہ الاضحیۃ وھی لا تجب الا علی الذی عندہ نصاب غیر نام فارغ عن الحاجۃ الاصلیۃ فلا یجوز للسائل ان یاخذ مال الزکوٰۃ، واللہ اعلم، ۱۸ جمادی الاولیٰ ۴۶ھ۔

ایضاً ایضاً ایضاً

سوال (۸) السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، گذارش ہے کہ بندہ پر بوجہ اسباب مکان کے اضحیہ اور صدقۃ الفطر تو واجب ہے، لیکن بوجہ نہ ہونے نصاب نامی کے زکوٰۃ واجب نہیں، اور اس وقت مسافری کی حالت میں دفعیہ جاڑے کے واسطے

لحاف کی ضرورت ہی، اور اگر اپنے پاس سے خرچ دے کر تیار کرالیا جاوے تو آئندہ ضروری خرچ میں تنگی کا احتمال ہے، پس اس صورت میں مدرسہ میں جو لحاف بمد زکوٰۃ آتے ہیں، بندہ کو لینا جائز ہوگا، والسلام،

الجواب: ہاں اس صورت میں بوجہ ابن السبیل ہونے کے آپ کو زکوٰۃ کی چیز لینا جائز ہے، لیکن سوال کرنا جائز نہیں، بدون سوال کے مل جائے تو جائز ہے، اور اگر مال زکوٰۃ تقسیم کرنے والا یہ کہے کہ جسکو حاجت ہو وہ درخواست پیش کرے خواہ آپ سے کہے یا عام طور پر خانقاہ والوں سے کہا جائے تو اس صورت میں حاجت کی اطلاع کرنا سوال میں داخل نہیں، پس اطلاع کردینا جائز ہے، واللہ اعلم، ۱۸ر جمادی الاولیٰ ۱۳۴۶ھ۔

الاحتیاط اللازم فی التصدق علی بنی ہاشم زمانا دیگر، والقول الخاتم فی حرمۃ الزکوٰۃ علی بنی ہاشم

السوال (۹) ما قولکم دام ظلکم فی رجل اعطی زکوٰۃ مالہ سنین عدیدۃ لبنی ھاشم عارفاً ایاھم وھو یظن انھم من مصارف الزکوٰۃ فھل یجب علیہ ان یعین ما دفعہ الیھم بعد ما علم انہ لا یجوز لھم دفع الزکوٰۃ ام کیف الامر وھل ترون دفع الزکوٰۃ الی بنی ھاشم فی زماننا ھذا بناء علی روایۃ ابی عصمۃ رحمہ اللہ؟ فانہ لا تخفی علی سیادتکم الحالۃ البائسۃ التی نزلت بالمسلمین عامۃ و ببنی ھاشم خاصۃ بالدیار الھندیۃ والناس لا یکادون ان یتوجھوا الیھم بما یسد فاقتھم بید ان البعض ممن یخاف اللہ سبحانہ تکاد نفسہ ان تسمح بدفع بعض الصدقات الواجبۃ ھذا وللہ الفضل والمنۃ ولرسولہ ثم لکم۔

الجواب عن مسئلۃ الصدقۃ علی بنی ھاشم

اقول لا یخفی علی فضیلتکم ان مذھب ائمتنا الثلاثۃ تحریم الصدقۃ علی بنی ھاشم مطلقاً فریضتھا ونافلتھا الا ما کانت بطریق الھدیۃ والھبۃ کما ذکرہ الطحاویؒ فی شرح الآثار وقواہ بالدلائل النقلیۃ والنظریۃ ثم قال فلما حرم علی بنی ھاشم اخذ الصدقات المفروضات حرم علیھم اخذ الصدقات غیر المفروضات ھذا ھو النظر فی ھذا الباب وھو قول ابی حنیفۃ وابی یوسف ومحمد رحمھم اللہ (ص ۳۰۱ ج ۱) قال المحقق ابن الھمام فی الفتح

وھو رای تحریم الصدقۃ علیھم مطلقاً (۱۲ منہ) الموافق للعمومات فوجب اعتبارہ فلا یدفع الیھم النافلۃ الاعلیٰ وجہ الھبۃ مع الادب وخفض الجناح تکرمۃ لاھل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ص ۲۱۲ ج ۲) ولکن المشائخ توسعوا فی ذلک وقالوا لجواز النافلۃ لھم واجابوا عن العمومات بانھا وان کانت عامۃ لفظاً کقولہ صلی اللہ علیہ وسلم انا اٰل محمد لاناکل الصدقۃ وفی روایۃ انا اھل بیت قد نھینا ان ناکل الصدقۃ وفی لفظ ان اٰل محمد لایحل لھم الصدقۃ ولکنھا مخصوصۃ معنیً بدلیل ما اخرجہ مسلم من روایۃ عبد المطلب بن ربیعۃ مرفوعاً ان ھذہ الصدقات انما ھی اوساخ الناس وانھا لاتحل لمحمد ولا لاٰل محمد الحدیث ففیہ مایشعر بعلۃ حرمۃ الصدقۃ علیھم وھی کونھا من اوساخ الناس والمال لیس بنجس وانما یتدنس خلافا القیاس باسقاط الفرض ضرورۃ انہ صار مطھرا بالنص وھو قولہ تعالیٰ خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم بھا لا یقال ان الصدقۃ النافلۃ مطھرۃ ایضا لانا نقول لادلیل علی کونھا مطھرۃ بل یجوز ان تکون محسنۃ مزنیۃ مجلیۃ والتحسین والتزیین والجلاء محل بعد التطھیر فلا یلزم منہ تدنس مایحصل بہ ذلک فیبقی ماوراءہ علی مایقتضیہ القیاس من الطھارۃ الاصلیۃ فان الثابت خلاف القیاس یقتصر علی موردہ والنص وھو قولہ من اوساخ الناس ورد فی المکتوبۃ خاصۃ کما ھو ظاھر حدیث عبد المطلب بن ربیعۃ فیجوز ماسوی الزکوٰۃ ونحوھا من الواجبات لبنی ھاشم وھذہ التوسعۃ التی وسع بھا المشائخ علی بنی ھاشم ھی غایۃ مایصار الیہ ولایتصور عندنا الزیادۃ

؎ ویرد علیہ ان حرمۃ الصدقۃ علی بنی ھاشم کحرمتھا علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم سواء بسواء کما ھو ظاھر النصوص ولیس فیھا مایفید الفرق ولا یخفی انھا کانت محرمۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مطلقاً یدل علیہ حدیث سلمان انہ اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بصدقۃ حین قدم المدینۃ فردھا علیہ وقال انا لاناکل الصدقۃ وکان سلمان عبدا ممن لایجب علیہ الزکوٰۃ وقد صح انہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا علم بشیء انہ صدقۃ امسک عنہ مطلقاً ولم یسئل انہ صدقۃ من زکوٰۃ اوغیر ذلک فتأمل ۱۲ ظ

علیہ واما ما رواہ ابوعصمۃ عن الامام واشار الیہ الطحاوی ایضاً انہ یجوز دفع سائر الصدقات الیہم فی زمانہ لان عوضہا وھو خمس الخمس لم یصل الیہم الخ کما فی ردّ المحتار (ص ۱۰۶ ج ۲) فھو ضعیف روایۃ ودرایۃ لایجوز الاخذ بہ اصلاً اما ضعفہ روایۃ فلانّ اباعصمۃ ضعیف رواہ ابن المبارک وغیرہ بالکذب والوضع واما ضعفہ درایۃً فلانّ مبناہ علی کون خمس الخمس لبنی ہاشم عوضا عن تحریم الصدقۃ علیہم فان کان قالہ الامام بالرائ قلنا ھذا تعلیل بمعرض النص فانّ حدیث عبد المطلب بن ربیعہ عند مسلم دال علی ان علۃ التحریم کون الصدقات من اوساخ الناس وان قالہ بالنص فلابدّ لہ من نص یدلّ علی کون ذلک عوض عن ھذا ولم یرد نص صحیح بذلک اصلاً فیما علمناہ واما اللفظ الذی رواہ صاحب الھدایۃ انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یا بنی ہاشم ان اللہ تعالٰی حرّم علیکم غسالۃ الناس واوساخہم وعوضکم منہا بخمس الخمس فغریب جداً کما صرّح بہ الزیلعیؒ وانما الصحیح ما اخرجہ مسلم بلفظ انّ ھذہ الصدقات انما ھی اوساخ الناس وانہا لاتحل لمحمد ولا لاٰل محمد ولیس فیہ ما زادہ فی الھدایۃ من قولہ وعوضکم منہا بخمس الخمس نعم قد رواہ الطبرانی بطریق حنش عن عکرمۃؓ عن ابن عباسؓ وفی اٰخرہ فقال لہما صلی اللہ علیہ وسلم انہ لایحل لکم اھل البیت من الصدقات شئ وان لکم فی خمس الخمس ما یغنیکم انتہی کما فی نصب الرایۃ (ص ۴۱۸ ج ۱) ولکن لیس فیہ دلالۃ علی کون خمس الخمس لبنی ہاشم عوضاً عن تحریم الصدقات علیہم بل یحتمل ان یکون قولہ انّ لکم فی خمس الخمس ما یغنیکم تسلیۃ لہما ومعناہ انہ لاحاجۃ لکم الی الصدقات الاٰن لانّ لکم فی خمس الخمس ما یغنیکم ولایجب عموم التسلیۃ ولا ابقاؤھا علی حالہا دائما بل یجوز ان یسلّی واحد بشئ واٰخر بشئ وان یکون التسلیۃ فی زمان بشئ وفی زمان اٰخر بشئ اٰخر وذلک لانّ التسلیۃ لاتکون علۃ للحکم بل المقصود منہا حض المخاطب علی الامتثال وتقویۃ قلبہ لذلک کما لایخفی۔

وان سلمنا کونہ دالاً علی معنی التعویض فنقول لفظ الطبرانی ھذا لم یصح سندہ لانّ حنشا متروک ولایروی عن عکرمۃؓ مولی ابن عباسؓ احد غیرہ

ممن یلقب بحلش کما لا یخفی علی من مارس الاسانید) واسمہ حسین بن قیس ابو
علی الرحبی (تقریب) وروی ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ حدثنا وکیع ثنا شریک عن
خصیف عن مجاھد قال کان آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم لا تحل لھم الصدقۃ
فجعل لھم خمس الخمس ورواہ الطبری فی تفسیرہ ثنا ابن وکیع بہ (سنداً ومتناً)
کما فی نصب الرایۃ وفیہ تائید للفظ الھدایۃ فانہ مشعر بکون خمس الخمس
عوضاً عن تحریم الصدقۃ علیھم ولکنہ موقوف علی مجاھد وفی سندہ خصیف و
ھو صدوق سیٔ الحفظ خلط بآخرہ ولقائل ان یقول ان حدیث مثلہ حسن فی الدرجۃ
الثانیۃ وھو صالح للاحتجاج بہ والاعتذار عن وقفہ ممکن بان معناہ مما لا یدرک
بالرای واذا روی التابعی ما لا یدرک بالرای کان فی حکم المرسل المرفوع وھو حجۃ
عند الحنفیۃ. تامل، ویرد علیہ ان الاحتجاج بقول مجاھد یقتضی ان یکون سھم
ذوی القربی وھو خمس الخمس باقیاً، ویجب علی الامام ان یصرف خمس الخمس
من الغنیمۃ علی بنی ھاشم وھذا انما ھو قول الشافعی دون ابی حنیفۃ فعندنا یقسم
الخمس علی ثلثۃ اسھم سھم للیتامی وسھم للمساکین وسھم لابن السبیل یدخل
فقراء ذوی القربی فیھم ولا یدفع الی اغنیائھم کما صرح بہ فی الھدایۃ (ص ۵۵۶ ج ۱)
ولیس لھم خمس الخمس عندنا متعیناً ولو کان ذلک عوضاً عن تحریم الصدقات
علیھم لوجب صرفہ الیھم وذلک یقتضی تخمیس القسمۃ لا تثلیثہ وھذا خلاف
المشھور من مذھب ابی حنیفۃ وصاحبیہ کما لا یخفی علی من مارس الفقہ واذا
کان کذلک فالقول باباحۃ صرف الصدقات الی بنی ھاشم لعدم وصول خمس
الخمس الیھم انما یصح لمن قال بتعین حقھم فی خمس الخمس فی حیاۃ النبی
صلی اللہ علیہ وسلم وبعد وفاتہ کما قال ابن عباس واخذ بہ الشافعی واما
من قال ان خمس الخمس لم یکن لبنی ھاشم لا فی حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم
ولا بعد مماتہ وانما ذکر اللہ ذوی القربی فی الآیۃ مع الیتامی والمساکین،
بحال فقرھم وحاجتھم فادخلھم مع الفقراء والمساکین وقدم فقراءھم
ومساکینھم علی فقراء غیرھم فلا یخرج لھم سھم من الغنیمۃ علی حدۃ بل
سھم الفقراء والمساکین یکفیھم ویقدمون علی غیرھم من الفقراء کما مذھب ابی حنیفۃ

واصحابہ فلایجوز لہ القول باباحۃ صرف الصدقات الی بنی ھاشم الآن
لعدم وصول خمس الخمس الیھم ولا یصح منہ القول بذلک ابداً الا انہ لایقول
بحقھم فی خمس الخمس فافھم واللہ تعالیٰ اعلم ھذا ماعندنا ولا یخفی ان الاصل
فی المذھب ھو الصحیح روایۃ درایۃ ولا یجوز الافتاء بالضعیف مع العلم بضعفہ
وبعد ذلک فاللازم علی الرجل المسئول عنہ اعادۃ زکوٰۃ ھذہ السنین التی انفق
زکوتھا علی بنی ھاشم عارفاً ایاھم وظنہ انھم من مصارف الزکوٰۃ باطل، فعلیہ
ان یعید زکوتھا وان لم یستطع ذلک لعدم المال فلیعدھا بحیلۃ الاسترداد
من الفقیر والاستیھاب منہ وھی لا تخفی علی مثلکم واما ما ذکرتم من الحالۃ
البائسۃ التی نزلت بالمسلمین فھی لا تختص ببنی ھاشم منھم بل تعمھم وغیرھم
ولو ابحنا لھم الحرام لاجل ذلک فلنبح الربوا والرشوۃ لغیرھم ایضاً لاجل ھذہ
الحالۃ البائسۃ ولا یجتری علی ذلک احد، والسلام۔

فان قیل قال فی البحر عن الحاوی القدسی وعن ابی یوسف: ان الخمس
یصرف لذوی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل وبہ ناخذ اھ فھذا
یقتضی ان الفتوی علی الصرف الی الاقرباء الاغنیاء فلیحفظ اھ (ص ۹۱ ج ۵)
وھذا ایؤید روایۃ ابی عصمۃ ویدفع الایراد الذی اورد قبل علی الاستدلال
باثر مجاھد بانہ یقتضی تخمیس الخمس لا تثلیثہ وھذا خلاف مذھب
ابی حنیفۃ واصحابہ وانما ھو مذھب الشافعی الخ فان ما رواہ الحاوی القدسی
عن ابی یوسفؒ یدل علی بقاء التخمیس فی مذھب الحنفیۃ ایضاً ولو کان ذلک
خلاف المشھور فلیؤخذ بہ للضرورۃ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

قلت ھذا لا یجدی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
شیئاً فان ما رواہ الحاوی یفید کون خمس الخمس حقاً لبنی ھاشم کلھم غنیھم
وفقیرھم فلو کان تحریم الصدقۃ عوضاً عنہ کما یفیدہ اثر مجاھد للزم جواز
الصدقۃ علی اغنیاء ھم ایضاً اذا لم یصل الیھم خمس الخمس ولم یقل بہ احد
ولو امعنت النظر لعرفت ان روایۃ ابی یوسفؒ ھذہ تفید تحریم الصدقۃ

علی بنی ہاشم مطلقا لکونہا دالۃ علی ان حقہم فی خمس الخمس باق واثر مجاھد
قد افاد ان علۃ التشریع فی تحریم الصدقۃ علی بنی ہاشم کونہم قد عوضوا منہا
بخمس الخمس فمادام ھذا التشریع باقیا کان الحکم باقیا ولا ینعدم الا بانعدام
التشریع واما بظلم الولاۃ ومنعہم بنی ہاشم عن حقہم فلا ینعدم الحکم بہ اصلا
فان مدار الاحکام انما ھو علی التشریع وعلتہ لا علی افعال الولاۃ والامراء فاذا
کان الشارع قد شرع تحریم الصدقۃ علی ذوی القربیٰ بعلۃ تفویضہ خمس الخمس
لہم عنہ ووضعہ حقہم فیہ وجب ان یبقی حکم التحریم ببقاء حکم ھذا التعویض
لہم وھذا ظاھر جدا، ومبنی ھذا الجواب علی تسلیم ان اثر مجاھد یدل علی
ان کون خمس الخمس لبنی ہاشم علۃ لتحریم الصدقۃ علیہم ولقائل ان یقول
ان اثر مجاھد فیہ بیان حکمۃ ھذا التشریع لا علتہ، والعلۃ انما ھی کون الصدقۃ
من اوساخ الناس وھی المنصوصۃ فی کلام الشارع والحکم انما یدور مع العلل
دون الحکم، واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۲ صفر ۱۳۴۷ھ

رسالہ رفع التشکیک فی دفع الزکوٰۃ بالتملیک مذاکرہ در مصارفِ زکوٰۃ	**سوال (۱۰)** بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام

علیٰ رسولہ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین، **اما بعد** واضح ہو کہ دینی ضروریات روز بروز بڑھتی جاتی ہیں، اور ان میں سے اکثر کے لئے آمدنیوں کی قلت ہوتی ہے، اور شرعاً آجکل زکوٰۃ کے سوا کوئی ایسی مد نظر نہیں آتی جس کے ترک پر وعید شدید شرعی سنائی جائے، اور اس زکوٰۃ میں حضرات فقہائے کرام نے تملیک کی شرط لگائی ہے، جس کی وجہ سے مساجد، مدارس دینی، تبلیغ واشاعتِ اسلام اور تصنیف وتالیف کتبِ دینیہ کے بہتیرے کام رُک جاتے ہیں یا جیسے چلنے کی ضرورت ہو ویسے چلنے نہیں پاتے، کیونکہ اُن پر مال زکوٰۃ، فطرہ اور چرم قربانی خرچ نہیں کئے جاسکتے، اس لئے کہ امور مذکورہ میں تملیک نہیں ہوسکتی، اور ان امورِ مذکورہ میں تملیک جاری کرنا ہو تو حیلہ کی تلاش کرنا پڑتی ہے، جس کا ثبوت آیات واحادیث اور اقوالِ سلف سے نہیں ملتا ہے، پس امور مذکورہ کا اجراء یا تو صدقاتِ غیر واجبہ سے کیا جاوے، جن کے نہ دینے سے مسلمان وعید کے مستحق نہیں ہوسکتے، یا آیات واحادیث کے عموم ہی سے کیوں نہ ہو، ان امور مذکورہ کو مصارف زکوٰۃ میں داخل کیا جائے۔

مسئلہ بالا کے متعلق ایک عرصہ دراز سے بلکہ زمانہ طالب علمی سے خلجان رہا، اور حضرات شیوخ کرامؒ کے افادات سے کچھ کچھ منزل مقصود کا نشان نظر آ رہا تھا، بالآخر دو چار سال کے عرصہ میں بعض معزز و محترم خیر خواہ حضرات اس مسئلہ کو چھیڑتے رہے، جس پر فاضل محقق عالی جناب مولانا مولانا محمد عبد الوہاب صدر مدرس جامعہ دار السلام عمر آباد نے آیت "فی سبیل اللہ" کی تعمیم اور چند احادیث سے استدلال فرما کر امور مذکورہ کو مصارفِ زکوٰۃ میں شامل فرمایا، مولانا ممدوح کی تحریر سے خاکسار کے خیالات میں امید وجرأت پیدا ہوئی جس کے بعد خاکسار بغرض استفادہ اپنے ناچیز منتشر خیالات کو حضرات رہنمایانِ دین کی خدمات میں پیش کرتا ہے، جن کے متعلق امید کہ آنحضرات اپنے اپنے تنقیدانہ و تحقیقانہ افادات سے ممنون فرمائیں گے، اِنَّمَا شِفَاءُ الْعِیِّ السُّؤَالُ۔

جمیع حضرات علمائے کرام پر یہ امر بخوبی روشن ہے کہ امتِ محمدیہ کے پاس مصارفِ زکوٰۃ کی دلیل آیت عظیمہ ذیل ہے:۔

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ط فَرِيضَةً مِّنَ اللهِ ط وَاللهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

"صدقات صرف فقیروں کے لئے ہیں اور محتاجوں کے لئے اور اُن لوگوں کے لئے جو صدقات پر کام کرتے ہیں اور اُن لوگوں کے لئے جن کی تالیف قلوب کی جاوے، اور غلاموں کے آزاد کرنے اور قرضداروں کے قرض ادا کرنے اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کی مدد میں خرچ کئے جاویں، خداوند پاک کی جانب سے یہ حکم ہے، اور اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا ہے"۔

(۱) للفقراء کا لام جمیع سلف صالحین کے پاس تملیک کے لئے ہی یا نہ؟ تفاسیر و شروحِ حدیث کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس طرف بھی ائمہ کرام کی ایک جماعت گئی ہے کہ لام اس آیت میں تملیک کے لئے نہیں ہے، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے شرح بخاری میں یہ رقم فرمایا ہے کہ:۔

ان اللام فی قولہ تعالیٰ للفقراء لبیان المصرف لا للتملیک اھ	"لام" فقراء" کے شروع میں مصرفِ بیان کے لئے ہی تملیک کے لئے نہیں"

اور علامہ سیوطیؒ نے اتقان کی کتاب الادوات میں لام کے متعدد معنی جو پندرہ سے زیادہ ہوں گے بیان کئے ہیں، اُن میں سے صرف لام تعلیل کے متعلق حقیقی یا مجازی معنی ہونے کا اختلاف اہلِ لسان سے ذکر کیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ باقی معانی حقیقی ہیں۔

اصولِ فقہ کی کتاب "حصول المامول من علم الاصول" مطبوعۂ مصر میں لام کے بائیس معنی ذکر کئے ہیں، جن میں سے ہر ایک کی مثال قرآن پاک سے دی گئی ہے۔

اور کتبِ نحو میں عموماً اور شرح جامی میں خصوصاً یوں مرقوم ہے:۔

اللام للاختصاص بملکیۃ او بغیر ملکیۃ،	"لام اختصاص کے لئے آتا ہے خواہ ملکیۃ کے طور پر ہو یا بلا ملکیت کے"۔

امام فخرالدین رازیؒ نے اپنی تفسیر میں پہلے چار مصرفوں میں لام کے آنے اور بعد کے چار مصرفوں میں فی کے آنے کا فرق یوں بیان فرمایا ہے کہ پہلے چار مصرف والوں کو اپنے حاصل کردہ مال زکوٰۃ میں مالکانہ تصرّف کا اختیار ہے اور پچھلے چار مصرف والوں کو اپنے حسب منشا تصرف کا اختیار نہیں، پس لام سے تملیک کی شرط اجتہادی محتمل چیز ہوئی نہ کہ قطعی او رمنصوص۔

(۲) فی سبیل اللہ کے معنی میں تعیین اور اس تعیین پر اجماع ہوا ہے یا نہ؟ اگر تعیین اور اس پر اجماع ہو چکا ہے تو کتبِ فقہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ شافعیہ کے پاس اغنیاء مجاہدین کو مالِ زکوٰۃ سے دے سکتے ہیں، اور یہ امر حنفیہ کے پاس ناجائز ہے، اور امام ابو یوسفؒ نادار مجاہدین کو ہی مال کی زکوٰۃ دینے کی اجازت دیتے ہیں، اور امام محمدؒ نادار حاجیوں کو بھی مالِ زکوٰۃ سے دیگر حج کرانے کی اجازت اس لفظ فی سبیل اللہ سے نکالتے ہیں۔

اتنے مختلف اقوال کے بعد اگر کوئی یہ کہے کہ ان اقوال و مذاہب کے سوا نیا قول گویا اجماع کے مرکب کا خرق ہے، اس لئے وہ نیا قول ناجائز قرار دیا جائے، تو یہ عرض ہے کہ جن لوگوں نے اس مقام میں اجماع کا ذکر فرمایا ہے وہ اصولی اصطلاحی اجماع نہیں معلوم ہوتا کیونکہ اجماعِ امت کا لفظ اس مقام میں کسی نے ذکر کیا ہو، دیکھنے میں نہیں آیا، بلکہ اجماع الجمہور لکھا ہے، اجماع اور جمہور کی اضافت خود اصولی اصطلاحی اجماع ہونے سے انکار کرتی ہے۔

علاوہ بریں امام قفال نے بعض ائمہ سے عام مصارفِ خیر جیسے کہ امور مذکورۃ اوقاف وغیرہ کو فی سبیل اللہ کے معنی میں نقل فرمایا ہے جس کو امام رازیؒ، علامہ بیضاویؒ اور صاحبِ خازن نے اپنی اپنی تفسیروں میں بیان فرمایا ہے اور سب کے الفاظ قریب قریب حسب ذیل ہیں:۔

وقال بعضهم ان اللفظ عام فلا یجوز قصره علی الغزاة فقط ولهذا اجاز بعض الفقهاء صرف سهم سبیل الله الی جمیع وجوه الخیر من تکفین الموتی وبناء الجسور والحصون وعمارة المساجد وغیر ذلك وقال لان قوله تعالی وفی سبیل الله عام فی الکل فلا یختص بصنف دون غیره، اھ

"اور کہا بعض علماء نے کہ لفظ عام ہے اس کو صرف مجاہدین پر قصر کرنا جائز نہیں، اسی لئے بعض فقہائے کرام نے "سبیل اللہ" کا حصہ سب نیک کام مثلاً تکفینِ موتیٰ، پُلوں اور قلعوں اور مساجد وغیرہ کے بنانے میں خرچ کرنے کو جائز رکھا، اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان فی سبیل اللہ سب نیک کاموں کو شامل ہے، صرف ایک جماعت کے ساتھ خاص کرنا نہیں چاہیے"،

اور شرح وقایہ کے حاشیہ عمدۃ الرعایہ میں حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی رحمہ اللہ نے مصارفِ زکوٰۃ کے مقام میں فقہ کی کتاب بدائع سے نقل فرمایا ہے کہ :۔

وذکر فی البدائع انه یشمل جمیع القُرَب،

"فی سبیل اللہ کا لفظ جمیع نیک مصرفوں کو شامل ہے"،

(۳) امام بخاری رحمہ اللہ اپنی جامع صحیح بخاری کے "باب العرض فی الزکوٰۃ" میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ابن جمیل رضی اللہ عنہ، خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے منع زکوٰۃ کی توجیہ والی حدیث نقل فرماتے ہیں اور اسی روایت کو "باب والغارمین وفی سبیل اللہ" میں مکرر لاتے ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ کا مدعا امام ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں یوں ذکر فرمایا ہے :۔

واستدل البخاری بقصة خالد علی مشروعیة تحبیس الحیوان والسلاح وان الوقف یجوز بقاءه تحت ید محتبسه وعلی جواز اخراج العروض فی الزکوٰة،

"امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے قصہ سے جانوروں اور ہتھیاروں کے وقف کرنے اور وقف کی ہوئی چیزوں کا واقف کی نگرانی میں رہنے اور زکوٰۃ میں نقد کے عوض متاع کے دینے پر دلیل پکڑی ہے (بطور مالِ زکوٰۃ وقف میں دیا گیا)"،

پس شروح بخاری رحمہ اللہ سے معلوم ہوا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے خالد رضی اللہ عنہ کے واقعۂ وقف کو زکوٰۃ میں شمار فرمایا، اور آیت "فی سبیل اللہ" میں تملیک کو غیر ضروری سمجھا جو حضرات احنافِ کرام

کے خلاف ہے، اور وقف منقول کو بھی جائز سمجھا، اور یہ امر فقہائے کوفہ کے مخالف ہے، اور زکوٰۃ میں نقد کے عوض متاع دینا ثابت کیا، جو فقہائے حنفیہ کے موافق ہے، جس کو مولانا حافظ احمد علی صاحب حنفی محدث سہارنپوریؒ محشی صحیح بخاری نے اپنے حاشیۂ بخاری میں یوں رقم فرمایا ہے:-

قال العینی احتج اصحابنا فی جواز دفع القیم فی الزکوٰۃ ولھذا قال ابن رشید وافق البخاری فی ھذا المسئلۃ الحنفیۃ مع کثرۃ مخالفتہ لھم، قال الکرمانی: وفیہ دلیل علی صحۃ وقف المنقول وبہ قالت الامۃ باسرھا الا بعض الکوفیین،

"علامہ عینیؒ نے فرمایا کہ ہمارے حضرات نے زکوٰۃ میں قیمتوں یعنی متاع کو دینا جائز کہا، اور اس پر اس حدیث سے دلیل پکڑی، اور اسی لئے ابن رشید نے کہا کہ بخاریؒ نے اس مسئلہ میں حنفیہ کی موافقت کی، حالانکہ وہ اُن کے اکثر مسائل میں مخالفت کرتے ہیں، علامہ کرمانیؒ نے فرمایا کہ اس حدیث میں منقولات کے وقف کی اجازت ثابت ہوتی ہے جس کی قائل بعض اہل کوفہ کے سوا ساری اُمت ہے"۔

الحاصل امام بخاریؒ کے استدلال کے جواب میں کوئی آیت یا حدیث صریح حضرات مانعین نہیں فرماسکتے ہیں؟ رہے مانعین کے احتمالات وہ مجوزین کے پاس ناشی عن الدلیل نہ ہوں، اور مجوزین کی تجویز اُن کے احتمالات کی بہ نسبت واضح ترین اور اقرب الی الدلیل ہو تو امام بخاریؒ کے استدلالات کا قطعی اور تشفی بخش جواب کیا ہوگا؟

مذکورہ بالا معروضہ پیش کرنے کے بعد مجوزین کا مطلب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ آیتِ مصارف میں سے سات حصے خاص خاص افراد یا جماعتوں پر خرچ کئے جائیں، اور ایک حصہ عام مصارفِ خیر کے لئے رکھ دیا جاوے تاکہ آٹھویں مصرف میں سہولت کے ساتھ امور مذکورہ ادا کئے جائیں، ورنہ تبرعات اور تطوعات اختیاری امور میں جن پر جبر واکراہ نہیں کیا جاسکتا اور نہ کرنے والوں پر وعید بھی نہیں ہوتی، اور بناءِ مساجد و مدارس دینی اور مصارفِ تبلیغ وغیرہ خدانخواستہ بالکل متروک کئے جائیں گے۔

چونکہ زمانۂ موجودہ میں یہ مسئلہ جہمات مسائل میں سے ہے، لہٰذا بغرض استفادہ یہ امر بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بوقت شدتِ حاجت حضرات فقہائے کرام نے بھی

اپنے امام کے خلاف دوسرے امام کے فتوے پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے، چنانچہ اجرت تعلیم قرآن کی بابت صاحبِ ہدایہ نے فرمایا ہے کہ اجرت علی تعلیم القرآن جائز نہیں، مگر متاخرین نے بوجہ ضرورت اجازت دی ہے، تاکہ تعلیم قرآن معدوم نہ ہو، اور اسی طرح مفقود الزوج کے نکاح کا مسئلہ معروف بین العلماء ہے۔

انہی امور کو مدِ نظر رکھ کر حضرت شیخ الاسلام شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں گویا امام بخاریؒ کا مسلک اختیار فرماتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا ہے:۔

وعن ابی الاسؓ حملنا النبیؐ صلعم علی اھل الصدقۃ للحج وفی الصحیح واما خالد فانکم تظلمون خالدًا وقد احتبس ادرعہ واعتدہ فی سبیل اللہ وفیہ شیئان جواز ان یعطی مکان شیٔ شیئًا اذا کان انفع للفقراء وان الحبس مجزیٔ عن الصدقۃ قلت وعلیٰ ھذا فالحصر فی قولہٖ انما الصدقات اضافی بالنسبۃ الی ما طلبہ المنافقون فی صرفھا فیما یشتھون علی یقتضیہ سیاق الاٰیۃ والسر فی ذلک ان الحاجات غیر محصورۃ ولیس فی بیت المال فی البلاد الخالصۃ للمسلمین غیر الزکوٰۃ کثیر مال فلابد من توسعۃ لتکفی نوائب المدینۃ واللہ اعلم۔

"ابو الاسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو صدقہ (زکوٰۃ) کے اونٹوں پر حج کے لئے سوار کرایا، اور صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم خالد پر ظلم کرتے ہو، جو اس سے زکوٰۃ طلب کرتے ہو، حالانکہ اس نے بکتر اور ہتھیار اللہ کی راہ میں وقف کئے ہیں اس حدیث سے دو چیزیں ثابت ہوتی ہیں ایک تو ایک چیز کے عوض دوسری چیز زکوٰۃ میں دے سکتے ہیں، جبکہ دوسری چیز فقراء کے لئے زیادہ نافع ہو اور یہ کہ وقف صدقہ زکوٰۃ کے بدلے کافی ہے، میں کہتا ہوں (یعنی حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں) کہ اس صورت میں حصر فرمانِ خداوندی اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ کے جملہ میں اضافی ہے، منافقوں کے مطلب کے مقابلہ میں کہ وہ چاہتے تھے کہ ان کی خواہشوں کے مطابق زکوٰۃ کی رقم بیجا خرچ کی جاوے، جیسا کہ آیت کی روانی کا مقتضا ہے، اور زکوٰۃ کے مصرف میں وقف کو داخل کرنے میں راز یہ ہے کہ ضروریات بے شمار ہیں، اور مسلمانوں کے خالص شہروں

میں زکوٰۃ کے سوا کوئی معتد بہ مد نہیں ہوتی، لہٰذا ضرور ہوا کہ مصرفِ زکوٰۃ میں وسعت ہو، جو کافی حاجات ہو، جیسا کہ آیت کے نزول کے موقع پر مدینہ مسلمانوں کا خالص شہر تھا واللہ اعلم۔

الجواب: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للہ وکفی وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، لاسیما علیٰ سیدنا النبی محمد الذی قد افلح من بہ اقتفیٰ، وبسنتہ وسنۃ خلفائہ المھدیین المجتھدین اقتدیٰ وبھا اکتفیٰ، ومن احدث فی امرہ وشرعہ ما لیس منہ واتبع ھواہ فقد خاب وخسر وظلم نفسہ وجفاہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ رؤس اھل الوفاء وافضل الخلق بعد الانبیاء وسادات اھل الصفاء،

امّا بعد، اس سوال کے جواب میں سب سے پہلے میں اُن دلائل کو ذکر کردینا ضروری سمجھتا ہوں جن کی بنا پر ائمہ مجتہدین نے زکوٰۃ کی تعریف میں تملیکِ فقیر کی قید بڑھائی، اور بدون اس کے عدمِ ادا زکوٰۃ کا حکم فرمایا ہے۔

مبحث اوّل در دلائل رکنیتِ تملیک برائے زکوٰۃ!

(۱) اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نماز کے حکم کے ساتھ جہاں بھی زکوٰۃ کا حکم فرمایا ہے وہاں لفظ ایتاء اختیار فرمایا ہے، اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ، وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ الیٰ قولہ وَالْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوۃَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وقولہ رِجَالٌ لَّا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَآءِ الزَّکٰوۃِ وغیرھا من الآیات اور لغۃً ایتاء کے معنی اعطاء یعنی تملیک کے ہیں، صاحب بدائع فرماتے ہیں: وقد امر اللہ تعالیٰ الملاک بایتاء الزکوٰۃ لقولہ عزوجل وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ والایتاء ھو التملیک اھ (ص ۳۹ ج ۲)

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے مالکانِ (اموال) کو ایتاء زکوٰۃ کا حکم فرمایا ہے، اور ایتاء کے معنی مالک بنا دینا ہے، وفی الحدیث المشھور بنی الاسلام علیٰ خمس شھادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ الحدیث اخرجہ الشیخان والجماعۃ۔

(۲) مصارفِ زکوٰۃ کے متعلق جو آیتِ عظیمہ ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو صدقات سے تعبیر فرمایا ہے، اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰکِیْنِ الآیۃ اور صدقہ اور تصدق

بھی تملیک کو چاہتا ہے، صاحب بدائع فرماتے ہیں: ولذا سمی اللہ تعالیٰ الزکوٰۃ صدقۃ بقولہ إنما الصدقات للفقراء والتصدق تملیک اھ (ص ۳۹ ج ۲) اور شرح سیر کبیر للامام محمد بن الحسن میں ہے لان هذا اجعل ثلث ماله فی سبیل الله علی وجه الصدقة والصدقة تملیک من اهل الحاجة قال الله تعالیٰ انما الصدقات للفقراء الخ (ص ۲۴۴ ج ۴)

اور محمد بن حسن رحمہ اللہ امام عربیت ہیں، اُن کا قول لغت میں حجت ہے، اسی شرح سیر کبیر میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول وقف منقول کے بارہ میں جو ذکر کیا ہے اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ کے معنی تملیک ہیں، فاما ابوحنیفة رحمه الله فانه کان لا یجوز الوقف والحبس فی حالة الحیٰوة فلا یجوز عنده اذا اوصی بعد موته الا ما کان له اصل فی الشریعة والوصیة بالغلة لها اصل فی الشریعة فانه لو اوصی بان یصرف غلة بستانه علی الفقیر فذلك جائز لما یقع فیه من التملیك فكذلك حبس الاراضی والعبد والدار لیكون غلتها فی سبیل الله یجوز لان فیه معنی التملیك لان الغلة یتصدق بها علی اهل الحاجة ممن یغزو فتصیر ملكا لمن یأخذها یصنع بها ما شاء فاما ما لیس فیه معنی التملیك ولكن فیه انتفاع بالعین نحو سكنی الدار وركوب الفرس وقرأة المصحف ولبس السلاح وخدمة العبید لا اصل فی جوازه فی الشرع اذا وقع لاقوام مجهولین والمعنی فی ذلك انه اذا لم یكن فیه تملیك العین لم یكن صدقة اھ (ص ۲۶۳ ج ۴)۔

اس میں صاف تصریح ہے کہ شریعت میں صدقہ بدون تملیک عین کے کوئی اصل نہیں، نیز اس سے پہلے امام ابو یوسفؒ کا قول وقف منقول میں اس طرح مذکور ہے:

وکان (ابو یوسفؒ) یقول: القیاس ان لا یجوز وقف الاراضی لما فیه من تعطیل الملك ولا تملیك من احد الا ان الشرع عطل ملكنا عن المساجد لقربة تعلقت بها عائد نفعها الینا من حیث الثواب فجوزنا فی مثله فی وقف الاراضی لانها من جنس المساجد فانها تبقی وعائد نفعها كالمساجد، فاما الاموال المنقولة ما وجدنا فیها قربة اوجبها الله تعالیٰ الا قربة تقع بتملیك الفقیر فكذلك لا یجوز ایجاب القربة من العبد الا علی وجه التملیك اذا ایجاب العبد معتبر با یجاب الله تعالیٰ، اس میں صاف تصریح ہے کہ کوئی قربۃ

مالیہ واجبہ منقولات میں بدونِ تملیک فقیر کے شریعت میں نہیں، اور امام ابو یوسفؒ کے اس دعویٰ میں کوئی کلام نہیں کرسکتا، نہ کسی کو کلام ہے، اور جو لوگ وقفِ منقول کو جائز کرتے ہیں وہ اس کے جواب میں صرف یوں کہیں گے کہ قربتِ نافلہ تو شریعت میں بدونِ تملیک کے واقع ہے، پس ایجاب قربت من العبد کے لئے قربتِ نافلہ کی نظیر کافی ہے، قربت واجبہ کے مثل ہونا لازم نہیں، بہرحال امام ابو یوسفؒ کا یہ ارشاد کہ کوئی قربت مالیہ واجبہ منقولات میں شرعاً بدونِ تملیکِ فقیر نہیں ہے، اس بات کو بتلا رہا ہے کہ صدقہ کے معنی تملیک کے ہیں۔

اور کشاف اصطلاحات الفنون میں ہے الصدقۃ بفتحتین من الصدق سمی بہا عطیۃ یراد بہا المثوبۃ لا التکرمۃ (لان بہا یظہر صدقہ فی العبودیۃ) کما فی جامع الرموز اھ (ص ۸۱۱) اس میں صدقہ کی تفسیر عطیہ سے کی ہے، اور عطیہ میں تملیک ظاہر ہے، کیونکہ عطیہ وہبہ لغۃً متحد ہیں، اسی لئے فقہاء نے فرمایا ہے، الصدقۃ کالھبۃ فلا تجوز الا مقبوضۃ، کذا فی الدر۔

(۳) حدیث مشہور قصۂ بعث معاذ الی الیمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔ فان ہم اطاعوا لک بذلک فاخبرہم ان اللہ قد فرض علیہم صدقۃ تؤخذ من اغنیاءہم فترد علی فقرائہم، الحدیث رواہ الشیخان وغیرہما، (ترجمہ) "اگر وہ لوگ اس بارہ میں (یعنی نماز کی فرضیت کے بارہ میں) تمہاری اطاعت کرلیں تو اس کے بعد اُن کو خبر کرو کہ اللہ تعالیٰ نے اُن پر صدقہ فرض کیا ہے، جو اُن کے اغنیاء سے لیا جائے گا، پھر اُن کے فقراء پر واپس کیا جائے گا"، یہ حدیث بھی اس بات کو بتلاتی ہے کہ زکوٰۃ تملیکِ فقیر ہی کے لئے موضوع ہے۔

اور اسی کے مثل حدیث ضمام بن ثعلبہ میں وارد ہے:۔ قال انشدک اللہ آللہ امرک ان تأخذ ہذہ الصدقۃ من اغنیائنا فتقسمہا فی فقرائنا قال اللّٰہم نعم، الحدیث رواہ الشیخان وغیرہما وھو مشہور ایضاً،

(ترجمہ) "ضمام بن ثعلبہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی عرض کیا کہ میں آپؐ کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ امر فرمایا ہے کہ آپؐ یہ صدقہ ہمارے اغنیاء سے لیں، پھر اس کو ہمارے فقراء میں تقسیم فرمادیں؟ حضورؐ نے فرمایا بخدا ہاں (اللہ تعالیٰ ہی نے مجھ کو یہ حکم دیا ہے) یہ حدیث بھی بتلا رہی ہے کہ زکوٰۃ فقراء

میں تقسیم کرنے کے موضوع ہے، اور یہ تقسیم بطور تملیک ہی کے ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

(۴) تعریف زکوٰۃ میں شرعاً تملیک فقیر بالاتفاق معتبر ہے، قال الحافظ فی الفتح قال ابن العربی وتعریفہا فی الشرع اعطاء جزء من النصاب الحولی الی فقیر ونحوہ غیر ہاشمی ولا مطلبی ثم لہا رکن وھو الاخلاص وشرط ھو السبب وھو ملک النصاب الحولی وشرط من تجب علیہ وھو العقل والبلوغ والحریۃ الخ قال الحافظ وھو جید لکن فی شرط من تجب علیہ اختلاف اھ (ص ۲۰۷ ج ۳)، قلت: فدل علی ان ما سواہ متفق علیہ عند الکل، یہ عبارت صاف بتلا رہی ہے کہ زکوٰۃ کی تعریف میں تملیک فقیر اتفاقاً معتبر ہے۔

کشاف اصطلاحات الفنون (ص ۶۲۳) میں ہے: انہا فی اللغۃ النمو الحاصل من برکۃ اللہ تعالیٰ وفی الشریعۃ قدر معین من النصاب الحولی یخرجہ الحر المسلم المکلف للہ تعالیٰ الی الفقیر المسلم الغیر الہاشمی ولا لمولاہ مع قطع المنفعۃ عنہ من کل وجہ، وفی جامع الرموز ان الزکوٰۃ فی الشریعۃ القدر الذی یخرجہ الی الفقیر وفی الکرمانی انہا فی القدر مجاز شرعاً فانہا ایتاء ذلک القدر وعلیہ المحققون کما فی المضمرات انتہی ویؤیدہ انہا توصف بالوجوب وھو من صفات الافعال ویؤید الاول قولہ تعالیٰ واتوا الزکوٰۃ اذ ایتاء الایتاء محال والاظہر ان الزکوٰۃ فی الشرع یجیء بکلا المعنیین کذا فی البرجندی اھ، اس میں زکوٰۃ کے شرعاً دو معنی بیان کئے ہیں، اور دونوں میں تملیک فقیر معتبر ہے، جیسا کہ اہل علم پر مخفی نہیں۔

(۵) مال زکوٰۃ کو ایسے مواقع میں صرف کرنا جن میں تملیک نہ ہو، باتفاق ائمۂ مذاہب وباجماع جملہ مجتہدین جائز نہیں، رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ میں تصریح ہے:

واتفقوا علی منع الاخراج لبناء مسجد او تکفین میت اھ (ص ۴۵)

(ترجمہ) "اور علماء نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ زکوٰۃ بناء مسجد اور کفن میت میں صرف کرنا ممنوع ہے"، اور یہ اتفاق صرف ائمۂ اربعہ ہی کا نہیں، بلکہ جملہ ائمۂ مجتہدین کا اتفاق ہے، مثل اوزاعیؒ و مکحولؒ و سفیان ثوریؒ و حسن بصریؒ وغیرہم، کیونکہ صاحب رحمۃ الامۃ نے مقدمہ کتاب میں اس کی تصریح کی ہے کہ جس مسئلہ میں ائمۂ اربعہ کا اتفاق ہو اور

کسی دوسرے کا اختلاف ہو تو میں مخالف کا قول بھی نقل کروں گا، تاکہ مسئلہ کا اختلافی ہونا معلوم ہو جائے، اور یہاں کسی کا اختلاف نقل نہیں کیا، اس سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں تمام مجتہدین کا اتفاق ہے، وھذا نصہ اذا کان فی المسئلۃ خلاف لاحد من الائمۃ الاربعۃ اکتفیت بذلک ولا اذکر من خالف فیہا من غیرھم فان لم یکن احد منھم خالف فی تلک المسئلۃ وکان فیہا خلاف لغیرھم احتجت الی ذکر المخالف لیظھر ان فی المسئلۃ خلافاً اھ ص ۲ و ۳)۔

مبحث دوم: سائل کے جواب سے پہلے میں اس کو بھی ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ آیت اِنما الصدقات للفقراء میں حصر حقیقی مقصود ہے کہ زکوٰۃ مفروضہ کے مصارف یہی مصارف ثمانیہ ہیں ان کے سوا مصرف زکوٰۃ کوئی نہیں۔

دلائل ملاحظہ ہوں:۔

(۱) عن زیاد بن الحرث الصدائی قال اتیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فبایعتہ فاتی رجل فقال اعطنی من الصدقۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لم یرض بحکم نبی ولا غیرہ فی الصدقات حتی حکم فیہا ھو فجزّءھا ثمانیۃ اجزاء فان کنت من تلک الاجزاء لاعطیتک، رواہ ابوداؤد وسکت عنہ وسندہ حسن[ف]،

زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے بیعت ہوا، پھر ایک شخص آیا اور کہا یا رسول اللہ مجھ کو صدقہ (کے مال) میں سے دیجئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ صدقات کے بارے میں رسول کے فیصلہ پر راضی ہوئے نہ کسی اور کے، یہاں تک کہ اس کا فیصلہ خود ہی فرمایا ہے، اور صدقہ کو آٹھ حصوں پر تقسیم کیا، پس اگر تو اُن آٹھ حصوں میں سے (کسی حصہ میں داخل) ہو تو میں تجھ کو دیدوں گا

(اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے، اور اس کی سند حسن ہے)۔"

یہ حدیث صاف تصریح کر رہی ہے کہ صرف اموالِ زکوٰۃ انہی مصارف ثمانیہ میں منحصر ہے، ان کے سوا اور کسی مصرف میں صرف نہیں کی جا سکتی، اور اس کے بعد کسی دلیل کے

منہ ۱۲

ف فیہ عبدالرحمن بن زیاد بن انعم الافریقی وثقہ غیر واحد وتکلم فیہ بعضھم ومثلہ حسن الحدیث وقد حسنہ الترمذی

بیان کی حاجت نہیں، مگر تائیداً اور دلائل بھی ذکر کئے جاتے ہیں۔

(۲) امام رازیؒ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں المسئلة الاولى، قوله انما الصدقات للفقراء الآية تدل على انه لاحق فی الصدقات لاحد الا لهذه الاصناف الثمانية و ذلك مجمع عليه وايضا فلفظة انما تفيد الحصر ويدل عليه وجوه ثم ذكرها واطال (ص ۴۵۹ ج ۴)۔

تفسیر کبیر ہی میں ص ۴۶۴ ج ۴ میں ہے اتفقوا على ان مال الزكوة لا يخرج عن هذه الثمانية واختلفوا انه هل يجوز وضعه فی بعض الاصناف فقط وقد سبق ذكر الدلائل المسئلتين اھ، اس میں صاف تصریح ہے کہ مال زکوٰۃ کا ان مصارف ثمانیہ میں منحصر ہونا متفق علیہ اجماعی مسئلہ ہے۔

(۳) صاحب کشافؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں انما الصدقات للفقراء قصر لجنس الصدقات على الاصناف المعدودة وانها مختصة بها لا تتجاوزها الى غيرها كانه قيل انما هي لهم لا لغيرهم ونحوه قولك انما الخلافة لقريش تريد لا تتعداهم ولا تكون لغيرهم اھ (ص ۳۸ ج ۲) اس میں بھی صاف تصریح ہے کہ آیت کا مقصود و مطلب یہ ہے کہ جنس صدقات اصنافِ ثمانیہ پر مقتصر اور انہی میں منحصر ہے، ان کے سوا دوسروں کو صدقہ، زکوٰۃ نہیں دیا جاسکتا، اور صاحب کشاف امامِ عربیت ہیں، ان کی تفسیر معانیٔ عربیت میں حجت ہے۔

مبحث سوم فی سبیل اللہ کے معنی میں: چونکہ سائل نے فی سبیل اللہ کے معنی میں تعمیم کی کوشش کی ہے، اس لئے اس پر بھی گفتگو لازم ہے، اس میں کچھ شبہ نہیں کہ لغۃً لفظ فی سبیل اللہ ہر طاعت کو عام ہے، مگر اصطلاحِ قرآن وحدیث میں غزات و مجاہدین کے ساتھ مخصوص ہے، مفسرین کا اس پر اتفاق ہے:۔

(۱) امام رازیؒ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:۔ الصنف السابع قوله تعالى وفى سبيل الله، قال المفسرون يعنى الغزاة اھ (ص ۴۶۳ ج ۴) المفسرون جمع معرف باللام ہے جو عموم کے لئے موضوع ہے، مطلب یہ ہے کہ تمام مفسرین نے فی سبیل اللہ کی تفسیر غزاۃ سے کی ہے۔

(۲) امام حافظ انام علامہ طبریؒ نے بھی فی سبیل اللہ کی تفسیر یہی کی ہے اور فرمایا ہے

کہ اہلِ تفسیر کا یہی قول ہے۔

وھذا نصّہ واما قولہ فی سبیل اللہ فانہ یعنی وفی النفقۃ فی نصرۃ دین اللہ
وطریقتہ وشریعتہ التی شرعھا لعبادہ بقتال اعداءہ وھو غزو الکفار وبالذی
قلنا فی ذلک قال اھل التاویل ذکر من قال ذلک حدثنی یونس انا ابن وھب
قال قال ابن زید فی قولہ وفی سبیل اللہ قال الغازی فی سبیل اللہ اھ (ص ۱۱۴ ج ۱۰)
ثم سرد احادیث عدیدۃ۔

اہلِ علم جانتے ہیں کہ امام ابن جریر طبریؒ اپنی تفسیر میں ہر آیت کے تحت میں علماء قرآن وائمہ تفسیر کے مختلف اقوال بکثرت بیان کرتے ہیں، اور اختلاف نقل کرنے کے بعد کسی ایک معنی کو ترجیح دیا کرتے ہیں، لیکن فی سبیل اللہ کی تفسیر میں انھوں نے بجز غزو کفار کے کچھ نہیں بیان کیا، اور حصر کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہے وبالذی قلنا فی ذلک قال اھل التاویل فان تقدیم ماحقہ التاخیر یفید الحصر فتقدیم الجار والمجرور فی قولہ وبالذی قلنا افاد انھم لم یقولوا بغیر ذلک اصلاً، کہ جو تفسیر ہم نے کی ہر ائمہ تفسیر نے بھی صرف یہی تفسیر کی ہے، اس سے یہ بات روشن ہو کہ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے، اور اگر کسی کا اختلاف منقول ہے تو وہ ائمہ تفسیر میں سے نہیں ہے، بلکہ علماء حدیث وفقہ میں سے ہوگا۔

اور درمنثور میں جو ابن ابی شیبہ وابن المنذر کے حوالہ سے ابن عباسؓ کا (جو ائمہ تفسیر میں سے ہیں) یہ قول مذکور ہے: انہ کان لایری بأساً ان یعطی الرجل من زکوٰتہ فی الحج الخ (ص ۱۵۲ ج ۳) اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ابن عباسؓ نے فی سبیل اللہ کی تفسیر بمعنی عام کی اور حج میں زکوٰۃ دینا اس لئے جائز سمجھا ہے کہ ان کے نزدیک حج بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہو بلکہ ممکن ہو کہ انھوں نے حاج کو ابن السبیل میں داخل کرکے زکوٰۃ سے اس کی امداد کو جائز سمجھا ہو جیسا کہ مدوّنہ میں مالکؒ سے منقول ہو کہ انھوں نے حاج منقطع کو ابن السبیل میں داخل کرکے مستحق زکوٰۃ قرار دیا، وھذا نصّہ قال مالک یعطی من الزکوٰۃ ابن السبیل وان کان غنیاً فی بلدہ قلت فالحاج المنقطع بہ فقال قال مالکؒ ھو ابن السبیل یعطی من الزکوٰۃ اھ (ص ۲۵۷ ج ۱)۔

اس توجیہ سے میرا مقصود یہ ہے کہ فی سبیل اللہ کی تفسیر میں ائمہ تفسیر کا اس پر اتفاق ہو کہ مراد غازی ہے، مفسرین سے اس کا خلاف منقول نہیں، بلکہ سب اس پر متفق ہیں کہ ابن عباسؓ

سے جو منقول ہو وہ اس کے خلاف میں نص نہیں۔

(۳) علامہ امام ابو بکر بن العربی نے احکام القرآن میں امام مالکؒ سے نقل کیا ہے کہ مجھے اس میں کسی اختلاف کا علم نہیں ہے کہ فی سبیل اللہ سے آیت صدقات میں صرف غزو جہاد مراد ہے، اس کے بعد امام ابن العربیؒ نے احمدؒ و اسحٰقؒ سے نقل کیا ہے کہ اُن کے نزدیک سبیل اللہ صرف حج ہے، پھر یہ کہا کہ ان کا صحیح قول یہ ہے کہ حج بھی غزو کے ساتھ سبیل اللہ میں داخل ہے اس پر امام ابن العربیؒ فرماتے ہیں کہ یہ قول قانون شریعت کو توڑتا اور قیاس کی لڑی کو بکھیرتا اور مضبوط گرہ کو کھولتا ہے، اور ہرگز کسی اثر میں یہ وارد نہیں ہوا کہ زکوٰۃ حج میں دی جائے، وھذا نصہ قولہ فی سبیل اللہ قال مالکؒ سُبُل اللہ کثیرۃ ولکنّی لا اعلم خلافا فی ان المراد بسبیل اللہ ھٰھنا الغزو من جملۃ سبیل اللہ الا مایؤثر عن احمدؒ و اسحٰقؒ فانھما قالا انہ الحج والذی یصح عندی من قولھما ان الحج من جملۃ السبیل مع الغزو لانہ طریق بر فاعطی منہ باسم السبیل وھٰذا یحل عقد الباب ویخرم قانون الشریعۃ وینثر سلک النظر وماجاء قط باعطاء الزکوٰۃ فی الحج اثر اھ (ص ۳۹۶ ج ۱)۔

امام مالکؒ کا لا اعلم خلافاً فرمانا اس امر کی دلیل ہے کہ سلف صالح اور مشائخ ومعاصرین مالکؒ کا طبقہ اس پر متفق تھا کہ فی سبیل اللہ سے مراد غزاۃ ہیں، اور اصولی قاعدہ ہے کہ اجماع لاحق خلافِ سابق کو رفع کر دیتا ہے، اور خلافِ لاحق اجماعِ سابق کو منقوض نہیں کر سکتا، پس اگر صحابہؓ میں سے کسی نے (مثل عبد اللہ بن عمرؓ) حج کو فی سبیل اللہ میں داخل کیا ہو تو [۵]

---

[۵] جملہ شرطیہ کے ساتھ اس کو اس لئے تعبیر کیا گیا کہ عبد اللہ بن عمرؓ وغیرہ سے جو فی سبیل اللہ میں ادخالِ حج منقول ہے وہ آیتِ زکوٰۃ کی تفسیر میں نہیں بلکہ وصیت کے باب میں ہے، کہ ایک شخص نے اپنے مال کے متعلق وصیّت کی کہ اس کو سبیل اللہ میں صرف کیا جائے تو عبد اللہ بن عمرؓ نے حج میں اس کے صرف کو جائز کہا اور فرمایا کہ یہ بھی سبیل اللہ میں سے ہے، کمافی شرح السیر، ص ۲۴۵ ج ۴، اور وصیت کا مبنیٰ عرفِ عام پر ہے، ممکن ہے عرفِ عام میں سبیل اللہ حج کو عام ہو، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عرفِ شرع میں بھی سبیل اللہ حج کو عام ہو، اور آیتِ قرآن کی تفسیر عرفِ شرع کیساتھ لازم ہے، عرفِ عام کیساتھ صحیح نہیں، پس عبد اللہ ابن عمرؓ وغیرہ کے اس قول سے آیتِ مصارف میں فی سبیل اللہ کی تفسیر میں حج کو داخل کرنا صحیح نہیں، اس لئے امام ابن عربیؒ نے احمدؒ و اسحٰقؒ کے قول کو خارمِ قانونِ شریعت کہا، اور درمختار میں محمدؒ کے قول کو قیل سے تعبیر کیا ہے جو ضعف پر دال ہے ۱۲ منہ

اجماع مابعد سے یہ اختلاف مرتفع ہو جائے گا، اور اس اجماع کو اختلافِ لاحق منقوض نہیں کرسکتا۔

(۴) احمد و اسحق اور اسی طرح امام محمد بن حسنؒ نے جو فی سبیل اللہ کی تفسیر میں حج کو داخل کیا ہے ہر چند کہ یہ قول ضعیف ہے، اور بقول امام ابن العربی خارم قانونِ شریعت ہے مگر اُن کا بھی یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حج میں زکوٰۃ کا مال بدون تملیک کے دیدیا جائے، کیونکہ باتفاق ائمہ مجتہدین ادا ءِ زکوٰۃ میں تملیک شرط ہے کما مرّ، بلکہ اُن کا مطلب یہ ہے کہ حاج منقطع کو بطور تملیک کے مالِ زکوٰۃ دینا جائز ہے، کیونکہ وہ بھی فی سبیل اللہ کا فرد ہے، شرح سیر کبیر میں امام محمدؒ کا قول مذکور ہے وان اعطاها حاجا منقطعا علی وجه الصدقة عليه جاز اھ، اس میں لفظ اعطاء اور علیٰ وجہ الصدقہ معنی تملیک میں صریح ہے، مگر اسی کے ساتھ امام محمدؒ کو یہ بھی تسلیم ہے کہ فی سبیل اللہ کا اطلاق اصل میں معنی جہاد و غزو ہی کے لئے ہے، چنانچہ شرح سیر ہی میں ہے لان كل خير طاعة وان كان في سبيل الله ولكن مطلقه يستعمل في الغزو والجهاد قال الله تعالىٰ قاتلوا في سبيل الله والمراد منه الجهاد اھ (ص ۲۲۴ ج ۴) اگر کوئی شخص اپنے ثلث مال کے متعلق وصیت کرے کہ اس کو سبیل اللہ میں صرف کیا جائے تو محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس کو محتاج غازی پر صرف کیا جائے یہی افضل ہے، گو حاج منقطع پر بھی صرف کرنا اُن کے نزدیک جائز ہے، شرح سیر میں ہے: ولكن الافضل ان يعطي المحتاج الذي يخرج في سبيل الله لما بينا ان سبيل الله اذا اطلق يراد به الغزو والجهاد دون غيره فكان صرفه اليه اولىٰ اليه اھ (ص ۲۴۵ ج ۴) جب وصیت کے باب میں محمدؒ کا یہ قول ہے حالانکہ اس کا مبنیٰ عرفِ عام پر ہے نہ عرفِ شرع پر تو زکوٰۃ کے بارہ میں آیت مصارف کے جملہ فی سبیل اللہ کی تفسیر تو غازی کے ساتھ یقیناً لازم ہے، کیونکہ عرفِ شرع میں فی سبیل اللہ کا اطلاق جہاد و غزو ہی کے ساتھ خاص ہے، جیسا کہ مفسرین کے اتفاق اور امام مالکؒ کے قول لا اعلم فی ذلک خلافاً سے ظاہر ہے، یہ گفتگو بطور تتمیم کلام کے تھی، اصل مقصود اس مقام پر یہ ہے کہ جن ائمہ مجتہدین نے فی سبیل اللہ میں حج کو داخل کیا ہے، اُن کی مراد یہ ہے کہ حاج منقطع کو مالِ زکوٰۃ بطور تملیک کے دیا جائے، بہرحال اس تعمیم کا اثر شرط تملیک پر اصلا عائد نہیں۔

(۵) اسی طرح صاحبِ بدائع نے جو فی سبیل اللہ میں تمام قرب کو داخل کیا ہے انکی

مراد بھی یہی ہے کہ بطور تملیک کے ہر مشغول قربت کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، یہ مراد نہیں کہ بغیر تملیک کے بھی صرف زکوٰۃ جائز ہے، چنانچہ اُن کے الفاظ ملاحظہ ہوں :۔ واما قولہ تعالیٰ وفی سبیل اللہ عبارۃ عن جمیع القرب فیدخل فیہ کل من سعی فی طاعۃ اللہ و سبیل الخیرات اذا کان محتاجًا اھ (ص ۴۵ ج ۲) اس میں قول کل من سعیٰ فی طاعۃ اللہ صاف بتلا رہا ہے کہ صاحب بدائع کی مراد سبیل اللہ کے عموم جمیع قرب سے یہ ہے کہ اس میں وہ سب لوگ داخل ہیں جو مشغولِ طاعت اور محتاج ہوں، اور یقیناً اُن پر جو کچھ صرف ہوگا تملیکاً ہوگا، پس اس سے یہ سمجھنا کہ صاحب بدائع فی سبیل اللہ میں تکفینِ موتیٰ و بناءِ مساجد وغیرہ کو بھی داخل کرتے ہیں، بالکل غلط ہے، کیونکہ صاحبِ بدائع نے اس سے پہلے تملیک کے رکنِ زکوٰۃ ہونے کی تصریح کی ہے، اور اس پر یہ حکم متفرع کیا ہے کہ بناء مساجد و رباطات و سقایات و اصلاحِ قناطر و تکفین موتی وغیرہ میں صرف زکوٰۃ بوجہ عدم تملیک کے جائز نہیں وھذا نصہ فرکن الزکوٰۃ ھو اخراج جزء من النصاب الی اللہ تعالیٰ وتسلیم ذلک الیہ بقطع المالک یدہ عنہ بتملیکہ من الفقیر وتسلیمہ الیہ او الی ید من ھو نائب عنہ وھو المصدق الی ان قال وعلی ھذا یخرج صرف الزکوٰۃ الی وجوہ البر من بناء المسجد والرباطات والسقایات واصلاح القناطر وتکفین الموتیٰ ودفنھم انہ لایجوز لانہ لم یوجد التملیک اصلا اھ ص ۳۹ ج ۲

ان ابحاثِ ثلاثہ سے فراغت کے بعد میں سائل کے دلائل پر توجہ کرتا ہوں :

(۱) سائل نے سب سے پہلے للفقراء کے لام میں بحث کی ہے، کہ یہ لام ملک کے لئے ہے یا نہ ؟ پھر حافظ ابن حجرؒ کا قول فتح الباری سے نقل کیا ہے ان اللام فی قولہ تعالیٰ للفقراء لبیان المصرف لا للتملیک اھ، اس بحث کا حاصل یہ معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ میں تملیک کی شرط اسی پر موقوف ہے کہ لام للفقراء میں ملک کے لئے ہے، اور اس میں اختلاف ہے، لہٰذا زکوٰۃ میں قید تملیک بھی مختلف فیہ ہوگی، مگر اس سے ہر شخص کو جو فقہ

ف اس مقام پر یہ بات قابلِ تنبیہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے یہ قول اپنی طرف سے بیان نہیں کیا، بلکہ امام حسن بصریؒ کے قول کی توجیہ میں بیان فرمایا ہے، پوری عبارت یہ ہے وفیہ مصیر منہ الی ان اللام فی قولہ للفقراء لبیان المصرف لا للتملیک فلو صرف الزکوٰۃ فی صنف واحد کفی اھ، پس نقل میں سائل نے مسامحت کی ہے جس سے اہلِ علم کو احتراز لازم ہے ۱۲ منہ

سے مناسبت رکھتا ہو، سائل کے قصور نظر پر تعجب ہوگا، کیا سائل کو معلوم نہیں کہ ائمہ حنفیہ زکوٰۃ میں تملیک کو رکن کہتے ہیں، اور اس کے ساتھ ہی وہ لام للفقراء کو ملک کے لئے نہیں مانتے اور حافظ ابن حجرؒ کا قول حنفیہ کے عین موافق ہے، ہدایہ میں ہے فھذہ جھات الزکوٰۃ فللمالک ان یدفع الی کل واحد منھم ولہ ان یقتصر علی صنف واحد وقال الشافعی لایجوز الا ان یصرف الی ثلاثۃ من کل صنف لان الاضافۃ بحرف اللام للاستحقاق ولنا ان الاضافۃ لبیان انھم مصارف لا لاثبات الاستحقاق الی ان قال ولا یبنی بھا مسجد ولا یکفن بھا میت لانعدام التملیک وھو الرکن اھ، اس میں صاف تصریح ہے کہ لام للفقراء حنفیہ کے نزدیک بیان مصارف کے لئے ہے، استحقاق وملک کے لئے نہیں، مگر پھر بھی وہ تملیک کو زکوٰۃ میں رکن قرار دیتے ہیں، اس سے صاف معلوم ہوا کہ شرطِ تملیک کی دلیل لام للفقراء نہیں بلکہ اس کے علاوہ ہے، جس کا مفصل بیان مبحثِ اوّل میں گذر چکا، پس سائل کا لام میں گفتگو کرنا محض فضول ولاطائل ہے۔

(۲) اس کے بعد سائل نے فی سبیل اللہ کے معنی میں بحث کی ہے، کہ اس کے معنی میں تعیین اور اس تعیین پر اجماع ہوا ہے یا نہیں؟ اس کا جواب مبحثِ سوم سے بخوبی واضح ہو چکا ہے، کہ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے، اور امام مالکؒ کے زمانہ تک اس میں اختلاف نہ تھا، کہ فی سبیل اللہ سے مراد غازی ہیں، اختلاف ان کے بعد حادث ہوا، اور علماء امتؒ نے اس قول کو کہ فی سبیل اللہ میں حج بھی داخل ہے تمام قانون شریعت اور ضعیف کہکر رد کر دیا ہے اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ فی سبیل اللہ میں حج اور جمیع قرب داخل ہیں تو ائمہ مجتہدین میں سے کسی کا یہ قول ہرگز نہیں کہ حج یا جمیع قرب میں بدونِ تملیک کے زکوٰۃ کا دینا جائز ہے، بلکہ جو لوگ حج کو اس میں داخل کرتے ہیں یا جمیع قرب کو عام کہتے ہیں وہ تملیک کی شرط کو ضروری کہتے ہیں، ائمہ اربعہ اور جمیع مجتہدین کا اس پر اتفاق ہے کہ تملیک رکنِ زکوٰۃ ہے، محمدؒ نے جو حج کو فی سبیل اللہ میں داخل کرتے ہیں اس کی تصریح کی ہے کہ حاج منقطع کو تملیک کے طور پر صدقہ دیا جائے، صاحبِ بدائع نے جمیع قرب کو فی سبیل اللہ میں شامل کیا ہے، مگر تملیک کی شرط کو بار بار ذکر کرتے ہیں، پس یہ بحث بھی سائل کو کچھ مفید نہیں، کیونکہ فی سبیل اللہ کا عموم شرطِ تملیک کی نفی نہیں کرتا، ہاں سائل نے تفسیر کبیر وبیضاوی اور خازن کے حوالہ سے بعض فقہاء کا یہ قول نقل کیا ہے کہ سہم سبیل اللہ کو تمام وجوہِ خیر مثل تکفینِ موتیٰ و بناء جسور و عمارت مساجد وغیرہ میں صرف کرنا جائز ہے،

کیونکہ لفظ فی سبیل اللہ سب کو عام ہے اھ یہ قول البتہ بظاہر شرط تملیک کی نفی کر رہا ہے اگر سبیل اللہ سے مراد سہم زکوٰۃ ہے مگر یہ قول لغو و باطل ہے، کیونکہ عرفِ شرع میں فی سبیل اللہ جہاد و غزو کے ساتھ مخصوص ہے، جیسا کہ اوپر گذر چکا، اور امام ابو بکر ابن العربی نے جب احمد و اسحٰق کے اس قول کو کہ حج فی سبیل اللہ میں داخل ہے خارمِ قانونِ شریعت اور ناثرِ سلکِ نظر کہہ دیا، حالانکہ حج کو جہاد سے شرعاً مناسبت بھی ہے، کیونکہ حدیث میں عورتوں کے لئے وارد ہے جہادکن الحج کہ تمہارا جہاد حج ہے، تو یہ قول خارمِ قانونِ شریعت کیونکر نہ ہوگا، جس میں حج کے سوا جمیع وجوہِ خیر کو سبیل اللہ میں داخل کیا گیا ہے، پھر یہ کچھ معلوم نہیں کہ یہ بعض فقہاء کون ہیں؟ مقلد ہیں یا مجتہد یا اہلِ ظاہر[عہ] ہیں سے ہیں؟ اور جب تک قائل معلوم نہ ہو اُس وقت تک کوئی قول مسموع نہیں ہوسکتا، ان هٰذا الامر دین فانظروا عمن تأخذون دینکم ولولا الاسناد لقال من شاء ما شاء، مبحث اوّل میں شرط تملیک کی دلیل میں نصِ قرآنی و احادیث مشہورہ و اجماع مجتہدین مذکور ہوا ہے، اس کے مقابلہ میں قول مجہول کیونکر مسموع ہوسکتا ہے؟! فقہ میں محض قال بعض الفقہاء یا قال بعضہم سے کام نہیں چل سکتا، جب تک قائل معلوم نہ ہو جیسا حدیث میں روایت مجہول معتبر نہیں اس سے زیادہ فقہ میں مجہول کا قول قابل اعتبار نہیں، فافہم۔

علاوہ ازیں یہ کہ سائل نے تفاسیر کو غور سے دیکھا ہوتا تو اس کو معلوم ہوجاتا کہ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ کے متعلق فقہاء میں اختلاف ہوا ہے، کہ اس سے صرف زکوٰۃ واجبہ مراد ہے یا اس میں صدقات نافلہ بھی داخل ہیں، بعض فقہاء کا قول یہ ہے کہ اس میں صدقاتِ نافلہ بھی داخل ہیں، تو ممکن ہے کہ یہ بعض فقہاء جو فی سبیل اللہ میں جمیع وجوہِ خیر کو داخل کرتے ہیں وہی ہوں، جو انما الصدقات میں صدقات نافلہ کو بھی داخل کرتے ہیں، اور چونکہ بالاتفاق صدقات نافلہ کا صرف کرنا جمیع وجوہِ خیر میں جائز ہے، مثل تکفینِ موتیٰ و بناءِ مساجد و بناءِ حصون وغیرہ کے، اس لئے وہ اس طرف مضطر ہوئے کہ فی سبیل اللہ کو عام کہیں، مگر اس تعمیم کا حاصل صرف یہ ہوگا کہ صدقاتِ نافلہ کا جمیع وجوہِ خیر میں صرف کرنا جائز ہے، نہ یہ کہ زکوٰۃ واجبہ بھی بدونِ تملیک کے تمام وجوہِ خیر میں صرف ہوسکتی ہے، تفسیر کبیر ملاحظہ ہو: اتفقوا علی ان قولہ تعالیٰ انما الصدقات دخل فیہ الزکوٰۃ الواجبۃ لان الزکوٰۃ الواجبۃ مسماۃ بالصدقۃ قال

عہ اور ظاہر ہے کہ مقلد و اہل ظاہر کا خلاف کسی درجہ میں معتبر نہیں ۱۲ منہ

تعالیٰ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وقال علیہ السلام لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة واختلفوا فی انه هل تدخل فیه الصدقة النافلة فمنهم من قال تدخل فیها لان لفظ الصدقة مختص بالنافلة فاذا ادخلنا فیه الزکوٰة الواجبة فلا اقل من ان تدخل فیها الصدقة المندوبة وتکون الفائدة ان مصارف جمیع الصدقات لیس الا هؤلاء اھ (ص ۴۶۴ ج ۴)

(۳) اس کے بعد سائل نے امام بخاریؒ کے ایک ترجمۃ الباب سے استدلال کیا ہے کہ امام بخاریؒ زکوٰۃ میں تملیک کو واجب نہیں سمجھتے، اور مانعین سے امام بخاریؒ کے استدلال کے جواب میں آیت یا حدیث صریح کا مطالبہ کیا ہے اور قطعی وتشفی بخش جواب مانگا ہے،

مگر میں کہتا ہوں کہ پہلے سائل امام بخاریؒ کا صریح قول تو دکھلائے اس کے بعد ہی اس کے جواب کے لئے آیت یا حدیث صریح وقطعی وتشفی بخش جواب کا مطالبہ کرے، امام بخاریؒ نے صراحۃً کہیں یہ نہیں کہا کہ زکوٰۃ میں تملیک شرط نہیں، انھوں نے تو صرف ایک ترجمۃ الباب قائم کیا ہے، باب العروض فی الزکوٰۃ، جس کے معنی ہیں کہ زکوٰۃ میں متاع و اسباب کا دینا بھی (بجائے نقود کے) جائز ہے یا نہیں، پھر اس باب کے تحت میں چند احادیث لائے ہیں، اب اس ترجمہ کو اور ان احادیث کو ملا کر جو کچھ مطلب نکالا جائے گا وہ صراحۃً امام بخاریؒ کا قول نہ ہوگا، بلکہ شارحین کا قول ہوگا، کیونکہ یہ بات اہل علم پر ظاہر ہے کہ امام بخاریؒ کے تراجم ابواب کی مطابقت احادیث باب سے بہت دقیق ہوتی ہے اور بہت جگہ مطابقت ظاہر میں کچھ نہیں معلوم ہوتی، امام بخاریؒ کے تراجم ابواب چیستان سے کم نہیں، جن کی تطبیق احادیث پر جا بجا نہایت دشوار اور دقیق ہوتی ہے، تو ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں ترجمۃ الباب اور احادیث باب میں تطبیق دیتے ہوئے جو وجوہ مختلفہ شارحین بیان کرتے ہیں ان سے امام بخاریؒ کا مذہب کیونکر متعین ہو سکتا ہے، اور اس کو جزماً امام بخاریؒ کا قول کیونکر کہا جا سکتا ہے۔

اب سنئے، اس مقام پر ترجمۃ الباب یہ قائم کیا گیا ہے، باب العروض فی الزکوٰۃ، اور اس کے تحت میں حضرت خالدؓ کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے واما خالد فقد احتبس ادراعه واعتده فی سبیل الله (کہ جب حضرت خالدؓ سے زکوٰۃ کا مطالبہ کیا گیا اور انھوں نے زکوٰۃ نہ دی اور حضرت عمرؓ نے حضورؐ سے شکایت کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ) خالد نے تو اپنی زرہیں اور سامان سب کا سب اللہ کے راستہ میں وقف کر دیا ہے،، شارحین نے ترجمہ کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت میں مختلف وجوہ اور متعدد تاویلیں ذکر کی ہیں، علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: مطابقۃ للترجمۃ من حیث ان ادراع خالدؓ و اعتدہ من العرض ولولا انہ وقفھما لاعطاھما فی وجہ الزکوٰۃ، او لما صح منہ صرفھما فی سبیل اللہ دخلا فی احد مصارف الزکوٰۃ الثمانیۃ المذکورۃ فی قولہ تعالیٰ انما الصدقات للفقراء فلم یبق علیہ شئ اھ (ص ۳۴۹ ج ۴)

(ترجمہ) حدیث کی مطابقت ترجمۃ الباب سے اس طرح ہے کہ حضرت خالدؓ کی زرہیں اور سامان عروض کی قسم سے تھا، اور اگر وہ اُن کو وقف نہ کر چکتے تو زکوٰۃ میں انہی کو دیتے، (معلوم ہوا کہ زکوٰۃ میں عروض کا دینا جائز ہے) یا یہ کہ جب حضرت خالدؓ کا زرہ اور سامان کو سبیل اللہ میں صرف کرنا صحیح ہوگیا، تو یہ سامان مصارفِ زکوٰۃ کے ایک مصرف میں داخل ہوگیا، جو آیتِ صدقات میں مذکور ہیں تو اب اُن کے ذمہ کچھ نہیں رہا، اھ۔

اس میں توجیہ اوّل تو حنفیہ اور جمہور امت کے موافق ہے، اس سے شرط تملیک کا ابطال لازم نہیں آتا، ہاں توجیہ ثانی سے شبہ ہو سکتا ہے کہ وقف ہی سے بدون تملیک کے زکوٰۃ ادا ہوگئی، مگر علامہ عینی کا یہ مطلب ہرگز نہیں، بلکہ اُن کا مطلب یہ ہے کہ زرہ اور سامانِ حرب کو سبیل اللہ میں وقف کر دینے سے زکوٰۃ ساقط ہوگئی، کیونکہ مال موقوف محلِ زکوٰۃ نہیں، جیسا کہ صفحہ ۳۹۶ ج ۴ میں تصریح کے ساتھ علامہ عینیؒ نے حدیث خالد ہی کی شرح میں فرمایا ہے وفیہ اسقاط الزکوٰۃ عن الاموال اھ، کہ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اموال موقوفہ سے زکوٰۃ ساقط کر دی جاتی ہے، اور یہ[ع۵] بات حنفیہ کے موافق ہے کہ

ع۵ اس مقام پر یہ بات قابلِ تنبیہ ہے کہ سائل نے سوال میں یہ ظاہر کیا ہے کہ قصہ خالدؓ سے بخاری نے زکوٰۃ میں نقد کے عوض متاع دینا ثابت کیا جو فقہائے حنفیہ کے موافق ہے، اس کے بعد سائل نے مولانا احمد علی صاحبؒ محشی بخاری کی عبارت نقل کی ہے، جس سے دیکھنے والوں کو یہ دھوکہ ہوگا کہ حنفیہ نے بھی حدیث خالد سے وہی سمجھا ہے جو بزعمِ سائل امام بخاریؒ نے سمجھا کہ حضرت خالدؓ نے زرہ بکتر کو زکوٰۃ میں نکالا اور ان کو بدون تملیک کے وقف کر دیا، حالانکہ حنفیہ نے اداءِ عرض وادا قیمت فی الزکوٰۃ کا مسئلہ صرف حدیثِ خالدؓ سے مستنبط نہیں کیا، بلکہ دراصل حدیث معاذؓ و انسؓ سے مستنبط کیا ہے، اور جو عبارت دفع قیم فی الزکوٰۃ کے متعلق سائل نے حاشیۂ بخاری سے نقل کی ہے وہ حاشیہ مولانا احمد علی صاحبؒ نے حدیث معاذؓ ہی پر تحریر کیا ہے، نہ حدیث خالدؓ پر، اور علامہ عینیؒ نے بھی اس مسئلہ کو اولاً (ص ۳۴۸ ج ۴ میں حدیثِ معاذؓ و حدیثِ انسؓ ہی کے تحت میں بیان کیا ہے، سائل کو ایسی صریح مسامحت سے احتراز کلی لازم تھا، ۱۲ منہ

مال وقف منقول میں زکوٰۃ واجب نہیں، جبکہ حولانِ حول سے پہلے وقف کر دیا گیا ہو اور حضرت خالدؓ نے حولانِ حول سے پہلے ہی اپنا سامان وقف کر دیا تھا، کیونکہ جب انھوں نے مصدق سے انکار کر دیا (جو حولانِ حول پر زکوٰۃ وصول کیا کرتا ہے) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صیغۂ ماضی کے ساتھ فرمایا کہ خالدؓ تو اپنا سامانِ حرب وقف کر چکے ہیں، تم مطالبۂ زکوٰۃ پر اُن پر ظلم کرتے ہو (اور وقف قبل حولانِ حول کی بحث عنقریب مفصّل آئے گی)۔

اور ایک توجیہ حافظ ابن حجرؒ نے کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے قصۂ خالدؓ سے اس امر پر استدلال کیا ہے کہ زکوٰۃ کے مال کو ہتھیار و آلاتِ حرب کی خرید میں لگانا اور جہاد میں اُن سے مدد کرنا جائز ہے، اس بنا پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ کو اس امر کی اجازت دی کہ وہ اپنے اس حبس کو زکوٰۃ واجبہ کے حساب میں لگا لیں اھ (ص ۲۶۴ ج ۳)۔

یہ توجیہ البتہ ظاہر میں شرط تملیک کے غیر ضروری ہونے میں مبنی ہے، گو تاویل کے ساتھ اس کو بھی علامہ عینیؒ کی تاویل ثانی کی طرف راجع کیا جا سکتا ہے۔

اور ایک توجیہ جمہور نے کی ہے انہ لو کان نوی باخراجھا عن ملکہ الزکوٰۃ عن مالہ لان احد الاصناف سبیل اللہ وھم المجاھدون وھذا یقولہ من یجیز اخراج القیم فی الزکوٰۃ کالحنفیۃ ومن یجیز التعجیل کالشافعیۃ ذکرہ الحافظ فی الفتح (ص ۲۶۴ ج ۳) کہ حضرت خالدؓ نے ان زرہوں وغیرہ کو اپنی ملک سے نکالتے ہوئے اپنے مال کی زکوٰۃ کی نیت کی تھی، کیونکہ سبیل اللہ یعنی مجاہدین بھی زکوٰۃ کا ایک مصرف ہے، اور یہ توجیہ وہ لوگ کرتے ہیں جو زکوٰۃ میں قیمت کا ادا کرنا جائز سمجھتے ہیں، جیسے حنفیہ، اور زکوٰۃ پیشگی ادا کرنا جائز سمجھتے ہیں، جیسے شافعیہ اھ، اس توجیہ کا حاصل یہ ہو کہ حضرت خالدؓ نے زکوٰۃ میں زرہیں وغیرہ نکالی اور اُن کو جہاد کے واسطے رکھ چھوڑا کہ ضرورت کے وقت مجاہدین کو دیدی جائیں گی، اس توجیہ میں اخراج عن الملک سے مراد عزل ہے، اور حبس سے مراد حبسِ لغوی ہے، وقف مراد نہیں، کیونکہ حنفیہ وشافعیہ کے مذہب پر یہی صورت منطبق ہو سکتی ہے، اور حافظ نے اس کو حنفیہ وشافعیہ کی طرف منسوب کیا ہے، پس ان کے مذہب پر انطباق لازم ہے، علامہ عینیؒ کی عبارت حافظ کی عبارت سے زیادہ واضح ہے، انھوں نے اس میں اتنا اور زیادہ کیا ہے فصرفہا فی الحال کصرفہا فی المآل اھ کہ زکوٰۃ کا اس وقت صرف کرنا اور بعد میں صرف کرنا برابر ہے، اس کا وہی مطلب ہو کہ حضرت خالدؓ نے ان

اشیاء کو زکوٰۃ کی نیت سے الگ کر کے آئندہ مجاہدین پر صرف کرنے کے لئے روک لیا تھا۔

ایک توجیہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے شرح تراجم بخاری میں بیان فرمائی ہے۔

واستدلال المؤلف بقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم واما خالد الخ استدلال ببعض محتملاتہ بان یقال معناہ انہ اشتری بمال الزکوٰۃ الادراع والاعبد فوقفھا فی سبیل اللہ فقد سقطت زکوتہ واما لو حمل الکلام علی معان أخر فلا یدل علی الترجمۃ اھ (ص ۱۱۰)۔

مؤلف کا قصۂ خالدؓ سے استدلال بعض معانیٔ محتملہ سے استدلال ہے، کہ یوں کہا جائے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت خالدؓ نے مالِ زکوٰۃ سے زرہیں اور غلام خرید کر کے ان کو سبیل اللہ میں وقف کر دیا ہے، اس لئے اُن پر سے زکوٰۃ ساقط ہو گئی، اور اگر کلام کو دوسرے معنی پر محمول کیا گیا تو ترجمہ پر دلالت نہ ہوگی۔

میں کہتا ہوں اس کا حاصل وہی ہے جو علامہ عینی کی توجیہ ثانی کا حاصل ہے، کہ خالدؓ نے حولانِ حول سے پہلے زکوٰۃ کے مال سے آلاتِ حرب خرید کر کے وقف کر دیئے ہیں اس لئے زکوٰۃ ساقط ہو گئی، اور اس کو حنفیہ تسلیم کرتے ہیں، جبکہ تمامِ حول پر نصاب کامل باقی نہ رہے،

ایک توجیہ ہمارے بعض مشائخ حدیث نے یہ کی ہے کہ امام بخاریؒ نے زکوٰۃ کو وقف پر قیاس کر کے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ جب عروض کا وقف جائز ہے (جو کہ صدقہ کی ایک قسم ہے) تو زکوٰۃ میں بھی عروض کا دینا جائز ہے، کیونکہ زکوٰۃ بھی صدقہ ہی ہے، جب صدقہ ہونے میں دونوں مساوی ہیں تو عروض کے ساتھ جواز تعلق میں بھی دونوں مساوی ہونگے، اور یہ توجیہ ہمارے نزدیک تمام توجیہات سے اقرب ہے، کیونکہ بقیہ توجیہات کی بنا محض احتمالی امور پر ہے، مثلاً یہ کہ حضرت خالدؓ نے سلاح واعتاد وغیرہ کو زکوٰۃ میں محسوب کر کے وقف کیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس حساب کو جائز رکھا۔

یا حضرت خالدؓ نے مالِ زکوٰۃ سے ان اشیاء کو خرید کر وقف کیا تھا، اور ظاہر ہے کہ الفاظِ حدیث میں ان احتمالات پر کوئی دلیل و قرینہ قائم نہیں، نہ حضرت خالدؓ کے حساب لگانے پر، نہ حضورؐ کی اجازتِ حساب پر، نہ حضرت خالدؓ کے شراء و بیع پر، حدیث کا مدلول تو صرف اس قدر ہے کہ مصدق نے حضرت خالدؓ سے زکوٰۃ مانگی انھوں نے دینے سے انکار کیا، مصدق نے حضورؐ سے شکایت کی، حضورؐ نے حضرت خالدؓ کی طرف سے یہ عذر بیان کیا

کہ وہ تو اپنا سامانِ حرب زرہ و غلام و سامان وغیرہ سبیل اللہ میں وقف کر چکے ہیں، تم اُن پر مطالبۂ زکوٰۃ سے ظلم کرتے ہو، اس مدلول سے ظاہر صرف اس قدر ہے کہ مصدق نے حضرت خالدؓ کے سامانِ حرب کو بمقدار کثیر دیکھ کر یہ سمجھا کہ یہ تجارتی مال ہے (کیونکہ استعمالی اسباب اتنا زیادہ نہیں ہوتا، اور اس کثرت کی دلیل حدیث میں صیغۂ جمع ادراع و اعتدٗ و اعبد ہے) اس لئے زکوٰۃ کا مطالبہ کیا، حضورؐ نے بتلا دیا کہ وہ تو اس کو وقف کر چکے ہیں، اس سے امام بخاریؒ نے یہ استدلال کیا کہ جب عروض کا وقف جائز ہے تو زکوٰۃ میں بھی عروض کا دینا جائز ہے۔

امام شوکانیؒ نیل الاوطار میں فرماتے ہیں: ومعنی ذلک انہم طلبوا من خالدؓ زکوٰۃ اعتادہ ظنًا منہم انہا للتجارۃ (ای لکثرتہا ۱۲) وان الزکوٰۃ فیہا واجبۃ فقال لہم لا زکوٰۃ فیہا علیّ فقالوا للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ان خالدًا منع الزکوٰۃ فقال انکم تظلمونہ لانہ حبسہا ووقفہا فی سبیل اللہ تعالیٰ قبل الحول علیہا فلا زکوٰۃ فیہا اھ (ص ۳۷ ج ۴)۔

اب اتنی توجیہات کے بعد یہ دعویٰ کرنا کہ امام بخاریؒ کی مراد وہی توجیہ ہے جو حافظ ابن حجرؒ نے بیان کی ہے دعویٰ بلا دلیل ہے، اور اس پر یہ تفریع کرنا کہ امام بخاریؒ کا اس قصۂ خالدؓ کے ذکر سے یہ مقصود ہے کہ اداءِ زکوٰۃ میں تملیک شرط نہیں بناء الفاسد علی الفاسد ہے۔

اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ امام بخاریؒ کا یہ مقصود ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُن کا مذہب بھی یہی ہے، کہ زکوٰۃ میں تملیک شرط نہیں، کیونکہ محدثین اپنی کتابوں میں مختلف احادیث مختلف تراجم کے ساتھ بیان کرتے ہیں، اور ان کا مذہب ان میں سے ایک ہوتا ہے، جیسا کہ ترمذی و نسائیؒ نے باب القرأۃ خلف الامام، والرخصۃ فی ترک القرأۃ خلف الامام منعقد کیا ہے، اور دونوں ان کا مذہب نہیں، اسی طرح ممکن ہے کہ امام بخاریؒ نے اس ترجمہ و حدیث سے اس بات پر تنبیہ کی ہو، کہ حدیث خالدؓ سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ زکوٰۃ وقف سے بھی ادا ہو سکتی ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ امام بخاریؒ کا مذہب یہی ہے۔

اب رہا یہ کہ حدیثِ خالدؓ سے یہ مطلب قطعی طور پر حاصل ہوتا ہے یا بطور احتمال کے، تو اس کو شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے واضح کر دیا کہ یہ استدلال بعض محتملات سے

استدلال ہے، اور اصولی قاعدہ ہے اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال، کہ احتمال کے ساتھ استدلال باطل ہے، پھر یہ احتمال اُن دلائل صریحہ کے مقابلہ میں کیا وقعت رکھ سکتا ہے جو بحث اوّل میں تملیک کی ضرورت پر نصوص قرآنیہ و احادیث مشہورہ و اجماعِ مجتہدین سے بیان کئے گئے ہیں؟

تیسرے ہم یہ کہتے ہیں کہ بعد تسلیم اگر مان لیا جائے کہ امام بخاری کا مذہب وہی ہے جو سائل نے سمجھا ہے تو اس کے بعد وہ یہ ثابت کرے کہ امام بخاری مقلّد ہیں، یا مجتہد، اگر مقلد ہیں تو مجتہدین کے اقوال کو چھوڑ کر مقلّد کا قول لینا کب جائز ہے؟ خصوصاً جبکہ اُن کا استدلال بھی بوجہ استدلال بالمحتمل ہونے کے باطل ہو، اور اگر مجتہد ہیں تو اُن کا قول ائمہ مجتہدین سابقین کے خلاف ہے، اور اجماعِ سابق کو خلافِ لاحق منقوض نہیں کرسکتا، بلکہ خلافِ لاحق خود باطل ہے۔

اور کوئی یہ کہے کہ گو حافظ ابن حجرؒ کی توجیہ سے امام بخاریؒ کا مذہب متعین نہیں ہوسکتا مگر خود حافظؒ کے نزدیک تو اس توجیہ کا صحیح ہونا معلوم ہوتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حافظ کا مذہب وہی ہے جو اس توجیہ میں مذکور ہے، کیونکہ شارح کا کام صرف یہ ہے کہ مؤلّف کتاب کے قول کی شرح کردے خواہ وہ شرح شارح کے موافق ہو یا مخالف، اور جب اس سے حافظ کا مذہب متعین نہ ہوا تو اس کا اخذ کرنا جائز نہیں، کیونکہ جس قول کے خلاف خود قائل کا مذہب ہو وہ قول قائل ہی کے نزدیک باطل ہے، اور ہم جانتے ہیں کہ حافظ ابن حجرؒ امام شافعیؒ کے مقلّد ہیں، اس لئے یہ توجیہ حافظ کا مذہب ہرگز نہیں، بلکہ اُن کے مذہب کے خلاف اور ان کے نزدیک باطل ہے، نیز اس میں وہ جوابات بھی جاری ہیں جو امام بخاریؒ کے مقلّد و مجتہد ہونے کی صورت میں اوپر مذکور ہوئے ہیں۔

اس کے بعد سائل نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی عبارت حجۃ اللہ البالغہ سے

ؔ اس مقام پر یہ امر قابلِ تنبیہ ہے کہ سائل نے عبارت حجۃ اللہ البالغہ کے ترجمہ میں غلطی کی ہے، کیونکہ ترجمہ میں یہ جملہ "جیسا کہ آیت کے نزول کے موقع پر مدینہ مسلمانوں کا خالص شہر تھا" نہ معلوم کس جملہ کا ترجمہ ہے، اور اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ مترجم نے لتکفئ نوائب المدینۃ میں "المدینۃ" سے شہر مدینہ مراد لیا ہے، اور اس کا غلط ہونا ظاہر ہے، یہاں نوائب المدینۃ سے حوادث البلد مراد ہے، جو ہر بلد کو عام ہے ۱۲ منہ

نقل کی ہے، جس میں شاہ صاحبؒ کا یہ قول ہے کہ حدیثِ خالدؓ سے معلوم ہوتا ہے کہ وقف زکوٰۃ کی جانب سے کافی ہے، اور یہ کہ آیت صدقات میں حصر اضافی ہے، اور یہ کہ مصارف زکوٰۃ میں توسیع کی ضرورت ہے الخ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے خود شرح تراجم و ابواب میں تصریح کر دی ہے کہ حدیثِ خالدؓ میں مختلف احتمالات ہیں، اور امام بخاریؒ کا استدلال حدیثِ خالدؓ سے بطور احتمال کے ماخوذ ہے اھ، اور محتمل سے استدلال باطل ہے، اس لئے شاہ صاحبؒ کا یہ استدلال ساقط ہے، اگر ان کی مراد وہی ہے جو سائل نے اس سے سمجھی ہے، نیز آیت میں حصر کو اضافی کہنا بھی حدیث و اجماع کے خلاف ہے، جس کا مبحثِ دوم میں ذکر ہو چکا۔

دوسرے شاہ صاحبؒ نے شرح تراجم میں جو توجیہ بیان کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ مالِ زکوٰۃ کے وقف کرنے سے زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے، اور حجۃ اللہ البالغہ میں یہ کہا ہے کہ وقف زکوٰۃ کی طرف سے کافی ہے، دونوں میں اختلاف ہے، اور ایک شخص کے مختلف اقوال میں جمع یا ترجیح لازم ہے، پس اوّل یہ ثابت کرنا چاہئے کہ ان دونوں میں سے مقدم و مؤخر کونسا ہے، اگر یہ ثابت نہ ہو سکے تو جمع نہ ہو سکنے کی صورت میں دونوں ساقط ہیں، اور اس کے قول سے احتجاج و استدلال نہیں ہو سکتا خصوصاً جبکہ حضرت شاہ صاحبؒ خود مقلد ہیں، اور اُن کا رُتبہ امام بخاریؒ اور حافظ ابن حجر سے بھی پیچھے ہے، تو اُن کا قول ائمہ مجتہدین کے خلاف مسموع نہیں ہو سکتا۔

نیز حضرت شاہ صاحبؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں صدقات کی تقسیم اوّلاً اس طرح کی ہے: والبلاد الخاصۃ بالمسلمین عمدۃ ما یتخلّص فیہا من المال نوعان بازاء نوعین من المصرف، نوع ھو المال الّذی زالت عنہ ید مالکہ کترکت المیّت لا وارث لہ وضوال من البھائم لا مالک لھا واللقطۃ

لے سائل نے شاہ صاحبؒ کی عبارت کا یہ جملہ بھی نقل کیا ہے وعن ابی الآس حملنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی ابل الصدقۃ للحج اھ اس سے معلوم نہیں سائل کو کیا ثابت کرنا مقصود ہے، اگر یہ مقصود ہے کہ فی سبیل اللہ غزاۃ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ حج بھی اس میں داخل ہے، تو اس کو یہ ثابت کرنا لازم ہے کہ یہ اونٹ جن پر حجاج کو سوار کیا گیا سہم سبیل اللہ کے تھے، سہم ابن السبیل کے نہ تھے، اور اگر یہ مقصود ہے کہ یہ اونٹ زکوٰۃ کے بدون تملیک کے بطور وقف کے استعمال کئے گئے تو اس کو نفیِ تملیک پر دلیل قائم کرنا چاہئے، کیونکہ لفظ حملنا تملیک سے آبی نہیں بلکہ تملیک کے ساتھ بھی اطلاق ہوتا ہے ۱۲ منہ

اخذها اعوان بیت المال وعرفت فلم یعرف لمن هی ومن حقه ان یصرف الی المنافع المشترکة التی مما لیس فیها تملیک لاحد ککری الانهار وبناء القناطر والمساجد وحفر الآبار والعیون وامثال ذلک ونوع هو صدقات المسلمین جمعت فی بیت المال ومن حقّه ان یصرف الی ما فیه تملیک لاحد وفی ذلک قوله تعالیٰ انما الصدقات للفقراء الآیة (ص ۳۳ و۳۴ ج ۲)۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ مسلمانوں کے بلادِ خاصّہ میں دو قسم کے اموال دو قسم کے مصرف کے مقابلہ میں ہیں، ایک قسم کا مال تو وہ ہے جس پر سے مالک کا قبضہ زائل ہو گیا، جیسے لاوارثی ترکہ، گم شدہ جانور اور لقطہ وغیرہ، اس کا مصرف تو منافع مشترکہ ہیں جن میں تملیک کسی کی نہیں ہوتی، جیسے بناء مساجد و قناطر اور نہریں اور کنواں اور چشمہ کھودنا وغیرہ۔

اور ایک نوع اموال کی وہ ہے جو مسلمانوں کے صدقات سے بیت المال میں جمع ہوتی ہے، اس کا حق یہ ہے کہ ایسے مصرف میں صرف ہو جس میں کسی کی تملیک ہو، اور آیت انمّا الصّدقات للفقراء اسی قسم کے اموال کے متعلق ہے، اھ

اس عبارت کے سیاق سے ہر عاقل سمجھ سکتا ہے کہ اس میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس میں قانونِ شرعی کی ترجمانی کی گئی ہے، کیونکہ اس سے پہلے یہ جملہ ہے فجعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم لکل من ھذین سنة وجعل الجبایة بحسب المصارف اھ

اور اخیر میں فرمایا ہے کہ اموال کی نوع ثانی کا حق یہ ہے کہ ایسے مصرف میں صرف ہو جس میں کسی کی تملیک ہو، پھر فرمایا کہ آیت انما الصدقات اسی قسم کے اموال کے متعلق ہے،

اس سے صاف عیاں ہے کہ اس مقام پر شاہ صاحبؒ نے اموال و مصارف کی جو تقسیم کی ہے وہ ان کے نزدیک شرعی تقسیم ہے، محض اجتہادی نہیں، کیونکہ خدا اور رسولؐ کی طرف شاہ صاحبؒ نے اس کو منسوب کیا ہے، پس جب حضرت شاہ صاحبؒ کے نزدیک اموال کی نوع ثانی کے لئے شرعاً تملیک کا ضروری ہونا متحقق ہے تو اب اُن کے آئندہ کلام کو جو محض استدلالی کلام ہے ایسے معنی پر محمول کرنا جس سے تملیک کا ابطال ہوتا ہو، اُن کے کلام کو مختل کرنا اور آخر کلامہ ینقض اوّلہ کا مصداق بنانا ہے، پس لازم ہے کہ آخر کلام کی ایسی توجیہ کی جائے جس سے پہلے کلام کا ابطال نہ ہو، اور وہ یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کا مقصود آخر کلام سے یہ ہے کہ مالِ زکوٰۃ کا وقف قبل حولانِ حول[ے] جائز ہونا چاہئے،

[ے] اور چونکہ اس میں بظاہر ابطال زکوٰۃ اور فرار عن الزکوٰۃ ہے جسکو بعض فقہاء نے جائز نہیں سمجھا، اس لئے شاہ صاحبؒ کو اس میں گفتگو کی ضرورت ہوئی ۱۲ منہ

اور اس سے زکوٰۃ ساقط ہوجانا چاہیے تاکہ زکوٰۃ کے اموال میں وسعت ہوجاوے، اور اس صورت میں حصر کو اضافی ان صدقات کے لحاظ سے کہا گیا جو باعتبار اصل کے اموالِ زکوٰۃ تھے، اور باعتبار انتہاء کے اموالِ زکوٰۃ نہیں رہے، ولا کلام فیہ، اس صورت میں کلام میں تعارض نہ رہیگا، اور حاصل یہ ہوگا کہ مالِ زکوٰۃ کو قبل حولانِ حول دوسری نوع کی طرف منتقل کردینا جائز ہے، اور ہم حضرت خالدؓ کے واقعہ کی تاویل میں علامہ شوکانیؒ سے بعینہ یہی نقل کرچکے ہیں کہ انھوں نے قبل حولانِ حول اپنی ادراع واعتاد کو وقف کردیا تھا، اور حضرت شاہ صاحبؒ کا حجۃ اللہ البالغہ میں الحبس یجزی عن الصدقۃ فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ وقف قبل حول سے زکوٰۃ ساقط ہوجاتی ہے، اس صورت میں شرح تراجم کی عبارت اور حجۃ اللہ البالغہ کی اول وآخر عبارت میں تعارض نہ رہے گا، اور اجزأ عنہ کا بمعنی سقوط مستعمل ہونا اہلِ علم پر مخفی نہیں، محاورات فقہاء میں اس کے نظائر ملیں گے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

بہرحال شاہ صاحبؒ کے مرتبۂ عالیہ پر نظر کرکے اُن کے کلام کی یہ توجیہ کردی گئی ورنہ ان کا کلام واضح بھی ہوتا جب بھی ائمہ کے مقابلہ میں کسی درجہ میں حجت نہ تھا، اور متعارض کلام تو کسی کے مقابلہ میں بھی کافی نہیں۔

وھذا وقت ایفاء ما وعدناہ سابقا من البحث فی کون الوقف قبل الحول مسقطاً للزکاۃ ودلیلہ ما فی الدر ولا زکوٰۃ فی ھالک بعد وجوبھا بخلاف المستھلک بعد الحول لوجود التعدی منہ اھ قال الشامی اما قبلہ لو استھلکہ قبل تمام الحول فلا زکوٰۃ علیہ لعدم الشرط واذا فعل حیلۃ لدفع الوجوب قال ابو یوسفؒ لا یکرہ لانہ امتناع عن الوجوب لا ابطال حق الغیر وفی المحیط انہ الاصح وقال محمدؒ یکرہ واختارہ الشیخ حمید الدین الضریر لان فیہ اضرارًا بالفقراء وابطال حقھم ماٰلا اھ (ص ۳۲ ج ۲)۔

قلت ووقف مال الزکوٰۃ استھلاک فیسقط الزکوٰۃ ان کان قبل الحول ولا یسقطھا بعدہ فافھم۔

تتمہ (۱) سائل نے شروع سوال میں یہ ظاہر کیا ہے کہ مالِ زکوٰۃ، فطرہ، اور چرمِ قربانی (یعنی اس کی قیمت) کو بہت سے مصارف میں بدونِ تملیک کے صرف کرنے کی آجکل ضرورت ہے، اور تملیک جاری کرنا ہو تو حیلہ تلاش کرنا پڑتا ہے جس کا

ثبوت آیات واحادیث واقوال سلف سے نہیں ملتا ہے الخ اس قول میں سائل نے فقہاء حنفیہ پر درپردہ اعتراض کیا ہے کہ انھوں نے حیلۂ تملیک ایسا بیان کیا ہے جو شریعت میں کچھ اصل نہیں رکھتا، افسوس سائل کو پہلے کسی فقہی کتاب میں دلیل تلاش کرنے کی مشقت تو برداشت کرنا چاہئے تھی، اس کے بعد ہی یہ بات قلم سے نکالنا زیبا تھی، اس حیلہ کی دلیل تو سائل کو امام بخاریؒ ہی سے معلوم ہو جاتی جن کے قول مبہم و متشابہ کی تقلید کا اس کو بہت شوق ہو رہا ہے، امام بخاریؒ نے حدیث بریرہؓ کو تقریباً چالیس مقام سے زیادہ میں اعادہ کیا ہے، اور اس سے مسائل کثیرہ مستنبط کئے ہیں، منجملہ اُن کے ایک یہ مسئلہ بھی مستنبط کیا ہے کہ اگر فقیر کو صدقہ دیا جائے، پھر فقیر وہ صدقہ غنی کو دیدے تو غنی کے لئے جائز ہے، لقوله صلى الله عليه وسلم وهو لها صدقة ولنا منها هدية (ملاحظہ ہو بخاری، ص ۲۰۲ ج ۱) باب اذا تحولت الصدقة) یہی اصل اُس حیلہ کی ہے جو حنفیہ نے تملیکِ زکوٰۃ میں بیان کیا ہے۔

نیز ابو داؤد و ابن ماجہ اور حاکم نے ابو سعید خدریؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے:
لا تحل الصدقة لغني الا لخمسة لعامل عليها او لغازٍ في سبيل الله او غني اشتراها بماله او فقير تصدق عليه فاهدى لغني او غارم وقال الحاكم صحيح على شرط الشيخين كذا في العمدة للعيني (ص ۳۹۲ ج ۴)۔

اس میں او فقير تصدق عليه فاهدى لغني، اس حیلہ کی دلیل ہے جو تملیکِ زکوٰۃ میں فقہاء نے بیان کیا ہے، اس کا حاصل یہی تو ہے کہ زکوٰۃ فقیر کو دی جاتی ہے پھر وہ اپنی طرف سے غنی کو یا مدرسہ و مسجد میں دیدیتا ہے۔

(۲) اشكل على البعض عدول تعالى عن اللام الى في قوله وفي الرقاب والغارمين وفي سبيل الله وابن السبيل وعسى ان يتوهم منه لبعض لقاصرين

عہ یہ حدیث بھی اس کی دلیل ہے کہ آیت صدقات میں فی سبیل اللہ سے مراد غزاۃ ہیں، ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سبیل اللہ کو غازی کے ساتھ مقید نہ فرماتے، اس قید ہی کی وجہ سے شراحِ حدیث نے اُن روایات کی جن میں فی سبیل اللہ مطلق ہے، غازی کے ساتھ تفسیر کی ہے، ملاحظہ ہو نیل الاوطار" باب فی سبیل اللہ وابن السبیل ۱۲ منہ

ان ظاهره يقتضي ان هؤلاء الاربعة لايملكون ما يعطون من الصدقات كالاوائل وان لايكون سهم سبيل الله كله مقصورا على الغزاة بل ينفق منه فيهم شئ والباقي في مصرف آخر فنقول قال صاحب الكشاف انه تعالى انما عدل عن اللام الى في في الاربعة الاخيرة للايذان بانهم ارسخ في استحقاق التصدق عليهم ممن سبق ذكره لان في للوعاء فنبه على انهم احقاء بان توضع فيهم الصدقات ويجعلوا مظنة لها ومصبا الخ۔

مبلغین کی تنخواہ میں زکوٰۃ صرف کرنا ضمیمہ سوال مذکور

سوال (۱۱) مبلغین کی تنخواہ میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: مصارفِ ثمانیہ میں وفی سبیل اللہ جو ایک مصرف ہے اس میں طلبۂ علم اور مبلغینِ احکامِ اسلام اور واعظینِ مسلمانان اور فتنۂ ارتداد سے روکنے والے اور حفاظتِ اسلام کرنے والے سب داخل ہیں، ان سب کو زکوٰۃ کا روپیہ دینا خواہ متفرق غیر معین طریق پر دیں یا ماہانہ مقرر کر کے دیں درست ہے، اور زکوٰۃ ادا ہو جاوے گی، بشرطیکہ وہ نصاب کے مالک نہ ہوں، کما فتاویٰ شامی جلد ۲ صفحہ ۶۳ (مصری) میں وقد قال في البدائع في سبيل الله جميع القرب فيدخل فيه كل من سعى في طاعة الله وسبيل الخيرات اذا كان محتاجا الخ

اور کما تفسیر مظہری ص ۱۵ سورۃ توبہ میں قلت ولما كان الفقر ماخوذا من جميع الاصناف فالاولى ان لا يخص سبيل الله بالحج ولا بالغزو بل يترك اعم منهما ومن سائر ابواب الخير فمن انفق ماله في طلبة العلم صدق انه انفق في سبيل الله الخ البتہ جو مصارف دیگر تبلیغِ اسلام کے ہیں، مثلاً ڈاک تار، طباعت و کاغذات وغیرہ، ان میں زکوٰۃ کا روپیہ خرچ نہیں ہو سکتا، کہ کسی کی مِلک میں نہیں آتا، البتہ کسی غریب یا غیر مالکِ نصاب زکوٰۃ کی مِلک پہلے کر دیں، اور اس سے ان کاموں میں خرچ کرا دیں تو یہ صورت ہو سکتی ہے، کیونکہ زکوٰۃ میں مالک بنا دینا شرط ہے بعض اشخاص مہتممینِ مدارس کے پاس زکوٰۃ کا روپیہ بھیجدیتے ہیں، اُن کی غرض یہ ہوتی ہے کہ مہتمم صاحب محتاجین کو تقسیم کر کے اس کا مالک بنا دیں، اور جو مہتمم کسی مدرسہ کا یا کسی نیک کام کا منتظم زکوٰۃ کے روپے مرسلہ کو طلبہ یا غیر طلبہ غیر مالکِ نصاب کی

بلکہ میں اس روپے کو نہیں کرے گا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

الجواب من الخانقاہ الامدادیہ تھانہ بھون: یہ جواب مذکورہ بالاجس میں زکوٰۃ کی رقم کو معاوضۂ تبلیغ وغیرہ میں دینا بھی جائز کیا ہے، صحیح نہیں، اور جس عبارت سے استدلال کیا ہے اس کا حاصل صرف یہ ہے کہ فی سبیل اللہ کے مفہوم میں تمام قرب وطاعات داخل ہیں، رہا یہ کہ ادائے زکوٰۃ کے لئے محل صرف کا قربت وطاعت ہونا کافی ہے، اس کے سوا کچھ شرط نہیں، یہ اس عبارت سے مفہوم نہیں ہوتا، بدائع میں تملیک (بلا عوض) کی قید خود مصرح ہے، اور اس کو رکنِ اداء زکوٰۃ قرار دیا ہے، اور یہی مطلب تفسیر مظہری کا ہی، کہ طلبۃ العلم پر انفاق کرنا انفاق فی سبیل اللہ میں داخل ہے، یعنی جبکہ یہ انفاق بطریق تملیک بلا عوض کے ہو، ومن اراد البسط فی الدلائل فلیراجع رسالتنا رفع التشکیک فی دفع الزکوٰۃ بالتملیک“

قال فی البدائع رکن الزکوٰۃ ھو اخراج جزء من النصاب الی اللہ تعالیٰ وتسلیم ذلک الیہ بقطع المالک یدہ عنہ بتملیک الفقیر وتسلیمہ الیہ اوالی ید من ھو نائب عنہ والملک للفقیر یثبت من اللہ تعالیٰ وصاحب المال نائب عن اللہ تعالیٰ فی التملیک والتسلیم الی الفقیر بدلیل قولہ تعالیٰ الم یعلموا ان اللہ ھو یقبل التوبۃ عن عبادہ ویأخذ الصدقات وقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الصدقۃ تقع فی ید الرحمٰن وقد امر اللہ تعالیٰ بایتاء الزکوٰۃ والایتاء ھو التملیک ولذا سمّی اللہ تعالیٰ الزکوٰۃ صدقۃ بقولہ انما الصدقات للفقراء والتصدق تملیک ولان الزکوٰۃ عبادۃ والعبادۃ اخلاص العمل بکلیتہ للہ تعالیٰ ویکون معنی القربۃ فی الاخراج الی اللہ تعالیٰ بابطال ملکہ عنہ لا فی التملیک من الفقیر بل التملیک من اللہ تعالیٰ حقیقۃ وصاحب المال نائب عن اللہ تعالیٰ اھ ص ۳۹ ج ۲، قلت والاخراج الی اللہ تعالیٰ یقتضی ان یکون التملیک فی الزکوٰۃ بلا عوض وان کان بعوض لم یکن اخراجاً الی اللہ ولم تکن صدقۃ ولا عبادۃ کما لایخفی فان الصدقۃ انما ھی تملیک العین من الفقیر مجاناً قال فی الدر والصدقۃ کالھبۃ بجامع التبرع لان المقصود فیھا الثواب لا العوض اھ ص ۲۹۶ ج ۴۔

(۲) قال فی البدائع واما العاملون علیها فهم الذین نصبهم الامام لجبایة الصدقات واختلف فیما یعطون قال اصحابنا یعطیهم الامام کفایتهم منها وقال الشافعیؒ یعطیهم الثمن لنا ان ما یستحقه العامل انما یستحقه بطریق العمالة لا بطریق الزکوٰة بدلیل انه یعطی وان کان غنیًا بالاجماع ولو کان صدقة لما حلت للغنی دل انه انما یستحقه بعمله لکن علی سبیل الکفایة لا علی سبیل الاجرة، لان الاجرة مجهولة لان قدر الکفایة له ولاعوانه مجهول غیر معلوم وجهالة احد البدلین یمنع جواز الاجارة فدل ان الاستحقاق لیس علی سبیل الاجرة بل علی طریق الکفایة له اھ (ص ۴۴ ج ۲)۔

اس عبارت سے امور ذیل مستفاد ہوتے :۔ (۱) عاملینِ زکوٰۃ کو جو کچھ دیا جاتا ہے وہ اجرت نہیں بلکہ نفقہ ہے، جیسے زوجہ کا نفقہ زوج پر بوجہ حبس کے لازم ہوتا ہے یا مضارب کا نفقہ مالِ مضاربت میں ہوتا ہے۔

(۲) امام شافعیؒ اس کو زکوٰۃ ہی قرار دیتے ہیں۔

(۳) عاملین وہ ہیں جن کو امام نے زکوٰۃ وصدقات وصول کرنے کے لئے مقرر کیا ہو، اس کے بعد ظاہر ہے کہ مبلغ یا چندہ وصول کرنے والوں کو عاملین میں داخل نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ وہ امام کے مقرر کردہ نہیں، اور اُن کو زکوٰۃ وصدقات میں سے نہ تنخواہ دیجاسکتی ہے نہ نفقہ، کیونکہ یہ لوگ نہ عاملین میں داخل ہیں نہ اُن پر اُن کو قیاس کیا جا سکتا ہے، کیونکہ خود عاملین کو زکوٰۃ سے حقِ عمالت دینا خلافِ قیاس نص سے ثابت ہوا ہے، اور خلافِ قیاس کا تعدیہ نہیں ہوسکتا، رہا یہ کہ اُن لوگوں کو یہ تنخواہ زکوٰۃ سے بوجہ سبیل اللہ کے مصداق ہونے کے ہے، اس کا جواب اوپر گزر چکا، کہ جو لوگ فی سبیل اللہ کے مصداق ہیں اُن کو زکوٰۃ تملیک بلاعوض کے طور پر دی جائے گی، معاوضہ کی صورت سے نہیں دی جاسکتی۔

قال فی الدر ولو دفعه المعلّم لخلیفته ان کان بحیث یعمل له لو لم یعط صح والا لا، ص ۱۳ ج ۲ ومثل ذلک فی کتب الفقه کثیر، واللہ تعالیٰ اعلم۔

ظفر احمد عفا عنہ ۲۳ شوال ۴۸ھ

بیشک مبلّغ وغیرہ کی تنخواہ میں زکوٰۃ کی رقم وغیرہ خرچ کرنا جائز نہیں، اس طرح زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، اور خرچ کرنے والے پر ضمان آتا ہے، زکوٰۃ کا مصرف زکوٰۃ کو مفت بلا کسی

معاوضہ کے دینا ایسا امر ہو کہ ہمیں اس میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں، نہ آئندہ کسی کے اختلاف کی توقع، واللہ اعلم، احقر عبد الکریم عفی عنہ ۲۲ شوال ۴۸ھ۔

وقال الامام ناصر الدین المالکی وثم سر آخر هو اظهر واقرب وذلك ان الاصناف الاربعة الاوائل ملاك لما عساه يدفع اليهم وانما ياخذونه ملكا فكان دخول اللام لائقا بهم واما الاربعة الاواخر فلا يملكون ما يصرف نحوهم بل ولا يصرف اليهم ولكن فی مصالح تتعلق بهم فالمال الذی یصرف فی الرقاب انما يتناوله السادة المكاتبون وكذلك الغارمون انما يصرف نصيبهم لارباب ديونهم تخليصا لذممهم لا لهم واما سبيل الله فواضح فيه ذلك واما ابن السبيل فكأنه كان مندرجا فی سبيل الله وانما افرد بالذكر تنبيها على خصوصيته اھ ای فانه ايضا لايملك ما يعطاه بل يصرفه فی الزاد والراحلة معا فليس نصيبهم مصروفا الی ايديهم حتی يعبر عن ذلك باللام المشعرة بتملكهم لما يصرف نحوهم وانما هم محال لهذا الصرف فقط وايضا فتوهم ان لايكون سهم سبيل الله مصروفا الی الغزاة كلا بلفظة فی لا يتاتی علی مذهب الحنفية الذين لا يوجبون تقسيم الصدقات علی ثمانية اسهم وكذا كون اللام للملك والعدول عن اللام الی فی اشارة الی نفيه وانما يتأتی كل ذلك علی مذهب الشافعيه و يجيبون عن هذا التوهم بما ذكرناه فی وجه العدول عن اللام الی "فی" فافهم والله تعالی اعلم، وليكن هذا اخر الكلام ومسك الختام فی مسئلة التمليك فی الزكوٰة الواجبة فی النقود والعروض والزروع والانعام، وصلی الله تعالی وسلم علی خير خلقه سيدنا النبی محمد افضل الصلوٰة وازكی السلام وعلی آله واصحابه البررة الكرام الی يوم القيام، ظفر احمد عفا عنہ ، ۳ صفر ۴۷ھ۔

اولویت صرفِ زکوٰۃ ببلدے کہ مال موجود باشد

سوال (۱۲) ایک شخص سوداگر ہے، وہ اپنے مال کو سوداگری کے لئے مال فروخت کرنے کو آتا ہے، جب مال فروخت ہوجاتا ہے مکان چلاجاتا ہے، وہ شخص صاحبِ زکوٰۃ ہے، وہ شخص زکوٰۃ یہاں والوں کو دے یا اپنے وطن کے لوگوں کو دے؟

الجواب: اس مسئلہ کی نظیر مضارب کا مسئلہ ہے، اور اس میں علامہ شامی نے فلیراجع کہکر تامل ظاہر کیا ہے (ص ۱۲ ج ۲) اصل مسئلہ کی یہ ہے کہ زکوٰۃ میں مکانِ مال معتبر ہے، پس اگر اس سوداگر کے مال پر وہیں سال گذر جائے جہاں وہ تجارت کرتا ہے، تو ظاہر ہے کہ اس کے ذمہ اسی جگہ کے فقراء کو زکوٰۃ دینا ہے، اور اگر حولانِ حول وہاں سے وطن واپس آکر ہوا ہے اور مال وطن میں ساتھ ہے تو اس صورت میں ظاہر یہ ہے کہ فقراء وطن کو زکوٰۃ دے، فقد اعتبروا یوم الاداء فی تقویم المال فکذا یکون معتبراً ھنالک وھو الظاھر لکون وجوب الاداء بحولان الحول فحیث کان یحول الحول یعتبر مکانه فان کان حقاً فمن اللہ وان کان باطلاً فمن الشیطان اور اگر حولان حول وطن آکر ہوا مگر مال وطن میں ساتھ نہیں، بلکہ مال جائے تجارت کہیں، تو زکوٰۃ مکانِ مال کے فقراء کو دی جائے، کما ہو مقتضیٰ قولہم المعتبر فی الزکوٰۃ مکان المال فافہم، واللہ تعالیٰ اعلم

۷ رمضان ۴۷ھ

والپسی زکوٰۃ کی ایک صورت کا حکم

سوال (۱۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو سے قرض رقم طلب کی، اس پر عمرو نے زکوٰۃ کی نیت سے اس کو دام دیئے (اس لئے کہ زید معزز ہونے کی وجہ سے غربت کی حالت میں بھی مانگنا پسند نہیں کرتا) زکوٰۃ تو ادا ہوگئی، مگر چند روز کے بعد زید اُتنی ہی رقم عمرو کی خدمت میں لے کر آیا، اور کہتا ہے کہ تمھارے دام لو، اب عمرو اس کو کسی صورت سے سمجھا نہیں سکتا، کہ بھائی ہم نہیں لیتے، اگر یہ کہا جائے تو زید بگڑتا ہے، اور کہتا ہے کہ کیا تم نے مجھے ایسا سمجھا تھا؟ تو ایسی حالت میں اس رقم کو زید سے عمرو لے سکتا ہے؟ اگر لے سکتا ہے تو کون سے قاعدہ سے، ایک صاحب فرماتے ہیں کہ عمرو لے سکتا ہے اور یہ عمرو کے لئے ہبہ ہو جائے گا، کہ ہبہ کی تعریف یہ ہے تملیک العین مجاناً ای بلا عوض، اور وہ بلا عوض مالک بنانا یہاں صادق آرہا ہے، اس لئے جائز ہے، ....

دوسرے صاحب فرماتے ہیں کہ یہ تعریف صادق نہیں آتی، کیونکہ یہ زید کا عمرو کو پھر دام دینا یہ تملیک بلا عوض نہیں، بلکہ زید بعوض دَین یہ دے رہا ہے، ورنہ پھر اور زائد یا دوسری شے کیوں نہیں دیتا، وہ اس نیت سے دے رہا ہے کہ اس کا ہم پر دَین ہے، اور اس کو ادا کریں، کس کا قول صحیح ہے اور صحیح جواب مسئلہ کا کیا ہے؟

الجواب: اگر زید نے یہ رقم عمرو کو دیتے ہوئے یہ کہدیا تھا کہ یہ رقم قرض نہیں

بلکہ ہبہ ہی تب تو زید کو عمر کی دی ہوئی رقم قبول کرلینا جائز ہے، لکون ہذہ ہبۃ مستانفۃ لاعوداً فی الصدقۃ، اور اگر زید نے عمرو کو وہ رقم دیتے ہوئے نفیِ قرض واثبات ہبہ کی تصریح نہیں کی تھی تو زید کو عمرو سے اس رقم کا لینا جائز نہیں، کیونکہ عمرو ہبہ مستانفہ کی وجہ سے نہیں دے رہا بلکہ محض ادائے قرض کے لئے دے رہا ہے، اور زید کا قرض عمرو پر ہے نہیں، پھر یہ کیونکر اس رقم کو لے سکتا ہے، اور اگر کسی وجہ سے اس وقت عمرو کو نہ سمجھا سکے تو دوسرے وقت کسی حیلہ سے یہ رقم عمرو کو دیدے، واللہ اعلم، وان شئت تفصیل الجواب فاطلب فتوے مفصلۃً بارسال اجرۃ النقل والبرید۔ ۱۲ / رمضان ۴۵ھ ظفر احمد عفا عنہ۔

الجواب، صورتِ مذکورہ میں عمرو زید سے زکوٰۃ دی ہوئی واپس نہیں لے سکتا، مگر بسبب ناراض ہونے و بگڑنے زید کے، عمرو سے زید اس وقت تو لے لے، لیکن کوئی اور چیز خرید کرکے بطور تحفہ و ہدیہ کے عمرو کی تملیک کردے، واللہ اعلم،

اجابہ وکتبہ حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسۂ امینیہ دھلی۔

التفسیر؛ نائب مفتی مدرسۂ امینیہ کا یہ لکھنا کہ "لیکن کوئی چیز خرید کرکے بطور تحفہ و ہدیہ عمرو کی تملیک کردے اھ، یہ صورت ٹھیک نہیں، کیونکہ اس میں اول تو عمرو کی رقم میں تصرف بلا اذن لازم آتا ہے، اور چونکہ وہ رقم زید کے پاس امانت ہوگی اور امانت میں بلا اذن تصرّف کرنا خیانت ہے، اس لئے یہ تصرف جائز نہیں، دوسرے اس رقم سے خرید کر جو چیز عمرو کو دی جاتی ہے وہ جنسِ حق سے نہ ہوگی، بلکہ غیر جنس سے ہوگی، اور غیر جنس سے ادا ءِ حق مختلف فیہ ہے، اس لئے یہ صورت درست نہیں، بلکہ بہتر صورت یہ ہے کہ زید اسی رقم کو دوسرے وقت ہدیہ کے طور پر عمرو کو دیدے، اور یہ کہہ دے کہ میرا جی چاہتا ہے کہ تم کو بچوں کے واسطے کچھ ہدیہ دوں، واللہ اعلم، ظفر احمد ۲۲ / رمضان ۴۷ھ۔

وکیل نے زکوٰۃ کی رقم ہاشمی کو دیدی تو وکیل پر ضمان لازم آئیگا یا نہیں، یا اس کی اطلاع لازم ہی، ضمان لازم نہیں

سوال (۱۴) زید نے بکر کو رقم فدیہ یا زکوٰۃ کے دینے کا وکیل بنایا، اتفاق سے بکر نے اس کو کسی ہاشمی کو دیدیا، اب ظاہر ہے کہ زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، اس صورت میں بکر کو اپنی طرف سے رقم زکوٰۃ کی ادا کرنی چاہئے، یا صرف اس کی اطلاع دہی زید کو لازم ہوگی، اور زید کو وہ رقم پھر سے ادا کرنی چاہئے، اور اگر وہ ہاشمی یہ معلوم کرکے کہ جو رقم مجھ کو دی گئی ہے زکوٰۃ کی ہے، اور قبل معلوم ہونے کے وہ رقم خرچ بھی

ہو چکی ہے تو وہ رقم خود بکر کو دینا چاہتا ہے اپنی طرف سے تو بکر کو وہ رقم لینا اس ہاشمی سے اور پھر اس کو زکوٰۃ میں دوسرے کو دینا زید کی طرف سے جس کا وہ مؤکل ہے جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: اگر بکر کو ہاشمی کا ہاشمی ہونا معلوم نہ تھا نہ اس کا شبہ تھا، یا معلوم تھا مگر مسئلہ معلوم نہ تھا، اس لئے اس کو زکوٰۃ دیدی، تو صورتِ اوّل میں تو زکوٰۃ ادا ہو گئی، اور صورتِ ثانیہ میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، مگر بکر کے ذمہ ضمان بھی نہیں، بلکہ زید کو اطلاع کر دینا کافی ہے، لکون المسئلۃ مختلفاً فیہا فیتعذر بالجہل عنہا ولا یعد متعدیًا، اور اگر ہاشمی ہونا بھی معلوم تھا اور ہاشمی کا مصرف نہ ہونا بھی معلوم تھا تو بکر ضامن ہے، صرف زید کو اطلاع کرنا کافی نہیں، لکونہ خالف امر المؤکل فان التوکیل بصرف الزکوٰۃ وادائہا ینصرف الی اعطائہا محلا قابلاً لہا حتی لو اعطاہا ولدہ ووالدیہ یضمن کذا ہہنا، واللہ اعلم بالصواب۔

اور اگر ہاشمی خوشی سے رقمِ زکوٰۃ واپس کرے لیلی جاوے، ورنہ جبر کا حق نہیں، قال الشامی ولا یسترد منہ لو ظہر انہ عبد او حربی وفی الہاشمی روایتان وھل یطیب لہ فیہ خلاف واذا لم یطب قیل یتصدق وقیل یرد علی المعطی اھ (ص ۱۹ ج ۲) ولکن المختار عندنا عدم الاسترداد من الہاشمی ایضاً لکون روایۃ فی المذہب، فی جواز اعطائہم الزکوٰۃ وھل یطیب لہ المختار عندنا لا بل یرد علی المعطی، واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۴۷ھ۔

سوال (۱۵) ہاشمی کو زکوٰۃ دینا اس روایتِ فقہ کی بناء پر کہ "خمس الخمس نہ ملنے کے وقت ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے" آجکل عمل کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟

ہاشمی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے

الجواب: وہ روایت نوادر سے ہے، ظاہر مذہب کے مقابلہ میں قابلِ عمل نہیں ہے، ضرورتِ شدیدہ کے وقت حیلۂ تملیک کے بعد ہاشمی کی خدمت ہو سکتی ہے، واللہ اعلم۔

سوال (۱۶) آجکل جو سکّہ چاندی کا یہاں رائج ہے اس کا وزن دو روپے بھر ہے، اور قیمت ایک روپیہ چھ آنہ ہے، پس جس کے ذمہ سو روپیہ زکوٰۃ کے واجب ہوں اس کی طرف سے ایک سو پینتالیس روپیہ وزن بھر چاندی زکوٰۃ میں صرف کی گئی، جس میں دو چار شخص بنی ہاشم یا غنی نکل آویں تو بظاہر تو ادائگی زکوٰۃ یقینی معلوم ہوتی ہے؟

بغیر اجازت مزکی غیر مصرف میں زکوٰۃ خرچ کرنے کا حکم

الجواب: بظاہر اس تصرف کی اجازت مزکی سے لینا ضروری ہے، اس کی اجازت بغیر مصرف زکوٰۃ کے علاوہ خرچ کرنا جائز نہیں ہے، اور اگر مصرف سمجھ کر دیا بعد میں غیر مصرف نکل آیا تو زکوٰۃ ادا ہو گئی، رمضان المبارک ۱۳۴۵ھ۔

مدارس عربیہ میں زکوٰۃ دینے کے متعلق ایک استفتاء مشتمل بر چند سوالات

سوال (۱۷) جو لوگ مدارس اسلامیہ کو چندہ مدّ زکوٰۃ سے دیتے ہیں اُن کا مقصد تو صرف یہ ہوتا ہے کہ ادائگی زکوٰۃ سے وہ عند اللہ بریٔ الذمہ ہو جاویں، مدرسہ کی امداد اس سے ہو جائے یا نہ ہو قواعد مدرسہ کے موافق ہو تو فبہا ورنہ ان کو تو اپنی بریٔ الذمگی عند اللہ مقصود ہے، اگر اس کے ساتھ دوسرا دینی فائدہ یعنی امدادِ مدرسہ میسّر ہو جائے تو فبہا ورنہ حصول مقصود مقدم، پس مہتمم مدرسہ کا یہ شرط کرنا کہ اگر طالب علم ایسا ہے یا اس قابلیت کا ہے تو ہم وظیفہ دیں گے ورنہ نہیں کہاں تک درست ہے؟

الجواب: مدرسہ میں غیر زکوٰۃ کی رقم داخل کرنے سے تو مدرسہ کی ملک ہو جاتی ہے پس اس کو قواعدِ مدرسہ کے موافق ہی صرف کیا جائے گا، اور قواعد میں امداد کے لئے مناسب شرط لگانا مضائقہ نہیں رکھتا، اور زکوٰۃ کی رقم مدرسہ میں داخل کرنے سے گو ملکِ مدرسہ نہیں ہوتی، مگر مزکّی نے جب اس کو طلبہ کو دینے کا وکیل بنایا ہے تو غیر طلبہ کو دینا جائز نہیں بدون اذن المؤکل، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مہتمم مدرسہ کو مہتمم ہونے کی وجہ سے وکیل بنایا گیا ہے، اس لئے مجلسِ شوریٰ وغیرہ کی تجاویز و قواعد کے خلاف مہتمم کو صرف کرنا جائز نہیں، کیونکہ مدرسہ میں زکوٰۃ داخل کرنا ان تمام شرائط کے ماتحت وکیل بنانا ہے جو قواعدِ مدرسہ کے لحاظ سے مہتمم کے ذمہ عائد ہوں، واللہ اعلم۔

سوال: اگر طالب علم غنی یا کم محنت یا بد خلق یا لعّاب ہے مگر مسکین مصرفِ زکوٰۃ ہے تو مہتمم مدرسہ کو باوجود وکیل ادائے زکوٰۃ ہونے کے ایسے طالب علم کی امداد نہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، مدرسہ سے زکوٰۃ دینے کے لئے صرف مصرفِ زکوٰۃ ہونا کافی نہیں بلکہ قواعدِ مدرسہ سے استحقاق ہونے کی بھی ضرورت ہے، اور بدونِ استحقاق کے اگر مہتمم اپنی مصلحت سے دے تو جائز نہیں، اور مدرسے کی تعلیمی مصلحت سے دے تو جائز ہے جب کہ طالب علم مصرفِ زکوٰۃ ہے،

سوال: زکوٰۃ دینے والے شخص کو جب کہ معلوم ہے کہ مثلاً زید مصرفِ زکوٰۃ اور مستحق ہے مگر وہ زید کو دینے سے منع کر کے عمرو کو دلا دے تو کیا حکم ہے، خصوصاً اس صورت میں کہ عمرو میں کوئی وجہ ترجیح نہیں ہے؟

الجواب: چونکہ زکوٰۃ کی رقم صرف ہونے سے پہلے پہلے معطی کی ملک ہے لہٰذا اس کو یہ حق حاصل ہے کہ کسی خاص شخص کے دینے سے منع کر دے۔

سوال: زکوٰۃ دینے والے کے وکیل یعنی مہتمم مدرسہ کو اپنے قواعد ممہدہ یا مصالحِ مدرسہ کی بناء پر رقمِ زکوٰۃ کو روک روک کر خرچ کرنا یعنی دو دو تین تین برس تک مؤخر کرنا کہاں تک درست ہے، اور ایسی صورت میں مؤکل کی زکوٰۃ وکیل کے قبضہ کرنے کے ساتھ ہی ادا ہو گئی، یا جب وکیل مصرفِ زکوٰۃ میں خرچ کرے گا اس وقت ادا ہو گی؟

الجواب: جب وکیل مصرف میں خرچ کرے گا ادائے زکوٰۃ کا حکم اُس وقت کیا جائیگا اور جب مؤکل کی تاخیر میں کوئی مصلحت نہ ہو تو پھر دیر کرنا ٹھیک نہیں، اس لئے بہترین صورت یہ ہے کہ وکیل اُسی وقت زکوٰۃ ادا کر دے، اور اگر مدرسہ کی ضرورت سے رکھنا پڑے تو اسی وقت حیلۂ تملیک کر کے مدرسہ میں داخل کرے، تاکہ زکوٰۃ فوراً ادا ہو جائے، اور مدرسہ کی مصلحت بھی فوت نہ ہو، نیز اس تاخیر میں اور بھی خرابیاں ہیں، اس لئے یہ صورت کر لینا نہایت ضروری ہے۔

سوال: جس شخص کے ذمہ سو روپے زکوٰۃ کے واجب الادا تھے، اس نے سو روپیہ کا نوٹ مہتمم مدرسہ کو دیا، کہ یہ مد زکوٰۃ کے ہیں، مہتمم مدرسہ اس کو سونے کے ساتھ بدلے گا کیونکہ چاندی کے ساتھ بدلنے میں ربوا واقع ہوتا ہے، اب یہ سونا جو اس نوٹ کے عوض میں آیا ہے اُس شخص کی واجب الاداء زکوٰۃ ہے، یا وہی سو روپیہ بھر چاندی، اور جبکہ پھر اس سونے کو چاندی کے دوسرے مصرف میں خرچ کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: جس طرح نوٹ کے عوض زائد چاندی لینا جائز نہیں بوجہ لزوم ربا الفضل، اسی طرح بوجہ تقابض متحقق نہ ہونے کے نوٹ سے سونا لینے میں بھی ربا ہے، یعنی ربا النسیئہ کما ھو مصرح فی العالمگیریۃ وعن الکافی ونصہ علی المحیل دراھم ودین المحیل دنانیر فاحال علی ان یعطیہ الدنانیر او علی ان یعطیہ دراھم من الدنانیر التی علیہ بطلت اھ، پس نوٹ کے عوض روپیہ ہی لینا چاہئے،

پھر اگر چاہیں تو روپیوں سے سونا لے لیا جاوے، اور اگر ابتداءً ہی سونا لینا مقصود ہو اور معطی کی طرف سے اس کی اجازت بھی ہو تو یہ حیلہ ہو سکتا ہے، کہ صراف سے مثلاً سو روپے قرض لے لے پھر ان روپیوں سے سونا خرید لے، اور نوٹ خواہ سونا خریدنے سے پیشتر یا بعد صراف کو ادائے قرض میں دیدے، اور سوال ہذا کے جزوِ اوّل کے متعلق پیشتر معروض ہو چکا ہے کہ یہ تصرف بدونِ اذن معطی جائز نہیں، واللہ اعلم۔

سوال: چندہ دینے والے جبکہ ہر طرح سے مہتمم کو وکیل و مفوض صراحتاً یا دلالۃً قرار دیتے ہیں، تو پھر جزئیاتِ واقعہ کی صحت کے واسطے ان کے استخراج کی ضرورت ہے یا نہیں؟

الجواب: کوئی حاجت نہیں۔

السوال: مدرس کو اس کی تنخواہ معینہ کے علاوہ مہتمم مدرسہ اس کے مصرفِ زکوٰۃ ہونے کی صورت میں مدِ زکوٰۃ سے اس کی امداد کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر مدرسہ میں محض اعانتِ مساکین کی مد نہ ہو جیسا کہ عام طور سے یہاں کے مدارس میں نہیں ہے، تب تو یہ امدادِ مدرس جائز نہیں، اور اگر کوئی مدِ اعانت مساکین وغیرہ کی موجود ہو تو جائز ہے۔

السوال: جبکہ مہتمم مدرسہ کے پاس مدِ زکوٰۃ کی رقم مصرفِ زکوٰۃ میں خرچ کرنے کے واسطے موجود ہے، اور یہ بھی بدیہی اور واضح ہے کہ صاحبِ زکوٰۃ کو ادائگی زکوٰۃ سے سبکدوش ہونا اہم ہے، پس طلبا، یا مدرسین و متعلقینِ مدرسہ کے علاوہ شخص مستحق مصرفِ زکوٰۃ موجود ہونے پر مہتمم کو اس کی اعانت نہ کرنے کا استحقاق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب: اس کی اعانت کرنے کا استحقاق نہیں ہے، الّا آنکہ محض مساکین کی اعانت کی مد موجود ہو، کما مرّ۔

السوال: اپنے مؤکل سے اجازت حاصل کرنا تو اس وجہ سے غیر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ایسے مؤکل کا اہم مقصد ادائگی زکوٰۃ ہے نہ کہ تخصیص زید یا عمرو، البتہ استفادہ اعانۃ امر دینی آخر کو اولیٰ و انسب سمجھتا ہے۔

الجواب: پیشتر لکھا گیا ہے کہ جو رقم زکوٰۃ مدرسہ میں اعانتِ طلبہ کے لئے داخل ہوگی قواعدِ مدرسہ کے خلاف صرف نہیں ہو سکتی، لکون الوکالۃ مقیدۃ۔

سوال: مدارس اسلامیہ میں اکثر ہر طرح کی رقوم مخلوط ہوا کرتی ہیں، البتہ ان کا حساب کتاب دفتروں میں ممیز و مہذب ہوتا ہے، پس اسی قدر ادائے زکوٰۃ کے واسطے کافی ہے، یا کسی اور احتیاط کی بھی ضرورت ہے؟

الجواب: رقوم کا خلط کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ خود زکوٰۃ کی رقمیں جو کئی شخصوں نے دی ہوں ان کو بھی یکجا مخلوط کر دینا جائز نہیں ہے، اور خلط کی صورت میں وکیل ضامن ہو جاتا ہے، اور وکالت ختم ہو چکی، لہٰذا جب تک صریحاً یا دلالۃً ادا کا امر دوبارہ نہ پایا جائے اس وقت تک اس کا ادا کرنا کافی نہیں ہے، البتہ اگر خلط عام طور پر مروّج ہو اور دافع کو بھی اس کا علم ہے تو پھر خلط اور بعد خلط ادا کی گنجائش نکل سکتی ہے بشرطیکہ رقومِ زکوٰۃ ہی کو باہم مخلوط کیا جائے، غیر زکوٰۃ کی رقوم زکوٰۃ کی رقوم سے مخلوط نہ ہوں، کہ اس کی گنجائش نہیں۔

سوال: وکیل ادائے زکوٰۃ کے پاس جبکہ زکوٰۃ واجبہ اور صدقاتِ نافلہ ہر طرح کی رقوم کا مجموعہ مخلوط موجود ہے، اور وہ بلا تمیز و تعیین مصرفِ زکوٰۃ وغیر مصرفِ زکوٰۃ پر خرچ کر رہا ہے، مگر ظنِ غالب ہے کہ زکوٰۃ واجبہ کی مقدار مصرفِ زکوٰۃ ہی میں خرچ ہوئی ہے البتہ تحقیق و تمیز تام حاصل ہونا مشکل ہونے کی وجہ سے متروک ہو رہا ہے، تو ایسی صورت میں توسّع کی گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ خلط جائز نہیں، کما مر، اور مکمل حساب کرنا ضروری ہے، اور آئندہ رقوم جداگانہ رکھنا لازم ہے، جب سبیل یقینی یعنی حساب لکھا ہوا موجود ہے تو میزانوں کی دشواری ایسی چیز نہیں جس کے باعث غلبۂ ظن کو کافی سمجھا جائے۔

السوال: اطفال کو اگر ماہوار رقم مدِ زکوٰۃ سے دی جائے اور ان پر لازم قرار دیا جائے کہ وہ اس رقم سے اپنی ضروریاتِ تعلیم کاغذ قلم دوات وغیرہ خریدیں، تو یہ شرط تملیک لازمہ میں تو مخل نہیں ہوگی؟

الجواب: کچھ مخل نہیں۔

السوال: جو روپیہ مدِ زکوٰۃ کا لوگ مدرسۂ اسلامیہ میں علومِ دینیہ حاصل کرنے والے طلبہ کے واسطے دیتے ہیں، اگر ان طلبہ کو آدھے دن علومِ دینیہ و دنیویہ مثل حساب وغیرہ کیلئے مختص کر کر بقیہ آدھے دن میں صنعت و حرفت طلبہ کو سکھلائی جائے اور اس حالت بمقابلہ تعلیم صنعت و حرفت اُن

اطفال کی امداد زکوٰۃ سے کی جائے گی تو ادائگی زکوٰۃ میں تو کوئی حرج واقع نہ ہوگا ؟

الجواب : مصرفِ زکوٰۃ کے واسطے تعلیم دین بلکہ مطلق تعلیم بھی شرط نہیں ہے۔ پس اگر کسی کام کے واسطے چندہ دیا جاوے تو زکوٰۃ ادا ہو جاوے گی، لیکن جو چندہ تعلیم دینی کے لئے آیا ہو اس کو خرچ نہیں کر سکتے۔

سوال : زمانہ تعلیم صنعت و حرفت میں جو کام سیکھنے والے طلبا صاحب معمل کا کرتے ہیں اُس کی اجرت کا استحقاق ان طلباء کو ہی یا نہیں ؟ اور اگر صاحب معمل اپنی شرائط کی بناء پر کوئی اجرت نہ دے تو وہ عنداللہ مسئول ہوگا یا نہیں ؟

الجواب : جب اس کے شرائط میں ہی کہ اجرت نہ ملے گی تو طلبہ کو اجرت کا کوئی استحقاق نہیں، اجرت جب واجب ہوتی ہی کہ عقدِ اجارہ کیا گیا ہو، پس بلا اجارہ بلکہ تصریح عدم اجارہ میں اجرت کا حق کیسے ہو سکتا ہے ؟

سوال : انعام میں مدِ زکوٰۃ کی رقم سے کتب یا دیگر ضروریاتِ تعلیم مثل قلم، دوات کاغذ وغیرہ خرید کر طلباء کو دینا، محتاج حیلۂ شرعی کا ہے یا نہیں ؟

الجواب : رقمِ زکوٰۃ سے اشیاء خریدنے کے بعد وہ اشیاء مصرفِ زکوٰۃ کو تملیکاً دیدینا کافی ہے، خرید سے پیشتر حیلہ کی حاجت نہیں، مگر معطی زکوٰۃ کا اذن شرط ہے۔

سوال : شریعت نے جو شروط مصرفِ زکوٰۃ ہونے کے ملحوظ فرمائے ہیں ان سے تجاوز کر کے مہتمم مدرسہ کا اپنے مدرسہ کے بعض شرائط کا لحاظ کرنا تجاوز عن حدود اللہ تو نہیں شمار ہوگا، کیونکہ مبنیٰ ان شروطِ زائدہ کا محض مصلحت دینی ہے، نہ غرض ذاتی، والمجتہد یخطی ویصیب ؟

الجواب : تجاوز عن الحدود تو یہ ہے کہ غیر مصرف کو دیدے، اور جو لوگ مصرف ہیں ان میں سے بعض کو دینا، بعض کو نہ دینا اگر بدون وجہ ترجیح محض اپنی رائے سے بھی ہو تب بھی مضائقہ نہیں، اور جب ترجیح کی وجہ ہو تو پھر کوئی شبہ ہی نہیں ہو سکتا۔

سوال : جو صورت کہ تملیک لفظی وصوری قرار دی گئی، اس میں اگر مملک احکام و مسائل سے واقف ہو مگر رغبۃً فی اللہ کوئی بات اس پر گراں نہیں ہوتی تو یہ تملیک حقیقی متصور ہوگی یا نہیں ؟

الجواب : اس حیلۂ معروفہ کو محض لفظی تملیک تو اس بناء پر قرار دیا گیا ہے کہ

دینے والے کی نیت تملیک کی نہیں ہوتی، بلکہ وہ صرف ہیر پھیر کا قصد کرتا ہے، اور مملک لہ کے اخلاص سے یہ محذور مرتفع نہیں ہوسکتا، کما لا یخفی۔

سوال: وکیل کے قبضہ کرنے اور اپنے مال میں ملا لینے سے رقم مؤکل کے قبضہ سے نکل جاتی ہے، یا باقی رہتی ہے، غالب گمان ہے کہ نکل جاتی ہے، اور اس حالت میں وکیل مدیون شمار ہوتا ہے، ایسی حالت میں وکیل کو کن امور کی احتیاط اشد ضروری ہے؟

الجواب: بیشک اس صورت میں وکیل مدیون ہے، لیکن پیشتر گذر چکا ہے کہ بعد خلط وکیل کو بلا اذن مستقل (صراحۃً یا دلالۃً) ادائے زکوٰۃ کا اختیار نہیں، پس مؤکل سے دوبارہ اذن لے لینا چاہئے، حررہ احقر عبدالکریم عفی عنہ رمضان المبارک ۴۸ھ

الاجوبۃ کلہا صحیحۃ، ظفر احمد، ۵ رمضان ۴۸ھ۔

وصیت بالتصدق اور اغنیاء کے لئے ایسے صدقہ کا حکم

سوال (۱۸) ایک شخص نے کہا کہ پچاس من غلہ خیرات کردو، اس کے خدام نے کہا کہ کل کردیں گے، اس پر اس نے کہا کہ اگر میں زندہ نہ رہا تو تم خیرات کردینا، بعد ازاں وہ شخص اسی روز فوت ہوگیا ہے، اب سوال یہ ہے کہ اس صدقہ میں سے غنی صاحب نصاب کو دینا اور لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جائز نہیں ہے، بلکہ صرف فقراء کو دیا جاوے، لما فی الدر المختار (وھی) (الوصیۃ المطلقۃ) کقولہ ھذا القدر من مالی اوثلث من مالی وصیۃ (لا تحل للغنی) لانھا صدقۃ وھی علی الغنی حرام (وان عممت کقولہ یاکل منھا الغنی والفقیر) لان اکل الغنی منھا انما یصح بطریق التملیک والتملیک انما یصح لمعین والغنی لا یتعین ولا یحصی (ولو خصصت) الوصیۃ (بہ) ای بالغنی کقولہ ھذا القدر من مالی وصیۃ لزید وھو غنی (اوللقوم) اغنیاء (محصورین حلت لھم) لصحۃ تملیکھم قال الشامی تحت قولہ (علی الغنی حرام) ولا یمکن جعلھا ھبۃ لہ بعد موت الموصی بخلاف الصدقۃ علیہ حالا فانھا تجعل ھبۃ لما قالوا ان الصدقۃ علی الغنی ھبۃ والھبۃ للفقیر صدقۃ ط (ج ۵ ص ۸۴)۔

۲۹ رجب ۵۰ھ۔

صاحب نصاب کے لئے زکوٰۃ صدقہ فطر اور عشر وغیرہ لینے کا حکم

سوال (۱۹) ایں عاصی را از مطالعۂ کتب مفہوم گردید کہ ملکیت مبلغ پنجاہ و پنج روپیہ کلدار مانع

از اخذ زکوٰۃ وعُشر غلّہ وصدقہ فطرمی شود فیاضا درین دیار باماماں مساجد حصول ایںہا از اہلِ محلّہ عرفاجاریست دیگر ہیچ تنخواہ وغیرہ معین است وایں راقم نیز بدیں معاملہ گرفتار است وتااندازِ نصاب مذکور زیور ویا نقدی درملکیت خود موجود میدارد برائے حوائج خوانگی از معالجہ بیماری یا برائے تجہیز وتکفین میت از حد ضرورت است بلکہ باندازِ نصابِ شرعی کاریک مہم نیز بسر انجامی کافی نمیشود وبر سرِ ضرورت قرضہ ہم میسّر نمیشود، پس ازیں قدر مایہ داری لابدی است، دریں امراز روئے شرع شریف بصورت اگر بنظرِ فیض اثر بظہور آید تحریر کنند کہ بریں عامل شدہ نجات اخروی یابیم دیگر ہیچ حصول درکارِ امامت میسر نمی شود عنداللہ علاج کافی ونسخہ شافی ارشاد فرمایند؟

الجواب: قال فی البحر یجوز دفع الزکوٰۃ الی من یملک ما دون النصاب او قدر نصاب غیر نام وہو مستغرق فی الحاجۃ اھ (ص ۲۴۰ ج ۲) لاریب کہ دفع زکوٰۃ ہر کسے راکہ مالکِ نصابِ نامی باشد یا مالکِ نصاب غیر نامی فاضل از حاجتِ اصلیہ باشد روانیست و اورا اخذ زکوٰۃ ہم جائز نیست، پس ایں چنیں کساں را اخذ زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ نشاید، مگر آنکہ نصابِ نامی را ملک زوجات یا اولادِ خود نمایند ونصاب غیر نامی را مستغرق حاجت سازند مثلاً بعوض آں غلّہ برائے خوردن خرید کنند کہ از حوائج اصلیہ ہست، واللہ تعالیٰ اعلم۔

وبعد ازاں نیز اخذ زکوٰۃ وعشر وصدقۂ فطر بعوض خدمتِ امامت روانیست وزکوٰۃ و عشر وصدقۂ فطر از ذمہ اداکنندہ ساقط نخواہد شد، زیراکہ در صدقاتِ واجبہ تملیک فقیر بلا عوض واجب است وامام مسجد اگر صاحبِ نصاب ہم نہ باشد چوں عوض عمل می گیرد اورا از زکوٰۃ وعشر وغیرہ دادن بعوض امامت ہرگز روانیست، ولاحیلۃ لجواز ذلک اصلاً۔

۹ر محرم الحرام ۴۹ھ۔

جس کی ماں جولاہن اور باپ سیّد ہو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟

سوال (۳۰) ایک لڑکی جس کا باپ سیّد اور ماں جولاہن ہے، یہ لڑکی یتیم ہے، صاحبِ نصاب نہیں، بیمار ہے، کیا اس کی مدد مدِّ زکوٰۃ سے کی جاسکتی ہے؟

الجواب: نسب میں شرعاً باپ کا اعتبار ہے، ماں کا اعتبار نہیں۔ پس یہ لڑکی سیّد زادی ہے، اس کو زکوٰۃ کی رقم بجنسہٖ نہ دی جائے، بلکہ یہ حیلہ کیا جائے کہ ایک غریب سے جو سیّد نہ کہا جائے کہ تم اپنے پاس سے یا کسی سے قرض لے کر اس سیّد زادی کی اتنی روپیہ سے

امداد کر دو تم کو ثواب ہوگا اور ہم تم کو اسی قدر رقم اپنے پاس سے دیدیں گے، پس دنیا میں تمہارا نقصان نہیں اور آخرت میں ثواب ہوگا، جب وہ غریب اس سیّدزادی کی امداد اپنے پاس سے یا قرض لے کر کر دے، تو اس کو اُس کے بعد زکوٰۃ کی رقم دیدی جائے کہ اس سے تم اپنا قرض ادا کر دو یا اپنی رقم کی تلافی کر لو، اس صورت میں سیدزادی کی امداد بھی ہو جائے گی، اور زکوٰۃ ادا ہونے میں شبہ بھی نہ رہے گا، گو بعض علماء نے آجکل سیّدوں کو زکوٰۃ دینا ایک روایت کی بناء پر جائز کر دیا ہے، مگر احتیاط کے خلاف ہے، کہ فرض کو اختلافِ روایت میں ڈالا جائے، خصوصاً جبکہ حیلہ باسانی ہو سکتا ہے، واللہ اعلم، ۲۷ر محرم ۴۹ھ۔

کمپنی، اُس کے شیئرز اور مشترک اموالِ تجارت کی زکوٰۃ:

ریلوے کمپنی کے حصص پر وجوبِ زکوٰۃ کا حکم

سوال (۱) زید نے ریلوے کمپنی کے حصص خریدے اور ٹرام کے بھی خریدے، اور مذکورہ دونوں کمپنیاں کرایہ کا کام کرتی ہیں تو جس قدر روپے سے حصص خریدے ہوں، مثلاً ۲۰۰۰ دو ہزار کو خریدے ہوں۔ تو دو ہزار پر زکوٰۃ واجب ہوگی، یا اس کی آمدنی پر واجب ہوگی؟

الجواب: ریلوے کمپنی وغیرہ کو جو روپیہ دیا جاتا ہے اور اس سے حصص خریدے جاتے ہیں بظاہر اس کی حقیقت یہ ہے کہ کمپنی کو یہ روپیہ قرض دے کر ریلوے کے کارخانہ میں یہ شخص شریک ہو جاتا ہے، اور ریلوے اُس روپے کو اپنے کام میں لگا لیتی ہے، اس صورت میں دو ہزار کی رقم جو سائل نے ریلوے کمپنی وغیرہ کو دی ہے، اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اس کے منافع پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی، کذا فی حوادث الفتاوی لشیخنا، ص ۲۹ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۰ر رمضان ۴۶ھ۔

کتاب الصوم

افطار میں جلدی کرنا

سوال (۱) الحمد للہ والسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، علماء دیارنا درتعیین وقت افطار وصلوٰۃ مغرب مختلف دو فریق شدند، فریق اوّل بمجرد غروب آفتاب از افق حسی وظہور ظلام شرقی حکم بافطار صوم وصلوٰۃ مغرب می کنند بحجت دلائل ذیل حدیث اذا اقبل اللیل من ھھنا وادبر النھار من ھھنا فقد افطر الصائم وقول امام محمدؒ فی الموطا: تعجیل الافطار افضل من تاخیرھا وھو قول ابی حنیفۃؒ والعامۃ، قال شارح الموطأ قولہ "والعامۃ" ای جمہور اھل السنۃ وبکثرۃ احادیث، دیگر در تاکید تعجیل مغرب واجتناب از تاخیر آں حسب عمل ابن عمرؓ اخر الصلوٰۃ یومًا الی ان بدا نجم فاعتق رقبتہ کما ذکر فی فتح القدیر ودیگر حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کہ امتِ من بخیر باشند مادامیکہ درصلوٰۃ مغرب تاخیر نکنند، فریق ثانی بعد زوال حمرۃ شرقی وبلند شدن سوادِ شرقی تا نصف سما حکم بافطار وغیرہ می نمایند بدلائل ذیل احتجوا بما رواہ النسائی والطحاوی عن ابی بصرۃ الغفاریؓ قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ العصر بالمخمص فقال: ان ھذہ الصلوٰۃ عرضت علی من کان قبلکم وضیعوھا فمن حافظ علیھا منکم اوتی اجرہ مرتین ولا صلوٰۃ بعدھا حتی یطلع الشاھد، والشاھد النجم فقالوا طلوع النجم ھو اوّل وقتھا قال الطحاوی وما حاصلہ یتحمل ان یکون الشاھد ھو اللیل، وعلمائے خطۂ پشاور وسرحد داماں برایں متفق شدند کہ ازیں حدیث درضمن لفظ شاہد اختلاف واقع شدہ بعضے از شاہد نجم مراد گرفتہ وبعضے لیل، پس بنا برقاعدۂ اصول عمل باحتیاط کردہ ومعنی شاہد کہ نجم است عمل را برآں قرار دادہ اند واز ہر دو فریق دربارۂ مدعاءِ خویش رسائل اشاعت یافتہ پس ایں لاشئ از مطالعہ ہر دو رسائل ازجہت کم علمی ونافہمی درتلاطم تحیر وتفکر غوطہ زن ماندہ لہٰذا بخدمت عالی التماس است کہ از اقوال ودلائل فریقین ہرکدام بسند قوی وبآثار نبوی وصحابۂ کرام مستند باشد بدلائل کتب معتبرہ تسطیر نمودہ باحقر روانہ فرمایند کہ باحجت دلائل کتب جواب مخاصم ازاں کردہ شود وبلاسند کتب غیر قبول ونامسموع مخاصم باشد

وبلدہ سکونتی ایں مہجور در موضعی است کہ مغرباً آں جا فاصلہ شش میل جبل واقع است، پس دریں جا چگونہ صورت مغرب باشد؟

الجواب: قال العلامۃ الشامی: والمراد بالغروب زمان غیبوبۃ جرم الشمس بحیث تظہر الظلمۃ فی جہۃ الشرق، وقال صلی اللہ علیہ وسلم "اذا اقبل اللیل من ھھنا فقد افطر الصائم" ای اذا وجدت الظلمۃ حسا فی جہۃ المشرق فقد ظہر وقت الفطر او صار مفطرا فی الحکم لان اللیل لیس ظرفا للصوم وانما ادی بصورۃ الاخبار ترغیبا فی تعجیل الافطار، کما فی فتح الباری اھ ص ۱۳۹ ج ۲ قال الحافظ ابن حجر فی الفتح تحت حدیث ابن ابی اوفی: قال: کنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر فلما غابت الشمس قال لبعض القوم: یا فلان قم فاجدح لنا فقال یا رسول اللہ لو امسیت قال انزل فاجدح لنا قال ان علیک نہارا قال انزل فاجدح لنا الحدیث ما نصہ وفی الحدیث ایضا استحباب تعجیل الفطر وانہ لا یجب امساک جزء من اللیل مطلقا بل متی تحقق غروب الشمس حصل الفطر اھ وقال تحت حدیث سہل بن سعد رض ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یزال الناس بخیر ما عجلوا الفطر ما نصہ زاد ابو ھریرۃ رض فی حدیثہ "لان الیہود والنصاری یؤخرون" اخرجہ ابوداؤد وابن خزیمۃ رح وغیرھما وتاخیر اھل الکتاب لہ امد وھو ظہور النجم وقد روی ابن حبان والحاکم من حدیث سہل ایضا بلفظ لا تزال امتی علی سنتی ما لم تنتظر بفطرھا النجوم الی ان قال: قال ابن دقیق العید: فی ھذا الحدیث رد علی الشیعۃ فی تاخیرھم الفطر الی ظہور النجوم الخ ص ۱۲۳ ج ۲-

وفی رد المحتار: ان ظاہر مذہب اصحابنا جواز الافطار بالتحری کما نقلہ فی المعراج عن شمس الائمۃ السرخسی "لان التحری تفید غلبۃ الظن وھی کالیقین کما تقدم فلو لم یتحر لا یحل لہ الفطر لان الاصل بقاء النہار اھ وفی البحر من البزازیۃ: لا یفطر ما لم یغلب علی ظنہ الغروب وان اذن المؤذن اھ ص ۱۷۰ ج ۲ -

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ غروب آفتاب کے تحقق کے بعد معاً افطار و نماز

جائز ہے، بلکہ تعجیل فی الافطار مستحب ہے، بشرطیکہ ظنِ غالب غروب کا ہو جاوے، اور سائل کو تحری و غلبۂ ظن سے افطار کرنا چاہیے، باقی طحاوی و نسائی کی روایت اِن احادیث سے متعارض نہیں کیونکہ ایک دو ستارہ غروب کے ساتھ ہی طلوع ہو جاتا ہے، البتہ اشتباکِ نجوم غروب کے بعد دیر میں ہوتا ہے، اور اشتباکِ نجوم کا انتظار مکروہ ہے، ۲۰ رجب ۱۳۴۱ھ۔

حکم صوم یوم الشک

سوال (۲) ما قولکم رحمکم اللہ فی صوم یوم الشک وما الراجح فیہ عندکم۔

الجواب: قلت اخرج الشیخان وغیرهما عن ابی هریرة رضی اللہ عنه عن النبی صلی اللہ علیه وسلم انه قال: لایتقدمن احدکم رمضان بصوم یوم او یومین الا ان یکون رجل کان یصوم صوماً فلیصم ذلك الیوم۔ و للترمذی واحمد بلفظ: الا ان یوافق ذلك صوماً کان یصومه احدکم اھ قال الحافظ ابن حجر: قال العلماء معنی الحدیث لا تستقبلوا رمضان بصیام علی نیة الاحتیاط لرمضان، ای لایتقدم رمضان بصوم یوم یعد منه بقصد الاحتیاط له فان صومه مرتبط بالرؤیة فلا حاجة الی التکلف، و (قیل) الحکمة فیه التقوی بالفطر لرمضان لیدخل فیه بقوة ونشاط وهذا فیه نظر لان مقتضی الحدیث انه لو تقدمه لصیام ثلاثة ایام او اربعة جاز وسنذکر ما فیه قریباً وقیل الحکمة فیه خشیة اختلاط النفل بالفرض وفیه نظر ایضاً لانه یجوز لمن له عادة کما فی الحدیث وقیل لان الحکم علی رمضان بالرؤیة فمن تقدمه بیوم او یومین فقد حاول الطعن فی هذا الحکم، وهذا هو المعتمد، ومعنی الاستثناء ان من کان له ورد فقد اذن له فیه لانه اعتاده والفه وترك المالوف شدید ولیس ذلك من استقبال رمضان فی شیء، وفیه رد علی من یری بتقدیم الصوم علی الرؤیة کالرافضة ورد علی من قال بجواز النفل المطلق وابعد من قال المراد بالنهی التقدم بنیة رمضان و استدل بلفظ التقدم لان التقدم علی الشیء بالشیء انما یتحقق اذا کان من جنسه فعلی هذا یجوز الصیام بنیة النفل المطلق لکن السیاق یابی هذا التاویل ویدفعه وفیه منع انشاء الصوم قبل رمضان اذا کان لاجل الاحتیاط اھ (ص ۱۱۰ ج ۴) ملخصاً۔

واخرج الترمذی عن عمار بن یاسر: من صام الیوم الذی یشک فیہ فقد عصی ابا القاسم صلی اللہ علیہ وسلم، وقال: حسن صحیح والعمل علی ھذا عند اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومن بعدھم کرھوا ان یصوم الرجل الیوم الذی یشک فیہ اھ (ص ۹۱ ج ۱) قلت: واخرجہ البخاری تعلیقا ووصلہ اصحاب السنن الاربعۃ واخرجہ ایضًا ابن خزیمۃ وابن حبان والحاکم وقال: صحیح علی شرطھما ولم یخرجاہ کذا فی العمدۃ للعینی (ص ۱۹۰ و ۱۹۱ ج ۵) قلت: ولا یخفی انہ موقوف فی حکم المرفوع قال العینی: ان فیہ تفصیلا واختلافا للعلماء فذھب داؤد الی انہ لا یصح صومہ اصلا ولو وافق عادۃ لہ۔ وذھبت طائفۃ الی انہ لا یجوز ان یصام اٰخر یوم من شعبان تطوعًا الا ان یوافق صوما کان یصومہ واخذوا بظاھر ھذا الحدیث روی ذلک عن عمر بن الخطابؓ وعلیؓ وعمارؓ وحذیفۃؓ وابن مسعودؓ ومن التابعین سعید بن المسیبؒ والشعبیؒ والنخعیؒ والحسنؒ وابن سیرینؒ وھو قول الشافعیؒ وکان ابن عباسؓ وابوھریرۃؓ یامران ان یفصل یوم او یومین کما استحبوا ان یفصلوا بین الصلوٰۃ الفریضۃ والنافلۃ بکلام او قیام او تقدم او تأخر وقال عکرمۃؓ من صام یوم الشک فقد عصی اللہ ورسولہ واجازت طائفۃ صومہ تطوعًا وھو قول اللیثؒ والاوزاعیؒ وابی حنیفۃؒ واحمدؒ واسحٰقؒ روی عن عائشۃؓ واسماءؓ اختھا: انھما کانتا تصومان یوم الشک اھ (ص ۲۰۰ و ۲۰۱ ج ۵) ملخصًا، وقال فی الھدایۃ: والمراد بقولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تتقدموا رمضان بصوم یوم ولا بصوم یومین الحدیث۔ التقدم بصوم رمضان لانہ یؤدیہ قبل اوانہ ثم ان وافق صومًا کان یصومہ فالصوم افضل بالاجماع وکذا اذا صام ثلثۃ ایام من اٰخر الشھر فصاعدًا وان افردہ (ای یوم الشک) فقد قیل الفطر افضل احترازًا عن ظاھر النھی (والقائل الفقیہ محمد بن مسلمۃ کذا فی العنایۃ) وقد قیل الصوم افضل اقتداءً بعلیؓ وعائشۃؓ رضی اللہ عنھما فانھما کانا یصومانہ والمختار ان یصوم المفتی بنفسہ اخذا بالاحتیاط اھ (مع فتح القدیر ص ۲۴۷ ج ۲) قلت: اما تاویل صاحب الھدایہ فی معنی الحدیث فما ابعدہ من السیاق کما قالہ

الحافظ ابن حجر واما استدلالهم بفعل علیؓ فلا یصح فان مذهب علیؓ خلاف ذلک کما مر عن العینیؒ وصرح به فی فتح القدیر نقلاً عن الغایة واما بفعل عائشةؓ فلا یستقیم ایضاً لان المنقول من قولها انها قالت لان اصوم یوماً من شعبان احب الیّ من ان افطر یوماً من رمضان کما فی الفتح وذکره العینی ایضاً وصوم یوم الشک بنیة کذلک لایجیزه اصحابنا قال العلامة ابن الهمامؒ والاولی فی التمسک علی الافضلیة حدیث السرار اھ (ص ۲۴۷ ج ۲) قلت وحدیث السرار ما اخرجه الشیخان انه صلی اللہ علیہ وسلم قال لرجل هل صمت من سرر شعبان قال لا قال فاذا افطرت فصم یوماً مکانه وفی لفظ فصم یوماً او سرر الشهر اخره کذا ذکره ابن الهمام فی الفتح ایضاً (ص ۲۴۵ ج ۲) قلت ولایخفی ما فیه فانه یمکن حمل حدیث السرر علی صوم کان یعتاده الرجل وبعد ذلک فلا منافاة بینه وبین حدیث النهی عن التقدم علی رمضان ذکره الحافظ ابن حجرؒ فی الفتح (ص ۲۰۱ ج ۴) وایضاً فقد قیل السرر وسط الشهر حکاه ابوداؤد ورجحه بعضهم ووجهه بان السرر جمع سرة وسرة الشیٔ وسطه، و یؤیده الندب الی صیام البیض وهی وسط الشهر (والندب الی صوم یوم النصف من شعبان خاصة ۱۲) وانه لم یرد فی صیام آخر الشهر (من شعبان) ندب بل ورد فیه نهی خاص اھ قاله الحافظ ایضاً وبالجملة فدلیل من منع عن صوم یوم الشک الا للمعتاد اقوی روایة ودرایةً وماذکره اصحابنا فی تاویل الحدیثین ومن استثناء الخواص عن هذا النهی مجرد تاویل فی معرض النص هذا ولکنی لا افتی علی کراهته للخواص لکونی مقلد اللامام الاعظم ابی حنیفةؒ واصحابه ولکن الاولی عندی قول محمد بن سلمةؒ من الحنفیة ان افراد یوم الشک بصومه خلاف الاولی والفطر فیه افضل للعوام والخواص جمیعاً خصوصاً وقد قال اصحابنا ان الخروج من خلاف العلماء مستحب وفیه خلاف کما تری واللہ اعلم، ولاسیما فی هذا الزمان فان صوم المفتی والقاضی قلما یخفی علی العامة کما هو مشاهد والحنفیة انما اجازوه للخواص بشرط الاخفاء التام عن العوام کما ذکره فی فتح القدیر (ص ۲۴۷ و ۲۴۸ ج ۲) وان کان الصوم

بشرط الاخفاء ایضاً خلاف الافضل عندی وبه قال محمد بن مسلمۃ من اصحابنا وکفی به لی قدوۃ اذا تأید قوله بالحدیث وتقوی روایۃ ودرایۃ هذا والله تعالیٰ اعلم وعلمه اتم واحکم، ۳۰ رشعبان ۴۳ھ۔

مسجد میں افطار کرنا جائز ہے یا نہیں؟

سوال (۳) مسجد میں روزہ افطار کرنا اس خیال سے کہ اگر افطار کر کے مسجد میں گئے تو جماعت کا کچھ حصہ نہیں ملے گا، افطار سے مطلب یہ ہے کہ افطاری میں کھانا وغیرہ اچھی طرح سے کھالیا جاوے، ورنہ یہ ممکن ہے کہ اگر ایک گھونٹ پانی یا صرف چھوارا وغیرہ کھا کر چلے تو اوّل رکعت میں بخوبی شامل ہو سکتا ہے، اور مسجد والوں سے یہ دشوار ہو کہ وہ اذان و تکبیر میں اس قدر وقفہ کریں کہ گھر کے افطار کرنے والے جماعت کی اوّل رکعت میں شامل ہو جاویں، تو ایسی صورت میں مسجد میں افطار کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب، ایسی حالت میں افطار مسجد میں کیا جاوے، مگر مسجد کی حد کے اندر نہ کھائیں بلکہ باہر کھائیں، اور باہر کوئی جگہ مناسب نہ ہو تو مسجد ہی میں کھالیں، اور کھانے سے کچھ دیر پہلے اعتکاف کی نیت کر کے مسجد میں آجایا کریں، امام محمدؒ کے نزدیک اعتکاف قدر قلیل زمان کا بھی صحیح ہے، قال فی الدر وکرہ اکل ونوم الا لمعتکف الخ قال الشامی فی قوله اکل ونوم الخ واذا اراد ذلك ینبغی ان ینوی الاعتکاف فیدخل ویذکر الله تعالیٰ بقدر ما نوی او یصلی ثم یفعل ماشاء فتاوی هندیۃ (ص ۶۹۱ ج ۱) والله اعلم، غرہ رمضان ۴۵ھ۔

ایضاً ایضاً

سوال (۴) رمضان شریف میں اہل محلہ کا بخوف ترک جماعت نماز مغرب مسجد محلہ میں جمع ہو کر شربت وغیرہ قلیل اشیاء سے روزہ افطار کرنا بلا کراہت جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب، مسجد میں اکل و شرب مکروہ ہے، مگر ضرورت کے وقت بلا کراہت جائز ہے، کالمسافر یباح له النوم فیه اور ترک جماعت کا اندیشہ بھی عذر ہے، اس لئے اگر مسجد سے باہر کوئی جگہ ایسی نہ ہو جہاں افطار کر سکیں تو مسجد ہی میں افطار کر لینا جائز ہے، بشرطیکہ مسجد کو ملوث نہ کیا جاوے، قال علی القاری فی وجه تاخیر عمرؓ و عثمانؓ الافطار عن الصلوٰۃ انهما کانا فی المسجد وکانا غیر معتکفین ورأیا الاکل والشرب لغیر المعتکف مکروهین (فی المسجد) لکن اطلاق احادیث التعجیل ظاهر فی استثناء حال الافطار (ص ۵۱۳ ج ۲) کوئی کپڑا وغیرہ ایسا بچھا لیا جاوے جس سے مسجد کی حفاظت رہے، اور بہتر یہ ہے کہ اس وقت افطار سے کچھ پہلے اعتکاف کی نیت کر کے

مسجد میں داخل ہو، اور امام محمدؒ کے نزدیک اعتکاف ساعت بھی درست ہے، و بہ یفتی، پھر یہ کراہۃ کلیہ مرتفع ہوجاوے گی، واللہ اعلم۔ ۱۷ رمضان ۴۵ھ

تفصیل الآثار فی تعجیل الافطار

سوال (۵) مؤطا امام مالکؒ میں کتاب الصّوم میں ہے:۔

انّ عمر بن الخطابؓ وعثمان بن عفان کانا یصلّیان المغرب حین ینظران الی اللّیل الاسود قبل ان یفطرا ثم یفطران بعد الصّلوٰۃ وذلک فی رمضان۔

اس پر مسوّیٰ میں شاہ ولی اللہ محدثؒ نے کہا ہے وعلیہ اھل العلم انّہ یستحبّ ذلک مالم یقع فی شک الاستثناء التاخیر، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تعجیل فطر پر احادیث کثیرہ موجود خود مؤطا میں یستحب تعجیل الفطر کا ایک باب ہے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ وحضرت عثمان رضی اللہ عنہ تاخیر کیسے فرماتے تھے؟ اور پھر شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس تاخیر کو مستحب لکھدیا، اگر تاخیر کے شبہ میں نہ پڑے، غالباً شاہ صاحبؒ کا منشاء یہ ہے کہ شبہ کی وجہ سے تاخیر نہ کرے، اور بلا شبہ تاخیر کرے تو مستحب ہے، پھر تعجیل فطر کا استحباب کہاں رہا؟

الجواب الملقب بتفصیل الآثار فی تعجیل الافطار:

قال الحافظ فی الفتح قال ابن عبد البر احادیث تعجیل الافطار وتاخیر السّحور صحاح متواترۃ وعند عبد الرّزاق وغیرہ باسناد صحیح عن عمرو بن میمون الاودی قال کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اسرع النّاس افطارًا وابطأھم سحورًا واخرج[2] البخاری عن سھل بن سعد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم قال لایزال النّاس بخیر ماعجلوا الفطر، زاد ابوداؤد فی حدیثہ واخّروا السحور اخرجہ احمدؒ وزاد ابوھریرۃ فی حدیثہ لان الیھود والنّصاریٰ یؤخرون اخرجہ ابوداؤد وابن خزیمۃ وغیرہ وتاخیر اھل الکتاب لہ امد وھو ظھور النجم وقد[3] روی ابن حبان والحاکم من حدیث سھل ایضًا بلفظ لاتزال امّتی علیٰ سنتی مالم تنتظر بفطرھا النجوم۔ قال المھلّب والحکمۃ فی ذلک ان لایزاد فی النھار من اللّیل ولانہ ارفق بالصّائم واقوی لہ علی العبادۃ واتفق العلماء علیٰ انّ محل ذلک اذا تحقق غروب الشمس بالرّؤیۃ او باخبار عدلین وکذا عدل واحد فی الارجح اھ

(ص ۱۷۳ ج ۵) وفیہ دلالۃ علی اتفاق العلماء علی ان التعجیل المذکور فی الحدیث المنوط نفی الخیر بالتاخیر عنہ محلہ ما اذا تحقق الغروب ثم نبہ الحافظ فی الصفحۃ المذکورۃ علی ما حدث فی زمانہ من البدعۃ المنکرۃ من ایقاع الاذان الثانی قبل الفجر بنحو ثلث ساعۃ فی رمضان واطفاء المصابیح التی جعلت علامۃ لتحریم الاکل والشرب علی من یرید الصیام زعما ممن احدثہ انہ للاحتیاط فی العبادۃ وقد جرھم ذلک الی ان صاروا لا یؤذنون الا بعد المغرب بدرجۃ لتمکین الوقت زعموا فاخروا الفطر وعجلوا السحور وخالفوا السنۃ فلذلک قل عنھم الخیر وکثر فیھم الشر واللہ المستعان، (ص ۱۷۳ ج ۴) وھو یدل علی ان التاخیر بدرجۃ بعد تحقق الغروب خلاف السنۃ ایضا وروی مسلم والترمذی والنسائی من روایۃ ابی عطیۃ قال دخلت انا ومسروق علی عائشۃ فقلنا یا ام المؤمنین رجلان من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم احدھما یعجل الافطار ویعجل الصلوٰۃ والاخر یؤخر الافطار ویؤخر الصلوٰۃ قالت ایھما یعجل الافطار ویعجل الصلوٰۃ قلنا عبد اللہ بن مسعودؓ قالت ھکذا کان یصنع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والاخر ابو موسیٰؓ۔

واخرج ابو یعلی فی مسندہ عن انس رضی اللہ عنہ قال ما رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قط صلی صلوٰۃ المغرب حتی یفطر ولو کان علی شربۃ من ماء واسنادہ جید کذا فی العینی علی البخاری (ص ۲۹۲ ج ۵)

واخرج البخاری عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقبل اللیل من ھھنا وادبر النھار من ھھنا وغربت الشمس فقد افطر الصائم اھ وقال ابن خزیمۃ قولہ فقد افطر الصائم لفظ خبر ومعناہ الامر ای فلیفطر الصائم ولو کان المراد فقد صار مفطرا (کما زعمہ بعضھم) لم یکن للترغیب فی تعجیل الافطار معنی وکان فطر جمیع الصوام واحدا کذا فی الفتح ایضا (ص ۱۷۱ ج ۴) وفیہ ایضا فی باب صوم الوصال واحتجوا للتحریم ای تحریم الوصال بقولہ فی الحدیث المتقدم اذا اقبل اللیل من ھھنا فقد افطر الصائم اذ لم یجعل اللیل محلا سوی

الفطر، فالصوم فیہ مخالفۃ لوضعہ کیوم الفطر (ص ۱۷۸ ج ۴)۔
وفیہ ایضاً حدیث بشیر بن الخصاصیۃ اخرجہ احمد والطبرانی وسعید بن منصور وعبد بن حمید وابن ابی حاتم فی تفسیرھما بسند صحیح الی امرأتہ عنہ مرفوعاً صوموا کما امرکم اللہ تعالیٰ اتموا الصیام الی اللیل فاذا کان اللیل فافطروا (ص ۱۷۶ ج ۴) وقال العینی فی العمدۃ: قال ابو عمر فی الاستذکار اجمع العلماء علی انہ اذا حلت صلوٰۃ المغرب فقد حل الفطر للصائم فرضاً وتطوعاً، و اجمعوا علی ان صلوٰۃ المغرب من صلوٰۃ اللیل اھ (ص ۲۶۶ ج ۵) وفی الترغیب للمنذری عن انس رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفطر قبل ان یصلی علی رطبات فان لم تکن حسی حسوات من ماء رواہ ابوداؤد والترمذی وحسنہ اھ (۱۸۵) وقال علی القاری فی شرح المشکوٰۃ تحت حدیث لایزال الناس بخیر ما عجلوا الفطر ای مادامو اعلی ھذہ السنۃ ویسن تقدیمہ علی الصلوٰۃ للخبر الصحیح بہ وقال التوربشتی: فان فی التعجیل مخالفۃ لاھل الکتاب فانھم یؤخرونہ ثم صار عادۃ لاھل البدعۃ فی ملتنا اھ قال بعض علمائنا ولو اخر لتادیب النفس غیر معتقد وجوب التاخیر لم یضرہ ذلک۔
اقول: بل یضرہ حیث یفوتہ السنۃ وتعجیل الافطار بشربۃ ماء لاینافی التادیب ثم رأیت التوربشتی قال وھذہ الخصلۃ التی لم یرضھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واقول یشابہ ھذا التاخیر تقدیم صوم یوم او یومین علی صوم رمضان الی ان قال ویؤیدہ ماصح ان الصحابۃ کانوا اعجل الناس افطاراً وابطأھم سحوراً (ص ۵۱۰ ج ۲) قلت ومقتضی ھذا الذی ذکرنا کون تقدیم الافطار علی صلوٰۃ المغرب سنتہ وان التاخیر عنہا خلاف السنۃ وما کان خلاف السنۃ وان کان مباحاً فلا یخلو عن کراھۃ ولو تنزیہا لاسیما اذا انضم الی ذلک قولہ صلی اللہ علیہ وسلم: اذا اقبل اللیل فافطروا وقولہ اذا اقبل اللیل من ھھنا وادبر النھار من ھھنا وغربت الشمس فقد افطر الصائم ای فلیفطر۔ واما ماروی بسند صحیح عند مالکؒ فی مؤطاہ وعند محمدؒ بہ ان عمر بن الخطابؓ وعثمانؓ بن عفان کانا یصلیان المغرب حین ینظران اللیل

الاسود (ای سواداولہ) قبل ان یفطر اثم یفطران بعد الصلوٰۃ فی رمضان اھ فلا یحتاج الی الجواب لکونہ خلاف عمل الرسول وعامۃ اصحابہ وایضاً لا ندری ہل اخرا الفطر بعذر اوبغیر عذر وقال القاری ھو اما لبیان الجواز اشعارا بان مثل ھذا التاخیر لا ینافی الامر بالتعجیل او لعدم ما یفطران بہ عندھم قبل الصلوٰۃ او یحمل الافطار علی التعشی بالطعام لان الافطار المتعارف عندھم ان یتعشوا بطعامھم کذا فی تعلیق الممجد محصلاً (ص ۱۸۴) وحاصلہ انھما لم یکونا یتعشیان قبل الصلوٰۃ بالطعام ویقتصران علی شربۃ من ماء ونحوہ ولم یکن ذلک الافطار افطاراً متعارفاً بینھم فقال الراوی بناء علی ذلک انھما کانا یفطران بعد الصلوٰۃ وبالجملۃ ففی الاثر حکایۃ حال لا عموم لھا ویحتمل الوجوہ العدیدۃ فلا یترک بہ ما ثبت عنہ صلی اللہ وسلم قولاً وفعلاً وامراً وترغیباً فالحاصل ان تقدیم الفطر علی صلوٰۃ المغرب ھو السنۃ وتاخیرہ عنھا خلاف السنۃ ولکن لا یدخل فی حد الکراھۃ مالم یشتبک النجوم لا یقال ینافی ما قلت قول محمد رح فی المؤطا بعد تخریجہ اثر عمرؓ وعثمانؓ ھذا کلہ واسع فمن شاء افطر قبل الصلوٰۃ ومن شاء افطر بعدھا وکل ذلک لا بأس بہ اھ لان قولہ واسع ولا بأس بہ اھ لا ینافی کونہ خلاف السنۃ فربما یطلق الفقہاء لا بأس بہ علی ما یکون مکروھاً تنزیھاً وخلاف الاولی کما لا یخفی ولابد من تقیید قولہ واسع ولا بأس بہ بان لا یبلغ مبلغ اشتباک النجوم کما قیل بہ المحشی۔

واما ما فی رد المحتار عن شرح الجامع لقاضی خان: التعجیل المستحب قبل اشتباک النجوم اھ (ص ۱۸۳ ج ۲) وھو یفید بظاھرہ ان کل ما کان قبل اشتباک النجوم فھو من التعجیل المستحب فیعارضہ ما مر عن القاری من تصریحہ بکون تقدیمہ علی الصلوٰۃ سنۃ وکون تاخیرہ عنھا خلاف السنۃ وتاویلہ فی اثر عمرؓ وعثمانؓ بوجوہ عدیدۃ فکیف یکون ما بعد المغرب الی اشتباک النجوم کلہ وقتاً مستحباً التعجیل وقال فی البدائع: ویسن تعجیل الافطار اذا غربت الشمس ھکذا روی عن ابی حنیفۃ رح لما روینا من الحدیث

ثلاث من سنن المرسلین ومن جملتها تعجیل الافطار وروی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال لاتزال امتی بخیر مالم ینتظر و لافطار طلوع النجم والتاخیر یؤدی الیہ اھ ای الی الانتظار طلوع النجوم (ص ۱۰۶ ج ۲) وھذا یفید ان التعجیل المسنون المستحب ما کان قبل طلوع النجم وما بعدہ داخل فی التاخیر نعم تاخیرہ الی طلوع النجم لا یکرہ کراھۃ التحریم وانما التاخیر المکروہ کذلک ما کان الی اشتباک النجوم لانہ ھو الذی یفضی الی مشابھۃ اھل الکتاب فکانوا یؤخرون الی حد الاشتباک، واللہ اعلم۔

ہمارے نزدیک جوامر تعجیل افطار کے متعلق کتب احادیث وفقہ سے منقح ہوا ہے وہ یہ ہے کہ تحقق غروب کے بعد معاً قبل نماز مغرب افطار کرنا مسنون ہے اور بعد نماز کے افطار کرنا خلاف سنت ہے، مگر حدِ اشتباک سے پہلے پہلے افطار کرے تو تاخیر مکروہ میں داخل نہ ہوگا، اور حدِ اشتباک تک تاخیر مکروہ تحریمی ہے، اور مسوّیٰ کی عبارت کے متعلق بدون کتاب دیکھے ہوئے ہم کچھ نہیں کہہ سکتے، سوال میں اس کی عبارت ناتمام نقل کی گئی ہے، اور وہ بھی پڑھی نہیں گئی اور حضرت عمرؓ وعثمانؓ کے اثر کا جواب چند وجوہ سے دیا گیا ہے، جو عبارتِ عربیہ میں مذکور ہی، واللہ اعلم، ۱۷ ر رمضان ۴۵ھ۔

نیّت معلق سے صوم متحقق نہیں ہوتا تحققِ صوم کے لئے قصدِ جازم شرط ہے۔

سوال (۶) ایک عورت نے رمضان شریف کے قضا روزہ رکھنے کا رات کو ارادہ کیا، یہ عورت رمضان شریف کے علاوہ اور روزہ خواہ وہ رمضان شریف کا قضا شدہ کیوں نہ ہو اپنی ساس سے اجازت لے کر رکھا کرتی تھی اس روز بھی اس نے یہ ارادہ کیا کہ نمازِ صبح کے وقت اپنی ساس سے دریافت کرلوں گی، اگر ساس نے اجازت دی رکھوں گی ورنہ نہیں، لیکن گمان یہی تھا کہ ساس ضرور اجازت دے گی، صبح کی نماز کے وقت دریافت کیا تو ساس نے انکار کردیا، اس عورت نے روزہ نہیں رکھا، دریافت طلب یہ ہے کہ آیا اس روزہ کی قضا رکھنی چاہئے، یا کفارہ دینا پڑے گا اور کفارہ کیا ہوگا، اگر ساٹھ روزے رکھنے کے بجائے ساٹھ آدمیوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلادے تو کفارہ ادا ہو جاویگا یا نہیں، ایک بات اور اظہار طلب ہے کہ یہ عورت ہمیشہ اپنی ساس سے روزہ کے متعلق رات کو دریافت کرلیا کرتی تھی، اگر اس نے اجازت دی تو روزہ رکھا ورنہ نہیں، اس روز رات کو دریافت کرنا یاد نہیں رہا تھا، اور صبح کی نماز کے

بعد دریافت کیا تھا جیسا کہ میں بیشتر تحریر کر چکا ہوں۔

الجواب: صورتِ مسئولہ میں نہ قضا واجب ہوئی نہ کفارہ، کیونکہ روزہ کا تحقق ہی نہیں ہوا، تو یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ روزہ کو توڑ گیا، کیونکہ تحققِ صوم کے لئے نیت شرط ہے، اور نیت کی حقیقت قصد جازم ہے، جو صورتِ مسئولہ میں نہیں پایا گیا، بلکہ نیت معلق تھی سانس کی اجازت پر اور ایسی نیت سے صوم کا تحقق نہیں ہوتا، پس افسادِ صوم بھی نہیں پایا گیا، قال فی مراقی الفلاح: وحقیقۃ النیۃ قصدہ عازما بقلبہ صوم غد الخ (ص ۳۷۴) وفیہ ایضا واما القسم الثانی وھو ما یشترط لہ تعیین النیۃ و تبییتہا فھو قضاء رمضان و قضاء ما افسدہ من نفل وصوم الکفارات بانواعہا ککفارۃ الیمین وصوم التمتع والقران و النذر المطلق اھ (ص ۳۷۶)۔ ۴ر شعبان ۴۷ھ

سحری کے وقت طلوعِ فجر سے قبل اذان دینے اور ایسے اذان کے اعادہ کا حکم۔

سوال (۷) حضرت! دیہات میں اکثر لوگ اذان سنکر کھانا پینا بند کرتے ہیں، اور گھڑی بھی ہمیشہ صحیح نہیں رہ سکتی، کیونکہ کوئی بہتر ذریعہ ملانے کا نہیں ہوتا، کبھی کبھی طلوع غروب سے بھی بوجہ ابر ہونے کے نہیں ملا سکتے، تو ایسی حالت میں ان لوگوں کا روزہ ہوگا یا کہ کچھ نقصان پڑے گا، اسی خیال سے کہ لوگ کھانے سے بند ہو جائیں گے اذان صبح صادق سے دس یا پانچ منٹ قبل پڑھنا جائز ہے یا کہ نہیں، کیونکہ دیہات میں کوئی ذریعہ دیگر بند کرنے کا نہیں ہوتا، حکمِ شرعی سے حضور اطلاع بخشیں؟

الجواب: اگر یہ لوگ اذان کے بھروسہ پر نہ رہتے ہوں، بلکہ اپنے دل کی گواہی کے موافق کھاتے ہوں اور بند کرتے ہوں تو ان کے روزہ میں شبہ نہ ہوگا، اور دل کی گواہی وہ معتبر ہے جو خوفِ خدا کے ساتھ ہو اور وقت کی پہچان بھی ہو، اور اگر اذان کے بھروسہ ہی پر رہتے ہوں تو اُن کے روزوں میں شبہ رہے گا، اگر مؤذن صبح ہونے کے بعد اذان کہتے ہوں اور ایسی حالت میں مؤذن کو یہ جائز ہے کہ اذانِ فجر صبح صادق سے دس پندرہ پہلے کہہ دی جائے، تاکہ لوگ کھانے پینے سے رُک جائیں، مگر صبح صادق ہونے کے بعد اس اذان کا اعادہ کر دیا جائے گو اعادہ زیادہ بلند آواز سے نہ ہو، معمولی ہی آواز سے ہو، قلت وعلی ذلک حملت الحنفیۃ الاذانین فی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان الاول کان لمصلحۃ اخری غیر اعلام الوقت وھذہ ایضا مصلحۃ قد مست الحاجۃ الیہا فی القری فان

اھلھا لا یستنون عن الاکل الا بالاذان، مگر اس کے لئے خاص انتظام کی ضرورت ہے کہ گاؤں کے سربرآوردہ لوگ ایک دو مؤذن اس کام کے لئے مخصوص کر دیں ورنہ گڑبڑ ہوگی۔

۲۱ر رمضان ۴۷ھ

حکم افطار قبل از اذان

سوال (۸) در رمضان المبارک از اذان و افطار کدام را مقدم نمودن مسنون است در تاخیر نماز از افطار کلام نیست، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم با اصحاب صلعم اولاً افطار کردند یا اذان کردند، دریں بارہ حدیثے صحیح ارشاد فرمایند؟

الجواب: تقدیم افطار قبل از نماز مغرب مسنون است، واما اذان، پس مؤذن قبل اذان افطار کند وغیر مؤذن مع الاذان، الا ان یکون عارفاً بالوقت او لفعل المؤذن فلہ ان یقدم الفطر علی الاذان، مگر مراد از افطار شبع بالطعام نیست بلکہ افطار بر تمرہ یا شربۃ ماء ونحوہ، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلث من سنن المرسلین تعجیل الافطار وتاخیر السحور الخ رواہ الطبرانی زیلعی ص ۴۵۳ ج ۱) ولا شک ان فی الافطار بعد الصلوٰۃ تاخیرا وما روی عن بعض الصحابۃ انھم کانوا یفطرون بعد المغرب ای بعد الصلوٰۃ فمحمول علی الشبع ای کان یأکل الطعام بعد المغرب دون تاخیر الفطر مطلقاً، واللہ اعلم۔

۱۶ر رمضان ۴۸ھ

فصل فی رؤیۃ الھلال

اگر رویتِ ہلال کی شہادت عید کے دن طلوعِ آفتاب سے قبل مل گئی، تو مجمع کے خیال سے اگلے دن تک تاخیر کرنا صحیح نہیں

سوال (۱) ایک شہر میں انتیس تاریخ رمضان المبارک رؤیتِ ہلال نہ ہوئی، تیس تاریخ کی صبح کو فجر کی نماز کے متصل ہی اطول ایام میں رؤیت پر شہادت گذری، اور قبول ہونے کے بعد ہی فوراً شہر میں اعلان افطار کا امامِ شہر کی جانب سے کر دیا گیا، اور اس کا بھی اعلان ہوا کہ نماز عیدگاہ میں اپنے مقررہ وقت پر آج ہی پڑھی جائیگی اس اعلان پر بعض حضرات شہر نے امام شہر سے یہ کہا کہ آج نماز کو ملتوی رکھنا چاہئے، کیونکہ کامل اجتماع ساکنانِ شہر و نیز اہل قریات کا آج دشوار ہے، اس کو امام صاحب نے تسلیم کر کے دوبارہ دوسرے روز نماز کی ادائیگی کا اعلان کرایا، چنانچہ عیدگاہ میں نماز دوسرے ہی روز پڑھی گئی، لیکن چند مساجد شہر میں افطار کے روز ہی نمازِ عید وقت پر پڑھ لی، اس پر بہت سے

لوگوں کا اعتراض ہوا کہ یہ امر تفریق بین المسلمین ہے، اور حکم امام کے خلاف ہے اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اگر اطول ایام میں آفتاب طلوع ہونے کے متصل ہی رویت پر شہادت گذر جائے اور قبول ہونے پر روزہ افطار کرلیا جائے تو نماز عید اسی روز پڑھنا واجب ہے یا امر موہوم عدم اجتماع کثیر کے احتمال پر ادائگی نماز دوسرے روز پر ملتوی کردی جائے؟ در مختار کتاب الاضحیۃ میں قبیل عبارۃ کرہ تنزیہًا الذبح لیلاً پر صاحب شامی تحریر فرماتے ہیں لوشہد وابعد نصف النہار انہ العاشر جاز لہم ان یضحوا ویخرج الامام من الغد فیصلی بہم العید وان علم فی صدر النہار انہ یوم النحر فشغل الامام عن الخروج اوغفل فلم یخرج ولم یأمر احدا ان یصلی بہم فلا ینبغی لاحد ان یضحی حتی یصلی بہم الامام الی ان تزول الشمس فاذا زالت قبل ان یخرج الامام ضحی الناس اھ، یہ عبارت مفید اس معنی کو ہے کہ اگر صدر نہار میں اس امر پر شہادت گذری کہ آج عید کا روز ہے تو امام پر واجب ہے کہ اُس ہی روز نماز عید پڑھاوے، اور حدیث سے جو یہ امر ثابت ہے کہ ایسی صورت میں دوسرے روز نماز پڑھی گئی، تو بعض روایت میں تصریح اس امر کی ہے کہ اطلاع رویت کی بعد الزوال ہوئی تھی، اور مذکورہ صورت میں اگر امام عید کی نماز دوسرے روز پڑھنے کا اعلان کرے تو شہر کے لوگوں کو کیا کرنا چاہئے؟ آیا وہ اپنے اپنے محلوں کی مساجد میں نماز عید پڑھ لیں یا دوسرے ہی روز پڑھیں؟ کتب فقہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قول راجح پر دوسرے روز عذر کی بناء پر ہے، نماز قضا ہوتی ہے ادا نہیں ہوتی، اور بلا عذر کے نیز ایسے عذر کی بناء پر کہ شرع شریف میں وہ معتد بہ عذر شمار نہ ہو، دوسرے روز نماز پڑھنا صحیح نہیں، بلکہ شغل بما لا یصح میں داخل ہو کر دیگر محظوریوں کو مستلزم ہوتا ہے۔

الجواب: جب فجر کی نماز سے متصل شہادت رویت گذری ہے تو اب محض دیہات والوں یا سُست مزاج شہریوں کے عدم اجتماع کے خیال سے عید الفطر کو اگلے دن کے لئے امام کا مؤخر کرنا جائز نہ تھا، بلکہ یہ تاخیر چونکہ بلا عذر ہوئی ہے اس لئے اگلے دن نماز صحیح نہیں ہوتی، اس صورت میں جن مسلمانوں نے اپنی اپنی مساجد میں نماز عید ادا کی اُن کا فعل موافق شرع ہے، ایسا ہی کرنا چاہئے تھا، اور تفریق بین المسلمین اس وقت حرام ہے جبکہ دوسری طرف بھی گنجائش ہو، اور اگر دوسری طرف شریعت کی مخالفت ہو تو حسب قدرت اُن سے مفارقت کا اظہار ضروری ہے، قال فی الدر وتوخر ای صلوۃ عید الفطر (١٢

بعد رکھطر الی الزوال من الغد فقط، فوقتھا من الثانی کالاول وتکون قضاءً لا اداء اھ وفیہ ایضاً فالعذر ھھنا لنفی الکراھة وفی الفطر للصحة اھ قال الشامی قولہ بعذر رکھطر دخل فیہ ما اذا لم یخرج الامام وما اذا غم الھلال و شھد وا بہ بعد الزوال او قبلہ بحیث لا یمکن جمع الناس اھ (ص ۸۷۵ ج ۱)

قلت والمراد بالامام ھو الامام الاعظم او نائبہ فان خلافہ لا یطاق، فعدم خروجہ عذر فی حق العامة ولو کان ھو آثما واما امام العیدین والجمعة فی بلادنا فعدم خروجہ لیس بعذر لان خلافہ لا یضر فاذا لم یخرج بلا عذر و خالف حکم الشریعة لا تترک العامة صلوتھم بل یجتمعون علی امام غیرہ او یصلون فی مساجد مختلفة باختلاف المحال، قال فی مراقی الفلاح: وقیل لعذر للجواز لا لنفی الکراھة فاذا لم یکن عذر لا تصح فی الغد اھ (ص ۳۱۱) ۲۲ صفر ۴۱ھ

خط اور تار کے ذریعہ رویت ہلال کی خبر معتبر ہے یا نہیں؟

سوال (۲) رویتِ ہلال میں خط یا تار کا اعتبار ہے یا نہیں فی زماننا جو تاریں موصول ہوتی ہیں ان کے مرسل کا بھی حال عموماً مستور ہی ہوتا ہے، اور بسا اوقات مرسل اہل ہنود نکلتے ہیں، ایسے حال میں کیا حکم ہے؟

الجواب: رویتِ ہلال میں تار بالکل معتبر نہیں، ہاں خط کا چند قیود سے اعتبار کیا جاتا ہے، جس کی تفصیل امداد الفتاوی، ص ۱۷۲ جلد اول وصفحہ ۶۴ جلد اول تتمہ امداد الفتاوی[۲] میں موجود ہے، اور اس کے ساتھ صفحہ ۱۶ تتمہ مذکور کو بھی ضرور دیکھا جاوے۔ ۱۴ جمادی الثانی ۴۵ھ

تحقیق رویتِ ہلال درحالتِ غیم وقبولِ شہادت وغیرہ

سوال (۳) احکام الادلة فی احکام الاھلة

اگر ہلالِ رمضان یا شوال درروز غیم یک کس عادل حر، عاقل یا دو کس دیدہ پیش عالم ثقہ در قریہ یا مصر گواہی دادند، عالم ثقہ گواہی ایشاں قبول کردہ حکم بصوم یا افطار کردہ و در دیگر قری بذریعہ یک مردم یا دو مردم اطلاع داد کہ نزد ما ثبوت ہلال بقواعد شرعیہ شدہ است آیا مردمہائے قریہ را بقول ایں عالم ثقہ صوم و افطار واجب است یا خود بخود از بینندگانِ ہلال شنوند وگواہی قبول کنند یا قبول کردن گواہی عالم ثقہ کافی است، ہرچہ حکم شریعت مطہرہ است بسند کتاب مطلع فرمایند؟

الجواب: فی الدر المختار: وتقبل شہادة واحد علی آخر کعبد وانثی ولو علی

مثلهما وقال الشامی (قوله وتقبل شهادة واحد علی اخر) بخلاف الشهادة علی الشهادة فی سائر الاحکام حیث لا تقبل مالم یشهد علی شهادة کل رجل رجلان او رجل وامرأتان (قوله کعبد وانثی) ای کما تقبل شهادة عبد وانثی (قوله ولو علی مثلهما) افاد بهذا التعمیم قبول شهادتهما علی شهادة حر اوذکر وهو بحث لصاحب النهر وقال ولم اره (ص ۱۴۶ ج ۲)۔

(۲) ولا یشترط فی هذه الشهادة لفظ الشهادة ولا الدعوی وحکم الحاکم حتی انه لو شهد عند الحاکم وسمع رجل شهادته عند الحاکم وظاهره العدالة وجب علی السامع ان یصوم ولا یحتاج الی حکم الحاکم (عالمگیریه ص ۱۲۷ ج ۱)۔

(۳) ثم انما یلزم الصوم علی متاخری الرؤیة اذا ثبت عندهم رؤیة اولئک بطریق موجب حتی لو شهد جماعة ان اهل بلدة قد رأوا هلال رمضان قبلکم بیوم فصاموا وهذا الیوم ثلثون بحسابهم ولم یر هؤلاء الهلال لا یباح فطرغد ولا یترک التراویح فی هذه اللیلة لانهم لم یشهدوا بالرؤیة ولا علی شهادة غیرهم وانما حکوا رؤیة غیرهم (عالمگیریة ص ۱۲۸ ج ۱)۔

(۴) فی الدر نعم لو استفاض الخبر فی البلدة الاخری لزمهم علی الصحیح من المذهب مجتبی وغیره وقال الشامی تحت (قوله نعم) قال الرحمتی معنی الاستفاضة ان تأتی من تلک البلدة جماعات متعددون کل منهم یخبر عن اهل تلک البلدة انهم صاموا عن رؤیة لا مجرد الشیوع من غیر علم بمن اشاعه کما قد تشیع اخبار یتحدث بها سائر اهل البلدة ولا یعلم من اشاعها (ص ۱۵۱ ج ۲)۔

(۵) (ولو کانوا ببلدة لا حاکم فیها صاموا بقول ثقة وافطروا باخبار عدلین) مع العلة (للضرورة) وقال الشامی (قوله لا حاکم فیها) ای لا قاضی ولا والی کما فی الفتح (قوله صاموا بقول ثقة) ای افتراضا لقول المصنف فی شرحه وعلیهم ان یصوموا بقوله اذا کان عدلا ام ط (قوله وافطروا الخ) عبارة غیره لا بأس ان یفطروا۔ والظاهر ان المراد به الوجوب ایضاً والتعبیر بنفی البأس لانه مظنة الحرمة کما فی نفی الجناح فی قوله تعالیٰ "فلا جناح علیکم ان تقصروا من الصلوٰة" ومثله کثیر فی کلامهم فافهم (ص ۱۴۶ ج ۲)۔

(۶) (وشرط للفطر) مع العلة والعدالة (نصاب الشهادة ولفظ اشهد وعدم القذف لتعلق نفع العبد الخ ص ۱۴۶ ج ۲، درمختار مع الشامی)۔

(۷) لا یجوز علی شہادة رجل اقل من شہادة رجلین اورجل وامرأتین وکذا علی شہادة المرأة وهذا عندنا كذا فی الخلاصة رجلان شهدا علی شهادة رجلین او علی شهادة قوم جاز عندنا كذا فی فتاوی قاضی خان (عالمگیریہ ص ۲۷۳ ج ۴)۔

(۸) (هی مقبولة) وان کثرت استحسانا قال الشامی تحت قوله وان کثرت) اعنی الشهادة علی شهادة الفروع ثم وثم الخ ص ۶۰۷ ج ۴ شامی۔

(۹) فی الدر المختار (و) هلال (الاضحی) وبقية الاشهر التسعة (كالفطر) علی المذهب وقال الشامی (قوله والاضحی کالفطر) ای ذوالحجة کشوال فلا يثبت بالغيم الا برجلين اورجل وامرأتين وفی الصحو لابد من زيادة العدد علی ما قدمناه وفی النوادر عن الامام انه کرمضان وصححه فی التحفة والاول ظاهر المذهب وصححه فی الهداية وشروحها والتبيين فاختلف التصحيح وتأيد الاول بانه المذهب بحر (قوله وبقية الاشهر التسعة) فلا يقبل فيها الا شهادة رجلين اورجل وامرأتين عدول احرار غير محدودين كما فی سائر الاحكام عن شرح مختصر الطحاوی للامام الاسبيجابی وذكر فی الامداد انها فی الصحو كرمضان والفطر ای فلابد من الجمع العظيم ولم يعزه لاحد لكن قال الخير الرملی الظاهر انه فی الاهلة التسعة، لا فرق بين الغيم والصحو فی قبول الرجلين لفقد العلة الموجبة لاشتراط الجمع الكثير وهی توجه الكل طالبين ويؤيده قوله كما فی سائر الاحكام فلو شهدا فی الصحو بهلال شعبان وثبت بشروط الثبوت الشرعی يثبت رمضان بعد ثلاثين يوما من شعبان وان كان رمضان فی الصحو لا يثبت بخبرهما لان ثبوته حينئذ ضمنی ويغتفر فی الضمنيات ما لا يغتفر فی القصديات اھ (شامی ص ۱۵۲ ج ۲)۔

رویت ہلال رمضان کی شہادت میں ابر وغیرہ کے وقت جس طرح ایک عادل مرد یا عورت کافی ہے، اسی طرح ایک عادل مرد یا عورت اگر یہ شہادت دے کہ فلاں عادل عورت یا مرد نے رویت کی شہادت دی ہے تب بھی رویت ثابت ہوجاتی ہے (جیسا کہ روایت ۱۔ میں ہے) اور رمضان کے لئے شہادت کا لفظ بھی ضروری نہیں، اگر یوں کہہ دے کہ میں نے

چاند دیکھا ہے تب بھی کافی ہے، و نیز قاضی وغیرہ کا حکم بھی شرط نہیں، بلکہ بدون حکم حاکم بھی شہادتِ عادل پر عمل واجب ہی، اور مستور الحال بھی عادل کے حکم میں ہے، (ملاحظہ ہو روایت نمبر۲) اور ظاہر یہ ہی کہ شہادت علی الشہادت میں بھی لفظ شہادت شرط نہیں، بلکہ یہ خبر دینا ہی کافی ہے کہ فلاں شخص نے رُویتِ ہلال کی شہادت یا خبر دی ہے) اور اگر شہادت کی خبر نہیں دی بلکہ ویسے ہی ذکر کیا کہ فلاں شہر والوں (یا فلاں شخص) نے چاند دیکھا ہے تو رویت ثابت نہیں ہوتی، (جیساکہ روایت نمبر۳ سے معلوم ہوتا ہے) البتہ اگر کسی جگہ عام طور پر بطریقِ معتبر روزہ رکھا جاوے اور وہاں کی خبر بطریق شہرت پہونچے تو روزہ واجب ہوگیا، اس میں یہ ضروری نہیں کہ شہادت علی الشہادت کے طریق پر کہا جاوی (ملاحظہ ہو روایت نمبر۴) اور جس طرح ہلال رمضان بدونِ حکم حاکم ثابت ہوجاتا ہی اسی طرح ہلال عید الفطر بھی فقط شہادت سے ثابت ہوجاتا ہے، جبکہ وہاں حاکم وقاضی وغیرہ نہ ہو (روایت نمبر۵ ملاحظہ ہو) لیکن ھلالِ فطر میں لفظ شہادت ہونا ضروری ہے البتہ اگر شہادت حاکم وقاضی کے ہاں نہیں تو باخبار عدلین سے (معلوم ہوتا ہے کہ بدون لفظ شہادت بھی رویت ثابت ہوجاتی ہے (لیکن لفظ شہادت کا استعمال کرنے میں احتیاط ہی) و نیز ابر وغیرہ میں ۲ دو شاہد ہونا شرط ہے، (جیسا روایت نمبر۶ میں ہے) اور ہلالِ فطر میں شہادت علی الشہادت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ہر ایک گواہ کیلئے نصاب کامل ہو، یعنی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں کہ فلاں شخص نے گواہی دی ہے، اور دوسرے شخص کے لئے بھی اسی طرح ایک مرد دو عورت یا دو مرد گواہ ہوں، البتہ اگر دو مرد (یا ایک مرد اور ۲ دو عورتیں) یہ گواہی دیں کہ ہمارے سامنے ان دونوں گواہوں نے گواہی دی ہے تب ایک ہی نصاب کافی ہے (ملاحظہ ہو روایت نمبر۷) پس اگر وہ فرستادہ خود بھی شہادت کے وقت موجود تھا تو اس کی خبر معتبر ہے، اور اگر فرستادہ وقتِ شہادت موجود نہ تھا تو جو اُس وقت موجود تھے وہ فرستادہ کے پاس شہادت دیکر بھیجیں (ملاحظہ ہو روایت نمبر۸) اور فرستادہ رمضان میں ایک مرد یا عورت کافی ہے، اور شوال میں ۲ دو مرد یا ایک مرد دو عورت کی ضرورت ہے، جبکہ دونوں شاہدوں نے ان کے سامنے شہادت دی ہو، ورنہ ہر شاہد کی شہادت پر نصاب کامل کی ضرورت ہی، کما مر، اور اگر یہ فرستادہ نہ تو وقتِ شہادتِ رویت موجود ہو اور نہ اُن کے پاس اس

وقت کے شاہدوں نے شہادت دی بلکہ ویسے ہی بھیجدیا، کہ جاکر رمضان یا شوال کی اطلاع کردو، تو اس سے اُن دیگر اہل قری پر نہ روزہ واجب ہوگا نہ عید جائز ہوگی، کما ہو الظاہر، اور شامی ص ۵۰ اج ۲ میں ہے قلت وکذا لو شہدوا برؤیۃ غیرہم وان قاضی تلک المصر امر الناس بصوم رمضان لانہ حکایۃ لفعل القاضی ایضاً ولیس بحجۃ بخلاف قضائہ الخ وایضاً فی الصفحۃ المذکورۃ قلت ووجہ الاستدراک ان ہذہ الاستفاضۃ لیس فیہا شہادۃ علی قضاء قاض ولا علی شہادۃ لکن لما کانت بمنزلۃ الخبر المتواتر وقد ثبت بہا ان اہل تلک البلدۃ صاموا یوماً کذا لزم العمل بہا لان البلدۃ لا تخلوا عن حاکم شرعی عادۃ فلا بد من ان یکون صومہم مبنیاً علی حکم حاکمہم الشرعی فکانت تلک الافاضۃ بمعنی نقل الحکم المذکور وہی اقوی من الشہادۃ بان اہل تلک البلدۃ راؤا الہلال وصاموا لا تفید الیقین فلذا لم تقبل الا اذا کانت علی الحکم او علی شہادۃ غیرہم لتکون شہادۃ معتبرۃ والا فہی مجرد اخبار بخلاف الاستفاضۃ فانہا تفید الیقین فلا ینافی ما قبلہ ہذا ما ظہر لی فتأمل اھ۔

وایضاً فی صفحہ ۱۵۵ تحت (قولہ بطریق موجب) کان یتحمل اثنان الشہادۃ اویشہدا علی حکم القاضی او یستفیض الخبر الخ۔

اس سے معلوم ہوا کہ قاضی وحاکم کے حکم کی شہادت بھی پہونچ جاوے تب بھی رویت ثابت ہوجاتی ہے، خواہ شہادت علی الحکم کے ساتھ شہادت رویت کا بیان ہو، یا نہ ہو۔ اب رہی یہ بات کہ مفتی کا حکم اور فتویٰ حکم حاکم کے قائم مقام ہوگا یا نہیں، اس کی تصریح تو کہیں ملی نہیں، مگر ضرورت کی وجہ سے قاضی وغیرہ نہ ہونے کی حالت میں جیسا کہ خطیب جمعہ مسلمانوں کے مقرر کرنے سے ہوجاتا ہے، کما فی الدر (ونصب العامۃ) الخطیب (غیر معتبر مع وجود من ذکر) اما مع عدمہم فیجوز للضرورۃ، اھ۔ اسی طرح اس میں گنجائش معلوم ہوتی ہے، مگر زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ عالم فقط اپنا فیصلہ سُنا کر کسی کو نہ بھیجے، بلکہ اشہاد کے بعد بھیجے، اور رمضان میں ایک عادل اور فطر میں دو عادل جب کافی ہیں جبکہ ابر یا غبار ہو، ورنہ جم غفیر کی حاجت ہے، البتہ اگر کسی جگہ جم غفیر نے شہادت دی اور پھر اُس شہادت پر دو شاہد دوسری جگہ شہادت دیں تب دو ہی

شاہد کافی ہیں لما فی الدر (فیلزم اهل المشرق برؤیة اهل المغرب) اذا ثبت عندهم رؤیة اولئك بطریق موجب کما مر وقال الشامی تحت (قوله بطریق موجب) کان یتحمل اثنان الشهادة او یشهد علی حکم القاضی او یستفیض الخبر بخلاف ما اذا اخبر ان اهل بلدة کذا رأوه لأنه حکایة ۔ اور عید الاضحیٰ کا حکم عید الفطر کی طرح ہے اور بقیہ نو مہینوں کا چاند ہر حال میں دو مرد یا ایک مرد دو عورتوں کی شہادت سے ثابت ہو جاتا ہے، خواہ ابر ہو یا نہ ہو، جیسا کہ روایت نمبر ۹ سے ثابت ہے، اور اگر کسی جگہ رویت نہ ہوا ور نہ کہیں سے معتبر شہادت پہونچے تو بظاہر اُن پر یہ واجب نہیں کہ دوسری جگہ سے رویت کی تحقیق کریں، جیسا کہ عالمگیریہ، ص ۱۲۷ ج ۱ سے معلوم ہوتا ہے، یجب ان یلتمس الناس الهلال فی التاسع والعشرین من شعبان وقت الغروب فان رأوه صاموه وان غم اکملوه ثلثین یوما کذا فی الاختیار شرح المختار اھ۔

حررہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ۔

(قلت والالتماس هو طلب الشیٔ بنفسه لا التنقب من الغیر فقد ورد فی لیلة القدر التمسوه فی العشر الاواخر ای اطلبوه منفردین لا ان تسئلوه عن کل احد ۱۲) والاجوبة کلها صحیحة ، ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۳۰ رشوال سنہ ۴۳ھ۔

رویتِ ہلال اور صوم یوم الشک کے بارے میں ایک استفتاء۔

سوال (۴) اس سال ہلال رمضان کے بابت ہمارے دیار میں سخت اختلاف پڑا ہے، چھ سات محلہ کے آدمی بوجہ شہادت پانچ شخص کے برویۃ ہلال فی الصحراء نزدیک ایک فقیہ کے اور قبول ہونے شہادت ان کے بدھ کے دن سے روزہ رکھیں، اور تیسویں تاریخ جمعرات کو ہلال شوال نہ دیکھنے کی وجہ سے جمعہ کے دن بھی روزہ رکھیں، اور روزے اُن کے اکتیس ہوگئے، اور جمعرات کے روزہ داروں کے تیس ہوگئے، اب بعضے عالم بدھ کے دن کے روزہ کو صوم یوم الشک بنیۃ رمضان پر حمل کرکے مکروہ تحریمی فرماتے ہیں، لما فی الدر المختار (ولو جزم ان یکون من رمضان کرہ تحریما)، اور بدھ کے دن کے روزہ دار کہتے ہیں جب حسب عبارت ردالمحتار، بحر، بدائع وغیرہ روایت حسنؒ از امام یصوم رمضان بشهادة الاثنین عند الصحو ایضاً مفتی بہ ہونا قرار پایا، تو ہمارا روزہ رکھنا حسب شریعت صحیح اور درست ہے، پھر مکروہ ہونیکا کیا معنی؟ فی ردالمحتار، ج ۲ ص ۱۰۱ مصری قوله وعن الامام انه یکتفی بشاهدین

واختارہ فی البحر الخ حیث قال وینبغی العمل علی ھذہ الروایۃ فی زماننا لان الناس تکاسلت عن ترائی الاھلۃ فانتفی قولہ مع توجھم طالبین لما توجہ ھو الیہ فکان التفرد غیر ظاھر فی الغلط ثم ایّد ذلک بان ظاھر الولوالجیۃ والظھیریۃ یدل علی ان ظاھر الروایۃ ھو اشتراط العدد لا الجمع العظیم والعدد یصدق باثنین اھ اقرہ فی النھر والمنح ونازعہ محشیہ الرملی بان ظاھر المذھب اشتراط الجمع العظیم فیتعین العمل بہ لغلبۃ الفسق والافتراء علی الشھر الخ اقول انت خبیر بانّ کثیرا من الاحکام تغیرت لتغیر الزمان ولو اشترط فی زماننا الجمع العظیم لزم ان لا یصوم الناس الا بعد لیلتین او ثلاث لما ھو مشاھد من تکاسل الناس بل کثیرا ما رأیناھم یشتمون من یشھد بالشھر و یؤذونہ وحینئذ فلیس فی شھادۃ الاثنین تفرد من بین الجمع الغفیر حتی یظھر غلط الشاھد فانتفت علۃ ظاھر الروایۃ فتعین الافتاء بالروایۃ الاخری، انتھی۔

بلکہ دیگر ممالک سے جمعہ کے دن عید ہونے کی خبر سن کے فرماتے ہیں کہ جمعرات سے روزہ داروں پر ایک روزہ قضا کرنا ضروری ہے:۔ لما فی البدائع ج ۲ ص ۸۲ مصری ولو صام اھل بلد ثلثین یوما وصام اھل بلد اٰخر تسعۃ وعشرین یوما فان کان صوم اھل ذلک برؤیۃ الھلال وثبت ذلک عند قاضیھم اوعدوا شعبان ثلاثین یوما ثم صاموا رمضان فعلی اھل البلد الاٰخر قضاء یوم لانھم افطروا یوما من رمضان لثبوت الرمضانیۃ برؤیۃ اھل ذلک البلد وعدم رؤیۃ اھل البلد الاٰخر لا یقدم فی رؤیۃ اولئک اذ العدم لا یعارض الوجود الخ۔

اب معرض خدمت میں یہ ہے کہ (۱) بدھ کے دن کے روزہ کا کیا حکم ہے، (۲) اور جمعرات کے روزہ رکھنے والوں پر ایک روزہ قضا ادا کرنا واجب ہے یا نہیں (۳) اور باوجود سننے خبر رویت ہلال کے بدھ کے دن روزہ نہ رکھنے والوں پر اور رکھکر توڑ دینے والوں پر کفارہ واجب ہے یا نہیں؟ حضور عالی کے دستخط نہایت ضروری ہے، بجز اس کے لوگ اعتبار نہ کریں گے۔

الجواب: بدھ کے دن سے روزہ رکھنے والوں پر کراہت صوم یوم الشک کا الزام صحیح نہیں، جبکہ انھوں نے فقیہ کے سامنے شہادت گذرنے اور اس کے قبول ہوجانے کی

بناء پر روزہ رکھا، گو اس فقیہ نے روایت متون کے خلاف حالتِ صحو میں جم غفیر کے بغیر ثبوتِ ہلال کا فتویٰ دیدیا، مگر عوام کو تو علماء کا اتباع لازم ہے جبکہ اس کا فتوی کسی ایک روایت کے موافق ہے۔

(۲ و ۳) جمعرات سے روزہ رکھنے والے دو قسم کے ہیں، ایک علماء، دوسرے جہلاء، علماء کو اگر فقیہ مذکور کا فتویٰ اس وجہ سے مسلّم نہ ہوا کہ اس نے روایت متون کے خلاف فتویٰ دیا تو ان کو گناہ نہیں ہوا، اور یہی حکم ان جہلاء کا ہے جو اُن علماء کے معتقد ہیں جنھوں نے اُن علماء کے اختلاف کی وجہ سے فقیہ مذکور کے فتوی کو تسلیم نہیں کیا، اور اس کی صحت میں ان کو شبہ ہو گیا، رہے وہ جہلاء جن کو فقیہ مذکور کے فتوی کا علم ہوا اور دوسرے علماء کے خلاف کا علم نہیں ہوا ان کو بُدھ کے دن روزہ نہ رکھنے سے گناہ ہوا۔

رہا یہ کہ ان لوگوں کے ذمہ ایک روزہ کی قضا اور اس کے عمداً توڑنے سے کفارہ واجب ہوگا یا نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ شہادت مذکورہ کے موافق تیس دن پورا کرنے کے بعد بھی چاند نہ ہونے سے شہادت مذکورہ کا کذب وغلط محقق ہو گیا، اس لئے بُدھ کے دن ثبوت رمضان قطعی نہ رہا، پس وجوب کفارہ کی کوئی وجہ نہیں اور نہ قضا واجب ہے، البتہ جن مقامات سے جمعہ کی عید کی خبر آئی ہے اگر وہاں سے بُدھ کے دن یکم رمضان ہونے کی بھی اطلاع آجاوے، اور یہ اطلاع بطریق موجب شرعی حاصل ہو تو ان لوگوں پر بُدھ کے دن ایک روزہ کی قضا واجب ہوگی، ورنہ نہیں، ۲۲ رشوال ۱۳۴۶ھ۔

دو شخص مقبول الشہادت ۲۹ رجب کو رویتِ ہلال کی شہادت دیں تو بصورت قبولِ شہادت شعبان کے تیس دن پوری ہونے پر چاند نظر آوے یا نہ روزہ رکھا جاوے گا یا نہیں، اور اس حساب سے تیس روزے پورے ہونے کے بعد عید منائی جاوے گی یا نہیں؟

سوال (۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر رجب المرجب کی ۲۹ تاریخ کو باوجود مطلع صاف ہونے کے دو شخص مقبول الشہادت اور عادل رویتِ ہلال کی شہادت دیں تو ان کی شہادت سے شعبان کا چاند ثابت ہوگا یا نہیں، درصورتِ ثبوتِ شعبان کے تیس دن پورے ہو جانے کے بعد اگر چاند نظر نہ آئے خواہ مطلع صاف ہو یا نہ ہو تو رمضان مان کر روزہ رکھا جاوے اور تراویح پڑھی جائیں یا نہیں، صورتِ ہذا میں اگر روزہ رکھنا ضروری ہے تو تیس روزے رکھنے کے بعد چاند نظر نہ آنے کی صورت میں عید منائی جاوے گی، یا

اکتیسواں روزہ رکھنا ضروری ہوگا، اور در صورت عدم ثبوت ہلال شعبان شامی کی عبارت تحت قول وبقیۃ الاشہر التسعۃ الخ و بحر الرائق، ص ۲۶۹ ج ۲ اور عبارت دیگر کتب فقہ کا کیا جواب ہوگا، مفصل اور مدلل بحوالہ کتب جواب تحریر فرما کر ماجور ہوجئے۔

الجواب: صورت مسئولہ میں دو عادل گواہوں کی شہادت سے ثبوت ہلال شعبان ہوجائے گا، اور شعبان کے تیس دن پورے ہوجانے پر رمضان کا ثبوت ہوجائے گا مگر اس امر کو خوب اچھی طرح دیکھ لیا جائے کہ ہلال رجب کا ثبوت شرعی ہوگیا تھا یا نہیں اور گواہ عادل تھے یا نہیں، اگر عادل تھے تو ان کو رویت ہلال کا جزم تھا، اور ایسا جزم تھا کہ اس پر قسم کھا سکتے تھے، یا محض شبہ اور خیال ہی تھا۔

قال الشامی نقلاً عن الخیر الرملی فلو شھدا فی الصحو بھلال شعبان وثبت بشروط الثبوت الشرعی یثبت رمضان بعد ثلاثین یوماً من شعبان وان کان رمضان فی الصحو لا یثبت بخبرھما لان ثبوتہ حینئذ ضمنی ویغتفر فی الضمنیات مالا یغتفر فی القصدیات اھ (ص ۱۵۲ ج ۲) ۱۴ رمضان ۴۷ھ

اس کے بعد اس جواب کو اس طرح بدلا گیا کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے، شامی نے رد المحتار میں تو امام اسبیجابی اور رملی کے قول پر اکتفا کیا ہے، اور صاحب امداد کے قول پر زیادہ زور نہیں دیا، مگر حاشیہ بحر میں رملی کا قول نقل کرکے فرمایا ہے، لکن صرح فی الامداد بخلافہ فاشترط الجمع العظیم (فی سائر الاشھر) ویوافقہ اطلاق عبارۃ مواھب الرحمٰن فذکرھا، چونکہ صاحب امداد نے بہت صراحت کے ساتھ جمیع اشہر میں بحالت صحو جمع عظیم کو شرط کہا ہے، پس اس کے خلاف فتویٰ پر جرأت کرنا نص صریح مذہب کا محتاج ہے، علامہ رملی کا محض الظاہر کہنا کافی نہیں، واللہ اعلم۔ ۱۵ رمضان ۴۷ھ

رویت ہلال کے متعلق ایک استفتاء

سوال (۶۰) جالنہ در یاست نظام دکن میں بروز جمعہ چاند نظر آیا، اور رمضان المبارک پہلی تاریخ شنبہ قرار پائی، اور شنبہ کے روز روزہ بھی رکھا گیا، ۲۹ رمضان المبارک روز شنبہ کچھی یعنی (میمن) کے دو ملازم کھانا پکانیوالوں نے صرف چاند دیکھا، اور اس کی اطلاع قاضی صاحب صدر بازار کو دی، قاضی صاحب نے ان کا بیان لیا، اور اس کی تائید میں ایک مدینہ منورہ کا میمن صاحبان نے پیش کیا کہ مدینہ منورہ میں چاند رمضان کا بروز پنجشنبہ دیکھا گیا، اور جمعہ کے روز پہلا روزہ

رکھا گیا، اس لحاظ سے مدت یعنی ۳۰ رمضان ہے، یہاں (۳) سہ آبادی ہے، صدر بازار، جالنہ قدیم وقادر آباد، اور اس روز ابر بھی نہ تھا، ان دونوں ملازموں کے سوائے اور کسی نے نہ دیکھا اور قرب وجوار سے آنے والے اور موٹر سے آنے والے صاحب سے معلوم ہوا کہ آج چاند نہیں دیکھا، یعنی بروز شنبہ ۲۹ رمضان کو۔

الجواب: جب مطلع صاف تھا تو دو گواہ ہرگز کافی نہ تھے، اس حالت میں جن لوگوں نے روزہ نہیں رکھا، یا رکھکر توڑ دیا، انھوں نے سخت غلطی کی اور قاضی صاحب نے جو فتویٰ دیا وہ صحیح نہیں ہے۔

سوال: قاضی صاحب نے اس واقعات کے معلوم ہونے کے بعد بھی تحصیلدار صاحب جالنہ کے پاس خط مدینہ منورہ کا اور ان دو کا بیان پیش کیا، تحصیلدار صاحب نے منادی کرانے سے انکار کیا اور یہ کہا کہ گواہ عادل نہیں ہے، اور خط دور دراز مقام کا ہے، (۳۶) میل کے فاصلہ سے زائد ہے۔

الجواب: مطلع صاف ہونے کی حالت میں تو دو عادل بھی ہوتے تو قبول نہ کیا جاتا خط خود حجت نہیں ہے، اور فاصلہ زیادہ ہونا تو مضر نہیں، لیکن جہاں سے بھی خبر آوے معتبر شاہدین کے ذریعہ آنا شرط ہے۔

سوال: قاضی صاحب صدر بازار نے خود روزہ توڑ دیا اور لوگوں سے کہا روزہ مت رکھو تقریباً دو سو یا تین سو حضرات نے روزہ توڑ دیا، جن لوگوں نے روزہ توڑ دیا، ان کو ایک روزہ رکھنا ہوگا یا ۶۰ روزے؟

الجواب: مطلع صاف ہوتے ہوئے کوئی وجہ شبہ کی نہ تھی، لیکن قاضی صاحب کے فتویٰ کی وجہ سے عوام کو ایک گونہ شبہ ہو جاتا ہے، اس لئے کفارہ واجب نہیں، فقط قضا رکھنا کافی ہے، ونظیرہ فی الدر المختار راواحتجم فظن فطرہ به فاكل عمداً، قضی وكفر، لانه ظن فی غیر محله حتی لو افتاه مفتی يعتمد على قوله او سمع حديثاً ولم يعلم تاويله لم يكفر للشبهة وان اخطاء المفتی الخ واللہ اعلم۔

تار، خط اور ٹیلیفون کے ذریعہ رویت ہلال کی خبر معتبر نہیں

سوال (۷) تار یا ٹیلیفون کے ذریعہ چاند کی اطلاع آوے تو اس کا اعتبار کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: تار اور ٹیلیفون کی خبر معتبر نہیں ہے۔

سوال؛ خط کتنے میل سے آیا ہوا ہونا اس کا اعتبار اور قابلِ سند ہے؟

الجواب؛ میل کی کوئی تفصیل نہیں ہے، مگر یہ ضروری ہے کہ چند خط ہوں، اور ان کے لکھنے والے عادل ہوں، اور ان کا خط شناخت کرلیا ہو، اور جو خبر اُن میں لکھی ہو وہ محض سُنی سُنائی بات نہ ہو بلکہ پختہ شاہدوں کی شہادت ہو۔

سوال؛ تار یا ٹیلیفون کے ذریعہ ریاست نظام حیدرآباد سے اطلاع آوے یا قرب و جوار سے مقامی عہدہ دار منصف صاحب یا تحصیلدار صاحب کے، اور اس روز ابر نہ ہو، یا ابر ہو اور ابھی مدت ختم نہ ہوئی ہو تو کیا عمل کرنا چاہیے؟

الجواب؛ تار اور ٹیلیفون کا کسی حال میں اعتبار نہیں۔

رویتِ ہلال کے متعلق سرکاری منادی کا حکم

سوال (۸) اگر منادی ہوجاوے منجانب سرکار کہ آج عید ہے، کیا روزہ توڑ دینا اور دوگانہ ادا کرنے جانا ہوگا؟

الجواب؛ اس کی بناء دیکھی جاوے، اگر شہادت معتبرہ کی وجہ سے منادی کی ہے تو عید کرنا لازم ہے، اور تار وغیرہ کی بناء پر منادی کردی تو اس کا کچھ اعتبار نہیں، واللہ اعلم۔

احقر عبدالکریم، ۹ شوال ۴۸ھ الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ ۹ شوال ۴۸ھ

ثبوتِ رُویت کے بارے میں

سوال (۹) بجواب استفتاء مسلمانان بیکانیر جملہ کاغذات بایں تنقیحات کہ اُنتیس رمضان شنبہ کو مطلع صاف تھا یا نہیں واپس موصول ہوئے، جواباً بذریعہ عریضہ ہذا جملہ کاغذات واپس بھیجکر التماس ہے کہ جہاں تک ہمارا خیال ہے ۲۹ شعبان کو مطلع غبار آلود نہ تھا، اور نہ ہمارے شہر میں کسی کو رویت ہلال ہوئی، البتہ ۳۰ شعبان بروز جمعہ کو چاند دیکھکر بالاتفاق تمام اہلِ شہر نے شنبہ سے روزہ رکھنا شروع کئے، پھر ۲۹ رمضان المبارک شنبہ کو حالانکہ مطلع صاف تھا (ہمارے یہاں کے مطابق) چاند نظر نہ آیا، چنانچہ یکشنبہ کو ہم نے چاند دیکھا، اور دوشنبہ کو نمازِ عید پڑھی، مگر ہمارے مخالفین نے یکشنبہ ہی کو بغیر چاند دیکھے عید کرلی، ان کا استدلال یہ ہے کہ "اخبار زمیندار میں قاضی انب کا فتویٰ شائع ہوا تھا، کہ ہزارہ کے علاقہ میں روزے جمعہ سے شروع کئے گئے" مگر ہم نے اس استدلال کو نہیں تسلیم کیا، اور کہدیا کہ یہ اخبار کا فتوی ہے، ہم نہیں مانتے۔ اُن کا دوسرا استدلال یہ ہے کہ "حافظ یسین پیش امام مسجد علاقہ جیسلمیر میں اپنے دو مریدوں سے یہ سنکر آیا ہے کہ جیسلمیر میں بھی چاند جمعرات کو دیکھا گیا تھا،" مگر ہم نے

حافظ یٰسین کے اس بیان پر بھی اپنے روزے موقوف نہیں کئے، اور کہا کہ ہمارے سامنے یہ بیان ایک شخص کا ہے آج ہم عید نہیں مانتے، اس کے ساتھ ہی ساتھ ہم نے مزید اطمینان کے لئے ایک تار مولوی کفایت اللہ صاحب کو دیا تو جواب آیا کہ عید آج نہیں ہے، کل ۳ر مارچ ۱۹۳۴ء بروز پیر کو ہوگی، اب ہم کو کسی قدر اور اطمینان ہوگیا، ہم نے روزہ موقوف نہیں کیا، شام کو چاند دیکھکر دوشنبہ کو عید کی۔

اب مخالفین تو یہ کہتے ہیں کہ ۲۹ر رمضان کو مطلع غبار آلود تھا، ہم کہتے ہیں کہ نہیں، مطلع صاف تھا، ورنہ دہلی میں تو نظر آجاتا، وہاں بھی تو عید دوشنبہ کو ہوئی۔

دوسری تنقیح سامی کہ بچھاسر والوں کا بیان متفقہ لکھو، اس کے جواب میں یہ گذارش ہے کہ بچھاسر والوں نے ہمارے ساتھ دوشنبہ کے دن نماز عید پڑھی ہے، ان کا چاند کے متعلق کوئی بیان نہیں گذرا، ورنہ ہم خود اسی روز کیوں نہ نماز ادا کرتے؟

اب حل طلب تین سوال نکلے:۔

(۱) ایک تو یہ کہ حافظ یٰسین کا اپنے دو مریدوں سے کسی گاؤں میں سنکر آنا کہ وہاں جمعہ سے روزے رکھے گئے تھے ہمارے لئے شرعاً فطر کے لئے کافی تھا یا نہیں؟

جواب: کافی نہ تھا۔

سوال دوسرا یہ کہ فتویٰ قاضی انب مطبوعہ زمیندار کہ روزے موثق شہادت پر جمعہ سے شروع کئے گئے ہیں، ہمارے لئے موجب فطر تھا یا نہیں؟

جواب: موجب فطر نہ تھا۔

سوال: اس وقت تک ہمارے صرف ۲۹ روزے ہوئے تھے، کیونکہ ہم اہل شہر نے شنبہ کو چاند دیکھکر روزہ رکھا تھا، شوال کا چاند سنیچر کو نظر نہیں آیا، تار سے دلی میں بھی عید نہ ہونا پایا گیا، پھر کیا ہم کو اپنے روزے اُن وجوہ پر کھول دینے چاہئے تھے؟ لہذا استفتاء ہے کہ ہمارا دوشنبہ کے دن عید کرنا صحیح تھا یا ہمارے مخالفین کا یکشنبہ کے دن کر لینا؟

جواب: آپ کا دوشنبہ کو عید کرنا صحیح ہوا، اور مخالفین کے دلائل اگر وہی ہیں جو اوپر مذکور ہیں تو ان کا یکشنبہ کو افطار کرنا غلط تھا۔

سوال: ہم دونوں میں سے برسر صحت و موقع ملامت شرعاً کون تھا؟

جواب: اوپر لکھدیا گیا۔

سوال: قاضی صاحب انب نے یہ کیسے شائع کردیا کہ موثق شرعی شہادت سے روزے جمعہ کو شروع کئے گئے ہیں، لہذا اتوار کو عید کرلو، حالانکہ دلی، لکھنؤ، دیوبند لاہور میں سب جگہ عید دوشنبہ کو ہی ہوئی ہے۔

الجواب: یہ سوال قاضی صاحب سے کیا جائے۔

سوال: اور ان شہر والوں نے قاضی انب کے فتویٰ کو کیوں نہیں تسلیم کیا؟

الجواب: اس لئے کہ اس میں کتاب القاضی کے شروط متحقق نہ تھے۔

سوال: اور ان کو ایسا فتویٰ قبل از وقت شائع بھی کرنا چاہیے یا نہیں؟

الجواب: ہرگز نہیں، کیونکہ یہ کتابُ القاضی کی صورت میں داخل نہیں، جو حجت ہو، پھر بجز تشویش عوام کے اس سے کیا نفع تھا؟

سوال: مطبوعہ فتوی اخبارات کا واجب العمل ہے یا نہیں اگر نہیں تو کیوں نہیں، بدلائل شرعیہ جواب مرحمت فرمایا جاوے؟

الجواب: تحریر وہ معتبر ہے جو شاہد کی ہو، یعنی جس نے خود چاند دیکھا ہو اور خود اس کے قلم کی ہو، اور اس تحریر کو بہت لوگ وثوق سے پہچانتے ہوں، یا قاضی کی دستخطی تحریر ہو، جو کسی قاضی یا عالم کے نام ہو، اور اس میں قاضی نے شہود کا نام اور پتہ لکھ کر مع اُن کے بیان اور اپنے فیصلہ کے دستخط کے ساتھ تحریر کیا ہو، اور دو معتبر مسلم گواہوں کے ہاتھ اُس خط کو دوسرے قاضی یا عالم کے پاس بھیجا ہو، جو اس کی گواہی دیں کہ یہ خط ہمارے سامنے قاضی نے لکھا ہے، اور جس کے نام خط ہو وہ قاضی کی تحریر کو خوب پہچانتا ہو، ورنہ اس کی بھی ضرورت ہوگی کہ دو گواہ مسلمان اس کی بھی شہادت دیں کہ ہمارے سامنے قاضی کے پاس شاہدوں کا یہ بیان ہوا، اور اس پر قاضی نے یہ فیصلہ کیا، وہذا کلہ مذکور فی الہدایۃ وغیرہا فی کتاب القاضی الی القاضی، چونکہ اخباری فتاویٰ اس شرط سے خالی ہوتے ہیں، اس لئے وہ حجت نہیں ہوسکتے، واللہ اعلم۔

نوٹ: یہ جواب تو اس امر کے متعلق تھا کہ عید کے موقع پر وجوہ مذکورۂ سوال کی بناء پر کس فریق کا عمل صحیح ہوا، لیکن اب مختلف و متعدد خبروں سے جو اس ایک مہینہ میں موصول ہوئیں، اور استفاضہ کی حد کو پہونچ گئیں، یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے رمضان جمعہ سے شروع نہیں کیا، وہ ایک روزہ رکھ لیں۔ ۱۳ ذیقعدہ ۴۸ھ۔

ٹیلیفون کے ذریعہ رویتِ ہلال کی خبر کا اعتبار ہے یا نہیں؟

سوال (۱۰) اگر رویتِ ہلال کی خبر مختلف مقامات سے ٹیلیفون کے ذریعہ آوے اور ٹیلیفون میں بولنے والے کی آواز کو وہ شخص شناخت بھی کرلے کہ فلاں شخص بول رہا ہے، اور ٹیلیفون میں بولنے والے کی آواز کو وہ شخص شناخت کرسکتا ہے جسکو اس کا کام پڑتا ہے اور اس کا محاورہ ہے، اور اس وجہ سے ٹیلیفون کی خبر کو ٹیلی گرام کی خبر سے زیادہ معتبر سمجھا جاتا ہے، اور پھر سننے والے کو متفرق مقامات کی خبریں سننے سے اسکا اطمینان بھی ہوجاوے کہ یہ خبریں سچی ہیں، اور ضرور چاند ہوگیا ہے تو ایسی صورت میں ٹیلیفون کی خبر کا اعتبار کرکے روزہ رکھنے یا افطار کا شرعاً حکم دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: اس سوال کا جواب لکھنے سے پیشتر چند امور ضروریہ درج ہیں:-

۱، جب مطلع صاف نہ ہو، یعنی چاند نظر آنے کی جگہ ابر یا غبار وغیرہ ہو تو ہلالِ رمضان میں اصطلاحی شہادت شرط نہیں، بلکہ ایک عادل یا مستور الحال کی خبر رویت مقبول ہے، خواہ وہ خبر دہندہ غلام یا عورت ہی ہو، فی الدر المختار (وقیل بلا دعوی) بلا (لفظ اشهد) وبلا حکم ومجلس قضاء لانه خبر لا شهادة (للصوم مع علة كغيم وغبار (خبر عدل) او مستور على ما صححه البزازي على خلاف ظاهر الرواية لا فاسق اتفاقاً وهل له ان يشهد مع علمه بفسقه؟ قال البزازي نعم لان القاضي ربما قبله (ولو) كان العدل (قناً او انثى او محدوداً في قذف تاب) بين كيفية الرؤية اولا على المذهب وتقبل شهادة واحد على آخر كعبد وانثى ولو على مثلهما (شامی ص ۱۴۵ ج ۲)۔

۲، ہلالِ فطر میں شہادتِ اصطلاحیہ شرط ہے، اس لئے لفظ شہادت بھی ضروری ہے اور شاہد کا عادل ہونا بھی لازمی ہے، مستور الحال کی شہادت قابلِ قبول نہیں، نصابِ شہادت بھی شرط ہے، یعنی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں، نیز غلام و محدود فی القذف کا قول بھی اس باب میں معتبر نہیں فی الدر (وشرط للفطر) مع العلة والعدالة (نصاب الشهادة ولفظ اشهد) وعدم حد فی قذف لتعلق نفع العبد لكن (لا تشترط الدعوى) كما لا تشترط في عتق الامة وطلاق الحرة (شامی ص ۱۴۶ ج ۲)۔

۳، چونکہ اخبار میں خط مقبول ہے اور شہادت میں مقبول نہیں، اس لئے ہلالِ فطر میں زبانی شہادت شرط ہے، خط غیر معتبر اور نا قابل قبول ہے، اور ہلالِ رمضان میں خط

بھی قابلِ قبول ہے، جبکہ اوس کو بخوبی شناخت کرلیا ہو۔

۴؎، یہ سب احکام مذکورہ اس جگہ کے لئے مصرح موجود ہیں جہاں قاضی وغیرہ موجود ہو اور جہاں اسلامی حکام نہ ہوں، چونکہ وہاں ادائے شہادت ممکن نہیں، لان من ارکانہا مجلس القضاء، اس لئے ایسی جگہ کے واسطے فقہائے کرام نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ ولو کانوا ببلدۃ لاحاکم فیہا صاموا بقول ثقۃ وافطروا باخبار عدلین مع العلۃ للضرورۃ (درمختار) وقال العلامۃ الشامی تحت قولہ لاحاکم فیہا: ای لاقاضی ولا والی کمافی الفتح، وتحت قولہ للضرورۃ: ای ضرورۃ عدم وجود حاکم یشہد عندہ، اس کے جزو اول یعنی صاموا بقولِ ثقہ میں تو کوئی تأمل نہیں، کیونکہ ہلالِ رمضان کی شہادت وجودِ حاکم کے وقت بھی خبر ہی کے حکم میں ہے، اور مجلسِ حاکم اس کے لئے فی نفسہ شرط نہیں، بلکہ صرف انتظام کی وجہ سے حاکم کے ہاں بیان دینے کی ضرورت ہے، مگر جزو ثانی یعنی "افطروا باخبار عدلین" میں یہ سوال ہے کہ اس حالت میں ہلالِ فطر کی شہادت اخبار محض کے ساتھ ملحق ہوکر اس میں شہادت کے تمام شرائط علاوہ نصاب و عدالت غیر ضروری ہوگئے، یا صرف مجلسِ حاکم ہی کی شرط کو غیر ضروری قرار دیا گیا ہے سو لفظ اخبار کے اطلاق سے تو شقِ اول مفہوم ہوتی ہے، مگر جو علت بیان کی گئی ہے اس سے شقِ ثانی متبادر رہی، کیونکہ عدمِ حاکم کی وجہ سے صرف اسی کی ضرورت پیدا ہوتی ہے کہ مجلسِ قضا کی شرط کو اٹھا دیا جائے، اور بقیہ شرائط کے ارتفاع کی کوئی ضرورت نہیں، لہٰذا ان کو بحالہا رکھا جائے گا، اور البحر الرائق میں ہے: فیشترط فیہ مایشترط فی سائر حقوقہم من العدالۃ والحریۃ والعدد وعدم الحد فی قذف ولفظ الشہادۃ والدعوی علی خلاف فیہ ان امکن ذلک والافقد تقدم انہم لو کانوا فی بلدۃ لاقاضی فیہا ولا والی فان الناس یصومون بقول الثقۃ ویفطرون باخبار عدلین للضرورۃ۔

اس سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ حاکم نہ ہونے کی صورت میں جو شرط غیر ممکن ہوگئی ہے صرف وہی مرتفع ہوگی، یعنی دعویٰ اور لفظِ شہادت اور بقیہ شرائط پر کوئی اثر نہ پڑیگا، اور گو قواعد سے یہ شقِ ثانی ظاہر اً راجح معلوم ہوتی ہے، مگر ہنوز اس میں شرح صدر نہیں ہوا اس لئے علمائے کرام سے مراجعت کرلی جاوے۔

۵؎، خط کے متعلق جو تفصیل ۳؎ میں گذر چکی ہے جہاں حاکم نہ ہو وہاں غیر حاکم کو

بھی اسی تفصیل کا پابند ہونا ضروری ہے، کما لایخفی، پس ھلالِ رمضان میں خط کو بشرطِ شناخت قبول کیا جائے گا، اور شناخت میں شبہ ہو تو بالکل غیر معتبر ہے، اور ہلالِ فطر میں جس طرح حاکم خط کو قبول نہیں کر سکتا اسی طرح غیر حاکم بھی قبول نہیں کر سکتا، خواہ ۲ کے جزو ثانی میں شق اول کو لیا جاوے، (یعنی ہلالِ فطر کی شہادت کو عدم الحاکم کے وقت تمام شرائط میں اخبار کے ساتھ ملحق کیا جاوے) خواہ شقِ ثانی کو (یعنی عدم الحاکم کے وقت مجلسِ قضا کے علاوہ بقیہ شرائط میں شہادت کا حکم رکھا جاوے) ہر دو شق کا ایک ہی حکم ہے، صرف اتنا فرق ہے کہ شقِ ثانی اختیار کرنے کی صورت میں تو خط کے عدمِ قبول کا حکم اصلی ہوگا، اور شقِ اول اختیار کی جاوے تو فی نفسہٖ قبولِ خط کی گنجائش ہے، بشرط شناخت، مگر عام بے احتیاطی پر نظر کر کے علی الاطلاق عدمِ قبول ہی کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔

۶، ٹیلیفون گو اپنی اصل کے اعتبار سے خط کے مثل ہے، لان النغمۃ یشبہ النغمۃ کما ان الخط یشبہ الخط، لیکن غور کیا جائے تو اس میں خط سے زیادہ اشتباہ ہے، کیونکہ خط میں مکرر نظر کر کے بخوبی شناخت کا موقع ملتا ہے، اور ٹیلیفون میں قلتِ وقت کی وجہ سے مکرر غور کی نوبت نہیں آسکتی، نیز خط کو دوسرے لوگ بھی دیکھ سکتے ہیں، اور ٹیلیفون کو صرف سننے والا تنہا سنتا ہے، اس واسطے اس کی خبر میں خط سے بھی زیادہ احتمال ہے۔

ان امور مندرجہ بالا سے بخوبی واضح ہو گیا کہ اگر ٹیلیفون میں آواز کی بخوبی شناخت نہ ہو تب تو وہ بالکل ہی قابلِ التفات نہیں، اور اگر بخوبی شناخت ہو جائے تو ہلالِ فطر میں اس وقت بھی قابلِ قبول نہیں، اور ہلالِ رمضان میں بخوبی شناخت کے بعد فی نفسہٖ قبول کی گنجائش ہو سکتی ہے، لیکن عام طور پر لوگوں کی بے احتیاطی کا غالب اندیشہ ہے، اس لئے اس میں بھی عدمِ قبول ہی کا فتویٰ دیا جاتا ہے، واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

تنبیہ:۔ آجکل رویتِ ہلال کے بارے میں یہ بھی کوتاہی کی جاتی ہے کہ ہر قسم کی خبر کو معتبر سمجھ لیتے ہیں، اس کا امتیاز نہیں کرتے، کہ یہ شہادت ہے یا شہادت علی الشہادت یا مجرد حکایت، حالانکہ اس میں تفصیل طویل ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ تفصیل معلوم کر لی جاوے، فقط کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ۔ ۲۵ شعبان ۵۳ھ

الجواب عندی صحیح، اشرف علی یکم رمضان ۵۳ھ۔

فصل فیما یفسد الصوم وما یکرہ للصائم

روزہ کی حالت میں سفوفِ تمبا کو منہ میں رکھنا

سوال (۱) سفوفِ تمباکو مرکب بر ماد ورق نارجیل یا نخل صائم کو استعمال کرنا بالاحتیاط اور بغیر احتیاط اور دو تین منٹ کے بعد کلی کرنا جائز ہے یا نہیں، اور حلق کے نیچے یقیناً نہیں اُترتا ہے احتیاط کی صورت میں؟

الجواب: قال فی العالمگیریۃ ولو مص الھلیلج فدخل البزاق حلقہ لم یفسد مالم یدخل عینہ کذا فی الظھیریۃ اھ ص ۱۳۱ ج ۱۔

اس سے معلوم ہوا کہ سفوف تمباکو مرکب کا اس طرح دانتوں میں استعمال کرنا کہ حلق سے نیچے یقیناً نہ اُترے، مفسدِ صوم نہیں، اور اگر ذرا سا بھی حلق سے نیچے اُتر جائے گا تو روزہ فاسد ہے، اور اس سفوف کا استعمال بحالتِ صوم بلا ضرورت مکروہ ہے، لما فیہ من تعریض الصوم للفساد ولا یصح قیاسہ علی السواک لانہ ثبت بالسنۃ علی خلاف القیاس ولا علی العلک لکونہ ملتئم الاجزاء دون السفوف کذا قال الشیخ مد ظلہ، اور ضرورت بعد مغرب کے استعمال کرنے سے بھی رفع ہو سکتی ہے، ۲۲ ر رمضان ۱۳۴۰ھ

ادخال مسہائے بواسیری بید مبلولہ در صوم

سوال (۲) پچیس برس سے زائد زید کے بواسیری مسّے ہیں، وقتِ رفع حاجت باہر آجاتے ہیں، اُن کو پانی سے دھو کر کپڑے وغیرہ سے خشک کرتا ہے تو بجد جلن ہوتی ہے، قبض سخت ہو جاتا ہے اور خون تک آجاتا ہے، صرف پانی سے دھو کر تر گیلے آہستہ آہستہ اندر کو چڑھا دیتا ہے، تو تکلیف نہیں ہوتی، زید ہمیشہ بفضلہ تعالیٰ رمضان شریف کے باقی ہر ماہ نفل روزہ بھی رکھتا ہے، حال میں اس کو معلوم ہوا کہ تر گیلے مسّے اندر چڑھ جانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے قضا لازم آتی ہے، اب ایسی صورت میں پچیس برس سے زائد روزوں کا وہ کیا کرے، اور آئندہ روزہ کس طرح رکھے، تکلیف کی وجہ سے اس کو بوجہ عذر مسّے اندر گیلے تر چڑھانا کس طرح چاہئے، اور روزہ کس طرح رکھنا چاہئے؟ فدیہ کی بھی اس قدر اس میں قوت نہیں ہے۔

الجواب: قال فی الدر ولو بالغ فی الاستنجاء حتی بلغ موضع الحقنۃ

فسد وھذا اقلما یکون، ولوکان فیورث داءً عظیماً اھ قال الشامی ثم فی بعض النسخ المحقنة بالمیم وھی اولیٰ قال فی الفتح والحد الذی یتعلق بالوصول الیہ الفساد قدر المحقنة اھ ای قدر ما یصل الیہ رأس المحقنة التی ھی آلة الاحتقان وعلی الاول فالمراد الموضع الذی ینصب منه الدواء الی الامعاء اھ (۱۵۸ ج ۲) قلت وثبور البواسیر التی تخرج وقت الاستنجاء انما تکون داخلة قدر الاصبع والقدر الذی یصل الیہ رأس المحقنة ھو خمسة اصابع من الی ستة لایکون اقل من ذلک کما افادہ الطبیب الحاذق القاضی بشیر الدین اللکنوی فالبلة الکائنة علی تلک البثور لاتبلغ قدر المحقنة اصلا فلزم القول بعدم فساد الصوم بتلک البلة واللہ اعلم وقول الدر ولو الاصبع مبتلة فسد قید الشامی بما لوادخل الاصبع الی موضع المحقنة (ص ۱۵۸ ج ۲)

عبارات درمختار اور شامی اور فتح القدیر سے معلوم ہوا کہ استنجے میں تری کا اندر پہنچنا جب مفسدِ صوم ہے کہ تری قدر محقنہ پر پہونچ جائے اس سے کم مقدار میں اندر تری پہنچنا مفسد نہیں، اور ہم کو طبیب حاذق کے قول سے جن پر ہم کو اعتماد و وثوق ہے معلوم ہوا ہے کہ حالتِ احتقان میں رأس محقنہ پانچ چھ انگل اندر پہونچایا جاتا ہے، تب احتقان ہو سکتا ہے، اس سے کم میں نہیں، اور بواسیری مسّے اتنے اندر نہیں ہوتے بلکہ ایک دو انگل اندر ہوتے ہیں، تو ان پر تری کا لگا رہنا اور اسی حالت سے اندر پہونچنا قدر محقنہ تک تری پہونچنے کو مستلزم نہ ہوگا، لہذا اس حالت میں روزہ بھی فاسد نہ ہوگا، باقی احتیاط یہ ہے کہ ایسا مریض حتی الامکان جس قدر تری کو بلا مشقت خشک کرکے مسّے اندر کر سکتا ہو اس کے خشک کرنے میں کوتاہی نہ کرے، باقی مسّوں کے خشک کرنے میں مبالغہ کی ضرورت نہیں، قال فی مراقی الفلاح اوادخل اصبعہ مبلولة بماء اودھن فی دبرہ او استنجی فوصل الماء الی داخل دبرہ او فرجھا الداخل بالمبالغة فیہ والحد الفاصل الذی یتعلق بالوصول الیہ الفساد قدر المحقنة اھ قال الطحطاوی ای قدر ما تاخذ من المحل الذی تصل الیہ اھ (ص ۳۹۳ و ۳۹۴) وفی الدر اوبقی بلل فی فیہ بعد المضمضة او ابتلعہ مع الریق اھ قال الشامی وینبغی اشتراط البصق بعد مج الماء لاختلاط

الماء بالبصاق فلا یخرج بمجرد المج نعم لایشترط المبالغة فی البصق لان الباقی بعدہ مجرد بلل ورطوبة لایمکن التحرز عنہ اھ (ص ۱۵۷ ج ۲) واللہ اعلم،

۲ ذیقعدہ ۱۳۴۳ھ۔

طاعونی ٹیکہ لگوانا مفسد صوم ہے یا نہیں

سوال (۳) روزہ کی حالت میں ٹیکہ لگوانا کیسا ہے ٹیکہ لگانے سے روزہ جاتا رہتا ہے یا نہیں، تحریر فرمائیں؟

الجواب: قال فی الدر او اقطر فی احلیلہ ماءً او دھنا وان وصل الی المثانة علی المذھب ای لایفسد ۱۲ واما فی قبلھا فمفسد اجماعا لانہ کالحقنة اھ قال الشامی علی المذھب ای قول ابی حنیفة ومحمد معہ فی الاظھر و، قال ابو یوسف یفطر والاختلاف مبنی علی انہ ھل بین المثانة والجوف منفذ اولا وھو لیس باختلاف علی التحقیق والاظھر انہ لامنفذ لکن ایقول الاطباء زیلعی وافاد انہ لو بقی فی قصبة الذکر لایفسد اتفاقا لان العلة من الجانبین الوصول الی الجوف وعدمہ بناء علی وجود المنفذ وعدمہ لکن ھذا یقتضی عدم الفساد فی حشو الدبر وفرجھا الداخل ولا مخلص الا باثبات ان المدخل فیھما تجذبہ الطبیعة فلا یعود الا مع الخارج المعتاد وتمامہ فی الفتح، قلت الاقرب التخلص بان الدبر والفرج الداخل من الجوف اذلا حاجز بینھما وبینہ فھما فی حکمہ والفم والانف وان لم یکن بینھما وبین الجوف حاجز الا ان الشارع اعتبرھما فی الصوم من الخارج وھذا بخلاف قصبة الذکر فان المثانة لا منفذ لھما علی قولھما اھ (ص ۱۶۱ ج ۲)۔

وفی الدر ایضا او اکتحل او ادھن وان وجد طعمہ فی حلقہ اھ قال الشامی ای طعم الکحل او الدھن وکذا البزق فوجد لونہ فی الاصح بحر قال فی النھر لان الموجود فی حلقہ اثر داخل من المسام الذی ھو خلل البدن والمفطر انما ھو الداخل من المنافذ اھ (ص ۱۵۶ ج ۲) وفی الکنز وان احتقن او استعط او اقطر فی اذنہ او داوی جائفة او آمة بدواء ووصل الدواء الی جوفہ او دماغہ افطر اھ وکذا ھو فی اکثر المتون قال الشامی الجائفة الطعنة التی بلغت الجوف او نفذتہ والآمة من اممتہ بالعصاء اذا ضربت ام رأسہ

وهی الجلدة التی تجمع الدّماغ قال فی البحر والتحقیق ان بین جوف الرّأس وجوف المعدة منفذاً اصلیاً فما وصل الی جوف الرّأس یصل الی جوف البطن اھ ط (ص ۱۶۴ ج ۲) وفی البدائع وما وصل الی الجوف اوالی الدماغ من المخارق الاصلیة کالانف والاذن والدّبر بان استعط او احتقن او اقطر فی اذنه فوصل الی الجوف اوالی الدّماغ فسد صومه اما اذا وصل الی الجوف فلاشک فیه لوجود الاکل من حیث الصّورة وکذا اذا وصل الی الدّماغ لانّ له منفذاً الی الجوف فکان بمنزلة زاویة من زوایا الجوف وقد روی عن النبی صلی الله علیه وسلّم انه قال للقیط بن صبرة بالغ فی المضمضة والاستنشاق الّا ان تکون صائماً ومعلوم ان استثناءه حالة الصّوم للاحتراز عن فساد الصّوم والّا لم یکن للاستثناء معنیً واما ما وصل الی الجوف اوالی الدماغ عن غیر المخارق الاصلیة بان داوی الجائفة والآمّة فان داواها بدواءٍ یابسٍ لا یفسد لانه لم یصل الی الجوف ولا الی الدّماغ ولو علم انه وصل یفسد فی قول ابی حنیفةؒ وان داواها بدواء رطب یفسد عند ابی حنیفةؒ وعندهما لا یفسد هما اعتبرا المخارق الاصلیّة لانّ الوصول الی الجوف من المخارق الاصلیة متیقن به ومن غیرها مشکوک فیه فلا نحکم بالفساد مع الشّک، ولابی حنیفةؒ ان الدّواء اذا کان رطباً فالظّاهر هو الوصول لوجود المنفذ الی الجوف فیبنی الحکم علی الظاهر، واما الاقطار فی الاحلیل فلا یفسد عند ابی حنیفة وعندهما یفسد، قیل انّ الاختلاف بینهم بناء علی امر خفی وهو کیفیة خروج البول من الاحلیل فعندهما ان خروجه منه لانّ له منفذاً فاذا اقطر فیه یصل الی الجوف کالاقطار فی الاذن وعند ابی حنیفة انّ خروج البول منه من طریق الترشّح کترشّح الماء من الخزف الجدید فلا یصل بالاقطار فیه الی الجوف والظاهر انّ البول یخرج منه خروج الشیٔ من منفذه کما قالا، وروی الحسن عن ابی حنیفةؒ مثل قولهما وعلی هذه الرّوایة اعتمد استاذی، واما الاقطار فی قبل المرءة فقد قال مشائخنا انه یفسد صومها

ع۵ قلت حدیث صحیح صحّحه ابن القطان کما فی الاستدراک الحسن ۱۲ منه

بالاجماع لان لمثانتها منفذًا فیصل الی الجوف کالاقطار فی الاذن اھ ص ۹۳ ج ۲)

ان عبارات سے چند مقدمات ممہد ہوئے:۔

(۱) جو چیز جوف کی طرف بدون منفذ کے پہونچے وہ مفطر نہیں، ودلیلہ مسئلۃ الاکتحال وغیرہ۔

(۲) افطار کامدار دخول من المنفذ پر ہے، صاحبینؒ کے نزدیک تومنافذ اصلیہ سے دخول شرط ہے، اور امام صاحبؒ کے نزدیک منافذ اصلیہ کے سوا دوسرے منافذ سے بھی دخول مفطر ہے۔

(۳) منفذ سے مراد یہ ہے کہ دماغ یا جوف تک بلاواسطہ عروق کے رستہ ہو جائے چنانچہ مخارق غیر اصلیہ کی مثال میں جائفہ اور آمّہ کا بیان کرنا اس کی دلیل ہے تمام متون وشروح میں مخارق غیر اصلیہ میں امامؒ وصاحبینؒ کے اختلاف کو جائفہ اور آمّہ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر جراحت جائفہ اور آمہ کی حد تک نہ پہونچے، اور جوف ودماغ تک بلاواسطہ منفذ نہ ہو تو امام صاحبؒ کے نزدیک بھی اس کے ذریعہ سے وصول مفطر نہیں، لان المفطر انما ھو الداخل من المنافذ۔

اور صاحب بدائع نے امام صاحب کی طرف سے جو دلیل بیان کی ہے وہ اس پر صاف دلالت کر رہی ہے، "وھو قول ابی حنیفۃ ان الدواء اذا کان رطبا فالظاھر ھو الوصول لوجود المنفذ الی الجوف" اس سے معلوم ہوا کہ جائفہ اور آمہ میں دواءِ رطب کا استعمال اسی لئے مفطر ہے کہ اس صورت میں دخول الی الجوف منفذ سے ہو رہا ہے، اور ظاہر ہے کہ یہاں منفذ سے وہ راستہ مراد ہے جو بلاواسطہ جوف سے متصل ہے نہ کہ بواسطۂ عروق کے، ورنہ امام صاحبؒ اقطار فی الاحلیل میں صاحبینؒ کے خلاف نہ کرتے، کیونکہ گو وہاں منفذ بلاواسطہ نہ ہو مگر منفذ بواسطہ تو یقیناً ہے، جس سے ترشح بول بمقدار کثیر ہوتا ہے، مگر اس کو امام صاحب منفذ نہیں مانتے، پس معلوم ہوا کہ امام صاحب مخارق اصلیہؔ کے سوا دیگر مخارق کو بحکم مخارق اصلیہ اس وقت مانتے ہیں جبکہ وہ مخارقِ اصلیہ کی طرح بلاواسطہ جوف ودماغ تک متصل ہوں۔

اس تمہید کے بعد طاعونی ٹیکہ کا حکم ظاہر ہے، کہ وہ مفطرِ صوم نہیں، کیونکہ جس مقام پر وہ لگایا جاتا ہے وہاں سے جوف ودماغ تک منفذ نہیں، اور اگر منفذ ہو بھی تو بلاواسطہ نہیں بلکہ بواسطۂ عروق کے ہے، پس اس سے دوا کا جوف میں وصول ایسا ہی ہوگا جیسا کہ احلیل سے جوف میں دوا کا اثر ہوتا ہے، کہ وہ بھی بلا منفذ ہے، اور عروق

کے واسطہ سے ہے، علاوہ ازیں طاعونی ٹیکہ میں دوا کے چند قطرات ہوتے ہیں جو اول بازو کے خون میں پہونچتے ہیں، پھر اس خون کے دوران سے بقیہ جسم کے خون میں پہونچتے ہیں، اسی طرح اگر کچھ خون اس دوا کا اثر لئے ہوئے جوف میں بھی پہونچتا ہو تو اس سے افطار کیونکر ہوسکتا ہے، کیونکہ اس وقت وہ جوف میں تلاشی کے بعد پہونچتا ہے، کما اذا مضغ العلک والسمسم ثم ابتلعہ، نیز ہم کو ایک طبیب سے معلوم ہوا ہے کہ ٹیکہ کی دوا جوف میں نہیں پہنچتی بلکہ صرف عروقِ جسم میں سرایت کرتی ہے، مگر اس پر مدار فتویٰ نہیں، بلکہ مدار پہلی دلیلوں پر ہے، اس کو محض تائید کے درجہ میں لکھ دیا گیا، واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
۲۱ رشوال ۱۳۴۴ھ

نعم التحقیق وبالقبول الحقیق
کتبہ اشرف علی، ۲۳ رشوال ۱۳۴۴ھ

بعد افطار اندام نہانی میں کوئی دوا بحالتِ صوم باقی رہے تو روزہ پر اس کا کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟

سوال (۴) اس امر کا تو ہدایہ سے پتہ چل گیا کہ آقبالِ نساء میں اگر دوا ٹپکائی جاوے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، مگر یہ اس سے بھی نہ معلوم ہوا کہ بعد افطار اگر کوئی ذی جرم دوا اس میں رکھدی جاوے اور وہ بحالتِ صوم بھی باقی رہے تو روزہ پر اس کا کیا اثر ہوگا اسی امر کے معلوم ہونے کی ضرورت ہے؟

الجواب: او ادخل قطنة او خرقة او خشبة او حجرًا فی دبرہ او ادخلتہ فی فرجہا الداخل وغیبہا لانہ تم الدخول بخلاف ما لو بقی طرفہ خارجا لان عدم تمام الدخول کعدم دخول شیء بالمرة اھ (ص ۳۹۴ مراقی الفلاح) بعد افطار کے جو شے داخل کی جائے خواہ تر ہو یا خشک اس کے بقاء بحالِ صوم سے تو فطر کا کچھ شبہ نہیں، اسی لئے فقہاء نے اس سے تعرض نہیں کیا، اس صورت میں روزہ صحیح ہے، اور خشک چیز کا تو بحالِ صوم رکھنا بھی اُس وقت موجبِ فطر ہے، جبکہ پوری اندر ہو، اور اگر کچھ حصہ باہر فرج خارج میں نکلا ہے تو مفطر نہیں، واللہ اعلم۔

طاعونی ٹیکہ اور فصد لگوانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا

سوال (۵) رمضان میں ٹیکہ لگانا یا فصد کرانا یا بذریعہ آلہ دوا بازو میں پہنچانا جیسا کہ اس نواح میں اب ڈاکٹر لوگ بوجہ پلیگ کے کرتے ہیں، روزہ میں نقصان کرے گا یا نہیں، اللہ سے امید ہے کہ حضور تسلی بخش جواب دے کر مشکور فرما دیں گے؟

الجواب: طاعونی ٹیکہ یا چیچک کا ٹیکہ یا فصد لگوانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

۲۱ ررمضان ۴۷ھ

صوم معذور کا حکم

سوال (۶) زید کا دماغ یا پھیپھڑا یا مسوڑھوں کے پھول جانے یا دانتوں کے ہلنے کے سبب منہ کے راہ خون آتا رہتا ہے، یہاں تک کہ سانس کے ذریعے فرو حلق بھی جاگتے سوتے ہوتا ہے، ایسی حالت میں اگر زید روزے رکھے تو اس کا روزہ ادا ہوگا یا نہیں، اگر روزہ اس کا اس سبب سے نہیں ادا ہوتا ہے تو بدلے ان روزوں کے زید کو شرعاً کیا کرنا چاہیے؟ بینوا بالکتاب توجروا بالصواب۔

الجواب: جس شخص کے دانتوں میں سے اکثر خون آتا رہتا ہو، اور بلا اختیار جاگتے ہوئے یا سوتے ہوئے حلق میں بھی داخل ہو جائے اس کا حکم کسی جگہ صریح نہیں ملا، مگر علامہ شامیؒ نے اتنا لکھا ہے کہ: ومن هذا يعلم حكم من قلع ضرسه في رمضان ودخل الدّم الى جوفه في النّهار ولو نائماً فيجب عليه القضاء الّا ان يفرق بعدم امكان التحرّز عنه فيكون كالقئ الذى عاد بنفسه فليراجع۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کے روزہ کو صحیح کہنے کی گنجائش ہے، اور اگر شامی کی عبارتِ ذیل پر نظر کی جاوے تو اور بھی زیادہ گنجائش معلوم ہوتی ہے، (قوله ولم يصل الى جوفه) ظاهر اطلاق المتن انه لا يفطر وان كان الدّم غالبًا على الريق وصححه في الوجيز كما في السراج وقال وجهه انه لا يمكن الاحتراز عنه عادة فصار بمنزلة ما بين اسنانه الخ، پس صاحبِ وجیز بدون مرض بھی دم خارج من بین الاسنان کو غیر ممکن الاحتراز قرار دے کر موجبِ فساد قرار نہیں دیتے، تو حالتِ مذکورہ فی السوال میں تو بدرجۂ اولیٰ دخولِ دم فی الجوف کو غیر مفسد کہیں گے، جس میں احتراز کا عدمِ امکان مسلّم ہے، واللہ اعلم۔

ھدایت ضروری:- چونکہ یہ مسئلہ قیاس سے لکھا گیا ہے اس واسطے دوسرے علماء کو دکھالینا ضروری ہے۔

۱۱ ررجب ۵۲ھ

عود اور اگربتی کا دھواں حلق میں جانے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے یا نہیں

سوال (۷) حالتِ روزہ میں قرآن مجید پڑھتے وقت نزدیک عود اور اگر بتی جلائی جائے اور اس سے دھواں حلق میں جائے تو روزہ فاسد ہوگا یا نہیں؟

الجواب: اس صورت میں تو روزہ فاسد نہیں، ہاں، اگر بتی کو پاس رکھ کر اس کے دھویں کو سونگھا جائے، اور حلق میں داخل کیا جائے، تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

قال فی الدر (ص ۱۵۶ ج ۲): او دخل حلقه غبار او ذباب او دخان ولو ذاكرا استحسانا لعدم امكان التحرز عنه ومفاده انه لو ادخل حلقه الدخان افطر ای دخانا كان ولو عودا او عنبرا قال الشامی حتی لو تبخر بجوره فآواه الی نفسه واشتمه ذاكرا الصومه افطر اه قلت قيود الفقه احترازية فلو تبخر ولم يؤوه الی نفسه ولم يشمه لم يفطر فان ذلك من دخول الدخان لا من ادخاله - والله اعلم۔

خلاصہ یہ کہ دھویں کو پاس رکھ کر سونگھا نہ جائے، دور رکھ کر بیٹھا جائے اور خوشبو آتی رہے تو مضائقہ نہیں، ۲۰ محرم ۴۹ھ۔

فصل فی القضاء والکفارۃ

مسافر اگر روزہ افطار کرے تو کفارہ نہیں

سوال (۱) مسافر در سفر بوجود قصر روزۂ رمضان روزہ نہاد، پس بمیان نیمروز آں روزہ نہادہ را عمداً افطار ساخت آیا کفارہ واجب گردد یا قضا؟

الجواب: وللمسافر الذی انشأ السفر قبل طلوع الفجر اذ لا يباح له الفطر بانشائه بعد ما اصبح صائما قال الطحطاوی لكن اذا افطر لا كفارة عليه، نور الایضاح مع الطحطاوی، اس سے معلوم ہوا کہ مسافر افطار کرے تو کفارہ نہیں۔ ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۴۰ھ۔

کفارۂ صیام میں بہت بوڑھے اور بڑھیا کو کھلانا جائز ہے یا نہیں؟

سوال (۲) بہشتی زیور میں روزہ کے کفارہ کے لئے ساٹھ مسکینوں کو کھلانے کے متعلق لکھا ہے، اگر بعضے بالکل چھوٹے بچے ہوں تو جائز نہیں، سوال یہ ہے کہ اگر بالکل بوڑھا بوڑھی ہوں تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بہت بوڑھا اور بوڑھی کو کفارہ میں کھلانا جائز ہے، قال فی الهداية فان غداهم وعشاهم جاز قليلا كان ما اكلوا او كثيرا اه وقال صاحب النهاية لان المعتبر هو الشبع لا المقدار اه وقال الشامی عن البحر والمنح: ولو كان فيمن اطعمهم صبی فطيم لم يجزه لانه لا يستوفی

کما مرّ اھ وفی التاتر خانیۃ: اذا دعا مساکین واحد ھم صبیّ فطیم او فوق ذلک لا یجزءہ کذا ذکر فی الاصل وفی المجرّد اذا کانوا اغلما نا یعتمد مثلھم یجزاہ وبہ ظھر ایضاً انّ المراد بالفطیم ولبغیر المراھق من لا یستوفی الطعام المعتاد وفیہ ایضاً ولوکان فیھم شبعان قبل الاکل اوصبی لم یجزاہ (ص ۹۵۹ و ۹۶۰ ج ۲) قلت والکبیر والکبیرۃ ممن یستوفی الطعام عادۃ وخلافہ نادر، واللہ اعلم۔

مورخہ ۴ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ

حکم نیت کفارۂ رمضان بالتعلیق

سوال (۳) ایک شخص نے رات کو کفارۂ صوم کی نیت اس طرح کی کہ اگر کل کو یہ محقق ہو گیا کہ شروع ماہ سے روزہ شروع کرنے سے ساٹھ روزے پورے کرنے نہ پڑیں گے، بلکہ دو مہینہ کا روزے رکھنا کافی ہو جائے گا، نیز شیخ نے بھی روزہ رکھنے کی اجازت دیدی تو کل کو میں ضرور کفارہ کا روزہ رکھوں گا، اس طرح نیت درست ہوئی یا نہیں؟

الجواب: اس صورت میں نیت صحیح نہیں ہوئی، کیونکہ جزم نہیں پایا گیا بلکہ نیت معلق ہے، اور تعلیق کے ساتھ نیت قضاء وکفارات صحیح نہیں ہوتی، قال فی مراقی الفلاح: واما القسم الثانی وھو ما یشترط لہ تعیین النیّۃ وتبییتھا فھو قضاء رمضان وقضاء ما افسدہ من نفل وصوم الکفارات بانواعھا الی ان قال: ولا تبطل النیۃ بقولہ: اصوم غداً ان شاء اللہ تعالیٰ لانہ بمعنی الاستعانۃ وطلب التوفیق الا ان یرید حقیقۃ الاستثناء اھ قال الطحطاوی: والتعلیل یفید انّ المشیءۃ لا تبطل مطلقا ولو قصد حقیقتہ (ای لکونہ بمعنی الاستعانۃ) ولٰکن لکلام المؤلف وجہ وھو انہ اذا قصد التعلیق کان غیر جازم بالنیۃ وھو ظاھر، واللہ تعالیٰ اعلم، (ص ۳۷۶)۔

کفارۂ صوم میں رمضان اور عید الفطر مبطل رہتا ہے

سوال (۴) اگر رجب کی یکم کو کفارۂ رمضان کا روزہ شروع نہ کر سکا، تو اب اگر یہ شخص ۲ رجب سے صیام کفارہ کو شروع کرے تو درمیان میں رمضان وعید الفطر کے واقع ہونے سے تتابع باطل تو نہ ہوگا، یا باطل ہو جائے گا، اور اس کو از سر نو استیناف کرنا ہوگا؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں رمضان وعید الفطر کا توسط مبطلِ تتابع ہے،

بعد رمضان کے پھر ساٹھ روزے از سر نو رکھنے پڑیں گے، قال فی الدر ان صام شہرین متتابعین ولو ثمانیۃ وخمسین یوما بالھلال والا فستین یوما لیس فیھما رمضان وایام نھی عن صومھا وکذا کل صوم شرط فیہ التتابع فان افطر بعذر کسفر ونفاس بخلاف الحیض او بغیرہ او وطئھا المظاھر استأنف الصوم اھ (ص ۹۵۶ و ۹۵۷ ج ۲) واللہ اعلم، غرۃ رجب ۴۵ھ۔

نذر روزے اگر کسی عذر مثلاً بیماری کی وجہ سے نہ رکھ سکے تو کتنا کفارہ لازم ہوگا؟

سوال (۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین کہ ایک آدمی نے نذر کی ہے کہ اے اللہ تعالیٰ میری بلا ومصیبت اگر دور ہوجائے تو میں تیرے واسطے ہر چاند میں یعنی ہر مہینہ میں پانچ پانچ روزے رکھوں گا، اب وہ بلا ومصیبت دور ہوگئی ہے، اب وہ شخص ہر مہینہ میں روزے رکھے یا نہیں؟ اور اس کے اوپر عمر بھر کے روزے رکھنا واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب ہوگیا تو اگر یہ روزہ ادا نہ کرے تو کفارہ دینے سے عمر بھر کے روزے ادا ہوں گے یا نہیں، اگر ادا ہوجائیں تو کتنا کفارہ دینے سے ادا ہوگا، یعنی کیا چیز دے گا اور یہ شخص بیماری کی وجہ سے لاچار ہے، لہذا فتویٰ منگوایا جاتا ہے؟

الجواب: جب یہ شخص بیماری کی وجہ سے روزہ رکھنے سے عاجز ہے تو اس کو چاہئے کہ ہر ماہ میں پانچ روزوں کا فدیہ دیدیا کرے، یعنی ہر روزے کے عوض صدقہ فطر کے برابر گیہوں وغیرہ دیدے، یا ایک مسکین کو پیٹ بھر کر دو وقت کھانا کھلاوے، کما فی العالمگیریۃ (ص ۱۳۵ ج ۱) ولو اخر القضاء حتی صار شیخا فانیا او کان النذر بصیام الابد فعجز لذلک او باشتغالہ بالمعیشۃ لکون صناعۃ شاقۃ لہ ان یفطر ویطعم لکل یوم مسکینا علی ما تقدم اھ وفیہ ایضا (ص ۱۳۳ ج ۱) فالشیخ الفانی الذی لا یقدر علی الصیام یفطر ویطعم لکل یوم مسکینا کما یطعم فی الکفارۃ وفی المجلد الثانی منہ (ص ۱۵۱) فان غداھم وعشاھم واشبعھم جاز سواء حصل الشبع بالقلیل او الکثیر، کذا فی شرح النقایۃ لابی المکارم، ۲۸ رجمادی الاول ۴۴ھ۔

استفسار متعلق کفارۂ صوم

سوال (۶) ایک عرض ہے کہ عید الضحیٰ کی تعطیل میں احقر جناب کا قدمبوس ہوا تھا، جناب سے اپنے توڑے ہوئے روزوں کے متعلق دریافت

کیا تھا، آنحضور نے فرمایا تھا کہ اقصر ایام شتا میں کفارہ ادا کیجیو، سو اب سردی کا زمانہ آگیا ہے اور احقر کا ارادہ ہے کہ ۱۵ رجمادی الاول سے روزے شروع کردوں، اول تو جناب والا سے دوبارہ اجازت چاہتا ہوں، دوسرے یہ کہ ۱۵ ر رجب تک رکھنے چاہئیں یا ۱ ر جمادی الاول سے شمار کر کے ۶۰ روزے رکھنے چاہئیں؟ تیسرے یہ کہ اگر کسی رات کو نیت کرنی بھول جاؤں یا صبح صادق کے بعد آنکھ کھلے تو کیا کرنا چاہئے؟ اس کے علاوہ بھی جو بات قابل عمل ہو تحریر فرماویں۔ فقط

الجواب: فی الدر المختار (صام شهرين ولو ثمانية وخمسين) بالهلال والا فستين يوما وفی الشامی: قوله بالهلال حال من لفظ الشهرين المقدرين بعد لو، وفی بعض النسخ: لو بالهلال وحاصله: انه اذا ابتدأ الصوم فی اول الشهر كفاه صوم شهرين تامين او ناقصين وكذا لو كان احدهما تاما والآخر ناقصا، (قوله والا) ای وان لم يكن صومه فی اول الشهر برؤية الهلال بان غم او صام فی اثناء شهر فانه يصوم ستين يوما وفی كافی الحاكم وان صام شهرا بالهلال تسعة وعشرين وقد صام قبله خمسة عشر وبعده خمسة عشر يوما اجزأه (ص ۹۵۲ ج ۲) وفی البحر وغيره كالدر المختار قلت وفيه الاحتياط۔

پس صورت مسئولہ میں پورے ساٹھ روزے رکھے جاویں اور روزۂ کفارہ کی نیت غروب شمس وطلوع فجر کے درمیان ضروری ہے، اگر اس وقت میں نیت نہ ہوئی تو استیناف کرنا پڑیگا اس لئے بہت اہتمام کیا جاوے، فی تنویر الابصار: والشرط للباقی النية وتعيينها وقال الشامی تحت قوله للباقی وهو قضاء رمضان الی قوله كفارة الظهار والقتل واليمين والافطار (ص ۱۹۳ ج ۲) کتبہ الاحقر عبد الکریم

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ ۴ ر جمادی الاول ۴۵ھ

فصل فی الاعذار المبیحۃ للافطار

فصل کی کٹائی کے واسطے روزہ افطار کرنا جائز ہے یا نہیں؟	سوال (۱) فصل کٹائی یا کسی ایسے ہی سخت مشقت والے کام کے لئے روزہ کا افطار جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر فصل کاٹنے میں تاخیر کرنے سے زراعت کے ضائع ہونے کا خطرہ نہ ہو تب تو کاشتکار کو لازم ہے کہ فصل کو بعد رمضان کے کاٹے، اور اگر تاخیر سے زراعت کے

کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو اس لئے رمضان ہی میں کاٹنا پڑے اور کٹائی کی حالت میں روزہ دشوار ہو تو کاشتکار کو اس حالت میں افطار جائز ہے، اور درست ہے کہ بعد رمضان کے ان ایام کی قضا کرے کفارہ نہ ہوگا، قال فی الفتاوی الکاملیۃ سئلت عن حصاد لم یقدر علی حصاد زرعہ مع الصوم واذا اخرہ یھلک ھل یجوز لہ الافطار حینئذ. فالجواب نعم یجوز لہ ذلک حینئذ فقد نقل المحقق ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی حواشیہ علی الدر عن الخیر الرملی مانصہ وعلی ھذا الحصاد اذا لم یقدر علیہ مع الصوم ویھلک الزرع بالتاخیر لاشک فی جواز الفطر والقضاء اھ واللہ اعلم، ص ۱۶ و ۱۷، ۲۱ رمضان ۱۳۴۱ھ

عذر کی بنا پر افطار کرنے والے کو افطار کا اعلان نہیں چاہئے

سوال (۲) معذور علی الاعلان لوگوں کو کہدے کہ میں روزہ نہیں رکھوں گا، اور ظاہرا کھاتا پیتا پھرے، یا اپنے معاملہ کو محفوظ و پوشیدہ رکھے؟

الجواب: جو لوگ عذر کی وجہ سے افطار کریں اُن کو اپنے افطار کا اعلان نہ کرنا چاہئے چھپکر کھانا پینا چاہئے، اور اپنے حال کو پوشیدہ رکھنا چاہئے، اور جو اتفاقاً کسی کو معلوم ہو جاوے تو اس سے اپنا عذر بیان کر دے۔ ۲۱ رمضان ۱۳۴۱ھ

عورت کو حالتِ روزہ میں حیض آجائے تو باقی وقت میں کھا پی سکتی ہے یا نہیں؟

سوال (۳) روزہ دار کو بحالت روزہ حیض آگیا تو اب باقی وقت اسی طرح پورا کرے یا کچھ کھا پی لیوے، اگر کچھ کھا لیوے تو گناہ تو نہیں ہوا؟ اور افضل کونسا ہے؟

الجواب: حیض کی حالت میں عورت کو روزہ داروں کی طرح رہنا جائز نہیں، بلکہ اس کو کھا پی لینا چاہئے، لیکن کھلم کھلا نہ کھانا چاہئے، چھپ کر کھاوے، قال فی نور الایضاح: یجب علی الصحیح وقیل یستحب الامساک بقیۃ الیوم علی من فسد صومہ ولو بعذر ثم زال وعلی حائض ونفساء طھرتا بعد طلوع الفجر قال الطحطاوی فی حاشیتہ واما فی حالۃ تحقق الحیض والنفاس فیحرم الامساک لان الصوم منھما حرام والتشبہ بالحرام حرام وکذلک لا یجب الامساک علی المریض والمسافر لان الرخصۃ الافطار فی حقھما باعتبار الحرج ولو الزمنا ھما التشبہ لعاد الشیٔ علی موضوعہ بالنقض ولکن لا یاکلون جھرا بل سرا اھ قلت التعلیل یشتمل الحائض وقت طلوع الفجر والحائض بعدہ فکلاھما یحرم علیھما الصوم نعم

بینهما فرق من وجه وهو ان الاولیٰ فسد صومها بعد الشروع فیه والثانیۃ حرم علیهما الصوم ابتداء ولکنهما تشترکان فی حرمۃ الصوم بعد تحقق الحیض، واللہ اعلم۔ ۳۰ رشعبان ۱۳۴۵ھ

استفتاء عن القلب اور معذور کیلئے افطار کا حکم

سوال (۴۶) فدوی نے پہلا روزہ رکھا دن بھر طبیعت خراب رہی بعد افطار بہت ہی خراب ہوگئی، کہ عرض نہیں کرسکتا، فدوی جانتا ہے یا فدوی کا خدا، بموجب حکم حضور پُر نور دل سے فتویٰ لیا، دل نے کہا کہ بموجب حکم اللہ تعالیٰ جل شانہ، ہم کو روزہ نہیں رکھنا چاہیے۔

اوّل حکم، اپنے کو تہلکہ میں مت ڈالو۔

دوسرا حکم، اللہ تعالیٰ جل جلالہ وجل شانہ، کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتا ہے جو وہ برداشت نہ کرسکے۔

تیسرا حکم، جان بچانی فرض ہے۔

اب فدوی روزہ نہیں رکھتا ہے، دل کا فتویٰ صحیح ہے یا کیا؟

الجواب: دل سے فتویٰ لینا اور اس کے فتوے پر عمل کرنا ہر شخص کو جائز نہیں اور نہ ہر مسئلہ میں جائز ہے، بلکہ اس کا محل وہ امور ہیں جن میں دلیلیں متعارض ہوں، اور ظاہر میں کسی دلیل کو دوسری پر ترجیح نہ ہو تو ایسے مواقع میں فتویٰ قلب پر وہ شخص عمل کرسکتا ہے جو کامل الایمان ہو اور سلیم الفہم عارف بدقائق النفس ہو، صرح باصلہ الشیخ فی رسالۃ التشرف (ص)۔

پس آپ کا روزہ کے معاملہ میں قلب سے فتویٰ لینا بالکل غلط تھا جبکہ علماء حکم شرعی بتلانیوالے موجود تھے، جو معرفت وعلم وکمال ایمان میں آپ سے زائد ہیں، پس اوّل آپ کسی طبیبِ حاذق عادل سے نبض وغیرہ دکھلا کر دریافت کیجئے، کہ روزہ رکھنا آپ کو حالتِ موجودہ میں مضر ہے یا نہیں، اگر وہ صوم کو مُضر بتلائے اور یہ کہے کہ روزہ سے مرضِ شدید ہوجائے گا جس کا تحمّل دشوار ہوگا، تو آپ کو روزہ نہ رکھنا جائز ہوگا، اور رمضان کے بعد قضا واجب ہوگی، خواہ سردیوں میں قضا کردی جاوے، اور اگر روزہ کو مضر نہ بتلائے تو روزہ رکھنا فرض ہے، اور قدرِ قلیل تعب وسوء مزاج قابلِ اعتبار نہیں۔ واللہ اعلم۔

۱۲ رمضان ۱۳۴۵ھ

فصل فی صوم النذر وصوم القضاء وصوم النفل

جس کے ذمہ دو رمضان کے روزے قضا ہوں اور وہ مطلق قضاء رمضان کی نیت کرے تو کیا حکم ہے؟

سوال (۱) ایک شخص کے ذمہ دو رمضانوں کے روزے ہیں، اس نے رات کو قضاء رمضان کا روزہ رکھنے کی نیت کی، لیکن پہلے رمضان یا دوسرے رمضان کی تعیین نہیں کی مطلق قضاء رمضان کی نیت کرلی تو وہ روزہ قضاء کی جانب سے صحیح ہوجائیگا یا نفل ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں وہ روزہ قضاء رمضان میں محسوب ہوجائے گا، نفل نہ ہوگا، قال فی العالمگیریۃ ص ۱۲۶ ج ۱: اذا وجب علیہ قضاء یومین من رمضان واحد ینبغی ان ینوی اول یوم وجب علیہ قضاءہ من ھذا الرمضان، وان لم یعین الاول یجوز وکذا لو کان علیہ قضاء یومین من رمضانین ھو المختار ولو نوی القضاء لا غیر یجوز وان لم یعین کذا فی الخلاصۃ اھ واللہ اعلم۔

۶ رشوال سنہ ۴ھ

باب الاعتکاف

معتکف کے لئے مسجد میں ریح صادر کرنے کا حکم

سوال (۱) معتکف کو اگر ریح صادر کرنے کی ضرورت ہو تو وہ کیا کرے، آیا مسجد ہی میں ریح صادر کردے یا مسجد سے باہر نکل کر صادر کرے؟

الجواب: اصح یہ ہے کہ مسجد سے باہر نکل کر صادر کرے، قال فی العالمگیریۃ: سئل ابو حنیفۃ رح عن المعتکف اذا احتاج الی الفصد والحجامۃ ھل یخرج؟ فقال لا، وفی اللآلی واختلف فی الذی یفسو فی المسجد فلم یر بعضھم بأسًا وبعضھم قالوا لا یفسو ویخرج اذا احتاج الیہ وھو الاصح کذا فی التمرتاشی اھ ص ۲۱۵، ج ۲، واللہ اعلم۔

۹ رجمادی الاولیٰ سنہ ۴ھ

معتکف کیلئے خارجِ مسجد نماز ادا کرنے کا حکم

سوال (۲) مسجد کے سامنے جو صحن ہے جس میں موسم گرمی میں نماز مغرب وعشاء ادا کرتے ہیں، لیکن اس کو لوگ نہ داخلِ مسجد سمجھتے ہیں نہ اس کی حرمت مسجد کی سی کرتے ہیں اور بانی کے طرزِ عمل سے بھی خارج مسجد ہونا معلوم ہوتا ہے، جب ایسی جگہ جماعت ہو معتکفین تراویح وفرائض ادا کرنے کے لئے وہاں آسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب۔ جب بانی کے طرزِ عمل سے وہ جگہ مسجد سے خارج ہے تو معتکفین اس جگہ میں نماز نہیں پڑھ سکتے، ورنہ اعتکاف باطل ہو جائے گا۔

معتکف اگر حاجتِ ضروریہ سے باہر جائے اور وہاں جمعہ کا غسل کرلے تو کیا حکم ہے؟

سوال (۳) معتکفین غسل مالا بد منہ کے سوائے دوسرا غسل خارج مسجد میں کر سکتے ہیں یا نہیں، حاجت ضروریہ طبعیہ یا شرعیہ کے لئے باہر ہونے سے آتے وقت غسل غیر ضروری کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، قال فی رد المحتار ولیس کالمکث بعدھا ما لو خرج لھا رای للحاجة الطبعیة ۱۲) ثم ذھب لعیادة مریض اوصلوٰة جنازة من غیر ان یکون خرج لذلک قصداً فانہ جائز کما فی البحر عن البدائع اھ ص ۲۱۲ ج ۱، وفیہ ایضا ویجوز حمل الرخصة علی ما لو خرج لوجہ مباح کحاجة الانسان او الجمعة وعاد مریضا او صلی علی جنازة من غیر ان یخرج لذلک قصداً وذلک جائز اھ وبہ علم انہ بعد الخروج لوجہ مباح انما یضر المکث لو فی غیر مسجد لغیر عبادة اھ ص $\frac{۲۱۴}{ج۱}$ قلت ولا یخفی ان غسل الجمعة عبادة فلا یضرہ اذا خرج لحاجة الانسان ان یمکث لغسل الجمعة فافھم، حاجتِ ضروریہ کے لئے نکلنے کے بعد غسلِ جمعہ معتکف کر سکتا ہے، مگر اس کو چاہئے کہ پہلے کسی خادم یا دوست کے ذریعہ سے غسل کا پانی بھروا کر رکھ دے تاکہ زیادہ دیر نہ ہو، اور اگر کوئی کام کرنے والا نہ ہو تو خود بھی گھڑا بھر سکتا ہے، مگر جہاں تک ممکن ہو جلدی کرے۔

۳ر شعبان

گاؤں میں اعتکاف کرنیوالے کے لئے نمازِ جمعہ کا حکم

سوال (۴) عرض یہ ہے کہ بندہ کا گھر دیہات میں ہے، یہاں کی مسجد میں علاوہ نمازِ پنجگانہ کے جمعہ کی نماز بھی پڑھائی جاتی ہے گذشتہ رمضان میں بندہ اسی مسجد میں معتکف تھا، چونکہ نمازِ جمعہ کے وقت عدم مشارکت سے مشابہت منافقین لازم آتی ہے، اس خوف سے ابتداء سے اعتکاف ہی میں روزِ جمعہ کو ½ ۱۱ بجے سے ۳ بجے تک استثناء کرلیا تھا، اس وقت جاکر اپنے گھر میں بیٹھ رہتا تھا، اور بعد اس کے

پھر مسجد میں آجانا ہوتا، یہ ایک مولوی صاحب کی مشورت ہی سے کیا تھا، مگر تردد ہے کہ اعتکاف مسنونہ ادا ہوا ہے یا نہیں، کیونکہ پورے عشرہ میں تو کچھ نقص رہ گیا ہے، از روئے مہربانی اطلاع فرما کر ممنون فرماویں؟

دوسری عرض یہ ہے کہ ہماری دیہات سے شہر کی بڑی جامع دواڑھائی میل کی مسافت پر ہے کیا میں اپنی دیہاتی مسجد میں معتکف رہ کر شہر میں جاکر جمعہ پڑھ سکتا ہوں بلا استثناء مذکور الصدر کے؟

تیسری عرض یہ ہے کہ حالتِ اعتکاف میں وقت جمعہ میں گھر نہ جاکر اُن کے ساتھ بہ نیت نفل جمعہ ادا کرسکتا ہوں یا نہیں، مگر اس سے ایک مضحکہ پیدا ہوجاوے گا، کہ دیکھو اب ہمارے ساتھ جمعہ پڑھ رہا ہے، خیر جو مصلحت ہو حضور والا ارشاد فرماویں؟ بندہ ہمیشہ اگر عذر نہ ہو شہر ہی میں جاکر جمعہ ادا کرتا ہے، ہمارا گاؤں فنائے شہر کے بھی باہر ہے، اس لئے وہاں جمعہ خود بھی نہیں پڑھتا ہوں اور دوسروں کو بھی منع کرتا ہوں، مگر لوگ اس طرف کم التفات کرتے ہیں۔

الجواب: قال فی الخلاصۃ: ولا یخرج المعتکف من المسجد الا لحاجۃ طبعیۃ الخ ص ۲۶۷ ج ۱ وفی الدر المختار وفی التاتارخانیہ عن الحجۃ: لو شرط وقت النذر ان یخرج لعیادۃ مریض او صلوٰۃ جنازۃ وحضور مجلس علم جاز ذلک فلیحفظ، قال الشامی: یشیر الیہ قولہ فی الھدایۃ وغیرھا عند قولہ ولا یخرج الا لحاجۃ الانسان لانہ معلوم وقوعھا فلابد من الخروج فیصیر مستثنی، والحاصل ان ما یغلب وقوعہ یصیر مستثنی حکمًا وان لم یشترطہ وما لا فلا الا اذا شرطہ اھ ص ۲۱۶ ج ۱۔

عبارتِ خلاصہ سے معلوم ہوا کہ گاؤں میں اعتکاف کرنے والے کو جمعہ کے لئے شہر میں جانا جائز نہیں، کیونکہ وہ حاجتِ لازمہ نہیں، لیکن اگر مستثنیٰ کرلے تو جانا جائز ہے، اور اس صورت میں یہ خروج ویسا ہی گا جیسا خروج لحاجۃ الانسان اور وہ مفسد نہیں، تو یہ بھی مفسد نہیں، اور جب اعتکاف فاسد نہ ہوا اور اکثر عشرہ بحالتِ اعتکاف گذرا تو اعتکاف مسنون ادا ہوگیا لان للاکثر حکم الکل، گاؤں میں بہ نیتِ نفل جمعہ ادا کرنا مقتدی کو جائز نہیں، بہتر یہ ہے کہ جمعہ کے کچھ وقت مستثنیٰ کرلیں، اور شہر میں جاکر جمعہ ادا کرلیا کریں، واللہ اعلم۔ ۲۲ رمضان سنہ ۴۱ھ

کسی عذر کی بنا پر اعتکاف نہ کرنے کا حکم

سوال (۵) ایک مسافر مولوی صاحب شمار دو سال سے یہاں سکونت فرما تھے، اعتکاف کے بارہ میں وعظ میں یوں فرمایا

رمضان شریف میں لوگوں کا اعتکاف میں بیٹھنا بہت اچھی بات ہے، یہ نہ ہوسکے تو ایک آدمی بیٹھے تو بھی سب کی طرف سے ادا ہوجاتا ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ خود کیوں نہیں بیٹھتے، ہاں ضرور بیٹھ سکتا ہوں مجھے تو بہت خواہش ہے، کیا کروں، چند وجوہات کے سبب سے نہیں بیٹھ سکتا ہوں، میرے مکان میں ہمراہ رہنے کے لئے کوئی نہیں ہے، یہاں میرے خویش واقارب میں سے بھی کوئی نہیں، میرے گھر کے تلاٹے ایک خالی میدان ہے، گھر میں عورت بچے بہت گھبراتے ہیں، اس لئے میں اعتکاف میں نہیں بیٹھ سکتا، سائل بھی ان وجوہات کو جو مولوی صاحب نے بیان فرمائے ٹھیک سمجھتا ہے اور اُن کے گھر میں راتوں کو کبھی کبھی پتھر آکر گرنا بھی سائل کو معلوم ہے، آیا مولوی صاحب نے جو عذر بیان کئے شرع میں یہ مقبول ہوں گے یا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب: یہ عذر مقبول ہے، واللہ اعلم، بلکہ اس حالت میں ان کو اعتکاف مناسب بھی نہیں، ۲۵ رشعبان ۴۲ھ۔

سحری کھانے کے بعد کلی کرنے کے واسطے معتکف کا مسجد سے باہر جانا

سوال (۶) اعتکاف کی حالت میں سحری کھانے کے بعد کلی کے لئے مسجد سے باہر معتکف گیا، اس وقت مسجد کے اندر بھی پانی موجود تھا، مگر نہ تو خیال تھا کہ پانی ہے اور نہ اعتکاف کا خیال رہا، مگر کلی کرتے ہی فوراً اپنی جگہ آگیا، اس صورت میں اعتکاف رہا یا نہیں، اور سحری کھانے کے بعد کلی کرنا ضرورت طبعی ہے یا نہیں، اگر اعتکاف ٹوٹ گیا تو اب اس کی قضا ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: سحری کے بعد صائم کے لئے کلی کرنا ضرورت شرعیہ ہے لما فیہ من صیانۃ الصوم عن بقایا الطعام فی الفم، اس لئے اس ضرورت کے لئے اس کو مسجد سے باہر نکلنا جائز ہے بشرطیکہ مسجد میں پانی موجود نہ ہو، یا کلی کا موقع صحن مسجد سے متصل نہ ہو، اور اگر پانی مسجد کے اندر ہی، اور کلی کی جگہ بھی صحن مسجد سے متصل ہے، اس صورت میں خروج سے اعتکاف نفل ختم ہوجائیگا، (قلت: وفی حکمہ الاعتکاف المسنون) اور اعتکاف واجب یعنی منذور فاسد ہوجاوے گا، قال فی مراقی الفلاح: فان خرج ساعۃً بلا عذر معتبر (فی عدم الفساد) فسد الواجب وانتھی بہ غیرہ ای غیر الواجب وھو النفل اذ لیس لہ حداھ (ص ۴۰۹) پس کلی کے لئے نکلنا خروج بعذر ہے، اور مسجد کے اندر پانی کا موجود ہونا اس عذر کو جب زائل کرتا ہے، جبکہ صائم کو معلوم ہو کہ پانی یہاں موجود ہے، اگر معلوم نہ ہو یا یاد نہ ہو تو اس خروج سے اعتکاف منذور باطل نہ ہوگا، اور اعتکاف نفل ومسنون ختم نہ ہوگا، ھذا ما فھمتہ ولم ارہ صریحاً، واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۴ رشوال ۴۲ھ،

جو حجرہ جزو مسجد نہ ہو اس میں اعتکاف باطل ہے	**سوال (۷)** مسجد کی چہار دیواریوں کے اندر کوئی حجرہ میں عشرہ اواخر کے اعتکاف میں بیٹھ سکتا ہے یا نہیں، یا جامع مسجد کے اندر ہی اعتکاف

کر لینا چاہئے؟

الجواب: اعتکاف کے لئے مسجد شرط ہے، بدون مسجد اعتکاف صحیح نہیں ہوتا، فی العالمگیریۃ ومنھا ای من الشرائط) مسجد الجماعۃ فیصح فی کل مسجد لہ اذان واقامۃ ھو الصحیح، کذا فی الخلاصۃ، البتہ جامع مسجد شرط نہیں، بلکہ ہر مسجد میں ہو سکتا ہے جبکہ جماعت ہوتی ہو کما مرّ فقط، پس حجرہ میں جو کہ مسجد کا جزو نہیں، اعتکاف باطل ہے، البتہ حجرہ جزو مسجد ہو تو اس میں اعتکاف صحیح ہوگا، یعنی محض احاطہ میں ہونا کافی نہیں، بلکہ جزئیت ضروری ہے۔

احقر عبد الکریم عفی عنہ ۱۰ / شوال ۴۳ھ

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۰ / شوال ۴۳ھ

معتکف اذان کہنے کے لئے مسجد سے باہر جا سکتا ہے یا نہیں	**سوال (۸)** معتکف کے لئے اذان کہنے کو اور کوئی جگہ نہ ہونے کی تقدیر پر مسجد سے باہر جانا اعتکاف میں کسی قسم کی خرابی ہے یا نہیں

اس کا جواب صرف نفی اثبات میں لکھ دینا، دلیل کی ضرورت نہیں؟

الجواب: اس ضرورت کے لئے مسجد سے نہ نکلے مسجد میں ہی اذان کہہ دے، ولا یکرہ لہ الاذان داخل المسجد للضرورۃ کما لا یکرہ لہ ای للمعتکف البیع والشراء فیہ، پس اگر اذان کے لئے مسجد سے نکلے گا تو اعتکاف نفل ومسنون ناقص ہو جائے گا، اور اعتکاف واجب باطل ہو جاوے گا۔ ۲۷ / رجب ۴۶ھ

معتکف مسجد میں جہاں چاہے اُٹھ بیٹھ سکتا ہے	**سوال (۹)** معتکف جو گوشہ اپنے لئے مقرر کرے، اس کو علاوہ ضروری حاجت کے ہر وقت اس میں ہی

رہنا چاہئے، یا مسجد اور فرش مسجد میں بلا ضرورت سونا کھانا پینا اور تلاوت قرآن شریف اور نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: ہر وقت گوشہ میں رہنا ضروری نہیں، بلکہ عبادتِ نافلہ وذکر کے لئے اس میں رہنا بہتر ہے، باقی اوقات میں مسجد کے اندر جہاں چاہے اُٹھے بیٹھے، ۱۸ / ذیقعدہ ۴۵ھ

معتکف کے بارے میں متعدد سوالات پر مشتمل ایک استفتاء	**سوال (۱۰)** معتکف علاوہ فرض نماز کے نوافل اور تلاوت قرآن وذکر کے لئے سقاوہ سے جو مسجد کے اندر نہیں، یا کنوئیں سے پانی لا سکتا ہے

یا نہیں؟ ۴۵ھ میں میں نے دریافت کیا تھا تو آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ فرض نماز کے لئے تو وضو کے لئے باہر جا کر پانی لا سکتا ہے، تلاوت اور نفل نماز کے لئے باہر نہیں جا سکتا، اگر جائے گا تو اعتکاف ناقص ہو جائے گا، اور دیوبند کے مفتی صاحب نے اس طرح پانی لانے کو ضرورت میں داخل فرمایا ہے۔

جواب؛ مفتی صاحب کا جواب صحیح ہے، اور میں بھی یہی فتویٰ دیتا ہوں، نہ معلوم آپ کو اس کے خلاف کس طرح جواب دیا گیا، فاستغفر اللہ و اتوب الیہ۔ ۲۲ر رمضان ۴۸ھ

سوال؛ مجھے خیال پڑتا ہے کہ جب میں تھانہ بھون حاضر ہوا تھا تو مسجد میں جو ہدایات معتکف کے لئے تحریر تھیں اس میں تحریر کیا تھا کہ ریح خارج کرنے کے لئے مسجد سے باہر جانا چاہئے دیوبند کے مفتی صاحب دریافت کرنے پر تحریر فرماتے ہیں کہ "اخراجِ ریح کے لئے معتکف کو مسجد سے نکلنا جائز نہیں ہے،، اس مسئلہ میں جو محقق حکم ہو تحریر فرمایا جاوے، اگر میری سمجھ میں نہ آیا ہو تو توضیح فرما دی جاوے؟

جواب؛ علماء دیوبند و سہارنپور سب کا وہی خیال ہے جو مفتی صاحب نے تحریر فرمایا، مگر میں ایک جزئیہ کی بناء پر مسجد میں اخراج ریح کی اجازت معتکف و غیر معتکف کسی کے لئے نہیں سمجھتا، لیکن اس وقت مجھے بھی اس مسئلہ میں تردد ہو گیا ہے، تحقیق کر رہا ہوں، اس لئے احوط یہی ہے کہ مفتی صاحب کے قول پر عمل کیا جائے۔ تاریخ بالا۔

سوال؛ معتکف کو مسجد میں خط بنوانا بال کٹوانا کیسا ہے؟

الجواب؛ جائز ہے، جبکہ حجام باہر رہے۔ تاریخ بالا۔

بقیہ سوال؛ اور غسل کے لئے جانا جبکہ حالتِ جنابت میں ہو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب؛ جائز نہیں۔

سوال؛ معتکف کی طبیعت دوسرے سے پانی لینے کو نہیں چاہتی تو خود مسجد سے باہر ہو کر پانی لینا بہتر ہے یا دوسرے ہی شخص سے لینا؟

الجواب؛ اگر دوسرے شخص سے بے تکلفی نہ ہو، بلکہ خدمت لینے سے اپنے اوپر یا اس کے گرانی کا شبہ ہو تو خود مسجد سے باہر جا کر پانی لینا اولیٰ ہے، ہاں بے تکلفی ہو تو خروج جائز نہیں، واللہ اعلم۔ ظفر احمد عفا عنہ، ۲۲ر رمضان ۴۸ھ

عشرۂ اخیرہ کامل کا اعتکاف سنتِ مؤکدہ ہے	سوال (۱۱) زید کہتا ہے اعتکاف رمضان المبارک عشرۂ اخیرہ کامل کا سنت مؤکدہ ہے، اس سے کم مدت میں سنت ادا نہ ہو گی، حوالہ

مولانا عبد الحی صاحب کے رسالہ "الانصاف فی حکم الاعتکاف" کا دیتا ہے، عمرو کہتا ہے کہ کامل دس روز شرط نہیں، بلکہ اقل عشرہ سے بھی سنت ادا ہو جاوے گی، اپنے قول کے ثبوت میں خلاصۃ الفتاوی کی یہ عبارت پیش کرتا ہے:۔ (قال القاضی الامام الاعتکاف فی المسجد الجامع افضل اذا کان یصلی فیہ الصلوات الخمس بالجماعۃ اما اذا لم یکن فالاعتکاف فی مسجدہ افضل کیلا یحتاج الی الخروج عن معتکفہ فان اراد ان یعتکف اقل من سبعۃ ایام یعتکف فی مسجد حیہ وان اراد ان یعتکف فی الجامع الخ)

نیز مولانا بحر العلوم کے رسائل الارکان کو دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اعتکاف مذکور سنتِ مؤکدہ نہیں، بلکہ مندوب محض ہے، جس پر اُن کی یہ عبارت شاہد ہے:۔ واعلم انہ لا شك فی مواظبۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی اعتکاف العشر الاواخر من شہر رمضان، لکن قد ثبت من الصحابۃ العظام ترك الاعتکاف، ومنہم الخلفاء الراشدون فللاعتکاف نوع اختصاص بہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو انہ یلقی جبرئیل فیدارس القرآن ومدارسۃ القرآن جبرئیل کانت مختصۃ بہ صلی اللہ علیہ وسلم فلھذا کان للاعتکاف اختصاصًا بہ صلی اللہ علیہ وسلم، فتارك الاعتکاف من الامۃ لا یلحقھم الاساءۃ، ولذا کان صلی اللہ علیہ وسلم لا یؤکد فی الاعتکاف تاکیدہ فی غیرہ من السنن ولا یعیب واحدًا من الصحابۃ علی ترك الاعتکاف، فالاعتکاف اما سنتہ مختصۃ بہ صلی اللہ علیہ وسلم غیر مؤکدۃ علی الامۃ بل بقی فی حقھم مثل السنن الغیر المؤکدۃ او کان واجبًا علیہ صلی اللہ علیہ وسلم مختصًا ففعلہ لامتثال الوجوب، فلا یکون علی الامۃ سنۃ بل مندوبًا محضا وھذا غیر بعید الخ

حضور والا کے نزدیک اقوالِ مذکورہ میں سے کونسا قول راجح ہے؟

الجواب: صحیح یہی ہے کہ تمام عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف سنتِ مؤکدہ ہے مگر علی الکفایہ، جیسا کہ مراقی الفلاح، عالمگیریہ، شامی وغیرہ میں ہے، اور خلاصۃ الفتاوی کی عبارت مندرجہ سوال سے عمرو کا مقصود کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتا ہے، اس عبارت کو مقصودِ عمرو سے کوئی تعلق نہیں ہے، اُس عبارت کا تو محض یہ منشاء ہے کہ اگر سات یوم سے کم کا اعتکاف کرے (اور ان ایام میں جمعہ نہ واقع ہوتا ہو کما ہو الظاہر) تب تو مسجدِ محلہ میں اعتکاف افضل ہے، اور اگر سات روز یا اس سے زائد کا اعتکاف کرنا ہو یا سات روز سے کم کا اعتکاف ہو مگر

ان ایام میں جمعہ واقع ہوتا ہو) تو جامع مسجد میں اعتکاف کرنا افضل ہو کیونکہ اس صورت میں مسجد محلہ سے جمعہ کے لئے جانا پڑے گا، اور معتکف سے نکلنا خلاف اولیٰ ہے، اس عبارت میں اس کا ذکر بالکل نہیں کہ کتنے دن کا اعتکاف سنت ہے، اس سے یہ کیسے سمجھ لیا کہ سات روز سے کم کا اعتکاف کرنے سے سنت ادا ہو جاوے گی، اور رسائل الارکان کی تقریر کا جواب شامی نے عنایہ سے نقل کیا ہے کہ مواظبت بلا تاکید سے بھی سنت ثابت ہو جاتی ہے، اور اگر مواظبت مع الانکار علی التارک ہو تب تو اس سے وجوب ثابت ہوتا ہے، (ص ۳۰۸، ج ۲) اور جب سنت کفایہ کہا جاوے تو یہ اعتراض بالکل ہی عائد نہیں ہو سکتا، کیونکہ نہ ایسا ہوا کہ کسی نے بھی اعتکاف نہ کیا ہو نہ تاکید کی نوبت آئی، واللہ اعلم بالصواب۔ احقر عبد الکریم گمتھلوی عفی عنہ، خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون، ۱۱ رجمادی الاولیٰ ۴۸ھ

للہ در المجیب فقد اوتی من الفقہ اوفر نصیب ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۱ رج ا ۴۸ھ

معتکف کے متعلق متعدد سوالات پر مشتمل ایک استفتاء

سوال (۱۲) فتاوی ماہ رمضان المبارک، زید جس مسجد میں معتکف ہے وہاں سے ایک جامع مسجد تو قریب ہے، اور دوسری کچھ فاصلہ پر ہے، اور زید کا معمول پہلے سے بعید کی مسجد میں نماز جمعہ پڑھنے کا تھا، کیا زید اب حالت اعتکاف میں قریب کی مسجد کے ہوتے ہوئے اپنی کسی مصلحت سے بعید کی مسجد میں نماز جمعہ کے لئے جا سکتا ہے؟

الجواب، اس کا جزئیہ تو نظر سے نہیں گذرا، لیکن عالمگیریہ میں ہے؛ وان کان لہ بیتان قریب وبعید قال بعضهم لایجوز ان یمضی رای للخلاء الی البعید فان مضی بطل اعتکافہ کذا فی السراج الوهاج، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ مسئولہ میں اختلاف ہے، اور احتیاط اسی میں ہے کہ مسجد قریب میں جاوے، واللہ اعلم۔ ۷ رمضان ۴۸ھ

بقیہ سوال؛ اور کیا زید کو وعظ سننے کی غرض سے جامع مسجد میں کچھ دیر ٹھہر جانا جائز ہے؟

جواب، مکروہ ہے، اور بہتر یہ ہے کہ بعد فراغ عن السنن البعدیۃ اپنی مسجد میں چلا آوے، تاریخ بالا۔

بقیہ سوال؛ وما الحکم ان نوی ذلك رای صلوۃ الجمعۃ فی المسجد البعید واستماع الوعظ) وقت اعتکافہ؟

الجواب: اگر نیت کرلی ہو تو پھر مسجدِ بعید میں جمعہ پڑھنے اور وعظ کے لئے ٹھہرنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ تاریخ بالا۔

بقیہ سوال: هل للمعتکف الخروج من معتکفه للوضوء للنوافل؟

الجواب: بلاضرورتِ فرض خروج خلافِ احتیاط ہے، ہاں جو حیلہ غسلِ جمعہ میں آئندہ لکھا ہے وہ یہاں بھی ہوسکتا ہے۔ تاریخ بالا۔

بقیہ سوال: غسلِ جمعہ ضرورتِ شرعیہ میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب: غسلِ جمعہ کے لئے خروج من المسجد جائز نہیں، فقط غسلِ احتلام کے واسطے باہر جانا جائز ہے، البتہ غسلِ جمعہ کے لئے (بعض علماء کے نزدیک) یہ صورت جائز ہے کہ جب استنجاء وغیرہ کے لئے باہر نکلے تو طہارتِ کے وقت طہارتِ کاملہ یعنی غسل کرلے۔

احقر عبد الکریم عفی عنہ، از خانقاہِ امدادیہ تھانہ بھون، ۷ رمضان ۴۸ھ

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ ۸ رمضان ۴۸ھ

مشتمل بر چند سوالات مثل استفتاءِ مذکورہ۔

سوال (۱۳) معتکف اپنے گھر آکر کھانا کھاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: معتکف کو کھانے کے واسطے گھر جانا جائز نہیں ہے، بلکہ مسجد ہی میں منگا کر کھانا چاہئے، البتہ اگر کوئی لانے والا نہ ہو تو مجبوری کو خود جاکر کھانا آئے، مگر فوراً واپس آجاوے اور مسجد ہی میں کھاوے، بدون سخت مجبوری کے کھانا لانے کے واسطے بھی ہرگز نہ جاوے۔ ۱۲ رمضان ۴۸ھ۔

سوال: معتکف ضرورۃً اپنے گھر آرہا ہو اور راستہ میں کوئی آدمی اس سے بات کرنا چاہے تو جواب دے سکتا ہے یا نہیں یا خاموش چلا جاوے؟

الجواب: جب استنجاء وغیرہ کی ضرورت سے باہر نکلا ہو تو بولنے میں مضائقہ نہیں، مگر بات چیت کے لئے کھڑا نہ ہو، البتہ رفتار سست کردینے کی گنجائش ہے، واللہ اعلم۔ تاریخ بالا۔

سوال: کیا معتکف اپنے گھر آکر نہا سکتا ہے؟

الجواب: غسل اگر واجب ہوگیا ہو تو مسجد ہی کے غسل خانہ میں نہاوے، اور ویسے بدون احتلام کپڑے بدلنے وغیرہ کے واسطے نہانے کی اجازت نہیں۔ تاریخ بالا۔

ع حضرت تھانوی مدظلہ العالی اس صورت سے بھی منع فرماتے ہیں، وہو الاقرب الی الاحتیاط، واللہ اعلم ۱۲ منہ

سوال: نوافل وغیرہ کے لئے بار بار وضو کے لئے وضو خانہ میں جانا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب: نوافل کے لئے بھی وضو کرنے کے واسطے باہر جا سکتا ہے، لیکن یہ جب ہو کہ فرش کے کنارہ پر وضو ممکن نہ ہو، اگر وہاں وضو کی جگہ ہو اور پانی بھی کنارہ پر گھڑے وغیرہ میں وہاں رکھ سکتا ہو تو فرض اور نفل سب کے واسطے یہی انتظام کرنا چاہیئے۔ تاریخ بالا۔

سوال: اپنے گھر ضرورۃً آیا ہو تو اپنی ڈاک کا بکس کھول کر خطوط لے سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب: گھر فقط استنجے کی ضرورت سے جا سکتا ہے، وہ بھی جبکہ گھر سے قریب تر کوئی جگہ ایسی نہ ہو جہاں یہ استنجا کر سکے، اور استنجے سے قبل یا بعد کسی کام کے واسطے ٹھیرنے کی بالکل اجازت نہیں، فقط۔ واللہ اعلم، احقر عبد الکریم گمتھلوی،

الاجوبۃ صحیحۃ، ظفر احمد عفا عنہ، ۱۲ر رمضان ۴۸ھ

اعتکاف میں مسجد کی خدمت کرنا

سوال (۱۴) حالتِ اعتکاف میں مسجد کی خدمت کرنا اور اذان واقامت کہنا کیسا ہے ؟

الجواب: معتکف کو مسجد کی خدمت کرنا اور اذان وتکبیر پڑھنا ایسا ہی ہے جیسا کہ غیر معتکف کو، لیکن خدمت ایسی نہ ہو جس میں مسجد سے باہر جانا پڑے، ۱۵ر رمضان سنہ۔

حالتِ اعتکاف میں ورزش اور خط کا جواب تحریر کرنا

سوال (۱۵) جو شخص ورزش کرنے کا عادی ہے حالتِ اعتکاف میں کر سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب: باہر جانا جائز نہیں، اور مسجد میں ورزش خلافِ ادب ہے، لہذا زمانۂ اعتکاف میں اس کو ترک کر دیں، اگر تکلیف نہ ہو اور اگر تکلیف زیادہ ناقابلِ برداشت ہو تو بمجبوری خلوت کے وقت کر لیا کریں تاریخ بالا۔

سوال: اپنے خطوط یا دیگر شخص کا خط تحریر کرنا چاہیں تو تحریر کرنا کیسا ہے ؟

الجواب: خط لکھنے میں مضائقہ نہیں، خواہ اپنا ہو یا دوسرے کا، احقر عبد الکریم

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ۔ ۱۵ر رمضان۔

جس کو ریح اور بواسیر کا عارضہ ہو مسجد میں اعتکاف کر سکتا ہے یا نہیں

سوال (۱۶) زید ہمیشہ آخر عشرۂ رمضان شریف میں معتکف ہوا کرتا ہے، مگر ریحی بواسیر کا عارضہ ہونے سے وضو قائم نہیں رہتا، اور مسجد میں بعض وقت ریح کو خارج نہ کرنا تکلیف دہ ہوتا ہے، کیا ایسے شخص کو اعتکاف بمسجد جائز ہے ؟

الجواب، ہاں جائز ہے، مگر ریح خارج کرنے میں اختلاف ہے، بعض نے کہا ہے کہ مسجد میں خارج کرنا مضائقہ نہیں، اور بعض نے کہا ہے کہ جب ضرورت ہو مسجد سے باہر چلا جاوے (جیسا کہ پیشاب پاخانہ کے واسطے جاتا ہے، کما فی العالمگیریۃ (ص ۲۱۵ ج ۲) واختلف فی الذی یفسو فی المسجد فلم یر بعضھم بأسا وبعضھم قالوا لا یفسو ویخرج اذا احتاج الیہ وھو الاصح کذا فی التمرتاشی اھ، اس لئے اخراج ریح کے واسطے باہر جانا بھی معتکف کو جائز ہے، اور جب دونوں طرف گنجائش ہے تو حسب موقع دونوں قول پر عمل کی گنجائش ہے، یعنی جب اخراجِ ریح فی المسجد سے لوگوں کی ایذا کا احتمال ہو تو باہر چلا جانا چاہئے، اور جب بار بار جانے میں دقت ہو تو باہر نہ جانا بھی جائز ہے، اس طرح دونوں روایتیں جمع بھی ہوگئیں، واللہ اعلم،

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ، از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون، مورخہ ۲ رشعبان ۵۱ھ

کتاب الحج

(فصل فیمن یفرض علیہ الحج)

معذور لیکن صاحب استطاعت شخص کے حج کا حکم

سوال (۱) زید پیروں سے معذور ہے، تھوڑی دور بھی مشکل سے چل سکتا ہے، استطاعت ہے اس لئے حج کا ارادہ رکھتا ہے، ایک آدمی ساتھ رکھنا ہوگا، جس کا صرفہ زید کو دینا ہوگا، اتنی استطاعت ہے کہ آدمی کے خرچ کو برداشت کرلے گا، ایسی معذوری میں بھی زید پر حج فرض ہے یا کیا؟

الجواب، قال فی العالمگیریۃ ومنھا سلامۃ البدن حتی ان المقعد والزمن والمفلوج ومقطوع الرجلین لا یجب علیھم حتی لا یجب علیھم الاحجاج وان ملکوا الزاد والراحلۃ ولا الایصاء فی المرض ھذا ظاھر المذھب عن ابی حنیفۃ وھو روایۃ عنھما وظاھر الروایۃ عنھما انہ یجب علیھم فان احجوا اجزاھم مادام العجز مستمرا فان زال فعلیھم الاعادۃ بانفسھم وظاھرھما فی التحفۃ اختیارہ فانہ اقتصر علیہ وکذا الاسبیجابی وقواہ المحقق فی فتح القدیر والاعمی اذا ملک الزاد والراحلۃ ان لم یجد قائدا لا یلزمہ الحج بنفسہ

فی قولہم وھل یجب الاحجاج بالمال فعند ابی حنیفۃؒ لایجب وعندھما یجب و
ان وجد قائدا عند ابی حنیفۃؒ لایجب الحج بنفسہ وعن صاحبیہ فیہ روایتان
ولو ملک الزاد والراحلۃ وھو صحیح البدن ولم یحج حتی صار زمنا او مفلوجا لزمہ
الاحجاج بالمال بلاخلاف اھ ملخصا، ص ۱۴۱ ج ۱، صورت مذکورہ میں زید پر خود حج
کرنا تو فرض نہیں، لیکن حج بدل کرا دینا ضروری ہے، لیکن بعد میں اگر تندرست ہوگیا تو دوبارہ
خود حج کرنا پڑے گا، اور اگر خود حج کو چلا جاوے یہ بہت ہی بہتر ہے، واللہ اعلم۔

جس پر جائیداد زیادہ ہو اور نقد روپیہ نہ ہو اس پر وجوبِ حج کا حکم

سوال (۲) جس شخص کے پاس زمین زیادہ ہے اور روپیہ نقد موجود نہیں، اس کے ذمہ حج فرض ہے یا نہیں، یعنی
اس شخص کو زمین فروخت کرکے حج کرنا فرض ہے یا نہیں، مثلاً ایک شخص ہے کہ اس کے پاس پانچہزار
روپیہ نقد موجود ہے اور دوسرے کے پاس زمین دس ہزار روپیہ کی ہے اور نقد موجود نہیں ہے، اب
فرمائیے کہ ان میں کس کے ذمہ حج فرض ہے، یا دونوں کے ذمہ حج کرنا فرض ہے؟
(۲) ایک شخص کے پاس پانچہزار روپیہ کا سامان دکان میں موجود ہے، اس پر حج فرض ہے یا نہیں؟
(۳) ایک شخص کے پاس چارہزار روپیہ کے مویشی ہیں اس پر حج فرض ہے یا نہیں؟
(۴) ایک شخص کے پاس پانچہزار روپیہ کا غلہ موجود ہے اس پر حج کرنا فرض ہے یا نہیں؟

الجواب: جس شخص کے پاس اتنی زیادہ زمین ہو کہ اس کا ایک ٹکڑا مصارفِ حج کے لئے
فروخت کرنے کے بعد بھی اتنی زمین باقی رہے جو اس کے اور اہل وعیال کے تعیش کے لئے کافی ہے، تو
ایسے شخص کے ذمہ اپنی زمین کا کچھ حصہ حج کے لئے فروخت کرنا لازم ہے، اور اس پر حج فرض ہے،
اور اگر مصارفِ حج کے واسطے ایک ٹکڑا بیع کرنے کے بعد باقی زمین اس کے اور اس کے اہل و
عیال کے گذارہ کو کافی نہیں رہتی، تو اس حالت میں اس پر حج فرض نہیں، اور نہ زمین کا فروخت
کرنا فرض ہے، قال فی غنیۃ الناسک وان کان لہ من الضیاع مالو باع مقدار ما یکفی
الزاد والراحلۃ یبقی بعد رجوعہ من ضیعتہ قدر ما یعیش بغلۃ الباقی
یفترض علیہ الحج والا فلا کذا فی الخانیۃ اھ (ص ۷) ۲۱ صفر ۱۳۴۵ھ

جوابِ سوال دوم سوم وچہارم: قال فی غنیۃ الناسک السادس الاستطاعۃ
وھی القدرۃ علی زاد یلیق بحالہ فاضلا عن الحوائج الاصلیۃ المذکورۃ فی الزکوٰۃ
کمسکنہ وعبید خدمتہ وفرسہ المحتاج الی رکوبہ ولو احیانا ومرمۃ مسکنہ

وراس مال حرفته ان احتاجت لذلك والات حرثه من البقر ونحو ذلك ان كان حراثا اكارا ورأس مال التجارة ان كان تاجرا يعيش بالتجارة والمراد ما يمكنه الاكتساب به قدر كفاية عياله لا اكثر لانه لانهاية له رد المحتار (ص ۲) وفيه ايضا وان كان له مسكن فاضل لا يسكنه او عبد لا يستخدمه او متاع لا يستهنه او كتب لا يحتاج الى استعمالها او كرم زائد على قدر التفكه بها ونحو ذلك مما لا يحتاج اليها يجب بيعها ان كان به وفاء بالحج اھ (ص ۶)

پس جس شخص کے پاس پانچ ہزار کا سامان دکان میں ہے، اگر اس میں سے بقدر مصارف حج کے فروخت کر کے اتنا سرمایہ باقی رہے کہ اس میں تجارت کر کے یہ شخص مع اہل وعیال کے متوسط حال سے گذر کر سکے تو بقدر مصارف حج کے سامان کا بیع کرنا لازم ہے، اور اس پر حج فرض ہے، اور اگر باقی میں تجارت کر کے گذر نہ ہو سکے تو واجب نہیں، بشرطیکہ اس شخص کا گذر تجارت ہی پر ہو۔ اور جس شخص کے پاس چار ہزار کے مویشی ہیں تو اگر یہ شخص کاشتکار یا زمیندار ہے اور یہ مواشی سب کے سب کھیتی کے کام میں مشغول ہیں، یا یہ جانور سواری کے ہیں اور گاہی گاہی سواری کے کام میں آتے ہیں تو اس حالت میں اس پر حج فرض نہیں، نہ ان مواشی کا بیچنا لازم ہے اور اگر یہ جانور دودھ پینے کے ہیں، اور اس کے اہل وعیال کا گذر انکے دودھ ہی پر ہے، اس کے سوا اور کوئی صورت معاش کی نہیں، نہ زمین کا غلہ ہے، اور نہ کچھ تب بھی اس پر ان کا بیچنا لازم نہیں بشرطیکہ اگر مصارف حج کے لئے بعض کو فروخت کیا جائے تو باقی مواشی سے گذارہ نہ ہو سکے، اور نہ حج فرض ہے، اور اگر اس کی معاش ان جانوروں کے دودھ پر موقوف نہیں، یا موقوف ہے لیکن ان میں سے بقدر مصارف حج کے ایک دو یا زیادہ جانوروں کے فروخت کرنے کے بعد باقی ماندہ مواشی گذارہ کو کافی ہیں، یا یہ جانور تجارتی ہیں اور ان کی تجارت پر اس کا گذر موقوف نہیں، یا موقوف ہے، مگر مصارف حج کے لئے ایک دو یا زیادہ کو بیع کرنے کے باقی ماندہ کی تجارت اس کے گذر کو کافی ہے، تو بقدر حج کے ایک دو یا زیادہ جانور کو بیع کر کے اس پر حج کرنا فرض ہوگا رہا غلہ جو پانچ ہزار کا ہے تو اگر یہ سارا غلہ صرف کھانے ہی کے صرف میں آتا ہے تب تو حج فرض نہیں، اور اگر کچھ کھایا جاتا ہے باقی بیچا جاتا ہے تو جتنا ضرورت سے زائد ہو اس کو بیع کر کے حج کرنا فرض ہوگا، اگر وہ زائد غلہ فروخت ہونے کے بعد زاد وراحلہ ومصارف حج کو کافی ہو، واللہ اعلم۔

از تھانہ بھون، ۲۱ صفر ۴۵ھ

تعمیر مکان سے حج فرض مقدم ہے

سوال (۳) زید کو جائز طور سے اس قدر رقم نقد ملی کہ فقط حج بیت اللہ کر سکتا ہے، مگر حال یہ ہے کہ اس کا گھر بھی کھنڈر پڑا ہے، تو زید پر اول حج بیت اللہ ادا کرنا فرض ہے یا گھر بنانا۔

الجواب: قال فی العالمگیریۃ وان لم یکن مسکن وعندہ دراہم یبلغ بہ الحج ویبلغ ثمن مسکن وخادم وطعام وقوت فعلیہ الحج فان جعلہا فی غیر الحج اثم کذا فی الخلاصۃ (ص ۱۴۰ ج ۱) صورت مسئولہ میں اس شخص پر حج فرض ہے اس رقم کو مکان میں لگانا جائز نہیں بشرطیکہ یہ رقم مکہ کی آمد و رفت کے لئے کافی ہو اور اس مدت کے لئے اہل و عیال کو نفقہ بھی دے سکے۔ واللہ اعلم

۱۳ رمضان سنہ ۴۴ھ از تھانہ بھون

اگر کسی کے پاس مقدار فرضیت حج مال نہ ہو مگر صاحبِ جائداد ہو اور جائداد فروخت کر کے حج کر سکتا ہو تو اس پر حج فرض ہے یا نہیں

سوال (۴) یہ ہے کہ میری اہلیہ اپنا حج فرض پہلے ادا کر چکی ہے اب اس مرتبہ اگر وہ اپنے مرحوم لڑکے کی طرف سے حج بدل کی نیت کر لیں تو کچھ کراہت تو نہیں ہے، میرے لڑکے مرحوم کی بائیس سال کی عمر تھی اور کچھ جائداد بھی اس کے نام اس کی نانی صاحبہ نے کر دی تھی جس کی آمدنی اس کے خورد و نوش و اخراجات ضروری کی کفیل نہیں ہو سکتی تھی مگر قیمت اس کی اس قدر ضرور تھی اس کو فروخت کر کے وہ بآسانی حج کر سکتا تھا ایسی صورت میں اس کے ذمہ حج فرض ہو گیا یا نہیں؟

الجواب: فی العالمگیریۃ (ص ۱۴۰ ج ۱) وان کان صاحب ضیعۃ ان کان لہ من الضیاع مالو باع مقدار ما یکفی الزاد والراحلۃ ذاہباً وجائیاً ونفقۃ عیالہ واولادہ یبقی لہ من الضیعۃ قدر ما یعیش بغلّۃ الباقی یفترض علیہ الحج والّا فلا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں اگر اس کے پاس اس جائداد کے علاوہ مقدار فرضیت حج مال نہ تھا تو حج فرض نہ ہوا تھا۔

احقر عبد الکریم عفی عنہ، ۲۸ شعبان سنہ ۴۴ھ۔

الجواب صحیح۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ از تھانہ بھون۔

۲۸ شعبان سنہ ۴۴ھ۔

ایضاً **سوال** (۵) ایک عورت جس کے نان و نفقہ کا متکفل اس کا شوہر ہے اور اس عورت کے پاس ایک مکان ہے جس کا کرایہ بھی گھر کے اخراجات میں صرف ہو جاتا ہے اور کچھ بچتا نہیں ہے ایسی صورت میں عورت کو اپنا مکان بیچ کر حج کرنا فرض ہے یا نہیں؟ اور مکان کی حیثیت آٹھ یا دس ہزار روپیہ ہے۔

الجواب: اور جب عورت کا نفقہ شوہر دیتا ہے اور دوسرے کسی شخص کا نفقہ اس کے ذمہ نہیں۔ تو یہ مکان حاجت اصلیہ سے زائد ہے اس لئے حج کرنا اُس کے ذمہ فرض ہے۔

وفی العالمگیریۃ (ص۱۴۱ ج۱) وفی التجرید ان کان لہ دار لا یسکنھا وعبد لا یستخدمہ فعلیہ ان یبیعہ ویحج بہ وفیہ ایضا بعد اسطر: وان کان صاحب ضیعۃ ان کان لہ من الضیاع مالو باع مقدار ما یکفی الزاد والراحلۃ ذاھبا وجائیا ونفقۃ عیالہ واولادہ یبقی لہ من الضیعۃ قدر ما یعیش بغلۃ الباقی یفترض علیہ الحج والا فلا وفیہ ایضا والعیال من یلزمہ نفقتہ کذا فی البحر الرائق۔

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ۔ الجواب صحیح۔

احقر ظفر احمد عفا عنہ، ۳ محرم ۴۵ھ۔

اولاد ادائے قرض کا وعدہ کرے تو مدیون باپ کو حج پر جانا جائز ہے

سوال (۶) میں کاروبار بزازہ کا کرتا ہوں میرے ذمہ قرضہ بارہ سو روپیہ ہے اور مال دو ہزار کا ہے۔ علاوہ مکانات زائد رہائشی کے میری اولاد میرے فریضۂ حج کو اس طرح پر منظور کرتی ہے کہ تم حج کو چلے جاؤ ہم قرضہ ادا کر دیں گے کیا اس طرح پر شریعت مجھے اجازت ادائے فریضہ کی دے سکتی ہے؟ دعا فرمائیے کہ وقت روانگی تک قرضہ ادا ہو جائے۔

میری زوجہ عمر رسیدہ اور دائم المریض ہے اس کا بھی اصرار ہے کہ مجھے بھی لیکر چلو ورنہ میں اجازت نہیں دیتی اس حال میں کہ خرچ آمد و رفت ایک ہی کا کافی ہے دوسری عورت کا خرچ بہ نسبت مرد کے زیادہ ہوتا ہے پس کیا عورت کی اجازت کا مرد شرعی طور پر ادائے فریضۂ حج کے لئے پابند ہے؟

الجواب: ہاں اس صورت میں سائل کو حج کے لئے چلا جانا چاہیئے اور قرضخواہوں کا اطمینان کر جائے کہ میری اولاد تمہارے قرض کا انتظام کرے گی اگر اولاد کا وعدہ سچا ہو گا۔ مرد حج کے بارہ میں بیوی کی اجازت کا پابند نہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کے لئے واپسی تک نفقہ

کا انتظام کر جائے ۔ واللہ اعلم۔

۲۵ ر رجب ۴۵ھ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ۔

مہر مؤجل مانع وجوب حج نہیں ہے

سوال (۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو غصہ کی حالت میں یہ لکھدیا کہ تم اپنے میکہ سے ایک ہفتہ کے اندر نہ آئی یا میرا زیور نہ بھیجا تو تم پر ایک طلاق ہے چنانچہ وہ ہنوز نہیں آئی ۔ اور نہ زیور بھیجا اور معتبر ذریعہ سے یہ معلوم ہوا کہ اس کو خط نہیں ملا تو کیا اُس پر ایک طلاق دینے سے طلاق ہوگئی اور کیا ایک طلاق سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے ؟

کیا موجودہ صورت میں مرد حج کو جاسکتا ہے بغیر رضا مند کئے ہوئے عورت کے اور رضا مند کردے اور مہر نہ دے سکے کیونکہ اس کے پاس صرف اتنا روپیہ ہے کہ حج کر سکے مہر ادا نہیں کرسکتا اس کی دو لڑکی بھی ہیں تو کتنا حصہ مہر میں سے اس کو دیا جاوے گا ۔

الجواب: ---------------

حج کو جانے کے لئے عورت کا راضی کرنا یا اس کا راضی ہونا شرط نہیں ہے ۔ اگر حج فرض ہو ورنہ مہر ادا کرکے جانا ضروری ہے ۔ جبکہ نکاح باقی ہو اور مہر مؤجل ہو بلکہ عورت کو واپسی تک نان ونفقہ دیکر جانا واجب ہے ۔ ہاں نکاح ٹوٹ چکا ہو اور عورت مہر کا مطالبہ کرے تو حج سے دین مہر ادا کرنا مقدم ہے ۔ اور یہ تفصیل اُس وقت ہے جبکہ دین مہر کو دوسرے قرضوں کی برابر نہ سمجھا جائے بلکہ اس کی طرف سے بے التفاتی ہو جیسا کہ عام اہل ہند کی یہی حالت ہے تو ایسا دین مہر وجوب زکوٰۃ وحج کے منافی نہیں اِلّا بوقت طلاق اور مطالبہ زن ، اور جو شخص دین مہر کو بھی دیون الناس کی طرح سمجھتا ہو اور اس کی ادا کی فکر میں ہو اور حسب ہمت قلیل وکثیر ادا کرتا ہو اس پر حج اس وقت تک فرض نہ ہوگا جبتک دین مہر ادا نہ ہوجائے یا اتنی رقم اس کے پاس جمع ہو جائے جو ادائے دین مہر کے بعد مصارف حج ونفقہ اہل وعیال کو تا واپسی کافی ہو ۔ واللہ اعلم۔

۱۹ ر رمضان شریف ۔

لے پالک لڑکے اور محلہ کی عورتوں کے ساتھ سفر حج پر جانا جائز نہیں

سوال (۸) ایک عورت حج کو جانا چاہتی ہے مگر کوئی اس کا محرم نہیں ہے شوہر اور سب محرم مرگئے صرف اکیلی عورت ہے، اور ایک لڑکا لے پالک ہے لڑکے کا سن ۱۵ برس کا ہے عورت کی عمر بھی ۵۰ برس کی ہے عورت پر حج فرض بھی ہے کیونکہ خدا نے حج بھر کا روپیہ بھی دیا ہے پالے ہوئے لڑکے کے ساتھ حج کو جاسکتی

ہے یا محلہ کی عورت اپنے محرم کے ساتھ جاتی ہو تو یہ عورت بھی اُس عورت کے ساتھ جاسکتی ہے یا نہیں یا کہ حج بدل کرا دے کیونکہ اگر عورت مرگئی تو اس کا حج بدل کوئی نہیں کرائے گا تینوں مسئلوں کا جواب برائے مہربانی بہت جلد روانہ فرمائیں آپ ہی کے مسئلہ پر اُس عورت کا بہت اعتقاد ہے۔

الجواب: صورت مسئولہ میں اس مسماۃ کو اپنی طرف سے حج بدل کرا دینا چاہیئے، اپنے لے پالک کے ساتھ یا ہمسایہ عورتوں کے ساتھ جانا جائز نہیں لیکن اس وقت کا حج بدل کرایا ہوا اس شرط کے ساتھ معتبر ہوگا کہ عمر بھر کوئی محرم نہ ملے اور اگر کسی وقت محرم مل گیا مثلاً نکاح کرلیا اور شوہر ساتھ چلنے پر راضی ہوا اور اس وقت بھی روپیہ بقدر حج عورت و محرم موجود ہوا یا بعد کو جمع ہوگیا تو حج دوبارہ کرنا پڑے گا قال فی الشامیۃ تحت قول الدر ھذا اذا کان العجز کالحبس والمرض یرجی زوالہ وان لم یکن کذلک کالعمی والزمانۃ سقط الفرض بحج الغیر عنہ فلا اعادۃ مطلقاً سواء استمر بہ ذلک العذر ام لا اھ مانصہ ومن العذر الذی یرجی زوالہ عدم وجود المرأۃ .... محرما ان دام عدم المحرم الی ان ماتت فیجوز کالمریض اذا احج ودام المرض الی ان مات اھ (ص ۳۹۰ ج ۲)

تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ ۸ رمضان ۱۳۴۶ھ۔

مسئلہ وجوب حج علی الفور اور یہ کہ حج واجب ہونے کے بعد رقم کو حوائج ضروریہ میں صرف کرنا جائز نہیں ہے

سوال (۹) شامت اعمال سے فی الحال فریضۂ حج کی ادائیگی سے بوجہ مالی حالت اس قابل نہونے کے معذور ہوں حالات اس قسم کے ہیں جن کی تفصیل دشوار طویل ہونے کی وجہ سے عرض نہیں کی گئی کہ مجھ کو ایک مختصر اور قابل گذر مکان بنانے کی شدید ضرورت لاحق ہوگئی ہے۔ لہذا عرض یہ ہے کہ اگر ضرورت سے مجبور ہو کر مکان بنالوں اور اس کے بعد جس وقت بھی مالی حالت اس قابل ہو جائے حج کروں تو شرعاً جائز ہے یا نہیں، حضور والا مطلع فرما کر مطمئن فرماویں؟ فقط والسلام و رحمہ اللہ۔

الجواب: حج میں مختار قول یہ ہے کہ واجب ہونے کے بعد علی الفور واجب ہے پس اگر آپ پر حج واجب ہو چکا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ سال گذشتہ میں یا اس سے پہلے کسی سال میں حج ع کے وقت آپ کے پاس حج کرنے کے لئے کافی رقم موجود تھی تو اب اس رقم کو مکان میں صرف

ع حج کا وقت ہندوستان میں شوال کے مہینہ سے شروع ہوتا ہے فانہ ھو وقت خروج الحاج منہ ۱۲ ظ

کرنا جائز نہیں اور اگر حج کے وقت میں کسی سال کے اندر رقم جمع نہ تھی بلکہ اس سال رقم وقت حج کے بعد جمع ہوئی ہے یا ہمیشہ حج کے وقت سے پہلے جمع ہوئی اور وقت سے پہلے ہی صرف ہوجاتی تھی تو اس صورت میں اس رقم کو مکان میں لگا دینا جائز ہے قال فی الغنیۃ ومن لامسکن له ولاخادم وهو محتاج الیهما وله مال یکفیه لقوت عیاله من ذهابه الی ایابه وله مال یبلغه فلیس له صرفه الیهما ان حضر وقت خروج اهل بلده بخلاف من له مسکن یسکنه وخادم یخدمه لایلزمه بیعهما لانه لایتضرر بترك شراء المسکن والخادم بخلاف بیع المسکن والخادم فانه یتضرر به لباب ص وغیره وفیه ایضاً فان ملك المال قبل الوقت فله صرفه حیث شاء لکن ان صرفه علی قصد الحیلة لاسقاط الحج یکره عند محمد رح ولاباس به عند ابی یوسف رح وان ملکه فی الوقت فلیس له صرفه الی غیر الحج علی القول بالفور فلو صرفه لایسقط عنه الوجوب علی القولین وان ملك فی الوقت لایقدر علی اداء الحج قال الفارسی فی منسکه و الاظهر انه لایجب وعلیه الفتوی کبیر اه ص وفیه ایضاً علی الفور فی اول سنی الوجوب وهو اول سنی الامکان علی القول الاصح عندنا وهو قول ابی یوسف واصح الروایتین عن ابی حنیفة رح فیقدم علی الحوائج الاصلیة کمسکنه وخادمه والتزوج الی ان قال فان اخره الی العام الثانی بلا عذر (ای معتبر شرعاً ولیس المسکن منه) یاثم لترك الواجب. فقط۔

۱۹؍ جمادی الثانی ۴۷ھ

ادائے حج سے قبل زیارتِ روضۂ اقدس کا حکم

سوال (۱۰) سفر حرمین شریفین کے وقت حاجی لوگ ایک تو حج میں آگے یعنی پہلے حج سے مدینہ منورہ کی زیارت کرکے پیچھے حج کرکے وطن واپس جاتے ہیں اور ایک حاجی تو اول حج ادا کرکے پیچھے مدینہ شریف کی زیارت کو جاتے ہیں اس میں سوال کا مطلب یہ ہے کہ حج سے پہلے مدینہ طیبہ یا حج سے پیچھے مدینہ عالی کے جانے میں کچھ فرق ہے یا نہ یا ایک سی بات ہے سو اس کی حقیقت سے مطلع فرماویں؟

الجواب : جس نے ابھی تک حج فرض ادا نہ کیا ہو اس کے لئے اَولیٰ یہ ہے کہ پہلے حج کرے پھر مدینہ جائے اور جس نے حج فرض ادا کرلیا ہو اس کے لئے دونوں صورتیں برابر ہیں جبکہ

راستہ میں مدینہ واقع نہ ہو ورنہ زیارت ہی پہلے کرنا چاہئے ووجہ الاول کون الفرض اہم واقدم قال فی الغنیۃ ویبدأ بالحج لو فرضاً فھو الاحسن فلو بدأ بالزیارۃ جاز ویخیر لو نفلاً مالم یمر بہ فیبدأ بزیارتہ لامحالۃ لان ترکھا مع قربھا یعد من القساوۃ والشقاوۃ اھ واللہ تعالیٰ اعلم ۔

۲۴ جمادی الثانیہ ۴۷ھ

اس کی کیا اصل ہے کہ ہندو سے روپیہ قرض لیکر حج کرنا بہتر ہے

سوال (۱۱) مولانا عاشق الٰہی صاحب نے لکھا ہے ہندو سے قرض لیکر حج کو جانا بہتر ہے اس کی کیا اصل ہے ؟

الجواب : اس کی اصل یہ ہے کہ کفار مخاطب بالفروع نہیں اس لئے ہندو سے جو قرض لیا جائے گا وہ شبہات سے خالی ہوگا ۔ دوسرے اگر حج کو جانے والے کے پاس مشتبہ رقم ہو تو اس مشتبہ رقم سے حج کرنا بہتر نہیں اس کو چاہئے کہ قرض لیکر حج کو جائے مگر مسلمان سے قرض لیکر اس کے قرض کو مشتبہ مال سے ادا کرنا اشد ہے اور ہندو کے قرض کو اس سے ادا کرنا اشد نہیں گو شدید ہے ۔

جس شخص پر حج فرض نہ ہو اور کسی نے تبرعاً حج کرا دیا تو اس کا فرض حج ادا ہو جائے گا یا نہیں

سوال (۱۲) اگر کوئی شخص اپنے ہمراہ خدمت کے واسطے یا ویسے ہی تبرعاً ایسے شخص کو حج کو لے جاوئے جس پر فی الحال حج فرض نہیں تو اس کا وہ فرض جو آئندہ ہونے والا ہے ادا ہو جائے گا یا نہیں ۔ اور نیز شخص مذکور کو یہیں اس قدر روپیہ دیکر قبضہ کرا دیا جائے جس سے فرضیت عائد ہو جائے تو بھی فرض ادا ہو جائے گا یا نہیں ؟

الجواب : ہاں دونوں صورتوں میں اس شخص کے ذمہ سے حج فرض ادا ہو جائے گا

حجام سفر حج میں اپنا پیشہ اختیار کر سکتا ہے یا مکروہ ہے

سوال (۱۳) ایک شخص قوم حجام کا حج کو جاتا ہے اگر وہ آنے جانے کے راستہ میں یا مکہ میں رہ کر اپنے پیشہ کو اختیار کر کے کمالے تو اس کے حج میں کسی قسم کی کراہت وغیرہ کا سُقم عارض ہوگا یا نہیں ، یا اولویت کے خلاف ہوگا یا نہیں ؟ فقط ۔ بیّنوا توجروا ۔

الجواب : جائز ہے ۔ رہا یہ کہ ثواب تو کم نہ ہوگا تو اگر اصل مقصود کمائی ہے تو بیشک ثواب کم ہو جائے گا اور اگر اصل مقصود حج ہے اور کمائی تابع ہے تو ثواب کم نہ ہوگا ، مگر شُبہ عدم اخلاص کا ہے ۔ اور اگر کمائی سے مقصود سفر حج کی سہولت ہے تاکہ وہاں تنگی نہ پیش

آئے تو کچھ شبہ نہیں بے غبار جائز بلکہ افضل ہے، واللہ اعلم۔ ۱۸ رجب ۴۷ھ

بارھویں کی رمی زوال سے پہلے جائز ہے یا نہیں

سوال (۱۴) بارھویں کی رمی قبل از زوال ادا ہو جاتی ہے یا نہیں۔

الجواب؛ نہیں بارھویں کی رمی زوال سے پہلے جائز نہیں۔

بارھویں کو بعد مغرب طواف زیارت ہو سکتا ہے یا نہیں

سوال (۱۵) طواف زیارت بارھویں تاریخ کو بعد مغرب ادا ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب؛ ادا ہو جائے گا مگر دم واجب ہوگا، طواف زیارت کا وقت واجب بارھویں (۱۲) تاریخ کے غروب شمس سے پہلے تک ہے اور وقت صحت و ادا تمام عمر ہے، غنیہ (ص ۹۵)

حج فرض ہونے کے بعد کسی مصلحت سے اس میں تاخیر جائز نہیں ہے

سوال (۱۶) حضرت مولانا! السلام علیکم
اس عاجز نے پانچ چھ ماہ ہوئے اس سال حج کرنے کا ارادہ کیا تھا چنانچہ اسکے سامان اور انتظام کی کوشش میں رہا ایک مکان کی تعمیر میرے ذمہ تھی اور امید تھی کہ ایام حج سے پہلے مکمل ہو جائے گی صورتیں ایسی دقوع میں آئیں کہ کسی طرح بھی عمارت مذکور کی تکمیل ایام حج تک ہونی ناممکن ہے مصلحت کہتی ہے کہ اس سال ارادہ ملتوی کر کے آئندہ سال اس فریضہ کا انجام دوں کیونکہ حج اب مجھ پر فرض ہے لیکن مصلحت سے مقدم شریعت ہے اس لئے جناب سے استفسار کرتا ہوں کہ آیا اس سال حج کا التوار آئندہ سال کے لئے گناہ تو نہ ہوگا اور آیا کوئی صورت ایسی ہے کہ اس التوار کی اجازت ہوگی اپنے فہم میں قرآن شریف کی آیت "الحج اشھر معلومات" سے حج کی نیت اشہر حج سے پہلے معتبر نہ ہونی چاہئے مگر میں اس لائق نہیں ہوں کہ اپنے فہم کو معتبر سمجھوں اس لئے جناب کو تکلیف دیتا ہوں کہ مجھے صحیح راہ بتائیں

الجواب؛ قال فی الغنیة یجب (الحج) علی الفور فی اول سنی الوجوب وھو اول سنی الامکان علی القول الاصح عندنا وھو قول ابی یوسف واصح الروایتین عن ابی حنیفة رضی اللہ عنھما فیقدم علی الحوائج الاصلیة کمسکنه وخادمه والتزوج وان لم یجب بھا کما سیأتی اھ (ص۱) وقال محمد والشافعی فرض علی التراخی وفیه ایضاً ومن لا مسکن له ولا خادم وھو محتاج الیھما وله مال یکفیه لقوت عیاله من وقت ذھابه الی حین ایابه وله مال یبلغه فلیس له صرفه الیھما ان حضر وقت

خروج اہل بلد ۵۱۱ھ (صـ) صورت مسئولہ میں آپ پر اسی سال حج کرنا واجب ہے،
مصلحت مکان کا انتظام کردیا جائے یا تعمیر کو درمیان میں روک دیا جائے۔ الحج اشھر
معلومات کا مطلب یہ ہے کہ اشہر حج سے پہلے حج کا احرام نہ باندھا جائے یہ مطلب نہیں کہ ان
مہینوں میں نیت کی جائے تو حج واجب ہوگا ورنہ نہیں وجوب حج کا مدار نیت پر نہیں ہے بلکہ
وقت حج میں وجود زاد و راحلہ و استطاعت پر ہے جس شخص کے پاس ہندوستان میں مثلاً
شوال کے مہینہ میں آمد و رفت سفر حج کا کرایہ وغیرہ اور اہل وعیال کا نفقہ واپسی تک موجود ہو اور
دَین و حوائج اصلیہ سے فاضل ہو اس پر اسی سال حج فرض ہو جائے گا خواہ نیت کرے یا نہ
کرے۔ واللہ اعلم۔ ۲۷ رمضان ۴۷ھ

صاحب نصاب راستہ کے مخدوش ہونے کے سبب حج نہ کرسکے اور پھر اس کے پاس سے مال خرچ ہو جائے تو اس پر حج فرض ہوگا یا نہیں

سوال (۱۷) جنگ یورپ کے زمانہ میں ایک شخص کے پاس اتنی رقم تھی کہ وہ حج ادا کرسکے لیکن علماء کرام کے ارشاد پر کہ راستہ کی حالت ازحد مخدوش ہے وہ حج ادا نہ
کرسکا اور اسی حالت جنگ میں وہ رقم اس کے پاس سے صرف ہوگئی اب گذارش ہے کہ اس کے
لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: محض علماء کا کہنا کافی نہ تھا کیونکہ راستہ کا مخدوش ہونا یا نہ ہونا علمی مسئلہ
تھوڑا ہی ہے بلکہ یہ تو تحقیق اخبار سے متعلق تھا پس اگر تحقیق سے اس وقت یہی ثابت ہوا تھا
کہ راستہ مخدوش ہے جب تو سائل کے ذمہ اب حج فرض نہیں اور اگر تحقیق نہیں کی تو اس کے
ذمہ حج فرض ہے رقم جمع کرکے حج ادا کرنے کی کوشش کرے اور یہ جواب اس صورت میں ہے
جبکہ کسی سال ماہ شوال یا ذیقعدہ میں اس کے پاس بقدر حج کے رقم فاضل عن الحوائج الضروریہ
جمع رہی ہو اور اگر ان مہینوں میں کبھی رقم جمع نہیں رہی تو سوال دوبارہ کیا جاوے۔ فقط
۲ ذیقعدہ ۴۷ھ

جس روپیہ سے زکوٰۃ نہیں نکالی ہو اس روپیہ سے اور قرض روپیہ سے حج کرنا

سوال (۱۸) گذارش یہ ہے کہ جس روپیہ میں زکوٰۃ نہ نکالی جاوے اس روپیہ سے حج کرنا جائز ہے یا نہیں
جواز و عدم جواز سے مفصل مطلع فرمایا جاوے۔ اور قرض لیکر جانا ہے یا نہیں حج ہو جائے گا
یا نہیں یعنی کچھ روپیہ تو اس کے پاس ہے جو حج کو جاتا ہے اور کچھ روپیہ قرض لیکر جاتا ہے،
اس کا بالغ لڑکا ہے وہ قرض ادا کردے گا تو اس روپیہ سے حج ادا ہوگا یا نہیں اور اگر وہ بالغ

لڑکا کہے کہ میں خود تنگدست ہوں بال بچوں کو کیا کھلاؤں گا میں قرض نہ دوں گا تو اس کا کیا حکم ہے جو والد کا کہنا نہیں مانتا۔

الجواب: جس روپیہ سے زکوٰۃ نہیں نکالی گئی اس سے اگر حج کیا جاوے تو حج تو جائز ہو جائے گا مگر زکوٰۃ کی تاخیر کا گناہ بھی رہے گا اس لئے بہتر یہ ہے کہ اول زکوٰۃ ادا کی جائے اس کے بعد جو رقم بچے اس سے حج کیا جاوے اگر وہ رقم کافی نہو تو قرض لیکر حج کرنا اس شرط سے جائز ہے کہ ادائے قرض کے واسطے کچھ سرمایہ پیچھے چھوڑ جائے مثلاً جائداد و مکانات وغیرہ۔ اگر سرمایہ کچھ نہو تو قرض لیکر اولاد کے ذمہ ڈالنا جائز نہیں اور جو لڑکا قرض کے ادا کرنے سے انکار کرتا ہے اس کا کچھ قصور نہیں اولاد کے ذمہ ماں باپ کی اطاعت و خدمت لازم ہے قرض ادا کرنا ان کے ذمہ نہیں۔ فقط۔ ۲۹ ربیع الثانی ۴۸ھ

بارہ تاریخ کو زوال سے قبل رمی کرنا اور بدون عذر رمی میں نیابت کا حکم

سوال (۱۹) زید نے رمی جمرات ثلاثہ بارہ تاریخ کی بکر یا ہندہ یا چند عورتوں کی طرف سے بحالت صحت وکالۃً کر لی اور رمی قبل زوال ہوئی۔ آیا یہ رمی صحیح ہوئی یا نہیں درصورت عدم صحت دم وغیرہ اس پر واجب ہے یا کیا۔ اگر واجب ہے تو یہاں دے سکتا ہے یا وہیں کسی سے کرا دیا جائے؟

الجواب: بارہ تاریخ کو زوال سے قبل رمی کرنا صحیح نہیں ہے اور رمی میں بدون عذر نیابت بھی جائز نہیں ہے۔ اس لئے نہ خود زید کی رمی صحیح ہوئی اور نہ بکر و ہندہ وغیرہ کی اور سب پر دم واجب ہے اس لئے ہر ایک کی طرف سے ایک ایک بکری حرم میں ذبح کرائی جاوے یہاں ذبح کرنا کافی نہیں ہے۔ قال فی غنیۃ الناسک واما وقت الجواز فی الیوم الثانی والثالث من ایام النحر فمن الزوال الی طلوع الفجر من الغد فلا یجوز قبل الزوال فی ظاہر الروایۃ وعلیہ الجمہور من اصحاب المتون والشروح والفتاویٰ قال فی الفیض وھو الصواب (ص۹۷) وفی (ص۱۰۱) السادس ان یرمی بنفسہ فلا یجوز النیابۃ فیہ عند القدرۃ ویجوز عند العذر وفی ص۱۲۹ ولو ترک رمی الجمار الثلث فی یوم واحد او یومین او فی الایام کلھا فعلیہ دم واحد لاتحاد الجنس اھ وفی ص۱۲۸ وحیث ما اطلق الدم فالمراد الشاۃ وتجزئ فی کل موضع الا اذا جامع بعد الوقوف بعرفۃ او طاف للزیارۃ جنباً او حائضاً او نفساء ففیھما تجب بدنۃ الخ وفی ص۱۴۰ الثامن ذبحہ فی الحرم فلو ذبح

فی غیرہ لا یجزیہ عن الذبح۔

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۲۲ جمادی الاخریٰ ۴۵ھ۔

بچے کو حج پر ساتھ لیجانے سے اس پر حج فرض ہوجاتا ہے

سوال (۲۰) بچہ کو حج کے لئے جانا مناسب نہیں کیونکہ اس پر بیت اللہ شریف دیکھنے سے فرض ہو جائیگا اور اگر وہ بڑھکر مالدار نہ ہوا اور مرگیا تو گنہگار مرے گا بوجہ متعلق ہوجانے فرضیت حج کے بسبب دیکھنے بیت اللہ شریف کے۔

الجواب: بچہ اگر حج کر کے چلا آوے تو بالغ ہونے کے بعد اس پر حج فرض نہیں ہوتا۔ ہاں اگر بلوغ کے بعد مالدار بھی ہو جائے تو فرض ہوگا بوجہ مالداری کے نہ بوجہ اس زیارت سابقہ کے۔ فقط۔ احقر عبدالکریم عفی عنہ ۱۱ شوال ۴۸ھ

الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ ۱۲ شوال ۴۸ھ۔

ملازمت ختم ہونے کے خوف سے حج میں تاخیر کرنا

سوال (۲۱) میری عمر اس وقت ۲۹ سال کی ہے اور میں نے ابھی تک فرض حج بھی ادا نہیں کیا ہے وجہ یہ ہے کہ اب تک کا زمانہ میرا مختلف پریشانیوں میں کٹا ہے مثلاً والد صاحب کا انتقال ہوا اور گھر بار سب میرے سر پڑا اور اپنی تعلیم کی فکر تھی۔ وہ الگ اب وقت یہ ہے کہ میری ملازمت ایک سرکاری یعنی انگریزی دفتر میں ابھی تک غیر مستقل ہے اور غیر مستقل ہونے کی وجہ سے میرے حکام کو بالکل اختیار ہے کہ چاہے جس روز اور جس وقت مجھے (خواہ کوئی قصور ہو یا نہ ہو) برخواست کر دیں چونکہ حج کے واسطے مجھے طویل رخصت کی درخواست دینا ہوگی لہذا بجائے رخصت کی درخواست منظور کرنے کے مجھے غالب اندیشہ ہے کہ وہ یہی حکم دیں گے کہ جائیے ہم نے ہمیشہ کے واسطے آپ کو برخاست کر دیا۔ دوم میں ایک سادہ لوح اور ناتجربہ کار سا آدمی ہوں، لہذا اس انتظار میں ہوں کہ میرے اعزا میں سے ایک عزیز چند سال کے بعد حج کو جانیوالے ہیں انشاء اللہ ان کے ہمراہ میں بھی جاؤں گا اب پوچھنا یہ ہے کہ یہ جو میں اب تک فرض حج کو ادا کرنے نہیں گیا اور ابھی چند سال تک بوجہ مندرجہ بالا مجبوریوں کے میرا جانا ملتوی رہے گا تو میں از روئے شرع شریف تو گنہگار نہ ہونگا؟

الجواب: السلام علیکم ورحمۃ اللہ

تاخیر حج بلا عذر سے گناہ ہوتا ہے اور جو تاخیر بعذر ہو اس سے گناہ نہیں ہوتا۔ یہ تو قاعدہ کلیہ ہے۔ اب رہا یہ کہ جو عذر آپ نے بیان کیا ہے وہ عذر ہے یا نہیں مجھے

اس میں تردد ہے دیگر علماء سے رجوع کیا جاوے۔ واللہ اعلم۔

ظفر احمد عفا عنہ ۱۴؍ شوال ۴۸ھ

حضرت حکیم الامۃ سے دریافت کیا تو فرمایا کہ میرے نزدیک پریشانی روزگار عذر ہے،

حکاہ عنہ المولوی عبد الکریم سلّمہ۔

جس کی ملک میں وسیع زرعی زمینیں ہوں مگر نقد روپیہ نہ ہو تو ہندو سے سود پر قرض لیکر اس کو حج کرنا جائز ہے یا نہیں اور اس سودی معاملہ سے وہ گنہگار ہوگا یا نہیں

سوال (۲۲) ۱؎ شخصے است دولتمند نزد او زمینات زرعی بسیار موجود اند لیکن فی الحال نزد او روپیہ نقد موجود نہ اند آن کس می خواہد کہ روپیہ مثلاً یک ہزار بقرض بر سود از ہندو بگیرم و حج کنم بعدہٗ آن قرض مع سود ادا خواہم نمود پس زید فتوی می دہد کہ آن کس را گرفتن قرض بر سود جائز نیست و ازین عقد ناجائز آن مال مستقرض ہم حرام گشت پس حج کردن آن را ازین مال حرام جائز نیست و عمر فتوی می دہد کہ این مال حرام نیست چرا کہ زیادتی ربوا حرام است و حرمت عقد ازین مال مستقرض اثر نمی کند پس حج کردن آن شخص ازین مال جائز است کہ ازین عقد ناجائز آن مال مستقرض حرام می شود یا نہ؟

۲؎ ثانیاً درصورت مذکورہ کہ نزد آن شخص نقدیات موجود نہ اند و بر او حج اسلام ہم فرض است و ایام حج بر سر آمدہ اند اگر ہمان شخص قدرے از زمینات خود می فروشد پس ایام حج می گذرند و می داند کہ اگر درین سال بمیرم پس مرتکب کبیرہ خواہم شد اکنون درین صورت اگر چند مبالغ بر سود بگیرد بہ سبب ہمیں ضرورت جائز است یا نہ و ہمیں ضرورت شرعی است یا نہ جواب ہر دو سوال بحوالہ کتب مرحمت فرمانید کہ اطمینان قلبی حاصل گردد۔

الجواب: (۱) قول زید کہ گرفتن قرض بر سود جائز نیست صحیح است و اما قول او کہ ازین عقد ناجائز آن مال مستقرض ہم حرام گشت پس حج کردن ازین مال حرام جائز

۱؎ اس فتویٰ کے متعلق خانقاہِ امدادیہ تھانہ بھون کے مفتی حضرت مولانا مفتی عبد الکریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے "امداد الاحکام" کے رجسٹر ۹ کے شروع میں تحریر فرمایا ہے کہ اس میں "مجھے تردد ہے" افسوس کہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق اس مسئلہ میں معلوم نہیں ہو سکی۔ احقر ناکارہ محمد رفیع عثمانی خادم طلبہ و دار الافتاء دار العلوم کراچی۔ ۲۸؍ ذی الحجہ ۱۳۹۷ھ

نیست الخ صحیح نیست زیراکہ عقد استقراض بشرط فاسد فاسد نمی شود قال فی الدر القرض بالشرط حرام والشرط لغو اھ ص۲۶۶ ج۲ ، بلکہ شرط فاسد خود لغو می گردد پس مال مستقرض حرام نگشت بلکہ شرط ربوا باطل گردید۔ وچون مال ربوا بمال او مخلوط نگردید بلکہ بمال مقرض مخلوط شدہ لہٰذا مالِ مستقرض حلال باشد وحج ادا کردن باو ہم صحیح باشد اگرچہ گناہ عقد ربوا ودادن ربوا ہم بذمۂ او باشد۔

(۲) تا وقتیکہ زمین مذکور فروخت شود و نزد مرد رقم نقد بوقت خروج حجاج بدست نیاید بروے حج فرض نیست پس بدین ضرورت کہ امسال حج ادا کردہ شود قرض برسود گرفتن جائز نباشد واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۵ ذیقعدہ سنہ ۴۹ھ

اشہر حج میں عمرہ کے بعد حج سے قبل مدینہ جانا جائز ہے

سوال (۲۳) معلم الحجاج ص۳۳۵ پر ہے جس پر حج فرض ہے اگر وہ مکہ میں حج کے مہینوں سے پہلے آجائے تو حج کے مہینے شروع ہونے سے پہلے اس کو مدینہ جانا جائز ہے اور حج کے مہینے شروع ہونے کے بعد جانا جائز نہیں، اس کا ماخذ غنیہ اور شرح لباب باب زیارت ہے والظاھر ان لہ ان یزور قبل دخول اشھر الحج واما بعدہ فلا ص۲۰۱ اس سے صریح معلوم ہوا کہ متمتع کو بھی نہ جانا بہتر ہے۔

الجواب: مصنف معلم الحجاج سے فہم مسئلہ میں سہو ہوا ہے یہاں کلام افضلیت و غیر افضلیت میں ہے جواز میں کلام نہیں اوپر سے دیکھا جائے قد روی الحسن عن ابی حنیفۃ انہ اذا کان الحج فرضا فالاحسن للحاج ان یبدأ بالحج ثم یثنی بالزیارۃ وان بدأ بالزیارۃ جاز وھو الظاھر اذ یجوز تقدیم النفل علی الفرض اذ لم یخش الفوت بالاجماع اھ عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں جبکہ خوف فوت حج نہ ہو نقد ذکر السرخسی فی المبسوط عن زید النقفی رضی اللہ عنہ انہ سأل ابن عباس رضی اللہ عنھما فقال اتینا عمارا فقضیناھا ثم زرنا القبر ثم حججنا فقال انتم متمتعون ص۱۸۴ ج۴ واحتج بہ لابی حنیفۃ علی ان الخروج من المیقات لیس بالمام وانما الالمام ان یصل الی اھلہ، بہرحال اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اشہر حج میں عمرہ کرنے کے بعد بھی مدینہ جا سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۹ شعبان سنہ ۵۶ھ

فصل فی الاحرام وما ہو محظور فیہ او مباح

احرام میں شکار اور غیر محرم کا حدودِ حرم کے اندر شکار لانے کا حکم اور اس کے متعلق غنیہ اور زبدہ کی عبارتوں میں تعارض کی تحقیق

سوال (۱) ذیل کے مسئلہ کی تحقیق کی ضرورت ہے اس لئے تحقیق کر کے ارقام فرمادیں . . . .

زبدۃ المناسک غیر حلبی کے صفحہ ۴۸ میں لکھا ہے کہ جو حل میں احرام باندھے اور اس کی مٹھی میں صید ہو تو واجب ہے کہ اس شکار کو چھوڑ دے اس طرح کہ ضائع نہ ہو یا قفص میں رکھے الخ اور کچھ آگے لکھتے ہیں کہ محرم یا حلال جب حرم میں داخل ہوا ور اس کے پاس شکار ہو اگرچہ قفص میں ہو تو واجب ہے کہ اس کو چھوڑ دے کہ وہ اب حرم کا شکار ہو گیا الخ ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ حل میں احرام باندھنے کی صورت میں شکار کا اصل چھوڑ دینا واجب نہیں ہے بلکہ کسی پنجرے میں ہو رکھ دینا چاہئے اور حرم میں داخل ہونے کی صورت میں اگرچہ پنجرے میں ہو اصلاً چھوڑ دینا چاہئے کیونکہ یہ شکار اب حرم کا ہو گیا اب سوال یہ ہے کہ حل میں حلال نے شکار پکڑا پھر جب حرم میں داخل ہوا تو یہ شکار اس کی ملک سے خارج ہوا یا فقط اس کو حرم میں ہلاک نہ کرے یعنی مامون رکھے اور پھر حرم سے باہر نکل کر کام میں لا سکتا ہے۔ زبدۃ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کی ملک سے بھی خارج ہو گیا اصل حرم کا ہو گیا اور غنیۃ الناسک صفحہ ۱۶۱ اور دیگر کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل چھوڑ دینا واجب نہیں۔ یعنی حل و حرم میں فرق نہیں ہے ولو ادخل محرم او حلال صید الحل الحرم صار حکمہ حکم صید الحرم ومن دخل الحرم بصید فعلیہ ان یرسلہ فیہ اذا کان فی یدہ حقیقۃ حتی اذا کان فی رحلہ او فی قفصہ لایجب ارسالہ کذا فی الھدایۃ والکفایۃ وغیرھما۔ غنیۃ الناسک صفحۃ ۱۵۷ سطر ۷ ولو اخذہ فی الحل وھو حلال ثم احرم او دخل بہ الحرم ملکہ ملکا محترماً فان کان الصید فی یدہ حقیقۃ وجب ارسالہ لکن لا بان یسیبہ لان تسییب الدابۃ حرام لانہ تضییع للملک بل یطلقہ علی وجہ لا یضیع بان یخلیہ فی بیتہ او یودعہ عند حلال او یرسلہ فی قفص معہ الخ اس سے صاف معلوم ہوا کہ اگر حرم میں حل کا شکار

داخل کیا جاوے تو اطارۃ واجب نہیں ہے بلکہ چھوڑ دینا تضییع مال ہے اور پنجرے میں ساتھ لئے رہنا بھی حرم میں جائز ہے اب زبدہ اور غنیہ کی عبارات کا تعارض دفعہ فرمادیں یا ایک کو ترجیح دیں اس بارہ میں شامی کو بھی دیکھا اس میں شاید لکھا ہے کہ حل میں شکار پکڑ کر باندھے اور حرم میں محرم و حلال اگر شکار داخل کرے اور شکار پنجرے میں ہو یعنی فی یدہ حکمی ہو تو چھوڑنا واجب نہیں، اور اگر فی ید حقیقی ہو تو حرم میں اصل چھوڑ دینا واجب ہے اور حل میں اصل چھوڑنا واجب نہیں یہ فرق بیان کیا ہے اور غنیہ نے دونوں میں فرق نہیں کیا یہ تعارض بھی دفعہ فرمادیں شامی ص ۲۰۳ وھی من احرم فی الحل وفی یدہ صید واما الاولی وھی لو دخل الحرم وفی یدہ صید فالواجب علیہ الارسال بمعنی الاطارۃ لقولہ فی الھدایۃ۔

الجواب: (اقول وباللہ التوفیق) اخذ صید کی صورتیں چند ہیں ہر ایک کا حکم الگ الگ معلوم کرنا چاہئے (۱) احرام کے بعد شکار پکڑے خواہ حل کا ہی شکار ہو یا حرم کا شکار پکڑے خواہ یہ حلال ہی ہو محرم نہ ہو یہ تو ملک ہی میں داخل نہ ہوگا (۲) یہ کہ احرام حل میں باندھنا چاہتا ہے اور احرام سے پہلے اس کے ہاتھ میں حقیقۃً صید حل ہے (۳) حل میں احرام باندھنا چاہتا ہے اور اس کے ہاتھ میں نہیں بلکہ قفص میں صید حل ہے (۴) حرم میں داخل ہوا اور اس کے ہاتھ میں نہیں بلکہ قفص میں صید حل ہے اور قفص اس کے ہاتھ میں ہے یہ چار صورتیں جن میں دو صورتیں اخیر کی محل نزاع ہیں۔ ودلیل الاول ما فی غنیۃ الناسک ولو اخذ الصید فی الحل وھو محرم او فی الحرم وھو حلال لم یملکہ ووجب ارسالہ سواء کان فی یدہ او فی قفص معہ او فی بیتہ اھ (ص ۱۵۶) اور صورت ثانیہ کا حکم یہ ہے کہ یہ شکار محرم کی ملک ہے اور اس کے ذمہ اس کا چھوڑ دینا واجب ہے مگر اس طرح کہ ضائع نہ ہو مثلاً گھر میں بند کر کے چھوڑ دے یا کسی حلال خارج حرم کے پاس امانت رکھ دے یا قفص میں چھوڑ دے قال فی اللباب وشرحہ ولو اخذ صیداً فی الحل وھو حلال ثم احرم ملکہ ای ملکا مستمراً حیث لم یخرج بالاحرام من ملکہ ثم ان کان الصید فی یدہ لزمہ ارسالہ علی وجہ لا یضیع ملکہ ای ان شاء بقاءہ فی ملکہ بان یخلیہ فی بیتہ مغلقاً علیہ فان الاستدامۃ علی اخذ الصید (بیدہ) فی حکم ابتداء صیدہ وان لم یرسلہ حتی مات فی یدہ لزمہ الجزاء اھ (ص ۲۰۲) اور یہ جو کہا گیا ہے کہ اس طرح چھوڑے

کہ جانور ضائع نہو یہ اس وقت واجب ہے جبکہ اس کو اپنی ملک باقی رکھنا چاہے اور اگر بطور اباحت کے چھوڑ دے کہ جو پکڑے وہی مالک ہے اور اپنی ملک میں باقی نہ رکھنا چاہے تو یہ بھی جائز ہے قال فی الدر وفی کراھۃ جامع الفتاوی شری عصافیر واعتقہا جاز الی ان قال من اخذھا فھی لہ قلت وحینئذ فتقید الاطارۃ بالاباحۃ قبل فتامل اھ قال الشامی لکن ظاھر ما قدمناہ عن القھستانی من حکایۃ القولین فی تفسیر الارسال ان من فسرہ بالاطارۃ لم یقید بالاباحۃ لانہ یقول ان الارسال واجب فلم یکن فی معنی التسییب المحظور و من فسر الارسال بالودیعۃ فکانہ یقول حیث امکنہ رفع التعرض للصید بھا فلا حاجۃ الی الاطارۃ المضیعۃ للملک لاندفاع الضرورۃ بدونھا اھ (۲ج۳۶۱) شامی کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض روایات پر اطلاق واطارۃ مطلقاً جائز ہے اباحت کی قید کی ضرورت نہیں لیکن قواعد سے ترجیح اس کو معلوم ہوتی ہے کہ اگر قوم حاضر کو اباحت کر دے تب تو اطارۃ جائز ہے اور اگر اباحت نکرے تو جب تک ایداع وغیرہ کے ساتھ تضییع سے احتراز ہو سکے تو ایداع وغیرہ لازم ہے البتہ اگر ایداع وغیرہ بھی نہو سکے اور نہ اس کے سامنے ایسے آدمی حلال موجود ہوں جن کو اباحت کر سکے تو پھر اطارۃ مطلقاً جائز ہے قال فی غنیۃ الناسک فان کان الصید فی یدہ حقیقۃ وجب ارسالہ لکن لا بان یسیبہ لان تسییب الدابۃ حرام لانہ تضییع للملک بل یطلقہ علی وجہ لا یضیع بان یخلیہ فی بیتہ او یودعہ عند حلال او یرسلہ فی قفص معہ فان لم یتیسر یسیبہ للضرورۃ لان ارسالہ مامور بہ اھ (ص۱۵۷)

اور صورۃ ثالثہ کا حکم یہ ہے کہ جب صید ہاتھ میں نہیں بلکہ قفص میں ہے تو صحیح قول میں اس کے ذمہ اس کا چھوڑنا واجب نہیں اور اگر قفص وغیرہ میں مر جائے تو اس کے ذمہ ضمان نہ ہوگا اور ایک ضعیف قول یہ ہے کہ اس وقت بھی ارسال لازم ہے قال فی اللباب وشرحہ وان کان الصید فی بیتہ وکذا اذا کان فی قفصہ حال احرامہ لا فی یدہ لا یجب ارسالہ حتی لو لم یرسلہ فمات لا یضمن ای علی الصحیح وقیل لو کان القفص فی یدہ یجب ارسالہ اھ (ص۲۰۲) وکذا فی الدر مع الشامیۃ وزاد الشامی وقیل ان کان القفص فی یدہ یلزمہ ارسالہ لکن علی وجہ لا یضیع ھدایۃ

وھو ضعیف کما فی النھر قال ح والظاھر ان مثلہ ما اذا کان الحبل المشدود فی رقبۃ الصید فی یدہ اور صورت رابعہ وخامسہ کا حکم یہ ہے کہ شکار تو ان دونوں صورتوں میں بھی صاحب ید کی ملک ہے۔ لیکن صورت رابعہ میں جبکہ شکار حقیقۃً اس کے ہاتھ میں ہو حرم میں اُس کو چھوڑ دینا واجب ہے۔ اور صورت خامسہ میں جبکہ شکار کو قفص میں لیکر داخل حرم ہوا اس کا ارسال واجب نہیں قال فی البحر تحت قول الکنز ومن دخل الحرم بصید ارسلہ ای فعلیہ ان یطلقہ لانہ لما حصل فی الحرم وجب ترک التعرض لحرمۃ الحرم اذ ھو صار من صید الحرم فاستحق الامن اراد بہ ما اذا دخل وھو ممسک لہ بیدہ الجارحۃ لانہ سیصرح بانہ اذا احرم وفی بیتہ او فی قفصہ صید لا یرسلہ فکذلک اذا دخل الحرم ومعہ صید فی قفصہ لا فی یدہ لا یرسلہ لانہ لا فرق بینھما فالحاصل ان من احرم وفی یدہ صید حقیقۃً او دخل الحرم کذلک وجب ارسالہ وان کان فی بیتہ او قفصہ لا یجب ارسالہ فیھما فنبہ بمسئلۃ دخول الحرم ھنا علی مسئلۃ المحرم وبمسئلۃ المحرم اٰتیۃ علی مسئلۃ الحرم ولیس المراد من ارسالہ تسییبہ لان تسییب الدابۃ حرام بل یطلقہ علی وجہ لا یضیع ولا یخرج عن ملکہ بھذا الارسال حتی لو خرج الی الحل فلہ ان یمسکہ ولو اخذہ انسان یستردہ اھ (ص ۴۱ ج ۳)

اس سے معلوم ہوا جو حکم محرم کے ہاتھ میں حقیقۃً شکار کے ہونے کا ہے وہی حکم داخل حرم کے ہاتھ میں ہونے کا ہے اور جو حکم محرم کے ہاتھ میں حکماً یعنی قفص میں شکار ہونے کا ہے وہی حکم داخل حرم کے پاس قفص میں شکار کے ہونے کا ہے۔

پس غنیہ کی عبارت تحقیق بحر کے موافق ہے اور حضرت گنگوہی قدس سرہ نے زبدہ میں جو فرق کیا ہے کہ حرم میں داخل ہونے والے کے ذمہ مطلقاً ارسال کو لازم فرمایا ہے خواہ حقیقۃً اس کے ہاتھ میں ہو یا قفص میں ہو عبارت بحر اس کی نفی کر رہی ہے اور غالباً مولانا کے اس قول کا منشأ لباب وشرح لباب وغیرہ کا اطلاق ہے لباب میں ہے ولو دخل محرم او حلال

لہ اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس کا منشا وہ روایت ضعیفہ ہے جس کو شامی نے ہدایہ سے نقل کیا (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

صید الحل الحرم صار حکمہ حکم صید الحرم ای فعلیہ ارسالہ اھ اور شرح لباب ہے واما ان دخل الصید فی الحرم من الحل صار حکمہ حکم صید الحرم سواءٌ کان مملوکاً ام لا وسواءٌ دخل بنفسہ او ادخلہ غیرہ حلال او محرم ولا یدخل منہ شیئ فی الحرم حیاً الا وجب ارسالہ اھ (ص ۲۰۶ و ۲۰۷) لیکن جب بحر سے ان اطلاقات کا اُس صورت کے ساتھ مقید ہونا[1] معلوم ہوگیا جب صید حقیقۃً داخل کرنے والے کے ہاتھ میں ہو تو اس تصریح کے بعد اطلاق پر حمل نہ ہوگا اور شامی نے حاشیۂ بحر میں اس مقام پر کچھ کلام نہیں کیا نہ رد المحتار میں اس کے خلاف کچھ کہا البتہ رد المحتار کی بعض عبارات سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ داخل حرم کے ذمہ مطلقاً ارسال لازم ہو کیونکہ اس میں محرم کے متعلق تفصیل کر کے لکھا ہے وقد علمت مما قد مناہ ان ھذا کلہ فیما لو اخذ صید اثم احرم اما لو دخل بہ الحرم فانہ یلزمہ ارسالہ بمعنی اطارتہ وانہ لیس لہ ایداعہ لانہ صار من صید الحرم اھ (ص ۳۶۱ ج ۲) لیکن رد المحتار ہی کی دوسری عبارت سے اس حکم کا اُس صورت کے ساتھ مقید ہونا معلوم ہوتا ہے جبکہ شکار حقیقۃً ہاتھ میں ہو ونصہ ثم اعلم الذی یظھر من کلامھم ان ھذین القولین (فی تفسیر الارسال) فی المسئلۃ الثانیۃ فقط وھی من احرم فی الحل وفی یدہ صید اما الاولی وھی لو دخل الحرم وفی یدہ صید فالواجب علیہ الارسال بمعنی الاطارۃ (ای لا بمعنی الایداع) لقولہ فی الھدایۃ علیہ ان یرسلہ فیہ ای فی الحرم و تعلیلہ لہ بانہ لما حصل فی الحرم وجب ترک التعرض لہ لحرمۃ الحرم و صار من صید الحرم اھ (ص ۳۶۰ ج ۲) اس میں صاف تصریح ہے کہ داخل حرم پر

(حاشیہ بقیہ صفحہ گزشتہ سے) ہے کیونکہ وہ روایت محرم کے بارہ میں ہے اگر اس کی وجہ سے دخول حرم کی صورت میں ارسال کو مطلقاً واجب کہا جائے گا تو محرم کے مسئلہ میں بھی اطلاق ارسال ماننا پڑے گا۔ حالانکہ مولانا محرم اور داخل حرم کے حکم میں فرق کر رہے ہیں۔ ۱۲ منہ

[1] ویؤیدہ ما فی الادب المفرد للبخاری ان الصحابۃ کانوا یدخلون مکۃ بصید فی اقفاصھا۔

ارسال جب واجب ہے کہ شکار اس کے ہاتھ میں ہو وصرح بہ فی الغرر شرح الدرر حیث قال حلال دخل الحرم بصید فی یدہ ای یدہ الحقیقیۃ التی ھی الجارحۃ حتی اذا کان فی رحلہ او قفصہ لایجب علیہ الارسال ذکرہ تاج الشریعۃ ارسلہ ای علیہ ان یرسلہ اھ (ص ۱ج۲۵۲) وھذا عین ماصرح بہ صاحب البحر واما ما فی التحریر المختار علی قول الدر ولو القفص فی یدہ بدلیل اخذ المصحف الخ نازع الشیخ محمد طاھر بان قیاس القفص علی الغلاف قیاس مع الفارق لان المامور بہ فی المصحف عدم المس فاذا اخذہ بغلافہ لایکون ماسًا والمامور بہ فی الصید عدم التعرض ومن اخذہ بیدہ حال کونہ فی القفص فھو متعرض للصید لامحالۃ واعتمد ان من دخل الحرم حلالاً او حرامًا وفی یدہ او قفص معہ اوفی ید خادم معہ صید الآن وجب ارسالہ الصید بعد دخولہ فی الحرم بای وجہ کان لانہ صار صید الحرم واستند لذلک بکثیر من عبارات المؤلفین فانظرہ اھ (ص ۱ج۲۶۷) ففیہ اولاً انہ کلام علی الدلیل ولوتم للزم کون المحرم متعرضًا للصید ایضًا حال کونہ فی القفص فیجب علیہ ارسالہ والمتون قاطبۃً علی خلافہ فی مسئلۃ المحرم فان قال الشیخ طاھر بالفرق فی المحرم وفی من دخل الحرم فعلیہ البیان وان سوی بینھما فقد مر عن النھر تضعیف القول بوجوب الارسال علی المحرم اذا کان الصید معہ فی القفص مع ان الکلام فی الدلیل لایستلزم الکلام فی المسئلۃ لاحتمال بناءھا علی دلیل اٰخر فلنا ان نقول ان القفص مثل البیت فکما یجوز المشیٔ علی بیت فیہ المصحف ولیس ذلک کالمشیٔ فوقہ بعینہ فکذلک الصید فی القفص لیس اٰخذہ متعرضًا بل ھو قابض علی بیتہ کما اذا دخل الحرم وفی بیتہ صید۔ ہاں ایک فرق البتہ ہے کہ محرم کے ہاتھ میں شکار ہو تو اس کے لئے بعد احرام کے ارسال دونوں طرح جائز ہے خواہ بطریق اطارۃ خواہ بطریق ایداع اور داخل حرم کے ہاتھ میں حقیقۃً ہو تو اس کو ایداع جائز نہیں بلکہ ارسال بطریق اطارۃ واجب ہے پس غنیہ کا یہ قول ھذا اذا احرم واما اذا دخل بہ الحرم فیرسلہ فی قفص معہ فان لم یتیسر یسیبہ فی الحرم اھ (ص ۱۵۷)

تحقیق شامی کے خلاف ہے اور قواعد کے بھی خلاف ہے کیونکہ جب وہ ہاتھ میں لیکر داخل حرم ہو تو وہ صید صید حرم ہو گیا جس سے عدم تعرض واجب ہے اور اس کو قفص میں بند کرنا بھی تعرض ہے ہاں اسکا یہ مطلب لیا جائے کہ دخول حرم سے پہلے اُس کو قفص میں بند کردے اور قفص میں لیکر داخل حرم ہو اور دخل بہ المحرم کو ارادۂ دخول پر محمول کیا جائے تو یہ کلام صحیح ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

حالت احرام میں اعذار متعددہ کی وجہ سے مختلف سلے ہوئے کپڑے پہننے سے کفارہ واحدہ واجب ہوگا یا متعددہ

تنبیہ:۔ ایک سوال وجواب طویل الذیل مولوی شیر محمد صاحب ساکن گھوٹکی ضلع سکھر ملک سندھ نے یہاں بھیجا جس میں جنایت فی الحج کے ایک مسئلہ میں بعض اہل فتاویٰ سے ان کو اختلاف تھا یہاں سے انہوں نے محاکمہ چاہا اس لئے صورت مسئولہ کو منقح کرکے اور طرفین کے دلائل بیان کرکے اخیر میں محاکمہ لکھا جائے گا فقط

تحریر محل النزاع

محل نزاع یہ ہے کہ اگر ایک شخص کو ایک وقت میں دو یا زیادہ اعضاء میں لُبس مخیط کی ضرورت لاحق ہو اور نوع ضرورت مختلف ہو مثلاً عمامہ دردسر کی وجہ سے باندھے اور قمیص بوجہ سردی کے پہنے تو اس صورت میں کفارہ مخیرہ واحد ہوگا یا متعدد ایک صاحب اتحاد کفارہ کے قائل ہیں اور ان کی دلیل یہ ہے کہ تعدد سبب جو فقہاء کے نزدیک موجب تعدد کفارہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ تعدد ضرورت و عدم ضرورت کی وجہ سے ہو یا ایک ضرورت زائل ہو جانے کے بعد دوسری ضرورت پیدا ہو اور اگر تعدد ضرورت و عدم ضرورت سے ناشی نہ ہو بلکہ ضرورت ہی سر تعدد ہو گو نوع ضرورت ہر فرد میں جدا ہو تو یہ سب فعل واحد شمار ہوگا اور جزا واحد لازم ہوگی لما فی المناسك فان تعدد السبب كما اذا اضطر الى لبس ثوب فلبس ثوبين فان لبسهما على موضع الضرورة اى بعينها نحو ان يحتاج الى قميص فلبس قميصين او قميصاً وجبّةً او يحتاج الى قلنسوة فلبسها مع العمامة فعليه كفارة واحدة لان محل الجناية متحد فلا نظر الى نعل المتعدد (يتخير فيها (اى فى الكفارة) لوقوع اثر الجناية للضرورة ما صرح به فى المحيط وكذا اذا لبسهما على موضعين لضرورة بهما فى مجلس واحد بان لبس عمامة وخفًا بعذر

فيهما فعليه كفارة واحدة وهي كفارة الضرورة لان اللبس على وجه واحد فيجب كفارة واحدة وان لبسهما على موضعين مختلفين موضع الضرورة وغير الضرورة كما اذا اضطر الى لبس العمامة فلبسها مع قميص مثلاً او لبس قميصا للضرورة وخفين من غير ضرورة فعليه كفارتان كفارة الضرورة يتخير فيها وكفارة الاختيار لا يتخير فيها اى بل يتحتم الكفارة فيها اھ الى ان قال ناقلا عن الكرمانى لان هذا اللبس غير اللبس الاول اى لاختلاف الوصفين كونهما بعذر وبغيره فكانا كشيئين متغائرين سواء فى مجلس او مجلسين اھ (ص ۱۶۵) ويؤيده ايضا ما فى البدائع اذا كان به جرح او قرح اضطر الى مداواته بالطيب انه مادام باقيا فعليه كفارة واحدة فان تكرر عليه الدواء لان الضرورة باقية فوقع الكل على وجه واحد ولو برأ ذلك القرح او الجرح وحدث قرح آخر او جراحة اخرى فداواها بالطيب يلزمه كفارة اخرى لان الضرورة قد زالت فوقع الثانى على غير الوجه الاول ولو جرح له جرح او اصابه قرح وهو يداويه بالطيب فخرجت قرحة اخرى او اصابه جرح آخر والاول على حاله لم يبرأ فداوى الثانى فعليه كفارة واحدة لان الاول لم يبرأ فالضرورة باقية فالمداواة الثانية حصلت على الجهة التى حصلت عليه الاولى فيكفيه كفارة واحدة اھ (ص ۱۸۸ و ۱۸۹ ج ۲)

اس میں ایک زخم کے اچھا ہونے کے بعد دوسرا زخم یا دمل ہونے کو توسبب آخر شمار کیا ہے اور ایک زخم یا دمل کے ساتھ دوسرا زخم یا دمل دوسرے موقع پر ہو جائے تو اس کو سبب آخر شمار نہیں کیا بلکہ سب کو جہت واحد میں داخل کیا ہے اور علت یہ بیان کی ہے۔ لان الاول لم یبرأ فالضرورة باقیة. اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بقاء عذر اول کے ساتھ دوسرے اعضاء میں عذر کا پیدا ہونا اور اس کی وجہ سے عضو ثانی میں محظور کا ارتکاب کرنا جنایت آخری نہیں بلکہ جنایت اولیٰ ہی میں متداخل ہے لبقاء الضرورة ہاں عضو ثانی میں ارتکاب محظور بلاضرورت ہو یا بعد زوال ضرورة اولیٰ ہو تو کفارہ ثانیہ لازم ہوگا۔
یہ تو ایک فریق کے دلائل تھے دوسرا فریق صورت مذکورہ میں تعدد کفارہ کا قائل ہے

اور وہ مناسک کی اس عبارت سے استدلال کرتے ہیں قد یتعدد الجزاء ای کفارۃ المحظور فی لبس واحد باموراى خمسة: الاول التكفير بين اللبسين والثانی تعدد السبب ای بان لبس فی موضعین احدهما لعذر والأخر لغير عذر اولعذر اٰخر عہ اھ (ص ۱۶۷)

فریق اول کہتا ہے کہ اس عبارت میں اولعذر اٰخر کا مطلب اولحدوث عذر اٰخر بعد زوال الاول ہے نہ یہ کہ وقت واحد میں دو موضع میں الگ الگ عذر ہو تو ہر عضو میں لبس مخیط سے کفارہ متعدد ہو کیونکہ یہ خلاف تصریحات سابقہ ہے اور دلیل اس تاویل کی یہ ہے کہ صاحب لُباب نے جو آگے چل کر کہا ہے والرابع حدوث عذر اٰخر تو شارح نے اس کی شرح میں کہا ہے قد شمله ماتقدم فتدبر اور ماتقدم اگر اس کو شامل ہے تو اس کی یہی صورت ہے کہ سبب ثانی میں اولعذر اٰخر کو حدوث عذر اٰخر بعد زوال اول پر محمول کیا جاوے۔

احقر کہتا ہے کہ میرے نزدیک فریق اول کے دلائل قوی ہیں اور وہی قول صحیح ہے، واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ ۲۶ رمضان سنہ ۴۴ھ۔

هذا التحقيق كاف شاف۔ اشرف علی ۲۷ رمضان سنہ ۴۴ھ

رفض احرام حج سے ایک دَم اور ایک حج لازم ہوگا یا دو دَم اور دو حج

سوال (۳) یلملم سے احرام حج کا باندھا پھر جب جدہ میں آیا تو احرام توڑ کر کپڑے وغیرہ پہنکر مدینہ طیبہ چلا گیا پھر جب مدینہ طیبہ سے واپس ہوا تو پھر ذوالحلیفہ سے دوبارہ حج کا احرام باندھا تو آیا اس صورت میں کئے حج اور کئے دَم لازم آتے ہیں یہاں کے بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس پر دو حج اور دو دم اور ایک عمرہ لازم ہوگا دو دم لازم ہونے میں وہ فرماتے ہیں کہ ایک دم تو اس وقت لازم ہوا جب اس نے رفض کر کے کپڑے پہنے اور دوسرا دم اس وقت لازم ہوا جب دوسرے حج کا احرام باندھ کر اس کے افعال شروع کئے کیونکہ پہلے رفض کے وقت فقط کپڑے پہننے سے وہ اچھی طرح احرام سے باہر نہیں آیا تھا اب جب اس ثانی احرام سے حج کے افعال شروع کئے تو اب اس کا رفض متحقق ہوا دوسرا

عہ عطف علی قوله فی موضعین تحت قوله لبس ومعناه بان لبس فی موضعین اولبس لعذر اٰخر (بعد زوال الاول) سواء كان اللبس فی موضع واحد او موضعین ۱۲ ظ

دم اب لازم ہوا۔ اس میں جو تحقیق ہو ارقام فرما دیں؟

الجواب: اقول و باللہ التوفیق۔ صورت مسئولہ میں اس شخص پر جس نے جدہ میں رفض احرام حج کیا اور مدینہ چلا گیا اور واپسی میں پھر احرام حج باندھا دو حج اور دو دم لازم نہ آئیں گے بلکہ احرام ثانی عین احرام اول ہے کیونکہ اس شخص نے احرام ثانی سے حج آخر کی نیت نہیں کی بلکہ اسی حج کی نیت کر رہا ہے جو احرام اول سے اس پر لازم ہوا تھا اس لئے احرام ثانی سے اس پر دم آخر بھی لازم نہ آئے گا بلکہ صرف ایک دم لازم آئے گا۔ قال فی اللباب مع شرحہ للقاری۔ ولو اہلّ الفائتُ بحجۃ اُخریٰ قبل الفراغ من الاولیٰ فان کان ینوی بہ قضاء الفائتۃ فہی بعینہا ولا یلزم بہذا الاہلال شیٔ ای سوی التی ہو فیہا فیتحلل بالطواف والسعی کما لو لم یہل بہ ونیتہٗ بالثانیۃ لغو لا اعتبار لہا وعلیہ قضاء الاولیٰ لا غیر لکون الثانیۃ لغواً وان نویٰ بہ ای باہلالہ حجۃ اخریٰ یرفضہا ای الحجہ ویحل بافعال العمرۃ لما تقدم مع ما فیہ من الخلاف[1] وعلیہ قضاء حجتین وعمرۃ ودمٌ ای عند ابی حنیفۃ خلافا لہما لما تقدم عنہما اھ (۲۴۵) اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ احرام ثانی سے اگر قضاء اولیٰ یا عود الی الاولیٰ کی نیت ہو تو اس سے بالاتفاق حج ثانی لازم نہیں آتا۔ بلکہ حج ثانی صرف امام صاحب کے نزدیک جب لازم آتا ہے کہ احرام اول کو باقی سمجھ کر اس کے علاوہ حج آخر کی نیت سے احرام باندھے۔ اور صورت مسئولہ میں ایسا نہیں ہے کیونکہ جو

---

[1] ای بین الشیخین ومحمدٍ فانہٗ اذا اہل بحجتین معًا او بحجۃٍ ثم حجۃ مقترنتین لزمہ جمیع ذلک غیر انہ یرتفض احداہما فی المعیۃ والثانیۃ فی التعاقب عندہما وعند محمدٍ یلزمہ احداہما فی المعیۃ والاولیٰ فقط فی التعاقب وثمرۃ الخلاف تظہر فیما اذا جنی قبل السیر والشروع فی الاعمال فعلیہ دمان عند ابی حنیفۃ للجنایۃ علی الاخرین ودمٌ واحدٌ عند محمدٍ لعدم انعقاد احداہما وکذا عند ابی یوسف لان الثانی وان انعقد ولکنہ ارتفض بلا مکث کما فرغ من قولہ لبیک بحجتین کما فی المناسک ایضًا (ص ۱۵۸) مؤلف

※※※

جاہل جدہ سے رفض احرام کر کے واپسی از مدینہ کے وقت احرام ثانی کی نیت کرتا ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ احرام اول رفض سے مرتفض ہوگیا پھر اسی کی قضا کی نیت سے دوسرا احرام باندھتا ہے کما ھو ظاھر پس اس پر دو حج کا لازم کرنا صحیح نہیں بلکہ یہ کہا جائے گا کہ احرام ثانی عین احرام اول ہے۔ رہا دم سو ہمارے نزدیک اس پر ایک دم لازم آئے گا قال الشامی عن اللباب واعلم ان المحرم اذا نوی رفض الاحرام فجعل یصنع ما یصنعه الحلال من لبس الثیاب والطیب والحلق والجماع وقتل الصید فانه لا یخرج بذلک من الاحرام وعلیه ان یعود کما کان محرما ویجب دمٌ واحدٌ لجمیع ما ارتکب ولو کل المحظورات وانما یتعدد الجزاء بتعدد الجنایات اذا لم ینو الرفض اھ جلد ثانی باب الجنایات ص۲۰۷ دھلی۔

اور بعض علماء نے جو وجوب دمین کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ احرام ثانی سے رفض متحقق ہوگیا لہذا دوسرا دم تحقق رفض کی وجہ سے لازم آئے گا الخ یہ بناء الفاسد علی الفاسد ہے یہاں احرام ثانی سے تحقق رفض ہی نہیں ہوا کما تقدم بلکہ ثانی عین اول ہے۔ دوسرے تحقق رفض سے دم ثانی کا واجب کرنا یہ نہ معلوم کہاں سے لکھا گیا ہے ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ نیت رفض سے ایک دم ہوا اور تحقق رفض سے دم آخر فان قام دلیلٌ صریح ووجهٌ صحیح فلا مرمسلم والا فلا۔ ہاں اگر یہاں تحقق رفض ہوجاتا تو وجوب دمین کی یہ علت ہوسکتی تھی کہ ایک دم رفض کی وجہ سے ہو دوسرا جمع بین النسکین کی وجہ سے کما صرح به فی اللباب مع شرحه عن البحر (ص۱۱۲) وفیه اختلاف الروایتین کما فصله فیه ھذا واللہ اعلم ۱۰ شوال ۴۴ھ

احرام میں ازار بدلنا جائز ہے

سوال ( ) زید کو عارضہ فتق کا ہے کلوخ لینے سے مجبور رہتا ہے اور اکثر خون بواسیر کا کپڑے میں ٹپک جاتا ہے اور وہ بار پیشاب کی بعد طہارت کے کپڑے پر گر جاتا ہے جس سے وہ کپڑا ہمیشہ نجس ہوجاتا ہے چنانچہ اس کے دفعیہ و رفع شک کے لئے اس نے ہمیشہ یہ بات اختیار کی ہے کہ نماز کے وقت دوسرا تہمند باندھ کر نماز پڑھتا ہے اور بعد نماز اس تہمند کو اتار کر سابق تہمند پہن لیتا ہے اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جب کہ احرام حج کا تہمند باندھ چکا ہو ایسی حالت میں بوقت نماز دوسرے اس تہمند کو باندھ سکتا ہے یا نہیں یعنی تبدیل کرسکتا ہے یا اسی نجس تہمند سے نماز پڑھتا رہے۔

الجواب: احرام میں یہ ضرور نہیں کہ ایک ہی چادر اور ایک ہی لنگی اول سے آخر

تک بدن پر رہے بلکہ چادر اور لنگی کو بدلتے رہنا جائز ہے پس صورت مسئولہ میں سائل لنگی کو بدل سکتا ہے۔

احرام میں ہمیانی باندھنے کا حکم

سوال (۵) ڈوریا یعنی تھیلے سلے ہوئے جو بغرض حفاظت نوٹ روپیہ وغیرہ کمر میں باندھا جاتا ہے آیا کمر میں باندھ سکتے ہیں یا نہیں علاوہ اس کے فتق کی کمانی جو عموماً چمڑہ اور تاگے سے بنی ہوتی ہے حالت احرام میں کمر میں باندھ سکتے ہیں ؟ کیونکہ عارضہ موجود ہے۔

الجواب: نوٹ اور روپیہ کی حفاظت کے لئے کمر سے تھیلی باندھنا اور عارضہ فتق کی وجہ سے پیٹی باندھنا بھی جائز ہے۔ یہ اس مخیط میں داخل نہیں جس کی احرام میں ممانعت ہے۔ احرام میں وہ مخیط ممنوع ہے جو جسم کی وضع وتراش پر سلا ہوا ہو، فقط - ۱۲ شعبان ۴۵ھ

محظورات احرام کا ارتکاب بلاعذر کردے اور دم وصدقہ ادا کرنے سے عاجز ہو تو روزے رکھنا کافی ہے یا نہیں

سوال (۶) محرم اگر محظورات احرام کا ارتکاب بلا عذر عمداً کرے اور دم وصدقہ ادا کرنے سے عاجز ہو تو اس کو دم کے عوض روزہ رکھنا کافی ہے یا نہیں ؟

الجواب: روزہ رکھنا بھی اس حالت میں کافی ہے جب کہ وہ اراقۃ دم وادا صدقہ سے عاجز ہو وقد ذکر العلامۃ زین الدین ابن نجیم فی البحر والملا رحمۃ اللہ السندی فی منسکہ ان المحرم اذا ارتکب المحظور علی وجہ الکمال من غیر عذر وضرورۃ فعلیہ الدم ولا یجزئہ الصوم عند عجزہ عن الدم قلت بل المقرر المنصوص علیہ فی کثیر من کتب المذہب المعتبرۃ اجزاء الصوم عند العجز عن الدم قال فی الاسرار للشیخ الاجل الامام القاضی ابی زید الدبوسی قال علماءنا فی کفارۃ الحلق واللبس والتطیب والقصر اذا وجبت عن عذر کان المکفر فیھا بالخیار بین النسک والصدقۃ والصیام و اذا وجبت عن عمد وجبت علی ترتیب الھدی اولا فان لم یجد فالصدقۃ فان لم یجد فالصیام وقال یتخیر المکفر عن الحلق فی الحالین۔ ویترتب علیہ الوجوب عن اللبس والطیب فی الحالین انتھی وفی المحیط للبرھانی فی نوع اللبس من الفصل الخامس وان لبس مالا یحل لبسہ من غیر

عہ نقل لنا ھذہ العبارات الفقھیہ صدیقنا المولوی شیر محمد السندی عن رسالۃ المخدوم ھاشم السندی فی المناسک فجزاہ اللہ خیر الجزاء۔ ۱۲ ظفر

ضرورة اراق لذلك دماً وان لم يجد صام ثلثة ايام ثم ذكر بعده فى نوع الحلق وفى الاصل حلق المحرم رأسه بغير عذر اراق دما وان لم يجد صام ثلثة ايام وان فعل ذلك بعذر يتخير بين الكفارات الثلثة على ما مر انتهى وذكر فى الذخيرة ايضاً مثل ما ذكره فى نوع اللبس وذكر فى الظهيرية ومنسك الفارسى مثله وفى المبتغى ويلبس ما لا يحل لبسه بغير ضرورة يلزمه دم و بفقده صوم ثلثة ايام انتهى. فهذه نصوص صريحة فى اجزاء الصوم عند العجز عن الدم واما تضعيف ابن نجيم كلام الظهيرية بما نقله عن الامام الاسبيجابى فليس بصحيح اذ ليس فى كلامه صريحاً ما يخالفه ما فى الظهيرية بل هو موافق لها على ما نبينه قال الاسبيجابى فى شرح المختصر للطحاوى فى باب ما يجتنبه المحرم فان لبس المخيط يوماً كاملاً من غير ضرورة فعليه لذلك دم لا يجزئه غيره الى ان قال وان فعل ذلك لعلة او ضرورة فعليه اى الكفارات شاء ذكر مثله فى الحلق ايضاً. فنقول مثل هذه العبارات موجودة فى غيرها كالكافى للحاكم الشهيد والمبسوط للسرخسى وغاية البيان شرح الهداية والبدائع والتجريد لابى الفضل الكرمانى حيث قالوا واما اذا فعل ذلك من غير ضرورة يتعين فيه الدم ولا يجزئه الصوم انتهى. فقول الاسبيجابى وغيره فعليه لذلك دم لا يجزئه غيره كلام مطلق قابل للتقييد بما اذا كان قادراً وما فى الظهيرية والاسرار والمحيط وغيرها صريح فى جواز الصوم عند العجز وقد تقرر فى كتب الاصول ان المطلق يحمل على المقيد فى الادلة فيما اذا اتحد الحكم والحادثة فكيف فى الروايات ومما يدل ايضاً على ان الكلام للامام الاسبيجابى ومن وافقه فى الاطلاق محمول على ما اذا كان قادراً انهم قالوا واذا فعل ذلك بعذر فعليه اى الكفارات الثلاث شاء ولا شبهة فى ان التخيير بين الكفارات الثلاثة انما يتصور من الغنى القادر اما الفقير العاجز فيتعين فى حقه الصوم لانه لا قدرة له على غيره وجهد المقل دموعه فان قلت قد مت عن الاسرار ان الكفارات اذا وجبت عن عمدٍ وجبت على ترتيب الهدى ثم الصدقة

ثم الصيام والذی تقدم عن المحیط والظهیریة وغیرها وجوب الدم اولا فان لم یجد فصیام ولم یذکر والصدقة فکیف التوفیق بین الکلامین قلتُ: الظاهر ان الغالب ان من لم یجد الدم لا یجد الصدقة فقالوا بجواز الصوم عند عدم الدم بناء علی الغالب والذی فی الاسرار بناء علی الامکان وحقیقة الامر فلا تدافع اھ نقلتها من رسالة السید محمد امین بن حسن میرغنی الحسینی المکی الحنفی من عینه ۔ قاله المخدوم هاشم السندی الفقیه فی بیاضه وهو من معاصری العلامة ابن عابدین الشامی وله باع طویل ونظر واسع فی الفقه هذا وقال العلامة ابن عابدین فی حاشیة البحر علی قوله وبهذا اظهر ضعف ما قدمناه عن الظهیریة من انه ان لم یقدر علی الدم صام ثلثة ایام ولم اره لغیرها اھ ما نصه وفی حاشیة المدنی بعد ذکره کلام المؤلف ونقل المنلا رحمة الله فی منسکه الکبیر نحوه ونقل عن الفارسی والبحر العمیق نحو ما ذکره فی الظهیریة علی وجه الاعتراض علیهما قال شیخنا مولانا السید محمد امین میرغنی بعد نقل عبارتهما فی رسالة له قلت بل المقرر المنصوص علیه فی کثیر من کتب المذهب المعتبرة اجزاء الصوم عند العجز عن الدم کما نملیه علیک وسرد الاقوال المؤیدة لکلامه فراجعها ان شئت اھ (ص$\frac{13}{27}$) ۔ ۷ شوال سنہ ۴۶ھ

عورت حالت احرام میں چہرہ کس چیز سے ڈھانپے

سوال (۷) عورت حالت احرام میں چہرہ کس چیز سے ڈھانپے؟ بمبئی میں جو کھجور کا پنکھا چہرہ ڈھانپنے کے لئے فروخت ہوتا ہے اس کو مولانا موصوف نے ناکافی لکھا ہے۔

الجواب: ہاں وہ پنکھا تو ناکافی ہے بہتر صورت یہ ہے کہ چھجے دار ٹوپی سر پر رکھ کر اوپر سے برقعہ اوڑھ لے اس صورت میں چہرہ پر کپڑا نہ پڑے گا۔

بحالت احرام عورت کو مردانہ جوتا پہننا کیسا ہے

سوال (۸) سفر حج کے زمانہ میں عورت کو جہاز پر چڑھنے اترنے کی حالت میں اس اندیشہ سے کہ زنانہ جوتا ازدہام کی وجہ سے کسی کے پیر سے دب کر عورت گر جائے گی مردانہ جوتا پہننا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: - یہ اندیشہ محض وہم ہے ہزار ہا مستورات زنانہ جوتا پہن کر حج کر چکی ہیں - کوئی بھی نہیں گری -

میقات سے مکہ جانیکا ارادہ نہ ہو تو میقات سے احرام باندھنا ضروری نہیں

سوال (۹) زید باارادۂ حج جارہا ہے اور قصداً اس کا یہ ہے کہ میں اول جدہ سے مدینہ شریف جاؤں تو اس حالت میں اس کو میقات یلملم پر احرام باندھنا لازم ہوگا یا نہیں ؟

الجواب؛ نہیں۔ میقات سے احرام باندھنا جب واجب ہے کہ میقات سے مکہ جانیکا ارادہ ہو۔

محرم عینک لگا سکتا ہے یا نہیں

سوال (۱۰) محرم چشمہ لگا سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب؛ لگا سکتا ہے۔

فصل فی القِران والتمتع

آفاقی جدہ سے احرام باندھکر مکہ جاکر عمرہ کرکے مدینہ چلا جائے تو واپسی میں قِران یا تمتع کر سکتا ہے یا نہیں

سوال (۱) بخدمت جناب مولانا الحاج مولوی محمد ظفر احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ اب ذیل مسئلہ کثرت الوقوع درپیش ہے ان کو اچھی طرح واضح کرکے ارقام فرماویں تو درج کیا جاوے۔ **مسئلہ** آفاقی اپنے وطن سے اس سال کے حج کرنے کی غرض سے اشہر الحج میں نکلا اور وطن سے چلتے وقت یا میقات سے یہ قصد کیا کہ حد حرم سے باہر باہر مثلاً جدہ سے رابغ یا ینبوع سے ہوتے ہوئے پہلے مدینہ طیبہ کی زیارۃ سے مشرف ہو کر بعد میں آکر حج کریں گے اس لئے میقات سے احرام نہ باندھا پس جب حل میں پہنچا جیسے جدہ میں آیا تو وہاں سے مدینہ طیبہ کا راستہ بند ہو گیا اس لئے مکہ مکرمہ کو جانا پڑا۔ اب جدہ سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ میں عمرہ بجالایا گیا پھر مدینہ چلا گیا اب جو مدینہ سے واپسی ہوگی تو یہ شخص ذوالحلیفہ سے قِران کر سکتا ہے یا نہ کیونکہ جب یہ جدہ یعنی حِل سے اشہر حج میں عمرہ کا احرام باندھ کر آیا تو یہ حلی کے حکم میں ہے گویا اب یہ مکی ہے اب اشہر حج میں باہر میقات سے گیا تو اب وہ قِران نہیں کر سکتا اگر کرے گا تو دم اسارت لازم ہوگا۔ اور اگر وہاں سے فقط حج کرے تو متمتع بھی نہ ہوگا کیونکہ عمرہ اس کا آفاقی نہیں ہے اور وہاں سے پھر تمتع کرے یعنی عمرہ کا احرام باندھے تو بھی منع ہے کیونکہ مکی کے حکم میں ہے اس مسئلہ کو میں تو یہی سمجھا ہوں مناسک متوسط اور غنیۃ الناسک میں یہ قواعد ہیں یہ مسئلہ تو غنیۃ الناسک میں صریح ہے کہ جو حاجی آفاقی اشہر الحج میں آکر عمرہ بجالاوے پھر مدینہ طیبہ کو گیا اور وہاں سے قِران کرکے آوے تو دم اسارت لازم ہے سابق صورت بھی ایسی ہی ہے تحقیق

سے جواب عنایت ہو اکثر حاجی ایسا کرتے ہیں۔

الجواب: اقول وباللہ التوفیق قال فی شرح اللباب فی باب المواقیت وان لم یعلم المحاذاۃ فعلی مرحلتین من مکۃ کجدۃ المحروسۃ من طرف البحر اھ (ص ۳۰) وفی غنیۃ الناسک فشرائط صحتہ (ای التمتع) ان یکون من اھل الآفاق والعبرۃ للتوطن (ص۱۱۳) وفیہ ایضاً ولا یشترط ان یکون احرام العمرۃ من المیقات ولا احرام الحج من الحرم بل ھو من الواجبات اھ وفیہ ایضاً الخامس عدم الالمام الصحیح وھو ان یرجع الی اھلہ بعد العمرۃ حلالاً ولو عاد الی غیر اھلہ الی موضع لا ھلہ التمتع والقران اتخذھا داراً او لا توطن لھا او لا ثم حج من عامہ یکون متمتعاً عندہ لا عندھما ولو خرج من الحرم ولم یجاوز المیقات وحج من عامہ یکون متمتعاً بالاتفاق اھ ص۱۱۴ وفیہ ایضاً وھو متمتع ان حج من عامہ وکذا لو خرج الی الآفاق لحاجۃ فقرن لا یکون قارناً عند ابی حنیفۃ وعلیہ رفض احدھما ولا یبطل تمتعہ لان الاصل عندہ ان الخروج فی اشھر الحج الی غیر اھلہ کالاقامۃ بمکۃ فکانہ لم یخرج وقرن من مکۃ واما عندھما فکالرجوع الی اھلہ فاذا خرج بطل تمتعہ ثم اذا قرن من المیقات کان قارنا اھ (ص۱۱۵)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ صورت مذکورہ میں صاحبین کے نزدیک جب یہ شخص مکہ سے مدینہ چلا گیا اور میقات سے تجاوز کر گیا اب یہ آفاقی ہو گیا اور واپسی میں اس کو قران و تمتع دونوں جائز ہیں کیونکہ خروج الی الآفاق و تجاوز عن المیقات سے تمتع اول باطل ہو گیا اور امام صاحب کے نزدیک تمتع باطل نہیں ہوا اس لئے اس کو مدینہ سے واپسی میں قران و تمتع نہ کرنا چاہئے اور امام صاحب کے قول پر عمرۂ اولیٰ کی وجہ سے تمتع اس طرح صحیح ہو گیا کہ تمتع کے لئے عمرہ کا آفاقیہ ہونا شرط صحت نہیں بلکہ واجبات سے ہے بدون عمرۂ آفاقیہ کے بھی تمتع ہو سکتا ہے گو دمِ اساءت لازم آئے گا۔

مگر میرے نزدیک صورت مسئولہ میں دم اساءت بھی لازم نہیں کیونکہ آفاقی ہندی کا جدہ سے احرام باندھنا بھی احرام من المیقات ہی ہے کیونکہ میقات اور محاذات میقات کا جہاز میں ہم کو علم نہیں ہو سکتا سوائے قول کا فر پر اعتماد کرنے کے اور وہ معتبر نہیں پس جہاز میں احرام باندھنا صرف افضل ہے واجب نہیں بلکہ جدہ سے احرام واجب ہے اور وہی آفاقی ہندی کی اصل میقات ہے

پس عمرہ آفاقیہ ہوا اور دم اساءت لازم نہ ہوا نہ قول امام میں نہ قول صاحبین میں اور اگر قول امام پر اسقاط دم اساءت میں تکلف ہو تو قول صاحبین پر اس کا سقوط ظاہر ہے اور جب ابتلاء عام ہے تو اس مسئلہ میں قول صاحبین پر فتویٰ دینا چاہئے۔ واللہ اعلم۔ ۱۳ محرم ۴۶ھ

فصل فی الوصیۃ بالحج والحج عن الغیر

حج بدل کرنے والے کے لئے تمتع کا حکم

سوال (۱) آج کل رمضان کے بعد چونکہ سمندر میں طغیانی کا موسم ہوتا ہے اس لئے اکثر حجاج اس کی کوشش کرتے ہیں کہ رمضان میں یا اس سے پہلے حج کے لئے ہندوستان سے روانہ ہو جائیں مگر اس صورت میں حج بدل کرنے والوں کو سخت پریشانی پیش آتی ہے کہ اگر وہ حج کا احرام میقات سے باندھیں تو احرام بہت طویل ہو جاتا ہے جو باعث تکلیف ہے اور اگر تمتع کریں تو بعض علماء فرماتے ہیں کہ حج بدل والے کو تمتع جائز نہیں امید ہے کہ اس صورت میں حکم شرعی سے مفصل و مدلل اطلاع دی جاوے تاکہ حج بدل والے اس پریشانی و حیرانی سے نجات پاویں۔ والسلام۔

الجواب: قال فی الشامیۃ تحت قول الدر (وھو الحیلۃ لمن یرید ذلک الا لمامور بالحج للمخالفۃ) ذکرہ فی البحر بحثا بقولہ وینبغی ان لا یجوز ھذہ الحیلۃ للمامور بالحج لانہ حینئذ لم یکن سفرہ للحج ولانہ مامور بحجۃ آفاقیۃ واذا دخل مکۃ بغیر احرام صارت حجتہ مکیۃ فکان مخالفا و ھذہ المسئلۃ یکثر وقوعھا فیمن یسافر فی البحر الملح وھو مامور بالحج ویکون ذلک فی وسط السنۃ فھل لہ ان یقصد البندر المعروف بجدۃ لیدخل مکۃ بغیر احرام حتی لا یطول الاحرام علیہ لو احرم بالحج فان المامور لیس لہ ان یحرم بالعمرۃ اھ ای لانہ اذا اعتمر ثم احرم بالحج من مکۃ یصیر مخالفا فی قولھم کما فی التتارخانیۃ عن المحیط وھل مخالفتہ لکونہ جعل سفرہ لغیر الحج المامور بہ او لکونہ لم یجعل حجتہ آفاقیۃ وعلی الثانی لو اعتمر او فعل الحیلۃ بان قصد البندر ثم دخل مکۃ ثم خرج وقت الحج الی المیقات فاحرم منہ لم یکن مخالفا لان حجتہ صارت آفاقیۃ۔ اما علی الاول فھو مخالف ویحتمل ان المخالفۃ لکل من العلتین کما یفید اول عبارۃ

البحر المذکورۃ فتحقق المخالفۃ بالعلۃ الاولی لکن ذکر العلامۃ القاری فی بعض رسائلہ مسئلۃ اضطرب فیہا فقہاء عصرہ وھی ان الآفاقی الحاج عن الغیر اذا جاوز المیقات بلا احرام للحج ثم عاد الی المیقات واحرم ھل یصح عن الآمر قیل لا وقیل نعم ومال ھو الی الثانی قال وافتی بہ الشیخ قطب الدین وشیخنا سنان الرومی فی منسکہ والشیخ علی المقدسی. قلت وھذا یفید جواز الحیلۃ المذکورۃ لہ عاد الی المیقات واحرم. والجواب عن قولہ لان سفرہ حینئذ لم یکن للحج انہ اذا قصد البندر عند المجاوزۃ لیقیم بہ ایاما لبیع اوشراء مثلا ثم یدخل مکۃ لم یخرج عن ان یکون سفرہ للحج کما لو قصد مکانا آخر فی طریقہ ثم النقلۃ عنہ واللہ تعالیٰ اعلم فافہم ص۲۵۰ ج۲

اس عبارت سے چند باتیں معلوم ہوئیں (۱) مامور بالحج کو میقات سے بلا احرام تجاوز کرنا یا احرام عمرہ باندھکر جانا اس وجہ سے ممنوع ہے کہ اس صورت میں مخالفت آمر لازم آتی ہے (۲) وجہ مخالفت دو ہیں ایک یہ کہ اس صورت میں یہ سفر حج کے لئے نہ ہوا جس کا وہ مامور ہے۔ دوسرے یہ کہ اس صورت میں حج میقاتی نہ ہوگا جس کا وہ مامور ہے۔ پہلے اشکال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اثناء سفر میں کسی جگہ چند روز کے لئے قیام کرنا جبکہ وہاں سے مکہ ہی کا جانے کی نیت ہے قاطع سفر نہیں بلکہ یہ تمام سفر حج ہی کے لئے شمار ہوگا۔ دوسرے اشکال کا جواب دیا گیا کہ اگر وہ میقات سے بدون حج کا احرام باندھے گذر جائے اور پھر حج کے وقت میقات سے احرام باندھ لے تو اس صورت میں حج میقاتی ہوجائے گا۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ میقات خود فی نفسہ اصل حج کے لئے بھی شرط نہیں بلکہ واجبات حج میں سے ہے پھر نیابت کے لئے اس کو شرط کیونکر مانا جاسکتا ہے اگر کوئی دلیل صریح ونقل صحیح اس پر دلالت کرتی ہو فبہا ورنہ یہ شرط باطل ہے قال العلی القاری فی مناسکہ وفیہ انہ ان اراد بالمیقاتیۃ المواقیت الآفاقیۃ ففی اطلاقہ نظر ظاہر اذ تقدم ان المکی اذا اوصی بالسری ان یحج عنہ من مکۃ وکذا سبق ان من اوصی ان یحج عنہ من غیر بلدہ یحج کما اوصی قرب من مکۃ او بعد وایضا فیہ اشکال آخر حیث ان المیقات من اصلہ لیس شرط لمطلق الحج واصالتہ بل انہ من واجباتہ فکیف یکون شرطا وقت نیابتہ فان وجد نقل صریح ودلیل صحیح فالامر مسلم و

الا فلا، واللہ سبحانہ اعلم اھ ص۲۵۲۔

مگر یہ تفصیل اس وقت ہے جبکہ مامور کو اِفراد کا حکم کیا گیا ہو تمتع یا تجاوز بلا احرام کی اجازت نہ دی گئی ہو کیونکہ مخالفت کا اطلاق اسی صورت میں صادق ہو سکتا ہے۔ اور اگر آمر نے صراحۃً یا بعموم الفاظ مامور کو اجازت تمتع وغیرہ کی دے دی ہو تو اس صورت میں چونکہ مخالفت لازم نہیں آتی اس لئے اس کو تمتع کر لینا جائز ہوگا۔

فی المناسک للقاری۔ الثالث عشر عدم المخالفۃ فلو امرہ بالافراد ای للحج او للعمرۃ فقرن او تمتع ای بان نوی العمرۃ عن المیت ثم حج عنہ فانہ یصیر مخالفا اجماعا علی ما فی البحر الزاخر ولعل وجھہ انہ مامور بتجرید السفر للحج عن المیت فانہ الفرض علیہ وینصرف مطلق الامر الیہ الا انہ یشکل اذا امرہ بافراد العمرۃ ثم اتیان الحج بعدہا او صرح بالتمتع فی سفرہ او بتفویض الامر الیہ الخ ص۲۵۳ وقال الملا رحمۃ اللہ السندی فی رسالتہ لباب المناسک مع الشرح ص۲۶۰ وینبغی للآمر ان یفوض الامر الی المامور فیقول حج عنی کیف شئت مفردًا او قارنًا او متمتعًا اھ وقال فی الدر المختار ودم القران والتمتع والجنایۃ علی الحاج ان اذن لہ الآمر بالقران والتمتع والا کان مخالفا فیضمن الخ۔ قال فی الشامیۃ (قولہ علی الحاج) ای المامور اما الاولعہ فلانہ وجب شکرًا علی الجمع بین النسکین وحقیقۃ الفعل منہ وان کان الحج یقع عن الآمر لانہ وقوع شرعی لا حقیقی۔ واما الثانی فباعتبار انہ تعلق بجنایتہ۔ افادہ فی البحر ص$\frac{۷۰۳}{۲ج}$ قلت قال فی البحر تحت قول الکنز (ودم القِران والجنایۃ علی المامور) واراد بالقِران دم الجمع بین النسکین قِرانًا کان او تمتعًا کما صرح بہ فی غایۃ البیان لکن بالاذن المقدم الخ ص۶۶ وفی لباب المناسک حتی لو امرہ بالقران او التمتع فالدم علی المأمور الخ ص۲۶۱ فعبارۃ لباب المناسک والدر المختار والشامیۃ والبحر مصرحۃ بان المامور بالحج لہ ان یتمتع اذا اذن لہ الآمر وان علیہ اذا تمتع دم التمتع فقط لا ضمان النفقۃ

عہ المراد بالاول دم القران والتمتع معًا کما صرح بہ فی البحر ۱۲

وانما یضمن اذا لم یأذن له الآمر فی ذلك فخالف امره لا یقال لزوم دم
التمتع علی المامور لا یستلزم وقوع الحج عن الآمر بل یحتمل ان یقع الحج عن
المامور دون الآمر ولا ضمان علیه لکونه متمتعًا بالاذن قلت لو کان الحج
واقعًا عن المامور لم یکن لذکر التمتع هناك معنًی لانه لا اشکال ح فی لزوم الدم
علی المامور لانقطاع وصلته عن الآمر علی ان الشامی قد صرح بکون الدم دم شکر
وان الحج یقع عن الآمر وکذا صرح فی البحر کما تقدم۔ واما ما اورده العلامة
القاری علی عبارة اللباب حج عنی کیف شئت مفردًا او قارنًا او متمتعًا الخ بان
هذا القید (یعنی قوله متمتعًا) سهو ظاهر اذ التفویض المذکور فی کلام المشائخ
مقید بالافراد والقران لا غیر الخ فقد اجاب عنه فی حاشیة عدة ارباب الفتوی
بجواب حسن ونصه هذا ۔ اعلم ان المامور بالحج لو اذنه الآمر بالتمتع
فتمتع یقع الحج عن الآمر کما صرح به فی رد المحتار ولا یکون مخالفًا کما فی
الدر المختار وعبارته (ودم القران) والتمتع (والجنایة علی الحاج) ان اذن
له الآمر بالقران والتمتع والا یصیر مخالفا انتهی وعلی هذا یقال اذا صح
اذن الآمر للمامور بالتمتع صح ان یخیره فیه کما ذکره صاحب المنسك الوسط
فحینئذٍ یجوز التمتع فی الصورة المشروحة ویکون ما ذکره علی القاری من
التقیید فی عبارة المشائخ اتفاقیا لا احترازیا وما ذکره من اشتراط ان تکون
الحجة آفاقیة لیس علی عمومه بدلیل تجویزهم التمتع عند الاذن به مع انه
لیس فیه حجة آفاقیة قطعًا فلیتامل منہ ۔ قلت ویؤیده ما فی البرهان
وخفی خلافه فی   بالافراد یخالف با   وان نواه للآمر عند ابی حنیفة
کالتمتع له ای للآمر بالافراد وانما یصیر مخالفا لانه مامور بان یحج
عنه من المیقات والمتمع یحج من جوف مکة فکان هذا غیر ما امر به اھ
ص ۲۰۲ جلد اول قلمی . قلت فقوله کالتمتع له ای للآمر بالافراد یدل
علی ان المتمتع انما یصیر مخالفا بالتمتع اذا تمتع لمن امره   بالافراد
واما لو امره بالتمتع فتمتع فلا مخالفة فافهم ۔

خلاصہ یہ کہ مامور بالحج کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ آمر اس کو صراحۃً افراد بالحج کا حکم کرے

اور تمتع سے صراحۃً منع کردے یا ممانعت پر قرینہ قائم ہو اس صورت میں مامور بالحج کے لئے طول احرام سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے گھر سے روانہ ہوتے ہوئے چند روز جدہ میں قیام کرنے کی نیت کرے اور اس سفر کو جدہ کا سفر قرار دے اور راستہ میں نہ عمرہ کا احرام باندھے نہ حج کا نہ اپنی طرف سے نہ آمر کی طرف سے اور بدون احرام کے چند روز کے بعد جدہ کے قیام سے فارغ ہو کر مکہ میں چلا جاوے اور عمرہ وغیرہ کچھ نہ کرے صرف طواف وغیرہ بدون احرام کے کرتا رہے اور وقت حج پر جدہ آکر احرام حج باندھکر حج ادا کرے قال فی حاشیۃ البحر فینبغی التفصیل وھو انہ ان جاوز المیقات بلا احرام قاصد البستان ثم دخل مکۃ ثم خرج الی الحل وقت الاحرام فاحرم من المیقات عن الآمر یجوز لانہ صار آفاقیا کما یاتی وان فعل نسکا غیر ما امر بہ قبل احرامہ عن الآمر یکون مخالفا وان عاد الی المیقات واحرم عنہ من المیقات فتامل اھ ص ۳۱۸۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ آمر صراحۃً تمتع کی اجازت دیدے یا یہ کہدے کہ پہلے عمرہ میری طرف سے کرنا اور پھر حج کرنا یا مامور کو اختیار عام دیدے کہ تم جس طرح چاہو کر لینا اس صورت میں مامور کو تمتع جائز مگر تمتع کے لئے شرط یہ ہے کہ عمرہ کے لئے شوال سے پہلے نہ کئے جاویں لہذا اگر ہندوستان سے ایسے وقت میں روانگی ہو کہ مکہ میں شوال سے پہلے پہونچ جاوے تو اس صورت میں اگر تمتع کی نیت کی جاوے گی تو شوال کی یکم تک محرم رہنا ضروری ہوگا یکم شوال کو عمرہ کے افعال ادا کر کے حلق کر دیا جاوے اور بہتر یہ ہے کہ آمر سے تمتع کی بھی اور عمرہ مفردہ کرنے کی بھی صراحۃً الگ الگ اجازت لے لی جاوے یا عام اختیار لے لیا جاوے کہ مامور جس طرح چاہے گا حج کرے گا خواہ افراد سے یا قران وتمتع سے یا پہلے عمرہ مفردہ کر کے پھر حج کر دے گا۔ ان سب صورتوں میں مامور کو حج کا احرام مکہ ہی سے باندھنا جائز ہوگا میقات کی طرف عود لازم نہ ہوگا بس عمرہ کر کے احرام کھول دے پھر وقت پر حج کرلے واللہ اعلم حررہ احقر الطلبہ ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۸ محرم سنہ ۴۰ھ

الجواب صواب

اشرف علی تا من محرم الحرام سنہ ۴۰ھ

تنبیہ:۔ اس مسئلہ میں شافعیہ کے قول پر بھی مامور بالحج کو تمتع کرنا باذن الآمر جائز ہے بلکہ ان کے نزدیک اگر تمتع کی اجازت بھی نہ ہو اور تمتع کر لے تب بھی حج ہو جائے گا صرف اُجرت میں کسی قدر کمی کر دی جائے گی قال فی الوجیز ص ۱۱۶ (الثانیۃ اذا خالف فی المیقات فاحرم بعمرۃ عن نفسہ

ثم احرم بحج المستاجر فی مکة ففی قول لاتحسب المسافة له لانه صرفه الی نفسه فیحط من اجرته بمقدار التفاوت بین حجه من بلده وبین حجه من مکة فیکثر المحطوط وعلی قول تحسب المسافة فلایحط الا مقدار التفاوت بین حج من المیقات وحج من مکة فیقل المحطوط الخ وفیه ایضاً وان امر بالقران فتمتع کان کالقران علی وجه وفی وجه جعل مخالفاً له وعلیه الدم ویعود الخلاف فی حط شیئ من الاجرة اھ ص ۶۸۔

ظفر احمد عفا عنہ ۲۶ رمضان ۴۰ھ

ایصال الخیر فی مسائل الحج عن الغیر (یعنی حج بدل کے ضروری مسائل)

حج بدل کے صحیح ہونے کی چند شرطیں ہیں (۱) اُجرت کی شرط نہ ہو (۲) بھیجنے والے کے مال ہی سے حج کیا جاوے لیکن اگر زیادہ تر خرچ میت کے مال سے کرے اور کچھ اپنا بھی خرچ ہو جائے تو جائز ہے۔ (۳) اگر حج بدل والا میت کی رقم کو اپنی رقم سے علیحدہ رکھے تب تو وہ امانت ہے اگر باوجود احتیاط کے ضائع ہو جائے تو ضامن نہ ہوگا اور اگر اپنی رقم کے ساتھ خلط کر دے گا تو ضامن ہوگا۔ (۴) اگر ثلث مال میں وسعت ہو تو حج سوار ہو کر کرنا چاہئے اگر پیادہ حج کرے گا اور کرایہ کی رقم اپنے لئے بچاوے گا تو ضمان دینا واجب ہوگا اگرچہ بھیجنے والے نے پیادہ حج کرنے کی اجازت بھی دے دی ہو اور سوار ہونا مکہ سے عرفات تک اور وہاں سے مکہ کی واپسی تک واجب ہے باقی سفر میں اگر بھیجنے والے کی اجازت سے پیادہ چلے تو جائز ہے۔ (۵) حج میت کے وطن سے کرنا چاہئے۔ (۶) میت کی طرف سے احرام کے وقت حج کی نیت کرنا چاہئے یعنی زبان سے یوں کہے کہ میں فلاں شخص کی طرف سے حج کی نیت کرتا ہوں اور اگر نام بھول جائے تو یوں کہہ لے کہ جس شخص کی طرف سے مجھ کو حج کے واسطے بھیجا گیا ہے میں اس کی طرف سے حج کی نیت کرتا ہوں (۷) احرام میقات سے باندھنا چاہئے بدون اجازت بھیجنے والے کے عمرہ کا احرام میقات سے نہ باندھے نہ تمتع کرے ہاں اگر وہ اجازت دیدے یا یوں کہدے کہ جس طرح چاہو حج ادا کر دینا تو تمتع بھی جائز ہے ھذا ھو الحق عندنا مگر اختلاف سے بچنا چاہیے اس لئے میقات سے احرام حج ہی کا باندھے۔ (۸) حج بدل والے کو جو روپیہ دیا جائے اس میں غایت احتیاط لازم ہے ورنہ حق العباد کا مواخذہ سر پر ہوگا سفر کے بعد جو کچھ رقم اور سامان رقم سے خریدا ہوا باقی بچے حبہ حبہ واپس کر دے اور بہتر یہ ہے کہ بھیجنے والا پہلے ہی یہ کہدے کہ اگر خرچ میں کوئی بے عنوانی اتفاقاً ہو جائے تو میری طرف سے معاف ہے۔

⁂ ⁂ ⁂

والدین کی طرف سے حج بدل کرنا جبکہ انہوں نے وصیت نہ کی ہو

سوال (۳) اگر والدین حج بدل کے واسطے وصیت نہ کر گئے ہوں تو کوئی شخص اپنی خوشی حج بدل کرے یا کروائے تو حج بدل ہو جائے گا ؟

الجواب: قال العلامة القاری فی مناسکه فی شرائط الحج عن الغیر الرابع الامر ای بالحج فلا یجوز حج غیره عنه بغیر امره ان اوصی به ای بالحج عنه. فان اوصی بان یحج عنه فتطوع عنه اجنبی او وارث لم یجز وان لم یوص به ای بالاحجاج فتبرع عنه الوارث وکذا من هم اهل التبرع ونحوه فحج ای الوارث ونحوه بنفسه ای عنه او احج عنه غیره جاز ای ذلک التبرع او الحج او الاحجاج او ما ذکر جمیعه والمعنی جاز عن حجة الاسلام ان شاء الله تعالیٰ کما قاله فی الکبیر اھ ص ۲۴۹ -

صورت مسئولہ میں اگر کوئی شخص مرحومین کی طرف سے تبرعاً حج کر دے خواہ وارث ہو یا غیر وارث ہو تو امید ہے کہ انشاء اللہ حج فرض اس کے ذمہ سے ادا ہو جائے گا۔

حج بدل میں اگر مامور کے پاس خرچ نہ رہے اور وہ قرض لیکر خرچ کرے تو کیا حکم ہے

سوال (۴) ایک عرض بندہ کی یہ ہے کہ حج بدل کرنے والے پر اگر خرچ نہ رہے اور اپنے پاس سے یا کسی سے قرض لیکر چلا آوے اور قرض اپنے ذمہ لیوے یا کوئی اپنا ملنے والا دیدے تو کچھ حرج تو نہیں یعنی حج میں کچھ نقص نہیں ہوا؟ اس کا جواب بھی عنایت ہو۔ فقط

الجواب: حج بدل کے مسئلہ میں جب حج بدل کرنے والے کے پاس خرچ نہ رہے اور وہ اپنے پاس سے یا کسی سے قرض لیکر چلا آوے تو یہ دیکھنا چاہئے کہ سفر حج میں زیادہ خرچ آمر کے مال سے ہوا ہے یا حج بدل کرنے والے کی رقم سے صورت اول میں تو حج بدل صحیح ہو گیا اور دوسری صورت میں صحیح نہیں ہوا بلکہ وہ حج خود کرنے والے کی طرف سے ہو گیا۔ اور یہ اس صورت میں ہے جبکہ آمر (یعنی بھیجنے والے) نے اس کو اپنے پاس سے یا قرض کر کے خرچ کرنے کی اجازت نہ دی ہو اور اگر اجازت دے دی ہو کہ خرچ کم ہو جائے تو تم اپنے پاس سے یا قرض لیکر خرچ کر لینا تو ہم تم کو دیدیں گے پھر ہر حالت میں حج بدل درست ہے خواہ آمر کی دی ہوئی رقم کم ہو یا زیادہ ہو قال فی شرح اللباب ففی قاضی خان اذا لم یکفه مال المیت فانفق من مال نفسه فان کان اکثر النفقة من مال المیت فهو جائز والا فهو ضامن وفی الکرمانی ان انتقص المال عن نفقة الطریق فاستدان او انفق من مال نفسه ان

کان معظم النفقة فهو جائز والا فهو ضامن اھ (ص ۲۵۰) قلت والصورة الثانیة ظاھرۃ فان جمیع ماینفقه من مال نفسه او بالاستدانة بالاذن فهو من مال الآمر حکماً واللہ اعلم۔ ۷ رجب سنہ ۴۲ھ

اجنبی کے مال سے بغیر وصیت و اذن ورثہ حج بدل کی ایک صورت کا حکم

سوال (۵) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنا حج فرض ادا کرنے کو کعبہ شریف روانہ ہو کر راستہ میں قبل میقات انتقال کر گیا اور دوسرے نے اپنے رفیقوں میں سے اس کی نیت سے اس کا حج فرض کیا مگر میت نے وصیت نہیں کی تھی اس کا روپیہ بقایا بھی اس نے باقی راستہ میں خرچ کیا اب میت کے وارث اس سے روپیہ طلب کرتے ہیں تو اس صورت مذکورہ پر میت کا حج فرض ادا ہو گیا یا نہیں اور میت کے وارث روپیہ مانگنے کے مستحق ہیں یا نہیں اگر اس میں میت سے حج فرض ادا ہو گیا جیسا کہ عبارت کتب سے معلوم ہوتا ہے تو پھر وارث میت اس سے روپیہ واپس لینے کے حقدار کیونکر ہو سکتے ہیں اس کی وجہ اچھی طرح سے تحریر کرنے کی ضرورت ہے تسلی ضرور فرماویں زبدۃ المناسک باب الحج عن الغیر صفحہ ۱۶۷ میں لکھتے ہیں دوسری پس اگر کوئی زندہ کی طرف سے بدون امر کے حج کر دیوے گا تو فرض زندہ کا ساقط نہ ہوگا اور مردہ بھی اگر وصیت کر مرا ہے تو بغیر امر وارث کے حج مردہ کا ادا نہیں ہو سکتا مگر جو مردہ بدون وصیت حج کے مر گیا تو اگر کسی نے وارث ہو یا اجنبی تبرعاً اس کا حج فرض ادا کر دیا تو حج فرض مردہ کا ادا ہو جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ اور شامی باب الحج عن الغیر صفحہ ۲۵۹ فان لم یوص وتبرع عنه الوارث یہ سب عبارت اس کو شامل ہے یا نہیں اگر شامل نہیں تو وجہ کیا ہے بالتفصیل تحریر کیجئے اور یہ روایت قابل حجت ہے یا ضعیف مکین؟ فقط۔ ۲۷ ربیع الاول سنہ ۴۳ھ

الجواب: جب میت نے وصیت نہیں کی تھی تو اس کا متروکہ سب کا سب مِلک ورثہ ہی میت کا اس میں کچھ حق نہیں رہا میت کا حق ثُلُثِ ترکہ میں بھی وصیت سے ہوتا ہے بدون وصیت کے نہیں ہوتا۔ پس جب رفیق نے میت کی طرف سے حج کرنے میں یہ رقم صرف کی ہے اس نے ورثہ کا مال مملوک بدون ان کے اِذن کے صَرف کیا ہے لہٰذا اس حج بدل کرنے والے کے ذمہ اس رقم کا ضمان واجب ہے وہ یہ رقم ورثہ کو ادا کرے اور جس عبارت سے سائل نے احتجاج کیا ہے اس میں تو خود لکھا ہے کہ اگر مردہ وصیت کرتا ہے تو بدون امر وارث کے حج مردہ کا ادا نہیں ہو سکتا۔ الخ۔ پس رفیق کا حج مال میت سے بدون امر وارث یا اذن وارث کے صحیح نہیں ہو سکتا۔

اور اجنبی کے جس حج کو بدون وصیت کے بھی میت کی طرف سے درست مانا گیا ہے وہ وہ ہے جو اجنبی نے تبرّعاً کیا ہو چنانچہ عبارت زبدہ میں تبرّعاً کی قید مصرح ہے اور اس میں بھی یہ جزم ولقین نہیں کہ میت کی طرف سے حج ہو بھی جائے گا بلکہ امید کا لفظ ہے بہرحال صورت مسئولہ میں چونکہ اس رفیق نے میت کی طرف سے تبرّعاً حج نہیں بلکہ ورثہ کے مال میں حج کیا ہے اور ورثہ کے بدون اجازت کیا ہے اس لئے یہ حج میت کی طرف نہیں ہوا بلکہ خود اس رفیق ہی کا حج ہوا اس پر ورثہ کو ضمان دینا واجب ولازم ہے فقط۔ ۲۲ ربیع الثانی ۴۳ھ

متعلق حج بدل

سوال (۶) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل کی نسبت از روئے شرع شریف کے۔

اگر کسی غنی متوفی کی طرف سے زید ایسے مفلس نے حج بدل ادا کیا جس نے ابھی اپنا حج فرض ادا نہیں کیا ہے تو مرحوم کا حج ادا ہو جاتا ہے یا نہیں۔ اور ایسے زید حج بدل کرنے والے کے ذمے سے بھی فرضیت حج عمر بھر کو ساقط ہو جاتی ہے یا نہیں اگر ایسے زید حج بدل کرنے والے سے عمر بھر کو فرضیت حج ساقط نہیں ہوتی تو اپنے تمام کام و آرام اہل وعیال وغیرہ چھوڑ کر حج کے سفر وغیرہ کی سخت جانکاہ تکالیف وصعوبتیں اٹھا کر حج بدل کو جانے سے کیا فائدہ ہے۔ پس اس لئے اگر حج بدل کرنے والا حج بدل کرانے والے سے ضروری مصارف حج کے سوائے اپنے نقصانات معاش کا کچھ معاوضہ نقد وغیرہ بھی لے لے تو شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جس مفلس نے اپنا حج نہیں کیا ہے وہ دوسرے کی طرف سے حج بدل کر سکتا ہے لیکن افضل یہ ہے کہ ایسے شخص کو بھیجا جائے جس نے اپنا حج فرض ادا کر لیا ہو۔ باقی اس مفلس کے ذمہ سے جس نے بدون اپنا حج کئے دوسرے کا حج فرض بدلاً کیا ہے عمر بھر کے لئے فرض حج ساقط نہیں ہوا بلکہ اگر کسی وقت اس کے پاس مال زیادہ ہو گیا جس میں حج بشرائط ہو سکے تو اس کو اپنی طرف سے دوبارہ حج کرنا فرض ہوگا کیونکہ حج بدل تو دوسرے کا تھا اس کی طرف سے تھوڑا ہی تھا۔ نعم لو حج عن الغیر تطوعاً یقع عن المامور قال القاری فی مناسکہ وفی حج النفل یقع عن المامور اتفاقاً ای باتفاق مشائخنا وللآمر الثواب ای ثواب النفقۃ لان الحدیث ورد فی الفرض دون النفل اھ (ص ۲۶۲) ولکنہ لا یسقط الفرض عن الفاعل بحال وقال فی الدر وقیل عن المامور نفلاً وللآمر ثواب النفقۃ کالنفل اھ قال الشامی مقتضاہ ان النفل یقع عن المامور اتفاقاً وللآمر ثواب

النفقة وبه صرح بعض الشراح ومشى عليه فى اللباب ورده الاتقانى فى غاية البيان بانه خلاف الرواية لما قاله الحاكم الشهيد فى الكافى الحج التطوع عن الصحيح جائز ثم قال وفى الاصل يقع الحج عن المحج اھ (ص ۳۹۴ ج ۲)

رہا یہ کہ جب اس کے ذمہ سے حج فرض ساقط نہیں ہوتا تو اپنے کاروبار و آرام کو چھوڑ کر سفر حج کی صعوبت اٹھانے میں کیا فائدہ ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جو اس کو بے فائدہ سمجھے اس کو واقعی کچھ فائدہ نہ ہوگا وہ ہرگز نہ جائیے بلکہ ایسے شخص کو بھیجنا چاہئے جو ایک بار اپنا حج کر کے بیت اللہ اور بیت رسول اللہ کی زیارت سے آنکھیں ٹھنڈی کر چکا ہو وہ بتلائے گا کہ اس سفر کی صعوبت برداشت کرنے میں کیا فائدہ ہے یہ تو نفع عاجل ہے جس کا علم ایک بار حج کرنے والے کو دنیا ہی میں ہو جاتا ہے اور جو ثواب مرنے کے بعد سامنے آئیگا اس کا علم قبر میں پہونچکر ہو جائے گا۔ اور دوسرے کی طرف سے حج کرنے کا ثواب بعض وجوہ سے اپنے حج کے ثواب سے بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔

رہا یہ کہ حج بدل کرنے والا حج بدل کرانے والے سے اپنے نقصان معاش کا معاوضہ لے تو جائز ہے یا نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ معاوضہ لینا جائز نہیں کیونکہ اگر یہ معاوضہ نقصان معاش و کاروبار کا ہے تو نقصان کاروبار کوئی عین متقوم نہیں جس کا معاوضہ جائز ہو اور اگر یہ معاوضہ اپنی مشقت و محنت کا ہے جو سفر میں لاحق ہوگی تو اس صورت میں اجارہ ہو گیا اور حج بدل اجارہ کے ساتھ ناجائز ہے بعض اقوال پر وہ حج ہی نہ ہوگا اور راجح یہ ہے کہ اجارہ فاسد ہے اور حج ہو جائے گا۔ البتہ اگر معاوضہ کے طور پر نہ ہو بلکہ آمر اپنی خوشی سے اجازت دیدے کہ میں تم کو یہ رقم حج کے لئے دیتا ہوں اور حج کے بعد جو بچے اس کے متعلق تم کو وکیل کرتا ہوں کہ یہ فاضل رقم اپنے کو میری طرف سے ہبہ کر لینا تو اس صورت میں وہ فاضل رقم اور سامان و ثیاب و متاع جو حج کے بعد باقی رہے مامور اپنی ملک میں لا سکتا ہے اسی طرح اگر کسی شخص کے ذمہ اہل و عیال کا نفقہ واجب ہے اور دوسرا شخص اس کو حج بدل میں بھیجنا چاہتا ہے اور یہ صاحب عیال یوں کہے کہ مدت حج کے لئے میں نفقۂ عیال اس وقت نہیں دے سکتا تم اگر مجھی کو بھیجنا چاہتے ہو تو میرے اہل و عیال کا نفقہ بھی اس قدر ادا کر دو اور یہ گفتگو بطور معاوضہ اور معاملہ کے نہو بلکہ دوستانہ طور پر ہو اور اس کے بعد بھیجنے والا خوشی سے اس کے اہل و عیال کا نفقہ بھی ادا کر دے تو جائز ہے بشرطیکہ حج بدل کرانیوالا خود زندہ ہو اور اگر وصیت کر کے مر گیا ہے تو اس کے حج بدل میں نفقہ سفر حج متعارفہ سے زیادہ دینے کا اختیار ورثہ بالغین کو ہے نابالغوں کے حصہ میں سے جائز نہیں اگر ورثہ نابالغ بھی ہوں تو بقدر کفایت معروفہ للحج تو ثلث الکل میں سے دیا جائے اور تبرع فاضل یا

نفقہ اہل وعیال کے لئے بالغین اپنے حصہ میں سے رقم دیں اور نفقہ اہل وعیال مامور میں یہ تفصیل ہے کہ نفقہ معروفہ ضروریہ پر بھی جانیوالے دستیاب ہوں۔ یعنی ایسے مجرد لوگ بھی حج بدل کو تیار ہوں جن کے ساتھ اہل وعیال کا خرچ لگا ہوا نہیں اور وہ صرف سفر حج کا خرچ لیکر جا سکتے ہیں اور اگر بجز صاحب عیال شخص کے اور کوئی معتبر با قاعدہ حج کو صحیح ادا کرنے والا نہ ملتا ہو تو اس صورت میں ثُلث الکل سے بھی مامور کی اہل وعیال کا نفقہ دینا جائز ہے۔ بلکہ ورثہ پر لازم ہے کہ جبکہ مورث نے وصیتِ حج کی ہو اگر ثُلث الکل میں وسعت ہو لان نفقة الحج تختلف باختلاف الاشخاص قال القاری فی شرح المناسك ولا ينفق المامور من مال الميت على من يخدمه اى خدمة يقدر عليه بنفسه الا اذا كان ممن لا يخدم نفسه اى لكبره او عظمته اھ (ص ٢٥٩) قلت فكذا يختلف الحكم لكون المامور اعزب او صاحب العيال فيعطى الاول نفقة اقل من الثانى لاختلاف احوالهما شرعًا وعرفًا ولا يعطى صاحب العيال تلك الزيادة عوضًا عن شیٔ بل اعانة له فى اداء الواجب كما زيدت نفقة صاحب العظمة اعانة له فى حفظ حرمته، والله اعلم ولعل هذا ظاهر غير خفى والعبارة المحررة ما فى كافى الحاكم وله نفقة مثله و زاد ايضاحها فى المبسوط فقال وهذه النفقة ليس يستحقها بطريق العوض بل بطريق الكفاية لانه فرغ نفسه لعمل ينتفع به (الآمر) هذا (شامى ص ٣٩٢ ج ٢) قلت فكان نفقة المامور بالحج كنفقة القاضى والعامل و نفقة عيالهما تدخل فى نفقتهما حتما فتقدر بما يسعهما وعيالهما فكذا ههنا اذا لم يوجد الاعزب وكانت الوصية بالحج لا على التعيين و اما لو عين الموصى رجلًا ذا عيال ان يحج عنه فلا شك فى دخول نفقة عياله فى نفقة الحج وتوخذ من ثُلث الكل وفى الدر يشترط اهلية المامور لصحة الافعال فجاز حج الضرورة (وهو) من لم يحج والمراة ولو أمة و العبد وغيره كالمراهق وغيرهم اولى لعدم الخلاف اھ قال الشامى لا يخفى ان التعليل يفيد ان الكراهة تنزيهية لان مراعات الخلاف مستحبة اھ (ص ٣٩٤ ج ٢) وفيه ايضًا وعليه رد ما فضل من النفقة وان شرط له فالشرط باطل الا ان يؤكله بهبة الفضل من نفسه او يوصى الميت به لمعين اھ (ص ٣٠ ج ٢)

مامور اپنی جائے قیام سے حج کرے تو حج آمر کا صحیح ہوجائیگا یا نہیں

سوال (۷) حج بدل میں اگر مامور بجائے وطن آمر کے اپنی جائے قیام سے خواہ اقرب خواہ ابعد اپنی رضا سے حج کرنا چاہے تو شرع شریف کی رُو سے آمر کے ذمہ سے حج فرض ساقط ہوگا یا نہیں اور ہر دونوں (اقرب اور ابعد) صورتوں میں کس جگہ سے نفقہ کا مستحق ہوگا؟

الجواب؛ صورت مسئولہ میں اگر ثُلث مال آمر میت میں بلد آمر میت سے حج کرنے کی گنجائش تھی اور پھر وہاں سے نہیں کیا گیا تو یہ حج آمر کی طرف سے صحیح نہیں ہوا بلکہ مامور کا حج ہوا اور وہ نفقہ کا ضامن ہوگا یعنی کل نفقہ کا البتہ اگر وہ جگہ جہاں سے مامور گیا ہے وطن آمر سے اتنی قریب ہو کہ دن میں چل کر رات کو وطن آمر میں سیر وسط کے ساتھ پہونچ سکیں تو ضمان نہیں ہوگا اور حج بھی آمر کی طرف سے ہوجائے گا یا محجوج عنہ زندہ ہو اور اس نے غیر وطن سے حج بدل کی اجازت دے دی ہو۔ یا میت ہو اور غیر وطن سے حج کرنے کی وصیت کر گیا ہو تب بھی حج آمر اور میت کی طرف سے صحیح ہوجائے گا اور مامور پر نفقہ کا ضمان نہ ہوگا قال فی اللباب الثامن ان یحج عنہ من وطنہ ان اتسع الثلث ای ثلث مال المیت وان لم یتسع یحج عنہ من حیث یبلغ ای استحسانا الی ان قال اذا وجب الحج من بلدہ فاحج الوصی من غیر بلدہ یضمن ای و یکون الحج لہ ویحج عن المیت ثانیاً لانہ خالف الا ان یکون ذلک المکان الذی احج عنہ قریباً منہ ای من وطنہ بحیث یبلغ الیہ ویرجع الی الوطن قبل اللیل ای فحینئذٍ لایکون مخالفاً ولا ضامناً اھ وفیہ ایضاً ولو اوصی من لہ وطن ان یحج عنہ من غیر بلدہ یحج عنہ کما اوصی ای علی وفق ما اوصی بہ قرب

عہ اور اگر آمر اپنے وطن میں نہیں مرا بلکہ کسی دوسری جگہ مرا ہے جب بھی مامور اُس کے وطن ہی سے حج کرے قال فی الغنیۃ سواء مات فیہ ای فی وطنہ او مات فی سفر التجارۃ ونحوہا لان الواجب علیہ الحج من البلد الذی یسکنہ الی ان قال ولو اوصی خراسانی بمکۃ اومکی بالری والطلقا یحج عنہما من وطنہما اھ (ص۱۷۷) وفیہ ایضا قال الشارح اقول ھذا اذا کانا غنیین فی بلادھما واما اذا صار المکی غنیا بالری والخراسانی بمکۃ واوصیا فینبغی ان یحج عنہما من موضع فرض الحج علیہما اھ قلت وھذا واللہ ھو الفقہ بعینہ فللہ در العلماء الحنفیۃ ما اعمق نظرھم فی دقائق الشریعۃ۔

ای ذلک المکان الموصی بہ من مکۃ او بعد اھ (ص ۲۵۱) قلت وکذا الحی اذا اذن للمامور ان یحج عنہ من غیر وطنہ فلا فرق فی الحی والمیت فی ذلک حتی یکون لاحدھما اسقاط ھذا الشرط وتغییرہ ولا یکون للآخر، واللہ اعلم۔

قال فی اللباب العاشر ان یحرم من المیقات ای من میقات الآمر یشمل المکی وغیرہ قال الشارح وفیہ انہ ان اراد بالمیقات المواقیت الآفاقیۃ ففی اطلاقہ نظر ظاھر اذ تقدم ان المکی اذا اوصی بالرای ان یحج عنہ من مکۃ وکذا سبق ان من اوصی ان یحج عنہ من غیر بلدہ یحج کما اوصی قرب من مکۃ او بعد وایضاً فیہ اشکال آخر حیث ان المیقات من اصلہ لیس شرطاً لمطلق الحج واصالتہ بل انہ من واجباتہ فکیف یکون شرطاً وقت نیابتہ فان وجد نقل صریح ودلیل صحیح فالامر مسلم والا فلا اھ (ص ۲۵۲) قلت والذی ظھر لی ان شرط المیقات یسقط باذن الآمر والمیت ولا یسقط اذا اطلق الامر بالحج لانہ لا یرید الا ان یحج المامور کما یحج الآمر لو وقع عنہ والآفاقی انما یحج عن المیقات فیشترط للنائب مراعاتہ والا یکون مخالفاً، واللہ اعلم۔

۲۸ر رمضان سنہ ۴۴ھ

حج بدل میں واپسی شرط نہیں ہے

سوال (۸) حج بدل میں واپسی شرط ہے یا نہیں؟

الجواب: حج بدل میں وطن میت سے جانا تو شرط ہے بشرطیکہ ثلث میں گنجائش ہو باقی عود شرط نہیں۔ قال فی العالمگیریۃ۔ ولو احج رجلاً یؤدی الحج ویقیم بمکۃ جاز والافضل ان یحج ویرجع ص ۱۶۷ جلد ا

۱۴ر شوال سنہ ۴۴ھ

ایضاً

سوال (۹) عرض ہے کہ میں کاندھلہ سے حج بدل کرنے گیا حج کرنے کے بعد وہیں قیام کیا اگلا حج کرنے کے بعد میں کاندھلہ آگیا پھر گھر آگیا جن کی طرف سے حج کرنے گیا وہ فرماتے ہیں کہ حج بدل نہیں ہوا اس کی بابت فرماتیے کہ حج بدل ہوا یا نہیں؟ فقط والسلام۔

الجواب: صورت مسئولہ میں حج بدل جائز ہوگیا فی العالمگیریۃ (ص ۱۶۷ ج ۱) ولو احج رجلاً یؤدی الحج ویقیم بمکۃ جاز والافضل ان یحج ویرجع واذا فرغ المامور بالحج ونوی الاقامۃ خمسۃ عشر یوماً فصاعداً انفق من مال نفسہ ولو انفق من مال الآمر یضمن الی ان قال فان نوی الاقامۃ خمسۃ عشر یوماً

فصاعداً حتی سقطت نفقتہ من مال الآمر ثم رجع بعد ذلک ھل یعود نفقتہ فی مال الآمر ذکر القدوری فی شرح مختصر الطحاوی ان علیٰ قول محمدؒ یعود وھو ظاھر الروایۃ وعند ابی یوسفؒ لا یعود اھ اس سے معلوم ہوا کہ واپسی کا خرچ تو بھیجنے والے کے ذمہ ہوگا لیکن قیام مکہ کا خرچ خود حج کرنے والا اپنے پاس سے کرے فقط والسلام - کتبہٗ الاحقر عبدالکریم گمتھلوی - ۱۰ صفر ۴۴ھ

الجواب صحیح ، ظفر احمد عفی عنہ -

معذور کے حج بدل کرانے کی ایک صورت کا حکم

سوال (۱۰) جناب محمد سلیم اللہ خان صاحب رئیس بوڑھ گاؤں ضلع علی گڈھ عرصہ سے مشتاق زیارت حرمین شریفین وحج شریف ہیں ۔ اور اس وقت جناب خان صاحب موصوف کی عمر تقریباً ۷۰ سال کی ہے علاوہ ضعف پیری چند امراض جسمانی میں مبتلا ہیں جن کی وجہ سے چلنے پھرنے اور سفر سے معذور ہیں خصوصاً مرض فتق کی بھی تکلیف ہے اکثر کم وبیش پندرہ بیس روز بعد دورہ نزول آنت کا ہوجاتا ہے ایسی حالت میں ایک قدم چلنا بھی دشوار ہوجاتا ہے لہٰذا صورت مجبوری اور حالت معذوری میں اگر خان صاحب موصوف کسی ایسے شخص کو جس نے حج پہلے کرلیا ہے جملہ روپیہ خرچ آمدورفت وخوراک وغیرہ دیکر اپنا حج بدل کرا دیویں تو شرعاً ادائیگی حج فرض ہوسکتی ہے یا نہیں اور اگر ہوسکتی ہے تو حاجی صاحب کی اور کن کن شرائط سے مشروط ہونے کی ضرورت ہے براہِ کرم مسئلہ اصول فقہ سے مطلع فرماکر ممنون ومشکور فرماویں ۔

الجواب : بیشک صورت مسئولہ میں رئیس صاحب کو اگر خود حج کے لئے جانا دشوار ہے تو ان کو اس حالت میں جائز ہے کہ اپنی طرف سے حج بدل کرا دیں لیکن اس کو دیکھ لیا جاوے کہ کیا وہ اس بیٹی کا استعمال کرنے کے ساتھ بھی سفر حج نہیں کرسکتے جو مرض فتق میں ڈاکٹر تجویز کیا کرتے ہیں غالباً اس بیٹی کے استعمال کے ساتھ آنت اترنے کی تکلیف زیادہ نہیں ہوتی اور جب اترے فوراً اس کو چڑھا کر کام ہوسکتا ہے اگر اس کے بعد بھی تکلیف کم نہ ہوتی ہوا ور سفر دشوار ہی ہو تو حج بدل کرا دینا جائز ہے پھر اگر یہ عذر جو اس وقت ہے عمر بھر رہا جب تو یہ حج بدل عمر بھر معتبر رہے گا اور اگر کسی وقت عذر موجود زائل ہوگیا تو ان کو حج فرض دوبارہ خود ادا کرنا ہوگا ویصیر البدل نفلاً قال فی الدر وھذا ای اشتراط دوام العجز الی الموت اذا کان العجز کالحبس والمرض یرجی زوالہ ای یمکن وان لم یکن کذلک کالعمی والزمانۃ سقط الفرض بحج الغیر عنہ فلا اعادۃ مطلقا سواء استمر بہ العذر ام لا اھ (ص ۳۸۹ ج ۲) قلت ونزول

المعالیس کالنمانة بل المشاهد قدرة المبتلی به علی السفر قصیرة وطویلة بعد شدة الحزام الذی قد اوجد له، والله اعلم ۔ ۱۸ رمضان ۱۳۴۶ھ

حج بدل اور ضمان مامور کی ایک صورت کا حکم

سوال (۱۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید غریب نے ایک امیر حاجی حج بیت اللہ شریف کے جانے والے کو مبلغ ؏ دئے اور یہ کہ مکہ معظمہ پہونچکر میری والدہ کی طرف سے کسی سے حج کرادینا ۔ مکہ معظمہ پہونچکر یہ حوادث پیش آگئے کہ آٹھویں کی شام تک مکہ سے عرفات جانیوالے کو سواری نہ مل سکی جو شخص حج کرنے کو راضی تھا وہ بلاسواری حج کو نہ گیا اور یہ امیر اور اس کے ہمراہی حج کو چلے گئے اور عرفات وغیرہ میں ارکان حج ادا کرکے مدینہ ہوکر اپنے وطن میں آگئے لیکن یہ امیر حاجی مکہ معظمہ ہی سے دستوں کے مرض میں مبتلا ہوا اور گھر آکر دو مہینہ تک سخت بیمار رہ کر انتقال کر گیا ۔ بہت کچھ نقد اور جائداد چھوڑ مرا ۔ اس اثنار مرض میں زید غریب کو دو مرتبہ حاجی امیر سے ملنے کا اتفاق ہوا لیکن امیر حاجی کی سخت علالت کی وجہ سے زید غریب نے دریافت کیا کہ میری والدہ کی طرف سے حج کرایا یا نہیں اور نہ خود امیر حاجی نے بیان کیا کہ حج کرادیا یا نہیں حتی کہ امیر حاجی کا انتقال ہوگیا تب غریب زید نے امیر حاجی کے ورثار سے اپنے روپیہ دئے ہوئے طلب کئے ۔ کیونکہ امیر حاجی اور ہمراہی حاجیوں سے معلوم ہوا کہ امسال تین سو پینتیس ؏ روپیہ سے کم میں مکہ والوں میں سے کوئی حج بدل نہیں کر سکا مصارف مزید تھے تو اگر امیر حاجی غریب زید کی والدہ کی طرف سے حج کراتا تو غریب زید سے ضرور اپنا مطالبہ زاید وصول کرتا ۔ یا اپنے ورثار سے کہہ مرتا کہ فلاں زید غریب سے اتنا روپیہ لے لینا سواب امیر حاجی کے وارث زید غریب کو اس کے مبلغ ؏ دئے ہوئے واپس نہیں دیتے ۔ سواب سوال یہ ہے کہ شرعاً امیر حاجی مرحوم کے ورثا پر امیر حاجی کے متروکہ میں سے غریب زید کو اس کے ؏ دئے ہوئے واجب ہے یا نہیں؟ فقط ۔

الجواب : زید غریب کو امیر حاجی کے ورثار سے اس رقم کے طلب کرنے کا حق نہیں کیونکہ اُس کے پاس اس کی کیا دلیل ہے کہ امیر حاجی نے اُس کی والدہ کی طرف سے حج نہیں کرایا اور جتنی باتیں سوال میں درج ہیں یہ صرف قرائن و احتمالات ہیں ان سے ثبوت نہیں ہوسکتا اور اگر امیر حاجی مرحوم کے ہمراہی اس وقت گواہی دیں تو ان کی گواہی لغو ہے کیونکہ مدعی علیہ مرچکا ہے ۔ دوسرے یہ گواہی نفی پر ہوگی اور شہادت علی النفی قبول نہیں علاوہ ازیں یہ بھی تو احتمال ہے کہ امیر حاجی نے کسی شخص کو حج بدل کے واسطے وہ رقم دی ہو اور اس نے نہ حج کیا ہو نہ رقم واپس دی ہو ۔ یہ بھی

احتمال ہے کہ امیر حاجی نے وہ رقم مکہ میں کسی دیندار معتبر آدمی کو دے دی ہو کہ سال آئندہ اس سے حج بدل کرا دینا۔ غرض اس معاملہ میں زید غریب کے پاس اس امر کی کوئی دلیل نہیں کہ اس کی رقم امیر حاجی کے ذمہ قرض ہو گئی کیونکہ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہ امانت کہیں ضائع ہو گئی ہو اور امین کے اوپر ضیاع امانت کا ضمان نہیں ہوتا۔ البتہ اگر امیر حاجی کے ورثہ کے دل کو یہ بات لگ جائے کہ زید غریب کی رقم حاجی امیر مرحوم ہی کے پاس رہی ہوگی تو بہتر یہ ہے کہ یہ لوگ زید کی رقم ادا کر کے اپنے مورث کا ذمہ احتمال سے بھی بری کر دیں مگر ایسا کرنا واجب نہیں اسی لئے اگر ورثہ ایسا کریں تو صرف بالغ ورثہ اپنے اپنے حصوں میں سے یہ رقم ادا کریں نابالغوں کے حصوں میں سے ادا نہ کریں فقط واللہ اعلم۔

۷ رمضان ۴۶ھ

جس نے اپنا حج نہ کیا ہو اس کے حج بدل کرنے کا حکم

سوال (۱۲) کیا حکم ہے علماء حنفیہ کا اس مسئلہ میں کہ زید ایک غریب شخص ہے جس نے حج نہیں کیا اس کو ہندہ بدل حج کرنے کے واسطے بھیجنا چاہتی ہے اگر زید ہندہ کا روپیہ لیکر حج کو جاوے تو حج ہندہ کا ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب: جس شخص نے اپنا حج نہیں کیا وہ اگر حج بدل کرے تو حج بدل صحیح ہو جاتا ہے لیکن یہ مکروہ تنزیہی ہے اور افضل یہ ہے کہ ایسے شخص کو حج بدل کے لئے بھیجا جاوے جو اپنا حج کر چکا ہو اور جو شخص اپنا حج کئے بدون حج بدل کو جاوے اگر وہ اتنا مالدار ہے کہ اس پر حج فرض ہے تو اس کو حج بدل کرنا مکروہ تحریمی ہے کما فی بغیۃ الناسک ص ۱۸۱ قال فی الفتح[1] والبحر والحق انها تنزیهیة علی الآمر تحریمیة علی الصرورة[3] المامور ان کان بعد تحقق الوجوب علیه بملك الزاد والراحلة والصحة لانه یتضیق علیه والحالة هذه فی اول سنی الامکان فیأثم بترکه وکذا لو تنفل لنفسه اھ ملخصًا اور اگر اس بدل کے لئے جانے والے پر حج فرض نہیں ہے تو کراہت تحریمیہ نہ ہوگی مگر کراہت تنزیہیہ سے خالی نہیں للاختلاف فی ان الحج بوصوله الی المیقات یفرض علیه ام لا۔ واللہ اعلم۔

نوٹ:۔ سوال میں یہ نہیں لکھا کہ ہندہ کو خود جانے سے کیا عذر ہے اس لئے دوبارہ سوال کر لیں کہ اس کا عذر ایسا ہے کہ حج بدل کو بھیج سکتی ہے یا نہیں۔

احقر عبدالکریم عفی عنہ ۲۰ ربیع الاول ۴۵ھ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

[1] قبیل باب الهدی ۳: ۹۷ [2] ۳: ۷۰ [3] قوله: الصرورة وهو الذی لم یحج أولًا عن نفسه۔ دلاور حسین عفا اللہ تعالیٰ عنہ ولوالدیہ۔

سفرِ حج سے عاجز ہونے کی صورت میں حج بدل کرانے کا حکم

سوال (۱۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے اوپر حج بیت اللہ شریف فرض ہے اور اس کی صحت اس قدر خراب ہے کہ اس کو اپنی حیات کی بھی امید نہیں ہے اور اس کے وارثوں میں سے ایک لڑکا ہے جو آوارہ ہے اور اس سے یہ امید نہیں ہے کہ وہ اپنے باپ کی وفات کے بعد حسب وصیت باپ کے اس فرض کو باپ کی طرف سے ادا کرے ایسی حالت میں جو حکم شریعت کا ہو اس سے بہت جلد مطلع فرماویں اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے گا فقط۔

الجواب: جب ایسی تکلیف ہو کہ سفرِ حج سے بالکل عاجز ہو جاوے تو حج بدل کے لئے کسی کو اپنی زندگی میں بھیج دینا جائز ہے پھر اگر اس عجز ہی کی حالت میں انتقال ہو جاوے تب تو یہ حج کافی ہو جاوے گا اور اگر یہ عجز زائل ہو جاوے تو حج ذمہ رہے گا (اور اگر حج بدل کی وصیت کرنے میں لڑکے پر اطمینان نہیں کہ وہ پورا کر دے گا تو اس کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ کسی دوسرے معتمد کو حج بدل کے لئے وصیت کر دے اور اس کو روپیہ خود سپرد کر دے) کما فی العالمگیریۃ (ص ۱۶۶ ج ۱) ومنھا استدامۃ العجز من وقت الاحجاج الی وقت الموت ھکذا فی البدائع حتی لو احج عن نفسہ وھو مریض یکون مراعی فان مات اجزاہ وان تعافی بطل وکذا لو احج عن نفسہ وھو محبوس کذا فی التبیین۔

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ
تھانہ بھون ۲۱ ربیع الثانی ۴۵ھ

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا عنہ
۲۱ ربیع ۲ ۴۵ھ

حج بدل کی ایک صورت کا حکم

سوال (۱۴) کیا فرماتے ہیں حضرات علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ ایک شخص بزمانہ ناواقفی حج بدل کے لئے گیا اور میقات سے قبل اشہر حج کا احرام بہ نیت آمر باندھا مکہ معظمہ پہنچکر عمرہ کر کے احرام کھول ڈالا پھر موسم حج میں احرام باندھکر حج ادا کیا بعد کو معلوم ہوا کہ حج آمر کا ادا نہوا سال آئندہ تک وہاں اقامت کر کے اپنا حج ادا کر کے واپس ہو گیا اور تیسرے سال پھر اس نیت سے روپیہ فراہم کر کے حج آمر جو اپنے ذمہ باقی ہے اس سے سبکدوشی ہو جاوے اشہر حج میں عازم بیت اللہ ہو کر اور میقات سے بہ نیت آمر احرام باندھ کر باحتیاط تمام حج ادا کر دیا لیکن جاتے وقت نہ آمر سے تذکرہ کیا نہ اس سے اجازت لی ہاں اُن لوگوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ پہلا حج فاسد ہو گیا ہے اسی کی قضا کے لئے دوبارہ جانے کا قصد ہے

دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس صورت میں فریضۂ آمر سے سبکدوشی ہوگئی یا نہیں اگر نہیں ہوئی تو سبکدوشی کی کیا صورت اختیار کی جاوے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب: فی غنیۃ الناسک (ص۱۸۰ فی فوات الحج عن المامور) فلو حج عن المیت بمال نفسہ اجزاہ وبرئ من الضمان۔ پس اگر حج اول آمر کی طرف سے ادا نہوا ہو تو حج ثالث اس کی جانب سے ادا ہوگیا اور اگر حج اول آمر کی طرف سے ادا ہونے نہونے کی تحقیق مطلوب ہے تو یہ لکھا جاوے کہ میقات سے احرام حج کے بعد عمرہ کا احرام باندھا تھا یا بدون احرام عمرہ محض افعالِ عمرہ کرکے حلال ہوگیا تھا۔ اور یہ جو لکھا ہے کہ اُن لوگوں کو معلوم ہوگیا تھا کہ پہلا حج فاسد ہوگیا ہے الخ اس میں فساد سے کیا مراد ہے آیا یہی عمرہ کرلینا یا اور کوئی بات مفسد حج پائی گئی تھی صاف صاف لکھیں۔ احقر عبدالکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۱۱ جمادی الاخریٰ ۴۵ھ

جس نے اپنا حج نہ کیا ہو اس کے حج بدل کا حکم

سوال (۱۵) سُنا جاتا ہے کہ اس شخص کو جو خود حاجی نہو۔ حج بدل کے لئے جانا جائز نہیں اس لئے کہ کعبہ شریف کو دیکھنے سے حج فرض ہوجاتا ہے۔ جب خود ان پر فرض ہوگیا تو وہ دوسرے کی جانب سے ادا نہیں کرسکتا۔

الجواب: جس نے اپنا حج نہ کیا ہو اس کو حج بدل کرنا مکروہ ہے۔ اور جب وہ کعبہ شریف پہنچتا ہے تو وہ دوسرے کا احرام باندھے ہوئے ہوتا ہے اس واسطے اس پر اس زیارت کعبہ سے حج فرض نہیں ہوتا کما ھو مصرح فی کتب الفقہ البتہ اگر اس کو آئندہ حج تک مکہ معظمہ میں قیام دشوار نہ ہو اور اس کے اہل و عیال کو بھی تنگی نہ پیش آوے تو بعض فقہاء نے اس پر وہاں قیام کرکے آئندہ سال حج کرنے کو واجب کہا ہے، واللہ اعلم۔

احقر عبدالکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۱۱ شوال ۴۸ھ

الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ ۱۲ شوال ۴۸ھ

بحری اور ہوائی جہازوں پر سفر اور متعلقہ احکام

ہوائی جہازوں میں وقوف عرفہ اور طواف کعبہ کا حکم

رہا جواب اُن مسائل کا جن کو میں نے پہلے پرچہ میں زیر غور کہا تھا اور وہ دو مسئلے ہیں ایک ہوائی جہاز میں طواف کرنے کا۔ دوسرے ہوائی جہاز میں وقوف عرفہ کرنے کا سو اس کے متعلق جو مجھ کو مطالعۂ کتب فقہ سے ظاہر ہوا ہے وہ یہ ہے کہ

مرکب ہوائی میں سوار ہو کر طواف کرنے سے طواف تو صحیح ہو جائے گا بشرطیکہ مرکب ہوائی داخل حد مسجد رہے لیکن بلا عذر ایسا کرنے سے دم واجب ہوگا جیسا کہ مرکب غیر ہوائی میں بھی بلا عذر سوار ہو کر طواف کرنے کا یہی حکم ہے اور مرکب ہوائی میں سوار ہو کر عرفات کے مرور سے وقوف عرفہ ادا نہ ہوگا قال فی البدائع واما مکان الطواف فمکانه حول البيت اھ (ص ۱۲۱) وفی غنية الناسك الطواف هو الدوران حول الكعبة كيف ما حصل اھ اما اركانه فثلاثة اتيان اكثره وكونه بالبيت لا فيه وكونه بفعل نفسه ولو محمولا او راكب بعير واما شرائطه فستة ثلثة منها لا يفوته الحج وهي الوقت وتقديم الاحرام وتقديم الوقوف والباقي للكل وهي الاسلام وداخل المسجد ولو على سطحه فلو طاف على سطح المسجد جاز ولو مرتفعا عن البيت لو طاف خارج المسجد مع وجود الحيطان لا يصح اجماعا ولو كان الحيطان منهدمة لا يصح عند عامة العلماء لانه طاف بالمسجد لا بالبيت اھ (ص ۸۵) چونکہ طواف کی حقیقت دوران حول البیت ہے اور مکان طواف حول البیت ہے اور بیت کے متعلق یہ تصریح موجود ہے کہ ہوا رکعبہ عنان سماء تک بیت ہے اور اسی لئے طواف بیت سے مرتفع ہو کر بھی جائز ہے اس لئے مرکب ہوائی میں بشرائط مذکورہ طواف صحیح ہو جائے گا۔ لیکن وقوف عرفہ کے متعلق کہیں یہ تصریح نہیں ملی کہ ہوا ارض عرفہ عنان سماء تک بحکم عرفہ ہے بلکہ اکثر کتب میں وقوف کو ارض کے ساتھ مقید کیا ہے قال فی البحر وشرطه (ای الوقوف ۱۲) شيئان احدهما كونه فی ارض عرفات اھ (ص ۳۳۹ ج ۲) وفی العالمگيرية ايضا و الوقوف شرطه شيئان احدهما كونه فی ارض عرفات والثانی ان يكون فی وقته اھ (ص ۱۴۸ ج ۱) وفی الدر والقيام والنية فيه ای الوقوف ليست بشرط ولا واجب فلو كان جالسا جاز حجه وذلك لان الشرط الكينونة فيه اھ قال الشامی ای فی محل الوقوف المعلوم من المقام وفی شرح اللباب والظاهر ان هذا ركن لعدم تصور الوقوف بدونه نعم الوقت شرط اھ (قلت والمعلوم ليس الا ارض عرفة ۱۲) (ص ۲۸۴ ج ۲) اور ظاہر ہے کہ وقوف بارض عرفة یا کینونة بعرفة راکبا على الدابة یا محمولا علی الایدی میں بواسطہ متحقق ہے بلا واسطہ متحقق نہیں اور مرکب ہوائی میں راکب کو وقوف بارض عرفہ کسی طرح حاصل نہیں نہ بواسطہ نہ بلا واسطہ ہاں مرور بہوا رعرفہ متحقق

ہے پس اگر کسی دلیل سے ہوائے عرفہ کا بحکم ارض عرفہ ہونا ثابت ہو جائے تو یہ مرور قائم مقام وقوف بارض عرفہ کے ہو سکتا ہے مگر ہنوز کہیں اس کی تصریح نہیں ملی ہے لہٰذا افتاء بصحت وقوف فی ہذہ الصورۃ مشکل ہے واللہ اعلم حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۲۳ صفر ۴۵ھ

احقر اشرف علی قیاساً علی کون ھواء الکعبۃ فی حکمھا وکون ھواء المسجد فی حکمہ صحت کو راجح سمجھتا ہے لیکن جزم نہیں کرتا ۱۲

کتاب النکاح

دولہا نے وقت نکاح "قبول کیا" کے بجائے اگر "الحمد للہ" کہا تو کیا حکم ہے

سوال (۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں اگر نکاح خوانی کے وقت دولہا سے نکاح خواں نے یوں کہا مثلاً مریم بنت زید کو دو سو روپیہ مہرانہ کے عوض تمہارے عقد میں دیا وہ صرف الحمد للہ کہا اب نکاح ہوا یا نہیں۔ سوال صرف یہ ہے کہ "قبول کیا میں نے" کی جگہ میں اگر صرف الحمد للہ کہہ دیا تو نکاح منعقد ہوا یا نہیں ؟

(تنقیح) اس موقعہ پر الحمد للہ کہنے سے شہود اور حاضرین کیا سمجھتے ہیں تلایا جائے۔ کیونکہ الحمد للہ ہمارے عرف میں صیغہ قبول کا نہیں ہے تو کیا بنگالہ کی کوئی خاص اصطلاح ہے۔

قال فی الخلاصۃ و فی مجموع النوازل قال زوجنی نفسک منی فقالت بالسمع والطاعۃ صح النکاح ولو قالت سپاس دارم لا ینعقد اھ (ص ۳ ج ۲)۔

اس سے معلوم ہوا کہ الحمد للہ کہنے سے نکاح منعقد نہیں ہوتا۔

منگنی کے وقت کا ایجاب وقبول ایک قسم کا وعدہ ہے

سوال (۲) جناب مولانا صاحب مولوی ومفتی اشرف علی صاحب! دام فیوضکم السلام علیکم عرض ہے کہ کمترین کو واپسی خط ملا آنجناب نے تحریر فرمایا ہے کہ لفظ کس طرح کہے گئے تھے۔ اب اس طرح لکھتا ہوں پہلے بھی آنجناب کی خدمت میں عرض کر چکا ہوں کہ اس منگنی کے سال دو سال بعد پھر نکاح وشادی کرتے ہیں اس کو منگنا لے مشہور کرتے ہیں گویا اس کو اصلی نکاح تصور ومشہور نہیں کرتے یہ رسمی معاملہ ہے۔ لڑکی کا والد لڑکے کے والد کو کہتا ہے کہ میں نے اپنی لڑکی فاطمہ تمہارے لڑکے نور محمد کو بخشی، لڑکے کے والد نے کہا میں نے قبول کی تین دفعہ اس طرح کہا۔ اور جیسے نکاح کے وقت گواہ

مقرر کئے جاتے ہیں گواہ کوئی مقرر نہیں کئے۔ ہمارے اس ملک میں اس کا نام منگنا وشرح ایجاب رکھا ہے۔ کیونکہ اس رسم کے بعد دو بارہ دن شادی کے مقرر کر کے پھر نکاح پڑھایا جاتا ہے۔ اب لڑکی کا والد دوسری جگہ نسبت کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: مجلس خطبہ میں یہ الفاظ وعدہ پر محمول ہوں گے لہذا نکاح نہیں ہوا اور لڑکی کا والد دوسری جگہ نسبت کر سکتا ہے۔ قال فی الدر او هل اعطیتنیها ان المجلس للنکاح وان للوعد فوعد قال الشامی قوله ان المجلس للنکاح ای لانشاء عقده لانه یفهم منه التحقیق فی الحال فاذا قال الآخر اعطیتکها او فعلت لزم ولیس للاول ان لا یقبل اھ (ص ۴۳۳ ج ۲) قلت هذا اذا کان المجلس للنکاح واما اذا کان للوعد فقول الآخر اعطیتکها محمول علی الوعد، فافهم، واللہ اعلم حررہ الاحقر ظفر احمد، ۲۴ صفر سنہ ۴۱ھ۔

منگنی کے وقت اولیاء طرفین کا ایجاب و قبول ایک قسم کا وعدہ ہوتا ہے

سوال (۶) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اس ملک پنجاب میں رواج ہے کہ منگنی کے وقت لڑکی کا ولی لڑکے کے ولی کو کہتا ہے کہ میں نے فلانی لڑکی تیرے فلانے لڑکے کو دی وہ کہتا ہے کہ میں نے اپنے لڑکے کے واسطے قبول کی اور بعدہ شادی کرتے ہیں اور نکاح وغیرہ بعد میں ہوتا ہے۔ اسی صورت سے جس لڑکی کی منگنی ہوئی ہو تو اُس کا نکاح دوسری جگہ ہو سکتا ہے یا نہیں بینوا بالتفصیل توجروا بالاجر الجزیل اس لئے کہ ملک پنجاب میں تمام علماء کرام اختلاف ڈالتے ہیں آپ اسے صحیح لفظوں کے ساتھ بیان فرماویں۔

الجواب: قال فی الدر او هل اعطیتنیها ان المجلس للنکاح ان للوعد فوعد اھ قال الشامی ان المجلس للنکاح ای لانشاء عقده لانه یفهم منه التحقیق فی الحال الخ ص ۴۳۳ ج ۲۔ اس سے معلوم ہوا کہ منگنی کے وقت لڑکی کے ولی کا یہ کہنا کہ میں نے فلانی لڑکی تیرے لڑکے کو دی الخ یہ لفظ وعدہ پر محمول ہوگا نہ عقد نکاح پر کیونکہ مجلس وعدہ کی ہے نکاح کی مجلس نہیں ہے لہٰذا ان الفاظ سے نکاح نہ ہوگا اس لڑکی کا نکاح دوسری جگہ ہو سکتا ہے۔

نکاح بیوہ کا حکم

سوال (۷) بیوہ کا نکاح افضل ہے یا یوں ہی بحالت شباب بیٹھ رہنا بہتر ہے۔

الجواب: اگر بیوہ صاحب اولاد نہ ہو تو اوس کو نکاح کر لینا افضل ہے اور دوسرے نکاح کو عیب سمجھنا تو سخت گناہ ہے اور اگر صاحب اولاد ہے اور دوسرے نکاح سے ان بچوں کے

ضائع ہونے کا اندیشہ ہے کہ شوہر کی خدمت وغیرہ کی وجہ سے ان بچوں کی پرورش بخوبی نہ کرسکے گی تو نکاح نہ کرنا بہتر ہے اور اگر بچوں کی پرورش سے نکاح ثانی مانع نہ ہو تو اس صورت میں بھی نکاح ہی افضل ہے اور یہ تفصیل اس وقت ہے جبکہ بیوہ کو نکاح نہ کرنے کی صورت میں اپنے نفس پر پورا قابو ہو اور گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو ورنہ بہر صورت نکاح کرنا لازم ہے۔

زنا سے حاملہ عورت کے نکاح کا حکم اور اس کے حمل کا اسقاط جائز نہیں

سوال (۵) ایک مسلمان نوجوان کنواری عورت کو زنا سے حمل ہوگیا چھ سات مہینہ بعد حالت حمل میں ہی ایک مسلمان مرد نے باوجود علم ہونے کے ایک نا کہ نکاح خوان قاضی کے ذریعہ اس سے نکاح پڑھ کر اپنے گھر میں ڈال لیا اس پر گاؤں کے باقی مسلمانوں میں اس بات کا چرچا ہوا مرد مذکور نے اپنی رسوائی چھپانے کے واسطے عورت کا حمل ساقط کر دیا۔ کیا یہ نکاح صحیح ہوا اگر نہیں ہوا تو اس کے لئے کیا تعزیر ہونی چاہئے اور حمل ساقط کرنا جائز تھا یا ناجائز اس کے لئے کونسی تعزیر ہے عورت کو کیا تعزیر ہونی چاہئے نکاح خوان اور مرد مذکور کے معاون لوگوں سے کیسا سلوک ہو اور مرد مذکور نے حمل فاحش عورت مذکور کا ساقط کرنے کے بعد دوبارہ پھر نکاح پڑھا ہے۔ والسلام بینوا توجروا؟

الجواب: حاملہ من الزنا کا نکاح درست ہے خواہ زانی سے ہو یا غیر زانی سے البتہ اگر زانی سے ہو تو اس کو قبل وضع حمل وطی بھی جائز ہے اور غیر زانی کو وطی جائز نہیں جب تک وضع حمل نہ ہو لہذا صورت موجودہ میں نکاح اول درست ہوگیا تھا نکاح ثانی کی ضرورت نہ تھی لیکن چھ سات ماہ کا حمل ساقط کرنا ایک روایت پر موجب گناہ ہوا جسکا کفارہ توبہ واستغفار ہے اور ایک روایت پر گناہ نہیں ہوا فی العالمگیریۃ والعلاج لاسقاط الولد اذا استبان خلقہ لا یجوز وان کان غیر مستبین الخلق یجوز واما فی زماننا یجوز علی کل حال وعلیہ الفتوی[ف] اھ (ص ۲۳۷ ج ۵)۔ ۱۷ ذی الحجہ سنہ ۴۱ھ۔

شیعہ رافضی کا سنی عورت کے ساتھ نکاح کا حکم

سوال (۶) چہ فرمائید علماء ملتِ اہل سنت والجماعت دریں مسئلہ کہ نکاح بستن درمیان زنِ سنیہ ومرد رافضی تفضیلی باشد یا سبی یا نکاح کردن مابین مرد سنی وزن رافضیہ فی زماننا کہ دررو افض سب لیبا است و تفضیلی کم اند خصوصاً در بلوچستان کہ رافضی تفضیلی یافتہ نمی شود در مذہب اہل سنت والجماعۃ

ف قلت ولم یظهر لی وجہ الفتوی علی الجواز مطلقا ۱۲ ظفر

ونیز در مذہب اہل شیعہ جائز است یا نہ اگر کسے بطمع دنیا یا بوجہ ناواقفیت مسئلہ ایں چنیں نکاح کرد ایں طور نکاح فسخ میگردد یا باقی می ماند واگر در صورت اول بوقت فیصلہ نزد حاکم مرد رافضی خود را تفضیلی ساز د بریں تقدیر نکاح باقی می ماند یا نہ۔ چونکہ در بلوچستان عالم شریعت نبوی کم اند لبسیار تنازع برخاستہ است حق ظاہر نمی شود آں کس کہ ایں نکاح را جائز میدارد حوالہ فتاوی مولوی عبدالحئ مرحوم می دہد وآں فریقیکہ جائز نمی دارد فتاوی شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی را پیش می آرد غرض قول مفتیٰ بہ معلوم نمی شود آنچہ کہ دریں مسئلہ حکم مفتی بہ باشد بحوالہ کتاب مع صفحہ ارقام فرمائید۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب: ھو المصوب؛ جواب محقق نزد ما ایں است کہ رافضی کہ قذف حضرت سیّدہ عائشہ را جائز شمارد وقائل تحریف در قرآن کریم باشد یا قائل بجزو نفاق حضرت صدیق بود کافر است واگر بجز تبرا وسب شیخین ہیچ از امور کفریہ ظاہر نماید فاسق است پس در صورت اولیٰ نکاح سنّیہ با ایں چنیں روافض ہرگز صحیح نشود بلکہ حکم زنا دارد وایں سنّیہ را جدائی از او لازم است واگر حاملہ نباشد معاً نکاح ودخول از مرد سنّی جائز است والّا بعد از وضع حمل۔ ودر صورت ثانیہ تفصیل است اگر زن نابالغہ است وولی آں را علم بفسق آں نبود بلکہ رافضی را صالح وعادل گمان کردہ باو نکاح کرد بعد ازاں فسق آں معلوم شد وزن سنّیہ بعد از بلوغ اظہار ناراضگی ازیں نکاح کرد پس ایں نکاح ہم باطل است واگر فسق ایں جماعت از اول معلوم بود ودیدہ ودانستہ ولی شرعی زن نابالغہ یا بالغہ سنّیہ بنکاح رافضی داد ایں نکاح درست شد وبدون طلاق مرتفع نگردد واگر زن سنّیہ بدون اجازت ولی از خود نکاح با ایں چنیں رافضی کند ہم باطل شود وحاجت بطلاق نیفتد بدون طلاق ہم ردیگر از اہل سنت نکاح می تواند کرد اما بعد از تفریق عدت گذاردن لازم است اگر دخول شدہ باشد وعدت آں سہ حیض بود۔ قال العلامۃ الشامی فی ردّ المحتار علی ان الحکم علیہ بالکفر مشکل لما فی الاختیار اتفق الائمۃ علیٰ تضلیل اھل البدع اجمع وتخطیتھم وسب احد من الصحابۃ وبغضہ لایکون کفرًا لکن یضلل الخ۔ الیٰ ان قال نعم لاشک فی تکفیر من قذف السیدۃ عائشۃ رضی اللہ عنھا او انکر صحبۃ الصدیق او اعتقد الالوھیۃ فی علیؓ او ان جبریل غلط فی الوحی او نحو ذلک من الکفر الصریح المخالف

للقرآن اھ ص ۴۵۳ ج ۳ ۔ قلت علی ھذا فمن نسب الصدیق رضی اللہ عنہ الی الکفر والنفاق فھو کافر لانہ منکر صحبتہ وھی ثابتۃ بالنص اذ یقول لصاحبہ لاتحزن ان اللہ معنا الآیۃ وفی العالمگیریۃ رجل زوج ابنتہ الصغیرۃ من رجل علی ظن انہ صالح لایشرب الخمر (مثلاً) فوجدہ الاب شریبا مدمنا وکبرت الابنۃ فقالت لاارضی بالنکاح ان لم یعرف ابوھا بشرب الخمر وغلبۃ اھل بیتہ الصالحون فالنکاح باطل ای یبطل وھذہ المسئلۃ بالاتفاق (ای بین الامام وصاحبیہ ۱۲) وکذا فی الذخیرۃ وفیھا ایضا ثم المرأۃ ان زوجت نفسھا من غیر کفوء صح النکاح فی ظاھر الروایۃ وروی الحسن عن ابی حنیفۃ ؒ ان النکاح لاینعقد وبہ اخذ کثیر من مشائخنا کذا فی المحیط والمختار فی زماننا للفتوی روایۃ الحسن وقال الشیخ الامام شمس الائمۃ السرخسی ؒ روایۃ الحسن اقرب الی الاحتیاط اھ ص ۱۶ ج ۲ ۔ واللہ اعلم وقد صرح العلماء بوجوب العدۃ فی النکاح الفاسد بعد الدخول کما لایخفی علی من لہ ادنی نظر فی الفقہ ۔ ۲۱ شوال سنہ ۴۱ ھ ۔

اس شرط کے ساتھ نکاح کرنا کہ بیوی شوہر کے وطن سے باہر نہیں جائیگی

سوال (۷) السلام علیکم ۔ عرض یہ ہے کہ خادم نے اس جگہ نکاح کیا مگر میری زوجہ نے یہ شرط کر لی ہے کہ وہ میرے ہمراہ ہندوستان نہ جائے گی اب چند شخصوں نے یہ شبہ ڈال دیا ہے کہ چونکہ اس نکاح میں شرط ہو گئی ہے اس لئے یہ متعہ ہے مہربانی فرما کر متشرع حکم بتلاویں تاکہ ایسا نہ ہو کہ مغالطہ میں گنہگار رہوں اگر حقیقۃً یہ متعہ ہوا تو زوجہ کو طلاق دے دوں گا ورنہ خیر، والسلام ۔

الجواب : یہ نکاح بالکل درست اور بہمہ وجوہ صحیح ہے متعہ ہرگز نہیں جس نے متعہ کا شبہ ڈالا ہے وہ مسائل شرعیہ سے محض ناواقف ہے متعہ اس کو نہیں کہتے کہ نکاح کے ساتھ کوئی شرط کر لی جائے بلکہ متعہ یہ ہے کہ نکاح خاص مدت کے لئے کیا جائے مثلاً یہ کہا جائے کہ میں دو سال کے لئے نکاح کرتا ہوں یا یوں کہا جائے کہ جب تک میرا قیام بغداد میں ہے اس وقت تک کے لئے نکاح کرتا ہوں اور اگر یوں نہ کہا جائے بلکہ صرف یہ کہا جائے کہ میں تجھ سے نکاح کرتا ہوں اس پر عورت یوں کہے کہ میں اس شرط سے نکاح منظور کرتی ہوں کہ مجھ کو بغداد سے باہر نہ لے جایا جائے بلکہ یہیں رکھا جائے اور شوہر اس شرط کو منظور کر لے تو یہ ہرگز متعہ نہیں بلکہ نکاح صحیح شرعی ہے

خزانۃ الروایات مینویسد فی الغیاثیۃ سئل نجم الدین النسفی عمن قال دختر خویش فلانۃ بمن دادی گفت دادم ووی گفت پذیرفتم ہل ینعقد النکاح فیہ اختلاف المشائخ عند بعض لا ینعقد حتی یقول بزنی دادم وعند بعض یکون نکاحا بدون ذکر ذلک وھو الاصح، پس بنابریں روایت اصح درصورت سوال نکاح صغیر وصغیرہ منعقد شد وپدر پسر را بہ کدامی طرح جائز نیست کہ آں مخطوبہ ومنکوحۂ پسر را در نکاح خود آرد۔

اور اسی طرح اسی فتاویٰ کے اندر دوسری جگہ اسی طرح کے استفتاء کے جواب میں دوسری عبارت یہ نقل فرمائی ہے:

ودر جامع مضمرات شرح مختصر قدوری می آرد فی النسفیۃ سئل عمن قال لامرأۃ بحضرۃ الشہود دختر خویش بمن دادی فقالت دادم ہل ینعقد النکاح فقال نعم لان الناس تعارفوا التزویج بھذا اللفظ وان لم یتلفظوا بلفظ النکاح، لان النکاح ینعقد عندنا بلفظ الھبۃ خلافا للشافعیؒ۔

یا کہ صورت مسئولہ اس عبارت شامی ودر مختار میں داخل ہو کر منعقد نہ ہوگا اور منگنی پر محمول ہوگا اور وہ عبارت شامی کی تو یہ ہے قال فی شرح الطحاوی لو قال ھل اعطیتنیھا فقال اعطیت ان کان المجلس للوعد فوعد وان کان للعقد فنکاح اور در مختار کی عبارت یہ ہے ھل اعطیتنیھا ان المجلس للنکاح وان للوعد فوعد، اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر نکاح منعقد ہوتا ہے تو شامی ودر مختار کی غرض وتوجیہ کیا ہے اور فرق درمیان صورت مسئولہ میں اور مذکورہ در مختار میں کیا ہے اور اگر نکاح نہیں ہوتا بموجب ان عبارتوں کے تو پھر مولانا عبدالحیؒ کی عبارت کی توجیہ وغرض کیا ہے بالتفصیل تحریر فرماویں بیّنوا توجروا۔

الجواب: لفظ دادم وپذیرفتم اگر مجلس خِطبہ (منگنی) میں استعمال کیا جاوے تو اس سے نکاح منعقد نہ ہوگا بلکہ محض وعدہ پر محمول ہوگا۔ اور مولانا عبدالحی صاحب کا مطلب یہ ہے کہ اگر مجلس نکاح میں دادم وپذیرفتم استعمال کیا گیا تو نکاح ہو جائے گا جس کا قرینہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی عبارت میں یہ اختلاف بھی نقل فرمایا ہے "عند البعض لا ینعقد حتی یقول بزنی دادم وعند البعض یکون نکاحا بدون ذکر ذلک" اھ اور یہ اختلافِ مشائخ مبنی اس پر ہے کہ لفظ "دادم" مطلقاً معنی نکاح کی تعبیر کرسکتا ہے یا کہ "بزنی" زیادہ کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ یہ صاف اس کی دلیل ہے کہ مولانا عبدالحی صاحب اس صورت کو بیان فرما رہے ہیں جب کہ

اور مرد کے ذمہ عورت کی اس شرط کا ایفاء لازم ہے وہ اس کو ہندوستان لانے کا مجاز نہیں البتہ اگر وہ اپنی اس شرط کو واپس لے لے تو پھر ہندوستان لا سکتا ہے۔

قال فی الھدایۃ (ص ۳۰۹ ج ۲): ولو تزوج علی الف ان اقام بھا وعلی الفین ان اخرجھا فان اقام بھا فلھا الالف وان اخرجھا فلھا مھر المثل لا یزاد علی الفین ولا ینقص عن الف وھذا عند ابی حنیفۃ رح وقالا: الشرطان جائزان جمیعًا حتی کان لھا الالف ان اقام بھا والالفان ان اخرجھا اھ وفیہ ایضًا (ص ۳۱۴ ج ۲) واذا اوفاھا مھرھا نقلھا حیث شاء لقولہ تعالیٰ: أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ وقیل لا یخرجھا الی بلد غیر بلدھا لان الغریبۃ توذی اھ قلت وعلیہ الفتوی حتی یمنع الزوج من نقلھا الی غیر بلدھا بغیر رضاھا صرح بہ فی الشامیۃ وفی الدر المختار ولیس منہ (ای من نکاح المتعۃ) ما لو نکحھا علی ان یطلقھا بعد شھر الخ وفیہ ایضًا لو عقد معہ شرط فاسد لم یبطل النکاح بل الشرط اھ (ص ۴۸۳ مع الشامی)۔

قلت: ولو عقد مع شرط صحیح لم یبطل شیئ منھا کما ھو ظاھر۔ واللہ اعلم۔ ۷ رجمادی الثانی سنہ ۴۲ھ۔

حلالہ کے بعد نکاح کا حکم جبکہ زوج ثانی منکر وطی ہو اور عورت مدعی دخول

سوال (۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ کو طلاق ثلاثہ سے فارغ کر دیا بعد عدت کے عمر کے پاس حیلہ کیا یعنی عمر سے نکاح دیا بعد چند روز کے زید نے کسی طرح پھر طلاق دلوا کے بعد عدت کے پھر اپنے نکاح میں لایا مگر نکاح کرتے وقت اس کی زوجہ سے یہ بات نہیں پوچھا کہ عمر نے اس کے ساتھ صحبت کیا ہے یا نہیں مگر یہ بات مشہور ہے کہ عمر نے طلاق دینے کے وقت جو لوگ حاضر تھے وہ لوگ کہتے ہیں کہ عمر نے طلاق دینے کے وقت صاف صاف کہدیا کہ زید نے اپنی بیوی کو جیسا امانت رکھا ہے ابھی ویسا ہی میرے پاس امانت ہے کسی طرح خیانت نہیں ہوئی یعنی میرے ساتھ فقط نکاح ہوا ہے صحبت نہیں ہوئی زید کے نکاح جدید کے دو یا تین مہینہ کے بعد جب مشہور ہوا کہ زید نے جو نکاح کیا ہے وہ فاسد ہے تب زید کی بیوی نے قسم کھا کر کہا کہ عمر نے میرے ساتھ صحبت کیا ہے حالانکہ عمر نے پہلے طلاق کے اور بعد طلاق کے بھی لوگوں کے پاس ظاہر کیا ہے کہ میں نے زید کی بیوی کو صحبت سے پہلے ہی طلاق دیا ہے موافق شرع شریف کے

عمر کا قول معتبر ہے یا زید کی بیوی کا معتبر ہے اور کس کے قول کے موافق فیصلہ ہوگا۔ اور زید نے جو نکاح جدید کیا ہے اگر فاسد ہو اور وہ توبہ نہ کرکے باز نہ آوے تو اس سے اختلاط یعنی زید کے ساتھ اکل و شرب درست ہے یا نہیں کس کے قول پر ترجیح ہے کتب کی کوئی عبارت برائے مہربانی نقل کرکے دینا تاکہ ہر طرح اطمینان ہو۔ بیّنوا توجروا۔ فقط۔

الجواب: قال فی الدر قال الزوج الثانی کان النکاح فاسدا او لم یدخل بها وکذبته فالقول لها اھ قال فی الشامیة کذا فی البحر وعبارة البزازیة ادعت ان الثانی جامعها وانکر الجماع حلت للاول وعلی القلب لا اھ (ص ۸۶۲ ج ۲) اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں عورت کا قول معتبر ہے اور زید کا نکاح جدید اس عورت سے درست ہے۔ واللہ اعلم۔ وفی العالمگیریة لو اخبرت المرأة ان زوجها الثانی جامعها وانکر الزوج الجماع حلت للاول ولو کان علی القلب بان انکرت واقر الزوج الثانی لا تحل اھ (ص ۱۲۹ ج ۲) وقوله لو اخبرت الخ یدل علی انه لا احتیاج الی قضاء القاضی فی المسئلة فافهم۔ ۱۰ شعبان ۴۲ھ۔

منگنی کے وقت ایجاب وقبول کا حکم

سوال (۹) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ زید نے مجلس عام منگنی میں روبرو گواہان کے کہا کہ میں نے اپنی لڑکی عمرو کے لڑکے کو دی اور عمرو نے اوسی وقت ایک ہی مجلس میں کہا کہ میں نے قبول کی اور زید کی لڑکی اور عمرو کا لڑکا دونوں صغیر ہیں اب فرمائیے کہ اس صورت میں زید کی لڑکی کا عمرو کے لڑکے کے ساتھ نکاح منعقد ہوجاوے گا جیسا کہ مولانا مولوی عبدالحیؒ کے فتاوی میں تصریح ہے کہ اصح روایت پر صورت مذکورہ میں نکاح ہوجاتا ہے جس کی عبارت مندرجہ ذیل ہے:

استفتاء: چہ فرمایند علمای دین کثرہم اللہ تعالیٰ در صورت مسئولہ کہ یک شخص جماعت خود را دعوت خطبہ داد و مردمان جماعت بدعوت خطبہ جمع شدند و در مجلس خطبہ درمیان ولی دختر صغیرہ وولی پسر صغیر ایجاب وقبول بالفاظ دادم و پذیرفتم جاری شد پس بایں ایجاب وقبول کہ بالفاظ مذکورہ در مجلس خطبہ جاری شدہ است دختر منکوحۂ پسر شد یا نہ بیّنوا توجروا۔

جواب: ھو المصوب در انعقاد نکاح بلفظ دادم و پذیرفتم اختلاف مشائخ حنفیہ ست بعض حکم بانعقاد می سازند وبعض نہ و در کتب معتبرہ قول اول را اصح گفتہ اند و در

یہ دادم ویزیرفتم مجلس نکاح میں استعمال کیا جائے۔ یا ایسی مجلس میں استعمال کیا جائے جو نہ مجلس خطبہ ہے نہ مجلس نکاح ہے۔ باقی اگر مجلس خطبہ میں ان کو استعمال کیا گیا تو حسب تصریح و در مختار محض وعدہ پر محمول کیا جائے گا، واللہ اعلم۔ ۱۸ رمضان سنہ ۴۲ھ۔

مشرک عورت کو جبراً مسلمان کر کے اس سے نکاح کرنے کا حکم

سوال (۱۰) ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ اس صورت میں کہ ایک عورت مشرکہ اپنے گھر میں تھی اس کی اور اس کی ساس میں باہم لڑائی ہوگئی ساس نے اس کو مارا اور کہا کہ نکل جا ہمارے گھر سے تو اس کو اس کہنے پر غصہ آیا اور اپنے میکہ کو نکل چلی کہیں راستہ میں ایک جگہ کوئی ایسا آدمی رہتا تھا کہ وہ اکثر ایسی عورتوں کو بہکا کر ادھر اُدھر کر دیا کرتا تھا اس مشرکہ مذکورہ کو بھی اس نے اپنے پاس ٹھہرا کر ایک دو روز کے بعد کسی شخص کو بلا کر اور اس سے کچھ روپیہ وصول کر کے عورت مذکورہ کو اس کے ہمراہ کر کے گاڑی میں بٹھا دیا اور کہا کہ ان کے ساتھ جا یہ تجھ کو تیرے باپ کے یہاں پہونچا دیں گے وہاں سے چل کر کچھ مسافت کے بعد گاڑی سے اترے تو اس عورت نے کہا یہ تو میرے میکہ کا راستہ نہیں لانے والے نے دھمکایا اور کہا کہ ہمارے ساتھ چل اور خاموش رہ ورنہ ہم تجھ کو مار ڈالیں گے اور پھر اپنے مکان میں لا کر چند روز رکھا اور دھمکیاں دیتے رہے کہ تو مسلمان ہو جا ورنہ ہم تجھ کو مار ڈالیں گے بالآخر چار ناچار وہ راضی ہوگئی چند روز کے بعد ایک آدمی کو بلا کر چند آدمیوں کے سامنے اس کو مسلمان کیا اس عورت نے بخوبی کلمہ شریف پڑھا اور اپنے پہلے دین سے بریت اور اسلام سے اپنی رغبت ظاہر کر دی اور اقرار کیا کہ احکام اسلامی کو بجا لایا کروں گی اور اسی کو اپنا دین سمجھا کروں گی تو یہ عورت شریعت محمدیہ کی رو سے مسلمان ہوگئی یا نہیں ہوئی؟ بینوا توجروا۔

تنقیح:۔ فی رد المختار فاذا قال انا مسلم طائعاً فھو دلیل اسلامہ وفیہ فاذا اتی بھما (ای بالشھادتین) طائعاً یجب الحکم باسلامہ ج ۳ ص ۴۴۵ بنابراں روایات کے دیکھنا چاہیے کہ اظہار رضا و رغبت طائعاً ہے یا اب بھی اس کو وہی خوف ہے کہ اگر ایسا نہ کروں گی تو مجھ کو مار ڈالیں گے اور اس کے گمان میں یہ ہے کہ یہ ایسا کر سکتے ہیں جواب اس کی تحقیق پر موقوف ہے۔

جواب تنقیح:۔ اس عورت مذکورۂ بالا سے جو دریافت کیا گیا کہ مسلمان ہوگئی ہے تو اس نے نہایت خوشی سے مسلمان ہونے کا اظہار کیا اور جب جدا گانہ پوچھا گیا ہے کہ تجھ کو پھر اسی پہلے دین کی طرف رغبت محبت ہے اس دین میں جانا چاہتی ہے؟ تو اس سے بالکل انکار کرتی ہے،

اور اسلام لانے پر خوش ہے اور کسی قسم کا خوف نہیں ظاہر کرتی ہے اور جانتی ہے کہ میں ذی اختیار ہوں اگر پہلے دین کو اختیار کروں تو مجھ کو کوئی شے مانع نہیں ہے بینوا توجروا۔

الجواب: قال قاضیخان فی فتاواہ (ص ۴۱۶ ج ۳) من باب الاکراہ: واذا اجبر الکافر علی الاسلام فاسلم صح اسلامہ فان ارتد بعد ذلک یجبر علی الاسلام ولا یقتل اھ۔

صورت مسئولہ میں اس عورت مشرکہ کا اسلام معتبر ہوگیا اب اس کو مسلمان ہی سمجھنا چاہئے اور اگر اس کا شوہر کا فرزندہ ہے تو وقت اسلام سے تین حیض گذر جانے کے بعد اس کا نکاح مسلمان مرد سے ہوسکتا ہے تین حیض گذرنے سے پہلے نکاح درست نہ ہوگا، واللہ اعلم۔ ۱۹ ذیقعدہ ۴۲ھ

مشرک سے اس کی نابالغ لڑکی خریدنے سے اس کا مالک نہ ہونا۔ اور بحالت نابالغی اس سے نکاح کا حکم

سوال (۱۱) اگر کسی نے مشرکہ لڑکی کو اس کے ماں باپ سے جو مشرک ہیں خرید لیا اور وہ لڑکی نابالغہ ہے اگر اس نے اس کو مسلمان کر لیا اور بعض ضرورتوں کی وجہ سے دو گواہوں کے سامنے اس سے نکاح اس طرح کیا کہ دو گواہ جانتے ہیں۔ اور کوئی نہیں جانتا تو یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ یہ نکاح لڑکی کے عدم بلوغ میں ہوا ہے۔

الجواب: قال الشامی فی النہر عن منیۃ المفتی اذا باع الحربی ھناک ولدہ عن مسلم عن الامام انہ لا یجوز ولا یجبر علی الرد وعن ابی یوسف یجبر علی الرد اذا خاصم الحربی اھ (ص ۲۷۶ ج ۳)۔

صورت مسئولہ میں یہ نکاح درست نہیں ہوا کیونکہ یہ شخص اس لڑکی کے خریدنے سے اس کا مالک نہیں ہوا اور یہ اُس کا ولی بھی نہیں جو نابالغی کی حالت میں اُس کا نکاح کر سکے پس بعد بلوغ کے اس لڑکی کی رضا سے نکاح کرنا چاہئے قلت وفی بعض الروایات انہ یملک لو کان اھل الحرب یرون جواز ھذا البیع فعلی ھذا ایضاً لم یصح النکاح لکونہ من سیدھا ونکاح الامۃ من سیدھا لا یجوز والروایۃ المشار الیھا ذکرھا العلامۃ عبد الحی فی فتاواہ عن البزازیۃ بلفظ والصحیح ان کان البائع یری جواز بیعہ ملکہ مطلقاً وان کان لا یری ان اشتراہ وذھب بہ مکرھا ملکہ بالقھر اھ (ص ۱۰۲ ج ۱) والظاھر من حال الکناسین ...... والکافرین من اھل الھند انھم یرون ذلک جائزاً الشیوعۃ

فیما بینھم من غیر نکیر ولکن لا افتی بجواز الاستمتاع بھذا الملك لاختلاف الروایات فی الباب، واللہ اعلم۔ ۲۰ محرم ۴۵ھ۔

حکم نکاح سُنیہ با رافضی

سوال (۱۲) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس معاملہ میں جس کی کیفیت ذیل میں درج ہے :۔

زید کا آبائی مذہب شیعہ تھا اس کے بہن کی شادی ایک سنت جماعت سے ہوئی کچھ عرصہ کے بعد زید مع اپنے باپ کے اس مقام پر چلا آیا جہاں اس کی بہن تھی اور علیحدہ رہ کر کاروبار کرنے لگا زید کا باپ فوت ہو گیا اور اس نے کچھ عرصہ کے بعد بخوشی خود مذہب اہل سنت وجماعت اختیار کر لیا وہ بے پڑھا اور نہایت سادہ لوح آدمی تھا کسی قسم کا مذہبی تعصب نہ تھا نہ کوئی مذہبی واقفیت تھی البتہ جب سے وہ شریک اہل سنت وجماعت ہوا نماز عیدین میں برابر سنت جماعتوں میں شریک ہوتا تھا اور جملہ رسومات اہل سنت وجماعت ادا کرتا تھا اس کی شادی بھی سنت جماعتوں میں ہوئی اور اس کی زوجہ کا مذہب سنت جماعت ہے زید کی ایک لڑکی ہوئی جس کی شادی ایک درمیانی شخص نے یہ خیال کر کے کہ اس کا گھرانہ شیعہ رہا ہے ایک شیعہ گھرانے میں طے کی جس کو زید نے اپنی بے تعصبی سے منظور کر لیا لڑکی کی عمر اس وقت آٹھ یا نو سال کی تھی اور وہ اپنی ماں باپ کے موجودہ مذہب پر یعنی سنت جماعت پر تھی نکاح کے وقت کسی قاضی عالم نے نکاح نہیں پڑھایا نہ ایجاب وقبول کرایا گیا نہ کوئی گواہ نہ وکیل لڑکی کی طرف کا ہے (یہ بات یقینی ہے کہ زید نے اجازت دے دی ہوگی ورنہ ازدواج ہو ہی نہیں سکتا تھا لیکن اجازت دینے کا بھی کوئی گواہ لڑکی کی طرف والوں میں نہیں پایا جاتا جس کے لڑکے کے ساتھ نسبت ہوئی سُنا جاتا ہے کہ اس کے چچا نے اپنی طریقہ پر صیغہ پڑھ لیا تھا اور یہ ازدواج کی رسم ختم ہو کر کھانے کے بعد بارات رخصت ہو گئی لڑکی کی رخصت بوجہ نابالغی نہیں ہوئی چار سال بعد لڑکی کی رخصت ہوئی اور وہ پندرہ روز اپنے سُسرال میں رہ کر واپس آئی اس وقت کوئی بات خلاف نہیں ہوئی آٹھ ماہ کے بعد وہ پھر سُسرال گئی اور چار ماہ وہاں رہی اسی عرصہ میں عشرہ محرم پڑا اس گھرانے کی عورتوں نے اپنی رسم کے موافق چوڑیاں توڑیں اور سینہ کوٹ کوٹ کر ماتم کیا اس کو بھی ایسا ہی کرنے کا حکم کیا گیا چونکہ یہ سنت جماعت تھی اور بچپن سے اس کی عادتیں تھیں نہیں اس نے انکار کیا انکار پڑے اس کو مار پڑی اور زبردستی چوڑیاں توڑ دی گئیں اور ماتم کرنے اور رونے پر مجبور کی گئی اور بھی رسوم ان لوگوں نے کیں جس کو اعمال کہتے ہیں جو بناء فساد درمیان شیعہ وسنت جماعتوں کے ہے اس کے علاوہ بھی معمولی روزمرہ کے برتاؤ میں طرح طرح کی تکلیفیں دی گئیں

لڑکی کو یہ باتیں شاق گذریں مگر مجبور تھی چار ماہ بعد وہ لوگ رخصت نہیں کرتے تھے لیکن کسی طرح ہزار کوشش رخصت کرائی جاکر اپنے ماں باپ کے گھر آئی اور سب حال بیان کیا اور کہا کہ میں اب اُس گھر جانا نہیں چاہتی کسی طرح میرا وہاں سے پیچھا چھوڑا یا جاوے مجھے سخت تکلیف دی جاتی ہے اور مجھے یہاں تک خیال ہے کہ اگر اب میں وہاں گئی تو پھر واپس نہ آؤں گی اس پر زید نے قصد کرلیا کہ وہ لڑکی کو وہاں نہ بھیجے گا اور خلع کرائے گا لیکن چند روز بعد زید بقضاء الٰہی فوت ہوگیا اس کی زوجہ لڑکی کو رخصت نہیں کرتی اور نہ وہ لڑکی کسی طرح جانے کو راضی ہے اب لڑکی کے سسرال والوں نے عدالت سے رخصت کرادئے جانے کا دعویٰ کیا۔ لڑکی کہتی ہے کہ میں نابالغ تھی مجھے خبر نہیں کہ میرا نکاح کیسے سے ہوگیا مجھ سے کسی نے کچھ نہیں کہا نہ تعداد مہر کی معلوم ہیں کہ کیا باندھا گیا چونکہ اب میں بالغ ہوں میں ایسے جگہ ہرگز جانا نہیں چاہتی جہاں مجھ سے وہ رسوم کرائی جائیں جو میں نے کبھی نہیں کیں اور ہر طرح کی تکلیف دی جاوے اور بزرگان دین کو بُرا بھلا خود کہا جاوے اور مجھ سے کہلوایا جاوے۔ میں اب اگر وہاں جاؤں گی تو پھر واپس نہیں آسکتی میرا خلع کرالیا جاوے، اب شرع شریف اس بارہ میں کیا حکم دیتی ہے کہ آیا باوجود اس کے کہ لڑکی کا صیغہ نابالغی میں پڑھا گیا ایجاب وقبول نہیں کرایا گیا تعداد مہر معلوم نہیں۔ نکاح اہل سنت وجماعت کے طریق پر نہیں ہوا جو کہ لڑکی اور اوس کے والدین کا مذہب ہے اس کو ہر طرح تکلیف دی جاتی ہے اپنے مرضی اور عقائد کے خلاف باتیں کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں بھی کیا اوس کو خلع نہیں مل سکتا اور وہ جبراً سسرال بھیجے جانے پر مجبور کی جاسکتی ہے اگر وہ وہاں گئی تو پھر اون لوگوں کے اختیار میں ہوگی وہ جیسا چاہیں اس کے ساتھ برتاؤ کریں کوئی اسکی طرف سے فریاد کرنیوالا نہیں۔ اس کی ماں بیوہ اور لڑکی کے سسرال علاقہ انگریزی میں ہے اور اس کی ماں ریاست میں رہتی ہے جواب تحریر فرماکر عنداللہ ماجور و عندالناس مشکور ہوں فقط۔

الجواب: روافض کے متعلق علماء سنت وجماعت کے دو قول ہیں بعض محققین کے نزدیک رافضی کافر ہیں پس اُن کے قول پر کسی سنی عورت کا نکاح رافضی مرد سے درست نہیں ہوسکتا نعم یجوز نکاح الرافضة بالرجل السنی لکونها کتابیة قال فی التحریر المختار وجعل الرملی فی حاشیة المنح المعتزلة والرافضی بمنزلة اهل الکتاب حیث قال تحت قوله وصح نکاح کتابیة، اقول یدخل فی هذا الرافضة بانواعها والمعتزلة فلا یجوز ان تتزوج المسلمة السنیة

من الرافضی لانہا مسلمۃ وھو کافر فدخل تحت قولہم لا یصح تزوج مسلمۃ بکافر اھ وقال الرستغفنی لا تجوز مناکحۃ بین اھل السنۃ والاعتزال اھ فالرافضۃ مثلہم او اقبح والرملی جعلہم من قبیل اھل الکتاب فیجوز نکاح نساءھم ولا یزوجون ولعلہ اعدل الاقوال لانہ لا شک فی کفر الرافضۃ اھ سندی (ص ۱۸۳ ج ۱) اس قول کی بنا پر دختر زید کا نکاح رافضی مرد سے درست ہی نہیں ہوا اور وہ بدون طلاق و نکاح کے دوسرے مرد سُنّی سے نکاح کر سکتی ہے لیکن وطی بالشبہ کی وجہ سے اس کے ذمہ عدت ہوگی اور دخول کی وجہ مہر مثل بھی بطور عقر کے مستحق ہوگی۔ اور محققین حنفیہ کی ایک جماعت رافضیوں کو اطلاق کے ساتھ کافر نہیں کہتی بلکہ وہ تفصیل کرتے ہیں کہ اگر رافضی قاذف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہو یعنی نعوذ باللہ ان پر تہمت زنا لگاتا ہو یا قرآن میں تحریف و کمی بیشی کا قائل ہو تو کافر ہے اس کے ساتھ سُنّیہ کا نکاح باطل ہے اور دخول کے بعد عدت و مہر کا وہی حکم ہے جو اوپر گذرا اور اگر قاذف عائشہ رضؓ نہیں۔ اور نہ تحریف قرآن کا قائل ہے اور اس کے علاوہ اور بھی کوئی عقیدہ کفریہ نہیں رکھتا تو کافر نہیں بلکہ فاسق ہے اس کے ساتھ سُنّیہ کا نکاح بعض صورتوں میں درست ہو جاتا ہے مثلاً جب باپ دادا نے اپنی لڑکی سُنّیہ کا نکاح بلوغ سے پہلے کر دیا ہو مگر جس طرح ہو سکے سُنّیہ کو طلاق یا خلع کر کے اس مرد سے علیحدگی اختیار کر لینی چاہئے کیونکہ اُس کے پاس رہنے میں اس کے دین اور مذہب پر اندیشہ ہے پس صورت مسئولہ میں اگر دختر زید کا رافضی شوہر حضرت عائشہ رضؓ کو متہم کرتا ہے اور قرآن میں تحریف کا یا کسی اور عقیدہ کفریہ کا قائل ہے تو وہ کافر ہے اوس سے دختر زید کا نکاح صحیح نہیں ہوا اور اگر وہ اس عقیدہ کا نہیں۔ تو نکاح صحیح ہو گیا۔ لیکن حاکم کو چاہئے کہ خلع وغیرہ کرا کر اس عورت کو رافضی مرد سے طلاق دلا کر الگ کر دے ورنہ عورت کو چاہئے کہ جہاں تک قدرت ہو اوس سے اپنے کو بچاوے قال الشامی نعم لا شک فی تکفیر من قذف السیدۃ عائشۃ او انکر صحبۃ الصدیق او اعتقد الالوھیۃ فی علی او ان جبرئیل غلط فی الوحی او نحو ذلک اھ (ص ۴۵۳ ج ۳)۔

۲۵ محرم ۴۵ھ۔

اس عورت سے جواز نکاح کا حکم جو زوج اول سے اپنا مطلقہ ہونا بیان کرتی ہو

سوال (۱۳) جناب در بارہ مسئلہ ذیل کیا فرماتے ہیں۔ ایک عورت میرے یہاں دو سال سے ملازم ہے جو کہ جوان ہے

اور میں اپنے ایک ملازم سے اس کا نکاح کر دینا چاہتا ہوں کیونکہ اندیشہ ہے کہ وہ بدچلن نہ ہو جاوے لیکن اس میں صورتیں یہ پیدا ہو گئی ہیں اول یہ کہ مسماۃ کہتی ہے کہ اس کا طلاق ہو چکا ہے اور اس کے شوہر نے بذریعہ خط کلکتہ سے اپنے ماں باپ کو لکھا ہے کہ اس کو گھر سے نکال دو ہم سے اور اس سے اب کوئی واسطہ نہیں مگر اس خط کے جواب پر اس کے باپ نے یہ لکھا کہ ہم کس طرح سے نکال دیں کیا تم اس کو طلاق دیتے ہو؟ اس دوسرے خط کے جواب میں اس نے یہ لکھا کہ ہم اس کو طلاق دیتے ہیں تم گھر سے نکال دو اور اس گاؤں میں اس کو کہیں مت رہنے دو بڑی بدنامی ہوگی اور وہ دوسری عورت کو اپنے ساتھ کلکتہ لے گیا میں نے اس طلاق کی تحقیق میں بیحد کوشش کی جس کا نتیجہ حسب ذیل ہے:

(۱) جو عورت اس کو اپنے ہمراہ اس کے سسرال سے لائی اس کا بیان یہ ہے کہ اگر اس کا نکاح زید سے نہ ہوا اور کہیں دوسرے سے ہو تو میں کہہ سکتی ہوں کہ طلاق ہو گیا ہے۔

(۲) اس کا جیٹھ میرے پاس خود بغرض ملازمت آیا تھا اس سے میں نے طلاق کے متعلق دریافت کیا۔ اس نے یہ ظاہر کیا کہ کسی مہاجن کا کچھ روپیہ قرضہ ہے۔ اگر مسماۃ اس کو ادا کر دے تو میں لکھ دوں گا کہ طلاق ہو گیا ہے۔

(۳) ایک مسلمان مسماۃ مذکورہ کے گاؤں کا رشتہ دار کہا جاتا ہے اس نے میرے روبرو بدریافت حال طلاق بیان کیا کہ طلاق ہو گیا ہے۔ میں اس کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ میں نے اس سے اس طریقہ سے سوال کیا تھا کہ یہ شرع کا معاملہ ہے سچ سچ بتانا جھوٹ نہ بولنا اور نہ کسی کی طرفداری کرنا ورنہ تم پر گناہ ہوگا تب اس پر اس نے کہا کہ طلاق ہو گیا ہے۔

(۴) میں نے ایک شخص خاص کو (اور وہ میرا دوست ہے) بدریافت طلاق مسماۃ کی سسرال اپنے خرچہ سے بھیجا کہ وہ اس کے ماں باپ اور خاص قرابت داروں سے دریافت کرے کہ آیا مسماۃ مذکورہ کو اس کے شوہر نے (جو اب تک سنا جاتا ہے کہ کلکتہ میں ہے اور دوسری عورت اس کے پاس ہے) طلاق دیا ہے یا نہیں اس نے آکر یہ بیان کیا کہ اس کا جیٹھ یہ کہتا ہے کہ مسماۃ یہاں آکر رہے ہم اس کا نکاح اس کے شوہر سے طلاق دلا کر جس کو وہ پسند کرے کر دیں گے۔ لیکن اس کے خسر نے یہ کہا کہ ہم اس کو نہیں رکھیں گے تم اگر خرچ دے سکتے ہو تو بلا کر کے رکھو۔

(۵) میں نے ایک خط اس موضع کے تھانہ دار کو اپنی جانب سے بہ دریافت حال طلاق لکھا تھا۔ جس کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ میری جانچ سے یہ معلوم ہوا کہ طلاق نہیں ہوا ہے اور یہ

بھی لکھا ہے کہ اس کے شوہر کا پتہ ٹھیک معلوم نہیں ہے کہیں کلکتہ میں رہتا ہے احمد خان خسر مسماۃ اپنے ساتھ رکھنے کے لئے راضی نہیں ہے لیکن اس کا جیٹھ اپنے گھر میں رکھنا چاہتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ اپنے چھوٹے بھائی سے اس کا نکاح کرا دے ایسی صورت میں طلاق ہوگیا کہ نہیں ؟ اگر طلاق نہیں ہوا تو کونسی صورت اختیار کی جاوے اس سے زیادہ جانچ میرے امکان سے باہر ہے۔ اگر مسماۃ کو قسم دی جائے اور وہ حلفیہ بیان کرے کہ طلاق ہوگیا ذریعہ تحریر کے تو وہ طلاق از روئے شرع درست ہے یا نہیں ؟ ایسی صورت میں مرد کی قسم کا اعتبار کیا جائے گا یا عورت کی؟ بینوا توجروا

تنقیح :۔ یہ عورت دینداری میں کیسی ہے پابند نماز وغیرہ ہے یا نہیں۔ اس کا چال چلن کیسا ہے جھوٹ سچ بولنے میں اس کے متعلق تجربہ کیا ہے ان تنقیحات کے جواب کے بعد حکم بتلایا جائے گا۔ یہ پرچہ بھی واپس کیا جاوے، فقط۔

جواب تنقیح :۔ (۱) عورت نومسلمہ ہے۔ نماز اکثر پڑھتی ہے۔ پوری نماز اس کو نہیں آتی۔ سکھایا جاتا ہے۔ گذشتہ رمضان المبارک کے روزے رکھے تھے۔

(۲) چال بظاہر اچھا ہے۔

(۳) تجربے سے میں اس کو دروغ گو نہیں کہہ سکتا ممکن ہے کہ خانہ داری کے معاملات میں بحیثیت ایک ملازمہ کے کبھی جھوٹ بول دیا ہو (قیاسًا)۔

(۴) عورت پردہ نشین نہیں ہے کام کاج کے لئے بازار وغیرہ جایا کرتی ہے۔ فقط۔

(۵) اگر عورت کے ہاتھ میں قرآن شریف دیکر قسم کھلائی جاوئے گی تو وہ ہرگز جھوٹ قسم نہ کھائیگی۔

الجواب : اگر یہ عورت قسم کھا کر کہے کہ مجھ کو میرے شوہر نے طلاق دے دی ہے اور عدت گذر چکی اور قلب اس کی بات کو قبول کرے تو اس کا دوسرے شخص سے نکاح کر دینا اور دوسرے شخص کو اس سے نکاح کر لینا جائز ہے جبکہ اس کا دل بھی عورت کی بات کو قبول کرے،

قال فی العالمگیریۃ (ص ۲۱۰ ج ۶) ولو ان امرأۃ قالت لرجل ان زوجی طلقنی ثلاثا وانقضت عدتی فان کانت عدلۃ وسعہ ان یتزوجہا وان کانت فاسقۃ تحری، وعمل بما وقع تحریہ علیہ کذا فی الذخیرۃ اھ قلت: وانما قیدت بشہادۃ القلب لہا لکون عدالتہا فی الصورۃ المسئولۃ مشتبہۃً عندی، واللہ اعلم۔

۲۷ صفر ۴۵ھ۔

اس شرط پر نکاح کا حکم کہ پانچ سال یہاں رہنا ہوگا

سوال (۱۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین بلبلانِ شرع گلزار متین اس مسئلہ میں زید بحالت تجارت اپنے وطن کو چھوڑ کر ایک قصبہ میں مقیم ہوا اور عائشہ سے اس شرط پر نکاح کیا کہ میں یہاں پہ پانچ سال کامل رہوں گا اور ایک مرتبہ زید عائشہ کو اپنے وطن اصلی کو بھی لے گیا تھا پھر زید نے شرط جو پانچ سال اقرار کی تھی پوری کرنے کا انکار کیا اور پھر وہ عائشہ کو اس کے میکے چھوڑ کر اپنے وطن اصلی چلا گیا پھر آکر زید نے عدالت میں عائشہ کو قبضہ لینے کا دعویٰ کیا یہ نکاح ثابت رہا یا نہیں جو شرط سے انکار ہے تو ضرور آپ مفصل طور سے کتبہائے معتبرہ سے جواب تحریر فرمادیں؟ عنداللہ ماجور و عندالناس مشکور رہوں۔

الجواب: قال فی الدر والنکاح لا یصح تعلیقہ بالشرط کتزوجتک ان رضی ابی لم ینعقد النکاح لتعلیقہ بالخطر کما فی العمادیۃ

قال الشامی حیث قال لا یصح تعلیق النکاح بالشرط مثلاً ان یقول لبنتہ ان دخلت الدار زوجتک فلانا وقال فلان قبلت فان التعلیق لا یصح و ان صح النکاح ولعلہ اشتبہ علیہ النکاح المعلق علی شرط بالنکاح المشروط معہ شرط فاسد وبینہما فرق واضح شرنبلالیۃ ای فان الاول یبطل راساً و اساساً والثانی یصح ویلغو الشرط

صورت مسئولہ میں اگر ایجاب و قبول کے ساتھ یوں کہا گیا تھا کہ اگر تو پانچ سال یہاں رہے تو فلاں عورت کا تجھ سے نکاح ہے ورنہ نہیں اس کا حکم اور ہے اور اگر ایجاب و قبول کے ساتھ یوں نہیں کہا گیا بلکہ پانچ سال رہنے کی شرط ایجاب و قبول سے پہلے طے کرلی گئی یا بعد میں کہا گیا تو حکم اور ہے سائل کو بتلانا چاہئے کہ ان دونوں میں سے کونسی صورت واقع ہوئی ہے۔ فقط۔ ۸ رج ۲ سنہ ۴۳ھ۔

طلاق مغلظہ کے بعد بغیر حلالہ نکاح ثانی اور ان ایام میں عورت کے نفقہ کا حکم

سوال (۱۵) ۸۶ کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو طلاق دی معہ تین طلاق کے جس کے گواہ موجود ہیں پھر دوبارہ بزور نکاح ثانی کرنے پر زید سے کہا گیا زید نکاح ثانی پر راضی نہ ہوا لیکن زید کو کہا گیا اور سمجھایا گیا کہ نکاح ثانی ہوسکتا ہے از روئے فتویٰ کے ان کہنے پر زید نے نکاح ثانی کرلیا بعد نکاح ثانی کے زید نے فتویٰ دریافت کیا فتویٰ ناجائز ٹھہرا جب ثبوت فتویٰ ناجائز کا ٹھہرا تو زید نے اپنے زوجہ ہندہ کو چھوڑ دیا اب والد ہندہ

نے زید پر مقدمہ دائر کیا ہے کہ میری لڑکی ہندہ کو دس ماہ سے خرچ خانہ داری نہیں دیتا ہے اور اس مقدمہ میں ایک طرفہ ڈگری حاصل کر لیا ہے نمبر وار جواب ارسال فرماویں طلاق کہ طلاق ہوئی یا نہیں نکاح ثانی جائز ہوا یا نہیں خرچ خانہ داری عائد ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مسئولہ میں چونکہ نکاح ثانی بدون حلالہ ہوا ہے اس لئے درست نہیں ہوا ہندہ پر تین طلاق ہو چکی ہیں جیسا کہ سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ زید نے اپنی زوجہ کو طلاق دیا مع تین طلاق کے۔ اور جب نکاح ثانی درست نہیں ہوا تو زید پر ایام نکاح ثانی کا نفقہ بھی لازم نہیں ہوا البتہ عورت پر زید سے علیحدگی کے بعد اس نکاح ثانی کی وجہ سے بھی عدت لازم ہو گئی اگر ہمبستری ہوئی ہو، لکون الوطی فیہ بشبھۃ۔ قال فی الدر فتجب للزوجۃ بنکاح صحیح فلو بان فساد او بطلانہ رجع بما اخذتہ من النفقۃ بحر اھ قال الشامی فلا نفقۃ علی مسلم فی نکاح فاسد لانعدام سبب الوجوب وھو حق الحبس الثابت للزوج علیھا بالنکاح وکذا فی عدتہ لان حق الحبس وان ثبت لکنہ لم یثبت بالنکاح بل لتحصین الماء اھ (ص ۱۰۶۰ ج ۲) اس سے معلوم ہوا مدت نکاح ثانی کا نفقہ زید پر تو واجب ہے ہی نہیں بلکہ اگر اس نے اس مدت میں ہندہ کو کچھ نفقہ دیا ہو تو اس کو ہندہ سے واپس لے سکتا ہے، واللہ اعلم۔

۸ رجمادی الاخری ۴۳ھ۔

> نکاح نو مسلمہ محصنہ جو اسلامی ریاست میں بردہ ہو کر آئے تو یہ تباین دارین موجب بینونت ہے یا نہیں

سوال (۱۶) کافرہ عورت کے متعلق مسئلہ ہے کہ کافرہ عورت ہو اور کافر کے ملک میں مسلمان ہو کر نکاح کرے تو چھ ماہ تک اس کو مسلمان ہونے کے بعد نکاح کرنا چاہیے جب جائز ہو گا اگر اس عورت کو مسلمان کرنے پر تین ماہ کے بعد کسی اسلامی سلطنت میں لے جا کر نکاح کیا جاوے تو درست ہو گا یا نہیں؟

الجواب: کافرہ عورت اگر خاوند والی ہو تو اس کے لئے حکم یہ ہے کہ دار الحرب میں جب تک اس کو تین حیض نہ آئیں گے اس وقت تک اس کا نکاح کافر شوہر سے نہیں ٹوٹتا تین حیض آنے کے بعد دونوں میں فرقت ہو گی چھ مہینے کی قید نہیں بلکہ تین حیض کا آنا ضروری ہے چاہے تین ماہ میں آئیں یا سال بھر میں قال فی الدر ولو اسلم احدھما ثمۃ ای فی دار الحرب لم تبن حتی تحیض ثلاثا او تمضی ثلاثۃ اشھر (ای ان کانت لا تحیض لصغر او کبر کما فی البحر اھ ش) (ص ۶۴۰ ج ۲) رہا یہ کہ اس کو اسلامی

سلطنت میں لے جاکر نکاح کیا جاوے سو اس کی چند صورتیں ہیں :-

۱۔ یہ کہ اسلامی سلطنت میں اُس کو اسلام لانے سے پہلے جبراً لے جایا جائے اُس کی خوشی کے ساتھ نہ لے جایا جائے اس صورت میں اسلامی سلطنت میں پہونچتے ہی اس کے ساتھ نکاح درست ہے بشرطیکہ حاملہ نہو۔ لکونہا فی ھذہ الصورۃ کالاسیرۃ اخرجت من دار الحرب الی دار الاسلام فبطل النکاح بینہما للتباین الدارین۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اُس کو اسلام کے بعد یا اسلام سے پہلے اسلامی سلطنت میں خوشی کے ساتھ لے جایا جائے مگر ارادہ یہ ہو کہ اسلامی سلطنت ہی میں رہیں گے یعنی وہاں توطن کا ارادہ ہو جس کے لئے کم ازکم ایک سال کے قیام کا ارادہ شرط ہے اس صورت میں بھی وہاں پہونچکر فوراً نکاح درست ہے بشرطیکہ حاملہ نہو لان التوطن یبطل الوطن الاول فتتباین الداران فبطل النکاح، والحربی لا یمکن ان یقیم بدارالاسلام سنۃ کاملۃ واذا تم الحول ضرب علیہ الجزیۃ وصار ذمیا۔ باقی محض دو چار روز کے واسطے اسلامی سلطنت میں لے جانا مفید نہیں اور اس سے نکاح بالکافر باطل نہ ہوگا لکونہا مستأمنۃ وبالاستیمان لا یبطل الدار فلم یوجد تباین الدارین قال فی الدر: والمراد تبین تباین الدارین حقیقۃ وحکما (المراد بتباین الدارین حقیقۃ تباعدھما شخصاً وبالحکم ان لا یکون فی الدار التی دخلہا علی سبیل الرجوع بل علی سبیل القرار والسکنیٰ حتی لو دخل الحربی دارنا بامان لم تبن زوجتہ لانہ فی دارہ حکما الا اذا قبل الذمۃ اھ ش) قال فی الدر ومن ھاجرت الینا مسلمۃ او ذمیۃ حاملا بانت بلا عدۃ فیحل تزوجہا (قال الشامی المہاجرۃ التارکۃ دار الحرب الی دار الاسلام علی عزم عدم العود وذلک بان تخرج مسلمۃ او ذمیۃ او صارت کذلک اھ) قال فی الدر او اخرج مسبیا وادخل فی دارنا (افاد انہ لا یتحقق التباین بمجرد السبی بل لا بد من الاحراز بدارنا بدائع ۱۲ ش) اھ (ص ۶۴۱ و ۶۴۲ ج ۲) وبالجملۃ فالدخول بدار الاسلام بالامان لا یکفی للتباین بل لا بد من الادخال مسبیۃ او دخولہا مہاجرۃ، واللہ اعلم۔

۲۵ رذیحجہ ۴۴ھ۔

زنا سے نکاح نہیں ٹوٹتا

سوال (۱۷) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ زید کی منکوحہ ہندہ نا اتفاقی سے یا اور کسی وجہ سے بکر کے پاس چلی گئی دو چار سال بکر کے گھر میں بطور عورت کے رہی بلکہ ایک بچہ بھی بکر کے نطفہ حرام سے پیدا ہوا مگر زید نے طلاق نہیں دیا بعد مدت مذکورہ بالا کے زید نے سرکار کے ذریعہ سے یا اور کسی وجہ سے اپنی منکوحہ ہندہ کو اپنے گھر لایا اس صورت میں زید و ہندہ کا باہم پہلا نکاح کافی ہے یا کہ نکاح ثانی کرنا ہوگا یا طلاق ہوگئی؟

الجواب: زید کا نکاح باقی ہے دوبارہ نکاح کی حاجت نہیں البتہ زید کے لئے مستحب ہے کہ جب سے ہندہ نے بکر سے علیحدگی کی ہے اس وقت کے بعد حیض آنے کا انتظار کرے حیض کے قبل صحبت نہ کرے لما فی رد المختار (قوله والمزنی بها لاتحرم علی زوجها) فله وطیها بلا استبراء عندهما وقال محمد رح لا احب له ان یطأها مالم یستبرأها کما مر فی فصل المحرمات وقال الشامی تحت قول الدر (لا یقرب بها زوجها) ای یحرم علیه وطیها حتی تحیض وتطهر کما صرح به شارح الوهبانیة و هذا یمنع من حمله علی قول محمد رح لانه یقول بالاستحباب کذا قاله المصنف فی المنح فی فصل المحرمات، اور بچہ زید کو ملے گا خواہ زید اس کے نسب کا انکار کرے خواہ اقرار کرے، قال الشامی تحت (قوله علی اربع مراتب) قوی و هو فراش المنکوحة ومعتدة الرجعی فانه فیه لاینتفی الا باللعان (ص۱۳۷ ج۲)۔ وفی البدائع (شرط وجوب اللعان وجوازه) والثانی عفتها عن الزنا فان لم تکن عفیفة لایجب اللعان بقذفها الخ (ص۲۴۱ ج۳) وفیه ایضا ص۲۴۶ وعلی هذا قلنا ان القذف اذا لم ینعقد موجبا للعان او سقط بعد الوجوب اوجب الحد اولم یجب اولم یسقط لکنهما لم یتلاعنا بعد لاینقطع نسب الولد وکذا اذا نفی نسب ولد حرة فصدقته لاینقطع نسبه لتعذر اللعان اھ ۔ عبدالکریم عفی عنہ۔ ۵ ذیقعدہ ۴۳ھ۔

اجوبۃ صحیحۃ۔

ظفر احمد عفا عنہ۔ ۵ ذی القعدہ ۴۳ھ۔

مطلقہ ثلاث نے مرتد ہو کر کافر سے نکاح کر لیا بعد دخول کے زوج ثانی نے طلاق دی تو کیا مسلمان ہونیکے بعد وہ زوج اول کیلئے حلال ہوئی یا اب بھی حلالہ کی ضرورت ہے

سوال (۱۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ

کافرہ مسلمہ ہوکر کسی مسلم سے نکاح کیا دس برس تک اس کے ساتھ رہی بعد اس کے اس کے زوج نے تین طلاق دے دی پھر وہ عورت مرتد ہوگئی اور کسی کافر سے نکاح کرلیا اور اس نے دخول بھی کیا بعد ازاں اس نے بھی طلاق دیکر جدا کر دیا اب وہ عورت مسلمان ہوگئی اور زوج اول سے نکاح کرنا چاہتی ہے کیا یہ نکاح درست ہے یا کسی مسلم سے حلالہ کرنے کی ضرورت ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب: قال فی الدر لا ینکح مطلقة بها ای بالثلث لو حرة و ثنتین لو امة حتی یطأها غیرها ولو الغیر مراهقاً یجامع مثله او خصیاً او مجنوناً او ذمیاً الذمیة (ای ولو کان التحلیل لاجل زوجها المسلم کما فی البحر ۱۲ شامی) بنکاح نافذ خرج الفاسد والموقوف اھ۔

اگر اس عورت نے بعد ارتداد کے کسی کافر سے باقاعدہ نکاح کرلیا تھا (گو قاعدہ کفار ہی کے موافق ہو) اور کافر زوج نے اس سے دخول کر لیا تھا تو بعد اسلام عورت کا زوج اول اس سے نکاح کرسکتا ہے اور اب تحلیل کی ضرورت نہیں زوج کافر کی تحلیل کافی ہوگئی، لکونه کذمی لذمیة، واللہ اعلم۔ ۲۸ رجب ۴۵ھ۔

حکم نکاح بالکتابت

سوال (۱۹) اگر مرد و عورت سے برضامندی یہ تحریر لکھوائے کہ تو میرا خاوند ہے یا مجھ کو تجھ سے نکاح منظور ہے پھر مرد اس تحریر کو دو آدمیوں کو دکھادے تو کیا نکاح ہو جائے گا جبکہ دونوں آپس میں رضامند ہوں اور رضامندی سے تحریر لکھوائی گئی ہو اور اس صورت میں کیا عورت کو اپنا نام یا پورا پتہ تحریر مذکورہ میں لکھنا چاہئے یا یونہی فقط خالی دستخطی تحریر سے نکاح ہو جائے گا جو کچھ شرع شریف میں حکم ہو بہت جلد جواب دیں؟

الجواب: اس صورت میں نکاح درست نہوگا اور اگر نام اور پورا پتہ بھی لکھا ہوا ہو جب بھی محض تحریر دکھانے سے نکاح درست نہوگا جب تک مرد یہ بیان نکرے کہ فلاں عورت نے جو فلاں کی بیٹی ہے میرے پاس یہ خط لکھا ہے جس میں وہ مجھ سے نکاح کو منظور کرتی ہے میں بھی اس نکاح کو قبول کرتا ہوں اور یہ بیان دو گواہوں کے سامنے ہو اور ان کے سامنے عورت کا پتہ اس طرح بیان کیا جائے جس سے وہ ممتاز ہو جائے صرح به فی الدر و الشامی (ص ۵۴۵ ج ۲) والخلاصہ ص ۳۴۸ ج ۲ واللہ اعلم۔ ۱۷ شعبان ۴۵ھ۔

رافضی مرد کے ساتھ سنی لڑکی کا نکاح اور اس کی بعض صورتوں کی تفصیل

سوال (۲۰) کیا فرماتے ہیں علماء دین متین اس لڑکی کے بارے میں جس کا خاوند تبرائی شیعہ ہو گیا اور اصحاب کبار کو برائی اور بدزبانی سے یاد کرتا ہے۔ حتی کہ جانوروں کے نام انہی کے نام پر رکھ کر ان کو مارنا پیٹنا ثواب سمجھتا ہے وغیرہ وغیرہ تمام افعال شنیعہ رسمیں تبرائی شیعوں کے پائے جاتے ہیں لڑکی حنفی مذہب کو چھوڑنا نہیں چاہتی۔ جس کی وجہ سے اس کا خاوند اس کو ایذا پہنچاتا ہے اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ کیا وہ لڑکی از روئے مذہب حنفیہ بغیر طلاق نکاح ثانی کر سکتی ہے یا کہ نہیں تو کیا سبیل اختیار کرے؟ بینوا توجروا۔

جواب کے لئے لفافہ ہمراہ ہے جواب باصواب بمعہ حوالجات تحریر فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

ع۲ تبرائی شیعہ مرد اور تبرائی شیعہ عورت ہر دو میاں بیوی مذہب شیعہ سے تائب ہو کر مذہبی حنفی میں داخل ہوئے۔ کیا ان کا عقد از سر نو پڑھا جاوے گا یا وہی پہلا نکاح کافی ہے؟

ع۳ تبرائی شیعہ عورت جو کہ تبرائی شیعہ مرد کے نکاح میں تھی مذہب شیعہ سے تائب ہو گئی اب وہ تمام کام بموجب مذہب حنفی ادا کر سکتی ہے اس کا خاوند اس کو منع نہیں کرتا ہے لیکن وہ مرد خود تبرائی شیعہ ہی ہے کیا ان کا نکاح فسخ ہو گیا اور وہ عورت دوسری جگہ نکاح کرے یا اسی مرد کے پاس رہے اور گنہگار نہ ہو گی؟

الجواب: نکاح روافض کے متعلق یہ آخری تحقیق ہے اس سے پہلے جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اس سے منسوخ ہے ۱۲ ظفر

شیعوں کے متعلق عدالت کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے مولوی عبد الشکور صاحب رسالہ النجم ع۱ ج۴ میں تحریر فرماتے ہیں۔ ص۱۲ شیعوں کا عقیدہ ہے کہ قرآن میں تحریف ہو گئی یعنی لوگوں نے قرآن سے کچھ آیتیں نکال ڈالیں اور کچھ بڑھا دیں جن میں کفر کی باتیں شامل کر دیں کچھ الفاظ و حروف بدلائے اس کے ثبوت میں حسب ذیل کتب ملاحظہ ہوں:

کتاب احتجاج طبرسی از ص۱۱۹ تا ص۱۳۰، اصول کافی از ص۲۶۱ تا ص۲۷۵، تفسیر قمی ص۷ اھ۔

پھر ص۱۴ میں تحریر فرماتے ہیں ہمارے علماء سابقین کو مذہب شیعہ سے پوری واقفیت نہیں ہو سکی جس کا اصلی سبب یہ تھا کہ شیعہ اپنا مذہب چھپانے کی بیحد کوشش کرتے تھے اسی سبب سے شیعوں کے کفر میں اختلاف رہا لیکن ابکہ شیعوں کا عقیدہ قرآن شریف کے متعلق معلوم ہو گیا جس کے کفر ہونے میں کوئی شک نہیں کر سکتا شیعوں کا خارج از اسلام ہونا قطعی ہے اھ (فی

الدر عن شرح الوهبانية للشرنبلالی مایکون کفرا اتفاقا یبطل العمل و النکاح واولادہ اولاد الزنا وما فیہ خلاف یؤمر بالاستغفار والتوبة وتجدید النکاح اھ (ص ۳۶۲ و ۳۶۳ ج ۳) قال الشامی واولادہ اولاد زنا کذا فی فصول العمادی لکن ذکر فی نور العین ویجدد بینهما النکاح ان رضیت زوجتہ بالعود الیہ والا فلا تجبر والمولود بینهما قبل تجدید النکاح بالوطئ بعد الردة یثبت نسبہ منہ لکن یکون زنا اھ قلت ولعل ثبوت النسب لشبهة الخلاف فانها عند الشافعی لاتبین منہ تامل اھ ص ۳۶۳ ج ۳ قلت وکل وطئ یوجب ثبوت النسب لشبهة مایوجب العدة احتیاطا لاسیما اذا وطیها الزوج ومکنتہ من نفسها ظانین بقاء النکاح بعد الردة کما هو مشاهد من حال الجهلة فی الهند فانهم یتکلمون بالکفریات ولا یرون انفساخ النکاح لاسیما اذا کان الکفر بالرفض فانہ مما یخفی علی کثیر من العلماء و قد خفی علینا مدة ثم رأیتہ صریحا قال فی الدر اخبرت بارتداد زوجها فلها التزوج باٰخر بعد العدة استحسانا اھ ص ۴۶۹ ج ۳، قلت و الاستحسان انما هو فی الاخبار فقط واما اذا علمت منہ الردة بنفسها فلها التزوج باٰخر بعد العدة قیاسا واستحسانا معا لان القیاس فی الاخبار ان لایجوز لها النکاح باٰخر مالم یشهد علی ردتہ رجلان او رجل و امرأتان لکون ردة الرجل یتعلق بها استحقاق القتل ولکن الاصح روایة الاستحسان لان المقصود الاخبار بوقوع الفرقة وهو امر دینی کالاخبار بالطلاق ثلثا لا اثبات الردة اھ شامی هذا هو حکم النکاح المنعقد قبل الردة اما المنعقد بعدها فیما بین الروافض الغیر القدیم رفضهم فحکمہ ما فی الدر ویبطل منہ اتفاقا ما یعتمد الملة وهی خمس: النکاح والذبیحة والصید والشهادة والارث اھ قال الشامی مایعتمد الملة ای مایکون الاعتماد فی صحتہ علی کونہ فاعلہ معتقدا ملة من الملل ط ای والمرتد لاملة لہ اصلا لانہ لایقر علی ماانتقل الیہ ولیس المراد ملة سماویة لئلا یرد النکاح فان نکاح المجوسی والوثنی صحیح ولا ملة لهما سماویة بل

المراد الاعم اھ ص ۳۶۵ ج ۳ قلت ومفاد ھذہ العلة صحة نکاح المرتد
بالمرتدة مثله او بکافرة بعد لحوقه بدار الحرب او اذا کان قد ارتد
هناك لا فی دار الاسلام فانه یقر هناك علی ما انتقل الیه ولا یقتل. اللّٰھم
الا ان یقال انه میت فی حکم الشرع فلا یجوز انکاح لکونه لا ملة له کما
اذا لم یقتله الحاکم فی دار الاسلام تهاونا بالاحکام معاذ اللہ منه قال
فی الدر: ولا یترك المرتد علی ردته باعطاء الجزیة ولا بامان موقت و
لا مؤبد ولا یجوز استرقاقه بعد اللحاق بخلاف المرتدة اھ قال
الشامی ای فانها تسترق بعد اللحاق بدار الحرب وتجبر علی الاسلام
بالضرب والحبس ولا تقتل اھ ص ۳۶۳ ج ۳ قال فی الدر وعن الامام
تسترق ولو فی دار الاسلام ولو افتی به حسما لقصدها السئ لا بأس به
وتکون قنة للزوج بالاستیلاء مجتبی وفی الفتح انها فیئ للمسلمین
فیشتریها من الامام او یهبها له لو مصرفا اھ قال الشامی وفی الفتح قیل
وفی البلاد التی استولی علیها التتار واجروا احکامهم فیها ونفوا المسلمین
کما وقع فی خوارزم وغیرها اذا استولی علیها الزوج بعد الردة ملکها
لانها صارت دار حرب فی الظاهر من غیر حاجة الی ان یشتریها من الامام
اھ قال الشامی وهذا لیس مبنیا علی روایة النوادر لان الاسترقاق وقع
فی دار الحرب لا فی دار الاسلام اھ ص ۳۷۰ ج ۳، ای والمبنی علی روایة النوادر
انما هو الاسترقاق فی دار الاسلام واما النکاح المنعقد بین الروافض
القدیم رفضهم فحکمه یستفاد مما فی الدر ایضاً زوجان ارتدا او لحقا
فولدت المرتدة ولداً وولد له ای لذلك المولود ولد فظهر
علیهم جمیعا فالولدان فیئ کاصلهما والولد الاول یجبر بالضرب علی الاسلام
(ای لا بالقتل بخلاف ابویه فانهما یجبران بالقتل ۱۲) وان حبلت به ثمه
(ای وبالاولی لو حبلت به فی دار الاسلام ووضعته فی دار الحرب ۱۲) لتبعیته
لابویه (فی الاسلام والردة وهما یجبران فکذا هو وان اختلفت
کیفیة الجبر) لا الثانی لعدم تبعیة الجد علی الظاهر (ای ظاهر الروایة)

نحکمہ کحربی۔ (فی انہ یسترق او توضع علیہ الجزیۃ او یقتل واما الجد فیقتل لا محالہ لانہ المرتد بالاصالۃ اویسلم بحر عن الفتح ۱۲ شامی) ص ۳۷۳ ج ۳ ولما کان ولد الولد کالحربی فمفادہ جواز نکاحہ بمثلہ واللہ اعلم۔

بقی الاشکال فی استرقاق المرأۃ الرافضۃ اذا کانت من نسل العرب فان مشرکی العرب لا یسترقون لکن قال فی الدر فی فصل الجزیۃ لا علی وثنی عربی ومرتد فلا یقبل منہما الا الاسلام او السیف لوظہرنا علیہم فنساءہم وصبیانہم فیئ اھ لان ابا بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ استرق نساء بنی حنیفۃ وصبیانہم لما ارتدوا وقسمہم بین الغانمین ہدایۃ اھ ص ۴۱۲ ج ۳ فارتفع الاشکال ثم عاد الاشکال بما فی الشامیۃ عن القہستانی ولا توضع علی المبتدع ولا یسترق وان کان کافراً لکن یباح قتلہ اذا ظہر بدعتہ ولم یرجع عن ذلک وتقبل توبتہ اھ ص ۴۱۵ ج ۳۔ فالجواب عنہ ان المرتد نفسہ لا یسترق وانما یسترق المرتدۃ واولاد المرتد کما مر فلا اشکال، واللہ تعالیٰ اعلم۔

وفی تحریر المختار وجعل الرملی فی حاشیۃ المنح: المعتزلی والرافضی بمنزلۃ اہل الکتاب حیث قال قولہ صح نکاح کتابیۃ اقول یدخل فی ہذا الرافضۃ بانواعہا والمعتزلۃ فلا یجوز ان تتزوج المسلمۃ السنیۃ من الرافضی لانہا مسلمۃ وہو کافر فدخل تحت قولہم لا یصح تزوج مسلمۃ بکافر اھ قال الرستغفنی: لا تصح المناکحۃ بین اہل السنۃ والاعتزال اھ فالرافضۃ مثلہم او اقبح والرملی جعلہم من قبیل اہل الکتاب فیجوز نکاح نساءہم ولا یزوجون ولعلہ اعدل الاقوال لانہ لا یشک فی کفر الرافضۃ اھ، سندی ص ۱۸۳ ج ۱۔

پس خلاصہ اقوال یہ ہوا کہ رافضی سے سنیہ مسلمہ کا نکاح درست نہیں ہوتا خواہ وہ قبل نکاح ہی رافضی ہو تو نکاح اول ہی سے منعقد نہ ہوگا یا بعد نکاح کے رافضی ہوگیا ہو تو نکاح فسخ ہوجائے گا۔ اور دونوں صورتوں میں اگر ہمبستری ہوچکی ہے تو زوجہ پر عدت لازم

ہے اور بعد عدت کے جس سے چاہے نکاح کرسکتی ہے اور ہمبستری نہ ہوچکی ہو تو عدت کی حاجت نہیں۔ لکون الردۃ من الزوج طلاقاً حکماً۔ البتہ اگر ان دونوں سے اولاد پیدا ہوئی ہو تو وہ اولاد حرامی نہ کہلائے گی بلکہ ثابت النسب ہوگی اور وہ اولاد ابوین سے وارث ہوگی لیکن زوجین میں باہم توارث نہ ہوگا لعدم التوارث فی نکاح فاسد ففیما اذا کان الوطء زنا بالاولیٰ البتہ اگر شوہر رافضی بنا اور عورت کی عدت پوری نہ ہوئی تھی کہ وہ مرگیا تو ایک روایت میں عورت وارث ہوگی شامی ص ۴۷۰ ج ۳ ۔

جواب سوال ۲: اگر یہ دونوں مرد وعورت قدیم سے کئی پشت کے رافضی تھے تب تو سُنّی ہونے کے بعد دوبارہ ان کا نکاح کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ معلوم ہوچکا ہے کہ ان کا حکم اہل کتاب کا سا ہے اور کتابی مرد وعورت ساتھ مسلمان ہوجائیں تو تجدید نکاح کی ضرورت نہیں بشرطیکہ دونوں ساتھ مسلمان ہوں آگے پیچھے نہ ہوں ورنہ اگر اتنا فاصلہ ہوا کہ عورت عدت سے فارغ ہوگئی تو تجدید نکاح کی ضرورت ہوگی اور اگر عدت گذرنے سے پہلے دوسرا بھی مسلمان ہوگیا تو نکاح اول باقی ہے شامی ص ۶۴۰ ج ۲ اور اگر یہ دونوں سُنّی تھے پھر رافضی ہوگئے اب پھر سُنّی ہوتے ہیں تو اس کا یہ حکم ہے کہ اگر ساتھ ہی مرتد ہوئے ساتھ ہی مسلمان ہوئے تو نکاح اول باقی ہے اور اگر آگے پیچھے ہوئے تو نکاح کی تجدید لازم ہے گو عدت کے اندر اندر دونوں مسلمان ہوجائیں وبقی النکاح ان ارتدا معاً بان لم یعلم السبق ثم اسلما کذلک[۵] (فان المعیۃ الحقیقیۃ متعذرۃ ۱۲ شامی) وفسد ان اسلم احدھما قبل الآخر اھ ص ۶۴۶ ج ۲۔ ای بان علم السبق۔

جواب سوال سوم: جب رافضی عورت سُنّی ہوجائے اور مرد رافضی رہے تو دونوں کا نکاح فسخ ہوگیا اور یہ عورت بعد عدت کے سُنّی سے نکاح کرسکتی ہے رافضی سے علیحدہ ہوجانا اس پر واجب ہے۔

اب ایک صورت یہ باقی رہی کہ مرد سُنّی ہو اور وہ عورت رافضیہ سے نکاح کرے جس کا رفض جدید نہیں بلکہ آباؤ اجداد سے قدیم ہے اس کا حکم یہ ہے کہ یہ نکاح صحیح ہے اور وہ رافضیہ مثل کتابیہ کے اس کی زوجہ اور اس کی اولاد اس کی وارث ہوگی۔ اور زوجین میں توارث نہ ہوگا غرض سُنّی مرد کا نکاح تو رافضیہ سے صحیح ہے گو مکروہ ہے مگر سُنّیہ عورت کا نکاح رافضی مرد سے نہ ابتداءً صحیح ہے نہ بقاءً۔

ایک صورت یہ رہی کہ مرد وعورت دونوں سُنّی تھے پھر مرد تو سُنّی ہی رہا اور عورت رافضی ہوگئی۔

اس صورت میں نکاح فسخ ہوگیا لیکن اس عورت پر ملک یمین کے ساتھ شوہر قبضہ رکھ سکتا ہے دارالاسلام میں ہو تو امام سے خرید کر یا ہبہ کے طور پر لیکر اور دارالحرب میں ہو تو بدون امام سے پوچھے خود ہی اس پر قبضہ مالکانہ کرسکتا ہے ویجوز لہ الوطی بہا لکونہا کامۃ کتابیۃ کما ھو المفھوم من ما ذکرنا۔

اور اگر سُنّی مرد رافضی ہوگیا اور اس کے ساتھ بیوی بھی رافضی ہوگئی اور رافضی ہی رہے سُنّی نہوئے تو یہ دونوں مرد و عورت تو مرتد ہیں ان کو جبراً سُنّی بنایا جائے گا والا فالسیف ان قدرنا اور ان کی صُلبی اولاد کو بھی ولکنہم لایقتلون البتہ اولاد کی اولاد الی آخرہا پر جبر نہوگا بلکہ وہ سب مثل حربی کے ہیں۔ اور فیٔ ہیں اور یہی احکام فرقۂ قادیانیہ کے ہیں کہ وہ بھی مرتد ہیں اذا استولی احد من المسلمین علی احد منہم کان رقیقاً فی یدہ، واللہ تعالٰی اعلم۔

۲۵ صفر سنہ ۴۶ھ۔

بوقت نکاح غلطی سے دوسری لڑکی کا نام بتاکر نکاح پڑھایا گیا تو الخ

سوال (۲) سوال یہ ہے کہ ایک شخص کے دو لڑکی تھیں ایک کا نام خدیجہ دوسری کا نام زینب۔ اُن دونوں کے باپ نے خدیجہ جو بڑی لڑکی ہے اس کے نکاح کے وقت بھول کرکے زینب جو چھوٹی بیٹی ہے اس کا نام لیکر نکاح پڑھا دیا اور بڑی بیٹی کو نوشہ کے سپرد کردیا اور دولہا اس کو اپنے گھر لے جاکر بود و باش یعنی زن و شوی کر رہا ہے اب مسئول یہ ہے کہ یہ نکاح از روئے شرع شریف جائز ہوگا یا نہ جواب عنایت فرماویں؟

الجواب؛ قال فی الدر غلط وکیلہا بالنکاح فی اسم ابیہا بغیر حضورھا لم یصح للجہالۃ۔ وکذا لو غلط فی اسم ابنتہ الا اذا کانت حاضرۃ واشار الیہا فیصح ولو لہ بنتان اراد تزویج الکبریٰ فغلط فسماھا باسم الصغریٰ صح للصغریٰ، خانیہ اھ ص ۳۷۵ ج ۲ کتاب النکاح۔

صورت مسئولہ میں اگر مسماۃ خدیجہ مجلس نکاح میں حاضر نہ تھی اور اس کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا کہ اس کا نکاح کرتا ہوں تو مسماۃ خدیجہ سے نکاح منعقد نہیں ہوا بلکہ اس مرد کا نکاح مسماۃ زینب سے منعقد ہوگیا ہے پس اب مرد سے مسماۃ زینب کو طلاق دلوادی جائے اور خدیجہ سے اس کا نکاح دوبارہ کردیا جائے اگر ایسا نہوا تو عمر بھر خدیجہ سے زنا ہوگا اور زوجین و اولیائے زوجین سب گنہگار ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

۲۷ رجمادی الاولیٰ سنہ ۴۶ھ۔

بیوہ یا مطلقہ کو اپنے والد کے حکم سے نکاح ثانی فرض ہو جاتا ہے یا نہیں جبکہ عورت نکاح ثانی کو معیوب جانتی ہو

سوال (۲۲) بیوہ یا مطلقہ کو اپنے والد کے حکم سے نکاح ثانی کرنا فرض ہو جاتا ہے یا نہیں، دراں صورت کہ وہ کسی وجہ سے شرعی معذور بھی نہیں اور ایسی صورت میں وہ انکار کرنے سے کافر ہے یا نہیں؟ اور یہ بھی عرض ہے کہ وہ ایسی قوم کی عورت ہے جو رسماً و رواجاً نکاح ثانی کو معیوب اور برا جانتی ہے۔ والسلام۔

الجواب: ماں باپ کے حکم سے ہر کام واجب نہیں ہو جاتا بلکہ اس میں تفصیل ہے جس کے لئے رسالہ "تعدیل حقوق الوالدین" کا مطالعہ مفید ہوگا جو "بہشتی گوہر" کے اخیر میں طبع جدید میں ملحق کیا گیا ہے۔

پس صورت مسئولہ کا جواب یہ ہے کہ اگر بیوہ یا مطلقہ نکاح ثانی کو معیوب سمجھتی ہے تو یہ عقیدہ کفر ہے اس سے اس کو توبہ کرنا اور ایمان کی تجدید فرض ہے اور اگر معیوب نہیں سمجھتی بلکہ پہلے شوہر کی محبت غالب ہے اور وہ اس سے مانع ہے یا بچوں کے ضائع ہونے کا خوف ہے یا اور کوئی وجہ مخفی نکاح سے مانع ہے مثلاً مجامعت سے تکلیف ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ تو اس میں تفصیل ہے اگر اس کو اپنی عفت پر خطرہ نہ ہو خواہش نفسانی غالب نہ ہو صبر سے بیٹھ سکے اور والدین پر اپنے نفقہ کا بار نہ ڈالے یا ان پر بار ڈالے اور وہ خوشی سے برداشت کریں تو اس کو نکاح کرنا واجب نہیں ورنہ واجب ہے بشرطیکہ حقوق نکاح کو ادا کر سکے ورنہ روزہ رکھکر خواہش کو مغلوب کرے اور محنت و مزدوری سے پیٹ پالے اگر والدین اس کا خرچ برداشت نہ کر سکیں وھذہ خلاصۃ الدلائل الحدیثیۃ والفقھیۃ التی ذکرھا الشیخ فی رسالتہ المذکورۃ، واللہ اعلم۔

۱۱ ذیقعدہ سنہ ۴۶ھ۔

جواز نکاح بالکتابت کی ایک صورت

سوال (۲۳) بعد از نیاز و آداب و السلام علیکم کے عرض ہے کہ اگر کوئی عورت بالغہ بیوہ ایجاب اپنے ہاتھ سے اس طرح لکھ کر مرد کو دیدے۔ کہ مسماۃ فلانہ یعنی کاتبہ آپ کا نکاح مسمیٰ فلاں یعنی مکتوب الیہ سے کیا باین قدر مہر۔ پھر مکتوب الیہ وہ ایجاب دو گواہوں کو پڑھ کر سنا وے۔ اور اپنا قبول بھی ان کو سنا دے تو یہ نکاح منعقد ہو جائے گا یا نہ۔ حضرت! بندہ نے علماء سے سنا ہے یا کسی میں دیکھا ہے کہ کتابت بمنزلہ کلام کے ہے جب ایسا ہے تو سامعین کلامہما معاً جو کہ شرط انعقاد نکاح کا ہے متحقق ہو گیا تو چاہئے کہ نکاح بھی متحقق ہو جاوے۔

الجواب؛ ہاں اس طرح نکاح صحیح ہو جاتا ہے جبکہ خط سنا کر اپنا قبول شاہدین کے سامنے بیان کردے۔ وسماع الشاهدين كلام المتعاقدين شرط انعقاد النكاح فلو قرأت الكتاب على الشهود وقالت ان فلانا كتب الیّ يخطبنی فاشهدوا انی قد زوجت نفسی منه صح النكاح اھ وان لم تقرأ الكتاب وقالت قد زوجت نفسی منه بمحضر من الشهود لا ينعقد النكاح فان الشهود لم يسمعوا كلام الزوج كذا فی الخلاصة (ص ۴۸ و ۴۹ ج ۳)۔ ۲۲ محرم ۴۷ھ۔

احکام وطی زوجۂ صغیرہ

سوال (۲۴) ۱ خاوند کو اپنی نابالغہ منکوحہ کے ساتھ جس کو جماع سے تکلیف ہوتی ہو صحبت کرنا درست ہے یا نہیں؟

۲ اگر کسی کی منکوحہ اس قدر کمسن ہو کہ صحبت سے کوئی سخت تکلیف ہو جانے یا جان جانے کا اندیشہ ہو تو خاوند کا اس سے صحبت کرنا جرم ہے یا نہیں اور اگر جرم ہے تو شرعاً اس کے لئے کیا سزا ہے؟

۳ اگر عورت کمسن ہو اور صحبت کرنے سے اس کے بیمار ہو جانے یا مر جانے کا اندیشہ ہو تو نابالغہ خود یا اس کا ولی شوہر کو صحبت سے روک سکتے ہیں یا نہیں؟

۴ بعد نکاح کے کسی نابالغہ عورت کا ولی اس خیال سے کہ اگر وہ اپنے شوہر کے ساتھ رہیگی اور اس سے صحبت کی جائے گی تو اس کو نقصان پہونچے گا خاوند کے گھر بھیجنے سے مانع ہو تو شوہر کوئی مطالبہ کر سکتا ہے یا نہیں اور اس روک رکھنے کی میعاد کیا ہے؟

۵ اگر شوہر جبراً اپنی کمسن منکوحہ کے ساتھ ہم بستر ہوا اور وہ لڑکی مر جاتی یا کسی لاعلاج بیماری میں مبتلا ہو جائے تو شرعاً اس کے شوہر کو کیا سزا دی جائے گی؟

الجواب؛ قال فی الدر المختار وللزوج المطالبة بتسليمها ان تحملت الرجل قال البزازی ولا يعتبر السن اھ قال الشامی عبارته ولا يجبر الاب على دفع الصغيرة الى الزوج ولكن يجبر الزوج على ايفاء المعجل فان زعم الزوج انها تتحمل الرجال وانكر الاب فالقاضی يريها النساء ولا يعتبر السن اھ قلت بل فی التتارخانية البالغة اذا لم تكن تتحمل لا يؤمر بدفعها الى الزوج اھ (ص ۹۰۶ ج ۲) وفی الحامدية قد اجاب الخير الرملی عن هذا السوال بقوله ان كانت ضخمة سمنية تطيق الرجال وسلم المهر

المشروط تعجیلہ یجبر الاب علی تسلیمها للزوج علی الاصح من الاقوال فینظر القاضی ان کانت ممن تخرج اخرجها ونظر الیها ان صلحت للرجال امر اباها بدفعها للزوج والا فلا وان کانت ممن لا تخرج امر بمن یثق بهن من النساء فان قلن انها تطیق الرجال وتتحمل الجماع امر الاب بدفعها الی الزوج وان قلن لا تتحمل لا یامر بذلك، واللہ اعلم اھ (ص ۲۸)

وفیہ ایضاً وقیل ان طلبها الزوج للمؤانسة دون الملامسة یجاب کذا فی الذخیرة والقنیة اھ (ص ۲۹)۔

وفی العالمگیریة (ص ۱۹ ج ۶) رجل جامع صغیرةً لا یجامع مثلها فماتت ان کانت اجنبیة تجب الدیة علی العاقلة وان کانت منکوحة فالدیة علی العاقلة والمهر علی الزوج کذا فی الخلاصة۔ عن ابن رستم عن محمد رح رجل جامع امرأته ومثلها تجامع فماتت عن ذلك فلا شیئ علیہ اھ۔

(عبارات فقہ کے بعد جوابات معروض ہیں)

(۱) نابالغہ اگر بدن اور اٹھان کی اچھی ہو کہ جماع سے اس کو ناقابل برداشت تکلیف نہ ہو تو اس سے جماع جائز ہے اور اگر ناقابل برداشت تکلیف ہوتی ہو تو جائز نہیں۔

(۲) ہاں جرم ہے اور اس کی سزا یہ ہے کہ اگر عورت مرجائے تو شوہر کے خاندان پر دیت لازم ہے (جو ایک ہزار دینار ہے) اور شوہر کے ذمہ مہر لازم ہے اور اگر عورت کو سخت تکلیف پہونچی ہو مری نہیں تو شوہر کے ذمہ اس کا علاج معالجہ واجب ہے۔ اور یہ اس صورت میں ہے جبکہ زوجہ اتنی کمسن وکمزور ہو کہ جماع کا تحمل کرنے کی اہل نہ ہو اور اگر اٹھان ایسا ہو کہ جماع کا تحمل کر سکے تو شوہر پر کچھ ضمان نہیں نہ دیت نہ کچھ تعزیر۔

(۳) ہاں روک سکتے ہیں لیکن اگر شوہر یہ دعویٰ کرے کہ منکوحہ متحمل جماع کی اہل ہے اور ولی نابالغہ یہ دعویٰ کرے کہ وہ متحمل جماع نہیں تو اس اختلاف کا فیصلہ حاکم شرعی کرے گا وہ معتبر عورتوں سے کہے کہ اس لڑکی کو دیکھ کر بتلائیں وہ متحمل جماع ہے یا نہیں۔

(۴) اس کا جواب ۳ سے معلوم ہو چکا اور لڑکی کو روکنے کی میعاد یہی ہے کہ قاضی کو ثقات عورتوں سے معلوم ہو جائے کہ لڑکی متحمل جماع کی ہو گئی ہے۔

(۵) اس کا جواب ۲ سے معلوم ہو چکا ہے، واللہ اعلم۔

۱۲ صفر ۴۷ھ۔

بصیغۂ حال قبول کافی ہے یا نہیں

سوال (۲۵) زید کا نکاح ہونے لگا وکیل بالنکاح نے کہا کہ مجھے فلان شخص نے اپنی فلاں لڑکی کے نکاح کا وکیل نیا کر بھیجا ہے۔ اور اس کے یہ دو گواہ ہیں۔ میں نے اس لڑکی کو بعوض ایک سکۂ رائج الوقت آپ کی زوجیت میں دیا۔ زید بجائے اس کے کہ قبول کیا کہے قبول ہے کہہ دیا تو نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟ بظاہر فقہاء کی عبارت النکاح ینعقد بالایجاب والقبول بلفظهما ماض او مستقبل و ماض مقتضی ہے کہ نکاح انعقاد نہو کیونکہ قبول ہے نہ ماضی ہے اور نہ مستقبل۔

الجواب: صیغۂ حال بھی قبول میں کافی ہے صرح بہ فی الدر (صفحہ ۲۷۳ ج ۲)۔

بوقت نکاح لڑکی کے وکیل کو نام میں اشتباہ ہو گیا مگر شوہر اور گواہ جانتے تھے کہ فلاں لڑکی سے نکاح ہو گا الخ

سوال (۲۶) وکیل بالنکاح کچھ ناک سے بولا کرتے تھے اس لئے عورت کے نام میں اشتباہ ہو گیا مرد نے اپنے دل میں یہ سمجھ کر کہ شخص جس عورت کا وکیل بن کر آیا ہے وہ اور دوسرے ذرائع سے تو متعین ہے۔ نام سے کیا کام نام کچھ بھی ہو یہ شخص جس عورت کے وکیل بن کر آئے ہیں وہ عورت مجھے قبول ہے اور مجمع عام میں بغیر نام کی لفظی تصحیح کئے ہوئے قبول کر لیا۔ تو کیا نکاح ہوا یا نہیں۔ یا نام کی تصحیح لفظی بھی ضروری ہے؟

تنقیح سوال:۔ کیا شوہر کو پہلے سے علم تھا کہ اس کا نکاح کس لڑکی سے ہو گا یا معلوم نہ تھا۔ اور ان کے خسر کے ایک ہی لڑکی ہے یا دو اور گواہوں کو بھی علم تھا یا نہیں اور گواہوں کو بھی نام میں اشتباہ ہوا یا نہیں، سوال دوبارہ کیا جائے جس میں اس تنقیح کا جواب بھی ہو اس کے بعد حکم بتلایا جائے گا، واللہ اعلم۔

جواب تنقیح:۔ شوہر کو پہلے سے علم تھا کہ میرا نکاح فلان لڑکی سے ہو گا۔ اس کے خسر کی لڑکیاں چار ہیں دو شادی شدہ اور دو کنواری۔ نہ گواہوں کو نام میں اشتباہ ہوا اور نہ وکیل بالنکاح کو گواہوں کو پہلے سے معلوم تھا کہ فلان لڑکی سے نکاح ہو گا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں نکاح منعقد ہو گیا فانہ لو قال زوجتک بنتی او بمولیتی والرجل یعرفها صح النکاح عند الخصاف وان لم یعرفها الشهود ففی ظاهر الروایة لا یصح وعلیها الفتوی واما اذا امرت المقدمات علی

معینۃ وتمیزت عند الخاطب العاقد وعند الشهود ایضاً یصح العقد وهی واقعۃ الفتوی لان المقصود نفی الجهالۃ وذلك حاصل بتعینها عند العاقدین والشهود وان لم یصرح باسمها ذکرہ فی الشامیۃ (ص ۳۷ ج ۲) وقول الخصاف فی (ص ۴۴۵ ج ۲)، واللہ تعالیٰ اعلم - ۱۷ر شعبان ۴۷ھ -

نکاح کو مخفی رکھنا گناہ ہے

سوال (۲۷) کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک امام صاحب نے ایک بیوہ عورت سے خفیہ نکاح پڑھالیا دو گواہ پردیسی ایک سوالی ایک واعظ آئے ہوئے تھے ان دونوں کے سامنے ایجاب وقبول ہوا اور کسی سے ظاہر نہ کیا جب حمل چار پانچ ماہ کا ہوگیا جب عورتوں نے کہا سچ بتلا تجھ کو حمل ہے ؟ حاملہ عورت نے کہا فلاں کا حمل ہے۔ پھر دوبارہ عورتوں نے اور حاملہ مذکورہ کے دیور وغیرہ نے دریافت کیا سچ بتلا حمل کس کا ہے تب عورت مذکور نے کہا فلاں امام صاحب کا ہے ہمارا نکاح فلاں گاؤں میں ہوا ہے۔ اب امام صاحب سے دریافت کیا کہ آپ کا اس حاملہ عورت سے نکاح ہو چکا ہے امام صاحب نے کہا کہ ہو چکا ہے یہیں ہوا ہے باہر کے دو مسافر ٹھہرے ہوئے تھے ان کے سامنے ایجاب وقبول ہوا ہے لوگوں کو یقین نہ آیا امام صاحب مسجد میں قرآن شریف پڑھ رہے تھے اُن سے ایک پرہیزگار متقی نے دریافت کیا کہ آپ کا اس حاملہ مذکورہ سے نکاح ہو چکا ہے؟ امام صاحب نے قرآن شریف پر ہاتھ رکھ کر کہا میرا نکاح ہو چکا ہے۔ آیا اس طرح خفیہ نکاح ہو جاتا ہے اور ایسے امام صاحب کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں فقط جواب سے جلد مطلع فرمادیں؟

الجواب : اس طرح خفیہ نکاح منعقد تو ہو جاتا ہے اور ایسی عورت سے جس کا نکاح خفیہ ہوا ہو شوہر کو مجامعت بھی جائز ہے اور اس کی اولاد بھی حلالی ہوگی۔ مگر خفیہ نکاح کرنے کے بعد عرصہ تک اس کو مخفی رکھنا گناہ ہے بلکہ اس کو جلدی ہی ظاہر کر دینا چاہیئے تھا کیونکہ جب عرصہ دراز تک نکاح کو مخفی رکھا جائے گا تو حمل قرار پانے کے وقت لوگوں کو عورت پر اور مرد پر زنا کا گمان ہوگا اور اس وقت لوگ اس دعویٰ کو کہ نکاح ہو چکا ہے بات بنانے پر محمول کریں گے۔

وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: اتقوا مواضع التهم، الحدیث فالاتقاء من التهمۃ واجب۔ لہٰذا اس امام کو جب تک وہ اس گناہ سے (یعنی اخفاء نکاح سے) توبہ نہ کرے امامت سے الگ کر دیا جائے اور توبہ اس کی یہ ہے کہ مجمع عام میں اپنی خطا کا اقرار کرے کہ میں نے جو نکاح کو عرصہ تک مخفی رکھا جس سے لوگوں کو تہمت اور بدگمانی میں مبتلا کیا۔

مجھ سے گناہ ہوا میں اللہ تعالیٰ کی جناب میں بھی اس گناہ سے توبہ کرتا ہوں اور جن لوگوں کو میں نے بدگمانی میں (اس فعل سے) مبتلا کیا ہے اُن سے بھی معافی چاہتا ہوں فان التوبة علی قدر المعصیة واللہ اعلم ۔ ۲۴ شوال ۴۷ھ ۔

زنا سے نکاح فاسد نہیں ہوتا۔ اور ایسی عورت کا بدون طلاق زوج اول دوسرے سے نکاح کرنیوالوں کا حکم

سوال (۲۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین مبین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسلمان کی بی بی نے اپنے شوہر کو چھوڑ کر بازار میں گھر کرکے چند برس تک پیشہ کسبی (یعنی پیشہ زنا) کو اختیار کرکے اپنی اوقات بسر کی بعد اس کے ایک بھڑوا مرد نے اس کو وہاں سے لاکر عالموں سے دریافت کیا کہ اس کے ساتھ نکاح کرنا درست ہے یا نہیں۔ اکثر عالموں نے کہا اس عورت زانیہ سے نکاح کرنا درست نہیں کیونکہ اس کے شوہر نے طلاق نہیں دی ہے اور پیشہ زنا سے طلاق واقع نہیں ہوتی اور بعض بعض عالم نے کہا کہ اس عورت سے نکاح کرنا حلال و درست ہے اور وجہ حلال ہونے کی یہ بیان کرتے ہیں کہ جو عورت اپنے شوہر سے چھ ماہ کی مدت تک علیحدہ رہے وہ مطلقہ ہوتی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس عورت نے پیشہ زنا کو اختیار کرکے مدت تک زنا کیا ہے اس سبب سے نکاح ٹوٹ گیا اس کو نکاح کرنا بلا خطر درست و حلال ہے یہ کہکر چند روپیہ لیکر وکیل وگواہ کے سامنے اسکا نکاح اجنبی مرد سے پڑھا دیا۔ اب یہ نکاح مذہب حنفی کے موافق درست وحلال ہے یا نادرست وحرام؟ اور اگر حرام ہو تو جس عالم نے یہ حکم دیکر نکاح پڑھایا اور جو شخص وکیل وگواہ ہوکر نکاح کرایا یہ سب کافر ہیں یا مسلمان اور ان کی بی بی ان پر حرام ہوئی یا حلال؟ برتقدیر حرمت کے تجدید نکاح واجب ہے یا نہیں اور جب تک یہ لوگ توبہ کرکے نکاح ثانی نہ کریں تو ان سب کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور ان کو مسلمان جان کر سلام وکلام کرنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا بالدلیل توجروا عند الجلیل۔

الجواب: قال فی الدر وصح نکاح موطوءة بزنا ای جاز نکاح من رأها تزنی وله وطوءها بلا استبراء وفی اخر خط المجتبی لا یجب علی الزوج تطلیق الفاجرة ولا علیها تسریح الفاجرة الا اذا خافا ان لا یقیما

۱؎ بشرط ان لا تکون حاملاً قبل النکاح من غیر الزوج واما لو ظهر بها حمل بعد النکاح من الزنا فهو من حیث الحکم للزوج لان الفراش له وتمامه فی رد المحتار ۱۲

حد ود الله فلا بأس ان یتفرقا اھ قال ابن عابدین عن البحر بدلیل الحدیث ان رجلا اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یارسول اللہ ان امرأتی لاترد ید لامس فقال صلی اللہ علیہ وسلم طلقھا فقال انی احبھا وھی جمیلۃ فقال صلی اللہ علیہ وسلم استمتع بھا قال فی البحر لوتزوج بامرأۃ الغیر عالما بذلك ودخل بھا لاتجب العدۃ علیھا حتی لایحرم علی الزوج وطؤھا وبہ یفتی لانہ زنا والمزنی بھا لاتحرم علی زوجھا (ص ۴۷۹ و ۴۸۰ ج ۲)۔

ان عبارات فقہیہ سے ظاہر ہے کہ عورت کے زنا سے اس کا نکاح فاسد نہیں ہوتا اور وہ بدستور اپنے شوہر کے نکاح میں باقی رہتی ہے پس اس کا نکاح دوسرے مرد سے بدون طلاق شوہر اول اور بدون عدت طلاق گذرنے کے ہرگز ہرگز صحیح نہیں ہوسکتا پس صحیح قول اس مسئلہ میں فریق اول علماء کا ہے اور فریق ثانی کا قول بالکل غلط ہے ان کو اپنی خطا سے علی الاعلان توبہ کرنا چاہیئے اور جب تک وہ توبہ کا اعلان نہ کریں اس وقت تک ان سے سلام وکلام تعلقات و موالات ترک کردیئے جائیں لیکن ان کو کافر نہ سمجھا جائے اور نہ ان کے نکاح فاسد ہوئے البتہ قبل اعلان توبہ ان کی اقتداء نہ کی جائے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۷ محرم ۴۸ھ۔

سوال (۲۹)

ایک مرد اور عورت یہ اقرار کریں کہ ہمارے نکاح میں کوئی شرعی امر مانع نہیں لیکن اہل شہر اجنبی ہونے کے سبب اس کی تصدیق نہیں کرسکتے۔ تو قاضی دونوں کا حلفیہ بیان لیکر نکاح کرسکتا ہے یا نہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین دربارۂ نکاح محمود وفریدہ۔ کہ محمود وفریدہ دونوں غریب الوطن ہیں اپنے وطن سے دور دراز فرار ہوتے ہوئے کسی شہر میں وارد ہوکر اہل شہر سے اپنا وطن اصلی کچھ بتائیں اور ارادہ ظاہر کریں کہ باہم عقد مناکحت کرلیں۔ دونوں کا اقرار کہ ہمارے مابین کوئی رشتہ حرمت نہیں اہل شہر کے عندیہ میں یہ دونوں اجانب متصور ہیں گو کہ محمود کو کسی سے تعرف ہو مگر فریدہ اجنبیہ ہے جس سے اہل شہر احتمال کرسکتے ہیں کہ فریدہ کسی کی منکوحہ ہوگی اور محمود کی فریب دہی سے زوجیت سے دست بردار ہوکر آئی ہوگی کسی کو کچھ خبر نہیں کہ دونوں اپنے اقرار میں سچے ہیں یا جھوٹے۔ مگر دونوں کا حلفیہ اقرار ہے کہ ہمارے مابین تزویج کے لئے کوئی شرعی امر مانع نہیں۔ تصدیق وتحقیق کے لئے یہ دونوں اہل شہر سے بھی نہیں بلکہ ابنا ءسبیل مانے جاتے ہیں اور ان کا وطن اصلی بھی قریب نہیں بلکہ پانچ سو میل کی مسافت سے بھی متجاوز ہے

لہذا عرض خدمت ہے کہ محمود مذکور اور فریدہ مذکورۂ بالغہ جو چودہ سالہ عمر رکھتی ہے ان دونوں کے انعقاد نکاح کی کیا صورت ہے آیا جس شہر میں کہ یہ دونوں وارد ہیں اور استدعائے تزویج کر رہے ہیں کیا باعتبار حلفی اقرار قاضی شہر مجاز ہے کہ اہل شہر سے کوئی دو شاہد مقرر کر کے حسب استدعا محمود و فریدہ سر دست بلا تحقیق و تنقیح ان دونوں کا نکاح کر دے یا باوجود ان دونوں کے حلفی اقرار کے مزید تحقیق ضروری ہے کہ نکاح ملتوی یا رد کر دے اگر باعتبار حلفی اقرار اُن دونوں کے قاضی نکاح کر دے تو اُس نکاح کا کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا رحمکما اللہ تعالیٰ۔

الجواب: اگر قاضی شہر کا قلب اس مرد و عورت کی صدق کی شہادت دے اور اُن کے حلفیہ بیان پر اُس کا قلب مطمئن ہو جائے تو اُس کو اُن دونوں کا نکاح کر دینا جائز ہے مگر نکاح مجمع عام میں کرے صرف دو گواہوں کے سامنے نہ کرے کیونکہ اگر وہ جھوٹے ہوں گے تو غالب یہ ہے کہ مجمع عام میں نکاح پر راضی نہ ہوں گے، وایضاً ففی نکاح السر من المفاسد مالا یخفی والاصل فی ذلک ماذکرہ الفقهاء فی امرأة قالت لرجل طلقنی زوجی ثلاثا وانقضت عدتی فان شهد بصدقها قلبه جاز له ان یتزوجها، واللہ تعالیٰ اعلم۔

یکم ربیع ۔۔۔۔۔ ۴۸ھ

استفتاء ضمیمہ سابق

سوال: ہندہ کا حامد سے خطبہ ہو چکا تھا اتفاقاً زید جو مرد اجنبی ہے باکرۂ مذکور ہندہ کو اپنے دام تزویر میں گرفتار کئے ہوئے اس کے ابوین و اقارب سے جدا کر کے کہیں اور مقام پر فرار ہوا۔ ہندہ کے ابوین و اقارب اس واقعۂ جانگزا سے حیران ہو کر اطراف و اکناف متلاشی رہے بالآخر کسی مقام پر جو تقریباً یکہزار میل کے فاصلہ پر واقع ہے بقصد تفتیش و تلاش بعرصۂ ایک ماہ سُراغ پا کر مفرورین کو گرفتار کر کے وطن لے آئے ہندہ تو اپنے والدین کے قبضۂ اختیار میں رہ گئی مگر زید جو غریب الوطن مانا جاتا تھا بعد ملامت و تشنیع اپنے وطن کو روانہ کیا گیا جو تین میل پر واقع ہے۔ تقریباً عرصہ چھ سات ماہ گذرتا ہے کہ حالاً زید مدعی ہے کہ ہندۂ مذکورہ اپنی منکوحہ ہے۔ حالاً ہندۂ مذکورہ کا نکاح حامد مذکور الصدر کہ جس کا قبل از وقوع واقعۂ مذکورہ ہندہ کے ساتھ خطبہ ہو چکا تھا تقرر پایا ہے عنقریب نکاح ہونے والا ہے لہذا احقر چند سوالات متعلقہ امر مذکور بخدمت اقدس مؤدبانہ پیش کرتا ہے:

(۱) زید مذکور کا جو دعوےٰ ہے کہ ہندہ اپنی منکوحہ ہے کیا بصورت عدم حضور ولی وارتکاب

منہیات یہ دعویٰ صحیح ہے کیا ہندہ کو منکوحہ قرار دی جاتی ہے ؟

(۲) زید کا یہ دعویٰ کہ میں نے بحالتِ فرار کسی مقام میں ہندہ سے نکاح کیا ہے درآنحالیکہ دونوں اجانب وغریب الوطن متصور تھے ۔ نہ شاہدین کو نہ اوروں کو کچھ خبر ہے کہ ہندہ کے ساتھ زید کو باہمی کیا مناسبت ہے گو کہ فیما بین رشتۂ حرمت ہی کیوں نہ ہو بلاتحقیق شاہدین وغیرہ مجاز ہیں ۔ گو کہ ہندہ زید کہ محرمات ابدیہ سے ہی کیوں نہ ہو بلاتحقیق حسب استدعاء زید انعقاد نکاح میں اشتمال شاہدین وغیرہ درست ہے ۔ کیا یہ نکاح اجانب جو بلاتحقیق و تنقیح کیا گیا ہی صحیح ہے ؟

(۳) اگر کسی وجہ سے نکاح زید ہی معتبر ہو تو کیا ہندہ کے اولیاء عصبہ کو حق فسخ حاصل نہیں ؟

(۴) برخلاف دعویٰ زید ہندۂ مذکورہ کا نکاح جو فی الحال حامد کے ساتھ تقرر پایا ہے جن کے مابین کوئی رشتۂ حرمت تو نہیں ہے نفاذ نکاح کے لئے کیا کوئی امر مانع و مزاحم ہے ؟

(۵) کیا ہندہ کو بلا بینۂ شرعی صرف بوجہ فرار و ہمراہی زید زانیہ کہہ سکتے ہیں ؟

(۶) بصورت ثبوت زنا کیا ہندہ پر جو غیر محصنہ ہے حد جاری کی جاوے ؟

(۷) یہاں رسم ہے کہ زانی و زانیہ محصن خواہ غیر محصن رومال لپیٹ کر سو دُرے لگائے جاتے ہیں نہیں معلوم کہ رجم کا حکم کس کے لئے ہے آیا یہ حکم ہی منسوخ ہے ؟

(۸) در بارۂ اجراء حدود گورنمنٹ کی سخت ممانعت ہے دریں صورت مجبوری رجم ترک کر کے مجرم و مجرمہ پر صرف کوڑے ہی لگائے جاویں ؟

(۹) کیا بصورت مجبوری کوڑے لگانا رجم کے قائم مقام ہوگا کیا اس طریق سے حد ساقط ہو جاتی ہے ؟

(۱۰) صرف رومال لپیٹ کر درے لگائے جاویں یا دیگر آلات سے اور درہ اصطلاح شرع میں کس کو کہتے ہیں ؟

الحاصل احقر بخدمت اقدس ملتجی ہے کہ ازراہ کرم کُل سوالات کا جواب بالاستیعاب اندروئے اصول ثلاثہ معہ حوالۂ کتب و دستخطی مہر جناب وغیرہم زیب رقم فرماویں کہ جملہ شبہات کا مطلب ذہن نشین ہو جاوے اور خلجان کلی رفع ہو اور کسی کو مجال دم زنی نہ ہو اگرچہ جرأت احقر موجب تضییع اوقات عزیزآنجناب ہے معہذا بندہ عرض پرداز ہے کہ ازراہِ بندہ نوازی ہمہ امور تمام تر توی سند کے ساتھ کہ کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہو قلمبند فرما کر ممنون فرماویں ۔ امید کہ آنجناب اپنی سعی بلیغ مبذول فرما کر بجرد جوابات سے سرفراز و ممتاز فرمائیں گے ۔

الجواب ؛ درے لگانے کا حق عوام کو نہیں بلکہ امام کو ہے اور ہندوستان میں

امام نہیں البتہ اگر پنچایت کو گورنمنٹ کی طرف سے سزائے بید کا اختیار حاصل ہو تو جرائم پیشہ لوگوں کو سزائے بید دے سکتے ہیں جس کے لئے شرط یہ ہے کہ ۳۹ بید سے زیادہ نہ مارے جائیں باقی اس نکاح کے متعلق چند امور تنقیح طلب ہیں ان کا جواب دیا جائے۔

(۱) ہندہ زید کے دعوے کو صحیح کہتی ہے یا غلط بتلاتی ہے؟

(۲) زید ہندہ کا ہم کفو ہے یا نہیں یعنی نسباً دونوں میں کفاءت ہے یا نہیں؟

(۳) زید اور ہندہ نکاح کے شاہدجن لوگوں کو ظاہر کرتے ہیں وہ شاہدین ان کے دعوے نکاح کی تصدیق کرتے ہیں یا نہیں، ہندہ بالغہ ہے یا نہیں، عمر کیا ہے؟ ان تنقیحات کے جواب کے بعد سوال کیا جائے تو جواب ملے گا یہ پرچہ پھر واپس کیا جائے، فقط۔

۱۵ رصفر ۴۵ھ۔

مولانا! السلام علیکم! امابعد ہر چہار امور تنقیح طلب کا جواب حتی الامکان عرض کیا جاتا ہے:

امر اول۔ ہندہ دعوی زید کی تکذیب کرتی اور غلط بتلاتی ہے۔

امر دوم۔ ہندہ تو اہل سادات سے ہے مگر زید کا نسب نامعلوم سادات سے تو نہیں مگر شیخ یا پٹھان خاندان سے ہوگا نیز باعتبار حرفت زید میں کوئی رذالت پائی نہیں جاتی غالباً زید ہندہ کا ہم کفو ہوگا۔

امر سوم۔ شاہدین کا پتہ نہیں، نہیں معلوم کہ شاہدین نکاح کون ہیں زید کا جو دعوی ہے عدالتی نہیں۔ چونکہ زید نے اپنا دعوی عدالت میں دائر نہیں کیا ہے صرف تخویفاً لوگوں میں ظاہر کر رہا ہے کہ ہندہ میری منکوحہ ہے حامد کے ساتھ نکاح ہونے کے بعد دعوی دائر کروں گا، نہیں معلوم کہ یہ دعوی کہاں تک راست و درست ہے اور کہاں تک دروغ۔ چونکہ معاملہ سراسر تصدیق طلب ہے۔ غرض زید کا دعوی ہے کہ جس مقام میں نکاح کیا ہوں وہاں پر شاہدین موجود ہیں بعد نکاح حامد بعدالت دعوی دائر کروں گا۔

امر چہارم۔ ہندہ بالغہ ہے اور عمر میں چودہ سالہ ہے۔

امید کہ آنجناب جملہ سوالات کا جواب مفصل زیب رقم فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

الجواب: جب ہندہ نکاح سے منکر ہے اور زید کے پاس وہ گواہ نہیں جو نکاح کی شہادت دیں تو محض اس کی افواہ اور تخویف سے نکاح کا ثبوت نہیں ہو سکتا ورنہ ہر شخص

دعوی کر دیا کرے گا کہ میرا نکاح فلاں عورت سے ہو چکا ہے، دعوی بلا دلیل و بلا بیّنہ رد ہے۔
البتہ اگر زید کے دعوے سے ولی ہندہ کو تردد ہو گیا ہو تو وہ ہندہ سے قسم وغیرہ لیکر اپنا اطمینان قلب کر کے ہندہ کا نکاح حامد سے کرے بدون اطمینان قلب کے ایسا نہ کرے۔ رہا یہ کہ زید بعد میں عدالتی دعوے کی دھمکی دے رہا ہے تو اس دھمکی کا قانونی بچاؤ قانون دان لوگوں سے معلوم کرے۔

نوٹ: سائل نے زید کی نسبی حالت کو بالکل گول مول ظاہر کیا ہے کہ شیخ ہوگا یا پٹھان اُس کو لازم ہے کہ ایک بات تحقیق کے ساتھ معین کر کے لکھے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
یکم ربیع ا سنہ ۴۸ھ۔

نکاح سِرّی کی تعریف اور اس کا حکم

سوال (۳۰) تعریف نکاح سِرّی چیست وحکم آن چیست اگر شخصے نزد دو گواہان معتبر در خلوت با زنے ایجاب وقبول ساخت آیا حکم این نکاح سِرّی شد یا جہری؟

الجواب: نکاح سِر کہ ممنوع و باطل است آن است کہ در و شاہدین علاوہ ناکح ومنکوحہ نباشند واگر شاہدین یا شہود حاضر باشند این چنیں نکاح نکاحِ سِرّ باطل نباشد، اما خالی از کراہت نباشد لان السنۃ فی النکاح الاعلان ولذا شرع لہ الدف ونحوہ وفی الحدیث الفرق بین الحلال والحرام الدف ولان فیہ القاء نفسہ فی التہمۃ ویتہمہ بالزنا من لم یعلم بالنکاح وفی الحدیث اتقوا مواضع التہم، واللہ اعلم۔
۱۸ ر ج ا سنہ ۴۸ھ۔

حُرّہ عورت کو خریدنا اور اپنے ساتھ اس کا نکاح کرنا

سوال (۳۱) کسی عورت کو روپیہ سے خرید کر کے اس کا اپنے ساتھ نکاح کرنا شرع کی رو سے جائز ہے یا ناجائز؟ امید کہ حضور والا اس سوال کے جواب مبارک سے مشرف فرما دیں گے۔

الجواب: آزاد عورت کو روپیہ سے خریدنا حرام ہے جائز نہیں اور اس سے جبراً نکاح کرنا حرام ہے اگر وہ اپنی خوشی سے نکاح کرنا چاہے تو نکاح درست ہو سکتا ہے خریدنے کے دباؤ سے ہر گز درست نہ ہوگا اور خریدنے کے گناہ سے توبہ کرنا لازم ہے، واللہ اعلم۔
۱۸ ر رجب سنہ ۴۸ھ۔

چار بیویوں میں سے ایک کا انتقال ہو جائے تو دوسری عورت سے بلا کسی مدت کے انتظار کے نکاح جائز ہے

سوال (۳۲) زید کی چار بیبیاں تھیں ان میں سے ایک انتقال کر گئی وہ دوسری ایک عورت سے بلا درنگ نکاح کرسکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب : ہاں کرسکتا ہے کیونکہ مرد کے ذمہ عدت نہیں ۔

لونڈی سے کراہت نکاح کی وجہ

سوال (۳۳) لونڈی سے کراہت نکاح کی منجملہ وجوہ کراہت سے ایک یہ بھی مرقوم ہے کہ لونڈی غیر کی مملوک ہے اگر کسی وقت شوہر اس کو اپنے پاس رکھنا چاہے اور اس وقت مالک اس سے خدمت لینا چاہے تو ضرور بے لطفی ہوگی اس خدمت سے صحبت کرنا مراد ہے یا اور کچھ ؟

الجواب : خدمت سے مراد علاوہ استمتاع کے ہے فی الدر (ومن عرسه امته الحلال) له وطوها فخرج المجوسية والمكاتبة والمشتركة و منكوحة الغير الخ شامی ص ۳۰۲ ج ۵ ۔ کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ ۔

جب عورت مجلس نکاح میں موجود ہو تو شاہدوں کو نام وغیرہ بتلانا ضروری نہیں ہے

سوال (۳۴) ایک عورت برقعہ پوش تنہا دو مرد گواہوں کے سامنے کھڑی ہے اور گواہوں کو اس کا مطلق علم نہیں ہے کہ یہ کون ہے اور کہاں رہتی ہے صرف اتنا معلوم ہے کہ کوئی عورت ہے اس صورت میں ۔ مرد ثالث جو عورت مذکورہ سے نکاح کرنا چاہتا ہے یہ کہے کہ کیا مجھ سے تجھے نکاح منظور ہے ؟ عورت جواب دیتی ہے مجھے قبول ہے یا قبول کیا تو کیا از روئے شرع نکاح ہوگیا ؟

(۲) صورت سابقہ میں اگر مرد گواہوں سے عورت مذکور کا پتہ بالکل نہ دے تو کس طرح ہے ؟

(۳) اگر مرد عورت مذکورہ کا پتہ اس طرح جھوٹ بتلائے مثلاً گواہوں سے کہدے کہ یہ عورت اجمیر رہتی ہے اور اجمیر سے آئی ہے اور میں اس سے نکاح کرتا ہوں حالانکہ دراصل وہ عورت جودھپوری کی ہے اس کا جواب بھی لکھیں ؟

الجواب : جب عورت سامنے موجود ہے تو شاہدوں کو اس کا نام وغیرہ بتلانا ضروری نہیں پس ہر سہ صورت میں نکاح صحیح ہو جاتا ہے کما فی العالمگیرية ص ۲ ج ۲ وان كانت حاضرة متنقبة ولا يعرفها الشهود جاز النكاح وهو الصحيح ۔ کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ ۔

۱۰ رمضان شریف سنہ ۴۵ھ ۔

ع‌ه یہاں تک کے کل جوابات حضرت مولانا صاحب مدظلہم نے بھی التزاماً ملاحظہ فرمائے ہیں (باقی صفحہ آئندہ پر)

ولی کی طرف اضافت کی ایک صورت کا حکم | **سوال** (۳۵) ایک نکاح خوان نے مجلس نکاح میں لڑکی کے باپ سے کہا کہ تو نے اپنی لڑکی سکینہ اس عبد اللہ کے ساتھ نکاح کے لئے دی ہے اس کے لڑکے شریف اللہ کے لئے ۔ لڑکی کے باپ نے کہا دی ہے شریف اللہ کے لئے ۔ پھر نکاح خوان نے عبد اللہ کو کہا تو نے قبول کی ہے اپنے لڑکے شریف اللہ کے لئے؟ وہ بولا میں نے قبول کی ہے شریف اللہ کے لئے۔ نکاح خوان نے اضافت نکاح کی عبد اللہ کی طرف کی ہے اور لڑکی کے باپ نے نہیں کی تو اعتبار نکاح خوان کے الفاظ کا ہوگا اور لڑکی کے باپ کے الفاظ بھی ان کے ساتھ مقید ہوں گے اور نکاح خود عبد اللہ کا منعقد ہو جائے گا نہ اس کے لڑکے شریف اللہ کا کما قال الشامی وبقی ایضاً قولهم زوجتك بنتي لابنك فيقول قبلت ويظهر لي انه ينعقد للاب لاسناد التزويج وقول ابي البنت لابنك معناه لاجل ابنك فلا يفيد وكذا لو قال الآخر قبلت لابني لا يفيد ایضاً ۔ یا اعتبار لڑکی کے باپ کے الفاظ کا ہوگا اور نکاح عبد اللہ کے لڑکے شریف اللہ کا منعقد ہوگا نہ عبد اللہ کا ۔ کما قال الشامی نعم لو قال اعطيتك بنتي لابنك فيقول قبلت فالظاهر انه ينعقد للابن لان قوله اعطيتك بنتي لابنك معناه في العرف اعطيتك بنتي زوجة لابنك وهذا المعنى وان كان هو المراد عرفاً من قولهم زوجتك بنتي لابنك لكنه لا يساعده اللفظ كما علمت والنية وحدها لا تنفع كما مر والله سبحانه اعلم ۔

حاصل سوال یہ ہے کہ نکاح بطریقہ مذکورہ عبد اللہ کا ہوا ہے یا اس کے لڑکے شریف اللہ کا؟ بيّنوا لوجه الله العظيم فانه يجزي بمغفرة ورزق كريم ۔

الجواب: صورت مسئولہ میں شریف اللہ کا نکاح صحیح ہو گیا ہے اور نکاح خوان کے کلام

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اس سے آگے حضرت والا نے فرصت نہ ہونے کے باعث التزام ترک فرما دیا صرف استاذی المکرم جناب مولوی ظفر احمد صاحب التزاماً ملاحظہ کرنے لگے ۔ ۱۲ منہ

البتہ کوئی جواب مولانا مدظلہ کی تحقیق کے خلاف نہیں لکھا جاتا بلکہ جو نیا سوال ہو اس کو زبانی دریافت کر کے لکھا جاتا ہے اور کہیں کہیں ملاحظہ کی نوبت آتی ہے تو وہاں تصریحاً اس کو ظاہر کر دیا جاتا ہے ۔

یعنی حضرت والا دستخط ثبت فرما دیتے ہیں ۔ ۱۲ احقر عبد الکریم عفی عنہ ۔

۱۶ ر رمضان سنہ ۴۸ھ ۔

میں جو ساتھ نکاح کے واقع ہے وہ شریف اللہ سے متعلق کہا جاوے گا پس زوجتك بنتی لابنك پر اس کا قیاس کرنا صحیح نہیں ہے کما لایخفی ونیز اس استفہام کو تو ایجاب نہیں کہہ سکتے بلکہ ایجاب وہ ہے جو ولی نے کہا ہے اور ولی کے قول میں عبداللہ کے نکاح کا احتمال ہی نہیں اور رہا یہ شبہ وکذا لو قال الاٰخر قبلت لابنی لا یفید ایضاً معلوم ہوتا ہے کہ قول اول کا اعتبار ہوتا ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ قول اول سے مراد ایجاب ہے قبول ایجاب کے تابع ہوگا قول ولی کو قول نکاح خوان کے تابع کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے، واللہ اعلم۔ احقر عبدالکریم عفی عنہ۔

الجواب صحیح۔

ظفر احمد عفا عنہ، ۲۱ ذی الحجہ ۴۸ھ۔

مسئلہ نکاح **سوال** (۳۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی بارات مسماۃ ہندہ سے نکاح کرنے کے لئے گئی عقد کے وقت زید کے ولی سے دریافت کیا گیا کہ زید بالغ ہے یا نابالغ تو زید کے ولی نے کہا کہ نابالغ ہے اس کے بعد پوچھا گیا کہ زید کا باپ کہاں ہے تو معلوم ہوا کہ زید کا باپ نہیں آیا ہے بلکہ اس نے ایک شخص کو یعنی بکر کو اپنا قائم مقام بنا کر بھیجا ہے تب بکر سے دریافت کیا گیا کہ تم کو زید کے باپ نے اپنا قائم مقام بنایا ہے تو بکر نے کہا کہ ہاں ہم کو اس کے باپ نے اپنا قائم مقام بنایا ہے اس کے بعد لڑکی والوں کی طرف سے دین مہر مبلغ پانچسو روپیہ کہا گیا تو لڑکے کے ولی نے انکار کیا آخر کار بضد ہو کر مبلغ ۵۰ روپیہ دین مہر سے کم کرا دیا غرضیکہ مبلغ چارسو پچاس روپیہ دین مہر قرار پایا چونکہ لڑکے کو نابالغ کہا گیا تھا اس لئے لڑکے سے ایجاب وقبول نہیں کرایا گیا بلکہ اس کے باپ کے وکیل یعنی بکر سے کرایا گیا بکر نے کہا کہ ہاں ہم اس لڑکے کے لئے قبول کرتے ہیں۔ زید جس کا عقد ہو رہا تھا اسی مجلس میں موجود تھا اور سب باتوں کو سن رہا تھا سب باتیں اس کے روبرو ہوئیں۔ بعد عقد لڑکی والوں نے باراتیوں کو کھانا وغیرہ کھلا دیا کھانے کے بعد بارات والوں نے بہت اصرار کیا کہ بیاہ کے ناجائز رسومات بھی ادا ہونے چاہئے مگر لڑکی والوں نے صاف انکار کر دیا۔ کہ ہم سے یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ ہم ناجائز وقبیح رسومات ادا کریں آخر کار بارات والے مجبور ہو کر چپ ہو رہے۔ بعد نماز فجر لڑکی والوں نے بارات والوں کو خبر دی کہ تم لوگ سواری منگاؤ اور لڑکی رخصت کرالے جاؤ۔ تب بارات والوں نے کہا کہ ہم کو معلوم نہیں تھا کہ صبح کو رخصت ہوں گے اس لئے ہم اس وقت نہیں جا سکتے مگر لڑکے کے ولی نے زید کے روبرو کہا کہ اچھا ہم سواری منگاتے ہیں تو لڑکی رخصت کرا کے ہم لوگ اسی وقت چلے جائیں گے لڑکا یعنی زید یہ سب

باتیں بھی سن رہا تھا کچھ دیر ہوگئی مگر سواری نہیں آئی تو لڑکے کے باپ آئے اور اظہار رنج و افسوس کیا کہ رات کو بیاہ کا رسم کیوں نہیں ادا ہوا اور صبح کو کیوں رخصت کرتے ہیں۔ جب تک لڑکی والوں نے جہیز برتن نقد روپیہ جو کچھ دینا تھا وکیل کے سپرد کر دیا۔ لڑکے کے باپ اور بکر جو وکیل باپ کی طرف سے تھا۔ سبھوں نے اس جہیز کو منظور کر کے لے لیا۔ اور بارات واپس لیکر گھر چلے آئے۔ اور چلتے وقت یہ کہا کہ سواری اس وقت کہیں چلی گئی ہے سر وقت نہیں مل سکتی ہم شام کے وقت سواری بھیجکر لڑکی رخصت کرالیں گے۔ لڑکی والے نے شام تک انتظار کیا مگر سواری نہیں آئی قریب چار بجے آدمی جاتا ہے کہ جلد سواری بھیجو چنانچہ اوسی وقت لڑکی کے والد سواری والوں کے پاس گئے کہ تم لوگ سواری لے جاؤ مگر اس وقت بھی سواری نہیں ملی اس کی چونکہ طبیعت اور منشار کے مطابق نہ تو دونوں وقت لڑکی والے نے کھانا کھلایا۔ اور بیاہ کے رسومات ادا کئے اس لئے لڑکے کے گھر والوں کو اس کا افسوس تھا اس لئے یہ کہنے لگے کہ ابھی نکاح نہیں ہوا کیونکہ لڑکا بالغ ہے۔ اور لڑکے سے ایجاب و قبول نہیں کرایا گیا اس لئے ہم لوگ دوبارہ بارات لے جائیں گے۔ اور عقد کریں گے اور رسم و رسومات ادا کریں گے تب لڑکی کو رخصت کرائیں گے زید کے گھر والوں نے یہ سب باتیں اس روز شام تک اور بارات رخصت ہونے سے قبل کچھ نہیں کہا تھا کہ ابھی نکاح نہیں ہوا اس لئے ہم لوگ لڑکی رخصت نہیں کرائیں گے اور نہ لڑکے نے کچھ کہا بعد میں یہ سب تدبیریں رسم ادا کرنے کے لئے سوچی گئیں۔ تو کیا از روئے شرع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پہلا نکاح معتبر ہوا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

تنقیحات

(۱) لڑکے کی عمر کیا ہے اور اس کی صورت سے آثار بلوغ ظاہر ہوتے ہیں یا نہیں؟

(۲) لڑکا یعنی زید اپنے کو بالغ کہتا ہے یا نابالغ؟

(۳) نکاح ہو جانے کے بعد زید سے ایسے افعال ظاہر ہوئے یا نہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ اس کے نزدیک نکاح ہو چکا مثلاً دوستوں نے نکاح کی مبارکباد دی ہو اور اس نے خوشی کا اظہار کیا ہو یا اور کوئی رسم نکاح کی ایجاب و قبول کے بعد کی گئی ہو اور اس میں اس نے حصہ لیا ہو؟

جواب تنقیح: (۱) لڑکے کی عمر سترہ اور اٹھارہ کے درمیان ہے۔

(۲) زید اپنے کو بالغ کہتا ہے۔

(۳) نکاح کے بعد زید نے لڑکی کی طرف سے انگوٹھی پہنا نکاح کا رومال کندھے پر رکھا اور نکاحانہ روپیہ لیا۔ جیسا کہ دستور ہے کہ نکاح ہو جانے کے بعد اسی مجلس میں دو ایک روپیہ

اور انگوٹھی و رومال دیا جاتا ہے اور نکاح کے بعد دوسرے روز دس بارہ رومال اور پندرہ بیس روپیہ خاصکر لڑکے کے ہاتھ میں دیا جاتا ہے ان سب رسم کو زید نے ادا کیا اور ان چیزوں کو منظور کیا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں چونکہ لڑکا بروقت نکاح بالغ تھا جیسا کہ جواب تنقیح میں اس کی عمر سترہ اٹھارہ سال کے درمیان بتلائی گئی ہے اور لڑکے نے نکاح کے بعد ایسے افعال کئے جو اجازت نکاح پر دال تھے مثلاً انگوٹھی پہننا اور نکاحانہ لینا اور سلامی کے روپیہ لینا لہذا گو اس نے زبان سے ایجاب و قبول نہیں کیا مگر عملاً نکاح کو نافذ کر دیا ہے لہذا یہ نکاح نافذ و کامل ہو چکا اب لڑکے والوں کا یہ کہنا کہ نکاح نہیں ہوا ہم دوبارہ بارات لے جائیں گے غلط ہے واللہ اعلم۔

۱۷ محرم ۴۹ھ۔

فصل فی المحرمات

ممانی اور چچی سے نکاح جائز ہے

سوال (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اہلسنت والجماعت اس امر میں کہ سگی ممانی اور سگی چچی سے نکاح جائز ہے یا کہ ناجائز موافق حکم شرع کے ارشا فرمادیں؟

الجواب: سگی ممانی اور سگی چچی سے نکاح بعد گذرنے عدت کے جائز ہے۔

۳ ذیحجہ ۴۰ھ۔

ولد زانی کا مزنیہ کی بیٹی سے نکاح کی ایک صورت

سوال (۲) زنی بعد از مطلقہ شدن و عدت گذاردن کوچہ گرد شد تعلق ناجائز با چند کسان می داشت از یں تعلق اور دختری زائید بعد از زائیدنش بہ یکی از تعلق داران پیشین نکاح کرد اکنون ناکح می خواہد کہ نکاح پسر بالغ خود بہمین مولودہ بالغہ کہ در ایام بدکاری زائیدہ است کند شرعاً می تواں شد و یا نہ درمختار صفحہ ۲۸۴ حرم علی المتزوج ذکراً کان او انثی نکاح اصلہ وفرعہ علا او نزل و بنت اخیہ واختہ وبنتہا ولو من زنا (رد المحتار) ای بان یزنی الزانی ببکر و یمسکہا حتی تلد منہ بحر عن الفتح قال الحانوتی ولا یتصور کونہا ابنۃ من الزنا الا بذلک اذ لا یعلم کون الولد منہ الا بہ اھ ای لانہ لو لم یمسکہا یحتمل ان غیرہ زنی بہا لعدم الفراش النافی لذلک الاحتمال۔ ازیں عبارت جواز مفہوم می شود چرا کہ در صورت مسئولہ بکارۃ و امساک منتفی است (رد المحتار ۲۸۷) قال فی البحر اراد بحرمۃ المصاھرۃ الحرمات الاربع حرمۃ المرأۃ علی اصول الزانی وفرعہ

نسبًا ورضاعًا وحرمة اصولها وفروعها على الزاني نسبًا ورضاعًا كما في الوطى الحلال ويحل لاصول الزاني وفروعه اصول المزني بها وفروعها۔
ازاینجا ہم جواز فہمیدہ می شود آنچہ حکم شرع است ازو آگاہ فرمائید؟

الجواب: درصورت مسئولہ مذکورہ نکاح پسر بالغ ناکح با مولودۂ منکوحۂ او کہ در ایام بدکاری زائیدہ است جائز نیست کہ خلاف احتیاط است قال الشامی بعد العبارة المذکورة فی السوال (تنبیه) ذکر فی البحر انه دخل بنت الملاعنة ایضًا فلها حکم البنت هنا لانه بسبیل من ان یکذب نفسه ویدعیها فیثبت نسبها منه کما فی الفتح قال وقد منا فی باب المصرف عن المعراج ان ولد ام الولد الذی نفاه لایجوز دفع الزکاة الیه ومقتضاه ثبوت البنتیة فیما یبنی علی الاحتیاط فلایجوز لولده ان یتزوجها لانها اخته احتیاطًا ویتوقف علی نقل اه (ص ۴۵۴ ج ۲)۔
قلت والاحتیاط فی باب الفروج لازم فما قاله فی الفتح والمعراج لاتخالفه القواعد ومقتضاه ما قاله فی البحر عہ من ثبوت البنتیة فیما مبناه علی الاحتیاط فیلزم الاخذ به احتیاطًا۔

(**تنقید**) قال الشیخ قیاسه علی بنت الملاعنة قیاس مع الفارق۔
قلت ولم اقس المسئلة علی حکم بنت الملاعنة وولد ام الولد الذی نفاه بل بنیت الجواب علی قول البحر بعده ومقتضاه ثبوت البنتیة فیما یبنی علی الاحتیاط (معناه فی امور مبناها علی الاحتیاط کباب الفروج حیث فرع علیه بقوله) فلایجوز لولده ان یتزوجها لانها اخته احتیاطًا اھ وهذا القول بعمومه یوجب ثبوت البنتیة فی الصورة المسئولة احتیاطًا واما قوله ویتوقف علی نقل فالجواب عنه ان هذا الحکم الکلی بهذا

عہ واستدلال سائل بعبارت بحر مفید نیست فان معنی قوله ویحل لاصول الزانی وفروعه اصول المزنی بها وفروعها ۔ ای الاصول والفروع التی هی اصول وفروع للمزنی بها فقط ودلیل ذلک قوله کما فی الوطی الحلال بعد ذلک وفی الصورة المسئولة بنت المزنی بها فیها شبهة کونها بنت الاب ومخلوقة من مائه ایضًا فافترقا ۱۲ ظ

اللفظ وان لم نرہ منقولاً ولکن احتیاط الائمۃ فی باب الفروج تفیدہ کیف لا
وظاهر الروایۃ ان الوطی فی الدبر لا یوجب حرمۃ المصاهرۃ وکذلک لو
افضاها لعدم تیقن کونہ فی الفرج مالم تحبل منہ ذکرہ فی الدر (۲۶۱ج۲)
ولکن فی حاشیۃ الاشباہ للحموی اقول ذکر شمس الاسلام انہ یفتی بالحرمۃ
احتیاطا اخذا بقول بعض المشائخ انتهی وهو لطیف حسن اذلا یکون الوطی
فی الدبر ادنی حالا من مسہ وهو تثبت بہ الحرمۃ فلان تثبت بہ اولی
اذ فیہ مس وزیادۃ اھ (ص ۳۵۷) واما فی الافضاء فقد ذکر فی الفتح عن
ابی یوسف قال اکرہ لہ الام والبنت وقال محمد التنزہ احب الی اھ (ص ۱۲۶ج۳)
وفی کل ذلک دلیل علی غایۃ الاحتیاط فی هذا الباب ولا یخفی ان بنت
المزنیۃ التی لم یمسکها الزانی عن غیرہ وان لم یتیقن بکونها مخلوقۃ
من مائہ ولکن فیها شبهۃ ذلک حتما فثبت مزنیۃ الرجل فی صورۃ السوال
اخت ولدہ احتیاطاً، واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ۔

۲۱ محرم ۴۵ھ۔

(خلاصہ) کلام این ست کہ بمقتضائے کلام آن مشائخ کہ قید امساک مزنیہ افزو
دواند بدون امساک ثبوت بنتیت دخترش از زانی بعید است و مقتضائے تنبیہ شامی
آنست کہ بدون امساک هم ثبوت بنتیت بعید نیست بلکہ بنابر احتیاط این احتمال هم قریب
است ودر باب احتیاط احتمالات قریبہ معتبر واحتمالات بعیدہ غیر معتبر است پس کسیکہ
بدون امساک ہم ثبوت بنتیت را بعید نشمارد فتویٰ بعدم جواز خواہد داد ورجحان احقر
کاتب حروف ہمین جانب ست۔ اما رجحان خاطر حضرت حکیم الامۃ دام مجدہم بسوء جواز
نکاح پسر زانی باین دختر زانیہ است بمقتضائے عبارت مذکورۂ سوال گو بنابر تنزہ و
احتیاط ازین نکاح احتراز نزد الیشان هم اولیٰ ست فقط۔ ۲۲ محرم ۴۵ھ۔

بھتیجے کی بیوہ سے نکاح جائز ہے

سوال (۲) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص
کے بھتیجے کا انتقال ہوگیا اس نے زوجہ چھوڑی اس شخص کی عورت بیوہ یعنی بھتیجے کی زوجہ سے عقد
جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اگر بھتیجے کی بیوہ سے اس شخص کی اور کوئی قرابت محرمہ نہو مثلاً وہ بیوہ خود

اس کی بھتیجی اور بھانجی نہ ہو تو محض بھتیجے کی بیوی ہونے سے وہ اس پر حرام نہ ہوگی بلکہ اس سے نکاح درست ہے بشرطیکہ بیوہ دل سے راضی ہو اس پر کسی قسم کا جبر نہ کیا جائے جیسا کہ بعض قوموں میں رواج ہے کہ ان کے خاندان میں کوئی عورت بیوہ ہو جائے تو وہ اپنے اختیار سے خود اپنا نکاح نہیں کر سکتی بلکہ خاوند کے خاندان والے جہاں چاہیں نکاح کر دیتے ہیں چاہے بیوہ راضی ہو یا نہ ہو۔ اور اگر یہ بھتیجے کی بیوہ اس شخص کے ساتھ قرابت محرمہ بھی رکھتی ہے یعنی وہ بھی اس کی بھتیجی یا بھانجی ہے تو اس سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ واللہ اعلم۔ ۲۴ ر ج ۲ ۴۵ھ۔

جمع بین الاختین کے متعلق ایک استفتاء کا جواب

سوال (۴) خالد نے ایک نکاح کیا زینب بنت بکر کے ساتھ بعد فوت ہونے بکر کے بی بی اس کی نکاح ثانی کیا ساتھ زید کے اور زید سے ایک لڑکی پیدا ہوئی ہندہ نامی لیکن جس روز لڑکی پیدا ہوئی اسی روز مادر دختر انتقال کر گئی اور مطلق دودھ اپنی ماں کا پیا نہیں بلکہ غیر کے دودھ سے پرورش پاکر بالغ ہوئی اور نکاح اس کا ساتھ ایک دوسرے شخص کے ہوا تھا لیکن شوہر کے انتقال ہونے کے بعد قریب تین ۳ سال تک بیوہ رہی اب وہی خالد مذکور جو شوہر زینب کا ہے اس کے ساتھ نکاح کیا نکاح صحیح ہوگا یا نہیں۔ آیۃ ان تجمعوا بین الاختین سے ثابت ہوتا ہے کہ حرام ہے اور رضاعت کی شرط ہے کہ نہیں اخیافی میں؟ فقط والسلام۔

الجواب: صورت مسئولہ میں ہندہ چونکہ زینب کی اخیافی بہن ہے اس لئے خالد کو زینب کے ساتھ ہندہ کا جمع کرنا جائز نہیں وان تجمعوا بین الاختین میں اخت عینی و علاتی و اخیافی سب مراد ہیں جیسا کہ واخواتکم میں۔

اور جب وہ نسب کے اعتبار سے بہن ہے تو رضاع کی کیا ضرورت جیسا کہ حقیقی بہن اگر اپنی ماں کا دودھ نہ پئے تب بھی وہ بہن ہے۔ عبد الکریم عفی عنہ۔

الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ۔ ۱۰ ر شوال ۴۵ھ۔

دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے

سوال (۵) بکر کی دو بیٹی ہیں ایک کو زید کے ساتھ بیاہ کر دیا بعد دو یا چار برس کے زید نے دوسری بیٹی کو بھی نکاح کر لیا پس دونوں میں ایک ساتھ نکاح کرنا حرام ہے کیا؟ دونوں حرام ہوگا؟ اور پہلی عورت کے بطن سے جو لڑکی پیدا ہوئی ہے کیا وہ حرامی ہوگی؟

الجواب: زید نے جب اپنی سالی سے نکاح کر لیا تو وہ نکاح تو باطل ہوا لیکن جو بہن

زید کی پہلے سے بیوی ہے اس کا نکاح باقی ہے اور وہ بدستور حلال ہے لیکن اگر زید دوسری منکوحہ سے وطی کرچکا ہے تو پہلی منکوحہ سے بھی وطی حرام ہے یہاں تک کہ دوسری کو جُدا کردے اور اس کی عدت گذرجاوے پس ہر حال میں لازم ہے کہ دوسری منکوحہ کو الگ کردے اور اگر اس سے صحبت ہوچکی ہے تو اس کی عدت ختم ہونے تک اپنی بیوی سے بھی ہمبستر نہ ہو کما فی الدر المختار (وان تزوجهما معاً) ای الاختین او من بمعناهما (او بعقد تین ونسی) النکاح الاول فرق القاضی (بینه وبینها) وقال الشامی تحت قوله (ونسی الاول) فلو علم فهو الصحیح والثانی باطل وله وطئ الاولیٰ الا ان یطأ الثانیة فتحرم الاولیٰ الی انقضاء عدة الثانیة کما لو وطی اخت امرأته بشبهة حیث تحرم امرأته ما لم تنقض عدة ذات الشبهة ح عن البحر (ص ۴۸ ج ۲)۔ اور تفریق کی صورت یہ ہے کہ طلاق دیدے یا زبان سے کہدے کہ میں نے تجھ کو الگ کردیا اور اگر ہم بستری نہیں ہوئی تو فقط علیحدہ ہوجانا بھی کافی ہے زبان سے کچھ کہنا ضروری نہیں اور کسی حال میں قضاء قاضی شرط نہیں ہے بلکہ عورت خود بھی علیحدہ ہوسکتی ہے چاہے مرد الگ کرے یا نہ کرے کما فی تنویر الابصار ومبدأها بعد التفریق او اظهار العزم علی ترک وطئها وفی الدر تحته بان یقول بلسانه ترکتک ونحوه ومنه الطلاق وانکار النکاح لو بحضرتها والا لا لامجرد العزم لو مدخولة والا فیکفی تفرق الابدان وقال الشامی تحت قول الدر (العزم) من الزوج قال فی البحر ورجحنا فی باب المهر انها تکون من المرأة ایضاً (ص ۷۰۰ ج ۲)

زانی کی اولاد کا نکاح فروع مزنیہ سے جائز ہے

سوال (۶) ایک شخص ایک عورت سے بحالت باکرہ وعروسی زن بدفعلی کرتا رہا ہے دونوں کا نکاح غیر مرد غیر عورت سے ہوگیا ہے اور ان کی اولاد پیدا ہوئی کچھ عرصہ بعد عورت مذکورہ کا خاوند فوت ہوگیا اسی عورت نے اسی مرد مذکور جس کے ساتھ زنا کرتی رہی ہے نکاح کربیٹھی، آیا! اب مرد کی اولاد سے اور اس عورت کی اولاد میں نکاح درست ہوسکتا ہے۔

الجواب: اِس مرد کی اولاد کا نکاح اس عورت کی اولاد سے جائز ہے فی الشامی عن البحر ویحل لاصول الزانی وفروعه اصول المزنی بها وفروعها اھ

وقال الشامی مثلہ ما قدمناہ قریباً عن القہستانی عن النظم وغیرہ وقولہ یحل ای کما یحل ذلک بالوطی الحلال (ص ۴۵۸ ج ۲)۔

ایضاً **سوال** (۷) "ق" نامی ایک مرد دوسرے "ل" مرد کی عورت سے بدکاری کرتا تھا "ق" کے مرنے کے بعد اس کی عورت "ق" کی فرزند کی "ل" کی دختر سے شادی کرا دیا ہے یعنی زانی مرد کا بیٹا اور مزنیہ کی بیٹی یہ آپس میں شادی کرائی گئی ہے اب یہ نکاح درست ہے یا نہیں اور وہ آپس میں مرد و عورت ہو کر رہیں یا نہ رہیں؟

الجواب: زانی کے بیٹے کا نکاح مزنیہ کی دختر کے ساتھ جائز ہے کما فی الشامی ص ۴۵۸ ج ۲ ناقلا عن البحر ویحل لاصول الزانی وفروعہ اصول المزنی بہا وفروعہا ہ ومثلہ ما قدمناہ قریبا عن القہستانی عن النظم وغیرہ و قولہ ویحل الخ ای کما یحل ذلک بالوطی الحلال الخ

عبدالکریم عفی عنہ۔ ۲۹ / جمادی الثانی ۴۲ھ۔

سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح جائز ہے **سوال** (۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح جائز ہے یا نہیں یعنی سوتیلی ماں ہو اور اس اپنی سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح کر سکتا ہے مفصل جواب تحریر فرماویں؟

الجواب: سوتیلی ماں یعنی باپ کی وہ بیوی جو اپنی ماں نہیں ہے اس شخص پر اس لئے حرام ہے کہ وہ موطورۃ الاب ہے اور سوتیلی ماں کی بہن میں یہ علت نہیں اس لئے سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح جائز ہے۔

۲۲ / رمضان شریف ۴۵ھ۔

سالی سے بیوی کے انتقال کے فوراً بعد نکاح جائز ہے یا اس کے لئے کسی خاص وقفہ کی ضرورت ہے **سوال** (۹) یہاں علماء دین ایک مسئلہ میں مختلف جھگڑ رہے ہیں مسئلہ یہ ہے کہ زوجہ مرنے کے بعد زوجہ کی بہن نکاح کرنے میں مرد کو عدت پالنا ہوگا یا نہیں اور عدت کے اندر یا بعد ایک دن کے زوجہ کی بہن کے ساتھ نکاح جائز ہے یا نہیں اور کتاب شامی میں یہ عبارت تحریر ہے ماتت امرأتہ لہ التزوج باختہا بعد یوم من موتہا کما فی الخلاصۃ عن الاصل وکذا فی المبسوط لصدر الاسلام والمحیط للسرخسی والبحر والتاتارخانیۃ، اور اس کے نیچے پھر یہ عبارت لکھا واما ما عزی الی النتف من وجوب العدۃ لا یعتمد علیہ والتفصیل فی کتابنا تنقیح الحامدیۃ۔

اور دوسری کتاب فتاویٰ برھنہ میں یہ عبارت لکھا:

امابعد وفاتِ زوجۂ نکاح با خواہر او بروزے روا نیست ہمچنیں خامسہ بعد از مردن رابعہ۔

پس اس عبارت کے مواقق عدت وجوب ہوگا یا نہیں فتویٰ وجوب پر یا غیر وجوب پر مع حوالۂ عبارات کتب فیصلہ فرماویں! اجر دارین یابند۔

الجواب: قال فی تنقیح الفتاوی الحامدیة سئل فی رجل ماتت زوجته المدخول بها ولها اخت فهل له تزوج اختها بعد موتها بیوم الجواب، نعم کما فی الخلاصة عن الاصل للامام محمدؒ وکما فی المبسوط لصدر الاسلام کما نقله عنه القهستانی والمحیط للامام السرخسی والبحر والتتارخانیه عن السراجیة وفتاوی الانقروی وقدری افندی ومؤید زاده ومجمع الفتاوی وصرة الفتاوی ومجمع المنتخبات وغیرها من الکتب المعتبرة واما ما عزی الی النتف من وجوب العدة علیه فلا یعتمد علیه وکتب تحت الجواب ما صورته قلت ؎

لعمرك ما کل النقول صحائح ولا کل خل فی المودة ناصح

علیك با قواها دلیلا ومأخذا وما هو فی الکتب الشهیرة راجح

ولا تعتمد الا صد یقا مجربا ولکن حامد الله فالامر واضح الخ

(ص ۱۸ ج ۱)

قلت والتقیید بیوم اتفاقی والا فالظاهر الجواز بعد موت زوجته معًا لان العلة انقطاع النکاح بینهما بالموت فلا یکون بذلك جامعًا بین الاختین نکاحًا والله اعلم۔

ان عبارات سے واضح ہے کہ زوجہ کے مرنے کے بعد عدت کے اندر یا موت کے ایک دن بعد اس کی بہن سے نکاح جائز ہے۔ ۷ رجب ۴۶ھ

سوتیلی والدہ کی بہن سے نکاح جائز ہے

سوال (۱۰) زید کی پہلی اہلیہ سے (جو فوت ہوچکی) ایک بالغ لڑکا بکر موجود ہے۔ کیا زید اپنی موجودہ دوسری منکوحہ کی حقیقی ہمشیرہ سے اپنے فرزند بکر کا عقد کرسکتا ہے؟ یعنی بکر کا نکاح اس کی سوتیلی خالہ سے ہوسکتا ہے یا نہیں۔

الجواب: ہاں بکر کا نکاح اس کی سوتیلی خالہ سے جو اس کی سوتیلی ماں کی بہن ہے جائز ہے

فان اخت الموطوءۃ للاب لیس لہا ذکر فی المحرمات واللہ اعلم۔

اپنے بیٹے کی بیوی کی بہن سے نکاح جائز ہے

سوال (۱۱) زید کی دو لڑکیاں ہیں۔ بکر نکاح کرنا چاہتا ہے ایک کو اور ایک اپنے فرزند سے کیا باپ بیٹے دونوں زید کے دو لڑکیوں سے نکاح کرسکتے ہیں یا نہیں مطلع کریں؟

الجواب: یہ صورت نکاح جائز ہے۔ اس میں کچھ حرج نہیں کہ باپ اپنے بیٹے کی بیوی کی بہن سے نکاح کرلے فان اخت حلیلۃ الابن لیست من المحرمات فی شئ، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۳۰ر شعبان ۴۶ھ۔

ماں کے شوہر کی بیٹی سے نکاح جائز ہے

سوال (۱۲) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بکر نے ہمراہ خدیجہ نکاح کیا چند مدت کے بعد بکر نے مسماۃ خدیجہ کو طلاق دے دی بعدہٗ بکر نے ہمراہ فاطمہ نکاح کیا اور خدیجہ نے بعد انقضائے عدت کے ہمراہ عمر نکاح کیا۔ بکر کے بطن فاطمہ سے ایک لڑکی عائشہ پیدا ہوئی اور عمر کا بطن خدیجہ سے ایک لڑکا مسمی ولید پیدا ہوا توکیا صورت متذکرہ بالا میں بروئے شرع محمدی کے ولید کے نکاح میں مسماۃ عائشہ آسکتی ہے یا نہ بینوا بالصفحۃ والکتاب توجروا عند الوھاب؟

تنقیح: بکر اور عمر اور خدیجہ اور فاطمہ میں باہم کیا قرابت ہے اگر کوئی قرابت نہیں تو اسی کو ظاہر کیا جائے سوال ناتمام ہے اس لئے جواب نہیں دیا جاسکتا فقط۔ ۱۰ رجب ۴۷ھ۔

الجواب عن التنقیح: بکر اور عمر اور خدیجہ اور فاطمہ میں کوئی اور قرابت نہیں صرف یہ کہ خدیجہ پہلے بکر کے زوجہ تھی بعدہٗ خدیجہ کو بکر نے طلاق دیدی بعد انقضائے مدت کے خدیجہ نے نکاح ثانی ہمراہ عمر کیا تھا اور بکر نے نکاح ہمراہ فاطمہ کیا دوسرے خاوند کے گھر مسماۃ خدیجہ کے ولید لڑکا پیدا ہوا اور بکر کے دوسری عورت مسماۃ فاطمہ سے عائشہ لڑکی پیدا ہوئی تو عائشہ اور ولید کا آپس میں نکاح ہوسکتا ہے یا نہ؟

الغرض صرف بکر اور خدیجہ کی قرابت سابقہ بطور زوجیت کے تھی اور کوئی قرابت نہیں والسلام مع الاکرام۔

الجواب: صورت مسئولہ میں عائشہ کا نکاح ولید کے ساتھ جائز ہے۔ کیونکہ یہ عائشہ اس ولید کی ماں کے شوہر کی بیٹی ہے اور وہ حرام نہیں، قال فی الدر: واما بنت

زوجۃ اختہ او ابنہ فحلال ام وفی رد المحتار: قال الخیر الرملی: ولا تحرم بنت زوج الام ولا امہ ولا ام زوجۃ الاب ولا بنتھا ولا ام زوجۃ الابن و لا بنتھا ولا زوجۃ الربیب ولا زوجۃ الراب اھ (ص ۴۵۶ ج ۲) ۔ ۲۳ رج ۴۷ھ

سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح جائز ہے

سوال (۱۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید وعمرو آپس میں علی الترتیب حقیقی باپ بیٹے ہیں نیز زید کی بیوی یعنی عمرو کی والدہ فوت ہو چکی ہے۔ اب زید اپنا نکاح ہندہ نامی عورت سے کر چکا ہے اور ہندہ کی حقیقی بہن کو اپنے لڑکے کی زوجیت میں دینا چاہتا ہے جو بعد نکاح ہو جانے کے ہندہ اور اس کی حقیقی بہن آپس میں ساس اور بہو ہو جاویں گی ایسی صورت میں شرع شریف کا کیا حکم ہے اس مسئلہ کا جواب باصواب مستند کتب کے حوالہ سے تحریر فرما کر ارسال فرماویں فقط بینوا توجروا۔

الجواب: یہ صورت جائز ہے کیونکہ باپ کی بیوی کی بہن محرمات میں سے نہیں ہے اس سے بیٹے کا نکاح درست ہے وجواز ذلک مما لا یخفی علی من لہ نظر فی الفقہ واللہ اعلم۔

بتاریخ ۲۴ شوال ۴۷ھ۔

بیوی کے انتقال کے بعد فوراً اس کی بہن سے نکاح جائز ہے

سوال (۱۴) ماقولکم رحمکم اللہ ...... زید کی بی بی انتقال کر گئی اس کی بہن کے ساتھ فی الفور اس کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ہاں کر سکتا ہے (مرد کے ذمہ عدت کا انتظار طلاق اخت وطلاق رابعہ میں ہے موت اخت وموت رابعہ میں نہیں)۔

ساس کی سوتیلی ماں محرمات میں داخل نہیں ہے

سوال (۱۵) ساس کی سوتیلی ماں محرمات میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب: محرمات میں سے نہیں ہے جیسا کہ بیوی کی سوتیلی ماں حلال ہے فی العالمگیریۃ (ص ۲۷۸ ج ۲) ویجوز الجمع بین امرأۃ وبنت زوجھا پس بیوی کی ماں اور نانی دادی حرام ہے اور بیوی کے باپ دادا نانا کی منکوحہ حرام نہیں ہے۔ فقط احقر عبدالکریم عفا عنہ۔

الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ، ۱۱ رج ۲ ۴۵ھ۔

حکم نکاح دختر پسر اخت عینیہ وعلاتیہ واخیافیہ

سوال (۱۶) دختر پسر اخت عینیہ وعلاتیہ واخیافیہ را نکاح کردن روا ست یا نہ، واز بنات الاخت بنات ابن الاخت داخل باشد یا چہ لِلّٰہ ارشاد فرمائید؟

الجواب: بنات الاخت میں بنات ابن الاخت و بنت الاخت سب داخل ہیں ولو سفلن جیسا کہ بناتکم میں بنت الابن والبنت داخل ہیں، واللہ اعلم حررہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ ۲۵ شوال ۴۸ھ

مزنیہ کے لڑکے سے جو زانی کے نطفہ سے ہو زانی کی لڑکی کا نکاح حرام ہے

سوال (۱۷) زید کے ایک حلال زوجہ سے لڑکی ہے زینب، اس کے بعد زید نے ہندہ سے زنا کیا تو ایک لڑکا عمرو پیدا ہوا، سوال یہ کہ عمرو کا نکاح زینب سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: قال الشامی تحت قول الدر (وبنتها) ولو من زنا واما التحریم علی اٰباء الزانی واولادہ فلاعتبار الجزئیۃ۔ پس معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں عمرو کا زینب سے نکاح حرام ہے۔ کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ، مورخہ ۲۹ رج ۱۳۵۰ھ

باپ کی ربیبہ سے نکاح جائز ہے

سوال (۱۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص جس کا لڑکا پانچ سالہ موجود تھا ایک عورت حاملہ من الزنا سے حالت حمل میں نکاح کیا مگر حمل کسی اور شخص کا تھا اسی واسطے اس شخص نے حکم شرعی کے موافق اس عورت کے ساتھ تا وضع حمل قربت وغیرہ نہیں کی اور نکاح کو چھ ماہ نہ گذرے تھے کہ اس حمل سے لڑکی پیدا ہوئی اس کو انہیں دونوں نے پرورش کیا اور لڑکی کو اس کی ماں نے ہی دودھ پلایا اور اس لڑکی کی مدت رضاع تک کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا اب لڑکی قریب البلوغ ہے کیا یہ شخص اس لڑکی من الزنا کا نکاح اپنے لڑکے کے ساتھ جو دوسری بیوی سے ہے کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں نکاح اس لڑکی کے ساتھ اس شخص کے بیٹے سے ہو سکتا ہے کیونکہ وہ لڑکی اس شخص کی صرف ربیبہ ہے نہ اس سے اس کا نسب ثابت ہوا ہے (لانہا ولدت لاقل من ستۃ اشہر) اور نہ اس شخص کی رضیعہ ہے (لان اللبن لیس منہ) اور صرف ربیبہ ہوتے ہوئے اپنے بیٹے سے نکاح جائز ہے، واللہ اعلم۔ احقر عبدالکریم عفی عنہ۔ یکم ربیع ۲ ۱۳۵۱ھ۔

رضیعہ مزنیہ سے نکاح حرام ہے

سوال (۱۹) زید نے ہندہ سے بعید مدت گذری ہے کہ زنا کیا تھا۔ اب ہندہ کو اپنے مرد سے جو دودھ اترا ہے اپنی سوت یعنی اپنے مرد کی دوسری بیوی کی بچی فاطمہ کو مدت رضاع میں دودھ پلایا ہے اب زید کو فاطمہ کے ساتھ نکاح کرنے کا ارادہ ہے جو کہ زید کی مزنیہ کی رضاعی بیٹی ہے یہ نکاح صحیح ہوگا یا نہ؟

جواب من بعض العلماء

یہ نکاح صحیح ہوگا رد المحتار باب الرضاع میں تحت قول الدر المختار قیل وکذا

الزنا والاوجه لا فتم بعد چند سطور کے ہے وذکر الوبری الی قول رد المحتار و قلت وذکر فی شرح المنیۃ انہ لا یعدل من الدرایۃ اذا وافقہا روایۃ وقد علمت ان الوجہ معہ روایۃ عدم التحریم ص ۳۶۷۰ج ۲۔

سوال تتمہ خامسہ امداد الفتاویٰ جدید مطبوعہ ص۹ سطر اوّل

سوال :۔ زید کو ایک ایسی عورت سے ناجائز تعلق ہوگیا جس نے زید کی زوجہ کو دودھ پلایا تھا یعنی زید کو اپنی زوجہ کی رضاعی ماں سے زنا کا تعلق ہوگیا آیا زید کی زوجہ زید پر حلال رہی یا حرام ہوگئی خلاصہ سوال یہ کہ حرمت مصاہرہ مزنیہ کے اصول و فروع رضاعیہ کی طرف متعدی ہوگی یا نہ ؟

جواب :۔ فی الدر المختار بیان المحرمات حرم الکل مما مر تحریمہ الی اٰخرہ فی رد المحتار تنبیہ مقتضی قولہ والکل رضاعاً مع قولہ سابقاً تا آخر جلد ۲ ص ۴۵۶۔ ۴۵۷، اس روایت سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں زید کی بی بی زید پر حرام ہوگئی۔

اب براہِ نوازش جس روایت کو ترجیح فرمایا جاوے اس کو مستند حوالجات کتب فرماویں اور بر تقدیر مرجوحیۃ روایت عدم تحریم کے اب چونکہ زید نے رضیعۂ ثانیہ سے نکاح کر لیا ہے طلاق کی ضرورۃ ہے یا ویسے ہی تفریق اور عزم ترک کیا جاوے اور نصف مہر طلاق قبل دخول کی صورت میں واجب ہو یا نہ ؟

الجواب من جامع امداد الاحکام : صورت مسئولہ میں روایت تحریم کو ترجیح ہے کیونکہ اصول مذہب کے موافق وہی ہے کیونکہ زید کی رضیعہ مزنیہ کی بیٹی ہے وھو ظاھر اور عورت موطوءہ کی بیٹی واطی پر حرام ہے پس رضیعہ مزنیہ زانی پر حرام ہے قال فی البدائع وکذا یحرم بالوطأ ام الموطوءۃ وبنتھا من الرضاع سواء کان الوطأ حلالا بان کان بملک الیمین او بنکاح فاسد او شبھۃ نکاح اوکان زنا والاصل انہ یحرم بسبب الرضاع ما یحرم بسبب النسب وسبب المصاھرۃ اھ (ص ۲۶۲ ج ۲) ومثلہ فی المجلد الرابع ص۲۔

اور صاحب فتح القدیر نے عدم تحریم کی روایت کی ترجیح کی جو وجہ بیان کی ہے اور صاحب رد المحتار نے جو اس کی تقریر کی ہے اس کا جواب صاحب تحریر مختار نے بہت اچھا دیا ہے جو آگے مذکور ہوگا اور صاحب بدائع نے اس مسئلہ میں صرف تحریم ہی کو بیان کیا ہے عدم تحریم کی کوئی روایت نہیں بیان کی پس قہستانی نے جو اس مسئلہ میں دو روایتیں بیان کی ہیں ونصہ لو زنی بامرأۃ فولدت وارضعت صبیۃ جاز لہ ان یتزوجھا کما فی شرح الطحاوی ولکن

فی الخلاصۃ انہ لایجوز وقد مر ان فیہ روایتین اھ (حاشیۃ البحر لابن عابدین (ص ۲۲۶ ج ۳)۔ یہ دو روایتیں مذہب میں نہیں ہیں بلکہ دوسرے ائمہ کے اقوال کو خلط کر کے صاحب مذہب کی روایت کے ساتھ بیان کر دیا ہے ورنہ صاحب بدائع وغیرہ اس سے ضرور تعرض کرتے اور صاحب بحر نے تصریح کی ہے کہ رضیعہ مزنیہ زانی کے لئے اتفاقاً حرام ہے ونصہ واشار بذکر الزوج الی ان لبن الزنا لیس کالحلال حتی لو ولدت من الزنا وارضعت بہ صبیۃ یجوز لاصول الزانی وفروعہ التزوج بھا ولا تثبت الحرمۃ الا من جانب الام خاصۃ الی ان قال وانما قیدنا محل الخلاف باصول الزانی وفروعہ لانھا لاتحل للزانی اتفاقا لانھا بنت المزنی بھا وقد منا ان فروع المزنی بھا من الرضاع حرام علی الزانی ولذا قال فی الخلاصۃ بعد ماذکر حرمتھا علی الزانی وکذا الولد تحبل من الزنا وارضعت لابلبن الزنا فانھا تحرم علی الزانی کما تحرم بنتھا من النسب علیہ اھ (ص ۲۲۷ ج ۳) اور صاحب فتح القدیر کے کلام کو صاحب بحر نے تو اصول و فروع زانی پر محمول کیا ہے کہ وہ رضیعہ مزنیہ کو اصول و فروع زانی کے لئے جائز کہتے ہیں نہ خود زانی کے لئے مگر علامہ شامی نے عموم پر رکھ کر خود زانی کے لئے بھی اس کو جائز کہدیا ہے مگر یہ اصول مذہب کے بالکل خلاف ہے جو ہرگز قابل اعتماد و اعتبار نہیں ہے چنانچہ صاحب تحریر مختار نے علامہ شامی کے اس کلام کو اس طرح رد کیا ہے ؟

قولہ یخالف المسطور فی الکتب الخ قد یقال ان عدم تحریم المرضعۃ بلبن غیر الزوج لعدم دخولہ بالزوجۃ اذ ھو المحرم للبنات واثبات الحرمۃ علی الزانی فی مسئلۃ الخلاصۃ لتحقق امومیۃ الزانیۃ للراضیعۃ بارضاعھا لبنھا فتحقق انھا بنتھا والزانی قد دخل بھا فیحرم علیہ فرعھا الرضاعی کالنسبی

ع قلت قد صرح فی البدائع بمفھوم ھذا القید ای بالتحریم بعد الدخول ونصہ وکذا کل من یحرم بسبب المصاھرۃ من الفرق الاربع الذین وصفناھم فی کتاب النکاح یحرم بسبب الرضاع فیحرم علی الرجل ام زوجتہ وبنتھا من زوج اٰخر من الرضاع کما فی النسب الا ان الام تحرم بنفس العقد علی البنت اذا کان صحیحا والبنت لا تحرم الا بالدخول بالام کما فی النسب اھ (ص ۴ ج ۴) قلت ورضیعۃ المزنی بھا ھی بنت المزنی بھا وقد دخل بامھا فتحرم علی الزانی حتما ۱۲ منہ

فاثبات الحرمة فی مسئلة الخلاصة لالان الرضیعه بعضه بواسطة اللبن حتی یقال انه لیس من منیه بل لان هذه الرضیعه تحقق انها بنت موطوءته (ای جزء منه ۱۲) فتحرم علیه بوطأ امها الرضاعیة کما تحرم علیه بنتها النسبیة فماهو مسطور فی الکتب المشهورة لایخالف مافی الخلاصة مع ظهور وجه مافیها فان الرضیعة وإن لم تنسب للزانی لان اللبن لیس من منیه تنسب للام بواسطة اللبن المنسوب الیها وقد دخل بها اھ (ص ۲۱۱ ج ۱)۔

اور جن لوگوں کو رضیعہ مزنیہ کے زانی کے لئے حلال ہونے کا وہم ہوا ہے ان کے وہم کا منشا دو امر ہیں، ایک یہ کہ رضیعہ مزنیہ کا تعلق نسب صرف مزنیہ بہا سے ہے نہ زانی سے الخ مگر اس علت کا حاصل یہ ہوگا کہ جہاں سبب حرمت تعلق نسب ہو وہاں اس رضاع سے تحریم نہ ہوگی مثلاً اصول و فروع زانی کے لئے یہ رضیعہ حلال ہوگی مگر زانی کے حق میں ثبوت حرمت کے لئے ثبوت نسب من الزانی ضروری نہیں بلکہ بنت الموطوءہ ہونا کافی ہے اور رضیعۃ المزنیہ کا بنت موطوءۃ الزانی ہونا متحقق ہے۔

دوسرا منشاء وہم یہ ہوا کہ کتب مذہب میں یہ مسئلہ مسطور و مشہور ہے کہ مرضعہ بلبن غیر الزوج زوج پر حرام نہیں۔ علامہ شامی نے اس کو مطلق سمجھ کر کلام صاحب خلاصہ کو اس کے خلاف سمجھ لیا حالانکہ یہ مسئلہ اس قید کے ساتھ مقید ہے کہ زوج نے مرضِعہ (بکسر الضاد) سے دخول نکیا ہو اور دخول کے بعد مرضَعہ بلبن غیر الزوج زوج کے لئے حرام ہے اس کو کتب مشہورہ میں حلال نہیں کہا گیا فافہم وکن من الشکرین اور جو نکاح رضیعہ مزنیہ سے کیا گیا ہے وہ نکاح فاسد ہے اور نکاح فاسد میں قبل الدخول مہر واجب نہیں ہوتا نہ نصف نہ کل اور بعد الدخول کے مہر مثل واجب ہوتا ہے صرح بہ فی الدر فی باب المھر، واللہ تعالیٰ اعلم۔ اور صورت مسئولہ میں متارکت بھی کافی ہے طلاق کی حاجت نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۲ ذی الحجہ ۴۸ھ۔

حکم نکاح کتابیہ

سوال (۲۰) فی زمانہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کی عورتوں کے ساتھ بلا کلمہ عقد جائز ہے یا نہیں بعضے بولتے ہیں حنفی مذہب میں جائز ہے اور بعض بولتے ہیں پہلے زمانہ کے یہود و نصاریٰ کی عورتوں کے ساتھ عقد بلا کلمہ جائز تھا کیونکہ اس وقت میں وہ سب موحّد تھے اور فی زمانہ اہل کتاب مشرک ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ وغیرہ کہتے ہیں۔

الجواب: جو اہل کتاب عیسیٰ علیہ السلام و موسیٰ علیہ السلام کے اتباع کا دعویٰ کرتے

ہوں خواہ ابن اللہ کہکر یا رسول اللہ کہکر اُن کی عورتوں سے نکاح جائز تو ہے مگر مکروہ ہے اور جو محض دہریہ ہوں جیسا کہ آج کل عموماً انگریز دہریہ ہیں ان کی عورتوں سے نکاح جائز نہیں ۔

پھوپھی بھتیجی ایک نکاح میں جمع نہیں ہوسکتیں

سوال (۲۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور وہ عورت اپنے خاوند کے پاس ۹ یا ۱۰ برس رہی اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا اور دو برس کا ہوکر فوت ہوگیا اور وہ عورت اس کی منکوحہ کسی رنج یا تکلیف کے سبب سے اپنے والدین کے مکان پر آگئی اور کچھ عرصہ کے بعد اُس کے شوہر نے اپنی زوجہ کی حقیقی بھتیجی سے نکاح کرلیا اب ایک شخص کے نکاح میں یہ ہردو پھوپھی بھتیجی جائز ہوسکتی ہیں یا نہیں ۔ اور بعد نکاح بھتیجی کے لوگوں کے کہنے سُننے سے چار پانچ روز کے بعد پہلی زوجہ یعنی پھوپھی کو طلاق دیدیا اب کون جائز ہوسکتی ہے یا کوئی نہیں؟ بینوا توجروا ۔

الجواب : پھوپھی اور بھتیجی دونوں ایک شخص کے نکاح میں جمع نہیں ہوسکتیں اس لئے پھوپھی کی موجودگی نکاح میں جو اس کی بھتیجی سے نکاح کیا گیا ہے وہ فاسد ہے درست نہیں ہوا البتہ پھوپھی کو طلاق دیکر اس کی عدت طلاق تمام ہوجانے کے بعد بھتیجی سے نکاح ہوسکتا ہے ۔ پس صورت مسئولہ میں اس شخص نے اپنی بیوی کی بھتیجی سے پھوپھی کو نکاح میں رکھتے ہوئے جو نکاح کیا ہے یہ بہت بڑا گناہ ہوا اس سے توبہ علانیہ لازم ہے اور بھتیجی سے علیحدگی واجب ہے پھر چونکہ اس نے پہلی بیوی کو طلاق دے دی ہے تو جب اس کی عدت طلاق تین حیض پوری ہوجاوے اس کے بعد اسکی بھتیجی سے دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے، واللہ اعلم ۔ ۳۰ ذیقعدہ ۴۹ھ ۔

فصل فی الانکحۃ الفاسدہ

شوہر اگر قید ہو تو زوجہ کا نکاح ثانی کرنا باطل ہے

سوال (۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کی نانی مسلمان ہوئی اور ہندہ کی والدہ کا ایک مسلمان پردیسی سے نکاح کردیا جب ہندہ پیدا ہوئی اور سات آٹھ سال کی عمر ہوئی ہندہ کے والدین کا انتقال ہوا اور کسی ولی و عصبہ کا کوئی پتہ نہ چلا اور ہندہ اپنی خالہ بد چلن کی پرورش میں چند روز رہی پھر چند خدا ترس لوگوں نے بمشورہ اس کی خالہ کے زید سے ہندہ کا نکاح کردیا جو کہ مسلمان تھا اور حیثیت میں ہندہ کے باپ کی برابر تھا اور قومیت طرفین میں سے کسی کی کسی کو معلوم نہیں ملازم پیشہ لوگ تھے بعد نکاح کے کئی سال تک ہندہ زید کے پاس رہی اتفاق سے کسی بدچلنی کی وجہ سے زید قید ہوگیا زید کے گھر والے ہندہ کو تنگ رکھتے تھے

ہندہ نے اپنی تنگی اپنی خالہ سے بیان کی تو خالہ نے اس کو چکلہ میں بٹھادیا چکلہ والوں نے کسی سے کچھ روپیہ ٹھہرا کر ہندہ کے پاس بھیجا تو ہندہ بھاگ گئی قابو میں نہ آئی اور اسلامی مسائل سے بالکل ناواقف تھی ناٹک والوں میں مسلمان سمجھ کر شامل ہوگئی پھر بعد بلوغ کے بوجہ غلبۂ شہوت ایک غیر مسلم سے تعلق ناجائز ہوگیا اس ناجائز تعلق سے چند اولاد ہوئیں اتفاق سے ایک مسلمان شخص سے ہندہ ملی اور اپنا کل حال بیان کیا اس شخص نے اس کو وعید سنائی اور یہ کہا کہ تو مسلمان ہے اور یہ شخص جس سے تیرا تعلق ہے غیر مسلم ہے ہندہ پر خوف الٰہی پیدا ہوا اور مسائل دریافت کئے اور اولاد کو چھوڑنے پر آمادہ ہوئی تو اس غیر مسلم نے کہا میں تیری خاطر اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہوا اور یہ تیری اولاد ہے ان سب کو چھوڑ کر کہاں جاتی ہے میں بھی مسلمان ہوتا ہوں گھر نہ بگڑنا چاہئے ہندہ نے کہا میرا شوہر اصلی قید میں ہے اور یہ اولاد حرامی ہے تو غیر مسلم ہے میں تیرے پاس نہ رہوں گی پھر ہندہ نے اپنا کل حال عمرو سے بیان کیا عمرو نے کہا تو کسی اور مسلمان سے نکاح کرلے ہندہ نے کہا میرا نکاح ہوچکا تھا اور شوہر قید میں ہے نہ وہ مرا ہے اور نہ طلاق دی ہے کیسے نکاح کرسکتی ہوں عمرو نے چند مسلمان غیر عالم سے ہندہ کی تسلی کرادی کہ تیرا شوہر قید میں ہے تو نکاح کرلے تیرے کئی اولاد ناجائز تعلق سے پیدا ہوچکی اب نکاح ٹوٹ گیا بے نکاح رہنا درست نہیں ہندہ نے مسئلہ کا خیال کرکے عمرو سے ہی نکاح کرلیا پھر ایک شخص مسلمان اس کو ملا اس سے تمام حال اپنا سنایا وہ مسلمان عالم نہ تھا کچھ مسائل سے واقف تھا اس کو دیکھ کر اور زیادہ اسلام سے ہندہ خوش ہوئی اور مفصل حال سنایا تو اس شخص نے کہا کہ دوسرا نکاح نہیں ہوا اب اور زیادہ ہندہ کو تشویش ہوئی لہٰذا عرض ہے کہ پہلا نکاح درست تھا یا نہ اور بدون طلاق کے یہ دوسرا نکاح درست ہوا یا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب؎ : ولی عصبہ کے نہ ہونے کی صورت میں ذوی الارحام کو حنفیہ کے نزدیک ولایت نکاح نابالغہ حاصل ہے اسی طرح اگر ولی عصبہ موجود ہو مگر لاپتہ ہو کہ کسی کو اس کا پتہ نہ معلوم ہو جب بھی ولی ابعد کو نکاح کی ولایت حاصل ہوتی ہے۔ قال فی العالمگیریہ (ص ۱۱ ج ۲) وعند عدم العصبة كل قريب يرث الصغير والصغيرة من ذوى الارحام يملك تزويجهما فى ظاهر الرواية عن ابى حنيفة اھ وفيه (ص ۱۲ ج ۲) وان كان الاقرب غائبا

؎ سائل سے دریافت کیا گیا کہ ہندہ کا پہلا نکاح مہر مثل پر ہوا تھا یا نہیں اس نے جواب دیا کہ مہر مثل پر ہوا تھا ۱۲ ظفر

غیبۃ منقطعۃ جاز نکاح الابعد کذا فی المحیط پس صورت مسئولہ میں ہندہ کی خالہ اس کی ولی تھی اور اس کا بدچلن ہونا مُسقط ولایت نہ تھا قال فی العالمگیریۃ (ص ۱۲ ج ۲) والفسق لایمنع الولایۃ کذا فی فتاوی قاضی خان اھ البتہ اگر ولی فاسق اگرچہ باپ ہی ہو کسی نابالغ کا نکاح غیر کفو میں یا مہر مثل سے بہت زیادہ قلیل مہر پر کرے اس صورت میں نکاح نہیں ہوتا قال فی البحر فما فی الجوامع ان الاب اذا کان فاسقًا للقاضی ان یزوج الصغیرۃ من غیر کفؤ غیر معروف نعم اذا کان متھتکا لاینفذ تزویجہ ایاھا بنقص عن مھر المثل ومن غیر کفء وسیاتی ھذا اھ (ص ۱۲۴ ج ۳) اور ولی ابعد اگر ایسا کرے کہ غیر کفو میں یا مہر مثل سے کم پر نکاح کردے وہ تو مطلقاً باطل ہے اگرچہ ولی فاسق بھی نہ ہو صالح ہی ہو قال فی الدر وان کان المزوج غیرھما ای غیر الاب وابیہ ولو الام لایصح النکاح من غیر کفؤ او بغبن فاحش اصلا ومافی صدر الشریعۃ صح ولھما فسخہ وھم وان کان من کفؤ وبمھر المثل صح اھ (ص ۵۰۰ و ۵۰۱ ج ۱) ملخصًا۔

پس صورت مسئولہ میں اگر ہندہ کا پہلا نکاح زید سے مہر مثل پر اور کفو میں ہوا ہے تو چونکہ خالہ ولی تھی اور اس کی اجازت سے نکاح ہوا اس لئے وہ نکاح صحیح ہو گیا اب ہندہ کا کسی دوسرے سے نکاح کرنا بغیر زید شوہر اول سے طلاق حاصل کئے اور بدون عدت طلاق گذرنے کے ہرگز جائز نہیں اگر پہلے شوہر سے طلاق حاصل کئے بغیر اس نے کسی سے نکاح کر لیا ہے تو وہ نکاح باطل ہے ہندہ کو اس سے فوراً الگ ہو جانا چاہیئے شوہر اول کے قید ہو جانے یا کسی غیر مسلم سے ہندہ کے ناجائز تعلق کر لینے سے پہلا نکاح باطل نہیں ہو سکتا وہ بدستور باقی ہے البتہ ہندہ نے اس ناجائز تعلق پیدا کرنے میں گناہِ عظیم کا ارتکاب کیا ہے بالخصوص غیر مسلم کے ساتھ فانہ اشد ذنبۃ فی الاسلام۔ لہذا ہندہ کو دوسرے خاوند سے فوراً علیحدگی اختیار کر کے ان تمام گناہوں سے بصدق دل توبہ واستغفار کرنا چاہیئے اور بارگاہ الٰہی میں رو رو کر دعا کرنی چاہیئے کیا عجب ہے کہ مغفرت ہو جاوئے وہ اپنی رحمت سے شرک وکفر کے علاوہ تمام گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔

واللہ اعلم ولا عاصم من امر اللہ الا من رحم۔ ۲۲ ربیع الثانی سنہ ۴۰ھ۔

غیر کی منکوحہ سے نکاح کرنا باطل ہے اور جو اولاد ہوئی وہ حرامی ہے

سوال (۲) مندرجہ ذیل سوالات کے جواب کا منتظر ہوں کیا حکم ارشاد ہوتا ہے۔ پہلے سوال کے باعث بڑی پریشانی ہے کوئی صورت کسی طرح نکلے تو بہتر ہے۔

ایک مسلمان صاحب نے ایک مسلمان عورت کو بلا نکاح عرصہ بارہ سال سے رکھے ہے اس کا شوہر زندہ ہے طلاق دینے سے صاف انکار کرتا ہے ہرگز نہ دوں گا کبھی کہتا ہے مجھے معلوم ہی نہیں کہ میری عورت کونسی ہے، پاگل نہیں ملازم سرکاری جنگل میں ہے ہر طرح نصیحت کی کارگر نہ ہوئی گذر اوقات کے لئے شروع سے اب تک ایک کوڑی نہیں دی اس خاوند سے تین بچے بھی ہو گئے اس عورت کی شادی بہت کم عمری میں ہوئی تھی عنقریب سات آٹھ سال کی عمر تھی اور جب ہی سے کچھ دن بعد الگ ہے گیا اس کا نکاح کسی بھی طرح ہو سکتا ہے یا تا عمر جب تک طلاق نہ دے ممکن نہیں یا نابالغی میں شادی ہو جاوے اور بالغی عورت شوہر کو منظور نہ کرے تو دوسرے کے ساتھ نکاح ممکن ہے یا ہو ہی نہیں سکتا یہاں دو مثالیں موجود ہیں جو بلا نکاح اسی طرح زندگی برباد کر رہی ہیں اور اولاد ہو رہی ہے۔

ایسی حالت میں اس کا عقیقہ جائز ہوگا یا نہیں دوسروں کو اس کے یہاں کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اس صورت میں جب تک پہلا شوہر طلاق نہ دے دوسرے سے کسی طرح نکاح نہیں ہو سکتا اور اگر وہ ابتداء سے زوجہ کو نفقہ نہیں دیتا یا نابالغی میں نکاح ہوا تھا اور بلوغ کے بعد وہ اس کو پسند نہیں کرتی اس صورت میں جبر کرکے اس پہلے شوہر سے طلاق لینا جائز ہے مگر بدون طلاق کے دوسرے سے نکاح ہرگز نہیں ہو سکتا۔

(۲) ایسی حالت میں جو اولاد ہوئی ہے وہ حرامی ہے ایسے شخص کے گھر کا کھانا وغیرہ نہ کھانا چاہئے جب تک کہ وہ اس حرکت سے توبہ نہ کرے باقی عقیقہ حرامی لڑکے کا بھی جائز ہے۔

زوجۂ عنین کا بغیر طلاق کے نکاح ثانی کرنا باطل ہے

سوال (۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی عمر ۱۴ سالہ کی نابالغہ اور اس کا شوہر عمر ۱۹ سال کا وہ لڑکی شوہر کے یہاں سے باپ کے یہاں بھاگ آئی اس کے پیچھے اس کا شوہر اور شوہر کا بھائی آئے لے جانے کو لڑکی بولی میرا شوہر دیوث اور نامرد ہے ناک کان چھدا اور پیر میں گھونگرو باندھ کر ناچتا گاتا ہے ایک مرتبہ اس نے ایک غیر آدمی کو گھر میں بھیجا اور آپ باہر کھڑا رہا میں نے شور غل کیا تو وہ شخص بھاگ گیا اس نے مجھے ایک لات ماری کہ کیوں شور کی یہ کل باتیں لڑکی نے اپنے شوہر کے روبرو کہیں لڑکی کے باپ نے کہا تم جماعت میں آؤ تصفیہ ہوگا اور تمہارا ملاحظہ کیا جائے گا تب لڑکی بھیجوں گا اس دہشت سے وہ بھاگ گیا اس کو لڑکی کی طرف سے نوٹس دیا گیا تو واپس کیا اور کئی خط دئے مگر جواب نہیں آیا کچھ

دن بعد اس کے باپ بھائی آئے جماعت نے کہا لڑکے کو لاؤ وہ پندرہ روز کا وعدہ کر کے گیا ایک ماہ میں اکیلا آیا اور کہا کہ ایک ہفتہ میں لاؤں گا جس کو ڈیڑھ ماہ ہوا پتہ نہیں ہے نہ کچھ خط ہے اب لڑکی بالغ ہوگئی ہے اور بارہ ماہ سے باپ کے یہاں بیٹھی ہے اور اس کا باپ بہت غریب شخص ہے عدالت نہیں کرسکتا اور وہ ایسی جگہ ہے کہ کوئی مسلمان وہاں نہیں ہے اب کیا کیا جاوے معروضہ ہے کہ جو حکم شرع میں ہو اطلاع بخشیں؟ ویسا عمل میں لاویں گے فقط۔

الجواب: صورت اولیٰ میں جب تک شوہر اپنی بی بی کو طلاق نہ دیدے اور عدت نہ گذر جاوے اس وقت تک اوس کا نکاح دوسرے سے نہیں ہوسکتا۔

> زوجہ کی موجودگی میں اس کی بھانجی سے نکاح فاسد ہے اور عقر واجب ہوگا

سوال (۴) زید کا نکاح ہندہ سے ہوا جس کو ایک مدت دراز گذرگئی اور کوئی اولاد اس وقت تک ہندہ کے بطن سے نہیں ہوئی عرصہ تین سال کا ہوا کہ زید نے ہندہ کی حقیقی ہمشیرہ زادی کے ساتھ بساز یا بعلم ہندہ تعلق ناجائز کرلیا اس درمیان میں ہندہ کی ہمشیرہ زادی کے تعلق ناجائز سے حمل قرار پاگیا جس کا علاج حکماء سے کرایا گیا اور استقرار ظاہر کیا گیا بعد گذرنے نو ماہ کے فروری ۲۲ ء کو ہندہ کی ہمشیرہ زادی کے تعلق ناجائز سے دختر پیدا ہوئی کہ جواب چھ ماہ کی ہے اور موجود ہے بروقت پیدائش دختر کے زید نے یہ ظاہر کیا کہ ہندہ کے ہمشیرہ زادی سے جس سے وہ دختر پیدا ہوئی ہے میں نے نکاح کرلیا ہے جس کا علم زید کو ہوگا اور باقی نکاح کا علم یہاں کسی کو نہیں ہے۔ ایسی صورت میں ہندہ اور اس کی ہمشیرزادی دونوں کا اجتماع بموجودگی ہندہ زید کے گھر میں جائز طور سے ہوا اور دونوں خالہ بھانجی زید کے زوجگان جائز قرار دی جاسکتی ہیں اور وہ دختر جو پیدا ہوئی ہے اور موجود ہے اولاد جائز ہے۔ اب زید کا انتقال ہوگیا اب زید نے ہندہ اور اس کی ہمشیرہ زادی مع دختر کے اور تیسری اور زوجہ لاولد نکاح سے چھوڑی ایسی صورت میں تینوں زوجگان میں سے کونسی زوجہ جائز قرار دی جاوے گی اور کون زوجہ ناجائز رہے گی اور مہر تینوں زوجگان میں سے کس کس کا زید پر واجب تھا اور بعد انتقال کس کس کا واجب رہا اور وہ دختر جو ہندہ کے ہمشیرزادی سے موجود ہے وہ مستحق ترکہ پدری یعنی زید کا ہے یا نہیں اور زید کے مرنے کے بعد علاوہ ان عورتوں کے ایک بڑا بھائی حقیقی بھی موجود ہے ایسی حالت میں شرع شریف کا کیا حکم ہے مفصل حال سے معزز فرمائیے؟

الجواب: صورت مسئولہ میں زید کی دو زوجہ جن سے نکاح صحیح ہوا ہے یعنی ہندہ اور زوجہ لاولد نکاحی وارث ہیں اور ہندہ کی بھانجی جس سے زید نے ہندہ کی موجودگی میں نکاح کرنے کا

دعویٰ کیا ہے وارث نہیں ہے کیونکہ اس سے زید کا نکاح فاسد ہوا ہے البتہ ہندہ کی بھانجی سے جو لڑکی پیدا ہوئی ہے وہ بیشک زید کی وارث ہے یہ حکم تو میراث کا ہے مہر کا حکم یہ ہے کہ زید کی دو زوجہ یعنی ہندہ اور زوجہ لاولد نکاحی کو مہر مسمی کامل ملے گا اور ہندہ کی بھانجی کو مہر مثل بطور عقر کے دیا جائے گا خواہ مہر مثل کتنا ہو لیکن اگر وہ مہر مسمی سے زیادہ ہو تو اس سے زائد نہیں دیا جائے گا اور اگر مہر مسمیٰ مہر مثل سے زیادہ ہو تو مہر مثل دیا جائے گا خلاصہ یہ کہ مہر مسمیٰ اور مہر مثل میں جو کم ہو وہی اس کو ملے گا قال فی الدر و یجب مہر المثل فی نکاح فاسد وھو الذی فقد شرطا من شرائط الصحۃ کشہود بالوطأ فی القبل لا بغیرہ کالخلوۃ لحرمۃ وطئھا ولم یزد مہر المثل علی المسمی لرضاھا بالحط ولو کان دون المسمی لزم مہر المثل لفساد التسمیۃ بفساد العقد ولو لم یسم او جھل لزم بالغا ما بلغ (الی ان قال) ویثبت النسب احتیاطاً بلا دعوۃ اھ (ص ۵۷۴ لغایت ۵۷۷ ج ۲) وفی رد المحتار قولہ کشہود و مثلہ تزوج الاختین معاً ونکاح الاخت فی عدۃ الاخت ونکاح المعتدۃ الخ (ص ۵۷۴ ج ۲) وفیہ ایضاً قولہ ویثبت النسب اما الارث فلا یثبت فیہ و کذا النکاح الموقوف ط عن ابی السعود اھ (ص ۵۷۷ ج ۲)۔ پس صورت مسئولہ میں اگر زید کا وارث بجز ان لوگوں کے جن کا ذکر سوال میں ہے اور کوئی نہیں تو بعد ادائے دین مہر و قرض وغیرہ کے جو ترکہ بچے اس کے آٹھ سہام کر کے ایک سہم دونوں زوجہ کو اور چار سہام زید کی بیٹی کو جو ہندہ کی بھانجی سے ہوئی ہے اور ۳ سہام زید کے بھائی کو ملیں گے۔ واللہ اعلم۔ ۸ ذیحجہ ۱۳۴۰ھ۔

غیر کی منکوحہ سے نکاح باطل ہے اور اگر اس سے اولاد ہو جائے تو اس کا حکم

سوال (۵) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مولیٰ اپنی زوجہ نابالغہ عیدو کو اپنے ہمراہ لیکر عبد الغنی کے مکان پر آیا کئی دنوں کے بعد مولیٰ مذکور بیمار ہو گیا اور مولی خرچ وغیرہ سے بہت تنگ دست ہو گیا اس وقت مولی نے عبد الغنی سے کہا کہ میں خرچ سے تنگدست ہو گیا ہوں تم میرا علاج معالجہ کرو اور مسماۃ عیدو سے بخوشی اپنا نکاح کر لو اور میں نے مسماۃ مذکورہ سے صحبت داری نہیں کی۔ عبد الغنی نے مسماۃ عیدو سے نکاح کر لیا۔ تقریباً بارہ گھنٹہ کے بعد مولی مر گیا آیا نکاح جائز رہا یا نہیں؟

جواب از حضرت مولانا مدظلہ : نہیں اور یہ بالکل ظاہر ہے۔

بقیہ سوال بالا

اور عیدو مذکور عبد الغنی کے یہاں بیس سال تک رہی اور پانچ چھ اولاد بھی عبد الغنی سے

ہوئیں جس سے ایک دختر بندی عبدالغنی کی موجود ہے اور عبدالغنی فوت ہوگیا آیا عبدالغنی کے ترکہ میں سے مسماۃ عیدو و دختر بندی کو حق پہنچتا ہے یا نہیں۔ عبدالغنی کی دو بیوی مسماۃ بخشن زوجہ اول و مسماۃ عیدو مذکور ایک دختر بندی ایک چچازاد بھائی اسمی بندو چھوڑا اور اپنے ذمہ کچھ قرضہ چھوڑا ایک دوکان اور کچھ روپیہ نقد جو کہ امانت میں ہے اور سامان استعمالی چھوڑا اور عبدالغنی اپنی زندگی میں اپنے بھائی بندو مذکور سے ناراض تھا اور تندرستی کے وقت عبدالغنی کہا کرتا تھا کہ میں دوکان مسجد کے نام کروں گا تاکہ دوکان میرے بھائی بندو مذکور کو نہ ملے اور بیماری کے وقت بھی عبدالغنی نے دو تین مرتبہ دوکان مسجد میں کرنے کو کہا مگر ان دونوں عورتوں مسماۃ بخشن و عیدو نے نہ کرنے دی عبدالغنی فوت ہوگیا مسماۃ بخشن و عیدو نے بعد عدت کے نکاح کر لئے بخشن مذکور نے برادری کے بھائی سے نکاح کیا اور عیدو نے عبدالغنی کے چچازاد بھائی بندو سے نکاح کر لیا اور بندی مذکور اپنی ماں مسماۃ عیدو کے پاس موجود ہے اب ترکہ کس طرح تقسیم ہونا چاہئے اور بندی کا کون ولی ہونا چاہئے؟

الجواب: صورت مسئولہ میں مولی نے اپنی زوجہ عیدو کو نہ طلاق دی ہے نہ طلاق کا کوئی لفظ استعمال کیا ہے لہذا اس کا نکاح زوجہ مذکورہ سے باقی تھا اس حالت میں عبدالغنی کا اس سے نکاح کرنا بالکل باطل اور حرام ہوا اور اگر مولی نے کوئی لفظ طلاق کا استعمال کیا ہو تو سائل کو لکھنا چاہئے لیکن اس صورت میں بھی اگر مولی اور عیدو میں تنہائی کسی وقت ہو چکی ہے گو صحبت نہ ہوئی ہو تو زوجہ مذکورہ پر عدت کا گذارنا واجب تھا اور عبدالغنی نے عدت میں اس سے نکاح کیا ہے اس لئے بھی یہ نکاح باطل ہے مگر بہر صورت مسماۃ عیدو کو عبدالغنی کے ترکہ میں مہر مثل بطور عقر کے ملے گا بشرطیکہ عبدالغنی نے اپنی حیات میں مہر نہ دیا ہوا اور نہ عیدو نے معاف کیا ہو جس کا حکم یہ ہے کہ اگر نکاح کے وقت کچھ مقدار مہر کی مقرر کی گئی تھی اور وہ مقدار مہر مثل (یعنی خاندانی مہر) سے کم یا اس کی برابر ہے تب تو وہی ملے گا جو مہر نکاح میں مقرر ہوا ہے اور اگر مہر مسمی مہر مثل سے زیادہ ہے تو مہر مسمی نہ ملے گا بلکہ مہر مثل دیا جائے گا اور عیدو کو عبدالغنی کے ترکہ میں سے میراث کچھ نہ ملے گی البتہ مسماۃ بندی جو عبدالغنی کے نکاح کے بعد عیدو سے پیدا ہوئی ہے اس کو عبدالغنی کے ترکہ میں سے میراث ملے گی پس بعد ادائے دین مہر ہر دو زوجگان اور دیگر قرض وغیرہ کے جو عبدالغنی کے ذمہ ہو اس کے باقی ماندہ ترکہ کو اس طرح تقسیم کیا جائے گا:۔

(نقشہ تقسیم بر صفحہ آئندہ)

مسئلہ ۸ عبدالغنی

زوجۂ اولیٰ	زوجۂ حرام	دختر	برادر عم زاد
بخشن	عیدو	ہندی	ہندو
۱	م	۴	۳

اور عبدالغنی جو زندگی میں ہندو سے ناراض تھا اس سے ہندو میراث سے محروم نہ ہوگا اور جس دوکان کو عبدالغنی مسجد میں دینا چاہتا تھا چونکہ تندرستی میں وہ اس کو وقف نہ کرسکا اس لئے وہ دوکان بھی سب وارثوں میں تقسیم ہوگی پس جس قدر سامان بعد ادائے قرض و ادائے دین مہر وغیرہ کے باقی رہے اس کے آٹھ سہام کرکے ایک سہم مسماۃ بخشن زوجۂ اولیٰ کو دیا جائے اور ۴ سہام مسماۃ ہندی کو اور ۳ سہام ہندو کو دیئے جاویں مسماۃ عیدو کو میراث کچھ نہ ملے گی۔ قال فی الدر ویجب مهر المثل فی نکاح فاسد وھو الذی فقد شرطا من شرائط الصحۃ کشھود بالوطأ فی القبل لا بغیرہ کالخلوۃ لحرمۃ وطئھا ولم یزد مھر المثل علی المسمیٰ لرضاھا بالحط ولو کان دون المسمیٰ لزم مھر المثل لفساد التسمیۃ بفساد العقد ولو لم یسم او جھل لزم بالغا ما بلغ (الیٰ ان قال) ویثبت النسب احتیاطا بلا دعوۃ اھ (۵۷۴ لغایت ۵۷۷ ج ۲) وفی الشامیۃ قولہ کشھود ومثلہ تزوج الاختین معاً ونکاح الاخت فی عدۃ الاخت ونکاح المعتدۃ الخ (۵۷۴ ج ۲) وفیہ ایضاً قولہ ویثبت النسب اما الارث فلا یثبت فیہ کذا النکاح الموقوف عن ابی السعود اھ (۵۷۷ ج ۲) واللہ اعلم۔

۲۱ ذی الحجہ ۳۴۰ھ۔

عورت کا عدت وفات میں نکاح کرلینے کا حکم اور شرائط متارکہ

سوال (۶) علماء دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کیا فرماتے ہیں؟

سوال اول: ہندہ کے شوہر نے انتقال کیا اور ہندہ نے قبل تمام ہونے عدت وفات کے زید سے نکاح کیا تو آیا یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟

سوال دوم: ہندہ ایک سال تک بعد نکاح مذکور کے زید کے ساتھ رہی جب پنچوں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ عدت کے اندر ہندہ کا نکاح ہوا ہے اس لئے پنچوں نے ہندہ کو اس کے باپ کے یہاں بھیج دیا جس کو عرصہ تین ماہ کا ہوا اب اگر ہندہ دوسرے شخص سے نکاح کرنا چاہے

تو اس میں عدت کی ضرورت ہے یا نہیں ؟

سوال سوم : صورت مسئولہ میں اگر عدت واجب ہے تو عدت کی ابتداء کب سے ہوگی اور کونسی عدت واجب ہوگی اور دوسرے مرد سے کب اس کا نکاح جائز ہوگا ؟

سوال چہارم : صورت مسئولہ میں پنچوں نے پنچایت کر کے ہندہ کا جہیز زید کے بھائی وغیرہ کے ذریعہ منگا کر ہندہ کو واپس کر دیا لیکن نہ زید پنچایت میں آیا اور نہ اس نے کوئی لفظ بابت انکار نکاح کہا تو اس پر متارکہ کا اطلاق ہو سکتا ہے یا نہیں اگر نہیں تو متارکہ کی کیا تعریف ہے ؟

سوال پنجم : اگر زید مذکور متارکہ نہ کرے تو اس ملک میں جہاں غیر مسلم کی حکومت ہے اور قاضی شرع مقرر نہیں ہے تفریق کی کیا صورت ہے اور کیا پنچوں کو تفریق کا حق شرعاً حاصل ہے یا نہیں۔

سوالات مذکورہ بالا کا جواب بالتفصیل معہ حوالہ کتب معتبرہ ارقام فرما کر اجر عظیم حاصل فرمائیے ؟

ھو الموفق للصواب۔

(جواب بعض علماء)

جواب سوال اول : ہندہ کا نکاح جو عدت کے اندر ہوا ہے صحیح نہیں ہے۔ قال اللہ تعالیٰ : وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتَابُ اَجَلَهٗ ط

جواب سوال دوم : ہندہ نے جو عدت کے اندر نکاح کیا ہے یہ نکاح فاسد ہے۔ در المختار میں ہے۔ ویجب مهر المثل فی نکاح فاسد وهو الذی فقد شرطا من شرائط الصحة کشهود۔ رد المحتار حاشیۃ الدر المختار میں علامہ ابن عابدین تحت قولہ (کشہود) فرماتے ہیں : ومثله تزوج الاختین معا ونکاح الاخت فی عدة الاخت ونکاح المعتدة والخامسة فی عدة الرابعة الخ اور فتاویٰ عالمگیری باب نکاح فاسد میں ہے۔ لو تزوجت فی عدة الوفات فدخل بها الثانی ففرق بینهما انتهی اور نکاح فاسد میں بعد دخول عدت واجب ہوتی ہے فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ لو کان النکاح فاسدا ففرق القاضی ان فرق قبل الدخول لا یجب العدة وکذا الفرق بعد الخلوة وان فرق بعد الدخول کان علیها الاعتداد من وقت التفریق وکذا لو کانت الفرقة بغیر قضاء کذا فی الظهیریة۔ در المختار میں ہے۔ لکل واحد منهما فسخه دخل بها اولا فی الاصح خروجا عن المعصیة بل یجب علی القاضی التفریق بینهما وتجب العدة بعد الوطئ لا للخلوة للطلاق لا للموت من وقت التفریق

او متارکۃ الزوج انتہی رد المحتار حاشیہ در المختار میں ہے۔ وتقدم فی باب المھر ان الدخول فی النکاح الفاسد موجب للعدۃ اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ لو تزوجت فی عدۃ الوفات فدخل بھا الثانی ففرق بینھما فعلیھا بقیۃ عدتھا من الاول لتمام اربعۃ اشھر وعشراً وعلیھا ثلاث حیض من الاخیر و یحتسب بما حاضت بعد التفریق من عدۃ الوفات کذا فی معراج الدرایۃ۔ انتہی۔

عبارات مذکورہ سے ثابت اور متحقق ہوا کہ نکاح فاسد میں بعد دخول عدت واجب ہوتی ہے اور چونکہ ہندہ سال بھر تک زید کے ساتھ رہی ہے لہٰذا اس پر عدت واجب ہے۔

جواب سوال سوم: صورت مسئولہ میں ہندہ پر تفریق قاضی یا متارکہ زوج کے بعد سے عدت کی ابتداء ہوگی در المختار میں ہے۔ وتجب العدۃ بعد الوطی لا الخلوۃ للطلاق لا للموت من وقت التفریق او متارکۃ الزوج۔ انتہی۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ و العدۃ فی النکاح الفاسد عقیب التفریق او عزم الوطی علی ترک وطیھا۔ اور یہ عدت عدتِ طلاق کی ہوگی یعنی حائضہ کے لئے تین حیض اور آئسہ کے لئے تین ماہ اور حاملہ کے لئے وضع حمل عدت ہوگی۔ تنویر الابصار میں ہے۔ والمنکوحۃ نکاحاً فاسداً والموطوءۃ بشبھۃ وام الولد غیر الآئسۃ والحامل الحیض للموت وغیرہ انتہی۔ در المختار میں ہے۔ ای عدۃ المذکورات ثلاث حیض ان کن من ذوات الحیض والا فالاشھر او وضع الحمل وھذا اذا کانت المنکوحۃ نکاحاً فاسداً الخ۔

الحاصل تفریق قاضی یا متارکہ زوج کے بعد سے عدت کی ابتداء ہوگی۔ اور جب تک عدت پوری نہ ہو دوسرے مرد سے ہندہ کا نکاح صحیح نہ ہوگا۔

جواب سوال چہارم: ہندہ کا اپنے باپ کے یہاں رہنے اور مجوزہ سامان واپس پانے سے متارکہ صحیح نہ ہوگا۔ متارکہ کے لئے ضروری ہے کہ واطی یعنی مرد ترک وطی کا ارادہ کرکے زبان سے بھی اس کا اظہار کرے کہ میں نے تجھ کو علیحدہ کیا یا میں نے تجھ کو چھوڑ دیا یا میں نے تیری راہ خالی کردی یا میں نے تجھ کو طلاق دی وغیرہ۔ قال العینی فی شرح الکنز ولا یتحقق المتارکۃ الا بالقول بان یقول تارکتک او تارکتھا او خلیت سبیلک او خلیتھا الخ۔ وفی العالمگیریۃ۔ والمتارکۃ فی الفاسد بعد الدخول لا یکون الا بالقول کخلیت سبیلک او ترکتک ومجرد انکار النکاح لا یکون متارکۃ الخ

وبعدم مجی احدھما الی الاٰخر بعد الدخول لا یحصل متارکۃ ۔ انتھی ۔ فی ردالمحتار فی البزازیۃ المتارکۃ فی الفاسد بعد الدخول لا یکون الا بالقول کخلیت سبیلک او ترکتک ومجرد انکار النکاح لا یکون متارکۃ اما لو انکر وقال ازھبی وتزوجی کان متارکۃ والطلاق فیہ متارکۃ لکن لا ینقص بہ عدد الطلاق وعدم مجی احدھما الی الاٰخر بعد الدخول لیس متارکۃ لانھا لا یحصل الا بالقول ۔ انتھی ۔

جواب سوال پنجم: تفریق کے لئے قاضی کا ہونا ضروری ہے ۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے ۔ لو کان النکاح فاسداً فرق القاضی بینھما الخ ۔ درالمختار میں ہے ۔ بل یجب علی القاضی تفریق بینھما الخ اور پنچوں کو حق تفریق حاصل نہیں ہے ۔ اور ایسے مسائل جن میں قاضی شرع کی ضرورت ہوتی ہے ہند کی اسلامی ریاستیں جیسے ریاست بھوپال ریاست رامپور ریاست حیدرآباد دکن کے قاضی سے تفریق حاصل ہوسکتی ہے ۔ خود وہاں جاکر یا بذریعہ تحریر حکم تفریق طلب کرنے سے ۔ مجموعہ فتاوی حضرت مولانا عبدالحی میں ہے ۔ در بلادیکہ زیر حکومت کفار اند وقضای قاضی درانجا مفقود است اگر ہیچ واقعہ افتد ضرور است کہ صاحب معاملہ بہ بلاد اسلام کہ دراں قضاء قاضی موجود مثلاً بلاد حجاز و بلاد روم وغیرہ واز بلاد ہند رامپور و بھوپال وغیرہ رفتہ انفصال سازد یا بذریعہ تحریر از قضاۃ بلاد اسلام حکم فسخ طلب سازد ۔ انتھی ۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب ۔ حررہ الراجی غفور ربہ اللطیف ابوالطیب محمد حنیف عفی عنہ ومن والدیہ المدرس لمدرسۃ انوار العلوم الواقعہ فی قصبۃ متو آئمہ من مضافات الہ آباد ۔

الجواب من جامع امداد الاحکام

(۱) جواب دوم صحیح نہیں کیونکہ علامہ شامی نے اولاً نکاح فاسد کی بہت سی مثالیں بیان کرکے آگے چل کر مجتبیٰ سے قاعدہ کلیہ نقل کیا ہے ۔ اور تصریح کردی ہے کہ نکاح معتدہ موجب عدۃ نہیں پس نکاح معتدہ کو فاسد کہنا بمعنی باطل ہے جو اصلاً منعقد نہیں ہوتا ۔ قال الشامی وسیاتی فی باب العدۃ انہ لا عدۃ فی نکاح باطل وذکر فی البحر ھناک عن المجتبیٰ ان کل نکاح اختلف العلماء فی جوازہ کالنکاح بلا شھود فالدخول فیہ موجب للعدۃ واما نکاح منکوحۃ الغیر ومعتدتہ فالدخول فیہ لا یوجب العدۃ ان علم انھا للغیر لانہ

لم یقل احد بجوازہ فلم ینعقد اصلاً قال فعلی ھذا یفرق بین فاسدہ و باطلہ فی العدۃ لھذا یجب الحد مع العلم بالحرمۃ لانہ زنا کما فی القنیہ وغیرھا اھ (ص ۲ج۵۷۵) پس ہندہ پر نکاح زید کی وجہ سے کوئی عدت نہیں۔

(۲) جواب سوال سوم بھی صحیح نہیں کیونکہ نکاح فاسد میں زوجین میں سے ہر ایک کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہے۔ اور متارکت و فسخ میں کچھ فرق نہیں البتہ اگر نکاح اصل سے صحیح ہوا اور فساد بعدؔ میں طاری ہوا ہو۔ اس صورت میں متارکت زوج کے ساتھ مخصوص ہے اور صورت موجودہ میں فساد اصل عقد میں ہے لہذا ہندہ کا بھی فسخ و متارکت کافی ہے قال علامۃ الشامی وخص الشارح المتارکۃ بالزوج۔ کما فعل الزیلعی لان ظاھر کلامھم انھا لاتکون من المرأۃ اصلا مع ان فسخ ھذا النکاح یصح من کل منھما بمحضر الاخر اتفاقا والفرق بین المتارکۃ والفسخ بعید کذا فی البحر۔ وفرق فی النھر بان المتارکۃ فی معنی الطلاق فیختص بہ الزوج اما الفسخ فرفع العقد فلا یختص بہ وان کان فی معنی المتارکۃ وردّہ الخیر الرملی بان الطلاق لایتحقق فی الفاسد فکیف یقال ان المتارکۃ فی معنی الطلاق۔ فالحق عدم الفرق ولذا جزم بہ المقدسی فی شرح نظم الکنز الخ وتمامہ فی ماعلقناہ علی البحر اھ (ص ۲ج۵۷۷) وفی البحر فظاھر کلامھم ان المتارکۃ لاتکون من المرأۃ اصلا کما قیدہ الزیلعی بالزوج لکن فی القنیۃ لکل واحد منھما ان یستبد بفسخہ قبل الدخول بالاجماع وبعد الدخول مختلف فیہ وفی الذخیرۃ ولکل واحد من الزوجین فسخ ھذا النکاح بغیر محضر من صاحبہ عند بعض المشائخ وعند بعضھم ان لم یدخل بھا فکذلک فان دخل بھا فلیس لواحد منھما حق الفسخ الا بمحضر من صاحبہ۔ اھ وھکذا فی الخلاصۃ وھذا یدل علی ان للمرأۃ فسخہ بمحضر الزوج اتفاقا ولاشک ان الفسخ متارکۃ الاان یفرق بینھما وھو بعیدٌ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔ اھ (ص ۲ج۱۷۲) وفی الدر ویثبت لکل واحدٍ منھما فسخہ ولو بغیر محضر من صاحبہ دخل بھا اولا فی الاصح خروجًا عن المعصیۃ اھ (ص ۲ج۵۷۵)۔

عہ الفرق بینھما علی رأی سیدی حکیم الامۃ ۱۲ ظ

جب مطلقاً نکاح فاسد میں یہ حکم ہے تو نکاح معتدہ میں جو کہ باطل ہے بدرجہ اولیٰ متارکت کی ضرورت نہیں لانہ لا ینعقد اصلاً۔

(۳) پھر مجیب نے قضاء قاضی کی صورت اہل ہند کے لئے بیان کر کے جو یہ لکھا ہے کہ خود وہاں جاکر یا بذریعہ تحریر حکم تفریق طلب کرنے سے الخ یہ تردید بھی صحیح نہیں کیونکہ جن مسائل میں قضاء شرط ہے ان میں قاضی کی تحریر کافی نہیں ہوتی۔ اگر تحریر مثل کتاب القاضی الی القاضی کے ہو تو معتبر ہو سکتی ہے اور اس کے لئے پھر یہاں قاضی کے ہونے کی ضرورت ہے۔ پس مسائل قضاء میں بجز ریاستوں میں جاکر دعویٰ دائر کرنے کے کوئی صورت نہیں، واللہ اعلم۔ ۲۱ صفر ۴۱ھ۔

مزنیہ کی بیٹی سے نکاح کی عدم صحت اور طریق متارکت

سوال (۷) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین صورت مسئولہ میں کہ آٹھ سالہ نابالغہ لڑکی کا نکاح اس کے والد کے فوت ہو جانے کے بعد اس کی والدہ نے ایسی صورت میں کہ ایک شخص سے اس کا ناجائز تعلق ہو گیا تھا اسی سے اپنی لڑکی کا نکاح کر دیا لڑکی اب معمرہ ۱۵ سالہ ہے جس کا اب تک خاوند سے کوئی تعلق صرف اسی وجہ سے نہیں ہے کہ اس نے اپنی ماں کو ناجائز تعلق کرتے ہوئے یعنی مباشرت فاحشہ میں خاوند کے ساتھ بارہا دیکھا ہے از روئے شرع شریف لڑکی خاوند کے نکاح میں رہ سکتی ہے یا نہیں نیز خاوند سے اسے طلاق لینے کی ضرورت ہے یا بلغیر طلاق خاوند سے جدا ہو گئی ہے بینوا توجروا۔

الجواب: جب لڑکی کی ماں کا ناجائز تعلق اپنے داماد سے قبل نکاح بنت ہی ہو چکا ہے تو اس صورت میں لڑکی کا نکاح اس شخص سے صحیح نہیں ہوا بشرطیکہ لڑکی نے اپنے نکاح سے پہلے ماں کا ناجائز تعلق خود دیکھا ہو یا دو معتبر دیکھنے والوں نے اس سے بیان کیا ہو یہ ضرور نہیں کہ مباشرت فاحشہ کرتے ہوئے ہی دیکھا ہو بلکہ اگر پاس سوتے ہوئے یا تقبیل وغیرہ کرتے ہوئے بھی دیکھ لیا ہو تب بھی کافی ہے جب نکاح صحیح نہ ہوا تو لڑکی کو شوہر سے طلاق لینے کی ضرورت نہیں بلکہ چند آدمیوں کے سامنے اسے اتنا کہہ دینا چاہئے کہ میں اپنے نکاح کو جو فلاں شخص سے ہوا تھا فسخ کرتی ہوں اور بہتر یہ ہے کہ شوہر کے سامنے بھی یہ بات کہہ دے گو ضرورت نہیں۔ پھر اگر شوہر سے لڑکی کی ہمبستری نہیں ہوئی جیسا کہ سوال سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے تب تو اس پر عدت بھی واجب نہیں بلکہ بدون عدت ہی کے مذکورہ بالا کلمات کہہ کر وہ اپنا نکاح دوسرے شخص سے جو اس کا کفو ہو خاندانی مہر پر کر سکتی ہے اور اگر ہمبستری ہو چکی ہے تو مذکورہ بالا کلمات کہنے کے بعد تین حیض گذرنے پر وہ اپنا نکاح دوسرے سے کر سکتی ہے۔ قال فی الخلاصۃ اما بالخلوۃ الصحیحۃ والفاسد فی النکاح الفاسد

فلا یجب العدة وکمال المھر والنکاح الفاسد لاحکم لہ قبل الدخول حتی لو تزوج امرأة نکاحاً فاسداً بان مس امھا بشھوة ثم تزوجھا ثم ترکھالہ ان یتزوج الام والمتارکة فی النکاح الفاسد بعد الدخول لایکون الا بالقول ترکتک او خلیت سبیلک الیٰ ان قال وفی المحیط لکل واحد فسخ ھذا العقد بغیر محضر من صاحبہ قبل الدخول وبعد الدخول لیس لکل واحد منھما حق الفسخ الا بحضرة صاحبہ کالبیع الفاسد، وعند بعض المشائخ لکل واحد حق الفسخ بعد الدخول وقبلہ اھ ص ۲۷۴ج ۱ ۔ اور اگر لڑکی کے نکاح سے پہلے اس کی ماں کا ناجائز تعلق داماد سے نہوا ہو بلکہ بعد نکاح کے ناجائز تعلق ہوا ہو تو سوال دوبارہ کریں، واللہ اعلم ۔ ۹ رجب ۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ بامر سیدی حکیم الامت دام مجدہم ۔

باپ نے نابالغہ کا نکاح کیا بعد میں معلوم ہوا شوہر شرابی ہے الخ

سوال (۸) کیا فرماتے ہیں علمار دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی دختر کا نکاح پنج سال کی عمر میں ایک لڑکے کے ساتھ کر دیا بعد ازیں معلوم ہوا کہ وہ لڑکا جوئے باز اور شارب الخمر ہے اور جب وہ لڑکا اپنی منکوحہ کو لینے کے واسطے اپنے خسر سے آکر متقاضی ہوا تو اس کے خسر نے کہا کہ جب تک تو جوئے کے کھیلنے اور شراب کے پینے سے باز نہ آئے گا تب تک میں اپنی دختر کو تمہارے ساتھ روانہ کروں گا کیونکہ ہمارے کنبے میں نہ کوئی شرابی ہے اور نہ قمار باز اس شخص نے کہا کہ میں شراب کے پینے اور جوئے کے کھیلنے سے ہرگز تائب نہ ہوں گا تو اس کے خسر نے کہا کہ میں اپنی بیٹی کو تمہارے ساتھ نہ بھیجوں گا حاصل کلام وہ شخص مذکور خالی پھر گیا جب اس بات کو پنج سال کا عرصہ گذر گیا تو اس لڑکی کے والد نے بدیں غرض کہ شاید وہ تنگ آکر بدعادتوں کو چھوڑ دے وے اور میری دختر کو اپنے گھر آباد کر لیوے عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا عدالت نے بذریعہ سمنہائے سخت تلاش کی لیکن اس کا کچھ پتہ نہ چلا کہ وہ کہاں گیا بعد ازاں عدالت نے اس کے مہر کی یکطرفہ ڈگری دیدی جب اس فیصلہ کو تخمیناً پنج سال گذر گئے تو اس عورت نے نان ونفقہ سے تنگ آکر ایک شخص کے ساتھ ناجائز علاقہ پیدا کر لیا اور صاحب اولاد ہو گئی، جب اُسکے گاؤں والوں نے اس کو تنگ کیا اور حُقہ پانی اس کا بند کر دیا تو اس نے ناچار آپ کی جناب عالی میں عریضہ بصورت استفتا پیش کیا کہ میرا نکاح بوجہ مفقودیت زوج یا ان صورتوں کے جو ذکر کیئے گئے دیگر سے ہو سکتا ہے؟ اگر ہو سکتا ہے تو برائے مہربانی تحریر فرما کر مشکور فرما دیں؟

الجواب: قال فی العالمگیریة رجل زوج ابنتہ الصغیرة من رجل

علی ظن انہ صالح لایشرب الخمر فوجدہ الاب شریبًا مدمنا وکبرت الابنۃ فقالت لا ارضی بالنکاح ان لم یعرف ابوہا بشرب الخمر وغلبۃ اہل بیتہ الصالحون فالنکاح باطل ای یبطل وہذہ المسئلۃ بالاتفاق کذا فی الذخیرۃ اھ ص ۱۶ ج ۲ ۔ وفی رد المحتار قال فی البزازیۃ زوج بنتہ من رجل ظنہ مصلحا لایشرب مسکرا فاذا ہو مدمن فقالت بعد الکبر لا ارضی بالنکاح ان لم یکن ابوہا یشرب المسکر ولا عرف بہ وغلبۃ اہل بیتہا الصالحون فالنکاح باطل بالاتفاق اھ ص ۵۳۶ ج ۲ ۔ وفیہ ایضًا فرجع الی ان المعتبر صلاح الاباء فقط وانہ لا عبرۃ لفسقہا بعد کونہا من بنات الصالحین اھ ۔

صورت مسئولہ میں اگر لڑکے نے بعد جوان ہونے کے اس نکاح سے اپنی ناراضی ظاہر کی تھی تو یہ نکاح باطل ہوگیا اور یہ لڑکی دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے اور اگر جوان ہونے کے بعد اس نے نکاح سے ناراضی ظاہر نہیں کی یا رضامندی ظاہر کی تھی تو سوال دوبارہ کیا جاوے واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد بامر سیدی حکیم الامت ، ۲۸ رجب ۴۶ھ۔

معتدۂ وفات نے عدت کے اندر نکاح کرلیا اور چھ ماہ بعد تجدید نکاح کی تو کیا نکاح جدید صحیح ہوگیا؟

سوال (۹) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ متوفی زید کی بی بی کو عدۃ وفات کے اندر یعنی چالیس دن رہتے عمر نے نکاح کرکے اس سے وطی کرتا رہا اور نکاح کے بعد ان دونوں کے اندر تفریق نہ ہوئی اور نہ اس عورت نے مابقی عدۃ وفات کو بھی پورا کی اس حالت میں رہتے ہوئے زید کی وفات کی مدت چھ مہینے گذر جانے سے پھر عمر نے اس عورت کو بعض مولوی صاحب کے حکم سے ثانیًا نکاح کرلیا ہے فتاوی عالمگیری میں باب العدۃ میں مرقوم ہے ۔ و لو تزوجت فی عدۃ الوفاۃ فدخل بہا الثانی ففرق بینہما فعلیہا بقیۃ عدتہا من الاول تمام اربعۃ اشہر وعشر وعلیہا ثلث حیض من الآخر ویحتسب بما حاضت بعد التفریق من عدۃ الوفاۃ کذا فی معراج الدرایۃ وہکذا فی المبسوط وایضًا فیہ المطلقۃ اذا حاضت حیضۃ ثم تزوجت بزوج آخر ووطئہا الثانی وفرق بینہما وحاضت حیضتین بعد التفریق کان لہذا الزوج الثانی ان یتزوجہا لانقضاء عدۃ الاول الخ ان عبارتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مابقی عدۃ وفات پورا کرنا اس عورت پر واجب ہے بغیر پورا کرنے عدت وفات کے عمر کا نکاح

اس سے ثانیاً بھی درست نہیں اگرچہ مدت وفات زید کی چھ مہینہ سے گذر گئی ہو لیکن بعض مولوی صاحب کا قول ہے کہ جب عمر نے اس عورت کو زید کے مرنے سے چھ مہینہ کے بعد پھر ثانیاً نکاح کر لیا ہے تو وہ نکاح درست ہوا ہے اور ما بقی عدت وفات بغیر تفریق کے بھی اسی حالت میں پوری ہو گئی ہے چونکہ مسئلہ مذکور کے بارہ میں چون و چرا تنازع ہو رہا ہے اور جناب حامی دین متین و وارث سید المرسلین ہیں لہٰذا دفع تنازع اور حقیقت مسئلہ دریافت کے لئے جناب عالی میں عرض پرداز ہوں کہ متوفی زید کی بی بی کو اس وقت عمر سے جدا کر کے ما بقی عدۃ وفات پوری کرنا اس پر واجب ہے یا نہیں جناب از روئے مہربانی و شرع پروری کے با ادلۂ شرعیہ بیان فرمائیں اور نکاح ثانی جائز اور عدتِ وفات پورا نہ ہونے کی تقدیر پر عمر اگر اس عورت کو پھر نکاح کرے تو عالمگیری و مبسوط کے قول ولوتزوجت فی عدۃ الوفاۃ الخ کے رو سے تین حیض پورا گذر جانے یا صرف ما بقی عدۃ وفات چالیس دن گذر جانے کے بعد نکاح کرے از روئے شرع ارشاد فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: اگر معتدۃ الوفاۃ عدۃ کے اندر نکاح کرے تو عدت وفات کا تمام ہونا تفریق پر موقوف نہیں بلکہ جب چار ماہ دس دن گذر جائیں گے (وھی غیر حامل) تو عدت پوری ہو جائے گی اب اگر یہ مدت تفریق سے پہلے ہی گذر گئی تو زوج ثانی کو اس سے ثانیاً نکاح کر لینا معاً درست ہے اور اگر چار ماہ دس دن گذرنے سے پہلے ان دونوں میں تفریق ہو گئی تو عورت کو ما بقی عدت کا پورا کرنا ضروری ہے ما بقی عدت پورا ہو جانے کے بعد زوج ثانی کو تو معاً اس سے نکاح درست ہے اور دوسروں کو بعد تفریق کے تین حیض گذر جانے کا بھی انتظار کرنا لازم ہوگا عالمگیریہ کی عبارتِ مرقومۃ الصدر کا مطلب یہ ہے کہ عورت نے عدت وفات میں نکاح کر لیا اور عدت ہی میں زوج ثانی نے دخول کیا اور عدۃ ہی کے اندر دونوں میں تفریق کر دی گئی تو اس عورت پر زوج اول کی ما بقی عدۃ کا پورا کرنا ضروری ہے اور چونکہ زوج ثانی کے دخول سے بھی اس کے ذمہ عدۃ وطی بالشبہ لازم ہو گئی ہے تو اگر وہ زوج ثانی کے علاوہ کسی اور سے نکاح کرنا چاہتی ہے تو اس پر تین حیض کا بھی تفریق کے بعد سے انتظار کرنا ضروری ہے اور تین حیض کے گذرنے کے ساتھ ساتھ عدۃ وفات بھی گذرتی رہے گی اھ۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر عدۃ وفات بحالت نکاح فاسد پوری ہو چکی ہو تب بھی دونوں میں تفریق کی اور تفریق کے بعد عدۃ وفات پورا کرنے کی ضرورت ہے۔ کلا وحاشا۔ قال فی الدر و مبدأ العدۃ بعد الطلاق وبعد الموت علی الفور وتنقضی العدۃ وان جھلت المرأۃ بھما ای بالطلاق والموت لانھا اجل فلا یشترط العلم بمضیہ اھ ص۱۰۰۳ ج۲

(فی البدائع والدلیل علی انہا اسم للاجل لا للفعل انہا تنقضی من غیر فعل التربص بان لم تجتنب عن محظورات العدۃ حتی انقضت المدۃ ولو کانت فعلاً لما تصور انقضاءها مع ضدها وھو الترک سلمنا انہ کف لکنہ لیس برکن فی الباب بل ھو تابع بدلیل انہ تنقضی العدۃ بدونہ (ای بدون الکف عن المحظورات) الی ان قال ولما کان الرکن ھو الاجل عندنا وھو معنی الزمان لا یقف وجوبہ علی العلم بہ کمضی سائر الازمنۃ ثم قد بیّنّا انہ لا یقف علی فعلہا اصلا وھو الکف فانہا لو علمت (بالموت) فلم تکف ولم تجتنب ما تجتنبہ المعتدۃ حتی انقضت المدۃ انقضت عدتہا اھ ص ۱۹۰ و ۱۹۱ ج ۳ ۔ اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ انقضاء عدت عورت کے تربص اور کف عن المحذورات پر موقوف نہیں بلکہ انقضاء عدت کے لئے صرف مدت کا پورا ہوجانا کافی ہے پس صورت مسئولہ میں جب معتدہ ۶ ماہ تک زوج ثانی کے پاس رہی تو اگر وہ غیر حامل ہے اس کی عدت پوری ہوگئی اور عمرو کا نکاح جو پہلے شوہر کی موت کے ۶ ماہ بعد کیا ہے اس کے ساتھ درست ہوگیا اور عدت وفات گذر جانے کے بعد تین حیض کے گذرنے کا انتظار عمرو پر لازم نہیں، ہاں اگر یہ عورت عمرو سے تفریق حاصل کرکے کسی دوسرے سے نکاح کرنا چاہتی تو دوسری کو عدۃ وفات گذرنے کے ساتھ بعد از تفریق عمر تین حیض گذرنے کا بھی انتظار لازم ہوتا قال فی رد المحتار عن البحر واذا تمت عدۃ الاول حل للثانی ان یتزوجہا لا لغیرہ مالم تتم عدۃ الثانی بثلاث حیض من حیض التفریق اھ ص ۱۰۰۳ ج ۱ ۔

(تنبیہ) عدت وفاتً کا تمام ہونا تو اس پر موقوف نہیں کہ جو نکاح فاسد عدت میں کیا گیا ہے اس سے تفریق ہو تب ہی عدت گذرے عدت وفات بحالت بقاء نکاح فاسد بھی تمام ہوجائے گی البتہ تداخل عدتین تفریق پر موقوف ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ معتدہ وفات پر عدت میں نکاح و دخول بالثانی کرنے سے دوسری عدت وطی بالشبہ کی وجہ سے لازم ہوجاتی ہے جبکہ وہ زوج ثانی کے علاوہ کسی اور سے نکاح کرنا چاہے اور اگر وہ زوج ثانی ہی سے نکاح کرنا چاہے اس کا حکم اوپر گذر چکا ہے۔ اب اس کی دو صورتیں ہیں (۱) یہ کہ ان دونوں میں عدت کے اندر ہی تفریق ہوجائے اس صورت میں تین حیض تفریق کے بعد گذرنے کے ساتھ عدت وفات بھی پوری ہوتی رہے گی ۔ (۲) یہ کہ ان دونوں میں عدت وفات کے اندر تفریق نہیں ہوئی بلکہ چار ماہ دس دن

کے بعد تفریق ہوئی اور ان چار مہینوں اس کو تین حیض بھی آچکے اس صورت میں صرف عدت وفات تمام ہوئی عدت وطی بالشبہ باقی ہے اگر یہ عورت کسی تیسرے سے نکاح کرنا چاہے تو اس کو تین حیض تفریق کے بعد اور گذارنا واجب ہے قال فی رد المحتار فلو کانت وطئت بعد حیضة من (العدة) الاولی فعلیها حیضتان تکملة للاولی وتحتسب بهما من عدة الثانی فاذا حاضت واحدة بعد ذالك تمت الثانیة ایضًا نه وهذا اذا کان بعد التفریق بینهما وبین الواطی الثانی اما اذا حاضت حیضةً قبله (ای قبل التفریق) فهی من عدة الاولی خاصة اھ ص ۱۰۰۲ج ۲)

اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ زوج اول کی عدۃ تو بدون تفریق کے تفریق سے پہلے ہی تمام ہوسکتی ہے البتہ تداخل عدت اول وثانی بدون تفریق کے نہیں ہوسکتا۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ بامر سیدی حکیم الامۃ۔ ۱۷ر شوال ۴۱ھ۔

نکاح باطل وفاسد کی تعریف اور مزید چند صورتوں کا حکم

سوال (۱۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نکاح فاسد اور باطل کسے کہتے ہیں۔ باعتبار تعریف واحکام وغیرہ ان دونوں میں کچھ فرق ہے یا نہیں۔ فتح القدیر میں ہے کہ ان دونوں میں کچھ فرق نہیں بعض دوسرے فقہاء نے فرق لکھا ہے۔ ایسی صورت میں ترجیح کس قول کو ہوگی؟

ایک عورت کے نکاح ہوتے ہوئے اوس کی بہن سے بھی نکاح کرلینا فاسد ہے یا باطل۔ فتاوی عالمگیری القسم الرابع للمحرمات بالجمع میں ہے وان تزوجهما فی عقدتین فنکاح الاخیرة فاسد ویجب علیه ان یفارقها ولو علم القاضی بذلك یفرق بینهما فان فارقها قبل الدخول لا یثبت شیٔ من الاحکام وان فارقها بعد الدخول فلها المهر ویجب الاقل من المسمی ومن مهر المثل وعلیها العدة ویثبت النسب ویعتزل عن امرأته حتی تنقضی عدة اختها کذا فی محیط السرخسی اس میں ثانی کو فاسد کہا ہے رد المحتار اور دیگر کتب میں باطل لکھا ہے ان دونوں میں قول محقق ومفتی بہ کیا ہے ؟

اس دوسری عورت سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ عبارت عالمگیری کی بناء پر ثابت النسب ہوکر ناکح کی وارث ہوگی یا نہیں ؟ جن فقہاء نے نکاح ثانی کو باطل کہا ہے ان کے نزدیک ثبوت نسب اور وارث کا کیا حکم ہے دونوں کے نزدیک عورت ناکح سے وارث ہوگی یا محروم ؟

اس کے اور نیز اولاد کے وارث ہونے کے متعلق بھی محقق اور مفتی بہ قول ارقام فرمائیں؟ ان تمام سوالات کے متعلق ذرا مفصل اور مدلل جواب تحریر فرمایا جائے۔ جس سے طالب علم تردّد اور خلجان سے محفوظ رہے۔ والسّلام۔

الجواب؛ قال فی الدر و یجب مھر المثل فی نکاح فاسد وھو الذی فقد شرطا من شروط الصحۃ کشھود اھ وفیہ ایضاً ویثبت النسب احتیاطا بلا دعوۃ اھ قال الشامی ومثلہ تزوج الاختین معاً ونکاح الاخت فی عدۃ الاخت ونکاح المعتدۃ والخامسۃ فی عدۃ الرابعۃ والامۃ علی الحرۃ وفی المحیط تزوج ذمی مسلمۃ فرق بینھما لانہ وقع فاسداً اھ فظاھرہ انھما لا یحدان وان النسب یثبت فیہ والعدۃ ان دخل بحر۔ قلت لکن سیذکر الشارح فی اٰخر فصل فی ثبوت النسب عن مجمع الفتاوٰی: نکح کافر مسلمۃ فولدت منہ لا یثبت النسب منہ ولا تجب العدۃ لانہ نکاح باطل اھ وھذا صریح فیقدم علی المفھوم فافھم ومقتضاہ الفرق بین الفاسد والباطل فی النکاح لکن فی الفتح قبیل التکلم علی نکاح المتعۃ انہ لا فرق بینھما فی النکاح بخلاف البیع نعم فی البزازیۃ حکایۃ قولین فی ان نکاح المحارم باطل او فاسد والظاھر ان المراد بالباطل ما وجودہ کعدمہ ولذا لا یثبت النسب ولا العدۃ فی نکاح المحارم ایضاً کما یعلم مما سیأتی فی الحدود الی ان قال وسیأتی فی باب العدۃ انہ لا عدۃ فی نکاح باطل وذکر فی البحر ھناک عن المجتبٰی ان کل نکاح اختلف العلماء فی جوازہ کالنکاح بلا شھود فالدخول فیہ موجب للعدۃ اما نکاح منکوحۃ الغیر ومعتدتہ فالدخول فیہ لا یوجب العدۃ ان علم انھا للغیر لانہ لم یقل احد بجوازہ فلم ینعقد اصلا قال فعلی ھذا یفرق بین فاسدہ وباطلہ فی العدۃ ولھذا یجب الحد مع العلم بالحرمۃ لانہ زنا کما فی القنیۃ وغیرھا اھ والحاصل انہ لا فرق بینھما فی غیر العدۃ اما فیھا فالفرق ثابت وعلی ھذا فیقید قول البحر ھنا ونکاح المعتدۃ بما اذا لم یعلم بانھا معتدۃ لکن یرد علی ما فی المجتبٰی مثل نکاح الاختین معاً فان الظاھر انہ لم یقل

احد بجوازه ولكن لينظر وجه التقييد بالمعية والظاهر ان المعية فى
العقد لا فى ملك المتعة اذ لو تأخر احدهما عن الآخر فالمتاخر باطل قطعاً
اھ (ص ۵۷۵ ج ۲) وفيه ايضاً عن الخانية لو تزوج محرمه لاحد عليه
عند الامام وعليه مهر مثلها بالغا ما بلغ اھ وصرح فى البحر ان المواضع
التى يجب فيها المهر بسبب الوطأ بشبهة فليس المراد بالمهر فيها مهر المثل
المذكور هنا لما فى الخلاصة ان المراد بالمهر العقر وتفسير العقر انه
بكم تستاجر للزنا لو كان حلالا يجب ذلك القدر اھ ملخصا وقال
ابن عابدين فى حاشيته ان فى التاتارخانية فى وجوب المهر بلا نكاح ذكر
ما هنا معزيا الى المحيط ثم اعقبه بقوله وفى الحجة روى عن ابى حنيفة رح
قال تفسير العقر هو ما يتزوج به مثلها وعليه الفتوى اھ فظهر ان فى المسئلة
خلافا وان المفتى به خلاف ما هنا اھ (ص ۱۷۳ ج ۳) وفى الدر فى باب
الحد ولا حد ايضاً بشبهة العقد اى عقد النكاح عنده اى الامام
كوطء محرم نكحها وقالا ان علم الحرمة حد وعليه الفتوى خلاصة،
لكن المرجح فى جميع الشروح قول الامام فكان الفتوى عليه اولى قاله
القاسم فى تصحيحه لكن فى القهستانى عن المضمرات على قولهما الفتوى
وحرر فى الفتح انها من شبهة المحل وفيها يثبت النسب اھ قال الشامى
وكذلك نقل فى الفتح عن الخلاصة ان الفتوى على قولهما ثم وجهه بان
الشبهة تقتضى تحقق الحل من وجهٍ وهو غير ثابت والا وجب العدة والنسب
ثم دفع ذلك بان من المشائخ من التزم وجوبهما ولو سلم عدم وجوبهما
لعدم تحقق الحل من وجهٍ فالشبهة لا تقتضى تحقق الحل من وجهٍ لان
الشبهة ما يشبه الثابت وليس بثابتٍ اھ ملخصًا وحاصله: ان عدم
تحقق الحل من وجهٍ فى المحارم لكونه زنا محضا يلزم منه عدم ثبوت
النسب والعدة ولا يلزم منه عدم الشبهة الدارئة للحد ولا يخفى
ان فى هذا ترجيحًا لقول الامام قوله وحرر فى الفتح الخ صوابه فى النهر
قال وهذا انما يتم بناء على انها شبهة اشتباه قال فى الدراية وهو

قول بعض المشائخ والصحیح انہا شبهة عقد لانه روی عن محمد انه قال سقوط الحد بشبهة حکمیة فیثبت النسب وهکذا ذکر فی المنیة اھ وهذا صریح بان الشبهة فی المحل وفیها یثبت النسب علی ما مر اھ کلام النهر

قلت وفی هذا زیادة تحقیق لقول الامام لما فیه من تحقیق الشبهة حتی تثبت النسب ویؤیده ما ذکره الخیر الرملی فی باب المهر عن العینی ومجمع الفتاوی انه یثبت النسب عنده لا عندهما اھ (۲۳۷ ج ۳) وفیه ایضا تحت قول الدر کوطی محرم نکحها ای عقد علیها اطلق فی المحرم فشمل المحرم نسبا ورضاعا وصهریة واشار الی انه لو عقد علی منکوحة الغیر او معتدته او مطلقته الثلاث او امة علی حرة او تزوج مجوسیة او امة بلا اذن سیدها او تزوج العبد بلا اذن سیده او تزوج خمسا فی عقدة فوطئهن او جمع بین اختین فی عقدة فوطئهما او الاخیرة لو کان متعاقبا بعد التزوج فانه لا حد وهو بالاتفاق علی الاظهر اما عنده فظاهر واما عندهما فلان الشبهة انما تنتفی عندهما اذا کان مجمعا علی تحریمه وهی محرمة علی التابید بحر قلت وهذا هو الذی حرره فی فتح القدیر وقال ان الذین یعتمد علی نقلهم کابن المنذر ذکروا انه انما یحد عندهما فی ذات المحرم لا فی غیر ذلک کمجوسیة ومعتدة وکذا عبارة الحاکم فی الکافی تفیده ثم ذکرها فلیراجع (ص ۲۳۶ ج ۳) وفی الدر فی کتاب الفرائض (ص ۷۴۵ ج ۵) ویستحق الارث باحد ثلاثة برحم ونکاح صحیح فلا توارث بفاسد ولا باطل اجماعا اھ۔

ان عبارات سے امور ذیل مستفاد ہوتے :

(۱) نکاح میں بھی باطل وفاسد ہے اور فتح القدیر میں جو یہ کہا ہے کہ نکاح میں باطل وفاسد کی تقسیم جاری نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ نکاح باطل نکاح ہی نہیں ہے پس اس کو نکاح سے موصوف کرکے باطل کہنا فضول ہے صرح به الشامی فی حاشیة البحر بقوله والذی ظهر لی ان المراد بالباطل فی کلام البزازیة فی قوله نکاح المحارم فاسد ام باطل الذی وجوده کعدمه لا ان النکاح ینقسم الی باطل وفاسد اھ (ص ۷۱ ج ۳)

(۲) نکاح باطل وفاسد میں صرف باب عدة میں فرق ہے کہ باطل موجب عدہ نہیں ہے

اور فاسد موجب عدۃ ہے بقیہ احکام میں فرق نہیں۔

(۳) اور بعض عبارات میں جو نکاح باطل کی بعض صورتوں میں ثبوت نسب کی نفی کی گئی ہے جس سے باطل و فاسد میں ثبوت نسب میں بھی افتراق معلوم ہوتا ہے وہ صاحبین کے قول پر مبنی ہے۔ جو بعض کے نزدیک مفتی بہ ہے ورنہ امام صاحب تو نکاح محارم میں بھی ثبوت نسب کے قائل ہیں اور اس کو شبہۃ العقد میں داخل کرتے ہیں اور شامی نے باب الحدود میں اسی کی تصحیح نقل کی ہے۔

(۴) نکاح باطل و فاسد دونوں میں عورت اور مرد میں توارث نہیں ہوتا۔

(۵) رہا مہر تو فاسد میں مہر مثل لازم آتا ہے جو مسمیٰ سے زیادہ نہ ہوگا اور باطل میں بھی مہر مثل لازم ہے جتنا بھی ہو خواہ مسمیٰ کے برابر یا زائد کما مر عن الخانیۃ فی نکاح المحرم۔

(۶) دو بہنوں سے آگے پیچھے نکاح کیا جائے تو دوسرا باطل ہے دوسری عورت مرد کی وارث نہ ہوگی مگر دوسری عورت دخول و وطی سے مہر خاندانی کی مستحق ہے اور امام صاحب کے نزدیک دوسری کی اولاد ثابت النسب بھی ہے اور صاحبین کے نزدیک بظاہر ثابت النسب نہ ہونا چاہئے مگر عبارت باب الحدود سے معلوم ہوتا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ امام سے صاحبین کا اختلاف صرف نکاح محارم میں ہے یعنی محارم ابدیہ میں بقیہ محرمات کے نکاح میں اختلاف نہیں اور ان میں وہ بھی نکاح کو موجب شبہۃ مانتے ہیں تو اس بنا پر نکاح اختین میں صاحبین کے نزدیک بھی اولاد کا نسب ثابت ہونا چاہئے۔ پس صورت مسئولہ میں دوسری عورت مسماۃ افضل خود تو نیاز اللہ کی وارث نہیں نہ اس کے ذمہ عدت واجب ہوئی البتہ اس کی اولاد مثل اولاد زوجۂ اولیٰ کے نیاز اللہ کی وارث ہے اور مسماۃ افضل مہر مثل کی مستحق ہے۔ تقسیم ترکہ و اخراج بطون خود فرمالیں، واللہ اعلم۔ ۳ ربیع الاول ۴۵ھ

نکاح معتدہ

سوال (۱) میری بیٹی کو خاوند نے طلاق دیدی اور عدت کے اندر صرف آٹھ ہی دن کے بعد میں نے اس کا نکاح دوسری جگہ کر دیا سنا ہے کہ یہ نکاح نہیں ہوا اس کو کئی سال سے گذر گئے اولاد بھی ہو چکی اب کیا کیا جاوے یہ اولاد حلالی ہے یا حرامی اب دونوں کا نکاح کر دیا جاوے تو آئندہ کے لئے گناہ سے حفاظت ہو جاوے گی یا نہیں؟

الجواب: بیشک یہ نکاح ثانی عدت کے اندر ہوا ہے اس لئے درست نہیں ہوا اور ان دونوں کا اب دوبارہ نکاح کر دینا ضرور چاہئے اور اس زمانہ میں جو وطی ہوئی ہے وہ وطی بالشبہ کے حکم میں ہے اگر زوجین اپنے نکاح کو نکاح بھی سمجھتے تھے اور وطی بالشبہ سے اولاد حرامی نہیں ہوتی اور اگر زوجین اول ہی سے اپنے نکاح کو حرام سمجھے ہوئے تھے تو سوال دوبارہ کیا جائے اور صورت

مذکورہ میں زوج اول کی عدت تو تمام ہو چکی ہے پس اگر اس وقت نکاح صحیح زوج ثانی کے ساتھ ہی کیا جائے تو بس اور عدت کی ضرورت نہیں اور اگر زوج ثانی کے علاوہ کسی اور سے کیا جائے تو ایک اور عدت لازم ہوگی والسلام۔ ۲۰ جمادی الاولیٰ ۴۳ھ۔

نومسلمہ سے قبل از انقضاء عدت نکاح کا حکم

سوال (۱۲) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس صورت میں کہ زید نے ایک غیر مسلمہ منکوحہ کو اغواء کر کے مسلمہ کرالیا اور بغیر انتظار کے اس کے ساتھ وطی کرتا رہا اور وہ عورت زید سے حاملہ بھی ہوگئی اور بعد دو ماہ کے زید نے اس عورت سے نکاح کرلیا تو آیا یہ نکاح جائز ہے یا ناجائز ہ بینوا توجروا۔

الجواب: فی العالمگیریۃ (ص۴۵ ج۲) واذا اسلم احد الزوجین فی دار الحرب ولم یکونا من اھل الکتاب او کانا والمرأۃ ھی التی اسلمت فانہ یتوقف انقطاع النکاح بینھما علی مضی ثلاث حیض سواء دخل بھا او لم یدخل بھا کذا فی الکافی فان اسلم الاٰخر قبل ذلک فالنکاح باق ولو کانا مستامنین فالبینونۃ اما بعرض الاسلام او بانقضاء ثلث حیض کذا فی العنایۃ اھ اس عورت سے جواز نکاح تین حیض گذرنے پر موقوف ہے پس اگر وقت نکاحِ زید تک اس عورت کو تین حیض آچکے تھے تب تو یہ نکاح درست ہوگیا اور اگر تین حیض نہیں آئے تھے تو یہ نکاح درست نہیں ہوا بعد وضع حمل کے تجدید نکاح کی جائے اور اُس وقت تک اُس عورت سے قربت وغیرہ اور تقبیل و لمس سب حرام ہے، واللہ اعلم۔ ۲۲ رج ۲ ۴۴ھ۔

حکم نکاح بین الرضیعین

سوال (۳) کیا فرماتے ہیں۔ علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید و بکر دونوں آپس میں رضاعی بھائی بہن اس طرح پر کہ ایام رضاعت میں زید نے بکر کی ماں کا دودھ پیا اور بکر نے زید کی ماں کا۔ زید و بکر کی مائیں خالدہ و زبیدہ دونوں حقیقی بہنیں ہیں۔ زید کا عقد (ہندہ) کے ساتھ ۱۸ ۱۹ء میں ہوا جو بکر کی علاتی حقیقی (یعنی نسبی ۱۲) پھوپھی ہے اور اسی طرح (ہندہ) زید کی رضاعی پھوپی ہے۔ زید و بکر کی رضاعت کا علم بوقت نکاح وقبل نکاح خاندان کے ہر چھوٹے بڑے کو تھا اور خود ہندہ و زید اور اس کے والدین بھی بخوبی جانتے تھے لیکن زید و بکر کے رضاع سے اس کا خیال کسی کو قبل نکاح یا بوقت نکاح نہوا کہ اس رضاعت کی حرمت کا اثر (ہندہ) تک جاتا ہے اور ہندہ زید کے لئے محل نکاح نہیں ہے اور بعد نکاح بھی عرصہ تک کسی کا خیال باوجود علم رضاعت منتقل نہ ہوا کہ زید و ہندہ بوجہ رضاعت پھوپی اور بھتیجے ہیں۔

مسئلہ کی تحقیق و آگاہی :۔ جبکہ نکاح کو بارہ تیرہ سال گذر چکے اور چند اولاد بھی ہوئیں اور دو بیٹے زندہ موجود بھی ہیں (بکر) کا چھوٹا بھائی (عمر) جو بزمانہ عقد اپنی پھوپی ہندہ کے بہت کم سن تھا جب سن تمیز کو پہونچا اور تحصیل علوم دینیہ میں مشغول ہوا تو فقہ کی کتابوں میں اس نے رضاعت کا بیان پڑھا اس وقت اسے یہ خیال ہوا کہ میری پھوپھی ہندہ کا جو عقد زید سے ہوا وہ بوجہ رضاعت غلط ہوا چونکہ رضاعت کا علم خاندان کے ہر چھوٹے بڑے کو تھا اور سب جانتے تھے کہ زید و بکر رضاعی بھائی ہیں اس کی تحقیق و صحت کو معلوم کرنا نہ تھا عمر نے اپنی پھوپی ہندہ کو خاموشی سے حرمت و فساد نکاح سے آگاہ کیا اور چونکہ ہندہ بھی ایک خاندان کی لڑکی ہے اور رضاعت مذکورہ کا اوس کو علم ہمیشہ سے بخوبی تھا اور اسی طرح زید بھی بخوبی واقف تھا، بوجہ آگاہی مسئلہ دونوں نے خاموشی کے ساتھ علیحدگی اختیار کی اور اس وقت سے جس کو عرصہ تخمیناً ۵۔۶ سال کا ہوتا ہے بوجہ خوف حرمت رضاعت ایک دوسرے سے علیحدہ ہیں اور اس خاموش علیحدگی کو خاندان کے بہت سے لوگ جانتے ہیں مثلاً بکر، عمر، زید کا باپ ہندہ کی ماں بہن، بہنوئی وغیرہ۔ ہاں عام طور پر اعلان نہیں ہیں اب بعض لوگ زید سے یہ کہتے ہیں کہ چونکہ حرمت رضاعت کا علم بہت عرصہ کے بعد ہوا ہے لہذا یہ معتبر نہیں ہے تم جس طرح آپس میں زن و شوہر کی طرح رہتے تھے رہو لیکن زید اس کو منظور نہیں کرتا زید کہتا ہے کہ عمر کا بیان شہادت نہیں ہے وہ تو ایک غلطی کی اطلاع ہے اگر خود میری نظر سے یہ مسئلہ گذرتا تو بھی میں یہی کرتا اس لئے کہ رضاعت کا تو مجھ کو قبل نکاح علم تھا اور میں نے بچپن میں بارہا اپنی رضاعی ماں اور اپنی ماں سے اس وقت کے حالات سُنے ہیں اور خاندان کے چھوٹے بڑے رضاعت سے آگاہ تھے اور ہیں جو کچھ لاعلمی اور جہالت سے ہوا وہ خدا معاف کرے اب علم و یقین ہوتے ہوئے کس طرح کروں۔ پس واقعات حالات مذکورہ کے بنا پر اب زید و ہندہ کو کیا کرنا چاہئے باہم زن و شوہر کے تعلقات پھر قائم کر لینا چاہئے یا ترک ہی رکھنا چاہئے۔ نان و نفقہ بحالت علیحدگی زید پر واجب رہے گا یا نہیں۔ نکاح جو ہوا اعتبار کیا جائے گا اور اولاد کا نسب صحیح ہے یا نہیں مہر ذمہ زید کے کل واجب ہے یا نہیں ہے بینوا توجروا۔

الجواب ؛ صورت مسئولہ میں زید کو لازم ہے کہ ہندہ کو اپنے لئے حرام سمجھے اور چونکہ ۶ سال سے دونوں میں علیحدگی ہو چکی ہے تو ظاہر یہ ہے کہ عدت تین حیض بھی گذر چکی ہوگی پس اگر زید نے علیحدگی کے وقت ہندہ سے یہ لفظ بھی زبان سے کہدیا ہو کہ تو میرے لئے حلال نہیں اس لئے اب میں تیرے ساتھ میاں بی بی کے تعلقات نہیں رکھتا بلکہ تم سے الگ رہوں گا تو

اب ہندہ کو اپنا نکاح جس سے چاہے کرسکتی ہے اور اگر بالفرض تین حیض نہ آئے ہوں تو تین حیض کے بعد جس سے چاہے نکاح کرے اور اگر زید نے صرف عملی علیحدگی اختیار کی ہے اور زبان سے علیحدگی اختیار نہیں کی تو ابھی ہندہ دوسرے سے نکاح نہیں کرسکتی بلکہ جب زید اس سے زبانی علیحدگی ظاہر کردے اور اس کے بعد تین حیض گذر جائیں تب وہ اس کے نکاح فاسد سے علیحدہ ہوگی اور یہ علیحدگی دونوں پر واجب ہے زید کو چاہئے کہ اس کو طلاق دیدے یا زبان سے اتنا کہدے کہ میں تجھ سے الگ ہوتا ہوں اگر زید یہ لفظ نہ کہے تو ہندہ کو چاہئے کہ وہ شوہر کے سامنے یہ لفظ کہدے کہ میں تجھ سے الگ ہوتی ہوں ہر صورت میں یہ تعلق فاسد منقطع ہو جائے گا اور اس صورت مذکورہ میں اولاد سب حلالی ہے اور ثابت النسب ہے، اور ہندہ کے لئے زید پر مہر مثل بھی لازم ہے اگر مہر مقررہ مہر مثل سے زیادہ ہو اور اگر مہر مثل مہر مقررہ سے کم ہو تب بھی مہر مثل ہی دیا جائیگا قال فی الشامیۃ تحت قول الدر وعدۃ المنکوحۃ نکاحًا فاسدًا ھی المنکوحۃ بغیر شھود ونکاح امرأۃ الغیر بلا علم بانھا متزوجۃ و نکاح المحارم مع العلم بعدم الحل فاسد عندہ خلافًا لھما الی ان قال وتقدم فی باب المھر ان الدخول فی النکاح الفاسد موجب للعدۃ وثبوت النسب ومثل لہ فی البحر ھناک بالتزوج بلا شھود وتزوج الاختین معًا و الاخت فی عدۃ الاخت ونکاح المعتدۃ والخامسۃ فی عدۃ الرابعۃ والامۃ علی الحرۃ اھ (۹۹۹ ج ۲) قلت وفی صورۃ المسئولۃ تزوج بالمحرمۃ مع عدم العلم بالحرمۃ فھو فاسد بالاتفاق لا باطل وفی الدر ومبدأھا فی النکاح الفاسد بعد التفریق من القاضی او المتارکۃ ای اظھار العزم من الزوج علی ترک وطئھا بان یقول بلسانہ ترکتک ونحوہ (کخلیت سبیلک او فارقتک) ومنہ الطلاق او انکار النکاح لو بحضرتھا والا - لا مجرد العزم لو مدخولۃ والا فیکفی تفرق الابدان اھ قال الشامی قولہ من الزوج قید بہ لان ظاھر کلامھم انھا لا تکون من المرأۃ قال فی البحر ورجحنا فی باب المھر انھا لا تکون من المرأۃ ایضًا ولن اذکر مسکین من صورھا ان تقول فارقتک اھ ورجحہ باتفاقھم علی ان لکل منھما فسخ ھذا النکاح والفسخ متارکۃ اھ ص ۱۰۰۷ ج ۲) فی الدر المختار (و یجب مھر المثل فی نکاح فاسد بالوطء) فی القبل (لا بغیرہ ولم یزد) مھر المثل (علی المسمی) لرضاھا بالحط ولو کان دون المسمی لزم مھر المثل (۵۷۵ ج ۲ شامی) - ۸ شعبان ۴۴ھ

نومسلمہ منکوحہ کافر سے قبل از انقضاء عدت نکاح جائز نہیں ہے

سوال (۱۴) کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس صورت میں کہ ہندوستان میں موجودہ حالت میں اگر کوئی غیر مسلمہ مشرف باسلام ہو۔ اور حالت کفر میں منکوحہ بھی ہو۔ زوج اول اسلام سے انکاری بھی ہو۔ اس صورت میں نومسلمہ کا نکاح وقت اسلام سے کتنے دن بعد جائز ہے۔ اگر فقہ حنفیہ کے اس اصل کو مدنظر رکھا جاوے۔ کہ عورت مہاجرہ نہ ہو تو بعد گذرنے تین ماہ کے ابانت ہوتی ہے۔ زمانہ موجودہ میں اتنی مدت کا انتظار موجب ارتداد ظاہر ہوتا ہے، ضرورت وقت و اصل فقہ کے توافق کی صورت رقم فرماکر شکریہ کا استحقاق بخشیں۔

الجواب: جب تک اس نومسلمہ کو اسلام لانے کے بعد تین حیض نہ آجائیں اس وقت تک اس کا نکاح کسی دوسرے شخص سے جائز نہیں۔ اور جس عورت کے لئے اتنی مدت کا انتظار موجب ارتداد ہو اس کا اسلام ہی قابل اعتبار نہیں۔ کیونکہ اسلام یہ ہے کہ مسلمان ہونے والا حکم شرعی کا پابند ہو نہ یہ کہ وہ قانون شرعی کو اپنا پابند بنانا چاہے پس ایسے شخص کے مرتد ہونے سے کچھ رنج نہیں۔ بس ہم سمجھ لیں گے کہ اس نے پہلے ہی سے اسلام کو اسلام سمجھ کر قبول نہیں کیا تھا۔ بلکہ محض شہوت رانی کے لئے اس نے اسلام کا نام کیا ہے، واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ، ۲۰ محرم ۴۷ھ۔

نعم الجواب الذی لایتجاوزہ الصواب، اشرف علی، ۲۳ محرم ۴۷ھ۔

دوران عدت نکاح کی خاص صورت کا حکم

سوال (۱۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ زید نے مسماۃ ہندہ کو طلاق دیدی بعد از طلاق پانچ یوم بعد۔ قبل انقضائے عدت ہندہ نے عمرو سے نکاح کر لیا دس برس تک عمرو کے گھر میں اسی نکاح سے یعنی جو کہ قبل از انقضاء عدت ہوا تھا رہی، عمرو کو لوگ کہتے رہے کہ تو عدت گذار کر نکاح پھر کرلے عمرو نے دس برس بعد ایک روز بیٹھے بیٹھے نکاح پھر کر لیا اور اس نکاح ہونے کے بعد عمرو نے ہندہ کو طلاق ثلاثہ دیدی اب پھر ہندہ اور عمرو کا باہمی سلوک ہو گیا ہے اور پھر وہ باہمی نکاح کرنا چاہتے ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ عمرو نے جو نکاح دس برس بعد کیا تھا اس میں بھی طلاق کی عدت گذارنی چاہئے تھی بعدہٗ نکاح کرنا چاہئے تھا انہوں نے ایسا نہیں کیا لہٰذا بعد از طلاق بلا حلالہ نکاح عمرو کے ساتھ ہو سکتا ہے اب دریافت طلب صرف یہ امر ہے کہ ہندہ کا نکاح عمرو سے بلاحلالہ ہو سکتا ہے یا حلالہ کرنے کے بعد ہو سکتا ہے جواب باصواب دیں؟

الجواب: صورت مسئولہ میں دوبارہ جو نکاح کیا گیا تھا وہ صحیح ہو گیا تھا اس لئے اس کے بعد تین طلاق دینے سے حرمت مغلظہ ہو گئی اب بدون حلالہ عمرو سے نکاح نہیں ہو سکتا جو لوگ

یہ کہتے ہیں کہ دس سال کے بعد جو نکاح کیا گیا اس میں بھی عدت طلاق لازم تھی (یعنی عورت کو زوج ثانی کے جدا کر دینے اور تفریق کے بعد عدت گذرنے پر نکاح کیا جاتا تب صحیح ہو سکتا تھا) ان کا یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ عدت کے اندر نکاح کرنے سے اس عدت میں اضافہ نہیں ہوتا وہ عدت تو وقت طلاق سے تین حیض آنے تک ختم ہو جاتی ہے البتہ بعض صورتوں میں خود اس نکاح فاسد کی وجہ سے دوسرے شخص کے لئے عدت واجب ہوتی ہے یعنی دوسرا کوئی شخص نکاح کرنا چاہے تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ بدون تفریق اور تفریق کے بعد عدت گذرے بغیر نکاح کرے اور اگر خود وہی شخص نکاح کرے کہ جس نے عدت سابق میں نکاح کیا تھا تو اس کے لئے اس نکاح فاسد کی وجہ سے عدت واجب نہیں ہے۔

قال الشامی فلو کانت وطئت بعد حیضة من الاولی فعلیها حیضتان تکملة للاولی و تحتسب بهما من عدة الثانی فاذا حاضت واحدة بعد ذلک تمت الثانیة ایضا نهر وهذا اذا کان بعد التفریق بینهما وبین الواطی الثانی اما اذا حاضت حیضة قبله فهی من عدة الاول خاصة وتمامه فی البحر عن الجوهرة (ص ۱۰۰۲ ج ۲) وفی الصفحة الآتیة واذا تمت عدة الاول حل للثانی ان یتزوجها لا لغیره مالم یتم عدة الثانی بثلاث حیض من التفریق وفیه ایضاً (ص ۵۷۵ ج ۲) اما نکاح منکوحة الغیر ومعتدته فالدخول فیه لا یوجب العدة ان علم انها للغیر لانه لم یقل احد بجوازه فلم ینعقد اصلاً وبعد سطر وعلی هذا فیقید قول البحر هنا[عہ] ونکاح المعتدة بما اذا لم یعلم بانها معتدة الخ

کتبہ الاحقر عبد الکریم گمتھلوی عفی عنہ، ۲۰ / ۲۶ / ۴۵ھ۔

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ۔

دوران عدت نکاح کی خاص صورت کا حکم

سوال (۱۶۱) عرض ہے کہ ایک لڑکی کا نکاح گیارہ سال کی عمر میں نابالغی کی حالت میں ہوا اور رواجاً خاوند کے مکان پر بھیجی گئی بعد یک شب کے واپس بلالی گئی اور خاوند کے ساتھ تنہا لیٹنے کا اتفاق ہوا ممکن ہے کہ صحبت ہوئی ہو لیکن لڑکی نابالغ تھی پھر دوبارہ کبھی خاوند کے مکان پر نہیں گئی باہمی تکرار کی وجہ سے اور چار سال ماں باپ کے مکان پر ہی نکل گئے آئندہ اتفاق کی صورت نظر نہ آنے کی وجہ سے چار سال بعد جبکہ لڑکی بالغ ہو چکی

عہ ای فی وجوب العدة ۱۲ منہ

تھی اور عمر بھی پندرہ سال ہو چکی تھی خاوند نے طلاق دیدی طلاق دینے کے بعد ایک ماہ چار دن کے لڑکی نے دوسرا نکاح کر لیا نکاح سے پہلے تحقیقات کرنے سے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ خاوند سابقہ کے یہاں جو شب کو رہی تھی خاوند سے علیحدہ رکھی گئی تھی اس پر علماء نے بلا عدت نکاح کا حکم دے دیا نکاح ثانی ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ خاوند سابقہ سے صحبت یا خلوت کا اتفاق رہا اب اس صورت میں جبکہ طلاق کے ایک ماہ اور چار دن بعد بلا عدت پورے کئے ناواقفی کی وجہ سے نکاح کر لیا یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں اور اگر نکاح ناجائز ہوا تو عدت کب سے شمار کی جاوے۔ تاریخ طلاق سے جو کہ اگلے خاوند نے دی تھی یا جب سے صحبت کا ہو جانا اگلے خاوند سے معلوم ہوا تھا اس وقت سے کیونکہ طلاق سے ایک ماہ چار دن بعد تو نکاح ہوا اور نکاح ہونے کو پندرہ روز ہوئے کل ایک ماہ انیس دن ہو چکے ہیں یہ عدت میں شمار کئے جائیں گے یا کیا اور ایام عدت میں موجودہ خاوند سے عورت علیحدہ رہے یا کیا بعد طلاق لڑکی کو ایک مرتبہ حیض بھی بیس پچیس یوم کے بعد آیا فقط جواب سے جلد مطلع فرمایا جاوے؟

تنقیح:۔ اس سوال کے متعلق چند امور دریافت طلب ہیں ان کا جواب آنے کے بعد انشاء اللہ حکم شرعی لکھا جائے گا۔

(۱) دوسرے نکاح سے قبل خلوت و صحبت کی تحقیق کس کس سے کی گئی تھی؟

(۲) اور اب کون کون صحبت کو بیان کرتا ہے اگر پہلے اس لڑکی یا زوج سابق نے انکار کیا تھا اور اب وہی اقرار کرتے ہیں تو انکار سابق کی وجہ کیا بیان کرتے ہیں؟

(۳) اگر لڑکی اور زوج سابق خلوت اور صحبت کے بارے میں اختلاف رکھتے ہیں تو یہ بھی لکھا جاوے، کہ دوسرے گھر والے کیا کہتے ہیں؟

(۴) دوسرے خاوند سے اب تک صحبت یا خلوت ہوئی یا نہیں؟

(۵) اگر ہوئی تو زوج سابق سے صحبت کا علم ہونے کے قبل یا بعد؟

تمام واقعات اور بیانات مع اس سوال و تنقیح کے واپس کیا جاوے فقط۔ ۲۰ ربیع الاول ۴۸ھ

جواب تنقیح: (۱) لڑکی کے والدین سے پوچھا گیا تو معلوم ہوا کہ سابق خاوند سے خلوت کا اتفاق ہی نہیں ہوا (۲) دوسرا نکاح ہونے کے بعد خود لڑکی نے دریافت کرنے پر اقرار کیا کہ سابق خاوند سے مجھے خلوت اور صحبت دونوں کا اتفاق ہوا یہ اتفاق سابق شادی کے دن صرف دو تین گھنٹہ کے لئے ہوا اس کے بعد میں پھر سابق خاوند سے ملنے کا اتفاق ہی نہیں ہوا

جس کو چار سال ہوئے۔

(۳) سابق خاوند سے تو پوچھنے کا اتفاق نہیں ہوا لیکن لڑکی خود خلوت اور صحبت دونوں کی مقر ہے لیکن اس کے گھر والے اس کے خلاف ہیں۔

(۴) دوسرے (یعنی موجودہ) خاوند سے صحبت کا کئی مرتبہ اتفاق ہوا اور اب تک ہے۔

(۵) زوج سابق سے صحبت کا علم ہونے کے بعد صحبت کا کئی مرتبہ اتفاق ہوا۔ لڑکی بیان کرتی ہے کہ جب سے مجھے سابق خاوند نے تین طلاق دی ہیں اس کے بعد ایک حیض آیا اور پھر دوسرا نکاح ہونے کے بعد ایک حیض آیا اور اب ان دنوں میں تیسرا حیض جاری ہے۔

یہ بھی لڑکی سے کہا گیا کہ تو نے نکاح کے پہلے خلوت کا ذکر کیوں نہیں کیا تو لڑکی نے جواب دیا کہ مجھ سے کسی نے اس بارے میں کچھ نہیں پوچھا۔

یہ بھی واضح رہے کہ دوسرا نکاح ہونے کے بعد پہلی ہی رات کو غالباً صحبت کے بعد اول خاوند سے صحبت ہونے کا علم ہو گیا اور اس دوسرے خاوند کو بھی نکاح ہونے میں شک رہا بلکہ بار بار یہ خیال اس کے دل میں آتا رہا کہ نکاح نہیں ہوا لیکن پھر بھی وہ اس وقت تک اس سے صحبت کرتا رہا اور پھر لڑکی سے بھی یہ کہہ دیا کہ نکاح نہیں ہوا۔ البتہ دوسرے لوگوں اور اس کے والدین کو ابھی تک اس کا علم نہیں۔ اب شرعی حکم تبلایا جاوے کہ نکاح ہوا یا نہیں اگر نہیں ہوا تو اب پھر نکاح کر سکتا ہے یا نہیں۔ نیز جبکہ لڑکی کو طلاق کے بعد تیسرا حیض بھی شروع ہو گیا، اب اس حیض کے پورا ہونے کے بعد نکاح کرے یا کیا؟

(نوٹ) زوجین کو اس دیدہ دانستہ جسارت اور احکام شرعیہ کی مخالفت پر سخت تنبیہ کی گئی اور زوجین میں علیحدگی اور توبہ واستغفار کی تاکید کر کے سوال یہ لکھ کر واپس کر دیا کہ توبہ واستغفار کے بعد مکرر سوال کیا جاوے۔ پھر سوال مکرر آیا جس میں زوجین کا علیحدہ ہو جانا ظاہر کیا اس پر زوجین کو آئندہ کے لئے عاجزی کے ساتھ توبہ واستغفار کرتے رہنے کی ترغیب دی گئی اور مندرجہ ذیل جواب دیا گیا۔

الجواب: اب دوبارہ اس زوج ثانی سے نکاح ہو سکتا ہے تیسرے حیض ختم ہونے کے بعد زوج اول کی عدت طلاق گذر چکی ہے اور زوج ثانی سے نکاح ہو سکتا ہے البتہ اگر کوئی اور شخص اس زوج ثانی کے علاوہ اس عورت سے نکاح کرنا چاہے تو اس سے ابھی نکاح نہیں ہو سکتا بلکہ اس عورت کو زوج ثانی کے جدا کر دینے کے بعد سے تین حیض آنا شرط ہے کما فی الشامی

تحت قول الدر (والمرئی) من الحیض (منهما) وھذا اذا کان بعد التفریق بینهما وبین الواطی الثانی اما اذا حاضت حیضة قبله فهی من عدة الاول خاصة وتمامه فی البحر من الجوهرة الی ان قال وفی البحر عن الخانیة واذا انمت عدة الاول حل للثانی ان یتزوجها لا لغیرہ مالم تتم عدة الثانی بثلاث حیض من التفریق وھکذا فی العالمگیریة الا انه لم یذکر حکم الحیض قبل التفریق، والله اعلم بالصواب۔ احقر عبد الکریم عفا عنه، ۱۶ ربیع ۲ سنہ ۴۸ھ۔

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنه۔

اقرار نامہ کے خلاف ورزی کی صورت میں بیوی کے نکاح ثانی کی ایک صورت

سوال (۱۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت اپنے خاوند سے ناراض ہوکر اپنے باپ کے گھر چلی گئی۔ کچھ عرصہ کے بعد شوہر نے رضامندی کے ساتھ حسب ذیل اقرار نامہ تحریر کیا۔ اس میں مبلغ چھ ۶ روپیہ ماہوار دینے قرار پائے۔ جبکہ شوہر نے تقریباً آٹھ ماہ تک کچھ نہیں دیا تو زوجہ نے اس کے بعد اس اقرار نامہ کی رُو سے اپنے آپ کو مطلقہ سمجھ کر شوہر مذکور کی زندگی میں دوسرا نکاح کر لیا اور کئی سال اس کے گھر میں رہی۔ مگر کسی نے زوج سے اس رقم کا مطالبہ بھی نہیں کیا جو اس نے اپنے ذمہ مقرر کر لی تھی لہذا یہ عقد جائز ہوا یا نہیں۔

نقل اقرار نامہ

منکہ حفیظ ولد نبی بخش قوم شیخ ساکن گنگو مکتیسر کا ہوں۔ جو کہ نان نفقہ کے مبلغ چھ ۶ روپیہ ماہوار دینے قرار پائے اس کے ادا کرنے میں مجھ کو کسی وقت کوئی عذر نہ ہوگا اور مبلغ دو روپیہ ماہوار بچوں کے کپڑوں وغیرہ کے صرف کے واسطے میں نے مقرر کر دیئے ہیں۔ جو میں اس اقرار سے کسی قسم کا کوئی عذر کروں تو مع بی بی بچوں کے بالکل قطعی دست بردار ہوں گا۔ لہذا یہ چند کلمے بطریق اقرار نامہ کے لکھ دیئے کہ سند ہوں اور بوقت ضرورت کام آویں فقط۔

تنقیح:۔ اقرار نامہ میں جو یہ لکھا ہے کہ "اس کے ادا کرنے میں مجھ کو کسی وقت کوئی عذر نہ ہوگا" اس کے متعلق وہاں کے سمجھدار محاورہ شناس لوگوں سے دریافت کر کے لکھا جاوے کہ وہاں کے لوگ اس کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ میں خود رقم مقررہ دیدیا کروں گا یا یہ مطلب ہے کہ جب مانگا کرے گی جب ادا کرنے میں عذر اور حیلہ بہانہ نہ کروں گا۔

جواب تنقیح:۔ اس عبارت کا محاورہ میں یہ مطلب ہوتا ہے کہ بلا مطالبہ رقم معینہ ماہوار

ادا کرتا رہوں گا۔

الجواب: اگر جواب تنقیح کے موافق اس عبارت کا یہی مطلب متعین ہو کہ بلا مطالبہ ادا کرتا رہوں گا اور وہاں کے لوگوں کو سنکر اس کے خلاف کا شبہ نہوتا ہو تو طلاق واقع ہوچکی ہے اور زوج ثانی کا نکاح صحیح ہوگیا بشرطیکہ عدت کے بعد ہوا ہو اور اگر اس عبارت میں یہ شبہ بھی ہوتا ہو کہ مطالبہ کرنے پر رقم معینہ ادا کروں گا تو طلاق واقع نہیں ہوئی اور نکاح باطل ہے کما ھو الظاھر لیکن بہرحال زوج ثانی پر مہر واجب ہے صحت نکاح کی صورت میں تو مہر مقررہ اور فساد نکاح کی صورت میں مہر مثل اور مہر مقررہ دونوں میں سے جو کم ہو وہ واجب ہے کیونکہ ہمبستری کے بعد نکاح فاسد میں بھی مہر واجب ہوتا ہے فی العالمگیریہ (ص ۲۷۴ج ۲) وان کان قد دخل بها فلها الاقل مما سمی لها ومن مهر مثلها ان کان ثمه الخ فقط واللہ اعلم۔ کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ، مورخہ ۲ ربیع الثانی ۵۱ھ۔ (ہر ضمیمہ ص ۴۴)

فصل فی الاولیاء والاکفاء

نابالغہ کا نکاح چچا نے کر دیا اور ماں ناراض ہے الخ

سوال (۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ دختر زید نابالغہ کا اس کا برادر حقیقی عمرو بعد وفات زید بلا رضامندی زید جبراً نکاح اپنے فرزند سے کر دے اس نیت سے کہ دختر مذکور کی والدہ یا اس کا ماموں کہ جو بعد وفات زید اس کے ہر طرح کے خرچ وغیرہا کا کفیل ہو رہا ہے کسی دوسری جگہ کر دیوے درست ہے یا نہیں؟ دختر مذکور مع اپنی والدہ کے جو قصبہ چھپرولی ضلع میرٹھ اپنے ماموں کے یہاں رہتی ہے کسی تقریب میں قصبہ شاملی گئی ہوئی تھی واپسی میں جس وقت گاڑی کیرانہ کے قریب آئی تو عمرو مذکور مع چند مردمان لٹھ بند ہوکر آیا اور لڑکی کو بزور اتار کر اپنے مکان پر لے گیا اور اس کا نکاح اپنے لڑکے سے کر کے دختر مذکور کو چھپرولی اس کی والدہ کے پاس چھپرولی اس کے ماموں کے یہاں پہونچادیا یہ نکاح درست ہے یا نہیں۔

الجواب: صورت مذکورہ میں دختر زید نابالغہ کا ولی شرعاً اس کا برادر حقیقی عمرو ہے دختر مذکور کی ماں یا اس کا ماموں ولی نہیں ہے لہٰذا عمرو نے جو نکاح اس دختر کا اپنے بیٹے سے کر دیا ہے وہ صحیح ہے بشرطیکہ نکاح خاندانی مہر پر ہوا ہو اور خاندانی مہر سے بہت زیادہ قلیل مہر پر نکاح نہ کیا ہو۔ قال فی الدر وان کان المزوج غیرهما ای غیر الاب وابیه لا یصح

النکاح من غیر کفوا و بغبن فاحش اصلاً و ان کان بکفو و بمهر المثل صح ولکن لهما ای الصغیر و الصغیرۃ خیار الفسخ بالبلوغ او العلم بالنکاح بعدہ ام ملخصاً (ص ۵۰۰ و ۵۰۱ ج ۲ مصری) واللہ اعلم ۱۰ ربیع الثانی سنہ ۴۰ھ

اگر ماں باپ کی رضامندی سے نکاح ہو تو لڑکی کو خیار بلوغ نہیں ہے

سوال (۲) اس مسئلہ میں علماء دین کیا فرماتے ہیں جبکہ ایک شخص نے اپنی نابالغ دختر کا نکاح ایک بالغ لڑکے سے کیا اور اس لڑکی کا والد ہمیشہ شراب پیتا تھا نیز اس نے قبل از نکاح شراب پی ہوئی تھی اور بیہوشی کی حالت میں تھا اس نے عین نکاح کے وقت بکواس شروع کردیا تو اس کے قریبی رشتہ داروں نے اس کو ایک مکان میں بند کردیا لڑکی کی والدہ اور دادی اس جگہ موجود تھیں ان کی بھی نامرضی تھی مگر بعد کچھ جدوجہد کے مشورہ کرکے لڑکے کی طرف سے ایک اقرار نامہ سرکاری کاغذ پر لکھوایا گیا پیشتر نکاح پڑھنے کے کہ میں اپنی زوجہ کو اپنی تمام زندگی میں وداع کراکر اپنے گھر نہ لے جاؤں گا ہمیشہ اپنی بود و باش اپنے سسرال کے گھر رکھوں گا اور پانچسو روپیہ بابت مہر مؤجل عند الطلب ادا کردوں گا نیز اگر میں اپنے شہر سے باہر کسی اور شہر یا ملک میں برائے روزگار چلا جاؤں تو پانچ روپیہ ماہوار خرچ نان پارچہ ادا کرتا رہونگا بعد نشہ اترنے کے اس کاغذ اقرار نامہ سے لڑکی کے والد کی تسلی کردی گئی اور کاغذ دیدیا گیا یعنی لڑکی کے والد کو، اب اس نکاح کو عرصہ چھ سال کا گذر گیا اور لڑکی اب بالغ ہوگئی ہے اس عرصہ میں اس کا شوہر نہ اپنی زوجہ کو اپنے گھر لے گیا اور نہ بموجب اقرار نامہ اپنی سسرال میں آکر رہا اور نہ کوئی خرچ نان پارچہ ادا کیا اب لڑکی اپنے بالغ ہونے پر بموجب شرع محمدی بذریعہ فقہ امام صاحب اس نکاح کو فسخ کرکے اپنی مرضی سے اور کسی دوسرے شخص سے نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: خیار بلوغ اس وقت ہوتا ہے جبکہ باپ اور دادا کے سوا کوئی اور ولی نکاح نابالغہ کا کرے اور صورت مذکورہ میں یہ نکاح باپ کی اجازت سے ہوا ہے کیونکہ وہ بعد نکاح کے اس پر راضی رہا اس لئے صورت موجودہ میں لڑکی کو خیار بلوغ حاصل نہیں، واللہ اعلم۔ ۱۸ رجب سنہ ۴۰ھ

ولی اقرب کے ہوتے ہوئے اگر ولی ابعد نابالغہ کا نکاح پڑھادے اور ولی اقرب سکوت اختیار کرے تو کیا حکم ہے

سوال (۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل میں:

مسماۃ ہندہ یتیمہ نابالغہ کے دو حقیقی چچا عمرو بکر اور ایک حقیقی چچازاد بھائی زید جو ہندہ کا بہنوئی بھی ہے موجود ہیں زید نے اپنی حقیقی چچیری بہن مسماۃ ہندہ کا اپنی ولایت سے خالد کے ساتھ نکاح پڑھا دیا چونکہ عمرو بکر دونوں چچا اپنی پسند کردہ لڑکوں سے ہندہ کا

نکاح کرنا چاہتے تھے شریک مجلس نکاح نہ ہوئے نہ مجلس نکاح میں نکاح کے وقت خالد کے ساتھ نکاح پڑھانے سے انکار کیا اور نہ ان کے پاس جاکر ہندہ کے نکاح مذکورہ کی اجازت حاصل کی گئی لیکن اب کچھ عرصہ کے بعد یہ کہتے پھرتے ہیں کہ ہندہ کا نکاح ہی نہیں ہوا۔ مندرجہ ذیل سوالات کی ضرورت ہے

(۱) حقیقی چچا کی موجودگی میں حقیقی چچازاد بھائی کی ولایت معتبر ہوسکتی ہے یا نہیں؟

(۲) یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں، جائز و ناجائز کی وجہ کیا ہے؟

(۳) کیا زید کا حقیقی بہنوئی او حقیقی چچیرا بھائی ہونا ہندہ کے معاملہ نکاح میں اس کی ولایت کو چچاؤں کی ولایت پر ترجیح دیتا ہے؟

(۴) اگر نکاح جائز ہوگیا تو کیا اب حقیقی چچاؤں کے انکار سے وہ فسخ ہوگیا؟

استفسار از مجیب:۔ (۱) کیا اب بھی ہندہ نابالغ ہی ہے؟ (۲) جب اس نکاح کی خبر عمرو بکر کو پہونچی انہوں نے سکوت کیا یا کچھ کہا اگر کہا تو کیا کہا یا خبر پہونچنے کے وقت سکوت کیا اور پھر کچھ کہا؟

جواب از سائل:۔ (۱) ہندہ اب بھی نابالغ ہی ہے (۲) جب اس نکاح کی خبر عمرو بکر کو پہونچی تو انہوں نے سکوت کیا چنانچہ ہندہ نکاح کے بعد کچھ عرصہ اپنے خاوند کے مکان پر رہ بھی گئی ہے۔ اب اہل محلہ کے کہنے سننے سے عمرو بکر نے ایسا کہنا شروع کیا۔

الجواب: قال فی الخلاصۃ فی بیان ترتیب الاولیاء ثم العم لاب وأم ثم لاب ثم بنوھم علی ھذا الترتیب اھ ص۱۸ ج۲، وفی الدر فلو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ۔ قال الشامی تقدم ان البالغۃ لو زوجت نفسھا غیر کفو فللولی الاعتراض مالم یرض صریحا او دلالۃ کقبض المھر ونحوہ فلم یجعلوا سکوتہ اجازۃ والظاھر ان سکوتہ ھنا کذلک فلا یکون سکوتہ اجازۃ لنکاح الابعد وان کان حاضرا فی مجلس العقد مالم یرض صریحا او دلالۃ تأمل اھ ص۵۱۶ ج۲۔ صورت مسئولہ میں حقیقی چچا کی موجودگی میں حقیقی چچازاد بھائی ولی نہیں ہوسکتا اگرچہ وہ بہنوئی بھی ہو پس ہندہ کا نکاح چونکہ بلا اجازت ولی اقرب کے ہوا تھا وہ اولاً موقوف تھا اگر ولی اقرب اس کو جائز کردیتا جائز ہو جاتا اور اس کا سکوت اجازت نہیں اب چونکہ ولی نے اس نکاح سے اپنی ناراضی ظاہر کردی اور اس سے پہلے کوئی قول و فعل دال بر اجازت اس سے صادر نہیں ہوا بجز سکوت کے اس لئے ہندہ کا نکاح خالد سے باطل ہوگیا، واللہ اعلم۔ ۸ رشعبان سنہ ۴۱ھ۔

احکام کفاءت اور اس بات کا بیان کہ نسب مرد میں معتبر ہے نہ کہ عورت میں

سوال (۴) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ (۱) کفاءت نسب شرعاً کن کن امور میں قابل اعتبار ہے ؟

(۲) ایک شخص زید نے ایک عورت نومسلمہ سے جس کا باپ مشرک ہے نکاح کیا اس کی اولاد ہوئی وہ اولاد اور ایک شخص والدین کی جانب سے صدیقی ہے ان میں کون از روئے نسب افضل ہے اور ایک شخص سید ہو کہ جس کی ماں نومسلمہ ہو تو اس کی لڑکی کا کفو عربی النسل غیر قریشی ہو سکتا ہے یا نہیں اور قریشی اس کا کفو ہے یا نہیں ؟

(۳) جس جگہ عربی النسل غیر قریشی باعزت سمجھا جاتا ہے اس جگہ وہ شخص کہ جس کی ماں مشرکہ پھر بعد میں مسلمان ہو گئی اور باپ سید ہے باعزت از روئے نسب ہے یا نہیں ؟

(۴) ایک شخص کہ جس کے والدین سید ہیں اور ایک شخص کہ باپ سید ہے وہ اس کا کفو ہو سکتا ہے یا نہیں معہ حوالہ کتب تحریر فرمایا جائے ؟ بینوا توجروا۔

الجواب : (۱) کفائت نسب و اسلام و حریت و دیانت و مال و حرفت میں معتبر ہے۔

(۲) نسب کا اعتبار مرد سے ہوتا ہے نہ کہ عورت سے اگر عورت عجمی ہو اور باپ عربی ہو تو اولاد عربی صاحب نسب ہو گی اور کفاءت میں وہ ان لوگوں کے برابر ہے جن کے ماں باپ دونوں عربی النسل ہیں۔ قال العلامة عبد الحیؒ فی فتاواہ ناقلا عن شرح الغرر الولد یتبع الاب فی النسب لانہ للتعریف والام لاتشتہر اھ ونقل عن البحر حتی لو تزوج ہاشمی امة انسان فأتت بولد فھو ہاشمی تبعاً لابیہ ورقیق تبعاً لامہ کما فی فتح القدیر۔ وعن حاشیة الدر للطحطاوی قولہ ولا فی نسب ای لا یتبع امہ فی نسب ھذا نص صریح فی ان ابن الشریفة لیس بشریف وان کان لہ شرف، حموی اھ ص ۳۹۳ ج ۲۔ وعن رد المحتار لابن عابدین من کان امھا علویة وابوہ عجمی یکون العجمی کفوا لھا وان کان لھا شرف ما لان النسب للآباء ولذا جاز دفع الزکوٰة الیھا۔ فلا یعتبر التفاوت بینھما من جھة شرف الام ولم أر من صرح بھذا و اللہ اعلم اھ ص ۵۲۳ ج ۲۔ وفیہ ایضاً الکفاءة معتبرة من جانبہ ای الرجل لان الشریفة تابی ان تکون فراشاً للادنی ولذا لا تعتبر من جانبھا لان الزوج مستفرش فلا تغیظہ دناءة الفراش وھذا عند الکل

فی الصحیح ۱ھ ص۵۲۰ ج۲ ۔ پس جس صدیقی کی ماں نومسلمہ ہے وہ اس صدیقی کا کفو ہے جس کے ماں باپ دونوں صدیقی ہیں گو اس کو فی الجملہ ایک شرف حاصل ہے مگر کفاءت میں اس کا اعتبار نہیں ۔ اور وہ سید جس کی ماں نومسلمہ ہے نسباً سید ہے اور اس کی اولاد بھی سید ہے لہٰذا اس کی بیٹی کا کفو عربی النسل غیر قریشی نہیں ہو سکتا ۔ ہاں قریشی اس کا کفو ہو سکتا ہے ۔

(۳) بعض مشائخ کے نزدیک حسیب معزز نسیب کا کفو ہے ۔ مگر یہ قول ضعیف ہے صحیح یہ ہے کہ حسیب نسیب کا کفو نہیں قالوا الحسیب کفؤ للنسیب حتی ان الفقیہ یکون کفواً للعلویۃ ذکر فی قاضی خان والعتابی فی جوامع الفقہ وفی الینابیع العالم کفو للعربیۃ والعلویۃ والاصح انہ لا یکون کفؤاً للعلویۃ کذا فی غایۃ السروجی اھ (ص۱۵ ج۲) عالمگیریہ ۔ پس وہ سیدہ جس کی ماں نومسلمہ ہے اس کا کفؤ عربی النسل غیر قریشی نہیں ہے گو معزز کیسا ہی ہو ۔

(۴) ہاں کفؤ ہے ۔ واللہ اعلم ، حررالاجوبۃ کلہا الاحقر ظفر احمد عفی عنہ بامر سیدہ حکیم الامۃ دام مجدہم ۔
۲۹ ، ذی القعدہ ۱۳۴۱ھ ۔

جس جگہ سیدہ کا نکاح غیر سید کے ساتھ عار سمجھا جاتا ہو وہاں سید اور غیر سید میں کفاءت کا نہ ہونا

سوال (۵) جس ملک میں عورت سیدہ کے نکاح کرنے سے ساتھ غیر سید کے اتنا فتنہ ہوتا ہو کہ ناکح اور اس کے اعوان شہود وغیرہ کو قتل کئے بغیر نہیں چھوڑتے ایسے حالت سے کہ تمام اقوام مسلمانان عورت سیدہ کو مثل ماں بہن پھوپھی وغیرہ محرمات ابدیہ کے خیال کرتے ہیں ابتداء پیدائش سے تاحال اس جگہ سیدہ کا نکاح کسی غیر شخص سے نہ کیا اور نہ کرنے کا آئندہ ارادہ ، ایسے حالت میں فقریش بعضہم اکفاء بعض پر عمل کر کے فتوی جواز نکاح سیدہ با غیر سید دیکر اس کو قتل کرایا جائے یا کہ بنابر قول محمدؒ بعد عبارت مذکورہ الا ان یکون نسباً مشہوراً کاھل بیت الخلافۃ جس پر علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں حتی لا یکافؤا اھل بیت الخلافۃ غیرھم من القرشیین ھذا ان قصد بہ عدم المکافاۃ لا ان قصد بہ تسکین الفتنۃ اور ایک حدیث کی تحقیق کر کے فرماتے ہیں فیدور الحکم مع العرف حتی یکون الحائک کفواً للعطار بالاسکندریۃ لما ھناک من حسن اعتبارھا وعدم عدھا نقصاً غرض بنا پر عرف الناس کا فتنہ و اثار فتنہ عدم جواز کا حکم ہوگا یا نہ ؟ اور پھر اسے باب الکفؤ میں فرماتے ہیں وبالجملہ فللحدیث اصل فاذا ثبت فیمکن تفصیلھا بالنظر الی عرف الناس فیما یحقرونہ

ویعیرون بہ جس سے صاف ظاہر ہے کہ ایسے ملک میں سیدہ کا نکاح ساتھ غیر سید کے نہ ہونا چاہیئے بینوا توجروا۔

الجواب: قال فی الهداية ولا يعتبر التفاضل فيما بين قريش لما روينا وعن محمدؒ كذلك الا ان يكون نسبا مشهورا كاهل بيت الخلافة كانه قال تعظيما للخلافة وتسكينا للفتنة اه قال فی العناية يعنی قال محمد لا يعتبر التفاضل فيما بين قريش الا ان يكون النسب نسبا مشهورا فی الحرمة كاهل بيت الخلافة فحينئذ يعتبر التفاضل حتى لو تزوجت قرشية من اولاد الخلفاء قرشيا ليس من اولادهم كان للاولياء حق الاعتراض قال المصنف كانه يعنی محمدا قال ذلك تعظيما للخلافة وتسكينا للفتنة لا لانعدام اصل الكفاءة اه وفی فتح القدير حكى قول الشافعی ان الهاشمی والمطلبی اكفاء دون غيرهم بالنسبة اليهم اه (ص ۱۹ ج ۳)۔ جس ملک میں سیدہ کا نکاح غیر سید قرشی سے کیا جانا موجب عار شدید ہو جیسا کہ سوال سے معلوم ہوتا ہے وہاں قول محمدؒ کے موافق تسکین فتنہ کے لئے یہ فتویٰ دیدینا جائز ہے کہ قرشی غیر سید سیدہ کا کفو نہیں جس کی تائید امام شافعی کے قول سے بھی ہوتی ہے، واللہ اعلم۔
۵ ذی الحجہ سنہ ۴۲ھ۔

دھوکہ سے غیر کفو میں نکاح کا حکم

سوال (۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمی زید جس کا دماغ خراب تھا اور ایک عرصہ تک مجنونانہ حالت میں رہا تھا اور اس کے اقرباء نے ایک شخص مسمی بکر کو دھوکہ دیکر کہ اب اس کی حالت درست ہو گئی ہے زید کا نکاح ہمراہ دختر بکر کے پڑھوا دیا نکاح کے وقت لڑکی و لڑکا ہر دو بالغ تھے مجلس نکاح میں ایجاب وقبول زید کے ساتھ ہوا تھا مجلس نکاح میں جس وقت زید کو لایا گیا اس کے چہرہ سے آثار جنون ضرور نمایاں تھے لیکن زید کے اقرباء نے بکر کو لفظوں سے ایسا اطمینان کیا کہ اس نے یعنی بکر نے اپنی دختر کنواری ہندہ بالغہ کا نکاح اپنے ولایت سے پڑھوا دیا لیکن لڑکی سے ایجاب قبول نہیں کرایا اور نہ حسب رواج اس وقت ہندہ کو رخصت کر کے زید کے گھر بھیجا گیا یہ قرار پایا تھا کہ ایک ہفتہ میں انتظام کر کے رخصتی ہو جاوے گی لیکن زید نے ہفتہ بھی نہ ہونے دیا دو تین یوم بعد بلا اطلاع کسی طرف کو چلا گیا جس کو عرصہ تین سال سے زائد ہو گیا ہے مسماۃ ہندہ بدستور اپنے والدین کے گھر میں ہے اور تین سال سے زید کی اطلاع کبھی کہیں کبھی کہیں سے معلوم ہو جاتی ہے کہ فلاں مقام پر دیکھا گیا ہے ایسی حالت میں یہ نکاح جو ایک دھوکہ دیکر اگر

بروئے شریعت جائز ہے یا ناجائز رہا؟ جو کچھ الفاظ تحریر کئے گئے ہیں سرِمو فرق نہیں حلفیہ صدق دل سے بلا رو رعایت بخوف خداوند عالم و حضور سرور کائنات تحریر کئے گئے ہیں۔

تنقیح:۔ (۱) لڑکی سے جو ایجاب قبول نکرانا لکھا ہے اس کا کیا مطلب ہے آیا زبان سے نہیں کہلایا یا اذن بھی نہیں لیا اگر اذن لیا گیا تو وہ خاموش ہوئی یا کچھ کہا اور اگر نکاح کے وقت اذن نہیں لیا تو بعد نکاح کے جب اس کو اطلاع ہوئی تو کیا کہا اور اطلاع کس کے ذریعہ سے ہوئی؟

(۲) ایسا ہی سوال شاکر الدین صاحب محلہ انصاریاں نے بھیجا تھا اس میں یہ بھی تھا کہ اب وہ مجنونانہ حالت میں کبھی کہیں کبھی کہیں دیکھا جاتا ہے اس میں اس کے متعلق کچھ نہیں لکھا اگر یہ صحیح ہے تو اس حالت کو بیان کرنے والے عادل ہیں یا نہیں؟

(۳) نیز یہ بھی لکھا جاوے کہ زید کا جنون مطبق ہے جو سال بھر یا سال کے اکثر حصہ میں رہتا تھا یا غیر مطبق ہے جو سال کے کم حصہ میں رہتا تھا اور زیادہ حصہ سال کا افاقہ میں گذرتا تھا ان سوالات کا جواب دیا جائے اور جواب کے ساتھ یہ پرچہ ضرور واپس کیا جائے پہلے پرچہ کے واپس نکرنے کی وجہ سے دوبارہ تنقیح کی ضرورت ہوگی۔

جواب تنقیحات:۔ (۱) یہ کہ لڑکی سے نہ اذن لیا گیا نہ ایجاب قبول کرایا گیا بلکہ اس کی بلا رضا والدین نے اس کا نکاح بزعم ولایت پڑھوا دیا بعد نکاح جب اس کو اطلاع نکاح کی ہوئی تو اوس نے ناراضی ظاہر کی اور یہ بھی کہا کہ میرے باپ نے مجھکو کیوں ڈبو یا لیکن شرم ولحاظ کی وجہ سے والدین کے سامنے کچھ کہہ نہیں سکتی۔

(۲) سوال شاکر الدین اسی کے متعلق تھا زید کی مجنونانہ حالت کی خبر اکثر بذریعہ مسلمان و معتبر اشخاص سے معلوم ہوئی ہے جس کو جھوٹ باور کرنے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔

(۳) زید کا جنون مطبق ہے سال کا زیادہ حصہ جنون میں گذرتا ہے اور تھوڑا حصہ سکون میں اور جنون کی یہ حالت ہے کہ یا تو ہر وقت بولتا رہتا ہے یا ایسا خاموش ہو جاتا ہے کہ ہفتوں بالکل چپ رہتا ہے لہذا التماس ہے کہ جواب باصواب سے مطلع فرمایا جائے؟

الجواب، واللہ الموفق بالصواب . صورت مسئولہ میں ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ بوجہ عدم کفارت کے اور اولیاء زید کے دھوکہ دینے کے صحیح نہیں ہوا قال فی الدر لکن فی النھر عن المرغینانی المجنون لیس بکفؤ للعاقلة اھ قال الشامی نقلا عن النھر لانہ یفوّت مقاصد النکاح فکان اشد من الفقر و دناءة الحرفة وینبغی اعتمادہ

لان الناس یعیرون بتزویج المجنون اکثر من ذی الحرفۃ الدنیئۃ اھ (ص ۵۳۱ ج ۲)
وفیہ ایضاً الکفاءۃ معتبرۃ فی ابتداء النکاح للزومہ اولصحتہ من جانبہ ای الرجل لان الشریفۃ تأبی ان تکون فراشاً للدنی اھ قال الشامی معناہ معتبرۃ فی اللزوم علی الاولیاء حتی ان عند عدمہا جاز للولی الفسخ اھ فتح وھذا بناء علی ظاھر الروایۃ من ان العقد صحیح وللولی اعتراض اما علی روایۃ الحسن المختارۃ للفتوی من انہ لا یصح معتبرۃ فی الصحۃ وکذا لوکانت الزوجۃ صغیرۃ والعاقد غیر الاب والجد فقد مران العقد لایصح اھ (ص ۵۱۹ ج ۲)
وفی الدر ایضاً ویفتی فی غیر الکفوء بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوی لفساد الزمان فلا تحل مطلقۃ ثلاثا نکحت غیر کفوء بلا رضی ولی بعد معرفتہ ایاہ فلیحفظ اھ قال الشامی قال شمس الائمۃ وھذا اقرب الی الاحتیاط کذا فی تصحیح العلامۃ قاسم لانہ لیس کل ولی یحسن المرافعۃ والخصومۃ ولا کل قاض یعدل ولو احسن الولی وعدل القاضی فقد یترک انفۃ للتردد علی ابواب الحکام واستثقالا لنفس الخصومات فیتقرر الضرر فکان منعہ دفعاً لہ فتح قال وقولہ نکحت نعت لمطلقۃ وقولہ بلا رضی متعلق بنکحت وقولہ بعد ظرف للرضی والضمیر فی معرفتہ للولی وفی ایاہ لغیر الکفوء وقولہ بلا رضی نفی منصب علی المقید الذی ھو رضی الولی والقید الذی ھو بعد معرفتہ ایاہ۔ فیصدق بنفی الرضی بعد المعرفۃ وبعدمہا وبوجود الرضی مع عدم المعرفۃ ففی ھذہ الصور الثلاثۃ لاتحل وانما تحل فی الصورۃ الرابعۃ وھی رضی الولی بغیر الکفوء مع علمہ بانہ کذلک اھ ح (ص ۴۸۷ ج ۲)
قلت والمسئلۃ وان کانت مفروضۃ فیما اذا نکحت المرأۃ عاقدۃً بنفسہا ولکن لافرق بین مباشرۃ الولی العقد وکونہ عاقداً وبین مباشرۃ المرأۃ برضی الولی وکونہا عاقدۃً فکما لم یصح النکاح فی الثانی بدون معرفۃ الولی بالکفاءۃ فکذا اذا باشر الولی بنفسہ العقد ولم یعلم بہا ودعوی الفرق بینہما لا یتاتی الا بالفارق المعتبر فان الولی فی نکاح البالغۃ لیس الا سفیراً محضاً وانما یشترط وجودہ حال عدم الکفاءۃ

لحصول اذنه ورضاه نقط ومباشرته العقد ومباشرة المرأة له برضاه في ذلك سواء فكان حكمهما واحداً انما ذكر في بعض العبارات الفقهية ان الولي لو زوجها برضاها ولم يعلم بعدم الكفاءة ثم علم لاخيار لأحد الا اذا شرط الكفاءة او اخبروابها وقت العقد فتزوجها على ذلك ثم ظهر انه غير كفو كان له الخيار" ولو الجبية" المشعر بصحة النكاح وثبوت الخيار للولي مبني على ظاهر الرواية دون رواية الحسن المختارة للفتوى۔

خلاصہ یہ ہے کہ درمختار میں جو بالغہ مطلقہ ثلثہ کے نکاح کو غیر کفوٴ کے ساتھ بلا رضائے ولی کے ناجائز کہا ہے شامی نے اس کی چار صورتیں کی ہیں (۱) ولی کو اس شخص کا غیر کفو ہونا معلوم ہو اور ولی راضی نہ ہو (۲) ولی راضی بھی نہیں اور اس کو عدم کفاءت کا علم بھی نہیں (۳) ولی راضی ہے مگر عدم کفائت کا اس کو علم نہیں۔ ان تین صورتوں میں روایت حسنؒ پر نکاح صحیح نہیں ہوتا صرف ایک صورت میں جائز ہے کہ ولی کو عدم کفائت کا علم ہو اور اس پر وہ راضی ہو، میں کہتا ہوں کہ عورت کا خود بذاتہا نکاح کرنا اور ولی کا عدم کا کفائت ناواقف ہو کر اس عقد پر راضی ہونا اور ولی کا عاقد نکاح ہونا اور عدم کفارت سے ناواقف ہو کر راضی ہونا ان دونوں میں کچھ فرق نہیں۔ اس لئے جب کفارت میں دھوکہ دیا جائے گا تو جو حکم خود عورت کے نکاح کرنے کا ہے وہی حکم ولی کے نکاح کرنے کا ہونا چاہئے اور جیسا کہ شق اوّل میں رضا ولی مع عدم معرفتہ بالکفارت صحت نکاح کو کافی نہیں ایسا ہی ولی کے عاقد ہونے میں بھی اس کی رضا مع عدم المعرفۃ کافی نہیں۔

وایضاً فان المرأة في صورة السوال بالغة وليس للولي ولاية الاجبار عليها بل يجب لصحة النكاح اذنها صراحةً في غير الكفوٴ ويكفي سكوتها رضاً في الكفوٴ و ههنا لم يوجد منها ما يدل على رضاها واذنها بل اظهرت عدم الرضا لما بلغها الخبر فلم يصح النكاح لهذا الوجه ايضاً قال في الدر ولا تجبر البالغة البكر على النكاح فان استأذنها هو اي الولي وهو السنة او وكيله او رسوله او زوجها وليها واخبرها رسولها او فضولي عدل فسكتت او ضحكت غير مستهزئة او بكت بلاصوت فلو بصوت لم يكن اذنا فهو اذن اھ قال الشامي واختلف فيما اذا زوجها غير كفوٴ فبلغها فسكتت فقالا لا يكون رضا وقيل في قول ابي حنيفة يكون رضاً ان كان المزوج ابا او جدا وان كان غيرهما فلا كما في الخانية اخذاً من

مسألة الصغيرة المزوجة من غير کفؤ اھ قال فی النھر وجزم فی الدرایة بالاول بلفظ قالوا اھ (ص ۴۷۹ ج ۲) قلت وظاهره کون المسئلة اتفاقیة ومن ذکر فیه خلاف ابی حنیفة لیس عنده روایة عنه وانما اخذه من مسئلة الصغیرة ولذا ذکره الشامی بلفظ قیل الدال علی تضعیفه، واللہ اعلم۔

پس ہندہ صورت مسئولہ میں بدون طلاق و عدت کے کسی اپنے ہم کفؤ سے دوسرا نکاح کرسکتی ہے کیونکہ زید سے اس کا نکاح صحیح ہی نہیں ہوا اس لئے کہ ولی کو خود کفاءت کا یعنی زید کے عاقل ہونے کا علم نہ تھا اور اُس کو دھوکہ دیا گیا اور لڑکی نے بھی یعنی ہندہ نے خبر نکاح سُنکر صراحۃً اجازت نہیں دی حالانکہ اس صورت میں صریح اذن کی ضرورت تھی محض سکوت کافی نہ تھا، واللہ اعلم۔

۶ صفر ۴۵ھ۔

مسلمان کنندہ کے ولایت سے نابالغہ نومسلمہ کے نکاح کا حکم

سوال (۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ:۔

مسماۃ عیدیا جس کی عمر اس وقت میں ۱۱ سال کی ہے چمار کی لڑکی تھی۔ اس کی ماں مسماۃ جھنکو یا نے بلامعاوضہ مسماۃ نصیبًا کو (جو بیشتر قوم کی ڈھمیر تھی اور قریب ۱۵ سال ہوئے کہ مسلمان ہوگئی تھی) جبکہ مسماۃ عیدیا ۴ ماہ کی تھی نصیبًا کو دے دیا مسماۃ نصیبًا نے ۴ ماہ کی عمر مسماۃ عیدیا لڑکی کو مسلمان کرایا اب مسماۃ عیدیا ۱۱ سال کی ہے ۹ سال کی عمر میں نکاح برضامندی اپنے شوہر مسمی کریم کی اجازت سے زید کے نکاح میں دے دی گئی تو ایسی حالت میں نکاح جائز ہے یا نہیں یا پھر دوبارہ مسلمان ہوکر نکاح ہونا چاہیئے؟ بینوا توجروا۔

تنقیح:۔ (۱) یہ نکاح مسماۃ عیدیا کے مسلمان ہونے کے بعد ہوا یا مسلمان ہونے سے پہلے؟

(۲) اس وقت مسماۃ عیدیا بالغ تھی یا نابالغ؟ کیونکہ بعض لڑکیاں نو ۹ سال کی عمر میں بھی بالغ ہوجاتی ہیں جس کی علامت حیض کا آنا ہے۔

(۳) اگر مسماۃ عیدیا نکاح کے وقت بالغ تھی تو اس نے اپنی زبان سے نکاح کی اجازت دی تھی یا نہیں؟ ان تنقیحات کے جواب کے بعد حکم نکاح بتلایا جائے گا اور طلاق کا حکم بھی صحت نکاح پر موقوف ہے اس کا حکم بھی بعد جواب تنقیحات بتلایا جائے گا جواب کے ساتھ یہ دونوں پرچے بھی بجنسہ واپس ہوں فقط۔ ۳۰ محرم ۴۵ھ۔

جواب تنقیحات: (۱) مسماۃ عیدیا ۴ ماہ کی عمر میں مسلمان ہوئی تھی۔ اور اسی مسلمانی کی حالت میں جب عمر ۹ سال ہوئی تو نکاح کیا گیا۔

(۲) مسماۃ عیدیا اُس وقت میں نابالغ تھی۔ کوئی علامت سنِ بلوغ کی نہیں تھی (یعنی نکاح کے وقت وہ بالغ نہ تھی۔

(۳) مسماۃ عیدیا اس وقت میں یعنی نکاح کے وقت نابالغ تھی۔ اگر بالغ ہوتی تو اجازت دیتی۔ نابالغی کی صورت میں تعلقات زوجین اور زناشوئی کے معاملات سے قطعاً ناواقف تھی۔ اجازت دینا کیا۔

الجواب: مسماۃ عیدیا کا نکاح جو بحالت نابالغی مسمیٰ زید سے ہوا تھا وہ نکاح شرعاً درست نہیں ہوا کیونکہ اس وقت مسماۃ عیدیا نابالغ تھی اور مسماۃ نصیبًا یا اس کا شوہر کریم بخش شرعاً اُس کے ولی نہیں تھے تو یہ نکاح صغیرہ بدون ولی ہوا۔ اور نکاح صغیرہ بدون ولی کے باطل ہے لہذا یہ نکاح باطل ہوا اور جب تک مسماۃ عیدیا بالغ نہ ہو جائے اُس وقت تک اُس کا نکاح کسی کی ولایت سے نہیں ہو سکتا الا بولایۃ القاضی وانی ھو فی بلادنا قال فی الدر د لا ینعقد للملتقط علیہ نکاح وبیع وکذا اجارۃ فی الاصح لان الولایۃ علیہ فی مالہ ونفسہ للسلطان لحدیث "السلطان ولی من لا ولی لہ" اھ قال الشامی قولہ ولا ینفذ علیہ نکاح لانہ یعتمد الولایۃ من القرابۃ والملک والسلطنۃ ولا وجود لواحد منہا نھ (ص ۴۹۰ ج ۲) بعد بلوغ کے مسماۃ عیدیا کی صریح رضا و صریح اجازت سے اس کا نکاح دوبارہ کیا جائے خواہ مسمیٰ زید ہی سے یا جس کے ساتھ مسماۃ مذکورہ راضی ہوا ور بلوغ کے بعد بھی اس کا سکوت قبل نکاح اذن نہ ہوگا، واللہ اعلم۔ ۷ صفر ۴۵ھ۔

چودہ سال کی عمر میں لڑکی کا دعویٰ بلوغ اور باپ کا غیر کفوء میں بلا اجازت اس کے نکاح کی ایک صورت کا حکم

سوال (۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر کے فریب میں آکر اپنی لڑکی ہندہ (چہاردہ ۱۴ سالہ) کا نکاح بکر کے لڑکے عمر کے ساتھ ہونا منظور کیا اور بکر نے فوراً اپنے ہی مکان پر زید کی موجودگی میں نکاح براہ چالاکی کر دیا۔ زید کی لڑکی کو قطعی خبر نہیں وہ اپنے میکہ میں یعنی دوسرے گاؤں میں تھی ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۴۴ھ کا دن گذر شب میں یہ واقعہ ہوا ۱۲ کی صبح کو جب زید اپنے مکان پر واپس گیا تو لڑکی کو اس نکاح سے منکر اور غیر رضامند پایا اور اپنے جملہ اہل قرابت کے سامنے ہدف ملامت ہوا کیونکہ بوجوہات مختلف یہ نکاح ناموزوں اور زید کو دھوکہ میں لاکر ہوا تھا زید

الگ پشیمان ہندہ علیحدہ نالاں اس سال میں ۱۲ رتاریخ کا دن گذر گیا ۱۳ رتاریخ کو بکر کے گاؤں کا ایک شخص مل گیا جس سے بکر کے پاس زید کی جانب سے یہ پیام بھیجا گیا کہ ہندہ کو اس نکاح سے جس میں اس کے باپ زید کو مغالطہ دیکر رضا حاصل کی گئی سخت اختلاف اور قطعی انکار ہے اور وہ اس غم میں بیہوش ہے لہذا بکر اس نکاح کو فسخ و باطل متصور کر کے زید اور ہندہ کی جان چھوڑ دے کوئی فتنہ قایم نہ کرے بکر اور اس کا لڑکا اس نکاح کو جائز اور اٹل ہونے کے بیان کے ساتھ مصر ہے کہ ہندہ کی شادی اب دوسری نہیں ہوسکتی ازدواج مکرر شرعًا اور قانونًا نادرست ہے۔ ہندہ نے نکاح کی خبر پانے کے چودھویں یا پندرھویں روز اپنی جانب سے ایک نوٹس بنام بکر و ابن بکر بذریعہ ڈاک بھیجا کہ باپ ہمارا کم عقل ہے، تم لوگوں کے فریب میں آگیا میں شرعًا بالغہ ہوں (لڑکی کی عمر نکاح کے روز تک پورے ۱۴ سال کی تھی) اس لئے بذریعہ نوٹس ہذا نکاح کی منظوری سے قطعی انکار کرتی ہوں آئندہ اس کا خیال ہرگز نہ کیا جائے پس بلحاظ حالات مذکورہ نکاح مذکورہ جائز ہے یا ناجائز اور ہندہ اپنا نکاح اپنی رضا سے کسی دوسرے شخص سے شرعًا کر سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

تنقیح:۔ ہندہ کی عمر جب نکاح کے وقت پوری چودہ ۱۴ سال کی تھی اور اس حالت میں وہ دعویٰ بلوغ کا کرتی تھی تو اس سے دریافت کیا جائے کہ اُس وقت اُس میں کونسی علامت بلوغ کی پائی گئی تھی اور یہ سوال اس طرح کیا جائے کہ کوئی عورت اُس کو جواب سمجھانے نہ پائے۔

(۲) کیا ہندہ نے اس نکاح کی خبر سنکر اسی مجلس میں نکاح سے انکار کیا جس مجلس میں اس کو خبر پہونچی تھی یا اُس مجلس میں سکوت کیا اور دوسری مجلس میں انکار کیا صاف لکھا جائے۔

(۳) بکر نے زید کو کیا فریب دیا اس فریب کی تشریح کی جائے اور زید بکر کے فریب میں کیوں آیا اس کو بھی واضح کیا جائے اس کے بعد جواب دیا جائے گا یہ پرچہ بھی جواب تنقیح کے ساتھ واپس ہو فقط۔

۲۸ ربیع الاول ۴۵ھ۔

جواب تنقیح:۔ عرض یہ ہے کہ لڑکی کے باپ نے کنبہ کی دو خاص عورتوں کو لڑکی کے پاس بھیجکر دریافت کیا کہ نکاح کے روز تک کن علامات کی بنا پر اس نے اپنے کو بالغ سمجھا لڑکی نے جواب دیا کہ جو علاماتِ بلوغ دنیا میں مسلمہ ہیں مجھ میں موجود تھیں چونکہ باپ بھی قریب سامنے موجود تھا لڑکی نے کہا کہ آپ کیوں نہیں لکھ دیتے کہ (لڑکی بلاشبہ بظہور علامات بلوغ بالغہ تھی) اس سے زیادہ کن لفظوں میں میں کہوں۔ کیا شرم و حیا کوئی چیز نہیں۔ عورتوں نے باپ کی ملامت کی اور کہا کہ بات تو صاف ہو گئی اب کیا صراحت چاہتے ہو وہ خاموش ہو گیا۔

(۲) نکاح کی خبر اندازاً آدھی رات کے وقت جب لڑکی کو ملی تو اس نے اظہار نفرت اور الفاظ انکار رونے اور بین کے ساتھ ظاہر کئے اور فرط غم میں بیہوش ہوگئی لڑکی کی ماں لڑکی کی ہمخیال اور گھر میں شریک حال تھی اس بنا پر اسی مجلس میں انکار سمجھنا چاہیئے۔

(۳) بکر نے زید کو یہ فریب دیا کہ کفو اور طبقہ بندی اور رسم ورواج کے لحاظ سے وہ زید کے خاندان میں نہ کبھی شادی کر سکا تھا نہ بحالت اعلان شادی اب بھی ممکن تھی زید کے کنبہ کے لوگ بکر کے خاندانی حالت کو مختلف اعتبارات سے بہتر نہیں سمجھتے علاوہ ازیں بکر از قوم مَلِک وزید از قوم شیخ فاروقی ہے دونوں میں باعتبار مختلف فرق امتیازی ہے بکر نے زید کو فریب اور مغالطہ دیکر ہوں ہاں کہلوالیا اگر یہ طریقہ مغالطہ آمیز بکر نہ اختیار کرتا تو بالاعلان مناکحت ناممکن تھی اور زید کے بھائی بند اہل کنبہ وزید کی بیوی ولڑکی کبھی اس عقد ناموزوں کو نہ گوارا کرتے نہ کیا۔ زید بکر کے فریب میں یوں آیا کہ اس کے دروازہ پر لڑکا پڑھانے کے سلسلہ میں مقیم تھا اور بوجہ غربت یہ کام اختیار کیا تھا اور چونکہ قدرةً وخلقةً زید نہایت کم عقل اور سادہ لوح ہے اس وجہ سے فریب میں آگیا۔ تنقیحوں کے جوابات بالتفصیل لکھ دیئے گئے اب جواب باصواب سے ممنون فرمایا جائے فقط والسّلام۔

الجواب: قال فی الدر: وادنی مدة له اثنتا عشرة سنة ولها تسع سنین هو المختار کما فی احکام الصغار فان راهقا بان بلغا هذا السن فقالا بلغنا صدقا ان لم یکذبهما الظاهر کذا قیده فی العمادیة وغیرها فبعد ثنتی عشرة سنة یشترط شرط اٰخر لصحة اقراره بالبلوغ وهو ان یکون بحال یحتلم مثله والا لا یقبل قوله شرح وهبانیة وهما حینئذٍ کبالغ حکما فلا یقبل جحوده البلوغ بعد اقراره وفی الشرنبلالیة یقبل قول المراهقین قد بلغنا مع تفسیر کل بما اذا بلغ بلا یمین اھ قال الشامی وفی الشرنبلالیة وعبارتها یعنی وقد فسر اما به علما بلوغهما ولیس علیهما یمین اھ قال ابو السعود والظاهر ان هذا هو المراد مما نقله الحموی عن شرح درر البحار من انه یشترط لقبول قولهما ان یبینا کیفیة المراهقة حین السوال عنه اھ (ص ۱۴۸ ج ۵) وفی تنقیح الحامدیة قال شیخ الاسلام وهذا من باب الاحتیاط (ای مطالبة التفسیر عنهما) وانما یقبل قوله بغیر هذا التفسیر وکذا الجاریة اذا اقرت بالحیض القول المشهور فی کتب المذهب صحة الاقرار بالبلوغ من الغلام بعد اثنتی عشرة

سنةً ومن الجارية بعد تسع سنين وقول شيخ الاسلام ان هذا الاستفسار من باب الاحتياط يفيد انه فعله القاضی فهو الاولیٰ ثم قال بعد ذکر عبارة الحموی عن درر البحار وفی المنح عن الخانية صبی اقر انه بالغ وقاسم وصی الميت قال ابن الفضل ان كان مراهقاً ويحتلم مثله يقبل قوله وان كان مراهقاً ويعلم ان مثله لا يحتلم لا تجوز قسمته ولا يقبل قوله لانه يكذب ظاهراً وتبين بهذا ان بعد اثنی عشرة سنةً اذا كان بحال لا يحتلم مثله اذا اقر بالبلوغ لا يقبل اھ (ص ۱۵۰ ج ۲) قلت واطلاق المتون يدل علی قبول قول المراهقين بدون التفسير اذا كانوا بحال يحتلم او تحيض مثلهم فليعول عليه۔

صورت مسئولہ میں اگر یہ لڑکی جسم اور اٹھان میں ایسی ہو کہ عادۃً ایسی لڑکی کو حیض آسکتا ہے اُس کا دعویٰ بلوغ قبول کیا جائے گا اور جب وہ ایسی ہو تو اس کا نکاح مذکور کو سنتے ہی رد کرنا اس نکاح کے لئے مبطل ہوگا اور اگر وہ اٹھان میں ایسی نہ ہو کہ اُسے حیض آسکے تو سوال دوبارہ کیا جاوے فقط۔

۳۰ ربیع الثانی ۴۵ھ۔

حکم تولیت نکاح یتیمہ

سوال (۹) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسمّیٰ زید فوت ہوگیا اس نے ایک بنت صغیرہ مسماۃ کریمہ زوجہ مسماۃ ہندہ اور اُم مسمات زینب چھوڑی اور اپنے حیات میں ایک ذی علم متدین شخص وصی مقرر کیا اور صغیرہ مسماۃ کریمہ کی تزویج کو بھی اپنے وصی کے حوالے کردیا اب سوءِ اتفاق سے زندگی زوجہ ہندہ کو ایک شخص مفلس قلاش بغرض طمع اس کے جائداد کے بدراہ کرکے اس کو اس پر آمادہ کیا ہے کہ اپنا نکاح اس سے اور صغیرہ کریمہ کا نکاح اس کے بیٹے سے کردے لیکن صغیرہ کریمہ کی جدۂ صحیحہ مسماۃ زینب کو اس امر سے سخت صدمہ اور الم اور اضطراب ہوتا ہے اور صغیرہ کو بھی تمام ضرر اور نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے پس اس صورت میں جب وصی کو ولایت نکاح نہیں اور متون عند عدم العصبات اُم کو اُم الاب پر مقدم لکھتے ہیں لیکن صاحب درالمختار نے ولی کی تعریف میں مالم یکن متہتکا کا قید بھی لگایا ہے اور مسماۃ ہندہ بلاشک فاسقہ متہتکہ ہے پس اگر مصلحت وضرورۃ وتحصناً من الضرر التام للیتیمہ جدۂ صحیحہ مسماۃ زینب یتیمہ کریمہ کا نکاح کسی اہل علم متدین مالدار سے کردے تو نکاح صحیح ہوگیا یا نہیں؟ بینوا توجروا مہربانی فرماکر جواب شافی مدلل عنایت فرمادیں جو مسئلہ واقعی اور ضروری ہے۔

الجواب: قال فی الدر فان لم یکن عصبۃ فالولایۃ للأمّ ثم لأمّ الاب وفی القنیۃ عکسہ اھ قال الشامی ای حیث قال فیہا ام الاب اولیٰ فی التزویج من الأمّ قال فی النہر وحکی عن خواہر زادہ وعمر النسفی تقدیم الاخت علی الام لانہا من قوم الاب ای فیکون من اعتبر ترجیح قوم الاب یرجح الجدۃ للاب والاخت علی الام لکن المتون علی ذکر الام عقب العصبات اھ

(ص ۵۱۲ ج ۲)

قال فی الدر ابا او جداً المعروف منہما سوء الاختیار مجانۃ وفسقا وان عرف لم یصح النکاح اتفاقاً اھ قال الشامی: والحاصل ان المانع ہو کون الاب مشہوراً بسوء الاختیار قبل العقد فاذا لم یکن مشہوراً بذلک ثم زوج بنتہ من فاسق صح وان تحقق بذلک انہ سیئ الاختیار واشتہر بہ عند الناس فان زوج بنتا اخری من فاسق لم یصح العقد الثانی لانہ کان مشہوراً بسوء الاختیار قبلہ بخلاف العقد الاول لعدم وجود المانع قبلہ اھ

(ص ۴۹۹ ج ۲) قلت فعلی ہذا لا یمکن سلب الولایۃ عن الام بمجرد تہتکہا نعم لو افتی مفتٍ فی مثل تلک الحالۃ بتقدیم ام الاب علی الام فللافتاء بذلک مجال لذہاب بعض المشائخ الی تقدیم قوم الاب علی الام فلینظر، واللہ اعلم۔

صورت مسئولہ میں اگر جدہ صحیحہ یتیمہ مذکورہ کا نکاح بدون اجازت اُم کر دے اور اس کے مصالح دینیہ و دنیویہ کی پوری طرح رعایت کرے تو جدہ صحیحہ کا کیا ہوا نکاح صحیح ہوگا اور اگر بحالت عدم بلوغ نکاح کیا جائے تو لحاظ کفو اور مہر مثل ضروری ہے غیر کفو میں یا مہر مثل سے کم میں نکاح نہ کیا جاوے، واللہ اعلم۔

۲۶ جمادی الاولیٰ ۴۳ھ

گونگے نے اشارہ سے اذن دیکر نابالغ لڑکی کی شادی کرادی تو نکاح صحیح ولازم ہو جائے گا

سوال (۱۰) گونگے نے اپنی نابالغ لڑکی کی اشارہ سے اذن دیکر شادی کرادی بعد بلوغ لڑکی اس نکاح کو فسخ کرا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر وہ اشارہ ولایت میں کافی تھا تو وہ نکاح لازم ہوگیا بعد بلوغ فسخ نہیں کر سکتی۔

فی الاشباہ والنظائر (ص ۳۶۲) الاشارۃ من الاخرس معتبرۃ قائمۃ مقام

العادۃ فی کل شیئ الی ان قال الا فی الحدود الخ وفیہ ایضاً ولابد فی اشارۃ الاخرس ان تکون معہودۃ والا لا تعتبر فقط ۔ کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ ۔

صورت ولایت نکاح وجائداد نابالغان

سوال (۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ محمودہ نے انتقال کیا اور حمیدہ، سعیدہ اور صالحہ تین لڑکیاں نابالغان اور مسماۃ واحدہ ماں اور زید باپ کو وارث شرعی چھوڑا حمیدہ، سعیدہ اور صالحہ نابالغان کے نکاح کے ولی ان کے حقیقی چچا کے لڑکے ہیں اور نابالغان کے پرورش کا حق شرعاً مسماۃ واحدہ کو ہے جو کہ نابالغان کی نانی ہے مسئلہ جواب طلب یہ ہے کہ نابالغان حمیدہ، سعیدہ اور صالحہ کے مال واسباب وجائداد کی ولایت کس کو حاصل ہے آیا نانی جائداد وغیرہ کا انتظام کرکے اور تحصیل وصول کراکے نابالغان کی پرورش کرے یا وہ لوگ جائداد کا انتظام کریں جو کہ نکاح کے ولی ہیں اس مسئلہ میں سخت اختلاف واقع ہو رہا ہے جس سے نابالغان کو نقصان پہونچنے کا خطرہ ہے لہٰذا مفصل اور مدلل جواب تحریر فرماکر عنداللہ ماجور ہوں اور جو کچھ تحریر فرماویں اس کی دلیل شرعی بھی تحریر فرماویں ورنہ یتیموں اور نابالغوں کو نقصان پہونچے گا ۔ بیّنوا توجروا ۔

الجواب: ولایت مال یعنی تصرف وحفظ کی اصل میں باپ کے لئے ہے وہ نہ ہو تو اس کا وصی وہ نہ ہو تو دادا اور دادا کے بعد دادا کا وصی ولایت مال کا مستحق ہے ان چاروں میں سے اگر کوئی موجود ہو تو مال پر کسی قسم کی ولایت دوسرے شخص کو حاصل نہیں ہوتی لیکن جب یہ چاروں نہ ہوں تو پھر جس کو پرورش کا حق ہے اس کو حفظ مال کی ولایت حاصل ہوتی ہے نہ ولایت تصرف یعنی جس کو ولایت حفظ حاصل ہے وہ بلا ضرورت مال یتیم میں تصرف نہیں کر سکتا نہ بلا ضرورت کوئی شے خریدنا جائز ہے نہ کسی شے کا فروخت کرنا جائز ہے بلکہ فقط ضرورت کی وجہ سے خرید وفروخت جائز ہے مثلاً کھانا کپڑا وغیرہ خریدنا جائز ہے اور اسی طرح نفقہ وغیرہ کی ضرورت سے کسی شے کا فروخت کرنا بھی جائز ہے البتہ جائداد غیر منقولہ کو کسی حال میں فروخت کرنے کی اجازت نہیں فی کتاب الھبۃ للھدایۃ (واذا وھب للیتیم ھبۃ فقبضھا ولیہ وھو وصی الاب او جد الیتیم او وصیہ جاز) لان لھؤلاء ولایۃ علیہ لقیامھم مقام الاب (وان کان فی حجر امہ فقبضھا لہ جائز) لان لھا الولایۃ فیما یرجع الی حفظہ وحفظ مالہ وھذا من

بابه لانه لا يبقى الا بالمال فلابد من ولايته التحصيل وقال صاحب الكفاية تحت (قوله لان لهؤلاء الخ) وفى الايضاح ولا يجوز قبض غير هؤلاء الاربعة اراد بتلك الاربعة الاب ووصيه والجد اب الاب ووصيه مع وجود واحد منهم سواء كان الصبى فى عيال القابض اولم يكن وسواء كان ذارحم محرم منه او اجنبيا لانه ليست لهؤلاء ولاية التصرف فى المال فقيام ولاية من يملك التصرف فى المال يمنع ثبوت حق القبض له ثم قال وان لم يكن احد من هؤلاء الاربعة جاز قبض من كان الصبى فى حجره وعياله ولم يجز قبض من لم يكن فى عياله لانه اذا كان فى عياله فله عليه ضرب ولاية الخ (فتح القدير ج ۷ ص ۴۹۴) وفى الهداية ونوع آخر ما كان من ضرورة حال الصغار وهو شراء ما لا بد للصغير منه وبيعه واجارة الاظآر وذلك جائز ممن يعوله وينفق عليه كالاخ والعم والام والملتقط اذا كان فى حجرهم واذا ملك هذا النوع فالولى اولى به الا انه لا يشترط فى الولى ان يكون الصبى فى حجره (هدايه اخيرين ص ۴۶۰ متفرقات كتاب الكراهية) وفى الفتاوى الحامدية (ص ۲۹۶ ج ۲) ثم ان ما مر ان عائل اليتيم يملك بيع ما لا بد منه خاص بغير العقار من نحو المنقولات اما العقار فليس له بيعه ولو مع وجود المسوغات لما فى الدر المختار حيث قال وهذا اى بيع العقار للمسوغ لو البائع وصيا لا من قبل ام او اخ فانهما لا يملكان بيع العقار مطلقا ولا شراء غير طعام وكسوة الخ تأمل اھ وقال صاحب البدائع فى تعليل هذه المسئلة لان الوصى خلف الموصى قائم مقامه فلا يثبت له الا قدر ما كان للموصى وهو قضاء الدين والحفظ الخ (بدائع جلد ۵ ص ۱۵۵) جب معلوم ہو گیا کہ اولیاء اربعہ کے بعد ولایت مال اس کو پہنچتی ہے جس کو حق حضانہ حاصل ہو اور یہ ظاہر ہے کہ صورت مسئولہ میں حق حضانہ نانی کو حاصل ہے پس ولایت حفظ مال بھی نانی کو حاصل ہے،

واللہ اعلم۔ احقر عبد الکریم عفی عنہ ۱۴ / شوال ۴۳ھ۔

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ۔ ۱۵ / شوال ۴۳ھ۔

کفارت کا اعتبار مرد کی جانب سے ہے

سوال (۱۲) معروض آنکہ زید نے اپنی بی بی ہندہ کو طلاق

مغلظ دیدی پھر زید نے ہندہ کو بعد طلاق مغلظ رکھ لیا اب وہ دونوں رہنے لگے بعدہٗ چند اولاد پیدا ہوئیں ایک لڑکا اور دو لڑکیاں زینب و بتول جب دونوں لڑکیاں بالغ ہوئیں تو زید نے ان دونوں کی شادی کردیا زینب کے ایک لڑکا پیدا ہوا اس کے بعد اس کا شوہر انتقال کرگیا۔ اب عمرو ایک ایسا شخص جس کی خاندان ایسے فعل شنیع اور ایسی نفسانیت سے بالکل پاک ہے بلکہ پشتہا پشت سے اس کی خاندان میں سنا جاتا ہے کہ بہت ہی لوگ سلیم الطبع و دیندار تھے وہ زینب مذکورہ سے شادی کرنا چاہتا ہے تو اس کا نکاح اس سے بکراہت ہوگا یا بلاکسی کراہت کے؟ اور جو اولاد اس سے پیدا ہوگی اس کے نسب میں نقصان رہے گا یا نہیں اور آئندہ نسل خراب ہونے کا ڈر ہے یا نہیں؟

الجواب: فی العالمگیریۃ (ص۱۵ج۲) الکفاءۃ معتبرۃ فی الرجال للنساء للزوم النکاح کذا فی محیط السرخسی ولا تعتبر فی جانب النساء للرجال کذا فی البدائع فاذا تزوجت رجلاً خیراً منها فلیس للولی (ای لولی الرجل) ان یفرق بینہما فان الولی لا یتعیر بان یکون تحت الرجل من لا یکافئہ کذا فی شرح المبسوط للامام السرخسی اھ وفی الدر المختار (لا تعتبر من جانبہا) لان الزوج مستفرش فلا تغیظہ دناءۃ الفراش وھذا عند الکل فی الصحیح کما فی الخبازیۃ (شامی ص۵۲۰ج۲) وفی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ (ص۱۲ج۱) وجزم بعدم حصولہ علی احکام القرشیین لتصریح الفقہاء بان الولد یتبع اباہ بیقین الخ ان عبارتوں سے معلوم ہوگیا کہ اگر کم درجہ کی عورت سے نکاح کرلیا جاوے تو یہ موجب عار نہیں اور نہ اس سے نسب میں کچھ فرق آوے گا کیونکہ نسب باپ سے ثابت ہوتا ہے، واللہ اعلم۔ احقر عبدالکریم عفی عنہ۔ ۸ جمادی الثانیہ ۴۴ھ۔

البتہ اس صورت میں جو اولاد پیدا ہوگی وہ نجیب الطرفین نہ ہوگی اس سے نسب میں تو فرق نہ ہوگا البتہ عمدگی نسب کی کم ہوجائے گی۔ ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔

بالغہ حرہ کا نکاح بلا اجازت اس کے باپ نے کردیا الخ

سوال (۱۳) علماء دین ومفتیان شرع متین اس باب میں کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک لڑکی بالغہ کے نکاح کے وقت اس کے والد نے نہ تو اس کو مطلع کیا اور نہ اس سے اجازت چاہی بغیر اس کی اطلاع کے اس کا عقد کردیا بعد عقد ہوجانے کے لڑکی بہت روئی اور بوقت رخصت بھی بہت روئی اور اس کے شوہر نے اس پر ہر قسم کا ظلم وتعدی کرنے میں کوئی کمی نہیں کی اور اس لڑکی کو اپنی جان تلف ہوجانے کا اندیشہ قوی ہے اور اب وہ اپنے

والد کے گھر ہے شوہر کے گھر جانے سے انکار کرتی ہے لہٰذا گذارش ہے کہ کوئی صورت عند الشرع اس کی خلاصی کی ہو سکتی ہے یا نہیں اور اگر ہو سکتی ہے تو وہ کیا صورت ہو سکتی ہے اور عقد مذکور صورت مذکورہ میں جائز ہوا یا نہیں؟ فقط بینوا توجروا۔

الجواب: فی الشامی (ص ۲۷۹ ج ۲) وصرح بہ ایضاً فی الذخیرۃ حیث قال بعد حکایۃ الروایتین وبعضهم قالوا ان کان مع الصیاح والصوت فهو ردّ والا فهو رضی وهو الاوجه وعلیه الفتوی اھ اس سے معلوم ہوا کہ اس لڑکی کا رونا اگر ناراض ہو کر اور رد کرنے کے واسطے آواز کے ساتھ چلا کر تھا تو نکاح صحیح نہیں ہوا البتہ یہ ضروری ہے کہ یہ رونا نکاح کی اطلاع ہوتے ہی پایا گیا ہو اگر نکاح کی خبر پاکر ذرا بھی اپنے اختیار سے خاموش رہی تو نکاح صحیح ہو گیا اور اس کے بعد رونے سے نکاح میں فرق نہ آئے گا فی الدر (فسکتت) عن ردّہ مختارۃ قال الشامی اما لو اخذها عطاس او سعال حین اخبرت فلما ذهب قالت لا ارضی او اخذ فمها ثم ترک فقالت ذلک صح ردها لان سکوتها کان عن اضطرار بحر (ص ۲۷۹ ج ۲) اور جس صورت میں نکاح صحیح ہو گیا ہے اس صورت میں علاوہ طلاق کے کوئی صورت علیحدگی کی نہیں۔ احقر عبد الکریم ۲۷ رجب ۴۴ھ۔

الجواب صحیح۔ ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ ۲۹ رجب ۴۴ھ۔

ماموں اور خالو نے بالغہ کا نکاح بلا اس کی رضامندی کے کر دیا تو نکاح منعقد ہو جائیگا یا نہیں

سوال (۱۴) عرض خدمت میں یہ ہے کہ ایک لڑکی کے ماں باپ فوت ہو گئے تھے اس وقت وہ لڑکی تقریباً چودہ سال کی عمر تھی جس وقت اس لڑکی کے ماں باپ فوت ہوئے لیکن اس لڑکی کے ماں باپ نے اپنی زندگی میں رشتہ سگائی کر دی بعد فوت ہونے ماں باپ کے وہ لڑکی اپنے ماموں خالو کے یہاں اسی موضع میں آگئی تھی جس موضع میں اس کے ماں باپ نے رشتہ سگائی کر دی تھی وہاں وہ آکر کچھ عرصہ کے بعد ایک اپنے ہمجولی برادری کے لڑکے کے اوپر عاشق ہو گئی پس جس پر وہ لڑکی عاشق ہوئی اسی سے اپنا نکاح چاہتی تھی اس کے ماموں خالہ نے جس وقت یہ بات سُنی ایک اور دوسری جگہ اس لڑکی کا نکاح کر دیا براہ زبردستی کے وہ لڑکی وہاں دس یا بیس روز رہ کر چلی آئی اسی گانوں میں جس میں اس کے ماموں خالہ رہتے تھے وہاں آکر بعد ایک مہینہ کے اس لڑکے کو کہیں لیکر چلی گئی جس پر وہ عاشق تھی لہٰذا حضور اب وہ طلاق نہیں دیتے ہیں جس کے ساتھ میں اس لڑکی کا نکاح ہوا تھا اور نہ وہ اس کو اپنی زوجیت میں لیتے ہیں پس حضور سے ہم لوگ امید وار ہیں کہ اس لڑکی کا نکاح اس

لڑکے کے ساتھ (یعنی معشوق کے) درست ہوسکتا ہے یا نہیں اور وہ لوگ طلاق تمام عمر نہیں دیتے ہیں عار دنیا کے سبب سے۔

تنقیح: (۱) نکاح کے وقت لڑکی نے زبان سے اجازت دی تھی یا صاف انکار کیا تھا یا خاموش رہی تھی صاف صاف لکھیں۔

(۲) نکاح کے بعد خاوند کو ہمبستری کا موقع دیا تھا یا نہیں ان دونوں نمبروں کا جواب آنے پر مسئلہ تبلایا جاوے گا اور یہ دونوں پرچے بھی ساتھ بھیجیں اور کسی صاف لکھنے والے سے لکھوا کر بھیجیں۔

جواب تنقیح: جس وقت وہ لڑکی لڑکے کے ساتھ گئی ۲۴ سنہ میں لڑکی کی عمر اس وقت بیس ۲۰ سال کی ہوگئی تھی اور اس لڑکے کے ساتھ میں گئے ہوئے عرصہ دو سال کا ہوگیا پس اب عمر لڑکی کی بائیس ۲۲ سال ہوگئی ہے جس وقت وہ لڑکی ماموں اور خالو کے یہاں آئی اس وقت اس کی عمر چودہ سال کی تھی اور نکاح جس وقت اس کے ماموں اور خالو نے اس کی بلا مرضی کے دوسری جگہ کیا اور اس وقت بھی عمر لڑکی کی بیس سال کی ہوگئی تھی اور اس نکاح پر رضامند نہیں تھی ہم نے خوب اچھی طرح سے حال دریافت کیا ہے ان لوگوں سے جو اس وقت نکاح کے وقت موجود تھے ان لوگوں نے یہ بات کہی ہے کہ ہمارے سامنے نکاح لڑکی کا ہوا ہے مکان چوپال میں اور مکان زنانے میں نکاح نہیں ہوا ہے بوجہ اس کے کہ وہ لڑکی مسماۃ مقصودن صاف انکار کردے گی کیونکہ اس لڑکی کی رضامندی تو اسی لڑکے سے ہے جس پر وہ ہمیشہ سے رضامند ہے لہذا حضور کو معلوم ہو کہ اس لڑکی کے ماموں اور خالو نے نکاح چوپال میں اس واسطے کیا تا کہ ہماری حماقت ان دس آدمیوں میں انکاری ہونے سے نہ ہوئے یہ کام نکاح کا پس پردہ ہوجاوے ایسا ہی ہوا نکاح ہونے کے بعد وقت دس ۱۰ بجے رات کے اس لڑکی کا ماموں بنام میر جہت وخالو ولی محمد اور عمرا نمبردار ان ان تینوں آدمیوں نے اپنی ایک رائے ملا کر اس لڑکی کے پاس گئے اور اس کا انگوٹھہ جبراً ایک کتاب پر لگائے گئے وہ لڑکی تمام رات سوچتی رہی انگوٹھہ لگانے کے بارے میں کہ میرا انگوٹھہ جبراً لگائے گئے بعد اس بات کے اگلے روز لڑکی کو وہاں بھیج دی ڈولے میں بٹھا کر جہاں کی وہ یا رات آئی تھی وہاں جا کر وہ لڑکے کو لیکر چلی گئی جس پر وہ عاشق تھی عرصہ دو سال ہوگئے ہیں علاوہ اس کے ہم نے اور عورتوں کے ہاتھ دریافت کیا ہمبستری کا تو ان عورتوں نے بھی یہی کہا کہ ہمبستری اس لڑکے کیساتھ نہیں ہوئی جس کے ساتھ نکاح چوپال میں ہوا اور وہ عورتیں تینوں اس لڑکی مقصوداً کی ہمجولی اور

ہم وردی اور سہیلی تھی اور اس لڑکے کی ماں اور بہن سے بھی یہی حال معلوم ہوا کہ ہمارے لڑکے کے ساتھ وہ لڑکی ہمبستر نہیں ہوئی اور مسماۃ مقصوداً کا بھی یہی بیان ہے کہ نہ میں نے اجازت نکاح کی دی اور نہ کسی نے مجھ سے پوچھا بوجہ اس کے کہ وہ خود ہی جانتے تھے کہ اگر ہم پوچھیں گے تو صاف انکار کردے گی پس اگر وہ مجھ سے پوچھتے بھی تو میں صاف انکار کردیتی کیونکہ میں رضامند نہ تھی اور نہ میں وہاں جاکر اس لڑکے سے ہمبستر ہوئی۔ پس حضور کو معلوم ہوئے کہ ہم نے سب حال اچھی طرح دریافت کرکے تحریر کردیا ہے آپ مسئلہ نکاح کا تحریر کرکے روانہ فرمادیں۔

الجواب: واللہ الموفق للصواب۔ قال فی الدر فان استاذنہا غیر الاقرب کاجنبی اوولی بعید فلا عبرۃ لسکوتہا بل لا بد من القول کالثیب البالغۃ اوماھو فی معناہ من فعل یدل علی الرضا کطلب مہرھا ونفقتہا وتمکینہا من الوطی ودخولہ بہا برضاھا ظہیریۃ وقبول التہنئۃ والضحک سروراً ونحو ذلک بخلاف خدمتہ اوقبول ھدیتہ اھ قال الشامی عن المحیط والظہیریۃ و لواکلت من طعامہ اوخدمتہ کما کانت فلیس برضاً دلالۃً اھ وفیہ ایضاً قبلہ باسطر عن الخانیۃ الولی اذا زوج الثیب فرضیت بقلبہا ولم تظہر الرضا بلسانہا کان لہا ان ترد لان المعتبر فیہا الرضا باللسان او الفعل الذی یدل علی الرضا نحو التمکین من الوطی وطلب المہر وقبول المہر دون قبول الھدیۃ وکذا فی حق الغلام (۲۹۴ ج ۲)۔

سائل نے جو صورت واقعہ بیان کی ہے کہ مسماۃ مقصودن کی عمر نکاح کے وقت بیس سال کے قریب تھی اور اس کا نکاح ماموں اور خالو نے بدون اس سے پوچھے کردیا اس سے اجازت نہیں لی اور وہ جانتے تھے کہ مسماۃ کی رضا اس جگہ نکاح کی نہیں ہے تو یہ نکاح فضولی کا عقد ہوا جس کی صحت اس پر موقوف تھی کہ مسماۃ کی طرف سے یا تو صراحۃً رضامندی کے الفاظ بعد علم نکاح کے پائے جاتے یا کوئی ایسا فعل پایا جاتا جس سے رضا پر دلالت ہوتی۔ صورت واقعہ سے معلوم ہوا کہ مسماۃ نے خبر نکاح سنکر رضا ظاہر نہیں کی اور نہ وہ خوشی سے بارات کے ساتھ گئی بلکہ ماموں خالو کے جبر سے گئی اور نہ وہاں جاکر ناکح سے ہمبستر ہوتی نہ اس کو اس کا موقعہ دیا اور وہاں سے آکر اپنی ناراضی کا صاف اظہار کیا تو اگر یہ سب بیانات صحیح اور واقعہ کے مطابق ہیں تو جزئیات مذکورہ کی بنا پر یہ نکاح صحیح نہیں ہوا بلکہ جب مسماۃ نے اس سے ناراضی ظاہر کی اسی وقت کالعدم ہوگیا اور اب مسماۃ مقصودن

جہاں چاہے اپنا نکاح کر سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔ ۲۲ رجب ۴۵ھ۔

باپ کا لڑکی کے نکاح پر روپیہ طلب کرنا اس کی رضامندی کی دلیل ہے یا باپ کی صریح رضامندی اسکے بعد بھی ضروری ہے

سوال (۱۵) ہندہ نابالغہ کا باپ جیل خانہ میں تھا ہندہ کے برادر کلاں بالغ نے زید سے ہندہ کا نکاح کر دینے کی بات چیت درست کی رخصتی کے روز باپ بھی آگیا اور کہا کہ اگر زید مجھ کو ۳۰ روپیہ دیوے تو میں نکاح کر دینے میں راضی ہوں۔ پس زید نے روپیہ دیدیا اور وہ راضی ہوگیا اور اُس کی رضا پر برادر کلاں زید کے مکان میں ڈولی لے جاکر نکاح کر دیا ہندہ ایک ماہ تک زید کے پاس رہی باپ اور برادر وغیرہ خویش و اقارب چند بار آئے گئے بعد ایک ماہ کے بوجہ لالچ دنیوی کے ہندہ کو باپ نے اپنے گھر بٹھا رکھا اور کہا کہ میں تو زید کے ہمراہ نکاح کر دینے پر راضی نہ تھا میرے بیٹے نے نکاح دیا ہے پھر وہ لڑکی بکر کو دیدی، اس کے بعد ایک عالم کو ثالث مقرر کیا اس نے دعوی الرجلین علی امرأۃ واحدۃ کا لحاظ کر کے دونوں زوج اور ہندہ کا باپ اور ہندہ کا وکیل اس کا برادر کلاں وغیرہ کے سامنے بڑی مجلس میں موافق طریقہ شرعیہ دعویٰ سنا زید کی طرف سے نصاب شہود عدول مُسَلّم جرح موثر سے پایا گیا کہ باپ ۳۰ روپیہ ہمارے سامنے لیکر راضی ہوا اور بیٹے نے موافق مرضی باپ کے جاکر نکاح کر دیا۔ قاضی صاحب نے وکیل مسماۃ اور زوج ثانی اور باپ کو کہا کہ گواہوں کو قسم دیتے ہو سب نے کہا کہ ہم نے اس کی بات پر اعتبار کر لیا ہم ان کو قسم نہیں دیتے پس قاضی نے بحضور وکیل ہندہ اور زوج ثانی و والد ہندہ و جلسہ عظیمہ حکم دیدیا کہ زید کا نکاح درست ہے اور بکر کا باطل ہے بعدہٗ مسمات کے وکیل اور والد زوج ثانی نے کہا کہ ہم ۸۰ روپیہ دیتے ہیں اور خلع ہوجانا چاہیئے اور خلع کا معنی بھی سنا یا گیا کہ خلع طلاق بائن ہوتی ہے۔ اب عرض یہ ہے کہ یہ شہادت باخذ دراہم واسطے راضی ہونے کے اور شہرت اس رضامندی کی عام و خاص پر اور عدم اعتراض باپ کا بوقت رخصتی کے اور ایک ماہ تک کمال اختلاط و انبساط اور بغیر قسم کے گواہی کی تصدیق اور التماس خلع بمعنی طلاق بائن نہ بمعنی طلاق مطلق صلح قاطع نزاع۔ آیا یہ کل امر مثبت رضاء والد ہندہ کے اور موجب صحت نکاح زید کے ہیں یا نہیں بصورت وجود و عدم عبارت کتاب و فصل و باب ضرور قلمبند فرماویں جزاک اللہ تعالیٰ خیر الجزاء فقط۔

الجواب: قال فی الدر ولہ ای للولی اذا کان عصبۃ الاعتراض فی غیر الکفوء ما لم یسکت حتی تلد منہ اھ قال الشامی زاد لفظ یسکت للاشارۃ الی ان سکوتہ قبل الولادۃ لا یکون رضاً وان ھذہ لیست من المسائل التی نزل

فیہا السکوت منزلۃ القول اھ (۲ج ۴۸۶) ثم قال فی الدر رضا البعض من الاولیاء قبل العقد او بعدہ کالکل الیٰ ان قال وقبضہ ای المھر ونحوہ مما یدل علی الرضا دلالۃً اھ قال الشامی قولہ قبل العقد وبعدہ فیہ ان الرضا قبل العقد یصح علیٰ کل من الاول والثانی (ای النکاح بالکفؤ وبغیر الکفؤ) اھ وقولہ ونحوہ بالرفع عطفاً علیٰ قَبضُہٗ ای ونحو قبض المھر کقبض النفقۃ او المخاصمۃ فی احدھما وان لم یقبض وکالتجہیز ونحوہ فتح اھ (ص ۲ج ۴۸۸)

صورت مسئولہ میں ہندہ نابالغہ کے باپ کا یہ قول کہ زید مجکو ۳۰ روپیہ دیدے تو میں نکاح کردینے پر راضی ہوں اس کی رضا پر دلالۃً دال ہے جبکہ اس کو ۳۰ روپیہ دیدیا گیا گو ان روپوں کا لینا اس کو جائز نہ تھا اگر بطور مہر معجل کے نہوں پھر روپیہ لینے کے بعد اس کے صریح الفاظ کی ضرورت نہیں بلکہ یہ دلالت بھی کافی ہے جیسا کہ عبارت مذکورہ سے معلوم ہورہا ہے کہ قبض مہر وقبض نفقہ وتجہیز ومخاصمہ فی المہر والنفقہ بھی بمنزلہ قول رضا کے ہے اور چونکہ آج کل ہندوستان میں جاہل لوگوں میں لڑکی پر کچھ رقم لینے کا رواج ہورہا ہے تو اس رقم کا مانگنا اور اس پر رضا کو معلق کرنا اور بعد میں اس رقم پر قبضہ کرلینا بھی قرائن رضا سے ہے پس زید کا نکاح صحیح ہوگیا اور بکر کا باطل ہوگیا باقی انبساط آمد ورفت قائم مقام قول رضا کے نہیں ایسے ہی بکر اور والد ہندہ کا یہ کہنا کہ خلع ہوجانا چاہئے یہ بھی اقرار بالنکاح نہیں قال فی الدر وقولہ لعبدہ طلقہا رجعیۃ اجازۃ للنکاح الموقوف لا طلقہا او فارقہا لانہ یستعمل للمتارکۃ اھ قال الشامی ای قولہ طلقہا او فارقہا لانہ یستعمل للمتارکۃ فیکون رداً ویحتمل الاجازۃ فحمل علی الرد لانہ ادنی لان الدفع اسہل من الرفع اھ (ص ۲ج ۶۱۳) قلت وایضاً فطلبہ الخلع یحتمل الصلح فی الصورۃ المسئولۃ فلا یکون اقراراً بصحۃ النکاح، واللہ اعلم۔ ۲۲ ذیقعدہ ۴۵ھ۔

قاضی نابالغ لڑکے اور لڑکی کا ایجاب وقبول کرالے اور ولی حاضر نہ ہو تو نکاح منعقد ہوجائے گا یا نہیں

سوال (۱۶) اگر ولی تصریحاً نہ اجازت دے نہ وقت نکاح کے حاضر رہے خصوص لڑکی کا ولی مگر اور سامان دونوں طرف کے ولی سب کریں مثلاً نسبت ٹھیک کرنا فرش فروش چھوہارہ وغیرہ لوگوں کا بلانا اور اسی قبیل کے تمام کام کریں لیکن قاضی صرف نابالغ لڑکی ولڑکے سے ایجاب وقبول

کرادے تو ایسی صورت میں نکاح ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب: اگر قاضی کو لڑکی کے یا لڑکے کے ولی نے بلایا ہے کہ تم آکر میری لڑکی یا لڑکے کا نکاح کر دو تب تو اس کی طرف سے قاضی وکیل ہو گیا صرف دوسرے ولی کی طرف سے اجازت کی ضرورت رہی۔ اگر دوسرے ولی نے عقد کے بعد اجازت صراحۃً دیدی یا کوئی فعل ایسا کیا جو اجازت پر دلالت کرے مثلاً لڑکی کے ولی نے جہیز وغیرہ دیا اور لڑکے کے ولی نے جہیز پر قبضہ کیا تو اب دوسرے کی طرف سے بھی اجازت پائی گئی اور نکاح صحیح ہو گیا اور جو افعال سوال میں مذکور ہیں وہ اجازت کے لئے کافی نہیں کیونکہ وہ عقد کے پہلے کے افعال ہیں نہ بعد کے۔ اور اگر قاضی کو لڑکی اور لڑکے کے ولی میں سے کسی نے نہیں بلایا بلکہ وہ خود ہی خبر نکاح سنکر آگیا یا کسی اور شخص کے بلانے پر آگیا اور بدون اجازت احد الولیین کے اس نے نکاح پڑھا تو یہ نکاح موقوف رہا جو بعد اجازت اولیاء طرفین کے نافذ ہوگا۔ اور اگر ان اولیاء میں سے کسی نے اس نکاح کو صراحۃً یا دلالۃً نافذ نہ کیا تو یہ نکاح موقوف ہی رہے گا جس کو یہ صغیرین بعد بلوغ کے نافذ کر سکتے ہیں، بشرطیکہ نکاح کے وقت دونوں عاقل تمیز دار ہوں کہ نکاح کے معنی کو سمجھتے ہوں اور اگر وہ نکاح کو سمجھتے بھی نہوں تو نکاح باطل ہے۔ قال فی الدر وقبضہ ای الولی المھر ونحوہ مما یدل علی الرضا رضاء دلالۃً اھ قال الشامی کقبض النفقۃ او المخاصمۃ فی احدھما وان لم یقبض وکالتجھیز ونحوہ اھ (ص ۴۸۸ ج ۲) وفیہ ایضاً صغیرۃ زوجت نفسھا ولا ولی ولا حاکم ثمہ توقف وصح باجازتھا بعد بلوغھا لان لہ مجیزاً وھو السلطان اھ قال الشامی والصغیر کالصغیرۃ اھ وقال ایضاً قولہ صغیرۃ زوجت نفسھا ای من کفوء بمھر المثل والا لم یتوقف لان الحاکم لا یملک العقد علیھا بذلک فلا یملک اجازتہ فکان عقد بلا مجیز نعم لو کان لھا اب اوجد وزوجت نفسھا کذلک توقف لان لہ مجیزاً وقت العقد لان الاب والجد یملکان العقد بذلک اھ (ص ۵۱۵ ج ۲) وفی الخلاصۃ عن الاجناس کل عقد لہ مجیز حال وقوعہ یقف علی الاجازۃ ومالا مجیز لہ حال وقوعہ لا یتوقف اھ (ص ۱۷ ج ۲)۔ ۸ محرم سنہ ۴۶ھ۔

ماں کی ولایت سے نابالغ کے نکاح کی ایک صورت

سوال (۱۷) کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک عورت کے ساتھ نکاح کیا تھا اور اس کے ساتھ ایک

لڑکا تھا اب اس لڑکے کی شادی اس شخص نے گانوں میں کردی لڑکا نابالغ تھا اور لڑکی بالغ تھی جس عورت کے ساتھ نکاح کیا تھا وہ عورت اس کے یہاں سے چلی گئی اب وہ لڑکا اور لڑکے کی بہو رہ گئی اب اس شخص نے اپنے سوتیلے لڑکے کی منکوحہ بہو کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے وہ جائز ہے یا نہیں۔

الجواب: جب تک یہ لڑکا بالغ نہو اور بالغ ہو کر اس عورت کو طلاق ندے اور طلاق کی عدت نگذر جائے اس وقت تک اس عورت سے کسی کا نکاح درست نہیں کیونکہ اس لڑکے کا نکاح اس لڑکی سے درست ہوگیا ہے گو یہ سوتیلا باپ اس کا ولی نہیں مگر لڑکے کی ماں اس کی ولی تھی اور ظاہر یہ ہے کہ ماں کے علاوہ اس کا کوئی ولی نہیں اور یہ نکاح ماں کی رائے و رضا سے ہوا ہے لیکن اگر ماں کی رائے اور رضا سے نہیں ہوا تو سوال دوبارہ کیا جائے اور یہ بھی بتلایا جائے کہ اس لڑکے کا کوئی ولی ماں کے علاوہ ہے یا نہیں اور ماں نے یا اس ولی نے اس نکاح کی خبر سنکر نکاح کو منظور کیا یا اس پر ناراضی و انکار کا اظہار کیا فقط۔ ۱۸ رجب ۱۳۴۶ھ

ماموں نے نابالغ بھائی کی موجودگی میں نابالغہ کا نکاح کردیا الخ

سوال (۱۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمیان زید و ہندہ کو جبکہ ان دونوں کے والدین کا وفات ہوگیا بوجہ نابالغی بغرض پرورش مسمی بکر جوان دونوں یعنی زید و ہندہ کا ماموں ہے اپنے مکان پر لے گیا اور اپنے لڑکے مسمی بقریدو سے ہندہ کا بغیر اجازت زید نکاح کردیا حالانکہ زید و ہندہ اب تک نکاح مذکور پر راضی نہیں ہیں اور اب ہندہ تقریباً دو ماہ سے بالغہ ہے اور عرصہ آٹھ مہینہ سے اپنے بھائی مسمی زید کے یہاں چلی آئی ہے تو صورت مذکورہ میں ہندہ کا نکاح بقریدو سے از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مذکورہ میں چونکہ ہندہ قبل بلوغ و بعد بلوغ اپنے ماموں کے نکاح سے کارھہ تھی لہذا نکاح مذکور صحیح نہیں ہوا مطابق حدیث لا نکاح الا بولی کے ولی کا ہونا ضروری ہے اس لئے نکاح صحیح نہیں ہوا ہندہ دوسرا نکاح کرسکتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ محمد عبداللہ مدرس مدرسہ فیض عام۔ ۳۰ جمادی الاولی ۱۳۴۶ھ۔

احمد عفی عنہ مدرس فیض عام۔ ۳۰ ج ا ۱۳۴۶ھ۔

ماموں بھی ولی ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ نے اس کی تحقیق کی ہے اور اس اعتبار سے نکاح ہوجائے گا مگر بلوغ اور علم بالنکاح کے بعد خیار فسخ حاصل رہتا ہے۔ امام محمدؒ کے نزدیک ماموں ولی نہیں اور امام ابو یوسف صاحب کی اشہر الروایتین یہی ہے دیکھو ہدایہ اور حسن بن زیاد نے بھی

امام صاحب سے یہی روایت کیا ہے اور الولایۃ الی العصبات بھی اسی کی موید ہے اور خیار فسخ کی تاثیر کے لئے قضا کی شرط ہے جو آجکل قریبًا اس دیار میں متعذر الحصول ہے اس لئے اگر کوئی حنفی امام صاحب علیہ الرحمۃ کی دوسری روایت پر فتویٰ دے اور سرے سے نکاح کے انعقاد ہی کا انکار کرے تو اس ہیچمدان کے نزدیک کوئی حرج نہیں ہے بہتر ہوگا کہ اس مسئلہ کی تحقیق حضرت مولانا اشرف علی صاحب مدظلہ العالی سے کرلی جاوے۔ ناچیز عبد اللطیف نعمانی مدرس دار العلوم مئو اعظم گڈھ۔

الجواب من تھانہ بھون:

صورت مسئولہ میں چونکہ نکاح بولایت ولی صحیح منعقد ہو چکا ہے بشرطیکہ کفو سے مہر مثل پر ہوا ہو اسلئے اگر ہندہ اس کو بعد بلوغ کے فسخ کرنا چاہے تو قاضی اسلام کے یہاں مرافعہ کرے اور اگر قاضی اسلام میسر نہیں تو صبر کرے یا کسی طرح خاوند کو خلع پر راضی کرے بہرحال بدون قضاء قاضی یا طلاق زوج کے یہ نکاح فسخ نہیں ہو سکتا اور بدون اس کے ہندہ کو کسی دوسرے شخص کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔

پہلا جواب کسی غیر مقلد کا معلوم ہوتا ہے وہ بالکل غلط ہے کیونکہ حدیث لا نکاح الا بولی سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ بدون ولی کے نکاح نہیں لیکن اس کے کیا معنیٰ ہیں آیا یہ کہ باطل ہے یا مناسب نہیں دونوں احتمال ہیں انہوں نے بدون حدیث کے ایک احتمال کو ترجیح کیونکر دی اور اگر ایما امرأۃ نکحت نفسھا بدون اذن ولیھا فنکاحھا باطل پیش کریں تو اس کی صحت ثابت کریں اور تصحیح حدیث میں کسی محدث کی تقلید نہ کریں ورنہ فہم حدیث میں فقہاء کی تقلید سے کیوں عار ہے۔ دوسرے اگر اس کو بھی تسلیم کرلیا جائے تو وہ حدیث سے یہ ثابت کریں کہ خال ولی نہیں اگر حدیث الولایۃ الی العصبات پیش کریں تو اس کی صحت بدون تقلید محدثین کے ثابت کریں۔ پھر حدیث ہی سے عصبات کے ایسے معنیٰ ثابت کریں جو خال پر صادق نہ آتے ہوں۔ نیز یہ بھی بتلائیں کہ اس حدیث میں تو صرف اتنا ہی کہ عصبات کو ولایت حاصل ہوتی ہے یہ کہاں ہے کہ غیر عصبات کو کسی وقت بھی ولایت حاصل نہیں ہوتی حدیث میں کوئی لفظ نفی کا نہیں ہے اگر ان امور کو حدیث ہی سے حل نہ کرسکیں تو اہل حدیث ہونے کا اور حدیث سے فتویٰ دینے کا دعویٰ نہ کریں۔

مجیب ثانی حنفی معلوم ہوتا ہے مگر اُن کو امام صاحب کی دوسری روایت ضعیفہ پر فتویٰ

دینے کا خیال ہو رہا ہے۔ مگر یہ خیال غلط ہے۔ کیونکہ ایسے مسائل تو اجتہادات میں بہت کم نکلیں گے جن میں اختلاف علماء یا اختلاف روایات نہ ہو دیکھنا یہ ہے کہ اختلاف کے وقت قوت کس کو ہے قول ضعیف پر فتوی جائز نہیں سو ظاہر ہے کہ امام صاحبؒ سے جو روایت اہل متون نے نقل کی ہے اور متون ہی نقل مذہب کے لئے موضوع ہیں وہ یہی ہے کہ عدم عصبات کے وقت ماں کو اور ذوی الارحام کو ولایت تزویج حاصل ہے اور دلیل سے بھی قوت اسی کو ہے اور امام ابو یوسف بھی امام ابو حنیفہ ہی کے ساتھ ہیں ھذا ھو الاصح الارجح کما صرح بہ فی فتح القدیر وبسط الکلام فی الدلالۃ ص ۱۸۲ ج ۳ و فی رد المحتار ص ۵۱۴ ج ۲ باب الولی، واللہ اعلم۔ ۱۰ رمضان ۴۶ھ

گونگی بہری لڑکی جس کا کوئی ولی نہو اس کا نکاح کس طرح کیا جائے

سوال (۱۹) علماء دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک عورت ہے نہ اس کو سنتا ہے اور نہ کچھ وہ زبان سے کہہ سکتی ہے اور عمر اس کی ۲۱ سال کی ہے اور اشارہ بھی کچھ نہیں سمجھتی مگر کھانے اور پینے کا اور پائخانے اور پیشاب کی جس وقت ضرورت ہوتی ہے خود کہہ دیتی ہے اور نہ اس کے کوئی ولی ہے اب اس کا نکاح کس صورت سے کرنا چاہئے فقط والسلام۔

الجواب: یہ نہیں ہو سکتا کہ اس لڑکی کا عصبہ کوئی نہ ہو ہاں یہ ممکن ہے کہ عصبہ قریب نہ ہو لیکن عصبہ بعید ضرور ہو گا۔ اگر یہ لڑکی شیخزادی ہے تو سارے شیخ زادے اس کے عصبہ ہیں ان میں جو زیادہ دور نہ ہو وہ اس کا ولی ہو گا مثلاً جو شیخ زادہ اس کی بستی میں ہے وہ دوسری بستی کے شیخ زادے سے مقدم ہے اور اگر شیخ زادی نہیں بلکہ مغل پٹھان یا جلاہی وغیرہ ہے تب بھی اتنی بات معلوم ہو سکتی ہے کہ اس لڑکی کے باپ کی رشتہ داری کن کن مواضع میں تھی انہی مواضع میں اس کے باپ کی رشتہ داری میں جو شخص سب سے زیادہ قریب ہو گا وہی اس کا عصبہ اور ولی ہو گا، ولی کی اجازت سے اس کا نکاح ہو سکتا ہے، واللہ اعلم۔ ۷ رمضان ۴۶ھ۔

اَب وجَدّ کے کئے ہوئے نکاح میں صغیر وصغیرہ کو خیار بلوغ حاصل نہ ہونے کی دلیل

سوال (۲۰) سید سلیمان ندوی نے حنفیہ کے خلاف یہ لکھا ہے کہ اَب وجَدّ اگر صغیر وصغیرہ کا نکاح کر دیں تو انہیں خیار بلوغ حاصل ہونا چاہئے کیونکہ خیار نہ ہونے پر حدیث سے ثبوت نہیں۔ بلکہ حدیث میں یہ ہے کہ جن عورتوں نے آکر دربار رسالت میں باپ کے نکاح پر ناگواری ظاہر کی حضورؐ نے بلا اس کے دریافت فرمائے کہ تم بوقت نکاح نابالغ تھیں یا بالغ نکاح فسخ کر دیا جس سے معلوم ہوا کہ تزویج اَب کے بعد حق فسخ رہتا ہے۔

مبسوط، بدائع، بذل وغیرہ میں حضرت عائشہؓ کے واقعۂ نکاح سے ثبوت دیا ہے مگر حدیث میں خیار نہ دینے کا ذکر ہے نہیں اور عدم ذکر سے استدلال کیسے ہو سکتا ہے۔ انت ومالك لأبيك سے بھی استدلال بظاہر نہیں ہوتا۔ آپ کی تزویج کے بعد صغیرہ بکر کو خیار بلوغ نہ ہونے پر ائمۂ اربعہ کا اتفاق ہے مگر ثبوت نہیں ملتا حضرت کچھ ارشاد فرماویں کہ ثبوت کہاں سے ہوا۔

الجواب: اس مسئلہ کی دلیل اجماع امت کافی ہے۔ آپ کی تزویج کے بعد صغیرہ بکر کو خیار بلوغ نہ ہونے پر امت کا اجماع ہے۔ اور اجماع خبر واحد سے اقویٰ ہے۔ فلا حاجة إلى الاستدلال بالاخبار وایضًا فالاستدلال بنکاح عائشةؓ تام فقد ثبت انه صلى الله عليه وسلم خير بريرة حين عتقت وقال لبنت حمزة حين زوجها وهي صغيرة لها الخيار اذا بلغت فلو كان الخيار ثابتا للصغيرة اذا زوجها ابوها لصرح النبي صلى الله عليه وسلم حين تزوج عائشة بان لها الخيار اذا بلغت والسكوت في موضع البيان بيان فثبت ان لاخيار للصغيرة والحال هذه وايضًا فقوله تعالى وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ اطلق للاولياء انكاح موليتهم التي لا زوج لها وهذا هو معنى الايم لغة واطلاق ذلك لهم يقتضي تمام العقد بانكاحهم وثبوت الخيار بعد تمام العقد خلاف القياس فيقتصر على مورده وقد خير صلى الله عليه وسلم الثيب والبكر البالغة ولم يخير الصغيرة الا اذا زوجها غير الاب كما ورد انه زوج امامة بنت حمزة وقال لها الخيار اذا بلغت (فتح القدير ص ۱۷۵ ج ۳) ولم يثبت انه خير صغيرة زوجها ابوها فلا خيار لها، والله تعالى اعلم۔ ۱۵ صفر سنہ ۴۷ھ۔

(**تتمہ**) وفي الجوهر النقي قال ابن المنذر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ولا تنكح البكر حتى تستأذن وهو قول عام وكل من عقد على خلاف ماشرع رسول الله صلى الله عليه وسلم فهو باطل لانه الحجة على الخلق وليس لاحد ان يستثني من السنة الا سنة مثلها فلما ثبت ان ابا بكر الصديق زوج عائشة من النبي صلى الله عليه وسلم وهي صغيرة لا امر لها في نفسها كان ذلك مستثنى منه انتهى كلامه (ص ۶۷، ۷۷ ج ۲) وهذا اصريح في ثبوت نفي الخيار لعائشة

اما نقلاً و ابن المنذر حجة فی النقل و اما لکون السکوت بمعرض البیان بیاناً ففیہ تائید لما قلنا اوّلاً فافہم۔

بالغہ لڑکی اگر غیر کفو میں نکاح بلا اجازت اولیا کرے تو نکاح باطل ہے

سوال (۲۱) (۱) علمائے دین اس مسئلہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ مومن قوم کا ایک مرد کا نکاح شیخ، سید، پٹھان وغیرہ اقوام کی عورتوں سے ہو سکتا ہے یا نہیں۔

(۲) اور کیا اس عورت کے اولیاء کو ایسی صورت میں جب اس سے برضائے خاطر اور بعد بلوغت کسی مومن دیندار ذی علم سے نکاح کیا ہے، حق فسخ حاصل ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: (۱) بدون رضاء عورت کے اولیاء کے نہیں ہو سکتا۔

(۲) اگر کوئی شریف سید شیخ مغل پٹھان عورت اپنے اولیاء کی بدون رضاء و اجازت جولاہے سے نکاح کرلے تو یہ نکاح منعقد ہی نہ ہوگا بلکہ ابتداء ہی سے باطل ہے فسخ کی بھی ضرورت نہیں۔ وظاہر الروایۃ ان النکاح ینعقد وللاولیاء حق الفسخ والاعتراض ولکن المتأخرین افتوا بروایۃ الحسن عن ابی حنیفۃ انہ لا یصح ولا ینعقد یہ تو سوال کا جواب ہے مگر اس مسئلہ کی بنا اس پر نہیں کہ قوم مومن شرعاً رذیل ہے فقد قال تعالیٰ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ فالکرم انما ھو بالتقوی والرذالۃ بالمعصیۃ۔ بلکہ اس کی بنا اس پر ہے کہ نکاح کے مصالح عادۃً ہم کفو قوم ہی میں حاصل ہوتے ہیں اور یہ مشاہد ہے اس کا انکار نہیں ہو سکتا اس لئے شریعت نے نکاح میں کفاءت کا لحاظ کیا ہے تاکہ مصالح نکاح بخوبی حاصل ہوں البتہ اگر عورت کے اولیاء راضی ہو کر غیر کفو سے کردیں تو ان کا راضی ہونا اس کی علامت ہوگی اس غیر کفو سے بھی مصالح نکاح حاصل ہونے کی امید ہے تو اس صورت میں غیر کفو سے بھی عورت کا نکاح درست ہے۔ اور مصالح نکاح صرف میاں بیوی کی رضامندی میں منحصر نہیں بلکہ اس کے ساتھ زوج و زوجہ کی قرابت میں رابطہ اتحاد و محبت و تعاضد و تناصر پیدا ہونا بھی ملحوظ ہے اور یہ بات غیر کفو کے نکاح میں مفقود ہے اِلّا نادراً والنادر کالمعدوم فلا یعتبر بہٖ فی الاحکام اور غیر کفو سے نکاح کرکے اگر عورت کا خاوند جلد مر جائے اور لاولد مر جائے یا بچے چھوٹے چھوٹے ہوں تو اب اس عورت کی امداد اس کا خاندان تو ناراضی کی وجہ سے کرے گا نہیں تو اس کو بہت تکلیف ہوتی ہے وغیر ذالک من المصالح اس لئے کفاءت کا نکاح میں لحاظ ہے اور یہ امر قوم مومن ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اگر کوئی سیدزادی یا شیخزادی

پٹھان یا مغل مرد سے بدون اپنے اولیاء کی اجازت کے نکاح کرلے تو اس کا بھی یہی حکم ہے اور اگر عدم کفارت میں وہ مرد بڑھا ہوا ہو تو نکاح درست ہے عورت کے ادنیٰ ہونے سے وہ مصالح فوت نہیں ہوتے، واللہ اعلم۔

۲۴، ۲۶ ج ۴۷ھ۔

باپ نے لاعلمی میں نابالغہ لڑکی کا نکاح فاسق سے کردیا نکاح کے بعد معلوم ہوا کہ وہ شرابی و بدچلن ہے تو باپ کا کیا ہوا نکاح صحیح ہوا یا نہیں

سوال (۲۲) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ لڑکی نابالغہ کا عقد لڑکی کے باپ نے پینتیس ۳۵ سالہ عمر والے شخص کے ساتھ کردیا لڑکی نے بالغ ہوتے ہی اس کے ساتھ جانے یا رہنے سے انکار کردیا کیونکہ وہ شخص شراب خوری اور بدچلنی وغیرہ کے کاموں میں مصروف رہتا ہے اور نماز وغیرہ کا قطعی پابند نہیں محض عیدین کی نماز شاذ و نادر پڑھ لیتا ہے اور لڑکی قرآن شریف و مسائل ضروری سے واقف ہے اور نماز کی بھی پابند ہے شوہر سے طلاق کے لئے کہا جاتا ہے مگر انکار کرتا ہے لڑکی کا باپ بھی اسے شوہر کے ایسے حالات دیکھکر نہیں چاہتا کہ میں ایک ایسی شائستہ اور دیندار لڑکی کو ایسے گمراہ شخص کے ساتھ کردوں جو بالکل احکام شرع کا پابند نہ ہو بروقت عقد ولی جائز کو اس کے ناشائستہ حرکات سے بالکل بے خبری تھی پس ایسی صورت میں اس سے طلاق حاصل کرنے کی کیا صورت ہوسکتی ہے اور لڑکی کا طلاق مانگنا حق بجانب ہے یا نہیں اور ایسے شخص کے ساتھ ولی جائز کا (بے جانے ہوئے) نکاح کردینا جائز ہوا یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب: اگر سوال واقع کے مطابق ہے کہ ولی کو اس شخص کی بدچلنی وغیرہ کا نکاح کے وقت علم نہ تھا اور بعد میں علم ہوا اور ولی خود بدچلن نہیں تو یہ نکاح بالکل صحیح نہیں ہوا لڑکی کو طلاق لینے کی کچھ ضرورت نہیں وہ بدون طلاق ہی کے دوسرے نیک شخص سے نکاح کرسکتی ہے۔

قال فی رد المحتار واما اذا کانت صغیرة فزوجها ابوها من فاسق فان کان عالما بفسقه صح العقد ولاخیار لها اذا کبرت لان الاب له ذلک (ای عند الامام لاعندهما ۱۲) مالم یکن ماجنا کمامر فی الباب السابق واما اذا کان الاب صالحا وظن الزوج صالحا فلا یصح قال فی البزازیة: زوج بنته رجلا ظنه مصلحا لایشرب مسکرا فاذا هو مدمن فقالت بعد الکبر لا ارضی بالنکاح ان لم یکن ابوها یشرب المسکر ولاعرف به وغلبة اهل بیتها مصلحون فالنکاح باطل بالاتفاق اھ (ص ۵۴۶ ج ۲) واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴ ذیقعدہ ۴۷ھ۔

ولایت نکاح میں حقیقی بہن، ماموں اور اخیافی بھائی سے مقدم ہے

سوال (۲۳) ایک نابالغہ کے والدین فوت ہو گئے اس وقت اس کا ماموں اور اخیافی بھائی اور حقیقی بہن اور ماں کا پہلا شوہر زندہ ہے، ولایت نکاح ان میں سے کس کو حاصل ہے؟

الجواب: صورت مسئولہ میں ولایت نکاح حقیقی ہمشیرہ کو ہے قال فی الدر فان لم یکن عصبۃ فالولایۃ للام ثم لام الاب ثم للاخت لاب وام ثم للاخت لاب ثم لولد الام الذکر والانثیٰ سواء اھ (ص ۲۷۵؍۲) واللہ اعلم۔

۲۰؍ ذیقعدہ ۱۳۴۷ھ۔

ولی عصبہ نابالغہ کے نکاح کا حق ماں کو تفویض کر دے تفویض کے بعد ماں نابالغہ کا نکاح کسی سے کر دے پھر ولی عصبہ کسی اور سے اس کا نکاح کر دے تو کون سا نکاح صحیح ہے

سوال (۲۴) ایک شخص نعمت اللہ مر گیا اور اس نے مرنے سے پہلے اپنے عصبہ کو اور زوجہ کو وصیت کی کہ میری لڑکی نابالغہ شریفن کا نکاح میرے سالے کے لڑکے سے کر دینا۔ عصبہ نے بعد موت مورث کے ایک اقرار نامہ اسٹامپ پر تحریر کر کے مسماۃ شریفن کی ماں کے حوالے کیا جس میں یہ لکھا کہ:

"مسماۃ شریفن کا نکاح حسب وصیت نعمت اللہ مسماۃ رحمت (مادر شریفن) کر دے گی مجھے یا میرے قائم مقام کو کوئی عذر نہ ہو گا شادی کا خرچہ مسماۃ رحمت برداشت کرے گی"

اس کے بعد لکھتا ہے:

"اور جس کو مسماۃ رحمت پسند کرے گی وہاں مسماۃ شریفن کا نکاح بمرضی خود کر سکے گی مجھے عذر نہ ہو گا"

اس کے بعد قادر بخش اور مسماۃ رحمت میں کچھ تنازعہ ہو گیا۔ مسماۃ رحمت نے اس خیال سے کہ مبادا تنازعہ کی وجہ سے یہ شریفن کے نکاح میں بھی گڑبڑ نکرے شریفن کا نکاح حسب وصیت نعمت اللہ اپنے بھتیجے سے کر دیا یہ خبر پا کر قادر بخش نے شریفن کا نکاح دوسرے شخص سے کر دیا اب ان دونوں نکاحوں میں سے کونسا نکاح صحیح ہے؟

الجواب: صورت مسئولہ میں شریفن کا نکاح وہی صحیح ہے جو اس کی ماں بیوہ نعمت اللہ نے کیا ہے اور جو نکاح اس کے بعد قادر بخش نے کیا ہے وہ صحیح نہیں کیونکہ گو قادر بخش عصبہ ہے اور دراصل ولایت نکاح اسی کو حاصل تھی مگر اس نے بذریعہ اقرار نامہ تحریری شریفن کے نکاح

کا اختیار اس کی ماں کو سپرد کر دیا ہے اس کے الفاظ مندرجہ اقرار نامہ تفویض پر صاف دلالت کرتا ہے اور جو عقد بعد تفویض من لہ الحق صادر ہو وہ صحیح ہوتا ہے قال فی البحر وقولها (ای البالغة للولی) ذلك اليك اذن مطلقاً ثم ذکر مسئلة ذكر الولى بين يديها فقوا ما لا يكون نسكتت فليس برضا ثم قال وهذا كله اذا لم تفوض الامر اليه اما اذا قالت انا راضية بما تفعله او زوجنى ممن تختاره ونحوه فهو استيذان صحيح اھ (ص ۱۱۲ ج ۳) ولا يخفى وجود التفويض من الولى الى الام فی الصورة المسئولة فهو اذن لها مطلقا بنكاح موليته والاذن قبل العقد كالاجازة بعده لما فی الدر واذنه لعبده فی النكاح ينتظم جائزه وفاسده فينباع العبد لمهر من نكحها فاسدا بعد اذنه اھ وفيه قبله وقوله لعبده طلقها رجعية اجازة للعقد الموقوف اھ (ص ۶۱۲ ج ۲) وفی الهداية فی بيع الفضولی واذن المالك بعده لان الاجازة اللاحقة بمنزلة الوكالة السابقة اھ (ص ۷۳ ج ۳) دوسرے قادر بخش نے شریفن کا دوسرا نکاح محض ضد اور نفسانیت اور نزاع باہمی کی وجہ سے کیا ہے لڑکی کی مصلحت پر نظر کر کے نہیں کیا اور یہ درست نہیں فکان کمن زوج موليته برجل طمعاً فی مال يعطاه رشوة وهذا يبطل الولاية كن اھهنا، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ظفر احمد عفا عنہ ۔ ۲۱ ر ذیقعدہ ۴۷ھ۔

الجواب صحیح عندی، اشرف علی عفی عنہ۔ ۲۱ ر ذیقعدہ ۴۷ھ۔

بالغہ عورت بدون اذن ولی کفو میں مہر مثل سے کم پر اپنا نکاح کرے تو نکاح صحیح ہوگا یا نہیں

سوال (۲۵) کیا فرماتے ہیں علمائے حنفیہ ان مسائل میں: اگر کسی عاقلہ بالغہ ذات الولی کا نکاح اپنے کفو کے ساتھ اپنی رائے سے مہر مثل سے کم پر نکاح کرلے تو وہ مثل نکاح بغیر الکفو کے غیر صحیح ہوگا یا بنا بر اس فرق کے جو ذیل کی عبارت میں مذکور ہے صحیح ہوگا اور اولیاء کو صرف اتمام مہر کا مطالبہ ہوگا وہ عبارت یہ ہے۔ فی الدر المختار ولو نكحت باقل من مهرها فللولی الاعتراض حتى يتم مهر مثلها او يفرق القاضی بينهما، فی رد المحتار قوله: الاعتراض، افاد ان العقد صحيح وتقدم انها لو تزوجت غير كفو فالمختار رواية الحسن انه لا يصح العقد ولم ار من ذكر مثل هذه الرواية (ای رواية عدم الصحة) ههنا مقتضاه انه لا خلاف فی صحة العقد ولعل وجهه انه لا يمكن الاستدراك هنا

باتمام مہر المثل بخلاف عدم الکفاءۃ (باب الکفاءۃ) قلت والمراد بماتقدم مافی الدر المختار وله الاعتراض فی غیر الکفو الی قوله ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازه اصلاً وهو المختار للفتوی لفساد الزمان۔

الجواب: علامہ شامی نے اس مقام پر جو کچھ لکھا ہے محض ان کی رائے ہے نقل نہیں ہے اور اس رائے پر صاحب تحریر مختار نے اعتراض کیا ہے بلفظ ولکن التعلیل المذکور للافتاء بعدم الجواز فی غیر الکفو جار فی مسئلة التزوج بدون مهر المثل ومقتضی لعدم الجواز تامل اھ (ص ۱۸۵ ج ۱) وفیه ایضاً علی قوله ومقتضاه انه لا خلاف الخ مانصه تقدم ان مقتضی العلة انه لا فرق بین المسئلتین اھ ص ۱۹۱ ج ۱ واللہ اعلم۔

قال فی العالمگیریة: ولو زوج ولده الصغیر من غیر کفوء بان زوج ابنه امة او ابنته عبداً او زوج بغبن فاحش بان زوج البنت ونقص من مهرها او زوج ابنه وزاد علی مهر امرأته جاز وهذا عند ابی حنیفة وعندهما لا یجوز الزیادة والحط الا بما یتغابن الناس فیه قال بعضهم فاما اصل النکاح نصحیح والاصح ان النکاح باطل عندهما[عہ] هکذا فی الکافی والصحیح قول ابی حنیفة کذا فی المضمرات واجمعوا علی انه لا یجوز ذلک من غیر الاب والجد ولا من القاضی اھ (ص ۱۸ ج ۲)۔

قلت: ومقتضی تعلیل المتاخرین لروایة الحسن عن ابی حنیفة عدم الجواز عنده ایضاً خلاصہ یہ کہ اس مسئلہ میں یعنی مہر مثل سے کم کرنے میں صاحبین کا قول تو یہ ہے کہ نکاح صحیح نہیں جبکہ عورت نے خود بلا رضا اولیاء مہر کم کیا ہو یا ولی نے بلا رضا عورت کے کم کیا ہو اور امام صاحب کے نزدیک نکاح صحیح ہے اور مضمرات میں قول امام ہی کو صحیح کہا ہے، لہذا فتویٰ تو صحت نکاح کے باب میں امام صاحب ہی کے قول پر دیا جائے گا مگر احوط یہ ہے کہ مہر مثل سے مہر کم نہ باندھا جائے کیونکہ خلاف سے بچنا اولیٰ ہے۔ ولیتنبه لهذا فان الناس

عہ ولیس الحکم خاصاً بنکاح الصغیرین بل عام للبالغین ایضاً کما فی البدائع، وسیاتی ۱۲

عنه غافلون فیرون نقص المهر سنة وثوابا ولا یعلمون ان فی ذلك نقص حق المرأة وسکوت المرأة البالغة البکر انما یکون رضا لقبول النکاح فقط لا لنقص المهر فان السکوت لا یکون حجة فی الاموال، واللہ تعالیٰ اعلم۔

قال فی البدائع ومنها کمال مهر المثل فی النکاح الحرة العاقلة البالغة نفسها من غیر کفو بغیر رضا الأولیاء فی قول ابی حنیفة حتی لو زوجت نفسها من کفوٴ باقل من مهر مثلها مقدار ما لا یتغابن فیه الناس بغیر رضا الاولیاء فللاولیاء حق الاعتراض عنده فاما ان یبلغ الزوج الی مهر مثلها او یفرق بینهما وعند ابی یوسف ومحمد هذا لیس بشرط ویلزم النکاح بدونه حتی یثبت للاولیاء حق الاعتراض وهاتان المسئلتان اعنی هذه المسئلة والمسئلة المتقدمة علیها وهی ما اذا زوجت نفسها من غیر کفوٴ ولغیر رضا الاولیاء لا شك انهما یتفرعان علی اصل ابی حنیفة وزفر واحدی الروایتین عن ابی یوسف وروایة الرجوع عن محمد لان النکاح جائز واما علی اصل محمد فی ظاهر الروایة عنه واحدی الروایتین عن ابی یوسف فلا یجوز هذا النکاح فیشکل التفریع فتصور المسئلة فیما اذا اذن الولی لها بالتزویج فزوجت نفسها من غیر کفوٴ باقل من مهر مثلها اھ (ص ۳۲۲ ج ۲)۔

وفی البحر تحت قول الکنز من نکحت غیر کفوٴ فرق الولی ما نصه وهذا ظاهر فی انعقاده صحیحا وهو ظاهر الروایة عن الثلاثة والمفتیٰ به روایة الحسن عن الامام من عدم الانعقاد اصلا اذا کان لها ولی لم یرض به قبل العقد وفی الخلاصة وکثیر من مشائخنا افتوا بظاهر الروایة وهذا یدل علی ان کثیرا من المشائخ افتوا بانعقاده فقد اختلف الافتاء اھ ملخصا (ص ۱۲۸ ج ۳)۔

قلت ولم یثبت افتاءهم بقول الصاحبین ولا بمقتضی تعلیل روایة الحسن فی مسئلة تقلیل المهر عن المثل بل صرح فی الهندیة ان الصحیح فی مسئلة تقلیل المهر عن المثل قول ابی حنیفة ان اصل النکاح صحیح وروایة الحسن عن الامام لیست صریحة فی هذه المسئلة وانما هی فی الکفاءة فالاحوط الافتاء بالمنع من ذلك ای التقلیل واذا وقع التزویج بالاقل من الاب والجد

فینبغی الافتاء بالانعقاد واما من غیرھما وھی صغیرۃ فلا، واللہ اعلم۔

یکم صفر ۱۳۴۸ھ۔

نکاح نابالغہ کی ایک صورت کا حکم

سوال (۲۶) علمائے دین و مفتیان شرع متین ایسی حالت میں کیا فرماتے ہیں۔ ہندہ جس کی عمر دس سال یا کچھ زائد ہے سن تمیز کو پوری طرح پہونچ چکی ہے اور نیک و بد کا بخوبی امتیاز ہے لیکن نابالغ ہے والد اس کا بزور و جبر زید کے ساتھ کہ جس کی عمر ساٹھ سال سمجھی جاتی ہے عقد کرنا چاہتا ہے ہندہ زید کے ساتھ کسی طرح راضی نہیں ہے بلکہ خودکشی و جان کھونے پر آمادہ ہے اس کے والد نے مجبور ہو کر ظاہر کیا کہ زید کے ساتھ نہیں بلکہ بکر کے ساتھ کہ جس کی عمر بھی مناسب ہے عقد ہوتا ہے روز نکاح جب ہندہ کو معلوم ہوا کہ وہی زید بوڑھا آدمی ہے دھوکا دیا جاتا ہے نکاح کے خوف سے بھاگ کر دوسرے شخص کے مکان میں چھپی اس کے والد کو جب خبر ہوئی چھری وغیرہ لیکر اس مقام پر پہونچا اور قتل کرنے پر آمادگی ظاہر کی اور بزور اپنے مکان میں پکڑ لایا اور بلا رضامندی ہندہ کے نکاح ہوگیا مگر ہندہ نے ایجاب و قبول نہیں کیا برابر انکار رہا ہندہ رخصت ہو کر زید کے یہاں نہیں گئی بعد چار سال کے محض دباؤ ڈرانے کی غرض سے ایک مقدمہ فوجداری میں ہندہ کے باپ اور اس کے خاص عزیزوں پر زید نے دائر کیا زید کے خاص عزیزوں نے اپنی رہائی و گلوخلاصی ہندہ کے رخصت ہو جانے پر سمجھ کر بزور و جبر رخصت کرا دیا اس خوف سے ہندہ وہاں جا کر بیمار ہوگئی اور وہاں بھی وہی نارضامندی برابر رہی اور یکجائی کی نوبت نہیں آئی اب عمر ہندہ کی بیس برس ہے اور اپنے باپ کے مکان میں ہے جان کھونے پر آمادہ ہے مگر زید کے ساتھ رہنے یا اس کے گھر جانے پر رضامند نہیں ہے، فقط اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید کے ساتھ جو نکاح ہندہ کا بحالت نابالغی بلا رضامندی ہندہ، ہندہ کے باپ نے کر دیا تھا وہ صحیح نکاح ہوا تھا یا نہیں اور اب ہندہ بالغ ہوگئی ہے اور دوسرا نکاح دوسرے شخص کے ساتھ کرنا چاہتی ہے بلا زید کے طلاق دئے ہوئے ہو سکتا ہے یا نہیں اور کس طرح سے دوسرا نکاح ہو سکتا ہے؟

تنقیح: (۱) کیا ہندہ کے باپ نے اس نکاح میں زید سے کچھ رقم لی ہے یا کچھ رقم لینا طے ہوا تھا۔ یا ہندہ کے باپ کو زید سے کچھ اور طمع تھی صاف صاف لکھا جائے نیز ہندہ کے باپ نے اس نکاح سے پہلے کسی اور لڑکی کے نکاح میں لڑکے والوں سے روپئے

لئے ہیں یا نہیں ؟

ع۲ بروقت نکاح ہندہ کا کوئی اور ولی باپ کے سوا موجود تھا یا نہیں مثلاً ماں، بھائی وغیرہ اور یہ لوگ زید سے ہندہ کا نکاح ہونے پر راضی تھے یا نہیں ؟

ع۳ زید خاندان وغیرہ کی حیثیت سے ہندہ کا ہم کفو ہے یا نہیں ؟

ان سوالات کے جواب پر حکم نکاح بتلایا جائے گا۔ فقط حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ۔

۵ صفر ۱۳۴۵ھ۔

جواب تنقیح : ع۱ رقم کی بابت زید اور اس کے بہنوئی نے کچھ لوگوں کے سامنے یہ ظاہر کیا کہ روپیہ دیکر نکاح کیا ہوں بلا رقم خرچ کئے ہوئے بھلا دہ کیوں ہوتا اور ایسا نکاح ہو جانے کے بعد کثرت رائے اس بات پر اتفاق کرتی ہے کہ ضرور کچھ رقم لی گئی اور قبل نکاح زید ہندہ کے باپ کو بہت سے تحفہ تحائف دیتا تھا اور لڑکوں کی شادی نہ تو اس طرح ہوئی ہے جس میں کوئی خاص عزیز مثل بہنوئی خواہ بہن وغیرہ کے نہ شریک کئے گئے ہوں اور نہ اس طرح کا بے جوڑ معاملہ کہ جس سے لڑکی خود انکار کر دیوے اور زبردستی نکاح مشہور ہو۔

ع۲ بروقت نکاح ہندہ کی ماں موجود تھی کہ جس کا ارادہ قطعی نکاح کرنے کا نہیں تھا مگر بلحاظ شوہر کے کچھ بس ودم نہیں مار سکتی تھی سوائے ماں کے اور کوئی دوسرا وارث یا عزیز موجود نہیں تھا۔

ع۳ زید خاندان کی حیثیت سے ہندہ کا ہم کفو نہیں ہے ہندہ کا حسب نسب زید سے کہیں اچھا ہے، زید و ہندہ کے باپ سے کبھی کی جان و پہچان نہ تھی اور نہ آمد و رفت تقریب مابین کبھی تھا۔

دوبارہ تنقیح : زید کس بات میں ہندہ سے گھٹا ہوا ہے دونوں کی ذات کیا کیا ہے اس کے جواب کے بعد حکم بتلایا جاوے گا نیز یہ بھی لکھیں کہ جن لوگوں کے سامنے زید اور اس کے بہنوئی نے اس نکاح میں رقم لینا بیان کیا ہے وہ لوگ دیندار معتبر ہیں یا نہیں؟ فقط ظفر احمد۔

جواب تنقیح دوبارہ : ع۱ زید ہندہ کے مقابلہ میں نہیں ہے۔ کیونکہ حسب نسب بہ نسبت سے اپنے برادرانہ وغیر برادرانہ میں اچھا سمجھا جاتا ہے اور اب تک اچھا ہے۔ اور اس کا قاعدہ خاص طریقہ اسلام یہ ہے اور فرض اسلام و طریقہ مسلمانی کو باقاعدہ ادا کرتی ہے۔ زید کا حسب نسب معمولی درجہ کا ہے اور قاعدہ بالکل خراب ہے یعنی زید کے یہاں کی عورتیں اکثر بازار جانا یا

کہیں دوسری جگہ جانا ہو تو بلا کسی پردہ کے اور بلا کسی امداد یعنی دوسرا مرد جوان کے گھر کا ہو اس کے ساتھ نا جانا بلکہ خود تنہا دوسری جگہ جانا جو دیگر اشخاص کے دیکھنے میں بالکل معیوب بات سمجھی جاتی ہے اور بات چیت بالکل اہل ہنود کے قاعدہ سے ملتی ہے۔

ع۲ زید و ہندہ ہم قوم ہیں اور شیخ کہے جاتے ہیں۔

ع۳ رقم کے بابت زید اور اس کے بہنوئی نے ایسے شخص کے سامنے بیان کیا ہے جو دیندار اور نہایت معتبر شخص ہیں اور احکام خدا و رسول سے واقف ہیں علاوہ بریں اور کئی جگہ رقم کا تذکرہ برادری و غیر برادری میں بذریعہ زید و اُس کے عزیزان مثلاً بہن و بہنوئی وغیرہ سے آچکا ہے۔

الجواب: فی الدر المختار (ولزم النکاح ولو بغبنٍ فاحش) بنقص مهرها وزیادة مهره (او) زوجها (بغیر کفؤ ان کان الولی) المزوج بنفسه بغبن (ابًا اوجدًا) وکذا المولی وابن المجنونة (لم یعرف منهما سوء الاختیار) مجانة وفسقًا (وان عرف لا) یصح النکاح اتفاقًا وقال الشامی تحت (قوله وان عرف لا) بعد الاشکال والجواب: والحاصل ان المانع هو کون الاب مشهورا بسوء الاختیار قبل العقد فاذا لم یکن مشهورا بذلک ثم زوج بنته من فاسق صح وان تحقق بذلک انه سیء الاختیار واشتهر به عند الناس فلو زوج بنتًا اخری من فاسق لم یصح الثانی لانه کان مشهورًا بسوء الاختیار قبله بخلاف العقد الاول لعدم وجود المانع قبله (ص ۴۹۹ ج ۲)۔

وفی العالمگیریة (ص ۱۸ ج ۲) ولو زوج ولده الصغیر من غیر کفوء بان زوج ابنه امةً او ابنته عبدًا او زوج بغبن فاحش بان زوج البنت ونقص من مهرها او زوج ابنه وزاد علی مهر امرأته جاز وهذا عند ابی حنیفة رح هکذا فی التبیین وعندهما لا یجوز فی الزیادة والحط الا بما یتغابن الناس فیه قال بعضهم فاما اصل النکاح فصحیح والاصح ان النکاح باطل عندهما هکذا فی الکافی والصحیح قول ابی حنیفة رح کذا فی المضمرات وفی السطر الاٰتیة منه والخلاف فی ما اذا لم یعرف سوء اختیار الاب مجانةً او فسقًا اما اذا عرف ذلک منه فالنکاح باطل اجماعًا

وفی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ (ص ۲۲ج ۱) (سئل) فی ھاشمی زوج صغیرتہ بغیر ھاشمی عالما بذلک راضیا بہ فھل یصح النکاح۔

(الجواب) نعم والحالۃ ھذہ اھ۔

اِن سب عبارتوں سے معلوم ہوا کہ اس سوال میں اگر زید کو دین کے اعتبار سے ہندہ کا کفو بھی تسلیم نہ کیا جائے (جس کو جواب تنقیح میں مجمل بیان کیا گیا ہے) تب بھی نکاح صحیح ہو گیا پس ہندہ زید سے طلاق لئے بدون دوسرے شخص سے نکاح نہیں کرسکتی کیونکہ ہندہ کے والد کی طمع (اگر وہ ثابت ہو جائے) اسی نکاح ہندہ میں معلوم ہوئی ہے اس سے پیشتر اُس سے ایسا واقعہ نہیں ہوا جو سوء اختیار کی شرط ہے۔ واللہ اعلم کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ۔ ۱۵ ربیع الاول ۴۵ھ۔

باپ نے ایک جگہ نکاح کی وصیت کی تو ولی دوسری جگہ لڑکی کا نکاح کرسکتا ہے

سوال (۲۷) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ پھول بہار کے والد بنام عبدالجلیل نے دختر مذکور کی نسبت زید سے کی تھی اور مرتے وقت یہ وصیت اس کی والدہ اور دادی سے کی تھی کہ پھول بہار کا نکاح زید سے کرنا کہ جس سے کہ میں نے نسبت کی پس صورت مذکور میں پھول بہار کا ولی نکاح بلا اس کی والدہ کی اطلاع کے اس کے والد کی وصیت کے خلاف پھول بہار کا عقد کسی دوسرے سے کرسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اس وصیت پر عمل ضروری نہیں ہے اس لئے ولی بلا اطلاع والدہ کے وصیت کے خلاف کرسکتا ہے البتہ اگر اوس جگہ نکاح کرنے میں کوئی شرعی خرابی نہ ہو تو وصیت کا لحاظ کرنا جائز ہے مگر واجب نہیں، فقط احقر عبدالکریم عفی عنہ۔ ۱۹ جمادی الاخری ۴۵ھ۔

الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ۔ ۱۹ جمادی الاخری ۴۵ھ۔

باپ بالغہ لڑکی کا نکاح اس کی رضامندی سے غیر کفو میں کردے تو نکاح منعقد ہو جائیگا

سوال (۲۸) چہ میفرمائید علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ زید اور عمر نجیب الطرفین پابند صوم و صلوٰۃ ہیں زید اپنی آبائی خاندان سادات سے ہے اور عمر اپنے آبائی خاندان پٹھان سے ہے زید کی رشتہ داری علاوہ سادات کے دیگر خاندان یعنی پٹھان اور شیخوں سے بھی مشترک ہے علیٰ ھذا القیاس عمر کی رشتہ داری بھی علاوہ پٹھانوں کے خاندان سادات اور شیخوں میں مشترک ہے حتیٰ کہ عمر کا نانا خاندان سادات سے ہے کیا ایسی صورت میں زید کی لڑکی عمر کے لڑکے سے منسلک ہو سکتی ہے یا نہیں جواب باصواب سے مطلع فرمائیے؟

تنقیح: لڑکی بالغہ ہے یا نہیں اگر بالغہ ہے تو وہ اس رشتہ پر راضی ہے یا نہیں اور بالغہ نہیں ہے تو زید لڑکی کی کس مصلحت سے اس جگہ نکاح کرتا ہے یا کسی اپنی غرض سے کرتا ہے مفصل لکھیں اور زید کے باپ دادوں میں تو کوئی پٹھان تو نہیں کیونکہ رشتہ داری کا مفہوم اس کو بھی عام ہے۔ فقط۔

جواب تنقیح: لڑکی بفضلہ تعالیٰ بالغہ ہے سن پندرھواں سال ہے مگر اس ملک کا یہ رواج نہیں ہے کہ اس کو اس قدر آزادی حاصل ہو کہ اپنے والدین کی موجودگی میں بوجہ شرم ولحاظ کے اپنے تئیں رضامندی ظاہر کر سکے۔

(۲) زید کو کوئی مصلحت یا غرض دنیوی نہیں ہے محض خداوند تعالیٰ کی رضامندی و رضا جوئی درکار ہے بدیں خیال خاندان سادات یا شیخوں میں ہنوز کوئی لڑکا پابند صوم وصلوٰۃ دستیاب نہیں ہوا اور جو ملتے بھی ہیں وہ زمانہ کے بگڑے ہوئے روشن خیال جنٹلمین وضع میں نظر آتے ہیں۔ برعکس اس کے عمر اور اس کے اولاد بفضلہ تعالیٰ نجیب الطرفین اور پابند صوم وصلوٰۃ ہیں لہذا ایسی صورت میں شریعت کیا اجازت دیتی ہے؟

(۳) زید کے آباء واجداد میں سوائے سادات کے کوئی شیخ یا پٹھان نہیں گذرا البتہ فرقہ اناث سے جملہ مشترک ہیں فقط۔

الجواب: اگر لڑکی بالغہ[ع] ہے اور باکرہ ہے اور اس کا ولی غیر کفو سے نکاح کرتا ہے اور لڑکی اس نکاح پر خاموش رہے یا زبان سے اس کو منظور کرے تو نکاح صحیح ہے غیر کفو سے نکاح کرنا اس صورت میں مضائقہ نہیں رکھتا، واللہ اعلم۔ احقر عبدالکریم عفی عنہ ۸ رجب ۴۵ھ

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ، ۸ رجب ۴۵ھ

ولی خود نابالغہ سے نکاح کرے تو کس کی ولایت واجازت سے نکاح ہوگا

سوال (۲۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ عمر نے انتقال کیا ایک زوجہ ودختر مسماۃ ہندہ وبرادرزادہ حقیقی مسمیٰ بہ زید ونبیرہ پھوپھی وخالہ زاد برادر چھوڑا ظاہر ہے کہ برادرزادہ حقیقی ولی نابالغہ لڑکی کا ہے اب ولی مذکور کی خواہش ہے کہ اپنا نکاح خود نابالغہ سے کرے دریافت طلب یہ ہے کہ اس نکاح کا ولی کون شخص ہوگا اور

ع یعنی یا اس کو حیض آنے لگا ہو یا پورے پندرہ سال کی ہوگئی ہو اور اگر حیض نہ آتا ہو اور پورے پندرہ سال کی نہ ہو تو نابالغہ ہے اگر ایسا ہو دوبارہ سوال کیا جاوے ۱۲ از حضرت مدظلہم العالی۔

یہ نکاح کس کی اجازت سے ہوگا۔ بحوالہ کتاب جواب دیں اللہ آپ لوگوں کو اجر دے گا۔

الجواب من بعض العلماء:

صورت مسئولہ میں برادر زادہ حقیقی خود نکاح کرسکتا ہے اور وہ خود اجازت دے گا بشرطیکہ لڑکی نا بالغہ کا نقصان کسی قسم کا متصور نہو۔ اور دیانت و امانت سے اس عقد کو کرے اگر برادر زادۂ حقیقی نے نکاح کرلیا اور اس میں نا بالغہ کا نقصان ہوا تو بعد بلوغ نا بالغہ کو حق فسخ کا ہوگا جیسا کہ عبارت شرح وقایہ جلد ثانی ص۲۱ سے ظاہر ہے وصح انکاح الاب والجد عند عدم الاب الصغیر والصغیرۃ بغبن فاحش فی المھر او من غیر کفؤ لا لغیرھما ای لا یصح لغیر الاب والجد انکاح الصغیر والصغیرۃ بغبن فاحش فی المھر او من غیر کفو اتفاقاً واللہ اعلم بالصواب کتبہ عبد الحمید غفرلہ۔ ساکن قصبہ نگرھنہ،

لقد اصاب من اجاب محمد عبد الاحد کان اللہ لہ۔ ساکن قصبہ نگرھنہ۔

۲۷ شوال ۱۳۲۸ھ۔

رد من بعض العلماء:

مفتی نے جو یہ جواب لکھا ہے کہ صورت مسئولہ میں برادر زادہ حقیقی خود نکاح کرسکتا ہے اور وہ خود اجازت دے گا بشرطیکہ لڑکی نا بالغہ کا نقصان کسی قسم کا متصور نہو اور دیانت و امانت سے اس عقد کو کرے اھ نمعلوم مفتی رحمنا اللہ ولہ کا اس انعقاد سے کیا مراد ہے اگر عقد لازمی مراد ہے تو عقد لازم نہوگا موقوفی ہوگا۔ اور مفتی رحمنا اللہ ولہ نے جو یہ جواب دیا ہے کہ۔ اگر برادر زادۂ حقیقی نے نکاح کرلیا اور اس میں نا بالغہ کا نقصان ہوا تو بعد بلوغ نا بالغہ کو حق فسخ کا ہوگا یہ مفتی رحمنا اللہ ولہ کا تساہل ہے کیونکہ اگر چچیرے بھائی نے نا بالغہ سے غبن فاحش مہر میں اپنے ساتھ نکاح کرلیا تو یہ نکاح باطل ہوگا موقوفی نہوگا اسی واسطے وقایہ متن والا بولتا ہے صح انکاح الاب والجد عند عدم الاب الصغیر والصغیرۃ بغبن فاحش فی المھر او من غیر کفؤ لا لغیرھما۔ اگر کوئی کہے۔ کہ اگر چچیرے بھائی نے نا بالغہ سے مہر میں غبن فاحش کرکے نکاح کرلیا تو یہ نکاح صحیح ہوگا۔ جیسا کہ شرح وقایہ میں ہے وان فعل غیرھما فلھما ان یفسخا بعد البلوغ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شارح وقایہ سے یہاں وہم واقع ہوا ہے جو اس نکاح کو صحیح ہونا بتاتا ہے حالانکہ نہ لازماً نہ موقوفاً کوئی نکاح نہیں ہوا۔ چنانچہ درمختار میں ہے وان کان المزوج غیرھما ای غیر الاب و ابیہ لا یصح النکاح من غیر کفؤ وبغبن فاحش اصلا وما فی صدر الشریعۃ صح

ولهما فسخه وهم وان کان من کفوء بمهر المثل صح ولکن لهما ای الصغیر وصغیرة خیار الفسخ بالبلوغ او العلم بالنکاح بعده انتھی ملخصًا۔

اور در مختار کی شرح شامی میں ہے قوله صح ولهما فسخه ای بعد بلوغهما والجملة قصد بها لفظها مرفوعة المحل علی انها بدل من ما او محکیته بقول محذوف ای قائلا وقوله وهم خبر عن ما وعبارة صدر الشریعة فی متنه وصح انکاح الاب و الجد عند عدم الاب الصغیر والصغیرة بغبن فاحش ومن غیر کفوء لا غیرهما وقال فی شرحه ای لو فعل الاب او الجد عند عدم الاب لا یکون للصغیر والصغیرة حق الفسخ بعد البلوغ وان فعل غیرهما فلهما ان یفسخا بعد البلوغ اھ ولا یخفی ان الوهم فی عبارة الشرح وقد نبه علی وهمه ابن الکمال وکذا المحقق التفتازانی فی التلویح فی بحث العوارض وذکر انه لا یوجد روایة اصلا و اجاب القهستانی بان صحته بالغبن الفاحش نقلتها فی الجواهر عن بعضهم و بغیر کفوء نقلتها فی الجامع عن بعضهم قال وهذا یدل علی وجود الروایة اھ قلت وفیه نظر فان ما کان قولا لبعض المشائخ لا یلزم ان یکون فیه روایة عن ائمة المذهب ولا سیما اذا کان قولا ضعیفا مخالفا لما فی مشاهیر کتب المذهب المعتمدة انتهی کلامه، وقال فی هامش شرح الوقایة وهذا یدل علی وجود الروایة وفیه انه قول غیر معتبر والاصح بطلان انکاح غیرهما بغبن فاحش ومن غیر کفوء من اصله انتهی۔

اب صورۃ مسئولہ کا جواب لکھا جاتا ہے کہ نابالغہ کا چچیرا بھائی جو ولی ہے اگر وہی اپنے ساتھ نکاح کرنے کی خواہش رکھتا ہے تو ایسی صورت میں بھی ولی چچیرا بھائی ہی ہوگا اور اپنے ساتھ اپنی اجازت سے مہر بالمثل میں نکاح کر سکتا ہے مگر نابالغہ کو اختیار ہے کہ بعد بلوغ اس نکاح کو قائم رکھے یا فسخ کر دے۔ ہدایہ میں ہے ویجوز نکاح الصغیر والصغیرة اذا زوجهما الولی فان زوجهما الاب او الجد یعنی الصغیر والصغیرة فلا خیار لهما بعد بلوغهما و ان زوجهما غیر الاب و الجد فلکل واحد منهما الخیار اذا بلغ ان شاء اقام علی النکاح وان شاء فسخ انتهی ملخصا اور جاننا چاہئے کہ صورت مسئولہ میں چچیرا بھائی نابالغہ کا ولی واصل ہے یعنی خود اپنے ساتھ اگر مہر بالمثل میں نکاح کرنا چاہتا ہے تو یہ نکاح

صحیح ہوگا مگر نابالغہ کو بعد بلوغ فسخ وعدم فسخ کا اختیار ہے شرح وقایہ میں ہے ویتولی طرفی النکاح واحد لیس بفضولی من جانب وھو علی اقسام منھا ان یکون الواحد اصیلا وولیا کابن العم یزوج بنت عمہ الصغیرۃ انتہی بتغیر ما۔ حاصل کلام اگر چچیرا بھائی نابالغہ چچازاد بہن سے مہر بالمثل میں یا بغیر نقصان فاحش نکاح کرے گا تو صحیح ہوگا ورنہ نہیں واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ کتبہ عبدالرشید بن شوق نیموی عظیم آبادی رحمہما اللہ تعالیٰ ۳۰ شوال ۱۳۴۸ھ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

الجواب من جامع امداد الاحکام

الجواب الثانی صحیح۔ ولکن خیار الفسخ بعد البلوغ یقتضی قضاء القاضی ویتوقف علیہ ولا تنفرد المرأۃ بفسخ نکاحھا بعد البلوغ بدون القضاء ولیس لنا فی الھند قاض شرعی یتولی فسخ مثل ھذا النکاح، واللہ اعلم۔

ظفر احمد عفا عنہ۔ ۱۵ ذیقعدہ ۴۸ھ۔

دھوکہ سے غیر کفو میں نکاح ہوگیا تو لڑکی اور اولیاء کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہوگا

سوال (۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ بالغہ کا نکاح اس کے سوتیلے باپ نے زید کے ساتھ کر دیا جس نے اپنے کو شیخ انصاری بتلایا بعد نکاح معلوم ہوا کہ زید نوربافت ہے چونکہ یہ نکاح لاعلمی میں غیر کفو میں ہوگیا کیا شرعاً یہ نکاح درست اور جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں نکاح تو ہوگیا لیکن چونکہ زید نے ہندہ کو اور اس کے اولیاء کو دھوکہ دیا کہ اپنے کو انصاری ظاہر کیا اور یہی سمجھ کر وہ لوگ نکاح پر راضی ہوئے اس لئے ہندہ کو اور اس کے اولیاء کو اس نکاح کے فسخ کرانے کا حق حاصل ہے وہ عدالت میں دعوی کر کے نکاح کو فسخ کرا سکتے ہیں اگر حاکم عدالت مسلمان ہو تو اس کا فسخ شرعاً بھی معتبر ہے اگر مسلمان نہ ہو تو اس کے بعد ہندہ کو اپنا مقدمہ برادری کی پنچایت کے سامنے بھی پیش کرنا چاہئے جس میں کسی عالم کو بھی شریک کیا جائے برادری اس نکاح کو فسخ کردے گی تو شرعاً نکاح فسخ ہو جائے گا جس کے بعد ہندہ دوسری جگہ اپنا نکاح کفو میں کرسکے گی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو رسالہ الحیلۃ الناجزہ، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ظفر احمد عفا عنہ۔ ۲۶ شعبان ۵۶ھ۔

بیان الحق والصواب
فی
مسئلۃ الکفاءۃ بالانساب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مبسملاً وحامداً ومصلیاً۔

مخدوم ومکرم حضرت مولانا! السلام علیکم، چونکہ میرا اور آپ کا نیز کل اہل حق کا اعتقاد یہ ہے کہ سوا انبیاءؑ کے کوئی معصوم عن الخطاء نہیں ہے اس لئے اس عریضہ کے لکھنے کی جرأت کرتا ہوں وہ یہ کہ امر مسلّم ہے کہ احکام قرآن کی تنسیخ صرف آیات قرآن سے ہی ہو سکتی ہے حسب لا ینسخ کلامی کلام اللہ حدیث متواتر سے بھی قرآن کے احکام نہیں ترک ہو سکتے ہیں اور اس لئے حضرت عمرؓ نے زینب کی حدیث پر عمل نہیں کیا جب یہ امور مسلمہ ہیں تو کیا استحسان سے نصوص قرآنیہ کو چھوڑنا جائز ہے؟ حال یہ ہے کہ استحسان بھی قیاس ہی کا ایک قسم ہے یقیناً میرا اور آپ کا اعتقاد یہ ہے کہ جائز نہیں ہے اب عرض یہ ہے کہ تراضی زوجین فی النکاح فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن اذا تراضوا بینھم کے نص صریح سے ثابت ہے اور اس لئے کل فقہاء نے بالاتفاق نکاح کے

بعد الحمد والصلوۃ۔ کلامی لا ینسخ کلام اللہ حدیث صحیح بھی نہیں، متواتر تو کیا ہوتی اس کی سند میں ایک راوی متہم بالوضع ہے ملاحظہ ہو تنقیح المشکوٰۃ ص ۴۵، اور آیت فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ الآیۃ ثیبات کے متعلق ہے جو پہلے ذات ازواج رہ چکی ہیں اس سے مطلقاً تراضی کے اشتراط پر استدلال کرنا عربیت سے نادانی پر مبنی ہے۔ فقہاء نے تراضی کو ضرور شرط کیا ہے مگر وہ شرط عام ہے خواہ تراضی زوجین ہو اگر دونوں حر اور بالغ ہوں یا تراضی اولیاء وموالی ہو اگر نابالغ یا غلام باندی ہوں اس آیت سے فقہاء کے اس قول کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ یہ آیت مطلقاً ثیبات بالغات کے حق میں ہے۔ اور اگر بالفرض اس سے مطلقاً اشتراط تراضی پر استدلال کیا جائے تو آگے بالمعروف کی قید بھی تو مذکور ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ تراضی مطلقاً معتبر نہیں بلکہ اسی وقت معتبر ہے جبکہ قاعدۂ معروفہ کے

انعقاد میں تراضی زوجین شرط اور قید لگایا ہے
وینعقد بایجاب وقبول بالتراضی
آپ کے سامنے ہے اور یہ بھی مسلّم ہے کہ قبل از
بلوغ تراضی نہیں ہے پس اگر کسی نے نابالغ کا
نکاح کیا خواہ باپ ہو یا دادا ہو پس وہ نکاح
تراضی بعد البلوغ پر موقوف رہنا چاہئے اس
لئے کہ باپ دادا کو حق نہیں ہے بغیر مرضی لڑکی کے
نکاح کرنے کا خواہ وہ بالغ ہو یا نابالغ چنانچہ
خنساء کی حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے
اور قرآن کے نص مذکور سے ثابت ہوتا ہے پھر
یہ فتویٰ دینا جیسے کہ آپ نے بہشتی زیور میں
تقلیداً درج فرمایا ہے کہ اگر لڑکی کا نکاح باپ
دادا نے کیا ہو تو بعد بالغ ہونے کے اس کو
توڑنے اور فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہے کتنی
بڑی جرأت ہے کہ نص قرآن تو بآواز بلند
تراضی کا اعلان کرتا ہے اور احناف محض تقلید
کی وجہ سے ایک صورت میں بدون تراضی نکاح
نافذ قرار دیتے ہیں لڑکی بعد بالغ ہونیکے صاف
انکار کرتی ہے کہ میرے باپ نے نکاح میری لاعلمی
میں قبل از بلوغ کیا ہے وہ مجھ کو منظور نہیں ہے نکاح
اور احناف کہتے ہیں کہ اگرچہ تم راضی نہ ہو اور اس
نکاح کو ناپسند کرتی ہو مگر تم کو توڑنے اور فسخ
کرنے کا اختیار نہیں ہے اس لئے کہ تمہارے باپ
یا دادا نے کیا ہے تو کیا خدا کے یہاں ابو حنیفہؒ
احناف کو اس جرأت علی کتاب اللہ سے نجات

موافق ہو اور قاعدہ معروفہ اسلام میں یہی ہے
کہ نابالغ لڑکی کا نکاح ولی کی رضا سے ہوتا ہے
اور ولی اگر باپ ہو تو لڑکی کو بعد بلوغ کے اختیار
نہیں ہوتا جیسا آئندہ حضرت عائشہ رضی اللہ
عنہا کے نکاح سے اس کا ثبوت آتا ہے اسی
قید بالمعروف سے حنفیہ نے یہ کہا ہے کہ اگر
عورت مہر مثل سے کم پر یا غیر کفوء سے نکاح پر
راضی ہو جائے تو یہ رضا معتبر نہیں کیونکہ
خلاف معروف ہے اس وقت ولی کو حق عضل
حاصل ہوگا۔ پس اذا تراضوا بینھم کو دیکھ
لینا اور بالمعروف سے قطع نظر کرنا علم
نہیں ہے جہل ہے۔ قال ابن العربی
المالکی فی احکام القرآن له قوله
تعالیٰ اذا تراضوا بینھم بالمعروف
یعنی اذا کان کفوءً لھا لان الآیة
نزلت فی ثیب مالکة امرھا فدل
علی ان المعروف المراد بالآیة ھو
الکفاءة وفیھا حق عظیم للاولیاء
لما فی ترکھا من ادخال العار علیھم
وذلک اجماع من الامة اھ ص ۱۷۸۵
وانکحوا الایامیٰ منکم میں اولیاء
کو خطاب ہے کہ جن عورتوں کے شوہر نہ ہوں ان کا
نکاح کر دو۔ ایم عام ہے ہر غیر ذات زوج
کو، آگے ارشاد ہے والصالحین من
عبادکم وامائکم اپنے غلام اور باندیوں

دلا سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں، پھر کیونکر ایسی تقلید کورانہ کی وجہ سے عُسر کے تنگ احاطہ میں مسلمانوں کو قید کیا جاتا ہے اور یُسر کے میدان وسیع میں جانے کی اجازت نہیں دیتے ہیں؟ قرآن تو یوں فرماتا ہے ویوم ینادیھم فیقول ماذا اجبتم المرسلین کیا یہ بھی کہیں سے ثابت ہے کہ خدا ائمہ اربعہ یا اور کسی بزرگ کی تقلید کے بارے پوچھے گا؟

دوسری غرض یہ ہے کہ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم عام ہے اور اس کا یہی معنی ہے کہ اکرم عند اللہ فی الدنیا والآخرۃ متقی اور پرہیزگار ہے خواہ وہ کوئی ذات ہو عرب یا عجم یا جولاہا یا دھنیا یا شیخ یا پٹھان یا شیخ یا سید یا علوی یا انصاری یا اور کوئی کلمہ گو ہو اور احادیث صحیحہ میں اس کی تصریح ہے۔ فاظفر بذات الدین سے عام بذات الدین مراد ہے خواہ کوئی ذات اور کوئی قوم ہو اور کوئی پیشہ کرتا ہو اس سے نہ آپ انکار کر سکتے ہیں نہ اور کوئی منصف مزاج مسلمان اور انکاح میں جو یہ ارشاد ہے اذا وجدت لھا کفوا اس سے

میں سے جو نیک ہوں ان کا بھی نکاح کر دو اسی سے یہ معلوم ہوا کہ نابالغہ اور غلام باندی کے نکاح میں ولی اور مولیٰ کی رضا کافی ہے نابالغہ اور غلام باندی کی رضا شرط نہیں ورنہ یہاں بھی اذا تس اضوا کی شرط مذکور ہوتی۔ احناف اور شوافع وغیرہم جو مجتہدین کے واسطہ سے قرآن وحدیث کو سمجھتے ہیں وہ جرأت علی اللہ نہیں کرتے، جرأت علی اللہ وہ کرتے ہیں جو محض قرآن و حدیث کا ترجمہ دیکھکر مجتہد بنے بیٹھے ہیں حالانکہ وہ محض مطالعۂ ترجمہ سے نہ طبیب وڈاکٹر بن سکتے ہیں نہ وکیل وبیرسٹر، یہ محض دین سے بے اعتنائی ہی تو ہے کہ ہر شخص اس میں اپنی رائے کو دخل دیتا ہے۔

آیت ان اکرمکم عند اللہ اتقکم میں فخر بالانساب کی ممانعت ہے مسئلہ کفاءت کی نفی کہاں ہے۔ اور جو شخص مسئلہ کفاءت کو فخر بالانساب سمجھتا ہے وہ جاہل ہے مسئلہ کفائت کا مدار اسی تعارف پر ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے وجعلنٰکم شعوبا وقبائل لتعارفوا۔ جس سے معلوم ہوا کہ شعوب و قبائل کو تعارف میں دخل ہے اور نکاح کی بنیاد ہی تعارف پر ہے بدون تعارف کے جو نکاح ہوگا اس میں مقصد نکاح فوت ہوگا زوجین میں الفت

عہ (حاشیہ بر صفحہ آئندہ

وہی ذات الدین مراد ہے چنانچہ دوسری حدیث
صحیح میں اس کی تصریح ہے اذا خطب
الیکم من ترضون دینہ وخلقہ فزوجوہ
الا تفعلوہ تکن فتنۃ فی الارض وفساد
عریض ۔ ہر مؤمن باللہ ورسولہ سے اس حدیث
میں ہر اس مسلمان کو ارادہ کرے گا جو موصوف
بالدین المرضی والخلق المرضی ہو خواہ وہ کوئی
ذات ہو پس یہ تفریق بین المومنین جو آپ نے تقلیدا
بہشتی زیور میں درج کیا ہے کہ فلانے کے یہاں
نکاح بے جوڑ ہے اور فلانے کے یہاں باجوڑ
ہے اور نصوص قرآن وحدیث پر غور نہیں فرمایا
ہے، اس کا جواب خدا کو دیں گے کیا ابو حنیفہ
یا صاحب ہدایہ وغیرہ کی تقلید حجت عند اللہ
ہو سکتی ہے ؟ ہاں مولانا یہ جو کچھ ہے کفار اور
زمانۂ جاہلیت کا رسم بد ہے جو بد نصیبی اور تقلید
کورانہ سے مسلمانوں میں چلی آتی ہے آپ کے سامنے
حدیث صحیح موجود ہے جس میں آنحضرت صلعم نے
فخر بالانساب کو مانند ضحک عن الضرطۃ
زمانۂ جاہلیت یا کفار کا رسم بد قرار دیا ہے پس
کیونکر نصوص قرآن وحدیث سے چشم پوشی کی
جاتی ہے اور محض رسم ورواج کی بنا پر اور
تقلید کورانہ کی وجہ سے وہ چیز جس کو آنحضرت صلعم

ومحبت نہ ہوگی اس لئے نکاح میں تعارف کی
ضرورت ہے جو شعوب وقبائل پر مبنی ہے،
اس سے کسی خاندان پر کسی خاندان کی ایسی
فضیلت لازم نہیں آتی کہ عمل ہی سے استغنار
ہو جائے ان اکرمکم عند اللہ اتقکم
کا یہی مطلب ہے ۔ پس جو لوگ اس آیت سے
ابطال کفارت پر استدلال کرتے ہیں وہ قرآن
میں اپنی رائے سے زیادتی کرتے ہیں ۔ اگر
وہ تدبر سے کام لیتے تو اسی آیت سے کفارت
کے مسئلہ کو سمجھ لیتے ۔

فاظفر بذات الدین میں مردوں
کو خطاب ہے کہ دیندار عورت کو تلاش
کرو ۔ اور مردوں کے واسطے فقہاء نے
کفارت کی شرط کہاں لگائی ہے، مرد جس
مسلمان عورت سے چاہے نکاح کر سکتا ہے،
کفارت کی شرط عورتوں کے واسطے ہے،
اس سے اس حدیث میں کچھ تعرض نہیں اور
جو شخص اس سے عورتوں کے لئے خطاب
سمجھے وہ عربیت سے محض نابلد ہے ۔
البتہ اذا خطب الیکم من ترضون
دینہ وخلقہ میں عورتوں کی بابت
مردوں کو خطاب ہے کہ جب تمہارے پاس

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) حدیث میں ہے الارواح جنود مجندۃ فما تعارف منہا ائتلف وما تناکر منہا اختلف فلا دلیل علی کون التعارف فی الآیۃ مخصوصا بتعارف الاشخاص بل ہو عام لتعارف الارواح والاشخاص جمیعا ۱۲ ظ

کفار جاہلیت کی رسم بد فرماتے ہیں حکم اسلام اعتقاد کیا جاتا ہے اور فقہاء نے جو احادیث اپنی کتابوں میں درج کئے ہیں کفارت کے بارے میں ان کو کون تسلیم کرسکتا ہے جو نصوص قرآن و احادیث صحیحہ سے خلاف ہیں۔

کوئی ایسا شخص پیغام لائے جس کے دین اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے اپنی عورتوں کی شادی کردو۔ مگر یہاں فقط دین پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ خُلقہٗ بھی فرمایا گیا ہے، اور مشاہدہ ہے کہ شعوب و قبائل کے اخلاق میں باہم زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے، ایک قریشی سید کے جو اخلاق عالیہ ہوں گے وہ کسی جلاہے یا تیلی کے نہیں ہوسکتے، اس قید سے خود کفارت کے اعتبار پر اشارہ موجود ہے مگر کوئی نہ سمجھے تو اس کا کیا علاج؟ نیز اس حدیث میں لفظ فزوجوہ اس بات کو بھی بتلا رہا ہے کہ نکاح میں ولی کی رضا کافی ہے کیونکہ یہاں اولیاء ہی کو خطاب ہے پس نا بالغ لڑکیوں کی رضا کو شرط بنانا حدیث میں رائے کو دخل دینا ہے۔

اس سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ ابو حنیفہؒ اور صاحب ہدایہ نے جو کچھ کہا ہے حدیث و قرآن سے سمجھ کر کہا ہے، مگر یہ اس چودھویں صدی کی حریت اور آزادی کا اثر ہے کہ اخلاف امت سلف کو تو بُرا کہتے ہیں اور اپنی رائے سے دین کو سمجھنا چاہتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فخر بالانساب کی ضرور مذمت کی ہے مگر اعتبار کفارت کی مذمت نہیں فرمائی اور دونوں کو ایک سمجھنا سراسر جہالت ہے کیا حدیث میں یہ نہیں ہے

ائمہ احادیث نے شکر اللہ سعیہم
ان چھ کتابوں میں انہی احادیث کو درج کئے
ہیں جو ان کی تحقیق اور تنقید میں صحیح تھیں اور
جن کو اس وقت تک اہل السنہ والجماعۃ مانتے
چلے آتے ہیں پس ان سے خلاف جو احادیث
فقہاء نے نقل کئے ہیں ان کو کون تسلیم کرسکتا
ہے حضرت مولانا اگر آپ قرآن اور احادیث صحیحہ
پر غور فرمائیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ کفارت
کے مسائل جو فقہاء نے درج کئے ہیں شاید ان
میں سے ایک آدھ قابل عمل ہو۔ قرآن کے بارے
خدا فرماتا ہے ولقد یسرنا القرآن للذکر
فهل من مدکر۔ پس قرآن تو ہر ذی عقل

الناس معادن کمعادن الذہب و
الفضۃ خیارہم فی الجاہلیۃ خیارہم فی
الاسلام اذا فقہوا اور حدیث میں یہ نہیں ہے
الائمۃ من قریش اور کیا قرآن میں نہیں ہے
لا یستوی منکم من انفق قبل الفتح و
قاتل۔ جس میں مہاجرین کو غیر مہاجرین سے
افضل کہا گیا ہے، کیا قرآن میں نہیں ہے،
ھل یستوی الذین یعلمون والذین
لا یعلمون، جس میں عالم کو جاہل سے افضل
کہا گیا ہے، کیا قرآن میں نہیں ہے ام نجعل
المتقین کالفجار، جس میں صلحاء کو فاسقوں
سے افضل کہا گیا ہے یہی وہ امور ہیں جن کی کفارت
میں رعایت ہے۔

اوپر بتلایا جاچکا ہے کہ مسئلہ کفارت
صرف احادیث ہی نہیں بلکہ نص قرآن سے
بھی ثابت ہے مگر کوئی نہ سمجھے تو اس کا کیا
علاج؟ کفارت کے متعلق جو احادیث ہیں
ان میں سے ایک آدھ بھی قابل عمل ہوئی تو
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد کیا
کافی نہیں؟ پھر اس کا انکار کرنے والا منکر
حکم رسول ہوگا یا نہیں؟

ولقد یسرنا القرآن للذکر کی جو
تفسیر آپ نے سمجھی ہے وہ تفسیر بالرائے ہے،
یقیناً قرآن عربی فصیح و بلیغ ہے، اس کا سمجھنا
فصحاء و بلغاء عرب ہی کا منصب ہے محض ترجمہ

عربی دان بخوبی سمجھ سکتا ہے خدا نے قرآن میں جو یہ فرمایا ہے انا خلقناکم الآیۃ اور شعوب اور قبائل بنایا ہے یہ صرف تعارف کے لئے ہے نہ تفاضل کے لئے ولا تنکحوا المشرکین حتی یومنوا اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جو ایمان لایا وہ ہر مسلمان کا کفو ہوا اور ہر مسلمہ کا نکاح اس سے باجوڑ ہے نہ بے جوڑ خواہ وہ عرب ہو یا عجم یا جولاہا یا دھنیا یا اور کوئی پیشہ کرتا ہو۔

جاننے سے قرآن سمجھ میں نہیں آسکتا چنانچہ اوپر آیات واحادیث گذر چکی ہیں جن کے سمجھنے میں آپ نے غلط فاحش کا ارتکاب کیا ہے، پھر قرآن اگر ذکر کے لئے آسان ہے تو کیا استنباط احکام کے لئے بھی آسان ہے؟ جو اس کا دعویٰ کرے یقیناً جرأت علی اللہ کا ارتکاب کرتا ہے ذکر واستنباط میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

ولا تنکحوا المشرکین حتی یومنوا میں صرف یہ کہا گیا ہے کہ کافروں سے مسلمان عورتوں کا نکاح نکرو۔ اس سے یہ کہاں معلوم ہوا کہ اسلام لانے کے بعد سب کے سب برابر ہیں جو یہ دعویٰ کرتا ہے وہ قرآن میں اپنی رائے سے اضافہ کرتا ہے، پھر ولا تنکحوا میں صاف اشارہ ہے کہ عورتوں کا نکاح کرنا نکرنا مردوں کے ہاتھ ہے اسی لئے تو مردوں کو خطاب کیا گیا کہ تم ان کا نکاح کافروں سے نکرو۔

ہاں احادیث میں جو خلق مرضی اور دین مرضی کفارت فی النکاح کا معیار قرار دیا گیا ہے وہ ضروری اور قابل لحاظ ہے اور طول بالمال اور استطاعت بالباءۃ بھی شرط ہے اور قرآن وحدیث سے ثابت ہے مگر یہ جو احناف نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے کہ اکفاء نومسلم کے لئے کم از کم ابوان فی الاسلام

حدیث میں خلق مرضی کی رعایت کا حکم ہے وہی تو فقہاء کی شروط کفارت کی دلیل ہے کیونکہ شعوب وقبائل کے اخلاق میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

حضرات صحابہ تو سب کے سب ایسے ہی تھے کہ کفر سے اسلام میں داخل ہوئے تھے اس لئے وہ سب کفو تھے ان میں کسی کے

ہونا چاہئے جو نص قرآن سے بالکل خلاف ہے کیوں مانا جاتا ہے صحابہ کرام کے پاک دماغوں میں ہرگز یہ خلاف نصوص خیالات نہ تھے بلکہ لاکھوں کو مشرف باسلام کیا اور جو مسلمان ہوا اگرچہ اس کا باپ کافر ہو وہ کل اہل اسلام کا کفو اور حقوق میں مساوی ہوتا تھا خود صدیق اکبر حضرت ابوبکرؓ کا باپ ابو قحافہ مکہ میں کفار کے ساتھ تھا اور غالباً وہ فتح مکہ سے قبل اسلام نہیں لایا تھا مگر حضرت ابوبکر پر کسی نے یہ طعن نہ کیا کہ تمہارا باپ کافر ہے اس لئے تم ہمارا کفو نہیں ہو ایسے ہزارہا امثلہ موجود ہیں اور آپ کے سامنے ہیں پھر کیونکر تقلید کورانہ کی وجہ سے نصوص قرآن وحدیث اور تعامل صحابہ کرام بالائے طاق رکھا جاتا ہے اور تفریق بین المومنین کے گناہ کبیرہ میں مبتلا ہوتے ہیں فرقہ ناجیہ حسب ھم الذین علی ما انا علیہ واصحابی وہی ہیں جو صحابہ کرام کے تعامل کو اپنا دستور العمل بناتے ہیں اور واللہ باللہ ثم باللہ کہ صحابہ کرام میں کفارت کے یہ خیالات نہ تھے جن کو احناف نے اپنا ایمان و اسلام قرار دیا ہے۔

باپ کے کافر ہونے سے دوسرے پر فوقیت لازم تھی لہٰذا وہاں ابوان فی الاسلام معیار کفارت کیونکر ہوتا اس کا ثبوت دینا چاہیئے کہ صحابہ نے نکاح میں عرب وعجم کا بھی لحاظ نہیں کیا اور حنفیہ کے پاس اس کی دلیل موجود ہے کہ اس کا لحاظ کیا گیا ہے۔ روی البزار بسند ٖ عن سلمان رضی اللہ عنہ قال نفضلکم یا معاشر العرب لتفضیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ ایاکم فلا ننکح نساءکم ولا نؤمکم فی الصلوٰۃ قال الحافظ ابن تیمیۃ فی اقتضاء الصراط المستقیم وھذا اسناد جید ورواہ الثوری عن ابی اسحٰق عن ابی لیلیٰ عن سلمان انہ قال فضلتمونا یا معاشر العرب باثنتین لانؤمکم ولا ننکح نساءکم اھ ص ۷۶۔ حافظ ابن تیمیہ نے بتلایا ہے کہ یہ حدیث ان فقہاء کی حجت ہے جو کفارت میں عربیہ کا عجمی کے مقابلہ میں لحاظ کرتے ہیں اور جو شخص احادیث صحیحہ کو صرف صحاح ستہ میں منحصر کرتا ہے وہ اپنی جہالت کا ثبوت دیتا ہے، مؤطا مالک، مسند احمد، مسند شافعی، مسند ابی حنیفہ، مصنف عبد الرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، مسند بزار، مسند ابی یعلیٰ جامع سفیان ثوری، جامع وکیع و مستدرک حاکم وغیرہ میں ہزارہا احادیث صحیحہ موجود ہیں۔

آج کل آریہ سماجی پلیٹ فارم کھڑے ہو کر کہتے ہیں کہ اسلام لانا اپنے آپ کو نہ صرف عقبیٰ کے عذاب میں گرفتار کرنا ہے بلکہ دنیا میں بھی عذاب میں پڑ جانا ہے اس لئے کہ تم کو مسلمان اپنی برادری میں شامل نہ کریں گے نہ تم کو لڑکی دیں گے اور نہ تمہاری لڑکی سے شادی کریں گے ہاں آریہ سماجی ہو جاؤ اور شدھ ہو جاؤ تو تم کو ہم دل سے اپنی برادری میں شامل کرتے ہیں تم کو لڑکی دیں گے تمہاری لڑکی سے شادی کریں گے ۔

آخرت کے بارے میں تو آریہ سماجیوں کا کہنا اگرچہ غلط ہے مگر دنیا کے بارے بالکل درست ہے اور اس وجہ سے دیگر مذاہب والے اسلام قبول نہیں کرتے ہیں خادم کا چشم (دید) واقعہ ہے بہار کے علاقہ میں کاستون کا ایک خاندان مسلمان ہو گیا جن میں بڑے بڑے لوگ تھے، ایک ان میں خان بہادر وکیل محمد جان تھے ان کو اسلام لانے کے بعد لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی کرنے میں بڑی دقت پیش آئی یہ دیکھکر آریہ سماجیوں نے دعوت ارتداد دی اور کہا کہ تم شدھ اور آریہ ہو جاؤ ہم ابھی تمہاری لڑکیوں اور لڑکوں کی شادی اچھے سے اچھے گھرانے میں کرتے ہیں مگر چونکہ وہ راسخ الاعتقاد تھے مرتد نہ ہوئے ۔

حدیث مذکور میں جو تکن فتنۃ فی الارض وفساد عریض وارد ہے وہ یہی آریہ سماج کے مسئلہ کفارت پر اعتراض کرنے سے اگر یہ مسئلہ غلط ہو جائے گا تو ستیارتھ پرکاش اوٹھا کر دیکھو اس میں اسلام کے عقائد و عبادات کا بھی مضحکہ اوڑایا گیا ہے تو کیا دوسروں کے اعتراض سے اپنے سارے گھر ہی کو برباد کر دوگے تم تو یہ کہتے ہو کہ مسئلہ کفارت کفار کو اسلام سے روک رہا ہے اور دوسرا کہتا ہے کہ قربانی ان کو اسلام سے روکتی ہے تیسرا کہتا ہے کہ ختنہ کا مسئلہ مانع ہو رہا ہے چوتھا کہتا ہے کہ نماز کا حکم مانع ہو رہا ہے تو بس اسلام ہی ان کی خاطر مٹا دو ۔

پھر مسئلہ کفارت کا یہ مطلب کس نے بتلایا ہے کہ عورت مسلمہ کا نکاح غیر کفو میں ہو ہی نہیں سکتا اس کا حاصل صرف یہ ہے کہ نابالغ لڑکی کا نکاح غیر کفو میں نہ کیا جائے کیونکہ نابالغ لڑکی کے نکاح میں تمام مصالح کی رعایت ضروری ہے کیونکہ وہ خود اپنی مصالح کو نہیں سمجھ سکتی ۔ اور بالغ عورت کا نکاح غیر کفو میں بدون اس کی مرضی کے نہ کیا جائے، تراضی طرفین کی ضرورت کا تم کو خود اعتراف ہے، نیز عورت بالغہ غیر کفو میں بدون اولیاء کی رضا کے خود نکاح نہ کرے کیونکہ اذا اتاکم من ترضون دینہ وخلقہ فی وجوہ سے رضائے اولیاء کی ضرورت بھی ثابت ہے نیز ترمذی کی حدیث ہے ایما امرأۃ نکحت

کفارت کے نا مشروع مسائل ہیں جو زمانۂ جاہلیت کے کفار کی رسم بد ہیں اور حدیث صحیح اس کا گواہ ہے اور اشاعت اسلام کے لئے سدباب ہیں مگر بد نصیبی اور تقلید کورانہ آبائی سے احناف نے ان کو مُنزّل مِنَ اللہ اعتقاد کر لیا ہے۔ یہ میں جو عرض کر رہا ہوں نہ صرف میری رائے ہے بلکہ بڑے بڑے ائمہ سلف کی رائے ہے کفایہ شرح ہدایہ میں سفیان زہری کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ اس کفارت سے جو احناف نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے سخت منکر تھے اور فرماتے تھے کہ عرب اور عجم وغیرہ سب برابر ہیں ان میں تفاضل صرف باعتبار تقویٰ کے ہے، اور کفایہ میں اس کی تردید میں متعدد احادیث ہیں ایک ان میں سے یہ ہے الناس سواسیة کاسنان المشط، علامہ شامی جو بڑے حنفی ہیں اس کی تردید کرتے ہیں آپ کے سامنے یہ کتابیں موجود ہیں آپ نے ضرور ملاحظہ کئے ہوں گے علاوہ بریں نصوص احادیث صحیحہ اور نصوص قرآن سے یہ مسائل احناف خلاف ہیں اور جیسے کہ عرض کر چکا ہوں ولا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا صاف بتاتی ہے کہ ہر کافر اور مشرک بعد ایمان لانے کے ہر مسلم مسلمہ کا کفو ہے۔ اور اس سے نکاح کرنا بے جوڑ نہیں ہے بلکہ با جوڑ ہے بشرطیکہ اس میں دین مرضی اور خلق مرضی ہو اور استطاعت

نفسها من غیر ولی فنکاحها باطل باطل باطل، حیرت ہے کہ اہل حدیث نکاح بدون ولی کو جائز نہیں کہتے اور غیر کفو میں بدون ولی کی مرضی کے نکاح کو جائز کرنا چاہتے ہیں۔ اور اگر عورت اور اس کے اولیاء غیر کفو میں نکاح پر راضی ہوں تو اس سے حنفیہ نے کب منع کیا ہے؟ پس آریہ کا اعتراض حنفیہ کے مذہب پر نہیں ہو سکتا حنفیہ تو صرف اتنا کہتے ہیں کہ تراضی عورت و اولیاء شرط ہے یہ نہیں کہتے کہ نکاح مطلقاً صحیح نہیں، یا عورتوں اور مردوں کو غیر کفو سے راضی نہ ہونا چاہیے۔

سفیان زہری کون ہیں؟ آپ کو نام بھی صحیح نہ آیا، اور اگر کوئی ہو تو میں بتلا چکا ہوں کہ کفارت کا ثبوت احادیث صحیحہ اور قرآن کی دلالت سے موجود ہے اس کے مقابلہ میں حنفیہ پر کسی کا قول حجت نہیں۔

الناس سواسیة کاسنان المشط

یہ حدیث صحاح میں ہے تو دکھلائی جائے اور غیر صحاح میں ہے تو اس سے احتجاج کا آپ کو کیا حق ہے؟ پھر اس سے مسئلہ کفارت کی نفی کیونکر ہو گئی آدمی آدمی سب برابر ہیں مگر پھر بھی علم و جہل، صلاح و فسق اخلاق وغیرہ کا فرق موجود ہے اس فرق سے کیونکر آنکھیں بند کی جائیں گی پھر شعوب و قبائل کا تعارف

بالمال والبارۃ رکھتا ہو لما مر چہ جائیکہ وہ سیکڑوں پشتوں سے مسلمان ہو خواہ کسی قوم سے ہو یا کوئی پیشہ کرتا ہو۔

کے لئے ہو نانص قرآن میں موجود ہے اور تعارف ہی مدار کفارت ہے کیونکہ تعارف کی تفسیر حدیث میں ما تعارف منها ائتلف آئی ہے جس کے لئے ائتلاف لازم ہے اور وہ کفارت ہی میں ہوتا ہے الا نادراً والنادر کالمعدوم حدیث میں جس مساوات کا ذکر ہے وہ اخوت دینی کی مساوات ہے اس میں واقعی سب برابر ہیں اس سے مساوات نکاح کیونکر معلوم ہوئی۔

لا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا کی تفسیر آپ نے غلط کی ہے اوپر تنبیہ کر چکا ہوں۔ خلق مرضی کی قید مسئلہ کفارت پر دال ہے کما مر۔

یہاں آپ نے استطاعت بالمال والباءۃ کی ضرورت بھی تسلیم کی ہے، ذرا بتلایا جائے کہ ان اکرمکم عند اللہ اتقکم میں مال اور باءۃ کا کہاں ذکر ہے؟ تم قرآن پر جو چاہو زیادہ کرو تو مجرم نہیں حنفیہ کفارت کو زیادہ کریں تو مجرم؟ سبحان اللہ کیا انصاف ہے، اب ذرا یہ بھی بتلا دیا جائے کہ مال اور بارت کی ضرورت جب آپ کو تسلیم ہے تو اس کی کوئی حد ہے یا نہیں؟ اگر کوئی حد نہیں تو مہمل قانون ہے اگر کوئی حد ہے؟ تو حدیث سے اس کا ثبوت دیا جائے؟ اور جب مال کی ضرورت

باب نکاح میں مسلّم ہے تو مسئلہ کفارت ہی پر کیوں اعتراض ہے حنفیہ بھی تو یہی کہتے ہیں کہ فقیر مرد عورت غنیہ کا کفو نہیں کیونکہ وہ اس کے مناسب حال اس پر مال خرچ نہیں کر سکتا ، اور ایک گنوار لٹھ ، کسی شریف زادی کا کفو نہیں کیونکہ وہ اس کی قوت کا تحمل نہیں کر سکتی مثلاً ۔

اور فخر بالانساب زمانۂ جاہلیت کے کفار کا رسم بد ہے جیسے خندۂ گوز وغیرہ ۔

فخر بالانساب کی مذمت مسلّم ہے مگر اس کو مسئلہ کفارت سے کوئی تعلق نہیں کما مرّ ۔

چونکہ اسلام ایک فطری اور حقانی قانون خدا ہے اور اس کا کوئی قانون خلاف عقل سلیم نہیں ہو سکتا ہے اس لئے انبیاءؑ نے وہی کیا جو خادم عرض کرتا ہے ۔

ابراہیمؑ ابو الانبیاء نے حضرت ہاجرہ کو حرم سرائے نبوت میں داخل کیا جس سے حضرت اسماعیلؑ پیدا ہوئے اور ان سے قریش ہیں حال یہ ہے کہ وہ ایک کافر بدمعاش زانی بدکار ظالم کے خاندان سے تھیں علیٰ ھذا القیاس جب وہ اور حضرت لوط ارض مقدسہ کو ہجرت کر گئے اور ان کی اولاد پھیلی تو ان کے نکاحیں اس ملک کی عورتوں سے ہوئیں ۔ حال یہ ہے کہ وہ یقیناً ہم قوم نہ تھے یہ دونوں حضرات نمرود کے ملک سے آئے تھے جو ارض مقدسہ سے دور تھا ، پس ہم قوم ہونا کیسا اور کہاں ہے ۔

ابراہیم علیہ السلام کا حضرت حاجرہ سے نکاح ثابت نہیں بلکہ وہ ان کی باندی تھیں اور ثابت بھی ہو تو اس کو مسئلہ کفارت سے کیا تعلق ؟ کفارت کی ضرورت عورت کے لئے ہے مرد کے لئے نہیں مرد جس عورت سے چاہے شادی کر سکتا ہے اس سے خاندان پر کوئی اثر نہیں پڑتا حضرت امام زین العابدین کی والدہ شہربانو باندی تھیں مگر اس سے سادات کے نسب پر کوئی اثر نہیں ہوا ، افسوس ہے کہ آپ مسئلہ کفارت کو سمجھے بھی نہیں ہیں اور بدون سمجھے اعتراض کرنے لگے کیا اسی کا نام دین اور دیانت ہے ؟

خود حضرت لوط ان لوطیوں سے فرماتے تھے ھؤلاء بناتی ھن اطھر لکم حال یہ ہے کہ نہ مذہب ایک اور نہ قومیت، یہ دوسری بات ہے کہ اسلام نے کافر سے نکاح ناجائز کیا اور حضرت لوط کے مذہب میں جائز تھا مگر کفارت فی الاسلام اس طرح پر جیسے کہ احناف نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے کہاں سے ثابت ہوتا ہے نصوص قرآن وحدیث تو اس کی تردید کرتی ہیں۔

حضرت یعقوبؑ کی ایک بیوی حضرت یوسفؑ کی والدہ تو ان کے خاندان سے تھیں مگر دوسری کنیز تھیں نہ معلوم کس قوم کی تھیں، جامی فرماتے ہیں۔

بیا بنگر کنیزک زادگان را
زراہ عقل ودین افتادگان را

جب حضرت یعقوبؑ اپنی اولاد کو لیکر مصر گئے تو یقینی امر ہے کہ حضرت یعقوبؑ کے گھر میں یہ غیر ممکن تھا کہ سب کی شادی آپس میں ہو بلکہ قبطیوں سے خلط ملط ہوا جیسے حضرت یوسف نے زلیخا امرأۃ العزیز سے نکاح کیا جو بت پرست اور قبطیہ تھیں اس طور پر ان کے بھائیوں کے رشتے بھی قبطیوں میں ضرور ہوگئے ہوں گے۔ جب حضرت موسیٰ مدین گئے تو وہاں ایک مرد صالح کی لڑکی سے شادی کی جو یقیناً ان کے ہم قوم اور ہم نسب نہ تھے حضرت موسیٰؑ

ھؤلاء بناتی سے حضرت لوط کی بیٹیاں مراد نہیں بلکہ اسی قوم کی عورتیں مراد ہے مطلب یہ ہے کہ مرد، مردوں سے مشغول نہوں بلکہ اپنی عورتوں سے منتفع ہوں جو میری بہو بیٹیاں ہیں، امت کی عورتیں نبی کے لئے بمنزلہ اولاد کے ہوتی ہیں، اور جب اس وقت نکاح کے لئے اسلام بھی شرط تھا جیسا آپ کو مسلم ہے کہ بعد میں اسلام نے اس کو شرط کیا تو یہ کیوں ممکن نہیں کہ بعد میں کفارت کی بھی شرط ہوگئی ہو۔

جن آیات واحادیث سے تم نے ابطال کفارت سمجھا ہے میں بتلا چکا ہوں کہ وہی کفارت پر دال ہیں کما مر

حضرت یعقوب علیہ السلام کی دوسری بیوی غیر خاندان سے تھی یا حضرت یعقوب کی اولاد نے قبطی عورتوں سے نکاح کیا یا حضرت موسیٰ کی بیوی (احادیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی تھیں مگر اہل حدیث کی حدیث دانی ملاحظہ ہو کہ اس کو صرف مشہور کہکر ٹلا جاتا ہے) کس خاندان کی تھیں، حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جرہم قبیلہ میں شادی کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اقوام کی عورتوں سے نکاح کیا اس کو مسئلہ کفارت سے کیا تعلق؟ یہ سب کچھ دلیل ہے اس کی کہ آپ نے کفارت کے مسئلہ کو مطلق نہیں سمجھا، اس کا ثبوت

اسرائیلی اور وہ مرد صالح نہ معلوم کس قوم کے تھے مشہور تو یہ ہے کہ وہ حضرت شعیبؑ پیغمبر تھے مگر قرآن میں ستجدنی ان شاء اللہ من الصالحین ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ مرد صالح تھے۔

حضرت اسماعیلؑ حضرت ہاجرہ کے ساتھ مکہ معظمہ میں رہے جوان ہونے پر جرہم کے قبیلہ کی کئی عورتوں سے نکاح کیا جن میں سے چند کو طلاق دیا، خود سرور کائنات فخر موجودات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف قولاً اپنی امت کو فخر بالانساب کے رسم بد سے ڈرایا اور فرمایا کہ یہ زمانہ جاہلیت کے کفار کی رسم بد ہے بلکہ فعلاً آپ نے مختلف اقوام کی عورتوں کو اپنے حرم نبویؐ میں داخل کیا تاکہ امت محمدیؐ سے یہ رسم بد کفار جاتا رہے حضرت صفیہ یہودی تھی اور اُمّ ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہ فراعنہ کی قوم میں سے تھیں اور یہ دونوں حرم سرائے پیغمبرؐ میں تھیں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے مجوسیہ آتش پرست پارسیہ سے نکاح کیا جس سے سادات کے نسب کا سلسلہ ہے۔

علیٰ ھٰذا القیاس قرون اولیٰ میں ہزاروں مثالیں ہیں کہ ان بزرگوں نے نکاح میں قومیت کا لحاظ نہ کیا بلکہ حسب ارشاد قرآن فانکحوا ما طاب لکم من النساء جو عورت پسند آئی بشرط مسلمان ہونے کے

دو کہ حضورؐ نے اپنی کسی نابالغ لڑکی کا نکاح غیر کفوئ سے کیا ہے یا آپ کی کسی لڑکی نے بدون آپ کی رضا کے غیر کفو سے نکاح کیا ہے۔

قرون اولیٰ میں اس کی ہزاروں لاکھوں مثالیں ہیں کہ مردوں نے ہر خاندان کی عورتوں سے شادی کی مگر اس سے مسئلہ کفارت کے خلاف کچھ ثابت نہیں ہوتا، اس کا ثبوت دیا جائے کہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے اپنی

اس سے نکاح کیا پس ثابت ہوا کہ نکاح کے
کفارت کے بارے احناف نے جو قومیت
اور پیشہ اور عرب اور عجم کا فرق اپنی کتابوں میں
درج کیا ہے وہ نہ صرف نصوص قرآن وحدیث
سے خلاف ہے بلکہ تعامل انبیاءؑ سے اور تعامل
قرن اولیٰ سے بھی خلاف ہے۔

اور دیگر ممالک اسلام میں یہ رسم بد کفار
جاہلیت کا زیادہ لحاظ نہیں ہے صرف ہندوستان
میں ہنود کے اثر سے یہ رسم بد جاری ہے ظاہر ہے
کہ ہندؤں میں اس بات کا بڑا احتیاط ہے کہ
ہر قوم کی شادی اسی قوم میں ہونی چاہئے،
یہی رسم ہنود اور کفار مسلمانوں میں جاری
ہے اور احناف کی کتابوں میں چونکہ اس کے
لئے کچھ مصالحہ ملتا ہے اس لئے دوستوں نے
اس کو منزل من اللہ اعتقاد کر لیا ہے اور
تفریق بین المومنین کے گناہ کبیرہ میں مبتلا
ہوتے ہیں اور واعتصموا بحبل اللہ
جمیعا ولا تفرقوا کے نص صریح پر
عمل نہیں کر سکتے ہیں۔

اور نص صریح ولا یسخر قوم من
قوم سے غافل ہو کے ایک
دوسرے کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں،
بلکہ کمینہ اور رذیل کہہ کر غیبت اور بہتان کے
گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتے ہیں بلکہ اپنی نادانی

نابالغ لڑکیوں کا نکاح غیر کفو سے کیا ہے
یا ان کی بالغ لڑکیوں نے بدون رضائے
اولیاء غیر کفو سے نکاح کیا ہے اور اس کو
جائز سمجھا گیا، بدون اس کے جو کچھ تم نے لکھا
ہے اس سے مسئلہ کفارت کے خلاف۔ نہ
تعامل انبیاء کا ثبوت ہو سکتا ہے نہ تعامل
خیر القرون کا۔

کفار کی رسم بد تو یہ ہے کہ ان کے مرد
بھی اپنی گوت کے سوا نکاح نہیں کرتے۔
مسئلہ کفارت کا یہ مطلب جس نے سمجھا ہے
وہ جاہل ہے۔ حنفی مرد ہر خاندان میں نکاح
کرتے ہیں اور کر سکتے ہیں ہزاروں کے گھر میں
نومسلم عورتیں موجود ہیں جن کو مسلمان کر کے
نکاح میں داخل کیا گیا ہے، مسئلہ کفارت کا
جو مطلب ہے وہ بار بار مذکور ہو چکا ہے اس
کو اعتصام بحبل اللہ کے خلاف سمجھنا
سراسر نادانی ہے بلکہ اس کو اتحاد واتفاق
میں بڑا دخل ہے کیونکہ تعارف کا مدار اسی پر
ہے اور بدون تعارف کے اتفاق نہیں
ہو سکتا۔

لا یسخر قوم من قوم کو مسئلہ کفارت
سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر مسئلہ کفارت کو
کوئی جاہل فخر بالانساب کا ذریعہ بنائے وہ خود
اس کا ذمہ دار ہے یہ مسئلہ اس کا ذمہ دار نہیں،
اگر کوئی شخص نماز پڑھ کر اپنے کو بزرگ و ولی

اور جہالت اور تقلید کورانہ آبائی سے اس غیبت اور بہتان کو گناہ نہیں خیال کرتے ہیں بلکہ شیر مادر اعتقاد کرتے ہیں آخر پیغمبر نے غیبت کی تعریف یوں فرمائی ہے ذکرک اخاک بما یکرہ اور یقینی امر ہے کہ کسی شخص کو جولاہا اور دھنیا وغیرہ کہنا اس کو ناگوار معلوم ہوتا ہے پس یہ یقینی غیبت ہے اور رذیل اور کمینہ کہنا یقیناً بہتان ہے چنانچہ ارشاد ہے فان لم یکن فیہ ما تقول فقد بھتہ بل اول الذکر الفاظ بھی بہتان ہے اس لئے کہ ان لوگوں کو بھی یہ الفاظ کہے جاتے ہیں جو ان پیشوں سے مطلق تعلق نہیں رکھتے ہیں اور معزز پیشوں میں اچھی اچھی حیثیت رکھتے ہیں فاعتبروا یا اولی الابصار۔

اسلام جو خدا کا آخری دین ہے اور مسلمانوں کو خیر الامم کا لقب دیا گیا ہے اور اتحاد اور مساوات اور اتفاق اسلام کا اصل الاصول ہے وہ مسلمانوں میں مفقود اور دیگر ملل باطلہ میں بخوبی موجود ہے آریہ سماجیوں کا ذکر تو ہو چکا کہ جو کوئی شدھ اور آریہ ہو۔ اس کو بلا امتیاز

سمجھنے لگے اور بے نمازیوں کو حقیر جاننے لگے تو کیا اس سے نماز کو کہہ دو گے ؟ اگر جولاہا ، دھنیا ، موچی وغیرہ پیشہ کی وجہ سے کسی قوم کا لقب ہے تو جو لوگ ان القاب سے برا مانتے ہیں وہ اپنے جائز پیشہ کو برا سمجھتے ہیں اور جائز پیشہ کو برا سمجھنا خود برا ہے ، اور اگر یہ لقب پیشہ کی وجہ سے نہیں ہے کسی اور وجہ سے ہے تو اس وجہ کو ظاہر کر کے بتلایا جائے کہ یہ الفاظ غیبت میں کیونکر داخل ہو گئے ؟ کسی پیشہ ور کو اس کے پیشہ کے نام سے یاد کرنا ہرگز غیبت نہیں کتب رجال دیکھو۔ حلاج ، نداف ، خیاط ، اسکاف وغیرہ القاب بلا تکلف محدثین نے استعمال کئے ہیں بلکہ وہ تو اعمیٰ ، اعمش ، اعرج وغیرہ بھی استعمال کرتے ہیں جب کہ کسی کا لقب مشہور ہو جائے ، اور اس کو غیبت نہیں سمجھا گیا ۔ کسان کو کسان ، بھنگی کو بھنگی ، چمار کو چمار ہی کہا جائے گا اور کیا کہا جائے گا ؟ فاعتبروا یا اھل الحدیث مدعی الاجتہاد ۔

اپنی جماعت میں داخل کرتے ہیں اور بلا تردد اس سے رشتہ داری کرتے ہیں، عیسائیوں میں چمار سے لیکر برہمن اور چھتری شامل ہیں مگر عیسائی ہونے کے بعد قومیت کی جہالت جاتی رہتی ہے اور بلا امتیاز ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور رشتہ داری کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ عیسائیوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے مگر احناف کے یہ کفارت کے یہ نا معقول مسائل نہ صرف مسلمانوں میں تفریق اور تشتت کا باعث ہیں بلکہ دوسرے اقوام کو اسلام لانے سے روکتے ہیں اور صاف کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہو جائیں گے تو لڑکوں کی شادی کہاں کریں گے؟

آریہ سماج یا عیسائی جیسا کسی قوم کو اپنی لڑکیاں دیتے ہیں دنیا کو معلوم ہے وہ لڑکیاں تو کیا دیتے کسی کو اپنا حقہ بھی نہیں دے سکتے غلط باتیں لکھنے سے واقعات نہیں بدلا کرتے، ہمارے یہاں سیکڑوں ہندو بھنگی چمار مسلمان ہوئے ہیں کسی کو بھی یہ شکایت نہیں کہ مجھے مسلمان عورت نہیں ملتی ہر نو مسلم کو اس کے مناسب مسلمان عورتیں ہمیشہ مل جاتی ہیں، اگر تمہاری طرف نو مسلموں کو مسلمان عورتیں نہ ملتی ہوں تو ان کو ہمارے پاس بھیجدو، اگر وہ واقعی سچے مسلمان ہوں گے ان کو مسلمان عورتیں ضرور مل جائیں گی، واقعہ یہ ہے کہ نہ ہندوؤں کو نکاح کا بہانہ ہے نہ عیسائیوں کو سب کو اس کا یقین ہے کہ مسلمانوں کی برابر کسی قوم میں مساوات نہیں مگر جن لوگوں کو اپنے جائز پیشے کا نام بھی ناگوار ہے یہ سب ان کی بنائی ہوئی باتیں ہیں۔

پھر اگر حنفیوں کے مسئلہ کفارت سے ہندوؤں کو اسلام سے رکاوٹ ہے تو ہندوستان میں کروڑوں جلاہے، تیلی غیر مقلد موجود ہیں وہ کیوں ان کے سامنے اپنی لڑکیاں پیش نہیں کر دیتے تاکہ ان کو شکایت کا موقعہ نہ رہے، آخر اسلام تو سب ہی کا ہے فقط شریفوں کا نہیں ہے نہ فقط حنفیوں کا ہے، میں بتلا

یہ میں عرض کر چکا کہ قرون اولیٰ میں یہ مرض
اور یہ تپ کہنا اور دق زمانۂ جاہلیت کے کفار
سے چلا آیا ہے شاید کسی کے خیال میں یہ وسوسہ
شیطانی آوے کہ تم نے جو مثالیں پیش کی ہیں
ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرون اولیٰ بلکہ
پیغمبر ﷺ نے دوسرے اقوام کی عورتوں سے
نکاح کیا ہے نہ یہ کہ اپنی لڑکیوں کا نکاح دوسرے
اقوام سے کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اہل
کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ کے بارے یہ حکم
ہے کہ ان کی عورتوں سے نکاح کر سکتے ہو مگر
مسلمان عورتوں کا نکاح ان سے نہیں ہو سکتا
پس اہل اسلام کے بارے یہ خیال غلط ہے
سب سے بڑھکر تو نص قرآن ہے جس پر ایمان لانا
فرض ہے اور قرآن میں یہ صاف حکم ہے و
لا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا اور یہ حکم
ہے ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن جس
کا صاف مطلب بلا تاویل یہ ہے کہ جو مشرک
ایمان لاوے خواہ وہ عجم ہو یا عرب اور جو مشرکہ
ایمان لاوے خواہ وہ عربیہ ہو یا عجمیہ ان کے
ساتھ رشتہ نکاح باجوڑ اور مناسب ہے،
اور کفارت کے جو قیود احناف نے اپنی کتابوں

چکا ہوں کہ مسئلہ کفارت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ
غیر کفو میں شادی نکرو صرف اتنا مطلب ہے
کہ غیر کفو میں بدون رضائے اولیاء و رضائے
عورت کے نکاح نکیا جائے۔

ولا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا
سے یہ استدلال کرنا کہ قرون اولیٰ کے مسلمان
اپنی لڑکیاں ہر مسلمان کے نکاح میں دیدیا
کرتے تھے غلط استدلال ہے آیت کے کسی
لفظ سے اس کا ثبوت نہیں ہو سکتا، میں
بار بار بتلا چکا ہوں کہ حنفیہ نے جو شروط کفارت
کیلئے ذکر کی ہیں نصوص قرآن و احادیث
اس کی مؤید ہیں۔ پس جھوٹ اور افترار
وہ کرتا ہے جو نہ مسئلہ کفارت کی حقیقت

میں درج کئے ہیں اس نص قرآن سے چونکہ خلاف
ہیں اس لئے وہ جھوٹ اور ناقابل عمل ہیں۔

ہاں یہ دوسری بات ہے کہ اعلیٰ خاندان
کے مرد اور عورت حسن خَلق اور حسن خُلق کے لحاظ
سے زیادہ تر بالا اور برتر ہوتے ہیں اور اسی لئے
خدا نے کوئی پیغمبر چھوٹے گھرانے میں نہیں بھیجا
ہے چنانچہ ارشاد ہے مابعث من نبی الا
فی احساب قومہ اور حسن صوری اور حسن
معنوی ان دیگر کمالات مرغوبہ ان میں زیادہ
ہوتے ہیں اور صفات حسنہ ان میں زیادہ پائے
جاتے ہیں اور اس لئے عام طور پر لوگ یہ چاہتے
ہیں کہ میرا نکاح بڑے گھرانے میں ہو یہ بالکل
درست ہے اور قرآن کے اس ارشاد کے مطابق
ہے فانکحوا ما طاب لکم من النساء
یعنی ان عورتوں سے نکاح کرو جو تم کو پسند ہو
مگر یہ امور طبعیہ ہیں اور ہر شخص کی طبیعت کی خواہش
اور رغبت مختلف ہوتی ہے وللناس فیما
یعشقون مذاہب ۔ اور اس میں کوئی
ہرج اور مضائقہ نہیں ہے مضائقہ اور ہرج
اور ظلم اور نصوص قرآن وحدیث سے خلاف یہ ہے
کہ مسلمانوں میں کفارت مخترعہ کی وجہ سے تفریق
پیدا کی جاتی ہے اور یہ فتویٰ دیا جاتا ہے کہ فلانے
کے یہاں نکاح با جوڑ ہے اور فلانے کے یہاں بے جوڑ
ہے۔ حضرت مولانا آپ نے سیکڑوں تصنیفات
محض خدا کے لئے لکھی ہیں اگر ان مسائل پر آپ

کو سمجھتا ہے نہ قرآن وحدیث کو۔

جبکہ تم کو بھی یہ تسلیم ہے مابعث نبی الا فی
احساب قومہ کہ انبیاء علیہم السلام ہمیشہ
شریف خاندانوں میں مبعوث ہوا کرتے تھے،
کوئی نبی چھوٹے گھرانے میں پیدا نہیں ہوا تو
اس سے خود یہ بات ثابت ہوگئی کہ انبیاء کے
خاندان کی لڑکیاں چھوٹے خاندانوں میں نہ جاتی
تھیں ورنہ ان کے خاندان دوسروں سے
بڑے کیونکر رہتے چھوٹے اور بڑے خاندان
کا امتیاز باہمی اختلاط کے بعد باقی نہیں
رہ سکتا پس تمہارا وہ قول غلط ہوگیا کہ انبیاء کا
تعامل مسئلہ کفارت پر نہ تھا۔ نیز جب اللہ تعالیٰ
نے انبیاء کے لئے بڑے گھرانوں کو منتخب فرمایا
ہے تو معلوم ہوا کہ کسی خاندان کا بڑا ہونا چھوٹا
ہونا خدا کی طرف سے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ
کے نزدیک سب خاندان برابر تھے تو اس
حدیث کے کچھ معنی ہی نہیں رہتے کہ انبیاء کیلئے
بڑے گھرانے تجویز کئے گئے۔ پس مسئلہ کفارت
کا ثبوت خود حق تعالیٰ کے فعل سے ہوگیا۔
اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسئلہ کفارت
کو تفریق بین الامم کا سبب سمجھنا غلط ہے ورنہ
لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے خود تفریق کی ہے کہ
بڑے گھرانوں میں تو انبیاء بھیجے جلاہوں تیلیوں
میں انبیاء نہ بھیجے۔

غور فرمائیں گے اور جو نصوص قرآن وحدیث میں نے پیش کی ہیں انہی کے مطابق ایک رسالہ تصنیف فرمادیں تاکہ مسلمانوں میں سے یہ تفریق فی کفارۃ النکاح جاتی رہے اور مثل آریوں اور عیسائیوں کے واعتصموا بحبل اللہ پر عمل کرکے باہم رشتہ پیدا کریں تو خدا کے یہاں آپ کو بڑا ثواب ملے گا جو قوم ترقی کے میدان میں قدم رکھتی ہے وہ اس تفریق کو بالائے طاق رکھتی ہے قادیانیوں نے بھی اوٹھا یا پس آپ نصوص پر غور فرما کر احناف سے اوٹھائیے۔

ھذا والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

فدہ الی اللہ والرسول۔

خادم عبداللہ از کالج فیض آباد۔

۴ - ۷ - ۱۳۵۸ھ۔

تم نے خود اعتراف کیا ہے کہ اس انتخاب کا سبب یہ تھا کہ حسن صوری اور حسن معنوی اور دیگر کمالات مرغوبہ ان میں زیادہ ہوتے ہیں اور صفات حسنہ ان میں زیادہ پائے جاتے ہیں اس کے ساتھ ایک مقدمہ یہ بھی ملا لو کہ نکاح میں الفت اور محبت اور تعلق دائم کی ضرورت ہے اور وہ بدون توافق طبائع کے نہیں ہوسکتا اور توافق طبائع کا مدار انہی صفات کے اشتراک پر ہے جس کا انکار مکابرہ ہے تو اس سے خود مسئلہ کفارت کا ثبوت ہوگیا اور یہ مقدمہ ہر چند کہ عقلی اور بدیہی ہے مگر حدیث اذا اتاکم من ترضون خلقہ ودینہ فزوجوہ سے بھی ثابت ہے کیونکہ شریف خاندان والی کو چھوٹے خاندان والے کے اخلاق پسند نہیں ہوسکتے، اگر انصاف سے غور کیا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ مسئلہ کفارت قرآن وحدیث سے ثابت ہے اس کا انکار نہیں ہوسکتا والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۶ رجب ۵۸ھ

تتمہ:۔ یہ تو اعتراضات کا جواب تھا جس میں ضمناً کچھ دلائل بھی آگئے ہیں اب مستقلاً کفارت کے دلائل ملاحظہ ہوں:۔

روی مسلم من حدیث واثلۃ بن الاسقع ان اللہ اصطفیٰ کنانۃ من بنی اسمٰعیل واصطفیٰ من بنی کنانۃ قریشا واصطفیٰ من قریش بنی ھاشم وزاد الترمذی

ان اللہ اصطفی من ولد ابراھیم اسمٰعیل ومن ولد اسمٰعیل کنانۃ الحدیث قال الحافظ فی التلخیص لا یعارض ھذا مارواہ الترمذی عن ابی ھریرۃ مرفوعاً لینتھین اقوام یفتخرون بآبائھم الحدیث لانہ محمول علی المفاخرۃ المفضیۃ الی احتقار المسلم وعلی البطر وغمط الناس وحدیث واثلۃ تستفاد منہ الکفاءۃ ویذکر علی سبیل شکر المنعم۔

و(۲) روی الترمذی عن علی رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لہ یا علی لا تؤخر ثلاثا الصلوٰۃ اذا اتت والجنازۃ اذا حضرت والایم اذا وجدت لھا کفوًا، رجالہ موثقون کما فی الاعلاء وقال البیھقی امثل ما ورد فی اعتبار الکفاءۃ حدیث علی ھذا کذا فی التلخیص ص ۲۶۹ ج ۱ وصححہ الحاکم فی المستدرک واقرہ علیہ الذھبی ص ۱۶۲ ج ۲۔

و(۳) قال الشافعی فی اصل الکفاءۃ فی النکاح حدیث بریرۃ لما خیرت لانھا انما خیرت لان زوجھا لم یکن کفوًا اھ ای لان الراجح عند المحدثین ان زوجھا کان عبدا کذا فی التلخیص ص ۲۶۹ وحدیث بریرۃ متفق علیہ مشہور۔

و(۴) قال ایضًا روی الشافعی عن ابن ابی فدیک عن ابن ابی ذئب عن ابن شہاب انہ بلغہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال قدموا قریشا ولا تقدموھا ورواہ البیھقی من حدیث علی بن ابی طالب وجبیر بن مطعم وغیرھما وقد جمعت طرقہ فی جزء کبیر اھ ص ۱۲۵ وھذا مما احتج بہ الشافعیۃ علی الکفاءۃ۔

و(۵) قال ابن تیمیۃ فی اقتضاء الصراط المستقیم ص ۶۷ وایضًا فان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ لما وضع ایوان العطاء کتب الناس علی قدر انسابھم فبدأ باقربھم فاقربھم نسبًا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما انقضت العرب ذکر العجم ھکذا کان الدیوان علی عھد الخلفاء الراشدین وسائر الخلفاء من بنی امیۃ وولد العباس الی ان تغیر الامر بعد ذلک وبسبب ھذا الفضل ما اختصوا بہ فی عقولھم والسنتھم واخلاقھم واعمالھم اھ و فیہ دلالۃ علی اعتبار التقدم بالنسب بالاجماع۔

و(۶) روی الخلال بسندہ عن عمر رضی اللہ عنہ قال لامنعن فروج ذوات الاحساب

الامن الاکفاء ، احتج به احمد بن حنبل وهو الامام فی الحدیث فقال اذا تزوج المولی العربیة فرق بینهما وهو قول سفیان لقول عمر فذکرہ کذا قاله الموفق فی المغنی ص ۳۷۲ ج ۷ واحتجاج مثل ابن حنبل بحدیث تصحیح له واستدل ابن الجوزی فی التحقیق علی اعتبار الکفاءة بحدیث عائشة انه علیه السلام قال تخیروا لنطفکم وانکحوا الاکفاء وله طرق عدیدة من حدیث انس وعمر بن الخطاب رواه ابن ماجة والحاکم والبیهقی کذا فی العزیزی و هو صحیح علی قاعدة السیوطی وصححه بالرمز فی الجامع الصغیر ص ۱۲۹ -

کیا ان دلائل کے بعد بھی کسی کو یہ کہنے کا منہ ہے کہ بہشتی زیور میں جو مسئلہ کفارت کا ذکر ہے وہ ہندوستان کی ہندو اقوام کا اثر ہے نعوذ باللہ من ذلک ۔ سوچنا چاہئے کہ یہ الزام کہاں تک پہنچتا ہے جبکہ حدیث و قرآن سے کفارت کا ثبوت موجود ہے ۔ موفق الدین حنبلی امام الحنابلہ نے مغنی میں اعتبار کفارت پر ائمہ اربعہ کا اجماع نقل کیا ہے ، اشتراط کفارت میں تو علماء کا اختلاف ہے مگر اعتبار کفارت میں کسی کا اختلاف نہیں ۔ سفیان ثوری کا قول وہی ہے جو امام ابوحنیفہ وغیرہ کا ہے ۔ ابن رشد نے بھی کفارت کے اعتبار پر اجماع نقل کیا ہے نفس اعتبار کفارت میں کسی کا اختلاف نہیں اگر کچھ اختلاف ہے تو اس کی تفصیلات و فروع میں ہے ملاحظہ ہو ص ۱۰ ج ۲ ۔ علامہ ابن العربی مالکی نے آیت ولا تعضلوهن ان ینکحن ازواجهن اذا تراضوا بینهم بالمعروف کی تفسیر میں تصریح کی ہے کہ بالمعروف سے مراد کفارت ہے پھر فرمایا ہے کہ اعتبار کفارت پر امت کا اجماع ہے اور یہ عورت کے اولیاء کا حق ہے ملاحظہ ہو ص ۸۵ ج ۱ ۔ ابن حزم ظاہری اگرچہ کفارت فی الدین کے سوا کسی کفارت کے قائل نہیں مگر وہ بھی رعایت کفو کو مستحب اور مختار کہتے ہیں قال وانما تخیرنا نکاح الاقارب لانه فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم ینکح بناته الا من بنی هاشم وبنی عبد شمس وقال اللہ تعالی لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوة حسنة ص ۲۴ ج ۱۰ -

فانکحوا ما طاب لکم من النساء سے کفارت کا ابطال نہیں ہو سکتا کیونکہ اس میں مردوں کو اختیار دیا گیا ہے عورتوں کو اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ جس سے چاہیں نکاح کر لیں ، انما المؤمنون اخوة فاصلحوا بین اخویکم کو نکاح سے کچھ تعلق نہیں یہاں اصلاح اور مصالحت کا ذکر ہے اور اس باب میں سب مسلمانوں کا بھائی بھائی ہونا متفق علیہ مسئلہ ہے ،

دینی بھائی ہونا کفو ہونے کو مستلزم نہیں۔ فاسق فاجر بھی دینی بھائی ہے مگر نص موجود ہے،
افمن کان مومناً کمن کان فاسقاً لا یستوون ٥

مسئلہ اولی یعنی نابالغ لڑکی کا نکاح باپ کر دے تو اس کو بلوغ کے بعد اختیار نہ ہوگا
اجماعی مسئلہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت ہے ابن حزم ظاہری بھی
اس کے قائل ہیں جو قیاس و استحسان سے بمراحل دور ہیں اس کو حنفیہ کا استحسان کہنا جہالت ہے،
قال فی المحلی وللاب ان یزوج ابنته الصغیرة البکر مالم تبلغ بغیر اذنها
ولاخیار لها اذا بلغت قال والحجة فی ذلك انکاح ابی بکر رضی الله عنه النبی
صلی الله علیه وسلم عائشة وهی بنت ست سنین وهذا امر مشهور غنیا
عن ایراد الاسناد فیه فمن ادعی انه خصوص لم یلتفت الی قوله لقول الله
عز وجل لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۔ ص ۴۶۰ ج ۹۔
ولم یثبت انه صلی الله علیه وسلم خیرها ولو فعل لنقل کما نقل
تخییره لبریرة حین اعتقت قال ابن المنذر اجمع کل من نحفظ عنه اهل العلم
ان نکاح الاب ابنته الصغیرة جائز اذا زوجها من کفوٴ یجوز له ذلك مع کراهتها
وامتناعها ثم ذکر حدیث عائشة تزوجنی رسول الله صلی الله علیه وسلم
وانا بنت ست سنین وزوج علی ابنته ام کلثوم وهی صغیرة عمر بن الخطاب
(مغنی ص ۳۷۶ ج ۷) والبسط فی المطولات وفیما ذکرناه بالاختصار کفایة لاهل
العلم والانصاف والدرایة والحمد لله ولی الحمد والهدایة وصلی الله
علی سیدنا النبی محمد وعلی اٰلہٖ واصحابه اولی الفضل والولایة والحمد
لله الذی بعزته وجلالته ونعمته تتم الصالحات۔

باب الوکالة بالنکاح

نکاح کے وقت وکیل نے عورت کے نام میں غلطی کردی تو نکاح نہیں ہوا

سوال (۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ بروقت نکاح ہندہ اور زینب یہ غلطی ہوگئی کہ ہندہ نے جس شخص کے ساتھ نکاح باندھنے کی اجازت دی تھی اس کے روبرو زینب کا نام

لے دیا گیا اور زینب نے جس شخص کے ساتھ اپنا نکاح باندھنے کی اجازت دی تھی اس شخص کے روبرو دہندہ کا نام لے دیا گیا ان دونوں شخصوں میں سے ہر ایک نے قبول کیا ایسے نکاح کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: صورت مسئولہ میں نکاح نہیں ہوا۔ دونوں کا نکاح دوبارہ صحیح نام کے ساتھ ہونا چاہئے۔ قال فی الدر (ص ۲۵۰ ج ۲) غلط وکیلها بالنکاح فی اسم ابیها بغیر حضورها لم یصح للجهالة وکذا لو غلط فی اسم بنته اھ وفی الشامیة تحت قوله لم یصح۔ والظاهر انه فی مسئلتنا لا یصح عند الکل لان ذکر الاسم وحده لا یصرفها عن المراد الی غیره بخلاف ذکر الاسم منسوبا الی اب آخر فان فاطمة بنت احمد لا تصدق علی فاطمة بنت محمد تأمل۔ وکذا یقال فیما لو غلط فی اسمها اھ۔ وفی العالمگیریة ص ۳ ج ۲ رجل له بنت واحدة اسمها فاطمة قال رجل زوجت منک ابنتی عائشة ولم تقع الاشارة الی شخصها ذکر فی فتاوی الفضلی انه لا ینعقد النکاح واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۲ محرم سنہ ۴۰ھ۔

معتدہ نے کسی کو وکیل بالنکاح بنایا اور جب اس نے نکاح کروا دیا تو اس نے کسی اور دوسرے شخص سے خود نکاح کرلیا تو نکاح اول صحیح ہے یا نکاح ثانی

سوال (۲) ایک بیوہ عورت نے اپنی عدت میں ایک شخص کو وکیل مقرر کرکے کہا کہ میرا نکاح بعد گذرنے عدت کے دین محمد سے کر دینا بعد گذرنے عدت کے وکیل نے نکاح مسماۃ کا دین محمد سے کر دیا جب عورت کو معلوم ہوا کہ میرا عقد وکیل نے دین محمد سے کر دیا ہے تو بعد اس کے دوسرے روز عورت نے اپنی رضا سے ایک اور شخص کے ساتھ اپنا عقد کرالیا آیا نکاح اول جو کہ وکیل مقرر کردہ عورت نے کر دیا ہے بعد عدت کے وہ صحیح ہے یا نکاح ثانی جو عورت نے اپنی رضا سے کرایا ہے وہ صحیح ہے مہربانی فرما کر ہر ایک سوال کا جواب عبارت کتب مخصوصہ وحدیث شریف ودلیل شرع کے ساتھ تحریر فرماویں چونکہ سب لوگ کہتے ہیں کہ آیت اور حدیث سے ثابت کرو بہت لوگ رسومات بری سے خراب ہوگئے ہیں اس لئے عنداللہ حوالہ کتاب وصفحہ ونمبر وغیرہ تحریر فرما کر اپنی مہر ثبت فرما کر مشکور فرماویں۔ فقط۔

الجواب: صورت مسئولہ میں جب عورت نے ایک شخص کو وکیل بالنکاح کر دیا اور اس کو وکالت سے معزول بھی نہیں کیا تو جو نکاح وکیل نے کر دیا ہے وہ نافذ ہوگیا اب عورت نے

جو دوسرا عقد اس کے بعد دوسرے شخص سے کیا ہے وہ بالکل درست نہیں ہوا نکاح اول بدستور باقی ہے لیکن اگر عورت اس دوسرے شخص سے ہم صحبت ہوچکی ہے پس اگر اس کو نکاح اول کی خبر نہ تھی تو اس سے علیحدگی کے بعد ایک عدت دوسری اس عورت کے ذمہ ہوگی۔ بعد انقضاء عدت دین محمد کو اس سے وطی جائز ہوگی باقی نکاح دین محمد کا اس عدت میں بھی باقی رہے گا اور اگر دوسرے شخص کو بھی پہلے نکاح کی خبر تھی تو عورت پر عدت ثانیہ واجب نہ ہوگی۔ فی العالمگیریۃ لو تزوج بمنکوحۃ الغیر وھو لا یعلم انہا منکوحۃ الغیر فوطئہا تجب العدۃ و ان کان یعلم انہا منکوحۃ الغیر لا تجب حتی لا یحرم علی الزوج وطیہا کذا فی فتاوی قاضی خان اھ (ص ۹ ج ۲)

۲۲ جمادی الثانیہ ۴۲ھ

بالغہ عورت اگر غیر ولی کے اجازت طلب کرنے پر سکوت اختیار کرے جبکہ غیر ولی نے خود کو عورت کے ولی کا رسول یا وکیل ظاہر نہ کیا ہو اس صورت میں لڑکی کا سکوت اذن سمجھا جائے گا یا نہیں

سوال (۳) ایک شخص سے ولی نے کہا کہ جاؤ لڑکی سے جو بالغہ باکرہ ہے نکاح کی اجازت لے آؤ اور اس کے کان میں یہ بات ڈال دو کہ تیرا نکاح فلاں شخص سے کیا جاتا ہے۔ اس صورت میں یہ شخص ولی کا وکیل ہوگا یا رسول؟

(۲) اگر یہ شخص جاکر لڑکی سے اتنا ہی کہدے کہ "تیرا نکاح فلاں سے کرتے ہیں" یہ نہیں کہا کہ مجھے ولی نے بھیجا ہے یا میں اس کی طرف سے وکیل یا رسول ہوکر آیا ہوں اور لڑکی نے اس کی بات سن کر سکوت کیا تو اس صورت میں لڑکی کا سکوت معتبر ہے یا نہیں اور یہ سکوت اجازت پر محمول ہوگا یا نہیں؟

الجواب: (۱) قال الشامی بعد تفصیل الفرق بین الوکیل والرسول و حاصلہ انہ یصیر وکیلاً بالفاظ الوکالۃ و یصیر رسولاً بالفاظ الرسالۃ و بالامر. لکن صرح فی البدائع ان "افعل کذا" و "اذنت ان تفعل کذا" توکیل ویؤیدہ ما فی الولوالجیۃ فذکرہ ثم قال وافاد انہ لیس کل امر توکیلا بل لا بد مما یفید کون فعل المامور بطریق النیابۃ عن الآمر فلیحفظ اھ ص ۶۱۷ ج ۴، وفی البحر ان الرسالۃ لا تتضمن الوکالۃ لانہا فوقہا اھ (ص ۱۴۸ ج ۷)۔

چونکہ ولی کا یہ قول کہ جاؤ لڑکی سے اجازت نکاح لے آؤ یا اس کے کان میں یہ بات ڈال دو۔ محتمل ہے وکالت اور رسالت دونوں کو اور کوئی لفظ صریح موجب توکیل موجود نہیں بجز

امر کے اور امر محتمل طرفین ہے اس لئے اس کلام کو رسالت پر محمول کرنا لازم ہے کیونکہ وہ ادنیٰ ہے والادنیٰ ھو المتیقن۔

(۲) اگر اس شخص نے لڑکی سے جاکر اپنی وکالت یا رسالت کا اظہار نہیں کیا۔ تو اس کے قول کو سُنکر لڑکی کا سکوت کرنا مفید اذن نہوگا۔

قال الشامی فالرسول لابد له من اضافة العقد الی مرسله لما مر عن الدرر من انه معبر وسفیر بخلاف الوکیل فانه لا یضیف العقد الی المؤکل الا فی مواضع کالنکاح والخلع والهبة والرهن ونحوها فان الوکیل فیها کالرسول حتی لو اضاف النکاح لنفسه کان له اھ (ص ۶۱۷ ج ۴)۔

وفی البحر تحت قول الکنز وفیما یضیفه الی المؤکل کالنکاح وغیره یتعلق بالموکل الخ ما نصه امر والحقوق فی کل لا یستغنی الوکیل عن اضافته الی موکله لان الوکیل فیها سفیر محض الا تری انه لا یستغنی عن اضافته العقد الی المؤکل ولو اضافه الی نفسه کان النکاح له فصار کالرسول وهذا لان الحکم فیها لا یقبل الفصل عن السبب لانه اسقاط فیتلاشی فلا یتصور صدوره من شخص و ثبوت حکمه لغیره فکان سفیرًا الی ان قال واشار بالکاف فی قوله کالنکاح الی بقیة افراد هذا النوع ولذا قال فی الهدایة من اخواته العتق علی مال الکتابة والهبة وکذا اذا کان الوکیل من جانب الملتمس اھ ص ۱۵۲ ج ۷ قال ابن عابدین فی حاشیة البحر وکذا بقیة الصور الاتیة یقول الوکیل من جهة طالب التملک هب فلانا او تصدق علیه او اعره او اودعه او ارهن عنده کذا او اقرضه کذا ولو قال هبنی او تصدق علی او اعرنی الخ یقع له لا للمؤکل اھ الی ان قال نعلی هذا قولهم التوکیل بالاستقراض باطل معناه انه فی الحقیقة رسالة لا وکالة فلو اخرج الکلام مخرج الوکالة لم یصح بل لابد من اخراجه مخرج الرسالة کما قلنا وبه علم ان ذلک غیر خاص بالاستقراض بل کل ما کان تملیکا اذا کان الوکیل من جهة طالب التملک لا من جهة المملک ای یعم۱۲ فان التوکیل بالتملیک صحیح لا بطلب التملک بل هو رسالة هذا ما ظهر لی ھ بعد ص مذکور، قلت وفی الصورة المسئولة لم یوجد

ما یدل علی کون ھذا الاجنبی وکیلا کما قلنا فی الجواب الاول وان سلمنا ان الامر فیہ یدل علی التوکیل فھو وکیل من جانب الملتمس ای من جھۃ طالب التملك وقد عرفت ان التوکیل بطلب التملك لا یصح بل ھو رسالۃ وقد تقدم ان الرسول لابد لہ من اخراج الکلام مخرج الرسالۃ والا لایکون رسولا واذا لم یکن رسولا لم یکن طالبا للاذن من جھۃ الولی بل من جھۃ نفسہ وھو اذن اجنبی محض فلا یکون سکوت البنت فی علم الرضا لکونہ سکوتا بعد کلام الاجنبی معھا لا کلام رسول الولی۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

۲۷ر صفر ۱۳۴۶ھ۔

حکم بایجاب وکیل بالفاظ اذن دادہ است

سوال (۴) بعونہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت تاج العلماء سراج الفضلاء مدظلہ العالی!

شرائط ملازمانہ وضوابط تلازمانہ بجا آوردہ بعد عرض ملازمان ثریا مکان برساند کہ محمد رشید احمد وکیل زبیدہ خاتون مع دو شاہد عادل بحضار مجلس در آمدہ ناطق شدہ زبیدہ خاتون دختر محمد نصیر احمد یک ہزار روپیہ مہر متعین نمودہ بمعرفت من نزد اسد اللہ کہ پسر عبداللہ اذن نکاح دادہ است واسد اللہ قبول نمودہ پس لفظ اذن نکاح دادہ است از الفاظ ایجاب است یا نہ بابراھین قاطعہ بزیر کلک نادر سلک آوردہ این ہیچمدان را سرفراز دارین فرمایند زیادہ آفتاب عنایت درخشان باد الیٰ یوم التناد۔

الجواب: لفظ اذن نکاح دادہ از الفاظ ایجاب نکاح نیست بلکہ مشعر از توکیل است پس تکلم وکیل بلفظ انشاء لازم بود چون وکیل بعد ازان تکلم بلفظ انشاء نکردہ ایجاب محقق نہ شدہ پس تجدید نکاح لازم است واگر در عرف سائل اذن نکاح بمعنی انشاء نکاح مستعمل است سوال بار دیگر کردہ باید، واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۷ر رمضان ۱۳۴۷ھ۔

فصل فی الجہاز والمہر

زوجہ کے مہر میں سراً زیادتی کرنا

سوال (۱) کیا حق مہر نکاح کے بعد (دس یا پندرہ سال بعد) ایزاد ہو سکتا ہے جو منکوحہ کے کہنے پر (جو عموماً دیگر وارثان کا حصہ کم کرنے کی خاطر

کیا جاتا ہے، جائز ہے یا نہ اور کیا ایسے مہر کو دیگر ورثاء جائز قرار دیویں یا نہ بالخصوص جو مہر از قسم مکان یا زمین زوج نے خفیہ بذریعہ تمسک بعد مدت دراز نکاح کے تحریر کر دیا ہو اور یہ شرط بھی تحریر کر دی ہو کہ کاغذات سرکار میں داخل خارج کرا دوں گا مگر وہ بھی اپنی پندرہ سالہ بقیہ حیات تحریر تمسک عملدرآمد بھی نہ کرایا ہو اس کو جائز رکھا جاوے یا ناجائز؟ واضح رہے کہ یہ تمسک ایک سوتیلی ماں نے اپنے حق میں کبھی خفیہ تحریر کرایا ہو اور والد مرحوم نے اپنی زندگی میں اپنے لڑکوں سے جو دوسری بیوی سے ہوں ذکر تک بھی نہ کیا ہو اور نہ ہی اس کی بابت اپنی باقی ماندہ حیات میں ۱۵ سالہ کاغذات سرکاری میں عملدرآمد نہ کرا دیا ہو۔

الجواب: زیادت مہر میں عقد کے بعد جائز ہے خواہ کتنی ہی مدت کے بعد زیادت کی ہو۔ الزيادة فی المهر صحيحة حال قيام النكاح عند علمائنا الثلاثة كذا فی المحيط فاذا زادها فی المهر بعد العقد لزمته الزيادة كذا فی السراج الوهاج هذا اذا قبلت المرأة الزيادة اھ عالمگیریة (ص ۲۲۹ ج ۲) لیکن جب یہ زیادہ خفیہ طور پر ہوئی ہے اور ورثہ زوج کو اس کا علم نہیں ہے تو عورت کے ذمہ دو گواہ قائم کرنا ہے کیونکہ وہ مدعی زیادت ہے اگر وہ دو گواہ اس پر قائم کر دے کہ زوج نے بعد نکاح کے مہر میں اس قدر زیادت کی تھی یا یہ ثابت کر دے کہ زوج نے زیادت مہر کی تحریر دو گواہوں کے سامنے لکھی تھی اور گواہ بھی اس کی گواہی دیں اور بہر صورت یہ دعویٰ اور گواہی کسی قاضی شرعی کے اجلاس میں ہو اور وہ اس گواہی کو قبول کر لے تو زوجہ مقدار زیادت کو ترکہ سے لے سکتی ہے اور اگر وہ گواہ نہ قائم کر سکے تو بقیہ ورثہ سے قاضی قسم لے کہ ان کو اس زیادت کا علم نہیں اور نہ میت نے یہ تحریر ان کے سامنے لکھی ہے اگر وہ قسم کھالیں تو عورت کا دعویٰ باطل ہے ورنہ اس کا دعویٰ قبول ہوگا اور اگر ورثہ اس کو تسلیم کر لیں کہ یہ تحریر میت کے خط کے مشابہ ہے لیکن اس پر قسم کھالیں کہ میت نے ہمارے سامنے کوئی تحریر نہیں لکھی اور نہ ہم کو اس تحریر کا علم ہے تب بھی ان کی قسم معتبر ہے اور عورت کا دعویٰ باطل ہے کیونکہ مجرد تحریر کا شریعت میں اعتبار نہیں ہے فان الخط يشبه الخط هكذا فهمته من القواعد ولم ار له جزئية صريحة فمن وقف عليها فليحرره واللہ اعلم۔

۲۶ ربیع الثانی ۴۰ھ۔

نا قابلِ جماع عورت کے مہر کا حکم

سوال (۲) ایک شخص نے نکاح کیا تھا بوقت صحبت دیکھا کہ عورت کے صرف پیشاب کا ایک سوراخ ہے اور پستان بھی ہے مگر صحبت کے قابل نہیں تب اس نے اس کو

طلاق دے دیا اب اس کا مہر ادا کرنا واجب ہے یا نہ۔

الجواب: جس عورت کے صرف پیشاب کی جگہ ہے جماع کی جگہ نہیں ہے اس سے خلوت کرنا مؤکد مہر نہیں لہذا جب اس کو طلاق دیدی گئی تو شوہر کے ذمہ نصف مہر ادا کرنا واجب ہے مہر کامل ادا کرنا واجب نہیں قال فی العالمگیریۃ ومن الموانع لصحۃ الخلوۃ ان تکون المرأۃ رتقاء او قرناء او عضلاء او شعراء کذا فی التبیین ص۲۲۴ ج۲-

۱۸ محرم سنہ ۴۱ھ-

ولی صغیرہ کے معاف کر دینے سے مہر ساقط نہیں ہوتا

سوال (۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین متین مسئلہ ذیل میں کہ زید نے مسماۃ ہندہ یتیمہ نابالغہ سے نکاح کیا لیکن بوجہ نابالغ ہونے کے خلوت وہمبستری نہیں ہوئی اور ہندہ کسی کے بہکانے سے دن کے وقت بلا اجازت اپنے شوہر کے چوری سے اپنے گھر سے نکل کر اپنی والدہ کے گھر چلی گئی۔ زید نے اس کی اس کی ناجائز حرکت سے ناراض ہو کر ہندہ کے بھائی ولی کو اور والدہ کو اور محلہ کے پنچوں کو جمع کر کے ہندہ کی یہ ناجائز حرکت ظاہر کی، اس پر پنچوں نے بعد دریافت حالات ہندہ کے بھائی اور والدہ کی رائے سے یہ فیصلہ کر دیا کہ چونکہ ہندہ بلا اجازت شوہر دن کے وقت گھر سے نکل گئی ہے اور شوہر سے فارغ خطی چاہتی ہے اس لئے ہم کو آئندہ زوجین کے باہمی تعلق قائم رہنے کی امید نہیں ہے اور ہندہ کے پھر نکل جانے کا اندیشہ ہے لہذا طرفین کی رضامندی سے سرکاری کاغذ پر اس طرح پر تحریری فارغ خطی ہو گئی کہ زید سے شوہر کا خرچہ معاف کرا دیا اور ہندہ کی طرف سے اس کے بھائی ولی نے مہر کی معافی لکھدی۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اگر ہندہ کا بھائی ولی یا ہندہ خود بالغ ہو کر کسی کے بہکانے سے زید پر مہر کا دعویٰ کرے تو وہ شرعاً مہر کی مستحق ہو سکتی ہے یا نہیں اور ایسی نابالغہ کے مہر کیلئے جس سے صرف نکاح ہوا ہو خلوت اور ہمبستری نہ ہوئی ہو شرعاً کیا حکم ہے وہ مہر کی مستحق ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مسئولہ میں اگر زید نے ہندہ کو طلاق دیدی ہے تو ہندہ پر طلاق بائن واقع ہو گئی لیکن ہندہ کے بھائی نے جو ہندہ کی طرف سے مہر کی معافی لکھدی ہے اس سے مہر کی معافی نہیں ہوئی ہندہ اپنے نصف مہر کی مستحق شرعاً ہے قال فی الدر خلع الاب صغیرتہ بمالھا او مھرھا طلقت فی الاصح کما لو قبلت ھی وھی ممیزۃ ولم یلزم المال لانہ تبرع اھ فان خالعھا الاب علی مال ضامنا لہ ای ملتزما لا کفیلا لعدم وجوب المال علیھا صح والمال علیہ کالخلع مع الاجنبی فالاب اولیٰ بلا سقوط مھر

لانہ لم یدخل تحت ولایۃ الاب الخ قال الشامی ای سواء کان الخلع علی المھر او علی الف مثلا لکن اذا کان علی المھر فلھا ان ترجع بہ علی الزوج و الزوج یرجع بہ علی الاب لضمانہ الخ ص ۹۳۷ ج ۲، قلت وھھنا لا یرجع الزوج علی اخ المرأۃ لانہ لم یضمن بل انہ ابرأ الزوج من جانب المرأۃ وھذا لا یدخل فی معنی الضمان ۔ واللہ اعلم ۔ ۵ ربیع الثانی ۔

مہر کے مطالبہ کے واسطے ڈگری کرنا جائز ہے یا نہیں نیز شوہر کے مفلس ہونیکی صورت میں کیا شوہر کے باپ سے مہر کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے

سوال (۴) اگر اسکی دختر کے شوہر کے پاس فی الحقیقت کچھ زر نقد یا جائداد منقولہ و غیر منقولہ نہیں ہے تو اس کے باپ کو شرعاً یہ جائز اور مناسب ہے کہ اگر عدالت انگریزی میں اپنے مطالبہ مہر کی ڈگری کرا کر اس کے شوہر کو موجب قانون انگریزی قید خانہ میں ڈلوا دے کسی صحابی یا سلف صالحین نے کبھی ایسا کیا ہے ؟

کوئی شخص اپنی دختر کے شوہر کے باپ کو شرعاً مجبور کر سکتا ہے کہ وہ اپنی لڑکی کے ذمہ کا مہر جبراً اس کی زوجہ کے باپ کو ادا کرے ؟

الجواب ! دائن کو بیشک اتنا حق ہے کہ اگر مدیون ہٹ دھرمی کرتا ہو اور باوجود قدرت کے دَین ادا نہ کرتا ہو تو اس کو حبس کرا دے لیکن جب حاکم کو یہ بات محقق ہو جائے کہ مدیون تنگدست ہے تو پھر اس کو قید کرنا جائز نہیں علیٰ ھٰذا قید کرانا بھی بصورت مذکور درست نہیں حق تعالیٰ فرماتا ہے وَاِنْ کَانَ ذُوْعُسْرَۃٍ فَنَظِرَۃٌ اِلٰی مَیْسَرَۃٍ یعنی اگر مدیون تنگدست ہو تو زمانہ وسعت تک مہلت دینی اس کو ضروری ہے باقی علاوہ مدیون کے دوسرے شخص کو جب تک وہ ضامن نہ ہو جائے قید کرنا یا کرانا درست نہیں قال اللہ تعالیٰ وَلَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۔ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یجنی جان الا علی نفسہ ولا یؤخذ المرء بجریمۃ غیرہ اوکما قال واللہ اعلم بالصواب ۔

احقر عبد اللطیف عفا اللہ عنہ مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۔

الجواب صحیح حق عنایت الٰہی عفی عنہ

الاجوبۃ کلھا صحیحۃ احقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۸ شوال ۴۱ھ ۔

الزیادۃ فی مھر احدی الزوجتین بعد العقد ھل توجب تسویۃ الاخری فیھا ام لا

سوال (۵) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک عورت ہندہ سے پانچ ہزار

روپیہ مہر پر نکاح کیا اُس کے بہت مدت بعد دوسری عورت زینب سے پانچ سو روپیہ مہر پر نکاح کیا اور دونوں کو ان کا مہر ادا بھی کر دیا۔ زینب نے ایک روز ارمان کیا کہ تم نے میرا مہر بہت کم رکھا زید نے اس کی دلجوئی کے لئے یہ قصد کیا کہ تین سو چار سو روپئے اس کے مہر میں اور زیادہ کر کے (کیونکہ زیادت بعد العقد بھی اصل کے ساتھ بتصریح فقہا ملحق ہو جاتی ہے) اتنی رقم یعنی تین سو چار سو اُس کو اور دیدوں خواہ نقد یا کسی مکان کا ایک حصہ کہ زینب کو فی الحال اس حصہ مکان کی ضرورت بھی ہے لیکن زید کو اس میں تردد یہ ہے کہ جس طرح تمام حقوق میں زوجتین کے درمیان تساوی ضروری ہے کہیں یہ زیادت فی مہر احدٰہما خلاف عدل نہ ہو جاوے اس لئے استفتار کیا جاتا ہے کہ یہ زیادت فی مہر احدٰہما جائز ہے یا نہیں اگر کوئی دلیل صریح نہو تو کوئی کلیہ ہی شافی ہو کافی ہے اور تصریح فقہی اگر مل جاوے تو اقرب الی الاقناع ہے فقط۔

الجوابُ الاوّل من بعض العُلماء:

موافق اس قاعدہ فقہیہ کے کہ زیادت فی المھر بعد العقد ملحق باصل المھر ہے اور ہبۂ مبتدءہ نہیں ہے کما یقول بہ الامام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ زیادت فی مھر احدی الزوجات درست ہے خصوصاً اس زوجہ کے مہر میں زیادتی کرنا جس کا مہر اصل سے کم ہو اور اضرار زوجہ ثانیہ اس سے مقصود نہو (اور اس کو حیلہ ترک عدل وتسویہ بین جو کہ واجب ہے نہ بنایا جائے) خلاف عدل نہیں معلوم ہوتا۔ فتح القدیر کے جزئیہ ذیل سے بھی یہی مفہوم ہوسکتا ہے کہ زیادت فی المہر اگر بطریق رشوت نہو تو درست ہے عبارت اُس کی یہ ہے (قولہ وان رضیت احدی الزوجات بترک قسمھا لصاحبتھا جاز) ھذا اذا لم یکن برشوۃٍ من الزوج بان زادھا فی مھرھا تفعل او یتزوجھا بشرط ان یتزوج اخریٰ فیقیم عندھا یومین وعند المخاطبۃ یوماً فان الشرط باطل ولا یحل لھا المال فی الصورۃ الاولیٰ فلہ ان یرجع فیہ الخ اور عنایہ کی یہ عبارت بھی جواز کی طرف مشیر ہے قولہ خلافاً لزفر فانہ یقول الزیادۃ ھبۃ مبتدأۃ لا تلتحق باصل العقد ان قبضت ملکت والا فلا الخ اس سے معلوم ہوا کہ ائمہ ثلثہ زیادت کو ہبہ مبتدأۃ قرار نہیں دیتے کہ اس کو خلاف عدل کہا جائے کیونکہ یہ تصریح ہے کہ ہبات میں بھی تسویہ بین الزوجات

ضروری ہے کما فی العینی علی البخاری وتمام العدل ایضاً بینھن تسویتھن فی النفقة والکسوة والھبة ونحوھا فقط، واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ ....

۵ ربیع الثانی سنہ ۳۶ھ

الجواب صواب

محمد .... عفا اللہ عنہ

الجواب الثانی من جامع امداد الاحکام

اقول وباللہ التوفیق ۔ زیادت فی المہر کا ملحق باصل العقد ہونا اس کو مستلزم نہیں کہ اس کے جملہ احکام مثل مہر کے ہوں چنانچہ زیادت کا دخول سے متنصف ہونا اور قبل دخول متنصف نہ ہونا اس پر دال ہیں ۔

نیز اس زیادت کا ملحق بالاصل ہونا اس کو بھی مستلزم نہیں کہ اس کے لئے ہبہ کے احکام مطلقاً نہ ثابت ہوں ۔ دراصل اس مسئلہ میں حنفیہ کا امام زفر اور شافعی وغیرہ سے جو اختلاف ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ حنفیہ اس کو محض ہبہ مستانفہ نہیں سمجھتے بلکہ اس کے لئے کچھ احکام ہبہ کے اور کچھ احکام مہر کے ثابت کرتے ہیں اور زفر و شافعی اس کو من کل وجہ ہبہ مستانفہ سمجھتے ہیں ائمہ ثلثہ حنفیہ اس کو ہبہ ابتداءً و مہر انتہاءً کہتے ہیں اسی لئے وہ اس زیادت کو حق متعاقدین میں بحکم مہر کہتے ہیں اور حق ثالث میں ہبہ و تبرع کما یظھر من کلام الفقھاء ودلیلہ شرط بقاء الزوجیة لجواز ھذہ الزیادة علی الظاھر کما فی الدر ۔ فلو کان کالمھر فی جمیع الاحکام لم یکن بقاء الزوجیة شرطا لان المھر یبقی ولو انعدمت الزوجیة کما لا یخفی ۔

قال فی النھر والظاھر عدم الجواز بعد الموت والبینونة والیہ یرشد تفسیر المحیط بحال قیام النکاح اذ نقلوا ان ظاھر الروایة ان الزیادة بعد ھلاک المبیع لا تصح وفی روایة النوادر تصح ومن ثم جزم فی المعراج وغیرہ بان شرطھا بقاء الزوجیة حتی لو زادھا بعد موتھا لم تصح (ای لعدم المحل وقت الزیادة ۱۲) والالتحاق باصل العقد وان کان یقع مستندا الا انہ لابد

ان یثبت اولاً فی الحال ثم یستند[عہ] اھ اور طحطاوی نے عدم اشتراط بقاء زوجیۃ کو گو ترجیح دی ہے مگر اس کی بناء التحاق باصل العقد پر نہیں رکھی بلکہ یہ کہا ہے و کون ظاهر الرواية عدم الصحة الزيادة بعد هلاك المبيع لا يقتضى ان يكون ظاهر الرواية هنا لفرق بين الفصلين قام عند المجتهد فانه فى النكاح امر الله تعالى بعدم نسيان الفضل بين الزوجين وهذه الزيادة من مراعاة الفضل اھ شامی (ص ۵۵۲ و ۵۵۳ ج ۲) قول اول میں شرط بقاء زوجیت کی وجہ یہ تھی کہ صحت زیادت کے لئے وجود محل ضروری ہے اور قول ثانی نے زیادت کو مراعات فضل میں داخل کر کے اس شرط کی نفی کر دی بہر حال یہ مسئلہ سب کو تسلیم ہے کہ زیادت مہر من کل وجہ مثل مہر کے نہیں ہے۔ بلکہ درحقیقت یہ ہبہ من وجہ ہے اور مہر من وجہ ہے۔ ہبہ کی حیثیت سے بعض احکام میں یہ اصل مہر سے منفصل ہے مثلاً بحالت مرض موت مہر مثل پر زیادت باطل ہے لما فیہ من ابطال حق الورثة قال فى الدر وما لزمه فى مرضه لسبب معروف ببينة او بمعاينة قاض على ما اقر به فى مرض موته ولو وديعة والسبب المعروف ما ليس بتبرع كنكاح مشاهد ان بمهر المثل اما الزيادة فباطلة وان جاز النكاح اھ (ص ۷۰۸ ج ۴) فهذا كما ترى قد ادخل الشهادة هنا فى التبرع وهذا اذا كانت الزيادة فى صلب العقد ولو كانت بعد العقد فتبطل بالاولى وان كان المهر اقل من المثل والعلة كونه تبرعا فى الاصل ابتداء كما لا يخفى۔ اور مہر کی حیثیت سے اس زیادت کے لزوم میں قبضہ شرط نہیں اگر ہبہ محضہ ہوتا تو بدون قبض کے لزوم نہ ہوتا پس حنفیہ کا اس زیادت کو ملحق باصل العقد کہنا صرف بایں معنیٰ ہے کہ یہ لزوم میں محتاج قبض نہیں کما يدل عليه قول صاحب العناية خلافا لزفر فانه يقول الزيادة هبة

[عہ] هذا صريح فى ان تلك الزيادة تلتحق باصل المهر بعد ثبوتها فى الحال وثبوتها انما هو بصورة الهبة والشئ اذا ثبت ثبت بلوازمه فيثبت لها احكام التبرع فى الجملة ۱۲ منه

مستانفۃ لا تلحق باصل العقد ان قبضت ملکت والا فلا الخ باقی تمام احکام اس کیلئے ہبہ کے ثابت ہیں مثلاً قبول مرأۃ کا شرط ہونا اور زوجیت کا باقی رہنا وغیرہ وغیرہ جو اصل مہر میں شرط نہیں نیز اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ زیادت فی المہر در اصل زیادت فی ثمن المبیع پر قیاس کیا گیا ہے اور زیادت فی ثمن المبیع کے متعلق درمختار میں یہ تصریح ہے لیکن انما یظہر فی الشفعۃ فی الحط فقط قال الشامی لان[ع] فی الزیادۃ ابطال حق الشفیع الثابت قبلھا فلا یملکانہ فلہ ان یاخذ بدون الزیادۃ اھ (صفحہ ۳۶ ج ۴) فعلم ان الزیادۃ فی العقد لا تسقط ولا تبطل حقا ثابتا للغیر قبلھا۔

اب صورت مسئولہ کا حکم واضح ہو گیا وہ یہ کہ منکوحہ ثانیہ سے جو قلیل مہر پر نکاح کیا گیا ہے اگر یہ مہر مثل تھا تب تو اس کا مستحق زیادت نہ ہونا ظاہر ہے اور اگر مہر مثل نہ تھا بلکہ اس سے کم تھا تو اس نے اپنے حق کو وقت نکاح کے خود ہی ساقط کر دیا ہے والساقط لا یعود۔

اور اس سے نکاح ہو جانے کے بعد زوجہ اولیٰ کا ہبہ و نفقہ وغیرہ میں حق مساوات ثابت ہو چکا ہے لہذا ثانیہ کے مہر میں زیادت کرنے سے گو وہ اصل عقد کی طرف مستند ہو زوجہ اولیٰ کا حق مساوات باطل نہیں ہو سکتا کیونکہ زیادت فی العقد باوجود استناد الی الاصل کے کسی حق ثابت قبلھا کو باطل نہیں کر سکتی کما مر فی مثال الشفیع۔ بس اس زیادت کا ثمرہ صرف یہ ہوگا کہ وہ مہر میں داخل ہو کر محتاج قبض فی اللزوم نہیں رہے گا باقی احکام تبرع و ہبہ کے بجالہا باقی رہیں گے۔ اور اگر زیادت فی المہر کو اصل سے ملحق کر کے موجب العدل والتسویہ نہ مانا جائے تو اس میں ہدم باب القسم باسرہ لازم آئے گا کیونکہ پھر تو ہر شخص جو کچھ چاہے گا کسی ایک زوجہ کو دے دیا کرے گا اور یہ کہہ دے گا کہ میں تیرے مہر میں یہ زیادت کر رہا ہوں اور جس جزئیہ کے مفہوم سے مجیب اول نے استدلال کیا ہے وہ استدلال بھی صحیح نہیں، یہ جزئیہ تو غور کرنے کے بعد اس امر پر دال ہے کہ زیادت فی المہر من کل وجہ بحکم مہر نہیں بلکہ اس کی حالت موجودہ کے احکام بھی اس کے لئے ثابت ہوتے ہیں۔ غور کرنا چاہئے کہ اس صورت میں زیادت فی المہر کو جو رشوت

ع قلت ھذا صریح فیما ذکرتہ قبل ان ھذہ الزیادۃ مھر انتھاءً فی حق المتعاقدین وتبرع زائد فی حق الثالث فلذا لم یعد ھا من الثمن فی حق الشفیع ۱۲ منہ

کہا گیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زیادت کو قسم کا مقابل کیا گیا ہے اور یہ تقابل اس زیادت کی حالت موجودہ قبل الاستناد ہے ورنہ بعد الاستناد تو یہ زیادت مہر کا جزو ہو کر عوض بُضع ہے اور بُضع شرعاً متقوم ہے اس کا معاوضہ رشوت کبھی نہیں ہو سکتا پس فقہاء کا اس زیادت کو رشوت کہنا صاف بتلا رہا ہے کہ زیادت فی المہر کے لئے مطلقاً احکام مہر ثابت نہیں ہوتے بلکہ اس کی صورت موجودہ کے احکام بھی ثابت ہوتے ہیں پس جس صورت میں کہ زیادت بعوض ترک قسم ہو اس وقت تو رشوت ہونے کی وجہ سے باطل ہے کیونکہ قسم متقوم نہیں جس کا عوض دیا جائے اور جس صورت میں کہ عوض ترک قسم نہ ہو اس وقت یہ اِحدیٰ الزوجتین کے ساتھ صلہ زائدہ ہے پس صلہ زائدہ کے احکام ثابت ہو کر استناد الی الاصل کے احکام ثابت ہوں گے اور اس کے لئے صلہ زائدہ کے احکام کا فی الجملہ ثابت ہونا اوپر عبارات درمختار و ردالمختار وغیرہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ مریض کی زیادت کو فقہاء نے تبرع میں داخل کر کے بدون اجازت ورثہ باطل کہا ہے علیٰ ھذا اس زیادت کو بیع کی صورت میں مبطل حق شفیع نہیں مانا گیا اور اس کے لئے قبول وغیرہ کو شرط قرار دیا گیا ہے اسی طرح یہاں بھی اس زیادت سے زوجہ ثانیہ کا حق مساوات جو ثابت قبل الزیادت ہے باطل نہیں ہو سکتا ھذا واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

۴ر شعبان ۴۳ھ

ایسی عورت کے مہر کا حکم جو رضاعی بہن ہو اور لاعلمی میں ان کا نکاح ہو گیا ہو

سوال (۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اور ساجدہ نے ایام طفلی میں مختلف الاوقات یکے بادیگرے مسماۃ ہندہ کا دودھ پیا اور جب یہ دونوں کچھ تھوڑا سن تمیز کو پہنچے تو ایام نابالغی ہی میں مسائل اور احکام دینی کی ناواقفیت کی وجہ سے زید اور ساجدہ کا باہم عقد ہو گیا اور بلوغیت کے بعد کچھ عرصہ تک ان کے درمیان تعلقات شوہری اور زوجیت کے قائم رہے بعد ازاں جب مسئلہ رضاعت سے واقفیت حاصل ہوئی اور بہ تحقیقات اپنے درمیان رضاعی بھائی بہن ہونا بایہ ثبوت سے درجہ یقین کو پہونچا ہوا پایا تو مسماۃ ساجدہ نے زید سے کنارہ کشی اختیار کر کے اس کے گھر سے اپنے میکہ چلی آئی اور زبانی اور تحریری اطلاع اپنے مورثان کو اس امر کی دی کہ اب میں ہرگز زید کے ساتھ تعلقات زوجیت کے نہیں رکھنا چاہتی اس معاملہ میں اگر آپ لوگ سختی بھی کیجئے یا جان سے مار ڈالئے تب بھی میں زید

کے گھر نہ جاؤں گی اور نہ اس سے پھر زوجیت کے تعلقات قائم کروں گی زید نے بھی ثبوت رضاعت کے بعد سکوت اختیار کیا اور نہ پھر کبھی ساجدہ کو اپنے گھر بلایا۔ اس تفرقہ کو چھ سات مہینہ گذرے ہوں گے کہ قضاء الٰہی سے زید کا انتقال ہوگیا چونکہ زید صاحب جائداد تھا اس لئے طمع دنیا سے اب مسماۃ ساجدہ بحق زوجیت وراثتاً و بالعوض دَین مہر کے دعویدار ہے تو اس صورت میں کیا مسماۃ ساجدہ زید مرحوم کی جائداد سے بحق زوجیت وراثتاً ترکہ شرعی اور دین مہر پانے کی مستحق ہوسکتی ہے؟

الجواب: ساجدہ اس صورت میں مہر مثل کی تو مستحق ہے اگر زید سے ہمبستری ہوچکی ہو مگر میراث کی مستحق نہیں اور مہر مثل خاندانی مہر کو کہتے ہیں ساجدہ کے جدی خاندان میں عورتوں کا عموماً جو مہر باندھا جاتا ہو اس میں ساجدہ کی حیثیت وصورت وغیرہ کا بھی لحاظ کیا جائے گا کہ اس جیسی عورت کا مہر کتنا ہوا کرتا ہے وہ ساجدہ کا مہر مثل ہے اب اگر وہ مہر مقررہ کے برابر ہی ہے تو مہر مقررہ ملے گا اگر کم ہے تو کم ملے گا اگر زیادہ ہے تو مقررہ سے زیادہ نہ ملے گا۔ قال فی الدر ویجب مهر المثل فی نکاح فاسدٍ وهو الذی فقد شرطا من شرائط الصحة کشهود اھ قال الشامی ومثله تزوج الاختین معاً ونکاح الاخت فی عدة الاخت ونکاح المعتدة والخامسة فی عدة الرابعة اھ (ص ۵۷۲ ج ۲) قلت ونکاح المحارم عده بعضهم فی الباطل ولکن قال الشامی والحاصل انه لا فرق بینهما (ای الفاسد والباطل) فی غیر العدة اھ (۵۷۵ ج ۲) علی ان هذا النکاح لعله بشبهة لان الزوجین انما تیقنا بالرضاع بینهما بعد بلوغهما بزمان کما یظهر من السوال فیکون الوطی وطیا بالشبهة والموطوءة بشبهة تستحق مهر المثل کما صرحوا به واما حرمان المیراث فلما صرح به فی الدر (ص ۷۴۵ ج ۲) ویستحق الارث باحد ثلاثةٍ برحم ونکاحٍ صحیحٍ فلا توارث بفاسدٍ ولا باطلٍ اجماعاً اھ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

۷ رشعبان سنہ ۴۳ھ۔

مہر کا ادا کرنا یکمشت ضروری ہے یا قسط وار بھی درست ہے

سوال (۷) شوہر کو روزانہ بارہ ۱۲ آنہ کی آمد ہے اس میں مہر میں ماہانہ دس روپیہ دیتا ہوں اور اس کے سوائے کوئی ملک وغیرہ نہیں آیا وہ ماہانہ دس روپیہ قبول کرسکتی ہے؟

الجواب ؛ بحالت قیام نکاح تو اقساط کے ساتھ مہر ادا کر سکتا ہے اور بعد طلاق و خلع کے عورت یکمشت کل مہر وصول کرنے کی مستحق ہے اور اس وقت اقساط کا مقرر کرنا شوہر کے اختیار میں نہیں بلکہ حاکم کی رائے پر ہے۔

حکم منع المرأۃ نفسها عن زوجها بقبض المعجل والتفصیل فی ذلک

سوال (۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ خالدہ خانم اپنے شوہر خالد سے قبل وطی یعنی رخصت ہونے سے پہلے کل زرِ مہر یا کوئی جزو زرِ مہر لینے کی عند الشرع مستحق ہے یا نہیں ؟ ربینوا توجروا ، اگر مہر معجل ہو یا مؤجل ہر دو صورت میں مستحق ہے یا کیا ؟

الجواب ؛ قال فی الدر ولها منعه من الوطی ودواعیه والسفر بها ولو بعد خلوۃ رضیتها لاخذ ما بین تعجیله من المهر کله او بعضه او اخذ قدر ما یعجل لمثلها عرفا به یفتی لان المعروف کالمشروط ان لم یؤجل او یعجل کله فکما شرط لان الصریح یفوق الدلالۃ الا اذا جهل الاجل جهالۃ فاحشۃ فیجب حالًا الا التاجیل بطلاق او بموت فیصح للعرف لها قال الشامی عن شرح الجامع لقاضی خان انه لو کان المهر مؤجلا لیس لها المنع قبل حلول الاجل ولا بعدہ وکذا لو کان المؤجل بعضه واستوفت العاجل وکذا لو اجلته بعد العقد ثم قال وعلی قول ابی یوسف لها المنع الی استیفاء الاجل فی جمیع هذہ الفصول اذا لم یکن دخل بها الخ قال فی الدر وعن الثانی لها منعه ان اجله کله وبه یفتی استحسانًا ولو الجیۃ اھ قال الشامی وهذا اذا لم یشترط الدخول قبل حلول الاجل فلو شرطه ورضیت به لیس لها الامتناع اتفاقًا اھ (ص ۵۸۸ و ۵۸۹ ج ۲)۔

اس سے معلوم ہوا کہ مہر کی مختلف صورتیں ہیں :

۱۔ کل مہر معجل ہو یا بعض معجل ہو یعنی وقت نکاح کے تصریح کر دی گئی ہو کہ مہر کا کل یا بعض معجل ہوگا اس صورت میں عورت کو قبل رخصت و خلوت کل یا بعض جو بھی معجل طے ہوا ہو طلب کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

۲۔ بعض معجل ہو اور بعض مؤجل ہو تو معجل کے وصول کے بعد بقیہ کے بھی مطالبہ کا حق عورت کو ہے لیکن اس کے وصول ہونے پر اپنے نفس کی تسلیم کو موقوف نہیں کر سکتی۔

(۳) کل مؤجل ہو اور اجل طلاق یا موت ہو تو عرف کی وجہ سے تاجیل مجہول صحیح ہے اور اس صورت میں عورت کو طلب مہر کا تو حق ہے مگر اس کے کسی جزو یا کل کے وصول ہونے پر اپنے نفس کی تسلیم کو موقوف نہیں کر سکتی بلکہ اگر شوہر بدون کچھ مہر دیئے اس کو اپنے پاس رکھنا چاہے تو اس کو حق امتناع نہ ہوگا۔ البتہ امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ مہر کل مؤجل ہو تو عورت کو حق امتناع ہے مگر یہ جب ہے کہ شوہر نے دخول قبل الاداء کی شرط نہ کی ہو اور یہ شرط کرلی ہو تو اتفاقاً عورت کو حق امتناع نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ آج کل مرد کو اس شرط کی ضرورت نہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ مہر کل مؤجل ہونے کی صورت میں اگر عورت نے یہ شرط کرلی ہو کہ قبل ادا مہر میں دخول کو منظور نہ کرونگی تو اُس کو حق امتناع ہے ورنہ نہیں۔ کیونکہ کل مہر کو مؤجل کرنا ہندوستان میں رائج ہے اور اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ دخول ادا مہر پر موقوف نہیں والمعروف کالمشروط پس اگر عورت نے اس امر معلوم عرفاً کی صراحۃً نفی نہیں کی تو گویا وہ بھی دخول قبل ادا پر راضی ہوگئی، ھذا واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۸ ذیقعدہ سنہ ۴۴ھ۔

صیح مہر معلوم نہ ہو اور وارث اپنے دعویٰ پر گواہ نہ رکھتے ہوں تو مہر مثل پر فیصلہ ہوگا

سوال (۹) عبداللہ خاں مرحوم نے دو شادیاں کیں پہلی بیوی کا انتقال ہوگیا اُس کی اولاد موجود ہے اور دوسری بیوی زندہ موجود ہے اور اس سے دو بچے ہیں۔ عبداللہ خان اور ان کے والد نے اس پہلی بیوی کا مہر کسی مقدمہ کی شہادت میں اپنا بیان یہ دیا ہے کہ میری بیوی کا مہر ایک ہزار روپیہ ہے اور ان کے والد نے بھی یہی بیان دیا ہے کہ میرے لڑکے کی بیوی کا دین مہر ایک ہزار روپیہ ہے۔ عبداللہ خان کی بیوی کی بہنوں کا مہر ۵۔ ۵ ہزار روپیہ ہے اور ان کی پھوپھیوں کا مہر بھی ایک ہزار روپیہ ہے اور ان کے والد یعنی صاحبداد خان کی بیوی کا مہر بھی پانچ ہزار روپیہ ہے اور ان کے لڑکوں کی بیویوں کا مہر بھی پانچ پانچ ہزار روپیہ ہے۔ اب عبداللہ خان کی اوّل بیوی کی اولاد یہ دعویٰ کرتی ہے کہ ہماری والدہ کا مہر پچیس ۲۵ ہزار روپیہ ہے۔ جس سے ان کا مقصود یہ ہے کہ دوسری بیوی اور اس کی اولاد کو محروم کرکے خود ہی اپنے والد کی جائیداد پر قابض رہیں اور اپنے سوتیلی ماں اور بھائی بہن کو کچھ نہ دیں، دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسی صورت میں عبداللہ خان مرحوم کی پہلی بیوی کا مہر از روئے شرع شریف کیا قرار دیا جاوے؟ عبداللہ خان نے جو وصیت نامہ

مرنے سے پیشتر لکھا ہے اس میں سب بہن بھائی کو لکھا ہے کہ اتفاق سے رہنا اور دوسری بیوی زندہ کا مہر ایک ہزار روپیہ لکھا ہے جو واقعی ٹھیک ہے مگر پہلی بیوی کے مہر کا کچھ ذکر نہیں لکھا خدا معلوم کہ ادا کر گیا یا مرحومہ نے معاف کر دیا اس کا علم اللہ کو ہے۔

الجواب: اگر زوجہ اولیٰ کی اولاد اپنے دعویٰ پر دو عادل گواہ نہیں رکھتے تو مہر مثل پر فیصلہ کیا جاوے اور مہر مثل میں عورت کے خاندان کا اعتبار ہے سوال میں ظاہر کیا ہے کہ عبداللہ خان کی سالیوں کا مہر ۵-۵ ہزار روپیہ ہے بس اس کے مطابق پانچ ہزار روپیہ عبداللہ خان کی زوجہ اولیٰ کا مہر قرار دیا جاوے کما فی الدر المختار (وبعد موتهما ففی القدر القول لورثته و) فی الاختلاف (فی اصله) القول لمنکر التسمیة (لم یقض بشیئ) مالم یبرهن علی التسمیة (وقالا یقضی بمهر المثل) کحال حیاة (وبه یفتی) وفی الشامی تحت قوله لم یقض بشیئ) لان مهر المثل یختلف باختلاف الاوقات فاذا تقادم العهد یتعذر الوقوف علی مقداره فتح وهذا یدل علی انه لو کان العهد قریبا قضی به بحر قلت وبه صرح قاضی خان فی شرح الجامع (ص ۲۲۵۹۴)۔ احقر عبدالکریم عفی عنہ۔ ۱۹ جمادی الثانیہ ۴۴ھ

الجواب صحیح، ظفر احمد۔ ۱۹ رج ۲ ۴۴ھ

جو شخص بیوی کو مہر نہ دے اور نہ نیت ادا کی ہو تو اس کی اولاد کو ولد الحرام کہہ سکتے ہیں یا نہیں

سوال (۱۰) کوئی شخص بہت زیادہ اپنی حیثیت سے مہر مقرر کرے جو محض ایک برادری کی رسم کے لحاظ سے ہو اتنی رقم اس کی حیثیت کے اعتبار سے ادا کرنا ناممکن ہے مہر دینے کی نسبت کہتا ہے کہ یہ ایک فرضی بات ہے کون دیتا کون لیتا ہے اگر اتنا مہر مقرر نہ کروں تو نکاح ہی نہ ہو تو ایسے شخص کی اولاد کو کوئی ولد الزنا کہے یا سمجھے تو گناہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب: اس شخص کی اولاد کو ولد الزنا کہنا حرام ہے اور حرامی سمجھنا بھی بمعنی متعارف جائز نہیں اور حدیث میں جو ایسے شخص کو زانی کہا گیا ہے اس سے مراد گناہ میں مثل زانی کے ہوتا ہے۔ اور مثل زانی پر احکام زانی کے جاری کرنا درست نہیں۔

حکم تجدید نکاح بزیادت مہر از مہر سابق اور اس صورت میں شوہر کے ذمہ کونسا مہر واجب ہوگا

سوال (۱۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید عمر ۲۵ سال

اور عابدہ عمر ۱۴ سال ہر دو باوجود بالغین ہونے کے ان کے باہم عقد نکاح اس صورت میں واقع ہوا کہ وکیل اپنے دو شاہدوں کے ہمراہ ایک عام جلسہ میں آکر عابدہ اور اس کے والد کے وکیل بنانے کا اقرار دونوں شاہدین سے کراکر زید کے ساتھ عابدہ کا نکاح ایک سو پچیس ۱۲۵ روپیہ مہر مؤجل پر ایجاب قبول کراہی دیا تھا کہ عابدہ کا ماموں اس جلسہ میں آتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ مہر بالکل کم ہے چالیس ۴۰ تولہ سونا چاہئے اور اسی پر اصرار کرکے عابدہ کے والد کو بھی مجبور کیا حتی کہ ثانی نکاح چالیس تولہ سونے پر کراہی چھوڑا حالانکہ زید زوج ایکسو پچیس ۱۲۵ روپیہ کا بار بھی نہیں اٹھا سکتا اور اس نے تقریب نکاح کا خرچ جو قرض لیکر کیا تھا اس کے ضائع ہوجانے کے خوف سے اور شریعت کی لاعلمی کی وجہ سے طوعاً و کرہاً نکاح ثانی بھی قبول کرلیا۔

(۱) عند الشرع کونسا نکاح منعقد ہوا اوّل یا ثانی؟ (۲) زوجہ کا ماموں نکاح ثانی بالجبر کرانے کا مستحق ہے یا نہیں؟ (۳) نکاح اوّل کا مہر واجب الاداء ہے یا ثانی کا؟ (۴) مہر مؤجل زوجہ کو کس وقت ادا کیا جاسکتا ہے؟

اس کے چار ماہ بعد زوج و زوجہ میں باہمی تنازع ہوا اور عابدہ کے والد نے عابدہ کو بے اجازت زید کے مکان سے لیجاکر اپنے مکان پر بٹھا رکھا ہے اور زید کے ہاں آنے نہیں دیتا آیا عابدہ کا نان و نفقہ زید پر واجب الاداء ہے یا نہیں مع حوالہ کتب معتبرہ ارقام فرماکر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں؟

الجواب: قال فی العالمگیریۃ الزیادۃ فی المہر صحیحۃ حال قیام النکاح عند علمائنا الثلاثۃ کذا فی المحیط فاذا زادہا فی المہر بعد العقد لزمتہ الزیادۃ کذا فی السراج الوہاج ہذا اذا قبلت المرأۃ الزیادۃ سواء کانت من جنس المہر اولا من زوج او ولی۔ کذا فی النہر الفائق والزیادۃ تتأکد باحد معانٍ ثلثۃ اما بالدخول او بالخلوۃ الصحیحۃ واما بموت احد الزوجین الخ ولو تزوج امرأۃ بالف درہم ثم جدد النکاح بالفین اختلفوا فیہ ذکر الشیخ الامام المعروف بخواہر زادہ فی کتاب النکاح ان علی قول ابی حنیفۃؒ ومحمدؒ لا یلزمہ الالف الثانیۃ ومہرہا الف درہم وعلی قول ابی یوسف یلزمہ الالف الثانیۃ وبعضہم ذکر الخلاف علی عکس

هذا قال بعض مشائخنا المختار عندنا ان لا یلزمه الالف الثانیة کذا فی الظهیریة (قلت وهذا اذا کان المقصود بالتجدید تجدید النکاح هزلا وتلعبا) ففی العالمگیریة ایضا عقب ذلک ما نصه وفتوی القاضی الامام علی انه لا یجب بالعقد الثانی شیئ الا اذا عنی به الزیادة فی المهر فحینئذ یجب المهر الثانی کذا فی الخلاصة اھ (ص ۲۹ ج ۲)

پس صورت مسئولہ میں نکاح ثانی تو لغو ہے لیکن چونکہ اس سے مقصود محض زیادت مہر تھی اس لئے مہر وہی واجب ہوگا جو دوبارہ مقرر کیا گیا ہے کیونکہ زید زوج نے اس کو برضا منظور کیا ہے اس پر اکراہ شرعی کا تحقق نہیں ہوا اور گو ماموں اس صورت میں ولی نہ تھا مگر اول تو اس نے والد عابدہ کو اپنے ساتھ متفق کر کے ایسا کیا ہے دوسرے مدار تو زوج کے منظور کرنے پر ہے جب اس نے دوسرے نکاح کے مہر کو منظور کر لیا تو اس کی طرف سے زیادت فی المہر کا تحقق ہو گیا پس اگر زوجہ مسماۃ عابدہ نے بھی اس زیادت کو قبول کر لیا ہو یعنی اس کو دوسرے نکاح کی مہر زائد پر ہونے کی اطلاع ہوئی ہو اور اس پر اس نے سکوت کیا اور نکاح ثانی سے انکار نہیں کیا تو یہ مہر لازم ہو گیا جو دخول یا خلوت سے مؤکد بھی ہو گیا اور اگر اس کو اطلاع نہیں ہوئی تو سوال دوبارہ کیا جائے۔

اور مہر مؤجل ہر ملک میں وہاں کی اصطلاح کے موافق ہے بعض جگہ طلاق یا موت کے وقت واجب الادا ہوتا ہے اور بعض بلاد میں وقت مطالبہ زوجہ کے ہم کو بنگال کی اصطلاح معلوم نہیں اس لئے کچھ نہیں کہہ سکتے۔

اور عابدہ جو اپنے باپ کے گھر چلی گئی ہے تو اس کے متعلق بھی یہ بات دریافت طلب ہے کہ وہ مہر کے متعلق کسی جھگڑے کی وجہ سے گئی ہے یا کسی اور بات پر جھگڑا ہوا ہے؟

اور یہ بھی لکھا جائے کہ بنگال میں مہر مؤجل کا ادا مطالبۂ زوجہ پر واجب ہوتا ہے یا طلاق وموت پر؟

اور صورت مسئولہ میں کل مہر مؤجل تھا یا کوئی حصہ معجل بھی تھا اور جو حصہ معجل تھا وہ عابدہ کو وصول ہو گیا یا نہیں؟ واللہ اعلم۔　　۸ ربیع الاول سنہ ۴۶ھ

ایسی عورت جو کسی علت کے سبب جماع کے قابل نہ رہے اس کے مہر وغیرہ کا کیا حکم ہے

سوال (۱۲) بعد آداب کے عرض یہ ہے کہ میرے عزیز رحمٰن بیگ سلمہ کی شادی قریب گیارہ سال ہوئے

جب ان کی خالہ کی لڑکی سے ہوئی تھی جب لڑکی بالغ ہوئی ہم بستری کے لئے اپنے شوہر کے پاس سوئی شوہر ہمبستری یعنی جماع کے لئے آمادہ ہوا تو اندام نہانی میں ایک ہنٹی حائل ہوئی جس کی وجہ سے جماع کرنے سے مجبور رہا دوسرے روز صبح زنانہ شفاخانہ کی لیڈی نے ملاحظہ کیا تو بعد معائنہ کہا کہ یہ عورت مرد کے قابل نہیں ہے اور نہ ہی اس کے پستان چھاتیاں ابھری ہیں مردوں کا سا سینہ صاف ہے۔ اس وقت لڑکی کی عمر ۲۲ سال ہے، عرصہ تک میاں بیوی نے راز کو پوشیدہ رکھا، شفاخانہ کے معائنہ کرانے کے بعد بھی، آخر جب عزیزوں نے مجبور کیا تب صاف صاف بیان کیا، لیڈی ڈاکٹرنی جو انگریزی میم تھی پھر دوبارہ دیکھا اور کہا کہ لڑکے کی شادی دوسری کر دو یہ عورت مرد کے کام کی نہیں ہے لہذا عرض ہے کہ جب دوسری شادی عزیز کی ہو جاوے گی تو اس پہلی عورت کا جو نا قابل مرد ہے اس کا کیا حق اپنے شوہر پر رہے گا یا نہیں رہے گا، مہر پانچ سو روپیہ کا ہے طلاق ابھی نہیں دی ہے دوسری شادی جب ہی ہوگی جب اس پہلی سے نجات ملے گی دوسری شادی جہاں ہوگی بات چیت سب طے ہوگئی ہے مگر اس ہی بنا پر اڑی ہوئی رکی ہوئی ہے کہ پہلی عورت مہر لینے کا حق رکھتی ہے یا نہیں۔ طلاق دینے کے بعد شوہر پر جو کچھ مہر وغیرہ کا حق حقوق ہے۔ براہِ کرم بہت جلد اطلاع دیں کہ اس کو طلاق دیکر دوسری شادی کی جاوے اور یہ نکاح بھی اس عورت سے جائز ہوا یا ناجائز جب کہ وہ مرد کے قابل ہی نہ تھی حدیث سے سب باتوں کے جواب سے شاد فرما دیں؟

الجواب: قال فی الدر والخلوۃ بلا مانع حسی وطبعی وشرعی و رتق بفتحتین التلاحم قرن بالسکون عظم وعفل بفتحتین غدۃ وصغر لا یطاق معہ الجماع کالوطأ فیما یجئ ای فی ثبوت النسب وتاکد المھر الخ ص ۲۲۵۹ وفیہ ایضا ویجب العشرۃ ان سماھا اودونھا ویجب الاکثر منھا ان سمی الاکثر ویتاکد عند وطأ اوخلوۃ صحت اوموت احدھما ویجب نصفہ بطلاق قبل وطأ اوخلوت (صحت) وعاد النصف الی ملک الزوج بمجرد الطلاق اذ لم یکن مسلما لھا وان کان مسلما لھا لم یبطل ملکھا منہ بل توقف عودہ الی ملکہ علی القضاء او الرضی اھ ص ۲۲۵۴۴۔ وفیہ ایضا فی باب القسم یجب ان یعدل فیہ ای فی القسم بالتسویۃ

فی البیتوتۃ وفی الملبوس والمأکول والصحبۃ لا فی المجامعۃ کالمحبۃ بل یستحب بلا فرق بین فحل وخصی وعنین ومجبوب ومریض وصحیح وصبی دخل بامرأتہ وبالغ لم یدخل بحر بحثا واقرہ المصنف ومریضۃ وصحیحۃ وحائض وذات نفاس ومجنونۃ لا تخالف ورتقاء وقرناء وصغیرۃ یمکن وطیھا اھ (ص ۶۵۵ ج ۲)۔

ان عبارات سے امور ذیل مستفاد ہوئے کہ اس عورت سے نکاح درست ہو گیا اور

(۱) اگر اس عورت کو طلاق دے دی گئی تو وہ نصف مہر کی مستحق ہوگی۔

(۲) اور اگر طلاق نہ دی گئی تو زوج کے مرنے پر وہ مہر کامل کی مستحق ہوگی اسی طرح اگر یہ زوجہ مرگئی تو اس کے ورثہ شوہر سے پورے مہر میں حقدار ہوں گے[عہ]۔

(۳) اگر طلاق نہ دی گئی بلکہ اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح کیا گیا تو یہ زوجہ بھی دوسری کی طرح نفقہ و سکنیٰ اور شب باشی میں مساوات کی مستحق ہوگی اس کا حق ان امور میں دوسری سے کم نہ ہوگا ہاں صرف جماع مساوات کی مستحق نہیں کیونکہ وہ جماع کے قابل ہی نہیں اگر قابل بھی ہوتی جب بھی جماع میں مساوات کرنا واجب نہیں صرف مستحب ہوگا، واللہ اعلم۔ ۱۱ر جمادی الاولیٰ ۴۶ھ۔

ایسی عورت جو کسی علت کے سبب جماع کے قابل نہ ہو اس کے مہر وغیرہ کا کیا حکم ہے

سوال (۱۳) ایک کنواری عورت کے والدین جس کی عمر سترہ برس کی ہے اس کی شادی (ایک شریف نوجوان پردیسی کسی شخص سے کرتے ہیں) بعد رخصتی شب عروسی کے اول وقت میں جبکہ عورت کی ساس کچھ مطابق رسم نصیحت پند کرنے جاتی ہے تو عورت نہایت شرم سے اپنی ساس سے کہتی ہے کہ اماں جو کچھ آپ نے فرمایا یہ درست ہے میں اس کو شکر کیا کروں میں اس قابل ہی نہیں کہ میں ان کے پاس یا وہ میرے پاس آسکیں میں مجبور ہوں زیادہ دریافت حال پر عورت نے کہا کہ میرا جسم اور عورتوں کا سا نہیں ہے قدرت نے پیشاب کے واسطے صرف چھوٹا سا سوراخ عطا کیا ہے تو اس پر اس کی ساس دو عورتوں کو بلاتی ہے اور اس کا جسم دیکھ کر تصدیق کرتی ہے کہ دلہن کا بیان سچ ہے۔

عہ اور ان ورثہ میں شوہر بھی ہے اس کا حصہ شرعی مہر میں سے معاف ہو جاوے گا ۱۲ اشرف علی

کہا جاتا ہے کہ شادی کیوں کرائی۔ وہ جواب دیتی ہے کہ میرے ماں باپ میں ایک وقت بحث بھی ہوئی مگر میرے والد نے والدہ کو ڈانٹا جو میں نے سُنا اور مجھے بھی خاموش کر دیا گیا میں مجبور تھی۔ چنانچہ لڑکے کو ہنوز اس عورت کے پاس نہیں جانے دیا اس کے والدین کو بلایا گیا وہ اپنی خطا پر نادم ہو کر لڑکی کو گھر واپس لے گئے اور کہا کہ ہم علاج کرا کر واپس کریں گے علاج کرایا گیا چار برس سے ہنوز آرام نہیں ہوا۔ لڑکا حیران ہے کہتا ہے کہ طلاق ہی دلا دو میں دوسری جگہ شادی کر لوں میری عمر مت ضائع کرو اس عورت کے ماں باپ زور دیتے ہیں کہ مہر اور ہمارا سامان واپس کر دو۔ لڑکا غریب ہے مجبور ہے لڑکا کہتا ہے میرا اس میں کیا قصور ہے کیا مجھے آپ نے آگاہ کیا میری شادی کرنے کا کیا یہی نتیجہ ہے شادی اسی لئے ہوتی ہے کہ ایسے دھوکہ دیا جاوے محض کسی ناجائز لالچ سے جس کی تم کو خبر تھی افسوس ہے۔ امید ہے کہ با مُہر فتویٰ مرحمت فرماویں اور چونکہ حضور سادہ کارڈ پر جواب صادر فرماویں گے کچھ تفصیل ضرور ہو کہ ہر آدمی وقت فیصلہ سمجھ سکے حضور کے جواب کا انتظار ہے (۱) یہ کہ ایجاب قبول ہوئے یا نہیں؟ (۲) نکاح ہوا یا نہیں (۳) اس دھوکہ کی صورت میں مہر واجب ہوا یا نہیں؟ جبکہ یہ عورت اور اُس کے ماں باپ کا قصور ہے زیادہ والسلام

الجواب: صورت مسئولہ میں نکاح درست ہو گیا کیونکہ صحت نکاح کے لئے عورت کا عورت ہونا کافی ہے قابل جماع ہونا ضروری نہیں۔ اب اگر اس کو طلاق دی گئی تو چونکہ یہ طلاق قبل از دخول وخلوت صحیحہ ہے اس لئے شوہر پر مہر کامل تو واجب نہو گا ہاں نصف مہر واجب ہو گا۔ اور مہر عورت کا حق ہے جو نکاح سے واجب ہو جاتا ہے، عورت یا والدین کے قصور سے مہر ساقط نہیں ہو سکتا ہاں اگر بیوی مہر کو معاف کر دے تو وہ اپنا حق معاف کر سکتی ہے، واللہ اعلم۔ ۲۲ رجب ۱۳۴۶ھ۔

جہیز وغیرہ دینے کا حکم

سوال (۱۴۲) بعد سلام مسنون دیگر ممالک کی مجھے خبر نہیں مگر ہندوستان میں عام طور پر رواج ہے کہ شادی میں لڑکے اور لڑکی کو سسرال سے شادیانہ کپڑے دیئے جاتے ہیں میرے خیال میں عوام اور خواص سب ہی اس کو لازم اور واجب سمجھتے ہیں کیونکہ کوئی شادی آج تک ایسی نہ دیکھی گئی اور نہ سُنی گئی کہ جس میں کپڑے نہ دیئے گئے ہوں کپڑے دینے کے لئے لوگ بہت کچھ اہتمام کرتے ہیں اور شادی کا ایک ضروری جزو سمجھتے ہیں کیا یہ ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ لوگ قولاً اور فعلاً ثابت کر رہے ہیں۔ جناب حضرت نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی متعدد شادیاں کیں۔ ان کی بنات طیبات کی شادیاں ہوئیں کیا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان شادیوں میں کپڑے لئے دیئے تھے۔ حضرات صحابہؓ اور صحابیاتؓ کی شادیوں میں کپڑوں کے لین دین رائج تھی۔ حضرات تابعین اور تبع تابعین نیز ائمہ دین متین کے زمانے میں یہ رسم ورواج تھا یا نہیں اگر نہیں تھا تو کب سے رواج ہوا شادیوں میں شادیانہ کپڑے لئے دیئے جائیں یا نہیں۔ جو حکم شرعی ہو مفصل مدلل تحریر فرما کر مخلوقات خدا کو راہِ راست سے واقف فرمائیں اور عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب: باپ اپنی لڑکی کو نکاح کے وقت جہیز دینا سنت نبویہ سے ثابت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کو شادی کے وقت جہیز[عہ] دیا ہے۔ اسی طرح نکاح کے وقت شوہر کا عورت کو زیور کپڑے وغیرہ دینا سنت سے ثابت ہے۔ حضرت علیؓ نے جس وقت نکاح کے بعد حضرت فاطمہؓ کے پاس جانا چاہا تو حضور نے فرمایا اعطها شيئا قال ما عندي ما اعطيها قال فاين درعك الحطمية الحديث وفي حديث الواهبة نفسها لرسول الله صلى الله عليه وسلم ولم يكن له فيها غرض فقام رجل وقال زوجنيها يا رسول الله ان لم يكن لك بها حاجة فقال هل عندك ما تعطيها قال لا الا ازاري قال فالتمس شيئا ولو خاتما من الحديد الحديث كلاهما صحيح۔

ان روایات سے ثابت ہے کہ شوہر کو عورت کے پاس جانے سے پہلے اس کو کچھ دینا چاہئے یہ عورت کا حق ہے۔

پس شادی میں کپڑے زیور وغیرہ دینے کا جو رواج ہے یہ رواج فی نفسہ خلاف شرع نہیں۔ البتہ اس میں افراط وغلو مناسب نہیں کہ اس قدر اہتمام کیا جائے جس سے پریشانی ہو اور قرض کا بار عظیم ہو جائے۔ باقی اپنی حیثیت کے موافق اہتمام کرنا شریعت کے موافق ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور لڑکے کو جو جوڑا دیا جاتا ہے اس کا ثبوت جزئی تو نہیں ہے مگر کلی ثبوت حدیث

عہ قلت ذكر الحافظ حديث جهازها وكذا حديث عليّ اعطها درعك الحطمية في ترجمة فاطمة من الاصابة (ص ۱۵۸ و ۱۵۹ ج ۸) ۱۲ ظفر

تہادوا تحابوا سے اس کا بھی ہے کیونکہ اس کا منشا محض اکرام و محبت کا اظہار ہے اگر غلو نہ ہو تو اس کا بھی مضائقہ نہیں، واللہ اعلم۔ ۱۲ ربیع الاول ۴۷ھ۔

ادائیگی مہر میں شوہر اور بیوی کے درمیان بعض شرائط کا حکم

سوال کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک عورت سے کہ تمہارے دو ہزار روپیہ مہر ہے مگر اس شرط پر کہ تم کو اگر میں نے بلا کسی وجہ کے طلاق دے دیا یا گھر سے نکال دیا تو مہر دے دوں گا خواہ معجل ہو یا غیر معجل ہو کوئی تخصیص نہیں ہے اگر اس قسم کے وجوہات پیش نہ آئے تو مہر نہ دوں گا آیا یہ شرط فاسد ہے یا صحیح ہے نیز اس صورت میں مہر مثل ہوگا یا رقم مذکورہ مبلغ دو ہزار روپیہ جو متعین ہے ادا کرے گا اور عورت کی طرف سے یہ عہد ہے کہ ہر طرح سے خاوند کی فرمانبردار رہوں گی۔ اور اگر خاوند کی مرضی کے خلاف کوئی کام مجھ سے سرزد ہوئے تو معاہدہ مندرجہ بالا کالعدم و باطل تصور ہوگا آیا اس آخری شرط کے ماننے کے بعد مہر مثل ہوگا یا نہیں صاف تحریر فرماویں۔ بغرض مزید تفصیل نقل اقرار نامہ بھی ارسال ہے۔

نقل اقرار نامہ ملخصاً

منمقر نے مسماۃ لطیفن الخ سے نکاح ثانی کر کے اپنی زوجیت میں لایا ہے مسماۃ مذکور کا مہر دو ہزار روپیہ شرائط ذیل پر قرار پایا ہے کہ ہر دو معاقدین کا خداوند عالم اتفاق و محبت سے زندگی بسر کرادے۔ اگر خاوند بلا کسی وجہ یا قصور کے طلاق دے یا گھر سے نکال دے تو مبلغ دو ہزار روپیہ دینا پڑے گا۔ آگے چلکر بیوی کا اقرار ہے

اگر خاوند کی مرضی کے خلاف کوئی کام مجھ سے سرزد ہووے گا تو یہ معاہدہ مندرجہ بالا کالعدم و باطل تصور ہوگا اور منمقر خاوند کو کوئی عورت شادی شدہ یا نکاح ثانی میری موجودگی میں رکھنے کا ہرگز اختیار نہ ہوگا۔

دیگر یہ بھی فرماویں کہ خاوند کے کاروبار خانگی بذمہ عورت کون کون سے ضروری ہیں؟ زیادہ والسلام۔

الجواب: یہ شرط فاسد ہے اور عورت مدخول بہا ہے تو وہ ہر حالت میں دو ہزار کی مستحق ہے خواہ اس کو طلاق دی جائے یا نہ دی جائے گھر سے نکالا جائے یا نہ نکالا جائے اور صورت مسئولہ میں مہر مثل کا کوئی احتمال نہیں لعدم التردید فی

کمیة المھر وعدم تعلیقه علیٰ شئ وانما علق اداءه وعدم اداءه علیٰ شرائط بعد ما جعل المھر الفین کما ھو ظاھر من نقل اقرارنامة، واللہ اعلم۔

اور عورت کے عہد سے بھی مہر کا ابطال نہیں ہوا بلکہ وہ عہد ہی لغو ہے وہ جب تک صراحۃً معاف نہ کرے اور خوشی سے معاف نہ کرے تو معاف نہ ہوگا۔

اور بیوی کے ذمہ چار باتیں لازم ہیں جن پر شوہر اس کو مجبور کرسکتا ہے:

(۱) جب شوہر مجامعت کے لئے بلاوے اور عورت بیمار نہ ہو تو انکار نہ کرے۔

(۲) شوہر اگر زینت کا طالب ہو تو اس کے لئے زینت وآرائش کیا کرے بشرطیکہ زینت خلاف شرع نہ ہو۔

(۳) شوہر کے گھر سے بدون اس کی اجازت کے باہر قدم نہ رکھے نہ کسی نامحرم کے سامنے چہرہ کھولے۔

(۴) جس شخص کا گھر میں آنا شوہر کو گوارا نہیں اس کو گھر میں آنے کی اجازت نہ دے۔

ان امور کے سوا اور کسی بات پر مرد عورت کو مجبور نہیں کرسکتا اگر مجبور کرے گا، گنہگار ہوگا۔ البتہ عورت کو دیانۃً واجب ہے کہ شوہر جس مباح شرعی کا امر کرے اور اس کی طاقت سے باہر کام نہ ہو اس کو بجالائے خواہ شوہر کو اس کے حکم کا حق ہو یا نہ ہو گو وہ بلا استحقاق کسی زائد کام کا بدون رضا کے حکم کرے گا تو گنہگار ہوگا۔ لیکن اگر وہ عمل شرعاً مباح اور عورت کی قدرت میں داخل تھا تو عورت بھی مخالفت امر زوج سے گنہگار ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

یکم ذی الحجہ ۴۷ھ۔

مہر مثل کی تحقیق نہ ہوسکے یا وہ عرفاً مختلف ہو تو کس مہر پر فیصلہ کیا جائے

سوال (۱۶) مہر مثل کی تعریف جو فقہاء نے لکھی ہے اگر اس کی تحقیق نہ ہوسکے یا وہ عرفاً مختلف ہو تو پھر کس مہر پر فیصلہ کیا جاوے گا یا مہر مسمیٰ ہی ہر حالت میں معتبر ہوگا؟

الجواب: فقہاء نے جو مہر مثل کی تعریف لکھی ہے اس کی تحقیق کی ضرورت وہاں ہے جہاں اختلاف صفات زوجین سے مہر خاندانی مختلف ہوجاتا ہے اور جہاں مہر خاندانی ہر حال میں واحد ہو کہ خاندان کی ہر لڑکی کا مہر اس سے کم نہ ہوگا اور غالب احوال میں زیادہ بھی نہیں ہوتا اِلّا نادراً لعارضٍ تو وہاں مہر خاندانی ہی مہر مثل ہوگا اور ہندوستان میں اکثر مقامات پر ہر قوم کا مہر ہر شہر میں رواجاً معین ہے اس سے کم و بیش نہیں ہوتا

پس اسی کو مہر خاندانی کہا جائے گا اور اگر کسی قوم میں مختلف مہور ہوں تو ہر لڑکی کی پھوپیوں، اور چچازاد بہنوں کا مہر اس کے حق میں مہر مثل ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم۔ یکم صفر ۴۸ھ

سقوط مہر کے متعلق "بیان القرآن" کی ایک عبارت کی تشریح

سوال (۷) آپ کے مترجم قرآن عظیم کے والمحصنٰت کے حاشیہ پر یہ مضمون مرقوم ہے کہ اگر صحبت یا خلوت نہیں ہوئی اور[1] مرد چھوڑ دے تو نصف مہر لازم ہوگا یہ تو ظاہر ہے اور آگے یہ لکھا ہے کہ اگر عورت ایسا کام کرے جس سے نکاح ٹوٹ جاوے تو پھر بالکل مہر لازم نہ آئے گا اس سے کفر مراد ہے یا اور کچھ ہے؟

الجواب: عورت کی جانب سے نکاح ٹوٹنے کی صورت ایک یہ بھی ہے کہ عورت مرتد ہو جاوے اور اس کے علاوہ دوسری صورتیں بھی ہیں مثلاً کافر[1] مرد و عورت کا نکاح ہوا تھا مرد مسلمان ہوگیا اور عورت نے اسلام سے انکار کر دیا۔ یا[2] عورت نے خاوند کے بیٹے سے بشہوت تقبیل کی۔ یا[3] رضاع کا تحقق ہوا (یعنی ایک بالغہ سے کسی نے نکاح کیا اور ایک چھوٹی بچی سے جس کی عمر دو سال سے کم ہو اور کبیرہ نے صغیرہ کو دودھ پلا دیا اور اب تک اس سے دخول نہ ہوا تھا تو کبیرہ کا مہر ساقط ہوگیا اور دونوں حرام ہوگئیں کما فی العالمگیریۃ ص ۲۷۵ اذا تزوج الرجل صغیرۃً وکبیرۃً فارضعت الکبیرۃُ الصّغیرۃَ حرمتا علی الزوج ثم ان لم یدخل بالکبیرۃ فلا مہر لھا الخ یا[4] خیار بلوغ و عتق کی حالت میں عورت نے نکاح فسخ کر دیا۔ یا[5] کفو نہ ہونے کے سبب۔ کما فی العالمگیریۃ ص ۲۲۳ وان جاءت الفرقۃ من جھتھا فلا تجب (ای المتعۃ) کردتھا و ابائھا الاسلام وتقبیلھا ابن الزوج بشھوۃ والرضاع و خیار البلوغ وخیار العتق وعدم الکفاءۃ الی ان قال وکل موضع لا تجب المتعۃ فیہ عند عدم التسمیۃ لا ینصف المسمیٰ عند وجودھا کذا فی التبیین۔

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ۔

عورت مہر کا روپیہ کس کس کام میں لا سکتی ہے

سوال (۱۸) زید نے اپنی زوجہ کا مہر ادا کر دیا مہر کا روپیہ زید کی زوجہ کے پاس موجود ہے اب وہ مہر کا روپیہ خیرات کر دیوے یا کسی مسجد یا مدرسہ وغیرہا میں صرف کر دیوے تو جائز ہے یا نہیں علاوہ اس کے مہر کا روپیہ کس کام میں لانا چاہیئے؟

[1] یعنی اگر صحبت یا خلوت سے پہلے شوہر اپنی بیوی کو طلاق دیدے۔ (دلاور حسین دکھلائی)

الجواب: اس کی ملک ہے اس کو پورا اختیار ہے جو چاہے کرے۔

تنبیہ: اگر یہ روپیہ اتنا ہے کہ حج ہو سکے اور اس نے حج نہ کیا ہو تو حج کرنا فرض ہے اور اگر حج کے لئے کافی نہ ہو یا حج کر چکی ہو تو خواہ جمع رکھے اور زکوٰۃ ادا کرتی رہے یا شوہر کو دیدے یا اقارب وغیرہ پر صدقہ یا ھدیہ صرف کر دے خواہ خیرات کر دے ہر طرح اختیار ہے۔

۱۵ر رمضان ۴۸ھ۔

مہر مثل کے بارے میں

سوال (۱۹) زید ولی بالغ جو چچیرا بھائی ہندہ نابالغہ کا ہے اس نے ہندہ سے گواہوں کے سامنے بعوض پندرہ ہزار روپیہ دین مہر کے اپنا نکاح کر لیا اور اس دیار میں مہر معین نہیں ہے کسی کا چالیس ہزار کسی کا تیس ہزار کسی کا پچیس ہزار کسی کا بیس ہزار کسی کا پندرہ ہزار کسی کا دس ہزار علیٰ ھذا القیاس ہوا کرتا ہے۔ اور ہندہ کی ادھالی عورتیں میں یا اس قبیلہ میں جو ہندہ کے باپ کے قبیلہ کے مماثل ہو۔ کوئی ایسی عورت جو اپنے نکاح کے وقت میں ہندہ کے ساتھ مساوات و مماثلت رکھتی ہو نہیں موجود ہے کہ اس عورت کا جو مہر مقرر ہوا ہو وہی مہر ہندہ کا قرار دیا جائے تو یہ پندرہ ہزار غبن فاحش ہے یا نہیں اور جبکہ ایسی کوئی عورت جو دونوں میں عقد کے وقت مساوات ہو نہیں ملتی ہے تو یہ نکاح صحیح ہوگا یا نہیں۔ اگر نہیں صحیح ہے تو صحیح ہونے کی کیا صورت ہے بینوا توجروا۔

الجواب من بعض العلماء:

سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم۔ جبکہ اس دیار میں تقدیر مہر بمقدار معین نہیں ہے اور نہ کوئی ایسی عورت خاندانی موجود ہے جس میں ہندہ کے اوصاف کا اجتماع ہو تو ولی بالغ کو نابالغہ سے چالیس ہزار یا پچیس ہزار میں اپنے ساتھ نکاح کرنا تھا تاکہ پندرہ ہزار میں غبن متصور نہ ہوتا چونکہ ولی نے اپنے ساتھ پندرہ ہزار میں بلا وجود عورت متساویہ مماثلہ نکاح کیا ہے لہذا یہ نکاح صحیح نہ ہوگا ولی کو پھر نکاح بلا مہر مقرر کئے کرنا چاہئے کہ اگر پہلا نکاح صحیح نہ ہوا ہو تو نکاح ثانی صحیح ہوگا۔ فتاوی ہندیہ میں ہے واذا زوج غیر الاب والجد الصغیرۃ فالاحتیاط ان یعقد مرتین مرۃ بمھر مسمی ومرۃ بغیر مھر مسمی لامرین احدھما انہ لو کان فی التسمیۃ نقصان لا یصح النکاح الاول ویصح الثانی بمھر المثل والثانی ان الزوج لو کان حلف بطلاق امرأۃ یتزوجھا بلفظ ان اتزوج او بلفظ کل امرأۃ اتزوجھا

ینعقد الثانی بمہر المثل وتحل انتھی وھکذا فی فتاوی قاضی خان وقال فی رد المحتار (ص۵) نقلاً عن البحر ولذا ذکرہ فی الخانیۃ وغیرھا ان غیر الاب والجد اذا زوج الصغیرۃ فالاحوط ان یزوجھا مرتین مرۃ بمہر مسمی ومرۃ بغیر التسمیۃ لانہ لو کان فی التسمیۃ نقصان فاحش ولم یصح النکاح الاول یصح الثانی ولیس للتزویج من غیر کفوٴ حیلۃ کما لا یخفی۔

ہاں اگر کوئی عورت ہندہ کے دادہالی عورتوں میں سے یا اس قبیلہ میں سے جو ہندہ کے باپ کے قبیلہ کے مماثل ہو۔ ایسی عورت ہو کہ جو اوصاف ہندہ میں ہوں وہ اس عورت میں بھی ہوں تو اس عورت کا جو مہر ہے وہی ہندہ کا ہوگا، اگر اس عورت کا مہر پندرہ ہزار مقرر ہوا تھا تو ہندہ کا بھی پندرہ ہزار یا آٹھ نو ہزار تک ہو سکتا ہے ایسی صورت میں دوبارہ نکاح کی حاجت نہیں۔ اور مہر بالمثل کی تعریف عالمگیری میں یہ لکھی ہے۔

ومہر مثلھا یعتبر بقوم ابیھا اذا استویا سنا وجمالا وبلدا وعصرا ودینا وبکارۃ وکذا یشترط ان تستویا فی العلم والادب وکمال الخلق وان لا یکون لھما ولد۔ کذا فی التبیین کذا۔ انتھی، واللہ اعلم بالصواب۔ محمد عبدالرشید۔ ذوالقعدۃ سنہ ۱۳۴۸ھ۔

الجواب من جامع امداد الاحکام:

اس میں شک نہیں کہ دوبارہ تسمیہ مہر نکاح کر لینا احوط ہے لیکن مہر مثل دادہالی خاندانی ہی میں منحصر نہیں بلکہ اگر کسی عورت کا مثل دادہالی خاندان میں نہ ہو تو ننہالی خاندان سے مہر مثل اس کا معلوم کیا جائے اگر اس میں بھی نہ مل سکے تو دوسرے اجنبی خاندانوں میں جو خاندان اس عورت کے باپ کے خاندان کا عرفاً مماثل ہو اس سے مہر مثل معلوم کیا جائے نیز یہ امر بھی قابل تنبیہ ہے کہ مہر مثل میں جن اوصاف کے اندر عورتوں کی مماثلت کو فقہاء نے بیان کیا ہے اس سے یہ مراد نہیں کہ سب اوصاف میں مماثلت شرط ہے بلکہ بعض اوصاف میں بھی مماثلت کافی ہے صرح بہ فی الشامیۃ (ص ۵۸۳ ج ۲) اس کے بعد امید ہے کہ اس عورت کا مثل اس کے دادھیالی خاندان میں بھی مل جائے گا۔

واللہ اعلم۔ ۱۵ ذیقعدہ سنہ ۴۸ھ۔

***

فصل فی القسم عند تعدد الازواج

دن کے وقت بیویوں کے درمیان عدل کرنا واجب نہیں

سوال (۱) بہشتی زیور سے معلوم ہوا ہے کہ بیبیوں کے درمیان رات میں برابری ضرور چاہئے دن میں برابری نہیں ہے تو اگر کسی بی بی کی باری میں اس کے یہاں دن کو کھانا کھا کر دوسری بی بی کے گھر پر جس کے یہاں باری نہیں ہے دن کو علیحدہ چارپائی پر جاکر سو رہے تو درست ہے یا نہیں ؟

الجواب : یہ صورت درست ہے، واللہ اعلم ۔ ۲۷ شوال ۴۰ھ ۔

بیویوں کے درمیان عدل کرنے کے معنیٰ اور فقہاء کے کلام پر ایک اشکال کا جواب

سوال (۲) متعدد ازواج میں عدل کا حکم قرآن سے ثابت ہے اور وہاں اسے عام رکھا گیا ہے جس کے معنیٰ یہ سمجھ میں آتے ہیں کہ کم از کم امور اختیاریہ میں تو من کل الوجوہ عدل ہونا چاہئے یعنی سفر میں اور نفقہ میں اور وطی میں، سفر میں بھی پھر فقہاء نے اجازت دی ہے کہ خواہ جسے لے جاوے۔ نفقہ میں موسرہ اور معسرہ کی حالت کا اعتبار کیا ہے جس سے ممکن اور اغلب ہے کہ ایک کی حیثیت سو روپیہ ماہوار کی ہو اور ایک کی دس روپیہ ماہوار کی۔ وطی میں بھی عدل نہیں ہے بلکہ اختیاری زوجہ پر موقوف ہے۔ اس کے بعد عدل واقعی نہیں رہتا بلکہ ایک فرضی دکھاوے کی صورت رہ جاتی ہے کہ قسم میں دونوں برابر رہیں ۔

الجواب : آپ نے عدل کے معنی تسویہ سمجھے ہیں اس لئے غلط فہمی ہوئی عدل کے معنیٰ جور[1] کے مقابل ہیں یعنی ہر چیز کے ساتھ اس کے مناسب اور حق واجب کے موافق برتاؤ کرنا پس اگر زوجین یسار و اعسار میں مساوی ہیں تو نفقہ میں تسویہ ورنہ حسب حیثیت عدل واجب ہے۔ تعدد ازواج کی صورت میں تسویہ صرف بیتوتہ وصلات زائدہ میں واجب ہے جبکہ سب حرائر ہوں بقیہ امور میں عدل ہی واجب ہے نہ کہ تسویہ ۔ ۸ر شوال ۔

مسائل متفرقہ متعلقہ نکاح

حضرت امام حسینؓ اور حضرت شہربانو کے نکاح کی تحقیق

سوال (۱) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں جو مال غنیمت میں آیا تھا اس میں حضرت شہربانو رضی اللہ عنہا آئیں تھی اور وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے صاحبزادہ بڑے صاحب کو بغیر نکاح کئے ہوئے دے دی گئیں

[1] یعنی ظلم ۔ دلاور حسین بنگلہ دیشی ۔

چونکہ اتنا تو مجھے معلوم ہے کہ جو مال غنیمت میں اس زمانہ میں آیا کرتا اور اس میں عورتیں یا لڑکے آتے تھے وہ ویسی ہی تقسیم کردیا جایا کرتا تھا یا آزاد کردیا جاتا تھا ان سے نکاح اللہ تعالیٰ نے جائز نہیں رکھا تھا اور یہ شیعہ لوگ جو ہیں وہ کہتے ہیں کہ نکاح ہوا ہے۔ ہمارے بھوپال میں ایک شخص سید صاحب مشہور ہیں وہ تو سنت جماعت ہیں انہوں نے اپنے مکان میں ایک شیعہ صاحب یعنی میر صاحب کو مہمان ٹھیرالیا ہے وہ شخص رات دن ہر شخص سے مناظرہ کیا کرتا ہے چونکہ میں بھی ان کے مکان میں رہتا تھا ایک روز مجھ سے میر صاحب نے گفتگو کری، میں نے ان سے سوال کیا کہ ایک بات تم بتاؤ انہوں نے حامی بھری اور فرمایا کہ کہئے میں نے پھر ان سے سوال کیا کہ میر صاحب آپ ہر شخص سے مناظرہ کرتے ہیں ایک بات کا ہماری جواب دے دو حالانکہ میں نے ان سے صرف پہلے اتنا دریافت کیا کہ تم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کو حق مانتے ہو تو پھر نکاح تم حضرت شہر بانو کا کہاں سے ثابت کرتے ہو چونکہ ہم نے تو سُنا ہے کہ نکاح ثابت نہیں ہے اور نہ نکاح ہوتا ہے جب مال خلافت میں آتا ہے تو ان کا نکاح رب العالمین نے جائز نہیں رکھا ہے لہذا میر صاحب غلطی پر ہوا اور نیز میں نے ان کو یہ کہا کہ جو لوگ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کو حق مانتے ہیں اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے نکاح جائز نہیں رکھا ہے وہ سید تو حلالی اور جو اس کو نہیں مانتے ہیں وہ حرامی ہیں۔

الجواب: غنیمت میں جو باندیاں آتی ہیں اُن کے ساتھ باندی رکھکر تو بیشک نکاح جائز نہیں۔ لیکن یہ ہوسکتا ہے کہ جس شخص کو باندی دی جائے وہ اس باندی کو آزاد کرکے اس سے نکاح کرلے تو ممکن ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ نے شہر بانو رضی اللہ عنہا کو آزاد کرکے ان سے نکاح کرلیا ہو بدون تحقیق کے اس احتمال کو رد نہیں کیا جاسکتا نیز سائل کا یہ قول بھی غلط ہے کہ سید لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو نہیں مانتے وہ حرامی ہیں، حرامی یا حلالی ہونے میں خلافت کے ماننے نہ ماننے کو کیا دخل؟ فقط۔ ۲۶ ربیع الثانی ۴۵ھ

بیوی پر گھر کا کام اور روٹی پکانا واجب ہے یا نہیں

سوال (۲) بیوی کے ذمہ شوہر کے لئے روٹی پکانا اور گھر کے کام کاج کرنا واجب ہیں یا نہیں؟

الجواب: زوجہ کے ذمہ شوہر کی خدمت و اعمال بیت دیانۃً واجب ہیں قضاءً نہیں لہذا شوہر اس کو مجبور نہیں کرسکتا۔ لیکن اگر انکار کرے گی گنہگار ہوگی (بشرط قدرت تھا

وعدم عجزها) قال فی الدر[1] استاجر امرأته لتخبز له خبزا للاکل لم یجز وللبیع جاز۔ صیرفیۃ۔ قال الشامی قوله لم یجز لان هذا العمل من الواجب علیها دیانۃً .... وافاد المصنف آخر الباب ان استیجار المرأة للطبخ والخبز وسائر اعمال البیت لا تنعقد ونقله عن المضمرات ط قلت کأنه لانه واجب علیها دیانۃً ثم راجعت باب النفقة فرأیته علل به وزاد ولو شریفة لانه علیه السلام قسم الاعمال الخ وهذا یدل علی ما قدمنا من ان المفتی به عند المتاخرین فی الاستیجار علی الطاعات ما نصوا علیه لا کل طاعة اھ ص ۵۹ ج ۵۔ ۳ر شعبان سنہ ۴۱ھ

منکوحہ نو مسلمہ اگر بت خانہ میں جاکر افعال شرکیہ کرے تو وہ مسلمہ ہے یا نہیں

سوال (۳) ایک مسلمان شخص نے ایک مشرکہ عورت کو کلمہ وغیرہ پڑھا کر نکاح میں لایا بعد نکاح کے وہی عورت اپنے بت خانوں میں جاتی ہے اور وہاں کے رسم وغیرہ بھی بجالاتی ہے اور اسکے لڑکے وغیرہ تو سخت تعصب کرتے ہیں کہ مسلمان مذہب کچھ نہیں اور جب تمام گھر والے بت خانے میں جاتے ہیں تو ان کے خاوند بھی ساتھ جاتے ہیں جو کچھ مشرکوں کے یہاں رسم ورواج ہے سب دیکھ بھال کرتے ہیں نہ اپنی عورت کو منع کرتے ہیں نہ اولاد کو ایسے گھروں میں دعوت ہونے سے کچھ کھا سکتے ہیں یا نہیں اگر کسی قوم کے پیشوا نے کھائی تو اس کے پیچھے اقتداء کرنا جائز ہے یا نہیں حالانکہ یہ پیشوا خوب حالت سے واقف ہے اگر نہیں دیکھا تو سنا ضرور ہے۔

الجواب: جب وہ عورت بدستور بت خانہ میں جاتی ہے اور وہاں جاکر افعال شرکیہ کرتی ہے اور اسکی اولاد یہ کہتی ہے کہ مسلمان مذہب کچھ نہیں تو یہ عورت اور اس کی اولاد مرتد ہے اور اگر شوہر بھی ان کے افعال شرکیہ سے راضی ہے تو وہ بھی مرتد ہے اس کے ساتھ سلام وکلام وتعلقات وغیرہ نہ رکھنا چاہئیں جب تک کہ یہ سب ان افعال سے توبہ نہ کریں اور توبہ کے بعد تجدید نکاح بھی لازم ہے مقتداؤں کو ایسے شخص کے یہاں دعوت قبول نہ کرنا چاہئے لیکن اگر کوئی بیحیائی سے قبول کرے تو اس کے پیچھے نماز درست رہے گی۔ واللہ اعلم۔

۶ر شعبان سنہ ۴۳ھ

سالی سے زنا کرنے سے بیوی حرام نہیں ہوتی

سوال (۴) اگر کوئی شخص اپنی بیوی کی بہن سے زنا کرے اور حمل قرار پائے یا نہیں تو اس کی اصل بیوی اس کے تحت میں رہے گی یا نہیں؟

[1] تحت فروع قبیل باب ضمان الأجیر من کتاب الاستیجار ۶: ۶۲ - ایچ - ایم سعید کمپنی۔ دلاور حسین بنگلہ دیشی۔

الجواب: بیوی کی بہن سے زنا کرنے سے اصل بیوی حرام نہیں ہوتی اس کا نکاح بحالہ باقی ہے ہاں زانی کو گناہ شدید ہوگا۔

شوہر اپنی بیوی کو والدین کے گھر سے جبراً لا سکتا ہے

سوال (۵) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ ایک شخص کی منکوحہ عقد نکاح کے ایک سال بعد اپنے والدین کے گھر چند روز کے لئے بغرض ملاقات گئی فی الحال عرصہ دو سال کا ہوتا ہے کہ زوجہ مذکورہ اپنے والدین کے گھر ہے شوہر اب تک برابر نان ونفقہ سے خبر گیری کرتا رہا اور چاہتا ہے کہ اپنی بیوی کو اپنے گھر لے آوے مگر بیوی کے والدین بعضے مصالح دنیویہ کی وجہ سے رضامندی سے چھوڑنا نہیں چاہتے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا شوہر کو شرعاً اختیار ہے کہ بجبر واکراہ اپنی بیوی کو یا باستعانت قانون گورنمنٹ اپنی گھر لے آوے اگر ایسا اختیار ہے تو کتاب کا حوالہ بقید صفحہ تحریر فرما کر ممنون فرماویں۔

الجواب: فی تنویر الابصار ولها منعه من الوطی والسفر بها ولو بعد وطی وخلوة رضیتهما لاخذ ما بین تعجیله او قدر ما یعجل لمثلها عرفا ان لم یوجل کله وقال الشامی (قوله والسفر) الاولیٰ التعبیر بالاخراج کما عبر فی الکنز لیعم الاخراج من بیتها کما قاله شارحوه ط (قوله لاخذ ما بین تعجیله) علة لقوله ولها منعه او غایة له واللام بمعنی الیٰ (قوله اوقدر ما یعجل الخ) ای ان لم یبین تعجیله او تعجیل بعضه فلها المنع لاخذ ما یعجل لها عرفا وفی الصیرفیة الفتوی علی اعتبار عرف بلدهما الخ (ص ۵۸۷ و ۵۸۸ ج ۲)۔

پس اگر وہ شخص مہر معجل ادا کر چکا ہے تو اس کو اختیار ہے کہ باوجود عورت یا اس کے والدین کی رضامندی نہ ہونے کے عورت کو لے آوے اور اگر مہر معجل ادا نہیں کیا تو جب تک ادا نہ کیا جاوے اس وقت تک عورت کو اختیار ہے کہ وہ آنے سے انکار کردے۔

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ ۱۵ ج ۲ ۴۴ھ

اور اگر عرف یہ ہو کہ مہر کل مؤجل ہوتا ہو جو موت یا طلاق ہی کے وقت مانگا جاتا ہے جیسا کہ ہماری اطراف میں عرف ہے تو پھر عورت کو انکار کا کچھ حق نہیں اور مسافت قصر سے کم مسافت میں شوہر جہاں چاہے اس کو لیجائے اور اپنے گھر پر تو جبراً لا سکتا ہے فقط ظفر احمد عفا عنہ ۱۶ ج ۲ ۴۴ھ

بیوی سے کتنی مدت تک نہ ملنے کی اجازت ہے

سوال (۶) کیا یہ صحیح ہے کہ انسان اگر سفر میں جائے کسی ضروری کام کے لئے اور اس کا وہ کام اب تک ختم نہو اور اس میں چار ماہ ہو جائیں تو بیوی سے چار ماہ میں نہ ملنے سے وہ گنہگار ہوتا ہے ؟ یا کہ وہ مختار ہے کہ جہاں تک چاہے سفر میں رہ سکے۔

الجواب ؛ اس صورت میں گناہ ہونا مطلقاً لازم نہیں بلکہ قاعدہ یہ ہے کہ بیوی سے دیانۃً اتنی مدت تک نہ ملنے سے گناہ ہوتا ہے جس میں اندیشہ اس کی عفت زائل ہونے کا ہو یا یہ اندیشہ ہو کہ اس کو غیر مردوں کی طرف التفات ہوگا اب اس کو ہر شخص اپنی بیوی کی حالت میں غور کر کے دیکھ لے کہ اس کی بیوی کتنی مدت تک مرد سے صبر کر سکتی ہے اور کتنی مدت میں اس کو مرد کی طرف اشتیاق ہوتا ہے بعض فقہاء نے اندازہ سے چار ماہ اس کی مدت مقرر کی ہے وھی مدۃ الایلاء وبھا امر عمرؓ ان لا یحبس رجل فوقھا فی الجیش۔ مگر اختلاف حالات وامزجہ سے اس میں کمی بیشی بھی ہو سکتی ہے، واللہ اعلم۔ ۱۶ر ج ۱ ۱۳۴۶ھ

کیا عورت کا مرد پر حق ہے کہ وہ رات کو اپنے بستر پر لٹائے

سوال (۷) کیا مرد پر عورت کا حق ہے کہ رات کو اپنے بستر پر لٹاوے یا فقط ایک گھر میں ۔ یا کچھ بھی ضروری نہیں دوسرے گھر میں بھی رکھ سکتا ہے اور ایفائے حق جماع کے لئے کبھی کبھی اپنے پاس لانے سے ادائے حق سے سبکدوش ہو جائے گی غرض رات کو سونے میں عورت کا حق کہاں پر سونا ہے ؟

الجواب ؛ مرد کے ذمہ عورت کو اپنے بستر پر لٹانا واجب نہیں یہ واجب ہے کہ رات کو اسی گھر میں سوئے جہاں عورت سوتی ہے بلکہ دیانۃً یہ واجب ہے کہ عورت کے پاس جانے میں اتنی دیر نہ کرے جس سے عورت کے فساد خیال کا خطرہ ہو البتہ اگر کسی کے دو بیویاں ہوں اور وہ ایک گھر میں سوتا ہو تو اس پر دوسری کے گھر سونا بھی واجب ہے تسویۃً وعدلاً فی البیتوتۃ ۔ اور یہ اس وقت ہے جبکہ عورت کو خاوند کے باہر لیٹنے سے وحشت نہوتی ہو اور اگر وحشت ہوتی ہو تو سوال دوبارہ کیا جائے اور یہ بھی بتلایا جائے کہ دفع وحشت کی اور کوئی صورت ہو سکتی ہے یا نہیں، فقط ۔

۱۵ر ذیحجہ ۱۳۴۷ھ

خرید کردہ آزاد عورت سے بغیر نکاح وطی کا حکم

سوال (۸) اکثر پہاڑی مقامات پر خرید و فروخت مستورات کی ہوتی ہے کسی ہندوستانی خرید کردہ عورت سے (کنیز یا حرم یا

باندی) بغیر نکاح وطی جائز ہے یا نہیں اور ناجائز ہے تو بغیر موجودگی گواہان محض ایجاب و قبول اور تعین مہر کے نکاح ہوسکتا ہے یا موجودگی گواہان ضروری ہے؟ فقط

الجواب: اول تو اس مسئلہ میں روایات مختلف ہیں دوسرے جن روایات میں جواز ہے ان میں قید ہے کہ وہ کفار اس کو جائز سمجھیں اور یہ بھی ہنوز متحقق نہیں (اشرف علی) اس لئے ان خرید کردہ عورتوں کو باندی بنا کر ان سے وطی وغیرہ کرنا جائز نہیں نکاح کر لینا چاہئے اور نکاح کے لئے دو گواہوں کا ہونا شرط ہے بدون دو گواہوں کے نکاح نہ ہوگا فقط

احقر عبد الکریم عفی عنہ ۱۴ر صفر ۴۵ھ الجواب صحیح ، ظفر احمد عفا عنہ

سوال (۹) | بدون ادائیگی مہر معجل بیوی سے مجامعت درست ہے یا نہیں | در مسئلہ مرقومہ علماء محققین چہ میفرمایند۔

بدون مہر معجل مجامعت رواست یا نہ ؟

الجواب: مہر معجل ادا کرنے سے قبل عورت کو حق ہے کہ ہمبستری اور خلوت سے انکار کر دے شوہر کو جبر کرنا جائز نہیں ہے اور اگر ایک مرتبہ خلوت یا ہمبستری کی اجازت دیدی اور بعد میں پھر انکار کر دے تب بھی امام صاحبؒ کے نزدیک انکار کا حق رکھتی ہے پس اس صورت میں شوہر کو اس پر جبر کرنا بھی مختلف فیہ ہے امام اعظمؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی جبر حلال نہیں ہے کما قال الشامی تحت قول الدر (لھا منعہ) واشار الی انہ لا یحل لہ وطیھا علی کرہ منھا ان کان امتناعھا لطلب المھر عندہ وعندھما یحل کما فی المحیط بحر وینبغی تقیید الخلاف بما اذا کان وطئھا اولا برضاھا اما اذا لم یطأھا ولم یخل بھا کذلک فلا یحل اتفاقا۔ اور حق منع میں چونکہ امام صاحب کا قول مفتی بہ ہے لہذا حرمت استمتاع میں بھی (جو کہ اس کی فرع ہے) انہیں کا قول معتبر ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ الاحقر عبد الکریم ۔ ۲۹ر جمادی الاولیٰ ۴۸ھ

سوال (۱۰) | بیوی کے بعض حقوق کی وضاحت | السلام علیکم۔ بعد قدمبوسی مسنونہ کے گذارش ہے کہ احقر نے پہلے خط میں دو ضروری مضمون کے متعلق سوال کیا تھا ان میں سے ایک کا جواب کافی مل گیا دوسرے کے متعلق سوال فرمائے ہیں وہ مضمون خانگی انتظام کے متعلق تھا۔ یعنی احقر کو نوکری کرنے کی وجہ سے ہمیشہ سفر میں رہنا پڑتا ہے اور گھر میں

مربی نہ رہنے کی وجہ سے بیوی صاحبہ کو خورد و پوش دیکر ان کے والد صاحب کے گھر میں رکھتا ہوں انہوں نے بھی رضامندی ظاہر کر کے قبول کر لیا۔ مگر بیوی صاحبہ بوجہ خانگی چون وچرا کے جو عورتوں میں ہوتا ہے وہاں رہنے پر راضی نہیں اس پر حضور والا نے سوال فرمائے ہیں (اپنے پاس کیوں نہیں رکھتے)، جواب دیا تھا کہ اپنے پاس رکھنے کا دو صورت ہے ایک یہ کہ اپنا گھر رکھوں اور خود بھی بوجہ مربی نہ ہونے کے نوکری چھوڑ کر مکان رہوں ان میں کئی طرح کی خرابی ہے ایک یہ کہ ملک میں عام وخاص سب لوگ بدعت ورسوم کے عادی ہیں مکان پر رہ کر ان کے شرور سے محفوظ رہنا دشوار ہوگا، دوسرے ملک میں حلال روزی کی کوئی صورت نہیں لہذا معیشت میں تنگی ہونے کا اندیشہ ہے۔ تیسرا جمعیت قلب جو اہم ہے فوت ہونے کا اندیشہ ہے۔ ثانی صورت یہ ہے کہ جہاں نوکری کرتا ہوں ان کو ہی وہاں لیجاؤں مگر یہ بھی دو وجہ سے نہیں ہوسکتا ہے ایک یہ کہ وہ اور ان کے والد صاحب سفر میں جانے پر راضی نہیں، دوسرا یہ کہ جہاں نوکری کرتا ہوں وہ محض ایسا گاؤں ہے کہ جو وظیفہ احقر کو ملتا ہے اس سے کوئی مسافر اپنے اہل وعیال کے ساتھ وہاں رہنے کا انتظام کرنا بڑا دشوار ہے۔ اب قابل دریافت یہ ہے کہ باوجود ان موانع کے ان کی رضامندی کو لحاظ کر کے گھر میں مقیم ہونا پڑے گا یا حسب دستور خورد و پوش دیکر ان کے والد صاحب کے گھر رکھا جائیگا اس پر حضور والا نے ارشاد فرمائے ہیں (یہ مشورہ ہے یا مسئلہ، مشورہ دینا میرا معمول نہیں مسئلہ کسی خاص شبہ کے سبب پوچھا جاتا ہے اس میں کیا شبہ ہوا جو حکم شرعی پوچھنے کی ضرورت ہوئی) جواباً عرض کرتا ہوں یہ مسئلہ ہے مشورہ نہیں۔ اس میں خاص شبہ ہوا کہ اپنی مصلحت ومنافع پر نظر کر کے بیوی صاحبہ کو باوجود عدم رضا ان کی حسب دستور خورد و پوش دیکر ان کے والد صاحب کے پاس رکھنا احقر کے لئے شرعاً جائز ہوگا یا نہیں۔ از روئے شفقت کے جواب سے ممنون فرمادیں۔

الجواب: عورت کا یہ مطالبہ پورا کرنا تو ضروری ہے کہ اس کو الگ مکان دیا جاوے اور اس کو اس پر مجبور کرنا درست نہیں کہ اپنے والد کے ساتھ رہے۔ البتہ عورت کا یہ مطالبہ کہ اس بستی میں نہ رکھا جاوے اس کا پورا کرنا ضروری نہیں ہے۔ پس والد صاحب کے مکان کا کوئی مستقل حصہ جس میں کسی اور کا دخل نہ ہو یا اس کے متصل کوئی دوسرا مکان جیسا موقعہ ہو عورت کے واسطے لے دینا کافی ہے۔ ایک ضروری امر قابل غور

یہ ہے کہ خاوند کی آمد و رفت عورت کے پاس بقدر ضرورت ہوتی رہتی ہے یا نہیں اگر عورت کی ضرورت (یعنی خواہش نفسانی) کا لحاظ کر کے اس کی آمد و رفت کافی مقدار میں ہو جاتی ہے تب تو یہی جواب ہے جو صلا میں لکھا گیا ورنہ دیانۃً یہ ضروری ہے کہ عورت کو اپنے ہمراہ رکھے یا آمد و رفت میں بقدر ضرورت اضافہ کرے۔ واللہ اعلم۔ احقر عبدالکریم عفی عنہ۔
الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ۔ ۲۸ شوال سنہ ۴۸ھ۔

کتاب الطلاق

باب ایقاع الطلاق

زوجہ کو یہ کہنا کہ میں نے تجھ کو صاف دل سے چھوڑ دیا ہے

سوال (۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اور اس کی بہن میں کھانا پکانے کی بابت نزاع ہوا بہن کہتی ہے کہ جب تم نے نکاح کر لیا ہے تو تم بیوی کو کیوں نہیں لاتے؟ میں نے سنا اور اس مکان میں جا کر معلوم کیا کہ تمہاری بیوی حاملہ ہے تم وہاں جاتے ہو اس کو کیوں نہیں لاتے؟ زید نے جواب میں کہا میں تو بھادوں (نام ایک مہینہ کا ہے) میں گیا پھر نہیں گیا میں اس کو نہیں لاؤنگا میں نے اس کو چھوڑ دیا ہے میں نے تین بار کہا ہے میں نے صاف دل سے چھوڑ دیا ہے پھر پوچھنے سے وہ کہتا ہے کہ میں نے طلاق دیا ہے میں نے طلاق دیا ہے میں نے طلاق دیا ہے زبان بندی بالا کا حاصل یہ ہے کہ زید کی بہن کے پاس طلاق کی جو خبر دی اس سے عورت اوس کی مطلقہ ہوگی یا نہیں زبان بندی بالا خبر ہے یا انشاء بصورت اول خبر سے طلاق ہو سکتی ہے یا کیا اور حسب زبان بندی زید کے ایقاع پایا گیا یا نہیں بغیر ایقاع کے طلاق واقع ہوگی یا نہیں اور جمیع عقود میں انشاء شرط ہے یا نہیں؟ مخفی نہ رہے کہ ماجرائے مذکور میں پیشتر اس کے زید نے طلاق بالکل نہیں دی اب سوال یہ ہے کہ اس خبر سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں برحق جواب حسب مسائل فقہ و اصول کے تحریر فرمائیے ماجور ہوں گے۔

الجواب: صورت مسئولہ میں قائل کا یہ قول کہ میں نے صاف دل سے چھوڑ دیا ہے، اس کا قرینہ ہے کہ اس کی مراد انشاء ہے خبر نہیں لہٰذا منکوحہ زید پر تین طلاق واقع

ہوگئیں اب بدون تحلیل کے کسی طرح اس سے نکاح درست نہیں، واللہ اعلم۔

۷ رجمادی الاولیٰ ۱۳۴۰ھ۔

"ہم تم کو طلاق دیدیں گے" کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی

سوال (۲) شوہر نے ایک قصور[1] کے متعلق اپنی بی بی سے پوچھا اس کی بی بی نے پنے قصور کا اقرار کیا، شوہر نے اپنی بی بی کے قصور کے اقرار کو خوب سمجھ لیا وہ اپنے قصور کے اقرار سے سراپا قصوروار ہے لیکن شوہر نے اقرار کو اپنی بی بی کے اوپر ایسی حیثیت سے ظاہر کیا اور کہا کہ جس میں بی بی کو معلوم ہو کہ شوہر نے ہمارے قصور کے اقرار کو سمجھا نہیں ہم بے قصور ثابت ہوئے اور شوہر کو بھی منظور تھا کہ جس میں بی بی کے اوپر اس کے قصور کے اقرار پر اس کے قصور کی ناسمجھی میری ظاہر ہو، اس خیال سے شوہر نے بی بی کے اوپر اسکے قصور کی ناسمجھی اپنی ظاہر کی اور سوچا کہ اگر قصور پر سزا کرے تب بھی بڈر ہو جائے گی اور نہیں سزا کرے جب بھی بڈر ہو جائے گی۔ بلکہ مناسب یہ سمجھا کہ اس کے قصور کے اقرار پر اس کے قصور کی ناسمجھی اپنی ظاہر کر کے اس کو ڈرایا اور کہا کہ اگر ایسا قصور تم کئے ہوتی یا تم سے ہوئی ہوتی تو تم کو ہم طلاق دیدیتے اور حقیقت میں بی بی کا قصور ہر اور قصور کے اقرار کو سمجھتے ہوئے شوہر نے ایسا جملہ کہا ہے اور اس کے ہفتہ روز کے بعد کسی قصور پر غصہ ہو کر کہا کہ اگر تم کو ہم طلاق نہیں دیں تو تم ہم کو چمار کہنا تم کو ہم طلاق دیدیں گے تین مرتبہ ایسے جملہ کو شوہر نے کہا ہے لیکن شوہر کو طلاق کے جملوں کا کچھ یاد خیال نہیں ہے بوجہ سہو وشک کے سخت مجبور ہے اگر کوشش کرتا ہے کہ یاد خیال کریں تو چند طرح کے وہم طلاق کے جملوں کا خیال دل میں پیدا ہوتا ہے کہ شاید یہ جملہ کہا ہو شاید یہ جملہ کہا ہو شاید یہ جملہ کہا ہو غرض ہر چند طرح کے وہمی جملے خیال میں آتے ہیں شوہر کو اپنی تشفی بخش کوئی جملہ یاد خیال نہیں ہے اور نہ کچھ بیان کرسکتا ہے ایسی حالت میں . . . .

. . . . شوہر نے بی بی سے پوچھا کہ فلان فلان وقت میں ہم نے طلاق کا جملہ تم کو کس طرح کہا تھا بی بی نے بیان کیا کہ فلان وقت میں آپ نے کہا ہے کہ اگر ایسا قصور تم کئے ہوتی یا تم سے ہوئی ہوتی تو تم کو ہم طلاق دیدیتے اور اس کے ہفتہ روز کے بعد آپ نے کہا ہے کہ اگر تم کو ہم طلاق نہیں دیں تو ہم کو چمار کہنا تم کو ہم طلاق دیدیں گے بی بی کے بیان پر شوہر کو کامل تشفی اور یقین اور پورا وثوق ہے اور بی بی کے بیان کو ہم حق سمجھتے ہیں اور بی بی نیک بخت حق گو اور پرہیزگار ہے اس کے بیان پر استفتار ارسال خدمت ہے جواب سے سرفراز فرمایا جاوے؟

[1] یعنی جرم۔

الجواب: صورت مسئولہ میں طلاق نہیں ہوئی فقد صرح الفقہاء بعدم وقوع الطلاق بصیغۃ المضارع الا اذا غلبت فی الحال، واللہ اعلم۔

۶ جمادی الاولیٰ ۴۰ھ

انتہائی غصہ کی حالت میں طلاق دی تو کیا حکم ہے

سوال (۳) ایک شخص کے گھر میں اسکی بیوی، بہن اور بھائی کے درمیان جھگڑا ہو رہا تھا اتنے میں وہ شخص گھر آنکر اس کے چھوٹے بھائی کو جھگڑا فرو ہونے کیلئے مارا اس سے اس کی ماں اس شخص مذکور پر غصہ ہوئی اور بہت گالی دی اس کے بعد وہ شخص غصہ میں آنکر کہا کہ میں ہفتہ عشرہ میں مکان چھوڑ کر دوسری جگہ چلا جاؤں گا اس کے بعد اس کی ماں بولی کہ تم اس بدصورت عورت کے لئے مکان چھوڑنا چاہتے ہو اسی وقت وہ شخص بہت غصہ میں تھا کہ مارے غصہ کے سارا بدن کانپتا تھا ایک مکان پر اطمینان سے کھڑا ہو نہیں سکتا تھا چہرہ اور آنکھیں سرخ ہو گئے تھے اسی وقت اس کی زبان سے "ایک طلاق دو طلاق تین طلاق دیا میں" نکل آیا اس کے بعد جب خیال ہوا تو بے اختیار رونے لگا اور کہتا تھا کہ میں نے یہ کیا کیا میرے دل میں طلاق دینے کا ارادہ نہیں تھا خدا جانے کس طرح میرے منہ سے یہ کلمہ نکل آیا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں اس شخص کی عورت کو اپنے خاوند سے الگ ہو جانا چاہئے اور وہ یہی سمجھے کہ مجھ کو تین طلاق دی گئی ہیں اس کو ہرگز جائز نہیں کہ وہ شوہر کو اپنے اوپر قابو دے یہ حکم تو عورت کے لئے ہے۔ اور مرد کو چاہئے کہ اگر اس کے نزدیک واقعی غصہ میں اس کی عقل وحواس درست نہ رہے تھے اور اس کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ میں زبان سے کیا کہہ رہا ہوں تو وہ کسی حاکم مسلم کے پاس جاکر یہ دعویٰ کرے کہ میں غصہ میں مغلوب الحواس وزائل العقل ہو گیا تھا اور طلاق میں نے بالکل بے خبری کی حالت میں دی ہے حاکم اس سے گواہ طلب کرے گا اس کے بعد اگر حاکم شرعی یہ فیصلہ کرے کہ میرے نزدیک یہ طلاق واقع نہیں ہوئی تب وہ عورت اس کے لئے حلال ہو سکتی ہے اور بعد حاکم مسلم کے فیصلہ کے عورت کو بھی اس شخص کے پاس رہنا جائز ہوگا اور بدون حکم حاکم کے ہرگز عورت کو اس کے پاس رہنا جائز نہیں کیونکہ بظاہر تین طلاق پڑ چکی ہیں، واللہ اعلم۔ ۲۸ جمادی الثانیہ

شوہر نے طلاق دی مگر یاد نہیں کہ دو دیں یا تین

سوال (۴) زید نے اپنی زوجہ کو طلاق دی مگر یہ یاد نہیں کہ تین طلاق دی یا دو اور کسی جانب گمان بھی نہیں صورت

مسئولہ میں طلاق بائن واقع ہوگی یا مغلظہ ؟

الجواب ؛ قال فی الخلاصۃ رجل حلف بالطلاق وشک الرجل انہ طلق واحدۃ او ثلاثا فھی واحدۃ حتی یستیقن او یکون اکثر ظنہ علی خلافہ اھ ص ۱۲۰ ج ۲ ۔ صورت مذکورہ میں دو طلاق مانی جاویں گی لیکن اگر عورت کو تین طلاق میں شک نہ ہو تو اس کو شوہر کے پاس رہنا جائز نہیں اور اگر اسے بھی شک ہو تو اس کے لئے وہی حکم ہے جو اوپر مذکور ہوا، واللہ اعلم ۔ حررہ ظفر احمد بامر سیدہ حکیم الامت ۹ شعبان ۔

صیغۂ مضارع میں طلاق دینے کا حکم

سوال (۵) ہدیہ سلام مسنون ۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی دختر محمودہ بالغ کا عقد شرعی مظہر بالغ پسر عمرو سے اس کی خواہش پر بالعوض پانچہزار اشرفی زرسرخ محمد شاہی مہر کے بلا اجازت و اطلاع عمرو کے کردیا، نکاح کے بعد مطلع ہونے پر عمرو اور اس کے دیگر اعزا نے اس نکاح سے اظہار ناخوشی کیا، اور مظہر کو کہ اس وقت تک زید کے پاس مقیم تھا اس ارادہ سے طلب کیا کہ میں مظہر کا دیگر اعزا کی خوشی و رضامندی سے دوسرا عقد کروں گا، عمرو کی ایسی تحریر آنے پر مظہر نے اپنے باپ کے پاس جانے کی اجازت طلب کی اور یہ کہا کہ اور لکھ دیا کہ میں حسب طلب اپنے والد عمرو کے وطن جاتا ہوں اگر وہاں پہنچکر میرے اس نکاح کے معاملہ نے کوئی دوسری نوعیت اختیار کی اور میرا عقد ثانی کسی دوسری جگہ قرار پایا یا اندر میعاد دس ماہ کے میں نے وطن سے واپس آکر محمودہ کی رخصتی نہ کرائی تو یہ تحریر میری محمودہ دختر زید کے حق میں بطور طلاق کے متصور ہوگی اور بعد انقضاء میعاد معینہ زید کو اپنی دختر محمودہ کے دوسرے عقد کردینے کا اختیار ہے میری طرف سے کوئی رکاوٹ نہ ہوگی اب میعاد معینہ میں صرف عرصہ دو ماہ کا باقی ہے اور مظہر کی واپسی کی اس وقت تک کوئی امید نہیں معلوم ہوتی میعاد معینہ گذر جانے کے بعد محمودہ منکوحہ کے حق میں شریعت غرا کا کیا حکم ہے جبکہ محمودہ اور مظہر کے درمیان خلوت بھی نہ ہوئی ہو اور ایسی صورت میں مہر کے واسطے کیا حکم ہے ؟

الجواب ؛ صورت مذکورہ میں اگر دس ماہ میعاد معینہ کے اندر مظہر نے محمودہ کی رخصتی نہ کرائی تو محمودہ پر ایک طلاق بائن واقع ہوجائے گی ۔ اور ہر چند کہ قول مظہر بطور طلاق متصور ہوگی الخ صیغہ مضارع کا ہے اور مضارع سے وقوع طلاق نہیں ہوتا مگر جب مضارع بمعنی حال غالب ہوجائے تو فقہاء نے اس سے وقوع طلاق کی تصریح کی ہے اور آجکل

تعلیمیافتہ جماعت نے کچھ ایسا محاورہ اختیار کرلیا ہے کہ وہ حال کے موقع میں اکثر صیغہ مضارع کا استعمال کرتے ہیں لہذا ہمارے نزدیک اس کلام میں مضارع سے حال ہی مراد ہے اور بعد میعاد معینہ گذر جانے کے محمودہ پر طلاق عائد ہو جائے گی جس کا قرینہ یہ ہے کہ اس کے بعد کلام مظہر میں یہ لفظ بصورت حال مذکور ہے اور بعد انقضاء میعاد معینہ زید کو اپنی دختر محمودہ کا دوسرا عقد کرنے کا اختیار ہے الخ یہ صیغہ انشاء اور ایقاع پر صاف دلالت کررہا ہے، قال فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ: (سئل) فی رجل قال لزوجتہ تکونی طالقۃ ثلثا بصیغۃ المضارع وغلب استعمالہ فی الحال عرفا فھل یقع علیھا الطلاق؟ (الجواب) نعم کما افتی بہ الخیر الرملی، واطال الکلام علی حاشیتہ علی البحر فراجعھا، اھ ص ۲۰۶ ج ۱۔

اور صورت مذکورہ میں محمودہ پر عدت لازم نہوگی وہ بلا عدت دوسرا نکاح کرسکتی ہے، اور مظہر سے وہ نصف مہر وصول کرلینے کی مستحق ہوگی واللہ اعلم۔ ظفر احمد عفا عنہ۔
صح الجواب، اشرف علی، ۲۲ رمضان سنہ ۴۱ھ۔ ۲۲ رمضان سنہ ۴۱ھ۔

"طلاق دادم" کہنے کے بعد طلاق بائن کا لفظ بولنے کا حکم

سوال (۶) السلام علیکم۔ در رمضان شریف سنہ ۴۱ھ یک استفتاء در خدمت گرامی عرض داشتہ شد خلاصہ مضمونش آنکہ شخص جاہل زن خود را گفت طلاق دادم طالب علمی اورا تلقین نمود کہ برائے انفصال مناقشہ بگو کہ طلاق بائن دادم آن چنیں گفت بعدہٗ دیگر طالب علم گفت کہ بائن را نمی فہمند برائے اطمینان جانبین گفتہ آید کہ جواب دادم باز آن شخص چنیں گفت از آنجناب جواب مورخہ ۴ شوال سنہ ۴۱ھ چنیں رسید کہ طلاق مغلظ واقع شد واز جانب حضرت مفتی صاحب دیوبند جواب ارشاد گردید کہ دریں صورت طلاق بائن شدہ است مغلظ نشدہ است توجیہہ جواب حضرت مفتی صاحب درفکر قاصر نمی آید مگر وجہ مؤید جواب ایشاں در بیاض واحدی منقولاً عن بیاض ہاشمی در جواب استفتاء ہمرنگ استفتاء ما دیدہ شد کہ البائن لایلحق بالبائن پس در صورت مسئولہ عنہا ہم حسب ارشاد مفتی صاحب عم فیضہ صرف طلاق بائن واقع خواہد شد نہ مغلظ چنانچہ رقم زدہ آنجناب است زیرا کہ دریں صورت یک رجعی ارادۃً ودو بائن بالتفریق تقلیداً ازاں شخص صادر گشتہ پس از یک رجعی ویک بائن تغلیظ نمیگردد ودو بائن دیگر بہ بائن اول

ہم لاحق نمیشود تا کہ حکم سہ طلاق کردہ آید باید کہ بر جواب خود ثانیا نظر غائر گماشتہ از تحقیق خود ما مستمندان را مستفید فرمایند و اصل سوال و جواب را از دفتر فتاوی تلاش فرمایند فقط

الجواب: اگر میں نے اس صورت مسئولہ میں طلاق مغلظ کا فتوی دیا ہے تو میں اس سے رجوع کرتا ہوں اس صورت میں صرف دو ہی طلاق واقع ہوئیں مگر دونوں بائن ہیں، تجدید نکاح سے تعلق زوجیت قائم ہوسکتا ہے۔ غالباً منشا میرے اس فتوی کا یہ ہوا کہ شخص مذکور نے دوبارہ لفظ طلاق بائن دادم لکھا ہے اور یہ لفظ محض بائن نہیں ہے بلکہ بائن صریح ہے کہ اس سے بدون نیت کے وقوع طلاق ہوجاتا ہے پس میں نے اس کو صریح سمجھکر بائن کو اس کے ساتھ ملحق کرلیا اور اس صورت میں صاحب نہر و بحر کا قول یہی ہے جو میں نے لکھا ہے مگر محقق یہ ہے کہ بائن صرف صریح رجعی سے ملحق ہوتا ہے نہ صریح بائن سے حققہ الشامی (۳ ۷۷۲ ج) لہذا قول محقق کو اختیار کرکے میں اپنے پہلے قول سے رجوع کرتا ہوں والسلام

شوہر نے عصا سے تین لکیریں کھینچیں اور کہا "ایک دو تین میرے گھر سے چلی جا"

سوال (۷) کیا فرماتے ہیں علماء دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ مجھ مسمی عبداللہ ولد اللہ دیا قوم اوان ساکن موضع ارڑ ضلع جہلم تحصیل پنڈدادنخاں۔ احقر عرصہ سے بیمار تھا میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم مجھ کو تمام زیور دو جس سے میں اپنی بیماری کا علاج کراؤں فروخت کرکے، میری عورت نے کہا میرے پاس زیور نہیں اور جس جگہ احقر نے زیور رکھا تھا وہاں بھی تلاش کیا مجھ کو نہ ملا اور پھر میں نے اپنے عزیزوں سے دریافت کرایا میری عورت نے ان کو بھی یہ کہہ دیا کہ زیور میرے پاس نہیں اسی کے پاس یعنی عبداللہ کے پاس ہے، میں نے پھر اپنی عورت سے کہا کہ اگر تم مجھ کو زیور نہ دوگی تو میں تم کو لاٹھی سے ماروں گا اس نے پھر بھی نہیں بتلایا میں نے اس سے کہا کہ تو یہ تین لکیر لاٹھی سے کھینچ دیتا ہوں کہ ایک دو تین گھر سے نکل جا اور اتنے زیور نہ دیوے گی گھر میں نہ آنے دوں گا عورت اپنے بھائی اور ماں کے پاس چلی گئی تھوڑے عرصہ کے بعد اس کے بھائی اور ماں نے کہا کہ تم زیور ہم کو دو جس سے ہم گذر کریں اس نے ان کو جواب دیدیا کہ زیور میرے پاس نہیں ہے انہوں نے اس کو تنگ کیا اس گاؤں کا ایک آدمی ہمارے یعنی عبداللہ کے گاؤں کا گیا ہوا تھا اس عورت نے کہا کہ تم میرے خاوند سے کہہ دینا کہ مجھ کو لیجاؤ اس نے میرے سے آکر کہا کہ تمہاری عورت کہتی ہے کہ مجھ کو لیجاؤ میں نے اس آدمی کو جواب دیا کہ تم پھر کبھی جاؤ تو اس سے یہ کہنا کہ اگر تو تمام زیور دیوے تو چلی آوے ورنہ خیر

اس نے کہا یعنی عورت نے کہا کہ میں تمام زیور دے دوں گی مجھ کو میری عورت نے بہت آدمیوں میں جھوٹا کر دیا تھا کہ زیور میرے پاس نہیں ہے عبداللہ کے پاس ہے میں نے اسی وجہ سے اس آدمی سے کہا کہ تم زیور لے آؤ تاکہ ان آدمیوں کو کل حال معلوم ہو جاوے کہ واقعی زیور عورت کے پاس ہے۔ وہ آدمی زیور اور عورت کو لے آیا میں نے وہ زیور اس آدمی کے پاس امانت رکھی کہ ابھی تم ہی رکھو جب کبھی موقع ہوگا تم ان ہی آدمیوں میں مجھ کو دینا جس کے سامنے مجھ کو عورت نے جھوٹا بنایا کچھ عرصہ کے بعد اس نے عورت اور مجھ کو بہت آدمیوں کے سامنے زیور دیدیا، اب میری عورت میرے گھر میں ہے ہمارے گاؤں کے آدمی کہتے ہیں کہ تیرا نکاح نہیں رہا ہمارے گاؤں میں شیعہ لوگ بہت رہتے ہیں وہ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ تم پنجوقتی نماز پڑھتے ہو پھر بے نکاحی عورت گھر میں رکھے ہو، اب میرا نکاح رہا یا کہ نہیں آپ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب کے اور شبیر علی صاحب کے بھی دستخط کرا دیں اور حوالۂ حدیث کا بھی دیدیں عین عنایت ہوگی اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم عطا فرما دیں اس مسئلہ کی خوب صفائی کر دیویں، فقط والسلام۔

الجواب: اگر سائل نے ایک دو تین کہتے ہوئے زبان سے لفظ طلاق نہیں کہا تو محض لکیریں کھینچکر ایک دو تین کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوئی قال فی العالمگیریۃ امرأۃ قال لہا زوجہا انا استنکف عنک فقالت المرأۃ کالبزاق فی الفم فان کنت تستنکف عنہا فارم بہا فقال الزوج تف تف ورمی بالبزاق وقال رمیت ونوی الطلاق لا تطلق کذا فی الظہیریۃ اھ ص ۲۷۰ ج ۲ وفیہ ایضاً: ولو قالت طلقنی فضربہا وقال لہا اینک طلاق لا یقع وفی مجموع النوازل سئل شیخ الاسلام عمن ضرب امرأتہ وقال دار طلاق قال لا تطلق و سئل الامام احمد القلانسی عمن وکز امرأتہ وقال اینک یک طلاق ثم وکزہا ثانیا وقال اینک دو طلاق وکذا الثالث تطلق ثلثاً فشیخ الاسلام یقول سمی الضرب طلاقاً فیبطل والامام احمد یقول سمی الطلاق فیقع اھ (ص ۲۷۲ ج ۲) قلت وفی الصورۃ المسئولۃ لم یسم الطلاق بل خط خطوطا وقال یک و دو و سہ فلا تطلق علی قول احدٍ، واللہ اعلم۔

۲۶ صفر سنہ ۴۲ھ۔

کابین نامہ کے مطابق طلاق واقع ہو جانے کا حکم

سوال (۸) ایک شخص مسمی حافظ زین العابدین جو کہ جمعہ و عیدین کے پیش امام اور مقتدا ہیں ۔ اپنی بی بی کی کابین نامہ میں یہ شرط لکھوا کر اپنے ہاتھ سے دستخط کر کے خود جا کر رجسٹری کروادیا ۔ کہ (آپ کی و آپ کی ولی وارث کی بلا اجازت اور آپ کی کل مہر ادا کر کے اس کابین نامہ کی پشت پر وصول دینے کے بغیر غیر کوئی عورت سے نکاح بیاہ نکروں گا ۔ اگر کروں تو وہ عورت اسی وقت میرے حق میں ایک دو تین طلاق ہو گی) اتفاقاً بی بی سے کوئی بات میں ناموافقت ہوئی تب وہ طیش میں آکر نہ بی بی سے اجازت لیا نہ بی بی کے ولی وارث سے اجازت لیا ۔ نہ مہر انہ کو ادا کیا ۔ دوسری ایک عورت سے نکاح کر لیا اور اس کے ساتھ خفت جفت بود باش خانہ داری کرنے لگا ۔ پس مطابق شرع شریف کے اس کی دوسری عورت مطلقہ لبسہ طلاق ہو گی یا نہ ۔ اور اس عورت کے ساتھ خلوت صحبت کرنا اس کے لئے زنا میں محسوب ہو گا یا نہ ۔ اور اس سے اگر اولا ہو تو حلال زادہ ہو گی یا نہ ۔ اور اس شخص کے پیچھے اقتدار درست ہو گی یا نہ ؟ بینوا توجروا ۔

الجواب : صورت مسئولہ میں دوسری عورت سے نکاح کرتے ہی اس پر تین طلاق واقع ہو گئی ہیں اب بدون حلالہ کے وہ عورت زین العابدین کے لئے حلال نہیں نہ اس سے زن و شو کا معاملہ درست ہے اور اس حالت میں جو وطی ہو گی وہ حنفیہ کے نزدیک زنا ہو گی مگر اولاد کو حرامی نہ کہا جائے گا لانہ کالوطی بشبہۃ ولان وقوع الطلاق فی ھذہ الحالۃ مختلف فیہ بین الائمۃ فافہم، واللہ اعلم ۔ اس شخص کی اقتدا مکروہ ہے نماز تو ہو جائے گی مگر دوسرا نیک امام میسر آسکتا ہو تو اس کے پیچھے نماز مکروہ ہو گی اور اگر دوسرا امام میسر نہ ہو اور نہ اسکو الگ کرنے کی قدرت ہو تو بلا کراہت نماز درست ہے، واللہ اعلم ۔

۱۳ ذیقعدہ سنہ ۴۲ھ ۔

اس صورت میں طلاق کا حکم جبکہ زوج منکر ہو اور گواہ ایک مرد اور ایک عورت ہو

سوال (۹) کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ شوہر زوجۂ نابالغہ کو غصہ کے سبب تو ماں اور بہن ہیں دو چار مرتبہ کہدیا کسی نے کہا بیوقوف کیا کہہ رہا ہے کہتے ہی طلاق طلاق سات یا آٹھ بار کہدیا دوسرے یا تیسرے روز اس شخص سے تحقیق کی گئی تو اس نے انکار کر دیا کہ میری زبان سے یہ الفاظ نہیں نکلے (یعنی جو الفاظ اوپر ذکر کئے گئے ہیں) لیکن ایک مرد اور ایک عورت گواہ ہیں اس باب میں شرع شریف کا کیا حکم ہے ۔ دیگر مذکورۂ بالا صورت میں دو مرد اگر گواہ ہوں تو کیا حکم ہے ؟

الجواب: شوہر کا تو ماں اور میں بچہ کہنا تو لغو ہے اس سے کچھ نہیں ہوتا مگر اس کے بعد جو اس نے سات آٹھ بار طلاق کا لفظ کہا ہے اور اب اس سے انکار کرتا ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر زوجہ نے طلاق کا لفظ تین بار سن لیا ہو تو اس پر واجب ہے کہ اپنے کو مطلقہ مغلظہ یعنی مطلقۃ الثلاث سمجھے اور شوہر سے علیحدہ ہو جائے اور اس کو اپنے اوپر ہرگز قابو نہ دے۔ اور اگر زوجہ نے خود یہ الفاظ نہیں سنے تو اگر دو نیک مردوں یا ایک نیک مرد اور دو نیک عورتوں نے اس سے ایسا بیان کیا کہ شوہر نے طلاق کا لفظ تین مرتبہ یا اس سے زائد دفعہ استعمال کیا ہے جب بھی یہی حکم ہے۔ اور اگر ایک مرد اور ایک عورت گواہ ہے تو اس سے قضاءً ثبوت طلاق نہیں ہو سکتا جب تک شوہر خود اقرار نہ کرے البتہ اس صورت میں اگر خبر دینے والا ثقہ ہو یا ثقہ تو نہ ہو مگر عورت کے دل کو یہ بات لگی کہ یہ مرد یا عورت سچ کہہ رہی ہے تو اس کو شوہر سے الگ ہو جانا ضروری ہے اور بعد عدت گذارنے کے دوسرا نکاح کسی دوسرے سے کر سکتی ہے گو اولیٰ یہ ہے کہ الگ تو ہو جائے مگر نکاح غیر سے نکرے قال فی الدر عن الجوهرة اخبرها ثقة ان زوجها الغائب مات او طلقها ثلثًا او اتاها منه كتاب على يد ثقة بالطلاق ان اكبر رأيه انه حق فلا بأس ان تعتد و تتزوج الخ قال الشامی وقوله فلا بأس يفيد ان الاولیٰ عدمه اھ (ص ۱۰۱۴ ج ۲) وفيه ايضًا تحت قوله على يد ثقة هذا غير قيد اھ وفيه (۷۰۹) والمرأة كالقاضی اذا سمعته او اخبرها لا يحل لها تمكينه اھ۔

۳ ذوالحجۃ س۴۲ھ۔

ازالۃ الاغلاق من اضافۃ الطلاق
طلاق میں عورت کی طرف اضافت کی تحقیق

سوال (۱۰) کیا فرماتے ہیں علماء کرام رحمکم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کہتے ہیں کہ میں نے اپنی بی بی کو ایک کام خانگی کرنے کو کہا وہ نہیں کی اس لئے میں نے ان کو لات وغیرہ کچھ مارا پھر بھی وہ کام نہیں کی پھر جب اور مارنے کو ارادہ کیا وہ میری ماں کے پیچھے بھاگی اور ماں حائل ہونے کی وجہ سے نہیں مار سکا تب میں نے یوں کہا کہ ایک طلاق دو طلاق تین طلاق بائن اس گھر کا کھانا اگر کھائے گی تو حرام کھائے گی ان سے جب پوچھا کہ یہ جو تم نے کہا کہ اس گھر کا اگر کھانا کھائے گی تو حرام کھائے گی کس کو کہا کیا تمہاری ماں کو کہا یا تمہاری بی بی کو کہا؟ اس نے جواب دیا کہ طلاق جس طرف جائے گی یہ بھی اس طرف جائے گا اب بحکم شرع کیا اس کی بی بی مطلقہ بسہ طلاق ہو گی؟ بینوا بالدلیل۔

اس مسئلہ میں علماء دو فریق ہیں۔

فریق اول کہتے ہیں کہ مطلقہ بسہ طلاق ہوگی چونکہ صریح الفاظ سے طلاق دیا اگرچہ تم کو یا نام لیکر نہیں دیا مگر اضافت معنویہ موجود ہے بوجہ واقعہ مذکورہ کے اور وہی اضافت معنویہ وقوع طلاق کا شرط ہے لما فی الشامی لترکہ الاضافۃ ای المعنویۃ فانہا الشرط اور اگرچہ لفظ دیا نہیں کہا مگر لفظ طلاق مصدر ہونے کی وجہ سے طلاق واقع ہوگی دیا وغیرہ کا محتاج نہیں ہے لما فی الشامی قولہ وفی انت الطلاق او الطلاق الخ بیان لما اذا اخبر عنہا بمصدر معرّفٍ او منکرٍ او اسم فاعلٍ بعد مصدر کذلک۔ پس صورت مسئولہ میں طلاق ہوجائے گی فقط

فریق ثانی کہتے ہیں کہ صورت مذکورہ میں طلاق واقع نہ ہوگی چونکہ اضافت نہیں ہے اور لفظ دیا وغیرہ کچھ نہ کہا۔ دلیل ان کی عبارت قاضی خان کی ہے کہ " ارتو زن من سہ طلاق " لا تطلق امرأتہ لانہ ما اضاف الطلاق الیہا ، وقولہ رجل قال لامرأتہ اگر توزن من سہ طلاق مع حذف الیاء لا یقع الخ

الجواب: فریق اول کا قول صحیح ہے اضافت طلاق جو شرط وقوع ہے اس میں اضافۃ معنویہ کافی ہے اور خطاب کے وقت اضافۃ معنویہ موجود ہوتی ہے قال الشامی والخطاب من الاضافۃ المعنویۃ وکذا الاشارۃ وصرح قبلہ ان الشرط ھی المعنویۃ لا اللفظیۃ قال ولا یلزم کون الاضافۃ صریحاً فی کلامہ لما فی البحر لو قال طالق فقیل لہ من عنیت فقال امرأتی طُلقت امرأتہ اھ الی ان قال ناقلا عن البحر امرأۃ طالق او قال طلقت امرأۃ وقال لم اعن امرأتی یصدق اھ ویفہم منہ انہ لو لم یقل ذلک تطلق امرأتہ لان الظاھر ان من لہ امرأۃ انما یحلف بطلاقہا لا بطلاق غیرہا اھ (ص ۵۰۷ ج ۲) ملخصاً۔ اور خانیہ وغیرہ میں جو مذکور ہے کہ ارتوزن من سہ طلاق لا تطلق لانہ ما اضاف الطلاق الیہا۔ اس میں اور صورت واقعہ میں فرق یہ ہے کہ جزئیہ خانیہ[عہ] اُس

عہ پہلے یہاں یہ لکھا گیا تھا کہ جزئیہ خانیہ دیانت پر محمول ہے اور قضاءً طلاق بدون اضافت صریحہ کے بھی واقع ہے جبکہ اضافت معنویہ خطاب واشارہ موجود ہو چونکہ عورت مثل قاضی کے ہے اس لئے دیانت پر (باقی بر صفحہ آئندہ)

صورت میں ہے جبکہ قرائن سے اضافت الی الزوجہ متعین نہو لان الکلام محتمل الصاف عن زوجتہ اذا لم یضف الطلاق الیھا۔ اور صورت مسئولہ میں قرائن قویہ حالیہ ومقالیہ ارادہ اضافت طلاق الی الزوجہ متعین ہے اما الحال فالغضب وارادۃ ضربھا واما المقال فقولہ طلاق جس طرف جائے گی یہ بھی اسی طرف جائے گی اھ پس صورت مسئولہ میں قضاءً بھی طلاق واقع ہوچکی ہے اور دیانۃً بھی لما سیاتی۔ قال الشامی عن القنیۃ عازیًا الی البرھان لصاحب المحیط رجل دعتہ جماعۃ الی شرب الخمر، فقال انی حلفت بالطلاق انی لا اشرب وکان کاذبًا فیہ ثم شرب طلقت وقال صاحب التحفۃ لا تطلق دیانۃً اھ وما فی التحفۃ لا یخالف ما قبلہ لان المراد طلقت قضاءً فقط لما مر انہ لو اخبر بالطلاق کاذبًا لا یقع دیانۃً بخلاف الھازل فھذا یدل علیٰ وقوعہ وان لم یضفہ الی المرأۃ صریحا نعم یمکن حملہ علیٰ ما اذا لم یقل انی اردت الحلف بطلاق غیرھا فلا یخالف ما فی البزازیۃ اھ وھو ما ذکرہ اولاً قال لھا لا تخرجی من الدار الا باذنی فانی حلفت بالطلاق فخرجت لا یقع لعدم ذکر حلفہ بطلاقھا ویحتمل الحلف بطلاق غیرھا فالقول لہ قال الشامی المفھوم من کلام البزازیۃ انہ لو اراد الحلف بطلاقھا یقع لانہ جعل القول لہ فی صرفہ الیٰ طلاق غیرھا اھ (ملخصًا متفرقا، ص ۵۰۵ ج ۲) پس جن جزئیات میں اضافت صریحہ نہونے کی وجہ سے عدم وقوع کا حکم مذکور ہے ان کا مطلب یہی ہے کہ اگر زوج ارادہ طلاق زوجہ کا انکار کرے اور قرائن بھی ارادۂ زوجہ پر قائم نہوں تو طلاق واقع نہو گی لیکن اگر قرائن اضافت الی الزوجہ پر قائم ہوں تو قضاءً بہر حال واقع ہے جبکہ اضافت معنویہ خطاب یا اشارہ موجود ہے، اور عورت مثل قاضی کے ہے وہ اپنے کو مطلقہ ہی سمجھے اور انکار زوج کو ہرگز قبول نکرے، اور صورت مسئولہ میں تو زوج ارادہ طلاق زوجہ کا منکر بھی نہیں پس اس صورت میں تو قضاءً ودیانۃً ہر طرح طلاق واقع ہوچکی۔ واللہ اعلم۔ ۹ رجمادی الاولیٰ ۱۳۴۵ھ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) فتویٰ نہیں دیا جاسکتا اھ پھر اس کو حضرت شیخ کے ارشاد سے بدلا گیا اور تحریر "ازالۃ الاغلاق" جواب سابق ہی پر لکھی گئی ہے ۱۲ منہ

تفصیل الجواب

الملقب

بازالۃ الاغلاق عن اضافۃ الطلاق

اقول وبہ نستعین ۔ جوابِ سابق پر دو شبہے کئے ہیں ۔ ایک یہ کہ خانیہ وغیرہ کا جزئیہ" ارتوزن من سہ طلاق" بحذف الباء لا تطلق لانہ ما اضاف الطلاق الیھا عدم وقوع طلاق میں مطلق ہے اس کو دیانت کے ساتھ کس دلیل سے مقید کیا گیا؟

دوسرے یہ عبارت بزازیہ لا تخرجی الا باذنی فانی حلفت بالطلاق لا یقع لعدم ذکرہ حلفہ بطلاقھا ویحتمل الحلف بطلاق غیرھا فالقول لہ سے مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اگر زوج ارادۂ طلاق مخاطبہ کا انکار کرے تو قضاءً بھی اس کا قول معتبر ہوگا ۔ اسی طرح جزئیہ بحر لو قال امرأۃ طالق او طلقت امرأۃ ثلثاً وقال لم اعن امرأتی یصدق سے بھی تصدیق قضاءً مفہوم ہوتی ہے اور جوابِ سابق میں یہ کہا ہے کہ قضاءً صورت مسئولہ میں انکار ارادۂ طلاق مخاطبہ کی تصدیق نہ ہوگی اس کی کیا وجہ۔

اشکال اوّل کا جواب یہ ہے کہ کلام فقہاء میں ایسے جزئیات کا حکم جن میں اضافت لفظیہ نہیں ہے (اور اضافت معنویہ یعنی مخاطبت موجود ہے) مختلف مذکور ہے ۔ کہیں حکم وقوع طلاق ہے اور کہیں عدم وقوع طلاق ۔

خلاصہ میں ہے لو قالت طلقنی فضربھا وقال اینک طلاق لا یقع ولو قال اینکت طلاق یقع یہاں تو اینک طلاق میں اضافت لفظیہ نہ ہونے کی وجہ سے عدم وقوع کا حکم ہے اس کے بعد ہے وفی مجموع النوازل سئل شیخ الاسلام عمن ضرب امرأتہ وقال دار الطلاق قال لا تطلق وسئل الامام احمد القلانسی عمن وکز امرأتہ وقال اینک یک طلاق ثم وکزھا ثانیا وقال اینک

عہ جس کی طرف حاشیہ ص ۳۹۶ میں اشارہ کیا گیا ہے ۱۲ منہ

دو طلاق وکن الثالث قال تطلق ثلاثا. شیخ الاسلام یقول سمی الضرب طلاقاً فبطل والامام احمد یقول سمی الطلاق ضربا اھ (ص ۷۶ ج ۲)۔ اس میں یہ اختلاف تو مذکور ہے کہ ضرب کو طلاق کہا ہے یا طلاق کو ضرب، لیکن یہ کسی نے نہیں کہا کہ اینک طلاق میں اضافت نہیں اس لئے طلاق نہیں ہوئی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اضافت کا تحقق دونوں کے نزدیک ہے حالانکہ اوپر اینٹ اور اینکت میں جو فرق کیا گیا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اینٹ میں لفظی اضافت نہیں تو اب ماننا پڑے گا کہ دوسری جگہ اضافت معنویہ کی وجہ سے (جو کہ مخاطبت ہے) وقوع کا حکم کیا گیا ہے، اب اس کے سوا کیا وجہ تطبیق ہوگی کہ جزئیہ اُولیٰ کو دیانت پر حمل کیا جائے اور ثانیہ کو قضاء پر ورنہ ایک کو خطا پر حمل کرنا ہوگا۔

اس کے بعد خلاصہ ہی میں ہے فی الفتاوی وفی المحیط (فی) دار طلاق بنوی لعدم الاضافة وقیل یقع بغیر نیة وھو الاشبہ اھ (ص مذکور) اس میں بھی میرے نزدیک قول اوّل دیانت پر اور ثانی قضاء پر محمول ہے کیونکہ "دار طلاق" میں واقعی اضافت لفظیہ نہیں جس سے یہ مطلب صریح حاصل ہو کہ اپنے اوپر طلاق سمجھے لیکن اضافت معنویہ کی وجہ سے اشبہ یہ ہے کہ قضاءً بلانیت کے طلاق پڑ جائے۔

اسی طرح خلاصہ (ص ۱۳۰ ج ۲) میں ہے رجل قال لامرأته ہزار طلاق اگر فلان کار کنی واراد به التعلیق لا یتعلق الطلاق بذلك الفعل ولو قال اگر فلان کار کنی ہزار طلاق یتعلق کذا قال صاحب المحیط ومن المتاخرین من قال یتعلق فی الوجھین لان طریق الصحة عند تقدیم الشرط ادراج الخطاب وھذا قائم عند تاخیر الشرط اھ قلت فقد اجمعوا ای صاحب المحیط والمتاخرون علی وجود الاضافة فی صورة تقدیم الشرط وان معنی قوله اگر فلان کار کنی ہزار طلاق ای تو بہزار طلاق واختلفوا فی صورة التاخیر لان الخطاب لم یوجد الا بعد قوله ہزار طلاق فافہم۔

اسی طرح خلاصہ میں ہے وفی نظم الزندویسی لو قال لامرأته فی حالة الغضب دور فته است وسه رفت وقد کان طلقها قبل ھذا تطلیقتین ولا نیة له لا یقع الثالث (ص ۷۷ ج ۲) ــــــــــــ اور ظاہر ہے

کہ قیود فقہیہ احترازی ہوتی ہیں پس ولانیۃ لہ کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر نیت ہو تو دو رفتہ است وسہ رفت سے تین طلاق پڑ جائیں گی حالانکہ یہاں اضافت لفظیہ نہیں۔ اور اس مسئلہ میں نیت کی قید اس وجہ سے نہیں ہے کہ اضافت لفظیہ کے فقدان میں قضاءً نیت کی ضرورت ہے بلکہ یہ قید اس وجہ سے ہے کہ لفظ دو وسہ دو طلاق وسہ طلاق کے معنی میں صریح نہیں بلکہ کنایہ ہے اور کنایہ بھی وہ جس میں بہر حال نیت کی ضرورت ہے جیسے انت واحدۃ۔ پس اگر وضع مسئلہ لفظ دو وسہ سے نہ ہوتی بلکہ دو طلاق رفت وسہ طلاق رفت ہوتا تو نیت کی کچھ ضرورت نہ ہوتی اگر پھر بھی نیت کی ضرورت ہوتی تو دو وسہ کے ساتھ وضع مسئلہ لغو ہو گی اور ظاہر ہے کہ دو طلاق رفت وسہ طلاق رفت میں بھی اضافت لفظیہ نہیں ہے۔

پس اس اختلاف کو دیکھ کر میں یہ سمجھتا ہوں کہ "ارتوزن من سہ طلاق" میں جو اضافت لفظیہ کے نہ ہونے سے حکم عدم وقوع دیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دیانۃً وقوع نہ ہو گا جبکہ زوج ارادۂ طلاق مخاطبہ کا انکار کرے اور قضاءً واقع ہے کیونکہ اضافت معنویہ مخاطبت موجود ہے جس کی بنا پر اینک طلاق میں حکم وقوع دیا گیا ہے۔

اور اگر یوں کہے اگر فلاں کار کنی بیک طلاق ففعلت طلقت معناہ بیک طلاق ہستی خلاصہ (ص ۹۸ ج ۲) اس میں قضاءً ودیانۃً ہر طرح طلاق واقع ہے کیونکہ اضافت معنویہ کے ساتھ اضافت لفظیہ بھی موجود ہے (الاقتضاء حرف الیاء متعلقا محذوفا وھو ہستی و المقتضی کالملفوظ)۔

علاوہ ازیں اشکال ثانی کے جواب میں جو وجوہ مذکور ہیں وہ بھی اسی کو مقتضی ہیں کہ جس کلام میں اضافت لفظیہ نہ ہو اور معنویہ موجود ہو وہاں قضاءً وقوع طلاق ہو گا گو دیانۃً

عہ ورنہ وقد کان طلقھا کی قید کا کیا نفع ہے۔

عہ سئل العلامۃ عبد الحی اللکنوی عن رجل قال لامرأتہ المدخول بھا بلفظ واحد طلاق ست طلاق ست طلاق ست پس از دے پرسیدہ شد کہ چند طلاق دادی او بجواب گفت کہ من صرف در تائید یک طلاق باقی الفاظ را ادا کردہ ام فاجاب بوقوع الطلقات الثلث قضاءً وان القاضی لا یقبل ارادتہ التاکید وان دین (ص ۷۸ ج ۲ مع الخلاصۃ) ۱۲ منہ

نیت زوج معتبر ہو۔

رہا یہ کہ خانیہ وغیرہ میں لا تطلق مطلق ہے اُس کا مقید کرنا صحیح نہیں کیونکہ فقہاء موقع تقیید میں اطلاق نہیں کیا کرتے۔ تو یہ اشکال اس لئے مسلم نہیں کہ جزئیات فقہیہ میں غور کرنے سے ایسی نظائر بہت ملیں گی کہ فقہاء نے مقام تقیید میں اطلاق کیا ہے۔ چنانچہ جواب سابق میں شامی سے جو برہان محیط کا جزئیہ نقل کیا گیا ہے رجل دعته جماعة الی شرب الخمر الخ اس میں طلقت مطلق ہے جس کو شامی نے قضاءً سے مقید کیا ہے لان المراد طلقت قضاءً الخ و نظائرہ کثیرة کما لا یخفی۔

اب رہا **دوسرا اشکال** کہ لو قال امرأة طالق او قال طلقت امرأة ثلاثا وقال لم اعن امرأتی یصدق اھ سے مفہوم ہوتا ہے کہ عدم اضافت لفظیہ کی صورت میں قضاءً و دیانةً ہر طرح تصدیق ہوگی اور جواب سابق میں تصدیق کو دیانت سے مقید کیا گیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک اس جزئیہ میں تو اگر زوج ارادۂ طلاق زوجہ کا انکار کرے تو قضاءً و دیانةً ہر طرح تصدیق ہوگی لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جب اضافت لفظیہ نہ ہو اور اضافت معنویہ ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ بات یہ ہے کہ امرأة طالق او طلقت امرأة میں نفی ارادۂ زوجہ معروفہ کی تصدیق قضاءً اس لئے ہوتی ہے کہ دراصل حالاً اس کلام اضافت نہ لفظی[ع] ہے نہ معنوی ہے بلکہ صرف ایک قرینۂ خارجیہ سے یعنی عادت سے اضافت پیدا کی گئی ہے وھو قولہ لان العادة ان من لہ امرأة انما یحلف بطلاقھا لا بطلاق غیرھا بخلاف صورت مسئولہ کے کہ اس میں عورت کو مخاطب کرکے ایک طلاق دو طلاق کہا ہے گو لفظ تجھ کو وغیرہ نہیں مگر وہ سامنے موجود ہے اور اسی کو سنایا گیا ہے اور خطاب کا قصد ہے اس لئے اضافت معنویہ بوجہ خطاب کے موجود ہے اب اگر ارادۂ زوجۂ مذکورہ کی نفی کرے گا تو یہ قول قضاءً قبول نہ ہوگا چنانچہ اگر بجائے امرأة طالق و طلقت امرأة

ع کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک عورت کو طلاق یا ایک عورت کو میں نے طلاق دی جس میں ارادۂ زوجہ پر کوئی دلیل نہیں بلکہ اخبار عن الغیر کا بھی احتمال ہے کیونکہ مرد وکالةً غیر منکوحہ کو بھی طلاق دے سکتا ہے ۱۲ منہ

یا امرأتہ[عہ] طالق کہے تو اس کی زوجہ معروفہ پر قضاءً طلاق واقع ہو جائے گی اور اُس کے ارادہ کی نفی معتبر نہ ہوگی گو صراحۃً یہاں بھی اضافت طلاق کی زوجہ معروفہ کی طرف نہیں کہ نہ اشارہ ہے نہ تسمیہ بلکہ اضافت اُس عورت کی طرف ہے جو کہ اس کی ہو جس میں غیر معروفہ کا بھی احتمال ہے، مگر چونکہ زوجہ معروفہ ایک ہی ہے اس لئے معنیً اضافت اسی کی طرف ہے اور اُس کی نفی لغو ہے قال فی البحر لو قال امرأته طالق ولم يسم وله امرأة معروفةٌ طلقت استحسانًا ولو قال لی امرأة اخرى واياها عنيتُ لايقبل إلا ان يقيم البينة اھ (ص ۲۵۴ ج ۳)

رہا یہ کہ عبارت بزازیہ قال لها لاتخرجی من الدار الا باذنی فانی حلفت بالطلاق فخرجت لايقع لعدم ذكر حلفه بطلاقها . ويحتمل الحلف بطلاق غيرها فالقول لهٗ اھ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ قضاءً اُس کا قول معتبر ہے اگر وہ غیر کا ارادہ بیان کرے اور مخاطبہ کی نفی کرے ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قضاءً یہ جب معتبر ہوگا جبکہ اس کے کوئی اور بیوی بھی مخاطبہ کے سوا ہو ورنہ نہیں قال ابن عابدين فی حاشية البحر ان قول البزازية هنا لايقع ای قضاءً فيه مخالفة لهذا (ای لما فی القنية عن المحيط رجل دعته جماعة الى شرب الخمر فقال انی حلفت بالطلاق انی لا اشرب وكان كاذبًا فيه ثم شرب طلقت اھ ای قضاءً) ويمكن ان يوفق بينهما بان ما فی البزازية محمول على انشاء الحلف لا على الاخبار وما فی القنية على الاخبار لقوله وكان كاذبا فيه ولكن بعد هذا يرد على ما فی القنية ان قوله بالطلاق يحتمل الحلف بطلاق امرأة اخرى الا ان يحمل على انه ليس له امرأة اخرى غيرها فيكون اخبارًا عن طلاق مضاف اليها وما فی البزازية محمول على ان لهٗ غيرها والا لا يصدق بدليل ما يأتی عن الظهيرية من قوله لو قال امرأته طالق ولم يسم وله امرأة معروفه طلقت استحسانا وان قال لی امرأة اخرى واياها عنيت لايقبل قوله الا ان يقيم البينة اھ (ص ۲۵۳ ج ۳)

بہر حال امرأة طالق وطلقت امرأة میں قضاءً اُس کے قول کی تصدیق کا منشا خلو کلام

عہ یہاں تو صریح اضافت موجود ہے۔

عن الاضافۃ حالاً ہے اور عبارت بزازیہ میں اگر لا یقع کو قضاء پر محمول کیا جائے نہ کہ دیانت پر تو اس کا محمل یہ ہے کہ حالف کے چند بیویاں ہوں۔ اور اگر کسی کے صرف ایک بیوی ہو اور وہ اس کو لڑائی جھگڑے میں ایک طلاق دو طلاق بدون اضافت لفظیہ کے کہے تو قضاءً نفی قصد مخاطبہ کی قبول نہ ہوگی کیونکہ اضافت معنویہ موجود ہے وہو الخطاب اور کوئی بیوی سوائے مخاطبہ کے ہے نہیں تو پھر کیونکر نفی کو مانا جائے فان القاضی انما یتبع الظاھر واللہ یتولی السرائر صرحوا بہ فی مواضع شتی۔ خلاصہ میں ہے سکران ھرب منہ امرأتہ فتبعھا ولم یظفر بھا فقال بالفارسیۃ سہ طلاق ان قال عنیت امرأتی یقع اھ (ص ۷۶ ج ۲) اور ظاہر ہے کہ قیود فقہیہ احترازی ہیں تو اس میں لم یظفر بھا کی قید بتلاتی ہے کہ اگر وہ سہ طلاق ایسی حالت غضب میں عورت کے سامنے کہدے تو اس صورت میں قضاءً عنیت امرأتی کہنے کی ضرورت نہ ہوگی، واللہ اعلم۔ ۱۱ رج ۱ ۱۳۴۵ھ۔

فذلکۃ الکلام

بعد جوابات اشکالات کے اب اصل مسئلہ کے متعلق یہ عرض ہے کہ اس میں تو شک نہیں کہ باب طلاق میں دیانت کا مدار صحت معنی پر ہے اور قضاء کا مدار تبادر معنی ہے۔ گو اس کے دوسرے معنی لینا بھی صحیح ہوں لیکن جب وہ متبادر کے خلاف ہوں گے تو قضاءً قبول نہ ہونگے اور معنی متبادر ہی کو صریح کہا جاتا ہے قال فی الدر وصریحہ مالم یستعمل الا فیہ اھ قال الطحطاوی وقع نظیرہ لصاحب النھر حیث قال ھو ما استعمل فی الطلاق دون غیرہ وھما قاضیان بان اللفظ لو استعمل فی غیر الطلاق ولو نادرًا یقدح فی صراحتہ فیہ مع انھم نصوا علی ان الترکی یستعمل ھذا اللفظ للطحال ولا یصدق قضاءً انہ ارادہ بل یحکم علیہ بالطلاق ان یقال ان المراد بالحصر کثرۃ الاستعمال فعلی ھذا لو قال صریحہ ما کثر استعمالہ فیہ لکان اولی اھ (ص ۱۷۷ ج ۲) قلت وکذا

صاحب البحر والفتح والشامیۃ مثلہ ۔ پس اب دیکھنا چاہیئے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے لڑائی کی حالت میں ایک طلاق دو طلاق کہے یا فارسی میں ار توزن منی سہ طلاق کہے تو اس سے متبادر یہی ہے کہ تجکو ایک طلاق دو طلاق اور ار توزن منی بسہ طلاق ہستی اور اس کا خلاف کچھ متبادر نہیں گو لغۃً صحیح ہوسکتا ہے جیسا کہ صاحب بزازیہ نے کہا ہے کہ لا تخرجی الا باذنی فانی حلفت بالطلاق میں کسی دوسری عورت کی طلاق کا بھی احتمال ہے مگر یہ احتمال ایسا ہی ہے جیسا انت طالق میں طلاق عن الوثاق وعن القید کا احتمال اور یا طالق میں سب وشتم کا احتمال کہ قضاءً مسموع نہ ہوگا گو دیانۃً بوجہ صحت معنی کے مسموع ہو جائے پس سوا اس صورت کے جو شامی نے بیان کی ہے کہ بزازیہ کے قول کو اس پر محمول کیا جائے کہ مرد کی دوسری بیوی بھی معروف ہو اور کوئی وجہ اس کلام کی صحت کی نہیں اور جب یہ ثابت ہوگیا کہ بیوی کو خطاب کرکے ایک طلاق دو طلاق کہنا اور ار توزن منی سہ طلاق کہنا اس سے متبادر یہ ہے کہ ار توزن منی بسہ طلاق ہستی، تو اب اس میں عدم وقوع کا مطلقاً حکم کیونکر صحیح ہوسکتا ہے؟ بلکہ ان کو دیانت پر حمل کرنا لازم ہے لا یقال الصریح انت طالق واذا لم یکن لفظ انت مذکوراً لا یبقی صریحاً فکیف یحکم بالوقوع قضاءً اذا انکر ارادۃ المخاطبۃ بہ قلت لفظ انت لا دخل لہ فی الصراحۃ ویبقی الکلام صریحاً بدونہ اذا کان معنی الخطاب متبادراً قال ابن عابدین فی حاشیۃ البحر الصریح ما فیہ مادۃ ط ل ق کطالق وطلاق وتطلیق ونحوہ فقولہ انت طالق صریح ولا مدخل لقولہ "انت" فی صراحتہ اھ (ص ۲۶۱ ج ۳)۔ ولعل الکلام فی البحث عن المسئلۃ قد تم وعم والحمد للہ علی ما علم وانہم ۔

۱۱ ج ا ۴۵ ھ

حضرت شیخ نے اس تحریر کو ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ میرے نزدیک فقہاء کی عبارات مطلقہ در باب عدم وقوع بسبب عدم اظافت کو دیانت پر محمول کرنا تقیید اطلاق ہے کیونکہ لا یقع میں نکرہ تحت نفی ہے جو عام ہے اس کو بلا دلیل خاص نہیں کرسکتے ہاں یقع نکرہ تحت الاثبات ہے جو عموم میں نص نہیں اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس کو عدم وجود قرائن پر محمول کیا جائے اور عبارات مفیدۂ کو قرائن پر کما فی الجواب ۔ قلت والیہ یمیل قلبی لکن فی النفس بعد شیٔ ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امراً ۱۲

طلاق میں عورت کے قول کا اعتبار، جبکہ میاں بیوی میں اختلاف ہو

(سوال) بیان زوجہ کا :- زوجہ وشوہر دونوں ایک جگہ اس طرح ہے کہ زوجہ دالان کے اندر تھی اور شوہر سائبان میں تھا، اور دالان میں تین دروازے تھے جس میں سے دو دروازے بند تھے اور صرف ایک دروازہ کھلا تھا، میں نے دالان کے اندر سے سُنا کہ شوہر نے مجھ کو کہا کہ "میں نے تم کو طلاق دیا" مجھے اٹکل سے معلوم ہوا کہ یہ الفاظ تین دفعہ کہا تھا میں نے لفظ "نہ" نہیں سُنا تھا فقط۔

بیان شوہر کا :- میں نے اپنی چھوٹی بہن کو بھیجا کہ جاکر اپنی بھاوج کو بلالاؤ چنانچہ وہ گئی اور واپس آکر کہا کہ نماز پڑھکر آویں گی، میں نے کہا اچھا۔ وہ تھوڑی دیر کے بعد آئیں اور کہا کہ کیا ہے؟ میں نے کہا کہ نیند معلوم ہوتی ہو سونے دو۔ چند منٹ گفتگو ہوتی رہی میں آنکھ بند کئے پڑا رہا کہ وہ اندر مکان کے گئیں میں نے کہا کہ کہاں جاتی ہو جواب ملا کہ آتی ہوں۔ میں نے کہا اچھا۔ وہ اندر سے کہنے لگیں کہ طلاق کا لفظ کیسا کہا ہے؟ میں نے فوراً جواب دیا کہ طلاق کیسا میں نے نام بھی نہیں لیا ہے، انہوں نے کہا کہ شاید سننے میں فرق ہوگیا ہو، میں خاموش تھا، انہوں نے کہا کہ جانتے ہو طلاق کیسے دیا جاتا ہے میں نے کہا کہ نہیں، کہا کہ اس طرح دیا جاتا ہے "میں نے تم کو طلاق دیا" میں نے کہا ہوں، کہا کہو، اس وقت میں نے کہا کہ ہم نے تم کو طلاق نہ دیا، انہوں نے کہا کہ نہ کا لفظ نہیں کہا جاتا ہے، میں نے کہا کہ ہاں نہ کا لفظ میں نے بہت زور سے نہیں کہا ہے میں سائبان میں تھا اور وہ دالان میں تھیں میں نے پھر کہا کہ طلاق وغیرہ کا نام میں نے نہیں لیا ہے اس کا خیال مت کرنا تب انہوں نے کہا کہ ہاں ہمارے سننے میں فرق پڑگیا ہوگا فقط۔

استفتاء :- زوجہ وشوہر کا بیان اُوپر لکھا گیا ہے گواہ دونوں میں کسی کے پاس نہیں ہیں عرصہ دس بارہ سال کا ہوا کہ یہ واقعہ ہوا تھا اس وقت سے دونوں علیحدہ رہے اور پردہ رہا اب زوجہ وشوہر دونوں راضی ہیں اور دریافت کرتے ہیں کہ اگر شرع شریف اجازت دے تو آپس میں میل کرلیں کیا حکم علماء کا ہے احکام شرع سے آگاہ فرماویں؟ اجر عظیم اللہ تعالیٰ سے پاویں گے فقط۔

الجواب : صورت مسئولہ میں اگر زوجہ کو خوب پختگی سے یہ یاد ہے کہ شوہر

نے (میں نے تم کو طلاق دیا) تین بار کہا تھا تو اب اس کو اس شوہر کے پاس رہنا جائز نہیں اور بدون حلالہ کے دوسرا نکاح بھی اس سے نہیں کر سکتی اور اگر تین بار کے سننے میں شک ہو یعنی تین دفعہ لفظ مذکور کہنے کا ایسا یقین نہیں کہ اس پر حلف کر سکے تو وہ بدونِ حلالہ کے تجدید نکاح کر کے اس شخص کے پاس رہ سکتی ہے گو بیانِ شوہر کے مطابق تجدید نکاح کی بھی ضرورت نہیں تھی مگر جب عورت کو طلاق کا لفظ بدون لفظ "نہ" کے مسموع ہوا ہے تو اس کو بدون تجدید نکاح کے اس کے پاس رہنا اُس وقت بھی جائز نہیں جبکہ تین بار میں شک ہو لأن المرأة كالقاضي فلا تؤمر الا بعلمها و سماعها ولزوم التجديد لمضي العدة والا فالطلاق وقع رجعيا لو اقل من الثلث، واللہ اعلم۔

۸ رجمادی الاخری ۴۳ھ۔

کابین نامہ میں لکھ دیا کہ دوسرا عقد کروں تو اس پر ایک دو تین طلاق ہو جائیگی۔ اس اقرار نامہ کی خلاف ورزی پر زوجہ ثانیہ پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں

(سوال) ایک شخص نے کسی کی ایک نابالغ لڑکی سے ارادہ نکاح کا کیا اور اپنے مربی بزرگوں سے چند آدمیوں کو لڑکی کے باپ کے پاس بھیجدیا تاکہ نکاح کا پیغام کریں اور بات چیت ٹھیک کریں وے لوگ لڑکی کے باپ کے پاس گئے اور نکاح کی درخواست کی۔ لڑکی کے باپ نکاح دینے پر راضی ہوا لیکن یہ بات کہا کہ کابین نامہ نکاح کا قبل عقد نکاح کے رجسٹری کرادینا ہوگا۔ اور کابین نامہ کے شرائط میں اپنی مرضی کے موافق لکھاؤں گا دوسری کوئی کابین نامہ پر حوالت و برات نہیں۔ اگر یہ بات منظور ہو تو میں اپنی لڑکی اسے نکاح دے سکتا ہوں، وے لوگ اس بات پر راضی ہوگئے اور جاکر ناکح کو آگاہ کیا ناکح نے کابین نامہ لکھوانے کے واسطے کاغذ خرید کر کے لڑکی کے باپ کے پاس بھیجدیا اور کاتب کی اُجرت بھی ایک روپیہ بھیجدیا۔ پس لڑکی کے باپ نے کابین نامہ لکھوایا اور ناکح کے پاس بھیجا اور ایک شخص نے کابین نامہ مرقومہ ناکح کو پڑھ کر سنایا۔ پس ناکح نے کابین نامہ سُنکر اور شرائط و مضامین سے آگاہ ہو کر کابین نامہ پر اپنی دستخط کر کے رجسٹرار کے پاس لے گیا۔ اور اپنا انگوٹھا[1]

[1] نشان انگوٹھا۔

چسپا کئے پھر دستخط کر کے اپنی طرف سے فیس دے کے کابین نامہ کو رجسٹری کروا دیا۔ بعد اس کے اس لڑکی سے عقد نکاح ہو گیا۔ واضح رہے کہ کابین نامہ مذکورہ میں یہ شرط لکھی گئی تھی کہ (آپ[1] کی اور آپ کے ولی وارث کی بلا اجازت اور آپ کے مہرانے کا کل روپیہ نقد ادا کر کے پشت کابین نامہ ہذا پر وصول لکھوا دینے کے بغیر اگر کوئی غیر عورت سے نکاح کروں تو وہ عورت اسی وقت ایک[1] دو[2] تین[3] طلاق ہو جائے گی) اب اس شخص نے اس بیوی کے اوپر ایک دوسری عورت سے نکاح کر لیا اور اس کے ساتھ بود و باش کرنے لگا۔ نہ بی بی سے اجازت لی اور نہ بی بی کے ولی وارث سے پوچھا۔ اور نہ زر نقد مہرانہ ادا کر کے پشت کابین نامہ پر وصول لکھوا دیا۔ پس اس صورت میں اس کی دوسری عورت مطلقہ بہ۳ طلاق ہو گئی یا نہیں۔ اور اس عورت کے ساتھ خلوت، صحبت کرنا زنا میں محسوب ہوگا یا نہیں اور وہ شخص اس وقت یہ عذر پیش کرتا ہے کہ یہ کابین نامہ میں نے رجسٹری کروایا سو صحیح ہے اور دستخط و تھام بھی میرا ہی ہے لیکن میں نے قبل عقد نکاح کے بین نامہ دیا۔ اور میں نے زبانی اقرار نہیں کیا۔ اور نہ کسی کو اپنے اقرار پر گواہ رکھا۔ اور نہ کسی کو لکھنے کے واسطے حکم دیا۔ پس اس صورت میں اس کا یہ سب عذر سنا جائے گا یا نہیں۔ اور کابین نامہ قبل عقد نکاح کے ہونا شرط مذکورہ کو مضر ہے یا نہیں۔ اور رجسٹری کردہ کابین نامہ مثل اقرار[2] ہی باللسان کردہ خط کے ہے یا نہیں۔ اور رجسٹری سے اقرار خط کا ثابت ہوتا ہے یا نہیں، اور رجسٹری کردہ خط کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مذکورہ میں دوسری عورت پر نکاح کرتے ہی تین طلاق واقع ہو گئیں اور اس سے وطی و خلوت سب داخل زنا ہے الا انہا لو اتت منہ باولاد بھذا الوطی تکون اولاد الزنا و مسلوبۃ النسب بل تعد ولد الحلال لکونہ وطیا بشبھۃ۔ اور شخص مذکور کے جملہ اعذار لغو ہیں جب ناکح نے کابین نامہ خود خرید کر بھیجا اور لڑکی کے باپ کو اختیار دیا کہ جو چاہو لکھوالو،

---

[1] اپنی زوجہ کو خطاب کرتا ہے۔ [2] ای اقرار بالا۔

اور خود اجرت کتابت دی اور اس کو سن لیا اور شرائط و مضامین سے آگاہ ہو کر اس پر دستخط کر دئے اور اس کو خود رجسٹری کرایا اور اب بھی اقرار ہے کہ یہ دستخط وغیرہ سب میرے ہیں تو یہ بمنزلہ قول باللسان کے ہے قال فی الشامیۃ ولو استکتب من اٰخر کتابا بطلاقھا وقرأہ علی الزوج وختمہ وعنونہ وبعث بہ الیھا فاتاھا وقع (الطلاق) ان اقر الزوج انہ کتابہ اھ (ص ۴۰۷ ج ۲)

واللہ اعلم۔ ۲۲ رجب ۴۳ھ۔

تتمہ جواب: اقول وباللہ التوفیق۔ صورت مسئولہ میں چونکہ کابین نامہ قبل نکاح لکھا گیا ہے اس لئے اس میں چند صورتیں ہیں ایک یہ کہ یوں لکھا ہو کہ اگر میں تجھ سے نکاح کر لوں پھر تیری یا تیرے ولی کی اجازت کے بغیر اور مہر وغیرہ ادا کئے بغیر کسی عورت سے نکاح کر دوں تو اس کو طلاق، اس صورت میں تو جب عورت مخطوبہ سے نکاح کر کے کسی عورت سے اس کی یا ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کریگا تو منکوحہ ثانیہ پر طلاق پڑ جائے گی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یوں لکھا جائے کہ جب تک تو میرے نکاح میں رہے پھر میں تیری یا تیرے ولی کی اجازت کے بغیر اور بدون مہر کل ادا کئے کسی سے نکاح کروں الخ اس صورت میں منکوحہ ثانیہ پر طلاق واقع نہیں ہوگی قال فی العالمگیریۃ قال لاجنبیۃ مادمت فی نکاحی فکل امرأۃ اتزوجھا فھی طالق ثم زوجھا فتزوج علیھا امرأۃ لا یقع ولو قال ان تزوجتک فما دمت فی نکاحی فکل امرأۃ اتزوجھا علیھا والمسألۃ بحالھا یقع کذا فی الوجیز للکردری (ص ۱۰۱ ج ۲) قال سیدی حکیم الامۃ: والفرق بینھما ان فی الاول علق طلاق الثانیۃ علی بقاء نکاح الاولیٰ والبقاء لا یتصور بدون الحدوث فلا یصح تعلیق شیٔ علی بقاء النکاح اذا کان الخطاب مع الاجنبیۃ فیلغوا الکلام ولا یقع بہ علی الثانیۃ شیٔ۔ وفی المسئلۃ الثانیۃ علق الطلاق علی انشاء النکاح بالمخاطبۃ ویصح انشاء النکاح بکل اجنبیۃ فیصح التعلیق واذا تزوج علیھا اخریٰ طلقت اھ پس صورت مسئولہ کا جو جواب دیا گیا ہے وہ اس بنا پر ہے کہ اس کابین نامہ کی عبارت کاملہ سے تعلیق طلاق منکوحہ ثانیہ

علی انشاء النکاح بالاولی ہو اور اگر تعلیق انشاء النکاح بالاولی پر نہیں ہے بلکہ اس کے نکاح کے بقاء پر طلاق ثانیہ کو معلق کیا ہے تو وقوع طلاق نہ ہوگا چونکہ عبارت کا بین نامہ مختصر تھی اور وہ کسی ایک مراد میں نص نہ تھی اس لئے تردد ہوگیا آپ ان لوگوں کے محاورات وطرز کتابت سے واقف ہیں جس صورت میں داخل سمجھیں اس کا حکم لگادیں۔

۳۰ رجب ۴۳ھ۔

مجھ کو تمہاری لڑکی کی ضرورت نہیں الخ کے الفاظ سے طلاق نہیں ہوتی

(سوال) (۱) زید نے اپنی لڑکی کی شادی عمرو سے کردی (۲) عرصہ ڈیڑھ سال کا ہوگیا عمرو نے لے جانے سے انکار کردیا (۳) اگر اس سے طلاق کے واسطے کہا گیا تو کچھ جواب نہیں دیا (۴) کچھ عرصہ کے بعد اس نے ایک خط لکھا جو کہ میرے پاس موجود ہے اور اس میں لکھتا ہے کہ "یا تو ۸ یوم کے اندر میری بیوی کو روانہ کردو ورنہ میری تمہاری رشتہ داری نہیں ہے، اور نہ مجھ کو تمہاری لڑکی کی ضرورت" مکرر دو فقرے یہ لکھتا ہے کہ "مجھ کو ضرورت نہیں چاہیئے تم کچھ کرو میں بڑا نیک ہوں اور شادی کرلوں گا"۔
(۵) بندہ بہت غریب آدمی ہے خود نان و نفقہ کو محتاج ہے تو کیا میں دوسرا نکاح لڑکی کا کرسکتا ہوں؟
(۶) مکرر فقرہ جو اس نے لکھا ہے وہ یہ ہے کہ "میں قسم کھا کے کہتا ہوں کہ تمہاری لڑکی کی مجھ کو کچھ ضرورت نہیں ہے"۔

الجواب : عمرو نے جو لکھا ہے کہ مجھ کو تمہاری لڑکی کی ضرورت نہیں ہے اس لفظ سے طلاق نہیں ہوئی کما فی فتاوی قاضی خاں (ص ۲۱۷ جلد ۲) ولو قال لا حاجۃ لی فیك ونوی الطلاق لا یقع اھ وھکذا فی العالمگیریۃ ص ۶۹ ج ۲

عبدالکریم عفی عنہ۔ الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ۔

حکم طلاق بلفظ اگر گہے نزد تو کلام دروغ گویم تا بعد نکاح زوجہ ام سہ طلاق خواہد شد

(سوال) اگر کوئی شخص پرچہ پر لکھے یا اور کسی شخص کو خطاب کرکے کہے کہ من از امروز تا زندگی نزد تو کلامے دروغ نخواہم گفت۔ اگر گہے نزد تو کلام دروغ گویم تا بعد نکاحم۔ زوجہ ام سہ طلاق بائن خواہد شد بعد دو ماہ چنداں نکاح کنم۔ ہر زوجہ ام را اکنون طلاق بائنہ دادم بعد دو ماہ اگر وقتے نزد تو دروغ گویم۔ سچ مچ یہی عبارت کہا اور لکھا اور کاتب وقائلے

یہ کلام قبل نکاح و بعد نکاح بارہا ساتھ مخاطب مذکور کے جھوٹ بات کہا تو کیا زوجہ
پر قائل و کاتب کی طلاق پڑگئی؟ اور اگر مطلقہ ہو جائے تو جتنے نکاح کرے گا تو سب عورت مطلقہ
ہو جائے گی یا نہ اور اگر سب عورت مطلقہ ہو جائے تو کیا وہ شخص تمام عمر بے زن رہے گا
یا واسطے قائم رہنے نکاح کے کوئی صورت ہو سکتا ہے اور اگر ہو سکے تو وہ صورت کیا از
روئے مہربانی جواب سے مشکور و ممنون فرمادیں۔

الجواب: صورت مسئولہ میں قائل کے کلام میں دو جملے ہیں ایک "اگر گہے نزد تو
کلام دروغ گویم تابعد نکاحم زوجہ ام سہ طلاق بائن خواہد شد بعد دو ماہ" یہ تو تعلیق ہے
اس کا حکم یہ ہے کہ اگر قائل نے مخاطب سے کلام دروغ قبل از نکاح کر لیا اور پیچھے نکاح
کیا اور نکاح کے بعد دروغ نہیں کہا تو منکوحہ پر طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر نکاح پہلے کیا
اور کلام دروغ بعد میں کیا تو منکوحہ اولی پر طلاق ثلث واقع ہو جاوے گی بعد دو ماہ
کے، اور اس کے بعد تعلیق ختم ہو جاوے گی۔ دوسری بیوی پر دروغ سے طلاق واقع نہ ہوگی
قال فی الشامیة قال کل امرأة اتزوجها فھی طالق ان کلمت فلانا فکلم
ثم تزوج لا یقع الطلاق علیھا وان کلم ثم تزوج ثم کلم طلقت المتزوجة
بعد کلام الاول خانیہ (ص ۸۱۳ ج ۲) وفی الدر کلمات الشرط ان،
واذا، واذا ما، وکل، وکلما، ومتی، ومتی ما۔ وفیھا تنحل الیمین اذا وجد
الشرط مرة الا فی کلما "قلت ولفظ گہے" فی الفارسیة بمعنی "متی" واللہ اعلم۔
اور جملہ ثانیہ میں تعلیق نہیں ہے بلکہ اکنوں طلاق دادم انشاء حال پر دال ہے اس سے
کسی منکوحہ بعد الکلام پر طلاق کا وقوع نہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔ ظفر احمد

اگر تو اپنے باپ سے ملے گی یا اپنے باپ کے گھر جائیگی تو تجھ پر طلاق، اور عورت باپ کے مرنے کے بعد باپ کے گھر گئی تو طلاق نہیں ہوگی

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین مفتیانِ شرع چراغ راہ دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی عورت سے کہا کہ اگر تو اپنے باپ سے ملے گی
یا اپنے باپ کے گھر جاوے گی تو تجھ پر طلاق ہے آپ مع کتب معتبرہ و عبارت عربی ارسال فرماویں
کہ آیا اس کا نکاح فاسد ہوگیا یا کہ نہیں جبکہ وہ اپنے باپ کے گھر بعد اپنے باپ کے انتقال کے
گئی، بینوا توجروا۔

الجواب: بظاہر شوہر کے ان الفاظ سے "کہ اگر تو اپنے باپ کے گھر جاوے گی الخ

وہی مراد ہے جو پہلے جملہ سے مراد ہے یعنی باپ سے گھر جاکر ملنا اس لئے بعد انتقال والد کے اگر یہ عورت اس کے گھر گئی تو طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر اس جملہ سے مستقلاً باپ کے گھر سے روکنا مراد ہے جب بھی طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ گھر کو باپ کی طرف مضاف کیا گیا ہے اور موت سے یہ اضافت منقطع ہوگئی قال فی الشامیۃ لومات مالک الدار (فیما اذا حلف لا یدخل دار زید) فدخل لا یحنث لانتقالها للورثۃ ولو کان علیہ دین مستغرق قال محمد بن مسلمۃ یحنث وقال ابو اللیث لا وعلیہ الفتوی لانها وان لم یملکها الورثۃ وبقیت علی حکم ملک المیت ولکن لم تکن مملوکۃ لہ من کل وجہ اھ (ص ۱۲۸ ج ۳) واللہ اعلم

ربیع الاول ۴۲ھ۔

اگر تو چاند جیسی حسینہ نہیں تو تجھ پر تین طلاق کہنے سے بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی

(سوال) ایک شخص نے اپنی زوجہ کو کہا کہ اگر تو چاند جیسی حسینہ نہیں تو تجھ پر تین طلاق ہیں اب ایک مولوی صاحب نے کہا ہے کہ اس پر طلاق نہیں واقع ہوئی کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ہم نے جنس انسان کو اچھی صورت میں پیدا کیا ہے، تو اگر عورت جیسی بھی قبیحۃ المنظر ہو وہ چاند سے خوبصورت ہے۔ اور ایک مولوی صاحب نے فرمایا ہے کہ طلاق واقع ہو جاتی ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے جعل الشمس ضیاء والقمر نورًا تو گویا قمر نورانی چیز ہے اور عورت چاند جیسی منورہ نہیں اس واسطے طلاق واقع ہوگئی۔ تحریر فرماؤ کہ کس کی دلیل قوی ہے؟

الجواب: الضوء والنور ما یفرق البصر والحسن والجمال ما یمیل بالقلب ویجلبہ الیہ عرفا صورت مذکورہ میں ہمارے نزدیک طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ گو چاند کا عورت سے انور ہونا یقینی ہو مگر احسن ہونا یقینی نہیں کیونکہ حسن کا مدار صرف نور پر نہیں بلکہ اور بہت سی اداؤں کو بھی اس میں دخل ہے قال الشاعر

؎ فغیک من الشمس المنیرۃ ضوءها ٭ ولیس لها منک التبسم والثغر

وقال آخر ؎

خوبی ہمیں کرشمہ ناز و خرام نیست ٭ بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

اس لئے چاند کا اس عورت سے احسن ہونا مشکوک ہوگیا و لا یقع الطلاق بالشک

قلتُ ثم ظفرت بجزئیۃ صریحۃ فی الباب ذکرہ العلامۃ المحدث ابوبکر ابن العربی فی احکام القراٰن لہ فی تفسیر سورۃ التین وقد اخبرنا المبارک بن عبد الجبار الازدری اخبرنا القاضی ابو قاسم علی بن ابی علی القاضی المحسن عن ابیہ یومًا کان عیسی بن موسی الہاشمی یحب زوجہ حبًّا شدیدًا فقال لہا یومًا انت طالق ثلاثا ان لم تکونی احسن من القمر فنھضت واحتجبت عنہ وقالت طلقتنی وبات بلیلۃ عظیمۃ ولما اصبح غدا الی دار المنصور فاخبرہ الخبر وقال یا امیر المؤمنین ان تم علی طلاقہا تصلفت نفسی غما وکان الموت احب الی من الحیاۃ واظہر للمنصور جزعًا عظیمًا فاستحضر الفقہاء واستفتاہم فقال جمیع من حضر قد طلقت الارجلا واحدًا من اصحاب ابی حنیفۃ فانہ کان ساکتًا فقال لہ المنصور مالک لاتتکلم فقال لہ الرجل "بسم اللہ الرحمن الرحیم والتین والزیتون وطور سینین وھذا البلد الامین لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم" یا امیر المؤمنین الانسان احسن الاشیاء ولا شئ احسن منہ فقال المنصور لعیسی بن موسی الامر کما قال فاقبل علی زوجتک فارسل ابوجعفر المنصور الی زوجتہ ان اطیعی زوجک ولاتعصیہ فما طلقک فھذا یدل علی ان الانسان احسن خلق اللہ باطنًا وھو احسن خلق اللہ ظاہرًا جمال ہیئتہ وبدیع ترکیب الرأس بما فیہ والصدر بما جمعہ والبطن بماحواہ والفرج وماطواہ والیدان وما بطشاہ والرجلان وما احتملاہ ولذلک قالت الفلاسفۃ انہ العالم الاصغر اذکل ما فی المخلوقات اجمع فیہ ھذا علی الجملۃ وکیف علی التفصیل یتناسب المحاسن فھو احسن من الشمس والقمر بالمعنیین جمیعًا (ص ۲۲۳ ج ۲) - ۲ / رمضان المبارک سنہ ۴۴ھ -

ایک مولوی صاحب نے ایک جاہل کو تعلیم دی کہ تو کہا کر کہ یا امرأتی انت طالق ثلاثا تو خدا تجھ کو بہت	بطور وظیفہ صیغۂ طلاق کہنے سے قضاءً طلاق ہوجاتی ہے

سامان دے گا اب وہ گھر بیٹھکر یہ وظیفہ اپنی عورت کو سناتا رہا اور عورت بھی

خوب توجہ سے سنتی رہی آیا طلاق اس عورت پر واقع ہوگئی یا نہ جواب دلیل سے تحریر فرماویں؟

الجواب: اس جاہل کی بیوی پر دیانۃً اس وظیفہ سے طلاق واقع نہیں ہوئی اور قضاءً واقع ہوگئی پس مرد کو تو اس عورت سے استمتاع جائز ہے لیکن عورت کو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ مرد نے میرے پاس جو وظیفہ پڑھا تھا اس کے معنی طلاق کے ہیں تو اس کو اس مرد کے پاس رہنا جائز نہیں وہ اپنے کو مطلقہ ہی سمجھے اور اگر اُسے یہ معلوم نہیں ہوا تو اس کو بتلانا ضروری نہیں قال فی الشامیۃ قالت لن وجہا اقرأ علی اعتدی انت طالق ثلاثا ففعل طلقت ثلاثا فی القضاء لا فیما بینہ و بین اللہ اذا لم ینو الزوج ولم یعلم بمعناہ ا ھ (ص ۹۹۸ ج ۲) ۳۰ ربیع الاول ۴۴ھ

حکم طلاقِ ہازل

سوال) زید کو دو زوجہ ہے ثانیہ کو طلاق دینے کے واسطے دو ایک بار لوگوں کو بلایا ولیکن طلاق نہیں دی بعد چند روز ایک آدمی نے ان سے پوچھا کہ میں نے سُنا کہ تم عورت ثانیہ کو چھوڑ دی زید نے بولا ہاں چھوڑ دی بعد اس کے پوچھا کتنے طلاق دی وہ بولا تین[۳] طلاق اس وقت دو مرد اور دو عورت نے اس اقرار کو سنا۔ اس وقت انہوں سے دوسرے شخص نے پوچھا کہ یکبارگی صاف کر دی؟ زید نے بولا ہاں یکبارگی صاف۔ گواہوں سے ایک آدمی نے کہا کہ تمہاری عورت مطلقہ ثلاثہ ہوگئی، زید نے بولا نہیں ایسا ہی طلاق سے ہرگز طلاق نہ ہوگی۔ زید جاہل ہے مسئلہ طلاق نہیں جانتا ولیکن وہ بولتا ہے کہ میں حقیقت میں طلاق نہیں دی سائلوں کا جواب کہا۔ اور زید دعوی کذب اور ہزل کا کرتا ہے لیکن اس میں گواہ نہیں یعنی اقرار کذب کا اور ہزل کا گواہ نہیں۔ جیساکہ کتب فقہ میں الا اذا اشہد قبل ذلک لکھا ہے مگر اس قدر جو اوپر گذرا یعنی دو[۲] ایک دفعہ لوگوں کو طلاق دینے کے واسطے بلائیں طلاق نہیں دی ولیکن انہوں کو خبر کذب کا گواہ نہیں بنائیں، اب وہ لوگ خبر کذب اور ہزل کا گواہ ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب نے اس حادثہ میں حکم تین طلاق قضاءً کیا ہے نہ دیانۃً اور دلیل ان کی یہی شامی کتاب الطلاق لو اقر بالطلاق کاذباً الی قولہ وقع قضاءً چونکہ قبل تکلم ایسا گواہ نہیں بنایا کہ تم لوگ گواہ رہیو کہ میں اقرار خبر کذب اور ہزل کا کروں گا فی الواقع طلاق نہیں دوں گا۔ اگر کوئی ایک عورت قضاءً تین طلاق ہو جاوے تو اس عورت کیلئے بدون تفریق کے اپنے شوہر کے ساتھ میاں بیوی جیسا برتاؤ کرنا جائز ہے؟ اس حادثہ میں دوسرے

مولوی صاحب دیانۃً اور قضاءً عدم وقوع طلاق کا دیا اور بدون تفریق کے زید کے ساتھ برتاؤ کا حکم دیا چونکہ عند اللہ طلاق نہیں اور دلیل ان کا یہ ہے در مختار مع رد المحتار قولہ او ھازلاً کی تفسیر میں علامہ شامی نے دلیل خانیہ اور تلویح سے استدلال کیا اور زید جو لوگوں کو طلاق دینے کے واسطے بلایا لیکن انہوں کے سامنے طلاق ندی اس کو منزلہ میں شہادت خبر کاذب اور ہزل کا گردانتا ہے اگرچہ زید ویسا نہیں کہتا۔ مولانا تھانوی صاحب نے ایک فتویٰ وقوع قضاءً وعدم وقوع دیانۃً تتمہ جلد ثانی کتاب الطلاق صـ۱۰۱ میں لکھا ہے وہاں بھی خانیہ اور تلویح کی عبارت سے دلیل پیش کی اس کی کیا توجیہ ہے؟ زید نے دوسری مجلس میں بھی مذکورہ گواہوں کے سوائے اور دو آدمی کے پاس اقرار بالا کیا پوچھا گیا کہ عورت کو چھوڑ دی؟ زید نے بولا ہاں چھوڑ دی کتنے طلاق دی؟ بولا ۳ تین طلاق اور بالکل صاف کر دیا۔ فقط۔

الجواب: فقہاء نے تصریح کی ہے المرأۃ کالقاضی فلا یحل لھا ان تمکنہ اذا سمعت منہ ذلک او علمت بہ لانھا لا تعلم الا الظاھر اھ فتاوی حامدیۃ (ص ۳۷ ج ۱) ومثلہ فی الشامیۃ وغیرھا ایضاً پس بعض علماء نے جو یہ کہا ہے کہ اقرار کاذباً سے قضاءً طلاق ہوتی ہے نہ کہ دیانۃً یہ تو صحیح ہے لیکن اس میں اتنی قید کی اور ضرورت ہے کہ اگر عورت نے زوج کے منہ سے الفاظ طلاق خود سن لئے یا کسی عادل نے اس کو خبر دی ہو تو عورت کو تمکین زوج من نفسھا جائز نہیں بلکہ اس پر لازم ہے کہ اپنے کو مطلقہ ثلاث مغلظہ ہی سمجھے اور دو ایک دفعہ لوگوں کو طلاق دینے کے لئے بلانا اشہاد نہیں ہے بلکہ اشہاد یہ ہے کہ ان سے یہ کہہ دیا جاتا کہ میں کاذباً یا ہازلاً ایسا کہوں گا۔ اور یہ بھی اُس وقت ہے جبکہ زید اس اقرار میں اقرار کاذباً کا دعویٰ کرتا ہو اور اگر ہزل کا مدعی ہے پھر تو قضاءً ودیانۃً وقوع طلقات ثلاث ہو چکا اس صورت میں تو چاہے عورت کو علم نہ بھی ہو جب بھی یہ شخص اس بیوی کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتا قال فی الدر او ھازلاً قال الشامی ای فیقع قضاءً ودیانۃً کما یذکرہ الشارح وبہ صرح فی الخلاصۃ وکذا فی البزازیۃ اھ (صـ۶۹۴ ج ۲)

واللہ اعلم۔

نوٹ: ہم نے امداد الفتاوی تتمہ جلد ثانی (ص ۱۰۱) کا مطالعہ کیا اس میں بھی یہی حکم ہے جو جواب ہذا میں مذکور ہے، فلیراجع بتدبر، فقط۔ ۱۷؍ ذیقعدہ ۴۴ھ

طلاق کی ایک صورت کا حکم

(سوال) احمد نے اپنی عورت کو ایک کاغذ کے اوپر اس طرح سے طلاق لکھی کہ میں ڈابھیل کا رہنے والا احمد اسماعیل گارڈی میں اپنی عورت مسماۃ مریم کو جو کہ میرے ساتھ رہتی نہیں ہے آج کے روز اپنی خوشی اور ہوشیاری وعقل سے میں اس کو فارغ خطی دیتا ہوں میں نے آج کے روز سے اس کو اپنے نکاح سے فارغ کر دیا ہے میں نے اپنی راضی وخوشی سے طلاق دی ہے اس میں کسی کا کچھ چلے گا نہیں میں نے طلاق دیتے وقت پانچ آدمی کے روبرو فارغ خطی دی ہے یہ صحیح ہے دستخط احمد اسماعیل بقلم خود، شاہد اسماعیل ابراہیم بقلم خود، شاہد صالح محمد بقلم خود، شاہد صالح ابراہیم بقلم خود، شاہدہ ابراہیم کی عورت، شاہدہ خدیجہ پٹیل کی عورت۔ ان پانچ شاہدوں کا یہ اقرار ہے کہ بلا جبر احمد نے ایک کاغذ کے اوپر طلاق اس طرح سے لکھی اور زبانی بھی ہمارے روبرو میں مریم کو تین مرتبہ طلاق دی، اس واقعہ کے بعد تین چار اشخاص احمد کے پاس گئے اور اس سے اس کے متعلق پوچھا تو احمد نے اس بات کا اقرار کیا کہ میں مریم کو طلاق دے چکا ہوں یہ صحیح بات ہے اور کئی آدمی کو وہ کہتا رہا کہ میں طلاق دے چکا ہوں ابھی تک وہ اس طرح سے کہتا رہتا ہے یہ طلاق سب لوگوں میں مشہور ہو چکی اس کے بعد یہ واقعہ ہوا کہ احمد کا بھائی محمود اس کو ڈاکٹر کے پاس لے گیا اور احمد کو دیوانہ ثابت کیا اور مریم کے ماموں کے پاس وکیل کی معرفت نوٹس بھیجا کہ یہ دیوانہ ہو گیا ہے اس نے طلاق نہیں دی ہے اور اگر دی ہے تو وہ دیوانہ ہے میں اس کا والی ہوں اس کا طلاق دینا صحیح نہیں، مریم کے ماموں نے یہ جواب دیا کہ طلاق ہو چکی ہے اور احمد دیوانہ نہیں ہے وہ تجارت کرتا ہے سُنا بمبئی جاتا آتا ہے مال خریدتا ہے بیچتا ہے اس کے روپئے وصول کرتا ہے روپئے امانت رکھتا ہے وہاں سے لیتا دیتا ہے ڈاکخانہ میں اس کے نام سے اس کا بڑا بھائی روپئے رجسٹری خط وغیرہ بھیجتا ہے وہ وصول کرتا ہے اور حساب کتاب سب اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے تنہا نوساری سورت وغیرہ جاتا ہے وہاں سے بھی مال لاتا ہے اور خرید و فروخت کرتا ہے اس لئے یہ دیوانہ نہیں ہے صورت مسئولہ میں طلب امر یہ ہے کہ یہ طلاق ہوئی یا نہیں اور مریم اس کے نکاح سے نکل گئی یا نہیں بینوا توجروا۔

(الجواب): اگر احمد واقع میں دیوانہ نہیں ہے تو ڈاکٹر کے ثابت کرنے سے کچھ نہیں

ہوتا اور دیوانہ وہ ہے جو بے سمجھی کی الٹی سیدھی باتیں بکتا ہو اور مارتا اور گالیاں بکتا ہو اور اگر گالیاں نہ بکتا ہو نہ مارتا ہو مگر بے سمجھی کی اُلٹی سیدھی بہکی ہوئی باتیں کرتا ہو تو وہ بھی ایک قسم کا جنون ہے پس اگر احمد عقل کی باتیں کرتا ہو جیسا کہ سوال میں خرید و فروخت وغیرہ درج ہے تو وہ مجنون نہیں اور طلاق واقع ہوگئی و نیز اگر اس کو بعد طلاق دینے کے جو مجنون ثابت کیا گیا ہے اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ طلاق دینے کے وقت بھی وہ مجنون تھا پس جب اس امر کے شاہد موجود ہیں کہ عقل و ہوشیاری سے طلاق دی گئی ہے تو بعد میں اگر واقع میں مجنون بھی ہو جاتا تو جو طلاق واقع ہو چکی ہے وہ کیسے باطل ہو سکتی ہے پس مریم اس کے نکاح سے نکل گئی اور بدون حلالہ کے اب اس کا نکاح احمد سے نہیں ہو سکتا قال الشامی تحت قول (الدر) (والمعتوہ) من العتہ وھو اختلال فی العقل ھذا ذکرہ فی البحر تعریفا للجنون وقال یدخل فیہ المعتوہ واحسن الاقوال فی الفرق بینھما ان المعتوہ ھو قلیل الفھم المختلط الکلام الفاسد التدبیر لکن لا یضرب ولا یشتم بخلاف المجنون اھ

احقر عبدالکریم گمتھلوی عفی عنہ۔ ۲۰ شوال ۴۳ھ۔

الجواب صحیح ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ ۲۰ شوال ۴۳ھ۔

طلاق اور رجعت کی ایک صورت کا حکم

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمی زید نے ایک عورت مسماۃ ہندہ سے نکاح کیا اور قبل جانے مسماۃ مذکورہ کے اپنے سسرال کے مسمی مذکور الصدر نے اسے ایک طلاق رجعیہ دے دی، اب بوجہ ہونے ناشذنی باہم زوج اور زوجہ مذکورہ کے، مسماۃ مذکورہ قسم اٹھاتی ہے کہ مسمی مذکور نے ابتداء نکاح سے لیکر اب تک میرے ساتھ ہرگز دخول اور خلوت نہیں کی ہے اور مسمیٰ مذکور کہتا ہے کہ میں نے اپنی عورت مذکورہ سے دخول وغیرہ کیا ہے اور اپنے اس دعویٰ پر گواہ پیش کرتا ہے گواہوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں رمضان ولد حاجی، قطب الدین ولد میر، نور حسن ولد حیات بخش، اللہ دتا ولد اللہ لوک، ان میں سے رمضان اور قطب الدین کا یہ بیان ہے کہ ہم نے زید اور ہندہ مذکورہ کو ایک مکان میں اکٹھا دیکھا ہے جو کہ ان کے پاس تیسرا شخص نہ تھا بلکہ اتنی بات تھی کہ غلہ گندم مسمیٰ مذکور مکان کے سقف پر چڑھا رہا تھا اور باقیوں کا بیان ہے کہ مسمیٰ مذکور کو اپنے سسرال کے یہاں شب و روز آتے جاتے دیکھا ہے۔ کیا یہ طلاق رجعی ہو سکتی ہے یا کہ نہیں اگر طلاق رجعیہ ہے

تو نکاح ان کا برحال ہے یا کہ نہیں کیونکہ مسمیٰ مذکور عدت ہی میں رجوع کر چکا ہے اگر یہ طلاق رجعیہ نہیں تو تجدید نکاح کی ضرورت ہے یا کہ نہیں اگر عورت نکاح نہ کرے تو دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے یا کہ نہیں ؟ بینوا توجروا۔

الجواب : طلاق قبل الدخول (خواہ بعد خلوۃ صحیحہ ہو) بائنہ واقع ہوتی ہے اور جب زوجین میں دربارہ دخول اختلاف ہو تو خلوت ثابت ہونے پر خاوند کا قول معتبر ہوتا ہے اور اگر خلوۃ کا ثبوت نہ ہو تو عورت کا قول معتبر ہوتا ہے۔ اور واقعہ مذکورہ میں شب و روز سسرال میں آنے جانے کی شہادت شہادت علی الخلوۃ نہیں ہے باقی رہی شہادت قطب الدین اور رمضان کی سو اس میں یہ دیکھنا چاہئے کہ جس مکان میں زید اور اس کی بیوی تھے اس کا دروازہ بند تھا یا کھلا ہوا اگر کھلا ہوا تب تو خلوت ثابت نہیں ہوتی اور اگر دروازہ بند تھا تو خلوت ثابت ہو جاوے گی بشرطیکہ اس روز رمضان کا روزہ نہ ہو اور دونوں میں سے کوئی ایسا بیمار نہ ہو کہ صحبت نہ ہو سکے اور عورت حائضہ نہ ہو فی الدر المختار (ولو خلا بها ثم انکره) ای الوطء (ثم طلقها لا) یملك الرجعة لان الشرع لم یکذبه ولو اقربه وانکرته فله الرجعة ولو لم یخل بها فلا رجعة له لان الظاهر شاهد لها والواجبة وقال الشامی تحت (قوله لان الشرع لم یکذبه) لانه لا یملك الرجعة الا فی عدة الدخول لا فی عدة الخلوة الخ ص۸۸۱ ج۲ وفی العالمگیریة (ص۳۲۲ ج۲) وفی البیتوتات الثلثة او الاربعة واحد بعد واحد اذا خلا بامرأته فی البیت القصوی ان کانت الابواب مفتوحة من اراد ان یدخل علیهما یدخل من غیر استیذان لا یصح الخلوة وکذا لو خلا بها فی بیت من دار ولبیت باب مفتوح فی الدار اذا اراد ان یدخل علیهما غیرهما من المحارم والاجانب یدخل لا یصح الخلوة کذا فی فتاوی قاضی خان وفیه ایضًا والخلوة الصحیحة ان یجتمعا فی مکان لیس هناك مانع یمنعه من الوطئ حسًا او شرعًا او طبعًا کذا فی فتاوی قاضی خان۔ پس اگر خلوت ثابت ہو جاوے تو زید کی رجعت صحیح ہوگئی جب کہ رجعت عدت میں تھی اور جب رجعت ہو چکی تو دوبارہ نکاح کی

ضرورت نہیں اور اگر خلوت ثابت نہ ہو تو طلاق بائن واقع ہوگئی عورت جس سے چاہے نکاح کرے خواہ زید سے یا اور کسی سے۔ واللہ اعلم۔ احقر عبدالکریم گمتھلوی عفی عنہ۔

۵ ذوی القعدہ ۴۳ھ۔

اور ثبوت رجعت محض شوہر کے قول اور گواہوں کے بیان سے بدون حاکم یا حَکم مسلم کے سامنے بیان کئے نہ ہوگا اور اگر گواہ حاکم یا حَکم مسلم کے سامنے گواہی دیں کہ ہم نے دونوں میاں بی بی کو باقاعدہ خلوت میں یکجا دیکھا ہے اور وہ گواہی قبول کرلے تب ثبوت رجعت ہوگا۔

فقط۔ الجواب صحیح۔ ظفر احمد عفا عنہ، ۵ ذیقعدہ ۴۳ھ۔

طلاق کے ساتھ لفظ انشاء اللہ ماشاء اللہ کہنے کا حکم

(سوال) صورت مرقومۃ الذیل کا حکم تحریر فرما کر ممنون و مشکور فرماویں۔

کوئی شخص اپنے بھائی کی بیوی کے ساتھ کچھ گفتگو کر رہا تھا اتفاقاً کسی بات کی وجہ سے وہ اس عورت پر ناشاد ہوکر اپنے باپ سے انصاف چاہا اس وقت شخص مذکور کی ایک بہن بول اٹھی کہ تم جس بات سے اپنے بھائی کی بیوی پر خفا ہوئے ہے تمہاری بیوی بھی تو اس طرح کی باتیں تمہیں کہتی ہے دریغ نہیں کرتی ہے اس نے کہا میں تو نہیں جانتا اگر وہ واقع میں ایسا کہتی ہے تو تم ہی اُسے دیکھ بھال کرلائی ہو پھر بہن نے کہا کہ تم بھی تو دیکھ کرلائے ہو اس وقت اس نے کہا کہ اگر تم کہتی ہو کہ میں دیکھ بھال کرلایا ہوں تو ایک۱ دو۲ تین۳ طلاق انشاء اللہ۔

پھر اُس نے اِس واقعہ کو کسی منشی جی سے سناتے وقت کہا کہ میں نے ایک۱ دو۲ تین۳ طلاق دیا ماشاء اللہ، بار دیگر اُسے پوچھنے سے کہتا ہے میں نے ایک۱ دو۲ تین۳ طلاق دیا انشاء اللہ منشی جی سے ماشاء اللہ کہنے پر جرح قدح کہتا ہے کہ میں نے اس دفعہ ماشاء اللہ غلطی سے کہا ہے ورنہ پہلے ہی میں نے انشاء اللہ کہا ہے۔

باپ کی شہادت: باپ کہتا ہے کہ میں نے یہ سُنا "میں نے اس بیوی کو ایک۱ دو۲ تین۳ طلاق دیا" باپ گھر کے اندر تھا اور مطلقہ آنگن میں۔

بہن کی شہادت: وہ کہتی ہے کہ میں نے یہ سُنا "میں نے ایک۱ دو۲ تین۳ طلاق دیا ماشاء اللہ" پھر اسے پوچھنے سے کہتی ہے کہ میں نے یہ سُنا "میں نے ایک۱ دو تین طلاق دیا انشاء اللہ"۔

اپنی بیوی کی شہادت: وہ کہتی ہے کہ میں نے سُنا "ایک۱ دو۲ تین۳ طلاق دیا ماشاء اللہ۔"

اپنے بھائی کی بیوی کی شہادت: وہ کہتی ہے کہ میں نے سنا " میں نے ایک، دو، تین طلاق دیا، فقط۔

الجواب: چونکہ انشاء اللہ اور ماشاء اللہ کہنے کا ایک ہی حکم ہے اس لئے ہر حال میں طلاق واقع نہیں ہوئی چاہے اس نے انشاء اللہ کہا ہو چاہے ماشاء اللہ فی الدر المختار ومثل ان الا وان لم واذا وما ولم یشا وفی الشامی تحت (قولہ وما) ای ماشاء اللہ تعالیٰ فلا یقع الخ (ص ۸۴۱ ج ۲) وفی العالمگیریۃ (ص ۱۱۸ ج ۲) لو قال انت طالق ماشاء اللہ کان وکذا لو قال انت طالق الا ماشاء اللہ لا یقع شیٔ کذا فی فتاوی قاضیخان۔ کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ، ۹ ربیع الثانی ۴۴ھ

الجواب صحیح ظفر احمد، ۹ ربیع الثانی ۴۴ھ۔

مجھ کو ضرورت نہیں، یا طلاق ہی سی ہے، سے طلاق کا حکم

سوال) التماس ہے کہ ایک شخص اپنے بیوی بچے کو چھوڑ کر ایک غیر مذہب کی عورت لیکر فرار ہو گیا تھا اس کی عورت نے کئی سال تک اس کا انتظار کیا مگر وہ واپس آیا نہ کوئی خبر بھیجی مجبور یہ اپنے ایک برادری کے شخص کے یہاں ایک دوسرے گاؤں میں آ کر رہنے لگی بعد کو اس کا خاوند معہ فرار شدہ عورت کے اپنے مکان پر آگیا اس نے اپنی بیوی بچے کی پروا نہ کی اب اس عورت نے اپنے خاوند کے پاس دو شخص ایک اپنی برادری کا دوسرا مسلم جاٹ بھیجے اور ان دونوں سے اس عورت نے کہہ دیا کہ میری طرف سے میرے خاوند کو کہہ دینا کہ مجھ کو آ کر لے جاؤ اگر وہ کسی وجہ میرا لیجانا پسند نہ کرے کیونکہ اس کے پاس عورت موجود ہے تو میری طرف سے حکم شرع لے لینا یعنی طلاق کا سوال کر دینا اور جواب لینا لہذا یہ ہر دو شخص اس کے پاس گئے اور اس شخص سے عورت کی طرف سے اول سوال لیجانے کا کیا اس پر وہ جواب دیتا ہے مجھ کو ضرورت نہیں، تب بعد کو سوال دوسرا یعنی طلاق کا کیا گیا تو جواب دیتا ہے کہ طلاق ہی سی ہے مکرر کہا گیا تو پھر کہتا ہے مدت سے طلاق ہی سی ہے۔ اب عرض ہے کہ یہ لفظ عورت پر طلاق پڑنے والے ہوئے یا نہیں برائے کرم مفصل حکم سے جلد مطلع فرمائیں؟ عین عنایت ہوگی زیادہ حد ادب، فقط۔

الجواب: صورت مسئولہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی ونظیرہ فی العالمگیریۃ ص ۲۷۲ ج ۲ ولو قال لها بعد ما طلبت منه الطلاق گفتہ گیر لا یقع وان نوی کذا فی الخلاصہ واللہ اعلم۔ کتبہ عبدالکریم عفی عنہ۔ الجواب صحیح، ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ ۹ ربیع الثانی ۴۴

مسئلہ طلاق

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان (شرع متین نیچے لکھے ہوئے مسئلہ میں کہ زید کی دو بی بیاں ہیں ان دونوں نے آپس میں جھگڑا کیا زید کے نسبتی بھائی (یعنی بی بی کلثوم کے بھائی نے) آکر زید سے پوچھا کہ تیرے گھر میں ہمیشہ اسی طرح کیوں جھگڑا ہوتا ہے پس زید نے بولا کہ تیری بہن کو (کلثوم کو) لیجاؤ کہ میں نے اس کو رخصت دی ہوں کہ تین مہینہ ہوئے بعد اس کی نسبتی بھائی نے ثالث کو جمع کیا پس ثالث نے زید سے پوچھا کہ تم ایسی باتیں کیوں کہتے ہو؟ زید نے جواب دیا جو بولا سو بولا پس ابھی میں نے بی بی مذکورہ (یعنی کلثوم کو طلاق بائن دی پس بعد اس کی زید وہاں سے اٹھ کر تھوڑا دور جاکر غضبناک ہوکر مارنے لگا اور کہا بی بی مذکورہ کو کہ تم گھر سے باہر ہو اور زیورات رکھ کر چلے جاؤ اس کے بعد بی بی مذکورہ اپنے بھائی کے ساتھ چلی گئی۔ غرض یہ ہے کہ جناب بی بی مذکورہ پر تین طلاق واقع ہوئی یا نہیں اور اس شوہر نے بی بی مذکورہ کو رکھ سکتا ہے یا نہیں اگر رکھ سکتا ہے تو کس طرح؟ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں کلثوم پر دو طلاق تو بلانیت واقع ہوگئیں ایک تو میں نے اس کو رخصت دی ہوں کہنے سے کیونکہ حالت غضب میں اس لفظ سے بدون نیت طلاق پڑجاتی ہے فی تنویر الابصار ونحو اعتدی الی سرحتک فارقتک لا یحتمل السب والرد ففی حالۃ الغضب تتوقف الاقسام علی نیتہ وفی الغضب الاولان وقال الشامی تحت (قولہ الاولان) ای ما یصلح رداً وجواباً وما یصلح سباً وجواباً ولا یتوقف ما یتعین للجواب (۶۴۷ ج ۲) قلت ذفی اللغۃ الھندیۃ رخصت دی مثل سرحتک اور دوسری طلاق صریح دی ہے اور تیسری طلاق گھر باہر ہو الخ سے واقع ہونے کے لئے نیت کی ضرورت ہے بدون نیت حالت غضب و مذاکرات طلاق میں بھی اس لفظ سے طلاق واقع نہیں ہوتی کما فی تنویر الابصار ایضاً فنحو اخرجی واذھبی وقومی یحتمل رداً وقال الشامی ای ویصلح جواباً ص ۶۱ ج ۲ ومر توقف ھذا القسم علی النیۃ فی حالۃ الغضب وفیہ ایضاً (ص ۶۵ ج ۲) وفی مذاکرۃ الطلاق یتوقف الاول وفی الشامی ای ما یصلح للرد والجواب پس اگر زید نیت طلاق سے انکار کرتا ہے اور وہ حاکم اسلام یا عورت کے سامنے قسم کھا جاوے کہ میں نے اس لفظ سے طلاق کی نیت نہیں کی تو تیسری طلاق واقع نہیں ہوئی اور زید و کلثوم کا نکاح ہوسکتا ہے اور اگر زید نے لفظ مذکور سے طلاق کی نیت کی تھی تو تین طلاق واقع ہوگئیں اور زید و کلثوم کا نکاح جائز نہیں فی الدر

القول له فی عدم النیة ویکفی تحلیفها له فی منزله فان ابی رفعته للحاکم فان نکل فرق بینهما مجتبی (شامی ص ۶۴۷ ج ۲) احقر عبد الکریم عفی عنہ ۱۵ ربیع الاول

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا اللہ عنہ، ۱۶ ربیع الاول ۴۲ھ۔

طلاقن اور مطلقہ وغیرہ الفاظ سے بیوی کو مخاطب کرنے سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں

(**سوال**) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ کو بعض اوقات خانگی کشیدگی اور جھگڑوں میں بطور تنبیہ اور اظہار نفرت و بیزاری کے طلاقن مطلقہ، طلاق پانے کے قابل۔ وغیرہم کلمات کہدیئے اگرچہ زید نے ایسے کلمات ناراضگی میں منہ سے نکالے لیکن ہندہ کو کبھی اس قسم کا خیال بھی نہیں گذرا۔ وہ محض معمولی خانگی جھگڑوں پر محمول کرتی رہی اور نہ یہ کلمے کسی تیسرے شخص کی موجودگی اور مواجہ میں کہے گئے غرض بجز زید کے کسی کے وہم و گمان میں بھی طلاق کا مذکور نہیں۔ اب زید ان کلمات کے منہ سے نکال دینے کی وجہ سے چند روز سے اپنی زوجہ ہندہ کو مشکوک نظر سے دیکھتا ہے اور متردد ہے کہ کہیں ہندہ پر طلاق تو نہیں پڑگئی، ہندہ کی گود میں زید کا شیرخوار بچہ بھی ہے اور فریقین کردنی ناکردنی پر توبہ استغفار کرکے رجوع کرنے پر مائل ہیں نیز زید کی خانہ آبادی بھی ہندہ کے دم سے متصور ہے اب مستفسر ہے کہ شرعاً ایسی لغویات کی کیا اصل ہے اور اب رجوع وانابت کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب: قال فی الدر ولو قال لها کونی طالقا...... اویا مطلقة وقع (ای من غیر نیة لانه صریح ۱۲ شامی وفیه ایضاً عن التاترخانیة عن المحیط قال انت طالق ثم قال یا مطلقة لا تقع اخری اھ ص ۶۱۳ ج ۲)

صورت مسئولہ میں یہ لفظ تو موجب طلاق نہیں کہ "طلاق پانے کے قابل" البتہ طلاقن اور مطلقہ کہکر پکارنے سے زوجہ پر ایک طلاق رجعی واقع ہوچکی ہے اگر اس واقعہ کو زیادہ عرصہ نہیں گذرا اور عدت پوری نہیں ہوئی تو زبان سے بیوی کو اتنا کہدیا جائے کہ میں نے رجعت کرلی اور عدت پوری ہوچکی ہے تو نکاح دوبارہ کرسکتا ہے بشرطیکہ عورت بھی تجدید نکاح پر راضی ہو ورنہ وہ جس سے چاہے نکاح کرسکتی ہے اور آئندہ ایسی لغویات سے احتراز کرنا لازم ہے قلت ولا یقع الثانیة ولا الثالثة بقوله یا مطلقة لانها اتصفت بها بالاول فیکون حکایة له۔ واللہ اعلم۔

۲۴ ربیع الاول ۴۶ھ۔

ساس کے مطالبۂ طلاق پر شوہر کے یہ کہنے سے کہ جادی، جادی۔ طلاق رجعی و مغلظہ واقع ہونے میں تردد کا بیان

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین اس صورت میں کہ زید اور اس کی ساس میں کچھ جھگڑا ہوا اور زید کی ساس نے زید سے کہا کہ تو میری لڑکی کو طلاق دیدے، زید چونکہ غصہ کی حالت میں تھا اس نے فوراً طلاق دیدی اس کے بعد جب زید سے اس کی بیوی کو جدا کیا گیا تو زید یہ کہتا ہے کہ چونکہ میں نے صرف دو مرتبہ ان الفاظ میں طلاق دی ہے کہ جادی جادی اس لئے صرف دو طلاقیں واقع ہوئیں اور مجھے رجعت کا حق ہے لیکن طلاق دیتے وقت جو لوگ موجود تھے ان کے بیانات مختلف ہیں ایک شخص کہتا ہے کہ زید نے یہ بھی نہیں کہا کہ جادی۔ جادی۔ ایک بیان کرتا ہے کہ میں نے یہ نہیں سُنا کہ زید نے یہ کہا ہو کہ جادی، جادی بلکہ زید کی ساس طلب کرتی تھی اور زید یہ جواب دیتا تھا کہ دیدوں گا۔ اور ایک شخص جو کہ معتبر بھی سمجھا جاتا ہے یہ بیان کرتا ہے کہ میرے سامنے زید نے دو مرتبہ طلاق دی اور میں نے زید کو اس فعل سے روکا اور میں وہاں سے فوراً چلا گیا۔ اور دو آدمی یہ بیان کرتے ہیں کہ زید نے تین مرتبہ سے زیادہ طلاق دی اور کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو کہ یہ کہتے ہیں کہ زید نے تین مرتبہ سے زیادہ دی ہو لیکن جب ان سے کہا جاتا ہے کہ مجمع میں چل کر جہاں اور لوگوں سے تحقیق کی جاری ہو بیان کرو تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم کسی کے جھگڑے میں شریک نہیں ہوتے۔

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسی صورت میں شرعیت کا کیا حکم ہے کہ زید کی بیوی پر طلاق ہوئی یا نہیں اور اگر ہوئی تو کیسی طلاق ہوئی آیا زید کو رجعت کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں بینوا توجروا

تنقیح:۔ صورت مسئولہ میں سائل کو یہ بھی بتلانا چاہئے کہ زید کی بیوی کیا کہتی ہے وہ قول زید کی تصدیق کرتی ہے یا اُن لوگوں کے قول کی جو تین طلاق یا اس سے زائد کے شاہد ہیں اور یہ شاہد شرلعیت کے پابند اور عادل ہیں یا نہیں اس کے بعد حکم بتلایا جائے گا۔ فقط۔

ظفر احمد عفا عنہ ۳۰ / ربیع الثانی ۴۹ھ

جواب تنقیح:۔ (۱) زید کی بیوی اُن لوگوں کے قول کی تصدیق کرتی ہے جو تین طلاق، یا اس سے زائد کے شاہد ہیں۔

(۲) یہ شاہد نماز پابندی سے نہیں پڑھتے اور چونکہ نائی ہیں حجامت بھی ہر قسم کی بناتے ہیں

لوگوں کی ڈاڑھیاں مونڈتے ہیں غرض پابند شریعت نہیں ہیں۔

الجواب: صورت مسئولہ میں اگر زید کی بیوی اس مجلس میں موجود تھی جبکہ زید نے جادی[عہ]، جادی کہا تھا اور زوجہ زید کہتی ہے کہ اُس نے تین بار یا اس سے زائد یہ لفظ کہا ہے تو اس عورت کو زید کے پاس رہنا جائز نہیں وہ اس سے علیحدہ ہو جاوے اس پر بوجہ اس کے اقرار طلقات ثلث کے زید کے پاس رہنا جائز نہیں اور زید اگر تین طلاق کا منکر ہے تو اس کو اس عورت کا اپنے پاس رکھنا جائز ہے گو عورت کو اس کے پاس رہنا جائز نہیں اب اس اختلاف کا ارتفاع مفتی کے فتوے سے نہیں ہو سکتا مفتی اس صورت میں مرد و عورت کو الگ الگ فتویٰ دے گا اس کے ارتفاع کی صورت یہ ہے کہ زوجین کسی حاکم مسلم یا حَکَم عالم کے پاس مرافعہ کریں وہ تحقیق بقاعدۂ شرعیہ کر کے اس واقعہ کا جو فیصلہ کر دے اس پر زوجین کو عمل جائز ہوگا اور اگر زوجۂ زید خود اس مجلس نزاع و طلاق میں موجود نہ تھی بلکہ صرف شہود کے بیان سے اس کو علم ہوا ہے تو سوال دوبارہ کیا جاوے۔ واللہ اعلم۔ ۱۱ جمادی الاولیٰ ۴۶ھ۔

اس تحریر کے بعد احقر کی رائے بدل گئی اور یہ سمجھ میں آیا کہ اگر صورت مسئولہ میں زید نے طلاق کا لفظ زبان سے نہیں کہا بلکہ صرف جادی جادی مکرر کہا اور عورت کہتی ہے کہ زید نے لفظ جادی تین بار یا زائد کہا ہے اور وہ بھی طلاق کا لفظ سُننا بیان نہیں کرتی تو صرف لفظ جادی کے تین بار یا زائد کہنے سے تین طلاق بدون نیت زید کے واقع نہیں ہو سکتیں اور زید کی نیت تین طلاق کی نہ تھی جیسا کہ سوال سے معلوم ہوا اس لئے اس کی زوجہ پر تین طلاق واقع نہیں ہوئیں اور اگر عورت تین مرتبہ اس لفظ کے سننے کی مدعی ہے کہ جا طلاق دی تو اس صورت میں اس اختلاف کو حاکم یا حکم مرتفع کرے گا ووجہ ذلک انا أوقعنا الطلاق بلفظ جادی لکونہ فی معنی نعم وقد رأیت فی الخلاصۃ سئل محمد عن رجل قیل لہ أطلقت امرأتک ثلاثاً فقال نعم قال القیاس ان یقع الثلاث ولکن استحسن واجعلھا واحدۃ اھ (ص ۸۵ ج ۲) وفی الخلاصۃ ایضاً وفی ایمان مجموع النوازل سئل نجم الدین عن امرأۃ قالت لزوجہا مرا طلاق کن مرا طلاق کن مرا طلاق کن فقال

عہ قلت وھو نظیر قولہ نعم او بلیٰ فی جواب من سئل اطلقت امرأتک وقد صرح فی الدر والشامیۃ بوقوع الطلاق بہما بلانیۃ (ص ج ۲) فجعلہ کالصریح لکون السوال فیہ معاداً واللہ اعلم ۱۲ منہ

الزوج کردم کردم کردم قال تطلق ثلاث ولذا اجاب السید الامام اشرف بن محمد بن شجاعؒ قال الشیخ الامام عمر بن ابی بکرؒ تطلق واحدۃ اھ (ص ۸۲ ج ۲)

قلت ووجہ الاول حمل التکرار فی قولہ کردم فی جواب التکرار فی قولہا مرا طلاق کن وھو الظاہر عہ فکان کل فرد منہ انشاءً وحملہ الشیخ عمر علی التاکید لکونہ محتملا ایضاً والتاکید فی لفظ الطلاق انما لا یجعل واحدۃ قضاءً للاجماع ولا اجماع فی تکرار مثل قولہ کردم بدون لفظ الطلاق فیتوقف کونہا ثلاثاً علی نیۃ القائل ولا یقع فوق الواحدۃ بدون النیۃ ھذا ما ظہر لی قلت وھذا الاختلاف انما ھو فیما اذا کررت المرأۃ قولہا مرا طلاق کن ثلاثا واما اذا لم تکررہ وقالت مرۃً مرا طلاق کن وکرر الزوج قولہ کردم فی جوابہا فالظاہر انہ لا یقع الثلاث بدون النیۃ عندھم جمیعاً لعدم ما یدل علی کونہ انشاء برأسہ وفی الصورۃ المسئولۃ لم یثبت تکرار قول المرأۃ ولم ینو الزوج بتکرار قولہ "جادی" الثلاث فلا یقع الا واحدۃ او ثنتان حسب ما نوی واللہ اعلم۔ ۱۴ر جمادی الاولیٰ ۴۶ھ

مکرر آنکہ ان دونوں جوابوں کو احقر نے حضرت حکیم الامۃ دامت برکاتہم کی خدمت میں پیش کیا فرمایا کہ جواب اول تو قواعد عامہ کے موافق ہے اور جواب ثانی میں جو جزئیات نقل کی گئی ہیں اُن کا مبنیٰ صحیح سمجھ میں نہیں آیا اور جو مبنیٰ ظاہر کیا گیا ہے وہ کچھ جی کو نہیں لگا (اور احقر کاتب بھی اس مبنیٰ کی صحت میں متردد ہے) لیکن چونکہ یہ جزئیات جواب اول کے ظاہراً منافی ہیں اس لئے اس جواب سابق میں بھی تردد ہے اور ثانی میں بھی تردد ہے بوجہ دلیل جزئیات مفہوم نہ ہونے کے، دوسرا سبب تردد یہ بھی ہے کہ ہر زبان کے محاورات جدا ہوتے ہیں اُن میں توافق ضرور نہیں اس لئے دونوں جوابوں کو قلم زد کر دیا گیا ہے کسی اور محقق عالم سے استفتاء کر لیا جائے اور یہ سب روایات اس کے سامنے پیش کر دی جائیں واللہ اعلم۔

۱۵ر جمادی الاولیٰ ۴۶ھ۔

ان الفاظ سے طلاق کا حکم کہ ہمارے چلے جانے ہی کو تین طلاق سمجھا جائے گا؛

سوال) جناب مولانا صاحب گزارش خدمت اقدس ہے کہ کسی نے اپنی لڑکی کو گھر میں خانہ داماد رکھ کر شادی کی تھی

عہ وہو الذی صححہ فی الہندیۃ ص ۴۷ ج ۲ - ۱۲ ظفر

لیکن بعد عقد نکاح کے اس داماد کو مربیان محلہ داران نے یہ شرط سنائی کہ اگر تم اس بی بی سے یا بیوی کے گھر والوں سے کسی سے جھگڑا فساد کر کے تین ماہ دس دن اور کہیں چلے جاؤ گے تو اس بیوی کا اپنی زوجیت میں کوئی دعویٰ نہیں کر سکتے ہو یعنی جب تین مہینہ دس دن گذر جائیں گے تو وہ بیوی اپنی خوشی سے دوسرا خاوند قبول کر سکتی ہے اس میں تمہارا کوئی عذر نہ ہوگا تمہارے چلے جانے ہی کو تین طلاق سمجھا جائے گا اس نے کہا ہاں میں نے قبول کیا اب وہ خانہ داماد بعد عرصہ چار سال کے اپنی ساس سے جھگڑا کر کے دوسری جگہ میں چلا گیا سال بھر تک اسی حالت جدائی میں رہا اب جو مربیان محلہ داران بیوی سے اور اس کی ماں سے پوچھتے ہیں تو وہ کہتی ہیں کہ اگر شریعت اجازت دے تو پھر میں اپنے داماد کو گھر میں بلالوں گی یا انہیں کے ساتھ اپنی لڑکی دے دوں گی لیکن اس کے قبل دو تین مہینہ کے انہیں مربیان نے انہوں سے دریافت کیا اس وقت دونوں ماں بیٹی نے ناراضی ظاہر کی اور ماں نے کہا میں اپنی بیٹی کو ہرگز نہیں دوں گی۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ داماد پر کسی صورت وہ راضی ہوگئی ہیں آیا اس رضامندی سے ان کا نکاح باقی رہا یا جاتا رہا؟ موافق کتاب اللہ وسنت رسول اس کے جواب عنایت کیجئے۔

الجواب: اگر صورت واقعہ یہی ہے جو سوال میں درج ہے اور مربیان محلہ داران کے الفاظ یہی تھے جو مذکور ہوئے تو شوہر کے اس کہنے سے کہ ہاں میں نے قبول کیا یہ کلام تعلیق طلاق یا تعلیق تفویض کو موجب نہیں اور شوہر کے چلے جانے سے طلاق واقع نہیں ہوئی۔

لان قول القائل اپنی بیوی کو اپنی زوجیت میں کوئی دعویٰ نہیں کر سکتے لیس من الفاظ الطلاق وکذا قولہ تو وہ بیوی اپنی خوشی سے دوسرا خاوند قبول کر سکتی ہے۔ واما قولہ تمہارے چلے جانے ہی کو تین طلاق سمجھا جاوے گا فقد جعل فیہ غیر الطلاق طلاقاً وھو لغو وفیہ ایضاً من لفظ المضارع المفید للاستقبال المحتمل للوعد فلا یکون قبولہ طلاقاً ولا تعلیقاً سئل شیخ الاسلام عمن ضرب امرأتہ وقال دار طلاق قال لا تطلق، شیخ الاسلام یقول سمی الضرب طلاقاً فیبطل اھ عالمگیریہ ج ۲ ص ۷۳، قلت وفی الصورۃ المسئولۃ جعل الغیابۃ طلاقاً صراحۃً ولم یتکلم احد بما یفید تعلیق الطلاق اصلاً، واللہ اعلم۔ ظفر احمد۔

۱۷ر جمادی الاخری سنہ ۴۶ھ۔

فرار عن الطلاق کی نیت سے بیوی کا نام بدل کر طلاق دے دی تو طلاق واقع نہیں ہوگی

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اندریں مسئلہ کہ زوجہ منکوحہ جناب علی منشی مسماۃ ایم النساء بی بی بنت فرمان ملا بمرض درد شکم احیاناً چار پانچ روز مبتلا رہتی ہے اور اس کی بجز ایک لڑکی کے اور کوئی اولاد بھی نہیں۔

ازیں جہت دوسرا نکاح کرنے کے ارادہ سے ایک دولہن اپنے مکان میں لایا بعد ازاں بقصد عقد بست مجلس میں بیٹھ گیا تو اقرباء و اولیاء مخطوبہ میں محی الدین سردار دفعۃً از دست خود ایک کاغذ جناب علی کے سامنے رکھ دیا اور بہ تحدید شدت مکرر سکرر یہ کہتے رہے کہ تم اپنی اگلی بی بی کو طلاق نامہ لکھ دو تو ہم دوسری دولہن سے تمہارا عقد کردیں گے۔ تب جناب علی چند منٹ سکوت ہو کر شش و پنج میں رہا آخر الامر سوچ بچار سے کچھ کام نہ چلا پھر اپنی پہلی ایم النساء کے نام کو قصداً بدل کر امر جان بی بی بنت فرمان ملا کو میں نے تین طلاق دیا اس مضمون کو لکھ دیا، لیکن زبان سے کچھ نہیں کہا اس تحریر تسمیہ تبدیل و عدم نیت سے طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟ بینوا بحوالہٗ دلیل توجروا عند اللہ الجزیل۔

الجواب : اگر جناب علی کی نیت طلاق کی نہ تھی اور اُس نے اپنی بی بی کا نام اسی ارادہ سے بدلا ہے کہ بی بی پر طلاق واقع نہ ہو تو اس کی زوجہ ایم النساء پر طلاق واقع نہیں ہوئی قال فی العالمگیریۃ ولو قال امرأتہ عمرۃ بنت صبیح طالق وامرأتہ عمرۃ بنت حفص ولا نیۃ لہ لا تطلق امرأتہ وکذا اذا سمی بغیر اسمہا ولا نیۃ لہ فی طلاق امرأتہ فان نوی طلاق امرأتہ فی ہذہ الوجوہ طلقت امرأتہ کذا فی الذخیرۃ اھ ملخصا (ج ۲ ص ۵۸) اور اگر صورت سوال میں اکراہ بمعنی اکراہ شرعی متحقق ہو تو یہ ایک دوسری وجہ عدم وقوع طلاق کی ہوجائے گی کیونکہ کتابت طلاق بالاکراہ موجب طلاق نہیں صرح بہ فی الدر والشامیۃ فی فصل الطلاق بالکتابۃ، واللہ اعلم۔

۷ رمضان سنہ ۴۶ھ

حکم طلاق بلفظ طلاق ہی سمجھو

سوال : مخدوم گرامی اعلیٰ حضرت قبلہ و کعبہ ام عالیجناب مولانا صاحب مدظلہ العالی!

السلام علیکم معاملہ نکاح لڑکی مسماۃ جمیلہ خاتون کے متعلق حسب الارشاد جملہ صاحبان کے بیانات تحریری علیحدہ علیحدہ لکھوا کر حضور انور میں پیش کرنا چاہتا ہوں، فقط والسلام۔

نوٹ :۔ یہ چھ عدد تحریرات تھیں۔ ۱ میں زوج کا کوئی لفظ موجب طلاق نہیں صرف ایک لفظ مذکور ہے کہ میں نے طے کر لیا ہے کہ میں علیحدگی کر دوں (جو مضارع کا صیغہ ہی تحریر دوم میں یہ لفظ بھی نہیں بلکہ صرف اس قدر ہے کہ زوج نے اول یہ کہا کہ فلاں فلاں صاحب میرے ساتھ مظفر نگر چلیں میں وہاں اس معاملہ کا تصفیہ کر دوں گا پھر اُس سے کہا گیا کہ وہاں جانے کی کیا ضرورت ہے جب تم تصفیہ کے لئے تیار ہو تو ابھی کر دو اس کے جواب میں زوج نے کہا کہ میں اپنے والدین سے مشورہ کے بعد بتلاؤں گا۔

بقیہ تحریرات میں جو الفاظ تھے ان کو جواب اول میں نقل کیا گیا ہے اور انہی سے بحث کی گئی ہے ۱۲ ظفر

الجواب الاول: ان تحریرات میں تحریر سوم و چہارم و ششم میں یہ لفظ مذکور ہے کہ محمود نے کہا "اب بھی جواب دینے کو طیار ہوں میری طرف سے جواب ہی سمجھیں" اس کے بعد کسی میں یہ ہے کہ "ذرا میں جرتھاول ہو آؤں وہاں سے آکر تصفیہ کر دوں گا" کسی میں یہ ہے کہ "مجھ کو دعویٰ مہر کا کھٹکا ہے اس لئے مظفر نگر چل کر تم معافی نامہ مہر لکھ دو پھر میں طلاق نامہ لکھ دوں گا"

بہر حال لفظ جواب سمجھیں طلاق کا صریح لفظ نہیں بلکہ کنایہ ہے اور کنایہ بھی ایسا جو مذاکرۂ طلاق میں بھی محتاج نیت ہے بوجہ لفظ سمجھیں بڑھانے کے جو ترجمہ گیر وانگار کا ہے جس میں فقہاء نے نیت کی ضرورت کی تصریح کی ہے۔

عالمگیری میں ہے امرأة قالت لزوجها مرا طلاق دہ فقال الزوج دادہ گیر او کردہ گیران نوی یقع ویکون رجعیا وان لم ینو لا یقع ولو قال دادہ انگار او کردہ انگار لا یقع وان نوی (ج ۲ ص ۲۷) قلت وھذا یدل علی الفرق بین گیر وانگار فی عرفھم ولیس ذلك فی بلادنا بل ترجمۃ کل واحد منھما عندنا واحدۃ۔ وھذا کما تری قد صرحوا فیہ بالوقوع بالنیۃ مع کون التکلم بہ بعد مذاکرۃ الطلاق۔

اور تحریر پنجم میں یہ لفظ ہے کہ محمود نے یوں کہا کہ "میں تو رات بھی طلاق کی بابت کہا تھا میں تو رات بھی طیار تھا اور اس وقت بھی طیار ہوں جیسا زبان سے کہدیا ویسے دے دی، اب تو کاغذ وغیرہ لکھنا باقی ہے وہ بھی لکھ دوں گا"

یہ بھی طلاق دینے میں صریح نہیں کیونکہ اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ جیسا زبان سے کہدیا کہ میں طیار ہوں ویسا ہی یہ کہنا ہے کہ طلاق دے دی اور اس سے بھی طلاق کا وقوع نہیں

ہوسکتا ۔ بہر حال صورت مسئولہ میں جب تک شوہر یہ نہ کہے کہ میں نے یہ الفاظ (جن سے اس وقت جواب میں بحث کی گئی ہے) طلاق کی نیت سے کہے تھے اس وقت تک طلاق نہیں واقع ہوئی، فقط۔ ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۳ ربیع الاول ۴۷ھ

الجواب الثانی

من بعض علماء دیوبند

اللّٰھم انت الموفق للصواب

مجھ سے کہا گیا ہے کہ بعض اکابر نے امر کیا ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق تو اپنا خیال ظاہر کر۔ اس لئے میں اظہار خیال پر مجبور ہوں اور چونکہ میرا منصب فتویٰ نویسی نہیں ہے اور مفتی کیلئے جس وسعت نظر کی ضرورت ہے میں اس کے بعید تر مقام پر بھی نہیں رکھا جاسکتا ہوں، اس لئے اگر اس میں غلطی ہو تو مستبعد نہیں اور اگر صحیح ہو تو اس کو آمر مدظلہ کی کرامت خیال فرمایا جاوے۔ اس گذارش کا منشا فقط یہ ہے کہ میری یہ تحریر چند پریشان خیالوں کا مجموعہ ہے اگر اکابر امت اس کی تصدیق کریں تو قابل عمل ہے ورنہ ردی کاغذ سے زیادہ اس کی وقعت نہیں۔ میں ان تمام کاغذات منسلکہ کو دیکھنے کے بعد سمجھتا ہوں کہ صورت زیر بحث میں طلاق بائنہ واقع ہوگئی ہے کیونکہ حسب بیان مستفتی زوجہ غیر مدخول بہا ہے۔

اس خیال کی بنیاد امور ذیل ہیں:

۱ اگر اس تدقیق میں وقت صرف نہ کیا جاوے کہ "دادہ گیر" اور "جواب ہی سمجھیں" میں ترجمۃً فرق ہے تاہم جب یہ مان لیا گیا کہ اس قسم کے الفاظ کنایات طلاق میں سے ہیں تو پھر طلاق نہ ہونا دشوار ہے کیونکہ وہ صریح سے صریح الفاظ اظہار نیت کے لئے بول رہا ہے کہتا ہے کہ پہلے بھی طیار تھا اب بھی طیار ہوں پھر اگر ان الفاظ سے نیت طلاق کا پتہ نہیں چلتا ہے تو اور کس طرح چلے گا۔ ہمارے پاس قائل کے الفاظ ہی ایسی چیز ہیں جن سے ہم اس کے ارادہ اور نیت کا پتہ چلا سکتے ہیں اور اگر ایک شخص کے الفاظ ہی اس کی نیت کو نہیں بتلا سکتے ہیں تو اگر کوئی شخص بصراحت بھی کہے کہ میری نیت یہ تھی قابل اعتبار نہ ہونا چاہئے۔ اس سے بھی قطع نظر نہ ہونا چاہئے کہ قتل عمد میں صرف آلہ جارحہ کے استعمال کو نیت قتل کے اظہار کا قطعی ذریعہ مان لیا گیا ہے۔ اگر قاتل بالآلات الجارحہ قسمیں کھا کر نیت قتل کا انکار کرے تو معتبر نہیں ہوتا تو جب قصاص ایسی مہتم بالشان چیز میں ایک قوی قرینے کو اس قدر درجہ

دے دیا گیا کہ نیت کا انکار معتبر نہیں تو اگر کسی شخص کے الفاظ اس کی نیت کو ظاہر کریں تو نیت پر جزم کرنا امر مستبعد نہیں۔ پس اگر باوجود مذاکرۂ طلاق کے ان الفاظ میں نیت طلاق شرط بھی ہو تب بھی نیت طلاق موجود ہے ملاحظہ ہو کاغذ ۳، ۴، ۵، ۶۔

۲ تحریر ۵ سے یہ بھی ظاہر ہے کہ زوج نے کہا کہ "جیسا زبان سے کہدیا ویسے دیدی اب تو کاغذ وغیرہ لکھنا باقی ہے" اس سے صاف ظاہر ہے کہ زوج کے نزدیک تعلقاتِ زوجیت کے انقطاع کے تمام مراحل طے ہو گئے صرف کاغذ پر لکھنا باقی ہے اور ظاہر ہے کہ طلاق لسان سے ہے نہ کتابت سے پس طلاق واقع ہو گئی۔

۳ میرا خیال ہے کہ زوج کے یہ الفاظ کنایہ کی اس قسم میں داخل ہیں جن کو "صالح للجواب عن سوال المرأۃ طلاقہا فقط" میں داخل کیا جا سکتا ہے ان میں رد وغیرہ کا احتمال میری فہم سے بالا ہے اور اس قسم کے الفاظ کا حکم فتاوی انقرویہ میں اس طرح ہے ففی حال الرضاء لا یقع الطلاق بشئ منہا والقول لہ مع یمینہ وفی حال لمذاکرۃ الطلاق یقع بالصالح للجواب والرد بالنیۃ ویقع الطلاق بالصالح للجواب فقط والصالح للجواب والشتم بدون النیۃ وفی حال الغضب یقع بالصالح للجواب فقط بلانیۃ ویقع بالصالح للجواب والرد والصالح للجواب والشتم بالنیۃ۔

اسی کے حاشیہ پر ملتقی الابحر سے نقل کیا ہے فلو انکر النیۃ صدق مطلقا حالۃ الرضاء ولا یصدق قضاءً عند مذاکرۃ الطلاق فیما یصلح للجواب دون الرد والشتم۔

پس میرے خیال میں مذاکرۂ طلاق کی صورت میں یہ الفاظ محتاج نیت بھی نہیں ہیں۔

خلاصۂ گذارش یہ ہے کہ یا تو یہ الفاظ محتاج نیت ہی نہیں ہیں اور اگر ہیں تو زوج ہی کے الفاظ اس کی نیت طلاق کو بتا رہے ہیں اور حسب بیان مستفتی زوجہ غیر مدخول بہا ہی لہذا زوجہ مطلقہ بائنہ ہے بلا انقضاء عدت اس کا نکاح دوسرے شخص سے کیا جا سکتا ہے واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ محمد اعزاز علی غفرلہ ۷ ربیع الثانی ۱۳۴۷ھ۔

اقول وباللہ التوفیق

احقر کی رائے میں بھی اس صورت میں طلاق بائنہ واقع ہو گئی جس کی تفصیل تحریر بالا میں مذکور ہے۔ فالجواب صحیح فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ عزیز الرحمن عفی عنہ دیوبندی۔ ☐ نشان مہر

احقر بھی حضرت مفتی صاحب کی تحریر سے اتفاق رکھتا ہے۔

الجواب صحیح، احقر محمد حمید حسن عفی عنہ دیوبندی۔

الجواب صواب، نبیہ حسن عفا اللہ عنہ۔ الجواب صحیح مسعود احمد عفا اللہ عنہ دار العلوم دیوبند، ۷ ربیع ۲ ۴۷ھ

الجواب صحیح، احقر الزمان گل محمد خان خادم دار العلوم دیوبند۔

الکلام علی ثانی الجواب

(من جامع امداد الاحکام)

والله الملهم للصواب

اقول و باللہ التوفیق وھو خیر معین و رفیق۔

(۱) فاضل مجیب نے ؏۱ اس جس تدقیق میں وقت صرف نہیں کیا درحقیقت وہی قابل غور ہے اور اس میں ان کو تامل و غور کرنا اور وقت صرف کرنا لازم تھا کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ ہم لوگ مجتہد نہیں بلکہ مقلد ہیں پس ہم کو فقہاء کے کلام میں غور کر کے کوئی نظیر واقعہ مسؤلہ کی نکالنا چاہئے تاکہ جواب محض قیاس مقلد پر مبنی نہ ہو بلکہ کلام فقہاء پر مبنی ہو۔ سو ہم نے جو اس واقعہ میں غور کیا تو متکلم کے لفظ "آپ میری طرف سے جواب ہی سمجھیں" کی چند نظائر کلام فقہاء میں ہم کو ملی ہیں ایک "دادہ گیر و کردہ گیر"، جس کو جواب اول میں نقل کیا گیا ہے عالمگیری (ج۲ ص ۵۷) میں اس جزئیہ کو زیادہ وضاحت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے ولفظہ فی النسفیۃ سئل عن امرأۃ قالت لزوجھا با تو نمی باشم قال نا باشیدہ گیر فقالت ایں چہ سخن بود آن کن کہ خدائے تعالی و رسول خدا فرمود۔ نیکو بگو طلاق تا بروم فقال طلاق کردہ گیر برو۔ ھل یقع الطلاق ان نوی الایقاع؟ یقع واحدۃ اھ وفی الخلاصۃ ولو قالت مرا ؏ یلہ کن فقال یلہ کردہ گیر ان نوی یقع اھ (ج۲ ص ۹۷) اور ظاہر ہے کہ طلاق کردہ گیر اور یلہ کردہ گیر الفاظ کنایات طلاق میں سے ہیں ورنہ بعد نیت کے بھی اُن سے وقوع نہ ہوتا مگر بایں ہمہ بعد طلب طلاق و مذاکرۂ طلاق کے بھی وقوع طلاق کو

؏ قلت وقد صرح فی العالمگیریۃ ان قولہ یلہ کردم ترا تفسیر قولہ طلقتک عرفا حتی یکون رجعیا ویقع بدون النیۃ اھ ج۲ ص ۷۲۔ وانما صار کنایۃ لزیادۃ قولہ گیر فافہم ۱۲ منہ

مقید بالنیۃ کیا گیا ہے ۔ اور یہاں یہ بات قابل تنبیہ ہے کہ فقہاء نے جن الفاظ میں باوجود مذاکرۂ طلاق کے بھی وقوع طلاق کے لئے نیت کو شرط قرار دیا ہے وہاں مطلب یہ ہے کہ متکلم بوقت تکلم کے ان الفاظ سے ایقاع طلاق کی نیت کرے محض قرائن نیت کافی نہ ہوں گے ورنہ مذاکرۂ طلاق کے بعد جو کہ نیت کا قوی قرینہ ہے کما صرحوا بہ قاطبۃً نیت کا شرط کرنا محض فضول و لغو ہوگا ۔ اس سے فاضل مجیب کے اس قول کا جواب معلوم ہوگیا کہ :

"جب یہ مان لیا گیا کہ الفاظ کنایات طلاق سے ہیں تو پھر طلاق نہ ہونا دشوار ہے کیونکہ جو صریح سے صریح الفاظ اظہار نیت کے لئے بول رہا ہے کہتا ہے کہ پہلے بھی طیار تھا اب بھی طیار ہوں الخ ۔"

کیونکہ اول تو اس میں صرف آمادگی کا اظہار ہے اور آمادگی بر طلاق عزم طلاق کو مستلزم نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ آمادگی کسی مصلحت یا شرط کے ساتھ مشروط ہو کہ بدون اس کے تحقق کی آمادگی ہی متحقق نہ ہوگی تا بعزم چہ رسد اور واقعہ مسئول عنہا میں زوج نے جس قدر بھی آمادگی طلاق پر ظاہر کی ہے وہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اول دین مہر کی طرف سے اس کا کافی اطمینان ہو جائے بدون اس شرط کے تحقق کے نہ اس کی طرف سے آمادگی کا تحقق ہے نہ عزم کا اور اس شرط کے ذکر پر تمام شہود متفق ہیں پس اول تو آمادگی بر طلاق عزم طلاق کو مستلزم نہیں اور اگر ہو بھی تو ان قرائن کی حیثیت مذاکرۂ طلاق سے زیادہ نہیں مگر فقہاء نظائر مذکورہ میں باوجود مذاکرہ کے جو ان کے نزدیک قرینہ قویہ نیت طلاق کا ہے پھر بھی نیت زوج کو ضروری بتلاتے ہیں جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ان الفاظ کے تکلم کے وقت ایقاع طلاق کی نیت شرط ہے جو بدون اقرار زوج کے معلوم نہیں ہو سکتی ۔

اس کے بعد میں فاضل مجیب کو اس پر بھی متوجہ کرتا ہوں کہ انہوں نے اس مقام پر قتل کی نظیر بیان کرنے میں سخت مسامحت کی ہے کیونکہ قتل افعال حسیہ میں سے ہے ، عقود و فسوخ کی جنس سے نہیں ہے عقود و فسوخ کا تحقق محض الفاظ سے ہوتا ہے اس لئے وہاں صریح و کنایات اور نیت سے بحث لازم ہے اور افعال حسیہ کا وجود الفاظ سے نہیں ہوتا بلکہ فعل حسی سے ہوتا ہے وہاں نیت سے کچھ بحث نہیں ۔ پس جب فعل حسی یعنی قتل بالجارحہ کا تحقق ثابت ہوگیا اب نیت قتل کا انکار نفی قتل میں لغو ہے ۔ اور اگر طلاق و نکاح کا تحقق بھی ایجاب و قبول یعنی الفاظ سے نہ ہوا کرتا بلکہ کسی عمل سے ہوتا تو بعد ثبوت

عمل یہاں بھی نیت کی بحث کو لغو کہا جاتا اور قتل و زنا میں بھی اگر ایسی صورت ہو جہاں ثبوت زنا و قتل کا مدار بیّنہ پر نہ ہو بلکہ صرف اقرار ملزم پر ہو اور اس صورت میں ملزم یوں کہے کہ "آپ مجھ کو ہی قاتل سمجھ لیں" یا یوں کہے کہ "مجھی کو زانی سمجھ لیں" تو ہم یقین کرتے ہیں کہ ایسے مجمل و محتمل اقرار سے فاضل مجیب بھی اُس کو محل قصاص و محل رجم نہ قرار دیں گے۔

فاضل مجیب کو طلاق کی نظیر میں نکاح و بیع وغیرہ کا ذکر مناسب تھا جو مثل طلاق کے الفاظ سے ثابت ہوتے ہیں۔ اب وہ غور کریں کہ اگر کوئی شخص نکاح کی مجلس میں ایجاب کے بعد یہ نہ کہے کہ میں نے قبول منظور کیا بلکہ یوں کہے کہ آپ میری طرف سے قبول ہی سمجھیں تو کیا اس کو بدون نیت کے صریح قبول مانا جائے گا گو وہ اس سے پہلے قبول نکاح پر کیسی ہی آمادگی اور طیاری ظاہر کر چکا ہو؟ یقیناً یہاں آپ بھی یہی کہیں گے کہ یہ الفاظ قبول میں صریح نہیں بلکہ نیت پر مدار رکھا جائے گا اگر اس نے اس لفظ سے انشاء قبول کی نیت کی ہے تو قبول ہے ورنہ محض وعدہ ہے قال فی الخلاصۃ لو قال لامرأۃ اجنبیۃ خویشتن بزنی بمن دہ فقالت دادہ گیران نوت وھناک شھود صح قال واما فی البیع والاجارۃ وکل ما یتعلق بالمال بان قیل لرجل بع ھذہ الدار منی فقال فروختہ گیر وقبل فلان فلا یصح اھ (ج ۲ ص ۹۷)۔

دوسری نظیر واقعہ مسئولہ کی فقہاء کے کلام میں دادہ انگار و کردہ انگار ہے جس میں فقہاء نے تصریح کی ہے کہ باوجود نیت کے بھی وقوع طلاق نہ ہوگا۔ قاضی خان نے اس کو زیادہ وضاحت سے بیان کیا ہے امرأۃ قالت لزوجھا مرا طلاق دہ وقال الزوج دادہ انگار او قال کردہ انگار لا یقع الطلاق وان نوی کانہ قال لھا بالعربیۃ احسبی انک طالق وان قال ذلک لا یقع وان نوی اھ (ج ۲ ص ۲۱۰) اسی قاضیخان میں (ج ۲ ص ۲۱۴) پر ہے ولو قیل لرجل اطلقت امرأتک؟ فقال عدھا مطلقۃ او احسبھا مطلقۃ لا تطلق امرأتہ اھ اور اگر تامل صادق سے کام لیا جائے تو لفظ جواب ہی سمجھیں کا ترجمہ طلاق دادہ گیر سے زیادہ قریب طلاق دادہ انگار و احسبی انک طالق وعدھا مطلقۃ ہے اور ان میں فقہاء باوجود نیت کے بھی وقوع طلاق کے قائل نہیں اور دادہ گیر کا ترجمہ صحیح یہ ہے کہ "طلاق ہی مان لو"۔ پس صورت مسئولہ میں اگر متکلم نے یوں کہا ہوتا کہ "آپ میری طرف سے جواب ہی مان لیں" تو بیشک یہ لفظ طلاق دادہ گیر

کی صریح نظیر تھی جس سے بشرط نیت ایقاع بوقت تکلم وقوع طلاق کا ہوجاتا اور جواب ہی سمجھیں میں حکم وقوع طلاق دشوار ہے اور بدون نیت بوقت تکلم کے تو دشوار تر ہے فاضل مجیب وقت صرف کرکے اس میں دوبارہ غور کریں۔

(۲) فاضل مجیب نے اس نمبر میں سخت مسامحت سے کام لیا ہے کہ زوج کے قول کو نقل کرکے یہ نہیں بتلایا کہ ایقاع طلاق کا حکم کس لفظ کی وجہ سے ہے زوج کے الفاظ یہ ہیں "میں نے تو رات بھی طلاق کی بابت کہا تھا میں تو رات بھی طیار تھا اور اس وقت بھی طیار ہوں جیسا زبان سے کہدیا ویسے دے دی اب تو کاغذ وغیرہ لکھنا باقی ہے وہ بھی لکھدونگا" فاضل مجیب کو چاہیئے تھا کہ اس کلام میں وہ لفظ معین کرتے جس سے ایقاع طلاق ثابت کیا گیا ہے وہ کہتے ہیں کہ زوج کے نزدیک تعلقات زوجیت کے انقطاع کے تمام مراحل طے ہوگئے صرف کاغذ پر لکھنا باقی ہے الخ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مجیب کے نزدیک لفظ "اب تو کاغذ وغیرہ پر لکھنا باقی ہے" سے وقوع طلاق کا ہوا ہے حالانکہ یہ لفظ الفاظ ایقاع میں سے ہرگز نہیں اگر کسی شخص نے ایک مرتبہ بھی انشاء طلاق وایقاع کا لفظ زبان سے نہ نکالا ہو اور وہ لاکھ مرتبہ یہ کہتا پھرے کہ "اب تو کاغذ وغیرہ لکھنا باقی ہے" تو ہرگز کوئی مفتی اس لفظ سے ایقاع طلاق کی جرأت نہیں کرسکتا اور اگر لفظ "جیسا زبان سے کہدیا ویسا دیدی" کو موجب وقوع سمجھا گیا ہے تو فاضل مجیب کو لازم تھا کہ سیاق وسباق کے ساتھ ملاکر اس مہمل جملہ کا مطلب بھی واضح کرتے تاکہ دوسروں کو غور کا موقعہ ملتا کہ فاضل مجیب نے اس کے کیا معنی سمجھے اور اس کو کس قاعدہ سے موجب ایقاع طلاق قرار دیا ظاہر ہے کہ اس جملہ میں لفظ جیسا ویسا تشبیہ کا حرف ہے جس سے قائل نے ایک شے کے دینے کو زبان سے کہی ہوئی بات کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور زبان سے جو بات اس سے پہلے کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ "میں رات بھی طیار تھا اور اس وقت بھی طیار ہوں" جس کا حاصل صرف یہ ہے کہ وہ آمادگی بر طلاق کو اعطاء طلاق کے ساتھ تشبیہ دے رہا ہے یعنی تم میری اس ظاہر کردہ آمادگی کو مثل طلاق دینے ہی کے سمجھو اب ہم منتظر ہیں کہ فاضل مجیب فقہ کی کس جزئی سے اس کا ثبوت دیں گے کہ تشبیہ آمادگی بر طلاق با عطاء طلاق یا اس کا عکس موجب وقوع طلاق ہے میرا خیال ہے کہ وہ اس کو ہرگز ثابت نہیں کرسکتے پھر حیرت ہے کہ متکلم کے کلام کا تو کوئی جزو موجب وقوع نہیں اور فاضل مجیب اس کا خلاصہ اپنی

عبارت میں نکال کر حکم وقوع کر رہے ہیں ۔

اس کے بعد فاضل مجیب نے دوسری مسامحت یہ کی کہ اس امر میں غور نہیں کیا کہ جس لفظ سے وہ نمبر دوم میں بحث کر رہے ہیں اس کا ناقل وشاہد صرف ایک شخص ہے اور ایک شخص کا قول باوجود عدالت کے بھی باب طلاق میں حجت نہیں پھر جس لفظ کے ناقل دو تین بھی ہیں ان میں بھی عدالت شرط ہے فاضل مجیب کو حکم وقوع لگانے سے پہلے یہ معلوم کر لینا ضروری تھا کہ عدد شہادت کامل ہے یا نہیں اور شہود عادل ہیں یا نہیں ، اور کوئی وجہ مخاصمت بالزوج یا اتحاد مع الزوجہ تو موجود نہیں اور اس کی ضرورت مجیب اول کو نہ تھی کیونکہ اس نے عدم وقوع کا فتویٰ دیا ہے ولاحاجۃ فی عدم الوقوع الی ھذہ الشرائط ھذا وقد صرح الفقھا بلزوم الافتاء بالقضاء لا بالدیانۃ کما فی اوائل رد المختار واواخر الحامدیۃ ۔

(۳) اس نمبر میں فاضل مجیب نے فیصلہ کیا ہے کہ میرے خیال میں زوج کے یہ الفاظ کنایہ کی اس قسم میں داخل ہیں جن کو صالح للجواب عن سوال المرأۃ طلاقھا فقط میں داخل کیا جا سکتا ہے الخ

اس کے متعلق عرض ہے کہ ہمارا اور آپ کا محض خیال فتویٰ میں کافی نہیں بلکہ زوج کی طرف جو الفاظ شہود نے منسوب کئے ہیں ان کو فقہاء کے کلام میں غور کر کے کسی جزئی پر منطبق کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ لفظ فلاں لفظ کی نظیر ہے جو محض صالح للجواب ہے ، اس لئے یہ بھی محض صالح للجواب ہے اس کے بعد حکم وقوع صحیح ہوگا والا فلا اور محض قاعدہ کلیہ بیان کر دینا کافی نہیں اس سے تو ہر طالب علم واقف ہے ۔

آپ کا یہ ارشاد بالکل صحیح ہے کہ ان میں رد وشتم کا احتمال فہم سے بالا ہے لیکن ان الفاظ میں احتمال وعدہ وتسلیہ ضرور ہے ہمارے محاورہ میں وعدہ کے وقت کہا کرتے ہیں کہ اس کام کو ہوا ہی سمجھو ، تم میرے پیغام کو نکاح ہی سمجھو ، میری بات کو قبول ہی سمجھو ۔ اسی قبیل سے یہ قول ہے کہ آپ جواب ہی سمجھیں ۔ یعنی جواب ہوا ہی چاہتا ہے ۔ اور جب یہ کلام محتمل وعدہ وتسلیہ ہے تو پھر یہ کہنا کیونکر صحیح ہے کہ یہ صالح للجواب عن سوال الطلاق فقط میں داخل ہے ۔ فاضل مجیب غور فرمائیں کہ عورت کے سوال طلاق کے بعد شوہر کا یہ کہنا طلاق دادہ گیر یا یلہ کردہ گیر اس میں کیا احتمال رد وشتم کا ہے ؟ ہرگز نہیں ، بلکہ

ظاہر یہ ہے کہ یہ لفظ جواب سوال طلاق کے سوا کسی شئی کو رد و شتم میں سے محتمل نہیں مگر چونکہ اس میں وہی احتمال وعدہ کا اور امید دلانے کا ہے اس لئے فقہاء نے اس میں باوجود مذاکرۂ طلاق کے نیت الیقاع کو شرط کیا ہے اور طلاق انگار و احسبی انک طالقة وعدھا مطلقة واحسبھا مطلقة میں باوجود نیت کے بھی عدم وقوع کی تصریح فرمائی ہے کیونکہ یہ لفظ معنئ وعدہ میں صریح ہے جس کی نظیرعہ یہ ہے کہ کوئی سوال طلاق کے بعد یوں کہے طلاق کنم طلاق کنم تو اس سے بوجہ معنئ وعد کے وقوع نہ ہوگا قال فی الھندیة قالت لزوجھا من باتونمی باشم فقال الزوج مباش فقالت طلاق بدست تو است مرا طلاق کن فقال الزوج طلاق میکنم وکرر ثلاثا طلقت ثلاثا بخلاف قوله کنم لانه استقبال فلم یکن تحقیقاً بالشک وفی المحیط لو قال بالعربیة اطلق لایکون طلاقا ای مع النیة کما صرحوا به ۱۲ منہ الا اذا غلب استعمالہ للحال اھ (ج ۲ ص ۴۷)۔

یہ تو جملہ اولیٰ کے متعلق گذارش تھی اب جملہ ثانیہ کے بابت جو تحریر ۵ میں ہی عرض ہے کہ لفظ جیسا زبان سے کہدیا ویسے دیدی اب تو کاغذ وغیرہ لکھنا باقی ہے الخ یہ الفاظ طلاق میں سے ہے ہی نہیں کیونکہ اس میں محض تشبیہ اعطاء طلاق بالقول السابق ہے اور اس سے وقوع طلاق کا کوئی احتمال نہیں پھر اس قول میں کہ جیسا زبان سے کہدیا ویسے دے دی اضافت طلاق الی المرأة بالکل نہیں ہے نہ لفظاً کما ھو ظاھر نہ معنیً کیونکہ عورت کو خطاب نہیں نہ بوقت اس کلام کے وہ سامنے تھی اور طلاق کا جو ذکر اس سے پہلے ہو رہا تھا وہ بھی ابہام کے ساتھ بدون اضافت کے تھا قال فی الخانیة امرأة قالت طلقنی ثلاثا فقال الزوج اینک ہزار طلاق لا تطلق امرأته لانه کلام محتمل (ج ۲ ص ۲۱۵) ای لعدم الاضافة بخلاف قوله اینکت ہزار طلاق حیث تطلق ثلاثا کما فی الخلاصة واللہ تعالیٰ اعلم اور عدم اضافت کا احتمال لفظ اول میں بھی ہے یعنی قول زوج آپ جواب ہی سمجھیں میں کیونکہ بجز ایک شاہد کے

عہ اور یہ بھی پوری نظیر نہیں کیونکہ مضارع میں بعد نیت کے وقوع ہوجاتا ہے اور الفاظ مذکورہ میں بعد نیت کے بھی وقوع نہیں ہوتا لیکن اس کو محض اس بات کے بتلانے کے لئے ذکر کیا گیا ہے کہ معنی وعد کا احتمال وقوع طلاق کی نفی کر دیتا ہے ۱۲ منہ

کسی نے اضافت کی تصریح نہیں کی پس فاضل مجیب کو حکم وقوع طلاق کرتے ہوئے سب پہلوؤں پر غور کرنا لازم تھا اور باب طلاق میں اضافت کا مسئلہ ایسا مشکل ہے جس کو بہت ہی کم لوگ حل کرسکتے ہیں لاختلاف اقوال الفقہاء فیہا، وتشابہ النظائر وتشاکلہا هذا ما عندی ولم آل جهدًا فی تحقیق المسئلة وتنقیحها وشرحها وتلقیحها وفوق کل ذی علم علیم فالله سبحانه وتعالیٰ اعلم وعلمه اتم واحکم۔

حررہ ظفر احمد ۱۱ ربیع الثانی س۴۷ھ۔

تحقیق مسئلہ ہدم بزبان عربی

الاستفتاء:۔ رجل طلق امرأته مرتين واثناء عدتها ما راجعها وما امسكها وما طلقها ثالثة حتى انقضت عدتها وبانت منه وهي منفردة منه فی بيتها وبعد برهة من الزمان سنح له ان ينكحها نكاحًا جديدًا فنكحها لكن بعد مدة حدث حادث ما فطلقها طلقة واحدة. فی هذه الصورة يقول عامة الفقهاء الاعلام انها فی هذه الطلقة الواحدة حرمت عليه حرمة غليظة حتى لا تحل له حتى تنكح زوجًا غيره وهذا لا يفقهه حق التفقه وما ذكروا فی الكتب لا ينتقح البتة بل ينصرح خلافه فياله من داء عقام ولعمری من اين اخذ واهذا الحكم الشديد الضيق كثير الحرج غايتها أمن القرآن الحكيم او من السنة السنية الصحيحة ومن القرآن الشريف لا تصل الى ايديهم الا آية اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ الآية وكلما يغور النظر فی الآية يجدها آبية من ان يمكن منها اخذه كيف والآية تحكم بان الرجل اذا نكح امرأة يملك[ع] طلقات ثلثة فان طلق مرتين فله اختيار امرين اما يراجعها ويمسكها او يسرحها

ع لم يتعرض القرآن بذلك صريحا وانما ثبت ذلك بسنة، فان كانت السنة حجة فی ذلك فلتكن حجة فی غيره من الاحكام ۱۲ منه۔

ای یطلقها مرة ثالثة حیث فسر النبی صلعم کذا فی جواب سوال الصحابی فاین
الثالثة؟ قال او یسرحها فالصورة المحکومة علیها فی القرآن ان الزوج
اذا طلق امرأته مرتین فله ان یراجعها او یطلقها ثالثا فی اثناء عدتها
اذ الرجعة انما تتصور فی العدة والطلقة الثالثة تنفذ[عه] اذا وقعت فی العدة
فان طلقها کذا فلا تحل له حتی الآیة فقوله تعالیٰ فان طلقها اعادة للتسریح
المذکور یترتب علیها الحکم الآتی وانت خبیر انما الآیة تقتضی ان الطلقة
الثالثة اخرجتها عن صلوحها لمحلیة النکاح الجدید بالمطلق حتی تنکح زوجا
غیره والصورة المستشکلة وراء تلک الصورة لا یوافقها بل یباینها اذ فی
هذا ما امسکها وما سرحها بل ترکها علی حالها حتی بانت وعادت الیٰ
حالتها الاولیٰ حیث لا تحل له حتی ینکحها نکاحا صحیحا جدیدا اذ النکاح
بانقضاء العدة قد انعدم بالمرة وانصرم بالکلیة ولم یبق اثره البتة
الیس حین بانت منه بانقضاء عدتها صارت اجنبیة منه ولم تصلح
محلا بالتصرف ولا یحل له وطیها ولا مسها بشهوة ولا ینفذ تطلیقها
ثالثا اذ التطلیق انما تتصور فی النکاح اما قبل حدوثه او بعد زواله
فلا اذ لم یصادف محلا وهل تجب علیه بعد ابتنات عدتها نفقتها
او کسوتها وغیر ذلک ولا اظن احدا هجس به نفسه فتفوه به الیٰ وح
ان مات هو لا تعتد هی عدة الوفاة ولا ترثه وهو لا یرثها ان ماتت هی
حین بانت منه بانقضاء العدة نعم ان نکحها کان نکاحا جدیدا[عه] ولا بد

عه لا نسلم توقف نفاذها علی العدة؛ بل تنفذ بعد العدة أیضا إذا یزوجها ثانیا، وقوله تعالیٰ: "أو تصریح بإحسان" یعم التسریح فی العدة وبعدها، فمن أین للسائل أن یقیده بزمان العدة؟ ۱۲ منہ۔

عہ لقائل أن یقول: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثا فکیف حرمها الله تعالیٰ علیه حتی تنکح زوجا غیره؟ فهل إذا انکحت غیره یکون نکاحه بها نکاحا جدیدا؟ وهلا یکون کذلک إذا انکحها بغیر ذلک، مع أنها صارت أجنبیة عنه، لا یرثها ولا ترثه، فإن کان التزوج بزوج آخر یغیر المرأة عن حالها، ولا تتغیر بدون ذلک، ای: الحل، فکذا یجوز أن لا یتغیر حال امرأة بقضاء عدتها بعد طلقتین کل التغییر وإن کان قد تغیر تغییرا ما، فافهم ۱۲ منہ.

اذ الایجاب والقبول جدیدان والتراضی جدید والمهر جدید وکذا الشهود ولا یمکن ان یکون هذا النکاح هو الاول والا یلزم اعادة المعدوم او تحصیل الحاصل وقوانین الشرع لا تساعده شیئا وهی حینئذٍ تکون تصلح لنکاح کل احد وخطبته واذا النکاح الاول کان باقیا کانت لم تصلح فاذن قد ثبت ان النکاح الاول وتوابعه بمعزل من ان یعد او ینضاف الی هذا وصار کان لم یکن شیئا مذکورا وانقضاء عدة الطلقة الثانیة لا یخرجها عن صلاحها لمحلیة النکاح الجدید بالمطلق نعم ازال مالکیة للطلقة الثالثة بالمرة وبعبارة اخری وطی الزوج الثانی فی الصورة المحکومة علیها فی القرآن الشریف لا یملکه للطلقات الثلاثه جدیدا بالذات بل بالعرض انما یأهله لان ینکحها جدیدا فهذا النکاح الجدید یصیّره مالکا للطلقات الثلاثة بالذات او هو یملك بنفسه للطلقات الثلاثة بعد النکاح و حیث لا یتوقف نکاحا جدیدا ایضا لا یتوقف مالکیته للطلقات الثلاثة البتة والاثر المروی یحدث عن رجل من قومه عن رجل من اصحابه صلعم فیه ضعف ومجهول بیّن کیف یوخذ منه الحکم الشدید الضیق کثیر الحرج ینبغی لرجل فقیه ان یسلك مسلك الیسر والرفق دون العسر و الرتق مهما امکن یرید الله بکم الیسر ولا یرید بکم العسر ماجعل علیکم فی الدین من حرج سیما اذا قامت علیه الحجة فهی المحجة کیف

ع٥ وان ادعی احد ان توقف جواز النکاح بعد الطلقات الثلاث علی النکاح بزوجٍ آخر من الحرج فهل یقول السائل بجوازه بدونه؟ ۱۲ منه۔

یجترأ احد وکیف یسوغ لفقیه ان یحرم فرجًا علی من اباحه الله تعالیٰ لیعین من النکاح ویحل علی رجل حرمها علیه ولیس معه حجة قویة نضیجة ولا سنة صریحة صحیحة ونحن نذعن ان الصحابة کانوا اعمق علمًا و اروق ذهنًا واحق حکمًا وادق فقها ورئیا فنتحیر کیف سلکوا هذا المسلك الوعرة بل نظن وقع الغلط فی النقل عنهم نعم یتضح هذا فی ما اذا امسکها وراجعها واعادها الیه فی اثناء عدتها حیث تعود الیه بما بقی وقول ابن عباس رضی الله عنه نکاح جدید وطلاق جدید لعمری هو اشبه واحق واحری بالقبول ولا یتوقف هذا علی نکاح زوج الثانی او اصابته اذ لا اثر له ولا تعلق بوجه ما البتة لیس الا وذکر الزوج الثانی انما هو بالاتفاق اذ الحادث لعله قد اتفق کذا واما بالحکم فلا مساس له البتة کما لا یخفی وتحس اثرًا او تشم رائحة من قول حبر الائمة ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنه نکاح جدید وطلاق جدید ان تجدد النکاح انما تکون اذا اصابها زوج آخر کلا ولم یثبت ولم یتحقق فیها قضاء رسول الله صلی الله علیه وسلم بذلك کیف ولو کان فما بال حبر الائمة امام الائمة نحریر النجمة اذ قد خفی علیه مثل هذا القضاء مع سعة الفضاء والعجب علی العجب من الفقهاء الاعلام کیف سطحوا النظر

عه وکیف یجوز لعالم ان یحلل فرجا حرمه الله ورسوله لاحد ۱۲۔

عه و اختلط الصور بعضها ببعض وهو برئ منه وکیف ما هو والله اعلم ۱۲ من السائل۔

سه علی الناقل تصحیح النقل فان ابن عباس لم یقل بذلك الا اذا ما تزوجها بعد تحلل النکاح بزوج غیره ۱۲۔

للعه یا عجبا ممن لا یحسن العربیة ولا کتابة کیف یطعن علی الفقهاء الاعلام ویجعل نظرهم سطحیا ونظره غائرا وهل هذا الا الضلال ۱۲ ظفر۔

ههنا غاية السطيحة ولم يعمقوها قليلاً فزعموا بما هو مخالف العقل و النقل هذا ولعل الله يحدث بعد ذلك امراً ۔

الجواب : اقول وبالله التوفيق ۔ كلما ذكره السائل اغلوطة محضة لا يلتفت اليها مؤمن فى قلبه حب الله ورسوله وعزة الايمان وليت شعري هل هو مجتهد ام مقلد فان كان مجتهداً فليجعل نفسه عرضة لامتحان لكي يكرم او يهان وايضاً فلا يجوز لمجتهد احداث قول قد اجمع السابقون من المجتهدين على بطلانه وان كان مقلداً فليس له الا التسليم لما قاله الفقهاء المجتهدون قبله ومن اين له ان يعترض على النقل الصحيح والا فيرتفع الامان عن الشريعة المطهرة على مبلغها الف الف تحية ۔ هذا وقد اجمع المجتهدون من الفقهاء والمحدثون من العلماء والراسخون من الفضلاء على ان المرأ اذا طلق امرأته ثلاثا مجتمعة اومتفرقة سواء كان بعد ماتزوجها ثانيا بشرط عدم تخلل نكاحها بزوج اخر دونه فهي طالق عليه ثلاثا لا تحل له حتى تنكح زوجا غيره واما ابن عباس فانما قال نكاح جديد وطلاق جديد اذا تزوجها الاول بعد تخلل نكاحها بزوج اخر فقال يهدم الواحدة والثنتين و الثلاث وبمثله قال ابن عمر كما فى كتاب الاثار لمحمد بن حسن (رض) ولم يقل ذلك اذا تزوج بها من غير تخلل النكاح بغيره ومن ادعى فعليه البيان والى الله المشتكى مما احدثه هذا السائل فى الشرع فلم يسبقه احد اليه والله تعالى اعلم ۔

وايضا فان قوله تعالى اوتسريح باحسان ليس بصريح فى الطلقة الثالثة وانما يوخذ منها ذلك ببيان الصحابة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وليس فى القرآن ان الرجل يملك على زوجته ثلاث تطليقات وانما فيه الطلاق مرتان فلما كان بيان الرسول بنقل اصحابه حجة فى تفسير التسريح بالاحسان بالطلاق الثالث فليكن كذلك قولهم ان التسريح يعم ما اذا طلقها ثالثا فى النكاح الاول اوفى الثانى اوفى الثالث

مالم يتخلل النكاح بزوج آخر غيره، فافهم۔

۸ رجمادی الاولی سنہ ۴۸ھ

حکم لزوم کفارہ وعدم وقوع طلاق جبکہ شوہر یہ حلف اٹھائے کہ خدا کی قسم تیرے ہاتھ کا کھانا کھاؤں تو اپنی ماں سے زنا کروں

(سوال) کسی نے حالت غصہ میں اپنی زوجہ کو کہا کہ تیرے ہاتھ سے کبھی نہیں کھائیں گے خدا کی قسم اگر کھائیں تو میں میرے ماں کے ساتھ زنا کروں گا کئی دن بعد اس نے اس کے ہاتھ سے کھانا شروع کردیا اس پر طلاق واقع ہوگا یا نہیں اگر واقع ہو تو کے طلاق اور کیا کرنا ہوگا اور اگر نہ ہو تو حلف صادق آئے گا یا نہیں اور اگر صادق ہو تو کفارہ لازم ہوگا یا نہیں اگر ہو تو کیسا بالتفسیر لکھنا، فقط؟

الجواب: صورت مسئولہ میں یعنی جبکہ بیوی سے یوں کہا خدا کی قسم اگر تیرے ہاتھ کا کھانا کھاؤں تو اپنی ماں کے ساتھ زنا کروں اور پھر اس کے ہاتھ کا کھانا کھالیا تو اس سے طلاق واقع نہ ہوگی بلکہ قسم کا کفارہ دینا لازم ہوگا۔ واللہ اعلم۔

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ، ۹ رشوال سنہ ۴۵ھ۔

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ۔ ۱۰ رشوال سنہ ۴۵ھ۔

وقوع طلاق کے لئے الفاظ طلاق پر تلفظ شرط ہے

(سوال) معروض یہ ہے کہ ایک شخص نے بلا تلفظ یعنی دونوں ہونٹ بند ہونے کی حالت میں اپنی زوجہ کو طلاق دی اور کچھ حرکت دونوں ہونٹ میں اور زبان میں بھی اندر ہی اندر ہوئی یعنی ہلنا پایا گیا غرض دونوں ہونٹ ایک دوسرے کے ساتھ ملے رہے اور زبان میں اندر ہی اندر حرکت ہوئی اور دونوں ہونٹ میں بھی حرکت ہوئی بند ہونے کے حالت میں جس قدر حرکت ہوسکے اور بے تلفظ اپنی زوجہ کو طلاق دی یہ طلاق واقع ہوئی یا نہ ہوئی امید ہے کہ جواب سے ممنون فرماویں؟ الحاصل یہ طلاق دینا تلفظ کے ساتھ نہ ہوا اور دل ہی دل میں بھی نہیں بلکہ بین بین جیسا کہ تفصیلاً عرض کیا گیا زبان میں اور دونوں ہونٹوں میں بند ہونے کی حالت میں جس قدر حرکت ہوسکے حرکت پائی گئی مگر تلفظ قطعاً نہیں جب تلفظ نہیں تو دل ہی دل میں شمار کیا جاوے یا نہیں؟

الجواب: صورۃ مسئولہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ وقوع طلاق کے لئے تلفظ شرط ہے اور منہ بند کرکے جو زبان کو حرکت دی گئی ہے وہ تلفظ نہیں ہے لان المشائخ

اختلفوا فی حد النطق والتلفظ علی ثلثة اقوال فبعضهم قالوا هو خروج صوت یصل الی اذنه (ای ولو حکماً کما کان هناك مانع من صمم او جلبة اصوات او نحو ذلك قاله الشامی) وبعضهم قالوا هو خروج الصوت من الفم وان لم یصل الی اذنه لکن بشرط کونه مسموعاً فی الجملة حتی لو ادنی صماخه الی فیه یسمع والقول الثالث انه یکفی تصحیح الحروف کما هو المذکور فی البحر رد المحتار وفتح القدیر وغیرها من کتب الفقه ولا یخفی ان الصورة المسئولة لا یصدق علیه حد التلفظ علی احد من الاقوال الثلثة اما علی الاول والثانی فظاهر لا یحتاج الی البیان واما علی الثالث فنقول ان المراد بکفایة تصحیح الحروف ان مجرد خروج الصوت (ای الهواء المتموج) من الفم یکفی وان لم یکن مسموعاً قط ولیس مرادهم ان مجرد تحریك اللسان ووضعه علی المخارج یکفی بدون الصوت لان الصوت ماخوذ فی حد الحرف کما قال صاحب کشاف الاصطلاحات عرفه القراء بانه صوت معتمد علی مقطع محقق او مقدر وعرفه ابن سینا بانه کیفیة للصوت بها یمتاز الصوت عن صوت آخر (ص ۳۱۹) والصوت کیفیة تحدث فی الهواء من تموجه بسبب قرع او قلع مع المقاومة کما فی حاشیة المیبذی عن العلمی۔ فثبت ان تصحیح الحروف لا یتاتی بدون التموج فی الهواء و لا یخفی ان التموج لا یحدث بغیر انفتاح الشفتین، واللّٰہ اعلم۔

فائدہ:۔ القول الاول اصح وارجح لاعتماد اکثر علماءنا علیه کما نقله الشامی عن فتاوی الخیریة واختاره صاحب التنویر فی القراءة وقال بعدہ یجری ذلك فی کل ما یتعلق بنطق کتسمیة علی ذبیحة ووجوب سجدۃ تلاوۃ وعتاق وطلاق وقال صاحب الدر متفرعاً علیه فلو طلق او استثنی ولم یسمع نفسه لم یصح فی الاصح ولکن القول الثالث ایضاً مصحح کما فی الشامی عن الخیریة ایضاً فینبغی الاخذ بالاحوط ای یعمل بالاول فی القراءة والتسمیة و الاستثناء وبالثالث فی السجدۃ والعتاق والطلاق وهذا آخر ما اردنا ایراده فی هذا المقام بتوفیق الملك العزیز العلام، کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ ۸ ذیقعدہ ۱۳۵۱ھ

حکم طلاق مدہوش وغیرہ

سوال) چہ میفرمایند علمائے شریعت غرا و فضلائے ملت بیضاء اندرینکہ شخصے مسمی بطفیل علی چہار پنج سال میگذارد کہ وے بمرضے شدید تا مدت مدید مبتلا گشتہ بود کہ اندرون دہان او دُملی ہائل وجراحتی عظیم پیدا شد تکالیف شاقہ و آلام و اوجاع متنوعہ ازان کشیدہ بود دو سہ بار طبیب نشتر زدہ آنرا شگافتہ انواع مواد فاسدہ از ریم واز و آب وخون فاسد ازان برآوردہ بود بالجملہ قریب بمرگ رسیدہ بود و بر بستر موت خفتہ اما بسبب بقائے مدت حیات بحکم این مقولہ صادقہ بیت ؎

اگر در حیاتت بماندہ است دیر ٭ نہ مارت گزاید نہ شمشیر و شیر

آہستہ آہستہ ازین مرض ہائل سبکدوش گردید اما اثرش تاہنوز باقی ست کہ اگر خلاف مرضی چیزے از کسی از زن وفرزند و مادر و برادرش سرزد شود چنان در طیش آید کہ چشمش خیرہ و دماغش متغیر وعقلش مختل گردد و اقوال و افعال برون از حد اعتدال و خارج از جادہ استقامت از و سرزد شود ہمچون مدہوشان و مجنونان اما بیخبر محض نشود و ادراک وعلم و ارادہ بالکلیہ زوال پذیر نگردد باری وے درچنین حالت اختلال عقل زن خود را طلاق داد آیا شرعاً زنش مطلقہ ثلاث شدہ است یا نہ و کسیکہ حالش دو سہ بار چنین شدہ اگر دعوی تطلیق در انچنان حالت نماید شرعاً قولش معتبر شود یا نہ ؟ بینوا توجروا ۔

جواب آمدہ از بنگال بغرض تصدیق

درصورت سوال آن شرعاً مطلقہ نشدہ است فی رد المحتار فالمعتبر اقوال المعتوہ مع انہ لا یلزم فیہ ان یصل الی حالۃ لا یعلم فیہا ما یقول ولا یریدہ وایضاً فیہ والذی یظہر لی ان کلا من المدہوش والغضبان لا یلزم فیہ ان یکون بحیث لا یعلم ما یقول بل یکتفی فیہ بغلبۃ الہذیان واختلاط الجد بالہزل کما ہو المفتی بہ فی السکران ۔ وایضاً فیہ فان بعض المجانین یعرف ما یقول ویریدہ ویذکر ما یشہد الجاہل بہ بانہ عاقل ثم یظہر منہ فی مجلسہ ما ینافیہ فاذا کان المجنون حقیقۃ قد یعرف ما یقول ویقصدہ فغیرہ بالاولی فالذی ینبغی التعویل علیہ فی المدہوش ونحوہ اناطۃ الحکم بغلبۃ الخلل فی اقوالہ وافعالہ الخارجۃ عن عادتہ وکذا یقال فیمن اختل

عقله لکبر او لمرض او لمصیبة فاجأته فما دام فی حال غلبة الخلل فی الاقوال و الافعال لا تعتبر اقواله وان کان یعلمها ویریدها لان هذه المعرفة والارادة غیر معتبر لعدم حصولها عن ادراک صحیح کما لا تعتبر من الصبی العاقل انتهی۔ ازیں عبارات بخوبی مدرک گردید کہ زن طفیل علی مطلقہ ثلاث نشدہ است اگرچہ وی درانحالت اختلال عقل بعلم وارادہ وقصد ایقاع طلاق دادہ باشد بسبب عدم صحت ادراک او دعوی تطلیق او درآنچناں حالت شرعاً معتبر ومقبول گردد فی رد المحتار واذا کان یعتادہ بان عرف منه الدهش مرة یصدق بلا برهان، فی الهدایة: نصار کما اذا قال طلقت او اعتقت وانا مجنون والجنون منه کان معهوداً فی حاشیة الهدایة قوله کما اذا قال الخ فالقول قوله حتی لا یقع الطلاق والعتاق لاضافته الی حالة منافیة للایقاع ۱۲ ع انتهی فقط والله اعلم بالصواب۔

المجیب احقر فیض اللہ عفی عنہ مدرس ومفتی مدرسہ معین الاسلام ہاٹہزاری چاٹگام

اصاب فیما اجاب	فقد اصاب المجیب	المجیب مصیب
خلیل الرحمن عفی عنہ	یعقوب عفا اللہ عنہ	عبدالوہاب عفی عنہ

جواب از خانقاہ

یہ تو صحیح ہے کہ مدہوش کی طلاق واقع نہیں ہوتی ولیکن اولاً اس کی تحقیق ضروری ہے کہ وہ مدہوش ہے یا نہیں۔ یعنی جو حالت سوال میں لکھی ہے اگر اس کو کم از کم دو ثقہ اور شناخت رکھنے والے آدمیوں نے معائنہ کر کے تجویز کیا ہو کہ یہ شخص مدہوش ملحق بالمجنون ہے تب مدہوش ہونا ثابت ہوگا اور اگر یہ معائنہ اس وقت ہوا ہو جس وقت کہ اس نے طلاق دی ہے تب تو یہ دو گواہ کسی حاکم یا محکم کے سامنے گواہی دیدیں اس پر عدم وقوع کا حکم ہو جائے گا اور اگر طلاق کے واقعہ سے قبل معائنہ ہوا ہو تو معائنہ پر گواہی لینے کے بعد خاوند سے قسم بھی لی جاوے کہ اس وقت اس کا ہوش ٹھکانے نہ تھا تب عدم وقوع کا حکم دیا جائے بدون یمین اور بینہ کے عدم وقوع کا فتویٰ دینا درست نہیں فتویٰ میں ضروری قیود کا ذکر کرنا لازم ہے ورنہ جاہل لوگ فتوی دیکھتے ہی اپنا مطلب نکال لیتے ہیں قیود وشرط

کی طرف اصلا التفات نہیں کرتے، فقط والسلام۔

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ، ۴ محرم الحرام ۵۲ھ۔

فصل فی الطلاق الصریح

طلاقِ صریح میں نیت کا کوئی اعتبار نہیں

(سوال) کیا فرماتے علماء دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے بیوی کو دو مرتبہ دو شخصوں کے روبرو دو طلاقیں صریح دیں جس کے یہ لفظ تھے کہ "میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی" اور دونوں مرتبہ یہ کہا کہ "تو میری ماں ہے" اور یہ الفاظ اس سے حالت غصہ میں نکلے بعد میں یہ کہتا ہے کہ اس کو میری نیت جدا کرنے کی نہ تھی اب اس کے واسطے نکاح جدید کی لغیر حلال ہوسکتی ہے یا نہیں بغیر نکاح ثانی کئے؟

الجواب: اگر زید نے اپنی بیوی کے متعلق یہ لفظ کہے کہ "میں نے تجھے طلاق دی" تو اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوگئی خواہ اس کی نیت طلاق کی ہو یا نہ ہو، اب اگر یہ لفظ دوبار کہا تو دو طلاقیں رجعی پڑیں جن سے عدت کے اندر نہ نکاح ٹوٹا نہ حرمت ثابت ہوئی عدت کے اندر اگر وہ اس کے پاس چلا جاوے یا شہوت سے اس کو چھوئے یا زبان سے یہ کہہ دے کہ میں نے رجعت کرلی تو بدستور نکاح قائم رہے گا اور اگر عدت گذر گئی تو نکاح جدید کی ضرورت ہوگی اور اگر خدانخواستہ طلاق کا لفظ تین بار زبان سے نکل گیا ہو تو پھر یہ حکم نہیں ہے اگر ایسا ہوا ہو تو دوبارہ سوال کریں تین بار طلاق کا لفظ کہنے سے بدون حلالہ کے کسی طرح نکاح نہیں ہوسکتا۔ باقی زید کا یہ کہنا کہ "تو میری ماں ہے" اس سے کچھ نہیں ہوا البتہ بیوی کو ایسا لفظ کہنا مکروہ اور بُری بات ہے اور اگر یہ کہا ہو کہ "تو میری ماں جیسی ہے" تو اس کا دوسرا حکم ہے اگر ایسا ہو تو دوبارہ سوال کیا جائے۔ قال فی الدر وان قال تعمدته تخویفا لم یصدق قضاء اھ وفیه ایضا ویقع بها (ای بالفاظ الصریح) واحدة رجعیة وان نوی خلافها او لم ینو شیئا اھ ص۶۰۷ وص۶۰۸ ج ۲۔ وفیه ایضا ویقع حکمه لفظ "انت علی مثل امی وکامی" ما نصه والا ینو شیئا او حذف الکاف لغا۔ ویکره قوله "انت امی ویا ابنتی ویا اختی" ونحوه اھ ص۹۴۹ وص۹۵۰ ج ۲ واللہ اعلم۔　ظفر احمد ۳ ذی الحجة ۱۳۴۰ھ

لفظ "چھوڑ دی" سے طلاق صریح واقع ہو جائے گی خواہ نیت کرے یا نہ

سوال) ایک شخص بیٹھا تھا دوسرا آدمی جو آیا اس نے کہا کہ بیوی چھوڑ دی بیٹھے ہوئے شخص نے جواب دیا کہ چھوڑ دی اور کچھ نہیں کہا نہ کسی قسم کا دل میں خیال تھا تو بیٹھے ہوئے شخص کے لئے کیا حکم ہے اور اس کے نکاح میں کوئی فرق تو نہیں آیا۔ یہی بیٹھا ہوا شخص اس بات کے کہنے سے جو اوپر معلوم کی دو ڈھائی مہینے یا اس سے زائد تین یا چار مہینے بعد اپنی بیوی سے تنہائی ایک مکان میں ہوئی جس میں سوائے شوہر اور بیوی کے کوئی نہیں تھا مگر ہم بستری نہیں ہوئی بوجہ بیوی کی بیماری کے، تو اس بیٹھے ہوئے شخص کے لئے کیا حکم ہے نکاح اس کا جائز رہا یا نہیں؟ مدت جو اوپر لکھی دو ڈھائی مہینے یا تین چار مہینے یہ ٹھیک یاد نہیں مگر دو مہینہ سے کم نہیں اور چار سے زائد نہیں۔

الجواب: شامی میں چھوڑ دینے کا ترجمہ سرحت کا لکھا ہے اور سرحت کا لفظ کنایات میں سے ہے اور احتمال رد اور شتم کا نہیں رکھتا اس واسطے طلاق کا واقع ہونا نیت پر موقوف ہے اور جبکہ طلاق دینے کی نیت نہیں تھی تو طلاق نہیں ہوئی، تنویر الابصار میں ہے فقی حالة الرضی تتوقف الاقسام علی النیة فقط واللہ اعلم۔

کتبہ الاحقر افضال احمد عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح،

عزیز الرحمن عفی عنہ مفتی مدرسہ دیوبند ۱۷ ر جمادی الثانیہ سنہ ۴۱ھ

الجواب غیر صحیح عندنا قال فی العالمگیریة ولو قال الرجل لامرأته ترا چنگ باز داشتم او بهشتم او یله کردم او پائے کشاده کردم ترا فهذا کله تفسیر قوله طلقتك عرفا حتی یکون رجعیا ویقع بدون النیة کذا فی الخلاصة وکان الشیخ الامام ظهیر الدین المرغینانی یفتی فی قوله بهشتم بالوقوع بلانیة ویکون الواقع رجعیا الخ ص ۲۷۲ ج ۲۔ اور ظاہر ہے کہ لفظ چھوڑ دی ہماری زبان میں بهشتم کا ترجمہ ہے اور معنی طلاق میں صریح ہے لہذا صورت مسئولہ میں قائل کی بیوی پر طلاق رجعی واقع ہوگئی خواہ نیت ہو یا نہ ہو اگر عدت کے اندر اس نے اپنی بیوی سے قولاً رجوع کر لیا یا اس کو شہوت سے چھو لیا تب تو نکاح فاسد نہیں ہوا ورنہ عدت گذرنے پر نکاح ٹوٹ گیا دوبارہ نکاح کر سکتا ہے، واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ بامر سیدی حکیم الامت۔ ار رجب سنہ ۴۱ھ

"جا تجھے ایک طلاق دیا میں" اس کو شوہر نے کئی بار کہا تو کیا حکم ہے

(سوال) ماقولکم رحمکم اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بی بی سے کہا جا تجھے ایک طلاق دیا میں۔ جا تجھے ایک طلاق دیا میں۔ جا تجھے ایک طلاق دیا میں" مگر بیوی تینوں دفعہ جانے سے انکار کرتی ہے اور کہتی تھی مجھے صاف کر کے دو تب جاؤں گی اور شوہر ہر مرتبہ جا تجھے ایک طلاق دیا میں کہتا رہا اب زید قسمیہ سے کہتا ہے کہ مجھ کو صرف ایک طلاق دینے کی نیت تھی اور باقی دو دفعہ صرف زوجہ کے جواب میں اعادہ کیا تھا اور زید قرآن مجید لیکر قسم کھا کر کہتا ہے مجھ کو صرف ایک طلاق کی نیت تھی اب زید کے زوجہ پر آیا ایک ہی طلاق ہوگی یا دو طلاق یا تین طلاق ؟

الجواب ؛ قال فی العالمگیریۃ رجل قال لامرتہ انت طالق انت طالق انت طالق فقال عنیت بالاولی الاولی بالثانیۃ والثالثۃ افہا مها صدق دیانۃً وفی القضاء طلقت ثلاثاکذا فی فتاوی قاضی خاں متی کرر لفظ الطلاق بحرف الواو او بغیر حرف الواو یتعدد الطلاق وان عنی بالثانی الاولی لم یصدق فی القضاء کقولہ یامطلقۃ انت طالق ولوذکر الثانی بحرف التفسیر وھو حرف الفاء لا یقع الاخری الا بالنیۃ کقولہ طلقتك فانت طالق کذا فی الظهیریۃ ولوطلقها ثم قال لها طلاق دادمت یقع اخری ولو قال طلاق داده امت لا یقع اخری اھ ص ۵۶ ج ۲۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ اولی میں اگر عورت مدخولہ ہے تو قضاءً تین طلاق واقع ہوگئی ہیں۔ والمرأۃ کالقاضی لہذا عورت کو یہی سمجھنا واجب ہے کہ مجھ کو تین طلاق ملی ہیں گو دیانۃً شوہر کی نیت اگر تاکید وافہام کی تھی تو اس کے حق میں طلاق ایک ہی ہوئی مگر عورت کو ایک سمجھنا جائز نہیں وہ اپنے کو مطلقہ ثلٰث ہی سمجھے اور شوہر کو اپنے اوپر قابو نہ دے بلکہ اس سے الگ ہو جائے اور بدون تحلیل کے اس کو اپنے لئے حلال نہ سمجھے۔ واللہ اعلم۔

۶ر شوال ۴۱ھ

شوہر نے دو مرتبہ کہا "میں نے تجھ کو آزاد کر دیا تو میری بہن ہے"

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین۔ ایک شخص زید نے غصہ ولڑائی میں اپنی زوجہ کو دو دفعہ یہ کہہ دیا کہ میں نے تجھ کو آزاد کر دیا تو میری بہن ہے۔ بعد دور ہونے غصہ کے ہوش وحواس درست ہونے پر

بہت پچھتایا۔ اب ایسی طلاق جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب : قال فی العالمگیریۃ وکان الشیخ الامام ظہیر الدین المرغینانی یفتی فی قولہ بہشتم بالوقوع بلانیۃ ویکون الواقع رجعیًا ویفتی فیما سواھا باشتراط النیۃ ویکون الواقع بائنًا کذا فی الذخیرۃ اھ (ص ۷۲ ج ۲) وفیہ ایضًا (ص ۵۲ ج ۲) واما حکمہ فوقوع الفرقۃ بانقضاء العدۃ فی الرجعی وبدونہ فی البائن کذا فی فتح القدیر وزوال حل المناکحۃ متی تم ثلثا کذا فی محیط السرخسی اھ وفی الدر وان نوی بانت علیّ مثل امی او کامی برا او ظہارا او طلاقًا صحت نیتہ ووقع مانواہ لانہ کنایۃ والا ینو شیئًا او حذف الکاف بان قال انت امی لغا ویکرہ قولہ "انت امی ویا ابنتی ویا اختی" اھ قال الشامی وفیہ حدیث رواہ ابوداود ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمع رجلا یقول لامرأتہ یا اخیۃ فکرہ ذلک ونہی عنہ فلم یبین فیہ حکما سوی الکراھۃ والنہی اھ (ص ۹۵۰ ج ۲) قلت ولفظ آزاد کردن من الصریح عندی فی عرف اھل الہند لا یطلقونہ علی النساء الا فی معنی الطلاق ۔

صورت مسئولہ میں زید کی بیوی پر دو طلاق رجعی پڑ گئیں جن سے نکاح نہیں ٹوٹا پہلا نکاح بدستور باقی ہے تجدید نکاح کی ضرورت نہیں (لیکن نئے سرے سے احتیاطًا نکاح پڑھالیں تو اچھا ہے گو ضرورت نہیں قلت ووجہہ الشبۃ فی کون اللفظ صریحۃً او کنایۃً فان بعض الناس یعدونہ کالاعتاق فی العربیۃ وھو کنایۃ ۱۲) اب تک تو نکاح نہیں ٹوٹا لیکن اس کے بعد اگر کسی وقت خدانخواستہ زید کی زبان سے ایک دفعہ طلاق کا لفظ اور نکل گیا تو پھر اس کی بیوی ہمیشہ ہی کے لئے حرام ہو جاوے گی نکاح سے بھی حلال نہ ہو سکے گی بلکہ اس وقت حلالہ کرنا پڑے گا اول دوسرے مرد سے نکاح کرے پھر وہ طلاق دیدے یا مر جائے تو زید اس کے بعد نکاح کر سکے گا لہٰذا اب زید کو اپنی زبان ہمیشہ سنبھالنی چاہئے اور طلاق کو کھیل نہ بنانا چاہئے کہ سخت گناہ ہے واللہ اعلم ۱۶ ر رمضان ۴۶ھ

"جا تجھ کو چھوڑ دیا" استقبال کی نیت کے ساتھ کہنے کا حکم

سوال) زید اور زوجۂ زید مسماۃ ہندہ میں کچھ معاشرت کے متعلق گفتگو ہوئی ہندہ مذکورہ سے زید نے کہا کہ "اب تو میں تجھ کو چھوڑ ہی دیا ہے اب میں کیا شکایت تیرے والدین سے کروں"۔ زید عبارت مذکورہ

کی توجیہ یوں بیان کرتا ہے کہ میرا مقصود نہ طلاق دینا تھا اور نہ میں نے طلاق ماضیہ کے خبر دی بلکہ مقصود صرف تہدید تھی چونکہ میرا خیال تھا کہ اس سے قطع تعلق کر دینا چاہیئے اور بنا بریں علیہ اس جملہ کا صدور ہوا کہ تو طلاق ہونے والی ہے زمانۂ استقبال میں اس کو تعبیر کیا لفظ ماضی کے ساتھ نہ باعتبار ما کان کے بلکہ باعتبار ما یکون ۔ آیا زید کی یہ نیت شرعاً معتبر ہو گی یا نہیں اگر معتبر نہیں تو طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں ؟

الجواب : زید کا یہ لفظ کہ "اب تو میں نے تجھ کو چھوڑ ہی دیا ہے" اردو میں طلاق کے لئے صریح ہے جس سے بدون نیت کے وقوع طلاق کا ہو جاتا ہے اور عبارت سوال بتلا رہی ہو کہ زید نے بھی معنیٔ طلاق کا قصد کیا تھا مگر اس نے ماضی و حال کے اعتبار سے قصد نہیں کیا بلکہ آئندہ کے لحاظ سے قصد کیا ہے مگر یہ نیت لغو ہے کیونکہ صیغہ تطلیق فی الحال میں صریح ہے اس سے تطلیق مستقبل کی نیت صحیح نہیں ہو سکتی پس صیغۂ مذکور سے طلاق کا وقوع ہو گیا، واللہ اعلم ۔ ۱۵ ر ذی الحجہ ۴۲ھ

تجھے القط کیا ، آزاد کیا کے الفاظ سے وقوع طلاق کا حکم

سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ میں نے اپنی لڑکی کی شادی اپنے سگے بھانجے کے ساتھ عرصہ ۳ سال کا ہوا کر دی تھی امسال جو طاعون پھیلا تو میرے بھانجہ کے ۳ بھائی مر گئے اور دو تین لڑکیاں اور لڑکے بھی مر گئے ان کی وجہ سے میری لڑکی کو ہر وقت یہ کہا گیا کہ "تو نے میرے بھائیوں کو کھا لیا تو سخت منحوس اور کمبخت ہے جا نکل جا اپنا منہ کالا کر جا میں تجھے ساری عمر کو القط و آزاد کیا" کچھ روز کے بعد لڑکی کی والدہ لڑکی کو لینے گئیں تھیں تو کہا کہ تم اس کو ساری عمر کو اور سب دن کو لے جاؤ یہ کلمہ سنکر لڑکی کی والدہ لڑکی کو نہیں لائیں پھر دوسرے دن لڑکی کو میں خود لینے گیا جس پر لڑکی کو یہ کہا کہ میں نے ساری عمر کو القط کر دی آزاد کر دی میں اپنے مکان پر لڑکی کو لے آیا پھر چار پانچ دن کے بعد لینے کو آگیا تو میں نے اپنے داماد سے یہ کہا کہ جب تو نے ساری عمر کو القط کر دیا ہے اور آزاد کر دیا ہے تو طلاق دیدے اس کے جواب میں کہا میں طلاق تو نہیں دینے کا ساری عمر یونہی رکھوں گا لڑکی کے والدین سے لڑکی کو لیجاتے کو کہا پھر لڑکی کے والدین نے کہا کہ ہم دو ماہ کے بعد بھیجدیں گے اس پر سخت ناراض ہو کر کہا کہ تم ساری عمر کو رکھو میں نے القط کیا ساری عمر کو آزاد کیا اور سخت سے سخت الفاظ کہہ کر چلا گیا اور اب پھر بارہ چودہ روز کے بعد لینے کو آگیا ۔ اس حالت کے چند لوگ گواہ

بھی ہیں اس معاملہ میں حکم شرع کیا ہے۔ لڑکی کو بھیجدی جاوے یا طلاق ہوگئی یا پھر دوبارہ نکاح کیا جاوے کیا کرنا چاہئے، اور یہ بھی کہتا تھا کہ میں بھی بڑا ہٹیلا ہوں اب لینے کو نہیں آنے کا اور تم اس کو اور دوسرا کرا دینا، ایک لڑکا بھی اس سے پیدا ہوا ہے اور اس حال کا خود اقراری ہے کہ میں نے یہ لفظ کہے ہیں۔ فقط

تنقیح:- یہ بتلایا جاوے کہ شوہر نے یہ الفاظ۔ جا نکل جا، منہ کالا کر جا، میں نے تجھے ساری عمر کو القط کیا، آزاد کیا۔ ایک ساتھ ایک ہی مجلس میں کہے۔ یا الگ الگ کئی مجلسوں میں کہے کہ ایک دفعہ جا نکل جا کہدیا۔ پھر دوسری مجلس میں یا اسی مجلس میں اور کام کر کے یا اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے پھر منہ کالا کر جا کہدیا پھر کسی مجلس میں تجھے القط کر دیا کہدیا پھر کسی مجلس میں آزاد کر دیا کہدیا یا ایسا نہیں ہوا بلکہ ایک ہی مجلس میں ساتھ ساتھ یہ سب الفاظ کہے نیز یہ بھی بتلایا جاوے کہ شوہر کے ان الفاظ کہنے کے بعد لڑکی کو ایام ماہواری کتنی دفعہ ہو چکے ہیں؟ فقط۔ ۲۷ محرم الحرام ۴۳ھ

جواب تنقیح:- پہلے گھر میں مستورات کے سامنے جا نکل جا، کالا منہ کر جا، دفعہ ہو جا ایک مرتبہ ایک جلسہ میں کہا اور اس بات کو چار مہینہ ہو گئے اور رجب میں لینے کو گیا تھا تو ساری عمر کو القط کیا ساری عمر کو آزاد کیا دوسرے جلسہ میں کہا پونے دو ماہ ہوگئے اور پھر ان سب باتوں کا اقرار کیا ایک مجمع عام میں سوا مہینہ کی بات ہے اور پھر تیسری مجلس میں یہ کہا کہ میں ساری عمر کو چھوڑ چلا کوئی سوا مہینہ کی بات ہے خود مجھ سے یہ کہا کہ میں تمہاری لڑکی کو ساری عمر کو لینے کو نہیں آؤں گا دوسرا کرا دینا یونہی تباہی رکھوں گا کوئی سوا مہینہ کی بات ہے۔ ایام ماہواری کا حساب حضور کو خود ظاہر ہو جائے گا۔ پھر ایک موقع مذکورہ بالا میں یہ لفظ کئی کئی مرتبہ ادھر ادھر کی باتوں کر کے پھر بھی کہا ہے اور زبان سے ایک ساتھ دو ایک دفعہ کہکر ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا۔ اور علیحدہ علیحدہ مجلس میں ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد بھی کہا ہے اور میں سنت جماعت ہوں میرے گھر لڑکی کو آئے ہوئے دو ماہ ہو گئے ہیں اور چار ماہ سے یہ جھگڑے شروع ہو گئے تھے۔

الجواب عن السوال: صورت مسئولہ میں مسماۃ پر دو طلاق رجعی تو ضرور پڑ گئی ہیں شوہر کے اس لفظ سے کہ تجھے القط کیا آزاد کیا، اور اگر اس لفظ کو شوہر نے ایک دفعہ سے زائد کہا تو تین طلاق پڑ چکی ہیں یہ الفاظ تو صریح ہیں ان میں نیت طلاق کی ضرورت نہیں۔

اور اگر شوہر نے جا نکل جا، منہ کالا کر جا، دفع ہو جا بھی طلاق کی نیت سے کہے ہیں تب یہ الفاظ پہلے الفاظ سے مل کر تین طلاق کو مفید ہیں بہر حال یہ لڑکی بعد عدت تمام ہونے کے جو کہ وقت طلاق سے تین حیض ہونے چاہئیں دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے بشرطیکہ طلاق رجعی کی صورت میں شوہر نے رجوع عدت کے اندر نہ کیا ہو اور تین طلاق کی صورت میں تو رجوع لغو ہے۔ واللہ اعلم۔

لفظ "چھوڑ دی" صریح طلاق میں سے ہے

سوال) زید بیٹھا ہے عمر نے کہا کہ بیوی چھوڑ دی زید نے جواب دیا چھوڑ دی اور کچھ نہیں کہا اس الفاظ کے کہنے کے بعد جو اوپر لکھا ہے زید اپنی بیوی سے چھ مہینہ تک بالکل نہیں ملا نہ بات چیت کی نہ صورت دیکھی تو اس کے لئے کیا حکم ہے صاف تشریح کے ساتھ لکھئے؟

الجواب: فی الشامی (ص۵۰۷ ج۲) ولا یلزم کون الاضافۃ صریحۃ فی کلامہ لما فی البحر ولو قال طالق فقیل لہ من عنیت فقال امرأتی طلقت امرأتہ ایضاً وبعد اسطر ویؤیدہ ما فی البحر لو قال امرأۃ طالق او قال طلقت امرأۃ ثلثا وقال لم اعن امرأتی یصدق اھ ویفھم منہ انہ لو لم یقل ذلک تطلق امرأتہ لان العادۃ ان من لہ امرأۃ انما یحلف بطلاقھا لا بطلاق غیرھا فقولہ انی حلفت بالطلاق ینصرف الیھا مالم یرد غیرھا لانہ یحتملہ کلامہ۔

پس اس کی عورت پر ایک طلاق رجعی واقع ہو گئی اگر اب تک عدت ختم نہ ہوئی ہو تو رجوع کر سکتا ہے اور عدت ختم ہو چکی تو نکاح ہو سکتا ہے اور اگر وہ شخص کہتا ہے کہ میں نے اپنی عورت کے متعلق نہیں کہا تو اس سے نیت کا مفصل حال دریافت کر کے لکھا جاوے کہ پھر اس نے بیوی سے کونسی بیوی مراد لی ہے فقط۔

احقر عبدالکریم عفی عنہ، یکم شعبان ۴۴ھ۔

الجواب صحیح۔

ظفر احمد عفا عنہ، یکم شعبان ۴۴ھ۔

ع۵ اور عدت اگر معلوم نہ ہو تو یہاں سے پوچھ لو۔

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بی بی	دو طلاق صریح دینے کے بعد شوہر نے کہا فضل کی لڑکی کو طلاق بائن دیا تو قول ثانی اول کا بیان سمجھا جائیگا یا مستقل طلاق ہو کر حرمت مغلظہ ہو گئی

کے ساتھ جھگڑا کر کے کہا "ایک طلاق دو طلاق فضل کی لڑکی کو طلاق بائن دیا" اب اس کی بی بی پر کتنی طلاق واقع ہوں گی؟ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مذکورہ میں اس کی بی بی پر دو طلاق بائن واقع ہوں گی کیونکہ مطلق کا قول اخیر بیان ہے اول قول کا یعنی پہلی دو طلاق۔ طلاق بائن ہیں کما فی الهداية فی الجلد الثانی فی صفحة ۳۴۹ فاذا وصف الطلاق بضرب من الزيادة والشدة كان بائناً مثل ان يقول انت طالق بائن او البتة فيكون هذا الوصف لتعيين احد المحتملين الى الرجعي والبائن۔ پس معلوم ہوا کہ صورت مذکورہ میں اس کی بی بی پر دو طلاق بائن واقع ہوں گی فقط واللہ اعلم۔ کتبہ احقر محمود اللہ عفی عنہ

الکلام علی الجواب المذکور

یہ جواب غلط ہے اور صورت مسئولہ میں شخص مذکورہ کی بیوی پر تین طلاق واقع ہو گئیں اور عبارت ہدایہ کا مطلب صرف اتنا ہے کہ جب طلاق کے ساتھ کوئی وصف مفید معنی زیادت وشدت ملحق ہوگا تو طلاق بائن ہو جائیگی اس کا مقتضاء یہ ہے کہ شخص مذکور نے جو تیسری بار کہا فضل کی لڑکی کو طلاق بائن دیا تو وصف بائن سے یہ طلاق بائن ہو گئی۔ رہا یہ کہ اس وصف کے بڑھانے سے لفظ طلاق بائن دیا موجب وقوع نہ ہوگا۔ بلکہ پہلے کلام کا بیان ہوگا عبارت ہدایہ اس پر دال نہیں۔ والدليل على وقوع الثالث بقوله طلاق بائن دیا ما فی رد المحتار تحت قول الدر لا يلحق البائن البائن اذا امكن جعله اخبارا عن الاول كانت بائن ابنتك بتطليقة فلا يقع لانه اخبار فلا ضرورة فی جعله انشاء اھ مانصه اشار به الى انه لا يشترط اتحاد اللفظين فشمل ما اذا كان الاول بلفظ الكناية البائنة او الخلع او الطلاق الصريح اذا كان على مال او موصوفاً بما ينبئ عن البينونة كما علم مما قدمناه بعد كون الثانی بلفظ الكناية البائنة كالخلع ونحوه ومما يتوقف على النية ولو باعتبار الاصل كانت حرام بخلاف الكنايات الرجعية فانها فی حكم الصريح فتلحق

البائن کما مر اھ (ج ۲ ص ۴۷۷) تحت قول الدر والبائن یلحق الصریح الخ ما نصہ یدخل فیہ الطلاق الرجعی والطلاق علی مال وکذا ما مر من الفاظ الصریح الواقع بہا البائن مثل انت طالق بائن او البتۃ او افحش الطلاق الخ فھذا کلہ صریح لا یتوقف علی النیۃ ویقع بہ البائن ویلحق الصریح والبائن اھ

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ طلاق متاخر کو متقدم کا بیان اس وقت قرار دیا جاتا ہے جبکہ اول سے طلاق بائن واقع ہوئی ہو۔ اور ثانی کنایہ متوقف علی النیۃ ہو۔ اور اگر اول سے طلاق رجعی واقع ہوئی ہو اور ثانی کنایہ موقوف علی النیۃ نہ ہو تو ثانی کو بیان نہیں قرار دیا جائے گا بلکہ وہ اول کے ساتھ ملحق ہو کر عدد طلاق کو بڑھا دے گا۔ اور صورت مسئولہ میں لفظ اول و دوم صریح ہے اور لفظ سوم کنایہ موقوف علی النیۃ نہیں بلکہ وہ بھی صریح ہے گو اس سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے اس لئے ثالث اولین سے ملحق ہوگا اور زوجہ پر تین طلاق واقع ہوں گی۔ یہ جواب اس وقت ہے جبکہ متکلم نے لفظ سوم کو اول کا بیان قرار دینے کی نیت نہ کی ہو۔ اور اگر اس نے بیان کی نیت کی ہو تو دیانۃً اس کا قول قبول کیا جائے گا نہ قضاءً اور چونکہ عورت طلاق کے بارہ میں مثل قاضی کے ہے اور اس نے یہ الفاظ خود سنے ہیں جیسا کہ سوال سے مفہوم ہو رہا ہے اس لئے عورت شوہر کی اس نیت کو قبول نہیں کر سکتی اس پر یہی لازم ہے کہ اپنے کو مطلقہ الثلث سمجھے اور اس شوہر سے بالکلیہ علیحدگی اختیار کرے اور بعد عدت کے بدون تحلیل کے اس سے نکاح نہ کرے، واللہ اعلم۔

۱۳ر صفر ۴۷ھ

حکم طلاق بلفظ بہشتم اورا

(سوال) کتب رجل الی سلفہ وھو یشکو نشوز امرأتہ [illegible] ترجمتہ بالفارسیۃ "بہشتم اورا" المعنی طلقتھا بالعربیۃ ثم قال وفرق بینی وبینھا معاشرۃ بمن یلائمھا بالرفاء والھناء لکیلا یحل بی اثم وکفیٰ بہ حوبًا کبیرا ولا تبال بانھا سلفۃ لک فانک خلیلی وشتان ما بینک فھل یقع الطلاق ام لا بیّنوا توجروا۔

الجواب: یقع الطلاق لان قولہ لامرأتہ "ہشتم" صریح فی الطلاق فیقع الواحدۃ الرجعیۃ نوی الطلاق او لم ینو شیئا قال شمس الائمۃ السرخسی

بعد ما ذکر الاختلاف بین الائمة فی انه صریح او کنایة لکنا نقول نحن اعرف بلغتنا منهم والواقع بهذا اللفظ عندنا تطلیقة رجعیة سواء نوی الطلاق اولم ینوا ونوی الثلاث اولم ینو لان هذا اللفظ فی لساننا صریح بمنزلة الطلاق فی لسان العرب ثم ان البیان بالکتاب بمنزلة البیان باللسان ولاسیما اذا کان الکتابة مرسومة قال الشمس المذکور بعد ذکر نوعی الکتابة والثالث ان یکتب علی رسم الرسالة طلاق امراته او عتاق عبده فیقع الطلاق والعتاق بهذا فی القضاء وان قال عنیت به تجربة الخط لایدین فی القضاء لانه خلاف الظاهر وهو مالو قال انت طالق ثم قال عنیت به الطلاق من وثاق ۔ اقول وههنا مع ذلک من قرائن تدل علی ان الکتاب نوی الطلاق لاغیر کما لایخفی علی من امعن نظره فی عبارة الکتاب وایضًا یقع الطلاق بمجرد الکتابة حیث قال الامام المذکور ثم ینظر الی المکتوب فان کتب "امرأته طالق" فهی طالق سواء بعث الکتاب الیها اولم یبعث هذا والله عنده ام الکتاب والیه المرجع والمآب ۔ حرره ابوالمولی محمد شمس الهدیٰ

صانه الله عن الهلک والردیٰ

نعم الجواب، مخلص الرحمٰن اسلام آبادی مدرس مدرسہ پانچ باغ

صح الجواب، محمد عتیق اللہ خان یوسفی ۱۲ر نومبر سنہ ۳۸ء

اقول

اذا قال الرجل لامرأته "بہشتم ترا از زنے" فاعلم بان هذه اللفظة استعملها اهل خراسان واهل عراق فی الطلاق وانها صریحة عند ابی یوسف رح حتی کان الواقع بها رجعیًا ویقع بدون النیة وفی الخلاصة وبه اخذ الفقیه ابو اللیث وفی التفرید وعلیه الفتویٰ کذا فی التتارخانیة ۔

احقر الناس منیر الدین احمد عفی عنہ احد مدرسی المدرسة الاسلامیة الواقعة بپانچ باغ

صورت مسئولہ میں طلاق رجعی واقع ہوگی اور چونکہ عدت گذر گئی ہے لہذا تجدید نکاح

کی ضرورت ہے۔ اصاب من اجاب سید احمد غفرلہ سیتاپوری مولوی فاضل
صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ عربیہ ڈھاکہ

ما حققہ المحقق فھو حق وخلافہ باطل ۔ حررہ ابو الفضل عبد الحمید
خادم الطلبۃ مدرسہ اسلامیہ ڈھاکہ

وذکر فی العالمگیریۃ ولو قال الرجل لامرأتہ " ترا چنگ باز داشتم " " او بہشتم او " " بلہ کردم ترا " " پائے کشادم ترا " فھذا کلہ تفسیر قولہ طلقتک عرفاً حتی یکون رجعیاً ویقع بدون النیۃ کذا فی الخلاصۃ ۔ محمد ناصر الدین عفا اللہ عنہ
مدرس مدرسۃ پانچ باغ

المجیب مصیب لا شک فیہ کما لا یخفی ۔ محمد ایوب علی عفی عنہ
مدرس مدرسۃ حمادیہ ڈھاکہ۔

طلاق رجعی پڑ گئی اب بغیر تجدید نکاح زوج کو اوس کے ساتھ مباشرت درست نہیں
احقر ابو الحسن غفرلہ غازی پوری معلم العربیۃ فی المدرسۃ الاسلامیہ ڈھاکہ۔

المجیب مصیب ۔ ھذا الصریح ان استعمل فی معنی موضوع لہ وخص بہ
محمد سعید الرحمٰن عفی عنہ مدرس مدرسہ حمادیہ ڈھاکہ

○

تنقیح

بنگالی الفاظ کا ترجمہ فارسی وعربی اگر لغت عربی وفارسی میں صریح ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بنگلہ میں بھی وہ لفظ صریح ہو پس سوال مذکور کے جواب میں صرف عالمگیری وتاتارخانیہ "سے بہشتم" کا رجعی ہونا نقل کردینا کافی نہیں بلکہ اہل عرف بنگال سے اس بات کے نقل کی ضرورت ہے کہ یہ لفظ ان کی زبان میں صریح ہے بدون اس کے یہ تمام جوابات ناکافی ہیں اور لفظ "بہشتم اورا" کے ترجمہ کے بعد جو الفاظ ہیں وہ محض مشورہ وغیرہ پر دال ہیں الفاظ ایقاع سے نہیں ہیں اور ان کو مذاکرۂ طلاق میں بھی داخل نہیں کرسکتے کیونکہ مذاکرۂ طلاق لفظ طلاق سے مقدم ہوتا ہے نہ مؤخر قال فی الدر المختار ص ۶۰۷ ج ۲ نقلاً عن النھر تحت قول الدر لا تطلق بھا ای بالکنایات الا بنیۃ او دلالۃ الحال وھی حال مذاکرۃ الطلاق ما نصہ ان دلالۃ الحال تعم دلالۃ المقال قال وعلی

هذا فتفسر المذاكرة بسوال الطلاق او تقديم الايقاع وقال قبله المذاكرة ان تسال هي او اجنبي الطلاق اھ. قلت ولا شك في اشتراط تقدم سوال الطلاق عن لفظ الكناية حتى يحمل الجواب بالكناية على الايقاع بقرينة السوال وقد صرح باشتراط التقديم في الايقاع فثبت ان المذاكرة التي تفيد تعيين الكناية للايقاع انما هي المتقدمة لا المتأخرة وفي الصورة المسئولة لم توجد المذاكرة الا متاخرة فتلغو، واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۳ر رمضان سنہ ۴۷ھ

فصل فی الطلاق بالکنایات

اس کی ماں کو کہدینا کہ دوسری شادی کردے اب ہم اس کو نہیں چاہتے۔ کنایہ کے حکم میں ہے اور طلاق کنایہ کے بعد طلاق صریح کا حکم

سوال) اس خط میں جو عبارت خط کشیدہ ہے آیا اس سے طلاق ہوگئی یا نہیں اگر ہوگئی تو کیسی ہوئی۔

جناب بخدمت شریف چچا صاحب جناب چچی صاحبہ دمانی صاحبہ وسب صاحبان کو سلام علیکم، بابو عزیزم لوگوں کو پیار۔ میں ساتھ خیریت کے ہوں آپ لوگوں کی خیریت نیک چاہتا ہوں جو دل میں تشفی ہو۔ دیگر حال یہ ہے کہ ہمارے گھر میں بھاگ گئی ہی کس بات سے ہم اس کو ایک دم نہیں چاہتے ہیں اس کی ماں کو کہدینا کہ دوسرا شادی کردے اب ہم اس کو نہیں چاہتے ہیں ہم کو بہت شرمندہ کیا ہوا اور پھر بھاگ گئی کیا اس کو تکلیف ہوا کہ بھاگ گئی خیر چلی گئی تو کوئی مضائقہ نہیں ہوا اور ہمارا بھی جان ہلکا ہوا اور ہم تو اب جارہے ہیں جہاز میں تین چار برس کے لئے اور جو کچھ ہمارے مکان سے لے گئی ہوا اس کو بھیجدو گے اور اس کو ہم نے طلاق دیتے ہیں دس آدمی کے سامنے خط پڑھا کر سنا دینا اور سو کہا دبراتی چچا کے سامنے سو کہا چچا دبراتی چچا وحفیظ بھائی وغیرہ سب کے سامنے ہم طلاق دیتے ہیں سب کو جمع کر کے خط دیدینا اور سنا دینا اور جناب چچی صاحبہ کو معلوم ہو کہ تم کوئی بات نہیں چھپاؤ گی وہیں سب بات کہدینا نہیں تو تم لوگ کہو تو ہم آکر کے صفائی کردے اور نہیں تو خط سے ہو جائے گا تو ہم کو جانا کیا ضرور ہے۔

تنقیح :- جب صریح الفاظ طلاق کے اس نے کہدیئے اب کنایات کی تحقیق

کی کیا ضرورت ہے البتہ اگر وہ اب رجوع کرنے کا ارادہ کرے اس وقت کنایات کی تحقیق کی ضرورت ہوگی۔ اشرف علی

جواب:۔ رجوع کرنا چاہتا ہے۔

الجواب: صورت مسئولہ میں تین طلاق واقع ہوگئیں کیونکہ شوہر کا یہ لفظ کہ "اس کی ماں کو کہدینا کہ دوسری شادی کر دے اب ہم اس کو نہیں چاہتے" کنایہ طلاق کا لفظ ہے اس کے بعد اس نے دو مرتبہ "اس کو ہم طلاق دیتے ہیں" تحریر کیا ہے جو کہ طلاق کا صریح لفظ ہے و الصریح یلحق البائن اس لئے مجموعہ تین طلاق ہوگئیں، البتہ اگر اس نے دوسرے اور تیسرے لفظ سے انشاء طلاق کا قصد نہ کیا ہو بلکہ پہلے طلاق کی اخبار کا قصد کیا ہو تو اس صورت میں دیانۃً ایک یا دو طلاق ہوں گی تین نہ ہوں گی مگر اس صورت میں اگر عورت کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مجکو تین طلاق دی گئی ہیں تو اس کو شوہر کے پاس رہنا اور اس کو اپنے اوپر قابو دینا حرام ہے کیونکہ قضاءً تین طلاق ہو ہی چکی ہیں والمرأۃ کالقاضی، واللہ اعلم۔

اور اگر عورت کو تین طلاق کا علم نہیں ہوا بلکہ ایک یا دو کا علم ہوا ہے یا کچھ بھی علم نہیں ہوا تو شوہر کے پاس صورت ثانیہ میں جبکہ اس نے اخبار کا قصد کیا ہو وہ رہ سکتی ہے اور اگر اس نے اخبار کا قصد نہیں کیا بلکہ ہر لفظ میں انشاء کا قصد کیا ہے یا کچھ بھی نیت نہ تھی تو زوجہ پر قضاءً و دیانۃً تین طلاق کا وقوع ہو چکا ہے اب بدون حلالہ کے وہ حلال نہیں ہو سکتی واللہ اعلم وفی التجرید لو قال وھبتک لاھلک او لابیک او لامک او للازواج ونوی الطلاق فھی طالق اھ خلاصہ (ج ۲ ص ۹۹) وفی الدر المختار کرر لفظ الطلاق وقع الکل وان نوی التاکید دین اھ وردالمحتار قال فی الفتح والتاکید خلاف الظاھر وعلمت ان المرأۃ کالقاضی لا یحل لھا ان تمکنہ اذا علمت منہ ما ظاھرہ خلاف مدعاہ اھ (ص ۲۷۶۹ ج ۲) ۱۵ر جمادی الاخری ۴۰ھ

شوہر کا اپنی بیوی کو کہنا "تم کو حرام کیا"

سوال (۱) ایک عورت کو اس کے شوہر نے یہ کہا کہ تمہارے ہاتھ کا کھانا کھانا حرام ہے بلکہ تم کو حرام کیا اور قیامت تک تمہاری طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھیں گے جس کو ڈیڑھ برس کا زمانہ ہوا۔ اور اب تک اپنی حالت پر قائم ہے نہ آمد و رفت نہ نان نفقہ۔

(۲) جس صورت میں وہ بد باطن ہے اور عورت کو پریشان رکھنے کے لئے صاف بات

نہیں کرتا ہے اور عورت بھی اس کے برتاؤ سے بیزار ہے۔ اور ۲ کا جو واقعہ گذرا ہے اس کے بعد اس عورت کے والد نے لڑکی کی مرضی سے دوسرے سے عقد کردیا، یہ عقد جائز ہے یا نہیں؟

(۳) جو صورتیں اوپر گذری ہیں ان سے اگر عقد جائز نہیں ہوا تو جواز عقد کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب: قال فی الدر المختار قال لامرأته انت علی حرام ونحو ذلك كانت معی فی الحرام ایلاء ان نوی التحریم اولم ینو شیئاً وظهار ان نواه وهدر ان نوی الكذب وذا دیانة واما قضاءً فإیلاء قهستانی وتطلیقة بائنة ان نوی الطلاق وثلاث ان نواها ویفتی بانه طلاق بائن وان لم ینوه لغلبة العرف اھ ص ۹۱۰ و ۹۱۱ ج ۲۔ وفی رد المحتار ص ۷۶۲ ج ۲ وسیأتی وقوع البائن به (ای بالحرام) بلا نیة فی زماننا للتعارف لا فرق فی ذلك بین محرمة وحرمتك سواء قال علیّ او لا اھ۔

قائل نے اپنی بیوی کو جو یہ لفظ کہا ہے کہ "بلکہ تم کو حرام کیا" متأخرین نے عرف کی وجہ سے اس کو طلاق بائن مانا ہے جہاں ہم نے تحقیق کیا ہے ہم کو بھی اس وقت یہی معلوم ہوا کہ بیوی کو حرام کرنے سے عوام کو طلاق کے ہی معنی متبادر ہوتے ہیں دوسرے معنی کی طرف ذہن نہیں جاتا لہٰذا اس تقدیر پر صورت مسئولہ میں طلاق بائن واقع ہوگئی، اور اگر دوسرا نکاح اس عورت کا اس واقعہ سے بعد تین حیض گذرنے کے ہوا ہے تو وہ نکاح بھی صحیح ہوگیا۔ اور اگر سائل کے یہاں لفظ حرام سے کوئی دوسرے معنی بھی مفہوم ہوتے ہیں یا قائل نے کسی دوسرے معنی کا قصد کیا تھا تو وہ اس کو مفصل لکھے پھر جواب دیا جائے گا، واللہ اعلم۔ ۶ر شوال سنہ ۴۰ھ

شوہر کی نیت کے مطابق ایک طلاق بائن یا تین طلاق کا واقع ہونا

(سوال) نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ علماء دین شرع متین اس مسئلہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں جو شخص اس قسم کا طلاق نامہ لکھکر اپنی بیوی کو دے جاوے تو اس طلاق نامہ سے طلاق رجعی پڑتی ہے یا طلاق بائن یا مغلظہ پڑتی ہے۔ جواب سے مطلع فرمادیں مہربانی ہوگی۔ طلاق نامہ کی نقل ذیل میں درج ہے:

نقل طلاق نامہ

منکہ عبدالحفیظ ولد محمد مہنگا سکنہ موضع کھوئیاں ڈاکخانہ ڈبوالی تحصیل سرسہ ضلع حصار کا ہوں کہ رحمی دختر کریم بخش موضع سوانہ مال ضلع رہتک کے ساتھ میرا نکاح ہوا میں نے طلاق نامہ

لکھ دیا ہے تاکہ سند رہے مہر اس کا میں چار ماہ کے اندر انشاء اللہ روانہ کر دوں گا جو مبلغ ۳۶ روپئے ہیں جو مہر میں اس کا ادا نہیں کروں گا خدا کے ہاں دین دار ہوں گا اور میرا اس عورت سے کچھ دعویٰ نہیں اس کے باپ کو اختیار ہے جہاں مرضی ہو بٹھا دیوے۔

نوٹ:۔ اصل طلاق نامہ پر عبدالحفیظ کا نشان انگوٹھہ ہے اور تین شخصوں کے دستخط اور پانچ شخصوں کے انگوٹھے ہیں۔

الجواب: قال فی العالمگیریة ولو قال فی حال مذاکرة الطلاق باینتك او ابنتك او ابنت منك او لا سلطان لی علیك او سرحتك او وهبتك لنفسك او خلیت سبیلك الی آخر الامثلة یقع الطلاق وان قال لم انو الطلاق لم یصدق قضاءً ۔ وفیها ایضًا روی الحسن عن ابی حنیفة انه اذا قال وهبتك لاهلك او لأبیك او لأمك او للازواج فهو طلاق اذا نوی اھ ص ۶۹ ج ۲ ۔ پس صورت مسئولہ میں بموجب الفاظ اس طلاق نامہ کے مسماۃ رحمی پر ایک[۱] طلاق بائن واقع ہوگئی بشرطیکہ شوہر نے تین طلاق کی نیت نہ کی ہو اب بدون تجدید نکاح کے وہ اپنے شوہر کے ساتھ نہیں رہ سکتی اور اگر شوہر نے طلاق نامہ لکھنے سے پہلے یا اس کے بعد زبان سے بھی طلاق دی ہو تو اگر دوبار اس نے طلاق کا لفظ استعمال کیا ہوگا تو مسماۃ رحمی پر تین طلاق پڑ جائیں گے۔ اسی طرح اگر اس نے زبان سے تو کچھ نہ کہا ہو لیکن طلاق نامہ لکھتے ہوئے تین طلاق کی نیت کی ہو تب بھی مسماۃ پر تین طلاق پڑ جائیں گی۔ پس دوسری صورت میں عبدالحفیظ سے اس کی نیت کا حال دریافت کیا جاوے اگر اس نے ایک طلاق کی نیت کی ہو تو ایک ہے اور اگر تین کی نیت کی ہے تو تین طلاق مغلظ واقع ہو جائیں گی واللہ اعلم۔

۱۱ ربیع الثانی ۱۳۴۱ھ۔

"میں تم سے علیحدگی اختیار کرتا ہوں" یہ الفاظ شوہر نے کہے

سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین متین و مفتیان شرع مبین کہ زید نے ہندہ کو تہمت زنا لگایا خالد کے ساتھ جو ہندہ کا ماموں زاد بھائی اور اب وہ بمنزلہ حقیقی بھائی کے ہے اسی خیال پر زید نے ہندہ سے کہا کہ میں تم سے علیحدگی اختیار کرتا ہوں اور اپنے باپ اور قاضی کو بلالو

---

[۱] قلت ثم ظهر لی ان الواقع فی هذه الصورة طلقتان کما سیأتی ۱۲ منه

میں بخوشی اسی وقت تمہارا نکاح خالد سے کئے دیتا ہوں۔ اب ہندہ زید سے سخت ناخوش ہے اور اس سے قبل زید ہندہ سے ناراضگی کی حالت میں بارہا یہ الفاظ بھی کہہ چکا ہے کہ تم اپنے باپ کے گھر بیٹھی رہو۔ میں اپنے گھر خوش تم اپنے گھر خوش، اور خرچ وغیرہ بھی تم کو نہیں دوں گا اب ہندہ زید سے علیحدگی چاہتی ہے، اس حالت میں ہندہ کی زید سے علیحدگی کی موافق شرع شریف کے کیا صورت ہونی چاہئے بینوا توجروا۔ (بعض کلمات دوسرے پرچہ میں ہیں)

میں تم سے علیحدگی اختیار کرتا ہوں اور اپنے باپ اور قاضی کو بلالو میں بخوشی لادعوی ہوتا ہوں۔ اور اسی وقت تمہارا نکاح خالد سے کئے دیتا ہوں۔ میں خوشی سے لادعوی ہوا۔ اور پھر چھاتی ٹھوک کر کہا کہ میں لادعویٰ ہوچکا، یہ الفاظ تین مرتبہ کہا اور یہ الفاظ کہے ہوئے آٹھ ماہ کا عرصہ ہوچکا اور اس پر پردہ کرا دیا گیا ہے۔

الجواب: صورت مسئولہ میں عورت پر تین طلاق مغلظ واقع ہوچکیں اگر زید کو یہ الفاظ کہے ہوئے اتنا عرصہ گذر چکا جس میں ہندہ کو تین حیض آچکے ہوں تو وہ اپنا دوسرا نکاح کرسکتی ہے اور اگر تین حیض ان کلمات کے بعد سے ابھی تک پورے نہیں ہوئے تو بعد اتمام عدت دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے زید سے بدون تحلیل کے اس کا نکاح درست نہیں فان قولہ علیحدگی اختیار کرتا ہوں بمعنی جدائی وصرح فی الخلاصۃ ص ۱ ج ۲ ان فی لفظۃ جدائی لا یحتاج الی النیۃ ثم قولہ خوشی سے لادعوی ہوتا ہوں اور سلادعویٰ ہوچکا و ان کان من الکنایات فانہا تلحق بالصریح ولا یحتاج الی النیۃ فی حالۃ الغضب فانہا لا تصلح الا للطلاق والجواب فی عرفنا کما لا یخفی۔ واللہ اعلم۔

۲۷ رجمادی الثانیہ ۴۱ھ

شوہر کا کہنا "میرا اس عورت پر کچھ دعوے نہیں"

سوال: علماء دین شرع متین اس مسئلہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں: یہ طلاق نامہ کی نقل آپ کی خدمت میں ارسال ہے، طلاق لکھنے والا یعنی طلاق دینے والا کہتا ہے کہ میں نے طلاق نامہ لکھتے وقت نیت طلاقِ رجعی کی کی تھی اور عدت ہی کے اندر دو گواہوں کے سامنے اپنی بیوی کو رجوع کرلیا تھا اور رجوع کرنے کی خبر بذریعہ خط اپنی عورت کو دیدی تھی آیا یہ رجعت درست ہوئی یا نہیں یا طلاق بائن ہوئی یا مغلظ؟

نقل طلاق نامہ: منکہ عبدالحفیظ ولد محمد مہنگا سکنہ موضع کھوئیاں ڈاکخانہ

ڈیوالی تحصیل سرسہ ضلع حصار کا ہوں کہ رحیمی دختر کریم بخش موضع سوانہ مال ضلع رہتک کے ساتھ میرا نکاح ہوا تھا میں نے طلاق نامہ لکھدیا ہے تاکہ سند رہے مہر اس کا میں چار ماہ کے اندر انشاء اللہ روانہ کر دوں گا جو مبلغ ۳۶ روپیہ ہیں جو مہر میں اس کا ادا نہیں کروں گا خدا کے ہاں دیندار ہوں گا اور پھر اس عورت سے کچھ دعویٰ نہیں اس کے باپ کو اختیار ہے جہاں مرضی ہو بٹھا دیوے۔

نوٹ:۔ اصل طلاق نامہ پر عبدالحفیظ کا نشان انگوٹھا ہے اور تین شخصوں کے دستخط اور پانچ شخصوں کے انگوٹھے ہیں۔

الجواب: صورت مسئولہ میں مسماۃ رحیمی پر دو طلاق بائن واقع ہو گئی ہیں ایک طلاق اس لفظ سے واقع ہو گئی "میں ع نے طلاق نامہ لکھدیا ہے" اور دوسری اس لفظ سے "میرا اس عورت پر کچھ دعویٰ نہیں" فانہ بمعنی لا سبیل لی علیک ولا سلطان لی علیک والبائن یلحق الصریح فیکون الکل بائنا پس عبدالحفیظ کا رجوع کرنا صحیح نہیں ہوا۔ ہاں اگر عورت راضی ہو تو نکاح دوبارہ ہو سکتا ہے، واللہ اعلم۔

۲۷ جمادی الثانیہ

شوہر نے کہا: "میں تیرا روادار نہیں، نہ تو میری کچھ لگتی ہے نہ میں تیرا کچھ"

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین متین مسئلہ ہذا میں کہ مسمی زید نے اپنی بیوی مسماۃ ہندہ سے بوجہ عقیمہ (بانجھ) ہونے کے قطع تعلق کر دیا حتیٰ کہ بات چیت بھی نہیں کرتا اور اکثر یہ الفاظ کہتا رہتا ہے کہ تیرا دل جس جگہ چاہے چلی جا میں تیرا روادار نہیں نہ تو میری کچھ لگتی ہے نہ میں تیرا کچھ لگتا ہوں۔ میری طرف سے تجھکو طلاق ہے اور مسماۃ مذکورہ اس پر کہتی ہے کہ ایک کاغذ طلاق نامہ کا مجھے لکھدے مگر زید مذکور زبانی طلاق تو اکثر دیتا رہتا ہے کاغذ پر طلاق نامہ لکھ کر نہیں دیتا اس لئے کہ عورت مہر کا دعویٰ نہ کر دے اور پھر مہر ادا کرنا پڑے گا۔ لہذا ایسی صورت میں مسماۃ مذکورہ کیا کرے کیا ایسی صورت میں طلاق پڑ جاتی ہے یا نہیں اگر ایسی صورت میں طلاق ہو جاوے تو کسی دوسرے آدمی سے بعد عدت کے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مسئولہ میں ہندہ پر تین طلاق پڑ گئیں اب اس کو زید کے پاس رہنا ہرگز جائز نہیں عدت کے بعد وہ دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے طلاق نامہ لکھنے پر وقوع

ع لانہ یتضمن الاقرار بالطلاق السابق واقرار الطلاق طلاق کما عرف فی موضعہ ۱۲ منہ

طلاق موقوف نہیں ہوا کرتی ۔ قال فی العالمگیریة ولو قال لها مرا با تو کارے نیست وترا با من نے اعطینی ما کان لی عندك واذهبی حیث شئت لایقع بدون النیة کذا فی الخلاصة اھ ص۷۵ ج ۲ قلت وهو یفید الوقوع بالنیة ومذ اکرة الطلاق فی حکم النیة کما عرف فیقع واحدة بقولہ "تیرا دل جس جگہ چاہے چلی جا میں تیرا روادار نہیں" والثانیة بقولہ "نہ میں تیرا کچھ لگتا ہوں نہ تو میری کچھ لگتی ہے" فی العالمگیریة ولو قال ما انت لی بامرأة ولست لك بزوج ونوی الطلاق یقع عند ابی حنیفة اھ ص۶۹ ج ۲ اور جب شوہر نے زبانی طلاق اکثر دی ہے تب تو صراحةً ہندہ پر تین طلاق واقع ہوگئیں اب وہ بدون تحلیل کے زید کے لئے حلال نہیں ہوسکتی، واللہ اعلم ۔ ۱۹ ر رجب ۱۳۴۱ھ

بامر سیدی حکیم الامت

طلاق بلفظ "جا نکاح کر" و تفصیل حکم کنایات دیانةً وقضاءً

(**سوال**) زید نے مسماۃ ہندہ سے کہا کہ "اب تو دوسرا نکاح کرے گی ہی فلاں سے" یا یوں کہا "جا نکاح کر" یا ہندہ کے گھر والوں سے کہا کہ "جاؤ دوسرا انتظام کرو"۔ لفظ ثالث سے مقصود طلاق نہیں علیٰ ہذا ما قبل کے دونوں لفظوں سے بھی طلاق کا خیال نہیں ۔ زید کہتا ہے کہ میں نے الفاظ مذکورہ اس وجہ سے استعمال کیا کہ آئندہ ہندہ کو عبرت ہو پھر ایسے حرکت ناشائستہ نہ کرے ممکن ہے کہ آئندہ اپنی حرکت نامعقول سے باز آجاوے ۔ جب مقصود تنبیہ ہے طلاق نہیں تو کیا دلالت حال کا اعتبار کرکے شرع و تورع طلاق کا حکم لگا سکتی ہے یا نہیں اگر یہ الفاظ مذاکرۂ طلاق اور حالت غضب میں نہ کہے جاویں بلکہ استہزاءً کہے جاویں تو کیا حکم ہے ؟

(۲) فقہاء نے کنایہ کی تعریف یہ کی ہے : ما یوضع له ولغیره ولا یقع الطلاق الا بالنیة او بدلالته کحالة الغضب ومذ اکرة الطلاق ۔ سوال یہ ہے کہ دلالت اس وقت بھی معتبر ہے جبکہ کنایات سے مقصود طلاق نہ ہو صرف علیٰ سبیل التنبیه والتهدید تلفظ کئے گئے ہوں جیسا کہ صور مذکورہ میں، یا ایسے صورت میں دلالت معتبر نہیں اور طلاق واقع نہیں ہوگی ۔

(۳) اگر زید کی نیت قضاءً معتبر نہ ہو تو کیا دیانةً فیما بینه وبین اللہ بھی معتبر نہ ہوگی یعنی اگر قضاءً ہندہ طالق ہوگئی تو فیما بینه وبین اللہ بھی طالق ہوئی یا نہیں اگر دیانةً طلاق نہیں پڑی تو کیا تعلق رکھنا ہندہ سے جائز ہے یا تجدید نکاح کی ضرورت ہے ؟

(۴) زید نے ہندہ کو دو طلاق رجعی دی (اس واقعہ کے قبل) اور رجعت بھی کرلی پھر ایک مدۃ کے بعد الفاظ کنایہ کا تکلم کیا جن سے ایک طلاق بائن پڑی۔ اب سوال یہ ہے کہ دو اور ایک ملکر تین طلاقیں ہوئیں اور ہندہ مغلظہ ہو گئی یا ہر ایک کا حکم جداگانہ ہے مغلظہ نہیں ہوئی۔ ازمنۂ متفرقہ کی تین طلاقیں جو مغلظ ہو جاتی ہیں وہ رجعی اور ایک قسم کے طلاق کا مسئلہ ہے یا دو قسموں کا بھی یہی حکم ہے؟

حاصل مرام یہ ہے کہ اب جوازِ تعلق کی کوئی صورت ہندہ سے ہے یا نہیں بالتفصیل سوالات مذکورہ بالا کا جواب دے کر فلاح دارین حاصل کیجئے فقط بینوا توجروا۔

الجواب: زید کا یہ قول کہ "اب تو تو دوسرا نکاح کرے گی ہی" کنایہ یا صریح کچھ نہیں اس سے انشاء طلاق کا قصد محاورات میں نہیں ہو سکتا اور دوسرا اور تیسرا لفظ یعنی یعنی "جا نکاح کر" یا ہندہ کے اہل سے کہا "جاؤ دوسرا انتظام کرو" یہ کنایات طلاق میں سے ہے جس کا حکم یہ ہے کہ قضاءً دلالت حال غضب یا مذاکرہ کے ہوتے ہوئے بدون نیت کے اس سے طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر دلالت حال و مقال نہ ہو تو بدون نیت کے وقوع نہ ہوگا۔ اور دلالت حال غضب کے ہوتے ہوئے قضاءً نیت تہدید مسموع نہ ہوگی اور عورت قضاء کا سا معاملہ کرے گی اور دیانۃً جمیع کنایات میں بدون نیت کے طلاق واقع نہیں ہوتی کما یظہر من الدر والشامیۃ (ص۶۴ و ۶۵ ج۲) من تقییدہما مسئلۃ وقوع الطلاق بہا بدلالۃ الحال من غیر نیۃ بالقضاء وتعلیلہما ایاہا بانہ صرف عن الظاہر فلذا وقع بہا قضاءً بلا توقفٍ علی النیۃ کما فی صریح الطلاق اذا نوی بہ الطلاق عن وثاق اھ قلت وقد مر فی باب الصریح انہ لو نوی بہ الطلاق عن وثاقٍ دُیِّنَ فکذا فی المشبہ فافہم۔

(۲) دلالت قائم مقام نیت کے ہے بلکہ اس سے اقویٰ ہے قال فی الدر وفی مذاکرۃ الطلاق یتوقف الاول فقط ویقع بالاخیرین وان لم ینو لان مع الدلالۃ لا یصدق قضاءً فی نفی النیۃ لانہا اقویٰ لکونہا ظاہرۃ والنیۃ باطنۃ اھ (ص۶۵ ج۲) لہذا دلالت حال کے ہوتے ہوئے نیت کی کوئی ضرورت نہیں بدون نیت کے بھی قضاءً وقوع طلاق ہو جائے گا البتہ دیانۃً کنایات سے دلالت حال کے بعد بھی نیت ہی سے وقوع ہوتا ہے بدون نیت کے وقوع نہیں ہوتا۔

(۴) جن صورتوں میں قضاءً وقوع طلاق ہوتا ہے اور دیانۃً نہیں ہوتا وہاں حکم یہ ہے

کہ شوہر کو تو بیوی کے ساتھ معاملۂ زوجیت جائز ہے لیکن اگر عورت نے الفاظ طلاق کنایہ وغیرہ خود سُنے ہیں یا تو کسی عادل نے اسے خبر دی ہے تو اس کو شوہر کے پاس رہنا جائز نہیں اور نہ تمکین جائز ہے لانہا کالقاضی لاتقبل منہ الا ما یقبلہ القاضی وتسّ دّ ما یس دّ ۔

(۴) دو طلاق رجعی کے بعد تیسری طلاق کنایہ خواہ متصل دے یا منفصل وہ دو پہلی طلاقوں کے ساتھ مل کر تین طلاق ہو جائیں گی خواہ تیسری کتنے ہی زمانہ کے بعد دے پس جس عورت کو دو طلاق رجعی پہلے مل چکی ہوں پھر عرصہ کے بعد طلاق بائن دی گئی ہو وہ اب تین طلاق کے ساتھ مغلظہ ہو جائے گی جو بدون تحلیل کے اپنے شوہر کے واسطے حلال نہیں ہو سکتی، واللہ اعلم ۱۵ ذی الحجہ ۴۲ھ

تیرے ساتھ جماع کروں تو ماں بہن سے جماع کروں میں نے تجھ کو چھوڑ دیا، تیرا میرا کچھ تعلق نہیں کہنے سے طلاق بائن واقع ہونے کا حکم

(**سوال**) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اگر ایک شخص نے اپنی عورت سے کہا کہ "اگر میں تیرے ساتھ جماع کروں تو میں اپنی ماں بہن کے ساتھ کروں، میں نے تجھ کو چھوڑ دیا میرا تیرا کچھ تعلق نہیں خواہ تو کہیں رہ میں کہیں رہوں"۔ پھر واپس نہیں آیا اپنی دوکان میں خود رہنے لگ گیا اور عورت کو گھر چھوڑ گیا پھر گھر نہیں آیا پھر عورت کا مقدمہ وغیرہ چلایا اور جب اس سے دریافت کیا جاتا ہے تو کہتا ہے کہ میں نے اس کی بد چلنی دیکھ کر اس سے اظہار ناراضگی کی تھی طلاق کا میرا ارادہ نہیں تھا جب پوچھا جاتا ہے کہ پھر تو اس کے پاس کیوں نہیں پہونچا تو کہتا ہے کہ یہ بدافعالی سے باز نہیں آتی تھی میرے کہنے پر عمل نہ کرتی تھی اور مجھ میں اتنی قوت وطاقت نہیں جو مقدمہ چلاؤں یا جس کے گھر میں ہے اس سے مقابلہ کروں میرا معاملہ اللہ کے یہاں ہے اگر میری ہوگی تو مل جائے گی ورنہ بروز قیامت سمجھوں گا تو کیا اس سے طلاق ہوگئی یا نہیں؟ بینوا توجروا ۔

الجواب: اس شخص کا یہ قول تو محض لغو ہے کہ "اگر تیرے ساتھ جماع کروں تو اپنی ماں بہن کے ساتھ کروں"، البتہ اُس کا یہ قول "میں نے تجھ کو چھوڑ دیا" طلاق میں صریح ہے اور یہ لفظ "میرا تیرا کچھ تعلق نہیں" کنایہ ہے اور چونکہ مذاکرۂ طلاق میں واقع ہوا ہے اس لئے محتاج نیت نہیں پس اس شخص کی بیوی پر دو طلاق بائن واقع ہوگئیں ۔ اگر طرفین راضی ہوں تو عدت میں یا بعد عدت کے تجدید نکاح کرکے باہم رہ سکتے ہیں اگر تجدید نکاح نہ کریں تو بعد عدت کے یہ عورت دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے قال فی الھندیۃ ولو قال الرجل ترا چنگ باز داشتم او بہشتم او یلہ کردم ترا فھذا کلہ تفسیر قولہ طلقتک عرفا حتی یکون رجعیا ویقع بدون

النیۃ من الخلاصۃ (ص ۷۲ ج ۲) وفیہ ایضاً لو قال ان وطئتک وطئت امی فلا شئ علیہ کذا فی غایۃ السروجی (ص ۱۴۷ ج ۲) ولحوق البائن بالصریح معروف واللہ اعلم۔

۲۵ محرم ۴۵ھ

شوہر کا بیوی سے یہ کہنا کہ "تجھ کو میری طرف سے جواب ہے"

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین متین و مفتیان شرع مبین اس مسئلہ میں کہ زینب کا شوہر عرصہ سے زینب کا نان ونفقہ ادا نہیں کرتا ہے آج جو زینب اپنے نان ونفقہ کے تقاضا کے لئے شوہر کے پاس گئی اور شوہر سے اپنا نان ونفقہ مانگا تو اس کے شوہر نے جواب میں مندرجہ ذیل الفاظ کہے "تیرے سترہ خصم ہیں خدا کی قسم تجھ کو میری طرف سے جواب ہے" ان الفاظ سے زینب کو کیا سمجھنا چاہیئے طلاق ہوگی یا نہیں اور ہوگئی تو کس قسم کی طلاق ہوئی؟ بینوا توجروا۔

تنقیح اول :۔ یہ الفاظ کتنے مرتبہ کہے اور غصہ میں کہے تھے یا بدون غصہ کے اور عورت نے ان الفاظ سے قبل طلاق کا مطالبہ کیا تھا یا نہیں اس کا مفصل جواب مع اس پرچہ کے روانہ کیا جائے۔

جواب تنقیح اول :۔ زینب کے شوہر نے الفاظ مذکورہ فی الفتویٰ کو دوبار کہا اور غصہ کی حالت میں کہا زینب نے اس الفاظ سے قبل طلاق کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔

تنقیح ثانی :۔ اس استفتاء کے متعلق ابھی یہ امر قابل تحقیق ہے کہ خاوند کیا کہتا ہے اس لفظ کہتے وقت کیا نیت بتلاتا ہے اور یہ بھی لکھیں کہ نفقہ کا مطالبہ کرنے پر فوراً اس نے یہ لفظ مذکور فی السوال کہدیئے یا مطالبہ کے بعد اور کچھ گفتگو بھی ہوئی تھی صاف لکھیں کہ یہ الفاظ کس سوال اور گفتگو کے بعد کہے تھے ؟

جواب تنقیح ثانی :۔ زینب بغرض دریافت نیت بوقت تکلم الفاظ مذکور فی الفتویٰ شوہر کے پاس گئی شوہر نے ہاتھ پکڑ کر دروازہ کی طرف کر دیا اور کہا کہ میں تجھ سے کہہ چکا ہوں تجھے میری طرف سے جواب ہے چاہے جہاں جا" ان الفاظ کو چند مرتبہ کہا۔ نیز وہ الفاظ فی السوال شوہر نے اس مطالبہ کے بعد فوراً ہی کہدیئے تھے اور کچھ گفتگو نہیں کی تھی۔

الجواب : صورت مسئولہ میں شوہر کا بیوی کو ہاتھ پکڑ کر نکالنا اور یہ کہہ دینا کہ تجھے میری طرف سے جواب ہے چاہے جہاں جا" معنی طلاق کو مفید ہے لفظ جواب ہمارے محاورے میں کنایہ ہے جو غضب وغیرہا کے قرینہ کے بعد محتاج نیت نہ رہے گا لہذا زینب پر

صورت مسئولہ میں ایک طلاق بائن واقع ہوگئی ان الفاظ کو چند دفعہ کہنے سے متعدد طلاق نہ ہوں گی لان البائن لا یلحق البائن اور عدت پہلی بار کے قول سے شمار ہوگی۔

۹ رجمادی الثانیہ ۴۵ھ

لفظ "صاف جواب ہے" سے بشرط نیت طلاق بائن واقع ہوگی

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع مبین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی لڑکی نابالغ کا نکاح ایک شخص بالغ کے ساتھ کردیا اس کے کچھ عرصہ بعد اس شخص کو لڑکی والے نے کہا کہ تم اپنی بیوی کو لے جاؤ اس کا انتظام کھانے کپڑے کا کرو میں غریب آدمی ہوں مجھ سے خرچ نہیں اوٹھ سکتا ہے۔ اوس شخص نے جواب دیا کہ میں ذمہ دار نہیں ہوں تمہاری خوشی ہے اور تم کو اختیار ہے کہ اپنی لڑکی کا چاہے جہاں نکاح کردو میں مزاحم نہیں ہوں میری طرف سے صاف جواب ہے میں تمہاری لڑکی کو نہیں رکھ سکتا ہوں اور نہ رکھوں گا۔" اور اب تک یہ لڑکی منکوحہ نابالغ ہی ہے بالغ بھی نہیں ہوئی ہے صرف اس کے والد نے اس کا نکاح کردیا تھا اور بلکہ اس شخص نے اس سے پہلے ایک اپنی بیوی جان سے مار ہی ڈالی تھی یہ شخص ظالم اور خونی بھی ہو چکا ہے اب اس لڑکی کا باپ لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کرسکتا ہے یا کہ نہیں کرسکتا ہے، کیونکہ یہ غریب آدمی ہے اس قدر خرچہ نہیں اوٹھا سکتا ہے برائے عنایت اس کا جواب با صواب مرحمت فرمائیں بینوا توجروا

الجواب: صورت مسئولہ میں اگر اس شخص نے لفظ "صاف جواب ہے" سے یا اس کے قبل الفاظ سے نیت طلاق کی ہے اس لڑکی پر ایک طلاق بائن واقع ہو چکی ہے لان قولہ "چاہے جہاں نکاح کردو" وقولہ "صاف جواب ہے" مستعمل فی الطلاق عرفاً ولکنہ کنایۃ فیحتاج الی النیۃ۔ پس بعد انقضاء عدت کے اس لڑکی کا دوسرا نکاح ہو سکتا ہے۔ اور اگر زوج نیت طلاق سے انکار کرے اور اس پر حلف کرلے تو طلاق واقع نہیں ہوئی۔

واللہ اعلم۔ ۱۵ رشعبان ۴۴ھ

لفظ حرام سے بلا نیت طلاق بائن واقع ہوجاتی ہے

(سوال) اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ تم میرے واسطے حرام ہوگئی تو اس کا شرع میں کیا حکم ہے؟

الجواب: صورت مسئولہ میں اس شخص کی بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہوگئی اگر تین کی نیت نہ کی ہو اور بدون دوبارہ نکاح کئے وہ اس کے لئے حلال نہیں ہوسکتی اور اگر تین کی نیت کی ہے تو سوال دوبارہ کیا جائے۔ قال فی الشامیۃ والحاصل ان المتاخرین

خالفوا المتقدمین فی وقوع البائن بالحرام بلا نیۃ حتی لو قال لم انو لم یصدق لاجل العرف الحادث فی زمان المتاخرین الی ان قال ان لفظ حرام معناہ عدم حل الوطئ ودواعیہ وذلک یکون بالایلاء مع بقاء العقد وھو غیر متعارف ویکون بالطلاق الرافع للعقد وھو قسمان بائن ورجعی لکن الرجعی لا یحرم الوطئ فتعین البائن وکونہ التحق بالصریح للعرف لاینافی وقوع البائن بہ فان الصریح قد یقع بہ (البائن) کتطلیقۃ شدیدۃ کما ان بعض الکنایات قد یقع بہ الرجعی مثل اعتدی ونحوہ والحاصل انہ لما تعورف بہ الطلاق صار معناہ تحریم الزوجۃ وتحریمھا لایکون الا بالبائن اھ (ص ۶۳ ج ۲) قلت وکذا ھو عرفنا اھل الھند تعورف للطلاق ولا یفھم بہ الایلاء فی العرف اصلا۔ واللہ اعلم۔

۱۱ر محرم ۴۵ھ

> وہ میری زوجیت سے باہر ہو وہ میرے لئے مرگئی اور میں اس سے مرگیا کہنے سے بلا نیت طلاق واقع نہیں ہوگی

سوال: کیا فرماتے ہیں مندرجہ ذیل بیان کے واسطے:

جناب خالد خان بات یہ ہے کہ میں آصف نگر جارہا ہوں اور برخوردار حافظ کو (جو ایک سال عمر کا ہے) اپنے ہمراہ لے جارہا ہوں اور تمہاری ہمشیرہ بغیر میری اجازت کے چلی آئی ہے یہ کام اچھا نہیں۔ اس واسطے وہ میری زوجیت سے باہر ہے وہ میرے سے مرگئی اور میں اس سے مرگیا فقط۔ یہ ایک ردی کاغذ پر ہے دستخط کوئی نہیں ہے شہادت کوئی نہیں نہ زوجہ سامنے ہے صرف ردی کاغذ پر لکھا ہے۔ **سوال**:۔ کیا یہ طلاق ہوگئی نکاح سے خارج ہوگئی زوجیت سے باہر ہے یہ کہنا درست ہے کیوں کہ وہ پاس نہیں نکاح سے باہر نہیں کہا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں زوج کی نیت پر مدار ہے اگر اس کی نیت طلاق کی تھی تو طلاق واقع ہوگئی ورنہ نہیں لما فی العالمگیریۃ (ص ۶۹ ج ۲) ولو قال ما انت لی بامرأۃ ولست لک بزوج ونوی الطلاق یقع عند ابی حنیفۃ وعندھما لا یقع وفیہ ایضا (ص ۷۱ ج ۲) وان کانت (ای الکتابۃ) مستبینۃ غیر مرسومۃ ان نوی الطلاق یقع والا فلا فقط۔ کتبہ عبدالکریم عفی عنہ، ۲۸ر ۱۲ ۴۴ھ

الجواب صحیح۔

ظفر احمد عفا عنہ، ۲۸ر ۱۲ ۴۴ھ

"تجھ سے کوئی سروکار نہیں نہ میں شوہر نہ تو زوجہ" کہنے سے طلاق کا حکم

سوال، اگر کسی نے اپنی اہلیہ سے کہا کہ اگر اس مکان سے فلاں مکان میں گئی تو مجھے تجھ سے کوئی سروکار و واسطہ نہیں اور نہ میں شوہر اور نہ تو زوجہ" اور وہ عورت اُس مکان میں چلی گئی جس کی ممانعت تھی اور وہاں ہی ہے۔ ایسی صورت میں طلاق واقع ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب؛ فی العالمگیریۃ (۲۶۹ ج ۲) ولو قال لم یبق بینی وبینك شیٔ و نوی به الطلاق لا یقع وفی الفتاوی لم یبق بینی وبینك عمل ونوی یقع وفی العتابیه ولو قال لها مرا باتو کارے نیست وترا بامن نے اعطنی ما کان عندك لا یقع بدون النیة اھ خلاصه (ص ۲۹۸ ج ۲) وفی الدر لست لك بزوج او لست لی بامرأة طلاق ان نواه خلافا لهما اھ قال الشامی اشار بقوله طلاق الی ان الواقع بهذه الکنایة رجعی اھ (ص ۷۴۴ ج ۲) وفی الشامیة تحت قوله (فلا یرد الخ) ای اذا علمت ان الضمیر فی باقیها عائد الی الالفاظ المذکورة فی المتن فلا یرد ان غیرها من الفاظ الکنایات قد یقع به الرجعی من کل کنایة فیها ذکر الطلاق الخ (ص ۷۶۶ ج ۲) وفیه بعد اسطر عن البحر وجود الطلاق مقتضی او مضمرا۔

اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں اگر نیت طلاق کی تھی تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی اور اگر طلاق کی نیت نہ تھی تو ظاہر کیا جاوے کہ کیا نیت تھی۔

۲ رجب ۴۴ھ

رانڈ کو مت بلاؤ میرے کام کی نہیں۔ اگر طلاق کی نیت سے نہ کہے ہوں تو طلاق واقع نہیں ہوگی

سوال، کیا فرماتے ہیں علماء کرام اہل السنۃ والجماعت کثر اللہ جماعتہم سوالات مستفسرہ ذیل کے جواب میں:۔

ہندہ کا نکاح جبکہ عمر اس کی گیارہ سال کی تھی زید کے ساتھ ہوا۔ بعد شادی ہندہ اپنے میکہ میں قریب ڈیڑھ سال رہی اور میاں بیوی میں یکجائی وتنہائی (زفاف) نہیں ہوا بعد میں زید بیمار ہوا قریباً ۱۵ یا ۱۶ روز تک بیمار رہا۔ اس عرصہ بیماری میں زید نے اور اس کے رشتہ داروں نے ہندہ کو اس کے میکہ میں چند مرتبہ بلوا بھیجا۔ لیکن ہندہ اپنے خاوند زید کے مکان نہیں گئی اور زید کی وفات کے ۳ یا ۴ یوم قبل زید نے اپنے حقیقی چچا کو ہندہ کو لانے کے لئے بھیجا اس لئے کہ ہندہ سے مہر بخشوالیا جاوے۔ لیکن ہندہ نہیں آئی یہ واقعہ زید کے پاس بیان کیا گیا زید نے کہا کہ "رانڈ کو مت بلاؤ میرے کام کی نہیں" بعد میں زید مرگیا۔ اس واقعہ کے ایک ماہ بعد ہندہ کا نکاح خالد کے ساتھ ہندہ کی سسرال میں جبکہ وہ زید کی وفات کے بعد اپنی سسرال میں آئی ہوئی

تھی کر دیا گیا بعد نکاح ہندہ نے اپنی والدہ و بھائیوں سے بلا رضامندی اس کے نکاح پڑھا دیا جانا بیان کیا۔ اس کی بابت ہندہ کے بھائی نے جملہ مسلمانانِ ڈیڈوانہ کے سامنے سوال پیش کیا۔ انہوں نے گواہان کو جن کے سامنے مذکورہ الفاظ زید نے استعمال کئے تھے بلایا و نیز قاضی طلب کیا گیا۔ گواہ عبداللہ کا یہ بیان ہے کہ زید نے اس کے سامنے قریب ۸ بجے رات کو بموجودگی رحیم بخش وسمن یہ کہا تھا کہ "رانڈ کو مت بلاؤ میرے کام کی نہیں"۔

ذمہ دار قاضی کا یہ بیان ہے کہ میں نے نکاح پڑھانے والے کے کہنے پر نکاح پڑھانے کی اجازت دے دی تھی۔ نکاح پڑھانے والے کا (یعنی سپر قاضی کا) بیان ہے کہ میرے پاس زید کی وفات سے ۶ یا ۷ روز بعد زید کا چچا سمن میرے پاس آیا اور کہا کہ زید کا مہر دیکھ دو کیونکہ متوفی نے مرنے سے پہلے یہ کہا تھا کہ رانڈ کو مت بلاؤ میرے کام کی نہیں اس کا مہر دے دینا۔ چنانچہ مہر دینا ہی اس پر نکاح پڑھانے والے نے کتاب دیکھ کر نکاح ثانی بلا عدت ہو سکنے کا کہدیا پھر نکاح پڑھانے والے نے سمن رحیم بخش و عبداللہ گواہان متذکرہ بالا کو بلا کر دریافت کیا تھا تو گواہان نے اس کے سامنے یہ کہا تھا کہ مرنے والے نے یہ الفاظ کہے تھے کہ "رانڈ میرے کام کی نہیں مت بلاؤ اس کا مہر دیدینا" اس پر نکاح پڑھا دیا گیا اور اُن کا استدلال بہشتی زیور حصہ چہارم عـه ص۳۵ باب رخصتی سے پہلے طلاق ہو جانے کا بیان پر ہے جس میں جملہ گول مول لفظوں پر طلاق کا ہونا قیاس کیا گیا ہے، گواہ سمن موجود نہیں ہے گاؤں گیا ہوا ہے لیکن اس امر کو رفع حجت و اطمینان دائمی کے لئے دریافت کرنا ضروری ہے۔ لہٰذا بحالات مذکورہ شرعاً ہندہ کا نکاح خالد کے ساتھ جائز ہوا؟

سوال: رضامندی اور بلا رضامندی کی یہ کیفیت ہے کہ نکاح پڑھانے والے کا یہ بیان کہ اس نے ہندہ سے دریافت کیا کہ خالد کے ساتھ تم نکاح پڑھنے کے لئے رضامند ہو تو اس کی تصدیق عمر اور بکر گواہاں سے کی۔ ہندہ سے دریافت کیا گیا تو اس نے ایسی رضامندی دینے سے قطعی انکار کر دیا اور قریب عمر اور بکر کی موجودگی بیان کی اور ایک شخص حامد کو بتلایا جس کا یہ بیان ہے کہ ہندہ نے میرے سامنے نکاح سے انکار کیا۔ جب قاضی پیچھے ہٹ گیا پھر ہندہ نے کہا کہ میں اپنی سسرال کا گھر چھوڑنا نہیں چاہتی پھر اس نے رضامندی دے دی۔

عـه بہشتی زیور حصہ چہارم میں طلاق کنایہ کا حکم بھی تو دیکھنا چاہئے تھا جس میں تصریح ہے کہ بدون نیت کے یا مذاکرۂ طلاق کے وقوع طلاق نہ ہوگا۔ ۱۲ ظفر

صورتِ مذکورہ بالا میں

(۱) رضامندی صریح یا معنوی ہوتی ہے یا نہیں ؟
(۲) کیا زید کے الفاظ کہ رانڈ میرے کام کی نہیں مت بلاؤ طلاق بالکنایہ کی حد کو پہنچتے ہیں ؟
(۳) اگر طلاق کی حد کو پہنچتے ہیں تو کونسی طلاق پڑے گی ؟
(۴) اگر طلاق بالکنایہ کی حد کو نہیں پہنچتے ہیں تو خالد کے ساتھ ہندہ کا نکاح ناجائز ہے یا جائز؟

غرضیکہ حالات مندرجہ بالا کو بغور ملاحظہ فرما کر بالتشریح جواب معہ حوالہ حدیث وفقہ وقرآن عنایت فرمایا جاوے بینوا توجروا۔

الجواب: یہ لفظ "رانڈ کو مت بلاؤ میرے کام کی نہیں" الفاظ طلاق میں سے صریحہ نہیں اور کنایہ کی اس قسم سے ہے جو سب وشتم کو بھی محتمل ہیں اور جو کنایات محتمل سب وشتم ہوں ان سے طلاق کا واقع ہونا جمیع حالات میں نیت زوج پر موقوف ہے اور صورت مسئولہ میں زید نے اس لفظ سے ارادۂ طلاق بیان نہیں کیا پس ہندہ پر طلاق واقع نہیں ہوئی اور جب زید اس واقعہ کے تین چار روز کے بعد مرگیا تو ہندہ پر عدتِ وفات چار ماہ دس دن واجب ہوگئی لکونها منکوحة غیر مطلقة وقت موته اور چار ماہ دس دن گذرنے سے پہلے جو ہندہ کا نکاح خالد کے ساتھ ہوا ہے وہ صحیح نہیں ہوا اور اب اگر ہندہ خالد ہی کے ساتھ نکاح کرنا چاہے تو وفات زید سے چار ماہ دس دن گذرنے کے بعد نکاح خالد سے کرسکتی ہے اور اگر خالد کے سوا کسی اور سے کرنا چاہے تو اگر خالد سے ہمبستری ہوچکی ہے تو جب تک خالد سے علیحدگی کے بعد دوسری عدت نہ گذرے غیر خالد سے نکاح درست نہیں اور اگر خالد سے ہمبستری نہیں ہوئی تو دوسری عدت کی ضرورت نہیں اور عدت ثانیہ تین حیض ہے اگر ہندہ کو حیض آتا ہو اور اگر حیض نہ آتا ہو تو سوال دوبارہ کیا جائے اور اس کو بھی واضح کیا جائے کہ خالد سے ہمبستری ہوئی تھی یا نہیں، واللہ اعلم۔ ۲۱ ذی الحجہ ۴۹ھ

لفظ آزاد کے کنایہ ہونے اور نہ ہونے کی تحقیق

سوال: محمد یامین ساکنہ پسر حافظ قطب الدین مرحوم ساکنہ دیوبند اپنی جا ملازمت سہارنپور سے اپنی اہلیہ کو لینے کی غرض سے دیوبند آیا چونکہ اہلیہ بجائے اپنے والدین کے اپنی پھوپھی کے ہاں گئی ہوئی تھی اہلیہ سے کسی قسم کی گفتگو نہیں ہوئی، اہلیہ کے برادر سید حسن سے کہا گیا کہ تم ڈولی سے اپنی ہمشیرہ کو اپنے یہاں لے آؤ میں اس سے کچھ گفتگو کروں گا۔ برادر اہلیہ نے کہا کہ میں بعد نماز جمعہ ڈولی بھیجدوں گا

چنانچہ میں تین بجے کے قریب سسرال میں گیا وہاں پر خسر صاحب کے دریافت کرنے پر کہ کیا تم لینے کے لئے آئے ہو، میں نے ظاہر کیا ہے کہ ہاں لینے ہی آیا تھا مگر خسر صاحب نے اس پر کچھ ناراضگی ظاہر کی میں خاموش ان کی گفتگو کو سنتا رہا بعدہٗ سید حسن برادر اہلیہ سے دریافت کیا کہ تم سے ڈولی کے لئے کہا تھا اس پر جواب ملا کہ والد نے منع کر دیا ہے اس وجہ سے ڈولی نہیں بھیجی، میں سید حسن کو اپنے ہمراہ لئے ہوئے سید محمد محتشم کے مکان پر جہاں میری والدہ بھی مقیم تھیں گیا سید حسن نے واپس مکان چاہا تو میں نے اس کو یہ کہہ کر روک لیا کہ باغ دیکھنے شبیر احمد کے ہمراہ چلیں گے مگر شبیر احمد اس وقت تک اپنے مکان سے نہیں آئے تھے، میں نے والدہ صاحبہ سے کہا کہ جب کبھی لے جانے کا ذکر ہوتا ہے تو خسر صاحب کو ناگوار گذرتا ہے اس سے بہتر ہے کہ آپ یہاں سے کسی کو بھیجکر سہارنپور سے اپنا اسباب منگالو اور یہاں ہی رہو کیونکہ وہاں مکان کرایہ پر ہے اور اسباب کی وجہ سے خالی مکان کا کرایہ دینا پڑتا ہے، والدہ صاحبہ نے جواب دیا کہ دو چار روز میں میں بہو کو لیکر چلی آؤں گی مکان کو ابھی نہیں چھوڑنا چاہئے، کیونکہ مجھے اس وقت یہ خیال پختہ نہ تھا کہ خسر صاحب اہلیہ کے بھیجنے پر رضامند نہیں ہیں۔ میں نے والدہ کو جواب دیا کہ میری طرف سے تم بھی آزاد ہو اور وہ بھی آزاد ہے جب چاہو آؤ میری تکلیف کی کسی کو بھی پرواہ نہیں اور میرا نقصان کرا رہی ہو اس وقت یہ الفاظ محض اس نیت سے کہے گئے تھے کہ گویا تم دونوں کو میری کچھ فکر نہیں ہے طلاق کی نیت سے یہ الفاظ نہیں کہے گئے اور میں ایک خط خسر صاحب کو لکھنے کے لئے وہاں ہی بیٹھ گیا خط لکھتے ہوئے دیکھ کر والدہ نے کہا کہ میرے منہ کو کیوں کمبل بندھوائے ہے، میں نے جواب میں باآواز کہا کہ میں بے شرع نہیں ہوں اور نہ میں طلاق نامہ لکھ رہا ہوں محض ایک خط لکھ رہا ہوں جس کا جواب سید حسن مجھے لادے گا اور میں شام کی گاڑی سے واپس چلا جاؤں گا، تھوڑی ہی دیر میں شبیر احمد بھی آگئے اور والدہ صاحبہ کے اشارہ پر کاغذ کو میرے ہاتھ سے لینا چاہا، میں نے ان کو بھی جواب دیکر کاغذ واپس لے لیا کہ مجھے خط پورا کرنے دو پھر دیکھ لینا چنانچہ میں نے خط کو پورا کر کے شبیر احمد کو دے دیا کہ اب تم خود بھی پڑھ لو اور والدہ صاحبہ کو بھی سنادو، اس خط کو شبیر احمد نے پڑھا اور سید محمد محتشم کو جو اس وقت مکان میں موجود تھے دکھانے کے لئے اندر لے گئے میں بھی بعد کو اندر گیا تو محمد محتشم نے مجھ سے کہا کہ تم عقلمند ہو بڑوں کو اس قسم کے خطوط نہیں لکھا کرتے اس خط کو مت بھیجو اور اگر وہ تمہاری اہلیہ کو نہیں جانے دیتے تو تم ہی خاموش ہو جاؤ

دیکھیں کب تک رکھتے ہیں اپنے آپ بھیجدیں گے۔ میں نے اس خط کو اپنے پاس رکھ لیا اور باہر آکر دیکھا تو سید حسن نہیں ملا، میں نے وہ خط مولوی نور الحسن صاحب کو دکھایا مولوی صاحب نے اس کو پڑھکر پھاڑ دیا اور کہا کہ بڑوں کو ایسے الفاظ نہیں لکھا کرتے۔ کیونکہ میرے خط میں الفاظ سخت تھے، اس وجہ سے میں بھی خاموش ہو گیا مگر خط میں اہلیہ کا کوئی تذکرہ نہ تھا۔ اگلے روز شام کے وقت مجھے معلوم ہوا کہ اہلیہ کی پھوپھی آئی تھیں اور کہتی تھیں کہ سید حسن نے یہ جاکر کہا کہ محمد یامین نے طلاق دے دی ہے۔ چنانچہ ان کو جواب دیا گیا کہ یہ بالکل غلط ہے اور یامین صبح سے باغ میں گیا ہوا ہے۔ شام کو جب میں باغ سے واپس آیا تو والدصاحبہ نے یہ قصہ مجھ سے کہا۔ میں نے مولوی نور الحسن صاحب کو اطلاع دی کہ ایسی افواہ اڑادی گئی ہے اگر اس خط کو نہ پھاڑتے تو اس وقت وہ خط ان کو دکھا کر تسلی کر دی جاتی خیر مولوی صاحب نے اس وقت تو مجھ سے یہ کہکر ٹال دیا کہ ہم خود اس معاملہ کو حل کر دیں گے، سید حسن بچہ ہے وہ اس معاملہ کو کیا جانے۔ اتوار کے روز صبح کو مولوی صاحب میرے پاس آئے اور کہا کہ تمہارے خسر صاحب بلاتے ہیں۔ چنانچہ میں گیا اور خسر صاحب سے گفتگو کی میں نے خسر صاحب کو یہ یقین دلانا چاہا کہ میں نے طلاق نہیں دی اور نہ طلاق کے الفاظ استعمال کئے مگر ان کو یقین نہیں آیا اور یہ کہکر چلے گئے کہ شام کو اس کا جواب دوں گا، چنانچہ میں نے پیر کے روز خود اہلیہ کی پھوپھی اور برادر اولاد حسین سے اس واقعہ کی تردید کی اور شام تک انتظار دیکھ کر منگل کے روز اپنی جائے ملازمت پر سہارنپور واپس چلا آیا۔ جو اصلی اور صحیح واقعات شروع سے اخیر تک گذرے ہیں وہ نہایت ایمانداری اور سچائی کے ساتھ اس تحریر میں درج کر دیئے، میں طلاق کو عدم طلاق اور عدم طلاق کو طلاق بنانا نہیں چاہتا اور قسمیہ تحریر ہے کہ میرے الفاظ بہ نیت طلاق نہ تھے۔ اس پر مفتیان شرع متین فتویٰ دیں کہ آیا اس واقعہ سے طلاق ہوئی یا نہیں؟ تاکہ میں اور اہلیہ آخرت کی خرابی سے بچ جاویں، فقط۔

الجواب: حامدًا و مصلیاً، جو الفاظ سوال میں مذکور ہیں وہ کنایاتِ[ع] طلاق کے ہیں لیکن مابعد کا کلام اور متکلم کا ان سے طلاق کا ارادہ نہ کرنا معنی طلاق کی ان الفاظ سے نفی کر رہا ہے اس لئے اس صورت میں دیانۃً کسی قسم کی طلاق شرعاً واقع نہیں

ع ہم نے اپنے جواب میں اس کا کنایاتِ طلاق سے ہونا صورۃ مسئولہ میں تسلیم نہیں کیا ۱۲ ظفر

ہوگی، واللہ اعلم بالصواب۔

رقمہ ضیاء احمد عفا عنہ ۹ رجمادی الاولی ۴۶ھ

الجواب صحیح، عنایت الٰہی عفا عنہ۔

الجواب من جامع امداد الاحکام بتھانہ بھون؛ واللہ الموفق للصواب

صورت مسئولہ میں متکلم کا یہ قول کہ "میری طرف سے تم بھی آزاد ہوا اور وہ بھی آزاد ہے جب چاہے آوے" نہ کنایات طلاق سے ہے نہ صریح سے اس لئے اس سے کسی قسم کی طلاق پڑنے کا احتمال نہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ کنایہ وہ ہے جس میں احتمال ارادۂ رفع قید نکاح بھی ہو اور اس کے غیر کا احتمال بھی ہو اور لفظ آزاد ہر حالت اور ہر استعمال میں کنایۂ طلاق نہیں بلکہ یہ کنایات میں اُس وقت داخل ہے جبکہ خلاف ارادۂ طلاق کا قرینہ کلام میں نہ ہو مثلاً یوں کہا جائے کہ میری بیوی آزاد ہے یا تو آزاد ہے یا وہ آزاد ہے اور وہ ہر طرح مجھ سے آزاد ہے اور تو پوری طرح آزاد ہے ان استعمالات میں بیشک یہ کنایات کی قبیل سے ہے اور اگر ارادۂ طلاق کا قرینہ قائم ہو تو پھر یہ لفظ صریح ہو جاتا ہے مثلاً یوں کہا جائے کہ میری بیوی میرے نکاح سے آزاد ہے۔ یا میں نے اس کو اپنے نکاح سے آزاد کیا۔ اور میں نے اس کو اپنے سے آزاد کر دیا۔ اور اگر کلام میں عدم ارادۂ طلاق کا قرینہ قائم ہو جائے تو پھر یہ نہ صریح طلاق سے ہے نہ کنایات سے مثلاً یوں کہا جائے کہ تو آزاد ہے جو چاہے کھا پی اور میں نے اپنی بیوی کو آزاد کیا چاہے وہ میرے پاس رہے یا اپنے گھر اور وہ آزاد ہے جب اس کا جی چاہے آوے۔ ان استعمالات میں ہرگز کوئی شخص محض مادۂ آزاد کی وجہ سے اس کلام کو کنایۂ طلاق سے نہیں کہہ سکتا بلکہ اباحت افعال وتخییر وغیرہ پر محمول کرے گا بشرطیکہ اس کو محاورات لسان پر کافی اطلاع ہو اور ایک لفظ کا صریح طلاق اور کنایۂ طلاق ہونا اور گاہے دونوں سے خالی ہونا اہل علم پر مخفی نہیں ملاحظہ لفظ طالق اور طلقتک معنی طلاق میں شرعاً صریح ہے لیکن انت مطلقۃ بسکون الطاء من الاطلاق فکنایۃ ولو صرح بنحو انت طالق عن الوثاق او القید فانہ یصدق قضاء ودیانۃ فی عدم ارادۃ الطلاق الرافع لقید النکاح الا اذا قرنہ بعدد فلا یصدق اصلاً صرح بہ فی الدر والشامیۃ فی باب الصریح وھل ھذا الا ان اللفظ یختلف فی الدلالۃ علی معناہ بحسب اختلاف استعمالہ وان کان مادتہ

واحدۃ فی جمیع الاستعمالات۔

پس ہمارے نزدیک صورت مسئولہ میں متکلم کا اپنی ماں کو خطاب کرکے یہ کہنا کہ "تم بھی آزاد ہو اور وہ بھی آزاد ہے جب چاہے آئے"۔ اس میں "جب چاہے آئے" یہ قرینہ نفی ارادۂ طلاق کا ہے نیز اس کے ساتھ یہ بھی قرینہ ہے کہ متکلم نے اپنی ماں کو بھی آزاد کہا ہے اور وہاں یقیناً معنیٰ طلاق مراد نہیں ہے تو اس سے اس کے قرین پر بھی اثر ہوپہنچتا ہے کہ جو معنی آزاد کے اول جملہ میں ہیں وہی دوسرے جملہ میں ہوں گے اور لفظ جب چاہے آئے نے اس کو واضح کردیا کہ مراد آزادئ آمد و رفت کی ہے نہ کہ نکاح سے آزادی اور اس کے بعد سائل نے اسی جلسہ میں یہ بھی تصریح کردی کہ میں بے شرع نہیں ہوں نہ طلاق نامہ لکھ رہا ہوں جس سے ارادۂ طلاق کی نفی مؤکد ہوگئی۔ پس صورت مسئولہ میں طلاق کے وقوع کا کوئی احتمال نہیں اور زوجۂ سائل کو عدۃ طلاق گزارنا جائز نہیں جب تک کہ اس کے پاس دو ثقہ عادل اُن الفاظ کا متکلم کی زبان سے صادر ہونا بیان نہ کریں جو اس مادہ میں موجب وقوع طلاق ہو سکتے ہیں جس کی قدرے تفصیل اوپر گزر چکی۔ اور سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ مسماۃ کے پاس خبر لیجانیوالا سوائے اس کے بھائی کے اور کوئی نہیں تو اس صورت میں اگر اس کا بھائی ایسے الفاظ بھی بیان کرے جو درحقیقت موجب طلاق ہوں جب بھی مسماۃ کو اس کی تصدیق جائز نہیں جبکہ شوہر اس سے منکر ہے، واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ۔

۲ رجب المرجب ۱۳۴۶ھ۔

کنایہ طلاق کے اندر اگر نیت میں شک ہو تو طلاق واقع نہیں ہوگی

سوال) اپنی عورت کے ساتھ نزاع کے وقت مرد کی زبان سے الفاظ "نکل جا، اپنی ماں کے گھر چلی جا" نکلے۔ ان الفاظ کے نکلنے کے بعد اس کو جب نیت کا خیال ہوا تو شک پڑ گیا کہ نیت تھی یا نہیں عورت کو ان الفاظ کے احکام کا علم نہیں۔ وہ خاوند کے ہاں رہنے پر مصر ہے، اور طلاق کا مطالبہ نہیں کرتی۔ پس ارشاد فرمایا جاوے کہ:

(۱) نیت کے مشکوک ہونے کی صورت میں طلاق پڑ جائے گی یا اس شک کا لحاظ کرکے عورت سے تعلقات رکھنا جائز ہے؟

(۲) خدانخواستہ اگر ان الفاظ سے طلاق واقع ہو جائے تو رجوع کی کیا صورت۔ مخفی مبادکہ دو تین سال قبل اسی قسم کے الفاظ عورت کے سوال "پالنا ہو تو پالو ورنہ چھوڑ دو" پر

"جاؤ اپنی ماں کے گھر جاؤ" بلانیت طلاق نکلے پھر اس خیال سے کہ ان الفاظ سے طلاق واقع ہوجاتی ہے "گوشہ ہوجاؤ اب مجھ سے کچھ تعلق نہ رہا" کہا گیا۔ بنا بر استفتاء بعض علماء نے طلاق واقع ہوگی اور بعض نے بلانیت واقع نہ ہوگی فرمایا اس لئے احتیاطاً اس وقت تجدید نکاح کرلیا گیا تھا۔

الجواب: قال فی الدر علم انہ حلف ولم یدر بطلاق او غیرہ لغا کما لو شك أطلق أم لا (ص ۷۴۵ ج ۲) چونکہ صورت مسئولہ میں لفظ صریح نہیں بلکہ کنایہ محتاج نیت ہے اور نیت میں شک ہے اس لئے طلاق واقع نہ ہوگی۔

۲۰ر شعبان ۴۶ھ

مُکرَہ نے فرار عن الطلاق کی نیت سے لفظ تلاہے، تلاہے، تلاہے تین مرتبہ دہرایا تو طلاق واقع نہیں ہوگی

سوال: زید نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دے دی عدت کے بعد عمرو نے زوجۂ زید سے نکاح کرلیا یہ خبر پاکر زید طلاق سے مُنکر ہوگیا اور عمرو پر دعویٰ دائر کردیا چونکہ زید روپے والا تھا عدالت سے مقدمہ جیت گیا۔ اب زید نے عمرو کو مجبور کیا کہ تم اس کو طلاق دو۔ عمرو نے کہا کہ جب تم نے اس کو طلاق ہی نہیں دی تھی تو میرا نکاح ہی نہیں ہوا پھر میری طلاق کی کیا ضرورت ہے۔ زید نے کہا کہ تم کو طلاق دینا پڑے گی ورنہ تمہاری خیر نہیں۔ چونکہ زید ایک زبردست آدمی تھا اس لئے عمرو اُس کے سامنے مجبور ہوگیا بالآخر اس نے کسی قدر فاصلہ سے کھڑے کھڑے یوں کہا "تلاہے، تلاہے، تلاہے"۔ اور طلاق کی نیت نہیں کی بلکہ اپنے اوپر سے بلا ٹالنا چاہی اس لئے یہ مہمل لفظ استعمال کیا۔ پس صورت مسئولہ میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں۔

الجواب: اس سوال کا جواب چند مقدمات پر مبنی ہے۔ مقدمہ (۱) اس میں تو شک نہیں کہ عوام طلاق دیتے ہوئے مخارج سے ادائے حروف کی سعی نہیں کرتے اسی لئے فقہاء نے تلاک، تلاغ وغیرہ کو بھی موجب طلاق قرار دیا ہے (۲) نیز حرف اخیر جس پر وقف ہو عام طور پر بعض اہل ہند صاف نہیں بولتے اور بعض دفعہ شبہ ہوجاتا ہے کہ شاید اکتفاءً حرف اخیر کو حذف کردیا ہے مثلاً دوست کا دوس گوشت کا گوش جناب کا جنا، سلام کا سلا مفہوم ہوا کرتا ہے (۳) اس میں بھی شک نہیں کہ لفظ تلا اگر بدون قرینہ کے استعمال کیا جائے لفظ مہمل ہے یا مختلف معانی کو محتمل ہے کہ جوتے کا تلا مراد ہے یا کیا (۴) اور اگر مذاکرۂ طلاق

کے بعد یا بیوی کے سامنے غضب کی حالت میں استعمال کیا جائے تو ان قرائن کے انضمام سے متبادر یہی ہوگا کہ طلاق مراد ہے اور اکتفاءً یا سرعت نطق کی وجہ سے حرف اخیر حذف کر دیا، یا مفہوم نہیں ہوا۔

خلاصہ یہ کہ یہ لفظ کنایات طلاق سے ہے جو مذاکرہ وغیرہ کے وقت طلاق کو موجب ہوگا۔ چونکہ صورت مسئولہ میں عمرو نے یہ لفظ مذاکرۂ طلاق کے بعد استعمال کیا ہے اس لئے قضاءً اس سے وقوع طلاق ہوگیا اور اضافت الی الزوجہ معنیً موجود ہے کیونکہ زید نے اُسی عورت کی طلاق پر اکراہ کیا تھا جس کے متعلق نزاع تھا۔ لیکن چونکہ عمرو کی نیت طلاق کی نہ تھی اس لئے دیانۃً وقوع طلاق نہیں ہوا۔ اور قضاءً بھی عمرو کا دعویٰ عدمِ نیت یمین کے بعد قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ گو ایک قرینہ مذاکرۂ طلاق مؤید ارادۂ طلاق بلفظ تلا ہے مگر دوسرا قرینہ یعنی اکراہ مؤید ارادۂ فرار عن الطلاق باستعمال اللفظ المہمل المتغیر ہے کیونکہ اکراہ کی حالت میں غالب یہ ہے کہ طلاق کی نیت ہوتی اب اگر لفظ صریح ہو تو دعوی عدمِ نیت بوجہ صراحت کے رد ہوگا اور اگر لفظ مصحف یا مغیر ہو اور مُکرَہ یہ دعویٰ کرے کہ میں نے تصحیف عمداً کی ہے تاکہ طلاق واقع نہ ہو تو یہ دعویٰ یمین کے ساتھ مقبول ہوگا اور اصل یمین قاضی کے سامنے ہونا چاہئے مگر طلاق کے معاملہ میں عورت کا لقاضی ہے اس لئے یہ بھی کافی ہے کہ عورت گھر ہی میں شوہر سے قسم لیلے اگر وہ قسم کھالے کہ میری نیت طلاق کی نہ تھی بلکہ فرار عن الطلاق کی تھی تو اس کے بعد عورت کو عمرو کے نکاح میں بدستور رہنا جائز ہے۔

والمسئلۃ ماخوذۃ عن الدر والشامیۃ (ص ۷۱۳ ج ۲ و ص ۷۶۴ ج ۲) باب الصریح والکنایات۔ واللہ اعلم۔ ۵ رمضان ۴۶ھ

میں نے ہندہ کو اجازت دی ہے کہ جس سے چاہے نکاح کرلے مجھ کو کچھ غرض نہیں؛ کہنے سے بلا نیت طلاق بائن کا وقوع

سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ ایک شریف خاندان کی لڑکی بباعث بے وارثی ہونے کے دھوکہ سے زید کے نکاح میں آگئی۔ زید تارک الصلوٰۃ، تارک الجمعہ، تارک الصوم ہندہ کو نان ونفقہ نہیں دیتا تھا نہ اس کے بچوں کو پرورش کرتا تھا اور اگر کبھی دو چار ماہ کو ہمراہ لے بھی گیا تو قسم قسم کی ایذاء سے ہندہ کو دق کرتا رہتا تھا اور اس کو اس کی ماں بیوہ کے پاس لاکر خود بھی اپنا خرچ اس کی ماں بیوہ کے ذمہ ڈال دیتا تھا حتیٰ کہ والدہ ہندہ سخت محتاج اور پریشان تھی عرصہ آٹھ نو سال تک اس ظلم کو بوجہ

بے وارثی سہتی رہی اور باقی یتیم پریشان رہ گئے سب مال دھمکا دھمکا کر زید کھا گیا۔ اب عرصہ ایک سال سے زید ایک عورت نامحرم سے تعلق بے جا کر کے فرار ہو گیا اور ہندہ اور ہندہ کی والدہ کو مکرر سہ کرر چند آدمیوں کے سامنے یہ جواب دے گیا کہ "میں نے بخوشی اجازت دی ہندہ اور نکاح کرلے، ہندہ سے کہا کہ میں نے تجھ کو خوشی سے اجازت دی تو جس سے چاہے نکاح کرلے مجھ کو کچھ غرض نہیں میں نان ونفقہ دوں نہ کمائی کروں تجھ کو اپنے نفس کا اختیار ہے"۔ اب ہندہ نے ایک سال کے بعد اپنے خورد و نوش کے لئے مزدوری اختیار کی ہے آیا ہندہ کو باہر نکلنا کسی کے گھر جانا یا کسی کے بچہ کو دودھ پلانا یا دوسرا نکاح کرلینا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اگر صورت سوال صحیح ہے تو صورت مسئولہ میں ہندہ پر طلاق بائن واقع ہوگئی لان الاذن فی النکاح بمعنی ابتغی الازواج فیقع الطلاق اذا کان فی حالۃ الغضب او المذاکرۃ وعندی ان قولہ "میں نے ہندہ کو اجازت دی کہ جس سے چاہے نکاح کرلے مجھے کچھ غرض نہیں" بمنزلۃ قولہ أبرأتك عن الزوجیۃ وبہ یقع الطلاق من غیر نیۃ فی الرضاء والغضب (عالمگیریہ ص ۲۷۰ ج ۲) فکذا ھذا الکلام بمجموعہ کالصریح عندی وکذا قال بعض اھل اللسان و وافقونی علیہ اسی طرح زوج کا یہ قول "مجھے کچھ غرض نہیں" بمعنی قولہ لا علاقۃ لی بھا ولا سبیل لی علیھا اور اس سے پہلا کلام ارادۂ محض طلاق کو مفید ہے اس لئے بھی طلاق بائن میں شک نہیں پس ہندہ زید کے اس قول کے بعد سے تین حیض گزار کر جس سے چاہے نکاح کرسکتی ہے، واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ

خلاصہ یہ کہ اگر جزو اول کا مؤثر ہونا کچھ خفی بھی ہو مگر جزو ثانی میں کچھ خفا نہیں ۱۲ اشرف علی

۲۵ شوال ۴۶ھ

حکم بعض الفاظ کنایہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں زید اپنے زوجہ منکوحہ ہندہ نامی کو عرصہ ڈھائی سال کا ہوا بسبب تنازعہ و نفاق باہمی کے یہ الفاظ کہہ کر کہ تو میرے شرع سے باہر ہوگئی ہے۔ میرے لائق نہیں ہے۔ میں تیرا راضی ساتھی نہیں ہوں۔ میرے گھر سے نکل جا۔ جہاں تیرا جی چاہے جا۔ ہم سے کوئی واسطہ نہیں اپنے گھر سے نکال دیا۔ ہندہ مجبوراً اس کے پاس سے چلی آئی اور چونکہ اس کا کفیل اور دستگیر نہ تھا اس نے اپنے گذر معاش اور اوقات بسری کے لئے اپنے ایک ہم کفو بکر نامی کے یہاں قیام کیا اور اس گذشتہ

ڈھائی سال تک ہندہ علی الاعلان جوکہ زید ونیز تمام لوگوں کو بخوبی ظاہر تھا بغیر نکاح کئے ہوئے بکر کی زوجیت میں اس وقت تک رہی اور بکر مطابق سلوکات زن وشوہر ہندہ کے ہر قسم کے پرورش نان نفقہ اور ضروریات کا ذمہ دار رہا۔ زید نے نکال دینے کے بعد سے پھر ہندہ کو نہ رکھا نہ اس کے کسی قسم کے نان نفقہ کی فکر کی اور نہ کوئی تعلقات زن وشوہر کے قائم رہے اب عرصہ اٹھارہ یوم کا ہوا کہ زید قضاء الٰہی سے فوت ہوگیا ایسی صورت میں اس وقت ہندہ کو بکر کے ساتھ نکاح پڑھانے کے لئے زید کے فوت ہوجانے کی وجہ سے سوگ کرنے اور ایام عدت پورا کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں اور یہ کہ ہندہ کا نکاح بکر کے ساتھ بغیر ایام عدت پورا کئے ہوئے اب اس وقت ہوسکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب : زید کا یہ قول "تو میرے شرع سے باہر ہوگئی" اس میں شرع سے مراد نکاح ہے اس لئے معنی طلاق میں صریح ہے لکونہ مثل قولہ ابرأتك عن الزوجیۃ وقد صرح فی الھندیۃ بکونہ صریحًا فی الطلاق (ص ۲۲۷) اس لئے ایک طلاق تو اس لفظ سے پڑگئی اس کے بعد کہا ہے "میرے گھر سے نکل جا" یہ کنایہ ہے جو وقوع طلاق میں بہرحال محتاج نیت ہے اس کے بعد کہا ہے "مجھ سے کچھ واسطہ نہیں" یہ بحالت مذاکرۂ طلاق محتاج نیت نہیں اس لئے ہندہ پر دو طلاق بائن واقع ہوگئیں اور عدت کے بعد اس کا نکاح بکر سے جائز ہے اور عدت طلاق کے وقت سے شمار کی جاوے گی جب طلاق کے وقت سے تین حیض پورے ہوچکیں اسی وقت نکاح درست ہے غالبًا اس ڈھائی سال میں تین حیض ہندہ کو آگئے ہوں گے اگر نہ آئے ہوں تو تین حیض پورے ہونے کے بعد بکر سے نکاح کرلے۔ اور بکر کے ساتھ جو ہندہ ڈھائی سال تک رہی اور اس سے مقاربت ہوئی یہ محض زنا ہے اس کی وجہ سے کوئی عدت لازم نہیں۔ واللہ اعلم۔

۲ ر ذیقعدہ ۴۶ھ

طلاق بائن کی ایک صورت کا حکم

سوال : نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وحامئ شرع متین اس باب میں کہ زید نے زبیدہ سے جو بیوہ تھی اس کی رضامندی سے عرصہ گیارہ سال کا ہوتا ہے نکاح کیا اور زید بسلسلۂ ملازمت پردیس چلا گیا کچھ عرصے بعد زبیدہ کا زید کے نام یہ خط پہونچتا ہے کہ اس خط کے دیکھتے ہی فورًا کہہ دینا کہ میں نے تم کو آزاد کردیا زید نے کراہتًا ایسا ہی کیا اور ذریعہ تحریر زبیدہ کو اس کی اطلاع دے دی زید کو اس معاملہ سے زبیدہ کی جانب سے بدگمانی ہوئی اور وہ یہ سمجھ چکا کہ کسی دوسرے

شخص کی وجہ وہ زید کے نکاح میں نہیں رہنا چاہتی۔ مگر زید عرصہ دو یا تین سال بعد جب وطن آتا ہے تو زبیدہ کو حسب معمول اپنا مائل پاتا ہے اور زید اُس کو کسی قسم کی طلاق اس وجہ سے نہیں دیتا کہ وہ ہر طرح سے اس کی فرمانبردار نظر آتی ہے اور بدگمانی کے متعلق حلف اٹھا کر صفائی کر دیتی ہے زید اُس سے مقاربت کرتا ہے اور پھر تھوڑے عرصے رہ کر پردیس چلا جاتا ہے، پردیس جانے کے بعد بعض ذرائع اور قرائن معتبرہ سے زید یہ معلوم کر لیتا ہے کہ زبیدہ کا ناجائز تعلق کسی غیر شخص سے ہے۔ اس پر وہ سخت برہم ہو کر لکھ دیتا ہے کہ مجھ سے تیرا کوئی تعلق نہیں رہا یا میں نے تجھ کو آزاد کر دیا" وغیرہ مگر زبیدہ کی جانب سے اس بات کے قبول کرنے یا نہ کرنے کا کوئی جواب ملنا یا نہ ملنا یاد نہیں رہا مگر زید اس کو اپنی کم علمی کی وجہ یہ سمجھ چکا کہ زبیدہ مجھ سے ہمیشہ کے لئے علیحدہ اور حرام ہو گئی بلکہ اثنا تذکرہ میں زبیدہ کی نسبت مطلقہ ہونے کا ذکر بیان کرتا ہے اور اس کو اپنی بہن وغیرہ سے تعبیر کرتا رہا ہے۔ اب زید عرصہ نو سال بعد پھر وطن واپس آیا ہے تو زبیدہ کہتی اور دعویٰ کرتی ہے کہ میں تجھ پر کسی طرح حرام نہیں ہوئی میں تیری منکوحہ ہوں از روئے شرع شریف مجھ پر کوئی طلاق وغیرہ عائد نہیں ہوسکتی اور بدگمانی کی نسبت ہر طرح حلف وغیرہ اور خدائے واحد کو درمیان کر کے قسم کھا کر کہتی ہے کہ اگر میں نے تیری امانت میں خیانت کی ہو یا سوائے تیرے کسی غیر شخص سے حرام کیا ہو تو قیامت میں میرا دامن اور تیرا ہاتھ ہوگا اور اگر تو بلا وجہ اور بے گناہ محض بدگمانی اور قیاس پر مجھے چھوڑتا ہے تو قیامت میں تیرا دامن اور میرا ہاتھ ہوگا۔

اب زید نہایت مضطرب ہے اور چاہتا ہے کہ زبیدہ کو نہ چھوڑے بشرطیکہ شرع متین کی رُو سے زبیدہ اس کی ہوسکتی ہو۔ بیّنوا توجروا۔

نوٹ:۔ زبیدہ کا نکاح بغیر کسی مقررہ دین مہر کے ہوا تھا تو کیا شرع پیمبری کا مقررہ مہر ادا کرنا ہوگا؟

زبیدہ کا نکاح ایک عالم اور ایک جاہل جو گواہ کی صورت میں تھا دو شخصوں کے مواجہ میں ہوا تھا وہ نکاح صحیح ہے یا غیر صحیح بینوا توجروا۔

تنقیح:۔ زید نے زبیدہ کا خط آنے پر جو زبان سے کہا کہ "میں نے تجھ کو آزاد کیا" اور بذریعہ تحریر زبیدہ کو اُس کی اطلاع بھی دیدی۔ اس کے متعلق یہ امر تنقیح طلب ہے کہ زید نے خط پڑھ کر یہی الفاظ مذکورہ کہے یا بیوی کا نام لیکر یوں کہا کہ میں نے زبیدہ کو آزاد کر دیا۔ اور

صورت اولیٰ میں جبکہ "میں نے تجھ کو آزاد کیا" کہا ہو نیت طلاق کی تھی یا نہیں؟ اور زبیدہ کو جو بذریعہ تحریر اطلاع دی کن الفاظ سے اطلاع دی وہ الفاظ صحیح طور پر بلا کم و بیش لکھے جائیں۔ فان وجوہ الاضافۃ فی الخطاب مع عدم المخاطب مختلف فیہ کما یظھر من عبارات الفقہاء التی ذکرھا فی ردالمحتار (ص ۵۰۷ ج ۲) والخلاصۃ (ص ۹۱ ج ۲) اس کے بعد جو زید نے بدگمانی کی وجہ سے زبیدہ کو یہ لکھا کہ میرا تجھ سے تعلق نہیں رہا میں نے تجھ کو آزاد کر دیا۔ اس لفظ سے زبیدہ پر طلاق بائن پڑ گئی۔ لیکن یہ امر تنقیح طلب ہے کہ اس نے ان دونوں لفظوں کو ایک شمار کیا یا دونوں کو الگ الگ بہ نیت طلاق استعمال کیا ہے۔ رہا یہ کہ اب زبیدہ سے زید کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں اس کا جواب تنقیح بالا پر دیا جائے گا۔ سائل کو مذکورہ بالا دونوں تنقیحوں کا جواب دینا چاہئے تاکہ یہ واضح ہو کہ زبیدہ پر تین طلاقیں واقع ہوئیں یا اُس سے کم۔

اور مہر مقرر نہ کرنے کی صورت میں زوجہ کا خاندانی مہر شوہر کے ذمہ لازم ہوتا ہے اور ایک عالم اور ایک جاہل مل کر دو گواہ پورے ہونے سے بھی نکاح منعقد و صحیح ہو جاتا ہے، واللہ اعلم۔

جواب تنقیح: (۱) زبیدہ کا خط باین مضمون ہمدست ہوا تھا کہ یہ خط پہونچتے ہی تم کہہ دینا کہ میں نے تم کو آزاد کیا چنانچہ زید نے صرف اسی قدر الفاظ کہے تھے (کہ میں نے تم کو آزاد کیا) بُعدِ زمانہ کے باعث اس قدر خیال نہیں رہا کہ زبیدہ کا نام بھی لیا تھا یا نہیں یہ الفاظ کہتے ہوئے زید کو نیت طلاق کی تو نہ تھی مگر اپنی لاعلمی کی وجہ سے خیال کرتا تھا کہ اب زبیدہ اُس سے چھوٹ گئی۔ زبیدہ کو جو اطلاع دی گئی وہ بھی الفاظ مذکورہ کا اعادہ تھا بس۔

(۲) چونکہ زید اپنے خیال میں یہ تصور کر چکا تھا کہ زبیدہ اس سے گئی ان الفاظ سے وہ آزاد ہو گئی مگر نیت طلاق کی پھر بھی نہ تھی۔ بار اول مجبوراً و کراہتہً زبیدہ کے لکھنے پر یہ الفاظ کہے گئے بار دیگر بدگمانی کی وجہ۔ اس کے بعد ایک عرصے تک خط و کتابت بند رہنے سے زید زبیدہ سے بیحد بدگمان ہو کر ہمیشہ اس کو مطلقہ تصور کرتا رہا مگر دو بدو کبھی ایسے الفاظ نہیں کہے گئے بلکہ محض تحریراً۔

(۳) ایک صاحب جو عالم بھی ہیں مغالطہ ڈال رہے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ تاوقتیکہ زبیدہ نکاح کے وقت خود موجود رہ کر اپنی زبان سے ایجاب و قبول نہ کرے یا اس کی جانب سے

کوئی وکیل درمیان میں نہ ہو صرف ایک عالم اور ایک جاہل کے موجود رہتے سے بلا واسطہ نکاح صحیح نہیں ہوا ناکح وکیل یا گواہ نہیں بن سکتا، واللہ اعلم۔

مفصلاً نکاح کی کیفیت مکرر عرض کرتا ہوں۔ زبیدہ نے زید سے کہا کہ میں تجھ سے راضی ہو چکی تو میرا نکاح پڑھوالے چنانچہ زید نے ایک عالم سے عرض کیا انہوں نے زبیدہ کی موجودگی یا اس کی جانب سے کسی وکیل وغیرہ کی موجودگی کی ضرورت تصور نہ فرما کر محض زید کے بیان پر بھروسہ کر کے ایک جاہل شخص جو اُن کے پاس بیٹھا ہوا تھا نکاح پڑھ دیا اور خود زید سے ایجاب و قبول کرایا تو کیا ایسی صورت میں نکاح صحیح ہو گیا اور اگر صحیح نہیں ہوا تو کیا اس وقت تک زید و زبیدہ کا تعلق ناجائز رہا اور اس کا ذمہ دار کون ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: (۱و۲) صورت مسئولہ میں زید نے جو زبیدہ کا خط پڑھ کر یہ لفظ کہا کہ "میں نے تجھ کو آزاد کیا" اس سے طلاق نہیں پڑی کیونکہ اضافت موجود نہیں خطاب بوقت حضور مخاطب اضافت ہے وقت غیبت میں اضافت نہیں قال فی الخلاصة ان الکتابة من الغائب کالخطاب من الحاضر (ص ۲۹۱ ج ۲) قلت فیہ دلالة علی ان الخطاب من الغائب لیس بشیٔ۔

البتہ اس کے بعد جو بدگمانی کی وجہ سے زید نے زبیدہ کو لکھا کہ میرا تجھ سے تعلق نہیں رہا میں نے تجھ کو آزاد کر دیا" اس سے زبیدہ پر طلاق بائن پڑ گئی دوبارہ نکاح کر کے تعلقِ زوجیت قائم ہو سکتا ہے بدون نکاح کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔

(۳) اس عالم نے صحیح نہیں کہا ناکح شاہد ہو سکتا ہے۔ قال فی الدر امر الأب رجلاً ان یزوج صغیرته فزوجها عند رجلٍ او امرأتین والحال ان الاب حاضر صح لانہ یجعل عاقداً حکماً والا لا ولو زوّج بنته البالغة العاقلة بمحضر شاهد واحد جاز ان کانت ابنته حاضرة لانها تجعل عاقدة و الا لا والاصل ان الآمر متی حضر جعل مباشراً اھ (ص ۴۴۹ ج ۲) قلت وفیہ ایضاً ان الواحد یتولی طرفی العقد اذا لم یکن فضولیاً من الطرفین وفی الصورة المسئولة وکلت زبیدة زیداً للتزویج نفسها منه فصار اصیلاً ووکیلاً فیجوز العقد بعقد العالم عند شاهد واحد و زید حاضر

واللہ اعلم۔　　۲۴ / ذی الحجة سنہ ۴۶ھ

دو طلاق صریح دینے کے بعد شوہر نے کہا "فضل کی لڑکی کو طلاق بائن دیا"، تو قول ثانی اول کا بیان سمجھا جائیگا یا مستقل طلاق ہو کر حرمت مغلظہ ہوگئی

سوال، کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بی بی کے ساتھ جھگڑا کر کے کہا ایک طلاق دو طلاق فضل کی لڑکی کو طلاق بائن دیا اب اس کی بی بی پر کتنی طلاق واقع ہوں گی؟ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مذکورہ میں اُس کی بی بی پر دو طلاق بائن واقع ہوں گی کیونکہ مطلق کا بیان خبر بیان ہے اول قول کا یعنی پہلی دو طلاق، طلاق بائن ہیں کما فی الھدایۃ المجلد الثانی صفحہ ۳۴۹ فاذا وصف الطلاق بضرب من الزیادۃ والشدۃ کان بائناً مثل ان یقول انت طالق بائن او البتۃ فیکون ھذا الوصف لتعیین احد المحتملین الی الرجعی والبائن۔ پس معلوم ہوا کہ صورت مذکورہ میں اس کی بی بی پر دو طلاق بائن واقع ہوں گی، فقط واللہ اعلم۔

کتبہ احقر محمود اللہ عفی عنہ

الکلام علی الجواب المذکور

یہ جواب غلط ہے اور صورت مسئولہ میں شخص مذکور کی بیوی پر تین طلاق واقع ہوگئیں۔ اور عبارت ہدایہ کا مطلب صرف اتنا ہے کہ جب طلاق کے ساتھ کوئی وصف مفید معنی زیادت وشدت ملحق ہوگا تو طلاق بائن ہو جائے گی اس کا مقتضا یہ ہے کہ شخص مذکور نے جو تیسری بار کہا فضل کی لڑکی کو طلاق بائن دیا تو وصف بائن سے یہ طلاق بائن ہوگئی۔ رہا یہ کہ اس وصف کے بڑھانے سے لفظ طلاق بائن دیا موجب وقوع طلاق نہ ہوگا بلکہ پہلے کلام کا بیان ہوگا عبارت ہدایہ اس پر دال نہیں والدلیل علی وقوع الثالث بقولہ طلاق بائن دیا مافی رد المحتار تحت قول الدر لا یلحق البائن البائن اذا امکن جعلہ اخبارا عن الاول کانت بائن ابنتک بتطلیقۃ فلا یقع لانہ اخبار فلا ضرورۃ فی جعلہ انشاء اھ ما نصہ اشار بہ الی انہ لا یشترط اتحاد اللفظین فشمل ما اذا کان الاول بلفظ الکنایۃ البائنۃ او الخلع او الطلاق الصریح اذا کان علی مال او موصوفا بما ینبئ عن البینونۃ کما علم مما قدمناہ بعد کون الثانی بلفظ الکنایۃ البائنۃ کالخلع ونحوہ مما یتوقف علی النیۃ ولو باعتبار الاصل کانت حرام

طلاق بالکتابت کی ایک صورت

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی شادی بچپن میں ہوئی۔ مگر زید نے بالغ ہونے کے کچھ مدت بعد عمرو سے کہا کہ ایک طلاق نامہ لکھدو تو عمرو نے پوچھا کہ کیا تم اپنی بی بی کو طلاق دو گے؟ تو زید نے کہا ہاں تو عمرو نے تین طلاق لکھکر زید کو دیدیا اور زید نے اسے بکر کو دیا کہ اس کو پڑھکر سنا دو زید نے سننے کے بعد طلاق نامہ پر دستخط نہیں کیا اور طلاق نامہ لیکر رکھ لیا۔ کچھ روز کے بعد زید نے اس کو پھاڑ ڈالا۔ اس کے بعد زید کے گھر والوں کو خیال ہوا کہ اس کی بی بی کو بلایا جائے تو زید نے کہا کہ میں

نے ایک طلاق نامہ لکھوایا تھا مگر اس پر دستخط نہیں کیا تھا۔ اگر طلاق واقع ہوگئی ہو تو نہ بلایا جائے اور اگر نہ واقع ہوئی ہو تو بلایا جائے اور پنچایت میں لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیوں لکھوایا تھا تمہاری کیا نیت تھی تو زید نے جواب دیا کہ چھوڑنے کی نیت تھی آیا اسی صورت میں طلاق ہوگی یا نہیں؟

الجواب:- اگر واقعہ صرف اتنا ہی ہے جتنا سوال میں درج ہے کہ عمرو نے خود طلاق نامہ لکھ دیا زید نے مضمون نہیں بتلایا تو زید کی بیوی پر طلاق نہیں پڑی اور اگر زید نے مضمون طلاق نامہ اپنی زبان سے عمرو کو بتلایا کہ اس مضمون کا طلاق نامہ لکھ دو تو اس مضمون کو بیان کرکے سوال دوبارہ کیا جائے۔

قال فی رد المحتار وکذا کل کتاب لم یکتبہ بخطہ ولم یملہ بنفسہ لا یقع الطلاق مالم یقر انہ کتابہ ۱ھ (ص ۴۷۰ ج ۲) واللہ اعلم۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ - از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ ۲۰ محرم ۱۳۴۹ھ

فصل فی تفویض الطلاق

تفویض طلاق کی ایک صورت اور اس کا حکم

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ ایک شخص مسمی اسمٰعیل نے اس کے بڑے بھائی مسمی آدم کو کہا کہ یہ عورت مسمی خدیجہ کی طلاق دینا یا نہ دینا ہر حال میں تجھے اختیار ہے تو چاہے میری طرف سے طلاق دے یا نہ دے تو جیسا بھی کریں اسپر راضی ہوں اور تجھے طلاق دینے میں میری رضا ہے۔ اب ایک شخص مسمی آدم کو ایک شخص مسمی ابراہیم اور دوسرا شخص مسمی حسن نے پوچھا کہ تیرے بھائی کی عورت مسمی خدیجہ کو طلاق کے بارہ میں تو کیا کہتا ہے تو آدم نے جواب دیا کہ ہمارے بھائی کی عورت مسمی خدیجہ کو طلاق دی چھوڑ دی ہے اب گھڑی گھڑی طلاق دینے کی ضرورت نہیں اس کو تو طلاق ہی ہے طلاق ہے کیا آدم کے یہ کہنے سے دو آدمی کے سامنے طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ وہ مع حوالہ کتب جواب دیجئے۔ بینوا توجروا۔

تنقیح:- (۱) مسمی آدم نے یہ الفاظ اسی مجلس میں کہے ہیں جسمیں اسمٰعیل نے اسکو اپنی بیوی کی طلاق کا اختیار دیا تھا یا دوسری مجلس میں کہے ہیں؟ (۲) اگر اسی مجلس میں کہے ہیں تو ان الفاظ سے پہلے اور اسمٰعیل کے کلام کے بعد درمیان میں آدم نے کوئی کام یا کلام اجنبی کیا ہے یا نہیں؟ ان دونوں سوالوں کے جواب کے بعد حکم شرعی بتلایا جائے گا۔ ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۴۹ھ

جواب تنقیح :- (۱) مسمی اسمٰعیل نے آدم کو یہ اختیار پہلے دو چار روز پہلے بھی دیا تھا اور جس روز کہ یہ الفاظ کہے اس روز بھی چار گواہوں کے روبرو اسمٰعیل نے آدم کو تاکیداً یہ کہا کہ میری عورت مسمی خدیجہ کی طلاق چاہے اس مجلس میں دے ہر جگہ ہر مجلس میں تجھے اختیار ہے اور میری رضا ہے

۲ - جب اسمٰعیل نے یہ کلام کہا فوراً آدم اسمٰعیل کے مکان سے جس جگہ یعنی مسجد کے سامنے جماعت مومنین جمع ہو رہی تھی آیا اور مذکورہ حروف مذکورہ گواہاں کے روبرو کہدے یعنی کہکر اور پھر خود کسی کام کے واسطے چلا گیا درمیان میں کوئی اجنبی بات آدم یا اسمٰعیل نے نہیں کی اور اسی وقت کا ذکر ہے مذکورہ حرف مذکورہ گواہ کے علاوہ بھی دیگر کئی شخص نے سنے ہیں فقط -

الجواب :-

صورت مذکورہ میں جب اسمٰعیل نے آدم سے یہ الفاظ کہے کہ (میری عورت مسمی خدیجہ کو طلاق دینے کا تجھے اختیار ہے) اگر اسماعیل کی نیت تین طلاق کا اختیار دینے کی نہ تھی تو آدم کے ان الفاظ مذکورہ سے خدیجہ پر صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوئی ہے ایک سے زیادہ واقع نہیں ہوئی - عدت کے اندر اسمٰعیل اپنی بیوی سے رجعت کر سکتا ہے اور اگر اسمٰعیل کی نیت تین طلاق کا اختیار دینے کی تھی تو آدم کے انہی الفاظ سے خدیجہ پر تین طلاق واقع ہو گئیں کیونکہ اس نے تین مرتبہ طلاق کا لفظ استعمال کیا ہے اس صورت میں خدیجہ بدون حلالہ کے اسمٰعیل کے واسطے حلال نہیں ہو سکتی اور اگر اسمٰعیل کی کچھ نیت نہ تھی تب بھی ایک طلاق رجعی ہوئی -

قال فی العالمگیریۃ: اذا قال لھا طلقی نفسک سواء قال لھا ان شئت اولا فلھا ان تطلق نفسھا فی ذلک المجلس خاصۃ ولیس لہ ان یعزلھا قال الرجل طلق امرأتی وقرنہ بالمشیئۃ فھو کذلک اھ وفیہ اذ قال لھا طلقی متی شئت فلھا ان تطلق متی شاءت فی المجلس وبعدہ اھ قلت وفی الصورۃ مسئولۃ فوض الطلاق الیہ بلفظ العموم فھی نظیر الثانیۃ

تفویض طلاق میں مجلس علم میں طلاق واقع کرنا شرط ہے

سوال - کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ مسمی عبدل ولد پیر خان جو کہ مسماۃ چنیاں کمہارن غیر مسلمہ کے ساتھ تعلق ناجائز رکھتا تھا (جب مسماۃ حوراں بنت نبی بخش سے شادی کرنے گیا تو نبی بخش نے ناجائز تعلق کے سبب سے عبدل سے ایک اسٹامپ تحریر کرایا کہ اگر دوبارہ میں ایسا کام کروں گا تو نبی بخش کو اور میری عورت کو اختیار ہے جیسا کہ نمبر ۵ میں تحریر ہے کہ میں اپنے نکاح سے لادعوی ہوں - اب عبدل نے اس چنیاں کمارن کو دوبارہ

اپنے گھر لایا ہے اور ناجائز تعلق قائم کیا اور حوراں اپنے والد کے گھر چلی آئی ہے اور کہتی ہے کہ مجھکو اختیار دیا تھا اس لئے میں نکاح سے خروج کو اختیار کرتی ہوں - آیا یہ حوراں عبدل کے نکاح سے خارج ہوئی یا نہ؟ اور نمبر ۴ کا بھی عبدل مرتکب ہوا ہے - بینوا توجروا

المستفتی بلیغ احمد ولد کادل ملک گجرات
ضلع پنچ محال قصبہ دوحد

نقل اسٹامپ شامل استفتاء ہے ملاحظہ ہو -

اقرار نامہ

لکھنے والا میں بنام عبدل ولد پیر خان ساکن دھار محلہ چھتری پورہ ، لکھدیتا ہوں ایسا کہ نبی بخش ولد بخشا سلاوٹ ساکن دھار محلہ کھاری باوڑی ان کی لڑکی مسماۃ حوراں سے میری شادی ہونا قرار پایا ہے اس کی نسبت چند کلمہ حسب ذیل بطور سند کے لکھدیتا ہوں -

(۱) ــــــ اوّل : لڑکی نبی بخش صاحب مسماۃ حوراں کی بھر منگنی دیگر جگہ ہو گئی اس کی نسبت جو جھگڑا جا پنچ یا عدالت سے بھر جاوے گا وہ دینا مجھکو منظور ہے -

(۲) ــــــ دوسری : میں لڑکی کو شہر دھار میں سے کہیں لیجانے کا مجاز نہیں روزگار وغیرہ کے لئے دیگر جگہ میں خود جاؤں گا -

(۳) ــــــ لڑکی کو کسی طرح کی تکلیف وغیرہ پہونچانے کا مجھے اختیار نہیں - اقرار مہر حوراں جب چاہے لے سکتی ہے -

(۴) ــــــ لڑکی کو کسی طرح کی تکلیف ہوگی تو میرے سسر نبی بخش کو اختیار ہے فوراً وہ میرے بغیر اجازت میرے مکان سے لے جانے کا اختیار ہے -

(۵) ــــــ میرا برتاؤ برخلاف اگر ظہور میں آوے گا تو میرے سسر صاحب کو مجاز ہے کہ میں اپنے نکاح سے گویا لادعوی ہو گیا - اسی قدر مجاز مسماۃ حوراں بنت نبی بخش کو بھی ہے وہ اپنے اقرار نکاح سے دور ہو سکتی ہے -

الجواب ـــــــــــــــ

صورت مسئولہ میں مسمی نبی بخش کو تو طلاق واقع کرنے کا اختیار نہیں ہے کیونکہ عبدل کے یہ الفاظ کہ میرے سسر صاحب کو مجاز ہے کہ میں اپنے نکاح سے گویا لادعوی ہو گیا - تفویض طلاق کے الفاظ نہیں البتہ عبدل کے یہ الفاظ (اسی قدر مجاز مسماۃ حوراں بنت نبی بخش کو بھی ہے وہ اپنے اقرار نکاح سے دور ہو سکتی ہے) تفویض طلاق کے الفاظ ہیں جو کہ برتاؤ برخلاف ظہور میں

آنے پر معلق ہے پس اگر مسمی عبدل کا برتاؤ اس کے وعدہ کے برخلاف ظہور میں آیا ہے تو مسماۃ حوراں کو اپنے نفس پر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہے مگر شرط یہ ہے کہ جس مجلس میں مخالفت کا علم ہوا ہے اسی مجلس میں فوراً اپنے کو طلاق دے اگر اس مجلس سے اٹھ جانے کے بعد طلاق اختیار کرنا چاہے تو وقوع طلاق نہ ہوگا جیسا کہ آگے آتا ہے۔ صورت سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ مسماۃ حوراں نے یہ الفاظ کہ میں نکاح سے خروج کو اختیار کرتی ہوں اپنے باپ کے گھر جاکر کہے مجلس علم مخالفت میں نہیں۔ اس لئے صورت مسئولہ میں اسپر طلاق واقع نہیں ہوئی اور اب اختیار اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ واللہ اعلم

فی مجمع النوازل لو قال للصکاک اکتب لہا خط الامر علی انی متی سافرت بغیر اذنہا فہی تطلق نفسہا واحدۃ کلما شاءت یصیر الامر بیدہا فی تطلیقۃ واحدۃ اھ ملخصا۔ عالمگیریہ ج ۲ ص۸۰ وفیہ (ص۸۲ ج ۲) سئل جدی عمن جعل امر امرأتہ بیدہا اگر قمار کند ثم قامر فطلقت المرأۃ نفسہا ثم ادعی الزوج انک قد علمت منذ ثلثۃ ایام ولم تطلقی فی مجلس علمک و قالت المرأۃ لا بل علمت الآن فطلقت نفسی علی الفور لمن یکون؟ اجاب: ان القول للمرأۃ کذا فی الفصول العمادیۃ اھ قلت والمسئلہ نظیر الصورۃ الثانیۃ فی کون التفویض موقوفا علی المجلس، واللہ اعلم۔

تفویض طلاق کے اندر مجلس علم میں طلاق واقع کرنا شرط ہے

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنا نکاح ہندہ کے ساتھ کیا۔ جس کو عرصہ پانچ سال اور کچھ ماہ کا گزر گیا نکاح کے تین سال اور کچھ ماہ بعد بوجہ باہمی نااتفاقی کے ہندہ کو ایک اقرار نامہ بطور اطمینان کے بابت دینے نان ونفقہ اور نہ کرنے مار پیٹ و برتاؤ بے رحمانہ و ظالمانہ کے اپنے ہاتھ سے تحریر کرکے دیدیا اور ہندہ کو اپنے گھر لے گیا بعد کو قریب ایک ماہ کے بعد ہندہ کو مار پیٹ کر اور اس کی چیز وغیرہ اتار کر اس کے والدین کے گھر بھیجدیا کہ جس کو عرصہ دو سال اور کچھ ماہ کا گذر گیا تاہنوز نان نفقہ کچھ نہیں دیا حالانکہ اپنے تحریری اقرار نامہ میں یہ تحریر کرچکا ہے کہ اگر کسی وجہ سے زوجہ منمقر سے نااتفاقی ہوجاوے اور عرصہ تین ماہ تک مبلغ دس روپیہ ماہوار کے اس کو نہ بھیجوں تو بموجب شرع محمدی کے اپنی زوجہ منکوحہ کو طلاق تفویض کردوں کہ وہ قید نکاح سے اختیار آزادی کا رکھتی ہے اب سوال یہ ہے کہ بموجب تحریر زید کے اگر ہندہ پر خلع واجب ہوگئی ہو تو فتویٰ دیجئے خداوند کریم اجر خیر دے

مقام شہر میرٹھ محلہ مہابیر پورہ۔ منشی حبیب الرحمٰن

الجواب :- قال فی العالمگیریة وقد وردت الفتوی عمن قال لامرأته
اگر بعد از ده روز پنج دینار نہ بتو نرسانم فامرک بیدک لتطلقی نفسک متی شئت ده روز گذشت وان زر نرسانید
هل لها ان تطلق نفسها قلت نعم اه (ص۴۲ ج۲)
وفیها ایضا التفویض المعلق بشرط اما ان یکون مطلقا عن الوقت واما ان
یکون موقتا فان کان مطلقا بان قال اذا قدم فلان فامرک بیدک فقدم فلان فالامر
بیدها اذا علمت فی مجلسها الذی قدم فیه الی ان قال ولو قال اذا
مضی هذا الشهر فامرها بیده فلان ثم مضی الشهر فامرها بیده فی مجلس
علمه وان علم بعد شهرین لان التفویض معلق بمضی الشهر والمعلق بالشرط
یصیر مرسلا عند وجود الشرط ولو ارسل التفویض بعد مضی الشهر
یقتصر علی مجلس علمه فکذا هذا اه (ص۸۳ ج۲) صورت مسئولہ میں جب تفویض کے
بعد تین مہینہ بدون نفقہ گزر جانے پر عورت نے اپنے کو طلاق نہیں دی حتی کہ دو سال گزر گئے تو اب ہندہ
اپنے اوپر خود طلاق واقع نہیں کر سکتی اس کو چاہیئے تھا کہ جب سے شوہر نے نفقہ بند کیا تھا اسی وقت
سے دن شمار کرنا شروع کرتی اور اس وقت سے جب تین ماہ پورے ہوجاتے تو اسی ساعت اور
اسی مجلس میں اپنے آپ کو طلاق دیدیتی مگر ہندہ نے ایسا نہیں کیا اس نے تین ماہ بدون نفقہ کے
گزرنے کے بعد اپنے کو طلاق نہیں دی تو اب تفویض ختم ہوچکی وہ اپنے کو خود طلاق نہیں دے سکتی۔
(البتہ اگر زوج نے زبانی یہ بات کہی ہو کہ تین ماہ تک نفقہ نہ دوں تو ہندہ ہر وقت اپنے کو قید نکاح سے
آزاد کر سکتی ہے تو ہندہ اب بھی اپنے کو طلاق دے سکتی ہے ۱۲ واللہ اعلم)

تفویض طلاق کے اندر مجلس علم میں طلاق واقع کرنا شرط ہے

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء
دین و شرع متین اس مسئلہ نکاح میں کہ ایک عورت کا شوہر عرصہ ۸ سال سے پردیس چلا گیا اور اپنی کسی
حالت سے آگاہی نہیں دیتا اور وہاں سے نہ کچھ خرچ دیتا ہے لہٰذا اس عرصہ کے اندر چھ برس نوکری کرتے
ہوئے بڑی مشکل سے گزری اور کسی طرح اپنے دن کاٹے اور اپنی عصمت کو قائم رکھا نیز کسی سبب سے اس
کی ملازمت جاتی رہی پھر وہ ۳ برس بے کار رہ کر بڑی مصیبتیں اٹھاتی رہی جب بہت تنگ ہوئی تو خیالات
کچھ تبدیل ہوتے ہوئے پھر برادریوں سے داد خواہ ہوئی لیکن برادری جواب دینے سے قاصر تھے جب
بہت پیچھے پڑی تو برادریوں نے اس کے بھائی سے کہا کہ تم اس کی پرورش کرو اس کے بھائی نے انکار
کیا اور کہا کہ میری ماں کی بات نہیں ہے اس وقت برادریوں نے اس کے بھائی سے کہا کہ تم ہم سب کی

طرف سے ایک پنچایت نامہ اس کے پاس تحریر کرو کہ جملہ پنچ تم کو بتاکید لکھتے ہیں کہ تم دیکھتے ہی خط کے بہت جلد آؤ یا تم اس کو طلاق دیدو کیونکہ اس کا گزر نہیں ہوتا ہے اس برادریوں کی تحریر پر اس نے یہ جواب تحریر کیا کہ ہم آپ لوگوں سے ۲ ماہ کی مہلت چیت بیساکھ بہر کی اور مانگتا ہوں بیساکھ میں ضرور آجاؤں گا اگر میں اپنے وعدہ پر نہ آؤں تو اس کو اختیار ہے میرا سب برادریوں کو السلام علیکم لہٰذا اس تحریر پر اس کی طلاق ہو سکتی ہے یا نہیں چنانچہ پھر وہ ایک سال تک انتظار کرتی رہی بعد دس سال کے پریشانی اوٹھا کر اپنا نکاح ثانی ایک برادری سے کر لیا۔ اب اس کے بھائی وغیرہ اس کے خلاف ہو کر یہ کہتے ہیں کہ اس نے بلا ہم لوگوں کی مرضی نکاح کیوں کیا اور ہر قسم کی جھوٹی دلیلیں کرتے ہوئے ستر برس عورت کے بیٹھے رہنے کا مسئلہ پیش کرتے ہیں اس لئے تمام لوگوں کو بڑی تشویش اس مسئلہ میں ہو رہی ہے بھلا یہ ایسی صورت میں کس حد تک جائز سمجھا جاوے اور اگر وہ بیٹھی رہے تو کیا کھائے مفقود کی کوئی جائیداد نہیں جس سے گزر ہو اس کے خویش اقرباً اس کے شریک نہیں۔ عورت کے بھائی وغیرہ میں قوت کھلانے کی نہیں جو دو برس بھی نباہ سکے ستر برس تو کیا دس برس میں قلع قمع ہو گیا یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ پچھلا سا زمانہ نہیں ایسی عمریں اور ایسی نیتیں نہیں اس قدر مستقل مزاجی نہیں پھر اس قدر مدت دراز کی قید میں رہ کر کیسے گزر کرے اور کس طرح متحمل ہو سکے یہاں عیسائیوں کی پرفریب گھاتوں میں لانے والی باتیں ادھر ادھر پھیلائی جایا کرتی ہیں جس وقت غافل پاتے ہیں فوراً دام میں پھانس لیتے ہیں ایک واقعہ ابھی ایک عورت کا اسی طرح گزر چکا ہے جو پٹھان لوگوں نے اسے عرصہ تک جھلایا کیا اور اس کو بہت آزادی دیتے ہوئے ایک مدت سے تڑپا رہے تھے پریشانی اٹھاتے اٹھاتے تنگ ہو چکی تھی۔ گھبرا کر پھنس گئی اسی وجہ سے ایک برادری نے جب یہ دیکھا کہ یہ بھی فریب اس کے بہو ہو جانے والی ہے جب دس برس کے بعد جب اس کے شوہر کی تحریر پر جواب پاتے ہوئے نکاح میں لے لیا۔ لہٰذا ان دونوں مسئلوں کا جواب بہت جلد برائے خدا مع ثبوت قرآن و حدیث اور چند علمائے دین کی مہروں کے عنایت فرمایا جاوے۔

غلام محی الدین خان مدرس

ضلع گونڈہ مقام مسکنواں ڈاکخانہ مسکنواں بازار مکتب اسلامیہ متصل مسجد ہیں۔

الجواب:۔ فی العالمگیریۃ التفویض المعلق بشرط اما ان یکون مطلقا عن الوقت واما ان یکون موقتا فان کان مطلقا بان قال اذا قدم فلان فامرک بیدک فقدم فلان فالامر بیدها اذا علمت فی مجلسها الذی قدم فیه

الی ان قال ولو قال اذا مضی هذا الشهر فامرها بیدہ فلان فمضی الشهر فامرها بیدہ فی مجلس علمہ وان علم بعد شهرین لان التفویض معلق بمضی الشهر والمعلق بالشرط یصیر مرسلا عند وجود الشرط ولو ارسل التفویض بعد مضی الشهر یقتصر علی مجلس علمہ فکذا ھذا ۔ اھ (صہ ۸۳ ج ۲)

صورت مسئولہ میں اگر دو مہینے گزرنے کے بعد ہی فوراً اس مجلس میں جسمیں بروقت تمام ہونے مدت کے وہ موجود ہوتی اپنی زبان سے یہ کہدیتی کہ میں اپنے نفس کو اختیار کرتی ہوں تب اس پر طلاق واقع ہوجاتی لیکن جب دو مہینہ کے بعد مدت گزر گئی اور عورت نے اپنے نفس کو اختیار نہیں کیا تو اب وہ اپنے اوپر طلاق واقع نہیں کرسکتی لہٰذا جب تک شوہر طلاق نہ دے اس وقت تک کسی سے اسکا نکاح درست نہیں ہوسکتا پس جو نکاح دوسرا اس عورت نے کیا ہے وہ صحیح نہیں ہوا۔ باقی جتنی باتیں سائل نے لکھی ہیں وہ سب فضول ہیں ساٹھ ستر برس کا انتظار مفقود کی زوجہ کے لئے اور صورت مسئولہ میں جب شوہر کے پاس خطوط پہونچے ہیں اور اس کی جگہ معلوم ہے تو وہ مفقود نہیں ہے اس صورت میں تو اگر شوہر سو برس تک بھی طلاق نہ دے جب بھی یہ عورت کسی سے نکاح نہیں کرسکتی اب صرف ایک صورت ہے وہ یہ کہ برادری کے لوگ شوہر کو مجبور کرکے اس سے جبرا طلاق دلوادیں باقی یہ جو سائل نے لکھا ہے کہ عورت اس طرح کیونکر گزر کرسکتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کسی عورت سے کوئی شخص بھی نکاح نہ کرے تو وہ کیا کرے گی پس یہ عورت بھی وہی کرے جو ایسی عورت کیا کرتی ہے یعنی صبر کرے اور محنت و مزدوری سے اپنا کام چلائے اور اگر وہ معذور ہو تو مسلمانوں کو چاہیئے ایسی عورت کے لئے چندہ کرکے اسکی معیشت کا سامان کردیں تاکہ وہ کفار کے پھندہ میں نہ آجاوے ۔

۲۶ رجب ۱۳۴۱ھ

تفویض طلاق میں مجلس شرط ہے

سوال ۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے بروقت نکاح ایک اقرار نامہ تحریر کیا اور اس اقرار نامہ کی رو سے یہ تسلیم کیا کہ اگر میں عقد ثانی کروں تو میری زوجہ کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنے کو مطلقہ تصور کرے منجملہ دیگر شرائط یہ ایک شرط بھی ہے اب زید نے دو سال کے بعد عقد ثانی اس وجہ سے کیا کہ والدین زوجہ نے زید کی زوجہ کو زید کے ہمراہ جانے سے روکا ۔ اس شرط متذکرہ بالا کی بنا پر زید کی زوجہ خود کو مطلقہ تصور کرکے عقد کرتی ہے ایسی صورت میں یہ عقد جائز ہوگا ؟ اور زوجہ زید مطلقہ تصور کی جاسکتی ہے ؟

الجواب :۔ قال فی العالمگیریۃ والخیار اذا کان موقتا یبطل بمضی الوقت

سواء علمت او لم تعلم بخلاف ما اذا كان غير موقت كذا في السراج الوهاج (ا ص ۸۲ ج ۲) وفيه ايضاً التفويض المعلق بشرط اما ان يكون مطلقا عن الوقت واما ان يكون موقتا فان كان مطلقا بان قال اذا قدم فلان فامرك بيدك فقدم فلان فالامر بيدها اذا علمت في مجلسها الذي قدم فيه الخ (ص ۸۲ ج ۲)

صورت مسئولہ میں اگر زوجۂ اولی زید نے عقد ثانی کی خبر سنتے ہی اسی مجلس میں یہ کہدیا تھا کہ میں طلاق کو اختیار کرتی ہوں تب تو وہ مطلقہ ہوسکتی ہے اور اگر خبر سننے کے بعد فوراً اسی مجلس میں ایسا نہیں کہا تو اب کچھ نہیں ہوسکتا۔ اختیار اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ ۲ر شوال ۱۳۸۱ھ

تفویض طلاق کی ایک صورت

سوال :- گزارش یہ ہے کہ دو قلم از روئے بندہ نوازی تحریر فرماکے اس مسئلہ کے جواب سے مطلع فرمادیں صورت مسئلہ بعینہٖ یہ ہے کہ زید نے اپنے بھائی عمرو کے پاس ایک خط لکھا تھا کہ میں پردیس یعنی دوسرا ملک میں ہوں میری بیوی کا حق مجھ سے ادا نہیں ہوتا ہے اس لئے میری طلاق دینے کی جو طاقت اور قوت ہے وہ اس کو سپرد کرتا ہوں اگر وہ چاہے تو دوسر جگہ نکاح بیٹھ سکتی ہے فقط اور کچھ تفصیل نہ کی۔

۱ - عمرو نے اس خط کو اپنے پاس رکھا اور کچھ ظاہر نہیں کیا اس وقت منکوحہ مطلقہ ہوگی یا نہیں۔

۲ - پھر اگر منکوحہ نے اس خبر کو سن کر طلاق اختیار کرے تو کتنے واقع ہوگا - فقط والسلام

احقر محمد بدیع الزماں نواکھالی

جواب :- صورت مسئولہ میں یہ صیغہ تفویض طلاق کا ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ جس وقت عورت کو تفویض کا علم ہوا اسی وقت مجلس علم میں ہی طلاق لے لیگی تو طلاق پڑجاوے گی اور اگر اس کو تفویض کا علم ہی نہ ہو یا علم ہو اور وہ طلاق نہ لے تو وقوع طلاق نہ ہوگا ایسے ہی اگر مجلس علم کے بعد طلاق لے تب بھی وقوع نہ ہوگا یا مجلس علم میں سنتے ہی کسی اور بات میں لگ جائے جس کو تفویض سے کچھ علاقہ نہیں پھر اس بات کے بعد میں طلاق لے تب بھی کچھ نہ ہوگا۔

قال في الدر فلها ان تطلق في مجلس علمها به مشافهة او اخبارا و ان طال يوما او اكثر مالم تقم لتبدل مجلسها حقيقة او حكما بان تعمل ما يقطعه مما يدل على الاعراض اھ (ص ۸۱ مع الشامی)

۲ - صورت مسئولہ میں عورت بعد علم کے اگر تین طلاق لینا چاہے تو لے سکتی ہے کیونکہ شوہر کے الفاظ یہ ہیں کہ " میرے طلاق دینے کی جو طاقت اور قوت ہے وہ اس کو سپرد کرتا ہوں " اس سے

بظاہر تین طلاق تک کی تفویض مفہوم ہوتی ہے اور اگر شوہر کی نیت ان الفاظ سے تین طلاق سپرد کرنے کی نہ تھی بلکہ ایک ہی طلاق سپرد کرنے کی نیت تھی تو عورت صرف ایک لے سکتی ہے۔ واللہ اعلم

احقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۴۳ھ

ایک شخص نے باپ کو اپنی بیوی کی طلاق کا حق سپرد کیا باپ نے اس کے سسر کو اس کا اختیار دے دیا تو کیا سسر اس کی بیوی پر طلاق واقع کر سکتا ہے

سوال ۔ مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی کو طلاق دینے کا حق اپنے باپ کو سپرد کیا تھا کتنے روز کے بعد اس کے باپ نے وہ طلاق دینے کا حق اس شخص کے سسر کو سپرد کیا ہے۔ اس شخص کے سسر نے طلاق دیکر اپنی بیٹی کو عدت کے بعد دوسرے سے نکاح دے سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ بحوالہ کتاب معتبرہ زیادہ، فقط والسلام

عاصی محمد لسین خان موضع الکدیہ پوسٹ بوگیا ضلع جسر

الجواب :- طلاق میں وکیل کو اختیار نہیں کہ دوسرے شخص کو وکیل بنائے اس لئے سسر کو طلاق دینے کا اختیار نہیں ہے۔

فی الدر الوکیل لا یوکل الا باذن آمرہ وفیہ بعد أسطر (والتفویض الی رائہ) کاعمل برأیک (کالاذن فی التوکیل) الا فی طلاقٍ وعتاقٍ (شامی ص ۶۳۴ ج ۴)

احقر عبد الکریم عفی عنہ

نوٹ :- اگر سسر کے طلاق دینے کے بعد عورت کے شوہر نے یا عورت کے خسر نے بھی کچھ کہا ہو تو اس کو لکھ کر دوبارہ سوال کیا جاوے۔ ۱۲

ظفر احمد عفا اللہ ۵ ذیقعدہ ۴۴ھ

ان الفاظ سے کہ "زوجہ مذکورہ جس وجہ سے چاہے ہر وجہ سے ہم کو تین طلاق دینے کے لئے میری اختیار زوجہ کو سپرد کیا۔ بیوی کو طلاق کا حق مل سکتا ہے یا نہیں

سوال ۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید ہندہ کو شادی کرکے پندرہ روز بعد پردیس چلا گیا۔ قریب تین سال تک پردیس میں رہا۔ نہ خورد پوشش دے رہا نہ خط و خطوط سے خبر گیری کرتا رہا۔ نہ خط لکھنے سے جواب دیتا ہے۔ شادی کے وقت ایک کابین نامہ رجسٹری کر کے دیا تھا اب زوجہ مذکورہ کو بہت تکلیف ہو رہی ہے اس صورت میں اس کابین نامہ کی شرائط کے مطابق وہ زوجہ اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے یا نہیں۔ بر تقدیر اول بلا اطلاع زوج ہو سکتا ہے یا نہیں۔ بر صورت ثانیہ اطلاع کے بعد جواب نہ دینے سے طلاق کر سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

کابین نامہ کی دفعہ نمبر ۵ کا اردو ترجمہ حسب ذیل ارسال خدمت ہے:-

اگر میں چھ مہینے سے زیادہ مدت تک کوئی پردیس میں رہوں یا دیس میں رہ کر بی بی مذکورہ کی خبر گیری نہ کروں یا شرائط بالا میں سے کوئی شرط کا خلاف کروں یا شرط کی کوئی جزو کے خلاف کروں یا پروانہ کروں تو شرط کے خلاف کرنے کے بعد زوجہ مذکورہ جس وجہ سے چاہے ہر وجہ سے ہمکو تین طلاق دینے کے لئے میرے اختیار زوجہ مذکورہ کو سپرد کیا اس سپرد کردہ اختیار کی قوت سے جو کوئی وجہ سے طلاق دے تو میں کوئی عدالت میں زوجیت کا دعوی نہیں کر سکوں گا اور نہیں کروں گا اس بنا پر کابین نامہ لکھدیا۔

تنقیح بر سوال

یہ کابین نامہ نکاح کے قبل لکھا گیا ہے یا نکاح کے بعد؟

جواب **تنقیح**:۔ کابین نامہ نکاح کے بعد لکھا گیا ہے۔

الجواب:۔ اس کابین نامہ میں جو الفاظ طلاق ہیں وہ لغو ہیں اس واسطے اس کابین نامہ کی بنا پر عورت کو طلاق کا کوئی حق نہیں ہے فی الدر المختار انا منک طالق او بری لیس بشئ و نوی به الطلاق وفی رد المختار لان محلیۃ الطلاق قائمۃ بها لا به فالاضافۃ الیه الی غیر محله فیلغو ھو، واللہ اعلم۔

تنبیہ:۔ ہمارے ملک میں اس جملہ مذکورہ فی السوال کے یہی معنی ہیں جو موجب طلاق نہیں یعنی ہم کو طلاق دینا ترجمہ ہے۔ تطلیقھا ایای کا۔ اگر بنگالہ میں جو فقرہ استعمال کیا ہے اس کا یہی مطلب ہے تو یہ کابین نامہ بیکار ہے جیسا کہ جواب میں لکھا گیا اور اگر ہم کو طلاق دینا بنگالہ میں ترجمہ ہوتا۔ تطلیقی ایاھا کا تو پھر کابین نامہ معتبر ہوگا اور عورت کو صورت مسئولہ بالا میں طلاق واقع کر لینے کا اختیار ہوگا اور خاوند کو اطلاع دینا وقوع طلاق کی شرط نہیں ہے۔

ولا یرد ان التفویض المعلق بحرف ان یقتصر علی مجلس وجود الشرط کما ھو المصرح به فی کتب الفقه وفی الواقعۃ المسئولۃ عنها تعلیق بحرف ان لان فی ھذہ الواقعۃ علق التفویض بلفظه "مذکورہ شرط کے خلاف کرنے کے بعد الخ" وحکمه مافی العالمگیریۃ (ص۸۳ ج۲) من انه قال لها ان لم اوصل الیک خمسۃ دنانیر بعد عشرۃ ایام فامرک بیدک فی طلاق حتی شئت فمضی الایام ولم یرسل الیها النفقۃ ان کان الزوج ارادبه الفور لها الایقاع وان لم یرد الفور لا تملک الایقاع حتی یموت احدهما کذا فی الوجیز للکردری اھ۔ والظاهر المتبادر ان الزوج فی ھذہ الواقعۃ

المسؤلة عنها لم يرد الفور فالمرأة بالخيار من حين وجود الشرط الى الموت ولا يقتصر خيارها على مجلس وجود الشرط فقط والسلام۔

عبدالکریم عفی عنہ از تھانہ بھون مورخہ ۵۱ھ

تفویض طلاق بالتعلیق بلفظ، اگر میں عورت کو وقوع طلاق کا اختیار مجلس وقوع شرط و مجلس علم بالوقوع تک خاص ہوتا ہے

سوال۔ ماقولکم ایھا العلماء العظام رحمکم اللہ تعالیٰ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسمی صفی اللہ نے اپنی بی بی مسمات آسیہ خاتون کے کابین نامہ میں چند شرطوں کو اقرار کر کے دستخط کیا اور محکمہ سرکار میں رجسٹری کرایا منجملہ شرطوں میں سے چوتھی شرط یہ ہے کہ اگر مرے رشتہ دار کے ساتھ آپ کی مخالفت ہو یا مرے گھر کی آب وہوا موافق نہ ہو۔ آپ اپنی سکونت کے لئے جہاں چاہیں وہیں پردہ پوشی کر کے مسلمان شریف عورتوں کی طرح خود روپوش رہیئے اوقات بسر کرتے رہیں گے۔ اپنی طبیعت خواہ مقام سے دوسرے مقام نہیں لے جاسکیں گے" اور شرط آخیر یہ ہے کہ "اگر مرقومہ بالا شرطوں میں سے کسی شرط کو یا کسی شرط کے کوئی جزو کو خلاف کروں تب آپ کو مرے تین طلاق دینے کی اختیار ہے وہ آپ کو آج ہی سے سپرد کرتا ہوں۔ آپ اختیار مفوضہ کی رو سے خود مختار ہو کے نفس نفیسہ کو ایک دو تین طلاق دے کے مرے زوجیت کے دعویٰ سے رہائی پاکے دوسرا شوہر قبول کر سکتی ہیں"۔ اب صفی اللہ مذکور نے بعض شرائط کابین نامہ کے مخالفت کی ہے خصوصاً شرط مرقوم الصدر کو۔ لہٰذا آسیہ خاتون مذکور نے شرط اخیر کے مطابق اپنے نفس پر ایک دو تین طلاق واقع کر کے دوسرا شوہر قبول کر سکتی ہے یا نہیں آپ اس کا جواب بالتفصیل کتب فقہ سے دلویں اور خدا کے بزرگ سے نعمت دارین حاصل کریں۔

الجواب:۔ اگر اس اقرار نامہ پر صفی اللہ نے نکاح ہونے کے بعد دستخط کئے ہیں تو یہ اقرار نامہ صحیح ہے اور اس کے بموجب جب کسی شرط کا خلاف ہوا ہو اور اسی وقت منکوحہ نے اپنے اوپر طلاق واقع کی ہو تو طلاق ہو جائے گی ورنہ نہیں۔

اور اگر دستخط بعد نکاح نہیں بلکہ نکاح سے پہلے ہوئے ہیں تو یہ اقرار نامہ لغو ہے۔

محمد کفایت اللہ غفر لہ، مدرسہ امینیہ دہلی۔

الجواب صحیح
محمد مظہر اللہ غفر لہ، امام مسجد فتحپوری دہلی

الجواب صحیح
عبدالحمید عفا اللہ عنہ مدرس مدرسہ فتحپوری دہلی۔

الجواب صحیح
خادم العلماء سلطان محمود، مدرسہ فتحپوری دہلی

الجواب صحیح
بندہ ضیاء الحق عفی عنہ مدرس امینیہ دہلی

الجواب صحیح
محمد شفیع عفی عنہ مدرس مولوی عبد الرب صاحب مرحوم دہلی

الجواب صحیح
محبوب الٰہی غفر لہ مدرسہ مولوی عبد الرب صاحب دہلی

الجواب صواب
ضیاء احمد عفی عنہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور
۲۰ر شوال ۴۸ھ

الجواب صحیح
عبد اللطیف عفا اللہ عنہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور
۲۳ر شوال ۴۸ھ

قد صح الجواب بغیر ارتیاب
ریاض الدین عفی عنہ، مفتی دار العلوم دیوبند
۱۴ر شوال ۴۸ھ

بندہ حسن عفا اللہ عنہ
مدرس دار العلوم دیوبند
۱۰ر شوال ۱۳۴۸ھ

الجواب ہو الجواب
محمد اعزاز علی غفر لہ مدرس دار العلوم دیوبند
۱۴ر شوال ۱۳۴۸ھ

مہر مدرسہ دار العلوم دیوبند

للہ در المجیب المصیب حیث اجاد واصاب فیما اجاب انہ ہو الحق لاریب فیہ ولا مریۃ ولا ارتیاب فیہ ولا فریۃ وماذا بعد الحق الا الضلال۔ کتبہ بقلمہ وقالہ بفمہ احقر العبد محمد نور اللہ النوا کھالوی غفر لہ ربہ دار العلوم دیوبند
جامعہ قاسمیہ ۲۷ر رجب ۴۸ھ

الجواب من جامع امداد الاحکام بتھانہ بھون

صورت مسئولہ میں تفویض طلاق بالتعلیق ہے اور تعلیق لفظ "اگر" سے ہے اور تفویض معلق کا حکم یہ ہے کہ جس وقت شرط کا وقوع ہو اور عورت کے سامنے وقوع ہو تو عورت کو ایقاع طلاق کا اختیار مجلس وقوع تک ہے۔ بعد انقضائے مجلس اس کو اختیار نہ رہے گا اور عورت کے سامنے وقوع شرط نہ ہو تو جس مجلس میں اُس کو وقوع شرط کا علم ہوا ہے۔ اسی مجلس تک عورت کو ایقاع طلاق کا اختیار رہے اس کے بعد نہیں۔ پھر لفظ اگر سے تعلیق ہو تو ایک بار وقوع شرط سے تعلیق باطل ہو جاتی ہے اس کے بعد وقوع شرط سے حکم تعلیق ثابت نہ ہوگا۔

قال فی العالمگیریۃ التفویض المعلق بشرط اما ان یکون مطلقا عن الوقت واما ان یکون موقتا فان کان مطلقا بان قال اذا قدم فلان فقدم فلان فالامر بیدھا اذا علمت فی مجلسھا الذی قدم فیہ وان کان موقتا بان قال اذا قدم فلان فامرک بیدک یوما او قال الیوم الذی یقدم فیہ فالامر بیدھا فی

ذلک الوقت کلہ اذا علمت بالقدوم و لا یبطل بالقیام عن المجلس الخ ملخصا (ص ۸۲ ج ۲) وفیہ ایضا الفاظ الشرط ان واذا واذا ما وکل وکلما و متی و متی ما ففی ہذہ الالفاظ اذا وجد الشرط انحلت الیمین و انتہت لانہا لا تقتضی العموم والتکرار فبوجود الفعل مرۃ تم الشرط و انحلت الیمین فلا یتحقق الحنث بعدہ الا فی کلما لانہا توجب عموم الافعال الی ان قال والالفاظ التی للشرط بالفارسیۃ اگر و ہمی و ہمیشہ و ہر گاہ و ہر زمان و ہر بار فالاول بمعنی قولہ ان فلا یحنث الا مرۃ و الثانی بمعنی متی لا یحنث الا مرۃ والثالث کالثانی ومعناہما واحد وفی الرابع والخامس یحنث مرۃ لانہ بمعنی کل وھو الصحیح والسادس بمعنی کلما یحنث کل مرۃ کذا فی محیط السرخسی اھ (ص ۹۴ ج ۲)

اور ظاہر ہے کہ کابین نامہ کی شرط اخیر میں تعلیق لفظ اگر کے ساتھ ہے کوئی لفظ معنی کلما کا مترجم نہیں اور تعلیق مطلق ہے موقت نہیں۔

لہذا عورت کو اس تفویض معلق کی وجہ سے ایقاع طلاق کا اختیار صرف اُس مجلس میں تھا جس میں زوج نے عورت کے سامنے پہلی بار کسی شرط کی مخالفت کی تھی یا جس مجلس میں عورت کو مخالفت کا علم ہوا تھا اگر اس کے سامنے وقوع مخالفت ہوئی تھی اس مجلس کے بعد عورت کو ایقاع کا اختیار باقی نہیں رہا اور دوسری بار کسی شرط کی مخالفت سے بھی عورت کو اختیار حاصل نہ ہوگا کیونکہ ایک بار مخالفت شرط سے تعلیق باطل ہو چکی ہے اور عورت نے پہلی بار مخالفت کے وقت مجلس علم مخالفت میں اپنے اوپر طلاق واقع نہیں کی جیسا کہ سوال[۵] سے ظاہر ہے تو اب اس کابین نامہ کی وجہ سے جو اختیار اس کو حاصل تھا وہ باطل ہو چکا خواہ کابین نامہ کی تکمیل نکاح کے بعد ہی ہوئی اور اگر پہلے تکمیل ہو چکی تھی تو اس کا لغو ہونا تو ظاہر ہے۔ واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ از تھانہ بھون ۲۸ شوال ۴۸ھ

نکاح کے بعد عورتوں کو پیش آنے والے مصائب کا سہل علاج **سوال**:- آج کل عورتوں کو نکاح کے بعد جس قدر پریشانیوں کا سامنا ہوتا ہے۔ محتاج بیان نہیں کبھی مرد ظلم کرتا اور بے رحمی سے پیش آتا ہے کبھی بال بچوں سے بیفکر ہو کر پردیس چلا جاتا اور لاپتہ ہو جاتا ہے۔ کبھی نامرد نکلتا ہے۔ بعض دفعہ باکرہ کا نکاح ولی اپنی رائے سے کر دیتا ہے اور بعد نکاح عورت مرد میں توافق نہیں۔ بعض دفعہ مرد مجنون بھی ہو جاتا ہے۔ اگر ہندوستان میں قاضی شرعی کا وجود ہوتا تو ان سب پریشانیوں کا علاج تھا مگر اب جبکہ قاضی

---

[۵] کہ زوج سے مخالفت صادر ہو چکی اور عورت نے ہنوز ایقاع نہیں کیا بلکہ استفتاء کر رہی ہے ۱۲

شرعی موجود نہیں ۔ عورتوں کو سخت مصیبت کا سامنا ہوتا ہے وہ نکاح کو فسخ کرنے کے لئے عدالت میں دعویٰ دائر کریں تو بعض دفعہ حاکم غیر مسلم اس کا فیصلہ کرتا ہے جو شرعاً معتبر نہیں بعض حاکم مسلم فیصلہ کرتا ہے مگر وہ قاعدۂ شرعیہ کی پابندی سے فیصلہ نہیں کرتا اس لئے وہ فیصلہ بھی قابل اطمینان نہیں ہوتا پس علماء سے دریافت کیا جاتا ہے کہ اس صورت کا کوئی سہل علاج ارشاد فرمائیں ۔ تاکہ عورتیں مصیبت کے وقت اس پر عمل کرکے ظلم و معصیت سے نجات پائیں ۔ بینوا توجروا ولکم الاجر الجزیل

الجواب :۔

حیلۃ اخری فی اصل المسئلۃ ان تقول المرأۃ للمحلل زوجت نفسی منک علی ان امری بیدی اطلق نفسی کلما ارید ثم یقبل الزوج فیصیر الامر بیدہا تطلق نفسہا کلما ارادت (عالمگیریۃ ص ۲۶۲ ج ۱)

صورت مسئولہ میں عورتوں کی اس مصیبت کا سہل علاج یہ ہے کہ عورت بوقت نکاح کے (یا اس کا وکیل قاضی نکاح خواں) مرد نا کح سے یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو تیرے نکاح میں (یا قاضی یوں کہے کہ میں نے مسماۃ فلاں بنت فلاں کو تیرے نکاح میں اس شرط پر دیدیا کہ معاملہ کا اختیار مسماۃ فلاں کے ہاتھ میں ہوگا وہ جب اور جس وقت چاہے گی اپنے آپ کو طلاق دے لیگی اس کے جواب میں مرد نا کح یوں کہے گا کہ میں نے قبول کرلیا تو معاملہ عورت کے اختیار میں ہوگا وہ جب اپنے اوپر مصیبت و ظلم دیکھے اپنے آپ کو خود ایک طلاق بائن دیکر شوہر کے نکاح سے نکل جائے گی اور اس صورت کے جواز میں علماء حنفیہ کا اختلاف نہیں ہے بعض لوگوں نے اس کو نکاح معلق میں داخل سمجھکر شبہ کیا ہے مگر درحقیقت یہ نکاح معلق نہیں بلکہ نکاح منجز ہے جو مشروط باختیار معلق ہے ۔ نکاح معلق وہ ہے کہ اس وقت نکاح ہی نہیں جیسے عورت یوں کہے کہ میں نے اپنے کو نکاح میں دیدیا اگر میرا باپ راضی ہو یا مرد یوں کہے میں نے قبول کرلیا ۔ اگر زید راضی ہو اس صورت میں نکاح نہیں ہوتا اور اگر اصل نکاح کو معلق نہ کیا جائے بلکہ اس کے ساتھ کوئی شرط زائد لگائی جائے تو یہ جائز ہے ۔ جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ مجلس عقد میں نکاح اسی وقت ہو رہا ہے مگر اس کے ساتھ ایک شرط ہے جس کو شوہر سے منوایا جاتا ہے ۔ فافہم واللہ تعالیٰ اعلم ۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ از تھانہ بھون ۔ خانقاہ امدادیہ ۲۸ ذیقعدہ ۴۹ھ

فصل فی تعلیق الطلاق

"اگر تو اس گھر میں آئی تو تجھے سات طلاق ہیں"

سوال ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں زید معہ اپنی زوجہ کے ایک مکان میں رہتے تھے اور وہ مکان ان کا ذاتی نہ تھا اور نہ وہ کرایہ دار تھے بلکہ صاحب خانہ کے دیرینہ مراسم کی وجہ سے وہ وہاں فروکش تھے کچھ عرصہ گزرنے پر کسی معاملہ میں زید کی ان مکان والوں سے لڑائی ہوگئی اور زید نے غصہ میں اپنی زوجہ سے یہ الفاظ کہے کہ اگر تو اس گھر میں آئی تو تجھے سات طلاق ہیں۔ یا اگر تو نے اس گھر میں قدم رکھا تو سات طلاق ہیں ۔ یا تجھ کو اس گھر میں سات طلاق ہیں اور اسی وقت سے زید نے معہ اپنی زوجہ کے وہ مکان چھوڑ دیا اور الگ مکان کرایہ پر لے کر رہنے لگے جب سال ڈیڑھ سال کا عرصہ گزر گیا تو زید کی اس پہلے مکان والوں سے جن سے اس کی لڑائی ہوئی تھی اور جس بناء پر علیحدگی اختیار کی گئی تھی مصالحت ہوگئی ۔ تو اب زید یہ چاہتا ہے کہ اپنی زوجہ کو اس مکان میں اپنی مرضی سے بھیجے ۔ تو کیا زید اپنی مرضی سے اپنی زوجہ کو اس مکان میں بھیج سکتا ہے اور طلاق تو نہیں ہوگی ؟

سید رشید احمد ۔ فیض بازار محلہ قاضی واڑہ دہلی ۔

الجواب :۔ صورت مسئولہ میں اگر زید نے اپنی بیوی کو یہ الفاظ " اگر تو نے اس گھر میں قدم رکھا تو سات طلاق ہیں"۔ اس بنا پر کہے ہیں کہ ان گھر والوں سے لڑائی ہوئی تھی تو بعد مصالحت کے یہ طلاق معلق باقی نہ رہے گی اور بیوی کو وہاں بھیجنے سے طلاق نہ ہوگی ۔ مثل السلطان اذا حلف انسانا لیرفعن الیہ خبر کل داعر فی المدینۃ کان علی مدۃ اقامتہ ومثلہ تحلیف رب الدین الغریم ان لا یخرج من البلد الا باذنہ تقید بقیام الدین ۔ شامی ص ۸۴۹ ج ۲ والحاصل ان الیمین تخصص بدلالۃ الحال والعادۃ و العرف صرح بہ فی الشامیۃ ص ۸۵ ج ۲ ۔ وقال فی باب یمین الفور انفرد الامام باظہارھا وکانت الیمین اولا قسمین مویدۃ ای مطلقۃ ومؤقتۃ وھذہ موبدۃ لفظاً مؤقتۃ معنی تتقید بالحال اما بان تکون بناءً علی امر حالی کما مثل اوتقع جوابا لکلام یتعلق بالحال اھ ص ۱۳۰ ج ۳ ۔

باقی بہتر یہ ہے کہ بیوی کو اس گھر میں کبھی نہ بھیجے کیونکہ الفاظ زید کے عام ہیں اور مسئلہ اختلافی ہے اور اختلاف سے بچنا اولیٰ ہے ۔ واللہ اعلم ۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۰ ؍ صفر ۴۰ھ

تعلیق طلاق کی ایک خاص صورت اور اس کا حکم

سوال:- ایک مرد کا ایک عورت سے ناجائز تعلق ہے ایک روز اس مرد نے اس عورت سے کہا کہ اگر میں شادی بھی کسی اور عورت سے کر لوں اسوقت بھی اگر تجھ کو اپنے تصرف میں نہیں رکھوں گا تو میری بیوی طلاق ہو جاوے گی اھ اب وہ اس ناجائز تعلق کو چھوڑ کر اور کسی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو کیا طلاق واقع ہو جاوے گی یا نہیں۔

الجواب:- اگر قائل کا مقصود اس قول سے صرف اس فاحشہ کو راضی کرنا تھا اور منکوحہ آئندہ پر ایقاع طلاق کا قصد نہ تھا تو اس صورت میں اگر وہ کسی عورت سے شادی کر لے اور اس فاحشہ سے تعلق قطع کر دے۔ منکوحہ پر طلاق نہ پڑے گی اور اگر ایقاع طلاق کا قصد تھا تو منکوحہ پر نکاح کرتے ہی۔ طلاق بائن پڑ جائے گی۔

فی العالمگیریۃ اذا قال لامراتہ فی حالۃ الغضب ان فعلت کذا الی خمس سنین تصیری مطلقۃ منی واراد بذلک تخویفھا ففعلت ذلک الفعل قبل انقضاء المدۃ التی ذکرھا فانہ یسئل الزوج ھل کان حلف بطلاقھا فان اخبر انہ کان حلف بطلاقھا یعمل بخبرہ ویحکم بوقوع الطلاق وان اخبر انہ لم یحلف بہ قبل قولہ کذا فی المحیط (ص ۱۱۶ ج ۲) اور وقوع طلاق کی صورت میں طلاق بائن بلاعدۃ کے ہوگی اور اس سے یمین ختم ہو جائے گی پھر اسی عورت سے اسی وقت دوبارہ نکاح کرے تو دوبارہ طلاق نہ ہوگی۔

الفاظ الشرط ان واذا واذاما وکل وکلما ومتی ومتی ما ففی ھذہ الالفاظ اذا وجد الشرط انحلت الیمین وانتہت لانھا لاتقتضی العموم والتکرار فبوجود الفعل مرۃ تم الشرط وانحلت الیمین فلا یتحقق الحنث بعدہ الا فی کلما اھ (ص ۹۴ ج ۲ عالمگیر)

البتہ اگر یہ حیلہ کرے کہ کسی عورت سے خود نکاح نہ کرے بلکہ اس کی طرف سے کوئی دوسرا شخص بدون اس کے امر کے از خود ایجاب و قبول کر لے اور یہ زبان سے اس نکاح کو نافذ نہ کرے بلکہ عملاً نافذ کر دے کہ بیوی کے پاس چلا جاوے تو اس صورت میں منکوحہ پر بالکل طلاق نہ ہوگی۔ فی الظہیریۃ فی الشافی من الطلاق لو قال ان تزوجت امراۃ فھی طالق ثلاثا فالحیلۃ فی ذلک ان یعقد فضولی بینھما عقد النکاح فیجیزہ بالفعل، لایحنث اھ کذا فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ (ص ۴ ج ۱) وفیہ ایضا صیغۃ المضارع لا یقع بھا الطلاق الا اذا غلب فی الحال صرح بہ الکمال بن الھمام اھ (ص ۳۸ ج ۱) اور بظاہر اہل بنگالہ (طلاق ہو جاوے گی) کے لفظ کو بمعنی حال ہی استعمال کرتے ہیں لہٰذا وقوع طلاق کا حکم دیا گیا اور اگر بمعنے استقبال کے استعمال

ہوتا ہو تو وقوع طلاق نہ ہوگا۔ الا اذا نوی الحال۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ ۱۵ ربیع الثانی ۵۰ھ

تعلیق طلاق کی ایک صورت

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ کو عمر کے یہاں جانے سے بحالت کہ زید و عمر میں خصومت ناچاقی تھی منع کیا اور اپنے اقامت کے شہر سے زوجہ ہندہ کو اس کے والدہ کے مکان پر جو عمر کی سکونت گاہ سے کچھ فاصلہ پر ہے روانہ کرتے وقت کہا کہ تجھے صرف والدہ کے مکان پر جانیکی اجازت ہے مگر عمر کے یہاں کی اجازت نہیں اگر گئی تو تین طلاق ہیں۔ ہندہ زید سے رخصت ہو کر میکے گئی اور تقریباً تین ماہ تک وہاں مقیم رہی حالانکہ عمر کا مکان بھی وہاں سے قریب ہی فاصلہ پر تھا مگر نہیں گئی۔ اور اپنے شوہر زید کے پاس چلی آئی کچھ دنوں بعد پھر ہندہ کو میکے جانیکا اتفاق ہوا اس نے اپنے شوہر سے یہ اجازت طلب کی کہ اگر مجھے آپ کی غیر موجودگی میں کہیں جانے کی ضرورت درپیش آئے تو مجھے یہ اختیار حاصل ہے کہ میں ہر حالت میں جاسکوں؟ زید نے یہ کہکر رخصت کیا کہ ہاں اجازت ہے کہ تو اپنی والدہ کے ہمراہ کہیں جاسکتی ہے چونکہ گذشتہ بغض و عداوت اور طلاق والی باتیں زید، عمر و ہندہ کے خیال میں تھیں کہ جس شرط پر طلاق معلق تھا ان صورتوں میں اب اگر ہندہ اپنی والدہ کے ساتھ بھائی عمر کے ہاں کسی ضرورت سے جائے تو کیا زید و ہندہ کے درمیان طلاق واقعی ضرور ہوگا نہیں؟ بینوا توجروا۔

حافظ محمود احمد امام ہندوستانی مسجد سہر پردم (اپر برہما)

الجواب: صورت مذکورہ میں جب ہندہ پہلی مرتبہ اپنے میکے گئی اور زید نے روانہ کرتے ہوئے اس سے یہ کہا کہ تجھکو صرف والدہ کے مکان پر جانیکی اجازت ہے مگر عمر کے یہاں کی اجازت نہیں اگر گئی تو تین طلاق ہیں اھ یہ طلاق اسی سفر کے ساتھ مخصوص تھی جب ہندہ اس سفر میں عمر کے یہاں نہیں گئی تو اس کلام سے آئندہ وقوع طلاق نہ ہوگا پس دوسری مرتبہ جب ہندہ اپنے میکے گئی اور شوہر سے اسنے پوچھا کہ اگر مجھے آپ کی غیر موجودگی میں کہیں جانے کی ضرورت پیش آئی تو مجھے یہ اختیار حاصل ہے کہ میں ہر حالت میں جاسکوں اور زید نے یہ کہکر رخصت کیا کہ تو اپنی والدہ کے ہمراہ ہر کہیں جاسکتی ہے۔ اس سفر میں اگر ہندہ اپنی والدہ کے ساتھ عمر کے یہاں چلی جائے تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ لیکن اگر زید نے پہلے کلام سے ہمیشہ کے لئے ممانعت کا قصد کیا ہو اور ہمیشہ کے لئے کسی وقت کے جانے پر تین طلاق واقع کرنے کی نیت کی ہو تو اس صورت میں دوسری سفر میں اگر ہندہ اپنی ماں کے ساتھ بھی جائے گی تب بھی طلاق واقع ہو جائے گی واللہ اعلم۔ ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۸ رجب ۵۰ھ

اگر اس گھر میں جاؤ گی تو طلاق ہو جاویگی، کا حکم

سوال ۔ معظم مکرم محترم بندہ حضرت مولانا محمد اشرفعلی صاحب دامت برکاتہم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ یہ خاکسار بہ سرپرستی جناب دلدار خان صاحب کانپور ٹینری میں ملازم ہے دو قطعہ مکان کارخانہ کے ہیں قرب ومکانیت دونوں مکانوں کی یکساں ہے اور ایک دوسرے مکان میں جانیکا راستہ بھی ہے میں ایک قطعہ میں رہتا ہوں دوسرے میں داروغہ عبدالحلیم صاحب جو کارخانہ میں ملازم ہیں رہتے ہیں میں نے اپنی بھاوج بیوہ کے ہمراہ جن کے دو لڑکے ہیں بعض دوراندیشیوں کے خیال سے ایام رمضان شریف گذشتہ میں عقد کر لیا ہے ۔ اہلیہ سابق وحال دونوں اس مکان میں مشترک رہتی ہیں خورد ونوش نشست وبرخاست یکجا ہی ہے باہمی بظاہر کوئی شکایت نہیں ہے کل بروز بدھ قبل مغرب جب کارخانہ سے فرصت پاکر گھر گیا تو اہلیہ سابق کو غمگین دیکھکر دریافت کیا کیسا مزاج ہے انہوں نے میری ذات پر رنج کا اظہار کیا اور چند کلمے جھوٹ کہے جس سے مجھکو ناگوار معلوم ہوا میں نے کہا نماز پڑھ لوں تو تمہارا انتظام کردوں وہ ناخوش ہوکر بالاخانہ پر جانے لگیں اسوقت میں نے روک کر کہا کہ چابی مکان کی اور زیور دیدو وہ چابیاں دیکر بالاخانہ پر چڑھکر اندر سے کواڑ بند کر لیا میں نماز مغرب میں مشغول ہو گیا نماز کے بعد بالاخانہ پر گیا معلوم ہوا نہیں ہیں ۔ داروغہ عبدالحلیم صاحب کے گھر میں ہیں بعدہٗ اہلیہ کو بہت سمجھانے کے بعد گھر واپس آکر بالاخانہ پر چلی گئیں نہ مجھ سے مخاطب ہوئیں نہ معذرت کیا بہرصورت جب مجھ سے صبر نہ ہوسکا تو میں نے اپنے لڑکے فریدالدین کو پکار کر کہا کہ اپنی والدہ کو کھانے کے لئے بھیجدو بعد تامل وہ بالاخانہ سے اتر کر باورچی خانہ میں جاکر تنہا کھانا کھانے لگیں میں آنگن میں بیٹھا غصہ میں کچھ باتیں فراز ونشیب کی بطور نصیحت کرتا رہا اسی حالت میں یہ کہکر اٹھا کہ اگر اس گھر میں جاؤ گی طلاق ہو جاویگی اور متواتر اس کلمہ کو کہا اور دروازہ کھڑکی میں احتیاطاً قفل لگا دیا کہ اس امر کا وقوع سہواً یا عمداً نہ ہو ۔ بہشتی زیور میں اس مسئلہ میں غور کیا گیا جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں وہ بالکل مطابقت کرتے ہیں ۔

تنقیح از جانب حضرت مولانا تھانوی مدفیضہم

اس مقام پر بہشتی زیور کی عبارت نقل کرنا چاہیئے تاکہ مطابقت دیکھی جاوے ۔

(بقیہ خط بالا)

یہ میری سرگذشت ہے دریافت طلب یہ امر ہے کہ ان الفاظوں کو جو میں نے غضبناک ہوکر کہے ہیں اور یہ نیت نہیں ہے کہ اگر ایسا ہوگا تو یہ ہوگا بلکہ غصہ میں کہہ گیا کہ کسی شرعی حکم سے واپس لے سکتا ہوں اور اس کے بعد داروغہ عبدالحلیم صاحب کے گھر میں اہلیہ کے جانے کا کچھ حرج تو نہیں ہے ۔ داروغہ

عبدالحلیم کے گھر میں تنہا ہیں اور نہایت نیک اور حافظ قرآن ہیں اور ان کے بچہ ہونے والا ہے۔ کوئی ظاہری معاونت ان کے ساتھ نہیں ہے۔ اگر ان کو کوئی تکلیف بچہ پیدا ہونے کی حالت میں پہونچی تو مروت اور حق ہمسائیگی کے خلاف ہے اور حق تلفی ہے بایں وجہ قطع مراسم اچھا نہیں معلوم ہوتا موجودہ کبیدگی و کشیدگی کا باعث عقد ثانی ضرور ہے۔ اگر میں اہلیہ ثانی کو علیحدہ مکان میں رکھوں تو بھی ان کی کشیدگی مجھ سے دفع نہ ہوگی یہ خلقی مادہ ہے۔ زیادہ والسلام۔ السائل آپ کا خادم سعادت علی از کانپور ٹینری کانپور سہانہ پورہ۔

جواب تنقیح از جانب سائل

قبلہ حاجات حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب دامت برکاتکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج مقدس بموجب ارشاد حضور والا مسئلہ مندرجہ بہشتی زیور جس سے اس نادان نے اپنے کلمات کو منطبق کئے ہیں ذیل میں درج کر کے اطمینان کا طالب ہے۔ زیادہ والسلام۔

مسئلہ مندرجہ بہشتی زیور حصہ چہارم صفحہ ۴ اپنی بی بی سے کہا اگر اس گھر میں جاوے تو تجھکو طلاق۔

الجواب:۔ صورۃ مسئولہ میں سائل نے صیغہ مضارع کا استعمال کیا ہے جس سے طلاق کا وقوع اسوقت ہوتا ہے جبکہ مضارع کا استعمال بمعنی حال غالب ہو گیا ہو۔ اور اردو میں چونکہ حال واستقبال کا صیغہ جدا جدا ہے اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مضارع بمعنی حال غالب ہے۔ پس صورۃ مسئولہ میں سائل کا یہ قول کہ آئندہ اگر اس گھر میں جاؤگی طلاق ہو جاویگی۔ تعلیق طلاق نہیں بلکہ محض وعید اور دھمکی ہے جیسا کہ سائل کے بیان سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسکا ارادہ تعلیق کا نہ تھا۔ لہٰذا اگر زوجہ اس گھر میں چلی جاوے گی تو شرعاً طلاق عائد نہ ہوگی۔ قال فی العالمگیریۃ اذا قال لامرأتہ فی حالۃ الغضب ان فعلت کذا الی خمس سنین تصیری مطلقۃ منی و اراد بذلک تخویفہا ففعلت ذلک الفعل قبل انقضاء المدۃ التی ذکرہا فانہ یسئل الزوج ہل کان حلف بطلاقہا فان اخبرانہ کان حلف یعمل بخبرہ و یحکم بوقوع الطلاق وان اخبرانہ لم یحلف بہ قبل قولہ کذا فی المحیط صفحہ ۱۰۶ جلد ۲

لیکن اگر زوج کی نیت محض دھمکی کی نہ تھی بلکہ طلاق کو معلق کرنے ہی کی نیت تھی تو اس گھر میں جانے سے زوجہ پر طلاق پڑجائے گی لہٰذا سائل اپنی نیت کو خود سوچ سمجھ لے اور اس صورت ثانیہ یعنی نیت تعلیق میں صرف طلاق رجعی ہوگی جس سے عدت کے اندر نکاح فسخ نہیں ہوتا۔ زبان سے بھی رجعت کرسکتے ہیں اور

تقبیل وغیرہ سے بھی رجعت ہو جاتی ہے اور ایک مرتبہ کے بعد پھر آئندہ اس گھر میں عورت کے جانے سے دوبارہ اس پر طلاق نہ ہوگی۔

لان ان و اذا واذاما و کل و متی و متی ما ففی ہذہ الالفاظ اذا وجد الشرط انحلت الیمین و انتہت لانہا لا تقتضی العموم و التکرار اھ (عالمگیری ص۹۴ ج۲)

واللہ اعلم

تنبیہ:۔ بہشتی زیور کی عبارت میں جس کا سائل نے حوالہ دیا ہے صیغۂ مضارع نہیں ہے اس کے الفاظ یہ ہیں (مسئلہ) اپنی بی بی سے کہا تھا اگر اس گھر میں جاوے تو تجھ کو طلاق ہے اور وہ چلی گئی اور طلاق ہو گئی الخ (ص ۳۵ ج ۴) ان الفاظ کے ساتھ وقوع شرط پر وقوع طلاق لازمی ہے کیونکہ الفاظ انشاء صریح موجود ہیں اور سائل کے الفاظ میں (طلاق ہو جاوے گی) کا لفظ ہے جو کہ انشاء میں صریح نہیں۔ واللہ اعلم حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۸ محرم ۱۳۴۱ھ

اگر تو اس بات کا تذکرہ کسی سے کریگی تو تجھ پر تین طلاق اور پھر بعد میں خود تذکرہ کی اجازت دیدی تو کیا حکم ہے۔

سوال۔ ایک شخص (زید) نے اپنی بیوی سے ایک واقعہ بیان کیا اور اس کے پوشیدہ رکھنے کے لئے کہا مگر اس کی عورت نے کہا کہ میں اس کا تذکرہ ضرور کروں گی خاوند (زید) نے اس بات کو پوشیدہ رکھنے کی مصلحت کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی عورت کو قسم دیدی۔ کہ اگر تو اس کا تذکرہ کسی سے بھی کرے گی تو تجھ پر تین طلاق، معاملہ رفع دفع ہوا اور عورت نے کسی سے تذکرہ نہیں کیا مگر یہ دونوں ایک ہی جگہ قیام پذیر رہے۔ بیس پچیس روز کے بعد ان دونوں میں کچھ عرصہ کے لئے جدائی ہونے لگی یعنی (زید کی) عورت جس کو قسم دی گئی تھی اپنے میکے یا کسی قریبی عزیز کے یہاں جانے لگی۔ چلتے وقت خاوند نے اپنی بیوی سے نہ معلوم کسی مصلحت سے یا ویسے ہی یہ کہدیا کہ اگر اس واقعہ کا جس پر مندرجہ بالا قسم دی گئی ہے کسی سے تذکرہ بھی کردے گی تو کوئی حرج نہیں ہے میں اپنی قسم واپس لیتا ہوں کوئی مواخذہ نہیں ہوگا اس اجازت دیتے وقت قسم دینے والے (خاوند) کی نیت بھی قسم کے واپس لینے کی تھی۔ اس قسم کے واپس لینے کے بعد سے ابھی تک عورت نے کسی سے تذکرہ تو نہیں کیا ہے مگر خیال ہے کہ مبادا اس خیال سے کہ خاوند نے اجازت تو دیدی ہے ذکر نہ کر دے۔

اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ اگر وہ عورت جس کو قسم دی گئی ہے اس اجازت سے فائدہ حاصل کر کے ذکر کر بھی دے تو کیا اس عورت پر طلاق تو نہیں پڑے گی اور خاوند کو اس قسم یا شرط کے واپس لینے کا حق حاصل ہے یا نہیں ہا ایک امر اور بھی قابل ذکر ہے کہ خاوند کی نیت قسم دیتے وقت کوئی خاص نہیں

تھی یعنی وہ شرط کو واپس لے گا یا نہیں اور نہ اس وقت کسی اجازت کا خیال تھا البتہ اجازت دیتے وقت اس امر کی نیت ضرور تھی کہ اگر یہ کہدے تو کوئی طلاق نہ پڑے۔

السائل جمیل احمد نائب تحصیلدار مقام الور للادیہ دروازہ

الجواب :-

صورت مسئولہ میں زید کا اپنی عورت کو اس طرح قسم دینا کہ " اگر تو اس بات کا تذکرہ کسی سے کرے گی تو تجھ پر تین طلاق " عرفاً اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ جب تک اخفا کی ضرورت ہے اس وقت تک اگر کسی سے تذکرہ کیا تو یہ حکم ہے پس جب شوہر کے نزدیک اخفا کی ضرورت باقی نہیں رہی اس کے بعد اگر وہ عورت کسی سے تذکرہ کرے تو اس پر طلاق واقع نہ ہوگی

قال فی العالمگیریۃ رجل خرج مع الوالی و حلف بالطلاق ان لا یرجع الا باذنہ وسقط منہ شیئ ورجع لذلک لا تطلق و لو حلف علی امرأتہ بطلاقہا ان لا تخرج من الدار الا باذنی او حلف السلطان رجلاً بطلاق امرأتہ ان لا یخرج من البلدۃ الا باذنہ او حلف صاحب الدین مدیونہ ان لا یخرج من البلدۃ الا باذنہ فالیمین مقیدۃ بحال قیام الزوجیۃ۔ والسلطنۃ والدین بانت المرأۃ وعزل السلطان وسقط الدین وانحلت الیمین ثم لا تعود ابدا وان عادت الولایۃ للزوج والسلطان وعاد الدین اھ ج ۲ ص ۱۱۱ ۔ و فیہا ایضاً ولو قال لہا اگر تو با کسے حرام کنی فانت طالق ثلثا فابانہا فجامعہا فی العدۃ طلقت عندہما لانہما یعتبران عموم اللفظ وابو یوسف رح یعتبر الغرض فعلی قیاس قولہ لا تطلق وعلیہ الفتوی اھ ج ۲ ص ۱۰۷ ۔ لیکن اگر صورت مسئولہ میں عورت احتیاط رکھے اور وہ بات کبھی کسی سے نہ کہے تو یہ بہتر ہے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۲۲ محرم ۱۳۴۱ھ

سوال ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم الاستفتاء ۔ کیا فرماتے ہیں علمأ دین	اگر اپنے بچہ کو فلاں قصبہ میں پانچ سال تک روانہ کروں تو اس کی ماں پر تین طلاق ۔ بعد میں بچہ کو خود وہاں لے گیا

اس مسئلہ میں کہ زید ایک شہر کا رہنے والا ہے جس کا نکاح ایک قصبہ میں ہوا جو بذریعہ ریل دو سو میل پر واقع ہے چونکہ زید کو اس کے سسرال والے اپنے قصبہ میں بود و باش اختیار کرنے پر مجبور کرتے تھے اس لئے جب کبھی زید کی منکوحہ اپنے پیہر (میکے) جاتی تو اس کی واپسی میں زید کے

خسرال والے کچھ نہ کچھ جھگڑا ضرور کرتے ایک مرتبہ زید کی بیوی اپنی بہن کی شادی میں شرکت کے لئے قصبہ میں بلائی گئی زید نے اپنی بیوی کو پندرہ روز کی اجازت دیدی مگر اپنے تین سالہ لڑکے کو اس خیال سے روک لینا چاہا کہ اس بچہ کے میرے پاس ہونے سے نہ تو خسرال والوں کو میری بیوی کے روکنے کی جرأت ہوگی اور نہ خود بیوی بھی بوجہ مہر مادری وہاں زائد قیام کر سکے گی۔ مگر زید کی بیوی نے بچہ کے اپنے ہمراہ لیجانے میں سخت اصرار کیا لیکن زید نے مذکورہ مصلحت کیوجہ سے اپنی بیوی کی بات نہ مانی، روانہ ہوتے وقت بیوی نے غصہ سے کہا تم دیکھنا میں اپنے باپ کو بھیجکر بچہ کو کیسے بلاتی ہوں اس پر زید نے یہ قسم کھائی اگر میں بچہ کو کسی طرح بھی قصبہ کو پانچ سال تک روانہ کردوں تو اس کی والدہ پر تین طلاق جو متواتر کا حکم رکھیں۔ بیوی کے چلے جانے کے بعد ایک سال تک اس طرف سے لڑکے کی طلبی میں اور زید کیطرف سے بیوی کی طلبی میں خط وکتابت ہوتی رہی جس میں ایک خط مولوی ڈاکٹر عبدالرزاق صاحب نقشبندی کا وصول ہوا جو خسر زید کے ملاقاتی اور زید کے مشفق ہیں اس خط میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے خسر زید کے خاص الفاظ یوں تحریر کئے کہ "ہم آپ کو اپنی لڑکی کے روانہ کرنے میں کچھ عذر نہیں ہم کب نہیں کہتے (یعنی بھیجنے میں ہم کو انکار نہیں) وہ بچہ کو لائیں اور ان کو (بچہ کی والدہ کو) لے جائیں یہاں (قصبہ میں) جو لوگوں نے افواہ اڑائی ہے کہ اب وہ ہرگز نہ آئیں گے اور اپنا قطع تعلق کرلیا ہے۔ وہ جھوٹے ٹھہریں اور لڑکا روانہ کرنے کی اگر قسم کھائی ہے تو ساتھ لانے میں قسم بھی نہیں ٹوٹتی مخالفین کی افواہ بھی رد ہوتی ہے۔ ہم روانہ کرنے سے انکار نہیں کرتے"، چنانچہ اس خط سے جب زید نے اپنے خیال اور نیت کے موافق اپنے خسر کا بھی خیال لڑکے کے لیجانے اور قسم میں خرابی واقع نہ ہونے میں پایا تو بلحاظ سہولیت طرفین قسم کھانے کے ایک سال بعد بچہ کو اپنے ساتھ لے گیا۔ قسم میں الفاظ خاص "کسی طرح بھی روانہ کردوں" سے زید کی مراد اور نیت میں اس کا مقصد بہ استثناء خود دوسرے کے ساتھ کسی طرح بھی روانہ نہ کروں گا ہے۔ جو وجہ اور محل قسم یعنی زید کی بیوی کا غصہ سے یہ کہنا کہ تم دیکھنا کہ میں اپنے باپ کو بھیجکر بچہ کو کیسے بلاتی ہوں۔ اس کے جواب میں صاف ظاہر ہیں اور لفظ روانہ کردوں کے صریح وحقیقی معنی عرف میں دوسرے کے ساتھ بھیجنے کے ہوتے ہیں۔ لہٰذا زید کا یہی مطلب تھا۔ الحاصل مذکورہ صورت میں کیا زید کی بیوی پر طلاق واقع ہوسکتی ہے؟

بینوا وتوجروا۔ المستفتی عبدالرحمٰن شاہجہان خان عفی عنہ

محلہ کالوپور، سوداگر پول احمد آباد۔

الجواب :- قال فی العالمگیریہ ولو قال لہا (اگر تو بکسے حرام کنی) فانت طالق ثلثا فابانہا فجامعہا فی العدۃ طلقت عندہما لانہما یعتبران عموم اللفظ و ابو یوسف یعتبر الغرض فعلی قیاس قولہ لا تطلق وعلیہ الفتوی اھ ص ۱۰۷ ج ۲

صورت مسئولہ میں جب زید کی غرض اور نیت کلام مذکور میں یہ تھی کہ کسی دوسرے کے ساتھ کبھی نہ روانہ کروں گا تو لڑکے کو اپنے ساتھ لیجانے سے اس کی زوجہ پر طلاق واقع نہ ہوگی - واللہ اعلم -

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ ۲۶ صفر ۴۱

سوال - اگر تو فلاں شخص سے بات کرے تو تجھ پر تین طلاق اور اپنے ذہن میں اجازت دینے کی صورت کو مستثنیٰ کر لیا

ایک شخص اپنی بیوی سے مخاطب ہو کر کہا کہ اگر تو فلاں شخص سے بات کرے گی تو تجھ کو تین طلاق مگر اس کے خیال میں یہ بات تھی کہ موقع ضرورت پر بات کرنے کی اجازت دیدوں گا مذکور خطاب میں لفظ ہمیشہ وغیرہ جو دوام پر دلالت کرے نہیں ذکر کیا پس اس صورت میں اگر اپنی بیوی کو اس شخص سے بات کرنے کی اجازت دی تو وہ عورت بات کر سکتی ہے یا بات کرنے سے طلاق واقع ہوگی -

مذکور خطاب عام ہے مقید بوقت محدود میں نہیں - خادم محمد عبد القادر - از مقام کلاں ضلع جنوبی ارکاٹ

الجواب :- قال فی الدر المختار الایمان بنیۃ علی الالفاظ لا علی الاغراض اھ (ص ۱۱۰ ج ۳) وفیہ ایضا نیتہ تخصیص العام تصح دیانۃ اجماعا فلو قال کل امرأۃ اتزوجہا فہی طالق ثم قال نویت کذا لا یصدق قضاء وفی رد المحتار ومثلہ لا اتزوج امرأۃ وقوی حبشیۃ او عربیۃ فانہا بعض افراد العام لان الانسان انواع حبشی وعربی ورومی اھ (ص ۱۵ ج ۳) قلت وکذا الکلام متنوع الی ضروری وغیر ضروری فلو نوی احد النوعین یصح — صورت مسئولہ میں جبکہ زوج کی نیت اس کلام سے کہ اگر تو فلاں شخص سے بات کرے گی تو تجھکو تین طلاق، بے ضرورت و بے اجازت بات کرنا تو بر وقت ضرورت شوہر کی اجازت سے اگر وہ بات کرے تو اس پر طلاق کا وقوع نہ ہوگا -

۲ / شوال ۴۱؁ھ

سوال :- حالت اکراہ میں تعلیق طلاق کا حکم

چہ فرمایند علمائے دین متین رحمہم اللہ تعالیٰ اندریں کہ دو برادران مسمیان عبد الودود و عبد النصیر میاں جی بحضور مجمع عام کہ چند کس عالمان شریعت غرا نیز دراں حاضر بودند اقرار نمودند کہ روزے بوجہ خصومت گروہے متخاصمین برایشاں غلبہ کردہ ہر دو برادران را مکرہا بخانہ بردند و صاحب خانہ کہ سر گروہ متخاصمین بود ایشاں را ہمی زد و میگفت کہ بگوئید کہ بخانہ پنڈت و امید علی منشی و یوسف ما تجھی ہیچ بخواہد رفت چونکہ برادراں مذکور بدست متغلبین عاجز آمدہ

بودند فچارہ رہائی نمی دیدند ناچار گفتند نخواہیم رفت باز گفتند کہ بگوئیکہ در تھانہ ودر کچھری بے اجازت من نخواہید رفت برادران گفتند نخواہیم رفت باز پرسید اگر روید برزنان شما طلاق ثلث خواہد شد یا نہ برادران پاسخ دادند خواہد شد ۔ باز سوال کرد کہ چہ خواہد شد گفتند طلاق خواہد شد باز پرسید کہ چہ چیز طلاق خواہد شد گفتند آیا نمی دانید کہ چہ چیز طلاق شود باز سوال نمود زنان شما طلاق خواہد شد یا نہ گفتند آرے اکنوں سوال اینکہ در صورت مرقومہ بر تقدیر صحت معاملہ درحالیکہ برادران مذکور در خانہائے نامیدگاں کہ ایشاں بالفعل باحیات باقی نیستند و در تھانہ و کچھری بلا اجازت متغلب آمد و شد نمودند حسب حکم مذہب حنفی برزنان مسمیاں طلاق ثلث واقع شود یا چہ واضح باشد کہ کسے از مسمیان مذکور و زنان ایشاں بر طلاق راضی نیست بلکہ برخلاف آن بخوف آنکہ فتویٰ عالمان دریں باب بر وقوع طلاق صادر یابد بسکہ غمگین ہستند و پیوستہ گریہ وزاری ہمی دارند تا آنکہ زنان ایشاں از تاریخ معاملہ خورد و نوش ترک گفتہ اند ۔ بینوا توجروا ۔

الجواب :۔ طلاق واقع نخواہد شد بچند وجوہ ۔ اول ایں کہ از جہت ثبوت تعلق جزا بالشرط اتصال کلام باید ۔ وسکوت و انفصال مانع تعلق است وفصل کلام صیرورت یمیں را نشاید ۔ کما فی فتاوی قاضیخان فی باب الایمان السکوت یمنع تعلق الجزاء بالشرط والیضاً فیہ رجل اخذہ السلطان واراد ان یحلفہ فقال لہ قل بایزد فقال الرجل بایزد ثم قال السلطان کہ بروز آدینہ بیائی فقال الرجل بروز آدینہ بیایم فلم یات الرجل یوم الجمعۃ قالوا لم یحنث لانہ لما قال لہ قل بایزد وسکت صار فاصلا فلا یصیر یمینا بعد ذلک انتہی ۔

وجہ دوم آنکہ مسمیان مذکور حسب شروط یمین در خانہائے نامیدگان کہ پنڈت وامید علی منشی و یوسف ماجھی اند نرفتہ اند بلکہ در خانہائے ورثہ ایشاں رفتہ اند کہ بعد موت ایشاں خانہا در ملک وارثاں انتقال یافتہ است کما فی فتاوی قاضیخان رجل حلف وقال لامرأتہ طلاق ان دخلت دار فلان فمات صاحب الدار فدخل ان لم یکن للمیت دین مستغرق لا یحنث لانہا انتقلت الی الورثۃ وان کان علیہ دین مستغرق الی قولہ قال الفقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ لا یحنث فی یمینہ و در فتاویٰ سراجیہ نوشتہ حلف لا یدخل دار فلان فدخل بعد الموت لہ یحنث انتہی ۔

پس درحالیکہ مسمیان بلا اجازت متغلب مذکور در تھانہ و کچھری رفتہ اند بوجہ فوات

شروط اول کہ رفتن درخانہائے نامیدگاں بود حنث لازم نیاید۔ زیرا کہ جزا بر ہر دو گونہ شرائط مترتب بود کما فی فتاویٰ سراجیہ ـ حلف لایکلم فلانا و فلانا لم یحنث بکلام احدھما انتھی۔ و فی فتاوی قاضی خان لو قال کل امرأة اتزوج ما دمتما حیین او قال بالفارسیہ ۔ ھر زنے کہ بخواھیم تا ایشاں زندہ اند تطلق کل امرأة یتزوج فی حیوتھما لان کلمۃ کل توجب تعمیم النساء وان مات احد ابویہ فتزوج امرأۃ تکلموفیہ وعن محمد رحمہ اللہ انھا لاتطلق وتسقط الیمین بموت احدھما وبہ اخذ فقیہ ابو اللیث رح لان شرط الحنث التزوج فی حیوتھما ولم یوجد انتھی۔ وفی الحمادیۃ رجل حلف لایکلم فلانا وفلانا فھذا علی ثلثۃ اوجہ اما ان نوی أن یحنث بکلام کل واحد منھما او نوی ان لایحنث حتی یکلمھما اولم ینو شیأ ففی الوجہ الاول اذا کلم احدھما یحنث لانہ نوی ما یحتملہ و فی الوجہ الثانی لایحنث مالم یکلمھما لانہ نوی حقیقۃ ما تکلمہ بہ و فی الوجہ الثالث کذالک انتھی۔

پس بہر حال باولہ بالا مبرہن می شود کہ حنث لازم نیاید فلا تطلقان ولا احدھما ھکذا حکم الکتاب واللہ اعلم بالصواب ۔ الکاتب العاصی مختار احمد صدیقی

کانی پور

تنقیح الجواب من جامع امداد الاحکام

قال فی العالمگیریۃ ص ۵۷ ج ۲ ۔ قیل لرجل الست طلقت امرأتک فقال بلی تطلق کانہ قال طلقت لانہ جواب الاستفھام بالاثبات اھ وفیھا ایضا رجل قال لغیرہ اطلقت امرأتک فقال نعم بالھجاء او قال بلی بالھجاء ولم یتکلم بہ یقع الطلاق کذا فی فتاوی قاضی خان اھ وفیھا ایضا قیل لرجل اطلقت امرأتک ثلثا قال نعم واحدۃ قال القیاس ان یقع علیھا ثلث تطلیقات ولکنا نستحسن ونجعلھا واحدۃ اھ قلت وجہ الاستحسان زیادۃ قولہ واحدۃ بعد قولہ نعم فلو کان اکتفی بقولہ نعم وقعت ثلث تطلیقات کما لا یخفی وفیھا ص ۱۱۶ ج ۲ ۔ رجل اراد السفر فحلفتہ صھرہ وقال ان غبت بعد ھذا عن امرأتک

فلم ترجع الیها عند رأس الشهر فامرأتک طالق فقال الختن بالفارسیة
هست ولم یزد علی ذلک ثم غاب اکثر من شهر طلقت امرأته لانه
اجاب کلام الصهر والجواب یتضمن اعادة ما فی السوال فتطلق امرأته کذا
فی فتاوی قاضی خان اھ فقول القائل فی الصورة المسئولة اگر رویدبر زنان شما
طلاق ثلث خواہد شد یانہ برادراں پاسخ دادند خواہد شد ۔ فھو بعینہ نظیر ھذہ
المسائل فصح التعلیق بالشرط فاذا وجد الشرط طلقت امراتاھما و ما نقلہ
المجیب من قاضی خان ان السکوت یمنع تعلیق الجزاء بالشرط ۔ معناہ ان ینطق
بالشرط ویسکت ثم ینطق بالجزاء بعدہ مثلاً لو قال المتغلب للاخوین قولا
اگر رویم وقالا اگر رویم ثم قال المتغلب قولا برزنان ماطلاق ثلث خواہد شد و
قالا برزنان ما طلاق ثلث خواہد شد لاتطلق امراتاھما فی ھذہ الصورة لان
الجزاء قد انفصل عن الشرط وبقی قولهما "برزنان ما طلاق ثلاث خواهد
شد منفرداعنه ولایقع به شئی لانه بمعنی الاستقبال لاللانشاء فی
الحال واما فی الصورة المسئولة فان المتغلب نطق بالشرط والجزاء معًا
فلا انفصال بینهما وقالا فی الجواب "خواهد شد و بازگفتند آرے فهو نظیر
ما اذا قال نعم فی جواب قول القائل اطلقت امراتک فافهم نعم لو نوی الاخوان
بقولهما خواهد شد و بقولهما آرے معنی التنجیز ولم یروا معنی
التعلیق بالشرط لایقع الطلاق علی امراتیهما لکونه بمعنی الاستقبال
المنجز وقد عرفت عدم وقوع الطلاق بالاستقبال تنجیزا ۔ ٥ وھذا انما
هو فی الدیانة واما فی القضاء فلایصح ارادتهما معنی التنجیز بهذا
الکلام لکونه خلاف الظاهر قال العلامة الشامی قال فی الخانیة رجل
حلف رجلا فحلف ونوی غیر ما یرید المستحلف ان بالطلاق والعتاق و
نحوه یعتبر نیة الحالف اذا لم ینو الحالف خلاف الظاهر ظالمًا کان الحالف
او مظلومًا وان کانت الیمین بالله تعالیٰ فلو الحالف مظلومًا فالنیة فیه
الیه وان کان ظالمًا یرید ابطال حق الغیر اعتبر نیة المستحلف وهو قول
ابی حنیفةؒ و محمدؒ اھ قلت وتقییدہ بما اذا لم ینو خلاف الظاهر یدل علی

ان المراد باعتبار نیۃ الحالف اعتبارها فی القضاء اذ لا خلاف فی اعتبار نیتہ
دیانۃ وبہ علم الفرق بینہ وبین مذھب الخصاف فان عندہ تعتبر نیتہ
فی القضاء ایضًا ویفتی بقولہ اذا کان الحالف مظلومًا اھ (ص ۱۵۲ ج ۳)
وعلی ھذا فلا یجاب بعدم وقوع الطلاق مالم یستفسر الزوجان عن
نیتھا بقولھما خواھد شد وبقولھما آرے انھما ھل اراد بذالک معنی التعلیق او معنی التنجیز۔ واما قول
المجیب فی الوجہ الثالث پس درحالیکہ مسمیان بلا اجازت متغلب مذکور درتھانہ و کچہری رفتہ اند
بوجہ شرط اول کہ رفتن درخانہائے نامیدگان بود حنث لازم نیاید زیراکہ جزا بہر دو شرائط مترتب
بود کما فی فتاوی سراجیہ حلف لایکلم فلانًا وفلانًا لم یحنث بکلام احدھما اھ ففیہ نظر ایضًا من وجوہ:
الاول لان ترتب الجزاء علی مجموع الشرطین لایظہر مالم یبین الحالف او المستحلف انہ اراد الترتب
علی المجموع کما نقلہ المجیب عن الحمادیہ فی قول رجل حلف لایکلم فلانًا وفلانًا فھذا علی ثلاثۃ اوجہ الخ فلا یصح الجواب
بعدم الوقوع قبل البیان والثانی لانہ یظہر من السوال ان المستحلف حلف اولًا علی عدم الدخول فی بیوت
الرجال المعلومین فلما اقر الاخوان بذلک اخذ منھما العھد ثانیا علی عدم الذہاب الی دیوان الحکومۃ
بغیر اذنہ فلم یجتمع الامیران فی عھد واحد لاسیما اذا جعلنا السکوت فاصلًا بین الکلامین فکیف
یصح ترتب الجزاء علی مجموع العھدین بل الظاہر ترتبہ علی شرط عدم ذہابھما الدیوان بغیر اذنہ فقط
وقد وجد ذلک فلازمہ وقوع الطلاق ولو سلم ان الکلام یحتمل ترتب الجزاء علی المجموع ایضًا فانما
یجاب بعدم الوقوع اذا بینا انھما نویا ذلک اونویا الحنث بکل واحد منھما فلا شک فی الوقوع باحد الشرطین
ولو لم یکن لھما نیۃ فالظاہر الوقوع ایضًا لان المتغلب انما اخذ العھد علی کل واحد من الامیرین علی حدۃ علی حدۃ
وبعدما اخذ العھد علی امر ثم اخذ العھد ثانیًا علی امر آخر والسکوت یعد فاصلًا فالاصل فی ہذا الکلام تعلق
الشرط بالعھد الثانی المتصل بہ فقط دون الاول فافھم۔ واللہ تعالیٰ اعلم صورت مسئولہ میں یہ امر تنقیح
طلب ہے کہ برادران مظلومین نے اپنے قول میں لفظ خواہد شد ولفظ آرے سے کس معنی کا قصد کیا تھا آیا
ان کا مطلب یہ تھا کہ اگر ہم نے افعال مذکورہ کئے تو ہماری بیبیوں پر طلاق ہوجائے گی یا تعلیق بالشرط
کا قصد نہ تھا بلکہ تنجیز کا قصد تھا یا کچھ نیت نہ تھی اسی طرح بصورت معنی تعلیق آیا ان کا مطلب یہ تھا کہ اگر
ہم نے یہ افعال مذکورہ مجموعی طور پر کئے تو طلاق ہوگئی یا علیحدہ علیحدہ ہر امر کے ارتکاب پر طلاق کو معلق کرنا
مقصود تھا یا ان میں سے بھی کسی ایک شق کی نیت تھی جب تک اس تنقیح کا جواب نہ آجاوے اس وقت تک وقوع
یا عدم وقوع طلاق کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۲۹ شوال ۱۳۴۱ھ

جواب تنقیح :- اگر تو زبان درازی کریگی تو تجھ سے تعلق نہ رکھونگا اور نیت کچھ نہیں کی تو کیا حکم ہے ۔

براستفسار از نیات ایشان ہر دو برادران صاف می گویند کہ ایشان نیت تطلیق مطلق نہ تعلیقا نہ تنجیزا بلکہ رہائی از دست المتغلبین منظور داشتہ چیزی گفتند ہر چہ گویا ندید ۔ علاوہ این کہ این سوالات وجوابات کہ میان ہر دو فریق رخت بیار پے وبالاتصال نبود بلکہ سائل در بیان سوالات خود گاہ گاہ بار فقایش توجہ می داشت وباہم شورک می کردند کہ در باب این دو برادران چہ کنند وچہا شد

نیز ایک صاف وجہ یہ ہے کہ تھانہ اور کچہری میں حکام کی طلب پر مجبوری گئے (از خود نہیں گئے) اور اس سے حنث نہیں ہوتا ہے ۔

الجواب :-

سوال وجواب سے معلوم ہوا کہ مسمیان نے تعلیق وتنجیز وغیرہ کا کچھ قصد نہیں کیا ان کا ارادہ صرف رہائی از دست متغلبین تھا ۔ نہ مسمیان نے طلاق خواہد شد وآرے وغیرہ میں یہ نیت کی کہ یہ جزا مجموعہ شروط کیساتھ ہے یا صرف اول کی ساتھ ہے ۔ نہ ثانی کے یا صرف ثانی کے ساتھ ہے نہ اول کے ۔ پس اس صورت میں چونکہ لفظ طلاق صریح بولا گیا ہے جس سے ایقاع ووقوع بدون نیت کے بھی ہو جاتا ہے ۔ نیت پر لفظ کنایہ سے وقوع موقوف ہوتا ہے ۔ نہ صریح سے اور حنفیہ کے نزدیک طلاق مکرہ واقع ہے ۔

ووجهه ان المبتلى اذا ابتلى ببليتين يختار اهونهما فالمكره اذا نطق بلفظ الطلاق للتوقي عن الضرب وجد منه اختياره للطلاق على الضرب وهذا بعينه هو الارادة لا يوجد الرضا فى تلك الحالة والطلاق لا يتوقف عليه فثبت تعليق الطلاق من الرجلين المذكورين ولما لم ينويا ارتباطه بمجموع الشروط او واحد منها معينا فالظاهر ارتباطا بالشرط الاخير ۔ لما ذكره السائل ان المستحلف قال اولاً بگوئید کہ در خانہای پنڈت وامید علی ویوسف مانجھی پیش نخواہید رفت، برادران گفتند نخواہیم رفت ۔ باز گفت (یعنی ثم قال بعد سکوته لیسیرا وزمان السکوت ہو زمان اجابۃ الاخوین لکلامہ ونحوہ) بگوئید کہ در تھانہ وکچہری بلا اجازت من نخواہید رفت گفتند نخواہیم رفت پرسید اگر روید (یعنی در تھانہ وکچہری لکونہ مذکورا متصلا وما قبلہ صار منفصلاً بالسکوت ونحوہ) بر زمان شما طلاق ثلث خواہد شد ۔ یا نہ گفتند خواہد شد ولو سلمنا السکوت فاصلا بین کل واحد من الشروط فلا یخفی ان لفظۃ روید یقتضی تقدیر المفعول فلا بد منہ ۔ ولو نوی الحالف شیئا معینا یرجح ارادتہ والا فالراجح الاقرب ۔ وعلی کل حال قولہ

اگر روید طلاق ثلث خواہد شد یانہ لیس بمرتبط بمجموع الشروط بدون النیۃ بل الظاہر ارتباطہ بالاخیر فحسب وقد وجد الشرط فلابد من وقوع الثلث ظاہرا بقی ان وقوع الشرط لم یکن باختیار الحالفین بل کان بطلب الحکام وہو فی حکم الاکراہ - قلت نعم ہذا مما یرجح الافتاء بعدم وقوع الطلقات - لان شرط الحنث وجودی وہو الذہاب الی الدیوان وہو فعل اختیاری فیتوقف علی الاختیار - وینعدم بانعدامہ کما لو حلف لااسکن ہذہ الدار فقید او منع او لم یمکنہ الخروج لعذر لیل ونحوہ لم یحنث لانہ یعد مسکناً لاساکناً - فلم یتحقق شرط الحنث - حققہ فی رد المحتار (جلد ۳ صـ۱۱۹ و ج ۲ صـ۸۵۳ و ۸۵۴)

وایضاً یتقید الذہاب الی الدیوان بما اذا کان لمخاصمۃ المستحلفین وللادعاء علیہم لا لو کان لغرض آخر فان غرض المستحلف انما ہو الاول لا الثانی - والیمین یتقید بمقتضی الحال ودلالتہا - ہکذا ینبغی ان یفہم ہذا المقام - خلاصہ یہ کہ اگر مسمیان عدالت وکچہری میں ازخود بمقابلہ مستحلفین نہیں گئے بلکہ بطلب حکام گئے ہیں تو صورت موجودہ میں طلاق ان کی ازواج پر واقع نہیں ہوئی - اسی طرح اگر ازخود بھی عدالت و کچہری میں جائیں - لیکن مستحلف کے مقابلہ کیلئے نہ جائیں - بلکہ کسی اور غرض سے جائیں تب بھی طلاق واقع نہ ہوگی - ہاں اگر مستحلفین سے خصومت کرنے کے لئے ازخود کچہری میں بدون اذن مستحلف گئے ہوں یا جائیں تو طلاق واقع ہو جائے گی - اور اس صورت میں بھی اگر ازخود نہ گئے ہوں بلکہ بطلب حکام گئے ہوں یا آئندہ جائیں تو طلاق کا وقوع نہ ہوگا - کما مر واللہ اعلم، حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ - ۱۸ ذی الحجہ سنہ ۴۱ھ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

اگر تو زبان درازی کرے گی تو تجھ سے تعلق نہ رکھوں گا" اور نیت کچھ نہیں کی تو کیا حکم ہے؟

سوال :- کیا فرماتے ہیں علمأ دین شرع متین اس مسئلہ میں ایک شخص نے حالت غصہ میں اپنی بی بی سے کہا اگر تو زبان درازی کرے گی تو تجھ سے تعلق نہ رکھوں گا کیونکہ وہ عورت زبان کی تلخ ہے اور اس وقت ان دونوں میں باہم تکرار تھی اور میاں نے یہ لفظ بہت مرتبہ کہا کہ تو سختی کلام سے باز آ مگر اس کلام سے یعنی باہم تکرار سے وہ عورت باز نہ آئی اس کے بعد بہت مرتبہ آپسمیں تکرار ہوئی اور میاں کی نصیحت اسپر اثر نہ کی ابھی تک وقتاً فوقتاً جھگڑا ہو ہی جاتا ہے اس واقعہ کو ہوئے تخمیناً چھ برس ہوا جب سے تین بچہ بھی ہوئے اب شوہر کے دل پر یہ وسوسہ غالب ہوا کہ جب میں نے بی بی سے کہا کہ اگر تو سخت کلامی سے باز نہ آئے گی تو تجھ سے تعلق نہ رکھوں گا اسی وقت یہ بھی دو ایک مرتبہ کہہ دیا کہ اگر تو زبان درازی کرے گی تو تعلق نہ رہے گا مگر شوہر کے خیال میں یہ بات تھی کہ کوئی ایسی لفظ نہ نکل جائے جس سے طلاق ہو جائے فقط عورت کو دھمکی دیتا تھا کہ شاید عورت اس بات کے کہنے سے کھٹکا کرے کہ ایسا نہ ہو میاں طلاق دیدے مگر وہ اپنی حرکت سے باز نہ آئی اسی واقعہ کے بعد بہت مرتبہ تکرار ہوئی - اب شوہر اس بات پر نادم ہے

کہ میں نے حالت غصہ میں یہ بھی دو ایک مرتبہ کہدیا ہے کہ اگر پھر سخت کلامی کرے گی تو تعلق نہ رہے گا کبھی تو دل کہتا ہے کہ یہ بات کہا اور کبھی دل کہتا ہے کہ نہیں یہ لفظ نہیں کہا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ کوئی لفظ ایسا نہ نکل جائے جس سے طلاق ہو جائے اب نہ دل یکدم ہاں کہتا ہے اور نہ یکدم نہیں کہتا اور جب یہ واقعہ ہوا تھا اس وقت کوئی بات نہ تھی بعد تین یا چار برس کے دلپر خلجان اور شک غالب ہوا ایسی پس و پیش میں تھا آج چھٹے برس حضور کے پاس تحریر کیا اب حضور غور سے ملاحظہ فرمائیں طلاق ہوئی کہ نہیں اگر ہوئی تو دوسرا نکاح ہو سکتا ہے کہ نہیں کیونکہ تعلق نہ رہے گا ایک یا دو مرتبہ کہا تھا یا طلاق بائن پڑ گئی ۔ حضور صاف اردو زبان میں جواب تحریر فرمائیں ۔ تاکہ سمجھ میں آجائے اور جبکہ یہ کہا تھا کہ تعلق نہ رکھوں گا تو اس وقت کوئی گڑبڑ نہ تھی ۔ کیونکہ اس وقت کوئی بات کا یہ خیال نہ تھا کہ میں نے ایسی بات کہدیا جس سے طلاق ہوا ۔ بہت دنوں کے بعد یہ خیال ہوا کہ شاید میں نے اسی غصہ کی حالت میں یہ لفظ تعلق نہ رہے گا دو ایک مرتبہ کہدیا ہے مگر اس میں بھی شک ہے کبھی تو دل کہتا ہے ہاں کہا اور کبھی کہتا ہے نہیں کہا اور نہ اس جگہ پر کوئی دوسرا شخص تھا کہ اس سے دریافت کیا جائے ۔ کہ کیا لفظ کہا ۔ فقط والسلام ۔

الجواب :۔

قال فی العالمگیریۃ اذا قال لامرأتہ فی حالۃ الغضب ان فعلت کذا الی خمس سنین تصیری مطلقۃ منی واراد بذلک تخویفھا ففعلت ذلک الفعل قبل انقضاء المدۃ التی ذکرھا فانہ یسئل الزوج ھل کان حلف بطلاقھا فان کان اخبر انہ کان حلف یعمل بخبرہ ویحکم بوقوع الطلاق علیھا وان کان اخبر انہ لم یحلف بہ قبل قولہ کذا فی المحیط اھ ص ۱۰۶ ج ۲ ـــــــ

جب صورت مسئولہ میں شوہر کی نیت عورت کو دھمکانے کی تھی خصوصا جبکہ اس نے الفاظ کنایہ استعمال کئے ہیں صاف طلاق کا لفظ نہیں بولا اور کنایہ سے وقوع طلاق بعد نیت کے ہوتا ہے جو کہ یہاں مفقود ہے تو شوہر کے اس قول سے کہ اگر تو زبان درازی کرے گی تو تجھ سے تعلق نہ رکھوں گا یا تعلق نہ رہے گا عورت پر طلاق نہیں ہوئی ۔ واللہ اعلم ۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۲ر شوال ۱۳۴۸ھ از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۔

اگر تو نہ آویگی تو تین طلاق " شوہر کا یہ کہنا اور طلاق کا آخر زندگی میں واقع ہونا

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص بنام بقریدی بن عبدل کی طرف سے مریم بنت رسول بخش کو لکھتا ہے کہ معلوم ہو کہ میں نے سنا ہے کہ تیرا باپ مجھ پر فریادی کرے گا تو وہ فریادی کر کے میرا کیا

اکھاڑ لے گا تو بھی آنے کو بولی مگر آئی نہیں ابھی بھی کہتا ہوں کہ تو چلی آ۔ باپ کے سکھانے پڑھانے میں مت پڑ اگر تو نہ آوے گی تو تجھ پر تین طلاق تو میری بیٹی میں تیرا باپ دیکھ پھر بھی کہتا ہوں کہ تو آئندہ بہت پچھتائے گی ورنہ چلی آ۔ میں نے تیری خطا معاف کی تجھ سے کچھ نہ کہوں گا نہیں تو تیرا پیچھا ہرگز نہ چھوڑوں گا فریادی کا خیال بھول جایہ خط پڑھکر پھاڑ پھاڑ کر پھینک دینا۔ فقط۔ بقریدی بن عبدل نے جو ایسی صورت میں تین طلاق لکھا ہے تو تین طلاق واقع ہو گئے یا نہیں اور لکھا تو میری بیٹی میں تیرا باپ اس لفظ کے کہنے سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں۔ اور بقریدی نے کوئی دن تاریخ وقت مقرر لکھا نہیں ہے ایسی صورت میں تین طلاق واقع ہوئی یا نہیں شرعاً حکم کیسا ہے خلاصہ تحریر فرماویں؟

الجواب:۔

جب بقریدی بن عبدل نے صرف یہ لکھا ہے کہ اگر تو نہ آوے گی تو تجھ پر تین طلاق، اور کوئی مدت آنے نہ آنے کی متعین نہیں کی تو اگر اس کی نیت میں بھی کوئی مدت نہ تھی تو ابھی اس کی زوجہ پر طلاق نہیں پڑی بلکہ زندگی بھر نہ آوے تو آخر وقت زندگی میں طلاق پڑے گی۔

لانہ طلاق معلق علی العدم والعدم متحقق مستمر لکنہ لما علق بالمستقبل صلح لجمیع زمان الاستقبال لوجودہ فلا تیعین لہ وقت الی ان ینتھی الی آخر جزء من الحیٰوۃ فیتضیق فیقع اھ کذا فی الشامی (ص ۸۱۱ ج ۲)

اور اگر اس نے معنی فور کی نیت کی تھی اور مطلب یہ تھا کہ اگر خط دیکھتے ہی فوراً نہ آوے گی تو طلاق یا کوئی خاص مدت ذہن میں تھی مثلاً اس ماہ میں نہ آوے گی تو طلاق۔ اس صورت میں جب اس کی نیت کے خلاف عورت کی طرف سے عملدرآمد ہوا سی وقت طلاق پڑ جائیگی۔ بہرحال اس مسئلہ میں طلاق کا واقع ہونا یا نہ ہونا اس پر موقوف ہے کہ شوہر نے کسی مدت تک نہ آنے کی نیت کی تھی یا کچھ نیت نہ تھی۔ صورت اول میں اس مدت تک نہ آنے سے طلاق ہو جائیگی اور دوسری صورت میں زندگی بھر نہ آنے سے طلاق ہوگی اب شوہر اپنی نیت کا حال سوچکر عمل کرے۔ واللہ اعلم قال فی الدرر تخصیص العام تصح دیانۃً اتفاقاً (ص ۱۵۱ ج ۳)

وفیہ ایضاً فی "لا تخرجی الا باذنی" "لو نوی الاذن مرۃ دین واحتالھما" (ص ۱۲۷ ج ۳)

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۲ رجب ۴۲ھ

اگر شرائط کی خلاف ورزی کی تو وہ خلاف ورزی بمنزلہ طلاق بائن متصور ہوگی اس صورت میں طلاق کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہاجرہ بیگم کا نکاح اپنے تائی کے لڑکے مسمی

محمد ابراہیم کے ساتھ ۱۹۱۱ء میں ہوا۔ تقریباً پانچ سال تک مسمی محمد ابراہیم نے اپنے مساۃ ہاجرہ بیگم سے اپنے بدچلن اور آوارگی کے باعث بے اتفاقی رکھی۔ چنانچہ مساۃ ہاجرہ بیگم کے رشتہ داروں نے جو مسمی محمد ابراہیم کے رشتہ دار بھی تھے مورخہ ۳۱ مئی ۱۹۱۷ء کو تنگ آکر اپنی برادری کے چند معزز اشخاص کو اکٹھا کر کے مسمی محمد ابراہیم سے اس مضمون کا ایک اقرار نامہ۔ جس کی نقل استفتاء ہذا ہے۔ لیا پڑا کہ اگر مسمی ابراہیم اپنا چال چلن درست نہ کرے اور اپنی زوجہ مساۃ ہاجرہ بیگم کو نان و نفقہ خورد و پوشتن و بود و باش میں آسائش نہ دے اور حق زوجیت جو بروئے شرع شریف اس پر لازم و واجب ہے۔ کما حقہ ادا نہ کرے تو شرائط متذکرہ صدر میں سے کسی ایک شرط کی خلاف ورزی مظہر مقر سے ثابت ہونے پر وہ خلاف ورزی بمنزلہ طلاق بائن تصور ہوگی۔ اقرار نامہ دینے پر بھی مسمی محمد ابراہیم نے اپنا چال چلن درست نہیں کیا۔ عرصہ تیرہ چودہ سال میں ایک کوڑی گھر میں نہیں دی۔ اور نہ اپنی زوجہ مساۃ ہاجرہ بیگم کو گھر میں آباد کیا۔ مساۃ ہاجرہ بیگم اپنے چچا کی لڑکی مساۃ سکینہ بیگم کے گھر میں گذر اوقات کرتی رہی۔ اور اپنے والد کی زمین کی جو اناج وغیرہ آتا تھا اور آتا ہے اس سے اپنا پیٹ پالتی رہی۔ اتفاقاً اس کی ہمشیرہ سکینہ بیگم کو اپنے والد کے پاس بردوان جانا پڑا۔ مساۃ ہاجرہ بیگم بھی اس کی ہمراہ بردوان بدیں خیال چلی گئی کہ چونکہ اس کا خاوند وہاں اپنے چچا کے پاس موجود ہے۔ ممکن ہے وہ اس کے وہاں جانے سے التفات کرنے لگے۔ مسمی محمد ابراہیم کے چال چلن اور آوارگی میں فرق نہ آیا۔ لیکن چونکہ خاوند بیوی کا ملنا جلنا وہاں ہوتا تھا۔ مسمی محمد ابراہیم کے نطفہ سے مساۃ ہاجرہ بیگم کو حمل قرار پا گیا۔ وضع کے لئے مساۃ ہاجرہ بیگم واپس امرتسر آگئی۔ لڑکا جس کا نام محمد یٰسین ہے۔ اور جس کا عمر تقریباً پانچ سال ہے تولد ہوا۔ مساۃ ہاجرہ بیگم کا خیال تھا کہ اس کا خاوند شاید صاحب اولاد ہو کر درست ہو جائے۔ لیکن لڑکے کی ولادت کے بعد آج تک مسمی محمد ابراہیم نے ایک حبہ تک بھی اپنی زوجہ کو نہیں بھیجا نہ خطوط کا جواب دیا۔ اور نہ خود آج تک امرتسر آیا۔ نہ ہی اس کو مساۃ ہاجرہ بیگم کے آباد کرنے کا خیال ہے۔ چونکہ ان حالات میں مساۃ ہاجرہ بیگم کی باقی عمر کا گذرنا محال ہے۔ اس لئے التماس ہے کہ جو شرعی حکم اس بارہ میں ہو اس سے مطلع فرمادیں کہ آیا مساۃ ہاجرہ بیگم بروئے اقرار نامہ مطلقہ ہو چکی ہے یا نہیں تاکہ مساۃ مذکورہ کا عقد نکاح کسی دوسرے شریف آدمی کے ہمراہ کرا دیا جاوے۔ اور وہ باقی ماندہ زندگی آرام سے گذارے۔

خادم العلماء احقر فتح محمد خواجہ عفی عنہ۔ پوسٹ ماسٹر ڈگشائی۔

کیا مساۃ ہاجرہ بیگم بروئے اقرار نامہ لڑکے کی ولادت سے پہلے ہی مطلقہ ہو چکی ہے یا نہیں؟

(نقل اقرار نامہ جو ایک روپیہ کے کاغذ پر لکھا گیا تھا)

منکہ محمد ابراہیم ولد محمد رمضان قوم کشمیری ساکن امرتسر کٹڑہ کھریا سنگھ کوچہ سلطان پہلوان کا ہوں جو کہ مظہر کا عقد نکاح بروئے شرع محمدی ہمراہ مسماۃ ہاجرہ بیگم بنت کریم شیخ قوم کشمیری ساکن امرتسر کٹڑہ کرم سنگھ نے پڑھا ہوا ہے اور مسماۃ مذکورہ بخانہ مظہر بطریق منکوحہ عورت کے آباد ہیں ۔ اب عرصہ تخمیناً پانچ سال سے باعث بے اتفاقی مظہر باہمی فریقین میں شکر رنجی ہے ۔ اس لئے اب مظہر بہ ثبات عقل وبقائمی ہوش بلا ترغیب تحریری اقرار کرتا ہے اور لکھ دیتا ہے کہ مظہر مقر مسماۃ ہاجرہ بیگم منکوحہ خود کو ہر طرح سے نان ونفقہ وخورد ونوش پوشش وبود وباش میں آسائش دیا کرے گا ۔ اور ہر طرح کے حقوق زوجیت جو بذمہ مظہر بموجب شرع شریف واجب ولازم ہیں ۔ کا حق ادا کیا کرے گا ۔ کسی طرح کی تکلیف مسماۃ ہاجرہ بیگم مذکورہ کو نہ دے گا اور اپنے چال چلن میں جو آوارگی آج سے سابق تھی ترک کر کے نیک چلن بن کر گزر اوقات کیا کرے گا ۔ اگر شرائط متذکرہ صدر میں سے کسی ایک شرط کی خلاف ورزی مظہر مقر سے ثابت ہوگی تو وہ خلاف ورزی بمنزلہ طلاق بائن کے تصور ہوگی جس میں میرا کچھ عذر قابل سماعت نہ ہوگی ۔ اور مسماۃ مذکورہ مطلقہ سمجھی جاویگی اس لئے یہ چند حروف اقرار نامہ تحریر کر دئے کہ سند رہے اور وقت ضرورت کے کام آویں ۔

تحریر بتاریخ ۳۱ مئی ۱۹۱۷ء بقلم غلام رسول ، عرضی نویس کٹڑہ کرم سنگھ

العبد محمد ابراہیم مذکور داغ دنبل بر بنڈلی چپ ۔ عمر ۲۳ سال ۔

دستخط محمد ابراہیم ۔

دستخط گواہ شدہ ۔ خواجہ محمد عبد العزیز ولد خواجہ عبد الوہاب قوم کشمیری سوداگر ۔

دستخط ۔ میاں عبد السبحان ولد امیر الٰہی قوم کشمیری ۔ دستخط ۔ محمد عبد اللہ ولد محمد رمضان قوم کشمیری

الجواب :۔

بموجب عبارت اقرار نامہ مذکورہ کے جس وقت مسمی ابراہیم کی طرف سے زوجہ کے نان ونفقہ وغیرہ میں خلاف ورزی اقرار کی ظاہر ہوتی ہے ۔ اسی وقت سے مسماۃ ہاجرہ بیگم مطلقہ بائنہ ہوگی (حکم طلاق بلفظ اگر شرائط کی خلاف ورزی کی تو وہ خلاف ورزی بمنزلہ طلاق بائن متصور ہوگی) اور اگر اس وقت سے اس وقت تک اس کو تین حیض آچکے ہیں تو وہ عدت سے بھی فارغ ہوگئی ۔ فراغ از عدت کے بعد وہ اپنا دوسرا نکاح جس جگہ ہے کر سکتی ہے ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ مقیم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون صفر ۲۴ھ ۱۳

تعلیق طلاق کی ایک صورت !

سوال :۔ اس کابین کے بارے میں منکہ ناکح سید احمد ولد بخش علی حاجی مرحوم ساکن یوپی شمالی ۔ ضلع اکیاب ہستم مسماۃ شوابی بنت منور علی مرحوم ساکن ایضاً بعوض مہر مبلغ ہفتاد سیم در ائج باصحت ذات وثبات عقل بلا جبر واکراہ بہمیں یک شرط مرقوم الذیل در حبالہ عقد خود در

آوردم و آں شرط موصوف الصدر این کہ با مسماۃ ماجدہ خاتون بنت مولوی عبد الجلیل صاحب ساکن وغیرہ ایضاً کہ الحال منکوحۂ منست بوجہ عدم موافقت در خانہ پور بطور ناشزہ سکونت می ورزد تا زوجیت شوابی در سلک ازدواج من منسلک ماند ہر گز ہر آئینہ امر زن و شوئی بظہور نیارم و اگر خلاف این ورزم بر ماجدہ خاتون مذکورہ ۳ سہ طلاق واقع خواہد شد این چند کلمہ بطور کابین نامہ دادم تا عند الحاجت بکار آید۔ این کابین بالا مذکورہ کو ایک مولوی صاحب نے لکھا وہ جس کے واسطے لکھا وہ بھی مولوی اور ناکح مولوی صاحب نے محض دستخط کیا اور زبان سے اقرار نہیں کیا۔ اور دستخط ہر گز نہ کرتا لیکن ان کے مربیوں نے بہت اصرار کئے۔ اور عبارت کابین میں بھی نقص معلوم ہوا وہ نقص یہ ہے کہ اگر خلاف این ورزم بر ماجدہ خاتون مذکورہ ۳ سہ طلاق واقع خواہد شد کہ واقع خواہد شد صیغۂ استقبال ہے اور صیغۂ استقبال سے بغیر ارادہ طلاق، طلاق واقع نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ واقع خواہد شد خبر ہے۔ والخبر یحتمل الصدق والکذب الّا والموضع للاخبار قد استعمل فی الانشاء یہ خلاف قیاس ہے اور خلاف قیاس اپنے مورد میں منحصر ہے وہ ماضی ہے نہ لفظ واقع خواہد شد اور وقوع طلاق کے واسطے انشاء ہونا چاہیئے۔ خواہ تعلیق ہو یا تنجیز ہو یہ نقص خیال کر کے دستخط کی اگر یہ شبہ نہ ہوتا۔ ہر گز دستخط نہ کرتا کیونکہ طلاق کا منشاء بالکل نہیں ہے۔ اب عند وجود شرط طلاق، طلاق واقع ہو گی یا نہیں اگر ہو گی پس اس کا مطلب کیا ہے ان فعلت کذا الی خمسین سنۃ تصیری مطلقۃ بطا قتھا بل قال علی وجہ التخویف لم یقع ویکون القول قول الزوج کتبہ فی الخانیۃ بینوا توجروا۔

الجواب عند وجود الشرط:۔

صورت مذکورہ میں مسماۃ ماجدہ خاتون پر تینوں طلاق واقع ہو گئی ہیں قضاءً لان المضارع فی القضاء بالشرطیۃ غالب للانشاء فدعوی خلاف الظاہر فلا یقبلہ القاضی ولا المرأۃ لانہا کالقاضی لا تعلم الا الظاہر پس ماجدہ پر واجب ہے کہ اپنے کو مطلقۃ الثلث سمجھے اور زوج سے علیحدہ ہو کر عدت تمام کر کے وہ دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے اور عبارت عالمگیریہ سے استدلال نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس میں تعلیق طلاق علی فعل المرأۃ ہے اور عورت کی فعل پر طلاق کو معلق کرنے میں تخویف کا احتمال بعید تھی بلکہ دھمکانے کے طور پر کسی کام سے روکنے کے لئے ایسا کر دیا کرتے ہیں لہذا وہاں نیت زوج کا اعتبار ہے اور یہاں تعلیق علی فعل الزوج ہے۔ اس میں تخویف وغیرہ کا احتمال نہیں لہذا نیت زوج معتبر نہیں۔ لان لفظ الطلاق صریح فقط واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۲ صفر سنہ ۴۳ھ

لفظ طلاق واقع خواہد شد سے تعلیق طلاق پر شبہ کا جواب

سوال:- عرضداشت آنکہ شخصے کہ خویشتن را از زمرہ علماء شمارد حسب ہمیں ترتیب بار اول بزن دوم معیت، زن اولش در خانہ پدر خویش بزن اول یک کابین نامہ کہ صرف از ان ما نحن فیہ در قرطاس منقول بداد وجہ کابین دوم این کہ او زلم میکند بلفظ واقع خواہد شد کہ در کابین اول جزائے شرط واقع شدہ باستقبالیت آن طلاق عند الشرط واقع نگردد۔ چنانچہ در تنجیز نگردد۔ و صالح تنجیز نباشد مر تعلیق را ہم صالح نباشد کہ جزائے شرط قبل تعلیق تنجیز و نعل مستقبل مر تنجیز را نشاید۔ ہمچنیں مر تعلیق را نیز و حکم ہر دو دریں باب یکیست عبارت کابین اول و آں یک شرط موصوف الصدر ایں کہ تا زوجیت مسماۃ شوابی در سلک ازدواج من منسلک ماند با مسماۃ ماجدہ خاتون بنت مولوی عبد الجلیل ساکنہ سیندنگ حلقہ ایضاً علاقہ مذکورہ ضلع مزبورہ کہ الحال منکوحہ ست و بعد اتفاق و موافقت در خانہ پدر خویش سکونت ورزد ہرگز امر زن شونی بظہور نیارم و اگر خلاف ورزم بر مستورۂ ماجدہ موصوفہ سہ طلاق واقع خواہد شد۔ فقط

تصحیح الجواب:-

قال فی تنقیح الفتاوی الحامریۃ سئل فی رجل قال لزوجتہ تکونی طلقۃ ثلثا بصیغۃ المضارع وغلب استعمالہ فی الحال عرفا یقع الطلاق (الجواب) نعم کما افتی بہ الخیر الرملی واطال الکلام علی ذالک فی حاشیتہ علی البحر فراجعہا

(ص ۴۶ ج ۱)

صورت مسئولہ میں زوج کا یہ قول " اگر خلاف ورزم بر مستورۂ ماجدہ سہ طلاق واقع خواہد شد " فاتعلیق طلاق ہے اور خواہد شد۔ اس موقع میں وعدہ کے لئے نہیں ہوتا بلکہ انشا طلاق بوقت وجود شرط پر دلالت کرتا ہے اور تعلیق چونکہ امر مستقبل ہی کی ہوتی ہے اس لئے اس کے واسطے مستقبل کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے پس عرفاً یہ کلام وقوع طلاق ثلث بوقت شرط کو مقتضی ہے اور قضاءً وقوع ہی کا حکم کیا جائے گا والمرأۃ کالقاضی کے قاعدہ سے عورت کو بھی لازم ہے کہ اپنے کو مطلقہ ثلث سمجھے اگر شرط کا وقوع ہو گیا ہے

تنبیہ:- سائل نے جو بہشتی زیور کی عبارت سے استدلال کیا ہے وہ استدلال بالکل غلط ہے کیونکہ بہشتی زیور کی عبارت صراحۃً معنی وعدہ پر دلالت کر رہی ہے وہذا۔ کسی نے کہا یوں تجھ کو طلاق دونگا تو اس سے طلاق نہیں ہوتی اسی طرح کسی بات پر یوں کہا کہ اگر فلانہ کام کرے گی تو طلاق دیدوں گا تب بھی طلاق نہیں ہوئی (ص ۳۰ ج ۲) ان الفاظ میں معنیٰ وعدہ و تخویف مرأۃ کا احتمال ہے اس لئے طلاق نہیں ہوئی اگر سائل بھی یوں کہتا کہ:- " اگر خلاف ورزم ماجدہ را سہ طلاق دادہ خواہد شد۔ تو اس پر بھی وقوع کا حکم نہ ہوتا باقی اس

کے موجودہ الفاظ میں تو وعدہ و تخویف کا کوئی احتمال ہے ہی نہیں صاف تعلیق انشأ طلاق ہے۔

واللہ اعلم۔

ہمارے سوا کسی سے نکاح کریں تو اس کو طلاق ہوگی " سے تعلیق طلاق کا حیات زوجہ کے ساتھ مقید ہونا جبکہ شوہر کی نیت اور

سوال :- کیا فرماتے ہیں علمأ دین اس مسئلہ میں کہ ایک نہایت اہم کام کے لئے آں قبلہ کو تکلیف دینے کو مستفید ہوا امید قوی کہ حضور احقر کی گستاخی معاف فرما کر جواب شافی سے احقر کو مطلع فرما کر مطمئن و سرفراز فرمائیں اور للہ اس ناچیز کے ہر طرح کی دینی و دنیا وی بہبودی کے لئے دعا فرمادیں احقر نے اپنی اہلیہ سے کسی بات پر اس طرح وعدہ کیا تھا کہ اگر تمہارے سوا کسی سے نکاح کروں تو اس کو طلاق ہوگی میری اہلیہ کو آج تقریباً تیرہ برس ہوئے انتقال ہوگیا جیسے میں اس خوف سے کہ شاید اور نکاح کرنا جائز نہ ہوگا اس مدت دراز تک بغیر نکاح کئے رہا اب مجھ سے رہا نہیں جاتا طبیعت بھی اکثر ناساز رہتی - علاج سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا میری کل عمر ۳۶ برس کی ہے - اب حضور سے التجا ہے کہ اس کے جواز کی شرعاً کوئی صورت ہے یا نہیں اگر ہے تو کس طریقہ سے یہ جائز ہو سکتا ہے ازراہ کرم خلاصہ تحریر فرما کر اس ناچیز کو سرفراز فرمائیں - اطبأ کی بھی یہی رائے ہے کہ بغیر نکاح کے صحت ٹھیک نہیں ہوگی -

تنقیح :- ان الفاظ کے کہتے ہوئے کچھ نیت بھی تھی یا نہیں یعنی یہ نیت کہ زندگی میں کروں تو طلاق یا یہ نیت تھی کہ کسی وقت بھی کروں تو طلاق یا کچھ نیت نہیں تھی یا نیت یاد نہیں نیز طلاق کا لفظ ایک دفعہ کہا تھا یا زیادہ اس کا جواب دیا جائے - فقط ۱۲ ربیع الاول ۴۳ھ از تھانہ بھون

جواب تنقیح :-

ایک بار تو یوں اپنی اہلیہ کو اعتبار دلانے کی غرض سے کہ سوائے ان کے اور نکاح نہ کروں گا اور اگر کروں گا تو طلاق ہوگی وعدہ کیا تھا پھر اسی مجلس میں ان سب باتوں کے آخر میں یہ بھی کہا تھا مگر تمہاری اجازت دینے سے ضرور ہم کر سکیں گے مطلب یہ تھا کہ تمہاری اجازت دینے سے یہ شرط باقی نہ رہے گی زندگی یا موت کی بات یاد نہیں اور طلاق کا کئی دفعہ کہنا بھی یاد نہیں چند روز بعد مرض الموت میں ہم کو نکاح کی اجازت دی تھی - مجھے یہ فکر ہے کہ اخیر میں یہ بات جو میں نے کہی شرعاً معتبر ہوگی یا نہیں اور اسی مجلس میں سوائے ان سب باتوں کے اور کوئی ذکر نہ تھا

(سید سراج الحق)

الجواب : صورت مسئولہ میں یہ تعلق طلاق حیات زوجہ کیساتھ مقید تھا - لہٰذا اس کی موت کے بعد سائل کو نکاح درست ہے - قال الشامی تحت قول الدر حنث لا یرجع الدار ثم رجع لشئ نسیه لا یحنث ملخصه والحاصل ان هذا المسئلة تخصصت الیمین فیها

بدلالة العادة و العادة مخصصة كما تقرر في كتب الاصول ونظير ذلك
مافي الخانية اتهمته امرأته بجارية فحلف لا يمسها انصرف الى المس الذى
تكره المرأة اھ (ص ۸۵۰ ج ۲) ونظيره ولو حلف الوالى ليعلمنه بكل مفسد
تقيد بحال ولاية اھ شامی (ص ۸۲۳ ج ۲)

اور ظاہر ہے کہ شوہر نے یہ قسم عورت کو اعتبار دلانے اور راضی کرنے کے لئے کھائی تھی پس حیات زوجہ کے ساتھ مقید ہوگی اور
بہتر یہ ہے کہ عورت سے نکاح کیا جائے اول قلیل مہر پر جو ادنیٰ مقدار مہر ہے باذن ولی واذن امرءۃ نکاح کیا جائے اور
قبل دخول اس مہر کا نصف عورت کو ادا کیا جائے اس احتمال پر کہ شاید تعلیق میں نیت دوام کی ہو اور اس پر
طلاق واقع ہوگئی ہو پھر اسی عورت کے ساتھ معاً دوسرا نکاح اس کی اجازت سے مہر کامل پر کر لیا جائے۔
واذا نسی طلق واحدۃ ام ثنتین او ثلثا یحمل علی الادنی اور ایک بار طلاق کے بعد دوبارہ
طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ حکماً و غیرہ الفاظ عموم میں سے کوئی نہیں ہے فقط واللہ اعلم

حررہ المولینا الصوفی الاستاذی مکرم ظفر احمد صاحب عفا اللہ عنہ از خانقاہ۔ امدادیہ تھانہ بھون ۱۳۴۲ھ

تعلیق طلاق کی ایک صورت

سوال :- میں اُن تکالیف کو محسوس کرتے ہوئے جو میری زوجہ محمودہ بیگم
بنت شیخ عزیز الرحمٰن صاحب مرحوم کو میری طرف سے اس وقت تک میری لاپرواہی اور بدسلوکی کی وجہ سے
برداشت کرنی پڑیں۔ حسب ذیل تحریر اپنے ہوش حواس اور بلا کسی جبر کے اس کی تسکین کے لئے پیش کرتا ہوں کہ
آج بتاریخ ۲۲ جولائی ۴۷ء سے لے کر ۶ ماہ کے اندر اندر میں اپنی بیوی موسومہ بالا پر ثابت کر دوں گا میں
اس کو حسب حیثیت تمام عمر خوش رکھوں گا اور یہ کہ میرے تعلقات خوشگوار رہیں گے جس کا ثبوت میری بیوی کی
تصدیق ہوگی گویا صرف میری بیوی کو حق ہوگا کہ وہ میرے تعلقات خوشگوار یا ناخوشگوار کو ظاہر کرے اگر میں
مقررہ متذکرہ بالا میعاد یعنی چھ ماہ میں اس قسم کے تعلقات ثابت نہ کر سکا اور یہ کہ میری بیوی نے اس کے خلاف
ظاہر کیا تو میری طرف سے اس کو تین طلاق ہوگی۔ گویا میرا اور اس کا تعلق شرعی قائم نہ رہے گا (دستخط عبد الحمید)

استفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمیٰ عبد الحمید نے اپنی تحریر کے مطابق اس
عرصہ میں مجھ کو خوش نہ رکھا اور نہ یہ ثابت کیا کہ وہ مجھکو آئندہ خوش رکھیں گے بلکہ اس عرصہ میں بھی برابر مجھکو
تکالیف و مظالم کا شکار بنائے رکھا میرا بیان ہے کہ وہ اپنی تحریر کے مطابق مجھ کو خوش نہ رکھ سکے میعاد
مقتضی ہو چکی اس لئے میں فتویٰ علماء دین سے طلب کرتی ہوں کہ اس تحریر کے مطابق میرا اس سے قطع تعلق
ہو گیا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ (نوٹ) اس چھ مہینے کے بعد سے میں اپنے والدین کے یہاں مقیم ہوں

تنقیح :-

صورت مسئولہ میں مسمیٰ عبدالحمید کیا کہتا ہے کیا وہ بھی اس کو تسلیم کرتا ہے کہ شرط طلاق متحقق ہوگئی یا وہ تحقق شرط سے انکار کرتا ہے۔ اس کے جواب کے بعد حکم بتلایا جائے گا۔ نیز عبدالحمید کی تحریر میں جو یہ لفظ ہے " اور یہ کہ میری بیوی نے اس کے خلاف ظاہر کیا " اس میں حرف (یہ کہ) کیا ہے یہ محض فضول لکھا ہے یا اس سے عطف مراد ہے اس کا یہ تو مطلب نہیں کہ " میں اس قسم کے تعلقات کو ثابت نہ کر سکا یا میری بیوی نے اس کے خلاف ظاہر کیا " بہرحال سائل کے ذہن میں اس عبارت سے جو مطلب آیا ہو اس کو بیان کرے اور اپنی بستی کے دو چار عقلاء سے بھی پوچھے کہ اس عبارت سے کیا مطلب مفہوم ہوتا ہے۔ فقط

احقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۵ر محرم ۴۵ھ

جواب تنقیح بالا :

۱۔ مسمیٰ عبدالحمید کوئی جواب کسی تحریر کا نہیں دیتا بلکہ سنا ہے کہ وہ اپنے مکان پر بھی نہیں ہے اس کو نوٹس اور رجسٹری خطوط بھجوائے گئے مگر جواب نہیں دیا اس کی خاموشی بظاہر اسی پر دال ہے کہ وہ طلاق کا مقر ہے۔

۲۔ (یہ کہ) سے تجدید اپنے پہلے قول کی ہے جو یہ ہے کہ میں اس کو حسب حیثیت تمام عمر خوش رکھوں گا اور یہ ہے کہ میرے تعلقات خوشگوار رہیں گے بظاہر یہ مراد ہے کہ خورد و نوش وغیرہ کی کفالت اپنی حیثیت کے موافق رکھوں گا یہ فقرہ اول کی مراد ہے اور فقرہ دوم سے یہ مراد ہے کہ میرے دوسرے تعلقات زن و شوہر کے بھی خوشگوار ہوں گے مگر دونوں باتوں میں وہ ناکام رہے نیز لفظ (یہ کہ) بطور عطف کے واقع ہوا ہے۔

۳۔ مستفسر کے ذہن میں تو دونوں امور کے متعلق بھی آتا ہے جو عرض کیا گیا اور اس کے متعلق چند دوسری جگہ فتویٰ بھجوایا تھا اس کی عبارت بجنسہ یہی تھی جو اس استفتاء کی ہے وہاں سے جواب حسب ذیل آئے ہیں جو نقل ہیں

از دیوبند الجواب -

شوہر کے تحریر کے مطابق مسماۃ محمودہ بیگم بنت شیخ عزیز الرحمٰن پر تین طلاق واقع ہوگئی اور زوجین کا باہمی قطع تعلق ہوگیا اب علاقہ نکاح کا مابین ان کے باقی نہیں رہا۔ مسماۃ مذکور کو اختیار ہے کہ بعد ختم ہونے عدت دوسرے شخص سے حسب قاعدہ شرعیہ نکاح کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ مفتی دارالعلوم دیوبند ۱۶ محرم ۴۵ھ

الجواب از مدرسہ ارشاد العلوم راہپور :- الجواب اللہ سبحانہ الموفق للصواب

جبکہ شوہر نے طلاق کو اپنی بیوی کے فعل اور اس کے بیان اور اظہار کے ساتھ معلق کیا ہے تو حسب تعلیق

زوج بموجب بیان اخبار زوجہ بلاحلف صورۃ مستفسرہ میں طلاق مذکورکے واقع ہوجانے میں کوئی تردد نہیں ہے درمختار میں ہے۔ ومالا یعلم وجوده الا منها صدقت فی حق نفسها خاصة استحسانا بلا یمین انتھی ۔

شامی میں اس قول پر تحریر فرماتے ہیں :- وجه الاستحسان ان هذا والامر لا یعرف الا من قبلها وقد ترتب علیه حکم شرعی فیجب علیها ان تخبر کیلا تقع فی الحرام اذا لاجتناب عنه واجب علیهما شرعا فیجب طریقه وهو الاخبار فتعینت له فیجب قبول قولها لتخرج عن عهدة الواجب زیلعی انتھی ۔

هذا حکم الکتاب واللہ اعلم ۔

العبد	العبد الجواب صواب	العبد
محمد غفران حسین احمد مجددی	محمد ریحان حسن احمد مجددی	محمد شجاعت علی عفی عنہ
ناظم مدرسہ ارشاد العلوم واقع ریاست رامپور محلہ چاہ لوپر	مدرسہ ارشاد العلوم رامپور	مدرس مدرسہ ارشاد العلوم رامپور
(مہر)	(مہر)	

از فرنگی محل لکھنو ، ہو المصوب

صورت مسئولہ میں طلاق ہوگئی زن وشوہر کا تعلق زوجیت منقطع ہوگیا عورت کو بعد عدت اپنا دوسرا نکاح کر لینے کا اختیار ہے واللہ اعلم بالصواب ، کتبہ محمد شفیع عفی عنہ اللہ الانصاری فرنگی محل لکھنو

امیدوار ہوں کہ بعد ملاحظہ جواب فتوی مرحمت فرمایا جاوے فقط خاکسار ظہیر الدین محمود ترابا بیرم خان

محلہ مفتی صاحب چھتہ والی حویلی دہلی

۲۴ ، محرم الحرام ۱۳۵۵ھ

الجواب من جامع امداد الاحکام

صورت مسئولہ میں شوہر مسمی عبدالحمید نے طلقات ثلث کو دو باتوں پر معلق کیا ہے ایک مدت ششماہ میں خوشگوار تعلق کو ثابت نہ کرسکنا (جو زوج کا فعل ہے) دوسرے بیوی کا اس کے خلاف ظاہر کرنا (جو بیوی کا فعل ہے) پس شرط طلاق تحقق جب ہوگا کہ دونوں باتیں پائی جائیں ۔ سوال سے دوسری شرط کا تحقق تو ظاہر ہے ۔ کیونکہ مساۃ کا بیان ہے کہ عبدالحمید مذکور اپنی تحریر کے مطابق مجھ کو خوش نہ رکھ سکے ، اور مسمی عبدالحمید کے سکوت سے اور اپنی بیوی کے بیان کے خلاف بیان نہ دینے سے شرط اول کا تحقق بھی ہوگیا ۔ کیونکہ وہ میعاد مقررہ میں قولاً حجۃً اپنی طرف سے خوشگوار تعلق کو ثابت نہیں کرسکا اور

عام طور پر محاورات میں ثابت کرنا اور ثابت کر سکنا اثبات قولی ہی میں مستعمل ہے اور اگر اس سے اثبات عملی ہی مراد لیا جاوے جیسا کہ " اس کا یہ قول کہ میں ۲۲ ر جولائی سے چھ ماہ کے اندر اندر اپنی بیوی پر ثابت کر دوں گا کہ میں اس کو حسب حیثیت تمام عمر خوش رکھوں گا " اس کا قرینہ ہے کہ اس کی مراد ثابت کرنے سے قولی اثبات نہیں بلکہ عملی اثبات ہے مگر چونکہ اس کے بعد عبد الحمید مذکور نے اس عملی طریقہ ثبوت کو محض بی بی کی تصدیق میں منحصر کر دیا ہے اور بیوی اس کی تصدیق نہیں کرتی بلکہ اس کے خلاف ظاہر کرتی ہے اس لئے عبد الحمید مذکور کی طرف سے عملی ثبوت بھی نہیں پایا گیا اور ہر حال میں شرط دوم کی طرح شرط اول کا تحقق بھی ہو گیا اس لئے وجود شرط کے ساتھ مسماۃ محمودہ بیگم پر تین طلاق واقع ہو گئیں اگر مسمیٰ عبد الحمید کو شرط اول کے تحقق میں کچھ کلام ہو تو وہ اپنا خدشہ ظاہر کرے ہم کو صورت واقعہ سے دونوں شرطوں کا تحقق معلوم ہوتا ہے اس لئے تین طلاق واقع ہونے کا فتویٰ دیا جاتا ہے ۔

واللہ اعلم حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۔ از تھانہ بھون ۲۷ محرم ۱۳۴۵ھ

نعم التوضیح و نعم التنقیح ۔ اشرف علی ۲۷ محرم ۱۳۴۵ھ

بیان حیلۂ نکاح جب کہ یہ حلف کرے کہ فلاں کام کروں تو میں جو کام کروں اور جب کروں جس سے کروں اسے تین طلاق ہیں ۔

سوال :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے یہ عہد کیا کہ فلاں کام جو محرمات شرعیہ سے ہے ہرگز نہیں کروں گا اور اگر اس کام کو کروں تو میں جو نکاح کروں اور جب نکاح کروں اور جس سے نکاح کروں اسے تین طلاقیں ہوں پھر ایک مدت کے بعد زید نے جس کام کے نہ کرنے کا عہد کیا تھا اسے کیا تو اب ظاہر ہے کہ علمائے احناف کے نزدیک جس عورت سے نکاح کرے گا وہ مطلقہ ثلثہ ہو جاوے گی ۔ اور حیلہ جواز جیسا کہ درمختار میں مذکور ہے کہ اگر کوئی فضولی نکاح کر دے اور زید اسے قبول کر لے تو نکاح ہو جاویگا اور تین طلاقیں نہیں ہوں گی تو یہ اتفاقی صورت ہے کہ کوئی فضولی کسی کا اتفاقاً نکاح کر دے اور نیز آخر زید کب تک اس انتظار میں رہے کہ مردے از غیب برون آید و کارے بکند ۔ اور نہ معلوم فضولی اس کا نکاح کس سے کرے اور کب کرے اور وہ نکاح اس کی منشا کے موافق بھی ہو یا نہیں ہو ۔ یہاں دو صورتیں زید کی نکاح کی علیحدہ علیحدہ تحریر کی جاتی ہیں ۔ درخواست ہے کہ ان کے بھی جواز و عدم جواز پر فتویٰ تحریر فرمایا جاوے ۔

۱ :- اول یہ کہ زید کسی شخص کو اپنا وکیل بنائے اور اسے اپنے نکاح کا مختار کر دے اور وہ وکیل مجلس نکاح میں کہ جس میں خود زید بحیثیت نوشہ موجود ہے زید کا نکاح کر دے تو یہ نکاح اگرچہ زید کے امر

سے ہوگا مگر یہ صادق آئے گا کہ زید نے اپنا نکاح خود نہیں کیا اور زید کے نکاح کا انعقاد زید کے قول سے نہیں ہوا اور زید نے جو عہد کیا ہے چونکہ وہ قضیہ شرطیہ ہے اور اس میں ہے کہ میں جو نکاح کروں اور جس سے جب نکاح کروں اسے تین طلاقیں ہوں تو یہ نکاح چونکہ زید نے نہیں کیا بلکہ زید کے وکیل نے کیا ہے اس لئے افراد مقدم میں داخل نہیں ہوگا اور جب افراد مقدم سے خارج ہوا تو تالی کو بھی مستلزم نہیں ہوگا اس لئے چاہیئے کہ نکاح درست ہو اور طلاقیں واقع نہ ہوں۔ لہٰذا عرض یہ ہے کہ اس صورت میں طلاقیں ہوں گی یا نہیں (تذئیل) جب مجلس نکاح میں زید کا نکاح خود زید کے سامنے اس کے وکیل نے کر دیا تو اب قاضی کو زید سے قبول یا عدم قبول کے دریافت کی ضرورت ہے یا نہیں اور اگر قاضی نے دریافت کیا اور زید نے کہہ دیا کہ میرا نکاح جو میرے وکیل نے کر دیا ہے۔ وہ مجھے قبول ہے تو کچھ حرج تو نہیں ہے لہٰذا اس صورت میں کہ زید کسی کو اپنا وکیل بنا کر اس طرح نکاح کرائے طلاقیں ہوں گی یا نہیں ؟

۲:۔۔۔۔ دوسری صورت یہ ہے کہ زید نے کسی شخص کو وکیل تو نہیں بنایا بلکہ ایک سے یا ایک سے زیادہ آدمیوں سے یہ واقعہ بیان کیا اور سمجھایا کہ اگر میں خود قبول کر دوں گا تو طلاقیں ہو جاویں گی یا میں کسی کو وکیل بناؤں گا جب بھی طلاقیں ہو جائیں گی بلکہ میری نکاح کی یہ صورت ہے کہ میرے بغیر امر اور بغیر وکیل بنائے کوئی شخص قبول کرے۔ میری طرف سے نکاح ہو جائے گا۔ اور وہ ایک آدمی ـــــــــــــــ یا ایک سے زیادہ معاملہ کو سمجھ کر چپ ہو رہیں اور نکاح کے وقت وہ ایک آدمی یا ان آدمیوں میں سے جنہیں سمجھایا گیا تھا کوئی قبول کرے تو نکاح درست ہوگا یا نہیں اور طلاقیں واقع ہوں گی یا نہیں ؟

تذنیب:۔ اگر اس آدمی کے قبول کرنے کے بعد لڑکی والے اصرار کریں کہ زید کو بھی قبول کرنا چاہیئے اور زید بایں الفاظ قبول کر لے کہ اس آدمی نے جو میرا نکاح کر دیا ہے وہ مجھے منظور ہے تو طلاقیں ہوں گی یا نہیں ؟ فقط ۳۰ رجب ۲۵ھ عرض ہے کہ فتویٰ مفصل تحریر فرمایا جاوے جو ہر شق پر مفصل روشنی ڈالے اور قابل تسکین ہو۔ پتہ:۔ سرورج مالوہ حکیم فخر احمد خان طبیب ریاست۔

الجواب:۔

۱:۔۔۔۔ صورت اولیٰ میں وکیل کے نکاح کرتے ہی طلاق پڑ جائے گی اس لئے کہ فعل وکیل فعل مؤکل ہے ظاہر ہے کہ وکیل اپنا نکاح نہیں کر رہا بلکہ بامر مؤکل مؤکل کا نکاح کر رہا ہے۔ اور شرعاً فعل وکیل مؤکل کی طرف سے مضاف ہوتا ہے خصوصاً نکاح و طلاق میں کہ ان میں وکیل محض معبر و سفیر ہوتا ہے اور دلیل اس کی آئندہ آتی ہے۔ تذییل کا جواب یہ ہے کہ جب زید نے خود کسی کو وکیل بنایا ہے۔ اس صورت میں چاہے زید اپنی زبان سے قبول کرے یا نہ کرے بہر حال نکاح کے ساتھ ہی طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

۲: ——— دوسری صورت میں نکاح فضولی کے بعد طلاق واقع نہ ہوگی بشرطیکہ زید کسی سے امر کے ساتھ یہ نہ کہے کہ تو فضولی بن کر میرا نکاح کردے بلکہ صرف قاعدہ بیان کردے کہ اگر کوئی فضولی بن کر ایسا کردے گا تو میرا کام ہو جائے گا نیز یہ بھی شرط ہے کہ زید فضولی کے عقد کو زبان سے قبول نہ کرے بلکہ فعلاً نافذ کردے کہ خاموش رہ کر اسی وقت عورت کے پاس مہر کا کچھ حصہ بھیجدے اور اس کے بعد اس کے پاس چلا جاوے اور بہتر یہ ہے کہ کسی محقق عالم کے سامنے اپنا واقعہ بیان کردے اور یہ کہدے کہ مجھے عقد فضولی کی حاجت ہے یہ نہ کہے کہ تم فضولی بن کر ایسا کردو۔ عالم واقعہ ہی سے سمجھ جائے گا۔ کہ سائل کو ایسی حاجت ہے پھر وہ بدون اس کے کچھ کہے خود ہی عقد کردے گا۔

قال الشامی ناقلا عن البحر عن البزازیۃ وینبغی ان یجئ الی عالم ویقول لہ ما حلف واحتیاجہ الی عقد الفضولی فیزوجہ العالم امرأۃ ویجیز بالفعل وکذا اذا قال لجماعۃ لی حاجۃ الی نکاح الفضولی فزوجہ واحد منھم اما اذا قال لرجل اعقد لی عقد فضولی یکون توکیلا اھ (ص ۱۱۶ ج ۲)

جواب تذنیب :-

زبان سے قبول کرنے سے پھر طلاق پڑ جائیں گی اس لئے نکاح فضولی کو زید زبان سے قبول نہ کرے بلکہ فعلاً نافذ کردے یعنی عورت کے پاس چلا جائے یا مہر کا کچھ حصہ عورت کو پہونچادے۔ قال الحموی فی شرح الاسناد قولہ فالحیلۃ ان یزوجہ الفضولی ویجیزہ بالفعل ھذا ھو المختار کما فی الزیلعی وعلیہ الفتوی کما فی المنح الغفار نقلاً عن الخانیۃ لکن فی جامع الفصولین فی فصل الرابع والعشرین فی تصرفات الفضولی ان الاصلح انہ لا یحنث بالقول ایضاً وقد تقدم ان الفتوی علی خلافہ وانما لم یحنث بالفعل لان المحلوف علیہ ھو التزوج وھو عبارۃ عن العقد وھو یختص بالقول والاجازۃ بالفعل کبعث المھر او شئ منہ والمراد الوصول الیھا ذکرہ الصدر الشھید وقیل سوق المھر یکفی مطلقا لان المجوز الاجازۃ بالفعل وقد تحقق بالسوق وبعث الھدیۃ لا یکون اجازۃ لانھا لا تختص بالنکاح اھ (ص ۳۰۸)

ھذا واللہ تعالی اعلم، حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۴ ار شعبان ۴۳ھ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

استفتاء بمذہب شافعیہ ضمیمہ اول

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان

شرع متین کہ زید نے یہ عہد کیا کہ فلاں کام نہیں کروں گا اور اگر کروں تو جو نکاح کروں اور جب نکاح اور جس عورت سے نکاح کروں اسے تین طلاقیں ہوں اور پھر ایک مدت کے بعد زید نے اس کام کو جس کے نہ کرنے کا عہد کیا تھا اسے کیا تو اب اگر زید کوئی نکاح کرے تو امام شافعی کے نزدیک طلاقیں ہوں گی یا نہیں ؟

الجواب :-

حنفی مفتی کو مذہب غیر پر فتوی دینے سے فقہائے نے منع کیا ہے لہذا ہم فتوی مذہب شافعی پر نہیں دے سکتے ۔

فی الرد المختار المفتی لا یفتی صاحب الحادثة بما یتوصل به الی فسخ الیمین فلا تقول له ارفع الامر الی شافعی او حکمه فی ذلک او استفته یقول یقع علیک الطلاق لان علیه ان یجیب بما یعتقده ولیس له ان یدله علی ما یهدم مذهبه اھ (ص ۱۲ ج ۲ شامی) فقط حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۔ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۔ ۱۳ شعبان المعظم ۱۳۴۳ھ

طلاق معلق کے بارے میں ایک فتویٰ

سوال : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ رجب خان نے اپنی بیوی شبراتن کو یہ تحریر لکھدی کہ اگر میں اپنے بھائی کے گھر جاؤں تو تم پر طلاق ہے اس کے بعد رجب خان اپنے بھائی کے گھر گیا تو شبراتن نے جانے کے ایک ماہ بعد رجب خان کو جو کہ پردیس میں تھا بذریعہ رجسٹری کے خط لکھا کہ تم تحریر کے بعد اپنے بھائی کے گھر گئے تھے لہذا مجھ پر طلاق پڑ گئی اب تم مجھے اپنی زوجہ نہ خیال کرو مجھے اپنے نفس کا اختیار ہے اس پر رجب خان نے جاہل ملاؤں سے جن کو یہ اپنی نادانی سے عالم کامل سمجھتا ہے دریافت کر کے لکھا کہ میں نے علماء سے دریافت کیا انہوں نے بتلایا ہے کہ اس صورت میں طلاق نہیں پڑی یہ جواب رجب خان کا اپنے بھائی کے گھر جانے کے دو ماہ بعد یعنی قبل انقضائے عدت کے یا پانچ ماہ کے بعد یعنی بعد انقضائے عدت کے آیا اس کے بعد سے اب تک کہ ڈھائی برس گزر چکے رجب خان نہ تو اپنے وطن شبراتن کے پاس آیا اور نہ کوئی مراسلت ومکاتبت طرفین سے ہوئی ۔ غرض رجب خان سے کوئی فعل دال علی الرجوع پایا گیا اور قولاً اس نے رجوع کر لی ہو تو اس کا اب تک شبراتن کو کوئی علم نہیں ایسی صورت میں یہ تو ظاہر ہے کہ طلاق رجعی واقع ہو گئی لیکن سوال طلب یہ امر ہے کہ اب اسے کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہ اور اگر بعد نکاح کے شوہر یہ کہے کہ میں نے تو لاً زمانہ عدۃ ہی میں رجوع کر لی تھی مگر تمہیں میں نے اب تک اطلاع نہیں دی تھی اور وہ اپنے رجوع قولی پر بیّنہ بھی پیش کرے تو ایسی صورت میں نکاح ثانی قضاءً و دیانۃً باقی رہے گا یا نہ اور یہ کس کی زوجہ سمجھی جائے گی اور اس نکاح ثانی سے دنیا وآخرت میں شبراتن اور اس کا زوج ثانی کسی عقوبت کے مستحق ہوں گے یا نہ زوجہ کو ایک دشواری یہ ہے کہ رجب خان بدچلن ہے

اس لئے زوجہ رجب خان سے بذریعہ خط وغیرہ یہ استفسار نہیں کرسکتی کہ تم نے ایام عدۃ میں قولاً رجوع کیا تھا یا نہ کیونکہ اس استفسار سے وہ فوراً متنبہ ہو جائے گا کہ مجھے شرعاً قولاً بلا اعلام زوجہ حق رجوع تھا جس کی وجہ سے رجوع نہ بھی کیا ہوگا جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے پھر بھی وہ جھوٹ موٹ اپنے رجوع کو ظاہر کرے گا اور جھوٹے گواہوں سے ثبوت بہم پہونچا لیگا ایسی حالت میں زوجہ کو مفر کی کیا صورت ہے؟ جواب ہر جزء کا دیانۃً وقضاءً دونوں کے اعتبار سے مفصل و مدلل مرحمت فرمایا جائے۔ فقط بینوا توجروا۔

الجواب :۔

صورت مسئولہ میں مطلقہ مذکورہ کو کسی شخص سے اپنا نکاح کر لینا درست ہے اور اگر بعد نکاح کے زوج اول یہ دعوی کرے کہ میں نے عدت میں قولاً رجوع کر لیا تھا اور حاکم مسلم کے سامنے اس پر بینہ قائم کر دی تو زوج ثانی میں اور عورت میں تفریق کرادی جائے گی اور مطلقہ مذکورہ پر نکاح ثانی کرنے سے کچھ گناہ نہ ہوگا۔

قال فی الدر وندب اعلامها بها لئلا تنکح غیره بعد العدة فان نکحت فرق بینهما وان دخل شمنی اھ قال الشامی قوله لئلا تنکح غیره اولی من قول الهدایة لئلا تقع فی المعصیة اذ لا معصیة فیه مع عدم علمها بالرجعة وان اجیب بان المعصیة لتقصیرها بترک السوال لما فیه من ایجاب السوال علیها ــــــــــ (ص ۸۷۴ -ج ۲) وقوله فرق بینهما ای اذا اثبت المراجعة بالبینة وقوله وان دخل ای الزوج الثانی اھ

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۷ رشوال ۴۳ھ از تھانہ بھون

سوال : نکاح سے قبل کابین نامہ میں لکھدیا کہ اگر تمہارے زندہ رہنے کی حالت میں نکاح کروں تو دوسری بی بی مطلقہ ثلاثہ ہو جائے گی اور زوج اول کو طلاق دے کر علیحدہ کر دیا۔ تو دوسرا نکاح کرنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی الخ

کیا فرماتے ہیں حضور اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ کو ایک کابین نامہ دیکے نکاح کیا اس میں لکھا ہوا تھا کہ اگر تمہارے زندہ رہنے کی حالت میں اگر دوسرا اور شادی کروں تو وہ دوسرا بی بی مطلقہ ثلثہ ہو جاوے گی مگر یہ شرائط نامہ عقد نکاح کے دو مہینہ قبل ہوا ہے۔ اور یہ کابین ہندہ سب رجسٹرار کے پاس رجسٹری ہوا ہے وہ سب شرائط شادی کے مجلس میں پڑھا نہیں اور سنایا بھی نہیں گیا اور ناکح

انکار کرتا ہے کہ یہ ایک شرط جو کابین میں لکھا گیا ہے وہ ہرگز مجھے معلوم نہیں اس طرف کے بے دینوں کی زیرکی اور چالاکی سے یہ شرط لکھی گئی میں نے خود کابین لکھا نہیں پڑھا بھی نہیں اگر میں جانتا کہ ایسا ناقابل شرط کابین میں لکھی گئی ہے تو میں ہرگز راضی نہ ہوتا۔ بعد شادی زید کو معلوم ہوا کہ ہندہ بے نمازی ہے موافق شریعت کے ہر قسم کا علاج کیا مگر کام میں نہ آیا۔ ایک روز بہت عذاب کیا چند ساعت کے بعد ہندہ نے کہا کہ اگر جان تن سے نکل جاوے تب بھی نماز نہ پڑھوں گی۔ یہ جواب عجیب سن کر زید نے اس ہندہ کو تین طلاق بائن دیکر دوسرا شادی کر لیا۔ اس حالت میں زید کی دوسری بی بی پر طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟

الجواب:۔ طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ کابین نامہ نکاح سے پہلے لکھا گیا ہے اور تعلیق میں طلاق ثانیہ کو نکاح اولیٰ کے ساتھ مشروط نہیں کیا گیا بلکہ امر آخر یعنی زندہ رہنے کی حالت کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے اور اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔

قال فی العالمگیریۃ قال لاجنبیۃ ما دمت فی نکاحی فکل امرأۃ اتزوجہا فہی طالق ثم تزوجہا فتزوج علیہا امرأۃ لا یقع ولو قال ان تزوجتک فما دمت فی نکاحی فکل امرأۃ اتزوجہا علیہا والمسئلۃ بحالہا یقع کذا فی الوجیز للکردری اھ (ص ۱۰۱ ج ۲) قال سیدی حکیم الامت والفرق بینہما ان فی الاول علق طلاق الثانیۃ علی بقاء نکاح الاولی والبقاء لا یتصور بدون الحدوث وہو منعدم فی الاجنبیۃ فلا یصح تعلیق شئی علی بقاء النکاح اذا کان الخطاب مع الاجنبیۃ فیلغو الکلام ولا یقع بہ شئی وفی المسئلۃ الثانیۃ علق طلاق الاخری علی النکاح بالاولی ویصح انشاء النکاح بکل اجنبیۃ فصح التعلیق واذا تزوج علیہا اخری طلقت اھ قلت وقولہ ان تزوجت علیک فی حیاتک معناہ فی حیاتک بعد نکاحی کما لا یخفی فکان فیہ تعلیق الطلاق علی بقاء نکاح الاولی۔ نیز جب عرفاً کلام کا یہ کہ۔ اگر تمہاری زندہ رہنے کی حالت میں دوسری اور شادی کروں الخ مطلب یہ ہے کہ جب تک تم میرے نکاح میں زندہ رہو تو اب جبکہ اس شخص نے اولیٰ کو طلاق بائن دیکر نکاح ثانی کیا ہے تو ثانیہ پر وقوع طلاق کی کوئی وجہ نہیں۔

قال فی العالمگیریۃ ولو قال ان تزوجت علیک فالتی اتزوج طالق فطلق

امرأته طلاقاً بائناً ثم تزوج امرأة اخری فی عدتها لاتطلق اھ
(ص ۱۰۱ ج ۲) نیز جب تعلیق زید نے خود نہیں لکھی اور نہ اس کو کابین نامہ پڑھ کر سنایا گیا بلکہ ویسے ہی دستخط کرا لئے گئے تو یہ تعلیق اس اعتبار سے بھی لغو ہے، واللہ اعلم۔

حررہٗ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۴۴ھ

سوال: تعلیق کے بعد تنجیز طلاق کا حکم | کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اول تو اپنی زوجہ کو یہ تحریر بھیجی کہ تم جو کہتی ہو کہ میں نے تم کو بارہ دن مکان میں بند رکھکر بے آب و دانہ محبوس کیا اور مارنے کو تیار تھا اگر تم اس دعوی میں صادق ہو تو تم پر طلاق واقع ہے۔ یہ شرطیہ طلاق ہے پھر جب زوجہ کے اقرباء نے کہا کہ تم نے تو طلاق کا وعدہ کیا تھا یہ مہمل الفاظ کیوں لکھے تو زید نے برجستہ جواب دیا کہ آپ لوگ کیا کرتے رہے ہیں ہم نے تو طلاق دیدیا ہے طلاق دیدیا ہے طلاق دیدیا ہے اب جھگڑا ہی کیا ہے بیسوں بار گھر میں اور باہر یہ الفاظ کہئے اب طلاق ہوئی کہ نہیں۔

حکیم امانت اللہ ڈاکخانہ معونات بھچن محلہ ڈومن پورہ اعظم گڑھ

جواب: زید نے جو الفاظ بعد میں چار آدمیوں کے سامنے کہے ہیں ان سے تین طلاق مغلظہ واقع ہو گئیں۔
قال فی الدر ویبطل تنجیز الثلاث للحرۃ والثنتین للامۃ تعلیقہ الثلاث او مادونھا
اھ (ص ۸۱۷ ج ۲) اور اس کا قول میں نے تو طلاق دیدیا ہے طلاق منجز ہے اس میں کوئی تعلیق نہیں۔

واللہ اعلم حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون ۱۰ محرم ۴۵ھ

سوال: تعلیق طلاق کی ایک خاص صورت کا حکم | کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عباس علی نے اپنی دختر مسماۃ فاطمہ کا نکاح شنامیاں سے کر دینے کی بات طے ہو چکنے پر شنامیاں سے ایک اس قسم کا اقرار نامہ کہ اگر اس نے عقد کے بعد دس دن کے اندر کابین نامہ رجسٹری کرا کے نہ دیا تو مسماۃ مذکورہ کو تین طلاق ہو جاوے گی کا مطالبہ کیا چنانچہ حسب طلب برضائے طرفین اقرار نامہ کا مسودہ ہوا اور شنامیاں و دیگر حاضرین کے سامنے پڑھکر سنایا گیا مگر چونکہ رجسٹری کا خرچ عباس علی کا ذمہ تھا۔ اور وہ دس دن کے اندر خرچ کے مہیا کرنے سے عاجز تھا لہذا اس نے بطور خود مہلت کی مدت میں اور دس روز کا اضافہ کرا دیا اور اقرار نامہ کے دس کے ہندسہ کو کاتب کے ہاتھ عقد سے پہلے بیس بنوا دیا۔ مگر اس بات کی خبر دوسرے کسی کو یہاں تک شنامیاں کو بھی نہیں کی اس کے بعد عقد ہوا۔ عقد ہو چکنے کے بعد نکاح خواں نے اقرار نامہ کا لپیٹا ہوا پرچہ ہاتھ لیکر بغیر پڑھے دولہا سے دریافت کیا کہ اقرار نامہ تم کو منظور ہے اس نے جی ہاں کہکر جواب دیا بعد ازاں دس دن کے بعد بیس دن سے پہلے کابین نامہ کی رجسٹری ہوئی۔ یہ بھی واضح رہے کہ کاتب نے جس

وقت اقرارنامہ کے دس کے ہندسہ کو بیس بنایا اس وقت عباس علی وہاں موجود نہیں تھا اور نہ عباس علی کو لکھنا پڑھنا آتا ہے۔ امر محض ہے صرف کاتب کی بات پر اعتبار کرکے دعوی کرتا ہے۔ اب عباس علی کہتا ہے کہ ہم نے یہ کارروائی عقد سے پہلے کی تھی اور منظوری کے وقت اقرارنامہ میں بیس تھا اور کاتب بھی معترف ہے کہ عباس علی کے کہنے سے اس نے عقد اور منظوری سے پہلے دس کو بیس بنادیا تھا اور ان کے خلاف کوئی ایسا گواہ جو یہ بتلاسکتا ہو کہ منظوری کے وقت بیس نہیں تھا بلکہ دس تھا اور انہوں نے یہ کارروائی عقد اور منظوری کے بعد میں کی اب اس صورت میں شرعاً کیا حکم ہوگا عباس علی اور کاتب کی بات کی تصدیق کی جاویگی یا نہیں اور بانوے مذکورہ کو دس دن کے بعد بیس دن سے پہلے طلاق ہوجاوے گی یا نہیں۔

تتمہ سوال:۔

جناب عالی میں نے کل گزشتہ ایک استفتاء حضرت کی خدمت میں بھیجا مگر پرچہ جو اس کے ہمراہ بھیجنے کے لئے لکھا تھا لفافہ میں استفتاء کے ہمراہ وہ پرچہ دینے کو بھول گیا اب گذارش یہ ہے کہ وہ استفتاء مذکورہ جس میں عباس علی کی بیٹی مسماۃ فاطمہ منکوحہ مسمی شنامیاں کی طلاق ہونے نہ ہونے کے متعلق دریافت کیا گیا۔ لہٰذا جہاں تک جلد ممکن ہو جواب بادلائل وحوالہ کتب لکھکر بھیج دیں۔ کیونکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ طلاق نہیں ہوئی۔ اور بعض کہتے ہیں کہ طلاق ہوگئی۔ اس وجہ سے لوگ بہت تردد میں ہیں اور مسماۃ مذکورہ اب تک شنامیاں کے پاس رہتی ہے اور اس سے حاملہ ہوئی لہذا جلد جواب عنایت فرمادیں۔ تاکہ اس کے مطابق عمل کیا جاوے۔ والسلام۔

نذیر احمد۔ ڈاکخانہ لال موہن چر کسبیہ ضلع بریسال (بنگال)

الجواب:۔ قال صاحب البحر الرائق وفیہا (المحیط) دعا امرأته الی الوقاع بنا فقال متی یکون قالت غدا فقال ان لم تفعلی هذا المراد غدًا فانت طالق ثم نسیا حتی مضی الغد لا یحنث وهذا یستثنی من قولهم ان المحلوف علیه ناسیا یحنث والجواب ان الحنث شرطه ان یطلب منها غدًا وتمتنع ولم یطلب فلا استثناء (ص۲۲ ج۴) وهکذا فی الدر المختار وقال لا یقع بدل لا یحنث وقال الشامی تحت (قوله لا یقع) لان الحنث شرطه ان یطلب منها غدا وتمتنع ولم یطلب بحر ونحوه فی التاتارخانیة عن الملتقی قلت ومقتضاه ان النسیان لا تاثیر له هنا لکن سیاتی فی الایمان تعلیله بان امکان البر شرط لبقاء الیمین بعد انعقادها کما هو شرط لانعقادها خلافًا لابی یوسفؒ ولا یخفی ما فیه فان امکان البر محقق بالتذکر علی انه یلزم ان یکون النسیان عذرا

فی عدم الحنث فی غیر ھذہ الصورۃ ایضاً وھو خلاف المنصوص فافھم (ص۴۳۸ ج ۲) وفی العالمگیریۃ (ص۱۰۶ ج ۲) سکران دعا امرأتہ الی فراشہ فابت فقال لہا ان امتثلت وساعدتنی والا فانت طالق فساعدتہ بعد ما دعاھا فی المستقبل بعد الیمین لا یحنث وان دعاھا فی المستقبل ولم تساعدہ حنث قال مولانا وینبغی ان یحنث اذا لم تساعدہ وان لم یجدد الدعاء لان الناس یریدون بھذا الامتثال للامر السابق اھ۔ بحر الرائق وشامی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صورت مسئولہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ عباس علی نے رجسٹری کا مطالبہ نہیں کیا اگر وہ مطالبہ کرتا اور پھر شنامیاں رجسٹری نہ کراتا تو طلاق واقع ہوتی لیکن اگر وہاں یہ عرف ہو کہ دوبارہ مطالبہ کئے بدون بھی ان الفاظ سے شنامیاں کے ذمہ رجسٹری کرانا لزوماً مفہوم ہوتا ہو تو صورت مسئولہ میں طلاق واقع ہو گئی جیسا کہ عالمگیریہ کی روایت میں مصرح ہے۔ واللہ اعلم۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ سوال میں سائل نے لکھا ہے کہ رجسٹری کا خرچ عباس علی کے ذمہ تھا اور ظاہر یہ ہے کہ شنامیاں بھی اس کو جانتا تھا کہ خرچ میرے ذمہ نہیں۔ پس اس کابین نامہ کی اس عبارت کہ "اگر اس نے عقد کے بعد دس دن کے اندر کابین نامہ رجسٹری کرا کے نہ دیا۔ تو مسماۃ پر تین طلاق ہو جائیں گی۔" کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ شنامیاں سے اگر مطالبہ نہ کیا جاوے تو وہ خود اپنے خرچ سے رجسٹری کرا کے دے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دس دن کے اندر اگر عباس علی اس سے رجسٹری کا مطالبہ کرے تو اس کا ساتھ دے اس سے انکار نہ کرے چونکہ عباس علی نے دس دن کے اندر مطالبہ ہی نہیں کیا اس لئے شنامیاں حلف میں حانث نہیں ہوا یہ جواب تو اس معنی پر ہے جو اس عبارت سوال سے ہم سمجھتے ہیں باقی اگر کچھ اور مطلب ہے تو یہ جواب نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

اور ایک امر قابل تحریر یہ ہے کہ کابین نامہ رجسٹری کرانے کے متعلق جو اقرار نامہ ان لفظوں سے لکھا ہے[1]

---

[1] البتہ اگر یہ الفاظ ہوتے کہ اگر فلاں عورت سے نکاح کروں اور اتنے روز تک کابین نامہ رجسٹری نہ کرا دوں تو اس پر تین طلاق تو وہ تعلیق صحیح ہو جاتی کما فی العالمگیریہ (ص۲۷ ج ۲) التعلیق بصریح الشرط وھو ان یذکر حرف الشرط یؤثر فی المرأۃ المعینۃ وغیر المعینۃ والتعلیل بمعنی الشرط یعمل فی غیر المعینۃ کما لو قال المرأۃ التی اتزوجھا فھی طالق فلا یعمل فی المعینۃ فان قال ھذہ المرأۃ التی اتزوجھا فھی طالق فتزوجھا لا تطلق کذا فی معراج الدرایۃ ۱۲

(کہ اگر اس نے عقد کے بعد دس دن کے اندر کابین نامہ رجسٹری کرا کے نہ دیا تو مسماۃ مذکورہ کو تین طلاق ہو جاوے گی) وہ اقرار نامہ یعنی یہ تعلیق طلاق صحیح نہیں ہوئی تھی اگر فقط اس تحریر کے بعد نکاح ہو جاتا اور کابین نامہ کی رجسٹری نہ ہوتی تو طلاق نہ ہوتی لیکن عقد کے بعد اس اقرار نامہ کو منظور کرنا انشاء تعلیق قرار دی جاوے گی اور چونکہ اس کو یعنی زوج کو دس ہی روز کی تعلیق کا علم تھا اس لئے دس روز پر معلق ہوگا۔ اگر عقد کے بعد منظوری کے وقت زوج کو اس تغیر کی اطلاع ہو جاتی تو بیس روز کی تعلیق صحیح ہو جاتی اور اب چونکہ دس روز کی تعلیق صحیح ہے اس لئے اسی شرط کے وقوع پر طلاق واقع ہو جاوے گی اور اس شرط کا وقوع ہونے یا نہ ہونے کی تفصیل اوپر معلوم ہو چکی ہے۔ والروایات هذه فی الدر، ویکفی معنی الشرط الا فی المعینة باسم او النسب او اشارة فلو قال المرأة التی اتزوجها طالق تطلق بتزوجها ولو قال هذه المرأة الخ لتعریفها بالاشارة فلغا الوصف وقال الشامی تحت (قوله باسم او النسب) الذی فی البحر وغیره ونسب بالواو وقال فلو قال فلانة بنت فلان التی اتزوجها طالق فتزوجها لم تطلق اه ای لانه لما لغا الوصف بالتزوج بقی قوله فلانة بنت فلان طالق وهی اجنبیة ولم توجد الاضافة الی الملک فلا یقع اذا تزوجها (قوله او اشارة) التعریف بالاشارة فی الحاضرة و بالاسم والنسب فی الغائبة حتی لو کانت المرأة حاضرة عند الحلف لا یحصل التعریف بذکر اسمها ونسبها ولا تلغو الصفة ویتعلق الطلاق بالتزوج الخ (ص۸۱۳ ج۲) وقال الشامی ایضاً وکذا کل کتاب لم یکتبه بخطه ولم یمله بنفسه لا یقع الطلاق مالم یقرانه کتابه اه ملخصاً (ص۷۰ ج۲) وفی العالمگیریة (ص۱۱۶ ج۲) رجل اراد السفر فحلفه صهره وقال ان غبت بعد هذا عن امرأتک فلم ترجع الیها عند رأس الشهر فامرأتک طالق فقال الختن بالفارسیة هست، ولم یزد علی ذلک ثم غاب اکثر من شهر طلقت امرأته لانه اجاب کلام الصهر والجواب یتضمن اعادة ما فی السوال فتطلق امرأته کذا فی فتاوی قاضی خان اه واللہ اعلم بالصواب۔

تنبیہ: حمل کے متعلق بصورت عدم وقوع طلاق تو سوال کی ضرورت ہی نہیں اور اگر وہاں کے محاورہ میں یہ الفاظ موجب طلاق ہوں تو حمل سے سوال دوبارہ کیا جاوے۔ احقر عبدالکریم گمتھلوی عفی عنہ ۲۵ ذوالقعدہ ۵۳ھ

الجواب صحیح : ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۲۶ ذیقعدہ ۴۳ھ

| اس کہنے کا حکم کہ فلاں کام نہ کروں تو مجھ پر زن طلاق ہے |

سوال :- بحضور حضرت مولانا دام فیوضہم معروض یہ ہے کہ ایک شخص کی مویشی چوری ہوئی ایک معزز نے چوروں کے پاس جاکر کہا کہ مویشی واپس کردو چوروں نے کہا کہ ہم واپس کردیں گے۔ چار ماہ تک یہی کہتے رہے بعد چار ماہ کے انہوں نے کہا کہ ہم نہیں دیتے تب اس معزز نے بسبب غصہ کے اپنے جی میں کہا کہ میں بھی ان چوروں کا اتنا ہی نقصان کردوں گا جتنا انہوں نے کیا ہے۔ اگر نہ کردوں گا تو مجھ پر زن طلاق ہے اب معزز کو اللہ میاں سے خوف آگیا کہ چوری کا کام کیوں کروں اب ملتمس ہوں کہ ان الفاظ کا کیا حکم ہے؟ فقط

تنقیح :- اس کا کیا مطلب ہے آیا صرف دل میں خیال کیا زبان کو حرکت نہیں ہوئی یا زبان سے بھی مگر آہستہ کہا کہ اور کسی نے نہیں سنا نیز طلاق کا کوئی عدد بھی کہا یا نہیں ؟

جواب تنقیح : حضور سائل سے دریافت کیا گیا سائل نے زبان کو حرکت بھی دی بلکہ ایک "بوکے روبرو یہ لفظ کہا اور ایک دفعہ کہا ہے صرف۔

الجواب :-

فی العالمگیریة (ص ۲۳ ج ۳) وان حلف لیفعلن کذا یبرأ بالفعل مرة واحدة سواء کان مکرھا فیہ او ناسیا او وکیلا عن غیرہ فاذا لم یفعل لا یحکم بوقوع الحنث حتی یقع الیأس من الفعل وذلک بموت الحالف قبل الفعل فیجب علیہ ان یوصی بالکفارة او بفوت محل الفعل کما لو حلف لیضربن زیدا او لیاکلن ھذا الرغیف فمات زید واکل الرغیف قبل اکلہ یحنث الخ

اس سے معلوم ہوا کہ اگر یہ شخص ان چوروں کا نقصان نہ کرے اور ان میں سے کوئی مرجاوے تو ایک طلاق رجعی واقع ہوجاوے گی اور اگر وہ چور زندہ رہیں تو عمر بھر طلاق واقع نہ ہوگی لیکن اس معزز کی موت کے وقت طلاق واقع ہوجائے گی۔ واللہ اعلم۔ احقر عبد الکریم عفی عنہ۔

خانقاہ تھانہ بھون۔ الجواب صحیح ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔

یکم شعبان ۴۴ھ

بیوی کے ہاتھ کے پکائے ہوئے کھانے کے ساتھ تعلیق طلاق کی ایک صورت کا حکم

(سوال) (۱) کوئی شوہر بی بی سے لڑائی کیا اور بی بی پکانے جارہی تھی اسوقت یوں بولا تم مت پکاؤ تمہاری ہاتھ کا پکایا ہوا چیز ہم کھانیسے تم طلاق ہو جاویگی۔ یا یوں بولا اگر کھائے تو تمپر طلاق ابھی یا جب یا ہمیشہ اب تو کوئی لفظ جیسے ہمیشہ یا جب کھائے تو طلاق ہوئے استعمال نہیں کیا اب سوال یہ ہے کہ (۱) جب کھائے تب طلاق ہوتا یا نہیں (۲) اگر شوہر کا لفظ یہ ہے کہ اسدن یا اسوقت کھائے تو طلاق ہوئے (۳) اگر ہمیشہ لفظ یعنی جب کھائے تب ہوئے (۴) اگر کچھ لفظ خاص نہیں تھا صرف اوپر بیان کیا گیا ویسا بولا۔ تب جب کھائے تب طلاق ہوتا یا نہیں۔

فدویم

محمد سید عتیق اللہ وکیل

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں اگر شوہر کی نیت یہ ہے کہ اسدن یا اسوقت کھاؤں تو طلاق۔ تو اسدن یا اسوقت کے بعد اسکے ہاتھ کا پکایا ہوا کھانیسے طلاق نہ ہوگی اور اگر ہمیشہ کی نیت تھی تو جب کھائیگا اسیوقت طلاق ہو جاویگی لیکن ایک طلاق واقع ہونیسے یہ تعلیق ختم ہو جاویگی کیونکہ تعلیق بلفظ اگر ہے کلما کیساتھ نہیں جو عموم فعل و تکرار کو مفید ہو پس ایک طلاق واقع ہونیکے بعد دوبارہ اُسکا پکایا ہوا کھانیسے طلاق نہ پڑیگی۔ اور ایک طلاق سے نکاح میں نقصان نہیں آتا جب کہ عدت کے اندر اندر رجوع کر لیا جائے اور کچھ نیت نہ تھی تو بظاہر اس کلام سے متبادر یمین الفور ہے جو اسیوقت اور اسی حالت کے ساتھ مقید ہوتی ہے جسمیں یمین صادر ہوئی اسکے بعد کیساتھ یمین کا تعلق نہیں ہوتا وقال الشامی فی یمین الفور تہیأت للخروج فقال لا تخرجی و حلف فاذا جلست ساعۃ وخرجت لا یحنث لان قصدہ منعہا من الخروج الذی تہیأت لہ فکأنہ قال: ان خرجت الساعۃ و ہذا اذا لم یکن لہ نیۃ فان نوی شئیا عمل بہ، شرنبلالیہ اھ (ص ۱۲۹ ج ۳) واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفاعنہ۔ ۱۱ رمضان ۴۶ھ

طلاق معلق بلفظ "اگر" ہیں مرة واحدہ سے یمین منحل ہوجاتی ہے اس لئے دوسری مرتبہ نکاح کرنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

(**سوال**) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اندریں صورت کہ عبدالمالک تعلقدار نے اپنا نکاح مسماۃ خیرالنساء سے کیا اور اس بی بی کو کابین نامہ چند شرائط کا دیا جسمیں یہ شرط بھی تھی کہ تمہارے زمانہ نابالغی سے تازمانہ بلوغ یعنی تمہاری زندگی میں دوسرا نکاح کوئی نہیں کرونگا اگر دوسرا کوئی نکاح بیاہ کیا تو زوجہ ثانیہ پر تین طلاق واقع ہوگی اور وہ مجھ پر حرام ہوگی۔ پھر بعد چند مدت بوجہ ضرورت اُس نے دوسرا نکاح کر لیا اولیاء زوجۂ اول نے اس عقد ثانی کی خبر سنکر اُس کابین کی شرط کو دکھلایا کہ یہ ثانی بی بی پر تو طلاق ہوگئی پھر اس کے بعد زوج مذکور الصدر نے اس شرط کی واپسی لکھوالی کہ اب بخوشی دوسرا نکاح کرلیں اسمیں مجھکو کچھ عذر نہیں بعد ازاں عبدالمالک نے عقد ثالث کیا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زوجہ ثالثہ پر طلاق ہوئی ہے یا نہیں اگر ہوئی ہے تو عبدالمالک کیلئے حلالی ہونیکی کیا صورت ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں زوجہ ثالثہ پر طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ یہ طلاق معلق بلفظ اگر ہے جو ترجمہ اِن و اِذا کا ہے جس کا حکم یہ ہے کہ مرة واحدہ سے یمین منحل ہوجاتی ہے قال فی العالمگیریہ: الفاظ الشرط ان، و اذا، و اذا ما وکل، و کلما، و متی، و متی ما، ففی هذه الالفاظ اذا وجد الشرط انحلت الیمین و انتهت لانها لا تقتضی العموم و التکرار فبوجود الفعل مرة تم الشرط و انحلت الیمین فلا یتحقق الحنث بعده الا فی کلما لانها توجب عموم الافعال اھ (ج ۲ ص ۹۴) قلت و فی الصورة المسئولة لیس الطلاق بمعلق بکلما کما هو الظاهر من الفاظ السوال، و اللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ، رمضان ۴۶ھ

وقوع شرط میں شبہ اور تردد ہو تو طلاق نہ ہوگی

(**سوال**) کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زید نے عمرو سے بطور حلف کے کہا اگر میں نے تمہاری کوئی شکایت تمہارے مکان والوں سے بغرض نقصان پہونچانے کے کی ہو تو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے خارج ہوں اور نکاح کرتے ہی طلاق ہو اور حلف کھاتے وقت یقین تھا کہ کوئی شکایت نہیں کی اور بعد میں کوئی لفظ شکایت کا معلوم ہوجائے یعنی یمین لغو کی صورت ہو تو کیا حکم ہے۔ اور اگر اطمینان کیلئے

احتیاطاً شافعی المذہب پر اعتقاد رکھے تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

فقط عبد الصمد میمن سنگی۔

الجواب:۔ جب تک غلبۂ ظن بالیقین شکایت کرنیکا نہ ہو اسوقت تک یہ کلام موجب وقوع طلاق بر منکوحہ نہیں۔ پس تردد سے منکوحہ پر طلاق نہ ہوگی اور اگر یمین کے وقت یقین یا غلبہ ظن تھا کہ شکایت نہیں کی اسی بنا پر قسم کھالی بعد میں معلوم ہوا کہ شکایت کی تھی تو دیانۃً یہ حلف موجب طلاق منکوحہ نہوگا ہاں قضاءً موجب طلاق ہوجائیگا۔ فان القاضی لا یقبل الا الظاهر والمرأة کالقاضی۔ اور اگر حلف کیوقت غلبہ ظن یا علم شکایت کرنیکا تھا تو اب اپنی اطمینان کیلئے شافعی المذہب پر اعتقاد رکھنا اس شرط سے جائز ہے کہ نکاح بھی کسی شافعی عورت سے کیا جائے۔ حنفی عورت سے اس مسئلہ میں مذہب شافعی پر اعتقاد کرکے نکاح جائز نہیں کیونکہ منکوحہ کے مذہب میں نکاح کیساتھ ہی طلاق واقع ہوچکی ہے تو عورت کو اُسکے مذہب کے خلاف کا مرتکب بنانا اور دھوکہ میں رکھنا جائز نہیں۔ اس صورت میں اگر حنفی عورت سے نکاح کیا جائے تو فضولی کو واسطہ بنایا جائے جسکی تفصیل زبانی عالم محقق سے معلوم ہوسکتی ہے یا اولیاء زوجہ سے اس واقعہ کو بیان کرکے یہ کہا جائے کہ میں نے ایسا حلف کرلیا تھا جسکی وجہ سے منکوحہ پر نکاح کرتے ہی ایک طلاق بائن واقع ہوجائیگی اس لئے منکوحہ کو بھی اسکی اطلاع کردی جائے اور نکاح دو مرتبہ کیا جائے پہلی دفعہ نکاح کرکے طلاق واقع ہوگی دوبارہ اسی عورت کی اجازت سے پھر نکاح کیا جائے گا تو اب دوبارہ طلاق کا وقوع نہوگا کیونکہ حلف میں کوئی لفظ ایسا نہیں جو کلما کی طرح موجب تکرار طلاق ہو اور نہ اُسمیں عدد ثلاث کا ذکر ہے، واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۱۹ ررمضان ۴۶ھ

حکم تعلیق طلاق بلفظ جو عورت میں نکاح میں لاؤنگا مجھ پر طلاق ہے۔

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید نے تعلیق کردی ایسے طور سے کہ زید نے کہا اگر میں یہ فعل کرونگا تو جو عورت میں نکاح میں لاونگا۔ مجھ پر طلاق ہے اب اس سے وہ فعل تین چار مرتبہ صادر ہوا۔ تو آیا جو عورت طلاق ہوجاویگی وہ مطلقہ ہوگی ساتھ طلاق رجعی کے یا مغلظ ہوگی۔ اور اگر تعلیق سے پہلے اس کا منکوحہ ہو تو

وہ مطلقہ ہوتی ہے یا نہ اور اگر مطلقہ ہوتی ہے تو مطلقہ رجعی ہوتی ہے یا مغلظہ؟ بینوا توجروا

المعروض کمترین عبدالرزاق از مدرسہ میرٹھ صدر بازار۔

الجواب: اگر زید نے تعلیق مذکور میں یہی کہا ہے جو سوال میں مذکور ہے کہ مجھ پر طلاق ہے تو یہ کلام لغو ہے اس سے یہ تعلیق طلاق نہیں ہوئی اور اس صورت میں کسی عورت سے نکاح پر طلاق کا وقوع نہ ہوگا نہ رجعی کا نہ بائن کا فقد صرح الفقہاء بانہ ان قال انا منك طالق لم يقع و ان نوى و ان قال انا منك بائن يقع به بائنة ان نوى (در صفحہ ۴۳۲/۲) اور اگر یہ کہا ہے کہ اس پر طلاق ہے تو سوال واضح کرکے دوبارہ کیا جائے۔

فقط حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ ۱۱ شوال ۴۶ھ

بصورت تعلیق اگر عدد طلاق میں شوہر کو شک ہو اور بیوی کہتی ہو کہ شوہر نے تین طلاق کہا تھا۔ تو طلاق رجعی واقع ہوگی یا مغلظہ جبکہ شرط پائی گئی ہو۔

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ زید کی زوجہ یہ کہتی ہے کہ تو نے تین طلاق کو کہا تھا زوج طلاق دینے کا اقراری ہے لیکن یہ کہتا ہے کہ مجھے تین طلاقیں معلق کرنیکا شک ہے میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ تین طلاقیں معلق کی ہیں ہاں ایک طلاق ضرور دی ہے دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس صورت میں تین طلاق رجعی متصور ہے یا مغلظہ؟ بینوا توجروا

عبدالرحیم موضع نگلہ ضلع میرٹھ

الجواب: صورت مذکورہ میں جب عورت کو تین طلاقیں معلق کرنے کا یقین ہے تو اس مرد سے علیحدگی واجب ہے اسکو اسکے ساتھ رہنا جائز نہیں بلکہ عدت کے بعد جس سے چاہے نکاح کرلے پھر اگر دوسرا شخص بعد دخول کے طلاق دیدے تو زوج اول سے نکاح کر سکتی ہے بعد عدت ثانی کے اور یہ جب ہے کہ عورت کو تین طلاق کا یقین ہو اور اگر اسکو بھی شک ہو تو سوال دوبارہ کیا جائے۔ رہا یہ کہ مرد تین طلاق کا منکر ہے اور اسکو اس میں شک ہے تو اس اختلاف کا فیصلہ مفتی نہیں کر سکتا بلکہ قاضی اسلام کر سکتا ہے یا وہ مسلمان شخص جس کے پاس فریقین فیصلہ کیلئے مقدمہ پیش کریں اور وہ قاعدہ شرعیہ کے موافق تحقیق کرکے

فیصلہ^عہ کرے مگر جب عورت کو تین طلاق کا یقین ہو تو اُسکو قاضی یا محکم کے پاس مرافعہ جائز نہیں جب کہ زوج سے علیحدہ ہو جانے پہ قادر ہو ہاں اگر زوج سے علیحدہ ہونے پر قادر نہ ہو تو مرافعہ کرنا چاہئے پھر اگر فیصلہ عورت کے قول پر نہ ہو تو عورت کو گناہ نہ ہوگا بلکہ زوج کو گناہ ہوگا اگر وہ کاذب ہے۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ ۱۲ ار شوال ۱۳۴۶ھ

تعلیق طلاق باداء دین کی ایک صورت کا حکم

(سوال) مدیون نے وعدہ کیا کہ دائن کو مبلغ للعہ ماہ بھادون میں یکمشت ادا کردونگا بلا عذر اگر اسوقت ندوں تو میری عورت پر تین طلاق پڑجائے اھ ماہ بھادون قبل کچھ مدت کہا کہ دائن کی برادرزادی جو کہ میری بہو ہے وہ چالیس روپیہ میری مکان سے چوری کرکے لیگئی اور دائن کو دیدیا جو کہ اسکا چچا ہے مگر چوری کا ثبوت ابتک نہیں ہوا عوام نے اور نیز چند مولویوں نے مجلسیں کیں مگر شور وشغب ہوگیا اور کچھ ثابت نہ ہوا، اب عرض ہے کہ سرقہ ثابت ہو کر دائن کو روپیہ ملجانا بھی ثابت ہو جائے یا سرقہ ہی ثابت ہو تو ان دونوں صورتوں میں تعلیق طلاق کا کیا حکم ہوگا بصورت عدم ثبوت سرقہ وعدم وصول دین الی الدائن وقوع جزا تو ظاہر ہے مگر بصورت ثبوت بھی راجح وقوع جزا ہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ مدیون کی عبارت (یکمشت ادا کردونگا) میں نسبت ایصال الی نفسہ ہے اور بصورت ثبوت سرقہ وصول دراہم الی الدائن ایصال من نفسہ نہ پایا گیا حالانکہ وہ ایصال پر قادر تھا اگرچہ وہ مال مسروقہ کے سوا دوسری دراہم دیدیتا سوال کے قیود کو ملحوظ فرما کر جواب سے مسرور الوقت فرمائیں۔

عبدالسلام ڈاکخانہ بنچے رامپور معرفت پوسٹماسٹر ضلع تپیرہ^عہ ملک بنگلہ

عہ اور اگر یہ حکم عورت کے خلاف فیصلہ کرے اور عورت کو تین طلاق کا یقین ہے قلت فھو کما قضی القاضی بعدم وقوع الثلث لعدم الشھادۃ وھی متیقنۃ بالثلث فان المحکم کالقاضی الا فی الحدود والقصاص قال الشامی وفی البزازیۃ عن الاوزجندی انھا ترفع الامر للقاضی فان حلف ولا بینۃ لھا فالاثم علیہ اھ قلت ای اذا لم تقدر علی الفداء او الھرب ولا علی منعہ عنھا فلا ینافی ما قبلہ اھ (ص ج ۲) قلت قولہ اذا لم تقدر الخ قید لقولہ ترفع الامر الی القاضی ومفادہ انھا لا ترفع الامر الی القاضی اذا قدرت علی احد الامور المذکورۃ واللہ اعلم۔ ظفر ۱۲

عہ آجکل اس ضلع کا نام کملا ہے۔ دلاور حسین کملائی۔

الجواب: ہاں الفاظ تعلیق کے ظاہری مقتضا تو وہی ہے جو سائل نے سمجھا ہے لیکن بدلالت حال یہ تعلیق محتمل تخصیص کو ہے جسکی نظیر یہ ہے جو فقہاء نے باب الیمین میں بیان کی ہے لو حلف لیخبرن الوالی بکل داعر یدخل فی البلد فعزل الوالی فلا یحنث بترك الاخبار لانه مقید بحال ولایته ایسے ہی یہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ حالف کا یہ کہنا کہ دائن کو بھادوں میں للعہ یکمشت ادا کردونگا اگر نہ دوں تو بیوی پر تین طلاق پڑجائے اھ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اگر دائن کسی ذریعہ سے خود اس رقم کو میرے مال سے وصول نکرے، کیونکہ ظاہر ہے کہ اگر دائن اسکے مال میں سے للعہ خود سرقہ کرلیتا تو اس صورت میں حالف بوجہ عدم اداء کے حانث نہوتا کیونکہ حالف نے اداء دین کی بابت حلف کیاہے اور اس صورت میں وہ مدیون نہیں رہا اسیطرح اگر دائن نے خود سرقہ نہیں کیا بلکہ کسی دوسرے نے حالف کے مال میں سے للعہ چرائے اور دائن کو دیدئے اور دائن کو سرقہ کا حال معلوم ہے تو اس کے ذمہ اس کا اظہار واجب ہے اور بصورت کتمان وہ بھی سارق ہوا لہذا مدیون دین سے بری ہوجائے گا اور عدم اداء سے حانث نہوگا یہ اس صورت میں ہے جب کہ سرقہ کا واقعہ صحیح ہو اور اس رقم مسروقہ کا دائن کے پاس پہونچنا محقق ہوجائے گو شہادت سے ثبوت نہو مگر حالف کے نزدیک یہ امر محقق ہوچکا ہو اگر ایسا نہو تو سوال دوبارہ کیاجائے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
از تھانہ بھون ۲۶ رجب ۴۷ھ

تعلیق طلاق کی ایک صورت

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل میں زید نے ہندہ سے نکاح کیا اور نکاح کے کچھ عرصہ بعد اقرار نامہ ایک روپیہ کے کاغذ پر تحریر کیا جسکی عبارت معصودہ بعینہ نقل کیجاتی ہے:

اقرار کرتا ہوں کہ زوجہ خود اور موجودہ بچہ کی پرورش کا خرچ حسب حیثیت خود ماہ بماہ ہر ایک ماہ کی پچم تاریخ کو ان کے والدین کے نام بذریعہ منی آرڈر روانہ کرتا رہونگا کوئی ماہ ناغہ نہ کرونگا بصورت عدم ادائیگی خرچ مقررہ بالا مسلسل تین ماہ متواتر روانہ نہ کروں تو زوجہ میری اسیوقت میری جانب سے مطلقہ متصور کی جاویگی اور زوجہ میری مذکور کو اختیار ہوگا کہ وہ مجھ سے دوری علیحدگی اختیار کرے اور اسکے والدین کو اختیار ہوگا کہ وہ برائے آئندہ اسکی

تجویزِ ثانی بمرضی خود جائے دیگر کردے میں اوسمیں کوئی عذر اعتراض نہ کرونگا اگر کرونگا تو وہ میرا عذر روبروئے برادری واہل محلہ وحکام وقت قطعی قابل سماعت نہ ہوگا] اور ساتھ ہی پورے اصل اقرار نامہ کی نقل بھی روانہ کیجاتی ہے جسمیں سے یہ عبارت روانہ کیگئی ہے [یہ اقرار نامہ ۸ر اگست ۱۹۲۸ء کو لکھا گیا۔ زید نے اکتوبر ۱۹۲۸ء کے آخر میں جبکہ تین ماہ گزر جانے والے تھے محض مبلغ صہ ر یا پانچ روپیہ عورت کے والدین کے نام روانہ کئے اس سے پہلے بالکل روانہ نہیں کیا اب یہ دوسری سہ ماہی گزر رہی ہے ابھی تک کچھ روانہ نہیں کیا ہے۔ لائق سوال یہ امر ہے کہ عبارت بالا کے اعتبار سے اس عورت پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں اور کس صورت میں تین طلاق واقع ہوگی؟ فقط۔

حافظ محمد غوث محلہ اندرکوٹ توپچی واڑہ شہر میرٹھ

الجواب:۔ بغیر خرچ بھیجنے کے کوئی سہ ماہی گزر جائیگی تو زید کی زوجہ پر طلاق واقع ہوجائیگی اسوجہ سے کہ زوج کہہ سکتا ہے کہ سہ ماہی گذشتہ میں میری حیثیت پانچ ہی روپیہ کی تھی ہاں اگر حیثیت کی مقدار معین کرکے وقوع طلاق کو معلق کرتا اسکے نہ بھیجنے پر تو مقدار سے کم بھیجنے پر طلاق واقع ہوجاتی ہے لہذا زید کی زوجہ پر ابتک طلاق واقع نہیں ہوئی ہے۔ واللہ اعلم۔ اجابہ وکتبہ حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی۔

صورت مندرجہ سوال میں زید کی زوجہ مطلقہ ہوگی کیونکہ زید کہتا ہے کہ ہر ماہ کی یکم کو ماہ بماہ خرچ بھیجا کروں گا اور مسلسل متواتر تین ماہ روانہ نہ کروں تو مطلقہ متصور ہوگی جبکہ زید نے اول ماہ کی یکم کو اور دوسرے ماہ کی یکم کو اور نہ تیسرے ماہ کی یکم کو خرچ نہیں بھیجا تسلسل تواتر جاتا رہا شرط کا تحقق ہوگیا طلاق پڑگئی۔ ہدایہ میں ہے واذا اضافہ الی شرط وقع عقیب الشرط۔ واللہ اعلم ریاض الدین عفی عنہ

ہمارے نزدیک پہلا جواب صحیح ہے کہ زید کی زوجہ پر ابتک طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ مسلسل تین ماہ خرچ روانہ نہ کرنا اسوقت صادق آسکتا ہے جبکہ پورے تین مہینے بدون خرچ بھیجے گزر جائیں اور صورت مسئولہ میں اگست کا مہینہ ناقص ہے اور اکتوبر میں خرچ آہی گیا اور عرف یہ ہے کہ جس مہینے کے اندر کوئی معاملہ ہوتا ہے تو ابتداء

اُسی تاریخ سے ہوتی ہے پس لازم ہے کہ اس مہینہ کی آٹھ تاریخ سے تیسرے مہینہ کی آٹھ تاریخ تک زمانہ بدون خرچ بھیجے گزرجاتا تو طلاق واقع ہوجاتی مگر یہاں تو اس مدت کے اندر ہی خرچ آگیا ہے لہٰذا طلاق واقع نہ ہوگی اب دوسری سہ ماہی کی ابتداء ۸ نومبر کے بعد سے ہوگی خرچ پہونچنے کی تاریخ سے نہ ہوگی کیونکہ بظاہر زید نے یہ خرچ ایک سہ ماہی کا بھیجا ہے اور چونکہ اقرار نامہ میں خرچ کی مقدار کو واضح نہیں کرایا گیا بلکہ زید نے اس کا معیار اپنی حیثیت پر رکھا ہے اسلئے اسکو یہ گنجائش ہے کہ اس خرچ کو پوری سہ ماہی کا خرچ بتلائے اگر عورت زید کی حیثیت اس سے زائد سمجھتی ہے تو حکومت سے مرافعہ کرے کہ اس اختلاف کا فیصلہ حکومت ہی کرسکتی ہے، واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون ۵ رمضان ۴۷ھ

شوہر کابین نامہ میں لکھدے کہ زوجۂ اولیٰ کی زندگی میں بدون اذن زوجہ واولیاء زوجہ نکاح کروں تو زوجہ ثانیہ طلاق مطلقہ ہوگی۔ پھر شوہر صرف بیوی سے اجازت لیکر نکاح کرے تو الخ۔

(سوال) السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ امابعد معروض خدمت اقدس ہے کہ حسب تحریر جناب صورت مسئولہ کے متعلق کابین نامہ کی بنگالہ عبارت اور بعینہٖ اردو ترجمہ مع تقریر فریقین پیش خدمت ہے امید قوی کہ مع الدلائل جواب تحریر ہوویگا اور حضور پرنور کے دستخط مبارک سے مزین فرمایا جاویگا دیگر عبارت کابین نامہ کی مسئلہ مبحوث عنہا سے کوئی تعلق نہیں رکھتی وہ بالکل علیحدہ باتیں ہیں لھذا تحریر نہیں کیگئی۔

العارض احقر الناس محمد عبد الغنی غفرلہ ولوالدیہ ۲۱ دسمبر ۲۶ء

ماقولکم رحمکم اللہ تعالیٰ: اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ کی کابین نامہ میں چند شرائط لکھدے انہیں سے ایک یہ ہے کہ آپکے زندہ رہتے ہوئے میں دوسرا کوئی نکاح نہیں کرونگا اور سریہ نہیں رکھونگا اور نکاح فضولی نہیں کرونگا اگر کروں یا رکھوں ظاہر ہوتے ہی وہ عورتیں (۱) (۲) (۳) طلاق ہوئے۔ اگر اتفاقاً دوسرے نکاح کرنیکی ضرورت ہوئے تو آپ اور آپکے اولیاء سے علیحدہ علیحدہ اذن لیکر کرونگا۔

بعد مدت کے اس شخص نے بلا اذن ولی کے فقط زوجہ سے اذن لیکر دوسرا نکاح کیاہے اب اس دوسری زوجہ کی طلاق پڑنے میں علماء دو فریق ہیں۔ ایک فریق ایک طلاق بائن

کہتے ہیں۔ دوسرا فریق طلاق ثلٰثہ مغلظ فرماتے ہیں۔

(تقریر فریق اوّل یعنی قائلین واحد طلاق بائن)

یہ ہے کہ صورت مرقومہ میں ایک طلاق بائن واقع ہوگی کیونکہ جملہ (۱) (۲) (۳) طلاق ہوئے تفریق طلاق ہے اور طلاق غیر مدخول بہا کی تفریق طلاق سے ایک طلاق بائن ہوتی ہے بدلیل۔
قال لزوجتہ غیر المدخول بہا انت ثلاثا وقعن وان فرق بوصف نحو انت طالق واحدۃ و احدۃ و احدۃ او خبر نحو انت طالق طالق طالق او جمل نحو انت طالق انت طالق انت طالق بانت بالاولیٰ ولم تقع الثانیۃ والثالثۃ۔
(در مختار مع رد المحتار)

(تقریر فریق ثانی یعنی قائلین ثلاثہ مغلظہ یہ ہے)

کہ صورت مسئولہ میں طلاق ثلٰثہ مغلظ واقع ہوگی دو وجہ سے (وجہ اول) یہ ہے کہ صورت مسئولہ کو انت طالق واحدۃ واحدۃ واحدۃ پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے کیونکہ اسمیں تین احاد کو جدا گانہ کہا ہے اور صورت مسئولہ میں تین احاد کو جمع کرتے ہوئے کہا ہے یعنی (۱) کیساتھ اور (۱) جمع کرکے (۲) اور (۲) کیساتھ اور (۱) جمع کرکے (۳) کہا گیا۔ اور آخر کلام مغیر ہے واسطے اول کلام کے پس ۱-۲-۳- طلاق کے لفظ سے مجموع تین طلاق دفعۃً واقع ہونگی نہ متفرق طور پر کیونکہ تفریق طلاق پر محمول ہونیکے لئے یہ شرط ہے کہ آخر کلام مغیر اول کلام کا نہو جیسا کہ فتح القدیر۔ مصری ج ۳ صـ۳۹۲ میں ہے۔ قولہ وان فرق الطلاق بانت بالاولیٰ ولم یقع الثانیہ) وذلک کقولہ انت طالق طالق طالق لانہ لیس فی اٰخر الکلام ما یغیر اولہ لیتوقف اولہ فلم یقع بطالق الاول شیئ فان قیل لو قال بالواو طالق و طالق و طالق او طالق و احدۃ و واحدۃ و واحدۃ فالحکم کذلک مع ان الواو للجمع وھو یغیر حکم التفریق اذ الحاصل بہ کالحاصل بطالق ثلاثا و حکمھا مختلف لان فی التفریق تبین بواحدۃ فینبغی ان یتوقف الصدر فیقع الثلث کما قال مالکؒ و احمدؒ قلنا الجمع الذی یباین التفریق حکمًا ھو الجمع بمعنی المعیۃ المغیر لہ کلفظ ثلاثا ونحوہٗ ولیس الواو للجمع بھذا المعنی الخ اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ لفظ ثلاثا مغیر تفریق ہے پس واحدۃً کے بعد اگر ثلاثاً مذکور ہو تو فقط واحدۃ سے ایک طلاق واقع نہوگی

بلکہ ثلاثاً پر موقوف رہنے کیوجہ سے مجموع تین طلاق واقع ہوگی جیساکہ صورت مسئولہ میں ہے۔ سوال۔ یہ تو تنجیز طلاق میں ہے اور صورت مسئولہ تو تعلیق طلاق ہے اور شرط و جزا ایک کلام ہے اور اسمیں اخیر کلام (جزا) اول کلام (شرط) کا مغیر نہیں ہے جواب ۱۔ ۲۔ ۳۔ طلاق کا لفظ جب حکم میں تفریق کے نہیں ہے بلکہ حکم میں جمع کے ہے تو صورت تعلیق میں اسکا حکم بعینہٖ ان دخلت الدار فانت طالق ثلاثاً کے حکم میں ہوگا یعنی بعد وجود شرط کے تین طلاق واقع ہونگی کما لایخفیٰ (وجہ ثانی) یہ ہے کہ قاعدہ مسلمہ فقہیہ ہے الطلاق یقع بعدد قرن بہ لا بہ نفسہ اور ولا بد من کون العدد متصلاً بالایقاع۔ درمختار مع ردالمحتار ج۲ ص۴۹۴ مصری، بحر الرائق مصری ج۳ ص۳۱۵، اور صورت مرقومہ میں ایقاع کے لفظ (یعنی طلاق ہوئے) کیساتھ ۳ کا عدد متصل ہے نہ ۱۔ اور ۲۔ پس ۳ ہی موثر ہوگا نہ ۱۔ اور ۲۔ پس طلاق ثلاثہ مغلظ واقع ہوگی۔ سوال۔ ۱۔ اور ۲ کے عدد سے ۱۔ طلاق۔ ۲ طلاق مراد ہے پس ۱۔ اور ۲ بھی متصل با لطلاق ہے جواب فقہ کا متفق قاعدہ ہے الوقوع بلفظہ لا بقصدہ درمختار۔ ۱۔ اور ۲ کیساتھ جب طلاق ملفوظ نہیں مراد اور مقصود ہونے سے وقوع طلاق میں ہرگز موثر نہیں ہوگا۔ انتھی۔ اب معروض خدمت اقدس ہے کہ کس فریق کا حکم صحیح اور نافذ ہے بادلائل تحریر فرماکر بندگان خدا کو ورطۂ ہلاکت سے نجات دیویں! جزاکم اللہ تعالیٰ خیراً۔

الجواب: فریق ثانی کا جواب صحیح ہے یعنی صورت مسئولہ میں طلاق ثلثہ کی تعلیق ہوئی تھی اور وجود شرط کیوقت ہر سہ طلاق مجموعۃً واقع ہوگئیں اور فریق اول نے جو قاعدہ نقل کیا ہے وہ صحیح تو ہے لیکن اسمیں کلام ہے کہ صورت مسئولہ میں جو الفاظ تحریر کئے گئے ہیں وہ تفریق طلاق پر دال ہیں یا نہیں اور اردو کے الفاظ کو عربی پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ دونوں کا محاورہ عدد معدود کے استعمال میں مختلف ہے اور اردو فارسی کا محاورہ اس باب میں متحد ہے اسلئے فارسی پر قیاس کیا جاویگا اور فارسی کے جزئیہ کا حکم خلاصۃ الفتاوی ص۸۰ ج۲ میں صریح موجود ہے قال وکذا لو قال اگر فلانہ بزنی کنم از من بیک طلاق و دو طلاق و سہ طلاق فتزوجھا تطلق واحدۃ ولو قال بیکی و دو و سہ طلاق ثم تزوجھا یقع الثلاث و تمام ھذا فی خزانۃ الواقعات اھ اور جب صریح جزئیہ موجود ہے تو قواعد میں غور کرنیکی حاجت نہیں

اسلئے فریق ثانی کے ادلہ کے متعلق کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی[عہ] فقط

تنبیہ: سوال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ میں وقوع طلاق کا حکم اس بناء پر کیا گیا ہے اس شخص نے اولیاء زوجہ سے اجازت نہیں لی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ اولیاء زوجہ سے اجازت لے لیتا تو طلاق واقع نہ سمجھی جاتی اور یہ صحیح نہیں اسلئے لکھا جاتا ہے کہ کابین نامہ میں طلاق کے متعلق جملہ ختم کرنیکے بعد جو کلام مستانف لکھا ہے کہ اگر اتفاقاً دوسرے نکاح کی ضرورت ہوتی تو الخ یہ جملہ طلاق کی قید نہیں بلکہ کلام مستقل ہے اور جملہ تعلیقہ میں صرف تاحیات عورت کیساتھ طلاق اُخری کو معلق کیا ہے پس اگر اولیاء سے بھی اجازت لیکر نکاح ہوتا تب بھی وقوع کا حکم کیا جاتا اور اب جب تک زوجہ اولی حیات ہے اسوقت تک کوئی نکاح کریگا تو منکوحہ جدیدہ پر تین طلاق واقع ہو جاوینگی اگرچہ وہ نکاح زوجہ اور اولیاء زوجہ کی رضامندی ہی سے ہو بلکہ اس عورت موجودہ کو جس کیلئے یہ کابین نامہ مذکورہ لکھا ہے یہ شخص اگر طلاق دیدے تب بھی عورت موجودہ کی حیات میں دوسری عورت سے نکاح کرنے پر طلاق مغلظہ ہو جاویگی البتہ جس عورت پر طلاق ہو چکی ہے اُس سے عورت مذکورہ کی حیات میں بھی بعد زوج ثانی مع شرائط معلومہ نکاح کیا جاوے تو وقوع طلاق کا حکم نہ کیا جاویگا قال فی تنویر الابصار و الفاظ الشرط (ان و اذا و اذاما وکل و کلما و متیٰ و متیٰ ما وفیھا) کلھا (تنحل الیمین اذا وجد الشرط مرۃً الا فی کلما الخ) (شامی ص۸۲۱ ج ۲) -

اور صورت مسئولہ میں اگر کروں یا رکھوں تو وہ عورتیں الخ مشتمل ہے کلمہ ان پر لفظاً اور کلمہ کل پر تقدیراً - پس اس قول کی عموم انکحہ پر دلالت نہوگی فقط عموم منکوحات پر دلالت ہوگی کہ پہلی مرتبہ ہر عورت سے نکاح موجب طلاق ہوگا قال الشامی تحت (قولہ وکذا کل امرأۃ الخ) ای اذا قال کل امرأۃ اتزوجھا طالق والحیلۃ فیہ ما فی البحر من انہ یزوجه[عہ] فضولی ویجیز بالفعل کسوق الواجب الیھا او یتزوجھا بعدما وقع الطلاق علیھا لان کلمۃ کل لا تقتضی التکرار اھ (ص۸۱۳)

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ تھانہ بھون - الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ ۲۳ ج ۲ سنہ ۵۴ھ ماشاء اللہ (از حضرت مولانا مدظلہم)

عہ چونکہ دلائل مسطورہ میں کلام ہے جسکے واسطے بسط کی ضرورت ہے اسواسطے اس مختصر پر کفایت کی بلاضرورت تطویل نہیں کیگئی ۱۲ منہ

عہ صورت مسئولہ میں تزویج فضولی کی بحث شامی میں دیکھی جاوے قبیل فصل المشیئۃ باب النذر ۱۲ منہ

ارتداد سے یمین باطل ہوجاتی ہے تعلیق باطل نہیں ہوتی

سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں جوابات مشرح اور صاف ہوں صحیح حالات حسب ذیل ہیں۔
سوال اول: زید حنفی نے اپنی حالت بلوغ میں کہ ابھی اسکی شادی نکاح نہیں ہوئی تھی اس سے قبل ہی کسی صاحب کے کہنے پر اسطرح پر حلف کیا کہ اگر میں آیندہ فلاں فعل حرام شرعی کا مرتکب ہوں تو میری بیوی پر طلاق اور جب کبھی میں نکاح کروں میری بیوی پر طلاق اور انشاء اللہ وغیرہ کچھ نہیں کہا دو تین دن کے بعد اسے معلوم ہوا کہ انشاء اللہ کہنے سے یہ تعلیق طلاق کیلئے مفید نہیں رہتی لیکن انشاء اللہ حنفی مذہب کے مطابق متصل ہونا چاہیئے تاہم اگر منفصلاً یعنی اب بھی اس نیت سے انشاء اللہ کہہ لیا جائے تو امام شافعی کے مسلک کے مطابق جائز ہے^{عہ} بہرحال زید نے انشاء اللہ کہہ لیا اور عرصہ تک اپنے حلف پر قائم رہا پھر بدقسمتی سے نکاح سے قبل ہی اس فعل حرام شرعی کا مرتکب ہو گیا جس پر حلف کیا تھا اور زید کو اپنے حانث ہونیکا یقین کامل ہو گیا کہ اب میں تمام عمر شادی نہیں کر سکتا اگرچہ شافعی کے مذہب کے مطابق وہ جواز سمجھتا تھا مگر حنفی ہونے کے ساتھ یہ گوارا نہ ہوا کہ محض نفس کے لئے مذہب راجح کو ترک کرے بہت پریشان ہوا اور بالقصد کلمۂ کفر زبان سے نکالکر بالقصد مرتد ہو گیا تاکہ عقود اسلامی سے چھوٹ جائے اور کوئی ذمہ داری نہ رہے پھر تجدید کلمہ کرکے مسلمان ہو گیا اب اس کا یہ خیال ہے کہ اس حیلۂ ارتداد کی وجہ سے وہ تعلیق مفقود ہو گئی اور میں نکاح کر سکتا ہوں جواب عنایت ہو کہ اسکو نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں اور پھر اسکا نکاح باقی رہے گا یا نہیں؟ صاف مشرح ارشاد ہو۔

عبدالرحمٰن از حیدرآباد دکن

الجواب وھو الموفق للصواب: فی الدر المختار (وھو) ای الکفر (یبطلھا) اذا عرض بعدھا (فلو حلف مسلما ثم ارتد) والعیاذ باللہ تعالیٰ (ثم اسلم ثم حنث فلا کفارۃ) اصلا لما تقرر ان الاوصاف الراجعۃ للمحل یستوی فیھا الابتداء والبقاء وقال الشامی تحت قولہ (لما تقرر) علۃ لکون الکفر العارض مبطلا للیمین کالکفر الاصلی (ص ۹۵ ج ۳) وقال ایضا (ص ۹۶ تحت قولہ (وشرطھا الاسلام) واعلم ان اشتراط الاسلام انما یناسب

عہ کہاں لکھا ہے ۱۲ اشرف علی

الیمین باللہ تعالیٰ والیمین بالقرب نحو ان فعلت کذا فعلی صلاۃ واما الیمین بغیر تقرب نحو ان فعلت کذا فانت طالق فلا یشترط له الاسلام کما لا یخفی اھ روایت اولیٰ سے معلوم ہوا کہ ارتداد سے یمین باطل ہونیکی وجہ یہ ہے کہ کفر منافی یمین ہے اور روایت ثانیہ سے معلوم ہوا کہ کفر منافی تعلیق نہیں پس جب تعلیق کیلئے اسلام شرط نہیں ہے تو ارتداد سے تعلیق باطل نہیں ہوتی پس ارتداد سے اعمال اسلام کا بطلان وغیرہ بیحد نقصان وخسارہ حاصل ہوا اور جو نفع اپنی غلطی سے سوچکر اسقدر جرم عظیم کا ارتکاب کیا وہ حاصل بھی نہ ہوا۔

اور اب بھی وہی صورت اختیار کرنی پڑیگی جو ارتداد سے قبل ہوسکتی تھی بڑے افسوس کی بات ہے کہ اس وقت دریافت نہ کیا اور معصیت سے بچنے کے واسطے راس المعاصی کو ترجیح دی جو بعید از قیاس ہے اللہ تعالیٰ ایسی کجی اور اغوائے شیطانی ونفسانی سے پناہ میں رکھے (آمین ثم آمین)۔

اب حنفی مذہب کے مطابق حسب تصریحات فقہاء اس شخص کے واسطے نکاح کی ایک سبیل ہے وہ یہ کہ کوئی فضولی اسکا نکاح کردے اور یہ اس نکاح فضولی کو قولاً قبول نہ کرے بلکہ فعلاً قبول کرنا ظاہر کرے مثلاً کل یا بعض مہر ادا کردے اسطرح نکاح بھی صحیح ہوجائیگا اور اس عورت پر طلاق بھی واقع نہ ہوگی۔

تنبیہ: فضولی اسکو کہتے ہیں جو اپنی طرف سے بطور خود بغیر وکالت وولایت کسی دوسرے کا نکاح کردے پس اگر یہ شخص کسی کو یوں کہے کہ تم فضولی ہوکر میرا نکاح کردو تو اسکے کہنے سے وہ وکیل بن جائے گا فضولی نہ رہے گا اور مقصود حاصل نہ ہوگا اس واسطے کسی سے فضولی بننے کی درخواست نہ کرے بلکہ دو تین آدمیوں کے سامنے یوں کہے کہ مجھے اس کی ضرورت ہے کہ کوئی فضولی میرا نکاح کردے پھر اُن میں سے کوئی شخص بطور خود اسکی طرف سے ایجاب یا قبول کرلے کما فی الشامی عن البحر وینبغی ان یجیئ الی عالم ویقول له ماحلف واحتیاجه الی نکاح الفضولی فیزوجه العالم امرأۃ ویجیز بالفعل فلا یحنث وکذا اذا قال لجماعة لی حاجة الی نکاح الفضولی فزوجه واحد منهم اما اذا قال لرجل اعقد لی عقد فضولی یکون توکیلا اھ (ص۸۴۸ ج۲) فقط واللہ اعلم

تعلیق طلاق کا ایک مسئلہ	**(سوال)** عبدالرحمٰن اور اسکی بیوی ہاجرہ میں باہمی منازعت

تھی اسی وجہ سے ہاجرہ اپنے ماموں کے گھر مقیم تھی ماموں اس کو خاوند کے سپرد کرنے سے (تا آنکہ وہ کافی اطمینان اسکے ساتھ حسن معاشرت کا نہ دلائے) مانع وحارج تھا عبدالرحمن ایک مرتبہ ہاجرہ کو لینے کیلئے ماموں کے گھر آیا اور اطمینان کیلئے یہ تحریر لکھدی الفاظ تحریر بعینہا یہ ہیں۔

میں کہ عبدالرحمن پسر حاجی عبدالکریم مرحوم قوم شیخ ساکن گڈھی پختہ ضلع مظفر نگر کا ہوں جو کہ میری زوجہ ہاجرہ خاتون اپنے حقیقی ماموں مسمی عبدالحکیم کے یہاں ہے میں اسکو اپنے یہاں اس شرط پر لیجانا چاہتا ہوں کہ جس وقت اُسکے ماموں مسمی عبدالحکیم اسکے بلانے کا نوٹس مجھکو دینگے میں اندر میعاد ایک ماہ کے اپنی زوجہ کو اسکے ماموں کے مکان پر پہونچادونگا اور انکار نہ کرونگا اور اگر اس صورت میں نہ بھیجوں اور بھیجنے سے انکار کروں تو اس انکار سے میری زوجہ کو طلاق بائن واقع ہو جائیگی۔

اس تحریر کے لکھنے پر ہاجرہ کا ماموں اُس کو عبدالرحمن کے ساتھ بھیجنے پر آمادہ ہوگیا مگر چونکہ زیور یہاں موجود نہ تھا بلکہ دہرہ دون کسی کے پاس رکھا ہوا تھا اسلئے زیور کے انتظار میں بتراضی طرفین اس وقت ہاجرہ کو نہیں بھیجا گیا اور خاوند بخوشی اس کو چھوڑ کر گڈھی چلا گیا چار پانچ روز کے بعد پھر آیا اس وقت بھی زیور دہرہ دون سے نہ آیا تھا۔ شوہر پھر زیور کی انتظار کیوجہ سے چھوڑ کر چلا گیا اس دفعہ ماموں کے دل میں کچھ شبہات پیدا ہو گئے پھر تیسری دفعہ شوہر آیا تو ماموں نے اس سے اپنے شبہات پیش کئے اُس پر عبدالرحمن نے مزید اطمینان کیلئے زبانی یہ الفاظ کہے: ''اگر میری طرف سے بدگمانی ہے کسی قسم کی مارپیٹ کروں تو زبانی الفاظ سے تم لوگوں کو اطمینان کر دیتا ہوں وہ یہ کہ اگر میں ماروں تو میری طرف سے جواب ہے۔ یہ جملے کہتے وقت فوراً ہی یہ کہا کہ میں نے ان الفاظ سے نیت طلاق کی نہیں کی''۔

ماموں نے ان الفاظ کو لکھوانا چاہا خاوند نے لکھنے سے انکار کیا اور اسپر تنازع بڑھ گیا اور عبدالرحمن نے کہا کہ بھیجو نہ بھیجو تم کو اختیار ہے میں لکھوں گا نہیں اور پھر یہ کہا کہ ''وہ میری تحریر ۷ رفروری ۱۹۲۹ء کی جو تمنے لکھائی تھی وہ میں نے اسی روز کیلئے لکھی تھی آج سے وہ میری تحریر کالعدم ہو گئی کیونکہ اس روز میرے ساتھ نہیں بھیجا الخ''، اس کے بعد خاوند نے بلانے کا نوٹس دیا تو بعض مصالح کی بنا پر یہ تجویز کیا گیا کہ لڑکی نوٹس کا جواب خود دے اور یہ لکھے کہ میں تیار ہوں تم آکر لیجاؤ چنانچہ خود آکر لیگیا۔ اور وہاں جاکر لڑکی پر تشدد کیا۔ مارپیٹ بھی ہوئی۔ ماموں نے بلانے کا نوٹس دیا تو بھیجا نہیں

پھر خود لینے کیلئے گیا اس وقت بھی نہیں بھیجا۔ اسپر ماموں نے یہ سمجھکر کہ ایک ماہ تک نہ بھیجنے کی وجہ سے طلاق پڑگئی ہے۔ خفیہ لڑکی کو اُس کے گھر سے نکال کر ہمراہ لے آیا اب سوال یہ ہے کہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

جواب اول از دیوبند:

بحث وتفتیش کے بعد سوال میں یہ جزو قابل غور رہ گیا ہے کہ عبدالرحمٰن کی پہلی تحریر جسمیں انکار کو طلاق قرار دیا ہے وہ کس چیز پر معلق ہے آیا ماموں کی عدم ممانعت پر یا اپنے فعل یعنی لیجانے پر کیونکہ عبارت تحریر بغیر اسکے کہ بطور اقتضاء النص کے کوئی عبارت مقدر مانی جائے درست نہیں ہوسکتی اور تقدیر عبارت دو احتمال ہیں۔

(۱) اول یہ کہ میں اس شرط پر لیجانا چاہتا ہوں کہ اگر اسکا ماموں بھیجنے میں حارج ومانع نہو تو پھر جب وہ بلائیگا میں بھیجنے سے انکار نہ کروں گا تو یہ انکار طلاق بائن ہوگا۔

(۲) دوسرے یہ کہ میں اس شرط پر لیجانا چاہتا ہوں کہ اگر میں اس کو لے گیا تو جب ماموں بلائیگا تو بھیجنے سے انکار نہ کرونگا الخ

الغرض یہ تعلیق کسی فعل مقدر پر ہے یا ماموں کے فعل بھیجنے اور عدم ممانعت پر اور یا اپنے فعل یعنی لیجانے پر۔

پہلی صورت میں وقوع طلاق ظاہر ہے کیونکہ ماموں اسکے بھیجنے سے اسوقت حارج ومانع نہیں ہوا لہذا تحقق شرط کیوجہ سے یہ تحریری تعلیق منعقد رہی اور جب خاوند نے ماموں کے بلانے پر بھیجنے سے انکار کیا تو طلاق واقع ہوگئی۔

اور دوسری صورت میں عدم وقوع طلاق متعین ہے کیونکہ لیجانے کا تحقق اسوقت نہیں ہوا اب مدار بحث ان دونوں احتمالوں میں سے ایک کی تعیین پر ہے جسکے لئے کوئی حتمی چیز تو خیال میں نہیں آتی۔ البتہ قرائن احتمال اول کیلئے زیادہ معلوم ہوتے ہیں، واللہ اعلم۔

قرینہ اولی یہ ہے کہ گفتگو اور بحث ابتداء سے خاوند کے فعل یعنی لیجانے میں نہ تھی بلکہ ماموں کے فعل یعنی ارسال وعدم ممانعت میں کلام تھا

قرینہ ثانیہ تحریر لکھنے کا منشاء کوئی ابتدائی تعلیق نہ تھی کہ اپنے فعل پر

معلق کیا جاتا بلکہ ماموں کا اطمینان دلانا مقصود تھا اسکی عدم ممانعت کے صلہ میں یہ تعلیق بطور اطمینان دلانے کے کیگئی ہے۔

قرینہ ثالثہ خاوند نے اپنی آخری گفتگو میں خود یہ الفاظ کہے ہیں کہ:

وہ میری تحریر کالعدم ہو گئی کیونکہ اس روز میرے ساتھ نہیں بھیجا اس میں تصریح ہے کہ وہ اس تحریر کو اسلئے کالعدم کہتا ہے کہ بزعم خود ماموں نے نہیں بھیجا اپنے نہ لیجانے کو حجت میں پیش نہیں کرتا بلکہ ماموں کے نہ بھیجنے کو سبب سقوط تعلیق قرار دیتا ہے

یہ قرائن احتمال اول کے موید ہیں جن سے وقوع طلاق مستفاد ہوتا ہے اور احتمال ثانی کا قرینہ صرف یہ ہے کہ اس نے اپنے الفاظ میں یہ کہا ہے۔ کہ میں اس شرط پر لیجانا چاہتا ہوں جسمیں لیجانے کا تذکرہ ہے بھیجنے کا نہیں۔

پھر احتمال اول پر تو خواہ تعلیق کو یمین موید قرار دیا جائے یا موافقت بالمرۃ الاولی بہر دو صورت طلاق واقع ہو گی کیونکہ عدم ممانعت اول مرتبہ متحقق ہو چکی۔ اور احتمال ثانی پر موید ہونیکی صورت میں طلاق ہو گی کیونکہ آخر لیجانا متحقق ہو گیا جو شرط تعلیق تھا ولو بعد حین۔ اور موقت بالمرۃ الاولی ہونیکی صورت میں طلاق نہ ہو گی کیونکہ مرۃ اولی میں لیجانا متحقق نہیں ہوا باقی درمیانی گفتگو جسمیں یہ لفظ کہے تھے کہ اگر میں ماروں تو میری طرف سے جواب ہے، یہ زائد سے زائد کنایہ طلاق ہو سکتا ہے مگر خاوند نیت طلاق کا انکار کرتا ہے اگر وہ اس پر حلف کرے تو ان لفظوں سے کوئی طلاق نہ پڑے گی اس لئے اس سے تعرض جواب میں نہیں کیا گیا، واللہ اعلم۔ بندہ محمد شفیع دیوبندی

جواب دوم از تھانہ بھون:

احقر کے فہم ناقص میں یہ آتا ہے کہ صورت مسؤلہ میں گو لفظاً یمین مؤبد ہے ولیکن عرفاً قرینہ مقالیہ کے باعث یہ یمین مقید ہے اسی سلسلہ گفتگو میں لیجانے کیساتھ یعنی اگر میں اس سلسلہ میں لیگیا اور ماموں کے بلانے پر نہ بھیجا تو طلاق واقع ہو گی اور اگر اس سلسلہ میں نہ لیگیا تو اس صورت میں تعلیق نہیں ہے ونظیرہ مافی الھدایۃ وغیرہ من انہ اذا استحلف الوالی رجلا لیعلمنہ بکل داعر

عہ الا طلاق ۱۲ منہ

دخل البلد فهذا علی حال و لابنته خاصة اور اسیطرح زبانی تعلیق یعنی اگر
ماروں تو جواب ہے وہ بھی مقید ہے اسی وقت[عه] لیجانے کیساتھ لدلالة الحال علیه
عرفًا اور اس وقت[سه] لیجانا متحقق نہیں ہوا لہذا دوسرے موقع پر لیجانے سے خاوند کے ذمہ
اس تعلیق کی پابندی ضروری نہ تھی اور عدم پابندی سے طلاق واقع نہ ہوگی خواہ اس
نہ لیجانے کا باعث ماموں ہوا ہو یا نہ ہوا ہو بہرحال نہ لیجانے سے یمین باطل ہوگئی
اور نہ مفتی صاحب نے جو تحریر فرمایا ہے کہ نہ لیجانے پر آئندہ تعلیق نہیں بلکہ نہ بھیجنے پر ہے
اور ماموں نے بھیجنے سے انکار نہیں کیا اسلئے تعلیق باقی رہی اور نہ بھیجنا اقتضاءً معلوم
ہوتا ہے اسمیں احقر کو یہ اشکال[له] ہے کہ اقتضاءً کوئی دوسرا لفظ نکالا جاتا ہے جبکہ
اس کے بدون کلام صحیح نہ ہو اور یہاں کلام بالکل صحیح ہے کیونکہ لیجانے پر تعلیق کرنا بالکل
صحیح ہے پس کسی قرینہ پر دوسرا لفظ نکالنے کی حاجت نہیں خواہ قصہ کچھ ہی تھا مگر اس نے تعلیق
کو مشروط کیا ہے لیجانے کیساتھ اور جو لفظ اس نے نہیں کہے وہ بلا ضرورت اسکے ذمہ نہ
لگائے جاوینگے اور اخیر میں اس نے جو کہا کہ تم نے بھیجا نہیں اس سے وہ اپنے نہ لیجانے کی
وجہ بیان کر رہا ہے اسمیں یہ اقرار نہیں ہے کہ تمہارے بھیجنے پر میں نے تعلیق کو معلق
کیا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ
خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون۔

جواب سوم از سہارنپور:

حامدًا و مصلیًا۔ اولاً جواب لکھا جاتا ہے اسکے بعد دوسرے جوابات کے متعلق
عرض کیا جائیگا تحریر طلاق نامہ کے موافق اگر عبد الرحمٰن نے نوٹس کے بعد ایک ماہ کے اندر
اپنی زوجہ کو اس کے ماموں کے یہاں نہیں بھیجا اور انکار کردیا تو اس کی زوجہ پر ایک
طلاق بائن واقع ہوگئی اور اگر ایک ماہ کے اندر اُس نے اُسکے بھیجنے سے انکار نہیں کیا بلکہ

[عه] یعنی اسی سلسلہ میں ۱۲ منہ

[سه] یعنی اس سلسلہ میں جانا نہیں ہوا بلکہ اس کو ماموں نے منقطع کردیا اور بھیجنے سے صریح انکار کردیا ۱۲ منہ

[له] اشکال سے قطع نظر کرکے اگر بھیجنے کو معلق علیہ کہا جاوے تب ہی اس پورے سلسلہ میں حارج نہ ہونا
مشروط ہوگا اور جب اخیر میں حارج ہوگیا تو شرط فوت ہوگئی ۱۲ منہ

وہ خود نہیں آئی یا اسکو کوئی لینے نہیں گیا تو طلاق واقع نہیں کیونکہ زوج نے جو طلاق نامہ میں یہ الفاظ لکھے ہیں کہ "اپنی زوجہ کو اس کے ماموں کے مکان پر پہونچا دونگا اور انکار نہ کرونگا" یہ محض وعدہ ہے جو تعلیق سے خارج ہے تعلیق اس کلام کے بعد ہے۔

اور جو الفاظ اس نے زبانی کہے ہیں کہ "اگر میں ماروں تو میری طرف سے جواب ہے" یہ کنایات طلاق سے ہیں اسکے متعلق اس نے یہ بیان کیا کہ اس سے میری نیت طلاق کی نہیں تھی اسمیں محض اسکا قول معتبر نہیں ہاں اگر وہ حلیفہ بیان کرے کہ اس سے میری نیت طلاق کی نہیں تھی تو اسکا قول معتبر ہے والقول له بيمينه فی عدم النية ويكفی تحليفها له فی منزله فان ابی رفعته للحاكم فان نكل فرق بينهما درمختار شامی ص۶۴۷ ج۲

اور مولانا محمد شفیع صاحب نے جو معلق علیہ میں تشقیق فرمائی ہے احقر کے خیال ناقص میں اسکی ضرورت نہیں اور مفتی ثانی کی رائے اس کے متعلق درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ زوج خود اپنی تحریر میں لکھتا ہے کہ: اس شرط پر لیجانا چاہتا ہوں، لہذا اسکی تصریح کے ہوتے ہوئے احتمال آخر کی ضرورت نہیں باقی اس تعلیق کو یمین مقید قرار دینا صحیح نہیں معلوم ہوتا اسوجہ سے کہ زوج کا اس وقت نہ لیجانا اور بعد میں تین بار آنا اور تیسری مرتبہ میں یہ الفاظ کہنے کہ "آج سے وہ میری تحریر کالعدم ہوگئی" یمین مقید ہونیکے[له] صریح مخالف ہے اور مفتی ثانی نے جس قرینہ مقالیہ کیوجہ سے اسکو مقید قرار دیا ہے وہ اتنا صریح نہیں نیز اسکی مفتی صاحب نے جواب میں تعیین ہی نہیں فرمائی اسلئے یمین مقید قرار دینا قطعاً صحیح معلوم نہیں ہوتا، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ سعید احمد مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۱۳ ؍شوال ۵۰ھ

الجواب صحیح عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم ۱۰ ؍ذیقعدہ ۵۰ھ

احقر کے نزدیک یہ جواب اقرب (الی ظاہر الفاظ السوال) معلوم ہوتا ہے۔

بندہ عبد الرحمٰن غفرلہ

خلاصۂ جوابات

(۱) جواب دیوبند کا یہ حاصل ہے کہ ایک طلاق بائن واقع ہوچکی ہے کیونکہ

[له] یہ تو جب ہوتا جبکہ مقید کہا جاتا اول روز کیسا تھ اور سلسلہ گفتگو کیساتھ مقید کیا گیا اور گفتگو کا سلسلہ ہنوز چل رہا تھا تو دوبارہ سہ بارہ آنا خلاف کیسے ہوا ۱۲ عبد الکریم عفی عنہ

گفتگو بھیجنے پر ہو رہی تھی اسواسطے تقدیر کلام کی یوں ہوگی کہ اگر اسکا ماموں بھیجنے میں (اسوقت) حارج نہ ہو تو پھر جب وہ بلاویگا میں بھیجدونگا اور اگر ایک ماہ تک نہ بھیجوں تو طلاق بائن واقع ہو جاویگا اور ماموں اسوقت بھیجنے میں حارج ہوا نہیں بلکہ زیور کی وجہ سے بتراضی طرفین بھیجنے میں تاخیر ہوئی ہے۔

(۲) اور احقر کے خیال ناقص میں خط کشیدہ تقدیر کی ضرورت نہیں بلکہ صریح لفظ جو اس نے شروع کلام میں استعمال کئے ہیں وہی مقدر مانے جائیں گے تقدیر یوں ہوگی کہ اگر میں اسوقت لیگیا یعنی اس سلسلہ میں تو پھر جب اُسکا ماموں بلادیگا الخ اور اس وقت وہ لیکر نہیں گیا بلکہ ماموں نے انکار کر دیا اور انکار سے وہ سلسلہ گفتگوئے صلح کا منقطع ہوگیا اسلئے دوسرے موقع پر لیجانے کے بعد ماموں کے بلانے سے بھیجدینا لازم نہ تھا لہذا اس نہ بھیجنے سے طلاق نہیں ہوئی۔

(۳) جواب سہارنپور کا حاصل یہ ہے کہ تقدیر تو وہی صحیح ہے جو ۲ میں لکھی ہے لیکن اس وقت کیساتھ لیجانے کی قید مسلم نہیں بلکہ جب کبھی بھی لے گیا ہو بہرحال خاوند کے ذمہ لازم تھا کہ ماموں کے بلانے پر ایک ماہ کے اندر بھیجدیتا چونکہ اس نے بھیجا نہیں اس واسطے طلاق واقع ہوگئی۔

اختلاف کا منشا یہ ہے کہ جواب ۲ میں تعلیق کیلئے دو شرطیں قرار دیگئی ہیں اول لیجانا دوسرے اس وقت لیجانا مجیب اول کو اسی وقت کی قید تو تسلیم ہے مگر بجائے لیجانے کے بھیجنے میں حارج نہ ہونا قید لگاتے ہیں اور مجیب ثالث کو اسی وقت کی قید میں کلام ہے اور لیجانے کو تسلیم کرتے ہیں اور جواب ۲ میں جو ہر دو قید ملحوظ رکھی ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ خاوند کے یہ لفظ لکھے کہ میں اسکو اپنے ہاں اس شرط پر لیجانا چاہتا ہوں الخ اس سے بوجہ صیغہ حال کے و نیز عرف کے اسی وقت یعنی اسی گفتگو کے دوران میں لیجانے کی شرط ظاہر ہے، فقط واللہ اعلم۔

یہ خلاصہ مع اصل اجوبہ حضرت مولانا مدظلہم العالی کیخدمت میں پیش کیا گیا حضرت والا نے ملاحظہ فرما کر مولوی حبیب احمد صاحب کو بھی بلایا اور احقر کو بھی اور بعد گفتگو کے یہ طے فرمایا کہ طلاق واقع نہیں ہوئی یعنی جواب دوم کو صحیح فرمایا اور جواب دوم پر حاشیہ ۔ و ۔ مولوی حبیب احمد صاحب نے

وضاحت کیلئے اور حاشیہ سے حضرت والا نے تائید کے واسطے لکھوایا فقط والسلام

احقر عبدالکریم گمتھلوی عفی عنہ

مورخہ ۲۳ ذیقعدہ ۵۰ھ

سسر نے داماد سے اس تحریر پر کہ تو میرے حکم اور مرضی کے بغیر گھر سے نکلیگا الخ الی قولہ تو میری لڑکی کو تین طلاقیں ہو جائیگی الخ دستخط کرائے پھر شوہر اسکے مظالم سے تنگ آکر بغیر اجازت کے نکل گیا تو اسکی بیوی پر طلاق واقع ہو گی یا نہیں۔

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس ذیل کے مسئلہ میں کہ ساؤتھ افریقہ میں ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اسکی رضا اور خوشی سے اور پھر عورت کے ساتھ عورت کے باپ کے گھر رہنے لگا اور بعد چند مدت کے عورت کے باپ کے ساتھ جھگڑا ہوا اور گھر سے نکل کر کوئی دوسری جگہ پر اکیلا رہنے لگا اور بعد چند مدت کے وہ مرد پھر عورت کے باپ کے گھر رہنے کیلئے آیا تب اُس عورت کے باپ نے اس قسم سے ایک کاغذ لکھکر اسپر اس مرد کے دستخط کروائے کہ اگر اب کے تو میرے حکم اور مرضی کے بغیر مرے گھر سے نکلیگا اور میرے حکم اور مرضی کے بغیر کوئی کام کریگا یا کسی جگہ پر نوکری کریگا تو مری لڑکی کو تین طلاقیں ہو جائینگی اور اب اس مرد پر عورت کے باپ نے بہت ظلم کیا اور تکلیف دی تو وہ مرد بدون عورت کے باپ کے حکم اور مرضی کے گھر سے نکل کر دوسری جگہ پر اکیلا رہنے لگا اور نوکری کرنے لگا تو اب ایسی صورت میں عورت اس مرد کے نکاح میں رہ سکتی ہے یا نہیں اور اگر نہیں تو اسکی کیا دلیل ہے اور اگر رہ سکتی ہو تو اب کیا کرے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں اُس عورت پر تین طلاق واقع ہو چکیں خسر نے اس شخص پر جو ظلم کیا ہے اس کا گناہ خسر کے ذمہ رہیگا مگر اس ظلم کیوجہ سے جانیکا حکم طلاق کے بارے میں وہی رہیگا جو بلا ظلم جانے سے ہوتا کما ھو مصرح فی کتب الفقہ و نقل فی الفتاوی الھندیہ عن الخلاصۃ وقوع الطلاق وفی آخرہ لان الاتیان مکرھًا او ناسیًا او عامدًا سواء فی تحقق الحنث فقط واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

مورخہ ۳۰ ربیع الاول ۵۱ھ

(**سوال**) مخدوم و محترم دامت برکاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

التماس ہے کہ ان دنوں ہمارے اطراف میں ایک مسئلہ میں علماؤں کا اختلاف ہو رہا ہے واقعہ ہے کہ ملک بنگال میں گورنمنٹ کی طرف سے قاعدہ مقرر ہے کہ نکاح وطلاق دونوں کی رجسٹری ہوتی ہے یعنی زوج اپنی زوجہ کو ایک کابین نامہ لکھ کر دیتا ہے اسی کی رجسٹری ہوتی ہے اور اُسمیں یعنی کابین نامہ میں بہت سی شرطیں ہوتی ہیں جسکے آخر میں وہ لکھتا ہے کہ اگر میں ان تمام شرطوں میں سے کسی ایک شرط کے بھی خلاف کروں تو میری زوجہ کو اختیار رہے کہ وہ اپنے نفس کو طلاق دیکر آزاد ہو جائے مجھے کوئی عذر نہیں ہوگا، فی الحال ایک نکاح ہوا ہے اور محفل عقد میں قبل نکاح ہونیکے زوج نے اولیائے مخطوبہ سے زبانی اقرار کیا اور کابین نامہ بھی لکھ کر دیا اُس میں منجملہ تمام شرائطوں کے ایک شرط یہ بھی ہے کہ ہمارے تمہارے درمیان نکاح قائم رہتے ہوئے اگر ہم بلا اجازت تمہاری دوسری عورت کیساتھ نکاح کریں تو اس کو طلاق ہے۔ بعد اس اقرار کے عقد پڑھایا گیا۔ نکاح ہونے کے کچھ دن بعد اُس نے ایک دوسری عورت سے نکاح کیا اور زوجہ اولیٰ سے اجازت بھی نہ لیا۔ اب علماء میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ بعض زوجہ ثانیہ کے مطلقہ ہونے کے قائل ہیں اور بعض نہیں۔ احقر نے بھی اپنی استعداد کے موافق تحقیق کی مگر تشفی نہیں ہوئی بلکہ اور بھی الجھن بڑھ گئی۔ لہذا رفع شک کیلئے مکلف ہے امید کہ اس تصدیعہ معاف فرماوینگے اور جواب شافی عنایت فرماویں گے

نکاح سے قبل کابین نامہ میں لکھدیا کہ ہمارے تمہارے درمیان نکاح قائم رہتے ہوئے اگر ہم بلا اجازت تمہاری دوسری عورت کے ساتھ نکاح کریں تو اسکو طلاق ہے الخ پھر شوہر بلا اجازت زوجہ اولیٰ کی موجودگی میں دوسرا نکاح کرلے تو زوجہ پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں۔

فتاوی عالمگیری میں لکھتے ہیں۔ رجل قال لاجنبیۃ ما دمت فی نکاحی فکل امرأۃ اتزوجھا فھی طالق ثم تزوجھا فتزوج علیھا امرأۃ لایقع۔ اس سے معلوم ہوا کہ وقت تعلیق معلق بہ کا موجود ہونا شرط ہے اور یہاں پر نکاح معلق بہ ہے وہ وقت تعلیق موجود نہیں لہذا زوجہ ثانیہ مطلقہ نہیں ہوگی، اور قاضی خان میں ایک جگہ پر دیکھا رجل قال ان تزوجت امرأۃ من بنات فلان فھی طالق ولیس بفلان وقت الیمین بنت ثم جاءت لہ بنت فتزوجھا الحالف قالوا لا یحنث فی یمینہ ویشترط قیام البنت وقت الیمین ولا یدخل

فی الیمین ما یحدث بعد الیمین ۔ اسکے بعد نظیر میں ایک مسئلہ اور بھی لائے ہیں اُسکے بعد لکھتے ہیں۔ الاان ھذا الجواب یوافق قول محمدؒ ۔ اما فی قیاس قول ابی حنیفہؒ وابی یوسفؒ یدخل فی ھذہ الیمین ما کانت موجودۃ وقت الیمین وما یحدث بعدہ کما لوحلف ان لایکلم ابن فلان ولیس بفلان ابن ثم ولد لہ ابن وکلمہ الحالف یحنث فی قول ابی حنیفہ وابی یوسف رحمھم اللہ ولا یحنث فی قول محمدؒ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام محمد صاحبؒ کے نزدیک وقت تعلیق معلق بہ کا ہونا ضروری ہے اور شیخین کے نزدیک ضروری نہیں، اب مسئلہ مستفسرہ میں امام محمدؒ کے قول سے تو زوجہ ثانیہ مطلقہ نہ ہوگی کیونکہ قبل نکاح یہ سب شرطیں ہوئی نہیں اور شیخین کے قول کیطرف نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ زوجہ ثانیہ مطلقہ ہو جائیگی اگرچہ وقت تعلیق نکاح نہیں ہوا تھا مگر نکاح ثانی کیوقت زوجہ اولی اسکے نکاح میں موجود ہے لہذا تعلیق صحیح ہوگی اور زوجہ ثانیہ مطلقہ ہوگی۔

قاضی خان فصل فی رسم المفتی میں لکھتے ہیں۔ وان کانت مختلفا فیھا بین اصحابنا فان کان مع ابی حنیفۃ رحمھم اللہ احد صاحبیہ یاخذ بقولھما لوفور الشرائط واستجماع ادلۃ الصواب فیھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخین کے قول کو اس جگہ ترجیح ہوگی۔ اور زوجہ ثانیہ مطلقہ ہو جائیگی۔ لیکن عالمگیری سے جو جزئیہ نقل کیا وہ اس قدر صاف ہے کہ دوسری بات قبول کرنے میں الجھن پیدا ہوتی ہے۔ اسلئے آپکی طرف رجوع کیا تاکہ سیدھا راستہ دکھلادیں واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ المکلف خادم العلماء فدوی ابوسعید محمد عبدالشہید ھاتیوی نواکھالوی۔

الجواب: مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپنے عالمگیریہ کے جزئیہ میں غور نہیں فرمایا۔ عالمگیریہ میں عبارت مذکورہ کے بعد یہ بھی لکھا ہے۔ ولوقال ان تزوجتک فما دمت فی نکاحی فکل امرأۃ اتزوجھا علیھا والمسئلۃ بحالھا یقع کذا فی الوجیز للکردی (ص۲۳۶) اس سے معلوم ہوا کہ صورت اولی میں عدم وقوع طلاق کا سبب یہ ہے کہ اجنبیہ کے بقاء نکاح کو امرأۃ متزوج علیھا کی طلاق کا مدار بنایا گیا ہے اور جب اس سے نکاح نہیں ہوا نہ اسکے نکاح پر دوسری

عورت کے تزوج کو مرتب کیا گیا تو کلام لغو ہو گیا اور یہ بالکل ایسا ہے جیسا کوئی کسی عورت کو راستہ میں دیکھ کر یہ کہدے کہ اگر میں اس عورت کے اوپر کوئی اور نکاح کروں تو ثانیہ کو طلاق۔ یقیناً یہ کلام بالاتفاق لغو ہے کیونکہ وہ اجنبیہ نہ اسکے نکاح میں ہے نہ اُسکے نکاح پر دوسرے نکاح کو مرتب کیا گیا۔ اور صورت ثانیہ میں وقوع طلاق کا سبب یہ ہے کہ گو وہاں بھی عورت اولی ہنوز اُسکے نکاح میں نہیں مگر اسکے نکاح پر دوسرے کے نکاح کا ترتب ظاہر کر کے ثانیہ کی طلاق کو معلق کیا گیا ہے یہ تعلیق صحیح ہے کیونکہ اس صورت میں ثانیہ کو اولی کے لحاظ سے متزوج علیہا کہنا ہی صحیح نہیں۔

خلاصہ یہ کہ ثانیہ کو اس شرط سے طلاق دیگئی ہے کہ وہ متزوج علی الاولی ہو اور متزوج علی الاولی ہونا اسپر موقوف ہے کہ یا اولی نکاح میں ہو یا اولی کے نکاح پر ثانیہ کے نکاح کو مرتب کیا گیا ہو کیونکہ بغیر اسکے ثانیہ متزوج علی الاولی نہ ہو گی پس عالمگیریہ کے جزئیہ سابقہ میں عدم وقوع طلاق کا سبب کلام کا لغو ہونا ہے اور امام صاحبؒ اور محمدؒ میں جو اختلاف ہے وہ اس صورت میں ہے جبکہ کلام کے معنی صحیح ہوں کہ اجنبیہ کی طلاق کو خود اُسکے نکاح پر معلق کیا گیا ہو اس صورت میں یہ گفتگو ہے کہ اُس اجنبیہ کا وقت تعلیق کے موجود ہونا ضروری ہے یا نہیں اور صورت سوال میں اجنبیہ کے نکاح پر اُسکی طلاق کو معلق نہیں کیا بلکہ ثانیہ کی طلاق کو اس بات پر معلق کیا گیا ہے کہ وہ اولی کے اعتبار سے متزوج علیہا ہو اور جب اولی خود منکوحہ نہیں نہ کلام میں اُسکے نکاح پر ثانیہ کا نکاح مرتب ہے تو ثانیہ کو متزوج علی الاولی کہنا غلط ہے، فافہم واللہ تعالی اعلم۔

ظفر احمد عفا عنہ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۲۹ رشوال ۴۸ھ

طلاق معلق سے بچنے کا حیلہ

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے غصہ میں اپنی منکوحہ سے یہ کہا کہ اگر تو اپنے باپ کے گھر جاویگی تو تجھے تین طلاق ہیں اور ابتک وہ اپنے باپ کے گھر نہیں گئی۔ اب دریافت کرنا ہے کہ کوئی صورت ایسی بھی ہے کہ وہ اپنے باپ کے گھر چلی بھی جایا کرے اور طلاق نہ پڑے؟ فقط والسلام

احمد حاجی موسیٰ ڈابھیلی

الجواب: صورت مسئولہ میں حیلہ یہ ہے کہ شوہر اپنی اس بیوی کو ایک طلاق

بائن دیدے اور عدت طلاق گذر جانے پر عورت اپنے باپ کے گھر چلی جاوے تو اس جانے سے طلاق واقع نہ ہوگا کیونکہ وہ اسوقت نکاح میں نہیں ہے اور اس جانے سے طلاق معلق کی تعلیق ختم ہوجائے گی کیونکہ کوئی لفظ تعلیق میں تکرار فعل پر دال نہیں نہ استمرار زمان پر اسکے بعد شوہر اس عورت سے نکاح کی تجدید کرے اب نکاح میں آنے کے بعد بھی وہ اپنے باپ کے یہاں آمدورفت کر سکے گی لانحلال الشرط قال فی الھندیۃ اذا حلف بثلث تطلیقات ان لا یکلم فلانا فالسبیل ان یطلقھا واحدۃ بائنۃ ویدعھا حتی تنقضی عدتھا ثم یکلم فلانا ثم یتزوجھا کذا فی السراجیہ (ص۲۶۳ ج۲) واللہ تعالیٰ اعلم۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔

۱۰ ذیقعدہ ۴۹ھ تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ۔

حکم تعلیق طلاق زوجۂ ثانیہ بحیات زوجۂ اول۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین صورت مسئولہ مندرجہ ذیل کے بارے میں کہ عمرو ملکی رواج کے مطابق برات لیکر زید کے پاس گیا تو زید نے کہا کہ بغیر تحریر سند طلاق اضافی کے عمرو کو نکاح دختر نہیں دونگا لھذا بعد چند قیل و قال کے عمرو نے ایک کاتب کو سند تحریر کرنیکی اجازت دی جو صرف بحرف ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

من کہ علی افسر شاہ ولد عبد اللہ شاہ قوم سید شہیدی ساکن نڑان تحصیل مظفر آباد کا ہوں، چونکہ اس وقت سالم قائم عقل و حواس خمسہ یہ سند بیوی جان دختر بیولا شاہ ساکن موضع بہیکڑی والا کی زیر نکاح خود لا کر تحریر کر دیتا ہوں کہ اگر درحین حیات عورتم مذکورہ کوئی دیگر عورت نکاح کروں تو تین طلاق سے طلاق ہوگی وہ عورت ثانیہ بسند مذکورۃ الصدر میں زید اور عمرو کا تخالف بایں طور ہے کہ زید کا دعویٰ ہے کہ بیوی جان کی تمام زندگی میں علی افسر شاہ دوسری عورت سے نکاح نہیں کر سکتا اگرچہ بیوی جان کو طلاق ہی دیدے۔ کیونکہ الفاظ محررہ صریح ہیں۔ اور زید درمختار کی اس عبارت کو بھی بطور استدلال پیش کرتا ہے: لان الایمان مبنیۃ علی الالفاظ لا علی الاغراض، درمختار۔ وفی رد المحتار علی ھٰذا: لو قال لامرأته کل امراۃ اتزوجھا بغیر اذنک فھی طالق، فطلق امرأته طلاقاً بائناً او ثلاثاً ثم تزوج بغیر اذنہا طلقت لانہ لم یتقید یمینہ ببقاء نکاح الخ "۔ اور عمرو کا دعویٰ ہے کہ اگر بیوی جان کو علی افسر شاہ طلاق دیکر دوسری عورت سے نکاح کرلے تو جائز ہے عمرو کی حجت دو مفتی صاحبان کا فتویٰ ہے، ایک مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ سند میں جو عورتم کا لفظ ہے یہ لفظ بقاء نکاح کا فائدہ دیتا ہے اور یہ جو لفظ ہے کہ تین طلاق ہوگی یہ اس کا کہنا ایسا ہے جیسے "طلقت امرأتی من ثلاث تطلیقات"، اور من تبعیضیہ ہے حین حیات والی ترکیب یہ ترکیب اضافی ہے ترکیب اضافی چنداں مفید نہیں ہوا کرتی ——— دوسرے مفتی صاحب "حین حیات" کے لفظ پر صاحب ھدایہ وغیرہ کتب فقہ کی تقریر جو لفظ حین پر ہے وہ بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لفظ "حین" کی صورت میں یہ حلف چھ ماہ میں ختم ہو جائیگا والا جو نیت کریگا، اور درمختار کے ان جزئیات کو بھی بطور استشہاد پیش کرتے ہیں جیسے "لیعلمنه بکل داعٍ" میں حالف کے حلف مستحلف کی ولایت کے ساتھ مقید ہے اسطرح علی افسر شاہ

کی یہ حلف بھی بیوی جان کے نکاح کے ساتھ مقید ہے جس طرح حلف کفیل کے اس شہر سے بدون اذن مکفول لہ کے نہ نکلونگا بقائے دین وکفالہ کے ساتھ مقید ہے اسیطرح علی افسر شاہ کے بھی۔ بنکاح بیوی جان مقید ہے، اور مدار یمین کا عرف پر ہوتا ہے جیسے درمختار میں ہے جلد ۲ ص ۱۹۱: ومدار الیمین علی العرف۔ بینوا وتوجروا۔

الجواب: جس شخص نے حین حیات میں لفظ "حین" کو چھ ماہ پر محمول کیا ہے اس نے بالکل غلط کہا، کیونکہ لفظ "حین" کا چھ ماہ کیلئے ہونا لغت عربیہ کے ساتھ مختص ہے اور وہ بھی اس وقت جبکہ لفظ "حین" مطلق ہو جیسے یوں کہے: "واللہ افعل کذا الی حین" اور جبکہ مضاف ہو تو اس صورت میں کوئی اس کا قائل نہیں کہ لفظ "حین" چھ ماہ کیلئے ہے جیسے لا اکلمک حین شبابک مثلاً۔ اور لغت فارسیہ وغیرہ میں اس لفظ کا چھ ماہ کیلئے ہونا مسلم نہیں، اور جس شخص نے لفظ "حین حیات" کی وجہ سے مطلقاً وقوع طلاق علی الزوجۃ الثانیۃ کا فتوی دیا ہے اس کا قول قضاءً صحیح ہے کیونکہ ظاہر اس لفظ سے یہی ہے وقوع طلاق علی الثانیہ بیوی جان کی حیات پر معلق ہے نہ کہ بقاء زوجیت پر۔

البتہ اگر علی افسر شاہ اس امر کا دعوی کرے کہ میں نے "حین حیات" سے تا وقت حین حیات او در نکاح من کی نیت کی تھی تو وہ حلف واثق کے ساتھ اس نیت کو بیان کرے تو جواب میں دوبارہ غور کیا جائے گا۔ واللہ تعالی اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۸ رجمادی الاول ۴۸ھ

شوہر نے کہا واپسی زیور کی شرط پر طلاق دوں گا بیوی اسپر رضامند ہوگئی تو شوہر نے محرر سے دو طلاق لکھوائے اگر بیوی زیورات شوہر کے حوالہ نہ کرے تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ شخصے مسمّی عبد الرحمن بحضور مجلس ثبوت عقل بلا جبر واکراہ اپنی بیوی سے خانگی معاملات میں ناراض ہوکر بلکہ بیوی کے اصرار سے مرد نے محرر کو کہا: دو طلاق دونگا بشرطیکہ زیورات مجھے دینے پر رضامند ہو، تو بیوی نے کہا کہ میں زیورات سب دیدونگی یعنی بیوی زیورات دینے پر راضی ہوگئی یعنی قبول کیا تو شخص مذکور نے محرر کو کہا "دو طلاق لکھو" تو محرر نے اسکی اجازت سے دو طلاق لکھدی،

اب اس کے بعد عورت نے زیورات مرد کے حوالہ نہ کیے پس صورت مسئولہ میں شرعاً طلاق واقع ہوگی یا نہیں ؟

اب عرض یہ ہے کہ صورت مسئولہ عنہا میں اس دیار کے علماء کا اختلاف ہے :
بعض کا یہ قول ہے کہ طلاق نہ ہوگی، چونکہ یہ تعلیق بالشرط ہے اور شرط معدوم ہے اسلئے مشروط بھی معدوم "اذا فات الشرط الخ" یعنی شرط حوالہ زیور کو قرار دیتے ہیں، اور یہ بھی قول ہے کہ لکھوانے سے طلاق واقع نہ ہوگی، دلیل یہ پیش کرتے ہیں: "لو اکرہ علی ان یکتب طلاق امرأته فکتب لا تطلق لان الکتابة اقیمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولا حاجة هنا ــــ اور دوسری جماعت علماء کا یہ خیال ہے کہ لکھوانے سے بھی طلاق واقع ہوتی ہے۔ "کما قال الشامی :۔ ولو قال للکاتب: "اکتب طلاق امرأتی" کان اقرارا بالطلاق وان لم یکتب"، اور دوسری وجہ وقوع طلاق کی یہ ہے کہ مرد کا قول "دو طلاق لکھو" اگر زیور دینے پر رضامند ہو اسمیں صرف قبول مرأة پر طلاق واقع ہوگی کیونکہ شرط پائی گئی۔ مشروط بھی مرتب ہونا چاہیے کیونکہ عورت رضامند ہوگئی تھی اگرچہ حوالہ نہ کیا ہو۔ "کما فی البحر نقلا عن الخانیة :۔ ولو قال لامرأته: انت طالق علی ان تعطینی الف درهم فقالت: "قبلت" تطلق للحال وان لم تعط الفاً۔ وکذا فی الشامی: اذا قال لها: علی ان تعطینی کذا فهی تعلیق علی فعل مستقبل صالح للمعاوضة فیشترط قبولها لیلزمها المال فصار کانه علقه علی القبول اذ به یحصل غرضه من الطلاق بعوض وتطلق بالقبول وان لم تعطه فی الحال" ــــ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قبول مرأة کو شرط قرار دیا ہے چونکہ شرط قبول مرأة پائی گئی اسلئے جزاء یعنی وقوع طلاق بھی مرتب ہوگا اور حوالہ زیور شرط نہیں۔ کما یظهر من عبارة المرقومة۔

اب جناب عالی کی خدمت میں عرض یہ ہے کہ کون سے فریق حق پر ہے دو قلم تحریر فرما دیں، اگر عدم وقوع والا حق پر ہے تو ان دلائل کا کیا جواب ہوگا جو فریق ثانی نے وقوع طلاق پر پیش کیا؟ فقط والسلام

سائل عبدالکریم از سندی پرانگ اسکول۔
علاقہ بہو تھید نگ ضلع اکیاب۔

تنقیح :- وہ تحریر بجنسہ یا اسکی نقل بھیجی جائے جو محرر نے شوہر کے حکم سے لکھی ہے اس کے بعد حکم بتلایا جائیگا۔ یہ تحریر بھی واپس کی جائے فقط۔

ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۲۷ ربیع الاول ۴۸ھ۔

جواب تنقیح :- حسب تحریر جنابعالی نقل طلاق نامہ روانہ خدمت ہے جو حسب ذیل ہے :-

نقل طلاق نامہ :- باعث تحریر یہ ہے کہ میں عبدالرحمٰن بن فلاں باشندہ مقام فلاں اقرار کرتا ہوں چونکہ میری بیوی ہندہ اپنے زیور وغیرہ مجھے دیدینے پر رضا مند ہوگئی ہے اسلئے میں دو طلاق دیکر طلاق نامہ کا کاغذ دے رہا ہوں تاکہ عندالعدالت مجھے دعویٰ کا حق نہ رہے۔

دستخط عبدالرحمٰن طالق

اب حضور والا سے درخواست ہے کہ تحریر فرمادیں کہ قائل بالوقوع کا قول صحیح ہے یا قائل عدم وقوع کا۔ والسلام۔

الجواب :- صورت مسئولہ میں عورت پر دو طلاق واقع ہو گئی ہیں۔ بالدلائل التی ذکرھا السائل واما قول من قال: ان الطلاق لم یقع بدلیل ما فی الشامیۃ وغیرہ " ولو اکرہ علی کتابۃ الطلاق الخ فقد سھا سھوًا بینًا، فان الجزئیۃ المذکورۃ انما ھی فی الاکراہ ولا اکراہ ھنا۔ واما قولہ: ان الطلاق معلق فغلط ایضًا لفقدان حرف الشرط فی قولہ " دو طلاق لکھو" وفی طلاق نامۃ التی امر بکتابتھا وانما کان الشرط قبل ذلک ولا عبرۃ بہ حیث لم یقید ایقاعہ بہ فافھم، واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۸ ار جمادی الاول ۴۸ھ

فصل

فی طلاق المریض و الصبی و السکران و المجنون

"اللوح المنقوش فی حکم طلاق المدہوش"

یعنی مدہوش کی طلاق کا حکم

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ (۱) زید نے اپنی منکوحہ کو غصہ کی حالت میں یہ کہا کہ میں نے تجھکو تین طلاق دی، تو مجھ سے پردہ کرے، اس صورت میں تین طلاق پڑیں گی یا ایک؟ ہندوستان میں فرقہ غیر مقلدین کے نزدیک ان لفظوں سے صرف ایک طلاق ہوتی ہے آیا اس قول پر فتویٰ دینا یا ضرورت کے وقت اس پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زید نے بعد میں یہ دعویٰ کیا کہ میں نے غصہ میں مغلوب العقل ہو کر طلاق دی تھی۔ مغلوب العقل جس کی طلاق شرعاً واقع نہیں ہوتی کسے کہتے ہیں اور طلاق دیکر کوئی شخص مغلوب العقل ہونیکا دعویٰ کرنے لگے تو اس دعویٰ کے قبول ہونیکی کیا شرائط ہیں؟

(۳) ایسی صورت میں عورت مطلقہ کیلئے شرعاً کیا حکم ہے؟ آیا اسکو شوہر کے اس دعویٰ کا قبول کرنا اور اس کے نکاح میں رہنا جائز ہوگا یا نہیں؟ **بینوا وفقکم اللہ للامر الصواب و لکم عند اللہ جزیل ثواب۔**

الجواب:۔ (۱) صورت مذکورہ میں آئمہ اربعہ وجماہیر سلف وخلف کے نزدیک تین طلاق واقع ہوگئیں اور منکوحہ زید اسپر حرام ہوگئی، اب بدون تحلیل کے ہرگز اس کیلئے جائز نہیں ہوسکتی۔ اور ان لفظوں سے ایک طلاق واقع ہونیکا فتویٰ بجز گمراہ شخص کے کوئی نہیں دے سکتا فقہاء حنفیہ نے تصریح کی ہے کہ اگر قاضی اسلام تین طلاق کے ایک ہونیکا فیصلہ کردے تو اسکی قضاءً باطل ہے حالانکہ مسائل مجتہد فیہا میں قضاء قاضی سے ایک جانب راجح ہو جاتی ہے مگر اس صورت میں خود قضاء باطل ہو جاتی ہے کیونکہ اس مسئلہ میں جن لوگوں نے جمہور امت کا خلاف کیا ہے فقہاء نے انکے خلاف کا اعتبار نہیں کیا کیونکہ بوجہ اجماع منعقد ہوجانے کے اس مسئلہ میں اجتہاد

کی گنجائش نہیں رہی۔

قال فی عدة ارباب الفتویٰ (ص ۲۳) لا ینزل قوله لها انت طالق ثلاثاً طلقة واحدة ولا یفتی بذالک الا من اضل الله تعالیٰ والواقع ثلاث طلقات وقد بانت بینونة کبریٰ لا تحل له الا بعد زوج آخر اھ

وفی رد المختار :- (ص ۶۸۸ ج ۲) وذهب جمهور الصحابة والتابعین ومن بعدهم من آئمة المسلمین الی انه یقع ثلاث (الی قوله) وقد ثبت النقل عن اکثرهم صریحاً بایقاع الثلاث ولم یظهر لهم مخالف فماذا بعد الحق الا الضلال، وعن هذا قلنا: لو حکم حاکم بانها واحدة لم ینفذ حکمه، لانه لا یسوغ الاجتهاد فیه فهو خلاف لا اختلاف اھ

وقال الامام النووی فی شرح مسلم (ص ۴۷۸ - ج ۱) قد اختلف العلماء فیمن قال لامرأته: انت طالق ثلاثاً، فقال الشافعی ومالک وابو حنیفة واحمد وجماهیر العلماء من السلف والخلف: یقع الثلاث اھ

اور جس حدیث سے غیر مقلدین نے وقوع طلاق واحدة پر استدلال کیا ہے اسکو محقق ابن ہمام نے منسوخ بتلایا ہے اور امام نووی نے بعض کا ضعیف ہونا اور بعض کا مؤول ہونا ثابت کیا ہے لهذا غیر مقلدین کے فتویٰ پر اس صورت میں عمل کرنا ہرگز درست نہیں اور جو ایسا فتویٰ دے وہ تصریحات علماء حنفیہ کے موافق سراسر گمراہ ہے، فماذا بعد الحق الا الضلال۔

(۲) مغلوب العقل جسکی طلاق واقع نہیں ہوتی وہ ہے کہ جسکی عقل غصہ یا خوف وغیرہ کی وجہ سے جاتی رہی ہو۔ اور اس سے باتیں بہکی بہکی صادر ہونے لگیں اور مجنونوں جیسے افعال ظاہر ہونے لگیں جیسا کہ بعض لوگ غصہ میں برتن توڑنے پھوڑنے اور دیوار وغیرہ میں سر مارنے لگتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ جو شخص غصہ وغیرہ میں ایسا حواس باختہ ہو جائے کہ اس پر جنون کے آثار پائے جانے لگیں وہ شرعاً مدہوش ہے اور ایسے مغلوب العقل کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

قال فی الفتاویٰ الکاملیة: (ص ۲۸) سئلت عن المدهوش هل یعتبر طلاقه فاجبت، بان المحقق الرملی رفع الیه سوال عن المدهوش هذا

لفظہ سئل فی طلاق المدھوش ھل ھو واقع ام لا وما تعیین المدھوش وھل القول قولہ فی الدھش، فاجاب عنہ بقولہ صرح فی التتارخانیۃ نقلاً عن شرح الطحاوی بعدم وقوع طلاق المدھوش وکذا المحقق ابن الھمام فی فتحہ وکذالک المرحوم العلامۃ الغزی فی متنہ تنویر الابصار: واعلم انھم اجمعوا علی ان غیر العاقل لایقع طلاقہ الا اذا کان زوال عقلہ بسبب السکر مما ھو معصیۃ فانہ یقع طلاقہ زجراً لہ عندنا فدخل فی غیر العاقل کل من زال عقلہ بجنونٍ او عتہٍ او برسام او اغماء او دھش، والجنون داء معروف (الیٰ ان قال) والدھش ذھاب العقل من ذھل او ولہ (الی ان قال) والمدھوش ھنا الذاھب العقل بسبب احدھما فاذا علمت ذالک علمت التسویۃ فی الحکم بین طلاق المجنون وبین طلاق من ذکر والمجنون اذا عرف انہ جنّ مرۃ فطلق وقال عاودنی الجنون فتکلمت بذالک وانا مجنون ان القول قولہ بیمینہ وان لم یعرف بالجنون مرۃ لم یقبل قولہ کما فی الخانیۃ و التاتارخانیۃ وغیرھما فظھر لک من ھذا: ان المدھوش ان عرف منہ الدھش مرۃً فالقول قولہ بیمینہ وان لم یعرف لم یقبل قولہ قضاءً الا ببینۃ اذ الثابت بالبینۃ کالثابت عیاناً اما دیانۃً فیقبل لانہ اخبر بنفسہ اھ قلتؔ[ع]: ولایفتی فی ذالک بالدیانۃ لما ثبت ان المرأۃ فی احکام الطلاق کالقاضی لا یجوز لھا ان تصدق الزوج فیما یخالف الظاھر ولایحل لھا ان تمکنہ من نفسھا اذا علمت منہ ذالک کما سیأتی۔
اس عبارت سے مغلوب العقل میں، زوال عقل وذہاب عقل کا شرط ہونا اوراس کا

ع قال فی عدۃ ارباب الفتویٰ (ص ۲۸ ج ۱) وما لا یصدق فیہ المرأ عند القاضی لایفتی فیہ کما لا یقضی فیہ وقال فی شرح نظم النقایہ وکما لا یدینہ القاضی کذالک اذا سمعتہ منہ المرأہ او شھد بہ عندھا عدول لا یسعھا ان تدینہ لانھا کالقاضی لا تعرف منہ الا الظاھر انتھٰی ۱۲۔ منہ۔

مجنون کے مشابہ ہونا صاف مصرح ہے۔

وقال فی ردالمحتار: (ص ۷۰۰ج ۲) وللحافظ ابن القیم الحنبلی رسالۃ فی طلاق الغضبان قال فیہا: انہ علی ثلاثۃ اقسام احدھا ان یحصل لہ مبادی الغضب بحیث لایتغیر عقلہ ویعلم مایقول ویقصدہ وھذا لا اشکال فیہ۔ الثانی: ان یبلغ النہایۃ فلایعلم مایقول ولایریدہ فھذا لاریب انہ لاینفذ شیٔ من اقوالہ۔ الثالث: من توسط بین المرتبتین بحیث لم یصر کالمجنون فھذا محل النظر والادلۃ تدل علی عدم نفوذ اقوالہ اھ ملخصاً من شرح الغایۃ الحنبلیۃ لکن اشار فی الغایۃ الی مخالفتہ فی الثالث حیث قال ویقع طلاق من غضب خلافاً لابن القیم اھ وھذا الموافق لما عندنا کما مر فی المدھوش اھ

اس میں تصریح ہے کہ غصہ کے تین درجے ہیں:

ایک یہ کہ: غصہ کے ابتدائی آثار پیدا ہوں اور اسکی عقل متغیر نہ ہو اور جو بات وہ کہتا ہے اسکو جانتا ہے اور ارادہ سے کہتا ہے اسکی طلاق بلاشبہ واقع ہے۔

دوسرے یہ کہ: غصہ انتہا کو پہنچ جائے حتی کہ اسکو یہ بھی خبر نہ رہے کہ اسکی زبان سے کیا نکل رہا ہے اور قصد وارادہ بھی باقی نہ رہے (اور مجنون کی طرح ہو جائے) اسکی طلاق بلاشبہ واقع نہیں ہوتی۔

تیسرے یہ کہ: اسکی حالت ان دونوں درجوں کے بین بین ہو کہ مجنون کی طرح نہ ہوا ہو حنفیہ کے نزدیک اسکی طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے، وبہ قالت الحنابلۃ ولم یعتبروا بقول ابن القیم فی ذالك، اس کے بعد علامہ شامیؒ نے اپنی ایک رائے ظاہر کی ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ مغلوب العقل کی طلاق واقع نہ ہونے میں یہ شرط میرے نزدیک ضروری نہیں کہ اسکو اپنی بات کی خبر نہ رہے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں اور نہ یہ ضروری ہے کہ ارادہ وقصد بھی باقی نہ رہے بلکہ صرف اتنا کافی ہے کہ اس سے غصہ میں بہکی بہکی باتیں صادر ہونے لگیں اور بے ڈھنگا پن افعال میں ظاہر ہو۔

ونصہ والذی یظھر لی ان کلا من المدھوش والغضبان لایلزم فیہ ان یکون بحیث لایعلم مایقول بل یکتفی فیہ بغلبۃ الھذیان و

اختلاف الجد بالهزل کما هو المفتی به فی السکران علی ما مر ولا ینافیه تعریف الدهش بذهاب العقل فان الجنون فنون اھ (ص ۷۰۱ ج ۲)

لیکن یہ علامہ شامیؒ کی ذاتی رائے ہے فتویٰ نہیں ہے کیونکہ اوپر انکے کلام سے معلوم ہوچکا ہے کہ قسم ثالث میں حنفیہ کے نزدیک طلاق واقع ہوجاتی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ مذہب حنفیہ میں مغلوب العقل کی طلاق واقع نہ ہونیکیلئے عدم شعور وعدم ارادہ بھی شرط ہے اور آگے چل کر علامہ شامیؒ نے اپنی اس رائے پر خود ہی اشکال قوی بھی وارد کیا ہے جس کا جواب بہت تکلف کرکے دیا ہے۔

ونصه نعم یشکل علیه ما سیأتی فی التعلیق عن البحر وصرح به فی الفتح والخانیة وغیرهما وهو لو طلق فشهد عنده اثنان انك استثنیت وهو غیر ذاکر ان کان بحیث اذا غضب لا یدری ما یقول یقع طلاقه والا فلا حاجة الی الاخذ بقولهما انك استثنیت وهذا اشکل جداً اھ

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حنفیہ کے نزدیک غلبہ عقل کیلئے عدم شعور شرط ہے اور علامہ شامیؒ نے جو اسکو سکران پر قیاس کرکے محض ہذیان اور خلل افعال کو کافی سمجھا ہے درحقیقت یہ قیاس مع الفارق ہے لان السکر مزیل للعقل عادةً فیحکم باد فی القرائن بزوال العقل بخلاف الغضب ونحوه فانه لیس بمزیل للعقل عادة فلا یحکم فیه بزواله الا بقرینة قویة وهو ان یکون بحیث لا یدری ما یقول ویبقی عدیم الشعور وایضاً فان طلاق السکران یقع عندنا زجراً له و طلاق المدهوش لا یقع فقیاس احدهما علی الآخر غیر صحیح فان الطلاق الصادر عن المکلف لا یحکم بعدم وقوعه الا اذا تحقق انه صار کالمجنون ـــــ اور یہ ثابت ہوچکا ہے کہ فتویٰ منقول پر ہوا کرتا ہے کسی مصنف کی رائے پر فتویٰ نہیں دیا جاسکتا۔ الا اذا ظهر تائیده بالمنقول، اور تمام کتب فتاویٰ میں مدہوش کی تعریف میں زوال عقل وذہاب عقل وغیرہ الفاظ اسپر دال ہیں کہ عدم شعور بھی اسمیں شرط ہے۔

قال فی تنقیح الفتاوی الحامدیه (ص ۳۸) الدهش هو ذهاب العقل من ذهل او وله وقد صرح فی التنویر والتتارخانیة وغیرهما بعدم وقوع

طلاق المدهوش فعلیٰ هذا حیث حصل الرجل دهش زال به عقله وصار لا شعور له لا یقع طلاق و القول قوله بیمینه ان عرف منه الدهش و ان لم یعرف منه لا یقبل قوله قضاءً الا ببینة، کما صرح بذالک علماء الحنفیة اھ ۔

اس میں لفظ "صار لا شعور له" بالکل صاف ہے اور علامہ شامیؒ نے تنقیح میں اس پر کلام نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکے نزدیک فتویٰ اس پر ہے کہ مغلوب العقل بے شعور ہونا بھی شرط ہے کیونکہ یہ کتاب علامہ شامیؒ کی "ردالمحتار" کے بعد کی تصنیف ہے پس ردالمحتار میں جو رائے مذکور ہے وہ فتویٰ نہیں۔ بلکہ محض ایک عالمانہ بحث ہے اور فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ابحاث ابن ہمام میں فتویٰ نہیں دیا جا سکتا (حالانکہ وہ مثل مجتہد ہیں) پس دوسروں کی رائے اور بحث پر فتویٰ کیونکر ہو سکتا ہے! پس جب کوئی شخص طلاق کے بعد مغلوب العقل ہونیکا دعویٰ کرے اس کے قبول ہونیکے لئے سب سے اول شرط یہ ہے کہ طلاق دینے کے وقت غلبۂ عقل اور دہشت کی جو علامتیں اوپر مذکور ہوئی ہیں یعنی بہکی بہکی باتیں کرنا، افعال میں بے ڈھنگا پن ظاہر ہونا وغیرہ وغیرہ پائی گئی ہوں اور وہ یہ دعویٰ کرے کہ میری زبان سے طلاق کا لفظ بے خبری میں نکل گیا تھا میں نے اس کا ارادہ وقصد نہ کیا تھا اور نہ مجھے شعور تھا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں دوسرے یہ کہ واقعہ طلاق سے پہلے بھی اسکو ایسا واقعہ پیش آچکا ہو کہ وہ غصہ میں خارج از عقل ہو جاتا ہو اور لوگ اسکو جانتے ہوں اس صورت میں قاضی شرعی شوہر سے قسم لیکر اسکی بات کو قبول کرے اور عدم وقوع طلاق کا حکم کردے اور اگر پہلے کبھی اسکو ایسا واقعہ پیش نہیں آیا یا آیا مگر لوگ نہیں جانتے کہ غصہ میں یہ شخص خارج از عقل ہو جاتا ہے تو اس صورت میں قاضی بدون دو گواہوں کے شوہر کا یہ دعویٰ قبول نہ کرے کہ میں مغلوب العقل تھا وقد مرت دلائله فیما مر عن الکاملة و الفتاویٰ الحامدیه اس پر تنبیہ ضروری ہے کہ شوہر سے قسم یا گواہ دونوں حالتوں میں قاضی شرعی یا حکم لیگا۔ غیر قاضی حکم کے سامنے قسم کھا لینے یا گواہ قائم کر دینے اور اسکے فیصلہ کر دینے سے کچھ نہ ہوگا نہ بیوی اسکے لئے حلال ہوگی نہ وہ شرعًا مدہوش مانا جائیگا۔

قال فی الدر :- قید نا بتحلیف الحاکم لانهما لو اصطلحا علی ان

یحلف عند غیر قاضٍ و یکون برئیًا فھو باطل لان الیمین حق القاضی مع طلب الخصم ولا عبرۃ لیمین ولا نکول عند غیر القاضی اھ (ص ۶۵۲ - ج ۲)

وفی الھندیۃ :- ولو حلف بطلب المدعی یمینہ بین یدی القاضی من غیر استحلاف القاضی فھذا لیس بتحلیف فان التحلیف حق القاضی۔ کذا فی القنیۃ و ھکذا فی البحر اھ (ص ۱۰- ج ۵) ـــــ قلت :- واشتراط مجلس القضاء فی البینۃ لا یخفی علی احد۔ قلت : ولکن یکفی تحلیف المرأۃ ایاہ کما ذکروہ فی باب الکنایات قال فی الدر :- ویکفی تحلیفھا لہ فی منزلہ فان ابی رفعتہ للحاکم فان نکل فرق بینھما مجتبیٰ اھ قال الشامی فان نکل ای عند القاضی ان النکول عند غیرہ لا یعتبر (ص ۴۶۷ ج ۲)

(۳) عورت کیلئے اس صورت میں حکم یہ ہے کہ وہ شوہر کے اس دعویٰ کو قبول نہ کرے کیونکہ مغلوب العقل ہونا عاقل بالغ کی حالت سے خلاف ظاہر ہے اور امور مخالفہ للظاہر میں عورت بمنزلہ قاضی کے ہے کہ جسطرح قاضی کو انکی تصدیق جائز نہیں اسیطرح عورت کو بھی تصدیق جائز نہیں۔ پس وہ یہی سمجھے کہ مجھکو تین طلاق دیدی گئیں اور اب میں اسکے لئے حلال نہیں۔ اور جبتک قاضی شرعی قسم لیکر یا گواہ لیکر یہ فیصلہ کر دے کہ زید مغلوب العقل تھا اور اسکی طلاق واقع نہیں ہوئی اس وقت تک عورت کو اپنے اوپر زید کو قدرت دینا قطعاً حرام ہے۔

قال فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ (ص ۲۷ ج ۱) وقال فی الخانیۃ لو قال انت طالق انت طالق انت طالق وقال اردت بہ التکرار صدق دیانۃً وفی القضاء طلقت ثلاثًا اھ۔ ومثلہ فی الاشباہ والحدادی وزاد الزیلعی ان المرأۃ کالقاضی فلا یحل لھا ان تمکنہ اذا سمعت منہ ذالک او علمت بہ لانھا لا تعلم الا الظاھر اھ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۴ ربیع الثانی ۱۳۴۰ھ

عقل زائل ہوجانیکی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوتی

(سوال) ایک شخص کی والدہ نے انکی زوجہ کو بیحد گالی دی لھذا اس نے کہا کہ اے والدہ! آپ کیوں مفت میں گالی دیتی ہیں۔ خبردار! اچھا نہ ہوگا اس گفتگو پر اسکی والدہ نے شام کو انکے والد صاحب سے کہا تمہارا لڑکا مجھے ایسی ویسی کہتا ہے ازیں وجہ اسکے والد اور والدہ اور چچا وغیرہ سب نے ملکر انکو

مارنا شروع کیا اس حالت میں اس کے منہ سے ”آرے سالہ جاتین طلاق“ نکلا تب اس سے پوچھا گیا تم نے طلاق کس کو دی؟ اس نے جواب دیا میں نے تو طلاق کسی کو نہ دی اور میرے منہ سے کیا نکلا معلوم بھی نہیں میں بسبب مار کے بے ہوش تھا ہنوز اسکی زوجہ اس صورت میں مطلقہ ہوگی یا نہ ہوگی؟

الجواب:۔ قال فی العالمگیریۃ:۔ ولو زال عقلہ بالضرب او ضرب هو علی راسہ حتی زال عقلہ وطلق لا یقع طلاقہ کذا فی فتاوی قاضی خان اھ (ص ۵۵ ج ۲)

صورت مسئولہ میں اگر شخص مذکور کی عقل ضرب سے زائل ہوگئی تھی جیسا کہ وہ دعوی کرتا ہے کہ میں بسبب مار کے بیہوش تھا تو اسکی طلاق زوجہ پر واقع نہیں ہوئی۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ ۲۶ صفر ۴۱ھ

نابالغ کی طلاق کا حکم

(سوال) ایک مسئلہ دریافت کرتا ہوں فقہ کی کتابوں میں طلاق نابالغ کے عدم جواز کو تحریر کرتے ہیں مگر سرخسیؒ کی ایک روایت جو مسلم الثبوت کے اخیر صفحات پر اور (شامی ج ۲۔ ص ۲۹۰) باب نکاح الکافر وغیرہ میں نقل کرتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ عند الحاجۃ نابالغ کی طلاق صحیح ہے اس عند الحاجۃ سے عام مراد ہے یا صرف ارتداد اور مجبوب کی صورت کی تخصیص ہے جواب سے مشرف فرمائیں گے یہ روایت سرخسیؒ کی شامی ج ۲۔ ص ۳۹۰) پر موجود ہے مسلم الثبوت مجتبائی کے اخیر میں بھی ہے۔ فقط والسلام۔

بندہ عبدالشکور مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

الجواب:۔ شامی اور درمختار کی پوری عبارت میں غور نہیں کیا گیا اس سے خود معلوم ہو رہا ہے کہ ابتداءً صبی کی طلاق واقع نہیں ہوسکتی ہاں، جب ضرورت کے وقت قاضی صبی میں اور اسکی بیوی میں تفریق کردے تو اس وقت یہ تفریق طلاق شمار ہوتی ہے۔

حتی اذا تحققت الحاجۃ الی صحۃ ایقاع الطلاق من جهتہ لدفع الضرر کان صحیحًا فاذا اسلمت زوجتہ وابی فرق بینهما وکان طلاقًا عند ابی حنیفۃ ومحمد رحمهما اللہ واذا ارتد والعیاذ باللہ وقعت البینونۃ وکان طلاقًا عند محمدؒ الی ان قال وحاصلہ انہ کالبالغ فی وقوع الطلاق

منه بهذه الاسباب الا انه لا یصح ایقاعه منه ابتداءً للضرر علیه و مثله المجنون اھ (ص ۶۳۹ ج ۲)

اس سے صاف معلوم ہوگیا کہ یہ حکم انہی صورتوں کے ساتھ مخصوص ہے جہاں ضرورت کی وجہ سے قاضی کو تفریق بین الصبی والمجنون وبین زوجتھا کا اختیار دیا گیا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سرخسیؒ جواز طلاق من الصبی ابتداءً کا قائل ہیں ورنہ لازم آئیگا کہ جواز طلاق مجنون کے بھی وہ قائل ہوں ولو یقل بہ احد، واللہ اعلم۔

وصرح الشامی فی باب الطلاق (ص ۶۹۱ ج ۲). بتخصیص ھذا الوقوع بالارتداد والجب وقال محشی الدر وجوزہ احمد اھ۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۲۹ رجاد الثانی ۴۴ھ

نابالغ نہ خود طلاق دے سکتا ہے نہ اس کا ولی دے سکتا ہے

(**سوال**) زید نے اپنی بنت صغیر سن کو عمرو کے ابن صغیر کے ساتھ نکاح کردیا مرور ایام کے بعد لڑکی بالغ ہوگئی اور لڑکا نابالغ رہا اب جانبین چاہتے ہیں کہ زید کی کسی کم سن لڑکی سے عمرو کے اس لڑکے کی شادی کرائیں پہلی لڑکی کو کون طلاق دیگا (یعنی صغیر طلاق کا مالک ہوگا یا اس کا والد) اس مسئلہ میں حوالہ کتب دینی سے جواب ارشاد فرمائیں بہت سے علماء ممنون ہونگے۔

سائل عبد الصمد مدرسہ محمدیہ نواپاڑہ ڈاک خانہ خاص ضلع جسر

الجواب:۔ جب شوہر نابالغ ہے تو اسکی بیوی کو کوئی طلاق نہیں دے سکتا بلکہ اس لڑکے کے بلوغ کا انتظار لازم ہے وہ بالغ ہوکر خود طلاق دے تو وقوع طلاق ہوسکتا ہے ورنہ نہیں۔

صرح بہ فی الدر والشامیہ: باب الطلاق بقولہ: والصبی ولو مراھقاً ای لا یقع طلاقہ ص ۶۹۹ ج ۲ واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون ۱۸ ر رجب ۴۸ھ

حکم تفریق زوجۂ نابالغ

(**سوال**)۔۔۔۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ایک جوان عورت مسماۃ ھندہ مسلمان قوم نائی ایک مسلمان مرد زید کے ساتھ اپنے شوہر محمود کے گھر سے نکل گئی مسماۃ ھندہ کے شوہر محمود کی عمر اس وقت نو سال ہے مسماۃ ھندہ پانچ چھ مہینہ

کے بعد واپس آئی۔ اسکی واپسی پر محمود نابالغ کا باپ احمد حسین نے اپنے لڑکے کا نکاح اس وقت پڑھا ہے جب محمود کی عمر ۴ رسال کی تھی کہتا ہے کہ تو میرے لڑکے محمود کے قابل اور کام کی نہیں ہے، میرے گھر سے نکل جا، وہ نکل گئی، چونکہ مسماۃ ھندہ کے ماں باپ مرچکے ہیں اس وجہ سے وہ آوارہ پھر رہی ہے لوگوں کے کہنے سے مسماۃ آمادہ ہے کہ اگر میرا نکاح کسی مرد جوان سے کر دیا جائے تو پابندی کے ساتھ رہونگی اور اسکے شوہر کا باپ احمد بھی چاہتا ہے کہ اگر کوئی صورت ایسی ہو کہ جس سے طلاق ہو جائے تو میں خود طلاق دیدوں یا اپنے لڑکے سے دلادوں لھذا یہ التماس ہے کہ جو مناسب صورت طلاق کی ہو اس سے سرفراز فرمائیں تاکہ اس مسماۃ کو فعل بد سے بچانیکی کوئی تدبیر کی جائے۔ اگر اسکی طلاق نہ ہوئی تو جن لوگوں نے اسلامی ھمدردی اور ایک مسلمان عورت کو اب سے عزت بچانے کیلئے اپنے یہاں رکھ لیا ہے انکو کیا کرنا چاہیئے؟ ان میں مسماۃ کی کفالت کرنیکی قدرت نہیں ہے اور چند روز سے مسماۃ ھندہ کے شوہر کا باپ احمد بھی غریب ہوگیا ہے خود نانِ شبینہ کا محتاج ہے محمود لڑکا کمزور ہے مزدوری کے قابل نہیں ہے اگر امداد کر کے احمد سے کہا بھی جائے کہ تو رکھلے تو وہ اس وجہ سے اور بھی رکھنے سے مجبور ہے کہ وہ اپنی برادری سے علیحدہ کر دیا جائیگا۔ کمترین عبد السلام عفی عنہ از کانپور محلہ نیچباغ ۹ جمادی الثانی ۱۳۴۵ھ

الجواب: نابالغ بچہ کی طلاق واقع نہیں ہو سکتی اور خسر بھی طلاق کا اختیار نہیں رکھتا جب وہ لڑکا بالغ ہو جائے پھر اسکو اختیار ہے چاہے اس عورت کو رکھے یا نہ رکھے اور جب وہ عورت جوان ہے تو اس کا نان و نفقہ خاوند کے ذمہ سے بشرطیکہ وہ خود خاوند کے گھر سے نہ جائے اور اگر خود کہیں چلی جائے تو اسکو نفقہ نہ ملے گا ہاں چلی جانیکے بعد پھر واپس آجائے تو پھر نفقہ کی مستحق ہوگی۔ اور اگر وہ عورت خاوند کے گھر رہنا چاہے اور خسر نکالدے تو اس صورت میں عورت کا نفقہ واجب رہیگا اور اگر صغیر مفلس ہے تو اسکی زوجہ کا نفقہ صغیر کے باپ پر ادا کرنا لازم ہے اگر ہندوستان میں قاضی اسلام ہوتا تو اس صورت میں وہ خسر کو بہو کے نفقہ پر مجبور کرتا یعنی اس نابالغ کے باپ کو اس صغیر کی بیوی پر نفقہ خرچ کرنیکا حکم کیا جاتا اور کہدیا جاتا کہ بعد بلوغ کے لڑکے سے نفقہ کا رجوع کرے اور یہ اس صورت میں ہے جبکہ باپ نے صغیر کی بیوی کے نفقہ کی ضمانت نہ کی ہو، اور اگر وہ ضامن بنگیا ہو خواہ قولاً صریحًا یا عرفًا دلالۃً لان المعروف کالمشروط تو خود باپ ھی کے ذمہ اس صورت میں نفقہ عورت صغیر کا واجب ہوگا، اور ہندوستان کا عرف یہی ہے کہ اگر لڑکی بالغ ہو جائے اور لڑکا نابالغ ہو تو لڑکے کا باپ اپنی بہو کے نفقہ کا ضامن ہوتا ہے۔

قال فی الشامیہ عن الخانیۃ: وکانت کبیرۃ ولیس للصغیر مال لا یجب علی الاب نفقتہا ویستدین الاب علیہ ثم یرجع علی الابن اذا ایسر اھ۔ وفی الحاکم فان کان صغیراً لا مال لہ لم یوخذ ابوہ بنفقۃ زوجتہ الا ان یکون ضمنہا اھ ومثلہ فی الزیلعی وغیرہ، قلت: وھو مخالف لما سیذکرہ الشارح فی باب النفقۃ من الفروع حیث قال: وفی الدر المختار، والملتقی: ونفقۃ زوجۃ الابن علی ابیہ ان کان صغیراً فقیراً او زمناً اھ اللھم الا ان یحمل ما سیأتی علی انہ یومر بالانفاق لیرجع بما انفقہ علی الابن اذا ایسر الخ ص۵۸۵ وص۵۸۶ ج۲

وفی الدر فی باب النفقۃ: ویجبر الاب علی نفقۃ امرأۃ ابنہ الغائب وولدھا وکذا الام علی نفقۃ الولد لترجع بہا علی الاب اھ وتاولہ الشامی بما قال انفاً ان معناہ الامر بالانفاق (ص ۱۱۰۹ ج ۲)۔

اور جب قاضی اسلام نہیں تو عورت یا تو برادری اور پنچائیت کے سامنے یہ واقعہ پیش کرے یا عدالت موجودہ میں خسر پر نان ونفقہ کا دعویٰ دائر کرے یا صبر کرے باقی یہ جو سائل نے لکھا ہے کہ اگر طلاق کی کوئی صورت نہ ہوئی تو عورت آوارہ ہو جائیگی۔ اسکی ہم ذمہ دار نہیں جبکہ ان بلاد میں قاضی اسلام نہیں اگر قاضی اسلام ہوتا تو ھم اسکی تدبیر بھی بتا دیتے اور پنچائیت کا فیصلہ نہایت ظلم پر مبنی ہے کہ وہ خسر کو بہو کے نفقہ وسُکنیٰ سے روکتی ہے اسکی شرارت کی سزا کچھ اور دی جائے اسکے حق نفقہ وسُکنیٰ کو کیوں باطل کیا جاتا ہے؟ خسر کو لازم ہے کہ پنچائیت کے اس فیصلہ کی پرواہ نہ کرے اور بہو کو اپنے گھر رکھکر نفقہ دے۔

فقط مولوی عبد الکریم بقلم ظفر احمد عفا عنہ

۲۵ ر ج ۲ سنہ ۴۵ھ

فصل فی طلاق الثلاث واحکامہ

مطلقہ ثلاثہ کا حکم

(سوال) ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی پھر اس سے نکاح کرنا چاہتا ہے جب تک عورت کا نکاح کسی دوسرے کے ساتھ نہ ہو جائے اور اس سے طلاق نہ ملی پہلے کے ساتھ نکاح جائز نہیں لیکن کیا دوسرے نکاح کے ساتھ صحبت بھی شرط ہے اگر عورت انکار کرے یا مرد خود نہ چاہے یا اسی وقت دوسرے کے ساتھ نکاح کرا کر طلاق دلوا دیں اور پہلے شوہر کے ساتھ اسی وقت نکاح کر دیں کسی طرح صحیح جائز ہے؟

الجواب:۔ اگر تین طلاق دیدی ہیں تو جب تک دوسرا شوہر اس عورت سے صحبت نہ کرے اس وقت تک حلالہ نہیں ہیں پہلے شوہر سے نکاح جب درست ہے جبکہ دوسرا شوہر صحبت کے بعد طلاق دے اور طلاق کے بعد عدت بھی گذر جائے۔ واللہ اعلم۔

ظفر احمد عفا عنہ۔ ۲۶ ربیع الثانی سنہ ۴۰ھ

ایک وقت میں تین طلاق دینے سے تین طلاقیں واقع ہو گئیں

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ حافظ رجب نے ۲۴ نومبر سنہ ۴۱ء کو بحالت غصہ اپنی بیوی کو بہت آدمیوں کے سامنے چار مرتبہ اسطور سے طلاق دی کہ تین مرتبہ اپنی بیوی کو مخاطب کر کے کہا کہ "تجھکو طلاق دیا"، "تجھکو طلاق دیا"، "تجھکو طلاق دیا"، اور ایک مرتبہ نام لیکر کہا کہ "فلانی، تجھکو ہم نے طلاق دیا"، درمیان میں لوگوں نے ہرچند سمجھایا اور منع کیا ایسا نہ کرو۔ زبان بند کرو ورنہ بعد میں افسوس کروگے مگر اس نے ایک نہ مانا اور طلاق دی ھے۔ حافظ رجب مذکور کی مطلقہ طلاق پانے کے بعد ایک روز زوج کے گھر دوسروں کی نگرانی میں رہی، دوسرے روز اپنے باپ کے گھر چلی گئی اور اب تک اپنے باپ کے گھر میں ہے ہرچند لوگوں کے اغوا سے حافظ رجب نے غیر مقلد علماء سے استفتاء کیا چنانچہ انہوں نے اپنے اعتقاد کے مطابق لکھدیا کہ ایک ہی طلاق ہوئی اور رجوع ممکن ہے اسی فتوی کی بہانے پر حافظ رجب نے ۱۴ فروری سنہ ۴۲ء کو چند آدمی جمع کر کے یہ کہا کہ میں نے اپنی عورت کو طلاق دی تھی تم لوگ گواہ رہو کہ میں رجعت کرتا ہوں اور مطلقہ سے اس سے ملاقات تک نہیں اسلئے کہ وہ اپنے باپ کے گھر میں ہے اور اس لفظی رجعت

کے وقت بھی اقرار طلاق بدون حالت غصہ موجود ہے کیونکہ زوجین ہمیشہ سے حنفی المذہب ہیں، اسلئے بربناء مذہب حنفیہ جو حکم شریعت ہو بحوالہ عبارت کتب جواب شافی سے ماجور عند اللہ وممنون عند الناس ہونگے۔ المستفتی۔ بچی نداف سوامہ محلہ ابوحلم پٹی ضلع الہ آباد۔

الجواب:۔ صورت مذکورہ میں ائمہ اربعہ وجمہور سلف وخلف کے نزدیک تین طلاق واقع ہوگئیں اور منکوحہ حافظ رجب ہمیشہ کیلئے اسپر حرام ہوگئی اب بدون تحلیل کے ہرگز اس کیلئے حلال نہیں ہوسکتی اور اس صورت میں ایک طلاق واقع ہونیکا فتویٰ بجز گمراہ شخص کے کوئی نہیں دے سکتا۔

قال: فی عدة ارباب الفتویٰ (ص ۲۳): ولا ینزل قوله لها: انت طالق ثلاثاً طلقة واحدة، ولا یفتی بذالك الا من اضله الله تعالیٰ. والمواقع ثلاث طلقات وقد بانت بینونة کبریٰ لا تحل له الا بعد زوج آخر اھ

وفی رد المحتار: (ص ۶۸۸ ج ۲): وقد ذهب جمهور الصحابة والتابعین ومن بعدهم من ائمة المسلمین الی انه یقع ثلاث (الی ان قال) وقد ثبت النقل عن اکثرهم صریحًا بایقاع الثلث ولو یظهر لهم مخالف فماذا بعد الحق الا الضلال وعن هذا قلنا: لو حکم حاکم بانها واحدة، لو ینفذ حکمه، لانه لایسوغ الاجتهاد فهو خلاف لا اختلاف اھ

پس صورت مذکورہ میں غیر مقلدین کے فتویٰ پر عمل کرنا ہرگز جائز نہیں۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۸ جمادی الآخر ۴۰ھ

طلاق کنایہ کے ساتھ طلاق صریح ملکر تین طلاق واقع ہوگئیں

(سوال) کیا حکم ہے اس معاملہ میں شریعت مطہرہ کا کہ زید اپنی بیوی ھندہ سے کسی وجہ سے ناخوش ہوگیا اور اس نے غصہ کی حالت میں ایک خط اپنی ساس اور بیوی کے نام لکھا۔ زید نے کوئی تاریخ نہیں لکھی اور نہ مضمون خط کے آخر میں اپنا دستخط کیا لیکن خط کے مضمون میں ایک مقام پر اپنا نام ظاہر کردیا ہے اور اس میں مطلق شبہ نہیں ہے کہ مذکورہ خط زید کا لکھا ہوا ہے زید اپنی ساس کو برا بھلا لکھنے کے بعد اپنی بیوی کو لکھتا ہے " اگر چلّو بھر پانی ملے تو ڈوب مرو، منہ کالا کرکے نکل جاؤ، میں تم سے عاجز تم مجھ سے بیزار رہیں تم سے ہمیشہ کیلئے الگ تم سے نفرت تم اپنا انتظام کرلو، مجھ سے اب

کوئی مطلب نہیں ۔ خبردار ! آج کی تاریخ سے مجھکو غیر سمجھکر (جیسا کہ تم نے آجکل سمجھا ہے) کوئی خط مت لکھنا میں تمہارا خط دیکھنا گوارا نہیں کرسکتا ، مجھکو آج معلوم ہوا ھے کہ تم اپنے باپ کا بدلہ لینا چاھتی ہو اگر تم بدلہ لوگی تو میں بھی باپ کا بیٹا ہوں بیٹی نہیں ہوں تم ضرور بدلہ لو۔ میں نے تم کو آزاد کردیا اپنے باپ سے لکھکر طے کرلو اور جس دن کہو میں آکر باضابطہ آزاد کردوں اور قطع تعلق کرلوں میرے لئے تو قطع تعلق ہوگیا میں تو بیزار رہوں۔ اچھا ھے کہ تم الگ ہوجاؤ اور دوسرا عقد کرلو"

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مضمونِ مندرجہ بالا سے کیا طلاق واقع ہوگئی اور اگر ہوئی تو رجعی ھے یا بائن ؟ اگر رجعی ھے تو کس شکل سے اور کس مدت کے اندر رجعت ہوسکتی ہے۔ اور اگر بائن طلاق پڑگئی تو ھندہ کیلئے اب کیا حکم شریعت ہے ؟ -

السائل شیخ محمد زکریا ساکن مچھلی شہر ضلع جونپور

الجواب :۔ صورت مسئولہ میں زید نے متعدد الفاظ کنایات طلاق میں سے استعمال کئے ہیں مثلاً "منہ کالا کرکے نکل جاؤ" "میں تم سے ہمیشہ کیلئے الگ" "تم اپنا انتظام کرلو" "مجھ سے کوئی مطلب نہیں" ان سب کے بعد اس نے لکھا ہے "میں نے تم کو آزاد کردیا" جو کہ اردو میں طلاق کیلئے صریح ہے ۔ پھر لکھا ہے: "میرے لئے تو قطع تعلق ہوگیا" یہ بھی ارادۂ طلاق کا مؤید ہے، لھذا صورت مذکورہ میں اگر زید اقرار کرے کہ یہ خط اس کا لکھا ہوا ہے تو ھندہ پر تین طلاق مغلظ پڑگئیں، اب بدون حلالہ کے زید سے نکاح درست نہیں۔

وفی العالمگیریۃ :۔ والحق ابویوسف بخلیۃ اربعۃ اخری ذکر منھا فارقتک وفی الفتاوی :۔ لم یبق بینی وبینک عمل، ونوی یقع ولو قال: ابعدی عنی ونوی الطلاق، یقع۔

وفی مجموع النوازل :۔ لو قال لھا: اذھبی الی جھنم، ونوی الطلاق یقع، ولو قال: اعتقتک، طلقت بالنیۃ اھ (ص ۶۹ و ۷۰ - ج ۲)

وفیہ :۔ لایقع بھا ای بالکنایات الطلاق الا بالنیۃ اوبدلالۃ حال اھ۔

قلت : وفی الصورۃ المسئولۃ دلالۃ الحال شاھدۃ بارادۃ الطلاق۔ واللہ اعلم۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲ رمضان ۴۰ھ

یکبارگی تین طلاق دیدینے سے تین طلاق واقع ہوجانیکا بیان اور اسکی تحقیق اور اعتراضات کا جواب

(سوال) صحیح مسلم میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ زمانۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور زمانۂ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دو برس تک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں بھی جاری تھا کہ کوئی شخص یکبارگی تین طلاق دیتا تھا تو وہ ایک طلاق شمار کیا جاتا تھا تو مولانا صاحب وہ ایک طلاق شمار کرنیکی علت کیا تھی کیا سب سے ایک ہی طلاق ہوتا تھا جس وجہ سے ایک طلاق قائم کیا جاتا تھا۔ اسکی دلیل بھی تحریر فرمادیں کیونکہ غیر مقلدین اس حدیث کے اوپر دلیل پکڑتے ہوئے حنفی کو گمراہ کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حنفی کی کوئی دلیل قرآن و حدیث سے ثابت نہیں ہے

۱ر حنفی لوگوں کی ایک جلسہ میں تین طلاق کا دینا وہ طلاق تین واقع ہونا کون سی آیت اور کون کون سی حدیث شریف سے ثابت ہے وہ آیت اور حدیث شریف تحریر فرمائیں؟

۲ر یہ حدیث جس کا اشارہ تحریر ہے یہ حدیث ناسخ ہے یا منسوخ ہے؟

۳ر جو لوگ تین طلاق دیکر ایک قائم کرکے عورت کو رکھ لیتے ہیں انکو قیامت کے دن عذاب ہوگا یا نہیں؟ اگر ہوگا تو اسکی دلیل کیا ہے؟

۴ر حدیث مذکورہ صحیح ہے یا غیر صحیح؟

۵ر اگر یہ حدیث صحیح ہے تو اس حدیث کے خلاف حنفی عمل کرتے ہیں تو ان کو عذاب ہوگا یا نہیں۔؟

الجواب:- قال الله تعالیٰ: اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ، الیٰ ان قال: فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ۔ قال الحافظ فی الفتح: قال القرطبی: وحجة الجمهور فی اللزوم من حیث النظر ظاهرة جدًا وهو ان المطلقة ثلاثًا لا تحل للمطلق حتی تنکح زوجًا غیره ولا فرق بین مجموعها ومفرقها لغةً وشرعًا وما یتخیل من الفرق صوری الغاه الشرع اتفاقًا فی النکاح والعتق والاقاریر اهـ (ص ۳۱۸)

قلت: وقد اخرج الطبری فی تفسیره عن انس وعن ابی هریرة وعائشة وابن عباس وابن عمر کلهم عن رسول الله صلی الله علیه وسلم فی الرجل یطلق زوجته ثلاثًا ثم تتزوج برجل آخر هل تحل للاول قال لا حتی

یذوق عسیلتها وتذوق هی من عسیلته وهو حدیث مشهور ومطلق لم یفرق فیه بین المجموع والمفترق۔ واخرج البخاری حدیث امرأة رفاعة انها قالت طلقنی رفاعة (الی) ثلٰث تطلیقا وانی نکحت بعده عبد الرحمٰن ——— وفیه ——— قوله علیه الصلاة والسلام لا حتی یذوق عسیلتك وتذوقی عسیلته۔ واخرج البخاری عن عائشة: ان رجلاً طلق امرأته ثلاثاً فتزوجت فطلق فسئل النبی صلی الله علیه وسلم اتحل للاول قال لا حتی یذوق عسیلتها کما ذاق الاول۔ (فتح الباری ص۳۳۱ ج ۲)

قال الحافظ: فالتمسك بظاهر قولها طلقها ثلاثاً فانه ظاهر فی کونها مجموعة اھ۔

وقال النووی: واحتج الجمهور بقوله تعالیٰ: ومن یتعد حدود الله فقد ظلم نفسه لا تدری لعل الله یحدث بعد ذالك اھ

قالوا: معناه: ان المطلق قد یحدث له ندم فلا یمکنه تدارکه لوقوع البینونة فلو کانت الثلٰث لم یقع طلاقه هذا الا رجعیًا فلا یندم، واحتجوا ایضاً بحدیث رکانة انه طلق امرأته البتة فقال له النبی النبی صلی الله علیه وسلم: آلله ما اردت الا واحدة قال آلله ما اردت الا واحدة فهذا دلیل علی انه لو اراد الثلاث لوقعن والا فلم یکن لتحلیفه معنی اھ (ص ۴۷۸-ج-۱)

واخرج ابو داؤد بسند صحیح من طریق مجاهد قال: کنت ابن عباس فجاءه رجل فقال: انه طلق امرأته ثلاثاً، فسکت حتی ظننت انه سیرده الیه فقال ینطلق احدکم فیرکب الاحموقة ثم یقول یا ابن عباس! یا ابن عباس! ان الله قال: ومن یتق الله یجعل له مخرجًا...... وانك لم تتق الله۔ فلا أجد لك مخرجًا عصیت ربك وبانت منك امرأتك اھ کذا فی الفتح (ص۔ ۳۱۶- ج-۸)

قلت: وزاد الطبری ثم قرأ ابن عباس قوله تعالیٰ: یا ایها النبی اذا طلقتم النساء فطلقوهن فی[1] قبل عدتهن اھ واخرج الطبری

[1] یہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قرأة ہے، اور مشہور قرأة "لعدتهن" ہے۔ دیکھئے تفسیر مظہری ۹: ۳۱۸ من سورة الطلاق۔ دلاور حسین عفی عنہ

بسند صحیح عن الزهری فی قصة فاطمة بنت قیس فقالت فاطمة بینی وبینکم کتاب اللہ قال اللہ جل ثناءہ: فطلقوهن لعدتهن حتی بلغ لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا، قالت: فای امر یحدث بعد الثلاث وانما هو فی مراجعة الرجل امرأته اھ ملخصا ص ۸۷ ج ـ واخرج عن الحسن وعکرمه بسند صحیح یقولان: المطلقة ثلاثاً والمتوفی عنها زوجها لاسکنیٰ لها ونفقة قال فقال عکرمة: لعل اللہ یحدث بعد ذالک امراً فقال: ما یحدث بعد الثلاث اھ ص ۸۸ ـ ج ۲۸ ـ واخرج الطبری فی تفسیر قوله تعالیٰ: الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان[1] عن عروة بن الزبیر وقتادة وابن زید وغیرهم قالوا کان الطلاق قبل ان یجعل اللہ

الطلاق ثلاثاً لیس له ان یطلق الرجل امرأته مائة ثم ان اراد ان یراجعها قبل ان تحل کان ذالک له فجعل اللہ الطلاق ثلاث تطلیقات اھ ملخصا واسانیدها صحاح ـ وقال السیوطی فی الدر المنثور (ص ۳۷۷ ج ـ ۱) واخرج الترمذی وابن مردویه والحاکم وصححه والبیهقی فی سننه عن عائشة انها قالت: کان الناس والرجل یطلق امرأته ماشاء اللہ ان یطلقها وهی امرأته اذا ارتجعها حتی نزل القرآن: الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان» ـ واخرج ابن مردویه والبیهقی عن عائشة قالت: لم یکن للطلاق وقت یطلق امرأته ثم یراجعها ما لم تنقض العدة فانزل اللہ فیه الطلاق مرتان فوقت لهم الطلاق ثلاثاً یراجعها فی الواحدة وفی اثنتین ولیس فی الثالثة رجعة حتی تنکح زوجاً غیرہ ــــــ واخرج ابو داؤد والنسائی والبیهقی عن ابن عباس ان الرجل کان اذا طلق امرأته فهو احق برجعتها وان طلقها ثلاثاً فنسخ ذالک فقال: الطلاق مرتان اھ قلت: وقواہ الحافظ فی الفتح (ص ۳۱۷ ـ ج ـ ۸) قال السیوطی واخرج مالک والشافعی وابو داؤد والبیهقی عن محمد بن ایاس بن البکیر قال طلق

[1] من سورة البقرة ۲: ۴۵۶ مطبع دار الفکر بیروت ـ دلاور حسین عفی عنه

رجل امرأته ثلاثاً قبل ان یدخل بها ثم بدا له ان ینکحها فجاء یستفتی فذهبت معه اسأل له فسأل اباهریرة وعبداللہ بن عباس عن ذالک فقالا: لا نری ان تنکحها حتی تنکح زوجاً غیرک قال: انما کان طلاقی ایاها واحدة قال ابن عباس: انک ارسلت من یدک ما کان لک من فضل اھ (ص ۲۷۸ ج ۱) قلت:- واحادیث مالک صحاح اخرجه محمد فی موطاه (ص ۲۵۹) عن مالک عن الزهری عن محمد بن عبدالرحمٰن بن ثوبان عن محمد بن ایاس بن البکیر وکلهم ثقات لا یسأل عن مثلهم۔ واخرج مالک انه بلغه ان رجلاً قال لابن عباس انی طلقت امرأتی مائة تطلیقة فما ذا تری علیّ؟ فقال له ابن عباس: طلقت منک بثلاث وسبع وتسعون اتخذت بها ایات اللہ هزوًا مالک انه بلغه رجلاً جاء الی ابن مسعود فقال انی طلقت امرأتی بمأتی تطلیقات فقال ابن مسعود فما ذا قیل لک قال قیل لی انها قد بانت منی فقال ابن مسعود: صدقوا اھ (ص ۱۹۹)۔ قلت: وبلاغات مالک صحاح کما تقرر عند المحدثین۔ والجواب عن حدیث طاؤس عن ابن عباس الذی اخرجه مسلم وغیره بوجوه الاول ان حدیث طاؤس هذا شاذ خالف فیه العدد الکثیر من اصحاب ابن عباس وهی طریقة البیهقی فانه ساق الروایات عن ابن عباس بلزوم الثلاث ثم نقل عن ابن المنذر انه لا یظن بابن عباس انه یحفظ عن النبی صلی اللہ علیه وسلم شیئاً ویفتی بخلافه فتتعین المصیر الی الترجیح والاخذ بقول الاکثر اولی من الاخذ بقول الواحد اذا خالفهم۔ وقال: ابن العربی هذا حدیث مختلف فی صحته فکیف یقدم علی الاجماع اھ کذا قال الحافظ فی الفتح (ص ۳۱۷ ج ۸) ـــــ وفی زاد المعاد لابن القیم قال البیهقی فهذه روایة سعید بن جبیر وعطاء بن ابی رباح ومجاهد وعکرمة و عمرو بن دینار ومالک بن الحرث ومحمد بن ایاس بن البکیر قال وروینا عن معاویة بن ابی عیاش الانصاری کلهم عن ابن عباس انه اجاز

الثلاث وامضاهن اهـ (ص ۲۵۸ ج-۲)۔ الثانی: دعوی الاضطراب،
قال القرطبی فی المفهم وقع فیه مع الاختلاف علی ابن عباس الاضطراب
فی لفظه وظاهر سياقه يقتضى النقل عن جميعهم ان معظمهم
كانوا يرون ذالك والعادة فی مثل هذا ان يفشو الحكم وينتشر
فكيف ينفرد به واحد عن واحد قال فهذا الوجه يقتضى التوقف
عن العمل بظاهره ان لم يقتض القطع ببطلانه اهـ كذا قال الحافظ
فی الفتح (ص ۳۱۸ ج ۸) قلت:۔ ودليل الاضطراب ان اباداؤد
اخرجه بلفظ "اما علمت ان الرجل كان اذا طلق امرأته ثلاثا قبل
ان يدخل بها جعلوها واحدة" قال الحافظ: فتمسك بهذا السياق
من اعلى الحديث اهـ (ص ۳۱۷ ج ۸) الجواب الثالث: انه ورد
فی صورة خاصة فقال ابن سريج وغيره: يشبه ان يكون ورد فی تكرير اللفظ
كان يقول انت طالق انت طالق انت طالق وكانوا اولا علی سلامة
صدورهم يقبل منهم انهم ارادوا التاكيد فلما كثر الناس فی
زمن عمرؓ وكثر فيهم الخداع ونحوه مما يمنع قبول من ادعى التاكيد
جعل عمر اللفظ علی ظاهر التكرار فامضاه عليهم۔ وهذا الجواب
ارتضاه القرطبی وكذا قال النووی: هذا اصح الاجوبة (فتح ۳۱۸ ج-۸)
الجواب الرابع:۔ حمل قوله ثلاثاً علی المراد بها لفظ "البتة" كما فی حديث
رُكانة سواء وهو من رواية ابن عباس ايضاً فكان بعض رواية حمل
لفظ "البتة" علی الثلاث لاشتهار التسوية بينهما فرواها بلفظ
ثلاث، وانما المراد لفظ البتة وكانوا فی العصر الاول يقبلون ممن
قال اردت بالبتة الواحدة فلما كان عهد عمر امضى الثلاث فی
ظاهر الحكم اهـ كذا قال الحافظ فی الفتح (ص ۳۱۸ - ج ۸) وحاصل
هذا الجواب عندنا: ان لفظ "البتة" كان فی العصر الاول من الكنايات
لم يكن صريحاً فی ارادة التحريم المغلظ فيقبل ممن قال اردت به واحدة
فلما كان عهد عمر تتابع الناس فی استعمال هذا اللفظ وصار كالصريح فی

معنی الحرمۃ المغلظۃ وامضی عمر بہ الطلقات الثلاث والحقہ بقول القائل انت طالق ثلاثاً لعرف اھل زمانہ، یؤیدہ ما اخرجہ مالک عن یحیٰی بن سعید عن ابی بکر بن حزم: ان عمر بن عبدالعزیز قال "البتۃ" ما یقول الناس فیہا، قال ابو بکر فقلت لہ کان ابان بن عثمان یجعلہا واحدۃ فقال عمر بن عبدالعزیز لو کان الطلاق الفا ما ابقت البتۃ منہ شیئاً، من قال البتۃ فقد رمی الغایۃ القصوٰی، و مالک عن ابن شہاب ان مروان بن الحکم کان یقضی فی الذی یطلق امرأتہ البتۃ انہا ثلاث تطلیقات و مالک عن ابن شہاب یقول فی الرجل یقول لامرأتہ برأتُ منی و برأتُ منکِ انہا ثلاث تطلیقات بمنزلۃ البتۃ اھ (ص ۲۰۰ مؤطا مالک)۔ فھذہ کلھا تدل علی ان لفظ "البتۃ" کان عندھم بمنزلۃ الطلقات الثلاث عرفاً ـــــ فان قلت: فلما انعقد الاجماع علی کون البتۃ ثلاثاً فلم خالف الحنفیۃ فیہ؟ ـــــ قلنا:۔ کان سبب الاجماع عرف اھل زمانھم والا فھذا اللفظ فی الاصل من الکنایات فلما تغیر العرف فی زمن ابی حنیفۃ تغیر الحکم ایضاً وعاد الی اصلہ وعلی ھذا فمعنی قول ابی الصھباء لابن عباس اتعلم انھا کانت الثلاث تجعل واحدۃ علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر و ثلاثاً من امارۃ عمر قال ابن عباس نعم: یعنی اتعلم ان لفظ البتۃ الذی یراد بہ الآن الطلقات الثلاث کانت تجعل واحدۃ فی عھدہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وصدراً من خلافۃ عمر، قال ابن عباس، فلما کان فی عھد عمر تتابع الناس فی الطلاق فاجازہ علیھم یعنی تتابع الناس فی الطلاق فی الثلاث ھذا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

تین طلاق دینے سے تین طلاق واقع ہونیکی دلیل حق تعالیٰ کا یہ قول ہے "اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ۔ الی قولہ۔ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ۔ یعنی طلاق رجعی دو طلاق ہیں اسکے بعد یا تو قاعدہ کے موافق بیوی کو روک لے یا خوبی سے علیحدہ کردے، آگے ارشاد ھے کہ "دو کے بعد اگر دوسری طلاق دی تو وہ عورت اب شوہر کیلئے حلال نہ رہیگی جب تک وہ کسی دوسرے

سے نکاح نہ کرے "۔ اس سے معلوم ہوا کہ تین طلاق کے بعد حرمتِ مغلظہ ثابت ہو جاتی ہے خواہ ایک مجلس میں دی یا الگ الگ دو مجلسوں میں کیونکہ الفاظ آیت کے مطلق ہیں اور احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم مطلق ہی ہے جیسا کہ آئندہ آئیگا۔ دوسری دلیل حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے " ومن یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسہ لا تدری لعل اللہ یحدث بعد ذالک امراً "، جو کوئی خداوندی حدود سے تجاوز کرے اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔ اے (طلاق دینے والے) شخص تجھکو کیا معلوم ہے شاید حق تعالیٰ اسکے بعد کوئی نئی بات پیدا کردیں (یعنی شاید طلاق کے بعد تجھکو ندامت ہو اور تو بیوی کو رکھنا چاہے اسلئے حد سے آگے نہ بڑھ) اور طلاق رجعی کی حد پہلی آیت میں معلوم ہو چکی ہے کہ دو تک ہے) پس اگر تین طلاق دینے سے ایک ہی واقع ہوا کرے تو لازم آتا ہے کہ حد سے تجاوز کرنے میں اسکو کچھ بھی ندامت نہ ہو حالانکہ آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ حد سے تجاوز کرنے والا اپنے اوپر ظلم کرتا ہے۔ اور شاید بعد میں اسکو ندامت ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ تین طلاق دینے سے تین ہی پڑتی ہیں اور جو تفسیر ہم نے ان آیات کی بیان کی ہے احادیث سے اسکی تائید ہوتی ہے چنانچہ ملاحظہ ہو:

(۱) طبری نے اپنی تفسیر میں حضرت انس وابوہریرۃ وحضرت عائشہ وابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اس شخص کے بارے میں جس نے اپنی زوجہ کو تین طلاق دی ہوں پھر اس نے دوسرے شخص سے نکاح کیا ہو اور اس نے بھی طلاق دیدی ہو تو وہ پہلے کیلئے حلال ہو گئی یا نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ جب تک وہ اس کا مزہ نہ چکھے اور عورت اس کا مزہ نہ چکھے یہ حدیث مشہور ہے جس میں حضورؐ نے تین طلاق کا حکم عام بیان فرمایا ہے خواہ تینوں ایک مجلس میں دی گئی ہوں یا الگ الگ۔

(۲) بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ کو تین طلاق دیں پھر اس نے نکاح کیا پھر اس (دوسرے) نے بھی طلاق دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ وہ پہلے شوہر کیلئے حلال ہو گئی یا نہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں جب تک وہ دوسرا بھی اس کا مزہ نہ چکھے جیسا کہ پہلے نے مزہ چکھا ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس میں لفظ طلقھا ثلاثاً سے ظاہری طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تینوں

طلاق ایکدم سے دی گئی ہیں (ص ۳۲۱ ج ۸)۔

(۳) رکانہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو لفظ البتۃ سے طلاق دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا کہ کیا تم قسم کھا کر کہہ سکتے ہو کہ تم نے صرف ایک طلاق کی نیت کی تھی رکانہ نے قسم کھا کر کہا کہ میں نے صرف ایک طلاق کی نیت کی تھی۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بتلا رہی ہے کہ اگر رکانہ نے تین طلاق کی نیت کی ہوتی تو تینوں واقع ہو جاتیں اگر تین کی نیت سے بھی ایک ھی واقع ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رکانہ سے قسم لینا بیکار ہو جاتا ھے۔ یہ حدیث صحیح ہے ملاحظہ ہو نووی شرح مسلم ص ۴۷۸ ج ۱)

(۴) ابوداؤد نے بسند صحیح مجاھد سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں ایک شخص آیا اس نے کہا کہ میں نے اپنی زوجہ کو تین طلاق دی ہیں ابن عباس نے (کچھ دیر) سکوت کیا جس سے مجھے گمان ہوا کہ شاید وہ اسکی بیوی کو اسی کی طرف واپس کر دینگے مگر ابن عباس نے فرمایا کہ بعض لوگ جا کر حماقت کرتے ہیں پھر آ کر (مجھے) پکارتے ہیں۔ اے ابن عباس! اے ابن عباس! حالانکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں " ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا "۔ جو شخص خدا سے ڈرے گا حق تعالیٰ اس کے لئے راستہ نکالدینگے اور تو نے خدا سے خوف نہیں کیا اسلئے میں تیرے واسطے کوئی راستہ نہیں پاتا تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تیری بیوی تجھ سے جدا ہو گئی (فتح ص ۳۱۶ ج ۸)

اور طبری کی روایت میں اتنی اور زیادتی ہے کہ ابن عباس نے یہ آیت پڑھی " یا ایھا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن فی قبل عدتھن اھ۔ اس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ اس شخص نے تین طلاق ایک مجلس میں دی تھیں کیونکہ متفرقاً تین طلاق دینا معصیت نہیں ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ بایں وجہ یہ فرمایا کہ تیری بیوی تجھ پہ حرام ہو گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ تین طلاق ایک مجلس میں ایک دم سے دی جائیں تو وہ واقع اور لازم ہو جاتی ہیں۔

(۵) طبری نے سند صحیح کے ساتھ زہری سے قصہ فاطمہ بنت قیس کو روایت کیا ہے جس کے آخر میں فاطمہ بنت قیس کا یہ قول ھے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں " لا تدری لعل اللہ یحدث بعد ذالک امراً "۔ اے مخاطب! تو نہیں جانتا شاید حق تعالیٰ اسکے بعد کوئی نئی بات پیدا کر دیں۔ فاطمہ بنت قیس نے کہا کہ بتلاؤ تین طلاق کے بعد کونسی نئی بات پیدا ہونیکی امید ھے پس یہ حکم جو اس آیت میں مذکور ہے طلاق رجعی کا ھے اھ (ص ۸۸ ج ۲۸)۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ تین طلاق کے بعد پھر رجعت وغیرہ کی کچھ گنجائش نہیں رہتی۔

(۶) طبری نے آیت ، الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسريح باحسان کی تفسیر میں عروۃ بن الزبیر اور قتادہ وابن زید وغیرھم سے روایت کی ہے وہ سب کہتے ہیں کہ پہلے طلاق کیلئے کچھ حد نہیں تھی آدمی اپنی بیوی کو سو طلاق دیدیتا پھر اگر عدت تمام ہونے سے پہلے وہ رجوع کر لیتا تو اسکو یہ حق حاصل تھا پھر حق تعالیٰ نے طلاق کی حد تین تک مقرر کردی (کہ اب تین طلاق کے بعد رجوع کا حق بالکل نہیں رہتا) اھ (ص ۲۷۷۔ ج۔ ۱) انکی اسناد صحیح ہے ـــــ اس سے صاف معلوم ہوا کہ تین طلاق زبان سے نکالتے ہی عورت بالکل حرام ہو جاتی ہے۔

(۷) علامہ سیوطیؒ درمنثور میں فرماتے ہیں کہ ترمذی اور ابن مردویہ اور حاکم نے روایت کی ہے اور حاکم نے اسکو صحیح کہا ہے نیز بیھقی نے بھی اپنی سنن میں بیان کیا ھے سب کے سب حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ پہلے لوگ اس حالت میں تھے کہ ایک آدمی اپنی بیوی کو جتنی چاھے طلاق دیدیتا اور جب وہ رجوع کر لیتا تو وہ اسکی بیوی ھی رہتی تھی یہاں تک کہ آیت " الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسريح باحسان "، نازل ہوئی ، دوسری روایت میں ھے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے طلاق کی حد مقرر کردی، پس ایک اور دو میں رجوع کرسکتا ہے اور تین میں رجعت کا حق نہیں جب تک وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے۔

(۸) ابوداؤد اور نسائی نے اور بیھقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ھے کہ پہلے جب آدمی اپنی بیوی کو طلاق دیدیتا تو اسکو رجعت کا حق حاصل رہتا تھا اگرچہ اس نے تین ھی طلاق دیدی ہوں پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا (اب تین کے بعد حق رجوع حاصل نہیں)۔ اس حدیث کو حافظ ابن حجر نے قوی کہا ہے۔

(۹) علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ مالک اور شافعی اور ابوداؤد اور بیہقی محمد بن ایاس بن بکیر سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیں قبل دخول کے پھر وہ استفتاء کرتا ہوا آیا تو میں بھی اس کے ساتھ مسئلہ دریافت کرنیکیلئے ہولیا تو اس نے حضرت ابوھریرہ وابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا دونوں نے فرمایا کہ ہم تیرے واسطے اس عورت سے نکاح جائز نہیں سمجھتے جب تک وہ تیرے سوا کسی دوسرے سے نکاح نہ کرے، اس نے

کہا کہ میں نے تو اسکو ایکدم سے طلاق دی تھی، ابن عباس نے فرمایا کہ تو نے اپنے ہاتھ سے وہ فضیلت خود نکالدی جو تجھے حاصل تھی۔ میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کو امام محمدؒ نے اپنے مؤطا میں مالک سے بسند صحیح روایت کیا ہے ــــــــ اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ تین طلاق ایکدم دینے میں بھی تینوں واقع اور لازم ہو جاتی ہیں۔

(۱۰) امام مالک مؤطا میں فرماتے ہیں کہ انکو یہ حدیث پہنچی ھے کہ ایک شخص نے ابن عباسؓ سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سَو طلاق دیدیں تو آپ میرے لئے کیا فرماتے ہیں؟ ابن عباس نے فرمایا کہ وہ عورت تین طلاق سے تجھ پر حرام ہو گئی اور ۹۷ طلاقوں سے تو نے خدا کی آیات سے استہزاء کیا۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث بھی پہنچی ھے کہ ایک شخص ابن مسعود کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو دو سَو طلاق دیدیں۔ ابن مسعود نے کہا پھر تجھ سے لوگوں نے کیا کہا؟ کہنے لگا کہ مجھ سے یہ کہا گیا ہے کہ وہ عورت مجھ پر حرام ہو گئی۔ ابن مسعود نے فرمایا کہ لوگوں نے سچ کہا اھ (ص ۱۹۹) ــــــــ میں کہتا ہوں کہ بلاغات امام مالکؒ محدثین کے نزدیک صحیح ہیں اور اس سے بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص سو طلاق یا دو سو طلاق ایک دم سے دیدے تو تین طلاق پڑ جاتی ہیں۔ گو ایک ھی لفظ سے طلاق دی۔ اور ایک ھی مجلس میں دے یہ دلائل تو جمہور کی طرف سے ہیں اب اس حدیث کا جواب سنئے جو غیر مقلد اپنی دلیل میں بیان کرتے ہیں اسکے چند جواب ہیں:

(۱) یہ کہ اس حدیث کو ابن عباس سے صرف طاؤس نے روایت کیا ھے اور ابن عباس کے دوسرے شاگرد یعنی سعید بن جبیر و عطاء بن ابی رباح و مجاہد و عکرمہ و عمرو بن دینار و مالک بن حرث و محمد بن ایاس بن بکیر و معاویہ بن ابی عیاش انصاری اسکے خلاف ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے تین طلاق کو (ایک مجلس میں ایک لفظ سے) نافذ اور واقع کیا ہے چنانچہ بیہقی نے ان سب روایتوں کو نقل کر کے ابن منذر کا قول بیان کیا ہے کہ ابن عباس پر یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات یاد رکھتے ہوئے اسکے خلاف فتویٰ دیں پس لامحالہ ان میں سے ایک کو ترجیح دینی لازم ہے اور ظاہر ھے کہ جو بات جماعت کثیر نے ابن عباس سے بیان کی ہے اسکو اخذ کرنا ایک شخص کی روایت کو اخذ کرنے سے زیادہ بہتر ھے جبکہ وہ ایک شخص سب کے خلاف روایت کرتا ھے (فتح الباری ص ۳۱۷ - ج ۸) ــــــــ حاصل یہ ہوا کہ طاؤس کی روایت شاذ

ہے اور روایت شاذ مردود ہوتی ہے۔

(۲) طاؤس کی یہ روایت مضطرب ہے قرطبی نے مفہم شرح مسلم میں کہا ہے کہ اس حدیث میں باوجود اصحاب ابن عباس کے مخالفت کے الفاظ میں بھی اضطراب واقع ہے اور نیز طاؤس کی اس حدیث سے بظاہر معلوم یہ ہوتا ہے کہ اکثر صحابہ کو یہ بات معلوم تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تین طلاق کو ایک سمجھا کرتے تھے اور ایسی بات عادۃً شائع اور منتشر ہونی چاہئے تھی پھر اسکی کیا وجہ ہے کہ اسکو نقل کرنے والا ایک ہی شخص ہے (یعنی طاؤس) اور وہ بھی ایک ہی شخص سے روایت کرتا ہے (یعنی ابن عباس سے) اگر یہ مسئلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوتا اور اکثر صحابہ اسکو جانتے تو بہت سے تابعین بہت سے صحابہ سے اسکو روایت کرتے اسلئے اگر اسکو قطعی طور پر باطل نہ کہا جائے تب بھی طاؤس کی حدیث پر عمل کرنے سے توقف کرنا لازم ہے۔

(۳) تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر طاؤس کی روایت کو صحیح مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک خاص صورت کے متعلق ہے وہ یہ کہ اگر کوئی شخص الفاظ طلاق کو تین بار مکرر کہے کہ تجھکو طلاق تجھکو طلاق تجھکو طلاق اور پھر یہ دعویٰ کرے کہ میری نیت صرف ایک طلاق دینے کی تھی اور میں نے تین بار محض تاکید کیلئے کہا تھا تو اس صورت میں زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابوبکر اور تین سال خلافت عمر میں شوہر کا قول مان لیا جاتا تھا کیونکہ اس زمانہ میں لوگ جھوٹ نہ بولتے تھے صلاحیت اور تقویٰ کا اس زمانہ میں غلبہ تھا، حضرت عمر کے زمانہ میں جب کذب وخداع لوگوں میں زیادہ ہوگیا تو حضرت عمر نے حکم دیدیا کہ اب جو شخص تین بار لفظ طلاق مکرر کہکر ایک طلاق کی نیت کا دعویٰ کرے گا قضاءً یہ دعویٰ قبول نہ ہوگا۔ قرطبی اور نووی نے اس مطلب کو صحیح کہا ہے ـــ اور اگر صاف یہ کہدے کہ تجھکو تین طلاق تو اسکو کسی وقت میں ایک شمار نہیں کیا گیا اور نہ حدیث اس پر دال ہے۔

(۴) چوتھا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں راوی نے لفظ "البتۃ" کی جگہ لفظ "ثلاثا" کہدیا ہے کیونکہ اس وقت لفظ البتۃ اور تین طلاق کا یکساں ہونا مشہور تھا چنانچہ رکانہ کی حدیث میں بھی بعض راویوں نے لفظ "البتۃ" کی جگہ لفظ "ثلاثا" کہدیا ہے، پس مطلب حدیث کا یہ ہے کہ ابوالصہباء نے ابن عباس سے دریافت کیا کہ کیا آپکو یہ بات

معلوم ہے کہ زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ و شروع خلافت عمرؓ میں "طلاق" "البتۃ" کو (جو آجکل تین طلاق شمار ہوتے ہیں) ایک طلاق شمار کیا جاتا تھا ابن عباس نے کہا ہاں اھ سو بات یہ ہے کہ لفظ "البتۃ" اصل میں کنایہ ہے اور کنایات کا قاعدہ یہ ہے کہ اس سے ایک طلاق واقع ہوتی ہے اور اگر تین طلاق کی نیت کرے تو تین طلاق واقع ہوجاتی ہیں پس ابتداء زمانہ اسلام میں یہ لفظ تین طلاق کیلئے صریح نہ تھا ایک طلاق کی نیت قبول کی جاتی تھی، پھر حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اسکا استعمال تین کے معنیٰ میں بہت شائع ہوگیا حتیٰ کہ وہ اس معنی میں صریح ہوگیا کنایہ باقی نہ رہا اسلئے حضرت عمرؓ نے حکم دیدیا کہ اب اس لفظ سے طلاق واحد کی نیت قبول نہ ہوگی کیونکہ اب کثرت استعمال سے یہ تین طلاق کے معنیٰ میں صریح ہوگیا ہے باقی یہ مطلب اس کا ہرگز نہیں کہ صاف صاف تین طلاق دینے کے بعد بھی بوجہ اتحاد مجلس کے یا بوجہ اتحاد کلمہ کے انکو ایک شمار کیا جائیگا جو کوئی یہ دعویٰ کرے وہ دلیل بیان کرے اور جو دلیل غیر مقلد بیان کرتے ہیں اسمیں علاوہ شذوذ واضطراب کے یہ دو احتمال قوی موجود ہیں۔ جو ہم نے بیان کیئے ہیں " اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال " یعنی احتمال کے ہوتے ہوئے استدلال باطل ہوجاتا ہے، علاوہ ازیں یہ کہ جماہیر اُمت کا اسپر اجماع ہوچکا ہے کہ تین طلاق ایک مجلس میں ایک ہی لفظ سے دی جائیں تو وہ ضرور واقع ہوجاتی ہیں۔ خواہ مدخول بھا ہو یا نہ ہو اور ایک مجلس میں تین لفظ سے دی جائیں تو اس میں مدخول بھا و غیر مدخول بھا کی حالت سے فرق ہوجاتا ہے، مدخول بھا پر بالاجماع تینوں پڑجاتی ہیں۔ اور غیر مدخول بھا میں اختلاف ھے اور اجماع کی مخالفت حرام ہے، لھذا جو لوگ یہ کہیں کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے ایک واقع ہوتی ہے وہ مرتکب معصیت اور سخت گمراہ و گناہ گار ہیں۔

قال الحافظ فی الفتح : وفی الجملۃ فالذی وقع فی ھذہ المسئلۃ نظیر ما وقع فی مسئلۃ المتعۃ سواء اعنی قول جابر انھا کانت تفعل فی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وصدر من خلافۃ عمر ثم نھانا عمر عنھا فانتھینا فالراجح فی الموضعین تحریم المتعۃ وایقاع الثلاث للاجماع الذی انعقد فی عھد عمر علی ذالک ولا یحفظ ان احدا فی عھد عمر خالفہ فی واحدۃ منھما وقد دل اجماعھم علی وجود ناسخ

وان کان خفی عن بعضھم قبل ذالک حتی ظھر لجمیعھم فی عھد عمر فالمخالف بعد ھذا الاجماع منابذ لہ والجمھور علی عدم اعتبار من احدث الاختلاف بعد الاتفاق (ص۳۱۹ ج۸) واللہ اعلم۔

لفظ طلاق کو تین بار کہنے سے مطلقہ مغلظہ ہوجانے کا حکم۔

سوال) شخصے جاہل نزد عالمی برای طلاق دادن بزن خود آمد ہمان عالم صاحب بہ طالب علمے خود فرمود کہ این را تلقین طلاق نمودہ ایقاع طلاق کنان اوبروئے خود طالب علم بآں شخص گفت کہ طلاق بائن بدہ آں گفت "طلاق دادم" بعدہ طالب علم ہمیں خیال نمودہ کہ برائے دفع مناقشہ زوجین طلاق رجعی کافی نیست بآں شخص گفت کہ بگو طلاق بائن دادم بعدہ گفت طلاق بائن دادم و آن دم ہماں عالم صاحب فرمود کہ لفظ بائن را مردم بے علم نمی فہمند برای اطمینان طرفین گفتہ آید کہ جواب دادم باز آں شخص بزن خود گفت کہ جواب دادم (وجواب دادن درعرف این ملک بائن می شود) دریں صورت بر مستفتی عنہا طلاق رجعی واقع شد یا بائن یا مغلظہ آں شخص بے علم بود مرادش طلاق مطلق دادن بود بغیر لحاظ وصفے وعددے مگر حسب گفتن طالب علم وعالم تفسیراً باز طلاق بائن بعدہ جواب دادم گفتہ۔ از تکرار چنیں الفاظ (جواب دادم وبائن) مراد ملقنان طلاق طلاق دھم مراد مرد مطلق تقدیر طلاق نبود صرف تعیین نوع طلاق (بائن) بود۔ بینوا توجروا بالبرھان۔

سائل بندہ دین محمد فیروزشاھی معلم مدرسہ مقام پاٹ اسٹیشن بیارہ گوٹھ ضلع لاڑکانہ (سندھ)

الجواب[ع] :- صورت مسئولہ میں تین طلاق مغلظہ واقع ہوگئیں اب بدون حلالہ کے عورت اس مرد کیلئے حلال نہیں ہوسکتی۔

قال فی العالمگیریۃ: متی کرر لفظ الطلاق بحرف الواو وبغیر حرف الواو یتعدد الطلاق وان عنی بالثانیۃ الاولی لم یصدق فی القضاء اھ (ص۵۶ ج۲)

قلت: وفی الصورۃ المسئولۃ لا یصدق دیانۃً ایضاً لان الزوج جاھل تکلم بما لقنہ الملقن واما التفسیر بالبائن ونحوہ فھذا انما ھو فی ذھن الملقن فحسب لا فی ذھن المطلق کما یظھر من السوال، واللہ اعلم۔

۲ر شوال سنہ ۴۱ھ

ع اس سوال کے جواب سے بعد میں رجوع کیا گیا۔

"جا تجھکو طلاق دی میں نے" پھر کہا "تجھکو دو طلاق دی" تو عورت اگر مدخول بہا ھے تو تین واقع ہوگئیں

(**سوال**) زید نے اپنی بیوی سے کہا "جا تجھکو طلاق دی میں" تھوڑی دیر کے بعد کہا "جا تجھکو دو طلاق دی میں" اب زید کے پاس ۵ شخص موجود تھے دو شخص کہتے ہیں کہ زید نے صرف "جا تجھکو دو طلاق دی ہیں" کہا اور "جا تجھکو طلاق دی ہیں" نہیں کہا اور باقی تین ہی شخص کہتے ہیں کہ زید نے پہلے "جا تجھکو طلاق دی ہیں" کہا تھوڑی دیر کے بعد کہا "جا تجھکو دو طلاق دی ہیں" اور زید ان تین شخصوں کی گواہی کو انکار کرتا ھے حالانکہ پانچوں شخص ایک ہی جگہ پر بیٹھے تھے اور زید پہلے دو شخص کی شہادت کا اقرار کرتا ھے، اب صورت مذکورہ میں کتنی طلاق پڑیگی؟ اور صورت اولیٰ میں آیا ایک ہی طلاق پڑیگی یا تین؟ اور صورت ثانیہ میں دو طلاق پڑیگی یا نہیں؟ جواب مدلل بحوالہ کتب مرحمت فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:- قال فی العالمگیریۃ: ولو قال للمدخولۃ انت طالق واحدۃ لا بل ثنتین یقع الثلاث اھ (ص ۶۱ - ج - ۲)۔

اس سے معلوم ہوا کہ دوسری صورت میں اگر شوہر نے پہلے "جا تجھکو طلاق دی میں" کہکر پھر "جا تجھکو دو طلاق دی ہیں" کہا ہے تو عورت پر اگر وہ مدخولہ ہے تین طلاق واقع ہوگئیں اور پہلے "جا تجھکو طلاق دی ہیں" نہیں کہا تھا تو صرف دو طلاق واقع ہوئیں اور غیر مدخولہ کا حکم دوسرا ھے۔ واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۶ر شوال ۱۳۴۳ھ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

"حکم طلاق ثلاث بدون اضافت"

(**سوال**) کیا فرماتے ہیں علماء دین ان مسائل میں کہ:

(۱) ایک شخص اپنی بیوی کو کسی وجہ سے زد وکوب کیا پھر وہاں سے اندازاً پچاس قدم ہٹ کر کہنے لگا کہ "ایک طلاق، دو طلاق، سات طلاق" بس اس سے اسکی بیوی مطلقہ ہوگئی یا نہیں؟ اور ایک طلاق دو طلاق جو الفاظ مذکور ھے اس سے مراد اضافتِ معنویہ لے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:- قال فی الشامیۃ:- ولا یلزم کون الاضافۃ صریحۃ فی کلامہ لما فی البحر، لو قال "طالق" فقیل لہ: من عنیت؟ فقال: امرأتی طلقت امرأتہ اھ۔

وفی البحر :۔ لو قال: امرأۃ طالق او قال طلقت امرأۃ ثلاثاً و قال لم اعن امرأتی یصدق اھ ویفھم منہ انہ لو لم یقل ذالک تطلق امرأتہ لان العادۃ ان من لہ امرأۃ انما یحلف بطلاقھا لا بطلاق غیرھا فقولہ انی حلفت بالطلاق ینصرف الیھا ما لم یرد غیرھا لانہ یحتملہ کلامہ اھ (ص ۳۰۵ ج ۲)۔

صورتِ مذکورہ میں جب اس شخص نے ایک طلاق دو طلاق سات طلاق کہنے کے بعد یہ نہیں کہا کہ میری مراد بیوی کو طلاق دینا نہیں بلکہ کسی اور کو طلاق دینا ہے تو اب اسکی بیوی پر تین طلاق مغلظ واقع ہوگئیں کیونکہ بظاہر اسکی نیت اسی عورت کو طلاق دینے کی ہے جس کو زدوکوب کیا تھا پس بدون تحلیل کے وہ عورت اپنے شوہر کیلئے حلال نہیں ہوسکتی۔ واللہ اعلم۔

"تجھکو آزاد کی، اور طلاق دی، تو چلی جا" کہنے سے وقوع طلاق کا حکم۔

(**سوال**) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ زید اپنی زوجہ کے ساتھ ہمیشہ تکرار اور جھگڑا کرتا ہے جب وہ زیادہ تنگ کرتا ہے اسکی زوجہ اپنے باپ کے یہاں چلی آتی ہے، دو چار مہینہ کے بعد پھر زید آتا ہے معافی چاہتا ہے پھر لے جاتا ہے چند روز وہاں رہتی ہے پھر اپنی زوجہ کے باپ کو زید تحریر کرتا ہے اسکو لیجاؤ اسیطرح چند مرتبہ ایسا واقعہ ہوچکا ہے، اب آخر میں جو تکرار ہوا اسکے بعد زید نے اپنا لڑکا بیوی سے چھین لیا اور یہ کہا: "جا تجھکو آزاد کیا، اور طلاق دی، تو چلی جا"، اس نے باپ کو بلا کر اسکے ہمراہ چلی آئی۔ جسکو عرصہ آٹھ ماہ کا ہوچکا ہے۔ زید نہ لینے آیا اور نہ خرچہ دیا۔ اس صورت میں زید کی بیوی کو طلاق ہوگئی یا نہیں۔ اور اس کا نکاح دوسری جگہ کرسکتے ہیں یا نہیں ہے۔ مولوی محمد یعقوب۔

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں عورت پر تین طلاق واقع ہوچکی ہیں۔ اگر لفظ "چلی جا" سے نیت طلاق کی، کی ہو۔ ایک اس لفظ سے "جا تجھکو آزاد کیا"، دوسری اس لفظ "اور طلاق دی"، تیسری اس لفظ سے "تو چلی جا"۔۔۔ لانّ اذھبی واخرجی کنایۃ و البائن یلحق الصریح ۔۔۔ البتہ اگر شوہر نے "تو چلی جا" سے تیسری طلاق کا قصد نہ کیا ہو بلکہ تاکیداً پہلے کلام کا اثر و نتیجہ بیان کرنیکا قصد کیا ہو تو تین طلاق واقع نہ ہونگی صرف دو طلاق واقع ہونگی۔ لان نحو اذھبی واخرجی لا یقع بہ الطلاق الا بالنیۃ

مطلقاً سواء کان حالۃ الرضی او الغضب او المذاکرۃ صرح بہ الشامی۔
(ص ۶۶۵ ج ۲)

پس اگر شوہر نے "تو چلی جا" سے بھی طلاق کا قصد کیا ہو تب تو یہ اسکے لئے بالکل حرام ہو چکی کہ بدون حلالہ کے دوسرا نکاح بھی اس سے نہیں ہو سکتا اور اگر اس لفظ سے طلاق کا ارادہ نہ تھا تو اسمیں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس آٹھ ماہ کے عرصہ میں عورت کو تین حیض آچکے جب تو وہ زید کے نکاح سے نکل چکی اور دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے، اور اگر اس عرصہ میں تین حیض نہیں آئے تو ابھی عدت پوری نہیں ہوئی، دوسرے سے نکاح نہیں کر سکتی۔ بلکہ اگر زید رجوع کرنا چاہے تو تین حیض گذرنے سے پہلے رجوع کر سکتا ہے، تجدید نکاح کی ضرورت نہیں اور اگر تین حیض آچکے تو اس صورت میں جبکہ دو ہی طلاق واقع ہوئیں زید سے دوسرا نکاح ہو سکتا ہے، حلالہ کی ضرورت نہ ہوگی اور تین حیض کے آنے یا نہ آنے کے باب میں عورت ہی کا قول معتبر ہوگا اور اگر اختلاف ہو تو عورت کا قول مع قسم کے معتبر ہوگا۔

قالت: مضت عدتی و انکر الزوج فالقول لہا لانہا امینۃ،

(در مختار ص ۸۷۶ ج ۲) واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
مورخہ ۲۵ صفر ۴۵ھ۔

"تجھکو قطعاً چھوڑ دیا، تو میری بیوی گری سے نکل گئی تجھکو بائیکاٹ کر دیا" سے وقوع طلاق کی ایک صورت کا حکم۔

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو بارہا اس قسم کے الفاظ تحریر کئے ہیں جیسا کہ نقل ایک تحریر کی منسلک استفتاء ہذا ہے الفاظ یہ ہیں:

"اب آج کی تاریخ سے ہم سے اور تم سے کوئی تعلق نہیں ہے اور ہم نے تم کو قطعاً چھوڑ دیا ہے جو تمہارا دل چاہے سو کرو، تم میری بیوی گری سے بخدا قطعاً نکل گئی ہو میں تم سے مستثنیٰ ہوں اور تم کو قطعاً بائیکاٹ کر دیا ہے"۔

جناب والا! یہ الفاظ مکرر سہ کرر خطوط میں لکھا ہے مگر باوجود اس تحریر کے نشست و برخاست بات چیت بند نہیں ہوئی پس اس صورت میں کیا ہندہ پر طلاق بائن ہوئی یا مغلظ؟ امیدوار ہوں کہ جواب با صواب مع حوالہ کتاب تحریر فرماویں،

بینوا توجروا۔ کمترین محمود عالم از فیض آباد۔
معرفت حکیم عادل حسین عفاعنہ ۳ رجمادی الثانی ۴۵ھ

(نقل تحریر منجانب زید بنام ہندہ)

ہندہ کو معلوم ہو کہ اب آج کی تاریخ سے ہم سے اور تم سے کچھ تعلق نہیں ہے اور میں نے تمکو قطعاً چھوڑ دیا ہے اور نہ اب میں تمہاری زندگی بھر صورت دیکھونگا۔ اگر میں اپنے ایک باپ کا پیدا ہوں تو ضرور یہی بات کرکے دکھاؤنگا اطلاعاً لکھا گیا ہے لھذا تاکیداً لکھا جاتا ہے کہ تم اسکو مثل نوٹ کے سمجھو اور مذاق نہ سمجھو ورنہ تم بہت بہت پچھتاؤ گی اور سخت رُووگی آئندہ تم کو اختیار ہے اور اب تم اپنی تمام عمر بھر کیلئے مجھ سے ہاتھ دھو کے۔ ہائے! میں جدا ہوں جو تمہارا دل چاہے سو اب تم کرو تم اب میری بیوی گھری سے بخدا قطعاً نکل گئی ہو میں تم سے مستثنیٰ ہوں اور اب حلف کی رو سے میں دس آدمیوں کے سامنے کہدونگا کہ یعنی خالد کی لڑکی مجھ سے ۲۵ رشب برات سے ترک ہو گئی ہے ایک مہینہ بھر تک مجھ سے ہندہ سے تعلق رہا اور پھر بعد اسکے ہندہ نے میرے خلاف از حد یہ نالائق حرکتیں کیں اسلئے میں نے اسکو ترک کردیا اور جو اب تمہارا دل چاھے شوق سے کرو اور نہ اب تمہاری صورت دیکھونگا اگرچہ تم ایک اپنے باپ سے پیدا ہو گی تو اسکو جھوٹ نہ سمجھو گی، اور تم کو قطعاً بائیکاٹ کردیا ہے حلف کی رُو سے میری بیوی ہندہ نہیں ہے زندگی بھر تک اسکی اب صورت نہ دیکھونگا اور اب یہاں سے بھی کہیں دور جاتا ہوں جب تک تم لکھنؤ رہوگی تب تک میں یہاں سے الگ رہونگا اور جب تم الٰہ آباد چلی جاؤگی جب میں یہاں رہونگا اب تک میں نے کوئی طرح کی بات چیت نہیں کی ہے مگر اب ایسا کرونگا پھر چاھے لفٹننٹ گورنر چلے آئینگے تب بھی میں تمہارے قریب نہ آؤنگا اور بھی میں نے اپنا انتظام الگ کرلیا ہے زیادہ کیا لکھوں۔

مؤرخہ ۲۲ رجولائی ۲۶ء بقلم خود انداز بخانی ٹولہ ضلع گولڈہ - ۱۲

واضح رہے کہ شوہر نے خط میں انہی جملوں کو "ہندہ میری بیوی نہیں، خالد کی دختر میری کوئی نہیں، میری کوئی نہیں، میری کوئی نہیں" وغیرہ، تین تین مرتبہ لکھا ہے۔ برائے کرم اس کی روشنی میں جواب عنایت فرماویں کہ زید کی بیوی مطلقہ ہو گئی یا نہیں؟۔

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں مسماۃ ھندہ پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوچکیں، ایک اس لفظ سے "میں نے تم کو قطعاً چھوڑ دیا ھے"، جو طلاق میں صریح ہے۔ دوسری اس لفظ سے "تم میری بیوی گری سے قطعاً نکل گئی ہو"، جسکے معنی زوجیت سے نکلنا ہے، تیسری اس لفظ سے "تم کو قطعاً بائیکاٹ کردیا ہے تم میری بیوی نہیں ہو" اھ۔ ان کے علاوہ اور الفاظ بھی اس خط میں موجب طلاق ہیں جو قرینۂ سابقہ سے ملکر طلاق کو موجب ہیں لیکن یہ الفاظ تو بہت صاف ہیں۔ وقد صرح الفقہاء بلحوق البائن بالصریح ــــ پس ھندہ کو اس شوہر سے یعنی زید سے قطعاً علیحدگی اختیار کرلینا چاھئے اور اس تحریر کے بعد سے تین حیض عدت کے پوری کرکے وہ جس سے چاھے نکاح کرلے اور زید سے ہی نکاح کرنا چاھے تو جب تک دوسرے شخص سے نکاح اور دخول اور طلاق یا موتِ زوجِ ثانی اور اتمام عدت نہ ہو اس وقت تک وہ زید سے نکاح نہیں کرسکتی ھے کہ تین طلاق کا یہی حکم ہے، واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون
خانقاہ امدادیہ۔ ۶ رجمادی الاولیٰ ۴۵ھ

"اگر مجھے مارنے کا اختیار نہیں، تو میں نے طلاق دی"، تین مرتبہ یہ جملہ کہنے سے طلاق مغلظہ واقع ہوگی۔

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمیٰ عمروؔ اپنی بیوی پر کچھ کار خانگی نقصان کردینے پر غصّہ ہوا اور دو ایک طمانچہ بھی مارے اسپر عمروؔ کا بھائی آکر مانع ہوا اور ڈانٹتے ہوئے کہا تجھے کیا اختیار ہے مارنے کا۔ عمروؔ نے جھنجھلاکے کہا کہ "اگر مجھے مارنے کا اختیار نہیں ہے تو میں نے طلاق دی" اور تین مرتبہ یہی کہا۔ اب عندالشرع انکے لئے کیا حکم ہے،

پتہ:۔ نیاز مند قاضی ابوالحسن تجارہ راجپوتانہ محلہ قاضیان۔

الجواب: قال فی الدر[1]:۔ وأن لا یقصد بہ المجازاۃ، فلو قالت: یا سفلہ! فقال: ان کنت کما قلت فانت کذا تنجیز کان کذا لک اولا اھ۔

[1] فی أول باب التعلیق من کتاب الطلاق۔ دلاور حسین بنگلہ دیشی

وفی الشامیۃ : والمختار والفتوٰی انہ ان کان فی حالۃ الغضب فھو علی المجازاۃ والا فعلی الشرط اھ (ص ۸۱۲ - ج-۲)

قلت : والظاھر من صورۃ السوال کونہ تنجیزاً والتعلیق للمجازاۃ دون الشرط۔

ہمارے نزدیک صورت مسئولہ میں تین طلاق واقع ہوچکی ہیں اس شخص کی بیوی کو اس صورت میں اسکے پاس رہنا جائز نہیں اور نہ اب بدون حلالہ کے اسکو اس شخص سے نکاح درست ہے عدت کے بعد وہ کسی دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے۔ باقی اور علماء سے بھی دریافت کرلیا جائے۔

فقط حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۳۰ جمادی الاخریٰ ۴۳ھ

طلاق بائن کے بعد تین طلاق دی تو بینونہ غلیظہ ہوجائیگی یا نہیں

(سوال) زید نے اپنی منکوحہ کو کہا " تو میرے اوپر حرام ہے " پھر اسی وقت کہا کہ " تین طلاق سے طلاق ہے " چونکہ تین طلاقیں صریح لفظ سے بائن غلیظ کہلاتی ہیں اور بائن کے ساتھ بائن ملحق نہیں ہوتی اس قاعدہ کے مطابق یہاں اس صورت میں بائن خفیفہ ہوگی یا بائن غلیظہ اگر ملحق ہوکر بائن غلیظہ ہوگئی تو " عینی شرح کنز " کی اس عبارت کا کیا مطلب ہوگا ؟ والبائن لا یلحق البائن الا اذا کان معلقاً صورتہ اذا قال لامرأتہ : ان دخلت الدار فانت طالق ثلاثا ثم ابانھا فدخلت الدار وھی فی العدۃ طلقت ای وقع علیھا الثلاث المعلق — جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر بصورت تنجیز اسی وقت طلقات ثلاث واقع کرے تو ملحق نہ ہونگی اور صرف لفظ حرام سے بائن خفیفہ ہوجائیگی۔ بندہ محمد عرفان۔

الجواب :- صورتِ مسئولہ میں منکوحہ زید مطلقہ ثلاثہ ہوگئی ہے بدون تزوج بزوج آخر وحصول طلاق ازاں وگذشتن عدت زید کیلئے حلال نہیں ہوسکتی۔ اور سائل نے جو شبہ کیا ہے کہ تین طلاقیں صریح لفظ سے بائن غلیظ کہلاتی ہیں اور بائن کو بائن ملحق نہیں ہوتی یہ شبہ غلط ہے کیونکہ " البائن لا یلحق البائن " میں بائن سے وہ مراد ہے جو بلفظ کنایہ ہو اور بائن بلفظ صریحہ ہو وہ بائن وصریح دونوں

کو ملحق ہوتا ہے۔

قال فی الدر :- الصریح یلحق الصریح والبائن۔ والبائن یلحق الصریح مالا یحتاج الی نیۃ بائنًا کان الواقع بہ اورجعیًا "فتح" فمنہ الطلاق الثلاث فیلحقھما (ای البائن والصریح) وکذا الطلاق علی مال فیلحق الرجعی لا یلحق البائن اھ۔

قال الشامی : ای اذا عرفت ان قولہ الصریح یلحق الصریح والبائن المراد بالصریح فیہ ما ذکر ظھر ان منہ الطلاق الثلاث فیلحقھما ای یلحق الصریح والبائن، فاذا أبان امرأتہ ثم طلقھا ثلاثًا فی العدۃ وقع وھی واقعۃ حلب — قال فی الفتح القدیر : الحق انہ یلحقھا لما سمعت من ان الصریح وان کان بائنًا یلحق البائن ومن ان المراد بالبائن الذی لا یلحق ھو ما کان کنایۃ اھ۔ وتبعہ تلمیذہ ابن الشحنۃ فی عقد الفرائد، وکذا صاحب البحر والنھر والمنح والمقدسی والشرنبلالی وغیرھم، وھو صریح فانقلناہ آنفًا عن الخلاصۃ وایدہ صاحب الدرر والغرر کما نذکرہ قریبًا خلافًا لمن رجح عدم وقوع الثلاث فانہ خلاف المشھور کما یاتی اھ (ص ۷۷ ج ۲)۔

وفیہ ایضًا :- قولہ لا یلحق البائن البائن المراد بالبائن الذی لایلحق ھو ما کان بلفظ الکنایۃ اھ (ص ۷۷ ج ۲)۔ وما نقلہ الزاھدی عازیًا الی الاسرار لنجم الدین قال : لھا: انت بائن ثم قال فی العدۃ انت طالق ثلاثًا لا یقع الثلاث عند ابی حنیفۃؒ لکون الثلاث بینونۃ غلیظۃ فی المعنی، وعندھما یقع لکونھا صریحًا فی اللفظ فقد ردہ الشامیؒ بابلغ رد واحسنہ وقال: قد تقرر ان الزاھدی ینقل الروایات الضعیفۃ فلا یتابع فیما ینفرد بہ وقد وجد النقل عن الخلاصۃ والبزازیۃ وغیرھما بما یخالفہ کما قدمناہ اھ (ص مذکورہ) والمآل

فیہ فاجاد۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۴ محرم ۴۵ھ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ۔

حکم طلاق ثلاث نابالغہ غیر مدخولہ

(سوال) کیا فرماتے ہیں حضرات علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسمّی زید نے بموجودگی چند اشخاص کے جن میں اس کا بالغ لڑکا مسمّی عمرو بھی موجود تھا بدون اسکے استخراج واستیذان کے ایک طلاق نامہ اسکی طرف سے لکھوایا جس کا عنوان اور رسم یہ تھا "میں مسمّی عمرو ولد زید نے اپنی نابالغہ غیر مدخولہ بیوی مسماۃ فلانہ بنت فلاں کو تین طلاق دی"، بعد تکمیل کے باپ نے بیٹا کو حکم دیا کہ اس پر بائیں ہاتھ کے انگوٹھا سے نشان کردے۔ چونکہ لڑکا امی تھا دستخط کرنہیں سکتا تھا اسلئے اس نے آجکل کے گورنمنٹی دستور کے موافق اس پر نشان انگوٹھا کا کردیا اور نشان کرنیکا اسکو اقرار ہے اور اسکو طلاق نامہ کے مضمون سے بھی پوری واقفیت ہے اس حالت میں اسکی زوجہ پر تینوں طلاقیں واقع ہونگیں یا نہیں؟ اور اب اگر عمرو اس عورت سے نکاح کرنا چاہے تو بلا حلالہ نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ طلاق واقع نہیں ہوئی اسلئے کہ دستخط یا ختم نہیں ہے (اور انگوٹھے کی نشان مستحدث ہے) اور نکاح بلا تحلیل جائز ہے اور دوسرے ایک شخص کا خیال ہے کہ انگوٹھے کا نشان بجائے ختم کے ہے لہذا نکاح بلا تحلیل درست نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ فی الشامیۃ: (ص ۷۰۴ ج ۲) ولو استکتب کتابا بطلاقہا وقرأہ علی الزوج فاخذہ الزوج وختمہ وعنونہ وبعث بہ الیہا فاتاہا وقع وان اقر الزوج انہ کتابہ او قال للرجل ابعث بہ الیہا او قال لہ اکتب نسخۃ وابعث بہا الیہا وان لم یقرأ ولم یقم بینۃ لکنہ وصف الامر علی وجہہ لا تطلق قضاءً ولا دیانۃ وکذا کل کتاب لم یکتبہ ولم یملہ بنفسہ لایقع الطلاق مالم یقر انہ کتابہ اھ ملخصاً۔

جب زوج کو مضمون طلاق نامہ سے خبردار ہوتے ہوئے اس کا اقرار ہے کہ وہ

نشان انگشت اس کا ہے اور نشان انگشت ہمارے عرف میں دستخط سے بھی زیادہ مستند ہے تو صورت مسئولہ میں تین طلاقیں واقع ہوگئیں ختم سے ہر وہ نشان مراد ہے جو کہ نسبت کرنے کیلئے کافی ہو یہ نہیں کہ ختم کے علاوہ دوسرے نشانات معتبر نہوں شریعت نے ختم کی کوئی خاص صورت متعین نہیں کی چنانچہ بعض مہر کرتے ہیں بعض دستخط صاف کرتے ہیں بعض دستخط اپنی خاص روش پر بخط طغرا کرتے ہیں تو جو شخص نشان انگشت کو ختم نہیں کہتا وہ دستخط کی قسم ثانی کو کیا کہے گا اور ختم کو ان تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت کے ساتھ کس دلیل سے مقید کریگا ہمارے نزدیک ختم کا مدار عرف پر ہے جس طریقہ کو عرفاً ختم سمجھتے ہوں اس سے تحریر خاتم کی طرف منسوب ہو جائیگی اور آجکل نشان انگشت سب سے زیادہ ہے فلا شک فی کونہ ختماً۔ پس عمرو کو بدون حلالہ اس عورت سے نکاح جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۲۶ رشوال سنہ ۴۳ھ

احقر عبدالکریم گمتھلوی عفی عنہ
۲۶ رشوال سنہ ۴۳ھ

"ایک دو تین طلاق" کہنے سے طلاق مغلظ واقع ہوگی۔

(**سوال**) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی بیوی بدکام کرتے ہوئے دوسرے پر دوسرے نے دیکھا اور اس وجہ سے ان کے اقارب میں سے کسی نے انکو سخت مارا اور لعن طعن کیا کہ تو کیوں اسکو کچھ نہیں کہتا اب شوہر غصہ ہو کر عام مجلس میں یہ الفاظ کہنے پر اقرار کرتا ہے اور انکے ساتھ چار آدمی یہی کہتے ہیں وہ الفاظ یہ ہیں "ایک دو تین طلاق بائن" اب اس میں طلاق ہوگی یا نہیں ؟ کیونکہ لفظ "دی" رہگیا مگر ایک آدمی "دی" لفظ کہنے پر بھی گواہی دیتا ہے اب چار گواہ کے مقابل میں ایک کا معتبر سمجھا جاویگا یا نہیں اور "دی" لفظ کہنے کی صورت پر بھی طلاق ہوگی یا نہیں کیونکہ نہ بیوی کو مخاطب بنایا نہ جس سے طلاق لفظ کا مبتدا ہو جاتا اور نہ "دی" لفظ کہا جس سے طلاق کی خبر ہو بظاہر مبتدا نہ ہونے پر مہمل کلام معلوم ہوتا ہے اسلئے لوگ اختلاف کرتے ہیں کہ طلاق نہیں ہوئی۔ اب کتب معتبرہ سے جواب روانہ فرما کر سرفراز کریں اور اگر ایک کا قول معتبر مانا جائے تو کچھ شبہ ہی نہیں

کیونکہ اس میں "دی" لفظ موجود ہے۔

فدوی کفیل الدین عفی عنہ ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ

الجواب :۔ صورت مسؤلہ میں تین طلاق واقع ہوگئیں کیونکہ تعیین عورت اور اسیطرح لفظ "دی" کے مقدر ہونے پر قرینہ موجود ہے جیسا کہ ذیل کے جزئیات میں واقع ہوجاتی ہے۔

رجل شاجر امرأته فقال لها بالفارسية "ہزار طلاق ترا" ولم يزد على هذا وقع عليها ثلاث تطليقات (عالمگیری صـ ج-۲)

سکران هربت منه امرأته فتبعها ولم يظفر بها فقال بالفارسية "بسه طلاق" ان قال عنيت امرأتي يقع وان لم يقل شيئاً لا يقع كذا في الخلاصة ايضاً صـ

البتہ اگر وہ شخص یہ کہے کہ میں نے نیت اپنی عورت کو طلاق دینے کی نہ کی تھی تو طلاق واقع نہ ہوگی ـــــــ للرواية الثانية ولا يقاس على الرواية الاولىٰ لوجود الاضافة فيه دون هٰذه الواقعة ۔ اور ایک کی شہادت اول تو اس معاملہ میں کافی نہیں۔

فی العالمگيرية : (ج-۴- ص ۲۳۵) بشرط فيها شهادة رجلين او رجل وامرأتين سواء كان الحق مالاً او غير مال كالنكاح والطلاق الخ —
اور دوسرے وہ شاہد بھی اضافۃ طلاق الی المرأۃ کی گواہی نہیں دیتا لهذا حکم مذکور میں اسکی شہادت کی وجہ سے کوئی فرق نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ احقر عبدالکریم عفی عنہ۔ ۲۹ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ

وفی قول الشامی تحت قول الدرر : لتركه الاضافة وما ذكر الشارح من التعليل اصله لصاحب البحر اخذاً من قول البزازية في الايمان ۔ قال لها لا تخرجي من الدار الا باذني فاني حلفت بالطلاق فخرجت لا يقع لعدم ذكره بطلاقها ويحتمل الحلف بالطلاق غيرها فالقول له اھ ومثله في الخانية وفي هذا الاخذ نظر فان مفهوم كلام البزازية انه لو اراد الحلف بطلاقها يقع لانه جعل القول له في صرفه الى طلاق غيرها والمفهوم من تعليل الشارح تبعًا للبحر عدم الوقوع اصلاً لفقد شرطه۔

الاضافۃ مع انہ لواراد طلاقہا تکون الاضافۃ موجودۃ ویکون المعنی فانی حلفت بالطلاق منک او بطلاقک ولا یلزم کون الاضافۃ صریحۃ کلامہ لما فی البحر لو قال طالق فقیل لہ من عنیت فقال امرأتی طلقت امرأتہ اھ (ص ۲۰۵ - ج ۲)

اس سے معلوم ہوا کہ قرینہ ہوتے ہوئے بھی قول زوج کی طرف رجوع کیا جائیگا۔ کیونکہ "لا تخرجی من الدار الخ" کے بعد "فانی حلفت بالطلاق" کہنے پر بھی بدون قول زوج اس مخاطبہ پر طلاق واقع نہیں ہوئی اور سکران کے جزئیہ مذکورہ میں اس کا دوڑنا اور کامیاب نہ ہونے پر یہ کہنا قرینہ ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

احقر عبدالکریم عفی عنہ۔ ۲ رمحرم ۱۳۴۶ھ

دو بیویوں کو کہا "دونوں کو ایک دو تین طلاق دی ہوں" تو دونوں پر طلاق مغلظہ واقع ہو جائیگی۔

(**سوال**) زید کی دو بیوی ہیں آمنہ وفاطمہ خانگی خصومت کی جہت سے ایک دن وہ اپنی چھوٹی بیوی فاطمہ کو تہدیدًا وتشدیدًا کہا کہ "تم دونوں کو طلاق دونگا" اس وقت بڑی بیوی تیس چالیس ہاتھ فاصلہ پر بڑے گھر میں بیمار پڑی تھی۔ دو ایک لحظہ بعد بنگلہ زبان میں کہا کہ "ایک دو طلاق دیتا ہوں" ترجمہ اس کا بزبان بنگلہ یہ ہے (ایک دوئی طلاق دیتے سی) وہ جملہ بزبان بنگلہ اس نے کہی تھی یعنی۔ ؏ کوئی مربی عورت اس سے روکی اور کہی کہ کیا کرتے ہو بابا اسپر وہ زید نے کہا کہ "دونوں کو ایک دو تین طلاق دی ہوں" مگر بنگلہ میں ایں چنیں کہا (عبارت بنگلہ) "دونوں زن کے ایک دوئی تین طلاق دیسی تما کے دیا سی" لیکن نفس الامر میں زید نے اس سے آگے یا پیچھے کوئی بیوی کو طلاق کبھی نہیں دی ہے اب اس حالت میں زید کے دونوں کلام آخیر سے انشاء طلاق ہوتی ہے یا اخبار کذب عن الطلاق؟ از روئے ہدایت پروری کے لوجہ اللہ خلاصہ جواب شافی وکافی تحریر فرما کر سرفراز فرمائیں اور اللہ تعالیٰ سے اجر اس کا لیویں۔ اور صاف طور سے یہ بھی تحریر فرماویں کہ زید نے دونوں بیویاں یا کہ دونوں بیوی سے کوئی ایک بیوی مطلقہ ہوئی یا نہیں؟ اگر طلاق واقع نہیں ہوئی ہے تو کونسی طلاق زیادہ بہ تصدیعہ دون ۔۔۔ عرضگذار بندہ محمد حسن الزمان مختار غفرلہ الستار بڑتلی چاٹگام۔

؏ یہاں عبارت بنگلہ تھی ۱۲

الجواب:- اگر جملہ مذکورہ فی السوال سے زید خبر عن الماضی کذباً مراد لینے کا دعویٰ کرتا ہے تب بھی قضاءً مقبول نہیں بلکہ دونوں بیویوں پر تین تین طلاق ہوگئیں۔

کما فی الشامی (ص ۶۹۴ ج ۲) و اما ما فی اکراہ الخانیۃ لو اکرہ علی ان یقر بالطلاق فاقر لا یقع کما لو اقر بالطلاق ہازلاً او کاذباً فقال فی البحر ان مرادہ بعدم الوقوع فی المشبہ بہ عدم دیانۃً ثم نقل عن البزازیۃ و القنیۃ لو اراد بہ الخبر عن الماضی کذباً لا یقع دیانۃً الخ

اور اس امر میں عورت چونکہ بمنزلہ قاضی کے ہے اسلئے اگر عورت نے خود سن لیا یا شہادت معتبرہ سے اسکو زوج کا کہنا ثابت ہوگیا تو اس کو اس مرد کے پاس رہنا جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح	احقر عبد الکریم عفی عنہ خانقاہ امدادیہ
ظفر احمد عفا اللہ عنہ	تھانہ بھون - ۱۵ ، جمادی الاول ۴۴ھ
۱۶ ، جمادی الاول ۴۴ھ	

طلاق مغلظ کی ایک صورت

(**سوال**) ایک شخص نے حالت غضب میں اپنی بیوی سے جھگڑتے ہوئے دراں حالیکہ وہ بیوی وہاں موجود تھی یہ کہا "ایک طلاق دو طلاق دی"، نیت یہ تھی کہ دو طلاق واقع ہوتی - اور پیچھے لیا جائے اسمیں زجر ہو جائیگی۔ اس کے بعد وہ عورت دوسری جگہ رہی اب اس میں اس عورت پر دو طلاق واقع ہوئی یا تین طلاق یعنی دو طلاق واقع ہو کر رجعت کر سکتا ھے؟ یا تین طلاق واقع ہو کر حرام ہوگئی؟

(۲) بعینہ سوال اول ہے فرق یہ ھے کہ "ایک طلاق دو طلاق دی میں" لفظاً خطاب کرکے کہا یعنی "تجھکو ایک طلاق دو طلاق دی"، اس سوال سے غرض یہ ھے کہ واقعہ مندرجہ بالا میں لفظاً خطاب اور عدم خطاب میں حکماً کچھ فرق ھے یا نہیں؟ حالانکہ بیوی وہاں موجود تھی۔ راقم بندہ محمد عبد الرحمٰن عفی عنہ - بنگال۔

الجواب:- فی الشامی (ص ۵۹۵ ج ۲) و لا یلزم کون الاضافۃ صریحۃ فی کلامہ لما فی البحر لو قال طالق فقیل لہ من عنیت فقال إمرأتی طلقت امرأتہ اھ۔

و فی العالمگیریۃ: (ص ۷۵ ج ۲) و لو قال: "ترا یک طلاق"، و سکت

ثم قال: "ودو" يقع الثلاث ولو قال: "دو" بغير الواو، وان نوى العطف يقع الثلاث وان لم ينو يقع واحدة كذا في الخلاصة۔

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ "ایک طلاق دو طلاق دی"، اور "تجھکو ایک طلاق دو طلاق دی"، میں کوئی فرق نہیں دونوں صورتوں میں طلاق واقع ہو جائے گی، اور ایک طلاق دو طلاق، میں جب عطف کی نیت نہیں کی تو تین طلاق واقع نہیں ہوئی بلکہ دو واقع ہوئیں۔ واللہ اعلم۔

اس تحریر کے بعد شبہ ہوا اور عالمگیریہ (ص۱۶ ج-۲) میں یہ جزئیہ ملا۔

لو قال: للمدخولة انت طالق واحدة لا بل ثنتين يقع الثلاث ولو قال: ذالك لغير المدخولة يقع واحدة ——— اس بناء پر صورت مسئولہ میں تین طلاق واقع ہوگئیں اور عالمگیریہ کا پہلا جزئیہ اس واقعہ کے مطابق نہیں کیونکہ وہاں سکوت کی وجہ سے "دو" کا لفظ مہمل رہا جبکہ اسکے ساتھ لفظاً حرف عطف نہ ہو یا عطف کی نیت نہ کی ہو ——— کتبہ احقر عبدالکریم عفی عنہ۔

الجواب صحیح: ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ ۲۹، رجب ۴۴ھ

"یک دو سہ طلاق ہستی" سے ایک طلاق واقع ہوگی یا تین"۔

(**سوال**) مولانا صاحب! السلام علیکم الخ از جانب رسول شاہ عرض آنست کہ یک مسئلہ واقع شدہ کہ در حل آن اکثر عالمان این وطن حیران و متفکر اند جناب اگر حل آن بعبارت کتاب کنند منت و احسان باشد عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور خواہید شد۔ آن مسئلہ این است کہ شخصے زن خود را گفت کہ "یک دو سہ طلاق ہستی"، باین لفظ یک طلاق واقع شود یا سہ طلاق واقع شود بعض عالمان این وطن میگویند کہ یک طلاق واقع شود و بعض عالمان میگویند کہ سہ طلاق واقع شود بینوا توجروا ——— عالمان این وطن قائلین یک طلاق و قائلین سہ طلاق دلیل ندارند ہر کسے قیاساً میگوید وہر چہ میگوید اگر دلائل فریقین بودے نوشتہ ارسال کردمی برشما امید است کہ تسلی دہندہ ارسال کنید کہ تسلیہ ہمہ ملامان شود۔

المرسل رسول شاہ موضع ڈھوڈہ مسجد کلان ضلع کوہاٹ ڈاکخانہ خاص۔

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں تین طلاق واقع ہو چکیں۔

کما قال فی خلاصۃ الفتاوی: (ص ۸۰ ج ۲) ولو قال: "اگر فلانہ بزنی کنم از من بیک طلاق ودو طلاق وسہ طلاق" فتزوجہا تطلق واحدۃ ولو قال: "بیکے ودو وسہ"، ثم تزوجہا یقع الثلاث وتمام ھذا فی خزانۃ الواقعات اھ۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب لفظ طلاق کو "یک ودو وسہ" کے بعد ذکر کیا جائے تو غیر مدخولہ پر بھی تین طلاق واقع ہوتی ہیں۔ والمدخولۃ بہا بالاولی اور اگر ہر عدد کے بعد لفظ طلاق مذکور ہو جیسا کہ جزئیہ اولی میں ہے تو غیر مدخولہ پر ایک طلاق واقع ہوتی ہے اور مدخولہ پر اس صورت میں بھی تین طلاق واقع ہونگی چونکہ صورت مسئولہ میں لفظ طلاق کو مجموعہ اعداد کے بعد ذکر کیا گیا ھے لھذا بہر حال تین طلاق واقع ہوگئیں خواہ وہ عورت مدخولہ بہا ہو یا غیر مدخول بہا۔ واللہ اعلم۔

حقررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ۔ ۱۷ر شعبان ۴۵ھ

طلاق مغلظہ کی ایک صورت کا حکم | (سوال) علماء دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں۔ نقل طلاق نامہ منسلکہ استفتاء ارسال حضور ہے جسکو مرد نے اپنی سوتیلی ماں کے کہنے سے رجسٹری کے ذریعہ اپنی عورت کو مورخہ ۱۴ر مارچ ۲۷ء کو بھیجا جسکے ملنے کا اس نے انکار کیا۔ بعد ازاں خاوند کو معلوم ہونے پر اسی طلاق نامہ کی نقل بذریعہ پوسٹ کارڈ رجسٹری شدہ شوہر نے بھیجا اس کو بھی عورت نے لینے سے انکار کیا اور واپس کر دیا عورت بدستور باعصمت اپنی والدہ کے ساتھ اپنے میکہ میں بیٹھی ھے اور طلاق سے انکار ہے خواہش شوہر کے پاس جانیکی ظاہر کرتی ہے آیا طلاق پڑی یا نہیں پڑی تو رجوع کیسے کیا جائے وصلح کیسے ہو۔ از لکھنؤ ۱۴ر اکتوبر ۱۹۲۷ء۔

نقل طلاق نامہ:۔ مسماۃ فلانہ بنت فلاں صاحبہ! تم عرصہ سے اپنے طریقہ کو تبدیل کر کے بداخلاقی وبدزبانی ونافرمانبرداری سے پیش آتی رہیں۔ بلکہ شور وغل وبدتہذیبی کی گفتگو رہی محلہ کے مجمع عام میں بے حجابانہ کر کے طلاق مانگی آخر کار مع کل زیورات و پارچہ جات اپنی پھوپھی کی بیماری کا موقع حاصل کر کے اپنی والدہ اور نانی کے ہمراہ اپنے میکے چلی گئیں اور پھر واپس نہیں آئیں۔ ابھی تک حیلہ وحوالہ کرتی رہیں تمہارے والد بزرگوار کو بھی

خط لکھا تھا انہوں نے بھی سمجھانے نیکی کوئی کاروائی نہیں کی معلوم ہوتا ہے کہ تم نے انکو بھی اپنا ہم خیال بنالیا چونکہ اس سے پیشتر بھی تم مجھ سے خواہش طلاق کرچکی ہو لھذا تمہاری مرضی کے موافق بحالت صحت وثبات عقل تمکو اپنی زوجیت سے علیحدہ کرتا ہوں۔ اور طلاق دیتا ہوں۔ اور طلاق دیتا ہوں اور طلاق نامہ ھذا بذریعہ رجسٹری روانہ کرتا ہوں۔

مسماۃ فلانہ بنت فلاں تمکو مجھ.... نے طلاق بائن دی

مسماۃ فلانہ بنت فلاں تمکو مجھ.... نے طلاق بائن دی

مسماۃ فلانہ بنت فلاں تمکو مجھ.... نے طلاق بائن دی

واضح ہو کہ جو زیور طلائی ونقرئی تم میرا لیگئی ہو اور جسکی فہرست تمہاری دستخطی موجود ہے وہ واپس کردو۔ تاکید جانو۔

العبد شوہر

مورخہ ۱۴ ارمارچ ۱۹۲۷ء

گواہ ۱ زید گواہ ۲ بکر

الجواب :- صورت مسئولہ میں مسماۃ پر طلاق بائن مغلظہ پڑگئی اور نکاح فسخ ہوگیا بعد عدت کے وہ دوسرے شخص سے نکاح کرسکتی ہے اور اس شوہر سے بدون تحلیل کے نکاح جائز نہیں کیونکہ طلاق نامہ میں بعد مذاکرہ طلاق کے اول یہ لفظ یہ لفظ لکھا ہے " کہ تمکو اپنی زوجیت سے علیحدہ کرتا ہوں " اس ایک طلاق بائن واقع ہوگئی اسکے بعد لکھا ہے " اور طلاق دیتا ہوں " یہ گو صریح ہے مگر اس سے دوسری طلاق واقع نہ ہوگی بلکہ بظاہر یہ پہلے جملہ کی تفسیر ہے مگر یہ کہ اس سے زوج نے تکریر طلاق کا قصد کیا ہو تو دوسری اس سے بھی واقع ہوجائیگی اس کے بعد زوج نے مسماۃ کو مخاطب کرکے تین دفعہ یہ جملہ لکھا ہے " مسماۃ فلانہ بنت فلاں تمکو مجھ نے طلاق بائن دی " یہ گو طلاق بائن ہے مگر بالفاظ صریح ہے اس لئے بائن کو لاحق ہوگا اور چونکہ تین بار تکرار کیا ہے اسلئے تین طلاق واقع ہوکر ایک زائد ہوجائیگی۔

قال فی الطحاوی وفی حاشیۃ الدر : والمراد بالبائن الذی لایلحق البائن، البائن بلفظ الکنایات فلو کان بائنًا بغیرھا یقع ۔ الی قال — ولو خلعھا ثم قال : انت طالق بائن وقع الثانی وان کان بائنًا لان وقوعه

بانت طالق وھو صریح ویلغو قولہ بائن لعدم الحاجۃ الیہ لان الصریح بعد البائن بائن اھ (ص ۲۱۸ - ج ۲) واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

خانقاہ امدادیہ - ۳۰ ربیع الاول ۴۶ھ

دو بیویوں کو مخاطب کر کے کہا "شمارا یک طلاق، دو طلاق، سہ طلاق دادم" تو دونوں پر طلاق مغلظ قضاءً واقع ہو جائیگی۔

(سوال) چہ می فرمایند علماء دین وفضلاء شرع متین اندریں مسئلہ کہ شخصے مسمّٰی علی اعظم دو زن دارد روزے بمعاملۂ خانگی درمیان ہردو زن منازعت افتادہ بود دریں اثناء علی اعظم درخشم وطیش آمدہ گفت شمارا یک طلاق دادم کسے گفت این چہ طلاق دادی طلاق نشد بمجرد شنیدن این کلام قدرے چند پیش ولپس رفتہ باز گفت "شمارا یک طلاق۔ دو طلاق۔ سہ طلاق دادم"، پس درصورتِ مذکورۂ بالا زنان علی اعظم مطلقہ سہ طلاق شدند یا ہر طلاق برہر دو زن منقسم شدہ جداگانہ واقع شود یا نہ؟ — مخفی مباد کہ مطلق را پرسیدہ شد کہ نیت تو چہ بود گفت نیت من تقسیم نہ بود۔ بینوا توجروا عنداللہ اجراً عظیماً۔

عرضگذار، خاکسار عبدالرؤف مدرس مدرسہ مداری پور ضلع فرید پور۔

الجواب:- قال فی الھندیۃ نقلاً عن فتح القدیر: ولو قال: لاربع انتن طوالق ثلاثاً ینوی ان الثلث بینھن فھو یدین فیما بینہ و اللہ فتطلق کل واحدۃ واحدۃ اھ

وفیہ ایضاً:- عن المحیط للسرخسی:- ولو قال، لاربع نوۃ انتن طالقات ثلاثاً یقع علی کل واحدۃ ثلاثاً اھ (ص ۶۰ - ج - ۲)۔

پس درصورتِ مسؤلہ قضاءً سہ طلاق برہر زن واقع شدہ واگر زوج نیت تقسیم کردی دیانۃً نیت او قبول گشتے وچون نیت تقسیم ھم نکرد پس دیانۃً نیز ہردو زوجہ اش مطلقہ ثلاثہ مغلظہ گشتہ۔ فلا یجوز لہ النکاح باحدھما الا بعد ان تتزوجا بزوج آخر وتنقضی عدتھما منہ بعد طلاقہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ اشرفیہ ۱۳ شعبان ۴۶ھ

مذاکرۂ طلاق میں شوہر نے کہا "ایک دو تین" تو طلاق مغلظہ واقع ہو جائیگی۔

(سوال) ایک شخص نے حالت تنازع میں اپنی بیوی سے کہا کہ "میں تجھکو کل کو طلاق تکیہ ملن کھڑے کرکے دونگا" اس نے جواب میں سب وشتم کرکے کہا کہ "تو ابھی طلاق دیدے" شوہر نے پھر جواب میں کہا کہ "ایک دو تین" اور بعد اسکے کہا کہ "جا گھر سے چلی جا" اور بعد میں لوگوں نے شوہر کو ملامت وغیرہ کی کہ تم نے کیوں طلاق دی تو اس نے کہا کہ میں نے دل سے طلاقیں نہیں کہیں بلکہ خوف اور ڈرانیکے واسطے کہی ہیں۔ آیا ایسی صورت میں طلاقیں واقع ہوگئیں یا نہیں؟ حوالۂ کتب مع عبارت ارسال فرمائیں عنایت ہوگی بینوا جزاکم اللہ رب الجلیل۔

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں اس شخص کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوگئیں۔ قال فی الخلاصۃ: وفی الفتاوٰی: قال لامرأتہ: "ترا یکے وترا سہ" او قال: "تو یکے تو سہ" قال ابو القاسم الصفار لا یقع شئ وقال الصدر الشہید: یقع اذا نوٰی وبہ یفتٰی قال القاضی: و ینبغی ان یکون الجواب علی التفصیل ان کان ذالک فی حال مذاکرۃ الطلاق او فی حال الغضب یقع الطلاق وان لم یکن لا یقع الا بالنیۃ کما قال فی العربیۃ انت واحدۃ اھ (ص۹۵ ج۲) ۔ قلت: وقد وجدت المذاکرۃ فی الصورۃ المسئول عنہا واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون
خانقاہ امدادیہ۔ ۱۹ صفر ۴۷ھ

دو بیویوں کو مخاطب کرکے کہا "اللہ کا حکم۔ شمارا سہ طلاق دادم" تو ہر ایک تیں طلاق واقع ہوگی یا ایک ایک طلاق۔

(سوال) چہ می فرمایند علماء دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ مسمّٰی غنو میاں دو زن می داشت روزے ہر دو زنش در امرے تنازعہ می کردند وگفتگوہای بسیار وقال وقیل بیشمار می نمودند مسمّٰی مذکور از مسجد آمدہ چوں ایشاں را در مشاجرت ومنازعت دید گفت "اللہ کا حکم شمارا سہ طلاق دادم" پس استفسار از علماء کرام این است آیا ہر دو زوجہ مسمّٰی مذکور سہ طلاق مطلقہ خواہد شد یا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ اقول وباللہ التوفیق ـــــــــ درصورت مرقومہ ہر دو زوجۂ

غنومیاں سہ سہ طلاق مطلقہ خواہد شد چہ لفظ "اللہ کا حکم" در عرف این دیار بمعنی سوگند بخدا استعمل می شود پس حسب قاعدہ مسلمہ۔ بناء الیمین علی العرف۔ معناش این شد کہ سوگند بخدا شمارا سہ طلاق دادم پس چونکہ در قول مطلق ہر یکے از منکوحہ اش مخاطبہ مستقلہ اش ہر یکے از انیان بسہ طلاق مطلقہ خواہد گردید۔

کما فی الہندیہ :- ولو قال لاربع نسوة لہ انتن طالقات ثلاثاً یقع علی کل واحدة ثلاث ولا یخفی علی من لہ البصارة ان وقوع الطلاق فی ہذہ الصورة مبنی علی ان کل واحدة منہن مخاطبة مستقلةً ہکذا ہٰہنا واللہ اعلم وعلمہ اعم واتم۔

حررہ الاحقر ولایت حسین عفاعنہ

المدرس فی المدرسۃ الاسلامیۃ النواکھالیۃ - ۱۲ر شوال ۴۶ھ

(نوٹ) اس جواب پر اور بھی چند علماء بنگال کی تصویب اور دستخط تھے۔

تنقیح از جامع امداد الاحکام

در صورت مسئولہ از نیت زوج سوال باید کرد اگر ایقاع طلقات ثلاث بر ہر زوجہ قصد کردہ بود بر ہر زوجہ سہ طلاق واقع شد چنانچہ مفتی نوشتہ واگر ہر دو را در سہ طلاق شریک کردہ۔ نیت تقسیم کردہ بود سوال بار دیگر باید فرستاد۔

فقد قال : فی الہندیۃ : بعد العبارۃ التی ذکرہا المفتی ولو قال لاربع : انتن طوالق ثلاثاً ینوی ان الثلاث بینہن فہو یدین فیما بینہ و بین اللہ تعالیٰ فتطلق کل واحدة واحدة کذا فی الفتح اھ (ص ۶۰ - ج ۲)

واللہ اعلم وعلمہ اتم و احکم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفاعنہ از تھانہ بھون ۱۵ر محرم ۴۸ھ

"تم دونوں کو تین طلاق دیدی" کہنے سے ہر ایک بیوی پر تین طلاق واقع ہوگی یا کیسے۔

(**سوال**) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی دو بیوی آپس میں جھگڑ رہی تھیں مرد نے طیش میں آکر کہا کہ "تم دونوں کو تین طلاق دیدی"، جب مرد سے چند روز کے بعد پوچھا گیا کہ آیا ہر ایک بیوی کو تین طلاق دینا مقصود تھا یا ڈیڑھ ڈیڑھ اس نے جواب میں کہا مجھے یاد نہیں آتی کہ میری کیا نیت تھی اب سوال یہ ہے کہ ان دونوں پر

کتنی طلاق واقع ہونگی؟ ہماری ملکی اصطلاح میں جب کوئی کہے کہ تم دونوں کو تین روپیہ دیا۔ مراد اس سے نصفاً نصفی ہوتی ہے کیا طلاق میں اصطلاح ملکی ملحوظ نہ ہوگی؟ فتاویٰ ھندیہ میں ھے۔

لو قال لثلاث نسوة لہ انتن طوالق ثلاثاً او طلقتکن ثلاثاً یقع علی کل واحدة ثلاث ولا ینقسم بخلاف لو قال: اوقعت بینکن ثلاثاً فانھا تقسم بینھن فتقع علی کل واحدة طلقہ۔ مراد ایراد سے یہ ہے کہ اس مرد کے قول کی تعریب حسب اصطلاح ملک ھند "طلقتکما ثلاثاً" ہوگی یا اوقعت بینکما ثلاث تطلیقات ہوگی؟ بینوا توجروا۔ سائل محمد فیض الرحمٰن میمن سنگی۔

تنقیح:- ھمارے محاورہ میں صورت مسئولہ میں دونوں بیویوں پر تین تین طلاق واقع کرنا مفہوم ہوتا ہے اگر سائل کا عرف تقسیم کو موجب ھے تو علماء بنگال سے رجوع مناسب ھے وافضلھم عندی مولانا محمد اسحاق البردوانی استاد الدینیات بکلیہ ڈھاکہ یا پچ بھائی گھاٹ لین: واللہ تعالیٰ اعلم۔

ظفر احمد عفا عنہ ۱۱ ربیع الثانی ۳۸ھ

مطلقہ ثلاث اگر مرتد ہو کر پھر مسلمان ہو جائے تو طلاق ثلاثہ کا حکم باطل ہو جائیگا یا نہیں۔

(سوال) اگر مطلقہ بطلاق مغلظہ معاذ اللہ مرتدہ ہو جائے اور پھر وہ اسلام قبول کرے تو اس ارتداد کی وجہ سے حکم طلاق ثلاثہ کا بھی باطل ہوگا یا نہیں؟ اور ایسی صورت میں زوج اول بلا حلالہ اپنی مطلقہ سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ والسلام

نیازمند۔ محمد مسئول عفی عنہ ۱۱ ربیع الاول ۴۵ھ

الجواب:- فی العالمگیریہ:- (ص ۱۲۹ ج ۲) ولو ارتدت المطلقة ثلاثاً ولحقت بدار الحرب ثم استرقھا او طلق زوجتہ الامة ثنتین ثم ملکھا ففی ھاتین لایحل لہ الوطی الا بعد زوج آخر۔ کذا فی النھر الفائق۔

وفی الدر:- لاشتراط الزوج بالنص فلا یحلھا وطء المولیٰ ولا ملک امة بعد طلقتین او حرة بعد ثلاث وردة وسبی اھ۔

وقال الشامی:- ای لو طلقھا ثنتین وھی امة ثم ملکھا او ثلاثاً وھی

حرۃ فارتدت ولحقت بدار الحرب ثم سبیت وملکھا لا یحل لہ الوطی بملک الیمین حتی یزوجھا فیدخل بھا الزوج ثم یطلقھا کما فی الفتح (ص ۸۶ ج ۲)

ان روایات فقہیہ سے صراحۃً معلوم ہوا کہ ارتداد سے مطلقہ ثلاث کا حکم نہیں بدلتا پس جو عورت مطلقہ ثلاث مرتد ہو کر مسلمان ہو جائے اس کا نکاح بدون حلالہ کے زوج اوّل سے حرام ہے۔

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ۔ ۱۴ ربیع الاول ۴۸ھ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون۔

ماں کو مخاطب کر کے کہا "ماں تیری بہو کو تین طلاق" تو بیوی پر تین طلاق واقع ہو جائیگی۔

( ) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کو اس کی بیوی اور بھاوج نے کھانا لا کر دیا۔ کھانے میں کچھ خرابی دیکھکر غصہ میں زید نے اپنی والدہ کو آواز دیکر کہا "ماں تیری بہو کو تین طلاق" اس صورت میں زید کی بیوی پہ طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟ زید واقعہ کے بعد سال بھر تک اپنی بیوی کے ساتھ کھاتا پیتا رہا اس خیال میں کہ بیوی پہ طلاق واقع نہیں ہوئی۔ مہربانی فرما کر مع دلیل جواب سے مشرف فرمایا جائے اور اگر طلاق واقع ہو گئی تو زید کو کیا کرنا چاہئے؟ بینوا توجروا جزاکم اللہ تعالیٰ فی الدارین خیراً۔

الجواب:۔ اس صورت میں طلاق مغلظہ واقع ہو چکی ہے اس عورت کو اب تک جو رکھا سخت گناہ کا مرتکب ہوا اب فوراً الگ کر دینا واجب ہے بڑی حیرت ہے کہ اسطرح صاف صاف الفاظ کہکر بھی یوں سمجھ لیا کہ طلاق واقع نہیں ہوئی۔

ونظیرہ ما فی العالمگیریۃ: (ص ۶۱ ج ۲) ولو ضم الی امرأتہ امرأۃ اجنبیۃ وقال: احداکما طالق الی ان قال۔ ولو قال فی ھذہ الصورۃ طلقت احداکما طلقت إمرأتہ من غیر نیۃ ذکرہ فی طلاق الاصل۔ واللہ اعلم۔

احقر عبد الکریم عفی عنہ۔ از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون۔

الجواب صحیح

ظفر احمد عفا عنہ ۲۸ ربیع الاول ۴۸ھ

"میں اسکو چھوڑ چکا، وہ میری بیوی نہیں ہے، مجھے اس سے کوئی تعلق نہیں، وہ میری طرف سے آزاد ہے"، کا حکم۔

مولائی وآقائی حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم۔ السلام علیکم۔

حضرت! اس معاملہ میں ہر ایک فریق

بحث کر رہا ہے اور حضرت استاذ مولانا محمد حسن صاحب (قاضی بھوپال) دام فیوضہم نے مکرر سہ کرر۔ شامی۔ عالمگیری وغیرہ ملاحظ فرمایا لیکن فریق مخالف اپنے خلاف فیصلہ کو تسلیم نہیں کرتا ہے۔ حضرت سے عرض ہے کہ لوجہ اللہ تعالیٰ مفصل ومدلل امر حق واضح فرمادیں۔ ہر ایک فریق حضرت سے نیک عقیدت رکھتے ہیں اُمید ھے کہ حضرت کے فتویٰ سے ان میں اصلاح ہوجائیگی شبہات حسب ذیل لکھے جارھے ہیں۔

فریق اوّل:۔ زید کا کہنا ان الفاظ کا کسی شہادت وغیرہ سے ثابت نہیں بلکہ صرف دھوکہ سے اقرار کرالیا گیا ھے زید کو نیت نہ تھی غایت فی الباب پہلے لفظ سے طلاق رجعی ہوئی ہے اور بقیہ سے تاکید ھے اور زید نے معافی چاہ لی ہے لھذا رجعت ہوچکی۔

فریق ثانی:۔ ہر ایک لفظ سے ایک ایک طلاق واقع ہوچکی ھے اور اقرار کے بعد دھوکہ اور عدم نیت وغیرہ کا حیلہ کرنا باب الطلاق میں کچھ مفید نہیں کیونکہ عاقل بالغ کا اقرار ھے اور اس اقرار کے بعد شہادت کی کوئی ضرورت نہیں پہلے لفظ سے رجعی اور بقیہ سے تاکید کہنا لغو ھے حضرت عمرؓ نے تین طلاق کو تین ھی رکھا ہے اور اسی پر عمل ھے لھذا مغلظہ ہوچکی۔ اب بلا حلالہ کے نکاح زید سے ہندہ کا نہیں ہوسکتا۔

ہر ایک فریق اپنی اپنی کہتا ہے اور حضرت قاضی صاحب کے فیصلہ سے بھی آگے جارہا ہے حضرت کے فتویٰ سے انشاء اللہ تعالیٰ اصلاح کی اُمید ھے۔ خادم عبد الصمد۔

الاستفتاء: زید نے اپنی اہلیہ کے متعلق محکمہ قضاء بھوپال میں ۱۸ر نومبر ۳۱ء کو درخواست پیش کی اور اپنا بیان لکھوایا۔

درخواست کا مضمون | میری اہلیہ مسماۃ ھندہ اور میرے درمیان کئی سال سے باہمی نزاع تھا اور اس زمانہ میں مصلحین ومفسرین کے ذریعہ سے جانبین کو اور انکے اعزہ کو مختلف اقسام کی باتیں پہنچتی رہیں جیسے کہ باھمی نزاع کی صورت میں ہوتا ہے اور معاملہ اسقدر طول پکڑ گیا تھا کہ ہر ایک فریق نے دوسرے سے بالکل ہی رشتہ داری توڑ کر قطع تعلق کرلیا تھا حتیٰ کہ اسی غصہ کی حالت میں، میں نے اپنی اہلیہ مذکورہ کے متعلق یہ بھی کہدیا تھا کہ "میں اسکو چھوڑ چکا، وہ میری بیوی نہیں ھے۔ مجھے اس سے کوئی تعلق نہیں، وہ میری طرف سے آزاد ہے،، بالآخر میں نے اپنے خسر صاحب کے پاس جاکر معافی چاھی اور آئندہ کیلئے پھر تعلقات قائم کرنیکی استدعا کی اسپر صاحب موصوف نے مجھ سے فرمایا کہ معاملہ بہت

طویل ہو چکا ہے اور میرا دل اب تم سے رشتہ کرنیکو نہیں چاھتا خیر میں نے انکو راضی کر لیا خارجًا سنا ھے کہ خسر صاحب نے شکایت کی کوئی درخواست عالی خدمت میں آئی ہے اس لئے عرض ھے کہ چونکہ باھمی ہمارا فیصلہ طے ہوچکا ہے اور آئندہ بھی باہمی مصالحت رہیگی اور یہ درخواست نہ میں نے دی ہے نہ میرے کسی عزیز نے لھذا عرض ھے کہ اس درخواست پر کوئی کاروائی نہ فرمائی جائے بلکہ عرضی ھذا پر شرعی حکم صادر فرمادیا جائے تاکہ ھم اسپر دل وجان سے عمل کرسکیں۔

بیان کا مضمون: یہ درخواست میں نے لکھوائی ھے اسپر میرے قلمی دستخط ہیں میں نے اس وقت درخواست کو سن لیا اس میں وہ باتیں لکھی ہیں جو میں نے لکھوائی ہیں جو مثل میرے معاملہ کی تیار ہوئی تھی اسپر کوئی کاروائی نہ کی جائے اسیقدر روئداد پر فیصلہ شرعی فرمادیا جائے۔

جناب قاضی صاحب کے فیصلہ کا خلاصہ:۔ شرعًا ان الفاظ سے کہ جو الفاظ زید نے اپنی اہلیہ مسماۃ ھندہ کی نسبت کہے ہیں۔ مسماۃ پر ایک طلاق بائن واقع ہوگئی اسلئے بدون نکاح جدید وہ مسماۃ زید کے حق میں حلال نہیں ہوسکتی۔ ۱۲ر نومبر ۳۱ء

پھر ـــــ ۱۴ر نومبر ۳۱ء کو زید نے دوسری درخواست اس مضمون کی پیش کی کہ وہ ۸ر نومبر والی درخواست نہ میں نے لکھی اور نہ کسی سے لکھوائی بلکہ خسر صاحب نے کسی سے لکھوائی اور مجھے دھوکہ دیکر مجھ سے دستخط کرالئے اور مجھے یہ اطمینان دلایا کہ ھم تفریق نہیں چاھتے ہیں۔ بلکہ رخصت کردینگے انکے اعتماد اور خوف بزرگی کی وجہ سے میں نے دستخط کئے اور پیش کردی لھذا ان حالات پر غور فرماکر فیصلہ پر نظر ثانی فرمادیجئے ـــــ اس ثانی درخواست کے ساتھ زید نے اس مضمون کا بیان لکھوایا۔ سابق درخواست میں نے جو ۸ر نومبر ۳۱ء کو پیش کی تھی درخواست مذکورہ پر میرے قلمی دستخط ہیں محکمہ قضا میں پیش کرنے پر مجھے درخواست مذکورہ پڑھ کر سنائی گئی تھی۔ میں نے درخواست مذکورہ کو سنکر یہ بیان کیا تھا کہ یہ درخواست میں لکھوائی ھے حقیقت یہ ھے کہ یہ درخواست میں نے نہیں لکھوائی تھی بلکہ یہ درخواست میرے خسر نے کسی سے لکھوا کر مجھ سے دستخط کرالئے تھے اور کہا تھا کہ محکمہ قضاء میں جو معاملہ پیش ہوگیا ہے اسکے واپس کرنے کیلئے یہ درخواست دی جاتی ھے۔

بعد نظر ثانی جناب قاضی صاحب کے فیصلہ کا خلاصہ :-

زید کی پہلی درخواست پر جبکہ فریقین کو فیصلہ سنا دیا گیا تو زید پھر درخواست پیش کی زید اس ثانی درخواست میں لکھتا ہے کہ میرے خسر نے مجھکو دھوکہ دیکر تحریر پر دستخط کرالئے وہ کلمات نسبت چھوڑنے اور بے تعلق ہوجانے زوجہ کے نہیں کہے لیکن زید ثانی درخواست پیش کرکے اپنے بیان میں خود تسلیم کر رہا ہے کہ پہلی درخواست میں نے محکمہ قضاء میں پیش کی تھی درخواست مذکورہ پر میرے قلمی دستخط ہیں محکمہ قضاء میں پیش کرنے پر مجھے درخواست مذکورہ پڑھکر سنائی گئی تھی میں نے درخواست مذکورہ سن کر بیان کیا تھا کہ یہ درخواست میں نے لکھوائی ہے۔ الیٰ آخرہ۔ یہ بیان اسکی ثانی درخواست کے مضمون کے خلاف ھے بہر حال مجموعہ روئداد سے یہ تو ثابت ھے کہ الفاظ متعلق "چھوڑ دینے زوجہ و بے تعلق و آزادی" کے کہدینے اور لکھوا دینے کو زید تسلیم کرتا ہے خواہ برضاء و رغبت ہو یا بدون رضا خسر کے بہکانے اور دھوکہ دینے سے چونکہ شریعت میں بصورت جد و ہزل ومذاق واکراہ ہر طور پر الفاظ طلاق کہدینے یا تحریر کردینے سے طلاق واقع ہوجاتی ھے لھذا ایک طلاق بائن مسماۃ ھندہ پر ضرور واقع ہوگئی اسلئے بعد نظر ثانی فیصلہ سابق میں ترمیم یا تنسیخ کی حاجت نہیں ھے وھی فیصلہ نافذ ھے۔ اسکے بعد ۱۰ ر دسمبر ۱۳ ء کو زید نے عدالت میں رخصتی زوجہ کا دعوٰی دائر کیا کہ میری اہلیہ اپنے باپ کے گھر سے آتی نہیں۔ رخصت کرا دی جائے۔ ھندہ کی طرف سے جواب دعوٰی پیش ہوا کہ بفیصلہ شرعی ھندہ زید پر حرام ہوچکی ہے لھذا اب رخصت کیسی ؟ - اور زید کی ۸ ر نومبر والی درخواست اور اسکے ساتھ کے اول بیان کی نقل اور جناب قاضی صاحب کے فیصلہ کی نقل بھی پیش کی تو زید نے اس درخواست کو مع اس بیان کے تسلیم کی لیکن قاضی صاحب فیصلہ کو تسلیم نہیں کیا پس دریافت طلب یہ ھے کہ

(۱) صورت مسئولہ میں طلاق رجعی ہوئی یا بائن یا مغلظ۔ کیا اگر زید کہے کہ میری ان الفاظ سے طلاق کی نیت ھی نہ تھی تو بھی طلاق واقع ہوجائیگی ؟

(۲) دھوکہ وغیرہ کے عذرات مذکورہ شرعاً مسموع کیوں نہیں ہیں اور محض بیانات وغیرہ مذکورہ کی بناء پر طلاق کا حکم کیوں لگایا جاتا ھے۔ شہادت سے اس کا ثبوت کیوں نہ لیا جائے کہ یہ الفاظ زید کے ہیں یا نہیں۔

(۳) برتقدیر طلاق رجعی زید کا اپنے خسر کے پاس جاکر معافی چاھنا اور پھر تعلقات کی استدعا کرنا یہ رجعت ھے یا نہیں؟ جواب مدلل ومشرح مع حوالہ کتب صادر فرمایا جائے کہ فریقین کی تسلی کرکے انکی صلح کرادی جائے۔

خادم عبدالصمد ساکن اسلام پورہ بھوپال۔

الجواب: اس سوال سے معلوم ہوا کہ خاوند نے چار جملے بحالت غصہ استعمال کرنیکا اقرار کیا ہے اسلئے اولاً ان چاروں جملوں کا الگ الگ حکم لکھا جاتا ہے اسکے بعد سب کو ملانے سے جو نتیجہ ہوا اسکو تحریر کیا جائیگا۔

پہلا جملہ یہ ہے کہ "میں اسکو چھوڑ چکا" اسکے متعلق عالمگیریہ میں ہے:

اذا قال الرجل لامرأته "بہشتم ترا" ولم يقل "از زنی" فان كان فی حالة غضب ومذاكرة الطلاق فواحدة يملك الرجعة وان نوى بائنا او ثلاثا فهو كما نوى وقول محمد فی هذا كقول ابی يوسف كذا فی المحيط:۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر غصہ اور مذاکرۂ طلاق کی صورت میں یہ جملہ استعمال کیا جائے تو بدون نیت بھی رجعی طلاق واقع ہو جاتی ھے۔

دوسرا جملہ یہ کہ: "وہ میری بیوی نہیں ہے" اس کا حکم یہ ہے کہ اگر خاوند نے نیت کی ہو تو یہ رجعی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور اگر نیت نہیں کی تو اس جملہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی خواہ یہ جملہ غصہ اور مذاکرۂ طلاق کی حالت میں کہا ہو خواہ بدون غصہ وتذکرۂ طلاق کہا ہو ہر حالت میں نیت شرط ہے۔

كما هو مصرح فی الفتاوى الشامية: ص۲۲ تحت قول الدر: لست لی بامرأة (الى ان قال) طلاق ان نواه:۔ لان الجملة تصلح لانشاء الطلاق كما تصلح لانكاره فيتعين الاول بالنية وقيد بالنية لانه لا يقع بدونها اتفاقا لكونه من الكنايات واشار الى انه لا يقوم مقامها دلالة الحال لان ذالك فيما يصلح جوابا فقط وهو الفاظ ليس هذا منها واشار بقوله طلاق الى ان الواقع بهذه الكناية رجعی كذا فی البحر من باب الكنايات اھ

تیسرا جملہ یہ ھے کہ "مجھے اس سے کوئی تعلق نہیں" سو اس کا حکم کہیں مصرح تو ملا

نہیں مگر قواعد سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ غضب و مذاکرہ کی حالت میں بلا نیت بھی اس فقرہ سے ایک طلاق رجعی واقع ہو جاتی ہے۔ دلیل وقوع کی یہ ہے کہ یہ کنایہ ملحقہ ھے "اعتدی" وغیرہ کے ساتھ کیونکہ وہ متحمل سب ورد نہیں بلکہ جواب محض کے واسطے ھے اور "اعتدی" وغیرہ کا یہ حکم ھے کہ غضب و مذاکرہ میں بدون نیت وقوع ہو جاتی ھے۔ کما ھو مصرح فی الدر وغیرہ من کتب الفقہ۔ اور رجعی ہونیکی یہ وجہ ھے کہ اس جملہ میں لفظ طلاق نکالنا پڑتا ہے یعنی پورا کلام یوں سمجھا جائیگا کہ "مجھے اس سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ میں اسکو طلاق دے چکا" اور جو کنایہ ایسا ہو اس سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے۔

کما قال صاحب البحر (ص ۲۹۹ ج ۳): ولما کانت العلۃ فی وقوع الرجعی بھذہ الالفاظ الثلاثۃ (ای اعتدی واستبرئی رحمک و انت واحدۃ) وجود الطلاق مقتضی او مضمرا علموا ان لاحصر فی کلامہ بل کل کنایۃ کان فیھا ذکر الطلاق کانت داخلۃ فی کلامہ ویقع بھا الرجعی بالاولی الخ ـــــ وایضا یعلم ذالک من کلام الشامی صراحۃ ولکن کلام البحر اصرح منہ فلذالک اخترتہ۔

اور چوتھا جملہ یہ ھے کہ "وہ میری طرف سے آزاد ہے"۔ اس کنایہ کا حکم درمختار میں صریح موجود ھے کہ غضب و مذاکرہ میں بدون نیت بھی طلاق بائن واقع ہو جاتی ھے ـــــ ونصہ ھذا ویقع بباقیھا ای باقی الفاظ الکنایات المذکورۃ البائن ص ۴۶۶ ـــــ وایضا قال ویقع بالاخیرین وان لم ینو لان مع الدلالۃ لا یصدق قضاءً فی نفی النیۃ لانھا اقوی لکونھا ظاھرۃ والنیۃ باطنۃ اھ (ص ۴۶۵) ـــــ تمام جملوں کا جداگانہ حکم معلوم ہونے کے بعد اب اسکی ضرورت ھے کہ طلاق کے چند جملے جمع ہو جائیں تو کیا حکم ہوگا سو اس کا یہ قاعدہ ھے کہ۔ الصریح یلحق الصریح والبائن، والبائن یلحق الصریح لا البائن۔ متون کی یہی عبارت ھے مگر اس کا حل کسیقدر دقت سے خالی نہیں اس واسطے بدائع کی عبارت نقل کرتا ہوں جو بالکل واضح ھے۔

وھی ھذہ المرأۃ لا تخلو اما ان کانت معتدۃ من طلاق رجعی او بائن اوخلع فان کانت معتدۃ من طلاق رجعی یقع الطلاق علیھا سواء کان صریحًا او کنایۃ لقیام الملک من کل وجہ وان کانت معتدۃ من طلاق بائن اوخلع وھی المبانۃ او المختلعۃ فیلحقھا صریح الطلاق عند اصحابنا و اما الکنایۃ فھل یلحقھا یُنظر ان کانت رجعیۃً وھی الفاظ اعتدی واستبرئی رحمک وانت واحدۃ یلحقھا فی ظاھر الروایۃ۔ وجہ ظاھر الروایۃ ان الواقع بھذا النوع من الکنایۃ رجعی فکان فی معنی الصریح فیلحق الخلع والإبانۃ فی العدۃ کالصریح وان کانت بائنۃ کقولہ انت بائن ونحوہ ونوی الطلاق لایلحقھا بلا خلاف لأن الإبانۃ قطع الوصلۃ والوصلۃ منقطعۃ فلا یتصور قطعھا ثانیاً بخلاف الطلاق لانہ ازالۃ القید وازالۃ حل المحلیۃ وکل ذالک قائم اھ ملخصًا (ص ۱۳۴ - ج ۳)

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ طلاق بائن کے بعد کنایات بوائن سے تو طلاق واقع نہیں ہوتی۔ باقی سب صورتوں میں طلاق کے بعد طلاق واقع ہو جاتی ھے یعنی رجعی کے بعد تو صریح کنایہ رجعی بائن سب طرح کی طلاق واقع ہوتی ھے اور طلاق بائن کے بعد صریح طلاق کی دونوں قسم واقع ہوتی ہیں۔ خواہ رجعی ہو یا بائن اور کنایہ کی فقط ایک قسم یعنی رجعی واقع ہوتی ھے۔

اب صورتِ سوال میں غور کیا جائے تو واضح ہو جائیگا کہ جملہ اولیٰ سے ایک طلاق رجعی واقع ہو گئی تھی اور جملہ ثانیہ میں نیت شرط تھی جس کا خاوند کو اقرار نہیں ھے اس واسطے وہ بے اثر رہا اور جملہ ثالثہ سے دوسری طلاق رجعی واقع ہو گئی اور جملہ رابعہ سے تیسری طلاق ہو چکی جو فی نفسہ بائن تھی مگر بوجہ ثالثہ ہو نیکے مغلظہ ہو گئی۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

تتمۃ الجواب: یہ بات تو جواب ہی سے معلوم ہو گئی کہ زید ان تمام جملوں میں نیت نہ ہونیکا جو عذر کر رہا ہے وہ شرعًا مسموع نہیں اب دو عذر اور باقی رہے ایک یہ کہ: یہ اقرار خلاف واقع تھا۔ زید نے مصلحۃً جھوٹ بولا تھا ــــــ دوسرا یہ کہ پہلے جملے سے طلاق رجعی واقع مانی جائے اور بقیہ سے تاکید اور معافی مانگنے کو رجعت قرار دیا جائے سو عذر

اول کا جواب اس جزئیہ سے ہو جاتا ہے۔

ولو اقر بالطلاق کاذبًا او ھازلًا وقع قضاءً لا دیانۃً اھ شامی عن البحر وقال الشامی و یأتی تمامہ۔ ثم بین تحت قول الدر (او ھازلًا) مستوفی۔

اور دوسرے عذر کا جواب یہ ہے۔

فی الدر المختار: لو کرر لفظ الطلاق وقع الکل وان نوی التاکید دین وقال العلامۃ الشامی رحمہ اللہ تحتہ ای وقع الکل قضاءً وکذا اذا اطلق اشباہ۔

اور خسر سے معافی مانگنا اول تو رجعت نہیں دوسرے مغلظہ کے بعد رجعت سے کیا کام چل سکتا ہے۔ غرض یہ کہ زید جو اقرار پہلی درخواست میں کر چکا ہے اسکی رُو سے تین طلاق ہو چکیں اور اس کے عذر سب باطل ہیں۔ فقط والسلام۔

تنبیہ:۔ جو حکم شرعی اس سوال کی بناء پر ہمیں معلوم ہوا وہ مع دلائل تحریر کردیا گیا ہے باقی جناب قاضی صاحب نے جو فیصلہ کیا ہے اس کے متعلق بدون پورا فیصلہ اور اسکی وجہ دیکھے کچھ لکھنا ممکن نہیں ہے اگر قاضی صاحب کی روئداد میں اس سوال سے زائد کوئی بات ہو تب تو اختلاف جواب کا اختلاف واقعہ کی بناء پر ہوگا ورنہ اگر باوجود اتحاد سوال و جواب اختلاف ہو تو یہ بہتر ہے کہ یہ جواب قاضی صاحب کے ملاحظہ سے گذار دیا جائے اور ان کا جواب یہاں روانہ کر دیا جائے تا کہ جانبین کو غور کا موقع ملے۔ واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون۔ مورخہ ۳ جمادی الاولیٰ ۵۱ھ

الجواب مع التنبیہ صحیح
اشرف علی۔ ۴ جمادی الاول ۵۱ھ

(سوال) ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں کہ زید نے حالتِ غضب میں اپنی عورت کو کہا کہ "میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی" اور تخمیناً تین چار سال سے اس عورت کا حیض بند ہے اور نہ حال میں وہ سن ایاس کی حد تک پہنچی ہے پس اس تین بار کہنے سے تین طلاق ہو نگی یا نہیں؟ اور اگر حنفی مذہب میں واقع ہوئی اور شافعی مذہب میں مثلاً واقع نہ ہوئی تو حنفی کو شافعی مذہب پر اس صورتِ خاص میں عمل کرنیکی رخصت دی جائیگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

"طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی"، کہا تو باتفاق آئمہ اربعہ طلاق مغلظہ ہو جائیگی۔

جواب آمدہ مع السوال :-

هو المصوب :- ہاں! حضرت مولانا عبدالحیؒ صاحب مرحوم اپنی کتاب مجموعہ فتاویٰ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک تین طلاق واقع ہونگی اور بغیر تحلیل کے نکاح درست نہ ہوگا مگر بوقت ضرورت کہ اس عورت کا علیحدہ ہونا دشوار ہو اور احتمال مفاسد زائدہ کا ہو تقلید کسی امام کی کریگا تو کچھ مضائقہ نہ ہوگا نظیر اسکی مسئلہ نکاح زوجہ مفقود وعدت ممتدہ الطہر موجود ھے کہ حنفیہ عند الضرورت قول امام مالک پر عمل کرنیکو درست رکھتے ہیں چنانچہ رد المحتار میں مفصلاً مذکور ھے لیکن اولیٰ یہ ہے کہ وہ کسی عالم شافعی سے استفسار کر کے اسکے فتویٰ پر عمل کرے ۔ واللہ اعلم ۔ حررہ عبدالحیؒ عفاعنہ

اور تائید اس فتویٰ کا قول صاحب درالمختار علیہ رحمۃ اللہ الغفار ھے فی ص ۶۱۸

لو قضی مالکی بذالك نفذ کما فی البحر والنهر وقد نظمه شيخنا الخير الرملی الخ ۔

وفی رد المحتار : لانه مجتهد فيه وهذا كله موافق لما فی البزازية قال العلامة : والفتویٰ فی زماننا علی قول مالك ۔

وفی موضع آخر : امافی بلاد لا يوجد فيها مالكی يحكم به فالضرورة متحققة ۔

پس مولانا عبدالحیؒ صاحب مرحوم کی رائے اور درمختار و شامی صاحب کی رائے سے مستفاد ہوتا ہے کہ ضرورۃً اگر مطلق ثلاثہ امام شافعی صاحبؒ کے فتویٰ پر عمل کرے تو اسکی بیوی از سر نو پھر حلال ہو جائیگی ۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم وحکمہ احکم ۔

بر ضمیر مہر نظیر مخفی مباد کہ مسمّٰی سمن میاں ولد عبدالکریم مرحوم ساکن بالنگا زنِ خود را درحالت شدت غضب سہ طلاق دادہ بود و بعدہ خواست کہ بارِ دیگر آن زن مطلقہ را بعد تحلیلش اورا در نکاح خود آرد لیکن آن زن مذکورہ درممتدۃ الطہر مبتلاست وہنوز در منزلہ سن ایاس نرسیدہ وعلیحدگی آن زن مطلقہ یا مرد مطلق بوجہ کثرت اولاد از بطن آن زنِ مطلقہ بسیار دشوار ۔ لہذا این ہمہ ضرورتہا پیش نظر داشتہ دریں صورتِ خاص بر مذہب شافعی رحمۃ اللہ علیہ حکم دادہ شد یعنی بعد تجدید نکاح فیما بینہما باز سر نو زندگانی نماید زیراچہ " الضرورات تبيح المحظورات " کہ در اصول حضرات احناف رحمہم اللہ

تعالیٰ مشہور و معروف و اظہر من الشمس است پس از ماہرین فقہ واصول شریعت غراء مرجو ست کہ دریں مسئلہ خاص از نظر تحقیق وتدقیق کاروائی فرمایند کہ واقعیست فہم طلب تا از دائرہ عدل وانصاف تجاوز نفرمایند باقی عند التلاقی وانا اللہ الباقی۔

راقم الحروف ابوالحسن محمد فرقان غفرلہ ولوالدیہ المنان

ساکن سری دھرا پرگنہ پنچکھنڈ کلاں سلہٹ۔

قد علمت حقیقۃ الواقعۃ حیث کان عن ضرورۃ مُسوّغۃ واذا ثبتت الضرورۃ واشتدت الحاجۃ الی ذالک صح النقل الی ای مذہب من المذاہب الاربعۃ کما افتی بہ قاری الہدایۃ وغیرہ ولیس للحنفی ولا غیرہ ابطالہ ہذا ہو المفتی بہ عند المحققین من علمائنا۔ واللہ اعلم۔

وانا العبد الملام محمد اکرام غفرلہ ولوالدیہ اسلام من مضافات کریم گنج المولد سری دھرا

الجواب کما حررہ المجیب صحیح	لا مریۃ فیہ
معین الدین احمد عفی عنہ	محمد محفوظ الرحمٰن عفاعنہ
لاریب فیہ	الجواب الصواب
محمد طاہر عفا عنہ	محمد شرافت علی عفی عنہ۔

جواب از خانقاہ امدادیہ

مولانا لکھنوی سے اس مقام پر سخت لغزش ہوئی ہے انکے کلام میں دو جزو ہیں۔

اول یہ کہ: زوجہ مفقود کی طرح یہاں بھی ضرورت ہے اور یہ دونوں مخدوش ہیں امام شافعیؒ کی طرف اس قول کی نسبت بالکل غلط ہے۔ ائمہ اربعہ اور جمہور خلف وسلف کا صورت مذکورہ میں وقوع ثلاث پر اتفاق ہے جیسا کہ شرح مسلم للنووی اور فتح الباری سے واضح ہے اور توحد طلاق کا قول اجماع صحابہ کے خلاف ہے ہرگز قابل عمل نہیں دلائل دیکھنے کا شوق ہو تو فتح الباری اور عمدۃ القاری ملاحظہ فرمائیں۔ و نیز حضرت حکیم الامت مدظلہم العالی کا رسالہ "رد التوحد" (جو رسالہ النور ماہ شوال وذی قعدہ ۱۳۵۱ھ میں شائع ہو چکا ہے) قابل ملاحظہ ہے اور زوجۂ مفقود پر اسکو قیاس کرنا بھی ہرگز صحیح نہیں کیونکہ وہاں مذہب مالک اختیار نہ کریں تو اسکے واسطے کوئی سبیل ہی نہیں اور یہاں ایسا نہیں بلکہ اس خاوند کے علاوہ دوسرے اشخاص سے نکاح کرسکتی ہے اسی شخص پر کوئی ضرورت موقوف نہیں اگر یہ مرجائے تو کیا کرے؟

اگر ایسی ضرورتوں کا لحاظ کیا جائے تو ہر شخص اس کا دعویٰ کر سکتا ہے غرض یہ کہ یہ فتویٰ بالکل غلط ہے اسپر عمل کرنا بالکل جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون۔ مؤرخہ ۲۱ محرم الحرام ۵۲ھ

حکم الدیانۃ للاناث اذا سمعن من الازواج الطلقات الثلاث

(تنبیہ) اس جواب کا مبنی اس تشریح پر ہے جو علماء ثلاثہ نے اپنی تحریری فیصلہ میں محمد یوسف کے قول "میں تو کے طلاق دیہیوں" کے معنی کی ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ "میں نے تجھکو طلاق دی"، اگر ان کی یہ تشریح صحیح ہے اور اسی بناء پر عورت کو یقین کلی ہے کہ محمد یوسف نے اسکو دسوں مرتبہ طلاق دی۔ تو جواب وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا اور اگر یہ تشریح صحیح نہیں بلکہ اس لفظ میں اہل محاورہ کے نزدیک معنی ماضی کے ساتھ معنی مستقبل کا بھی احتمال ہے جیساکہ علماء ثلاثہ میں سے بعض نے یہ احتمال اپنی ایک تحریر میں ظاہر کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ "میں نے تو کے طلاق دیہیوں" کے معنیٰ "میں تجھکو طلاق دیدوں" بھی ہو سکتے ہیں تو اس کا فیصلہ وہاں کے اہل محاورات ھی کر سکتے ہیں کہ میں وہاں کے محاورات سے واقف نہیں اور اگر اس کلام میں یہ احتمال تھا تو علماء ثلاثہ کو اپنی تحریری فیصلہ میں اس احتمال سے تعرض لازم تھا اس احتمال کے ہوتے ہوئے جزم کے ساتھ یہ لکھنا کہ اس کا مطلب یہ ھے کہ "میں تجھکو طلاق دی"، بہت سخت مسامحت ھے جو اہل علم و اہل افتاء سے نہایت بعید ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون۔ ۱۴ رجب ۵۸ھ

(نوٹ:-) اس فتویٰ پر بعض علماء نے کلام کیا ھے جو درج کیا جاتا ھے۔ ۱۲ ظفر

قسط اول باسمہ سبحانہ

خلاصہ مسماۃ صغریٰ نے دعویٰ کیا کہ میرے شوہر محمد یوسف نے مجھے دسوں مرتبہ کہا کہ "میں تو کے طلاق دیہیوں"، تین قبول کری تھی۔ (یعنی میں نے تجھکو طلاق دیدی کیا تو قبول کرتی ھے) پھر میرے ساتھ جماع کیا۔ مدعی علیہ نے ایقاع طلاق کا انکار کیا۔ مدعیہ سے شہادت طلب کی گئی مگر وہ شہادت پیش کرنے سے قاصر رہی "مدعی علیہ" کو حلف دیا گیا اور اسکے حلف کے بعد حکم نے فیصلہ صادر کیا کہ طلاق ثابت نہیں ہوئی مگر کسی نے عورت مذکورہ کو فتویٰ دیدیا کہ تم عدت گذارنے کے بعد دوسرے آدمی کے ساتھ نکاح کر سکتی ہو چنانچہ مسماۃ مذکورہ نکاح پر

آمادہ ہوئی اور اس کا شوہر فوجداری مقدمہ دائر کرنیکی تیاری کرنے لگا اس لئے ذیل میں اس حادثۃ الفتویٰ پر بقدر ضرورت بحث کی گئی ہے۔

(تنبیہ) "میں تو کے طلاق دیہیوں الخ"، ایک ایسا لفظ ھے جو لب ولہجہ کے ادنیٰ تغیّر سے کبھی ماضی کا صیغہ اور کبھی مستقبل کا صیغہ بن سکتا ھے جیسا کہ مقامی زبان دان حضرات کا بیان ھے۔

بیان ۱ مدعیہ "میں تو کے طلاق دیہیوں تین قبول کری تھی"، (یعنی میں نے تجھکو طلاق دی کیا تو قبول کرتی ھے) دسوں مرتبہ کہا اسکے بعد جماع کیا اور یہ کہا کہ آج آخری ھے اسکے بعد یہ کہا کہ ھم صبح مہر دیکر مبارک پور جائینگے کام کرنے نہیں جائینگے دوکان پر۔ گواہ کوئی نہیں۔

علامت نشان انگوٹھا صغریٰ بنت ولی جان بقلم محمد ادریس

بیان ۲ محمد ادریس میرے سامنے لڑکی نے بار بار وھی الفاظ کہا جو وہ بیان کرتی ھے محمد یوسف نے ایک مرتبہ انکار کیا اسکے والد کے مارنے کیلئے اٹھنے پر اسکے علاوہ کچھ نہیں کہا۔

نشان انگوٹھا محمد ادریس پسر فتح محمد

بیان ۳ مدعی علیہ میں نے جماع کے بعد کہا کہ یہ آخری ھے۔ جماع سے پہلے میں نے طلاق کا کوئی لفظ نہیں کہا بعد میں کہا کہ میں مبارک پور صبح کو جاؤنگا وہاں ایک میرے دوست ان سے روپیہ لادونگا اگر وہ روپیہ دیں گے تو طلاق دیدونگا اور اگر نہیں دینگے تو اسکے علاوہ میں کچھ نہیں جانتا۔ یہ میرا بیان ہے۔ محمد یوسف بقلم خود۔ تاریخ ۴ر جون سنہ

فیصلۂ حکم حکمؒ نے زبانی فیصلہ صادر کیا کہ طلاق ثابت نہیں ہوئی اور مولوی اسلام الحق صاحب نے فریقین کو ذیل کی تحریر لکھکر دیدی۔

مولوی اسلام الحق کی لکھی ہوئی تحریر ہم دستخط کنندگان کے سامنے ایک عورت مسماۃ صغریٰ بنت ولی جان نے آکر یہ بیان کیا کہ میرے شوہر مسمّٰی محمد یوسف نے رات کے وقت دسوں مرتبہ یہ لفظ کہا کہ "میں تو کے طلاق دیہیوں"، (اس کا مطلب یہ ھے کہ میں نے تجھکو طلاق دی" اگر واقعی محمد یوسف نے یہ لفظ کہا ہو تو اسکی عورت مطلقہ مغلظہ ہوگئی اسکو چاھئے کہ اپنی بیوی سے دیانۃً علیحدہ رھے مگر چونکہ محمد یوسف بار بار دریافت کرنے پر اس لفظ کے کہنے سے بالکل انکار کرتا ھے بلکہ حلفیہ دریافت کرنے پر بھی انکار ہی کرتا ہے اور عورت مذکورہ شرعی بینہ سے اپنے دعویٰ کو ثابت نہیں کرسکی اس لئے طلاق ثابت نہیں ہوئی۔ والعلم عند اللہ۔ محمد اسلام الحق عفی عنہ مدرس مدرسہ دار العلوم مئو۔

محمد صابر۔ میرک شاہ عفا اللہ عنہ

استفتاء جو عورت مذکورہ نے مکرر کیا — کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بیان مذکورہ بالا سے طلاق ثابت نہیں ہوئی لیکن مجھے یقین کلیہ ہے کہ محمد یوسف نے مجھے دسوں مرتبہ طلاق دی اور میں پھر حلفیہ بیان کرتی ہوں کہ مجھے ذرا بھی شبہ نہیں ہے کہ محمد یوسف نے مجھے طلاق نہ دی ہو لھذا یہ امر دریافت طلب ہے اب مجھے محمد یوسف کے ساتھ رھنے میں کوئی گناہ تو نہ ہوگا؟

سائلہ مسماۃ صغریٰ بنت ولی جان۔

الجواب:- (تمہید) فریقین نے جن کا بیان ۱ تا ۳ میں درج ہے میرے پاس دعویٰ طلاق کا مرافعہ کیا۔ زبان سے ناواقفیت کی وجہ سے میں نے مولانا مولوی محمد اسلام الحق صاحب اور مولانا محمد صابر صاحب کو اثناء تحقیقات میں اپنے ساتھ شامل رکھا۔ اور جو الفاظ مقامی زبان میں کہے گئے انکے ترجمہ میں بھی ان ہی دونوں حضرات کے کہنے پر اعتماد کیا۔ مدعیہ مسماۃ صغریٰ بنت ولی جان نے دعویٰ کیا کہ میرے شوہر نے مجھے دسوں مرتبہ کہدیا کہ میں نے تجھکو طلاق دیدی کیا تو قبول کرتی ہے؟ محمد یوسف شوہر مسماۃ مذکورہ نے ایقاع طلاق کا انکار کیا اور صرف اس کا اقرار کیا کہ جماع کے بعد طلاق کا وعدہ کیا بشرطیکہ مبارکپور کے دوست سے مہر ادا کرنے کیلئے روپیہ مل جائے مدعیہ کے پاس بینہ (شہادت) نہیں شوہر کو قسم کیلئے کہا گیا جو اس نے کھائی اس لئے عدم ثبوت طلاق کا حکم شرعی فریقین کو سنایا گیا اور تحریر طلب کرنے پر مولانا اسلام الحق صاحب نے فریقین کو تحریر بھی دیدی جسمیں انفرادی طور پر شوہر کو نصیحت بھی کی گئی ہے اور جانبین کو بالاشتراک عدم ثبوت طلاق کا حکم بتایا گیا اس تحریر پر میرے اور مولوی محمد صابر صاحب کے بھی دستخط کرائے گئے تحریر مذکور وصول کرنے کے بعد مسماۃ مذکورہ کی طرف سے استفتاء مندرجہ بالا ۲ میرے سامنے ونیز بعض دوسرے علماء کے سامنے پیش کیا گیا جس میں وہ دیانت کا حکم اپنے متعلق دریافت کرتی ہے چونکہ اس مسئلہ میں دیانت کے پہلو متعدد ہیں اس لئے ذیل میں انکو درج کیا جاتا ہے اور اوپر کا حکم ۱ تا ۲ بسلسلۂ تحکیم فریقین کو دیا گیا ہے جو اس مسئلہ میں قضاء کا پہلو ہے اور اب جو کچھ لکھا جائیگا وہ محض ان احکام شرعیہ کا اظہار ہوگا جو اس مسئلہ میں انفرادی احکام کی حیثیت سے کتب فقہ میں منقول ہیں جیسے اس مسئلہ میں دیانت کا پہلو سمجھنا چاہئے جیسا کہ آگے آتا ہے۔

رجوع باصل مقصد۔

تمہید مذکور کے بعد سائلہ مذکورہ کو بالخصوص اور ناظرین کو علی العموم اطلاع دی جاتی ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف واقع ہوا ہے اس لئے جس قدر مسائل واقوال ہم کو اس باب میں

معلوم ہوسکے انکو ذیل میں درج کر کے آخر میں بتایا جائیگا کہ اقوال مذکورہ میں سے سائلہ کو کونسا قول اختیار کرنا چاہئے ونیز یہ کہ سائلہ کے بیان کے متعلق کتب فقہ میں دیانۃً کیا احکام ہیں جن پر انکو دیانۃً عمل کرنا ضروری ہے مسائل واقوال یہ ہیں۔

(قول اول) جس عورت نے اپنے شوہر سے یہ سنا کہ اس نے اسے طلاق دیدی ہے ۱ اور عورت مذکورہ شوہر کو اپنے سے دور کرنے اور روکنے پر بجز اس کے کہ اسکو قتل کرے قادر نہیں تو اسکو شوہر کے قتل کے ارتکاب کی اجازت ہے مگر خودکشی جائز نہیں۔

(در) سمعن من زوجها الخ

(ب۲) اوزجندی فرماتے ہیں کہ عورت مذکورہ کو قاضی کے پاس مرافعہ کرنا چاہئے اگر وہاں شوہر نے طلاق کا انکار حلفاً کرلیا اور عورت شہادت پیش نہ کرسکی تو گناہ مرد پر ہے اور اگر ارتکاب کریگی تو وہ بھی مباح ہے۔

(در) وقال الاوزجندی

(ج۳) عورت مذکورہ کو کسی حال میں شوہر مذکور کے قتل کا ارتکاب حلال نہیں بلکہ گناہ کا ذمہ دار شوہر ہوگا۔

(در) وقیل لا تقتله

(د۴، ھ۵) اوپر کے تینوں اقوال میں سے قول ثالث کو صاحب درمختار نے مفتی بہ قرار دیا ہے اور پہلے قول کے ذیل میں شامی نے محیط سے نقل کیا ہے کہ عورت مذکورہ کو سزاوار ہے کہ اپنا مال ومتاع دیکر شوہر سے اپنے آپ کو خلاص کرے یا یہ کہ اس سے بھاگ جائے اور اگر اسکی قدرت نہیں رکھتی ہے تو اس وقت قتل کریگی جبکہ یہ یقین ہوجائے کہ وہ وطی کریگا۔ مگر دواء کے ساتھ ورنہ تیز آلہ کے ساتھ قتل کے ارتکاب کی صورت میں قصاص واجب ہوگا۔

(رد) وینبغی لها ان تفتدی بمالها او تهرب۔

یہ پانچ اقوال درمختار اور شامی کی عبارات ذیل سے اخذ کئے گئے۔

سمعت من زوجها انه طلقها ولا تقدر علی منعها

---

۱ خط کشیدہ الفاظ ص۱۰۸ غور طلب یہ ہے کہ اقرار بالطلاق اور تلفظ بالطلاق میں فرق ہے ونیز یہ کہ زیر بحث مسئلہ ثانی ہے نہ کہ اول۔

من نفسها الا بقتله لها قتله بدواء ولا تقتل نفسها، وقال الاوزجندی ترفع الامر للقاضی فإن حلف ولا بینة فالاثم علیه وان قتلته فلا شی علیها وقیل لا تقتله وبه یفتی کما فی التتارخانیه وشرح الوهبانیه عن الملتقط ای والاثم علیه کما مر (در)

(قوله لها قتله) قال فی المحیط وینبغی لها ان تفتدی بمالها او تهرب منه وان لم تقدر قتلته متی علمت انه یقربها الخ (شامی ص۴۴۸ ج۲)

قوله وان قتلته الخ ۱ فادا باحة الامرین (شامی ص۴۴۹ ج۲)

(وقعہ) اگر عورت کو شوہر نے تین طلاق دیدیں پھر منکر ہوا تو عورت مذکورہ کو اس وقت جبکہ شوہر مذکور سفر میں ہوگا اعتداد[ع] کے بعد دیانۃً[عہ] جائز ہے کہ کسی دوسرے کے ساتھ مخفی طور پر نکاح کرکے حلالہ کرے اور شوہر مذکور کی واپسی پر اس سے یہ بہانہ کرکے کہ میرے قلب میں شک پیدا ہو رہا ہے تجدید ایجاب وقبول کراکے اسی کے پاس رہنے لگے لیکن قنیہ میں اس مسئلہ کو مختلف فیہا قرار دیدیا گیا ہے کہ بھاگ جانے پر قادر ہونیکی صورت میں عورت[عہ] مذکورہ کو دیانۃً تزویج مذکور کی اجازت نہیں کیونکہ جب[للعہ] اسکی تفریق کے ساتھ قضاء قاضی صادر نہ ہوئے اس وقت تک وہ شوہر اول کی زوجیت کے حکم میں برابر جکڑی ہوئی رہیگی۔

(بحر) لو طلقها ثلاثًا وانکر لها ان تتزوج بآخر وتحلل نفسها سرا منه اذ غاب فی سفر فاذا رجع التمست منه تجدید النکاح لشك اھ۔ وقد ذکر فی القنیة خلافًا فرقم للاصل بانها ان قدرت علی الهرب لم یسعها ان تعتد[ع] وتتزوج بآخر لانها[للعہ] فی حکم زوجته الخ۔ والحاصل انه علی جواب شمس الاسلام.... یحل لها ان تتزوج فیما بینها[عہ] وبین الله وعلی جواب الباقین لا یحل[عہ]۔ (اقول احدیانۃً لانه نفی لما اثبت قبله عبد)..... وقد نقل فی القنیة عن شرح السرخسی... طلق امرأته ثلاثًا وغاب عنها فلها ان تتزوج.... بعد العدة دیانۃً ونقل آخرانه لا یجوز فی المذهب الصحیح۔

(زعہ) عورت نے شوہر سے طلاق کے الفاظ سُن لئے مگر شوہر نے حلفًا انکار کیا اور قاضی نے

(بحر) وکذا لك سمعته طلقها ثم جحد وحلف الخ

عورت کو شوہر کے سپرد کردیا تو عورت مذکورہ کو نہ تو اس کے ساتھ رہنا جائز ہے اور نہ ہی کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کرسکتی ہے۔

ان دونوں قولوں علماء کا خلاصہ بقول علامہ بدیع کے یہ ہے کہ اوزجندی نسفی وغیرھما کے نزدیک دیانۃً نکاح ثانی حلال ھے اور باقی فقہاء کے نزدیک دیانۃً بھی نکاح ثانی حلال نہیں۔

(بحر) قال یعنی البدیع والحاصل انه علی جواب شمس الاسلام الاوزجندی ونجم الدین نسفی والسید ابی شجاع و ابی حامد السرخسی یحل لها ان تتزوج بزوج آخر فیما بینها وبین الله وعلی جواب الباقین لا یحل اھ (ای ان تتزوج بزوج آخر فی ما بینها الخ عبد)

(خ) شوہر نے عورت کو تین طلاقیں دیدیں پھر سفر میں چلا گیا اسکی عورت عدت کے بعد دوسرا نکاح دیانۃً ایک قول کے مطابق کرسکتی ھے مگر دوسری نقل کے مطابق مذہب صحیح یہ ہے کہ دیانۃً بھی نکاحِ ثانی ناجائز ھے اور دیانۃً بھی نکاح ثانی کے عدمِ جواز اور حرمت کو مذہب صحیح قرار دینے والے علماء ترجمان ہیں۔

(بحر) وقد نقل فی القنیة .... ما صورته طلق امرأة ثلاثًا وغاب عنها فلها ان تتزوج بزوج آخر دیانةً ونقل آخر انه لا یجوز فی المذهب الصحیح۔

(طٓ) مرد نے تعلیق طلاق کرلی اور شرط بھی پائی گئی جس کا علم ویقین عورت کو ہوگیا مگر مرد کو یہ گمان ھے کہ شرط نہیں پائی گئی اور ساتھ ہی ساتھ عورت کو اس کا بھی ظن غالب ھے کہ اگر وہ مرد کو خبر دے گی تو وہ تعلیق ھی کا انکار کریگا۔ تو اس صورت میں جب کبھی مرد غائب ہو جائے یعنی کسی سبب سے عورت مذکورہ کو اعتداد کے بعد حلالہ کی اجازت دیانۃً ہوگی مگر قضاءً نہ ہوگی یہ قول تو عمر نسفی کا ھے لیکن وہ اس کے ساتھ فتوٰی دینے کی اجازت اس عورت کے ساتھ

قال حلف بثلاثه

مخصوص کرتے ہیں جو قابل وثوق واعتبار ہو نا قابل اعتبار عورت کو وہ اس حکم کے ساتھ فتویٰ نہیں دیتے ہیں کیونکہ عورت مذکورہ کو نکاح دوم کرنے کی اجازت دینے کے بارے میں ممدوح نے سید ابوشجاع سے دو مرتبہ دریافت کیا آپ نے ایک مرتبہ جواز کا حکم لکھدیا دوسری مرتبہ فرمایا کہ جائز نہیں اور تطبیق کی صورت بقول عمر نسفی یہ ہے کہ جواز کا حکم صرف اس عورت کیلئے آپ نے دیدیا جو قابل اعتبار اور قابل وثوق ہو۔

(۱۰) دو شاہدوں نے شہادت دیدی کہ عورت کو اس کے شوہر نے تین طلاقیں دیدیں تو اگر اس کا شوہر سفر میں ہونیکی وجہ سے اس سے غائب ہے تو اس کو نکاح دوم کی گنجائش ہے اور اگر شوہر سفر میں نہیں تو عورت مذکورہ دوسرا نکاح نہیں کرسکتی ہے۔

مسئلہ کی یہ صورتیں (۶ سے ۱۰ تک) بحر الرائق کی عبارت ذیل سے اخذ کی گئیں۔

قالوا: لو طلقها وانكرها ان تتزوج بآخر وتحلل نفسها سرا منه اذا غاب فی سفر فاذا رجع التمسك منه تجديد النكاح لشك خالج قلبها لا لانكار الزوج النكاح وقد ذکر فی القنية خلافا فرقم للاصل بانها ان قدرت على الهروب منه لم يسعها ان تعتد وتتزوج بآخر لانها فی حكم زوجية الاول قبل القضاء بالفرقة ثم رمز لشمس الاسلام الاوزجندی وقال: قالوا هذا فی القضاء ولها ذالك ديانة وكذالك ان سمعته طلقها ثلاثا ثم جحد وحلف انه لم يفعل وردها القاضی عليه لم يسعها المقام معه ولم يسعها ان تتزوج بغيره ايضا قال يعنی البديع والحاصل انه على جواب شمس الاسلام الاوزجندی و

نجم الدین النسفی والسید ابی شجاع وابی حامد والسرخسی یحل لها ان تتزوج بزوج آخر فیما بینها وبین اللہ تعالیٰ وعلی جواب الباقین لا یحل اھ ـــــ قال المصنفؒ وقد نقل فی القنیۃ قبل ذالک عن شرح السرخسی ماصورتہ طلق امرأتہ ثلاثًا وغابت عنها فلها ان تتزوج بزوج آخر بعد العدۃ دیانۃً ونقل آخر انہ لایجوز فی المذہب الصحیح اھ. قلت: انما رقم لشمس الائمۃ الاوزجندی وھو الموافق لما تقدم عنہ والقائل بانہ المذہب الصحیح العلاء الترجمانی ثم رقم بعدہ لعمر النسفی وقال: حلف بثلاثۃ فظن انہ لم یحنث وعلمت الحنث وظنت انها لو اخبرتہ بنکر الیمین فاذا غابت انها بسبب من الاسباب فلها التحلل دیانۃً لا قضاءً قال عمر النسفی سألتُ عنها السید ابا شجاع فکتب انہ یجوز ثم سألتہ بعد مدۃ فقال انہ لایجوز والظاھر انہ انما اجاب فی امرأۃ یوثق بها اھ کذا فی شرح المنظومۃ وفی البزازیۃ شهد ان زوجها طلقها ثلاثًا ان کان غائبًا ساغ لها ان تتزوج بآخر وان کان حاضرًا لا لان الزوج ان انکر احتیج الی القضاء بالفرقۃ ولایجوز القضاء بها الا بحضرۃ الزوج اھ وفیها سمعت بطلاق زوجها ایاها ثلاثًا ولا تقدر علی منعہ الا بقتلہ ان علمت انہ یقربها تقتلہ بالدواء ولا تقتل نفسها وذکر الاوزجندی انها ترفع الامر الی القاضی فان لم یکن لها بینۃ تحلّفہ فان حلف فالاثم علیہ وان قتلتہ فلا شئ علیها ـ والبائن کالثلاث اھ ـ وفی التتارخانیۃ: وسئل الشیخ ابو القاسم عن امرأۃ سمعت من زوجها انہ طلقها ثلاثًا ولاتقدر ان تمنعہ نفسها ھل یسعها ان تقتلہ فی الوقت الذی یرید ان یقربها ولا تقدر علی منعہ الا بالقتل فقال لها ان تقتلہ وھکذا کان فتوی الامام شیخ الاسلام عطاء بن حمزہ ابی شجاع وکان القاضی الامام الاسبیجابی یقول لها ان تقتلہ وفی الملتقط وعلیها الفتویٰ۔

وفی فتاویٰ الشیخ الامام محمد بن الولید السمرقندی فی مناقب ابی حنیفۃ عن عبد اللہ بن المبارک عن ابی حنیفۃ ان لها ان تقتلہ۔

وفی المحیط فی مسئلۃ النظم: و ینبغی لھا ان تفتدی بمالھا او تھرب منہ فان لم تقدر قتلتہ متی علمت ان یقربھا ولکن ینبغی ان تقتلہ بالدواء و لیس لھا ان تقتل نفسھا قلت: قال فی المنتقی وان قتلتہ بالآلۃ یجب القصاص اھ (بحر۔ ص۶۲-۶۳ ج۲)

(یا۱۱) جب عورت کے پاس دو شاہد شہادت دیدیں کہ اس کے شوہر نے اسکو تین طلاقیں دیدی ہیں اور شوہر انکار کرتا ہے پھر دونوں شاہد مر گئے یا پردیس چلے گئے اور قاضی کے سامنے ان سے شہادت دلانے کا موقع نہیں ملا تو عورت مذکورہ کو نہ تو یہ جائز ہے کہ شوہر مذکور کے پاس رہے اور نہ یہ جائز ہے کہ اسکو جماع کرنے کا موقع دیدے پھر اگر قاضی کے سامنے مرافعہ ہوا اور زوج منکر نے حلف اٹھائی۔ شاہد بھی مر چکے ہیں اور قاضی نے عورت مذکورہ کو شوہر مذکور کے سپرد کر دیا تو اسکو جائز نہیں کہ شوہر مذکور کے پاس رہے بلکہ مال دیکر اپنے آپ کو خلاص کرے یا بھاگ جائے اور جب بھاگ جائیگی تو دیانۃً عدت گذار کر دوسرے نکاح کی گنجائش ہے جیسا کہ محیط میں مذکور ہے۔

(نوٹ) اس صورت ۱۱ میں وضع مسئلہ یوں ہے کہ عورت کے سامنے دو شاہد عدل (یعنی دو معتبر اور دیندار مرد) ادا شہادت کریں کہ اُسے زوج نے تین طلاقیں دیدیں اور ما نحن فیہ میں عورت نے خود اپنے شوہر سے سنا ہے کہ میں نے تجھکو طلاق دیدی کیا تو قبول کرتی ہے؟ اسلئے یہ مسئلہ (۱۱) زیر بحث حادثہ سے متفاوت ہے لیکن فی الجملۃ تشابہ کی بنا پر اس کا اندراج یہاں مناسب معلوم ہوا تاکہ مسئلہ کے دوسرا پہلو بھی سامنے آجائیں۔

یہ مسئلہ (۱۱) عالمگیری کی عبارت ذیل سے اخذ کیا گیا:

و اذا شھد عند المرأۃ شاھدان عدلان ان زوجھا طلقھا ثلاثاً وھو یجحد ذالک ثم ماتا او غابا قبل ان یشھدا عند القاضی لم یسعھا ان تقیم معہ وان تدعہ یقربھا فان حلف الزوج علی ذالک والشھود قد ماتوا فردھا القاضی علیہ۔ لا یسعھا المقام معہ و ینبغی لھا ان تفتدی بمالھا او تھرب منہ فان لم تقدر علی ذالک قتلتہ متی علمت انہ یقربھا لکن ینبغی ان تقتلہ بالدواء و لیس لھا ان تقتل نفسھا واذا

ھربت منہ لو یسعھا ان تعتد وتتزوج بزوج آخر قال الشیخ شمس الائمۃ الحلوانی فی کتاب الاستحسان ھذا جواب الحکم و اما فیما بینھا وبین اللہ تعالیٰ اذا ھربت فلھا ان تعتد وتتزوج بزوج آخر کذا فی المحیط (عالمگیری ص ج ۵)

تبصرہ :- اقوال مذکورہ میں سے قول اول ونیز قول دوم کی شق ثانی یعنی قتل کی اجازت کا قول بوجوہ ذیل ناقابل عمل ہے اول اسلئے کہ اجازت قتل کے مقابلہ میں حرمت وعدم جواز کے قول کو مفتی بہ قرار دیدیا گیا ہے۔ وقیل لا تقتلہ ۔۔۔۔ وبہ یفتی، درمختار باب الرجعۃ۔ لا یسعھا قتلہ وبہ یفتی۔ درمختار کتاب الرضاع ـــــ دوسرے اسلئے کہ اگر یہی صورت بجائے عورت کے مرد کو پیش آجائے تو اسکو عورت کے قتل کی اجازت کسی قول میں نہیں دی گئی ہے جیسا کہ درمختار میں ہے۔ لو لم یقدر ھو ان یتخلص عنھا و لو غاب سحرتہ وردتہ الیھا لا یحل لھا قتلھا و یبعد عنھا جھدہ اھ ـــــ لھذا عورت کو بھی قتل کی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔

تیسرے یہ اسلئے کہ عورت کو اس مسئلہ میں خودکشی سے منع کیا گیا ہے اور زہر کھلانے کی صورت میں حکومت وقت قتل کی سزا دے سکتی ہے۔ (جہاں تک مجھے معلوم ہے) لھذا قتل کی اجازت کسی حال میں نہیں ہونی چاہئے پس عورت کو کسی طرح بھی یہ جائز نہیں کہ شوہر کو قتل کرنیکا ارادہ کرے اور قول مذکور کو صاحب شامی کا قول معتمد قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ اسکی نقل درایت صحیح ہے نہ یہ مفتیٰ بہ ہونے کے لحاظ سے اسپر عمل کرنا جائز ہے، واللہ اعلم۔

قول ششم ونیز وہ تمام صورتیں جن میں عورت کو دیانۃً اختیار دیا گیا ہے کہ حلالہ کی غرض سے کسی شخص کے ساتھ شوہر کو بے خبر رکھکر نکاح کریگی یہ سب اقوال صاحب درمختار کے نزدیک غیر صحیح ہیں جیسا کہ باب الایلاء سے پہلے درمختار میں مذکور ہے،

وفیھا شھدا انہ طلقھا ثلاثاً لھا التزوج بآخر للتحلیل لو غائباً انتھیٰ قلت: یعنی دیانۃً، والصحیح عدم الجواز فتیۃ یعنی جب دو شاہد طلاق کی شہادت دیدینگے اور شوہر غائب ہو تو عورت حلالہ کی غرض سے دوسرا نکاح کرسکتی ہے۔ صاحب دُر اس مسئلہ کو بزازیہ سے نقل کرکے فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ یہ جواز نکاح

دیانت کا حکم ہے اور صحیح یہ ہے کہ عورت مذکورہ کو دوسرا نکاح کرنا جائز نہیں، جیساکہ قنیہ میں مذکور ہے۔ اور صاحب دُرمختار کے اس قول پر علامہ ابن عابدین نے اشکال وارد کیا ھے مگر وہ محض بحث ھے اسلئے اسکے ساتھ فتویٰ دینا ہرگز جائز نہیں جیساکہ اہل فن اور اصحاب مناسبت پر واضح ھے۔ علاوہ برآں یہ بھی زیر بحث حادثہ میں ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ جس مسئلہ پر بحث مذکور کیگئی ہے اسکی صورت یہ ہے کہ عورت کو دو مرد و زن کی شہادت عادلہ سے طلاق کا علم ہوجائے. اور زیر بحث مسئلہ میں عورت کو اس کے سوا کوئی علم نہیں کہ اسکے زعم کے مطابق اسکے شوہر نے اس سے دسوں مرتبہ یہ کہدیا کہ میں نے تجھکو طلاق دیدی الخ جیساکہ آگے آئیگا۔ مذکورہ بالا مقام کے علاوہ باب الرضاع کے آخر میں بھی صاحب درمختار نے نکاح ثانی کو ناجائز قرار دیا ہے چنانچہ احباب سے استفسار کرنے پر معلوم ہوسکا ہے اس قسم کے فتوے دینے والے اور اس پر عمل کرنے والے سب کے سب فوجداری دفعات کی زد میں آتے ہیں اور وہ دفعات عموماً اس مسئلہ کے حکم اور قضاء کے پہلو کے اعتبار سے شریعت کے خلاف بھی نہیں لھذا ایسے فتاوے کا نتیجہ اگر ایک طرف زناکاری اور اغواء کے عموم وفشو کی صورت میں نمودار ہوگا. تو دوسری طرف مقدمہ بازی اور گرفتاریوں کی بھرمار قانونی گرفت. شیوع فتن وفساد کی شکل میں سامنے آکر اسلام اور اہل اسلام ونیز علماء اسلام کے لئے نہایت ناشائستہ اثرات کا مثمر ہوگا۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا۔ ارباب فتویٰ کو ایسے مواقع پر فتح القدیر کے اس مسئلہ کا خصوصیت کے ساتھ لحاظ رکھنا چاھئے — والحق ان علی المفتی ان ینظر فی خصوص الوقائع ——— اور اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ اس قول کے مطابق فتویٰ دینے میں اخذ بالاحوط کا تحقق ہوتا ہے تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ اقوال مندرجہ بالا میں سے بہت سے ایسے اقوال ہیں جو اس قول سے کہیں زیادہ احوط ہیں۔ علاوہ برآں زیر بحث حادثہ میں اخذ بالاحوط کا تحقق بھی محل تامل ھے کیونکہ اگر عورت قول ثالث کے مطابق عمل کرکے شوہر منکر کے ساتھ زوجیت کے تعلقات کو بھی قائم رکھیگی تب بھی ایسا واقعہ بہت ہی شاذونادر پیش آتا ہے کہ مرد اس طرح طلاق دیدے کہ وہاں کوئی شاہد نہ ہو اور پھر طلاق دینے کا انکار بھی کرے برعکس آں جب یہ فتویٰ عام ہوگا کہ جو عورت یہ کہیگی کہ مجھے علم ویقین ہے کہ میرے شوہر نے مجھے طلاق دیدی ہے ایسی

عورت کو دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کرنیکی اجازت دیدی جاتی ھے تو زمانہ کے بدمعاش اور بردہ فروش ایسے فتاویٰ کو اپنے پیشہ کا خاص ذریعہ بنائینگے کیونکہ تجربہ سے معلوم ہوچکا ہے کہ بردہ فروشوں کے گروہ اس قسم کی جعلی سرگرمیوں کو عموماً اپنے کام کا ذریعہ بناتے ہیں لیکن تمام پہلو ٹھیک کرنے میں انکو صعوبتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں اسلئے ایسے سھل الوصول ہتھیار کو کیوں وہ ہاتھ سے جانے دینگے۔ لھذا ایسے فتاویٰ کے اصدار سے اجتناب اولی والزم ہے۔

عالمگیری میں ہے۔ ویحرم التساھل فی الفتاوی و اتباع الحیل ان فسدت الاغراض و سوال من عرف بذالک الخ (ص ۳۷۹ ج ۳)

یعنی فتویٰ دینے میں تساھل برتنا اور اغراض فاسدہ کا ہوتے ہوئے حیلے قائم کرنے حرام ہیں اسیطرح جو لوگ ایسے فتویٰ تیار کرتے ہیں ان سے مسئلہ پوچھنا بھی حرام ہے۔

بوجوہ مندرجہ بالا مسماۃ صغریٰ کو اس قول پر عمل کرنا جائز نہیں مگر سنا گیا ہے کہ مسماۃ مذکورہ کو کسی صاحب نے ذیل کا فتویٰ دیدیا ہے جسکی نقل بعینہٖ ذیل میں درج کی جاتی ھے۔

"صورت مسؤلہ میں جب عورت کو یقین ھے کہ اسکے شوہر نے اسکو طلاق مغلظہ دیدی تو اسکو جائز نہیں کہ اس شوہر کو اپنے اوپر قابو دے بلکہ اس سے علیحدہ ہوجائے اور عدت کے بعد کسی اور سے نکاح کرے دوسرا شوہر ہم بستری کے بعد اگر اسکو طلاق دیدے اور عدت گذر جائے تو وہ پھر محمد یوسف سے نکاح کرسکتی ہے اگر اس سے نکاح کرنا چاھے اور اگر اس سے نکاح کی طلب نہ ہو تو جس سے نکاح کرے اس کے پاس رہے"

اس فتویٰ میں صاحب فتویٰ کا یہ فرمانا کہ جب عورت کو یقین ھے کہ اس کے شوہر نے اسکو طلاق مغلظہ دیدی ہے الخ مسئلہ مذکورہ بالا یعنی والحق ان علی المفتی ان ینظر فی خصوص الوقائع الخ کی رُو سے قابل اعتراض ھے اسلئے کہ صاحب فتویٰ کے سامنے صغریٰ نے وہ بیان رکھا جسمیں اسکے دعویٰ کے الفاظ کا ترجمہ؏ یہ کیا گیا ھے کہ "میں نے تجھکو طلاق دی" پھر وہ استفتاء میں حلفیہ کہتی ھے کہ "مجھے ذرا بھی شبہ نہیں کہ محمد یوسف نے مجھے طلاق نہ دی ہو" اسلئے صاحب فتویٰ کو مستفتیہ کے پیش کردہ الفاظ میں غور کرنیکی ضرورت تھی کہ ایسے الفاظ کا فقہاء کے نزدیک کیا حکم ھے نہ کہ یہ لکھنا کہ جب عورت کو یقین ھے الخ کیونکہ "جب" اذا کا ترجمہ ھے اور

؏ یہ ترجمہ خود علماء ثلاثہ نے کیا ھے وھی اسکی صحت کے ذمہ دار ہیں۔

اذا[1] کا لفظ جزم کے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے گویا صاحب فتوٰی نے بھی مستفتیہ کے بیان سے اس حکم کا یقین کیا جسکا زعم بظاہر مستفتیہ نے کیا ہے حالانکہ مستفتیہ نے الفاظ پیش کرکے حکم دریافت کیا تھا چنانچہ اس سے مستفتیہ کے حواریین نے وقوع طلاق بالیقین کا حکم قطعی سمجھ لیا بہر کیف جب مسماۃ صغریٰ کو دیانت کا حکم بتلانا ھے اور اسمیں بعض احباب کو اتنا اصرار ھے کہ ہندوستان میں علماء بجز احکام دیانت کے کوئی فتوٰی ہی صادر نہیں کرسکتے ہیں تو الفاظ مذکورہ میں بھی دیانت کا پہلو ملحوظ رکھنا ضروری ہے اسلئے "میں نے تجھکو طلاق دی" کا ترجمہ فارسی میں یہ ہے کہ "من ترا طلاق دادم" اور قاضی خان میں مذکور ہے کہ اگر ان الفاظ سے ایقاع طلاق کی نیت کرلی تو طلاق واقع ہوگی اور اگر تفویض[2] طلاق کی نیت ہوگی تو طلاق نہیں پڑیگی اور اگر تفویض کی نیت نہ ہو تو طلاق پڑیگی۔

وان قال لها "من ترا طلاق دادم" ان نوی الایقاع یقع وان نوی التفویض لا یقع وان لم ینو التفویض یکون ایقاعًا ولو قال لها، لك الطلاق قال ابو حنیفۃ رح ان عنی به التفویض یدیّن واذا قامت من مجلسها بطل (خانیۃ بر ھامش عالمگیری ص ۲۱۹ و ۲۲۰ ج ۔ ۲)

خلاصہ یہ کہ "میں نے تجھکو طلاق دی" کے معنٰی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ میں تمہارے سپرد[3] طلاق کو کردی ہے۔ پس اگر تم اپنے آپ کو مطلقہ بنانا چاھتی ہو تو ایقاع طلاق اپنے اوپر کرسکتی ہو اور اس صورت میں مجلس میں صغریٰ اپنے آپ کو مطلقہ نہ بنانا تفویض مذکور کو سلب کرتا ہے۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ جو بیان مسماۃ صغریٰ کا ھمارے پاس[4] اسکے عکس انگوٹھا کے ساتھ محفوظ ہے اس سے یہی شق معلوم ہوتی ہے کیونکہ مسماۃ صغریٰ کہتی ہے کہ مجھ سے محمد یوسف نے یہ بھی دریافت کیا کہ کیا تم طلاق قبول کرتی ہو؟ اور اپنا کوئی جواب تو لاً بیان نہیں کرتی ھے بلکہ اسکے جماع اور اپنی تمکین کا[5] ذکر کرتی ہے لھذا دیانت کا فتوٰی دینے والا مفتی شرعًا اس کا مکلف ہے کہ اس احتمال کو نظر انداز نہ کرے

---

[1] عربی میں نہ کہ اردو میں۔ [2] اردو میں یہ لفظ محتمل تفویض نہیں۔ [3] اردو میں یہ معنٰی غلط ہیں۔

[4] قضاءً وقانونًا ایسا شخص مردود الشہادت ہے جو اولاً بیان میں قید بیان نہ کرے بعد میں اضافہ کرے۔

[5] یہ بھی علماء ثلاثہ کے اول بیان میں نہیں ھے لھذا یہ اضافہ بھی قضاءً رد ہے۔

خصوصاً جبکہ محمد یوسف کہتا ہے کہ میں نے جماع کے بعد اس سے طلاق دینے کا وعدہ اس صورت میں کیا تھا کہ مبارکپور جاکر اداءِ مہر کیلئے رقم اپنے دوست سے وصول کرسکوں۔ بالفرض اگر الفاظ مذکورہ کو ایقاع طلاق پر ہی محمول کیا جائے تب بھی حکم دیانت اسمیں صرف وہی نہیں جو صاحب فتویٰ نے تحریر فرمایا ہے بلکہ ایک احتمال یہ ہے کہ محمد یوسف نے پہلی مرتبہ ایقاع طلاق اور دوسری وتیسری وچوتھی سے لیکر جتنے مرتبہ تکرار کیا اس سے افہام کا ارادہ کیا ہو چنانچہ اگر وہ اس بیان کی تصدیق کرتا اور پھر یہی دعویٰ کرتا تو دیانۃً اسکی تصدیق کی جاتی خصوصاً اس صورت میں کہ " ما نحن فیہ " میں اس کا قرینہ موجود ھے جسکا اعتبار کرنا شرعاً ضروری ہے کیونکہ اگر ھم فرض کرلیں کہ پہلی مرتبہ کہنے سے محمد یوسف نے ایقاع طلاق مراد لی ہوگی اور باقی مرات سے افہام تو اس صورت میں جو جماع بعد میں واقع ہوا وہ حلال ہوگا اور مانا جائیگا کہ اس نے جماع کے ساتھ رجعت بالفعل کرلی۔ اور اگر ایسا نہ ہوا ہو تو صغریٰ کے بیان کے مطابق جماع مذکور اس صورت میں حرام واقع ہوا ہوگا کہ الفاظ مذکورہ سے تین طلاق واقع ہو چکی ہوں۔ قاضی خان میں ھے :

رجل قال لامرأته انت طالق انت طالق انت طالق وقال عنیت بالاولی الطلاق وبالثانیة والثالثة افهامها صدق دیانةً (ص۲۲۴ ج-۲ بہامش عالمگیری) راقم الحروف کہتاہے کہ دسوں مرتبہ کہنا افہام کا قرینہ ھے کیونکہ سہ طلاق واقع کرنے کیلئے تین مرتبہ کہنا یا ایک ہی مرتبہ سہ طلاق واقع کرنا کافی ہوسکتا ہے لھذا لامحالہ تین سے زائد مرات کو افہام وتاکید پر حمل کرنا ضروری ھے اسلئے اس جماع کو جو مسماۃ صغریٰ کے بیان کے مطابق بعد میں واقع ہوا فعل حلال پر محمول کرنیکی غرض سے پہلی مرتبہ کے علاوہ تمام مرات کو افہام پر حمل کرنا قواعد شرعیہ کے ساتھ اوفق ہے کیونکہ مسلمانوں کے افعال کو جہانتک ممکن ہو فعل مشروع پر محمول کرنا شرعاً معمول بہ ہے ان احتمالات کے ہوتے ہوئے مسماۃ صغریٰ کو حرمت مغلظہ کا یقین کرنا یا اسکو ایسا یقین رکھنے پر کسی کی تصویب کرنا بلادلیل بلکہ خلاف دلیل معلوم ہوتا ھے۔

ع۱ تکرار طلاق سے عورت کو تکرار ہی سمجھنا لازم ہے المرأة کالقاضی لا تقبل الا الظاھر۔ ع۲ جماع کا ذکر قضاءً قبول نہیں کیونکہ بعد میں اضافہ کیا گیا ہے اور عورت منکر ھے۔ ع۳ سبحان اللہ کیسا عمدہ قرینہ ھے کیا یہ نہیں کہہ سکتے کہ غصہ میں حد سے تجاوز کرگیا۔ ع۴ قاضی کو اور عورت کو ایسا کرنا جائز نہیں اور فتویٰ عدت کو دیا جارہا ہے۔

واللہ اعلم وعلمہ اتم ــــــ بلکہ اگر صغریٰ اپنے بیان میں صادقہ ہو تو اسکو صرف یہ یقین رکھنا جائز ہے کہ الفاظ مذکورہ میں نے اپنے کان سے سن لئے ہیں نہ یہ کہ ان الفاظ سے دیانت کی تاثیر حرمتِ مغلظہ پر بھی یقین کرلے کیونکہ الصریح یلحق الصریح قضاءً کا حکم ہے لھذا اگر وہ قضاء کی تابع رہنا چاہتی ہے تو اس کا دعویٰ بسبب عدم بینہ کے ساقط الاعتبار ہوچکا ہے اور اگر وہ دیانت پر عمل کرنا چاہتی ہے تو ظنوا بالمؤمنین خیراً کے مطابق اسکو اپنے شوہر کے اقوال وافعال کو سب سے پہلے اُن محامل پر محمول کرنا چاہئے جو شریعت کے مطابق ہوں ونیز جب احتمالات مذکورہ کی بناء پر وقوع طلاق مشکوک ہوا تو اسکو زوال نکاح کا یقین کرنا شرعاً ممکن نہیں کیونکہ شک سے یقین زائل نہیں ہوتا ہے۔ قال فی الاشباہ: "الیقین لا یزول بالشک" اسلئے اصول شرعیہ کے خلاف زوال نکاح کا ظن رکھنا اس کو جائز نہیں، قال تعالیٰ: ان بعض الظن اثم۔

یہاں تک فتویٰ مذکورہ کے حصہ اول پر بحث کیگئی۔ اب رہا اس کا حصہ دوم جس میں صاحب فتویٰ نے مسماۃ صغریٰ کو عدت گذار کر دوسرے نکاح کا حکم دیدیا ہے سو اسکے متعلق اوپر بتفصیل بحث ہوچکی ہے اسلئے اعادہ کی ضرورت نہیں بلکہ صرف اسقدر کہنا کافی ہے کہ یہ قول صاحب درمختار کے نزدیک غیر صحیح اور علامہ ترجمانی کے نزدیک مذہب صحیح کا خلاف ھے اور اس کا مذہب صحیح کا خلاف ہونا قنیہ اور شرح وھبانیہ اور درمختار ونیز شامی میں مذکور ومنقول ھے اور صاحب درمختار نے اسکے غیر صحیح ہونے پر جزم کیا اور صاحب شامی کے نزدیک غیر ہونیکو قضاء کے ساتھ مخصوص کرنا درمختار کی صریح وصاف عبارات کو ملحوظ رکھکر خلاف ظاہر کا ارتکاب ھے (ص۲۹۷ ج ۲) علاوہ بر آں اس سے مفاسد عدیدہ پیدا ہوسکتے ہیں، چنانچہ جس مقام میں زیر بحث حادثہ پیش آیا ھے وہاں کے متعلق سنا گیا ہے کہ اس مسئلہ پر کسی مولوی صاحب نے پیشتر ایک عورت کو جس کے پاس دعویٰ طلاق پر شہادت نہ تھی محض اس بناء پر شوہر مدعیٰ علیہ سے جدا ہونیکا حکم دیدیا کہ وہ کہتی ھے کہ مجھے طلاق کا یقین ھے چنانچہ عورت مذکورہ نے دوسری جگہ شادی بھی کی ھے اور ابتک وہ اس دوسرے شوہر کے ساتھ بود وباش کرتی ہے پھر کچھ عرصہ بعد دوسری عورت نے بھی یہی فتویٰ حاصل کیا مگر وہ مرگئی ورنہ وہ بھی اس وقت دوسرے مرد کے پاس ہوتی اور زیر بحث حادثہ تیسرا واقعہ ہے جس میں عورت دوسرے نکاح کی تیاری کرنے لگی تھی مگر راقم کے خلاف کرنیکی وجہ سے

اُسے قدرے جھجک پیدا ہوگئی ھے اور اسکے مآل کا کوئی فیصلہ ابھی کرنا ممکن نہیں۔ پس مفاسد عدیدہ کا وقوع بھی ہوچکا ہے تو میرے نزدیک اس جیسے حوادث میں اقوال و مسائل مذکورہ میں سے کسی ایسے قول کے ساتھ فتویٰ دینا چاھئے جو مفاسد سے خالی ہو۔ مثلاً زیر بحث مسئلہ میں صغریٰ کو اولاً یہ فتویٰ دینا[علے] چاھئے کہ وہ اپنے شوہر کے پاس چلی جائے اور نشوز کا ارتکاب چھوڑ دے کیونکہ اسکے وقوع طلاق پر کوئی دلیل معتبر شرعی موجود نہیں، اور اگر بالفرض وہ اس سے جدا ہونے پر ھی تل گئی ھے تو قول چہارم کے مطابق وہ صرف مال ادا کرکے اپنے آپ کو جدا کرنیکی کوشش کرے خصوصاً جبکہ زیر بحث حادثہ میں بتایا بھی جاتا ہے کہ مسماۃ صغریٰ کل کے کل زیورات لیکر شوہر سے بھاگ گئی ہے بہرکیف اسکو بحالت موجودہ کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کرنیکی اجازت دینا شرعاً کسی طرح بھی صحیح نہیں اور اسے قضاءً یا دیانۃً یہ جائز نہیں کہ محمد یوسف سے طلاق حاصل کئے بدون کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کرے اور اگر ایسا کریگی تو وہ نکاح قواعد شرعیہ کے مطابق باطل ہوگا کیونکہ محمد یوسف کے ساتھ اس کا نکاح متحقق ہونا ایک امر متیقن ھے جسکے زوال پر مسائل دیانۃ[علے] اور قواعد قضاء دونوں کے لحاظ سے بجز شکوک و اوہام کے اور کوئی دلیل شرعی قائم نہیں لھذا دوسرے نکاح نکاح علی النکاح صادق آئیگا۔

ایضاً ایک اور وجہ بھی مسماۃ صغریٰ کو سہ طلاق کے وقوع کے دعویٰ میں کاذب ٹھہرائی ھے کیونکہ اگر صغریٰ کو تین طلاق کے وقوع کا جزم و یقین ہوتا تو وہ شوہر کو وطی کرنے نہیں دیتی پس اس کا یہ اقدام (علی التمکین) اسکی تکذیب کرتا ہے، بدائع میں ایک اور مسئلہ کے ضمن میں مذکور ھے " انما یجعل القول قولھا اذا لم یسبق منھا مایکذبھا وقد سبق منھا مایکذبھا فی قولھا وھو اقدامھا علی النکاح من الزوج لان شیئاً من ذالك لایجوز الا بعد التزوج بزوج آخر والدخول بھا فکان علمھا مناقضاً لقولھا فلا یقبل (بدائع ص۱۸۹ ج ۲)

راقم الحروف کہتا ہے کہ صغریٰ کا دسوں مرتبہ یہ لفظ سننا کہ " میں نے تجھکو طلاق دیدی الخ " پھر اسکے بعد محمد یوسف کو وطی کرنے دینا اس امر کیلئے کافی ھے کہ صغری کو سہ طلاق

علے یہ فتویٰ بالکل غلط ہوگا جبکہ عورت کو طلاق ثلاثہ کا یقین ھے اس پر کسی نے بھی فتویٰ نہیں دیا۔ ظفر علے جب عورت خود ثلاث سن چکی ھے تو یقین زائل بہ یقین ہوگیا ہے الیقین لایزول بالشك کا یہاں موقعہ نہیں ہے۔ ظفر۔

کے وقوع کا علم ویقین نہیں تھا اور اگر وہ اس یقین وعلم کا دعویٰ کرتی ہے تو تمکین وطی اسکی تکذیب کرتی ہے کیونکہ وقوع ثلاث کے بعد حلالہ کے بدون یہ فعل جائز نہیں ہو سکتا ہے[1]۔

ایضًا زبان دان اور متدین علماء کے کہنے کے مطابق مسماۃ صغریٰ کا بیان کردہ لفظ (میں تو کے طلاق دیہیوں الخ) میں دیہیوں ایک ایسا لفظ ہے جو لب ولہجہ کے ادنیٰ تغیر سے کبھی ماضی اور کبھی مستقبل کا صیغہ بن سکتا ہے لھذا محمد یوسف کا بیان کہ "میں نے وعدۂ طلاق کیا" نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ھے بلکہ اس احتمال کو ناشی عن الدلیل ماننا بھی صحیح ھے کہ مسماۃ صغریٰ نے صیغہ (لب ولہجہ کی تفاوت کی وجہ سے) صیغہ ماضی سمجھ لیا ہو۔ اور اسمیں محمد یوسف کی تصدیق کرنا شرعًا ودیانۃً بھی صحیح ھے ــــــ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھن ناقصات العقل والدین۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم اجاب بہ الملتجی الی اللہ مختار اللہ۔ (المدعو)

میرک شاہ عفا اللہ عنہ وعافاہ

خادم الطلبہ بدار العلوم مئو

ضلع اعظم گڑھ ۵-۶-۵۸ھ یوم الاحد

(نوٹ) اس کلام پر یہاں سے یہ جواب لکھا گیا۔ ظفر

الجواب

خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون سے جو فتویٰ دیا گیا ھے اس کا اولاً وہ تحریر ھے جو علماء ثلاثہ کے دستخط سے مزین ھے (جن میں سے ایک صاحب کے یعنی آپ کے دستخط کو ھم بخوبی پہچانتے ہیں) جو انہوں نے واقعہ مذکورہ میں بطور فیصلہ کے دی ہے اس تحریر میں ھم دسوں مرتبہ یہ لفظ کہا کہ "میں تو کے طلاق دیہیوں" کی تشریح یوں کی گئی ھے کہ "میں نے تجھکو طلاق دی" اسکے بعد تین قبول کرے تھی کا اضافہ نہیں ہے جو طویل

---

[1] حفظت شیئًا وغابت اشیاء قال فی العالمگیریۃ عن النھایہ ولو قالت للاول حلت فتزوجھا ثم قالت الثانی لم یکن دخل بی فان کانت عالمۃ بشرائط الحل للاول لم تصدق والا تصدق ص۱۲۹ ج-۲ ۔ بدائع کی عبارت میں یہ قید رہ گئی ہے جس پر نہایہ نے تنبیہ کی ہے پس یہاں بھی عورت کو بوجہ جہل کے صادق کہا جائے گی۔ ظفر

تحریر میں بڑھایا گیا ہے اور اس سے تفویض کا احتمال[ع۱] پیدا کیا گیا ہے اگر یہ احتمال تھا تو فیصلہ کی
تحریر میں اس کا لحاظ واجب تھا اور یہ زیادت حذف کرنا جائز نہ تھی فیصلہ کی تحریر میں علماء
ثلاثہ نے اس لفظ کے تکرار کو موجب طلاق مغلظ تسلیم کیا ہے اور لکھا ہے کہ اگر واقعی محمد یوسف
نے یہ لفظ کہا ہو تو اسکی عورت مطلقہ مغلظہ ہوگئی اسکو چاہئیے کہ اپنی بیوی مذکورہ سے
دیانۃً علیحدہ رہے یہ بھی اسکی دلیل ہے کہ "میں تو کے طلاق دیہیوں" کے بعد اصل بیان میں
"تین قبول کرے تھی" نہیں ہے ورنہ دیانۃً بھی وقوع طلاق ثلاث کا جزم نہیں ہوسکتا
کیونکہ اس زیادت سے کلام محتمل تفویض ہوجاتا ہے حالانکہ علماء ثلاثہ بر تقدیر صحت
قول وقوع طلاق مغلظ کا دیانۃً جزم کر رہے ہیں۔ پھر یہ امر موجب حیرت ہے کہ شوہر کے
واقعی ایسا کہنے کی صورت میں بھی اسکو محض دیانۃً علیحدگی کا مشورہ دینے اور قضاءً اس پر
علیحدگی واجب نہ کرنے کا کیا مطلب ہے؟ کیا یہ مطلب ہے کہ عورت کو باوجود طلاق مغلظ
دینے کے اپنے سے جدا کرنا مرد کے ذمہ اس وقت تک واجب نہیں جب تک قاضی تفریق نہ کردے
اور اسکو یہ جائز ہے کہ دیانۃً اس سے علیحدہ رہے اور صورۃً اپنے نکاح میں باقی رکھے اگر
یہ مطلب ہے تو بداہۃً باطل ہے اور اگر یہ مراد نہیں تو دیانۃً علیحدہ رہنے کا اس صورت
میں کیا مطلب ہے جبکہ شوہر واقعی اسکو طلاق مغلظ دے چکا ہے۔

اسکے بعد علماء ثلاثہ نے حکم قضا بیان کیا ہے چونکہ شوہر اس لفظ کے کہنے سے انکار
کرتا ہے اور عورت بینہ قائم نہیں کرسکی اسلئے طلاق ثابت نہیں ہوئی قضاءً ان کا یہ حکم
صحیح ہے اس سے کسی کو انکار نہیں اسکے بعد عورت نے اپنے متعلق استفتاء کیا ہے کہ
بیان مذکورہ بالا سے طلاق ثابت نہیں ہوئی۔ لیکن مجھے یقین کلیہ[ع۲] ہے کہ محمد یوسف نے مجھے
دسوں مرتبہ طلاق دی اور میں پھر حلفیہ بیان کرتی ہوں کہ مجھے ذرا بھی شبہ نہیں کہ محمد یوسف
نے مجھے طلاق نہ دی ہو، چونکہ علماء ثلاثہ کی فیصلہ کن تحریر میں مسماۃ کے الفاظ مذکور
تھے اسکی تشریح بھی علماء ثلاثہ نے کردی تھی اب مستفتیہ سے الفاظ طلاق دریافت
کرنیکی ضرورت باقی نہ تھی کہ اس کا سوال اس بیان پر مبنی تھا اور وہ صاف کہتی

ع۱ یہاں یہ بتلادینا ضروری ہے کہ ہمارے محاورہ میں "میں تجھکو طلاق دی" طلقتك کا ترجمہ ہے جس میں
تفویض کا احتمال اصلاً نہیں۔ فارسی میں "ترا طلاق دادم" اگر محتمل تفویض ہو تو اس سے اردو میں یہ
احتمال نہیں چل سکتا۔ ظفر۔ ع۲ یقین کلی مراد ہے۔

ہے کہ مجھے یقین کلی ہے کہ محمد یوسف نے مجھے دسوں مرتبہ طلاق دی۔ اس پر مجیب کا یہ قول مبنی ھے کہ صورتِ مسئولہ میں جب عورت کو یقین ہے کہ اسکے شوہر نے اسکو طلاق مغلظ دیدی ھے الخ یہاں "جب" کے معنی "جس حالت میں" کے ہیں اسکو "اذا" کا ترجمہ قرار دیکر جزم پر محمول کرنا طرز افتاء سے نکل جاتا ھے دوسرے "ان و اذا" کا جو فرق لغت عربیہ میں ھے وہ اردو میں جاری نہیں یہاں بکثرت "اگر" کی جگہ "جب" اور جب کی جگہ "اگر" مستعمل ہوتا ہے بہرحال مستفتیہ کو خود اسکی ذات کیلئے فتویٰ دیانت کا یہاں سے یہ دیا گیا (اگرچہ وہ اپنے دعویٰ کو بینہ سے ثابت نہ کرسکی مگر) جب اسکو یقین ھے کہ شوہر نے طلاق مغلظ اسکو دیدی ھے تو اسکو جائز نہیں کہ اس شوہر کو اپنے اوپر قابو دے (یہ حکم ان تمام روایات میں جو جناب نے نقل کی ہیں متفق علیہ ہیں) بلکہ اس سے علیحدہ ہوجائے (یہ بھی تمام روایات میں متفق علیہ ھے) اور عدت کے بعد کسی اور سے نکاح کرے (اس میں آپ نے مختلف روایات نقل کی ہیں مگر ھمارے نزدیک محض اختلاف روایات نقل کرنا کافی نہیں درایت سے ان میں تامل لازم ہے ھم اس اختلاف کو قضاء ودیانت کا اختلاف سمجھتے ہیں یعنی قضاءً اسکو نکاح جائز نہیں کیونکہ ثبوت طلاق نہیں ہوا اور دیانۃً جائز ھے کیونکہ دیانۃً عورت کے نزدیک فیما بینھا وبین اللہ طلاق مغلظ ثابت ھے۔ والشیٔ اذا ثبت ثبت بلوازمہ ومن لازم الطلاق المغلظ ارتفاع النکاح وحل التزوج بزوج آخر۔ اس کے کچھ معنی نہیں کہ اس صورت میں عورت کو تمکین زوج سے منع کیا جائے اور اس سے علیحدگی واجب کی جائے اور نکاح کی اجازت نہ دی جائے پس یقیناً جن لوگوں نے اسکو نکاح بزوج آخر سے منع کیا ھے ان کا قول قضاء پر مبنی ھے اور اگر کسی نے دیانۃً بھی اسکو تزوج بزوج آخر سے اس صورت میں منع کیا ھے تو اس کا قول نص کے خلاف ھے۔ قال اللہ تعالیٰ: فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجًا غیرہ، نص میں طلاق مغلظ کے بعد عورت کو زوج اول پر حرام کرکے اسکو زوج آخر سے نکاح کا حق دیا گیا ھے جس میں تنکح کی اضافت عورت ہی کی طرف کی گئی ھے۔

اب رہی وہ مصالح ومضار جن پر اخیر میں روشنی ڈالی گئی ھے تو ان کے متعلق عرض ہے کہ جس طرح اس صورت میں عورتوں کو دیانۃً اجازت نکاح دینے میں ایک مفسدہ نظر آتا ہے اسیطرح دیانۃً اجازت نکاح نہ دینے میں دوسرا مفسد ھے کہ

جب شوہروں کو یہ معلوم ہوگا کہ جب تک شوہر طلاق کا اقرار نہ کرے اس وقت تک عورت اس سے علیحدہ نہ ہوسکے گی وہ طلاق کو کھیل بنالیں گے اور طلاق مغلظہ کے بعد زناکاری میں مبتلا رہیں گے اور عورتیں ان کے ظلم سے عاجز ہوکر ارتداد پر مجبور ہونگی جسکی نظائر بکثرت موجود ہیں۔ رہا یہ کہ بعض علماء نے دیانت کے اس فتویٰ کو عورت موثوق بہا کے ساتھ مخصوص کیا ہے تو یہ رائے قابل تسلیم ھے مگر موثوق بھا کا معیار کیا ہوگا؟ کیا مفتی اسکی تحقیق کرسکتا ہے۔ ظاہر ھے کہ دشوار ھے اسلئے ہمارے نزدیک آجکل معیار یہی ہے کہ جو عورتیں ان معاملات میں علماء سے رجوع کرتی ہیں وہ موثوق بھا ہیں فاسق عورتوں کو نہ طلاق مغلظہ کی پرواھے نہ بدون طلاق حاصل کئے کسی سے تعلق پیدا کرلینے میں حجاب نہ فتویٰ شرعی پر عمل کرنیکی ضرورت پھر جب فتویٰ کو عورت کے یقین کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے کہ جبکہ اسکو طلاق مغلظ کا یقین ہے تو حکم یہ ھے اگر وہ اس میں غلط بیانی کرے گی عنداللہ خود ذمہ دار ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

ظفر احمد عفا اللہ عنہ از تھانہ بھون

۱۲ر جمادی الثانی ۵۸ھ

(نوٹ) اسکے بعد جواب الجواب مولوی میرک شاہ صاحب کے پاس سے موصول ہوا جو درج ذیل ھے۔

جواب الجواب مع الجواب المجمل

باسمہ تعالیٰ

قسط دوم

(تمہید) ایک عورت مسماۃ صغریٰ اور اسکے زوج نے دعویٰ طلاق میں مجھے حَکَمْ بنایا مگر زبان نہ جاننے کی وجہ سے میں نے مولانا محمد صابر صاحب اور مولانا اسلام الحق صاحب کو اثناء تحقیقات میں شامل کیا مدعیہ نے طلاق کا دعویٰ کیا مگر شہادت پیش نہ کرسکی مدعی علیہ کو منکر ہونیکی وجہ سے حلف دیکر میں نے زبانی فیصلہ عدم ثبوت طلاق کا دیدیا۔

(ب) ہر فریق نے تحریر مانگی تو میں نے مولانا اسلام الحق صاحب سے کہدیا کہ آپ حکم شرعی سے انکو مطلع کریں اس پر موصوف نے وہ

دستخط تمام تحریر سے متعلق

تحریر لکھدی جسے علماء ثلاثہ کی تحریر سے تعبیر کیا جا رہا ہے لکھنے کے بعد فریقین کے اطمینان کیلئے میرے دستخط بھی اسپر کرائے لیکن میرے دستخط کا تعلق درحقیقت صرف عدم ثبوت طلاق کے حکم کے ساتھ تھا۔ جو میں نے بہ حیثیت حَکَم کے دیا تھا مگر مخالف کو حق پہونچتا ہے کہ وہ میرا حکم نامہ اسکو قرار دیکر مجھ پر اعتراض کرے لیکن اسکے باوجود میں نے اصلی واقعہ کو اظہار کیا تاکہ جس کو میری دیانت پر اعتبار ہو وہ اعتبار کرے اور جو اسکی پوری ذمہ داری میرے اوپر ڈالنا چاہے اسکو بھی میں کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ البتہ اظہار واقعہ کرنا میرے نزدیک ضروری تھا جو کیا۔

ہوتی ہے اگر تخصیص جزو مراد ہو تو اس کا اظہار لازم ہے خصوصًا تحریر فیصلہ میں اس کا لحاظ بہت ضروری ہے۔

(ج) اصلی واقعہ یہ ہے کہ فریقین نے مرافعہ اس طرح کیا تھا کہ گویا ہم پر دونوں کو اعتماد ہے اسلئے تحریر مذکور کے متعلق میں نے یہ خیال نہ کیا کہ یہی تحریر محل مناظرہ ہوگی اسلئے اگر اس میں کوئی کوتاہی تھی تو اس کا خیال میں نے نہیں کیا (مثل اسکے کہ "کیا تو قبول کرتی ہے" کہ یہ عورت کے بیان میں موجود تھا مگر مولانا اسلام الحق صاحب نے اسکو حذف کیا اور میں نے اس کا کوئی خیال نہ کیا کیونکہ خیال تھا کہ فریقین کو ہماری دیانت اور تحقیق پر اعتماد ہے اسلئے وہ تحریر انکے عمل کیلئے دیدی گئی تھی۔ مگر ان میں سے جس فریق نے اسکو اپنے جذبات کا خلاف سمجھا اس نے اسکو موضوع مناظرہ بنایا۔

مگر ہر حال میں تحریر ناقص نہ ہونا چاہیئے، صاحب اعتماد کو بھی ناقص تحریر دینے کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ دوسروں کو اُسے شک میں ڈالنے کا موقع ملتا ہے۔

(د) چونکہ اسمیں گفتگو کی طوالت کا احتمال ہے اسلئے حصہ گذشتہ کو قسط اول اور اس حصہ کو قسط دوم سے موسوم کرتا ہوں۔

(ہ) مدعیہ کا بیان قلم بند کرا کے اسپر انگوٹھا اس کا ثبت ہے اسیطرح مدعیٰ علیہ اور محمد ادریس کا بیان بھی انکے دستخطوں کے ساتھ موجود ہے صرف حکم شرعی کا اصدار میں نے اتایی کیا تھا۔ اسلئے میری گذارش ہے کہ بہ حیثیت تحکیم میرا حکم صرف عدم

ثبوت طلاق کو مان لیا جائے (مگر اسکی پابندی صرف ان پر واجب ھے جو میرے اظہار کو صادق وصحیح تسلیم کرنے پر آمادہ ہوں۔
انتھی التمہید۔

جواب الاجوبۃ

میری طویل تحریر کے جواب میں یہ فرمانا کہ "کیا تو قبول کرتی ھے؟" اضافہ ھے اسلئے میرے اوپر موجب اعتراض نہیں ہونا چاھئے کہ میرے قلم سے طویل تحریر سے پہلے کوئی تحریر نہیں نکلی ہاں مولانا اسلام الحق صاحب کی تحریر پر میرے دستخط ضرور ہوتے جسکی کیفیت تمہید میں لکھ دی گئی۔ اسلئے آپ (یعنی مولانا ظفر صاحب) کے پہلے فتوی میں اگر اس فقرہ کا اعتبار نہیں کیا گیا ھے تو اسپر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا بلکہ اسپر ھے جس نے سوال کیا اس کو چاھئے تھا کہ عورت کا وہ بیان جو اس کے نشان انگوٹھا کے ساتھ ھمارے پاس موجود ھے وہ سارا انکی خدمت میں بھیجدیتا۔

اسیطرح الضافاً میرے اوپر بھی اعتراض نہ ہونا چاھئے کیونکہ میں نے جو تحریر اپنے قلم سے لکھی اسمیں میں نے فقرہ کو دکھایا۔

وہ بھی حکماً آپ ھی کی تحریر ھے کمامر۔

مگر وہ جاہل ھے اسکو آپ کے حذف سے یہ گمان ہوسکتا ھے کہ حصہ محذوفہ کو حکم میں دخل نہیں ھے۔

مگر جس پر دستخط کئے اس میں نہ دکھلایا حالانکہ وہ فیصلہ کن تحریر تھی اسلئے آئندہ ایسی ناقص تحریر پر ص ح

ص ح دستخط کرنے سے ھمیشہ اجتناب کرنا چاھئے واقعہ یہ ھے کہ میں نے آپ کے دستخط دیکھکر ھی محمد یوسف کے الفاظ پر تنقیح کی ضرورت نہ سمجھی کیونکہ میں آپ سے واقف ہوں کہ ماشاء اللہ فہیم وسلیم ہیں بدون کافی تحقیق کے کسی تحریر پر دستخط نہ کریں گے جب آپ کی دستخطی تحریر میں الفاظ زوج کی تشریح اور اس کا بوجہ تکرار موجب طلاق مغلظ ہونا دیکھ لیا اس وقت دیانت کا فتوی دیا اور اسکو آپکے فتوی کا معارض نہ سمجھا کیونکہ آپ بطور حکم کے عدم وقوع طلاق کے فیصلہ پر مجبور تھے کیونکہ جب مسماۃ صغری کے بیان پر فتوی دینا ہے تو یہ فقرہ نہایت اھم ھے بہرحال جس تحریر کو علماء ثلاثہ کی تحریر فرمایا گیا ھے اصل

واقعہ پر مطلع ہونے کے بعد اسکی حیثیت محسوس کرکے مسماۃ صغریٰ کے بیان پر متوجہ ہونیکی ضرورت ہے لھذا موضوع بحث میری طویل تحریر کو بنانیکی درخواست کرتا ہوں۔ کیونکہ میرا مقصود مناظرہ نہیں بلکہ مسئلہ کی اصلیت واقعہ میں حکم صواب کا معلوم کرنا اور اسکو مسلمانوں تک پہونچانا ہے۔ فاقول و باللہ التوفیق۔

مسماۃ صغریٰ کا یہ بیان ہے کہ میں نے اپنے شوہر سے دسوں دفعہ سنا کہ "میں نے تو کے طلاق دیہیوں کیا تو قبول کرے تھی"؟ پھر اس نے جماع کیا اور کہا کہ یہ آخری ہے الخ اور شوہر کا بیان یہ ہے کہ میں نے جماع سے پہلے طلاق کا کوئی لفظ نہیں کہا بلکہ جماع کے بعد عورت سے وعدہ کیا کہ طلاق دونگا الخ۔ عورت کے پاس شہادت نہیں شوہر نے ایقاع طلاق کا انکار کرکے حلف اٹھائی۔

حَکَم کو بحیثیت حَکَم بجز اسکے کہ وہ عدم ثبوت طلاق کا فیصلہ دیدے اور کوئی حکم صادر کرنا واجب نہیں تھا اور نہیں اس وجوب کو مولانا (ظفر صاحب) نے ظاہر کیا ہے کیونکہ حَکَم بمنزلۂ قاضی ہوتا ہے (تفسیرہ ای التحکیم) تصییر غیرہ حاکما فیکون فیما بین الخصمین کالقاضی فی حق کافۃ الناس۔ عالمگیری صفحہ ۴۶۸ ج-۳) — مگر اس وجوب کو ہمارے حاسدوں نے مولانا ظفر احمد صاحب کے فتویٰ کی تصدیق کے سلسلہ میں اسلئے لکھدیا کہ ہم پر اعتراض کریں اور جن عوام پر اس قسم کی حرکات سے انہوں نے تسلط پایا ہے انکے سامنے ہمارے فیصلۂ شرعی کو غلط ثابت کریں چنانچہ انکی تصدیق کی عبارت کا ابتدائی حصہ یہ ہے "جوبات مولانا ظفر احمد صاحب نے لکھی ہے صحیح ہے اور پہلے مفتیوں پر بھی اس کا اظہار واجب تھا الخ"

انہوں نے مفتیوں پر وجوب کو ظاہر کیا ہے و لا نزاع فیہ حکم پر واجب نہیں کہا پس ممکن ہے کہ انہوں نے علماء ثلاثہ کو مفتی سمجھا ہو قاضی نہ سمجھا ہو۔

چونکہ یہ فقرہ تعریضاً لکھا گیا اور اسکے بعد عوام کو سمجھایا گیا جس سے علماء ثلاثہ کو عوام نے (نیز مسماۃ صغریٰ کے حمایتیوں نے مورد سبّ وشتم بنایا۔

عوام کا یہ فعل معصیت ہے۔

بلکہ ان میں سے بعض پر حملے کی سازشیں ہو رہی ہیں اسلئے یہ امر بالصراحت محتاج بیان ھے کہ کیا حَکَمْ پر اس کا اظہار بھی واجب تھا یا یہ کہ حسّاد کا ایسا لکھنا صحیح نہیں ہے درآں حالیکہ قاضی شُریح کا یہ مقولہ بھی السنۂ علماء پر دائر و سائر ہے کہ مسند قضاء پر متمکن ہونیکی حالت میں جب کسی نے ان سے فتویٰ دریافت کیا تو یہ جواب دیا "انی اقضی و لست افتی"۔ اس بارے میں اپنی صریح رائے تحریر فرما کر ایک نزاع بے معنیٰ کو ختم کرا دیجئے۔ کیونکہ اس پیوند کو اب آپ کے فتویٰ کو جزء بنا کر کام میں لایا جاتا ھے۔

حَکَمْ پر قضاء کا اظہار واجب ھے فتویٰ دیانت بوقت قضا ظاہر کرنا واجب نہیں۔ بلکہ خلاف حکم قضاء ھے۔

دیانت و قضا کا تزاحم

مسائل دیانت فقہ کی اصطلاح میں ان مسائل کو کہتے ہیں جن میں انفرادی حکم بتایا جائے اور قضاء میں نحن نحکم بالظاہر کے قاعدہ کے مطابق فریقین کو اجتماعی حیثیت سے حکم شرعی کا پابند کیا جاتا ھے ان دونوں حکموں میں کبھی تزاحم نہیں ہوتا ھے اور کبھی ہوتا ھے مثلاً کسی نے رویت ھلال کرلی اور قاضی نے اسکی شہادت رد کردی تو اسکو دیانۃً روزے رکھنے ہونگے اگرچہ تمام لوگ مفطر ہی رہیں اس میں کوئی تزاحم نہیں اور تزاحم کی صورتوں میں سے زیر بحث حادثہ بھی ھے جس میں شوہر حلفاً ایقاع طلاق کا انکار کرتا ھے اور زوجہ حلفاً بیان کرتی ھے کہ میں نے الفاظ طلاق اس سے سن لئے اس لئے قاضی اور حَکَمْ کا حکم یہ ہوگا کہ طلاق ثابت نہ ہوئی اور عورت کو شوہر کے پاس جانے کا حکم قاضی کو قضاء کے سلسلہ میں دینا پڑیگا۔ کیونکہ اس کے پاس دعویٰ ثابت نہ ہوا اور یہی منصب حَکَمْ کا بھی ھے ——— (قولہ عند قاض ھل المحکم مثلہ؟ - قلت : الظاھر نعم لانھما انما فرقوا بینھما فی انہ لا یحکم بقصاص وحدٍ ودیۃ علی عاقلۃ الخ (شامی ص۴۰۲ ج-۲) لیکن اسی حادثہ میں چار آدمی دیانت کے سلسلے میں استفتاء کر سکتے ہیں ایک وہ عورت جس نے الفاظ طلاق خود سن لئے کہ وہ اب کیا کرے جبکہ اس کا دعویٰ عدم شہادت کی وجہ سے ثابت نہ ہوا اور اگر اسکو وقوع طلاق کا فتویٰ دیا جائے تو دوسرے کے ساتھ نکاح کر سکتی ھے یا نہیں؟۔ دوّم اس کا شوہر جس نے طلاق کا ایقاع ہرگز نہیں کیا ھے کہ وہ اس عورت کو اپنے پاس

پکڑ لیگا اور جبراً اس کو اپنی زوجہ بنائے رکھیگا یا یہ کہ جو فتویٰ اسکی عورت کو دیانۃً دیا گیا ھے وہ اسپر بھی حاوی ھے۔ تیسرا[۳] وہ مرد جس کے ساتھ عورت مذکورہ دوسری شادی کرنا چاہیگی کہ کیا اسکو شرعاً جائز ہے کہ عورت مذکورہ کو مطلقہ سمجھے (بناءً علی اقرارھا) یا اس پر یہ واجب ھے کہ اس کو منکوحۃ الغیر جان لے (بناءً علیٰ بیانہ وانکارہ مع الیمین) چوتھے[۴] وہ تمام لوگ جو مدعیہ اور مدعی علیہ کے علاوہ ہیں کہ آیا انکو وقوع طلاق کا عقیدہ رکھنا چاھئے یا عدم وقوع کا؟ نیز اگر عورت نے اس فتویٰ پر عمل کرنے کا ارادہ کیا جو اسکو دیا جائے (کہ وہ شوہر مذکورہ سے جدا ھے یا جدا ھی رھے اور نکاح دوم بھی کر سکتی ھے) تو کیا عورت مذکورہ کے علاوہ دوسرے لوگوں کو یہ جائز ھے کہ عورت کی حمایت کریں اور شوہر سے جدا رہنے میں اسکی اعانت کریں درآں حالیکہ شوہر کو اس کے بیان کے مطابق دیانت کے سلسلہ میں یہ فتویٰ دیا گیا ہوگا کہ اسکی عورت ناشزہ ہے تو اعانت کرنے والے اگر عورت کے فتویٰ کے مطابق معین علی الطاعۃ ہیں تو مرد کو جو فتویٰ دیا گیا ھے اسکے مطابق معین علی المعصیت والنشوز ہونگے اسیطرح جس مفتی نے مرد کو اسکے بیان حلفی کی بناء پر یہ فتویٰ دیا ہو کہ عورت تمہاری منکوحہ ھے اور اسکی جدائی نشوز ھے تم اسکو جبراً اپنے پاس رکھ سکتے ہو یا جس حکم نے عدم ثبوت طلاق کا حکم دیا ہو تو کیا عورت کے علاوہ کسی مسلمان کو یہ جائز ھے کہ مفتی مذکور یا حکم مذکور کو گالیاں دلائے یا دیدے اور انکے خلاف مظاہرے کرے اور انکو بدنام کرکے بازار میں انکو بدنام کرکے نیکلیئے آڑے بنائے اور لٹھ بند غنڈوں کو اپنے حمایتیوں کی معیت میں مذکورہ بالا مفتی یا حکم کی آبرو لینے کیلئے بالواسطہ یا بلاواسطہ کوشش کرے۔

یہ عمل معصیت ھے اسکی کسی حال میں اجازت نہیں۔

اسیطرح اگر مرد نے عورت مذکورہ کو اپنی منکوحہ غیر مطلقہ سمجھکر اسکو جبراً اپنے پاس رکھنے کا ارادہ کیا تو دوسرے لوگوں کو اسکی اعانت کرنی جائز ھے یا موجب معصیت ھے؟

میرے نزدیک واللہ اعلم بالصواب ان سوالات کا جواب یہ ھے کہ علیك بخویصۃ نفسك کے مطابق مرد کو جائز ھے کہ عورت کو فیما بینہ وبین

اللہ اپنی منکوحہ غیر مطلقہ سمجھے اور بشرط اقتدار اسکے ساتھ منکوحہ غیر مطلقہ کے معاملات برت لے اور عورت کو ضروری ھے کہ وہ فیما بینھا وبین اللہ اپنے آپ کو مرد سے جدا سمجھے اور حتی المقدور جدا رکھے بشرطیکہ اسکو کسی نے ایسا فتویٰ دیدیا ہو اور ان دونوں کے علاوہ کسی مسلمان کو حلال نہیں کہ واقعہ سے باخبر ہونیکی صورت میں عورت مذکورہ کے ساتھ نکاح کرے کیونکہ عورت مذکورہ کا بذریعہ نکاح کے مرد مذکور کی منکوحہ ہونا بالیقین معلوم ہے اور یہ معلوم ہونیکے بعد عورت کا حلفیہ بیان بلا شہادت کے زوال نکاح کیلئے دلیل یقینی نہیں لھذا تیسرے آدمی کو نکاح و زوال نکاح مذکورین کے متعلق الیقین لایزول بالشک کی پابندی ضروری ھے اسلئے کسی مسلمان کو اسکے ساتھ نکاح کرنا حلال نہیں ہونا چاھئے چنانچہ تحقق وتیقن زوجیت کے بعد بمتصل زوال زوجیت کے عدم تحقق کی صورت میں بقاء زوجیت کا حکم شامی کی عبارت ذیل سے تقریبًا بالتصریح معلوم ہوتا ھے جو ایک اور مسئلہ کے ذیل میں کتاب مذکور میں مذکور ھے۔

اس سے مسئلہ زیر بحث میں استدلال نہیں ہوسکتا مسماۃ نے جو الفاظ بیان کئے ہیں وہ مہمل یا مصحف نہیں وہ ایسے الفاظ ہیں جنکے تکرار کو خود علماء ثلاثہ نے موجب طلاق مغلظ دیانۃً تسلیم کیا ھے۔

قلت: و اما الجواب بان وقوع الطلاق للاحتیاط فی الفروج فھو مشترک الالزام علی انہ لا احتیاط فی التفریق بعد تحقق الزوجیۃ بمجرد التلفظ بلفظ مہمل او مصحف بل الاحتیاط بقاء الزوجیۃ حتی یتحقق المزیل (شامی صـ۳۷۲ ج-۲)

یہی حکم مدعیہ اور مدعی علیہ کے علاوہ دیگر تمام مسلمانوں کا بھی ہونا چاھئے کہ وہ نکاح کو متحقق سمجھیں جسکی دلیل انکے لئے استصحاب حال اور الیقین لایزول بالشک ونیز الاحتیاط بقاء الزوجیۃ حتی یتحقق المزیل وغیرہ ھے اور عورت کو وقوع طلاق کی مدعیہ سمجھ لیں لیکن اسکی کسی قسم کی حمایت کرنا خلاف شرع سمجھ لیں کیونکہ مدعی کو محض اسکے دعویٰ کی بنا پر کچھ دینا شرعًا جائز نہیں۔

حدیث کا تعلق دیانات سے نہیں بلکہ قضاء سے ھے لفظ لویعطی الناس اس کا قرینہ ھے دیانۃً صاحب دعویٰ اگر حق پر ھے اسکو اپنا حق جس طرح ہوسکے وصول کرنا جائز ھے مسئلۃ الظفر بجنس

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو یعطی الناس بدعواھم لادعی ناس دماء رجال و اموالھم ولکن الیمین علی المدعی علیہ (مسلم)

اس حدیث سے ما نحن فیہ کے متعلق یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت کا قسم کھا کر بیان کرنا بے اثر ہے کیونکہ اس پر حلف عائد نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کا قسم کھا کر بیان کرنا اسکے لئے مضر ہو سکتا ہے۔ ویحلفون ولا یستحلفون اسیطرح یہ بھی معلوم ہوا کہ محض دعویٰ کرنے سے مدعی کو کچھ نہیں دیا جا سکتا ہے۔

اور "یہ کچھ نہ دینا" جسطرح بالاتفاق قاضی کیلئے تنفیذ کی حیثیت سے معمول بہ ہے اسیطرح غیر قاضی یعنی عام مسلمین کیلئے اعتقاد و اعانت کی حیثیت سے واجب العمل ہونا چاہئے کیونکہ الفاظ میں کوئی خصوص موجود نہیں۔ اسیطرح دوسری احادیث بھی ہیں جن میں بے سوچے سمجھے اصل واقعہ سے بے خبر ہو کر کسی کی جانب داری کی مذمت وارد ہوئی ہے۔

حقہ ملاحظہ ہو دیانۃً جن لوگوں کے نزدیک قاضی کا فیصلہ اور شوہر کا بیان صحیح ہے وہ اس پر اعتقاد و عمل کے مکلف ہیں اور جن کے نزدیک عورت کا بیان صحیح ہے لکونھا ثقۃ عندھم وہ اسکے بیان پر اعتقاد و عمل کر سکتے ہیں کما سیأتی اور دیانات میں خبر واحد پر عمل جائز ہے۔

یعنی قضاءً

لیکن اگر کسی کو عورت کے بیان پر بوجہ اسکے صدق کے وثوق ہو وہ اسکے قول پر اپنے قلب کی شہادت سے عمل کر سکتا ہے قال فی الدر: قالت امرأۃ طلقنی زوجی وانقضت عدتی لاباس ان ینکحھا اھ قال الشامی عن الخانیۃ: ان کانت ثقۃ اولم تکن ووقع فی قلبہ صدقھا فلاباس بان یتزوجھا اھ

ما نحن فیہ میں مسماۃ صغریٰ کو دیانۃً کیا فتویٰ دینا چاہئے یہ مخصوص توجہ اور غور کا محتاج ہے کیونکہ اس کا شوہر ایقاع کا منکر ہے اسلئے صرف ان الفاظ پر فتویٰ کا ترتب ضروری ہے جو اس نے

منکوحۃ الغیر دعویٰ طلاق کرتی ہے اور اسکو قبول کیا جاتا ہے حالانکہ ثبوت نکاح متیقن ہے اور طلاق کا دعویٰ صرف عورت کی طرف سے ہے آپ کے قاعدہ پر یہ دعویٰ قابل قبول نہ ہونا چاہئے تھا مگر شہادت قلب سے قبول جائز ہے پھر یہ

کہدئے ہیں۔ اور میرے نزدیک اسکو بوجوہ ذیل دیانۃً بھی وقوع طلاق کا فتوی نہیں دینا چاہئے، اول اسلئے کہ اگر اسکے پیش کردہ الفاظ کے معنی یہ لئے جائیں کہ میں نے تجھکو طلاق دی اور اس سے طلاق کا مفہوم لیا جائے یا اعطاء وتفویض کا تو یہ طلقتک کا مرادف ھے جو صریح طلاق کے الفاظ میں سے ھے اور صریح کے ساتھ وقوع طلاق کا حکم الصریح یلحق الصریح کے مطابق دینا قضاءً صحیح ھے دیانۃً نیت تاکید اسمیں مسموع ومقبول ھے کما فی الشامی وغیرہ۔

یہاں دسوں مرتبہ کہنا اور پھر بقول مدعیہ کے وطی کرنا (جسکی تمکین مدعیہ نے بھی کرلی) شرعی طور پر مجبور کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ کو ایقاع پر اور باقی مرات کو اخبار و تاکید پر (جیسا کہ غصہ کی حالت میں ایسا ہوا ہی کرتا ھے) محمول کرنا چاہئے جس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی پھر اس وقت جماع کرنا رجعت بالفعل پر محمول کرنے سے دو مسلمانوں کو مرتکب فعل حرام قرار دینے سے بھی بچنا ھے اور ایک فتنہ عظیمہ سے بھی نجات حاصل ہوسکتی ھے

قال فی الھندیۃ: رجل قال لامرأتہ: انت طالق انت طالق انت طالق وقال عنیت بالاولی الطلاق وبالثانیۃ والثالثۃ افھامھا صُدق دیانۃً ص۲۴۸ ج-۲)

کیسے ہوسکتا ھے کہ عورت کو تو تزوج بزوج آخر جائز ہو اور مسلمانوں کو اس سے نکاح جائز نہ ہو تو عورت کو اجازت دینا بھی لغو ہے۔

شوہر نیت تاکید کا مدعی نہیں تھے۔

گو شوہر مدعی تاکید نہ ہو

تاکید کا دعوی خود اختراع نہیں ہوسکتا جب تک شوہر دعوی نہ کرے اور جہاں تکرار کو تاکید پر حمل کرنا دیانۃً صحیح مانا گیا ھے وہاں یہ بھی تصریح ھے کہ المرأۃ کا القاضی عورت کو جائز نہیں ھے کہ تکرار کو تاکید پر حمل کرے عورت جب طلاق مکرر سنے اسکو طلاق متعدد پر حمل کرنا واجب ھے۔ (شامی ص۶۹۷ ج-۲ باب الکنایات)۔

وفی البدائع: الامین انما یصدق فیما لایخالفہ الظاھر فامافیمایخالفہ الظاھر فلا یقبل ص ۹۹۔

زیر بحث مسئلہ میں مدعیہ کا یہ دعویٰ نہیں کہ مجھے تین طلاق کے وقوع کا علم ھے بلکہ دسوں مرتبہ وہ الفاظ سننے کا دعویٰ کرتی ھے جن میں چند احتمالات ہیں منجملہ آں ایک احتمال کے مطابق وہ طلاق صریح کے الفاظ ہو سکتے ہیں پھران کا دسوں مرتبہ مکرر ہوجانا اور پھر فوراً ہی وطی کا متحقق ہوجانا اس امر کو ظاہر ٹھہراتا ھے کہ ایقاع بالواحدۃ کے بعد تکرار للافہام والتاکید ہوئی جس کے بعد رجعت کا تحقق ہوا۔

دوم، "دیھوں" کا لفظ یہاں کے اہل زبان کے کہنے کے مطابق لب ولہجہ کے ادنیٰ تغیر کے ساتھ ماضی سے مضارع اور مضارع سے ماضی بن سکتا ھے اور مدعیٰ علیہ کا یہ بیان کہ میں نے جماع کے بعد طلاق دینے کا وعدہ کیا ارادۂ مضارع کے احتمال کو تقویت دیتا ھے جس کے بعد صرف تقدم وتأخر جماع میں مدعیہ اور مدعیٰ علیہ کے درمیان اختلاف باقی رہتا ھے اس لئے اس شخص کو جس سے عورت اس لفظ کی بنا پر حکم طلب کرتی ھے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہتی ہے کہ میں نے اس کے بعد جماع بھی کیا یہ امر ضروری ھے کہ وہ ایسے لفظ کی بناء پر عورت کو وقوع طلاق کے تیقن کا فتویٰ نہ دے جس کا تیقن اس نے اہل زبان ہونے کے باوجود اس وقت خود بھی نہ کیا جیسا کہ تمکین وطی سے معلوم ہوتا ھے اور اس قدر متقارب بیان (مدعی اور مدعیٰ

بدائع کی عبارت میں ایک قید رہ گئی ہے جسکو عالمگیریہ میں نہایہ سے نقل کیا ھے

قال: فان کانت عالمۃ بشرائط الحل للاول لم تصدق والا فتصدق اھ ص ۱۲۹ ج-۲

پس یہاں عورت کو بوجہ جہل کے صادق مانا جائیگا۔ لا سیمًا فی دار الحرب۔

میرے سامنے جو تحریر علماء ثلاثہ کے دستخط سے آئی تھی اور اس میں نہ جماع کا ذکر تھا نہ اس احتمال استقبال کا بلکہ جزم کے ساتھ اسکی تشریح صیغۂ

علیہ کا) سامنے آنیکے بعد اگر ثالث اس احتمال کو قوی قرار دیدے کہ "دیہیوں" کا تلفظ فی الواقع وھی رہا ہوگا جو مستقبل پر دلالت کرتا ھے اور جماع کے تقدم وتاخر میں اسی پر نسیان کا گمان غالب رکھنا شریعت کے مطابق سمجھے تو یہ بھی اصول شرعیہ سے مستبعد نہیں لھذا تیقن کی گنجائش یہاں بھی نہیں اور ان تضل احدٰھما فتذکر احدٰھما الاخرٰی ونیز ھن ناقصات العقل الخ جیسے مویدات سے اس احتمال کی تائید ہوتی ھے اور چونکہ وہ صرف ایک لفظ پیش کرتی ھے ماضی یا مضارع کا لفظ ہونیکا کوئی دعویٰ اس سے صادر نہیں ہوا پھر اس سے وطی کا اقرار بھی کرلیا اسلئے اس احتمال کو رد کرنیکی کوئی وجہ نہیں

ماضی سے کی گئی تھی اسلئے یہ علماء ثلاثہ کی کوتاھی ھے کہ محتمل کی تشریح بالجزم ماضی سے کردی چونکہ میں اس محاورہ سے واقف نہیں اسلئے میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ یہ احتمال قریب ھے یا بعید قابل اعتبار ھے یا غیر مسموع

اور اگر وہ صیغۂ ماضی کا ہی (بالفرض) دعویٰ کریگی (کیونکہ ابتک اس نے یہ دعوی نہیں کیا) تب ھی اسکی تمکین وطی اسکی تکذیب کیلئے کافی ہونی چاھئے جیسا کہ بدائع سے ابھی منقول ہوا، انما یصدق فیما لا یخالفه الظاھر الخ

تمکین وطی عدم علم بحکم التکرار پر بھی محمول ہوسکتا ھے عورت کو معلوم نہ تھا کہ اس لفظ کے تکرار سے طلاق مغلظ ہوگئی یہ کیسے کہا جائے کہ وہ اسکو مضارع پر محمول کرتی تھی۔

پھر مدعیہ ہی کا یہ لفظ کہ کیا تو قبول کرتی ھے؟ بتاتا ھے کہ اسکی رائے میں بھی زوج نے ایسا لفظ کہدیا ھے جس میں عورت کی رائے کو دخل ہوسکتا ھے اور یہ ظاہر ھے کہ ایقاع طلاق میں مرد مستبد علی سبیل الانشاء ومستقبل ھے اسلئے عورت کے الفاظ کے مطابق بھی "دیہیوں" کو ایقاع کے علاوہ کسی اور مفہوم پر محمول کرنا ضروری معلوم

ہوتا ہے۔
سوم۔ طلاق دیدی۔ یہ اردو کا ایک محاورہ ھے اور اردو فی الحقیقت کوئی مستقل زبان نہیں بلکہ ہندوستان کی قدیم زبان اور عربی و فارسی کے الفاظ سے ایک زبان بن گئی تھی جسے کہتے ہیں۔ اہل ذوق اور علماء ادب اسکی تائید کرینگے کہ طلاق دینا اردو میں طلاق داون سے آیا ہے جو فارسی کا محاورہ ھے اور طلاق دادن فارسی میں اسیطرح ایقاع طلاق کیلئے مستعمل ھے جسطرح طلاق دینا اردو میں تطلیق کے معنیٰ میں مستعمل ھے۔ صراح میں تطلیق کے معانی میں مذکور ھے طلاق دادن زن را۔ یعنی تطلیق کا ترجمہ یہ ھے کہ طلاق دادن زن را۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو طلاق دادن کے اصلی معنیٰ تفویض طلاق کے ہی ہیں۔

یہ مسلم نہیں بلکہ اصلی معنیٰ طلاق واقع کردن ہیں اس لفظ میں تفویض کے معنیٰ اردو والے جانتے بھی نہیں پھر وہ اصل معنیٰ کیسے ہوئے۔

ہاں اس کا استعمال ایقاع طلاق میں کثیر ومتعارف ہوگیا ھے یہانتک کہ بلا قرینہ اس سے ایقاع ھی مراد لیا جاتا ھے جیساکہ معانی متعارفہ کا قاعدہ ھے لیکن چونکہ اس سے تفویض طلاق مراد لینا اصل لغت سے مستلزم خروج نہیں ھے

بل ھو خروج عن اللغۃ کما مرّ

اسلئے اگر کوئی شخص طلاق دادم کہکر یہ دعویٰ کرے کہ میری نیت تفویض طلاق کی تھی تو فقہاء کی تصریح کے مطابق اسکی تصدیق کی جاسکتی ھے۔
وان قال لہا: "من طلاق ترا دادم" ان نوی الایقاع یقع وان نوی التفویض لا یقع وان لم ینوی التفویض یکون

ایقاعاً الخ (قاضی خان بر ہامش عالمگیری ص ۲۱۹ و ۲۲۰ ج-۲)

اسیطرح طلاق دینے کی اصلی معنیٰ تفویض کے ہونے چاہئے تھے جو متروک الاستعمال ہیں لیکن چونکہ اصل وضع کے لحاظ سے انکو مراد لے سکتے ہیں اسلئے اگر نیت تفویض کا دعویٰ کرے تو یہ دعویٰ بھی مسموع ہونا چاہئے خصوصاً اس صورت میں کہ "تجھے طلاق ھے" کے مضمون کو ادا کرنے والے الفاظ میں بھی ابو حنیفہؒ کے نزدیک نیت تفویض کا دعویٰ دیانۃً قابل تصدیق ھے جیسا کہ مسئلہ مندرجہ بالا کے ساتھ ھی قاضی خان میں مذکور ھے ولو قال لها لك الطلاق قال ابو حنیفۃ ان عنی به التفویض یُدیّن و اذا قامت من مجلسها بطل الخ صفحہ مذکورہ۔

یہ بھی فارسی میں ہو سکتا ھے اردو میں تجھے طلاق میں تفویض کی نیت مسموع نہ ہوگی کیونکہ یہاں یہ لفظ تفویض میں اصلاً مستعمل نہیں

بہر کیف قاضی خان کے مسئلہ مذکورہ بالا کو فارسی سے مخصوص کرنا اور اردو میں تفویض کی نیت سے بھی رد کردینا اور وہ بھی دیانۃً اسلئے صحیح نہیں معلوم ہوتا ھے کہ الفاظ کی اصل وضع اس سے اباء نہیں کرتی۔

بل ھو آپ عنه لعدم معرفة اهل اللسان هذا المعنى بهذا اللفظ۔

صرف استعمال متعارف مانع ھے جس کا نتیجہ مسئلہ بالا میں پہلے ہی موجود ھے یعنی یہ کہ تصدیق کو دیانت کے ساتھ مخصوص کیا گیا ھے۔ بہر کیف میں نے تجھکو طلاق دیدی الفاظ کی اصل وضع کے لحاظ سے تفویض پر محمول ہو سکتا ھے۔

اگر شوہر نے دعویٰ تفویض بھی نہ کیا ہو؟ انصاف کیا جائے جہاں دیانۃً نیت تفویض معتبر ھے وہاں یہ بھی تو شرط ہے کہ شوہر تفویض کا مدعی ہو۔

پھر ان الفاظ کے بعد حسب بیان مدعیہ زوج کا وطی کرنا اور خود مدعیہ کا تمکین کرنا ایک

اگرچہ شوہر نے تفویض کا دعویٰ بھی نہ کیا ہو خواہ مخواہ اسکے سر

قوی قرینہ ھے کہ الفاظ مذکورہ کو اسلئے قاضی خان کے مسئلہ محولہ بالا پر محمول کرنا چاھئیے۔

کہ اس صورت میں زوجین مذکورین کا یہ فعل حلال ہوگا ورنہ انکے فعل کو فعلِ حرام پر محمول کرنا پڑیگا جسکی کوئی وجہ شرعی موجود نہیں۔ یہاں تک کہ خود زوجہ بھی اس کا دعویٰ نہیں کرتی ھے کہ زوج مذکور نے ایقاع طلاق کیا تھا بلکہ وہ اس کے الفاظ کو پیش کرکے ارباب فتوٰی سے حکم شرعی طلب کرتی ھے اور ساتھ ہی یہ اقرار کرتی ھے کہ ان الفاظ کے بعد شوہر نے وطی کرلی اور میں نے تمکین کی۔ اسکے علاوہ مدعیہ کے بیان میں یہ بھی ھے "کہ کیا تو قبول کرتی ھے؟" جو تفویض کا ایک اور قرینہ ہوسکتا ھے اسلئے احتیاط اسی میں ھے کہ فقرۂ مذکورہ کو تفویض پر محمول کیا اور قاضی خان کا مسئلہ مذکورہ بالا جو عالمگیری وغیرہ میں بھی لیا گیا ھے معمول بھا بنایا جائے خصوصاً اس لحاظ سے کہ جن عبارات سے عورت کے جواز نکاح ثانی پر استدلال کیا جاتا ھے جیسا کہ بعض مقامی لوگ کہتے ہیں وہ عموماً صورتِ زیر بحث سے متفاوت ہیں۔ مثلاً سمعت من زوجھا انہ طلقھا و لا تقدر علی منعھا من نفسھا الا بقتلہ قتلہ الخ اس مسئلہ میں زوج کو عورت کے سامنے مقر بالطلاق قرار دیدیا گیا ھے جس میں عورت پر واجب ہوجاتا ھے کہ وہ مرد کو اسکے اقرار کی بناء پر ایقاع طلاق کا فاعل جان لے کیونکہ اقرار الانسان حجۃ علیہ ایک قاعدہ مسلمہ ھے مگر

تفویض کو لگادیا جائے۔

تمکین کا اس نے اقرار نہیں کیا اور وطی کو عدم علم بالحکم پر حمل کرنا ظاہر ھے جہلاء ایسا ہی کرتے ہیں۔

ہاں یہ قرینہ ہوسکتا ھے مگر افسوس کہ علماء ثلاثہ نے اپنی دستخطی تحریر میں اسکو حذف کردیا جس کی وجہ سے مفتی کو اس احتمال سے تعارض کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔

تکریر الفاظ طلاق خود اقرار ایقاعِ طلاق ھے جیسا آگے آتا ھے۔

مانحن فیہ میں زوج نے عورت کے سامنے چند الفاظ کہدئے ہیں نہ کہ اقرار بالطلاق کیا ھے اسلئے عورت کے پاس کونسا شرعی ثبوت ھے کہ وہ زوج کو ایقاع طلاق کا فاعل سمجھے خصوصًا جب زوج ایقاع کا منکر ھے اور عورت نے جو الفاظ سن لئے ہیں ان میں احتمالات موجود ہیں۔ لوطلقها وانكر لها ان تتزوج ويحلل نفسها سرًا۔ اسمیں اوّلاً نکاح کی علی الاطلاق اجازت نہیں بلکہ مخفی طور پر محض حلالہ کی غرض سے جس پر زوج کو ہرگز اطلاع نہ ہونی چاہئے۔

ثانیاً طلقها صیغۂ جزم ھے جس کا مفہوم یہ ھے کہ مرد نے ایقاع طلاق بالیقین کرلیا اور مانحن فیہ میں جو الفاظ عورت نے سن لئے ان کی کیفیت اوپر گذر چکی ھے۔

شهد ان زوجها طلقها الخ اسمیں دو شاہد کا عورت کے پاس شہادت دیدینا مذکور ھے جو حجت شرعی ھے مگر مانحن فیہ میں یہ مفقود ھے اسیطرح عالمگیر کے مسئلہ میں بھی۔ واذا شهد عند المرأة شاهدان عدلان الخ مذکور ھے اسلئے صورتِ زیر بحث پر وہ مسئلہ بھی صادق نہیں آسکتا ھے غرضیکہ مذکورہ بالا چاروں عبارات میں سے تین عبارتوں کو زیر بحث صورت سے کوئی تعلق نہیں البتہ ۲ کو فی الجملہ انطباق ھے لیکن پھر بھی وہ مشکوک ھے۔

علاوہ بر آں اس کا حکم کسی دوسرے کے ساتھ علی التابید نکاح کرنیکا نہیں۔ واللہ اعلم

سرًا کی قید اسلئے ھے کہ علانیہ نکاح میں شوہر دعوی کردے گا۔ نہ اسلئے کہ علانیہ نکاح جائز نہیں جو نکاح سرًا جائز ھے وہ علنًا بھی جائز ھے سرًا کی قید محض بطور مشورہ ہے تاکہ ضرر سے محفوظ رہے۔

مگر عورت کو ایقاع طلاق کا یقین ھے جیسا کہ اس نے استفتاء میں ظاہر کیا ھے

وجہ شک کچھ نہیں۔ کمامر

علی التابید کی قید کس لئے ہے کیا نکاح

وعلمه اتم۔

علی التسلیم

اگر تسلیم کیا جائے کہ مسماۃ صغریٰ نے جو الفاظ اپنے شوہر محمد یوسف سے سن لئے ہیں وہ ایقاع طلاق ثلاث کیلئے کافی ہیں تو سوال یہ ھے کہ عدم ثبوت کی وجہ سے جب اس کا دعوی ثابت نہ ہوا تو اس کو اقوال و مسائل منقولہ میں سے کس قول کے ساتھ فتویٰ دیا جاسکتا ھے؟

طوالت سے بچنے کی غرض سے ہم اس قول کو زیر بحث لاتے ہیں جس میں اسکو کسی دوسرے کے ساتھ عدت کے بعد نکاح کرنیکی اجازت دیدی گئی ھے اس قول کو کسی نے مفتیٰ بہ نہیں کہدیا ھے (علی ما اعلمه بعد التتبع)۔ صاحب دُرمختار نے اس کو بالتصریح غیر صحیح قرار دیدیا ھے - کما قال قبیل باب الایلاء وفیها شهدا انه طلقها ثلاثاً لها التزوج بآخر للتحلیل لو غائباً اه قلت یعنی دیانةً والصحیح عدم الجواز۔ تنبیه - اس پر شامی نے بحثاً اشکال وارد کیا ھے لیکن اوّلاً وہ بحث ھے نقل نہیں۔ ثانیاً اس کا تعلق عدم تصحیح کے ساتھ ھے جس سے وجود تصحیح یا نقل تصحیح لازم نہیں آتی پھر باب الرضاع کے آخر میں اس قول کو

تحلیل مؤبد نہیں ہوتا۔ موقت ہوتا ھے؟

یہ علی التسلیم نہیں بلکہ آپکی دستخطی تحریر میں آپ کا اور آپکے اہل زبان رفقاء کا مصرح بہ ھے اس کے سوا کوئی دوسرا احتمال اس تحریر میں نہیں بیان کیا گیا کیا اہل زبان علماء کو یہ جائز تھا کہ جس کلام میں بعد کو اسقدر احتمالات نکالے جاتے ہیں اپنی فیصلہ کن تحریر میں بالجزم اسکو موجب طلاق مغلظ ظاہر کردیں اور آپ بھی اس پر دستخط کردیں اور آئندہ کیلئے مفتیوں کو غلطی میں ڈالیں تو پھر ان پر اعتراض کریں اور اپنی کوتاھی کو تسلیم نہ کریں۔

هو مقتضى اطلاق المتون كما صرح به في البحر وهو مقتضى اطلاق نص الكتاب كما مر لو سلمنا عدم صحته فانما هو فيما اذا شهد عندها اثنان لما فيه من القضاء على الغائب لا فيما اذا سمعت المرأة منه الطلاق هذا هو الذى نبه عليه الشامى فى باب الرجعة فليتنبه له

بصیغۂ تمریض نقل کرکے اسکے ضعف کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ وقیل: لها التزوج دیانة شرح وهبانية۔ شامی اس کا ضعیف عند المصنف ہونا تسلیم کرتے ہیں۔ قوله: وقيل: لها التزوج الخ اشارة الى ضعفه كما فى شرح الوهبانية الخ۔

پھر اسکو قضاء کے ساتھ مخصوص کرنیکی تاویل کو خلاف ظاہر قرار دیتے ہیں لھذا کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی ھے کہ اس غیر مصحح قول کے ساتھ فتویٰ دیا جائے خصوصًا اس لحاظ سے کہ اس پر فتویٰ دینے سے کوئی نفع بھی نہیں ہوسکتا ھے کیونکہ عورت کے علاوہ۔ جس جس مسلمان کو معلوم ہوگا کہ مرد ایقاع طلاق کا منکر ھے کسی حال میں بھی اسکو عورت مذکورہ کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں کیونکہ نکاح متحقق ہوچکا ھے اور زوال نکاح پر کوئی شرعی بینہ اور حجت موجود نہیں جسکی پابندی عورت کے علاوہ دوسروں پر ضروری ہو۔ جیساکہ الیقین لا یزول بالشك ودیگر اس قسم کے نصوص سے معلوم ہوتا ہے جنکو گذشتہ سطور میں نقل کیا گیا ھے اسکے علاوہ بحرالرائق کی عبارتِ ذیل سے بھی اسمیں مدد ملتی ھے جو اختلاف ثنتین وثلاث کے متعلق کتاب مذکور میں مذکور ھے وفيها سمع رجل من امرأة انها مطلقة الثلاث (بزازیۃ)۔ والزوج يقول لا بل مطلقة الثنتين لا يسع لمن سمع منها ان يحضر نكاحها ويمنعها ما استطاع۔ بحر۔ (ص ۲۵۵ ج ۴)

محمول على انه لا يسعه ان يحضر نكاحها بهذا الرجل وهو الظاهر وليس معناه لا يسعه ان يحضر نكاحها بغيره بدليل ما بعده اراد ان يتزوج امرأة فشهد عنده

یعنی جس مرد نے عورت سے یہ سنا کہ وہ مطلقہ الثلاث ہے مگر اس کا شوہر کہتا ہے کہ وہ مطلقہ ثلاث نہیں بلکہ اس کو صرف دو طلاقوں سے حرام کیا گیا ھے تو جس شخص نے عورت سے قول مذکور سنا ھے اسکو حلال نہیں کہ اگر عورت دوسرا نکاح کریگی تو اسکو کرنے دے یا اس مجلس میں شامل ہو جائے۔

اسیطرح قنیہ کے یہ الفاظ بھی قابل غور ہیں وعلی جواب الباقین لا یحل (ای النکاح)..... ونقل آخر انہ لا یجوز (ای النکاح) فی المذھب الصحیح والقائل بانہ المذھب الصحیح (ای عدم حل النکاح) العلاء الترجانی الخ کمافی البحر۔

خلاصہ یہ کہ عورت مذکورہ کو نکاح کی اجازت جس قول میں دیدی گئی ھے اسکی تضعیف میں نقول عدیدہ موجود و منقول ہیں اور اسکی تصحیح کیلئے کسی کا ایک حرف بھی نہیں ملتا اور نہ ہی کہیں اسکو و بہ یفتی وغیرہ کے ساتھ مقید کیا گیا ھے محض چند علماء کا قول اسکو قرار دیکر قنیہ میں وعلی جواب الباقین لا یحل سے ظاہر کیا گیا ھے کہ باقی علماء عدم حل نکاح کے قائل ہیں۔

لھذا عالمگیری کی وہ عبارت جو کتاب الطلاق میں ھے مذھب صحیح پر مبنی نہیں اگرچہ عالمگیری کے کتاب القضاء میں نکاح کا ذکر اس مسئلہ میں نہیں کیا گیا ھے۔ واذا ادعت المرأۃ علی زوجھا انہ ابانھا بثلاث او بواحدۃ فجحد الزوج فحلفہ القاضی فحلف فان

او عند القاضی ان لھا زوجا فتزوجھا لا یفرق اھ وبدلیل ما ذکرہ عن البزازیۃ ایضا قالت طلقنی ثلاثا ثم ارادت تزویج نفسھا منہ لیس لھا ذالک اصرت علیہ ام کذبت نفسھا اھ

وقد مر ما فیہ فتذکر

علمت ان الامر کما قالت لا تسعها الاقامة معه و لا ان تأخذ میراثها کذا فی النهایة (ص ۴۲۳ ج-۳)

ایضاً :- اور اگر نکاح دوم کے قول کی تصحیح و عدم تصحیح سے قطع نظر کیا جائے تب بھی مسماۃ صغریٰ کے حق میں مسئلہ کی ترتیب یہ ہونی چاہیئے کہ وہ مال دیکر خلع حاصل کرے (جیسا کہ مولانا ظفر احمد صاحب کے دوسرے فتویٰ میں بھی مصرح ہے) اسلئے کہ محیط میں سب سے پہلے عورت مذکورہ کو افتداء بالمال کا ہی حکم دیدیا گیا ہے اور راقم الحروف بھی اول روز سے یہی کہہ رہا ہے کہ اگر مسماۃ صغریٰ کو محمد یوسف سے جدا ہونے پر اصرار ہے تو کچھ دے دلا کر اس سے اپنے آپکو خلاص کرے۔ لیکن چونکہ اس صورت میں قضاء میں سکون پیدا ہو سکتا ہے اسلئے جو لوگ فتنہ اور شور و شغب بالخصوص مخالفت کے دلدادہ وہ اسطر اسطرف آنے نہیں دینے۔

وفی المحیط :- وینبغی لها ان تفتدی بمالها او تهرب منه فان لم تقدر قتلته الخ اس ترتیب کو صاحب شامیؒ نے بھی اختیار کیا ہے۔

الحاصل (الف) جو الفاظ صغریٰ نے اول والا ہمارے سامنے بیان کیا اور ہمارے دار الافتاء کے رجسٹر میں وہ مع نشانہائے انگوٹھا موجود ہیں انکو سامنے رکھکر فتویٰ دینا مطلوب ہے

لا یخفی علی الفطن ان او للتخییر فلا یجب علیها الافتداء لو قدرت علی الهرب

کیونکہ ہمارے بغیر کسی کے پاس فریقین کے اصلی بیانات نہیں بلکہ دوسرے لوگ محض ہوائی گھوڑوں پر دوڑ رہے ہیں حالانکہ انکو ہمارے یہاں سے وہ بیانات مل بھی سکتے تھے لیکن جب تحقیقِ حق مقصود ہی نہ ہو تو ایسے راستے کیوں اختیار کیئے جائیں جس سے فتنہ فرو ہو۔

(ب) میرا فیصلہ شرعیہ جو بسلسلہ تحکیم زبانی بتایا تھا صرف یہ ھے کہ طلاق ثابت نہ ہوئی اس سے زیادہ یہ حکم بتانا کہ صغریٰ کی طلاق چونکہ ثابت نہ ہوئی اسلیئے اسکو دوسرے کے ساتھ نکاح کرنا جائز ھے ہرگز میرے لئے جائز نہ تھا جس نے اس چیز کو ہمارے اوپر واجب سمجھا ھے وہ غلط کہہ رہا ہے۔

(ج) دیانۃً صغریٰ کو اسلیئے وقوع طلاق کا یقین رکھنا جائز نہیں کہ اس نے جو الفاظ سن لئے ہیں وہ وقوع طلاق کی قطعی دلیل حادثہ کے تمام پہلوؤں اور الفاظ کی تمام کیفیات و احتمالات کو ملحوظ رکھکر نہیں ہوسکتے ہیں اسلیئے زوالِ نکاح مشکوک ھے۔

نعم لم یکن ذالك واجبا علی الحکم فی مجلس الحکم ولکن کان ذالك واجباً لو استفتتہ المرأۃ فی غیر مجلس الحکم عن حکم الدیانۃ لھا ان کانت الواقعۃ کما فی کتاب الحکم والا فکان الواجب الرجوع عن کتاب الحکم و الافتاء بما کان عندکم من الواقعۃ التی اودعتموھا فی الخریطۃ ولم تبینوھا فی الحکم۔

(د) جس عورت کو وقوع طلاق اور زوال نکاح کا یقین حاصل ہو اسکو سب سے پہلے یہ حکم ھے کہ مال دیکر شوہر منکر سے اپنے آپ کو

مگر افسوس ھے کہ علماء ثلاثہ کی دستخطی تحریر میں ان الفاظ کو موجبِ طلاق مغلظ کہا گیا ھے اور کوئی احتمال ظاہر نہیں کیا گیا محض عدم بینہ کی وجہ سے عدم ثبوت طلاق کا حکم قضاءً بیان کیا گیا۔ مستفتی جاہل ھے جب علماء نے اسکے پورے بیان میں سے کچھ الفاظ حذف کردئے تو وہ یہ سمجھنے پر مجبور ھے کہ الفاظِ محذوفہ کو حکم طلاق میں کوئی دخل نہیں ھے اس لئے تو علماء نے انکو حذف کیا اگر بقیہ الفاظ سے حکم مسئلہ پر اثر پڑتا تھا تو ان کے

خلاص کرے اگر وہ ایسا نہیں کر سکتی ہے تو پھر فقہاء کے دوسرے اقوال کی طرف منتقل ہو سکتی ہے۔

حذف کی کوئی وجہ نہ تھی فیصلہ کرنے والے کا فرض ہے کہ مدعی اور مدعیٰ علیہ دونوں کا پورا بیان لکھ کر فیصلہ دے۔

۱ سکے اولاً واجب ہونیکی کوئی دلیل نہیں۔ ففی المحیط : ینبغی لها ان تفتدی بما لها او تهرب ای تفعل ای ذالک ان شاءت و قدرت علیه ولهذا افتیتها بالمفارقة عنه مرة و بالافتداء اخریٰ۔

(ہ) دوسرے اقوال میں سے یہ قول کہ اسکو ہروب کے بعد کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے قول مصحح نہیں۔

قلت هو مقتضی اطلاق المتون و نص الکتاب

اسلئے دوسرے اقوال پر اسکی ترجیح کی کوئی گنجائش نہیں اور نہ ہی کسی نے اسکو راجح قرار دیا ہے۔

(و) جس عورت کو طلاق کا یقین ہے مگر شہادت سے اسکو ثابت نہ کر سکے اسکو دیانۃً اپنے آپ کو مطلقہ سمجھنا چاہئے لیکن اسکے علاوہ کسی مسلمان کو یہ جائز نہیں کہ اسکی کسی قسم کی حمایت کرے کیونکہ نکاح سابق ایک امر یقینی ہے جسکے زوال کیلئے عورت کا یقین یا دعویٰ کافی نہیں بلکہ مسلمانوں کو صرف یہ جائز ہے کہ وہ عورت مذکورہ کے متعلق یہ عقیدہ رکھیں کہ وہ وقوع طلاق کا دعویٰ کرتی ہے جس کا صدق و کذب اسکے علاوہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ ہم کو اسمیں کوئی رائے زنی کا حق نہیں اسیطرح کسی مسلمان کو یہ علم رکھتے ہوئے کہ یہ عورت فلاں آدمی کی منکوحہ تھی جو طلاق کا منکر ہے ہرگز حلال نہیں کہ اس کے ساتھ نکاح کرے بلکہ اگر یہ عورت نکاح کرنے لگ جائے تو جس کو واقعہ معلوم ہے اور مرد سے اس نے ایقاع طلاق کا انکار سنا ہے اسکو لازم ہے کہ عورت کو نکاح ثانی کرنے

سے روکے اور اگر وہ نہیں رُکتی ہے تو مجلس نکاح میں ہرگز شرکت نہ کرے جیسا کہ بحر کے مسئلہ مندرجہ بالا میں مصرح ہے۔ | وتقدم ما فیہ فتذکر

الجواب المفصل و انہ لقول فصل

مکرمی المحترم مولانا محمد میرک شاہ صاحب دام فضلہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ گرامی نامہ موصول ہوا۔ حضرت والا کو نہ فرصت ہے نہ اتنی قوت ہے کہ ایسی طویل تحریریں باریک قلم کی لکھی ہوئی ملاحظہ فرمائیں اسلئے حضرت کو آئندہ تکلیف دینا نہ چاہئے۔ جواباً معروض ہے کہ مجھے جناب کے متعلق یہ یقین ہے آپ کو حضرت والا سے تعلق ہے اور اس واسطہ سے اس ناچیز کے ساتھ بھی تعلق ہے اور یہ تعلق مانع اظہار حق نہ ہونا چاہئے بلکہ زیادہ موجب اظہار حق ہونا چاہئے کہ اس کا مبنیٰ محض حُب فی اللہ وحُب ﷲ ہے اگر میرے اظہار حق سے کسی مخالف جماعت کو خوشی کا موقع ملا ہے مجھے اسکی پرواہ نہ کرنا چاہئے کہ میرے ذمہ بہرحال اظہار حق واجب ہے خواہ اس سے کسی کو خوشی ہو یا کسی کو رنج ہو ــــــ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ الآیۃ : اور دراصل یہی تعلق جو آپ کے ساتھ ہے سبب ہوا میرے اس فتویٰ پر جواب لکھنے کا ورنہ میں چونکہ مئو۔ اعظم گڑھ کے محاورت دیہات سے ناواقف ہوں ضرور اس فتویٰ پر تنقیح کرتا اور مستفتی سے سوال کرتا کہ اس لفظ کے معنیٰ اہل محاورہ سے معلوم کرکے لکھو مگر جب استفتاء کے ساتھ آپکی دستخطی تحریر دیکھی جس میں محمد یوسف کے لفظ "میں توکے طلاق دیہیوں" کی تشریح جزم کے ساتھ "میں نے تجھکو طلاق دی" سے کی گئی تھی اور اس کے بعد صاف لکھا تھا کہ اگر واقعی محمد یوسف نے یہ لفظ کہا تھا تو اسکی عورت مطلقہ مغلظہ ہوگئی تو مجھے سائل سے طلب تشریح کی یا تنقیح کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ میرے وہم میں بھی یہ بات نہ تھی کہ مدعیہ نے محمد یوسف کے الفاظ کچھ اور بھی بیان کئے تھے جو آپ کی دستخطی تحریر میں حذف کئے گئے اور دفتر میں محفوظ رکھے گئے ہیں کیونکہ اہل علم کا فرض ہے کہ فیصلہ کی تحریر میں مدعی و مدعیٰ علیہ کا پورا بیان لکھکر فیصلہ کریں تاکہ خود فریقین کو بھی یہ مغالطہ نہ ہو کہ عبارتِ محذوفہ کو حکم واقعہ میں کچھ دخل نہیں اور کسی

ذی علم کے سامنے اس تحریر کو پیش کریں تو اسکو بھی مغالطہ نہ ہو وہ کیسے سمجھ سکتا ھے کہ جس عبارت کو یہاں جزم کے ساتھ ایک معنیٰ سے مشروح کیا گیا ھے وہ دفتر کی عبارت سے مل کر دوسرے معنی کو بھی متحمل ہوسکتی ہے اور جن الفاظ کے تکرار کو یہاں جزماً موجب طلاق مغلظہ کہا گیا ہے وہ عبارت محفوظہ سے ملکر جزماً موجب طلاقِ مغلظہ نہیں رہی ہے چونکہ میرے جواب کا مبنیٰ آپکی دستخطی تحریر اور اسکی تشریح تھی اسلئے میں نے مستفتی کو لکھدیا ہے کہ میرے جواب کا مبنی وہ تشریح ہے جو علماء ثلاثہ نے اپنے تحریری فیصلہ میں کی ہے اگر انکی یہ تشریح صحیح ہے اور اس بناء پر عورت کو یقین کلی ھے کہ محمد یوسف نے اس کو دسوں مرتبہ طلاق دی تو جواب وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا اور اگر یہ تشریح صحیح نہیں بلکہ ان الفاظ میں اہل محاورہ کے نزدیک معنی ماضی کے ساتھ مستقبل کا بھی احتمال ہے جیسا کہ علماء ثلاثہ میں سے بعض نے یہ احتمال ظاہر کیا ہے تو اس کا فیصلہ وہاں کے اہل محاورات ہی کر سکتے ہیں کہ میں وہاں کے محاورات سے واقف نہیں۔

اور یہ تنبیہ میں نے اپنے اسی فتویٰ پر لکھدی ہے جو اولاً یہاں سے دیا گیا تھا اور مستفتی نے ثانیاً اسکو حضرت اقدس کے دستخط کیلئے واپس کیا تھا امید ھے کہ میری اس تنبیہ سے شور وشر کم ہو جائیگا کیونکہ میں نے اپنے فتویٰ کو آپکی تشریح پر مبنی کیا ہے اب آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس تشریح میں ھم سے کوتاہی ہوئی کہ مدعیہ اور مدعیٰ علیہ کا پورا بیان نہ لکھا گیا اور جزم کے ساتھ صرف ایک معنیٰ کو ظاہر کردیا۔ دوسرے احتمالات سے تعرض نہ کیا گیا اور چونکہ ظفر نے ھماری تشریح پر مدار رکھا ھے تو اب ھم مدعیہ کے پورے الفاظ پر دوسری تشریح کرتے ہیں اور تشریح اول سے رجوع کرتے ہیں آپ اس تشریح اول سے رجوع کا اعلان کردیں گے تو یقیناً شور وشر جاتا رہے گا۔ اور آپ پر یہ اعلان واجب ھے۔ فان التوبة بقدر الحوبة السر بالسر والعلانية بالعلانية اور آپ کے اس اعلان کے بعد میں بھی اپنے فتویٰ سے رجوع کرلونگا کیونکہ وہ تو آپکی اس دستخطی تحریر ہی پر مبنی ھے اور اگر آپ کو اس فیصلہ کن تحریر سے رجوع کا اعلان دشوار ہو تو پھر مدعیہ کے اُن الفاظ کی بناء پر جو آپ کے دفتر میں محفوظ ہیں یہ عرض ہے کہ اگر واقعہ یہی ہے کہ محمد یوسف نے دسوں مرتبہ یوں کہا ہے کہ "میں تو کے طلاق دیہیوں تین قبول کرے بھی" اور اہل محاورہ کے نزدیک اسکے یہ معنیٰ ہیں کہ "میں تجھکو طلاق دیدوں تو قبول کرتی ھے" تو اس صورت میں ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوگی آپ اپنے

لوگوں میں سے کسی کو فرما دیجئے کہ وہ یہی الفاظ لکھکر استفتاء کرے میں اس کو یہی جواب دیدونگا جو اس وقت لکھ رہا ہوں جس سے میرے دونوں فتوے متعارض ہو جائیں گے۔ واذا تعارضا تساقط۔

باقی آپ نے بہ سبیل تنزل اُن الفاظ کو تسلیم کرتے ہوئے جو فیصلہ کی تحریر میں درج کئے ھیں اس تشریح کو مانتے ہوئے جو اس میں کی گئی ھے جس قدر بحث کی ہے وہ میرے نزدیک صحیح نہیں۔

سب سے پہلے آپ نے "طلاق دی" میں احتمال تفویض نکالا ھے یہ اصلاً صحیح نہیں ھماری زبان میں لفظ "تجھکو طلاق دی" بالکل صریح ھے ان الفاظ سے ھمارے یہاں تفویض نہیں کی جاتی پھر احتمال تفویض کیلئے متکلم کا دعویٰ شرط ہے متکلم تفویض کا مدعی نہیں پھر آپ نے تکرار طلاق میں دیانۃً احتمال تاکید نکالا ھے مگر قضاءً یہ احتمال رد ھے۔ والمرأۃ کالقاضی کما صرحوا بہ۔ پس عورت کے حق میں یہ احتمال ہرگز مفید نہیں بالخصوص جبکہ شوہر مدعی تاکید بھی نہیں۔ پھر آپ نے دعویٰ کیا ھے کہ طلاق مغلظ کے بعد عورت کو بدون تفریق قاضی کے نکاح ثانی کا اختیار ہونا جبکہ شوہر منکر ہو مفتیٰ بہ نہیں ھے۔ یہ بھی صحیح نہیں ھے۔

قال فی البحر: واطلق فشمل ما اذا کان الزوج الاول معترفاً بالطلاق الثلاث او منکراً بعد ان کان الواقع الطلاق الثلاث ولهذا قالوا لو طلقها ثلاثاً وانکر لها ان تتزوج بآخر وتحلل نفسها سراً منه الخ۔

بحر نے انکار زوج کی صورت میں بھی عورت کو نکاح ثانی کا اختیار دیا ھے اور اسکو اطلاق متون کا مدلول قرار دیا ھے مفتیٰ بہ ہونے کیلئے اور کیا چاھئے؟ جبکہ اطلاق متون سے ایک مسئلہ ثابت ھے وہ متون سے ہی ثابت ھے اور متون کا مفتیٰ بھا ہونا معلوم، اس میں قید سراً سے آپ کا یہ کہنا کہ نکاح علی جائز نہیں یا تحلیل سے یہ مفہوم نکالنا کہ نکاح مؤبد جائز نہیں انصاف اور فقہ سے بہت بعید ھے قید سراً کا بطور مشورہ ہونا واضح ھے کیونکہ جب شوہر منکر ھے وہ علانیہ نکاح کو بذریعہ قاضی کے روکدیگا اگلی عبارت اسکی خود دلیل ھے، فلیراجع۔ ورنہ خود غور فرمالیا جائے کہ جو

چیز سراً جائز ہے اسکو علانیہ کرنا شرعاً کیوں حرام ہوگا؟ اور نکاح تحلیل یقیناً مؤبد ہوتا ہے کیونکہ نکاح موقت باطل ہے۔ پھر میں لکھ چکا ہوں کہ نص قرآن کا مقتضی یہی ہے فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۔ اضاف النکاح الی المرأۃ واطلق فلھا ان تتزوج بزوج آخر اعترف الاول بالطلاق او انکر اذا کان الواقع الطلاق الثلاث ——— اور صورتِ مسئولہ میں آپکی تشریح ھے کہ زوج نے "میں نے تجھکو طلاق دی" کہا اور تصریح ھے کہ اس کا تکرار موجب طلاق مغلظ ھے اور عورت اپنا یقین کلی بیان کرتی ھے کہ زوج نے مجھکو دسوں مرتبہ طلاق دی تو اب شرط "بعد ان کان الواقع الطلاق الثلاث" کے تحقق میں کیا کلام رہا؟

اسکے بعد آپکو "لو شھد عندھا عدلان علی الرضاع بینھما او طلاقھا ثلاثا وھو یجحد الی قولہ ولا التزوج بآخر وقیل لھا التزوج دیانۃ اشار الی ضعفہ کما فی القنیۃ عن العلاء الترجمانی انہ لا یجوز فی المذہب الصحیح وجزم بہ الشارح فی آخر باب الرجعۃ" سے مسئلہ مبحوث عنھا میں شبہ ہوا ھے کہ سماع مرأۃ کی صورت بھی اسکو دیانۃً نکاح ثانی جائز نہیں حالانکہ یہ قیاس مع الفارق ھے کیونکہ شہادت کی صورت میں عورت اپنے کو مطلقۃ الثلاث سمجھنے میں بظاہر قضاء علی الغائب کرتی ھے لانھا کالقاضی فی ھذا الباب۔ اور قضاء علی الغائب میں اختلاف ہوسکتا ہے اسلئے اس صورت میں اقوال مشائخ مختلف ہوگئے۔ لیکن سماع کی صورت میں اس قسم کا کوئی احتمال نہیں اسلئے وہاں یہ کہنا کہ دیانۃً عورت کو نکاح بآخر جائز نہیں صحیح نہیں۔ شامی نے صاحب در کی اس مسامحت پر تنبیہ کی ہے کہ انہوں نے صورتِ شہادت کے اختلاف کو صورت سماع میں بھی جاری کردیا حالانکہ قیاس مع الفارق ھے چنانچہ "سمعت من زوجھا[ع] انہ طلقھا (ای ثلاثا) ولا تقدر علی منعہ من نفسھا الخ" کے تحت لکھا ھے۔

وفی الفتاویٰ السراجیۃ:- اذا اخبرھا ثقۃ ان الزوج طلقھا وھو غائب وسعھا ان تعتد وتتزوج ولم یقیدہ بالدیانۃ اھ۔ کذا فی شرح

ع وحملہ علی انھا سمعت من زوجھا الاقرار بطلاقھا کما فعلہ الفاضل بعید و انما معناہ انھا سمعت منہ الطلاق سواء اعترف بہ بعد ذالک او انکر فافھم۔ ظفر۔

الوھبانیۃ ــــــ قلت:۔ ھذا تائید لقول الائمۃ المذکورین (شمس الائمۃ الاوزجندی ونجم الدین النسفی والسید ابی شجاع والسرخسی والقائلین بانہ یحل لھا التزوج بزوج آخر فیما بینھا وبین اللہ فیما اذا شھدا انہ طلقھا ثلاثا) فانہ اذا حل لھا التزوج باخبار ثقۃ فیحل لھا التحلیل ھنا بالاولیٰ اذا سمعت الطلاق او شھد بہ عدلان عندھا بل صرحوا بان لھا التزوج اذا اتاھا کتاب منہ بطلاقھا ولو علی ید غیر ثقۃ ان غلب علی ظنھا انہ حق وظاھر الا طلاق جوازہ فی القضاء حتی لو علم بھا القاضی یترکھا فتصحیح عدم الجواز ھٰھنا مشکل الا ان یحمل علی القضاء (قلت: وای تصحیح اصرح من ھذا حیث صرحوا بذالک فی مسئلۃ الکتاب ونحوھا ۱۲۔ ظفر) نعم لو طلقھا وھو مقیم معھا یعاشرھا معاشرۃ الازواج لیس لھا التزوج لعدم انقضاء عدتھا منہ کما سیأتی بیانہ فی العدۃ (ص۸۹۶ ج۔۲) لان العدۃ منہ لا تنقضی الا بالمفارقۃ لا بالمجامعۃ فافھم۔

بہر حال شہادۃ عدلین کی صورت میں بھی صحیح یہی ہے کہ عورت کو تزوج باٰخر جائز ہے جبکہ وہ زوج اول سے الگ ہو کر عدت گذار دی اور قضاء علی الغائب کا جو شبہ ہے وہ اسلئے باطل ہے کہ اس صورت میں عورت قضاء نہیں کر رہی ہے کیونکہ بحث دیانت میں ھے کہ فیما بینھا وبین اللہ نکاح کو جائز کہا جارہا ہے شوہر پر قضاء نہیں کر رہی ہے اس لئے قاضی کو بھی علم کے بعد اس میں دخل دینے کا حق نہیں (الا اذا رافع الیہ الزوج فلہ ان یقضی بما ثبت عندہ) قال الشامیؒ عن الولوالجیۃ عن الفصولین: اخبرھا عدل او غیر عدل فاتاھا بکتاب من زوجھا بطلاق ولا تدری انہ کتابہ اولا ان اکبر رأیھا انہ حق فلا باس بالتزوج اھ۔ وتقدم قبیل الایلاء ان ھذا فی الدیانۃ ثم رأیت بخط السائحانی عن جامع الفتاویٰ شھدا ثنان ان الغائب طلق زوجتہ لا تقبل فی الحکم بطلاق الغائب وتقبل فی حق سکوت الحاکم فی انھا تعتد وتتزوج باٰخر اھ وحاصلہ انہ یسوغ للحاکم السکوت لانہ امر دینی لا اثبات الطلاق لانہ حکم علی الغائب فلا یصح الخ ص۱۰۴ ج۔۲ قبیل فصل الحداد۔

جب شہادت عدلین کی صورت میں دیانۃً یہ حکم ہے تو سماع میں بدرجہ اولیٰ اور غالباً علاء ترجمانی نے صورتِ شہادت میں عدم جواز کو صحیح اسی بناء پر کہا ہے کہ اس صورت میں عورت قضاء علی الغائب کرتی ھے مگر یہ خیال باطل ہے بلکہ وہ ایک امر دیانت کا ارتکاب کر رہی ہے اثبات طلاق سے اسکے فعل کو کچھ تعلق نہیں اس لئے ائمہ مذکورین نے دیانۃً نکاح بآخر کی اجازت دی ہے اور صورتِ سماع طلاق میں تو علاء ترجمانی کا خلاف بھی منقول نہیں فلا یصح قیاسہ علیھا فافھم۔ اور اگر اس میں بھی ان کا اختلاف کسی نے نقل کیا ھے تو یقیناً مسامحت سے خالی نہیں یا اسکو قضاء پر محمول کیا جائے گا کما قالہ العلامۃ الشامی۔

اسکے بعد آپ نے دعویٰ کیا ھے کہ صاحب بزازیہ کے نزدیک حرمت کے تمام وجوہ میں عورت کا قول قابل اعتبار نہیں۔ حالانکہ اصل جزئیہ یہ ہے۔ انھا اذا قالت: ھٰذا ابنی رضاعًا و اصرت علیہ لہ ان یتزوجھا لان الحرمۃ لیست الیھا قالوا بہ یفتی فی جمیع الوجوہ جس کا حاصل یہ ہے کہ عورت کے دعویٰ رضاع سے مرد پہ وہ عورت حرام نہیں ہوتی کیونکہ ثبوت رضاع تنہا ایک عورت کے قول سے نہیں ہوتا۔ لان الحرمۃ لیست الیھا کے یہی معنیٰ ہیں نہ وہ جو آپ نے سمجھے ہیں۔ اس کے بعد صاحب دُر کا تبعًا للصدر الشھید یہ کہنا مفادہ انھا لو اقرت بالثلاث من رجل حل لھا تزوجہ یقینًا۔ قیاس قلب و عکس ہے بزازیہ نے مسئلہ رضاع میں مرد کو نکاح کی اجازت دی تھی نہ کہ عورت کو اس سے یہ تو مستفاد ہو سکتا ہے کہ صورت دعویٰ طلاق ثلاث میں مرد کو اس مدعیہ سے نکاح جائز ہو جبکہ اسکے نزدیک عورت کا دعویٰ صحیح نہ ہو کیونکہ تنہا اسکے قول سے ثبوت طلاق نہیں ہو سکتا لیکن یہ اخذ کرنا کہ عورت کو بھی اس سے نکاح جائز ھے کس طرح مستفاد نہیں ہوتا۔ بس ان حضرات کے کلام کی تصحیح اسطرح ہو سکتی ھے کہ ان کے کلام کو قضاء پر محمول کیا جائے یعنی قضاءً عورت کو اقدام علی النکاح سے نہ روکا جائے گا کیونکہ قضاءً ثبوت طلقات ثلاث نہیں ہوا۔ مگر یہ کہ دیانۃً بھی عورت کو ایسا جائز ھے اور دیانۃً بھی اسکو نہ روکا جائیگا یہ ہرگز بزازیہ کے جزئیہ سے مستفاد نہیں ہو سکتا اور جو ایسا دعویٰ کرے وہ مبطل ہے صاحب بحر نے بزازیہ سے نقل کیا ہے قالت: طلقنی ثلاثًا ثم ارادت تزویج نفسھا منہ لیس لھا ذالک

اصرت علیه ام کذبت نفسها اھ (ص۵۹ ج ۴) هذا هو الموافق للاصول ـــــ اس کے بعد آپ کا یہ کہنا کہ مجموعی طور پر ان سب حضرات کی عبارات میں کہیں یہ نہیں ھے کہ عورت مذکورہ عالمہ بالطلاق ہوکر خود بخود ہی کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کرسکتی ہے الخ اس کا جواب یہ ہے کہ جن عبارات میں ان تتزوج بآخر و تحلل نفسها سرا منه الخ مذکور ہے وہ اس پر ناطق ہیں نیز جو عبارات شامی سے ابھی نقل ہوئی ہیں جو قبیل فصل الحداد میں مذکور ہیں وہ اس پر شاہد ہیں اور اطلاق متون سے صاحب بحر نے اسی کو اخذ کیا ہے اور نص، حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗ بھی اس پر دال ہے فافہم اور اسی سے آپ کے اس سوال کا جواب بھی ہوگیا کہ لا یفتی بغیر الراجح فی مذهبه...... و ان الحکم و الفتیا بالقول المرجوح جهل اخرق للاجماع الخ میں مبتلا ہوچکا کہ صورت مسئولہ میں جواز نکاح بآخر ہی راجح اور صحیح ہے۔ صورت سماع طلاق میں اس کے خلاف کوئی قول منقول نہیں اور اگر منقول ہوتو قضاء پر محمول ہوگا نہ دیانت پر کما قاله الشامی والخلاف الذی ذکرتموه انما هو فی الشهادة عند المرأة وقد تقدم مافیه فتذکر۔

آخر میں آپ نے محمد یوسف کے قول سے احتمال استقبال وغیرہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دیانت کا فتویٰ دینے والا مفتی شرعاً اس کا مکلف ہے کہ اس احتمال کو نظر انداز نہ کرے اس کا جواب تمہید میں دے چکا ہوں کہ شرعاً آپ کے ذمہ بھی یہ اعلان واجب ھے کہ ہماری دستخطی تحریر جو مدعیہ کے پاس ہے وہ ناقص اور موجب مغالطہ ہے اسلئے اس کا اعتبار نہ کیا جائے۔ مفتی دیانت نے تو آپکی اسی دستخطی تحریر پر جواب کو مبنی کیا ہے۔" فان صحیحاً فصحیح وان باطلاً فباطل ؏

اسکے بعد آپ نے عورت کی تمکین کو اسکے دعویٰ طلقات ثلاث کا مکذب قرار دیا ھے اس کا بھی وہی جواب ھے کہ مفتی دیانت کے سامنے جماع یا تمکین علی الجماع کا کوئی ذکر نہیں تھا اور ہوتا بھی تو اسکو مکذب قرار دینا اسلئے صحیح نہیں کہ عورت جاہل ھے ممکن ھے کہ اسکو قبل استفتاء حرمت مغلظہ کا علم نہ ہوا ہو اور دارالحرب؏ میں ایسا جہل عفو ہے لھذا

؏ بلکہ آپ نے جو "تجھکو طلاق دی" میں اور اسکے تکرار میں احتمالات واھیہ نکالے ہیں ان پر نظر کرکے تو دارالاسلام میں بھی عورت کو تمکین میں معذور سمجھنا چاھیے کیونکہ آپ کے نزدیک تو صریح لفظ طلاق کا تکرار (بقیہ اگلے صفحہ پر)

تکذیب کا دعویٰ نہیں چل سکتا۔ اب یہ بحث باقی رہ گئی کہ جب عورت طلاق ثلاث کی مدعی ہو اور مرد منکر ہو اور عورت کے پاس بینہ نہ ہو تو دوسروں کو انکے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیئے یہ تو اوپر ظاہر ہو چکا کہ اس عورت کو دوسرا نکاح جائز ھے اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو بھی اس سے نکاح جائز ہے مگر اس میں تفصیل ہے جن لوگوں کو شوہر کا انکار معلوم نہیں صرف عورت کا دعویٰ معلوم ھے کہ مجھے طلاق ہو چکی ہے یا شوہر کا انکار معلوم ہے مگر ان کے قلب کو عورت کا صدق اور مرد کا کذب لگتا ہے ان کو نکاح جائز ہے اور جن کے دل کو عورت کا کذب اور مرد کا صدق لگے یا دونوں مساوی ہوں انکو نکاح جائز نہیں آپ نے بزازیہ سے جو جزئیہ نقل کیا ھے۔ سمع رجل من امرأہ انہا مطلقۃ الثلاث والزوج یقول لابل مطلقۃ الثنتین لایسع لمن سمع منہا ان یخضی نکاحہا۔ و یمنعہا ما استطاع۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایسے مرد سے اس عورت کا نکاح جدید کیا جائے تو اس میں حاضر نہ ہو بلکہ لوگوں کو اس سے روکے۔ یہ مطلب نہیں کہ کسی دوسرے سے نکاح ہو جب بھی روکے کیونکہ جب عورت کا مطلقہ ہونا ثابت ھے خواہ مطلقۃ الثلاث ہو یا مطلقۃ الاثنتین تو دوسرے مرد سے نکاح میں کیا اشکال ہے اشکال تو ایسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ اس عورت کا نکاح اسی مرد سے ہو جس سے عورت نے مطلقۃ الثلاث ہونے کا دعویٰ کیا ہے پس یہ جزئیہ آپکی دلیل نہیں بلکہ میری دلیل ہے کہ مسلمانوں کو لازم ہے کہ اس مرد سے اس عورت کا نکاح نہ ہونے دیں جس سے اس نے مطلقۃ الثلاث ہونا بیان کیا ہے بلکہ اس سے اسکو روکیں۔ اگرچہ مرد یہ کہتا ہو کہ میں نے طلاق نہیں دی یا دو دی ہیں اس سے صاف معلوم ہوا کہ اس باب میں عورت کا قول معتبر ہے نہ مرد کا کما سیأتی صریحًا انشاء اللہ تعالیٰ۔ اللّٰھم الا ان یقضی القاضی بعدم وقوع الطلاق فلا تمنع من نکاحہ قضاءً و تمنع دیانۃً فافہم اسی کے بعد بحر میں یہ جزئیہ بھی منقول ہے۔ اراد ان یتزوج امرأۃ فشھد عندہ وعند القاضی ان لہا زوجًا فتزوجہا لایفرق انتہیٰ (ص۵۹ ج-۴)

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ باب نکاح وطلاق میں عورت کا قول مقبول ہے جو عورت اپنی کو غیر ذات زوج کہتی ہے اس سے نکاح کرنا ہر مرد کو جائز ہے اگرچہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) بھی جزمًا موجب وقوع طلاق مغلظ نہ رہا بلکہ متحمل احتمالات ہے پس اگر کوئی عورت قبل فتویٰ مفتی دیانت وقوع طلاق مغلظ سے جاہل رہے تو کیا تعجب ہے۔ ظفر

اس کے یا قاضی کے پاس شہادت بھی گذرے کہ اس کے شوہر ہے مگر چونکہ شہادت
علی الغائب ہے جس سے نکاح کا ثبوت نہیں ہوا اس لئے اگر کوئی اس سے نکاح کرے گا
تفریق نہ کی جائیگی ۔ اور دیانۃً جواز اور عدم جواز کا مدار شہادت قلب پر ہوگا اگر
مرد کے دل کو عورت کا قول لگے تو نکاح جائز ہے شوہر کا قول لگے تو ناجائز ھے ۔

رہا یہ اشکال کہ زوج اول کا نکاح صورت مسئولہ میں ثابت بالیقین تھا تو
عورت کے دعویٰ طلاق سے کیونکر مرتفع ہوگا فان الیقین لا یزول بالشک ۔
اس کا جواب یہ ہے کہ جس کو عورت کے صدق میں شک ہو اس کو اس سے نکاح جائز
نہیں اور جس کے دل کو عورت کا صدق لگے وہاں زوال الیقین بالشک کا تحقق نہیں بلکہ
زوال الیقین بالیقین ہے ورنہ لازم آئیگا کہ جس عورت کے پاس ایک ثقہ خبر لائے یا کوئی
ثقہ یا غیر ثقہ اسکے شوہر کا خط لائے کہ اس نے طلاق دیدی ھے اس صورت میں عورت
کو مطلقاً نکاح ثانی جائز نہ ہو کیونکہ نکاح اول ثابت بالیقین تھا اور خبر واحد یا
کتاب غیر موثوق بہ سے یقین زائل نہیں ہوسکتا مگر اوپر گذر چکا کہ عورت کے دل کو اگر
یہ بات لگ جائے کہ خبر سچی ہے تو اسکو نکاح بآخر جائز ہے یہ قید اسی لئے لگائی ھے
تاکہ یقین زائل بالیقین ہو جب خبر یا کتاب کا عورت کے دل کو لگنا اس کے حق میں مجوز
نکاح ھے ۔ تو دوسروں کے دل کو عورت کی بات لگنا بھی ان کے حق میں مجوّز نکاح ہے ۔

قال فی البحر :۔ واشار بقبول قولها الی انه لاعبرة بقول الزوج
الثانی حتی لو قال لم ادخل بها او کان النکاح فاسدًا او کذبته فالمعتبر[عہ]
قولها، ولو قال الزوج الاول لها ذالك (بعد ان نكحها) يعتبر قوله
فی حق الفرقة کانه طلقها لا فی حقها حتی یجب لها نصف المسمّٰی او کماله
ان دخل بها. واشار بقوله ان غلب علی ظنه صدقها الی ان عدالتها
لیست شرطًا ولهذا قال فی البدائع والکافی للحاکم وغیرهما لا بأس ان
یصدقها اذا کانت ثقة عنده او وقع فی قلبه صدقها وبقبول قول المطلقة
التی هی منکوحة رجل قالت للآخر : طلقنی زوجی وانقضت عدتی جاز
تصدیقها اذا وقع فی الظن صدقها عدلة کانت ام لا اھ (ص۵۹ ج۴) ولها

عہ هذا اما وعدته قبل فی قولی وسیأتی صریحًا ان شاء الله تعالیٰ . ظفر ۔

نظائر کثیرۃ فی الفقہ لا تخفی علی من مارسہ

صورت مسئولہ میں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ حَکَمْ بمنزلہ قاضی ہے عین قاضی نہیں حَکَمْ کا فیصلہ عام نہیں ہوتا قاضی کا فیصلہ عام ہوتا ہے پس قاضی نے اگر ایسی عورت کے متعلق جو زوج سے مطلقۃ الثلاث ہونے کی مدعی ہے غیر مطلقہ ہونے کا فیصلہ کر دیا تو قضاءً سب مسلمانوں کو اس کا غیر مطلقہ ہونا ظاہر میں ماننا پڑے گا اور کسی کو اس سے نکاح کی اجازت نہ دی جائیگی مگر حَکَمْ کے فیصلہ سے ظاہر میں بھی سب پر ماننا لازم نہیں ومن ادعی فعلیہ البیان قال فی العنایۃ: ان الحکم ادنی منزلۃً من القاضی لاقتضاء حکم علی من رضی بحکمہ وعموم ولایۃ القاضی فاذا رفع حکمہ الی القاضی فوافق مذہبہ امضاہ وان خالفہ ابطلہ بخلاف حکم الحاکم کما تقدم فانہ لایبطلہ الثانی وان خالف مذہبہ لعموم ولایتہ فکان قضاءہ حجۃ فی حق الکل فلا یجوز لقاضٍ آخر ان یبطلہ ویردہ اھ جب ظاہر میں بھی فیصلہ حکم کی مخالفت جائز ہے تو دیانۃً فیما بینہ وبین اللہ بدرجہ اولیٰ جائز ہے پس عامۂ مسلمین نہ انکار زوج کی وجہ سے مدعیہ طلاق ثلاث کے نکاح سے ممنوع ہو سکتے ہیں نہ فیصلہ حکم کی وجہ سے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

رقمہ بقلمہ اسیر وصمۃ ذنبہ والمہ ظفر احمد التھانوی عفا اللہ عنہ۔ ۲۰ رجب ۵۸ھ۔

از اشرف علی۔ السلام علیکم۔ نظر غائر کی نہ فرصت نہ قوت باقی سرسری نظر سے یہ تحقیق اقرب الی الصواب معلوم ہوتی ہے لیکن آئندہ بہتر یہ ہے کہ اس سلسلہ کو ختم کیا جائے جو حق معلوم ہو عمل کیجئے اور اگر کسی وجہ سے سلسلہ کو ختم نہیں کیا جاسکتا تو اقل درجہ مجھکو واسطہ نہ بنایا جائے۔ مولوی ظفر احمد سے خود اجازت لیکر ان سے مکاتبت کی جائے۔ والسلام۔ از تھانہ بھون۔

تتمہ سوال بالا

سوال:۔ صغریٰ نے بیان کیا کہ میرے شوہر نے دسوں مرتبہ مجھے یہ الفاظ کہدئے "میں تو کے طلاق دیہیوں تو قبول کری ہے"؟ ان الفاظ میں "دیہیوں" کے لفظ میں ادنیٰ تغیر لب ولہجہ سے ماضی ومستقبل کا فرق پیدا ہو سکتا ہے اس تغیر کو

ملحوظ رکھکر عبارت مذکورہ کے دو معنی ہوسکتے ہیں ایک یہ کہ میں نے تجھکو طلاق دیدی کیا تو قبول کرتی ھے؟ دوسرے یہ کہ میں تجھکو طلاق دونگا کیا تو قبول کرتی ھے؟ صغریٰ کا یہ بھی بیان ہے کہ شوہر نے اس کے بعد میرے ساتھ جماع کیا اھ ـــــ مگر شوہر محمد یوسف نے ایقاع طلاق کا حلفاً انکار اور وعدۂ طلاق کا اقرار کرلیا۔ صغریٰ اقامت بینہ سے قاصر رہی اسلئے محکم نے جس کے پاس فریقین نے مرافعہ کیا تھا عدم ثبوت طلاق کا فیصلہ صادر کردیا۔ فریقین نے جب تحریر طلب کرلی تو تحقیقات صدر میں حصہ لینے والے علماء میں سے ایک صاحب نے محض اس بناء پر کہ فریقین کو بتائے ہوئے فیصلہ پر عمل کرنا ھے ایک تحریر مع تصدیقات دیگر علماء کے لکھدی جس میں عدم ثبوت طلاق کا فیصلہ مذکورہ ظاہر کردیا گیا ساتھ ہی ساتھ شوہر کو بھی نصیحت کردی کہ اگر فی الواقع اس نے یہ الفاظ کہدئے ہوں تو اسکو عورت سے اجتناب کرنا چاھئے کیونکہ ان الفاظ سے قضاءً تین طلاقیں واقع ہوتی ہیں اور چونکہ تحریر مذکور دیتے وقت اس کا مطلقاً خیال نہیں تھا کہ تحریر مذکور کو فریقین میں سے کوئی فریق موضوع بحث بنائیگا اور دوسرے علماء کے سامنے پیش کریگا اسی وجہ سے عورت کے بیان کردہ الفاظ کا اہم حصہ (کیا تو قبول کرتی ہے) اسمیں درج نہیں کیا گیا۔ اسیطرح تشریح کا دوسرا پہلو بھی ظاہر نہیں کیا گیا بلکہ صرف اس پہلو کو درج کیا گیا جو مدعیہ کے حق میں زیادہ سے زیادہ مفید ہوسکتا تھا اور اسی کو بسبب عدم شہادت اور بناء برانکار و حلف شوہر کے ساقط الاعتبار قرار دیکر فیصلہ کا اظہار کیا گیا کہ طلاق ثابت نہ ہوئی۔ جس ادارہ کے علماء نے یہ تحریر صادر کی اسکے معاندین نے صغریٰ کو سکھا کہ فیصلہ مذکورہ سے باغی اور منحرف بنادیا اور ادارۂ مذکورہ کو بدنام کرنیکی غرض سے تحریر بالا کو جناب کے پاس بھیجدیا (حالانکہ وہ اصل بیانات کو بھی ادارہ مذکورہ سے حاصل کرسکتے تھے۔) اور غالباً جناب کو بھی اس سے بے خبر رکھدیا گیا کہ یہ تحریر بالکل سرسری طور پر لکھدی گئی ہے اور یہ کہ اصل واقعہ اور کامل بیانات کو مکمل طور پر حاصل کرنے کی کوشش کئے بدون ہی ہم اس تحریر کو روانہ کرتے ہیں (اسکی اطلاع آپکو نہیں دی) اسلئے پورا واقعہ لکھ کر التماس ہے کہ فریقین کے بیانات میں غور فرماکر حکم شرعی سے آگاہ فرمایا جائے کہ آیا الفاظ صدر سے بصورت ثبوت بھی وقوع طلاق متیقن ھے یا مشکوک؟ اگر مشکوک ہے تو کیا اس سے محمد یوسف کا نکاح زائل ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو صغریٰ کا دوسرا نکاح کرنے کے لئے تیاری کرنا اور

دوسروں کا اسکو تیار کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور جو لوگ اس کو آمادہ کرتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟

(نوٹ) بیانات مندرجۂ بالا مع نشانہائے نر انگشت و دستخط بعینہٖ موجود ہیں۔

محمد سلیم عفا اللہ عنہ۔

الجواب :۔ اگر صورتِ واقعہ وہی ہے جو اس سوال میں درج ہے تو اس صورت میں دیانۃً بھی وقوع طلاق کا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا جیسا کہ قضاءً بوجہ انکار زوج وعدم اقامت بینہ از جانب مدعیہ طلاق کا ثبوت نہیں ہوا کیونکہ محمد یوسف کا یہ قول "میں تو کے طلاق دیہوں تو قبول کری ہے بظاہر تفویض کو محتمل ہے مگر بیان واقعہ میں فریقین کے درمیان سخت اختلاف ہے مستفتیٔ اول نے اولاً جب علماء ثلاثہ کی فیصلہ کن تحریر بھیجی جس میں زوج کے الفاظ وہ نہ تھے جو اس سوال میں درج ہیں وہ الفاظ "کیا تو قبول کرتی ہے" سے خالی تھی تو اسکو متنبہ کیا گیا کہ زوج کے پورے الفاظ لکھ کر بھیجو جو علماء ثلاثہ کے دفتر میں محفوظ ہیں تو اس نے یہ جواب دیا کہ "جناب والا نے تحریر فرمایا تھا کہ محمد یوسف اور صغریٰ کے اصل بیان کی نقل لیکر بھیجو اسلئے میں نے اس کے وصول کرنیکی کوشش کی اور مختلف ذرائع سے کام لیا لیکن نقل کسی طرح دستیاب نہ ہو سکی مجبور ہو کر دو آنہ کے ٹکٹ خود حضور کے پاس بھیجتا ہوں کہ تکلیف فرما کر مولوی .... صاحب سے براہ راست طلب فرمائیں تو شاید مل جائے اتنا میں یقین دلاتا ہوں کہ محمد یوسف اور صغریٰ دونوں کا بیان میرے سامنے ہوا ہے اور میرے ساتھ .... ساکن کیاری ٹولہ اور حافظ .... ساکن ریاست دوباری بھی تھے اور یہ عریضہ لکھنے کے وقت بھی میرے پاس موجود ہیں ہم سب لوگ یقین کے ساتھ جانتے اور بیان کرتے ہیں کہ میاں بیوی کے اصل بیان میں مولوی ...... صاحب کی فیصلہ کن تحریر سے زیادہ کوئی بات نہیں ہے بجز اس بات کے کہ محمد یوسف نے بیان کیا کہ میں نے اپنی بیوی سے کہا تھا کہ کل میں مبارک پور جاؤنگا تو اپنے ایک دوست سے روپیہ

ع مگر حیرت ہے کہ مطبوعہ فتویٰ میں تحریری فیصلہ کے اندر یہ لفظ "تبیں قبول کرتی ہے" بڑھادیا گیا ہے جو پہلے اس میں نہ تھا اور یہ بھی نہ سوچا گیا کہ اس لفظ کے اضافہ کے بعد علماء ثلاثہ کا یہ قول کہ اگر واقعی محمد یوسف نے یہ لفظ کہا تو اسکی عورت مطلقہ مغلظہ ہو گئی ہے سراسر غلط ہو جائیگا کیونکہ اس زیادت کے بعد ایقاع طلاق ہی کا جز صحیح نہیں چہ جائیکہ ایقاع ثلث کا بلکہ مدار نیت پر ہوگا اور زوج سرے سے طلاق کا منکر ہے فیا اسفا للعلم و اھلہ۔ ظفر

لاؤ نگا اور تم کو مہر، خرچہ دیکر تمکو طلاقؑ دیدونگا دوسری بات یہ کہ اسی رات میں جماع کی حالت میں کہا تھا کہ یہ آخری جماع ہے لیکن یہ بات بھی اس نے اپنے سے نہیں بلکہ مولوی ...... صاحب کے تلقین کرنے سے کہی تھی صغریٰ کے بیان میں صرف یہ بات زائد ہے کہ مولوی ...... صاحب نے اس سے پوچھا کہ اس رات کو تم نے جماع بھی کیا تھا؟ صغریٰ نے کہا ہاں اس زائد بات کا حال یہ ہے کہ جب عورتوں نے صغریٰ سے پوچھا کہ تو یوسف کے طلاق دینے کے بعد اس کے پاس سوئی کیوں؟ تو اس نے کہا کہ یہ بات کون کہتا ہے؟ میں ہرگز نہیں سوئی عورتوں نے کہا کہ تو نے جماع کا اقرار کیا ہے؟ تب اس نے کہا کہ میں نے اس کا مطلب برتن وغیرہ جمع کرکے دھونا سمجھا تھا بہر حال اصل بیان میں اس سے زیادہ اور کوئی چیز نہیں ہے جس رات کو یہ واقعہ پیش آیا اسکی صبح ہی کو صغریٰ محمد یوسف کے گھر سے چلی آئی اور جب محمد یوسف اور اس کے باپ صغریٰ کو لینے گئے تو اس نے سارا قصہ کہہ سنایا اور محمد یوسف خاموشی سے سنتا رہا ایک دفعہ بھی طلاق دینے سے انکار نہیں کیا لیکن جب اسکے باپ نے کہا کہ " تب تو سب قصہ ہی ختم ہوگیا اب اس سے مہر خرچہ وصول کرو " یہ کہا اور اٹھ کر ایک تھپڑ محمد یوسف کو مارا تب اس نے کہا کہ میں نے طلاق نہیں دی ہے۔ اس واقعہ کے شاہد محمد ادریس ہیں ان کا بیان بھی مولوی ...... صاحب کے پاس قلمبند ہے اب اگر واقعہ یہ ہے جو مستفتی اول نے لکھا ہے تو دیانۃً طلاق مغلظ ہوچکی جس کا حکم وہ ہے جو میرے پہلے فتویٰ میں ہے۔ فریقین خدا سے ڈر کر جو صورت واقعہ ہو اس کے موافق فتویٰ پر عمل کریں۔ واللہ اعلم بالصواب

ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون ۲۵ رجب ۵۸ھ

قال الموفق فی المغنی : وان اختلفا فی عدد الطلاق فالقول قوله کما ذکرناه (ان البینة علی المدعی والیمین علی من انکر هذا هو حکم القضاء) فاذا طلق ثلاثًا وسمعت ذالك وانكر او ثبت ذالك عندها بقول عدلين لم يحل لها تمكينه من نفسها وعليها ان تفرّ منه ما استطاعت وتمتنع منه اذا ارادها وتفتدى منه ان قدرت قال احمد : لا يسعها ان تقيم معه وقال ايضًا تفتدى منه بما تقدر عليه فان اجبرت على ذالك فلا تزين له ولا تقربه وتهرب ان قدرت وان شهد عنده عدلان غير متهمين

ع اس کا حاصل زوج کا طلاق سے انکار ہے اور یہ بات فیصلہ کن تحریر میں بھی موجود تھی۔ فلا تعارض۔ ظفر

فلا تقیم معه وهذا قول اکثر اهل العلم قال جابر بن زید وحماد بن ابی سلیمان و ابن سیرین تفر منه ما استطاعت و تفتدی منه بکل ما یمکن و قال الثوری و ابو حنیفة و ابو یوسف و ابو عبید تفر منه وقال مالک لا تتزین له ولا تبدی له شیئاً من شعرها ولا عریتها ولا یصیبها الا وھی مکرھة ۔ وروی عن الحسن و الزھری والنخعی یستحلف ثم یکون الاثم علیه و الصحیح ماقاله الاولون لان ھذه تعلم انها اجنبیة منه محرمة علیه فوجب علیها الامتناع والفرار منه کسائر الاجنبیات وکذا لو تزوجها تزویجاً باطلاً و سلمت الیه فالحکم فی ھذا کله کالحکم فی المطلقة ثلاثاً "

ولو طلقها ثلاثاً ثم جحد طلاقها لم ترثه نص علیه احمد وبه قال قتادة و ابو حنیفة وابو یوسف و الشافعی وابن المنذر وقال الحسن ترثه لانها فی حکم الزوجات ظاھراً ولنا انها تعلم انها اجنبیة فلم ترثه کسائر الاجنبیات وقال احمد فی روایة ابی طالب تهرب منه ولا تتزوج؏ حتی یظهر طلاقها و یعلم ذالک یجیئ فیدعیها فترد علیه و تعاقب و ان مات و لم یقر بطلاقها لا ترثه لا تأخذ مالیس لها تفر منه ولا تخرج من البلد ولکن تختفی فی بلدھا قیل له فان بعض الناس قال تقتله ھی بمنزلة من یدفع عن نفسه فلم یعجبه ذالک فمنعها من التزویج قبل ثبوت طلاقها لانها فی ظاھر الحکم زوجة ھذا المطلق فاذا تزوجت غیره وجب علیها فی ظاھر الشرع؏ العقوبة والرد الی الاول و یجتمع علیها زوجان ھذا بظاھر الامر وذاک بباطنه؎ ولو یأذن لها فی الخروج من

؏ لا یخفی علی العاقل ان قوله لا تتزوج لا یدل علی حرمة التزویج لو تزوجت وانما ھو مجرد مشورة صیانة من العقاب الدنیوی کما یدل علی ذالک قوله فترد علیه و تعاقب ظفر ۔ ؏ تقییده بظاھر الشرع دلیل علی ان لا عقوبة علیها فی الباطن ۔ ظفر ؎ صریح فی انها لو تزوجت کان الآخر زوجها فی الباطن وھذا ھو معنی صحة النکاح ۔ ظفر

البلد لان ذالک یقوی التہمۃ فی نشوزہا ولا فی قتلہ قصداً لان الدافع عن نفسہ لایقتل قصداً فاما ان قصدت الدفع عن نفسہا فآل الی نفسہ فلا اثم علیہا ولا ضمان فی الباطن فاما فی الظاہر فانہا تؤخذ بحکم القتل مالم یثبت صدقہا اھ ص۴۲۳ ج۸ وفی کل ذالک دلالۃ علی ان القول بان یستحلف الزوج ثم یکون الاثم علیہ لیس من اقوال الائمۃ الاربعۃ فی شیئ واکثر اہل العلم علی خلافہ وانما ہو قول الحسنؒ ومن وافقہ والصحیح ما قالہ الاکثرون فمن افتی بہذا القول ممن سماہ الجہلاء بامام الہند فہو جاہل لامعرفۃ لہ بصحیح القول من سقیمہ) وفیہ دلالۃ ایضاً علی ان المرأۃ اذا سمعت من زوجہا الطلاق الثلاث اوثبت ذالک عندہا بقول عدلین وانکرہ الزوج وجحد فالمرأۃ اجنبیۃ منہ محرمۃ علیہ فی الباطن لا یحل لہا تمکینہ من نفسہا ولا الاقامۃ عندہ کسائر الاجنبیات (ومن ادعی انہ یستلزم کون الطلاق بید المرأۃ وان لہا ایقاعہ علی نفسہا فقد بغی علی نفسہ بالجہل والسفہ فان الطلاق انما ہو بید الزوج ولیس معناہ ان لا یثبت حکمہ مالو یقربہ فلو طلق وجحد ثبت حکم الطلاق لعدم توقف وقوعہ علی اعترافہ بہ الا تری انہ لوزنی بامرأتہ وانکر ہل یحل لہا ان تمکنہ من نفسہا ؟ کلاً فہل لاحد ان یقول ان ذالک یستلزم کون الفرقۃ بید المرأۃ سلمنا فماذا یقول لوقبلت المرأۃ ابن زوجہا اومکنتہ من نفسہا وانکرہ الزوج فہل یجوز لہا ان تقیم معہ وتعاشرہ معاشرۃ الازواج ؟ فافہم) وفیہ دلالۃ ایضاً علی انہا لا ترثہ لانہا تعلو انہا اجنبیۃ عنہ کسائر الاجنبیات ومقتضی ہذا التعلیل انہا لوتزوجت بآخر جاز لہا ذالک دیانۃً ویکون الاخر زوجہا بالباطن وانما منعہا احمد من التزویج مخافۃ ان یجیئ الاول فیدعیہا فترد علیہ وتعاقب وکیلا یجتمع علیہا زوجان ہذا بظاہر الامر وذالک بباطنہ فلو امنت من مجیئی الاول وادعائہ ایاہا لکونہا فی منعۃ من قومہا او لکونہا فی بلدۃ لا قاضی بہا لم تمنع من التزویج وہذا ہو قول اصحابنا الحنفیۃ شکر اللہ سعیہم قال المحقق فی فتح القدیر

سئل نجم الدین النسفی عن رجل حلف بالطلاق الثلاث وظن انه لم یحنث فافتیت المرأة بوقوع الثلاث وخافت ان اعلمته بذالک ان ینکر هل لها ان تستحل بعدما یفارقها بسفر وتامره اذا حضر بتجدید العقد قال نعم دیانة اهـ (ص۳۸ ج-۲) لم یذکر فیه خلافاً وابن الهمام اعرف الناس بمذهب ابی حنیفة واختلاف اصحابه (فهل یقول الجاهل الذی لقّبه السفهاء بامام الهند بان ابن الهمام ونجم الدین النسفی کلاهما جاهلان اومفسدان؟ کلا بل الجاهل من جهلهما والمفسد من نسبهما الی الفساد) وفی قوله: وخافت الخ دلالة علی انها لو لم تخف منه جاز لها ان تستحل علانیةً لان کل ماجاز سراً فهو جائز علناً اذا لم یکن فی الاعلان به فتنة وقد عرف ان نکاح التحلیل مؤبد لیس بموقت اصلاً. فمن ادعی انها لایجوز لها ان تتزوج بآخر علانیةً مطلقًا فقد خلع ربقة العلم والفقه عن عنقه وهذه حادثة الفتوی افتیت فیها بان المرأة اذا سمعت من زوجها الطلاق الثلاث لم یحل لها تمکینه من نفسها وعلیها ان تفر منه وتخرج من بیته او تفتدی منه ان قدرت ولها ان تعتد وتتزوج بآخر بعد العدة وتحلل نفسها فان طلقها فلها ان ترجع الی الاول فخالفنی فی ذالک بعض من لامساس له بالفقه وتشبث باقوال مَن لقّبه السفهاء بامام الهند ونحوه وهو ملحد فی دین الله محرف لکلامه یدل علی ذالک تفسیره بالهندیة ویشهد علیه اعماله واحواله واحتج بان الطلاق بید الزوج لا بید المرأة والزوج منکر للطلاق فهی امرأته فی القضاء فلا یجوز لها ان تعتد وتتزوج بغیره دیانةً ولا قضاءً ما لم یقر الزوج بالطلاق او تختلع منه وادعی ان الافتاء بالتزویج بغیره خلاف المذهب الصحیح ولا دلیل یدل علی ذالک من الکتاب والسنة واقوال الفقهاء فاجبت بان ذالک هو مقتضی قول الله عزوجل فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجاً غیره فقد دل علی ان الطلاق الثلاث یحرّم المرأة علی الاوّل ویبیح لها ان تنکح زوجاً غیره مطلقاً سواء اقر به الزوج او انکر وهو قول اکثر اهل العلم ماخلا الحسن البصری ومن وافقه وهذا هو مقتضی اطلاق المتون قال فی البحر واطلق فشمل ما اذا کان الزوج الاوّل معترفاً

بالطلاق الثلاث او منکراً بعد ان کان الواقع الطلاق الثلاث ولهذا قالوا لو طلقها ثلاثاً وانکر لها ان تتزوج بآخر وتحلل نفسها سراً منه (وما کان مباحًا سراً فهو مباح علناً) وانما اشاروا علیها بالتحلیل سراً لان القاضی لایقبل قولها من غیر بینة ولو تزوجت علناً ردها القاضی الی الاول وعاقبها وعاقب الزوج الثانی کما هو ظاهر) اذا غاب فی سفر فاذا رجع التمست منه تجدید النکاح لشک خالج قلبها (وهذا هو ماذکره المحقق فی الفتح ولم یذکر فیه خلافاً کما مر) وقد ذکر فی القنیة خلافاً (ولاعبرة بنقله مالم یتأید بنقل غیره من الثقات واما مجرد ذکر صاحب البحر وصاحب الدر قول القنیة فلا یدل علی ثبوت الخلاف فی المسئلة) فرقم للاصل بانها ان قدرت علی الهروب منه لم یسعها ان تعتد وتتزوج بآخر لانها فی حکم زوجیة الاول قبل القضاء بالفرقة ثم رمز شمس الائمة الاوزجندی وقال قالوا هذا فی القضاء ولها ذالک دیانة (هذا هو الذی افتیت به وجمعت به بین القولین وصرح به العلامة الشامی فماذا یقول الذی لقبه السفهاء بامام الهند فی شمس الائمة الاوزجندی هل هو جاهل او مفسد ؟ قاتلهم ان یؤفکون. فتبا للعقول المعکوسة والقلوب المنکوسة حیث رد نه قائلة بان ذالک من ابحاث الشامی ولاعبرة بابحاث ابن الهمام فما ظنک بمن هو دونه ولایشک عاقل فی انه لیس من ابحاث الشامی قط وانما هو من اقوال المشائخ منقول عن کثیرین منهم) قال وکذا لک ان سمعته طلقها ثلاثاً ثم جحد وحلف انه لم یفعل وردها القاضی علیه لم یسعها المقام معه ولم یسعها ان تتزوج بغیره ایضًا (لانها لو تزوجت بعد ماردها القاضی علی الاول اجتمع علیها زوجان هذا بظاهر الامر وذالک بباطنه فلا دلالة فیه علی عدم جواز التزویج لو امنت من رد القاضی ایاها علیه لکونها فی منعة من قومه او ببلدة لا قاضی بها فافهم) قال یعنی البدیع والحاصل انه علی جواب شمس الاسلام الاوزجندی ونجم الدین النسفی والسید ابی شجاع وابی حامد والسرخسی یحل لها ان تتزوج بزوج آخر فیما بینها وبین الله تعالیٰ (فماذا یقول الذی لقبه السفهاء بامام الهند فی

هؤلاء الاجلة الفقهاء هل کانوا کلهم مفسدین او جهلاء ؟ فانهم قد افتوا بما افتیت به و اتبعوا ما اقتدیت به) وعلی جواب الباقین لایحل انتهی (قلت جواب الباقین مقید بما اذا ردها القاضی علی الاول او خافت ان یردها علیه فلا تتزوج علناً و انما تحلل نفسها سراً کما تقدم) وفی الفتاوی السراجیة : اذا اخبرها ثقة ان الزوج طلقها و هو غائب وسعها ان تعتد و تتزوج ولو یقیده بالدیانة (فکیف لو شهد عندها عدلان او سمعت الطلاق باذنیها) قال المصنف (ای صاحب الکنز) و قد نقل ـــــ (الی) طلق امرأته ثلاثاً و غاب عنها فلها ان تتزوج بزوج آخر بعد العدة ـــــــ و نقل آخر انه لایجوز فی المذهب الصحیح اھ قلت :- انما رقم شمس الائمة الاوزجندی وهو الموافق لما تقدم عنه (قلت : هو قول السرخسی ایضاً کما مر) و القائل بانه المذهب الصحیح العلاء الترجمانی (قلت : هذا هو حجة الخصم الذی خالفنی فی حادثة الفتوی وزعم ان العدول عن المذهب الصحیح باطل ولو یدر المسکین ان المذهب الصحیح لا یثبت بنقل صاحب القنیة وحده و لا بقول العلاء الترجمانی فحسبه فهل یجوز لعاقل ان یبتهم شمس الائمة الاوزجندی ونجم الدین النسفی و السید ابا شجاع و ابا حامد و السرخسی وهم ائمة اجلة اعلام مشهورون بنقل المذهب و معرفته بالافتاء بخلاف المذهب الصحیح ویجعل ما ذکره العلاء الترجمانی مذهباً صحیحاً ؟ کلا فان حمل علی القضاء فذاك و الا فهو مشکل مخالف لتصریحات الفقهاء کافة کما قاله العلامة الشامی و اذا کان کذالك فلا یکون ما قاله الترجمانی مذهباً صحیحاً مالم یتبین حاله ویعرف طبقته فی الفقهاء فانه کما اظن رجل مجهول لاسیماً و الناقل عنه هو صاحب القنیة وحده و لا عبرة بنقله مالم یتأید بنقل غیره من الثقات کما هو معروف عند الفقهاء) ثم رقم بعده لعمر النسفی و قال حلف بثلاثة فظن انه لم یحنث و علمت الحنث وظنت انها لو اخبرته ینکر الیمین فاذا غاب عنها بسبب من الاسباب فلها التحلل دیانةً لا قضاءً (هذا هو الذی نقله المحقق عن نجم الدین النسفی ولم یذکر فیه خلافاً وهو اعرف الناس بمذهب الحنفیة و

اصوله) قال عمر النسفی سألت عنها السید ابا شجاع فکتب انه یجوز ثم سألته
بعد مدة فقال انه لایجوز والظاهر انه انما اجاب فی امرأة لایوثق بها اه
کذا فی شرح المنظومة (قلت: ویحتمل انه افتی بالدیانة مرة وبالقضاء
اخری او افتی مرة فیمن قدرت علی الفرار من الزوج الاول وامنت الرد
علیه واخری فیمن لم تقدر علی ذالک فافهم)۔
وفی البزازیة: شهد (قلت: واما اذا کانت ببلدة لاقاضی بها
فحضور الزوج وغیبته سواء لانه ان انکر لم یحتج الی القضاء بالفرقة
کما لایخفی وهذا اذا شهد بالطلاق الثلاث واحد واما اذا شهد به
ثقتان فهو اذا سمعته باذنیها یجب علیها ان تفر منه ولها ان تتزوج
بآخر سرا لتحلل به نفسها اذا کانت ببلدة بها قاض یخاف ان یردها
علی الاول او علنا ان امنت ذالک کله لانها تعلم انها اجنبیة منه محرمة
علیه فلها من الحکم ما للاجنبیات ومن ادعی غیر ذالک فعلیه البیان)
وفیها سمعت بطلاق زوجها ایاها ثلاثا ولاتقدر علی منعه الا بقتله
ان علمت انه یقربها تقتله بالدواء ولاتقتل نفسها (صریح فی کونه
اجنبیا عنها فیما بینهما وبین الله تعالی) وذکر الاوزجندی انها ترفع
الامر الی القاضی فان لم یکن لها بینة تحلفه فان حلف فالاثم علیه (قد
تقدم انه لیس من اقوال الائمة الاربعة فی شئ ولیس بصحیح وانما هو
قول الحسن البصری ومن وافقه وخالفه فی ذالک اکثر اهل العلم) وان
قتلته فلاشئ علیها والبائن کالثلاث (صریح فی انها لاتحل للاول
بعد حلفه ایضا والالم یجز لها ان تقتله) وفی التتارخانیة وسئل الشیخ
ابو القاسم عن امرأة سمعت من زوجها انه طلقها ثلاثا ولاتقدر ان تمنعه
نفسها بل یسعها ان تقتله فی الوقت الذی یرید ان یقربها ولاتقدر
علی منعه الا بالقتل فقال لها ان تقتله وهکذا کان فتوی الشیخ الامام شیخ
الاسلام عطاء بن حمزة ابی شجاع وکان القاضی الامام الاسبیجابی یقول
لیس لها ان تقتله وفی الملتقط وعلیه الفتوی (محمول علی انها لاتقتله

قصداً لان الدافع لا یقصد القتل و لھا ان تدفعه عن نفسها بما امکن ولو آل الی نفسه فلا شئی علیها فی الباطن کما مر فی قول احمدؒ) وفی فتاوی الشیخ الامام محمد بن الولید السمرقندی فی مناقب ابی حنیفة عن عبد الله بن المبارك عن ابی حنیفةؒ ان لها ان تقتله وفی المحیط فی مسئلة النظم و ینبغی لها ان تفتدی بمالها و تهرب منه فان لم تقدر قتلته متی علمت انه یقربها ولکن ینبغی ان تقتله بالدواء ولیس لها ان تقتل نفسها قلت: قال فی الملتقی وان قتلته بآلة یجب علیها القصاص اھ (ص۵۸ ج-۴) (لانها فی ظاهر الحکم قتلت زوجها عمداً وان کانت فی الباطن قد قتلت من اراد ان یزنی بها فلا ینبغی ان تقتله بالآلة کیلا تقتل به وفی کل ذالك من الاقوال دلالة صریحة علی کون المرأة اجنبیة عن زوجها محرمة علیه اذا سمعت منه الطلاق الثلاث او شهد به عدلان فلها ان تعتد و تتزوج بآخر سرا و تحلل نفسها لو خافت ان یدعیها فترد علیه و تعاقب او علناً لو امنت ذالك و لم تخف و لا یجوز لها المقام عنده ولا ان تجدد بینها و بینه عقد النکاح حتی تنکح زوجاً غیره قال فی البزازیة سمع رجل من امرأة انها مطلقة الثلاث والزوج یقول لا بل مطلقة اثنتین لا یسع لمن سمع منها ان یحضر نکاحها (ای بهذا المطلق) و یمنعها ما استطاع اھ من البحر (ص۵۹ ج-۵) واما حمل الخصم هذا القول علی معنی انه لا یسع لمن سمع منها ان یحضر نکاحها بآخر غیر المطلق لکونها زوجة المطلق حکما و قضاءً فتاویل باطل قطعاً اما اولاً فلان صاحب البحر انما ذکره فی تائید ما ذکره قبل من قبول قول المرأة دون الزوج ولا یخفیٰ ان قبول قول المرأة انما هو فی المنع من حضور نکاحها بهذا المطلق لکونها تدعی حرمتها علیه واما ثانیاً فلان التاویل الذی ذکره الخصم یرده ما فی البحر بعد ذالك عن البزازیة ایضاً وفیها قالت طلقنی ثلاثاً ثم ارادت تزویج نفسها منه (لکونه ینکر الطلاق الثلاث) لیس لها ذالك اصرت علیه ام کذبت نفسها اھ ص۵۹ ج-۴ واذا لم یکن لها ذالك وجب علی من سمع منها ان یمنعها من النکاح بهذا المطلق ما استطاع واذا شهد عند المرأة شاهدان عدلان ان زوجها طلقها ثلاثاً وهو یجحد ذالك لم یسعها

ان تقوم معه وان تدعه یقربها فان حلف الزوج علی ذالک فردها القاضی علیه لا یسعها المقام معه وینبغی لها ان تفتدی بما لها او تهرب منه فان لم تقدر علی ذالک قتلته متی علمت انه یقربها لکن ینبغی ان تقتله بالدواء ولیس لها ان تقتل نفسها واذا هربت منه لم یسعها ان تتزوج بزوج آخر قال الشیخ شمس الائمة الحلوانی فی کتاب الاستحسان هذا جواب الحکم واما فیما بینها وبین الله تعالیٰ اذا هربت فلها ان تعتد وتتزوج بزوج آخر کذا فی المحیط اھ عن العالمگیریة ص۱۳۰ ج-۲ —— قلت: وهذا الذی ذکره من حکم الدیانة مسکوت عنه فی قول محمد واکثر العلماء وقد صرح به المشائخ الاعلام وحکم القضاء هو المراد بقول العلاء الترجمانی انه لا یجوز لها التزویج بآخر فی المذهب الصحیح اھ ای هو المذهب الصحیح قضاءً لا دیانةً ولکن هذا آخر الکلام مع الخصوم الالد الخصام والعلم لله الملک العلام والصلوٰة والسلام علی سید الانام سیدنا النبی محمد علی الدوام وعلی آله واصحابه البررة الکرام الی یوم القیام والحمد لله الذی بعزته وجلاله ونعمته تتم الصّٰلحٰت

حرره الاحقر ظفر احمد عفا عنه - ۲۷ رجب ۵۸ھ

از تھانہ بھون

فصل فی الخلع واحکامہ والطلاق علی مال

ماں باپ کے کہنے سے عورت خلع لے سکتی ہے یا نہیں

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں (۱) کہ اپنے ماں باپ کے کہنے پر عورت خلع لے سکتی ہے؟

(۲) عورت ماں باپ کے گھر میں ہے۔

(۳) عورت مہر کے ساتھ خلع چاہتی ہے کیا درست ہے؟

(۴) شوہر کہے کہ میری شادی کا خرچہ عورت دے تو خلع دیتا ہوں اس کا کہنا جائز ہے؟

الجواب:۔ (۱) محض والدین کے کہنے سے عورت کو خلع لینا جائز نہیں بلکہ اس وقت جائز ہے جبکہ عورت یہ جان لے کہ مجھے اس شوہر کے ساتھ موافقیت اور نباہ نہیں ہو سکتا

قال فی الدر: ولا بأس به عند الحاجة للشقاق بعدم الوفاق اھ

(۲) اگر عورت ماں باپ کو وکیل بنادے تو وہ اسکی طرف سے وکالۃً خلع لے سکتے ہیں۔

(۳) اگر بضرورت خلع لے رہی ہے تو مہر کیساتھ خلع کرنا جائز ہے۔

(۴) اگر زیادتی مرد کی جانب سے ہے تو اسکو بشرط معافی مہر کرنا بھی جائز نہیں اس سے زیادہ کی شرط کرنا تو بدرجہ اولیٰ جائز نہ ہوگی اور اگر زیادتی عورت کی طرف سے ہے تو شرط معافی مہر تو بلا کراہت جائز ہے اور اس سے زیادہ لینا مکروہ تنزیہی ہے

قال فی الدر:۔ وکرہ تحریماً اخذ شیٔ ویلحق به الابراء عما لها علیه ان نشز وان نشزت لا ولو منه نشوز ایضاً ولو باکثر مما اعطاها علی الاوجه و تعبیر الملتقی بلا باس به یفید انها تنزیهیة وبه یحصل التوفیق اھ (ص ۹۲۳)

بشرط معافی مہر طلاق کی ایک صورت

(سوال) اگر کوئی شخص یہ شرط کرلے کہ تم میری لڑکی کو طلاق دیدو وہ شخص اس شرط پر طلاق دیدے کہ "تم مہر کا دعویٰ نہ کرو تو طلاق)۔کیا یہ طلاق مقبول ہوگی۔ اگر وہ مہر کا پھر دعویٰ کرلے تو کیا طلاق واقع ہوگی؟

الجواب:۔ ان الفاظ سے ابھی طلاق کا وقوع نہیں ہوا چاہے دوسرے فریق دعویٰ مہر کرے یا نہ کرے بلکہ وقوع طلاق اس شخص کی موت کے وقت ہوگا جس سے شوہر نے

یہ کہا ہے کہ اگر تم مہر کا دعویٰ نہ کرو لانہ ح یظہر عدم ادعاءہ یا اس وقت ہوگا جبکہ دوسرا شخص مہر سے شوہر کی براءت اور اپنا لادعویٰ ہونا پوری پختگی کے ساتھ چند گواہوں کے سامنے تحریر کردے کہ عرفاً اس سے بھی دعویٰ کا عدم متحقق ہوجاتا ہے اور محاورہ کے موافق اگر اس شخص سے جس نے یہ قول زبان سے کہا ہے کہ "اگر تم مہر کا دعویٰ نہ کرو تو طلاق" اس طرح کی تحریر کے بعد دریافت کیا جائے کہ آیا تیری شرط متحقق ہوگئی یا نہیں؟ تو وہ ضرور کہدیگا کہ ہاں، اب شرط متحقق ہوگئی کیونکہ مقصود اس قول سے کہ "اگر تم مہر کا دعویٰ نہ کرو" یہ ہے کہ مجھے عدم دعویٰ کا اطمینان ہوجائے جسکی ایک صورت موت بھی ہے اور عرفاً ایک صورت یہ بھی ہے جسکو محاورات میں عدم دعویٰ کا مصداق سمجھتے ہیں ومثل ذالك یعتبر فی الکلام وفی القنا وی رجل عاتبتہ امرأۃ فی شرب الشراب فقال: ان ترکتُ شربہ ابداً فانت طالق ان کان یعزم ان لایترك شربھا لایحنث وان کان لایشرب بھاکذا فی الخلاصۃ اھ من العالمگیریۃ (ص ۱۱۰-ج-۲) فقدجعل عزم الشرب شرباً مع ترکہ ظاھراً تبعاً للمحاورۃ والعرف فینبغی ان یکون فی الصورۃ المذکورۃ ایضاً کذالك فان اقرار الرجل عند الحاکم ببرأۃ الخصوم من المھر والشھادۃ علی کتابتہ بالبرأۃ منہ وان الکاتب لا یستحق دعویٰ علی ذالك اصلاً بمنزلۃ عدم الدعویٰ عرفاً وھذا ھوالذی یریدہ المتکلم بقولہ اگر تو دعویٰ نہ کرے

قال فی الدر وغیرہ:۔ فی ان لم اطلقك یقع فی آخر عمرہ الخ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۹- شعبان ۴۳ھ

شوہر بذریعہ خط اپنے باپ کو وکیل بالخلع بنادے۔ اور عورت کا اس سے خلع کا مطالبہ کرنا اور ایسی صورت میں خلع کے بعد نکاح ثانی کرنا۔

(سوال) ہمارے شہر کا ایک شخص مسمیٰ بہ میر عالم المعروف بہ فقیر محمد تقریباً دس سال سے ملک برما چھاونی رنگون پولیس میں ملازم ہے نامبردہ کاتب بھی ہے اس عرصہ میں اسکی کتابت ہم سے رہی اس کے خط سے ہم بخوبی واقف ہیں شناخت کرسکتے ہیں اسکی منکوحہ وطن میں تھی جسکو وہ بغیر شادی کے سسرال کے گھر چھوڑ گیا تھا ایک سال ہوا کہ میر عالم کی خوشدامن نے لڑکی کو دوسری جگہ دینا چاہا میر عالم کے والد سے کہا کہ یا تو اسکو بلاؤ آکر شادی کرے یا میری لڑکی کو طلاق دیدے کہ میں دوسری جگہ شادی کردوں والد میر عالم نے خط وکتابت شروع کی کبھی وہ

آنیکا وعدہ کرتا اور کبھی وہ طلاق کا وعدہ کرتا آخر والد کے مجبور کرنے پر اس نے لکھ دیا کہ یہ عورت میرے کام کی نہیں میں شادی نہیں کرتا آپ میری طرف سے مختار ہیں اتنا روپیہ اگر دیوے تو بیشک کر دو آپ کا فیصلہ مجھے منظور ہوگا یہ خط سابقہ تحریروں کے موافق تھا مشابہ تام حتیٰ کہ ہم نے اسی کا ظن کر کے والد سے طلاق دلوائی۔ اور خلع وصول کر لیا والد نے فارغ خطی لکھدی ہے اب میں مسماۃ کا دوسری جگہ نکاح کرنا چاہتا ہوں کیونکہ میں شہر کا امام ہوں اور کل واقعات اور خط وکتابت سے اور مشابہت خطوط سے اور دیگر قرائن سے ظن غالب صحت ہے اور ایک مولوی صاحب دوسرے شہر کے الخط یشبہ الخط سے استدلال کر کے مختار نامہ کو غلط قرار دیتے ہیں فریقین میں کوئی نزاع نہیں فقط مولوی صاحب معترض ہیں۔

(۱) کیا مختار نامہ صحیح اور طلاق واقع ہوئی ہے اور اسکا نکاح میں دوسری جگہ پڑھا سکتا ہوں یا نہیں؟

(۲) اگر سابقہ تحریر غیر معتبر عند الشرع ہے تو رجسٹری خطوط سے یا اور کسی طریق سے ہم اسکی قلمی فارغ خطی منگا کر دوسری جگہ نکاح کر کے دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ (۱) قال فی الخلاصۃ:۔ والکتابۃ علی ثلثۃ اوجہ ان کتب علی وجہ الرسالۃ وھو ان یکتب علی صحیفۃ مصدراً معنوناً وثبت ذالک باقرارہ وبینۃٍ فھو کالخطاب اھ

وفیہ ایضاً:۔ ولو جحد الزوج الکتاب وقامت علیہ البینۃ انہ کتب بیدہ فرق بینھما اھ (ص ۹۱ ج ۲)

اس سے معلوم ہوا کہ معاملات میں خط اس وقت حجت ہے جبکہ کاتب کے اقرار یا بینۃ سے یہ ثابت ہو جائے کہ یہ اس کا خط ہے نیز اگر کاتب خط کا انکار کر دے تو محض تشابہ خط سے اسکو مجبور نہیں کیا جا سکتا بلکہ بینۃ عادلۃ (یعنی دو گواہ) اگر شہادت دی کہ یہ خط کاتب نے ہمارے سامنے لکھا ہے اس وقت اسکو مجبور کیا جا سکتا ہے۔ اور باقی مکتوب الیہ کو اسکے خط کی شناخت ہونا اور اس سے غلبہ ظن ہونا یہ معاملات میں کافی نہیں البتہ دیانات میں کافی ہے پس صورت مسئولہ میں یہ خلع اس وقت صحیح ونافذ ہوگا جبکہ میر عالم اقرار کرے کہ یہ خط میرا ہی ہے یا دو مسلمان عادل گواہی دیں کہ اس نے ہمارے سامنے لکھا ہے جب تک وہ اقرار نہ کرے یا بینۃ قائم نہ ہو اس وقت تک اس عورت کا نکاح دوسری جگہ نہ کیا جائے۔

(۲) رجسٹری خطوط اور قلمی فارغخطی بھی تحریر ہی ہونگی اس کے لئے بھی اقرار یا بینہ کی ضرورت ہوگی۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۵ ر ذی الحجہ ۴۴ھ

رسالہ "قطع اللجاج فی بعض احکام الخلع والطلاق وتعدد الازواج"، (خلع طلاق مغلظ اور تعدد ازواج کے متعلق چند سوالات)

(سوالات) مکرم و محترم سیدی مولانا اشرف علی صاحب دام الطافکم:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

میں خدمت سامی میں چند استفسارات پیش کر کے آپکی اسلامی اخوت اور قومی ھمدردی سے متوقع ہوں کہ آپ اپنے اوقاتِ عزیزہ کے چند لمحہ صرف کر کے حتی المقدور جلد انکے جواب دینے کی کوشش کرینگے جواب کی آسانی کیلئے سوالات کے سامنے نصف کالم سادہ چھوڑ دیا ھے تاکہ آپکو سوالات نقل کرنیکی زحمت نہ ہو اور انکے محاذ میں صرف جواب لکھکر یہاں بھیجدیا جائے اگرچہ یہ تمام سوال ضروری معلوم ہوتے ہیں تاہم اگر آپ کو کسی سوال کا جواب دینے میں کسی وجہ سے تامل ہو تو اُسے چھوڑ کر بقیہ کا جواب تحریر فرمادیا جائے میں آپ کی اس تکلیف کا (منجانب ریاست) شکر گذار ہونگا۔ فقط خیر طلب ضیاء العلوم مفتی محمد انوار علی ایم اے منشی فاضل سکریٹری صحت عامہ و تعلیمات گورنمنٹ بھوپال عبد الرزاق۔ ۲۹ رنومبر ۲۸ء

متعلق خلع:-

(۱) کیا حضور سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰت والتحیات کے عہد مبارک میں خلع کا کوئی واقعہ ہوا تھا۔؟

(۲) اگر ہوا تھا تو اس کا فیصلہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ یا کسی اور نے؟

(۳) اس فیصلہ میں تفریق محض سائلہ کی خواہش کی بناء پر کی گئی تھی یا اسکے وجوہ واسباب کی تحقیق کرنیکے بعد اسکی بناء پر حکم صادر فرمایا گیا تھا۔؟

(۴) اس میں تفریق کا مرد کو حکم دیا گیا تھا یا اسکی مرضی پر چھوڑ دیا گیا تھا۔

(۵) تفریق کے ساتھ کوئی شرط لازم کی گئی تھی یا نہیں؟

(۶) زمانۂ مابعد میں فتویٰ اس فیصلے کے مطابق رہا یا اس میں کچھ ترمیم کی گئی۔؟

(۷) اگر کچھ ترمیم ہوئی تو کیا اور کن وجوہ اور دلائل کی بناء پر ایسا کیا گیا؟

ف لما صار السوال والجواب قدراً معتدا بہ جعلہ سیدی حکیم الامۃ رسالۃً مستقلۃً وسماہ بہ۔ ظفر

متعلق طلاق مغلظہ

(۱) کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں طلاق مغلظہ کے واقعات پیش آئے تھے اور اگر آئے تھے تو انکی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک کیا تھا۔

(۲) کیا ایک وقت میں تین طلاقیں دینا آیت " الطلاق مرتان " کے خلاف نہیں ہے

(۳) عہد خلفائے راشدین کا دستور العمل کیا تھا؟

(۴) آئمہ اربعہ کے اس بارہ میں اقوال کیا ہیں؟

(۵) آپ کی ذاتی رائے اس معاملہ میں کیا ھے؟

متعلق تعدد ازواج

قرآن حکیم نے ایک بیوی کے ہوتے ہوئے مزید نکاح ایک خاص شرط پر مشروط کیا ہے لیکن بالعموم اب لوگ اس کا خیال کئے بغیر محض نفسانی خواہشات کی بناء پر ایسا کرتے ہیں اور فرمان الٰہی " فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ " کو فراموش کیے ہوئے ہیں اس لئے اگر کوئی اسلامی ریاست قرآن کے فرمان کی اتباع میں قانوناً کوئی ایسی قید عائد کر دے کہ مثلاً کوئی شخص جب تک اپنی ضرورت اور استطاعت عدل کی بابت قاضی کو اطمینان دلا کر اس کی اجازت حاصل نہ کرے تب تک وہ اس کا مجاز نہ ہو۔ تو کیا آپ کی رائے میں یہ مناسب ہوگا یہاں یہ امر بھی قابل لحاظ ھے کہ ھمارے یہاں قانوناً ہر نکاح محکمۂ قضا کی اجازت کا محتاج ہے اور اگر کوئی شخص اجازت کے بغیر نکاح پڑھ دے تو فریقین کے ساتھ وہ بھی ملزم قرار دیا جاتا ہے اسلئے اگر بالفرض مجوزہ بالا صورت آپ کے نزدیک نامناسب ہو تو کیا پھر مجوزہ حالت معاملات مذہبی میں مداخلت نہیں ہے۔ اسکی نسبت آپ کا کیا خیال ھے فقط

الجواب واللہ الموفق للصواب

تقریر جواب سے پہلے یہ عرض کر دینا ضروری ھے کہ سوال جس صورت سے کیا گیا ھے وہ خلاف قاعدہ ہے کیونکہ کسی معاملہ کے متعلق یہ دریافت کرنا کہ اس کا کوئی واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں پیش آیا تھا یا نہیں۔ محض امر زائد ہے۔ قانون اسلام مکمل قانون ہے اسمیں قیامت تک پیش آنے والے واقعات کا حکم موجود ہے خواہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیش آئے ہوں یا نہ آئے ہوں اور ظاہر ھے کہ جو قانون قیامت تک کے واقعات کو محیط ہوگا وہ صرف اُن واقعات کے ساتھ مخصوص کیونکر

ہو سکتا ہے جو حضورؐ کے زمانہ میں پیش آئے ہوں

دوسرے: فاضل مستفتی کو معلوم ہے کہ اس زمانہ میں مجتہد کوئی نہیں بلکہ جملہ علماء مقلد ہیں جو اس قانون کے موافق جو مجتہدین اُمت قرآن واحادیث سے مستنبط کرکے مدون کرگئے ہیں فتوے دیتے ہیں پس ان علماء مقلدین سے یہ سوال کرنا کہ اس واقعہ میں حضورؐ نے کیا فیصلہ کیا اور یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیش آیا تھا یا نہیں؟ امر زائد ہے بلکہ ان سے تو صرف اتنا سوال کیا جاسکتا ہے کہ ائمہ مجتہدین نے قرآن وحدیث سے مستنبط کرکے جو قانون اسلام مدون کیا ھے اس میں اس واقعہ کے متعلق کیا حکم ہے؟ پس جس صورت کے سوال ھمارے سامنے ھے اس صورت پر جواب دینا ھمارے ذمہ لازم نہیں مگر تبرعاً محض اس غرض سے ہم فاضل مستفتی کے ہر سوال کا جواب دیتے ہیں کہ شاید کسی کو مجتہد کا ماخذ اور دلیل معلوم کرنیکا شوق ہو تو اس کا یہ شوق بھی پورا ہو جائے اس ضروری گذارش کے بعد ھم سوالات کا جواب شروع کرتے ہیں واللہ الموفق

جواب سوال اوّل متعلق خلع

محترم سائل نے اس کے متعلق متعدد سوالات کئے ہیں اور یہ کچھ ظاہر نہیں کیا کہ ان سوالات کثیرہ کا منشا کیا ہے؟ بظاہر ھم نے جو اُن کا منشا سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ سائل محترم خلع کو اور تفریق بالخلع کو حاکم کے فیصلہ پر منحصر رکھنا چاہتے ہیں اور یہ کہ بدون فیصلہ حاکم کے خلع معتبر نہ ہو اگر یہی منشا ھے جو ھم سمجھے ہیں تو سائل محترم کو معلوم ہونا چاہئیے کہ شرعاً خلع حاکم اسلام کی اطلاع اور اس کے فیصلہ پر موقوف نہیں بلکہ بدون علم حاکم وبغیر اطلاع حاکم بھی مرد اپنی بیوی سے یا زوجہ اپنے مرد سے بتراضی خلع کرسکتی ہے اور جب زوجین بتراضی باھم خلع کرلیں تو خلع سے ایک طلاق بائن عورت پر واقع ہو جائیگی اگر اس سے زائد کا نام نہ لیا گیا ہو یا زوج نے زائد کی نیت نہ کی ہو اور اگر دو یا تین طلاق پر خلع کیا گیا ہو تو جس عدد کا نام لیا گیا ہے وہی واقع ہوگا یا زوج نے لفظ خلع سے تین طلاق کا قصد کیا ہو تو تین ہی واقع ہونگی:

قال فی الھندیۃ:۔ الخلع ازالۃ ملک النکاح ببدل بلفظ الخلع کذا فی فتح القدیر۔ وشرطہ شرط الطلاق وحکمہ وقوع الطلاق البائن کذا فی التبیین ویصح نیۃ الثلاث فیہ۔ حضرۃ السلطان لیس بشرط لجواز الخلع عند عامۃ العلماء والصحیح قولھم کذا فی البدائع: اذا تشاق الزوجان اوخافا ان لا

یقیما حدود الله فلا بأس بان تفتدی نفسها منه بمال یخلعها به فاذا فعلا ذالك وقع تطلیقة بائنة ولزمها المال کذا فی الهدایة اھ (ص ۳۸۰ - ج - ۲)

وفی رحمة الامة : واتفق العلماء علی ان المرأة اذا کرهت زوجها بقبح منظر اوسوء عشرة جاز لها ان تخالعه علی عوض وان لم یکن من ذالك بشیٔ وتراضیا علی الخلع من غیر سبب جاز ولم یکره الخ (ص۲۰۱)

اب اس کے دلائل ملاحظہ ہوں۔

روی مالك فی المؤطا والشافعی عنه عن هشام عن ابیه عن جمهان عن ام بکرة الاسلمیة انها اختلعت من زوجها عبد الله بن خالد بن اسید ثم اتیا عثمان فی ذالك فقال هی تطلیقة الا ان تکون سمیت شیئاً فهو ما سمیت اھ کذا فی التلخیص الحبیر (ص ۳۱٦ ج - ۲)

اس سے صرف ثابت ہے کہ زوجین نے بدون اطلاع حاکم کے خلع کر لیا پھر حضرت عثمان کی طرف رجوع کیا تو انہوں نے فرمایا کہ خلع ایک طلاق ہے مگر یہ کہ اس سے زائد کا نام لیا گیا ہو تو جو کہا گیا ہو وہی واقع ہوگا۔ معلوم ہوا کہ تفریق خلع کا مدار حاکم کی تفریق پر نہیں بلکہ لفظ خلع خود ایک طلاق ہے امام مالک نے مؤطا میں روایت کیا ہے۔ عن نافع ان ربیع بنت معوذ بن عفراء جاءت هی وعمها الی عبد الله بن عمر فاخبرته انها اختلعت من زوجها فی زمان عثمان بن عفان فبلغ ذالك عثمان فلم ینکره وقال عبد الله بن عمر عدتها عدة المطلقة اھ (ص ۲۰۷ - ج ۳ مع الزرقانی)

اس میں بھی تصریح ہے کہ زوجین نے بدون اطلاع حاکم خلع کر لیا جب حضرت خلیفہ کو اسکی خبر پہونچی تو آپ نے اسپر انکار نہیں کیا اور عبداللہ بن عمر نے خلع کو طلاق قرار دیا پس خلع کو یا تفریق بالخلع کو فیصلۂ حاکم پر موقوف کرنا غلط ہے اور اگر ایسا کیا گیا تو یہ مداخلت فی الدین میں داخل ہوگا۔ اب میں محترم مستفتی کے سوالات کا جواب بھی دینا چاہتا ہوں جو خلع کے متعلق انہوں نے کئے ہیں۔

ع قال الحافظ وضعفه احمد بجمهان اھ۔ قلت: قال الحافظ فی التقریب مدنی قدیم مقبول من الثالثة اھ وفی تهذیب التهذیب ذکره مسلم فی الطبقة الاولیٰ من اهل المدینة وذکره ابن حبان فی الثقات (ص۱۱۱ ج - ۲) فالحدیث صحیح ولا اقل ان یکون حسناً۔ ظفر۔

(الف) ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی خلع کا واقعہ پیش آیا ہے جس کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے اور اس سے پہلے اس امر کی تصریح کر دی ہے۔

و اجاز عمر الخلع دون السلطان (ای بغیر اذنہ کہ حضرت عمر نے خلع کو بدون اطلاع حاکم و سلطان کے بھی جائز قرار دیا ہے حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں مصنف ابن ابی شیبۃ سے اسکو موصولاً اسطرح روایت کیا ہے کہ بشر بن مروان (حاکم مدینہ) کے پاس ایک مرد و عورت کے خلع کا واقعہ پیش ہوا تو اس نے خلع کو جائز قرار نہ دیا، تو عبد اللہ بن شہاب خولانی نے کہا کہ حضرت عمرؓ نے خلع کو جائز قرار دیا ہے اور طحاوی نے کہا ہے کہ جو لوگ خلع کو اذنِ سلطان پر موقوف رکھتے ہیں ان کا قول شاذ ہے جم غفیر کے مخالف ہے اور قیاساً بھی غلط ہے کیونکہ جب طلاق بدون اذنِ حاکم کے جائز ھے تو ایسے ہی خلع ہے (ص ۳۴۷ ج ۹) تفصیل اس واقعہ کی جو حضورؐ کے زمانہ میں واقعہ ہوا تھا یہ ہے کہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ثابت بن قیس کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا یا رسول اللہ میں ثابت بن قیس کے دین اور اخلاق میں عیب بیان کرنا نہیں چاہتی لیکن میں (اُن کے نکاح میں رہ کر) اسلام میں کفر کا اندیشہ کرتی ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ان کا باغ انکو واپس کر دو گی؟ کہا، ہاں، تو حضورؐ نے (ثابت بن قیس سے) فرمایا کہ باغ کو قبول کر لو اور اسکو طلاق دیدو یہ بخاری کی روایت کا ترجمہ ہے اور نسائی کی روایت میں یہ ہے کہ ثابت بن قیس نے کسی بات پر اپنی بیوی کو مارا تھا اور ہاتھ توڑ دیا تھا۔ اور عبد الرزاق کی روایت میں یہ ھے کہ بیوی نے حضورؐ سے عرض کیا کہ مجھکو خدا نے جو حسن و جمال دیا ہے وہ آپ کو معلوم ہے اور ثابت بن قیس بدصورت ہے۔ اور یہ جو کہا کہ مجھکو اسلام میں کفر کا اندیشہ ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ میں انکے ساتھ اسلامی قاعدہ کے موافق نباہ نہیں کر سکتی بلکہ اندیشہ ھے کہ اُن کی نافرمانی کروں اور شوہر کی نافرمانی اسلام کے خلاف ہے اور یہ کافر عورتوں کا کام ہے ذکرہ الحافظ فی الفتح۔ واللہ اعلم

(ب) اس واقعہ میں یہ ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلع کا فیصلہ فرمایا مگر اسکی وجہ یہ نہ تھی کہ بدون حضورؐ کے فیصلہ کے خلع نہ ہو سکتا تھا بلکہ اسکی وجہ صرف یہ تھی کہ عورت نے اپنے شوہر سے بلا واسطہ اس معاملہ کی گفتگو کی ہی نہیں بلکہ وہ ابتداءً خود حضورؐ کے پاس آ گئی۔ اور چونکہ زوجین میں باہم خلع کی کچھ گفتگو نہیں ہوئی تھی اسلئے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اول عورت سے دریافت کیا کہ تم مہر واپس کرسکتی ہو جب وہ اسپر راضی ہوگئی تو حضورؐ نے مرد سے فرمایا کہ اپنا باغ لیکر اسکو طلاق دیدو۔ اور اگر زوجین میں خلع کی گفتگو پہلے ہوجاتی تو پھر طلاق کے حکم کی ضرورت نہ تھی کیونکہ خلع خود ہی طلاق ہے

(ج) اس واقعہ میں محض سائلہ کی خواہش کی بناء پر تفریق کی گئی اور اسکے وجوہ واسباب کی تحقیق کی ضرورت اسلئے نہیں ہوئی کہ سائلہ نے خود وہ اسباب بیان کردئے تھے جنکی بناء پر وہ خلع چاہتی تھی۔

(د) اس واقعہ میں مرد کو تفریق کا حکم دیا گیا تھا مگر یہ حکم وجوب کیلئے نہ تھا بلکہ بطور ارشاد واصلاح کے تھا۔ قالہ الحافظ فی الفتح (ص۳۵۱ ج۔۹) مرد پر عورت کی درخواست کے بعد خلع کا قبول کرنا واجب نہیں بلکہ اُسکو اختیار ھے کہ قبول کرے یا نہ کرے اور حاکم شوہر کو قبولِ خلع پر مجبور بھی نہیں کرسکتا الا اذا کان ظالما معروفاً بہ۔ کیونکہ اوپر معلوم ہوچکا ہے کہ خلع طلاق ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ھے۔

انما یملک الطلاق من اخذ بالساق رواہ ابن ماجہ والدارقطنی (مقاصد حسنہ ص۵۲)

قلت: واسنادہ حسن۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ طلاق شوہر کے قبضہ میں ہے یہ قول اس امر کی دلیل ہے کہ حضورؐ کا واقعہ خلع میں ثابت بن قیس کو طلاق کا حکم فرمانا بطور مشورہ کے تھا بطور ایجاب کے نہ تھا۔

(ہ) اس واقعہ میں تفریق کے ساتھ صرف یہ شرط تھی کہ وہ باغ واپس کردو جو شوہر نے مہر میں دیا ہے اور یہ شرط اسلئے کی گئی کہ اس واقعہ میں خود عورت کی طرف سے مفارقت کی درخواست تھی اور اُسی کو شوہر سے نفرت تھی شوہر کو اس سے نفرت نہ تھی۔ نہ شوہر کی طرف سے اسپر کچھ زیادتی[ع] تھی اور اس صورت میں ائمہ مذاہب کا یہی مذہب ہے جو حدیث میں ھے کہ مرد کو مہر واپس کرلینا بلکہ اس سے زائد لینا بھی جائز ہے جبکہ عورت خوشی سے زائد دینے پر راضی ہو اور اگر مرد کی زیادتی ہو یا طرفین کی زیادتی ہو تو اس کا حکم دوسرا ھے جو فقہ میں مفصل مذکور ھے

(و) حضرات ائمہ مجتہدین نے احادیث کے خلاف فتویٰ کبھی نہیں دیا یہ اور

ع والذی ورد فی الروایات انہ ضربہا فکان ذالک بحق لکون المرأۃ نافرۃ عنہ مبغضۃ لہ ولا یبعد من مثلہا الاباء عن المضاجعۃ وللزوج حق ان یضربہا علی ذالک۔ ظفر۔

بات ہے کہ ناواقف لوگ حدیث کا غلط مطلب سمجھ کر ائمہ مجتہدین کے فتوی کو حدیث کیخلاف سمجھیں یا کسی مسئلہ کا مدار ایک ہی حدیث پر رکھیں اور دوسری روایات پر نظر نہ کریں۔

(ن) ترمیم کچھ نہیں ہوئی حضرات مجتہدین نے ایک ہی حدیث پر مسئلہ کا مدار نہیں رکھا بلکہ اس کے ساتھ دوسری احادیث کو اور صحابہ کے اقوال کو ملا کر قانون خلع کو مکمل طور سے مدوّن کیا ہے۔

جواب سوال دوم متعلق طلاق مغلظہ

اس مسئلہ میں جملہ ائمہ مذاہب کا قول یہ ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دیدے تو اگر وہ مدخولہ ہے تو اسپر تین طلاق واقع ہو جائینگی خواہ تفریقاً دی یا مجموعۃً اور اگر غیر مدخولہ ہے تو اگر مجموعۃً ایک لفظ سے تین طلاق دی ہیں تو اسپر تینوں واقع ہونگی۔ اور اگر تفریقاً تین لفظوں سے تین طلاقیں دی ہیں تو اسپر ایک واقع ہوگی اور دو لغو ہو جائینگی۔

قال الزرقانی فی شرح المؤطا: والجمهور علی وقوع الثلاث بل حکی ابن عبد البر الاجماع قائلاً ان خلافه شاذ لا یلتفت الیه اھ (ص ۳۵-ج ۳)

وقال الحافظ فی الفتح: ویحتمل ان یکون مراده ای مراد البخاری بعدم الجواز من قال لا یقع الطلاق اذا اوقعها مجموعة للنهی عنه وهو قول الشیعة وبعض اهل الظاهر اھ (ص ۳۱۰-ج-۹)

اس سے معلوم ہوا کہ بجز شیعہ اور بعض اہل ظاہر کے تمام علماء کا اسپر اجماع ہے کہ تین طلاقیں مجموعۃً دینے سے تین ہی واقع ہونگی۔ البتہ تین طلاق مجموعۃً یا ایک مجلس میں دینا مکروہ تحریمی ہے اگر کسی کو تین طلاق ہی دینا ہو تو تفریق کے ساتھ ایک ایک طلاق ایک ایک طہر میں دے سعید بن منصور نے بسند صحیح حضرت انسؓ سے روایت کیا ھے کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دیتا تو حضرت عمر اسکے کمر پر دُرّے لگاتے تھے، ذکرہ الحافظ فی الفتح (صفحہ مذکور)

اب محترم مستفتی کے سوالات کا جواب دیتا ہوں۔

(الف) ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی دو واقعہ طلاق مغلظہ کے واقع ہوئے ہیں ایک واقعہ سنن نسائی میں محمود بن لبید انصاریؓ کی روایت سے

مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہونچی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی ہیں تو حضور غضبناک ہوکر (خطبہ کیلئے) کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ میرے سامنے ہی کتاب اللہ کے ساتھ لہو ولعب کیا جانے لگا تو ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا، یا رسول اللہ! کیا میں اسکو قتل ہی نہ کردوں اھ ؟ اسپر آپ خاموش ہوگئے یہ حدیث فتح الباری میں حافظ نے نقل کرکے اس کے رواۃ کو ثقہ کہا ہے اور "نیل الاوطار" میں ابن کثیر سے اسکی سند کا جید ہونا نقل کیا ہے اور جوہر نقی میں اسکو صحیح کہا ہے اس سے یہ بات تو ظاہر ہے کہ تین طلاق ایک دم سے دینا خلاف شریعت ہے اور حرام کے قریب ہے رہا یہ کہ تین ایک دم سے دینے میں تین واقع ہونگی یا ایک؟ اس سے یہ حدیث ساکت ہے عہ۔

دوسرا واقعہ رکانہ رضؓ بن عبد یزید کا ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی تھیں پھر انکو رنج ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا آپ نے پوچھا کہ تم نے کیونکر طلاق دی ہے کہا ایک مجلس میں تین طلاق دی ہیں حضور نے فرمایا وہ تو ایک ہی ہے اگر چاہو رجوع کرلو چنانچہ انہوں نے رجعت کرلی اسکو محمد بن اسحاق صاحب مغازی نے روایت کیا ہے مگر ائمہ حدیث نے اسکو ضعیف کہا ہے کیونکہ اس کے الفاظ میں اضطراب واختلاف ہے بعض روایات میں یہ وارد ہوا ہے کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو بلفظ البتۃ سے تین طلاق دی تھی اور یہ لفظ چونکہ قطع تعلق کو بتلاتا ہے اور اسی وجہ سے بعض تابعین لفظ البتۃ سے تین طلاق واقع کرتے تھے تو کسی راوی نے اسکو روایت بالمعنیٰ کرکے یوں تعبیر کردیا کہ رکانہ نے تین طلاق دی تھیں ابوداؤد نے فرمایا ھے کہ راجح یہی ہے کہ رکانہ نے طلاق بلفظ البتۃ دی تھی جیسا کہ حافظ نے فتح الباری میں ذکر فرمایا ھے اور اسکی نیت ایک طلاق کی تھی اسلئے اسکو ایک عہ قرار دیا اور علامہ زرقانی نے فرمایا ھے کہ رکانہ کی حدیث کے الفاظ مختلف ہیں، فاذا تعارضا تساقطا (ص ۳۶ ج-۳)

(ب) ہاں ایک وقت میں تین طلاق دینا خلاف کتاب اللہ ضرور ہے جو ایسا کرتا ہے سخت گناہ کا مرتکب ہے مگر اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ تین طلاق دینے سے تین واقع

عہ مگر کنز العمال میں حضرت علیؓ کی روایت میں یہ ہے کہ جو شخص قطعی طلاق دیگا ھم اسپر تین طلاق لازم کردینگے (ص ۱۷۰ ج-۵) ظفر۔

عہ ۔۔۔ ہذہ الصورۃ الرجعۃ اللغویۃ ولو کانت بالنکاح لا الاصطلاحیۃ بدونہ۔ ظفر۔

نہ ہوں یقیناً تین ہونگی کما مر ذکر الاجماع علیہ

(ج) عہد خلفائے راشدین میں جو شخص تین طلاق دیتا تھا اسکی بیوی پر تین طلاق ہی[ع] واقع سمجھی جاتی تھی مگر اس کے ساتھ اس شخص کو سزا بھی دیجاتی اور صحیح مسلم میں جو ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور عہد صدیق میں اور شروع زمانہ خلافت فاروقی میں تین طلاق کو ایک شمار کرتے تھے تو اسکے اندر بعض روایات میں یہ قید بھی ہے کہ جب عورت غیر مدخولہ ہوتی تو تین کو ایک قرار دیتے تھے (رواہ ابو داؤد کما فی الفتح لابن حجر ص ۳۱۷ - ج - ۹ وسکت عنہ) اور رزین کی روایت میں یہ لفظ ہے "کان ابن عباس یقول اذا قال انتِ طالق انت طالق فھی واحدۃ ان اراد التوکید للاولیٰ وکانت غیر مدخول بھا کذا فی جمع الفوائد (ص۲۳۱ ج-۱) ـــــ پس یہ حدیث جمہور کے خلاف نہیں کیونکہ تطلیق ثلاث بتفریق کلمات میں جمہور بھی اس کے قائل ہیں کہ اگر زوجہ غیر مدخولہ ہو تو صرف ایک طلاق واقع ہوگی اور مدخولہ ہو تو دیانۃً ایک ہی ہوگی اگر وہ نیتِ تاکید کا مدعی ہو۔ اور قضاءً تین واقع ہونگی۔ واللہ اعلم

(د) ائمہ کے اقوال اوپر گذر چکے

(ہ) دین میں کسی عالم کی ذاتی رائے کی کچھ وقعت نہیں۔ فان الدین لیس بالرأی

(جواب سوال سوم متعلق تعدد ازواج)

اس مسئلہ میں یہ معلوم کر لینا چاہئے کہ مرد کو چار عورتوں سے نکاح کرنا مطلقاً جائز ہے خواہ اسکو چار کی واقعی ضرورت ہو یا محض خواہش نفسانی کی بناء پر ایسا کرے گو افضل یہی ہے کہ بلا ضرورت چار نکاح نہ کرے "احترازاً من الجور وادخال الغم علی الاولیٰ" لیکن اگر کوئی محض خواہش نفسانی سے ایسا کرے تو اسکو حق جائز سے روکنے کا کسی کو حق نہیں حدیث میں ہے "لم یر للمتحابین مثل النکاح" رواہ ابن ماجہ والحاکم وسندہ صحیح (شرح جامع الصغیر للسیوطی ص۱۹۲ ج - ۳) ـــــ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی مرد کو کسی عورت سے محبت ہو جائے یا بالعکس تو انکو باہم نکاح کر لینا چاہئے" و

ع ملاحظہ ہو فتح الباری ص ۳۱۵ تا ص ۳۱۹ - جلد ۹ جس میں حضرت ابن عباس و ابن عمر رضی اللہ عنہما کا فتویٰ سند صحیح سے نقل کیا گیا ہے اور ملاحظہ ہو کنز العمال ص۱۶۲ ج ۵ جس میں حضرت عمرؓ و حضرت علی و امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے فتاویٰ طرق متعددہ سے مذکور ہیں۔ ظفر۔

اخرج الشیخان عن ابی ھریرۃ رض تنکح المرأۃ لمالھا وجمالھا وحسبھا ودینھا فاظفر بذات الدین تربت یداک (مقاصد حسنہ ص۹۷) اس میں دینداری کی وجہ سے نکاح کی ترغیب دی گئی ہے مگر مال اور جمال کی بناء پر نکاح کرنے سے بھی منع نہیں کیا گیا۔ نہ اسکو حرام کہا گیا اور خود نص میں " ما طاب لکم من النساء " وارد ہے جس میں چار نکاح کو محض دل کی خوشی اور پسندیدگی کی بناء پر جائز کیا گیا ہے۔ نیز نص میں "لا تحل لک النکاح من بعد ولا ان تبدل بھن ازواج ولو اعجبک حسنھن "اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تعدد ازواج محض اعجاب حسن کی بناء پر بھی جائز تھا گو آپ اس وجہ سے کوئی نکاح بھی نہ کیا ہو مگر آپ کیلئے جائز ضرور تھا پھر نو بیویوں کے بعد آپ کو اس سے منع کر دیا گیا غرض نصوص شریعت سے خواہش نفسانی کی بناء پر بھی تعدد ازواج کی اجازت ظاہر ہے۔ اور اسکے ساتھ عدل کو بھی فرض کیا گیا ہے مگر عدل کو شرط صحت نکاح نہیں قرار دیا گیا بلکہ شریعت نے اس کے متعلق صرف وعید پر اکتفا کیا ھے۔

ففی الحدیث : عن ابی ھریرۃ اذا کانت عند الرجل امرأتان فلم یعدل بینھما جاء یوم القیامۃ وشقہ مائل او ساقط رواہ احمد والدارمی واصحاب السنن والحاکم واللفظ لہ وابن حبان وصححہ الحاکم علی شرط الشیخین وابن دقیق العید (ص۳۱۴ ج-۲- تلخیص حبیر)

پس تعدد ازواج کی صورت میں شوہر پر جو عدل واجب ہے وہ دیانۃً واجب ھے قاضی اور حاکم کو اس میں باز پرس یا دست اندازی کا کچھ حق نہیں حکام کا صرف اتنا فرض ہے کہ اگر عورت اپنے شوہر کی شکایت کرے تو شوہر کو نان و نفقہ دینے پر مجبور کریں اور عمر بھر میں ایک دفعہ مقاربت پر۔ اس سے زائد پر حاکم شوہر کو مجبور نہیں کر سکتا (ملاحظہ شامی باب القسم ص۶۵۲ تا ص۶۵۴ ج-۲) ـــــ ہاں اسکو نصیحت کر دے کہ اپنی بیوی کے حقوق پوری طرح ادا کرنا چاہیئے اور اگر وہ اس پر ظلم کرتا ہو تو ظلم سے روک دے۔

اس معروض کے بعد سوال کا جواب یہ ہے کہ اسلامی ریاست کو تعدد ازواج کے بارہ میں قانوناً اس قسم کی قیود عائد کرنا کہ جب تک قاضی کو ضرورت اور استطاعت عدل کا اطمینان دلا کر اسکی اجازت حاصل نہ کریں تب تک کوئی اس کا مجاز نہ ہو۔ یقیناً

مداخلت فی الدین و تضییق علی المسلمین فیما وسع اللہ لہم میں داخل ہے۔ اسی طرح ہر نکاح کا محکمۂ قضاء کی اجازت کا محتاج ہونا اور بدون قاضی کی اجازت کے نکاح پڑھ دے اسکو مع فریقین کے ملزم قرار دینا بھی صریح مداخلت فی الدین ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعض صحابہ نے مدینہ کے اندر بدون حضورؐ کی اطلاع کے نکاح کیا ہے اور اُن پر کوئی انکار نہیں کیا گیا چنانچہ عبد الرحمٰن بن عوف کا واقعۂ نکاح مشہور و معروف ہے۔

البتہ اگر نکاح خوانوں کی جہالت کی وجہ سے نکاحوں میں گڑبڑ ہوتی ہو تو اس قید کے عائد کرنیکا مضائقہ نہیں کہ جو شخص جب تک احکام نکاح سے واقف نہ ہو اور اسکی سند اسکے پاس نہ ہو اس وقت تک کسی کا نکاح نہ پڑھے ورنہ مجرم ہوگا کیونکہ اسکی نظیر زمانہ صحابہ میں موجود ہے حضرت عمرؓ نے قانون[عہ] نافذ کیا تھا "لایجلس فی سوقنا الافقیہ اوکما قال ولا احضر الآن موضعہ" کہ ہمارے بازار میں بجز اس شخص کے جو فقہ سے واقف ہو بیع و شراء کیلئے کوئی نہ بیٹھے باقی ہر نکاح کو محکمۂ قضا کی اجازت کا محتاج کر دینا یہ بالکل خلاف شریعت ہے اور مسلمانوں کو تنگی میں ڈالنا ہے جو یقیناً مداخلت فی الدین ہے۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ۔ ۲۳-ج ۲ ۴۷ھ

عہ قلت: قد اخرجہ الترمذی عن عمر بلفظ لایبیع فی سوقنا الا من قد تفقہ فی الدین کذا فی جمع الفوائد (ص۲۲۴ ج-۱) ظفر۔

فصل فی فسخ النکاح عند کون الزوج مفقوداً او عنیناً او متعنتاً فی النفقة او مجنوناً

زوجۂ مجنون کا حکم

(سوال) ایک شخص دیوانہ ہوگیا ھے طلاق وغیرہ سے بے خبر ھے اسکی بیوی علیٰحدہ ہونا چاہتی ہے علیحدگی کی کوئی صورت ہے یا نہیں؟

الجواب:- نہ مجنون کی طلاق معتبر ہے اور نہ جنون کی وجہ سے عورت کو فسخ نکاح کا حق ہے اسلئے علیحدگی کی کوئی صورت نہیں۔

کما فی الدر:- لا یقع طلاق المولیٰ علی امرأۃ عبدہ والمجنون الخ شامی صفحہ ٦٩٩ ج ٢

ولا یتخیر احد الزوجین بعیب الآخر ولو فاحشاً کجنون و جذام الخ (صفحہ ٩٨٣ ج-٢ شامی) واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ

الجواب صحیح

ظفر احمد عفا عنہ ١٠ صفر ٤٥ھ

زوجۂ مجنون کا حکم

(سوال) ایک مسئلہ میں پیچیدگی پڑگئی جسکی وجہ سے پریشانی بڑھ گئی ھے صورتِ واقعہ یہ ہے کہ ایک لڑکی نابالغہ کا عقد نکاح ایک نابالغ لڑکے سے فریقین کے والدین نے کردیا لڑکے کی عمر ٤ سال کی اور دختر کی عمر ٥ سال اب اس نکاح کو عرصہ ٨ سال کا ہوگیا اب دختر کی عمر ١٣ سال اور لڑکے کی عمر ١٢ سال ہے مگر اب یہ معلوم ہوا کہ لڑکا لایعقل محض ہے اس وقت تک نہ تو وہ کچھ زبان سے بولتا ہے اور نہ کچھ سمجھتا ہے اور نہ اسکو کچھ کھانے پینے کا ہوش ہے اسکی والدہ اسکو جبراً کچھ کھلا پلا دیتی ہے بچپن میں لڑکے کے نہ بولنے کا والدین کو کچھ خیال نہ ہوا جوں جوں وہ بڑھتا گیا اسکے نہ بولنے کی حالت دیوانگی معلوم ہوتی گئی۔ لڑکی کی عمر ١٣ سال ہے وہ ایسے دیوانہ لایعقل کے ساتھ اپنی عمر کس طرح گذار سکتی ہے؟ ایسی حالت میں مطابق شرع

شریف ان میں تفریق ہو سکتی ہے یا نہیں؟ فریقین کے والدین جنکی ولایت میں عقد ہوا زندہ ہیں اور چاہتے ہیں کہ بموجب احکام شرع ان میں تفریق ہو جائے اور دختر کا عقد کسی دیگر شخص سے کر دیا جائے۔ اُمید کہ آنجناب اس معروضہ کے جواب سے جلد ممتاز فرمائیں گے۔ مکرر عرض یہ ہے کہ لڑکے کو نگرانی میں رکھا جاتا ہے اگر اسکو نگرانی میں نہ رکھا جائے تو وہ بھاگتا ہے۔ محمد حسین مینیجر طلسمی پریس میرٹھ

الجواب:- صورت مسئولہ میں ائمہ حنفیہ میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہؒ وامام ابو یوسفؒ کے نزدیک شوہر کے مجنون ہونیکی صورت میں زوجہ کو حقِ فسخ نکاح حاصل نہیں۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک حقِ فسخ حاصل ہے، پس اگر کوئی مسلمان حاکم جس کو ایسے مقدمہ کی سماعت کا اختیار ہو خواہ حکومت انگریزی کا ہو یا ریاست دیسی کا اس نکاح کو امام محمدؒ کے مذہب کی بناء پر فسخ کر دے تو فسخ ہو سکتا ہے اور چونکہ فریقین اس نکاح کے فسخ پر رضامند ہیں اسلئے غالب ہے کہ حکام کو اسکے فسخ کرنے میں تامل بھی نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

حررہ حبیب احمد کیرانوی

مقیم تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۴ محرم ۴۰ھ

زوجہ عنین کا حکم اور اسکی عدت اور مہر کا بیان

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ:-

(۱) زید جو تقریباً ۲۸ / ۳۰ سال سے محض عنین یعنی نامرد ہے اور قطعی عورت کے کام کا نہیں ہے اور اکثر معالجات کرنے کے باوجود مایوس العلاج ہے وہ اپنی بیوی کو کہ جس کے ساتھ عقد ہوا۔ ۱۵/۱۶ سال ہوئے نفقہ نہیں دیتا اور نہ اپنے پاس رکھتا ہے اور نہ طلاق دیتا ہے اس وجہ سے لڑکی کے والدین اسکی بےکسی سے سخت پریشان ہیں اور مسماۃ بھی زید کے نامرد ہونیکے باعث نالاں ہے اور بعد عقد کے اپنی زندگی والدین کے یہاں گذارتی ہے اب اسکے والدین عقد ثانی کرنا چاہتے ہیں اس صورت میں شارع علیہ السلام کا کیا حکم ہے؟ اور جدائی زن وشوہر میں ہو سکتی ہے یا نہیں؟

(۲) مطلقہ عنین کو عدت کی ضرورت ہوگی یا نہیں؟ فقط بینوا توجروا

مرسلہ مرزا حنیف بیگ قصبہ وڈاک خانہ سیانہ ضلع بلند شہر

الجواب :- صورت مذکورہ میں مسماۃ کو کسی حاکم مسلم کی عدالت میں زوج کے عنّین ہونیکا دعویٰ کرکے فسخِ نکاح کی درخواست کرنی چاہئے اور حاکمِ مسلم کو چاہئے کہ جب عورت ایسا دعویٰ کرے تو وہ زوج سے دریافت کرے کہ نکاح کے بعد سے ابتک تونے کسی وقت زوجہ سے صحبت کی ہے یا نہیں ؟ اگر وہ اقرار کرے کہ میں نے ایک بار بھی اس سے صحبت نہیں کیا وہ دعویٰ کرے کہ میں نے صحبت کی ہے لیکن عورت یہ کہے کہ میں ابتک باکرہ ہوں اور ایک عورت یا دو عورتیں اپنے مشاہدہ سے اسکی تصدیق کردیں کہ بیشک یہ باکرہ ہے دونوں صورتوں میں حاکمِ مسلم شوہر کو ایک سال کی مہلت دے کہ اگر ایک سال کے اندر اندر تونے زوجہ سے صحبت کی تو خیر ورنہ میں نکاح فسخ کردونگا پھر اگر مہلت دینے کے بعد بھی اُس نے سال بھر میں صحبت نہ کی تو حاکم عورت کو اختیار دیدے کہ چاہے تو شوہر کے پاس رہنا منظور کر یا علیحدہ ہونا منظور کر تجھے اختیار ہے حاکم کے اختیار دیدینے کے بعد جب عورت یہ کہدے کہ میں اس سے علیحدہ ہونا اختیار کرتی ہوں تو عورت کے یہ کہدینے سے طلاق بائن پڑ جائیگی اور بہتر یہ ہے کہ حاکم بھی اپنی زبان سے یہ کہدے کہ میں نے دونوں میں تفریق کردی ۔

قال فی البدائع :۔ ص ٣٢٥ - ج - ٢ - و ان اختارت الفرقۃ فرق القاضی بینھما کذا ذکرہ الکرخی و لم یذکر الخلاف و ظاھر ھذا الکلام یقتضی انہ لا تقع الفرقۃ بنفس الاختیار و ذکر القاضی فی شرحہ مختصر الطحاوی: انہ تقع الفرقۃ بنفس الاختیار فی ظاھر الروایۃ و لا یحتاج الی القضاء کخیار المعتقۃ و خیار المخیرۃ اھ قلت : و اخترت ھذہ الروایۃ لکونھا ارفق بالناس

(٢) اگر عنین زوجہ کے ساتھ خالی جگہ (مکان) میں یکجا بھی نہیں ہوا اور خلوت صحیحہ کے شرائط نہیں پائے گئے ہیں تب تو عورت کو عدت نہ کرنی پڑیگی اور اگر خلوتِ صحیحہ ہوچکی ہے تو اسپر عدت لازم ہوگی عدت کے بعد وہ دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے

فی البدائع :- و لھا المھر کاملاً و علیھا العدۃ بالاجماع ان کان الزوج قد خلا بھا و ان کان لم یخل بھا فلا عدۃ علیھا و لھا نصف المھر ان کان مسمّٰی اھ (ص ٣٢٦ ج - ٢)

اور عورت کو دونوں صورت میں مہر بھی ملیگا خلوت ہوچکنے کی صورت میں پورا

پورا مہر اور خلوت نہ ہونیکی صورت میں آدھا ملیگا۔ واللہ اعلم

(تنبیہ) حاکم مسلم اگر عدالت انگریزی کا ہو وہ بھی کافی ہے بشرطیکہ حکومت کی طرف سے اس کو اس مقدمہ میں شرعی فیصلہ کرنیکا اختیار دیدیا گیا ہو اور اگر پہلے سے اختیار نہ دیا گیا ہو تو درخواست دیکر اس کو اختیار حاصل کر لینا چاہیئے یا گورنمنٹ اس مقدمہ کو کسی عالم کے پاس بھیجدے اور اسکو حکم شرعی کے مطابق فیصلہ کا اختیار دیدے یا مسماۃ کسی اسلامی ریاست کے قاضی کی عدالت میں دعویٰ دائر کرے سب صورتوں میں یہ نکاح فسخ ہو سکتا ہے فقط

ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ ۲۱ صفر ۴۰ھ

مفقود الخبر پر موت کا حکم کرنے کیلئے قضاء قاضی شرط ہے

(سوال) حضرت اقدس مدظلہ تعالیٰ۔ بعد آداب و تسلیمات کے گذارش ہے ایک استفتاء بریسال سے بندہ کے پاس آیا ہے۔ صورت واقعہ یہ ہے کہ ۶۔ آدمی بولبشر دریا کے کنارہ ایک جنگل میں جوانلوگوں کے مکان سے قریب ہے اور لب دریا ہے بڑی بڑی لکڑیاں جنگل سے کاٹ کر اور ان کو رسیاں اور درختوں کے بیل سے باندھ کر اور اس کے ساتھ ایک کشتی کو رسیوں سے باندھ کر یہ لوگ اپنے مکان کی طرف لکڑیوں کو لانے لگے یہ دریا بہت عظیم الشان اور موّاج ھے اور خلیج بنگال میں جاگرا ہے طغیانی کے وقت سات آٹھ میل سے بھی زیادہ چوڑا ہو جاتا ھے جب وہ لوگ مکان کی طرف آرہے تھے قضا کا طوفان اٹھا کشتی میں سے ہوا نے ایک چٹائی اڑا کر دور پھینکدی۔ کشتی پر دو آدمی تھے وہ دونوں کشتی کو لکڑیوں کے مجموعہ سے الگ کر کے چٹائی لینے کیلئے گئے اور چار آدمی لکڑیوں پر رھے اتنے زور سے طوفان ہونے لگا کہ کشتی اور لکڑی پھر یکجا نہ ہو سکی اور لکڑی والے الگ بے قابو اور کشتی والے الگ بے قابو۔ جو ملاح اور کشتیوں میں تھے جو ماہی گیروں کی کشتی کہلاتی ہے اور وہ بزعم ملاحان کم ڈوبتی ہیں وہ بھی ان لکڑیوں کو تھام نہ سکے اور آٹھ دس بجے رات تک مختلف جگہوں کے ماہی گیروں نے ان چاروں کی آوازیں سنیں مگر کسی کو ہمت نہ ہوئی روکنے کی اور جب اخیر رات تک طوفان تھما اور روز روشن ہوا تو وہ دونوں کشتی والے کہاں کہاں سے مارے مارے پھر کر گھر واپس آئے لیکن وہ چاروں بے سراغ ہو گئے اور لکڑیوں کا بھی پتہ نہیں ماہی گیر لوگ کہتے ہیں کہ وہ لکڑیاں زور سے سمندر کی طرف جارہی تھیں اس واقعہ کو تیرہ مہینہ

گذرا لیکن اول چاروں کا ابتک پتہ نہیں ان چاروں کی بیویاں جوان جوان موجود ہیں تو ان کا کیا حکم ہے؟ ۔ در مختار ص۸۱ ج۔۳ میں ہے "اختار الزیلعی تفویضہ الی الامام۔ وفی الشامیۃ :۔ علی ھذا القول و قال الزیلعی لانہ یختلف باختلاف البلاد وکذا غلبۃ الظن تختلف باختلاف الاشخاص فان الملک العظیم اذا انقطع خبرہ یغلب علی الظن فی ادنیٰ مدۃ انہ قدمات ومقتضاہ انہ یجتھد و یحکم القرائن الظاھرۃ الدالۃ علی موتہ و علی ھذا یتبنی ما فی جامع الفتاوی حیث قال و اذا فقد فی المھلکۃ فموتہ غالب فیحکم بہ کما فقد فی وقت الملاقاۃ مع العدو او مع قطاع الطریق اوسافر علی المرض الغالب ھلاکہ اوکان سفرہ فی البحر و ما اشبہ ذالک حکم بموتہ لانہ الغالب فی ھذہ الحالات و ان کان بین احتمالین و احتمال موتہ ناش عن دلیل لا احتمال حیوتہ الخ۔ بموجب اس روایت کے اس حادثہ خاص میں گمان موت کا غالب ھے مہلکہ ہے، چاروں کا ایک ساتھ گم ہونا، مکان کے قریب گم ہونا، کشتی والوں کا لوٹنا اوران کا نہ لوٹنا ۔ بنگال کا دریا پرخطر اور عظیم الشان ہونا بنگال میں ایسے واقعات کا ان دریاؤں میں ہوتے رہنا. سمندر کے دہانہ سے قریب ہونا. اور حسب تصریح صاحب جامع الفتاویٰ بحر کا واقعہ ہونا حضرت اقدس کی کیا رائے ہے اور قاضی تو ہے نہیں پس مولویان انکے قائم مقام سمجھے جائیں گے؟ اسکے سوا کیا چارہ پس حضرت والا کی رائے بھی موافق روایت مذکورہ ہو تو ابھی حکم موت کیا جائے یا چار سال بعد حسب روایت امام مالک رح؟ مگر مشکل یہ ہے کہ مدونہ میں قضائے قاضی شرط لکھی ھے. بہرحال حضور کے ارشاد کا انتظار ہے۔ اگر میرا خیال غلط ہے تو تنبیہ فرمایا جائے۔

الجواب :۔ اس مسئلہ میں بجز قضاء حاکم مسلم کوئی چارہ نہیں اگر کوئی حاکم مسلم انگریزی حکومت ہی کی طرف سے ہو اور اس مقدمہ کا فیصلہ کرے بشرطیکہ اس کو اختیارات بھی اس مقدمہ کے پورے حاصل ہوں اور حکم بالموت کر دے تو اسی وقت وہ عورتیں نکاح سے خارج ہوکر بعد عدتِ موت نکاحِ ثانی کر سکتی ہیں مولویوں کا فیصلہ حَکَم کا فیصلہ ہوگا ۔ اور حَکَم کی ولایت غائب پر نہیں ہوتی لھذا وہ حکمِ موت علی الغائب کا اختیار نہیں رکھتا۔ واللہ اعلم ۔ ظفر احمد عفا عنہ

مفقو الخبر کی موت کیلئے قضاء قاضی شرط ہے

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع اس مسئلہ میں کہ چھ شخص مفلس دریائے شور کے کنارہ کے جنگل سے لکڑی چُن کر چار تودے اس دریا کے پانی پہ جمع کرکے سخت باندھی قضارا اندھیری رات کو سخت طوفان ہوا تندہوا چلنے لگی ان میں سے دو شخص جو اپنے ساتھ کے توشہ لدا ہوا کشتی پر سوار تھے ہوا اور پانی کے سیلاب نے انکو تودے سے جدا کرکے سمندر کے کنارہ پہ ڈالدیا یہ دونوں مع کشتی سلامت گھر واپس آئے باقی چار شخص جو تودے پہ رہ گئے تھے طوفان اور طغیانی پانی نے چاروں تودوں کو سمندر میں کہاں کہاں بہا لیگیا معلوم نہیں۔ واللہ علیم و بکل شئی خبیر، اب ایک سال سے زیادہ عرصہ ہوا ہے کہ باوجود بہت تفتیش وتلاش کے اس مہلکہ میں گرنے والوں کی کوئی خبر نہیں ملی اب ان چار شخص مہلکہ میں گرا ہوا ہیزم کش مفلسوں کیلئے شرعاً حکم مردہ کا ہوگا یا زندہ کا اور انکی بیویوں کو نکاحِ ثانی کی اجازت شریعت دیتی ہے یا نہیں ؟ اور حضرات علماء کی خدمت میں یہ بھی قابل عرض ہے کہ ایسی حالت پر سمندر کے مہلکہ میں گرا ہوا کوئی کبھی زندہ رہ سکتا نہیں۔

الجواب :- الحمد لولیہ والصلوٰۃ والسلام علی نبیہ وآلہ واصحابہ اجمعین۔

ہاں ایسے خوفناک مہلکہ میں گرا ہو تو انکے لئے شرعاً البتہ موت کا حکم ہے جیسا کہ تنقیح میں بیان کیا اسکو علامہ ابن عابدینؒ اور حاشیہ در المختار میں بیان مفقود کے تحت جامع الفتاویٰ سے نقل کیا ہے۔ واذا فقد فی المهلكة فموته غالب فيحكم به كما اذا فقد فى وقت الملاقاة مع العدو او مع قطاع الطريق او سافر على المرض الغالب هلاكه او كان سفره فى البحر وما اشبه ذالك حكم بموته لانه الغالب فى هذه الحالات وان كان بين احتمالين واحتمال موته ناش عن دليل لا احتمال حياته لان هذا الاحتمال كاحتمال ما اذا بلغ المفقود مقدار مالا يعيش على حسب ما اختلفوا فى مقداره نقل عن الغنية۔

مخفی ومحتجب نہیں ہے کہ اشخاص مذکورین سوال کی موت پر بڑی دلیل ہے طوفان کے وقت سمندر میں تودے ہیزم کے ساتھ بے توشہ بہجانا اور مفلس شخصوں کا حالتِ حیات میں برس روز تلک اپنے اہل وعیال سے منقطع الخبر رہنا مستبعد ہے پس

جب اشخاص مذکورین سوال کیلئے شرعاً حکم موت ہے تو البتہ انکی ازواج کیلئے بھی شرعاً تزویج ثانی کی تجویز ہے اور یہ حکم کوئی بادشاہ یا امیر کیلئے خاص نہیں بلکہ قرائن اور اجتہاد اسمیں اصل چیز ہے

کما فی الشامی :- ومقتضاہ انہ یجتہد ویحکم بالقرائن الظاھرۃ الدالۃ علی موتہ اھ ھذا ما تیسر من الجواب مختصراً فمن شاء الاستقصاء فلیراجع الی کتب الفقہ - الکاتب الحقیر الفقیر المذنب الراجی الی رحمۃ ربہ الباری ابوسعید محمد عبد الغفور سلمہ الشکور :

(الکلام علی الجواب المذکور)

مجیب سلمہ نے شامی کی جس عبارت کا حوالہ اپنے جواب میں دیا ہے اس سے صراحۃً یہ امر واضح ہے کہ صورتِ مسؤلہ میں حکم بالموت قاضی یا امام کرسکتا ہے بدون قضاء کے حکم بالموت نہیں ہوسکتا۔ درمختار میں ہے۔

واختار الزیلعی تفویضہ للامام اھ۔ علامہ شامی اس قول کے تحت فرماتے ہیں۔ (قولہ واختار الزیلعی تفویضہ للامام) قال فی الفتح فای وقت رای المصلحۃ حکم بموتہ قال فی النھر : وفی الینابیع : قیل : یفوض الی رای القاضی ولا تقدیر فیہ فی ظاھر الروایۃ ، وفی القنیۃ : جعل ھذا روایۃ عن الامام اھ- قلت : والظاھر ان ھذا غیر خارج عن ظاھر الروایۃ ایضاً بل ھو اقرب الیہ من القول بالتقدیر لانہ فسرہ فی شرح الوھبانیۃ بان ینظر ویجتھد ویفعل ما یغلب علی ظنہ فلا یقول بالتقدیر لانہ لم یرد بہ الشرع بل ینظر فی الاقران وفی الزمان والمکان ویجتھد ثم نقل عن مغنی الحنابلۃ حکایۃ عن الشافعی ومحمد وانہ المشھور عن مالک وابی حنیفۃ وابی یوسف وقال الزیلعی لانہ یختلف باختلاف البلاد وکذا غلبۃ الظن تختلف باختلاف الاشخاص فان الملک العظیم اذا انقطع خبرہ یغلب علی الظن فی ادنیٰ مدۃ انہ قد مات اھ

اس عبارت کا حاصل صرف یہ ہے کہ حکم بموت المفقود کیلئے تقدیر مدت

کی ضرورت نہیں بلکہ یہ امر مفوض الی رای القاضی والامام ہے قاضی اور امام کو نظر و اجتہاد سے جس وقت موت مفقود کا غلبہ ظن ہو جائے حکم بالموت کر دے اس کے بعد شامی میں وہ عبارت ہے جو مجیب سلمہ نے نقل کی ہے جس میں یجتہد و یحکم القرائن الظاہرۃ الخ اور فیحکم بموتہ کی ضمیریں سب امام و قاضی کی طرف راجع ہیں۔ یعنی قاضی کو اجتہاد سے کام لینا چاہیے اور قرائن ظاہرہ کو حکم بنانا چاہئے اور اسی پر جامع فتاوٰی کی عبارت کو مبنی کیا ہے کہ جب مفقود مہلکہ میں گم ہو جائے تو اسکی موت کا حکم لگایا جائے یعنی قاضی وامام کو یہ حکم لگا دینا چاہئے اس عبارت سے یہ کسیطرح مفہوم نہیں ہوتا کہ محض مفتی کا حکم بالموت کافی ہے اور قضاء کی ضرورت نہیں علامہ شامیؒ نے اس عبارت کے خاتمہ پر لکھا ہے فلذا قلنا ان ھذا مبنی علی ما قال لہ الزیلعی تامل اھ (ص ۵۱۱ و ۵۱۲) اور امام زیلعی کا قول اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ انکے نزدیک تفویض الی رای الامام مختار ہے اور شامی ص ۵۱۲ ج ۳ میں ہے۔ قلت لکن المتبادر من العبارۃ ان المنصوص علیہ فی المذھب الثانی ثم رایت عبارۃ الواقعات عن القنیۃ ان ھذا ای ماروی عن ابی حنیفۃ من تفویض موتہ الی رای القاضی نص علی انہ انما یحکم بموتہ بقضاء الخ — اس سے صاف ظاہر ہے کہ بصورت فقد فی المھلکۃ قضاء قاضی یا حکم امام ضروری ہے اس کے بغیر حکم بالموت نہیں ہو سکتا پس مجیب سلمہ کا یہ کہنا کہ یہ حکم بادشاہ یا امیر کیلئے خاص نہیں کسیطرح صحیح نہیں واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۲۰ رجمادی الاولی ۱۳۴۱ھ

شوہر عنین کا حکم | **(سوال)** کیا فرماتے ہیں علماء دین وحامیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کا لڑکا اور عمرو کی لڑکی کے درمیان قبل بلوغت شادی ہوئی اب زوجین سن بلوغ کو پہونچ گئے جسکو عرصہ چھ برس کا ہوا مگر ان دونوں میں کوئی سروکار نہیں ہے تحقیقات سے معلوم ہوا کہ لڑکا نامرد ہے عمرو ایسی حالت میں چاہتا ہے کہ دونوں میں علیحدگی ہو جائے مگر زید کا لڑکا بوجہ خفت طلاق دینا نہیں چاہتا ہے ایسی حالت میں

کیا کرنا چاہیئے مطابق شرع شریف حکم تحریر فرمایا جائے۔

المرسل۔ عبدالعظیم پارچہ فروش شہر آرہ چوک

الجواب :۔ صورتِ مسؤلہ میں لڑکی کو چاہیئے کہ وہ حکومت میں استغاثہ کرے کہ میرا شوہر نامرد ہے اسلیئے میں چاہتی ہوں کہ میرا مقدمہ کسی حاکم مسلم کے سپرد کیا جائے تاکہ وہ شرعی حکم مطابق اس کا فیصلہ کر دے حاکم غیر مسلم کا فیصلہ اس صورت میں معتبر نہیں جب حکومت کی طرف سے کسی حاکم مسلم کے سپرد یہ مقدمہ کردیا جائے تو عورت اسکے سامنے دعویٰ کرے کہ میرا شوہر نامرد ہے اسلیئے میں اس سے علیحدگی چاہتی ہوں حاکم شوہر سے دریافت کرے اگر وہ بھی اپنے نامرد ہونیکا اقرار کرے تو حاکم اسکو پورے ایک سال شمسی کی مہلت دے جس میں عورت و مرد کے ایام مرض محسوب نہ ہونگے نہ وہ ایام محسوب ہونگے جن میں عورت شوہر سے بدون اسکے اذن کے غائب رہے اس سال کے اندر اندر اگر علاج وغیرہ کرکے ایک بار بھی شوہر نے بیوی سے صحبت کرلی تو پھر عورت کو اس دعویٰ جدائی کا حق نہ رہیگا اور اگر سال بھر وہ عورت کے پاس نہ پہونچ سکا اور صحبت نہ کرسکا اور اقرار کرلیا کہ میں نے اس عرصہ میں بیوی سے صحبت نہیں کی تو حاکم مسلم ان دونوں میں تفریق کردے یعنی یہ کہدے کہ میں تم دونوں کا نکاح توڑتا ہوں حاکم کے اس کہنے سے عورت پر طلاق بائن واقع ہوجائیگی عدت کے بعد وہ دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے اور اگر شوہر نے اپنے نامرد ہونیکا اقرار نہ کیا بلکہ دعویٰ کیا کہ میں نے عورت سے وطی کی ہے تو حاکم مسلم معتبر دائیوں سے کہے کہ وہ لڑکی کو دیکھیں اور بتلائیں کہ وہ باکرہ ہے یا ثیبہ اگر وہ کہیں کہ لڑکی ثیبہ ہے تو پھر اس عورت کا دعویٰ جدائی صحیح نہ ہوگا اور اگر وہ باکرہ بتلائیں تو حاکم مسلم عورت کے دعویٰ کو صحیح سمجھکر شوہر کو ایک سال کی مہلت دیگا جیسا کہ اوپر گذرا اور سال تمام ہونیکے بعد اگر شوہر و عورت میں اختلاف ہوا عورت نے کہا کہ اس نے مجھ سے وطی نہیں کی اور مرد نے کہا کہ میں نے وطی کی ہے تو حاکم اس وقت بھی دائیوں سے کہیگا کہ وہ عورت کو دیکھیں اور دیکھکر بتلائیں اگر وہ کہیں کہ یہ ثیبہ ہے تو عورت کا دعویٰ جدائی صحیح نہ ہوگا اور اگر باکرہ بتلائیں تو حاکم مسلم عورت سے قسم لیکر ان دونوں میں تفریق کر دے تفریق کرنے سے عورت پر طلاق واقع ہوجائیگی اور عدت کے بعد دوسرے شخص سے وہ نکاح کرسکیگی ۔

قال فی الفتاوی الحامدیۃ :- لا یفرق بینھما بمجرد دعواھا انہ عنین مالم یثبت عنتہ باقرارہ او بقول النساء انھا بکر فیوجل من وقت المرافعۃ سنۃ کاملۃ ولا یحسب منھا ایام مرضہ ولا مرضھا ولا ایام غیبتھا عنہ ولو لحجھا او ھروبھا منہ فان وطی والا بانت بالتفریق ان طلبت وتاجیل العنین لا یکون الا عند قاضی مصر او مدینۃ کما افتی بذالک الخیر الرملی اھ (ص ۳۳ ج ۔ ۱) واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد ۔ ۲۰ رجب ۴۱ھ

زوجہ مجنون کا حکم

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ آمنہ بنت حاجی عبدالغنی صاحب کا شوہر مسمی اسمٰعیل عرصہ چار یا پنچ سال سے بالکل دیوانہ ہوگیا ہے بہت علاج معالجہ کرایا۔ لیکن اچھا نہیں ہوا اور نہ آئندہ امید ہے مسماۃ مذکورہ بالکل جوان ہے کیا ایسی صورت میں مسماۃ نکاح ثانی کر سکتی ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب تحریر فرمائیں بینوا توجروا۔

الراقم حاجی عبدالغنی صاحب از دیراول بندر کاٹھیاواڑ

الجواب :- صورتِ مسئولہ میں مسماۃ مذکورہ کے نکاح ثانی کی صرف ایک صورت ہے کہ کوئی مسلمان حاکم جو اس قسم کے مسائل کے فیصلہ کا اختیار حکومت کی طرف سے رکھتا ہو اپنے اختیار حاکمانہ سے تفریق کردے بعد تفریق حاکم مسماۃ عدت تین حیض پوری کرکے نکاح کر سکتی ہے اسکے بغیر کوئی صورت نکاح ثانی کی نہیں اور حاکم مسلم اس صورت میں ایک سال کی مہلت دینے کے بعد تفریق کر سکتا ہے اسکے بغیر نہیں۔

وفی العالمکیریۃ :- قال محمد ان کان الجنون حادثاً یؤجلہ سنۃ کالعنۃ ثم یخیر المرأۃ بعد الحول اذا لم یبرأ وان کان مطلقاً فھو کالجب وبہ نأخذ کذا فی الحاوی القدسی اھ (ص ۱۵۷ ۔ ج ۔ ۲) واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

المقیم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۲۷ صفر ۴۳ھ

زوجہ مفقود کے نکاح ثانی کی ایک صورت کا حکم

(سوال) ایک شخص اپنی بیوی کو گھر میں چھوڑ کر سفر میں چلا گیا تھا۔ برس دو برس کے بعد لگاتار دو تین

خبر اسکی موت کی آئی۔ پس اس کا ایک حقیقی بھائی تھا اس نے تیسری خبر کے بعد اس عورت کے ساتھ بعد انقضائے عدتِ موت نکاح کر لیا۔ پھر دو ایک برس کے بعد اس کا بھائی سفر سے بیماری کی حالت میں گھر آیا اور اپنی عورت کو اپنے پاس لے گیا مگر بسبب مرض کے اس سے ہم بستر نہ ہو سکا دو تین مہینہ کے بعد اسی بیماری میں اسکی موت واقع ہوئی اب اس صورت میں حکم شرعی کیا ہے؟ اس عورت کو ناکحِ ثانی جو زوج اول کا بھائی ہے بغیر نکاح کے اپنے پاس رکھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں اگر مفقود کے بھائی نے نکاح اس وقت کیا ہے جبکہ متواتر خبر موت سے اسکو ظنِ غالب موت کا ہو گیا تھا تو اس صورت میں اسکو زوجہ مفقود سے نکاح کرنے میں گناہ نہیں ہوا اور اگر ان خبروں پر اسکو وثوق نہ تھا تو گناہ ہوا۔ بہر حال جب شوہر اول زندہ واپس آگیا تو معلوم ہوا کہ نکاح ثانی صحیح واقع نہ ہوا تھا لھذا اب شوہر اول کی موت کے بعد شوہر ثانی اس عورت سے بعد عدت نکاح کر سکتا ہے بدون تجدید نکاح کے اسکو نہیں لے جا سکتا اور اس وقت عورت کو پورا اختیار ہے کہ خواہ وہ شوہر ثانی سے نکاح کرے یا اسکے علاوہ کسی اور سے نکاح کرے شوہر ثانی نکاح ثانی کی وجہ سے اسکو اپنے ساتھ نکاح پر مجبور نہیں کر سکتا کیونکہ علمِ حیاتِ مفقود سے وہ نکاح باطل و لغو ہو گیا وطی بالشبہ سے زیادہ اسکی کوئی حیثیت نہیں۔

فی الهندية:۔ غاب من زوجته البكر سنتين فتزوجت وجاءت باولاد او نعى اليها زوجها فتزوجت بآخر فولدت فالولد عند الامام للاول نفاه او ادعاه او ادعاه الثانی او نفاه لاقل من ستة اشهر او اكثر من سنتين وللزوج الثانی ان يدفع الزكاة اليهم وتقبل شهادتهم له فی الوجيز للكردری و روى عبد الكريم الجرجانی عن ابی حنيفة ان الاولاد للزوج الثانی راجع الى هذا القول وعليه الفتوىٰ كذا فی التجنيس اھ (ص ۳۰۔ ج۔ ۲)

تعلم بطلاق النكاح الثانی بعلم حياة الاول رأيً و اما الاختلاف فی حكم الاولاد ورجوعه الى انها للثانی فليجعل وطی الثانی وطی بشبهة هذا والله اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۲۹ر صفر ۴۳ھ

زوجۂ مفقود کے نکاح ثانی اور واپسی مفقود کی ایک صورت

(سوال) عمرو کو عرصہ تین چار سال کا ہوا کہ لاپتہ ہے اب عمرو کی منکوحہ خالدہ کے بسر اوقات کیلئے کوئی وسیلہ نہ رہا اسلئے خالدہ نے زید سے نکاح کر لیا کیا یہ نکاح صحیح ہے؟ —— بعدازیں دو ایک بچہ بھی زید کے یہاں بعد نکاح کے پیدا ہوئے اسقدر مدت گزرنے کے بعد عمرو بھی چلا آیا اس صورت میں عورت و بچہ کس کو ملینگے اور جسکو ملیں گے انکے لئے نکاح اوّل کافی ہے یا کہ نکاح ثانی کی ضرورت ہے؟

الجواب:۔ عمرو کا نکاح باقی ہے اور عورت اسی کی ہے دوبارہ نکاح کرنیکی ضرورت نہیں اور زید کا نکاح صحیح نہیں ہوا لیکن اولاد زید ہی کی ہے

کما فی الدر المختار:۔ (غاب عن امرأته فتزوجت بآخر وولدت اولاداً) ثم جاء الزوج الاول (فالاولاد للثانی علی المذهب) الذی رجع الیه الامام وعلیه الفتویٰ کما فی الخانیة والجوهرة والکافی وغیرها وقال الشامی تحت قوله (حکی اربعة اقوال) لان الولد للفراش الحقیقی وان کان فاسداً (الی ان قال): وانما وضع المسئلة فی الولد اذ المرأة ترد الی الاول اجماعاً اھ (ص ۱۰۳۸ - ج ۲)۔

وفی العالمگیریة:۔ (ص ۴۰ - ج - ۲) غاب عن زوجته البکر سنتین فتزوجت وجاءت بالاولاد (الی ان قال) وروی عبد الکریم الجرجانی عن ابی حنیفةؒ ان الاولاد للزوج الثانی ورجع الی هذا القول وعلیه الفتویٰ کذا فی التجنیس (الیٰ ان قال) ولو کان الاول حاضراً۔ والمسئلة بحالها فالولد للاول کذا فی الوجیز للکردری —— قلت:۔ فما قال الشامی تحت قول الدر (فلا عدة فی باطل) اما نکاح منکوحة الغیر ومعتدته فالدخول فیه لا یوجب العدة ان علموا انها للغیر الخ یحمل علی العلم الیقینی وهو منتف فی زوجة الغائب (المفقود) واللہ اعلم

اور عورت پر عدت بھی واجب ہے یعنی زوج ثانی (زید) سے علیحدگی کے بعد عدت گذرنے تک عمرو کو صحبت وغیرہ جائز نہیں

وان فرق بعد الدخول کان علیها الاعتداد من وقت الفرقة

لامن وقت الوطی وکذا لو کانت الفرقۃ بغیر قضاء (قاضی خان ص۲۶۹ ج ۲)

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا عنہ
۵، ذی قعدہ ۴۳ھ

و اللہ اعلم
عبدالکریم عفی عنہ
۵، ذی قعدہ ۴۳ھ

زوجۂ مجنون کا حکم

(**سوال**) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ھندہ کا عقد نکاح دس سال کی عمر میں زید سے ہوگیا اور زید نکاح سے تقریباً عرصہ ایک سال کے بعد دیوانہ ہوگیا اور ابتک اسکی حالت بدستور خراب ہے اور بظاہر کوئی امید تندرست ہونکی نہیں ہے نکاح کو ہوئے تقریباً عرصہ دس سال کا ہوگیا لڑکی کی عمر بیس سال ہے دوران شادی لڑکی صرف دس یا پانچ روز کیلئے شوہر کے مکان پر گئی تھی۔ باقی اس وقت اپنے والدین کے پاس ہے اور اس کے والدین ہی خورد و نوش وغیرہ کے کفیل ہیں اب ایسی صورت میں مسماۃ کا نکاح دوسری جگہ کر دیا جائے یا نہیں؟ بعض علماء سے یہ معلوم ہوا ہے کہ ایسے نکاح کو حاکم شرع سے فسخ کرا کر دوسری جگہ نکاح کر سکتا ہے مگر یہاں کوئی حاکم شرع یا عدالت شرعی ایسی نہیں ہے جو فیصلہ مطابق شریعت کر سکے اگر کسی اسلامی ریاست کے قاضی شرع سے نکاح فسخ کرا دیا جائے تو نکاح فسخ ہو جائیگا۔ اسمیں کیا ہونا چاہئے۔ فقط عبدالشکور پٹواری بلند شہر بالائے کوٹ کھال منہاراں۔

تنقیح :۔ جنون زید کے بعد ھندہ نے نکاح زید میں رہنے پر رضامندی ظاہر کی تھی یا نہیں ؟ اور اظہار رضامندی کے وقت ھندہ بالغہ تھی یا نابالغہ؟ مفصل لکھا جائے کہ ھندہ نے بعد جنون زید کیا کہا ؟

جواب تنقیح :۔ ھندہ بوقت جنون زید نابالغہ تھی اور جب بالغ ہوئی تو زید کے نکاح میں رہنے پر رضامندی ظاہر نہیں کی بلکہ اپنا عقد ثانی کرنا چاہتی ہے۔

الجواب :۔ اگر کسی اسلامی ریاست میں ھندہ اور شوہر مجنون مع اسکے ولی کے پہونچ جائیں اور ھندہ فسخ نکاح کا مطالبہ کرے اور قاضی فریقین کے سامنے عقد نکاح کو فسخ کر دے تو فسخ ہو جائیگا۔ بشرطیکہ تاجیل عنین کے موافق ایک سال کی مہلت دینے کے بعد فسخ کرے۔

کما صرح فی العالمگیریۃ :۔ (باقی صرف ایک فریق کے جانے سے کچھ نہ ہوگا)

لان قضاء القاضی لاینفذ فیما لیس فی ولایتہ واذا تحاکما وتنازعا ای الخصمان کلاھما فقد دخلا فی ولایتہ - واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۵؍ شعبان ۴۳ھ

جس عورت کا شوہر غائب ہو اور نفقہ نہ بھیجتا ہو اس کا نکاح فسخ کرنا اور اسکے لئے عوام کی طرف سے قاضی مقرر کرنا۔

(**سوال**) حامداً ومصلیاً ومسلماً ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ :-

اندرینکہ در دیار ما اکثر کسان در رنگون وغیرہ رفتہ بعضے نکاح ثانی کردہ وبعضے با قلاشی وضیق دستی و شراب خوری مبتلا شدہ رخت اقامت می اندازند وبرائے زوجہ ہائے آنان بوجہ خوراکی و پوشاکی چیزے نمی فرستند ونہ رجعت بسوئے خانہ ھائے می سازند ونہ طلاق می دھند وبعض در دیار خود سکونت ورزیدہ بازدواج زنی دیگر اوقات می گذارند وزن اول را نہ در خانہ دارے خود می آرند ونہ از زوجیت خود جدا می سازند پس با نوہائے اوشان بجہت عدم حصول نفقہ وسکنیٰ والبسہ بیک قلم عاجزہ ومجبورہ گشتہ اکثر بفعل شنیع مثل زناکاری وپردہ دری مبتلا می شوند وبعضے با مرد دیگر از خانہ خود ہا بیرون شدہ بجرائم علانیہ گرفتار می گشتند پس اندریں صورت ہائے مذکورہ خاتون ہا بیچاریان را ہیچ صورت مباینت ہست یا نہ؟ وبوقت ضرورت شدیدہ بمذہب ومسلک امام دیگر عمل کردن جائز ہست یا نہ؟ ودریں ریاست وحکومت نصاریٰ کہ قاضی شرعی مفقود ہست علماء محلہ را باتفاق ساکنان محلہ و باشندگان قریہ حسب قول فقہاء ویکون القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین مقرر کردہ تفریق بین اوشان میتوانند کرد یا نہ؟ بینوا توجروا -

الجواب ھو الموافق بالحق والصواب

درصورتِ مسئولہ تفریق بین زوجین نزد امام ما جائز نیست کیف ما کان -

کما فی الدر المختار : ولا یفرق بینھما بعجزہ عنھا بانواعھا الثلاثۃ الخ اما امام شافعیؒ وقتیکہ زوج معسر ومفلس باشد یا غائب گردد تفریق جائز داشتہ اند - کما فی فیھا ایضاً : وجوزہ الشافعیؒ باعسار الزوج وبتضررھا

ع کذا فی رد المحتار ص۵۴۲ ج ۱ - تحت قول الدر باب الجمعۃ ونصب العامۃ الخطیب - عبد الکریم

بغیبة ولو قضیٰ به حنفی لم ینفذ نعم لو امر شافعیاً فقضیٰ به نفذ اذا لم یرتش الآمر والمامور بحر۔ وفی رد المحتار:۔ تحت قول الدر المختار: نعم لو امر شافعیاً ثم اعلم ان مشائخنا استحسنوا ان ینصب القاضی الحنفی نائباً من مذهبه للتفریق بینهما اذا کان الزوج حاضراً۔ وابی عن الطلاق لان دفع الحاجة الدائمة لا یتیسر بالاستدانة اذ الظاهر انها لا تجد من یقرضها وغنی الزوج مالاً امر متوهم والتفریق ضروری اذا طلبته وان کان غائباً لا یفرق لان عجزه غیر معلوم حال غیبة ثم بعد نقل اختلاف الفقهاء ذکر والحاصل ان التفریق بالعجز عن النفقة جائز عند الشافعیؒ حال حضرة الزوج وکذا حال غیبة مطلقاً الیٰ قوله وذکر فی الفتح انه یمکن الفسخ بغیر طریق اثبات عجزه بل بمعنیٰ فقده وهو ان تتعذر النفقة علیها۔ وفی شرح الوقایة اما عند الشافعیؒ فالقاضی یفرق بینهما لانه لما عجز عن الامساك بالمعروف ینوب القاضی منابه فی التسریح بالاحسان واصحابنا لما شاهدوا الضرورة فی التفریق لان دفع الحاجة الدائمة لا یتیسر بالاستدانة والظاهر انها لا تجد من یقرضها وغنی الزوج فی المال امر متوهم استحسنوا ان ینصب القاضی نائباً شافعی المذهب یفرق بینهما انتهیٰ۔ ـــــ وبوقت ضرورتِ شدیده بر مذهب امام دیگر حنفی را عمل کردن جائز و درست است کما یفهم من رد المحتار حاشیة الدر المختار: وذکر ابن وهبان فی منظومته انه لو افتیٰ بقول مالك فی الضرورة یجوز واعترضه شارحها ابن الشحنة بانه لا ضرورة للحنفی الی ذالك وقال الشارح فی الدر المنتقی هذا لیس باولیٰ لقول القهستانی لو افتیٰ به فی موضع الضرورة لا بأس به علیٰ ما اظن انتهیٰ ملخصاً والله اعلم وهکذا فی النظم فلو افتیٰ به فی موضع الضرورة ینبغی لا بأس به علی ما اظن انتهیٰ ـــــ وبناء بر قول فقهاء۔ ویصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین کما فی رد المحتار: اگر [illegible]انان اتفاق شده عالمے متدین را قاضی مقرر سازند و فلوسے بوجہ رشوت نہ گیرد

وخالصۃً للہ تفرق کردہ دہند امید عند اللہ ماجور شوند۔ واللہ اعلم بالصواب و عندہ ام الکتاب۔ محمد عبد الحکیم غفرلہ الکریم۔

لیس للاحناف ان یفتوا بخلاف مذہب امامہم ولکن لما کانت الضرورۃ داعیۃ الیٰ رفع الحاجۃ الدائمۃ کما حررہ المجیب فینبغی للحنفی ان یفتی للتفریق بینہما دفعاً للضرورۃ الشدیدۃ۔ کتبہ العبد الضعیف الراجی الیٰ رحمۃ ربہ الودود ابو المحمود محمد عبد المعبود نکانوی الحنفی۔

لیس للمقلد ان یفتی بغیر قول امامہ وعند الضرورۃ ینبغی ان ینصب قاضیاً فی مذہبہ صورۃ واقعۃ فیقضی بما ھو واقع لہ وفیما لم یوجد قاض علی الوصف المذکور والضرورۃ داعیۃ فللحنفی ان یفتی بقول غیر امامہ دفعاً للحاجۃ: بندہ محمد ناظر غفرلہ

ان مست الحاجۃ کما حررہ المفتی جداً فالحکم لغیر المذہب لرفع الضرورۃ ودفع الفتنۃ ھو عین اتباع المذہب کما لا یخفی علی ارباب الدرایۃ واللہ اعلم۔ عزیز الرحمٰن عفی عنہ از دار العلوم دیوبند۔

التنقید علی الجواب

فی رد المحتار بعد قولہ وان کان غائباً لا یفرق لان عجزہ غیر معلوم حال غیبتہ المذکورۃ فی الجواب وان قضی بالتفریق لا ینفذ قضاءہ لانہ لیس فی مجتہد فیہ لان العجز لم یثبت اھ ونقل فی البحر اختلاف المشائخ وان الصحیح کما فی الذخیرۃ عدم النفاذ لظہور مجازفۃ الشہود کما فی العمادیۃ والفتح وذکر فی قضاء الاشباہ فی المسائل التی لا ینفذ فیہا قضاء القاضی ان منہا التفریق للعجز عن الانفاق غائباً علی الصحیح لا حاضراً اھ (ص ۱۰۸۰ ج۔۲) پس مجیب نے "ثم بعد نقل اختلاف الفقہاء" میں ایک مختصر عبارت کے ذکر پر اکتفا کیا اور اس اختلاف فقہاء کو نقل نہ کیا اسمیں سوائے اس کے کیا مصلحت ہے کہ پوری عبارت نقل کرنے میں اپنے مدعا کے خلاف تصحیح صریح موجود تھی اسلئے مبہم لکھدیا تاکہ تصدیق کرنے والوں کو اس تحریر سے اتفاق ہوسکے۔ افسوس! کہ مجیب کی طرح مصدقین نے بھی اس عبارت متروکہ کی طرف خیال نہ فرمایا اگر اس عبارت کے

ترک سے اختصار مقصود تھا تو بعد نقل اختلاف الفقہاء کے ساتھ والصحیح عدم النفاذ بھی لکھدینا لازم تھا غرض یہ ہے کہ زوجہ غائب کی تفریق مذہب صحیح پر کسی طرح نہیں ہوسکتی باقی حاضر معسر کی زوجہ کے متعلق ضرورت شدید کے وقت قول "نعم لو امر شافعیاً فقضی بہ نفذ" صحیح ہے ای بشرائطہ لیکن اس کے واسطے قاضی کی ضرورت ہے اور قاضی مقام سوال میں موجود نہیں اس واسطے یہ صورت بھی متصور نہیں اور مجیب نے جو صورت تحریر کی ہے کہ "یصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین" وہ صحیح نہیں کیونکہ اس جزئیہ کو صورت مسئولہ سے کوئی تعلق نہیں بلکہ قول مذکور جمعہ کے باب میں ہے پوری عبارت شامی باب الجمعہ کی یہ ہے "فلو الولاۃ کفار أیجوز للمسلمین اقامۃ الجمعۃ ویصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین" اور دیگر کتب فقہ میں بھی ایسا ہی ہے پس اس "القاضی" میں لام عہد ہے یعنی قاضی جمعہ۔ اور صورت مسئولہ کو جمعہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔ لان الجمعۃ من العبادات والتفریق من المعاملات وشتان بینہما ــــ بلکہ فیصلہ کنندہ قاضی ہونے کیلئے حکومت کی طرف سے امر ضروری ہے صرف مسلمانوں کے تقرر وانتخاب سے قاضی نہیں ہوسکتا

کما فی العالمگیریۃ (ص۱۶۴ ج ۴): اذا اجتمع اھل بلدۃ علی رجل وجعلوہ قاضیاً یقضی فیما بینھم لا یصیر قاضیاً واذا اجتمعوا علی رجل وعقدوا معہ عقد السلطنۃ او عقد الخلافۃ یصیر خلیفۃ وسلطاناً کذا فی المحیط اھ وقال العلامۃ الشامی فی کتاب القضاء: تحت قول الدر: (ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر) ای الظالم وھذا ظاھر فی اختصاص تولیۃ القضاء بالسلطان ونحوہ کالخلیفۃ لو اجتمعوا اھل بلدۃ علی تولیۃ واحد القضاء لم یصح بخلاف مالو ولوا سلطاناً بعد موت سلطانھم کما فی البزازیۃ۔ نھر وتمامہ فیہ۔ اور اسکے بعد گو علامہ موصوف نے فرمایا ھے ــــ قلت: ھذا حیث لاضرورۃ والا فلھم تولیۃ القاضی ایضاً کما یاتی بعدہ لیکن آگے چلکر درمختار میں بھی صرف تقرر والی وامام جمعہ کا ذکر ہے قاضی کا کوئی ذکر نہیں اور شامی نے بھی تاتارخانیہ وفتح القدیر سے جو عبارات نقل کی ہیں ان میں بھی براہ راست اہل اسلام کو اس کا اختیار نہیں دیا کہ معاملات کا فیصلہ کرنے والا قاضی

مقرر کر سکتے ہیں بلکہ صرف امام و قاضی جمعہ ہی کا اختیار دیا ہے اور تقرر قاضی کی یہ صورت تجویز فرمائی گئی ہے کہ اول اہل اسلام کسی مسلمان کو والی بنا دیں پھر وہ والی کسی کو قاضی کا عہدہ سپرد کرے۔ عبارات یہ ہیں۔

وفی الدر المختار :۔ ولو فقد والٍ لغلبة کفار وجب علی المسلمین تعیین والٍ وامام للجمعة فتح (تاتارخانیہ) الاسلام لیس بشرط فیہ ای فی السلطان الذی یقلد وبلاد الاسلام التی فی ایدی الکفرة لاشک انہا بلاد الاسلام لا بلاد دار الحرب لانہم لم یظہروا فیہا حکم الکفر والقضاة مسلمون والملوک الذین یطیعونہم عن ضرورة مسلمون ولو کانت عن غیر ضرورة منہم ففساق وکل مصر فیہ والٍ من جہتہم تجوز فیہ اقامة الجمع والاعیاد واخذ الخراج وتقلید القضاة وتزویج الایامی لاستیلاد المسلم علیہ واما اطاعة الکفر فذاک مخادعة واما بلاد علیہا ولاة کفار فیجوز للمسلمین اقامة الجمع والاعیاد ویصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین ویجب علیہم ان یلتمسوا والیاً مسلماً منہم اھ

وفی الشامیة ایضاً :۔ وعزاہ مسکین فی شرحہ الی الاصل ونحوہ فی جامع الفصولین (فتح القدیر) واذا لم یکن سلطان ولا من یجوز التقلد منہ کما ھو فی بعض بلاد المسلمین غلب علیہم الکفار کقرطبة الآن یجب علی المسلمین ان یتفقوا علی واحد منہم یجعلونہ والیاً فیولی قاضیاً او یکون ھو الذی یقضی بینہم وکذا ینصبوا اماماً یصلی بہم الجمعة اھ

کتب مذکورہ کے علاوہ دیگر کتب فقہ میں بھی بہت تلاش کیا گیا مگر امام جمعہ کے سوا براہ راست قاضی کا تقرر مسلمانوں کے سپرد ہونا کسی جگہ نظر سے نہیں گذرا سب یہی لکھتے ہیں کہ یا تو غیر مسلم حاکم کی منظوری سے نصب قاضی ہو سکتا ہے یا اول اہل اسلام کسی کو باقاعدہ قیود[ع] و شرائط کے ساتھ والی بنا دیں پھر اس والی کی طرف سے تقرر ہو سکتا ہے۔ اور راز اس میں

ع قیود و شرائط بوقت ضرورت کتب فقہ میں ملاحظہ ہوں اس جگہ ایک شرط کا ذکر ضروری ہے وہ یہ کہ امیر و والی با اختیار و صاحب اقتدار ہو۔ دلیل اسکی یہ ہے کہ کتب مذہب میں امام کیلئے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یہ معلوم ہوتا ہے کہ والی با اختیار کا تقرر ہونے کے بعد اگر کوئی اختلاف کرے تو وہ جرم بغاوت میں ماخوذ ہوسکتا ہے اور اگر تقرر قاضی من العامہ کے بعد کچھ لوگ اختلاف کر کے دوسرا قاضی مقرر کریں یا ویسے ہی اس قاضی کا حکم نہ مانیں تو اس کا کچھ علاج نہیں۔ پس اس سے واضح ہوگیا کہ قاضی کو براہ راست مقرر کیا جائے تو اسکو قوت تنفیذ حاصل نہیں ہوسکتی اور بلا قوت تنفیذ کسی کا نام قاضی رکھدینا محض بیکار ہے۔ لہٰذا جواب مولوی عبدالحلیم صاحب کا لکھا ہوا صحیح نہیں بلکہ سوال کا صحیح جواب یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں سے بعض صورتوں میں بوجہ قاضی نہ ہونے کے تفریق نہیں ہوسکتی اور قاضی خود مسلمان مقرر کریں تو وہ قاضی نہیں ہوسکتا اور بعض صورتوں میں قاضی کو بھی تفریق کا حق حاصل نہیں

(فائدہ) اس مختصر تحریر سے یہ تو واضح ہوگیا کہ روایات فقہ نصب القاضی من العامہ کی عدم صحت پر متفق ہیں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

نعم التحقیق و بالقبول حقیق — حررہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ خانقاہ امدادیہ

اشرف علی ۲۶ رمضان ۴۲ھ — تھانہ بھون ضلع مظفر نگر۔ ۲۴ رمضان ۴۲ھ

آخر الجواب صحیح

ظفر احمد عفا عنہ

۲۶ رمضان ۴۲ھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) یہ شرط مصرح ہے چنانچہ شرح عقائد میں ہے " سائساً ای مالکاً للتصرف فی امور المسلمین بقوۃ رأیہ ورویتہ ومعونۃ بأسہ وشوکتہ قادراً بعلمہ وعدلہ وکفایتہ وشجاعتہ علی تنفیذ الاحکام وحفظ حدود دار الاسلام وانصاف المظلوم من الظالم ـــ اور علت اسکی یہ لکھی ہے۔ اذ الاخلال بهذه الامور مخل بالغرض من نصب الامام اور ان اغراض کی مذمت لکھی ہے۔ " والمسلمون لا بد لهم من امام یقوم بتنفیذ احکامهم واقامة حدودهم وسد ثغورهم وتجهیز جیوشهم واخذ صدقاتهم وقهر المتغلبة والمتلصصة وقطاع الطریق واقامة الجمع والاعیاد وقطع المنازعات الواقعة بین العباد وقبول الشهادات القائمة علی الحقوق وتزویج الصغار والصغائر الذین لا اولیاء لهم وقسمة الغنائم ونحو ذالك من الامور التی لا یتولاها احاد الامة اھ اور والی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حکم زوجۂ محبوس بحبس دوام

(سوال) کیافرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ (۱) چودہ سال کا عرصہ ہوتا ہے کہ زید ملک نیپال میں بجرم قتل عمدماخوذ ہوا اوراب گذشتہ سال اسکو حبس دوام کی سزا ہوگئی اپیل میں بھی ناکامی ہوئی اورفیصلہ بحال رہا ابتک زید کی بیوی باوجود طرح طرح کی تکلیفوں کے صرف اس اُمید پرکہ شاید میراشوہر رہا ہوجائے بیٹھی رہی لیکن اب جبکہ اسکی سزا ہوجانیکے باعث اسکی اُمید رہائی بالکل منقطع ہوچکی ہے تو زید کی بیوی کا مستقبل نہایت ہی تاریک نظرآتا ہے اوراسکو طرح طرح کی مصیبتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں اوراسکے میکہ والے بھی نان ونفقہ کا بار نہیں اُٹھا سکتے وہ سخت مصیبت میں ہے بیوی کی عمر ۲۵ ۲۶ رسال ہے اس کا شوہر زید جو ریاست نیپال میں حبس دوام کی سزا بھگت رہا ہے نہایت ہی شریر آدمی ہے اورباوجود سخت کوششوں کے بھی وہ طلاق دینے پرکسی طرح رضامند نہیں ہوتا ، معاملہ چونکہ ایک دیسی ریاست کا ہے وہ بھی نیپال جیسی ریاست جہاں معمولی معمولی باتوں کے

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) وامیر بھی انہیں اغراض کے واسطے مقرر کیا جاتا ہے اسواسطے قوت وشوکت امورمتعلقہ کی تنفیذ پر شرط ہونا لازم ہے۔ کما لا یخفٰی علی من له ادنیٰ فہم۔ اورسخت حیرت ہے کہ بعض لوگ اس شرط اعظم کو اڑاتے ہیں اوراسپر اس سے استدلال کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتدا میں شوکت وغلبہ حاصل نہ تھا حالانکہ آپ اول ہی سے امام واجب الطاعۃ تھے ان حضرات کو اول تو یہ خیال فرمانا چاہئے کہ یہ زمانہ اجتہاد کا نہیں اورتصریحات مذہب کے بعد قیاس کا حق نہیں دوسرے یہ غورکرنا لازم ہے کہ انبیاء کرام مامور من اللہ ہوتے ہیں اوریہ گفتگو ھے منصوب من العباد میں ایک کا دوسرے پر قیاس کرنا کسی طرح درست نہیں علاوہ ازیں ایک امر قابل توجہ یہ بھی ہے کہ اگر نصب امام ووالی کیلئے قوت وشوکت شرط نہیں تو کتب فقہ میں ایسے احکام درج کیوں کئے جن میں فقدان امام مفروض ہے بے ملکی نواب کے تقرر کا کیا شکل ہے جس کے نہ ہونے سے طرح طرح کے مشکلات کا سامنا ہورہا ہے اورعلماء ھند ودیگر ممالک چین وغیرہ نے اسطرف التفات کیوں نہ کیا ایسا زمانہ توکوئی آیا نہیں جس میں صرف زبان سے کسی کو امام یا والی وامیر کا خطاب دیدینا غیرممکن ہوگیا ہو پھر علمائے اسلام بالخصوص مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ وغیرہ سلمہم اکابر کا اس فریضۂ مذہبی کو ترک کرنے میں کیونکر معذور ہوسکتے ہیں ایسی کھلی بات میں زیادہ گفتگو کرتے ہوئے شرم آتی ہے اس قدر تحریر کی بھی حاجت نہ تھی مگر ضرورت زمانہ نے مجبور کیا کہ غلط مسائل شائع ہورہے ہیں اورانپر بلاسوچے سمجھے دلائل قائم کئے جاتے ہیں اسلئے بقدر ضرورت یہ مضمون حاشیہ پر لکھدیا ہے۔ فقط والسلام۔

فیصلہ کیلئے ایک طویل زمانہ درکار ہوتا ہے جس کا اندازہ اسی مقدمہ سے کیا جاسکتا ہے کہ چودہ سال میں زید کے مقدمہ کا فیصلہ ہوا اسلئے وہاں کے حکام کے ذریعہ سے زید سے جبراً طلاق حاصل کرنا تقریباً ناممکن ہے اگر ایسی کوشش کی بھی جائے تو نتیجہ پیدا ہونے تک زید کی بیوی کی عمر تباہ ہو جائیگی اسلئے برائے کرم پورے غور وفکر کے بعد فرمائیں کہ آیا صورتِ مسئولہ مشرحہ میں زید کی بیوی بغیر طلاق کے نکاح ثانی کرسکتی ہے یا نہیں؟ اگر صورتِ مذکورہ میں عورت اپنا نکاح فسخ کراسکتی ھے تو اسکی شکل کیا ہوگی؟ جبکہ ھمارے یہاں انگریزی حکومت ھے اور زید ایک دیسی ریاست میں محبوس ھے

(۲) مسلمان کلکٹر ضلع یا مسلمان ڈپٹی کلکٹر قاضی تسلیم کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ —

المستفتی۔ شیخ چھیدی عبدالحمید قصبہ لار محلہ دکن
ضلع گورکھپور۔ مرقومہ ۳؍جولائی ۱۹۲۷ء

الجواب:۔ یہ شخص مفقود نہیں کیونکہ مفقود وہ ہے جسکی موت وحیات کا علم نہ ہو اور اس شخص کی جگہ بھی معلوم ہے حیات بھی معلوم ہے لھذا یہ مفقود نہیں بلکہ ضار بغیبتہٖ ہے اور اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک فرقت بین الزوجین نہیں ہوسکتی اور امام مالکؒ کا قول چار سال کی مدت کا مفقود کے بارے میں ہے اور یہ شخص مفقود نہیں پس اس صورت میں امام مالکؒ کے نزدیک بھی وسعت نہیں لھذا زید کی بیوی بدون زید کی طلاق یا موت کے کسی دوسرے سے نکاح نہیں کرسکتی۔

قال فی الدر:۔ ولا یفرق بینھما بعجزہ عنھا بانواعھا الثلاثۃ (ای الماکول والملبوس والمسکن ۱۲۔ ش) ولا بعدم ایفائہ حقھا ولو غائباً ولو موسرا (قال الشامی المناسب ولو معسراً) وجوزہ الشافعی باعسار الزوج وبتضررھا بغیبتہٖ ولو قضٰی بہٖ حنفی (ای علی الغائب) لم ینفذ لو امر شافعیاً تقضٰی بہٖ نفذ اھ (ص۱۰۷۹ ج۲)

وفیہ ایضاً:۔ فی باب المفقود۔ ھو شرعاً غائب لم یدر اَحیٌّ ھو فیتوقع اُم میت اودع اللحد البلقع اھ قال الشامی عن البحر: فالمدار انما ھو علی الجھل بحیاتہ وموتہٖ لا علی الجھل بمکانہ اھ (ص۵۰۷ ج۳)

اور اس صورت میں عورت کو اور اسکے والدین کو اس مصیبت پر صبر کرنا چاھیئے

جیسا کہ اس صورت میں صبر کرنے جبکہ لڑکی کا کسی جگہ سے پیغام ھی نہ آتا اور نکاح ہی نہ ہوا ہوتا۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
۸ محرم الحرام ۴۶ھ

تفریق زوجۂ مفقود کیلئے دار الاسلام میں قضاءِ قاضی شرط ہے اور یہ کہ چار سال کی مدت انتظار بعد رفع الی الحاکم سے شمار ہوگی، اور دار الحرب میں مالکیہ کا وہی مذہب ہے جو حنفیہ کا ہے۔

(سوال) مرجع العلماء جناب مولانا صاحب زید مجدھم۔ بعد تحفۂ تعظیمات معروض اینکہ۔ ھمارے فقہ کی کتب حنفیہ مثل جامع الرموز وغیرہ میں اور نیز حضرتِ با برکت نے فتاوی امدادیہ میں افادہ فرمایا ہے کہ روز فقدان سے مفقود کی عورت بحکم حاکم مسلم زوج کو حکمی موت میں داخل کر کے عدت گذار کر نکاح کر سکتی ہے مگر مدونہ کبری تصنیف امام مالک صاحبؒ جلد دوم صـ۹۲ طبع مصری میں ھے کہ وہ چار برس بحکم حاکم گذرنے ضروری ہیں سوائے حکم حاکم کے مرور سنین کا کوئی اعتبار نہیں اگرچہ بیس برس گذر گئے ہوں وہ عبارت یہ ہے "ضرب اجل المفقود، قلت:۔ ارأیت امرأۃ المفقود اتعتد الاربع سنین فی قول مالك بغیر امر السلطان (قال) قال مالك: لا وان اقامت عشرین سنۃ ثم رفعت امرھا الی السلطان نظر فیھا وکتب الی موضعه الذی خرج الیه فاذا یئس منه ضرب لھا من تلك الساعۃ اربع سنین (سحنون) عن ابن وھب عن عبد الجبار بن عمر عن ابن شھاب ان عمر بن الخطاب ضرب للمفقود من یوم جاءت امرأته اربع سنین ثم امرھا ان تعتد عدۃ المتوفی عنھا زوجھا ثم تصنع فی نفسھا ما شاءت اذا انقضت۔ وقال ربیعۃ بن ابی عبد الرحمٰن: المفقود الذی لا یبلغه السلطان ولا کتاب سلطان فیه قد اضل اھله وماله فی الارض فلا یدری این ھو وقد تلوموا فی طلبه والمسئلۃ عنه فلم یوجد فذاك الذی یضرب الامام فیما بلغنا لامرأته الاجل ثم تعتد بعدھا عدۃ الوفاۃ اھ

زرقانی علی الموطا للامام مالکؒ میں بھی مرور چار سال بامر سلطان کو

ثابت رکھا ہے اور یہی عبارت نقل کی گئی ہے۔ اب عرض یہ ہے کہ ہمارے فقہ حنفی میں مالکی مذہب کی نقل کرنے میں غلطی اور مسامحت کی ہے جیسا کہ صاحب جامع الرموز منتساح مشہور ہے اور غالباً اس مسئلہ میں سب کا پیشوا بھی وہی معلوم ہوتا ہے یا کوئی اور جواب ہو سکتا ہے جس سے کہ ہماری کتب حنفیہ کی نقل درست اور مرور چار برس کا روز فقدان زوج سے مراد ہو یا امر سلطان یا نہ۔ بعض فضلاء رامپور وغیرہ فرماتے ہیں کہ جامع الرموز کا مطلق چار برس کا کہنا اگرچہ بغیر سلطانی امر کے ہو کتب مالکیہ کے خلاف ہے اور اپنے مذہب پر صاحب مذہب ہی کو پوری اطلاع ہوتی ہے نہ کہ غیر کو جیساکہ ھدایہ میں نسبت حلتِ متعہ بطرف امام مالک صاحبؒ نسبت کرنا مخالف تھا کتب مالکیہ کے لھذا ائمہ احناف نے رد کر دیا۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ بے شک مذہب مالک کی نقل وہی معتبر ہے جو کتب مالکیہ میں موجود ہے۔ مدونہ کی عبارت جیساکہ سوال میں مذکور ہے اور میں نے خود بھی اسکو مدونہ میں دیکھا ہے اس امر میں صریح ہے کہ زوجۃ المفقود چار سال قضاء حاکم وامر حاکم کے بعد گذارے اس سے پہلے اس کا چار سال یا بیس سال گذارنا معتبر نہیں۔

وقال الحافظ ابن حجر فی الفتح ایضاً: ان مذھب الزھری فی امرأۃ المفقود انھا تربص اربع سنین وقد اخرجہ عبد الرزاق وسعید بن منصور وابن ابی شیبۃ باسانید صحیحۃ عن عمر وثبت ایضاً عن ابن عمر وابن عباس قالا تنتظر اربع سنین وثبت ایضاً عن عثمان وابن مسعود فی روایۃ وعن جمع من التابعین کالنخعی وعطاء والزھری ومکحول والشعبی واتفق اکثرھم علی ان التاجیل من یوم ترفع امرھا للحاکم وعلی انھا تعتد عدۃ الوفاۃ بعد مضی الاربع سنین ولم یفرق اکثرھم بین احوال الفقد الاما تقدم عن سعید بن المسیب (قال اذا فقد فی الصف عند القتال تربصت امرأتہ سنۃ واذا فقد فی غیر الصف فاربع سنین) وفرق مالک بین من فقد فی الحرب فتؤجل الاجل المذکور (ای اربع سنین) وبین من فقد فی غیر الحرب فلا تؤجل بل تنتظر مضی العمر الذی یغلب علی الظن انہ لا یعیش اکثر منہ وقال احمد والحق ان من غاب عن اھلہ فلم یعلم

خبره لاتاجيل فيه و انما يؤجل من فقد فى الحرب و فى البحر او نحو ذالك وجاء عن على اذا فقدت زوجها لم تزوج حتى يقدم او يموت وقال عبد الرزاق بلغنى عن ابن مسعود انه وافق عليا فى امرأة المفقود انها تنتظره ابداً ومن طريق النخعى لا تزوج حتى ستين عمره و هو قول فقهاء الكوفة والشافعى وبعض اصحاب الحديث اھ (ص۳۸۰ ج-۹)

اس سے معلوم ہوا کہ زوجہ مفقود کیلئے ائمہ اربعہ میں سے امام احمد و مالک چار سال کے انتظار کے قائل ہیں۔ مگر دونوں کے نزدیک تاجیل امام شرط ہے بدون تاجیل امام کے چار سال گذرنا معتبر نہیں اور انکے نزدیک بھی تاجیل باربع سنین ہر مفقود کیلئے نہیں بلکہ مفقود فی الحرب ونحوها کیلئے ہے اور مفقود فی غیر الحرب کیلئے وہ بھی امام ابوحنیفہ وشافعی کی طرح موت اقران کے قائل ہیں یہ تو اصل مسئلہ کی تحقیق تھی اور حضرت حکیم الامت نے اپنے فتاوی میں کسی جگہ قضاء قاضی کا مذہب مالک میں مشروط ہونا ضرور ظاہر فرمایا ھے جیسا کہ پیچھے یاد پڑتا ہے اور مصنفین حنفیہ کا اس شرط کو ظاہر نہ فرمانا یا تو بوجہ اختلاف روایات مالک کے ہے ممکن ہے کہ ان سے کسی روایت میں یہ شرط مروی نہ ہو جس سے حنفیہ نے اطلاق سمجھا اور مالکیہ نے دوسری روایت سے اسکو مقید سمجھا یا بوجہ قلت ممارست بفقہ مالک کے ھے اور حنفیہ کی طرح مالکیہ وشافعیہ وحنابلہ بھی حنفیہ کے مذہب کے بیان میں ایسی غلطیاں بکثرت کرتے ہیں کہ خاص کو عام مقید کو مطلق بیان کردیتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ ۲ ربیع الاول ۴۶ھ

قلت: و الذى صرح به الشيخ حكيم الامة فى بعض فتاواه مانقله من كتاب شرح الشيخ الدردير على مختصر الشيخ الخليل فى المذهب المالكى و نصه ولزوجة المفقود الرفع للقاضى والوالى ووالى الماء وهو الساعى اى جابى الزكواة والا فلجماعة المسلمين فيؤجل الحر اربعين سنين ان دامت نفقتها من ماله والا طلق عليه لعدم النفقة من حين العجز عن خبره بالبحث عنه فى الاماكن التى يظن ذهابه لو ليها فى البلدان بان يرسل الحاكم رسولاً بكتاب الحاكم تلك الاماكن مشتمل على صفة الرجل وحرفته و نسبه ليفتش عنه فيها ثم بعد الاجل الكائن بعد كشف الحاكم

عن امره ولم یعلم خبره اعتدت عدة کالوفاة (این حکم در دار الاسلام بود چنانچہ در آں کتاب تصریح است و بعد چند سطر حکم مقابلش یعنی زوجہ مفقود در دار الکفر می آرد هکذا) و بقیت زوجة الاسیر و زوجة مفقود ارض الشرک للتعمیر ان دام نفقتهما و الا فلهما التطلیق کما لو خشیا الزنا وهو (ای) التعمیر سبعون سنة من یوم ولد اھ ص۳۹۹ الی ص۴۰۰

وفی مقدمات ابن رشد القاضی المالکی فالمفقود هو الذی یغیب فینقطع اثره ولا یعلم خبره وهو علی اربعة اوجهٍ مفقود فی بلاد المسلمین ومفقود فی بلاد العدو ومفقود فی صف المسلمین فی قتال العدو ومفقود فی حرب المسلمین فی الفتن التی تکون بینهم فاما المفقود فی بلاد المسلمین فالحکم فیه اذا رفعت امرأة امرها الی الامام ان یکلفها اثبات الزوجیة و المغیب فاذا اثبت ذالک عنده کتب الی و الی البلد الذی یظن انه فیه او الی البلد الجامع ان لم یظن به فی بلد بعینهٖ متبحثاً عنه ویعرفه فی کتابه الیه باسمه ونسبه وصفته ومتجره ویکتب هو بذالک الی نواحی بلدهٖ فاذا ورد علی الامام جواب کتابه بانه لم یعلم له خبر ولا وجد له اثر ضرب لامرأته اجلا اربعة اعوام ان کان حرا او عامین ان کان عبدا ینفق علیها فیها من ماله وفی مختصر ابن عبد الحکیم ان الاجل یضرب من یوم الرفع ص۱۰/۱ قال: واما المفقود فی بلاد الحرب فحکمه حکم الاسیر ولا تتزوج امرأته ولا یقسم ماله حتی یعلم موته او یاتی علیه من الزمان ما لا یحیی الی مثله فی قول اصحابنا کلهم حاشا اشهب فانه حکم له بحکم المفقود فی المال و الزوجة جمیعًا و اختلف فیمن ذهب فی البحر الی بلاد الحرب ثم فقد فقیل انه کالمفقود فی بلاد المسلمین لامکان ان تکون الریح قدرته الی بلاد المسلمین الا ان یعلم انه جاز فی بعض جهات الروم (مثلاً) ثم فقد بعد ذالک وقیل انه کالمفقود فی بلاد الحرب اھ ثم فصل فی حکم المفقود فی صف المسلمین فی قتال العدو وفی القتال بین المسلمین وذکر ان فی ذالک روایات مختلفة ففی بعضها له حکم المفقود

فی دار الاسلام وفی بعضها له حکم المقتول فتتلوم امرأته سنة اونحو ذالك وفی بعضها له حکم الاسیر وقد تقدم واللّٰہ تعالیٰ اعلم — قلت: وبه تبین ان قول مالك فی المفقود کقولنا فی غالب الاحوال الا فی الذی فقد فی دار الاسلام فیضرب لامرأته الاجل عنده بعد الرفع الی الحاکم من یوم الرفع او من یوم ورود جواب کتابه الی البلدان ولیس للمرأة عنده ان تنتظر اربعة اعوام بنفسها کما افتی بذالك بعض العلماء بالهند اخذا بقول مالك وهو خطأ صریح۔ واللّٰہ اعلم

ظفر احمد عفا عنه ۷ ربیع الاول ۴۶ھ

حکم زوجۂ مجنون مفقود

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بمبئی میں ایک شخص دیوانہ ہوگیا اور احمد آباد کے قریب میران داتار صاحب کا مزار ہے جہاں ایسے دیوانوں کو بغرض حصول شفا لوگ لیجاتے ہیں چنانچہ شخص مذکور دیوانے کی زوجہ اس دیوانے کو اپنے ہمراہ لیکر میران داتار صاحب کے مزار پہ لیجانیکے واسطے ریل میں سوار ہوگئی راستہ میں عورت مذکور سوگئی جب بیدار ہوئی تو اپنے زوج دیوانے کو نہ پایا عورت نے پہلے تو خود بہت جستجو کی بعد ازاں انعامی اشتہار بھی چھپوایا بعد ازاں عورت کے اقارب نے اجمیر دہلی تک سفر کرکے بھی اس شخص دیوانے کی جستجو کی اس واقعہ کو تقریباً پانچ سال کا عرصہ ہوچکا ہے مگر ابتک اس شخص دیوانے کا کچھ پتہ نہیں ملا اب عورت مذکورہ چونکہ جوان بعمر ۲۲ سالہ ہے اور نان ونفقہ سے بھی تنگ ہے اس واسطے بصورت مذکورہ کسی دوسرے شخص سے وہ عورت نکاح کرسکتی ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا ۔

العبد ہاشم بن آدم کوسیٹی۔ العبد اسماعیل احمد۔ شاہد احمد بن محمد

الجواب :۔ نہیں کرسکتی البتہ اگر حکام انگریزی کسی مسلمان حاکم کو ایسے مقدمہ میں شرعی فیصلہ کرنیکا اور اس مفقود کے حکم بالموت کا اختیار باقاعدہ دیدیں تو پھر سوال کیا جائے اسکی تدبیر بتلائی جائیگی ۔ اشرف علی

تتمہ سوال بالا

بعد از سلام مسنون عرض ہے کہ مفقود مذکور اور اسکی زوجہ ہر دو رہ باسنت مانگرول کے رہنے والے ہیں بوجہ روزگار کے بمبئی میں رہتے تھے زوج کے مفقود ہونیکے بعد زوجہ

اپنے اصلی وطن مانگرول میں چلی آئی۔ اب عرض یہ ہے کہ یہاں کا رئیس مسلمان اور حاکم با اختیار ہے اپنے رعایا پر جو قانون چاہے نافذ کرسکتا ہے اور گورنمنٹ نے بھی حاکم مذکور کے اختیار مذکور کو تسلیم کیا ہوا ہے صرف سہولت کیلئے حاکم نے اپنے قلمرو میں قانون انگریزی کو جاری کر رکھا ہے اب حاکم مذکور مفقود مذکور کی نسبت (جو کہ علاقہ انگریزی میں مفقود ہوا ہے) حکم بالموت کرسکتا ہے یا نہیں؟ فتاوی امدادیہ ج ۳۔ ص ۸۰۔ سطر ۲ پس بنائے علیہ دریں ملک آں حکام کہ برائے ایں غرض از سرکار مامور کردہ می شود اگر مسلمان باشندہ در حکم قضاۃ ھستند مثل ڈپٹی وغیرہ نیز ص ۸۰۔ سطر ۲۲ اگر قاضی شرعی است کہ برائے فصل خصومات مقرر کردہ شد قضائش نافذ می شود نیز ص ۸۲ سطر ۱۳ صورت ثانیہ (یعنی جہاں کفار کی طرف سے حاکم مسلمان ہو) میں فسخ معتبر نہ ہوگا بینوا توجروا۔

الجواب من جامع امداد الاحکام

صورت مسئولہ میں عورت اس واقعہ کا مرافعہ حاکم مسلم مانگرول کی عدالت میں کرے پھر حاکم مذکور کو چاہئے کہ مفقود کی تلاش وتفتیش کرے اگر مایوسی ہوجائے اور اسکے ظن غالب میں مفقود کی موت راجح ہو تو تاریخ مرافعہ سے چار سال کے بعد حکم بالموت کرسکتا ہے علی مذھب مالك وعلی مذھبنا ایضا فان الزیلعی اختار تفویضہ الی رای الحاکم (در، ص ۵۱۱ ج ۳) ــــ پھر حکم بالموت کے بعد چار ماہ دس دن عدت وفات کے پوری کرکے نکاح کرسکتی ہے۔ قلت: و لما کان المفقود فی وطنہ فی ولایۃ ھذا الحاکم المسلم یجعل کانہ مفقود دار الاسلام ولو سلم انہ مفقود دار الحرب فان الملك الحربی اذن لہ فی الحکم بین الناس الذین ھم فی الاصل تحت ولایتہ وان سکنوا بلاد الحرب للکسب کما ھو الظاھر من اصولھم واللہ اعلم۔

وفی المدونۃ: قال مالك، فی الاسیر: یفقد فی ارض العدو انہ لیس بمنزلۃ المفقود لانہ فی ارض العدو وقد عرف انہ قد اسر ولا یستطیع الوالی ان یستخبر عنہ فی ارض العدو فلیس ھو بمنزلۃ من فقد فی ارض الاسلام اھ (ص ۹۸ ج ۲) ــ قلت: وھل اذا کان نفقد فی ارض الحرب وملکھا مسالم للسلطان المسلم فھو کالاسیر ام لا الظاھر الثانی لامکان

الاستخبار عنه فی ارض المسالمۃ واللّٰہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ اشرفیہ امدادیہ۔ ۱۱ شوال ۴۶ھ

صورتِ تفریقِ زوجہٴ عنین | (**سوال**) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ عرصہ اندازاً تیرہ چودہ سال کا منقضی ہوا کہ محمد سعادت علی ساکن حال جہانگیر آباد بھوپال نے اپنی دختر کا عقد اپنے رشتہ دار نامی محمد وسیع ساکن ضلع میرٹھ سے کردیا تھا۔ اتفاق سے شوہر نامرد وعنین نکلا اس وجہ سے اسکو ندامت ہوئی اور وہ اپنے وطن چلا گیا۔ مدعیہ کے باپ نے بعد تین چار سال کے محکمہ قضا بھوپال میں چارہ جوئی بابت گلو خلاص کی محکمہ موصوف سے باضابطہ ذریعہ عدالت مافوق مدعا علیہ طلب کیا گیا مگر وہ باوجود طلبی اور نیز چار سال گذر جانے کے حاضر نہ ہوا محکمہٴ قضاء نے مقدمہ خارج فرمایا کہ بلا حاضری مدعا علیہ تصفیہ جدائی زوجین غیر ممکن ہے اور محکمہ افتاء بھوپال نے فتوی تحریر فرمایا کہ شریعت غراداد رسی مظلومان وفیصلات خلائق ہر قسم سے کہیں عاجز نہیں اور علاوہ غیر کی صورت میں علاج شرعی ہو سکتا ہے جو بذریعہ کتاب القاضی الی القاضی کے حسب معروض بالا کاروائیاں تکمیل ہو سکتی ہیں یعنی باضابطہ میعاد ایک سال دیکر اطلاع دیجائے اور بحالت عدم حاضری مدعا علیہ ہدایت جلد ۲ باب العنین جدائی ممکن ہے اسپر فرمانروائے بھوپال سے بنام قاضی صاحب بھوپال مکرر تحقیقات کا حکم فرمایا گیا قاضی صاحب سابق نے بعد ایک دو سال کے مکرر خارج فرمایا کہ بلا حاضری مدعا علیہ تصفیہ نہیں ہو سکتا مجبوراً باپ مدعا علیہ نے جا بجا سے فتوے علماء دین سے حاصل کرکے خدمت میں قاضی صاحب حال پیش کی کہ جس میں یہ بھی تحریر تھا کہ مدعا علیہ کو باضابطہ میعادی ایک سالہ اطلاع دی جانے پر اور بحالت عدم حاضری مدعا علیہ علیحدگی زوجین بروئے شریعت شریف جائز ہے تب محکمہ قضا نے ذریعہٴ اشتہارات واخبارات اعلان کیا اور ایک حکم باضابطہ اطلاعاً مدعا علیہ کو دیا کہ اگر اس مرتبہ مدعا علیہ حاضر نہ ہوا تو یہ سمجھا جائیگا کہ مدعا علیہ کو علیحدگی منظور ہے اور اُسے بروئے شریعت شریف حکم قطعی علیحدگی زوجین دیا جائیگا۔ تاہم مدعا علیہ اندر میعاد مقررہ حاضر نہ ہوا۔ بعد میعاد باپ مدعا علیہ کو بلوا لیا جائے۔ چنانچہ تب وہ حاضر ہوا اور ایک ہندو ڈاکٹر کا سرٹیفیکٹ بھی لاکر پیش کیا کہ میں اب اچھا ہوں۔ اس پر باپ مدعیہ نے جب کہا جناب کے سرٹیفیکٹ ڈاکٹر کافر کا شریعت غرا میں جائز نہیں بمقابلہ

تحقیقات شرعیہ کے اور جس حال میں آپ خود عالم و حاکم محکمہ قضا ہیں اور حکیم بھی ہیں مدعا علیہ کا معائنہ بھی کرا سکتے ہیں ایسی صورت میں یہ سرٹیفکیٹ کافی کر دیا ہوا اور عدم موجودگی فریقین وعدالت کے حاصل کیا گیا ہے کب جائز سمجھا جا سکتا ہے اسپر قاضی صاحب نے بخیال دور اندیشی اہل برادری ہونیکے مقدمہ خارج فرما دیا اور مثل داخل دفتر فرما دی اور کوئی تصفیہ نہ فرمایا مدعا علیہ مع باپ کے واپس وطن خود چلا گیا اسی طرح زمانہ عقد سے اس وقت تک عرصہ چودہ سال کا ہوگا نہ تصفیہ کیا گیا نہ نان ونفقہ دیا گیا۔ اسی عرصہ میں والدین مدعا علیہ کا انتقال ہوگیا اور ماں مدعیہ کا انتقال ہوگیا صرف باپ مدعیہ جو ضعیف العمر بیکار خانہ نشین بیمار ہے اگر وہ بھی قضا کر گیا تو کوئی سرپرست مدعیہ کا نظر نہیں آتا ایسی صورت میں شریعت کیا حکم دیتی ہے کہ جس حالت میں مدعیہ کو نہ جانا منظور ہے نہ مدعا علیہ کو کوئی ضرورت لاحق ہوئی۔ جائے غور ہے۔ کہ اسقدر عرصہ گذر جانے پر اور جوانی مدعا علیہ اتر جانے تک کوئی برائی بھلائی یا خواہش تک نہ معلوم ہو جیسا زمانہ ابتداء میں معصوم صفت نابالغ تھا تا این دم نابالغ موجود ہے اور نہ نان ونفقہ دے اگر دعویٰ نان ونفقہ کیا جائے تو یہ اندیشہ ہے کہ سابقہ دعویٰ یہ عرصہ چودہ سال کا گذر گیا دوبارہ پر عمر نوح درکار ہے اس وقت بجز سرپرست وکفیل باپ خود مدعیہ کے کوئی دوسرا نظر نہیں آتا ایسی حالت میں بجز گلو خلاصی مدعیہ کیونکر اوقات بسرے ممکن ہے اس واسطے براہ خدا و رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم جلد سے جلد اسبارہ میں فتویٰ مرحمت فرمایا جائے جو مدعا علیہ کو بھی پہونچکر مدعیہ و باپ مدعیہ جو چراغ سحر ہے تا وقت دعا گو رہینگی اور اللہ جل شانہ جزائے خیر دیگا واجب جان کر عرض کیا گیا۔

سائل۔ طفیل احمد برادر چچازاد مدعیہ ساکن جہانگیر آباد بھوپال

الجواب:۔ قال فی البدائع فی باب العنین: واذا ثبت (ای بعد التاجیل سنۃ) انہ لم یطأھا اما باعترافہ واما بظہور البکارۃ فان القاضی یخیرھا فان الصحابۃ رضی اللہ عنہم خیروا امرأۃ العنین ولنا فیہم قدوۃ فان شاءت اختارت الزوج الیٰ ان قال فان اختارت المقام مع الزوج بطل حقہا ولم یکن لہا خصومۃ فی ھذا النکاح ابدا لما ذکرنا انہا رضیت بالعیب فسقط خیارھا وان اختارت الفرقۃ فرق القاضی بینہما کذا ذکرہ الکرخی ولم یذکر الخلاف وظاھر ھذا الکلام یقتضی انہ لا تقع الفرقۃ

بنفس الاختیار فی ظاهر الروایۃ (ای بعد تخییر القاضی ایاھا) ولا یحتاج الی القضاء لخیار المعتقہ وخیار المخیرۃ وروی الحسن عن ابی حنیفۃ انہ لا تقع الفرقۃ ما لم یقل القاضی فرقت بینکما وجعلہ بمنزلۃ خیار البلوغ ھکذا ذکر و ذکر فی بعض المواضع ان فی قول ابی حنیفۃ ما روی الحسن عنہ و ما ذکر فی ظاھر الروایۃ قولھما وجہ روایۃ الحسن ان ھذا الفرقۃ بطلاق لا خلاف بین اصحابنا و انما المخالف فیہ الشافعی فانما فسخ عندہ والمسئلۃ ان شاء اللہ تعالیٰ تأتی فی موضعھا و القاضی یقوم مقام الزوج ولان ھذہ الفرقۃ یختص بسببھا القاضی وھو التاجیل لان التاجیل[ع] لا یکون الا من القاضی فکذا الفرقۃ المتعلقۃ بہ کفرقۃ اللعان وجہ المذکور فی ظاھر الروایۃ ان تخییر المرأۃ من القاضی تفویض الطلاق الیھا فکان اختیارھا الفرقۃ تفریقاً من القاضی من حیث المعنیٰ لا منھا اھ (ص ۳۲۵ و ۳۲۶ - ج - ۲) قلت: وفیہ دلالۃ علی انہ لا بد من تخییر القاضی للمرأۃ بین القیام مع الزوج والفرقۃ منہ اتفاقاً بین اصحابنا خلاف ما یوھمہ کلام الشامی فی ھذا المقام - وللہ در صاحب البدائع فما افصح بیانہ وما ابلغ کلامہ وان الخلاف فی انہ ھل یتوقف الفرقۃ بعد تخییر القاضی علی قولہ فرقت بینکما اولا فروایۃ الحسن عن ابی حنیفۃ وھی التی اختارھا اصحاب المتون انہ لا بد من تفریق القاضی بل تقع الفرقۃ باختیار المرأۃ نفسھا بعد ما خیرھا القاضی وھو المذکور فی ظاھر الروایۃ - واللہ اعلم

مسئلہ عنین میں قاضی کا مہلت دینا مرد کو اور مہلت دینے کے بعد عورت کو قیام مع الزوج اور آزادئ نفس میں مختار بنانا ضروری ہے اسکے بغیر عورت نکاح سے نہیں نکل سکتی پھر امام صاحب کے نزدیک قاضی کے اختیار دینے کے بعد جب عورت آزادئ نفس کو اختیار کرے قاضی کا یوں کہنا بھی ضروری ہے کہ میں نے تم دونوں میں تفریق کردی

ع صرح بہ فی البحر والفتح والھندیہ ان تاجیل غیر القاضی باطل وکذا تاجیل المرأۃ - ظفر -

اور صاحبین کے نزدیک اسکے کہنے کی ضرورت نہیں بلکہ قاضی کے اختیار دینے کے بعد جب عورت اپنے نفس کی آزادی کو اختیار کرلے تو اسی طلاق پڑ جائیگی۔

چونکہ صورت مسئولہ میں قاضی سے عورت کو آزادی نفس اختیار کرلینے کا اختیار نہیں دیا نہ یوں کہا کہ میں نے تم دونوں میں تفریق کردی اسلئے ابھی تک یہ عورت شوہر کے نکاح میں ہے دوسرے کسی مرد سے نکاح نہیں کرسکتی فلتصبر ولتحتسب۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون ۳ رذی الحجہ ۱۳۴۶ھ

رسالہ "غایۃ المقصود فی نہایۃ المفقود" تحقیق مذہب مالکؒ در زوجۂ مفقود

سوال) کیا فرماتے ہیں حضرات علمائے دین اس اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی لڑکی سید خانم صغر سنی میں محمد سرور ولد عبد الرحمٰن کو نکاح یعنی ایجاب وقبول کردی روبرو گواہاں کے بعد خطبہ اور نکاح کے محمد سرور کہیں چلا گیا ھے عرصہ قریباً چھ سال گذر چکے ہیں اسکے زندہ ہونے اور مرنے کی خبر کسی نے آجتک نہیں دی اور لڑکی اپنی جگہ کہتی ھے کہ والد نے مجھے قید کردیا ھے کہ کہیں شادی بیاہ کرکے مجھکو نہیں دیا اور نہ دیتا ہے اور جوان چار پانچ سال کی ہوں اور نہ ھمارے خاوند مذکورہ نے کوئی خبر نیک و بد بھیجی ہے اور اسکے والدین رو پیٹ کر صبر کر رھے ہیں ادھر ھم گرفتار والدین کے شرم وحیاء میں کب تک رہونگی یہ مشکل امر ہے **بینوا توجروا** فی الدارین۔

الجواب: اگر مسماۃ سید خانم کا شوہر مفقود الخبر ہو گیا ہے اور کچھ پتہ اسکے مرنے جینے کا نہیں ہے تو اسکو قاضی، اگر قاضی نہ ہو تو جماعت مسلمین، چار سال کی مہلت دیں اور شوہر کی تلاش میں کوشش کریں اگر اس عرصہ میں بھی شوہر کا پتہ نہ چلے تو چار سال کے بعد مسماۃ مذکورہ عدتِ وفات چار مہینہ دس دن پورے کرکے نکاح ثانی کرسکتی ہے بدون تاجیل قاضی یا جماعت مسلمین کے عورت کو نکاح ثانی کرنا جائز نہیں ہے اور یہ مذہب امام مالکؒ کا ہے حنفیہ نے بھی بضرورت اسپر فتویٰ دیا ہے

وفی المدونۃ الکبریٰ: قلت: ارأیت امرأۃ المفقود اتعتد بعد الاربع سنین فی قول مالك بغیر امر السلطان قال: قال مالك رحمہ اللہ: لا ولو اقامت عشرین سنۃ ثم رفعت امرھا الی السلطان نظر فیھا وکتب الی موضعہ الذی خرج الیھا فان یئس ضرب لھا من

تلك الساعة اربع سنين الخ - والله اعلم

کتبہ مسعود احمد عفا اللہ عنہ — الجواب صحیح

دارالعلوم دیوبند - ۱۸ محرم ۱۳۴۶ھ — محمد رسول خان عفی عنہ

(الکلام علی الجواب المذکور)

سیدی ومولائی المحترم زادت معالیکم اقدم الی حضار الاعتاب تحیات منها سید الانام علیه وعلی آله افضل الصلوات واکرم التسلیمات من المفضل المنعام ومن بعد فابدی لسیادتکم ان العلماء ههنا کانوا یفتون الزوجة المفقود حسب ماذکره العلامة ابن عابدین بمذهب المالکیه کما افاده مولانا عبدالحی الکهنوی وحضرت مولانا الگنگوهی قدس الله سرهما العزیز فکانوا یقولون انه ان مضی علی فقده اربع سنین وتحقق الفقد حسب القواعد الشرعیة فلیحکم الحاکم الاسلامی او من جعل حاکماً بالتحکیم بموت المفقود ویامر الزوجة ان تعتد عدة الوفاة ومثل هذا مذکور فی الفتاوی الامدادیة وکان مفتی هذه الدیار یجاوز هذا ویفتی بان المسلمین اذا لم یجد والحاکماً او محکماً کذالك فلیعملوا بفتوی الامام مالك من کبار انفسهم قد جری هذا العمل والفتوی الی ماشاء الله ثم احدث بعض العلماء ههنا تشدیداً فقال: اذا رفع امر زوجة المفقود الی حاکم او جماعة المسلمین فلیتفقد وافقدا جدیداً فان لم یتبین امره فلیؤجل من بعد ذالك اربع سنین وان مضی قبل الرفع عشرون او اربعون سنة فاذا کملت المرأة مدة اربعین سنة تعتد عدة الوفاة ثم تتزوج وقال: ان المذکور فی کتب المالکیة هکذا وقد عبارة المدونة کما هی مذکورة فی الجواب قدمت الی داعیکم هذه الفتوی للتصحیح فانکرتها ورأیت ان المدونة وان کانت من الکتب القدیمة المعتبرة لدی المالکیة ولکنها غیر مفتی بها لدیهم ولا یعتمد علیها من کل الوجوه وانما یعتمدون علی مختصر الخلیل وشرحه فینبغی ان ینظر الیه ویفتی به - قلت: ان الظن ان مراد صاحب المدونة ان امر المفقود لا یتم شرعًا ای لا یتحقق فقده الشرعی الا بعد مساعی السلاطین ومن ناب منابهم فانهم فی الازمنة السالفة لدی قلة الوسائل لهم الذین کانوا قادرین علی معرفة المفقود حق المعرفة فالحاصل ان هذه القیود انما هی لتحقق الفقد فان ثبت الفقد فی زماننا الذی کثر فیه الوسائل ویقدر فیه احاد الناس علی ما کان لا یقدر علی مثله فی الماضی السلاطین والملوك فلا حاجة

حینئذ إلی التأجیل بعد رفع المسئلة وبعد مضی المدة التی تطول علی أربع سنین
من لدن الفقد الشرعی ۔ وکیف ماکان فإن المقصد من عبارة المدونة تحقیق الفقد
فإذا ثبت الفقد الطویل قبل ذلك فلاحاجة حینئذ إلی التأجیل ثم علی التسلیم نقول
إن الدیار الهندیة حیث کانت خالیة عن السلطان الاسلامی ونائبه فانما یتیسر فیها
الرفع بعده إلی جماعة المسلمین اذ آحادهم ولاشك أن المرأة رفعت أمرها إلیهم
منذ فقدت زوجها أو بعد مدة یسیرة من حیث صاروا یفتقدونه بما تیسر لدیهم
فینبغی أن تعتبر المدة منذ الافتقاد ثم بعد ذلك کله وتسلیم الأمور بأجمعها صرحت
المالکیة أن المرأة إنما تؤمر بالتأجیل إن کان لدیها نفقة من زوجها فأما إذا لم یکن
لدیها النفقة فلیحکم علیها بالطلاق بمجرد الرفع کما هو فی عبارة الخلیل وشرحه
فیاسیدی إن المصائب التی تنزلت بالدیار الهندیة إنما ترجع عامتها إلی عدم النفقات
وصعوباتها فحینئذ لاحاجة إلی التأجیل والانتظار الشدید وإنما احتجنا إلی مذهب مالك
رحمه الله والافتاء به للضرورات الشدیدة الحادثة فی زماننا۔ فالمرجو من مکارم أخلاقکم
أن تنظروا إلی ماذکر الداعی الحقیر واطلعونا بما یلزم حتی نجری التصحیحات والفتاوی
بمقتضاها وهذه عبارة الخلیل وشرحه :

فصل ولزوجة المفقود الرفع للقاضی والوالی ووالی الماء وإلا فلجماعة المسلمین فیؤجل الحر أربع سنین ان دامت نفقتها والعبد نصفها من العجز عن خبره ثم اعتدت کالوفاة وسقطت بها النفقة ولا یحتاج فیها لاذن ولیس لها البقاء بعدها وقدر طلاق بدخول الثانی فتحل للأول إن طلقها اثنتین فإن جاء أو تبین انه حی أومات فکالولیین اھ بقدر الحاجة ۔

وقال فی شرح الدردیر: فصل لذکر المفقود وأقسامه الأربعة (قوله والمفقود) أی ببلد دار
الاسلام بدلیل ما یذکره فی غیره حرة أو أمة صغیرة أو کبیرة الرفع للقاضی والوالی
أی حاکم السیاسة ووالی الماء وهو الساعی ای جابی الزکوة ان وجد واحد منهم فلجماعة
المسلمین من صالحی بلدها ولها ان لا ترفع وترضی بالمقام معه فی عصمته حتی یتضح امره
أو تموت وظاهره انها مخیرة فی الرفع لاحد الثلاثة والنقل انها إن أرادت الرفع و
وجدت الثلاثة وجب للقاضی فإن رفعت لغیره حرم علیها وصح وان رفعت لجماعة
المسلمین مع وجود القاضی بطل فان لم یوجد قاض فتخیر فیها فان رفعت لجماعة المسلمین

مع وجودها فالظاهر الصحة فيؤجل الحرّ أربع سنين إن دامت نفقتها من ماله وإلا طلق عليه لعدم النفقة ويؤجل العبد نصفها سنتين من حين العجز عن خبره بالبحث عنه فى الأماكن التى يظن ذهابه إليها من البلدان بان يرسل الحاكم رسولاً بكتاب لحاكم تلك الاماكن مشتمل على صفة الرجل وحرفته ونسبه - ليفتش عنه فيها ثم بعد الأجل الكائن بعد كشف الحاكم عن امره ولم يعلم خبره اعتدت عدة كالوفاة أى كعدّة الوفاة للحرّة بأربعة أشهر وعشر والأمة لشهرين وخمس ليال على ما تقدّم ولو غير مدخول بها لانه يقدر موته فلا نفقة لها فيها كما قال وسقطت بها أى فيها اى العدّة النفقة ولا تحتاج الزوجة فيها أى العدّة بعد فراغ الأجل لإذن من الحاكم لان اذنه حصل بضرب الاجل أولاً وليس لها البقاء أى اختيار البقاء فى عصمته بعدها أى بعد الشروع فيها على المعتمد وبعد الفراغ اتفاقاً وقدر طلاق من المفقود حين الشروع فى العدة يفيتها عليه يتحقق وقوعه بدخول الزوج الثانى عليها حتى لو جاء الأول قبل دخول الثانى كان أحق وبعد الدخول بانت من الأولى وتأخذ منه جميع المهر وإن لم يكن قد دخل بها التشكيل تقدير هٰذا الطلاق بأنه لاحاجة له مع تقدير موته وعدّ تها عدة الوفاة فتحل للأول وهو المفقود ان كان قد طلقها اثنتين اه بقدر الحاجة

وقال فى بيان القسم الثانى من المفقود وهو مفقود غير بلاد الاسلام ما نصّه وزوجته الاسير وزوجة مفقود ارض الشرك للتعمير ان دامت نفقتها والا فلها التطليق كما لو خشيتا الزنا وهو أى التعمير أى مدّته سبعون من يوم ولد وسمّيها العرب وقاقة الاعناق واختار الشيخان ثمانين وحكم بخمس وسبعين الخ بقدر الحاجة -

المتشبّث بأذيال الكرام

احقر الطلبة حسين احمد غفرله من ديوبند

فى ۵ من صفر ۱۳۴۷ھ

الجواب عن مسئلة المفقود

من جامع إمداد الأحكام

أما بعد فإنى أحمدُ الله اليكم الذى لا اله إلا هو وأصلى وأسلّم على سيدنا النبى

محمد سید الرسل وخیرہ إلیہ من خلقہ وعلی آلہ وأصحابہ البررۃ الکرام إلی یوم القیامۃ ۔

وأما مسئلۃ زوجۃ المفقود فسمعت سیدی حکیم الأمۃ دام مجدہ وعلاہ أنہ رای فتوی بخط حضرۃ شیخ وقتہ مولانا الکنکوہی قدس اللہ سرہ وھو یعرف خطہ حق المعرفۃ وھی منقولۃ بعد جوابی وفیھا صرح الشیخ رحمہ اللہ بکون ذلک مقیدًا بحکم الحاکم نعم قد اطلق القول فی ذلک مولانا عبد الحی رحمہ اللہ فی فتاواہ وقال: إن امرأۃ المفقود تتربص أربع سنین ثم تعتد بعد ذلک عدۃ الوفاۃ ۔ ولنا فیہ نظر لکون المدار فی ذلک علی الافتاء بمذھب مالک ولیس مذھبہ کذلک مطلقًا کما صرح بہ فی المدونۃ وأما قولکم أطال اللہ بقاءکم ان المدونۃ وان کانت من الکتب القدیمۃ المعتبرۃ لدی المالکیۃ ولکنھا غیر مفتی بھا الخ ــ فیخالفہ قول الحافظ ابن حجر فی تعجیل المنفعۃ (ص۷) ولفظہ لیس الامر عند المالکیۃ کما ذکر (الحسینی أن الموطأ لمالک ھو مذھبہ الذی یدین اللہ بہ اتباعہ ویقلدونہ) بل اعتمادھم فی الأحکام والفتوی علی ما رواہ ابن قاسم عن مالک سواء وافق ما فی الموطأ ام لا الخ ولا یخفی أن روایۃ ابن القاسم عن مالک ھو ما فی المدونۃ لسحنون وأیضًا فإن عبارۃ المدونۃ صریحۃ فی أن امراۃ المفقود لا تعتد إلا أربع سنین فی قول مالک بغیر أمر السلطان وإن أقامت عشرین سنۃ ثم رفعت أمرھا إلی السلطان نظر فیھا ۔ وکتب إلی موضعہ الذی خرج إلیہ فإذا یئس منہ ضرب لھا من تلک الساعۃ أربع سنین الخ ص۹۲ ج۱ ۔ وعبارۃ مختصر الخلیل وشرحہ لیست بصریحۃ فی خلاف ذلک أنھا لا تعتد إلا أربع سنین من وقت فقدہ لا من وقت الرفع وأما قولکم وکیفما کان فإن المقصد من عبارۃ المدونہ تحقیق الفقد الخ فلا سبیل لنا إلی ذلک مالم ینص علیہ الامام أو أحد من أصحابہ لاحتمال أن یکون وجھہ ذلک أن المعتبر ھو الرفع الی السلطان دون غیرہ کما قال علماؤنا أن المعتبر من البینۃ والیمین ما

عـہ فلینظر الفتوی التی رأیتموھا للشیخ بالاطلاق ھل ھی مکتوبۃ بخطہ أو خط غیرہ فإن المعتمد علیھا ھی التی تکون بخطہ ۔ منہ

يكون منهما بين يدى القاضى فى مجلس حكمه دون ماسواه كيف لا و قد قال مالك رحمه الله و إن أقامت عشرين سنة ثم رفعت أمرها إلى السلطان نظر فيها الخ ولا يخفى أن بمثل تلك المدة الطويلة لا يكون الفقد خافيا على جماعة المسلمين من صالحى بلدها الذين تفقدوه بما تيسر لديهم فلو كان الرفع إلى جماعة المسلمين معتبرا عنده لم يقل ماقال لوجود الرفع الى الجماعة فى تلك المدة بلاشك و أما قولكم قد صرحت المالكية أن المرأة إنما تؤمر بالتاجيل إن كان لديها نفقة من زوجها و إلا فيحكم عليها بالطلاق بمجرد الرفع ففيه انا لا ننكر ذلك ولكن الكلام فى أن الحاكم عليها بالطلاق من هو والرفع المعتبر كيف هو والذى تحصل لنا من المدونة ان الرفع لا يعتبر إلا إلى السلطان (وفى حكمه نائبه) وهو الذى يوجل لها الاجل ويقع بانقضاءه الطلاق عليها والله أعلم و بعد ذلك كله فقد صرح فى المدونة وفى المقدمات لابن رشد أن المفقود فى بلاد الحرب حكمه حكم الاسير لا تتزوج امرأته ولا يقسم ماله حتى يعلم موته أو يأتى عليه من الزمان مالا يجيئ إلى مثله فى قول المالكية كلهم حاشا اشهب اه (ص۱۵۶ ج۲) فكيف يجوز الافتاء بأن تعتد الاربع سنين من وقت الفقد أو الرفع إلى جماعة المسلمين فى الهند مع كونها دار الحرب فليس ذلك من مذهب مالك فى شئ والذى ذكره فى مختصر الخليل وشرحه أن زوجة مفقود ارض الحرب إن لم يكن لها نفقة من زوجها فلها التطليق فهذا إذا كانت الزوجة فى دار الاسلام وفقد الزوج فى أرض الحرب كما هو ظاهر مما ذكروه فى علة التعمير و اما إذا كان الزوج والزوجة كلاهما من اهل ارض الحرب فلم نر فيه نقلا عن المالكية ولا يجوز الإفتاء بالقياس فى مذهب الغير هذا فاللازم فى هذه المسئلة الاستفتاء من علماء المالكية بالحرمين فهم أعرف بمذهب مالك منا معشر الحنفية فيستفسر عنهم حكم زوجة المفقود فى دار الحرب كالهند وهل يضرب لها الاجل أربع سنين ام لا تتزوج حتى يأتى عليه من الزمان مالا يجيئ إلى مثله و إن الرفع لا بد و ان يكون لدى القاضى أو الحاكم أو يكتفى إلى جماعة المسلمين او المحكم أيضا فيفتى بمثل فتواهم - والله تعالى أعلم

حرره الاحقر خادمكم الاصغر ظفر احمد عفا عنه

۹ ر صفر سنه ۱۳۴۷ھ

التتمة الاولیٰ: ثم راجعت شرح الزرقانی علی المؤطأ وهو من متاخری المالکیة من اصحاب القرن الحادی عشر فوجدته قد قال فی شرح حدیث مالك عن یحیٰی بن سعید عن ابن المسیب ان عمر بن الخطابؓ قال: أیما امرأة فقدت زوجها فلم تدر أین هو فانها تنتظر أربع سنین الخ مانصه تنتظر أربع سنین من العجز عن خبره لأنها غایة أمد الحمل ولانها التی تبلغها المکاتبة فی بلاد الاسلام سیرًا ورجوعًا وضعف الأول بقول مالك لو أقامت عشرین سنة ثم رفعت یستأنف لها الأجل وبأنها إذا کانت صغیرة أو آیسة أو الزوج صغیرًا تضرب الأربع ولاحمل منها والثانی بقول مالك أیضًا تستأنف الأربع من بعد الیاس وانها من یوم الرفع ولو رجع الکاشف بعد سنة انتظرت تمام الأربع ولو کانت العلة کونها أمد الکشف لم تنتظر تمامها وقیل: لا علة له إلا الاتباع واستحسن اھ (ص۵۷ ج۳) قلت: وبهٰذا اظهر ضعف العلة التی ذکرتموها أن مراد المدونة ان امر المفقود لا یتم شرعًا أی لا یتحقق فقده الشرعی الا بعد مساعی السلاطین ومن ناب منابهم الخ بل الظاهر أن علة الاتباع لا غیر- وفی الزرقانی أیضًا: فی الفرق بین امرأة المفقود وبین التی بلغها طلاق زوجها وهو غائب أن الأولیٰ تفوت علی الزوج الأول بدخول الثانی والثانیة لا تفوت بدخوله علی رای اللخمی وعلل الفرق بأنه لم یکن فی هٰذه (أی التی بلغها طلاق زوجها) أمر ولا قضیة من حاکم بخلاف امرأة المفقود اھ (ص۵۷ ج۳) وهٰذا یدل علی أن أمر الحاکم وقضیته فی امرأة المفقود أمر متفق علیه عند المالکیة فان الفرق لا یعلل إلا بالمتفق علیه کما هو ظاهر. والله تعالیٰ أعلم وهو أیضاً مقتضی القیاس- ففی الدر المختار: عن واقعات المفتین معزیاً للقنیة انه انما یحکم بموته بالقضاء لانه امر محتمل فمالم ینضم إلیه القضاء لا یکون حجة اھ والقضاء الذی هو حجة إنما هو قضاء القاضی أو نائبه دون جماعة المسلمین من صالحی البلد کما لا یخفی فان جماعة المسلمین لا ولایة لهم علی أحد بخلاف القاضی او نائبه.

نقل جواب مسئله مفقود از حضرت مولانا گنگوہی جوکہ از قاضی عبدالحق حاصل شد و حضرت حکیم الامت خط مولانا شناختہ این فتویٰ را در امداد الفتاویٰ ملحق ساختہ۔

یہ فتویٰ رسالۃ الامداد۔ ماہ ربیع الثانی ۱۳۳۹ھ ج - ۶ ع ۱۰ ص ۲۲ میں طبع ہو چکا اور اس کا اصل مسودہ امداد الفتاویٰ قلمی میں موجود ہے۔

جس وقت سے کہ خبر زوج کی گم ہے کہ بعد تحقیق اس کا کہیں نشان نہیں ملا اس وقت سے کامل چار سال کر کے حاکم مسلمان تفریق کر دے بعد تفریق کے دس روز اور چار ماہ وہ عورت عدت کرے اور پھر نکاح دوسرے سے کر دیا جائے۔ یہ مذہب امام مالکؒ کا ہے اس پر فتویٰ اس وقت میں دیا جاتا ہے واللہ اعلم۔

کتبہ الاحقر رشید احمد عفی عنہ گنگوہی

مہر

قلت: وفيه تصريح باشتراط قضاء القاضي للتفريق وبان الاربع سنين تبتدئ من وقت اليأس عن المفقود وبعد التفتيش عنه بقي ان هذا التفتيش يكفي من آحاد المسلمين اولابد من تفتيش الحاكم بعد المرافعة۔ فكلام الشيخ ساكت عنه و صرح كلام المدونة بالشق الثاني ولم نر في كتب المالكية ما يخالفه صريحاً فهو المعتمد حتى يحدث الله بعد ذلك أمراً۔ والسلام ظفر احمد عفا عنه

التتمة الثانية: فإن قيل: لو أقامت حكومة الهند لمسلميها قضاة مسلمين لفصل المقدمات التي يحتاج فيها إلى قضاء القاضي فهل لا يجوز لهؤلاء القضاة الحكم بمذهب مالك في امرأة المفقود كما هو ظاهر ما ذكرته عن المدونة والمقدمات لابن رشد ان اعتداد الاربع سنين انما هو لزوجة مفقود دار الاسلام دون دار الحرب بل لها التعمير اى تربص زمان لا يجئ إلى مثله وهو سبعون سنة۔ قلنا: لو وجد في الهند قضاة مسلمون كما هو المسئول من الحكومة ونرجو الله تعالى الظفر به فلا حاجة لنا إذن بالقضاء بمذهب مالك بل يقضي القضاة بمذهب أبي حنيفة المختار للزيلعي وهو أن ضرب الأجل فيه مفوض إلى رأي الامام ولا تقدير فيه في ظاهر الرواية كما في الينابيع قال في الفتح: فأي وقت راى المصلحة حكم بموته (شامی ج ۳ ص ۵۱۱) وايضا فعلة الفرق بين مفقود دار الاسلام ومفقود دار الحرب عند مالك كونه في دار العدو ولا يستطيع الولي

أن يستخبر عنه فی ارض العدو فليس هو بمنزلة من فقد فی دار الاسلام كما هو فی المدونة (صـ۹۸ ج-۲) واذا وجدت فی دار الحرب قضاة مسلمون انتفت علة الفرق فالظاهر كون حكمهما سواء وأيضًا فما ذكرناه عن المدونة والمقدمات من الفرق بين مفقود دار الاسلام ودار الحرب صورته أن يكون المفقود فی ارض الحرب وزوجته فی دار الاسلام وأما إن كان كلاهما فی ارض الحرب فلم نجد فی ذلك نقلاً عن المالكية وأيضًا إذا اقام ملك دار الحرب لأهلها المسلمين قضاة منهم فح لا يصح القول بكونها دار الحرب إلا على قول البعض وعند بعضهم تصير بذلك أرض الاسلام هٰذا۔ ولله الحمد على متواتر إحسانه والانعام وعلى سيدنا النبي محمد صلى الله عليه وسلم أفضل الصلاة وأزكى السلام وعلى آله وأصحابه البررة الكرام إلى يوم القيام بل إلى بقاء دار السلام۔

حکم زوجۂ مفقود وتحقیق مذہب مالکیہ

سوال: سیدی و مولائی المحترم زادت معالیکم۔ أقدم إليكم تحيات سنها سيد الانام عليه وعلى آله وصحبه الصلاة والسلام وإظهار غاية الاشتياق للثم الأنامل والأقدام فالمعروض على سمو مقامكم انی كنت أرسلت حسب الامر السامی استفتاء إلى علماء المالكية بالمدينة المنورة سابقًا فجاء الجواب المنسلك المطوی فی هٰذا الظرف فذلك مرسل إلى سيادتكم حتی تنظروا فيه فتفيدونا بما يلزم علينا لدى الافتاء وارسلوا لنا بعينه حتی يكون سندًا لدينا۔ هٰؤلاء يصرحون بأن الحكم فی هذه الديار كالحكم بالديار الاسلامية للمفاقيد وازواجهم وحيث أن أكثر المفاقيد لا يتركون نفقة لازواجهم وفی غالب الاحيان يخشی عليهن من الفتن مالا يخفی على مثل جنابكم فهل يصح ان يفتی بالتطليق ام لا؟ - حسين احمد غفرله

الجواب: از ناکارہ اشرف علی عفی عنہ بخدمت بابرکت مکرمی معظمی دام فیضہم۔

السلام علیکم زید عنایتہ۔ مجھ کو علم کافی تو کبھی بھی حاصل نہیں ہوا اور رجب سے علم ظاہری کی خدمت سے محروم ہوں وہ ناتمام علم بھی اور زیادہ ناتمام ہوگیا اس لئے مولوی ظفر احمد کو سب سوال وجواب دیدئے ان کی تحریر پیش خدمت ہے اور وہ تحریر میرے بھی جی کو لگتی ہے۔ واللہ اعلم۔

(بقیہ سوال بالا)

حیث أن ساداتنا الفقهاء افتوا بمذهب المالکیة فی زوجة المفقود لأجل الشدائد والفتن الواقعة فی زماننا وقد رأینا الافتاء بتربص اربع سنین بعد العرض علی الحاکم أو جماعة المسلمین ثم تفتیشهم ثم حکمهم بالتربص المذکور ثم عدتها عدة الوفاة مما لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِن جُوعٍ ولا یدفع المضرة فلم لا یفتی بالتطلیق کما هو مصرح فی کتب المالکیة ونصوصهم مقدمة بین أیدیکم۔

سیدی منذ مدة مدیدة أشتهی الحضور علی الأعتاب ولکن الزمان لا یساعدنی حیث إن الأوان أوان آخر السنة والکتب إلی هذه الساعة لم تصل إلی نهایتها بل بقی لها مقدار عظیم۔ وبناء علیه یذهب الکثیر من الاوقات الخارجة فی التدریس حتی بعد العشاء ومع ذلک فان یسر الله تعالی أحضر لیالی الجمعة فی المستقبل وعلی الله التکلان والرجاء ان لا تنسوا اخویدمکم عن الدعوات الصالحة فانه فی غایة من الاحتیاج إلی دعواتکم وأنظارکم العلیاء وتوجهاتکم العالیة۔ لا زلتم مرکز الآمال آمین

سائل بالا

الجواب: اس لطف وعنایت کا شکرگزار ہوں، گو شکرگزاری سے بھی معذور ہوں اور اس کے صلہ میں بجز دعاء کے کیا کرسکتا ہوں اگر معذور نہ ہوتا تو خود حاضر ہو کر شکرگزاری کرتا۔ آپ کی زیارت کو سعادت سمجھتا ہوں مگر کوئی حرج یا کلفت بھی گوارا نہیں اگر بدون اس کے مشرف فرمایا جائے تو زہے قسمت۔ اگر وقت معلوم ہو جائے تو اسٹیشن پر حاضر ہوں اب تو بہت قریب ہوگیا ہے۔ باقی دعاء کی استدعا کرتا ہوں۔ والسلام

اشرف علی

فتاویٰ علماء مالکیہ از مدینہ منورہ زادھا اللہ شرفاً ونوراً متعلقہ زوجۃ المفقود

استفتاء

ما قول ساداتنا المالكية اطال بقاءهم و نفع المسلمين بعلومهم، آمين في هذه المسائل الآتية :

(١) امرأة مسلمة فقدت زوجها منذ سنين ولم يتبيّن امره مع كثرة التفتيش والتنقير هل يجوز لها بعد مضی أربع سنين أن تعتد عدة الوفاة ثم تتزوج بزوج آخر أم لابدّ من رفع الأمر إلى الوالى أو الحاكم اوجماعة المسلمين ثم تفتيش ذلك المرفوع إليه فإذا يئس يحكم بعد ذلك بانتظارها أربع سنين فان لم يتبيّن تعتد عدّة الوفاة كما يفهم من المدوّنة ومختصر الخليل وشرحه للدردير أم كيف الحكم؟

(٢) هل يلزم حكم الحاكم أو حكم جماعة المسلمين لانتظار أربع سنين ام يصح ذلك بغير الحكم أيضًا؟

(٣) بلاد اسلامية استولى عليها الكفار منذ مدّة مديدة وفقدت مسلمة من أهلها زوجها فيها وليس هنالك حاكم اسلامی يفصل الاحكام حسب القوانين الشرعية فكيف السبيل لها هنالك؟ وفي أي قسم من الأقسام الأربعة المذكورة للمفقود في مختصر الخليل يكون عداده؟ وهل يصح للمرأة هنالك بعد مضی أربع سنين أن تعتد عدة الوفاة ثم تتزوج أم سبيلها التعمير فقط؟

(٤) هل الصورة الثانية للمفقود المذكورة في مختصر الخليل تختص بامرأة كانت من سكان البلاد الاسلامية فذهب زوجها إلى البلاد الشركية ففقد هنالك ام تشتمل القاطنة بالبلاد التی استولى عليها الكفار وبالديار الحربية الأصلية أم كيف الأمر؟

(٥) المفقود عنها زوجها سواء كانت من البلاد الاسلامية أو الشركية اذا لم يترك زوجها عندها نفقة وهی فی غاية من الاحتياج والفاقة أو كانت بحيث يخشى عليها الفساد بالعزوبة كيف السبيل لها إذا أرادت التزوج أو أراد أهلها ذلك؟

(٦) المفقود عنها زوجها إذا لم يكن عندها النفقة وهي محتاجة او يخشى عليها من الفساد هل يصح تطليقها او فسخ نكاحها بغير حكم الحاكم الشرعي أم لابد من الحكم؟ وعلى الثاني كيف يعمل بالبلاد الاسلامية التي تغلب عليها الكفار؟ أفيدونا ولكم الاجر الجزيل .

الجواب

بِسْمِ اللهِ الرحمٰن الرحيم - الحمد لله والصلاة والسلام على رسوله وآله أمّا بعد : فالجواب عن المسألة الاولى هو ما فهمتم لازلتم من أهل الفهم من المدوّنة ومختصر الشيخ خليل من أن المفقود عنها زوجها لا بد لها من احد الأمرين إما أن ترضى المقام مع زوجها المفقود أو تريد المفارقة فان أرادتها فلابدّ لها من رفع أمرها إمّا إلى القاضي أو إلى الوالي أو إلى والي الماء وإن لم يوجدوا فلجماعة المسلمين من صالحي بلدها وجيرانها و إما انها تعتدّ أو تتزوج برجل آخر من غير رفع أمرها إلى القاضي أو من ذكر فلا قائل بحليته وجوازه لما فيه ما لا يخفى من الفساد ونص المدوّنة قلت : أي قال سحنون لابن القاسم أرأيت امرأة المفقود أتعتدّ الاربع سنين في قول مالك بغير أمر السلطان؟ قال مالك : لا - قال مالك : وإن أقامت عشرين سنة ثم رفعت أمرها إلى السلطان نظر فيها وكتب إلى موضعه الذي خرج إليه فإن يئس منه ضرب لها من تلك الساعة أربع سنين ، فقيل لمالك : أتعتدّ بعد الأربع سنين أربعة أشهر وعشرا عدّة الوفاة من غير أن يأمرها السلطان بذلك قال : نعم مالها وما للسلطان في الاربعة أشهر وعشرا التي هي عدّة - ونصّ المختصر ولزوجة المفقود أشرح وهو من غاب في بلاد الاسلام وانقطع خبره وأمكن الكشف عنه : الرفع للقاضي والوالي ! ش ! اي وحاكم البلاد و والي الماء الساعي لجلب الزكوٰة ! وإلا فلجماعة المسلمين ! ش ! ولها عدم الرفع و البقاء في عصمته حتى يتضح أمره فيوجل الحرّ أربع سنين وإن دامت نفقتها ! ش ! فان لم تدم نفقتها فلها التطليق بلا تأجيل وكذا إن خشيت على نفسها الفساد من يوم العجز عن خبره ثم اعتدت كالوفاة وسقطت بها النفقة ودليل ذلك ما رواه مالك عن يحيى بن سعيد عن سعيد بن المسيب عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه انه قال : أيما امرأة فقدت

زوجها ولم تدر اين هو فانها تنتظر أربع سنين ثم تعتد أربع أشهر وعشراً ثم تحل وما روى ابن وهب عن عبد الجبار عن ابن شهاب أن عمر بن الخطاب رضى الله تعالى عنه ضرب للمفقود من يوم جاءت اربع سنين ثم أمرها أن تعتد عدة المتوفى عنها زوجها ثم تصنع فى نفسها ما شاءت اذا انقضت عدتها وفى الحديث لا ضرر ولا ضرار .

اما المسألة الثانية فجوابها يعلم مما قبلها وهو قول مالك رح : لا تعتد الاربع سنين بغير امر السلطان ونص القاضى ابن فرحون فى كتاب تبصرة الحكام فى اصول الاقضية ومناهج الاحكام فى فصل ما يفتقر الى حكم الحاكم على ان التطليق على الناشين وغيرهم مما لابد فيه من حكم الحاكم -

أما المسألة الثالثة : فجوابها والله اعلم أن المرأة المسلمة التى فقدت زوجها فى بلاد استولت عليها الكفار مدة مديدة كما فى مصر والشام والهند تعتد أربع سنين ثم تعتد عدة الوفاة أربعة أشهر وعشرا وزوجها يكون فى عداد القسم الأول من أقسام المفقود لانهم عرفوه بانه من غاب وانقطع خبره وامكن الكشف عنه وعرفوا القسم الثانى وهو المفقود فى ارض الحرب بانه من غاب وانقطع خبره ولم يمكن الكشف عنه لانه فقد فى ارض الحرب اما البلاد المذكورة وان كان حاكمها كافرا فلا تكون كأرض حرب من كل وجه لوجود قضاة المسلمين فيها وولاتها وامكان الكشف عنه فاتضح بهذا أن حكمها حكم من فقدت زوجها ببلاد الاسلام فلا تنتظر مدة التعمير -

وأما المسألة الرابعة : فيفهم جوابها مما قبلها أيضاً وهو أنه لا فرق بين المفقود فى أرض الاسلام وبين المفقود فى البلاد المستعمرة لما قدمنا من وجود قضاة المسلمين فيها وولاتها وامكان الكشف عنه فعلى هذا لا تختص الصورة الثانية المذكورة فى المختصر بالمسلمة الكائنة فى بلاد الاسلام بل تشمل من كانت فى البلاد المستعمرة لكفار لما قدمنا من ان المراد بالشركية البلاد الحربية التى لا يمكن للمسلم الوصول اليها فلا تتمكن القضاة من التفتيش فيها لا مطلق البلاد الكفرية لانها ربما تكون مسلمة أو ذمية وأما القاطنة بالبلاد الشركية الحربية فحكمها هى وزوجها حكم المسبيين فيفديهما الامام من بيت المال ان كان والا فمن ماله بالغا ما بلغ والا فعلى جميع المسلمين .

وأما المسئلة الخامسة : فجوابها ان المفقود عنها اذا لم يترك لها نفقه واحتاجت

غاية الاحتياج اوخافت على نفسها الفساد ان لها التطليق بلا تأجيل كما هو مفهوم الشرط في قول الشيخ خليل في مسئلة المفقود وتؤجل اربع سنين ان دامت نفقتها وقال شراحه قاطبة فان لم تدم نفقتها او خشيت الفساد فلها التطليق بلا تأجيل فترفع أمرها إلى الحاكم و تثبت عدم النفقة والاحتياج بما يثبت به فإما ان يطلق الحاكم بنفسه او يأمرها بالتطليق وهو قول الشيخ خليل فهل يطلق الحاكم أو يامرها به ؟ قولان و أما ارادة اهلها تزويجها فلا عبرة به مالم تطلب الفراق بنفسها الا أن تكون سفيهة فيقوم وليها مقامها إذا تحقق لديه ضررها.

و أما المسئلة السادسة : فجوابها انه لا يحل لمن لم يكن عندها نفقة اومن خشيت الفساد من النساء ان تطلق نفسها قبل ثبوت ضررها عند الحاكم سواء عدم النفقة أوخشيت الفساد لما تقدم في الجواب عن المسئلة الأولى من جواب مالك رح و ما تقدم في الجواب عن المسئلة الثانية : وهو قول قاضي المدينة ابن فرحون في تبصرته إن التطليق على الغائبين وغيرهم مما يفتقر إلى حكم الحاكم فلا بد من ثبوت ضررها عند الحاكم فإما ان يطلق الحاكم و اما ان يأمرها بتطليق نفسها وهو قولان مشهوران لكن القول الثاني أقوى لقول رسول الله صلى الله عليه وسلم لبريرة لما اعتقت أنتِ أملك بنفسك إن شئتِ أقمت مع زوجكِ و إن شئت فارقتيه۔

و أما قولكم وعلى الثاني كيف يعمل فالجواب عنها ان أحكام قضاتهم نافذة ماضية وان كانت توليتهم الصادرة من الكفار باطلة وبهذا افتى الامام ابوعبدالله المازرى لما سئل عن احكام تأتي في زمنه من صقلية من عند قاضيها أوشهود عدولها فأجاب جواباً طويلاً إلى أن قال : و أما الوجه الثاني وهو تولية الكافر للقضاة و الامناء لعجز الناس بعضهم عن بعض فقد ادعى بعض أهل المذهب أنه واجب عقلاً و إن كان باطلاً تولية الكافر لهذا القاضي إما بطلب الرعية له و اقامته لهم لذلك فلا يطرح حكمه وينفذ كما لو ولاه سلطان مسلم ۔ وفي كتاب الأيمان في مسئلة الحالف لأقضينك حقك إلى أجل أقام شيوخ المكان مقام السلطان عند فقده لما يخاف من فوات القضية وعن مطرف وابن الماجشون فيمن خرج على الامام وغلب على بلد فولى قاضياً عدلاً فأحكامه نافذة انتهى وفي كتاب بيان وجوب الهجرة للشيخ عثمان فودى الفلاتي المالكي ۔ مانصه : وتولية

الکافر للقاضی باطلة ومع ذلك لایقدح فی تنفیذ أحکامه أذ حجرا لناس بعضهم عن بعض واجب وفی ذلك یقول الناظم :

تولیة الکافر للقضاة باطلة والحکم ذو اثبات لان حجر الناس بعضهم علی بعض محتم کا قد انجلیٰ .

قلت : اقل أحوالهم أن یکونوا کالمحکمین أو بمنزلة جماعة المسلمین فقد تقدم ان المفقود زوجها ترفع أمرها للقاضی أو للوالی وإن لم یجدوا فلجماعة المسلمین ۔ والعلم عند الله وصلی الله علی سیدنا محمد وآله وسلم

أمر بکتابته محمد الطیب ابن اسحاق الأنصاری

الجواب

فتویٰ مالکیہ مرسلہ کو دیکھ کر اس امر میں تو اطمینان ہوگیا کہ مالکیہ کے نزدیک دارالاسلام میں جماعۃ المسلمین اور جیران صالحین کی طرف مرافعہ بھی مثل مرافعہ الی السلطان کے ہے مگر کتبِ مالکیہ کی نصوص سے صراحۃً یہ معلوم ہو رہا ہے کہ مرافعہ الی السلطان او من فی حکمہ اور تطلیق و ضربِ اجل زوجۂ مفقود دارالاسلام کے لئے خاص ہے اور زوجۂ مفقود ارض حرب کے لئے صرف تعمیر ہے۔ اس کے بارہ میں مفتی مالکیہ نے فتویٰ مرسلہ میں محض اپنے قیاس سے بدون کسی نص مذہب کے حوالہ کے ہندوستان، مصروشام کو بحکم دارالاسلام قرار دیکر ان بلاد میں بھی نفقہ زوجہ مفقود کو مثل زوجہ مفقود دارالاسلام کے قرار دیا ہے پس اولاً تو آجکل کے علماء کا قیاس حجت نہیں۔ دوسرے علت اس کی یہ بیان کی ہے ،، لوجود القضاۃ المسلمین فیھا وولاتھم وامکان الکشف عنہ ۔ اور علت ہندوستان میں مفقود ہے کیونکہ یہاں قضاۃ و ولاۃ مسلمین موجود نہیں اور انگریزی عدالتوں میں جو حکام مسلمین موجود ہیں وہ مسئلہ مفقود و امثالہ من مسائل الطلاق والنکاح وغیرہ میں قانون انگریزی کے پابند ہیں قانون اسلامی کے موافق فیصلہ کے مجاز نہیں۔ فوجودہم کالعدم ۔ البتہ اگر گورنمنٹ

عہ لا یقال العلة فی الاصل امکان الکشف وهی موجودة فی الهند وان لم یکن لنا فیها قضاة وولاة مسلمون لانا نمنع امکان الکشف بدون القضاة والولاة فان العامة لا تیسر لها من أسباب الکشف ما یتیسر للحکام کما لا یخفی فان عمال الحکومة إذا امروا بالکشف عن أحد ولو کان مختفیاً من کل وجه یکشفونه بالجهد البلیغ والعامة لایجهدون ولو جهدوا لایقدرون کما هو شاهد ۔ منه

ہندوستان میں بھی محکمہ قضا کو قائم کر دے اور قضاۃ کو ان مسائل میں قانونِ اسلام پر فیصلہ کا اختیار دے تو پھر بے شک ہندوستان کے مفقود کو بحکم مفقود دار الاسلام کہنا صحیح ہوگا پس ہندوستان میں مذہبِ مالکؒ کے موافق زوجہ مفقود کے لئے تطلیق وضرب اجل متصور نہیں۔

و ھذا ما قلناہ قبل و نشکرکم علی ما مننتم بہ علینا من تجشم الاستفتاء من مالکیۃ الحرم النبوی لازلتم عونا للمسلمین وغیاثاً للمسترشدین ۔ والسلام

حررہ خویدمکم ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از تھانہ بھون خانقاہِ امدادیہ

۲۵ر جمادی الثانی ۵۲ھ

(نوٹ) اس کے بعد مولانا حسین احمد صاحبؒ نے مالکیہ کے دوسرے فتاویٰ بھیجے ہیں۔ جو درج ذیل ہیں۔ ظفر

استفتاء

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۰

ما قول سادا تنا المالکیۃ اطال اللہ بقاءھم ونفع المسلمین بعلومھم فی ھٰذہ المسائل الآتیۃ :

(۱) امرأۃ مسلمۃ فقدت زوجھا منذ سنین ولم یتبیّن امرہ مع کثرۃ التفتیش والتنقیر ھل یجوز لھا بعد مضی أربع سنین أن تعتدّ عدّۃ الوفاۃ ثم تتزوّج بزوج آخر ام لابد من رفع الامر الی الوالی أو الحاکم أو جماعۃ المسلمین ثم تفتیش ذلک المرفوع الیہ فاذا یئس یحکم بعد ذلک بانتظارھا أربع سنین فان لم یتبین تعتدّ عدۃ الوفاۃ کما یفھم من المدوّنۃ ومختصر الخلیل وشرحہ للدردیر أم کیف الحکم؟

(۲) ھل یلزم حکم الحاکم او حکم جماعۃ المسلمین لانتظار اربع سنین ام یصح ذلک بغیر الحکم ایضاً؟

(۳) بلاد اسلامیۃ استولی علیھا الکفار منذ مدّۃ مدیدۃ وفقدت مسلمۃ من اھلھا زوجھا فیھا ولیس ھناک حاکم اسلامی یفصل الاحکام حسب القوانین الشرعیۃ فکیف السبیل لھا ھناک؟ وفی أیّ قسم من الاقسام الاربعۃ المذکورۃ للمفقود فی

مختصر الخليل يكون عداده ؟ وهل يصح للمرأة هناك بعد مضى اربع سنين ان تعتد عدة الوفاة ثم تتزوج أم سبيلها التعمير فقط ؟

(۴) هل الصورة الثانية للمفقود المذكورة فى مختصر الخليل تختص بامرأة كانت من سكّان البلاد الاسلامية فذهب زوجها إلى البلاد الشركية ففقد هناك أم تشمل القاطنة بالبلاد التى استولى عليها الكفّار وبالديار الحربية الاصلية أم كيف الأمر؟

(۵) المفقود عنها زوجها سواء كانت من البلاد الاسلامية أو الشركية اذا لم يترك زوجها عندها نفقة وهى فى غاية من الاحتياج والفاقة أو كانت بحيث يخشى عليها الفساد بالعزوبة كيف السبيل لها إذا أرادت التزوّج أو أراد أهلها ذلك ؟

(۶) المفقود عنها زوجها اذا لم يكن عندها النفقة وهى محتاجة أو يخشى عليها من الفساد هل يصح تطليقها أو فسخ نكاحها بغير حكم الحاكم الشرعى أم لابدّ من الحكم وعلى الثانى كيف يعمل بالبلاد الاسلامية التى تغلّب عليها الكفار؟ أفيدونا ولكم اجر الجزيل

فتوىٰ علامہ سعید بن صدّیق مالکی مفتی مالکیہ مدینہ منورہ

الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم

(۱) الجواب، والله أعلم بالصواب ومن فضله نرتجى الثواب هو أنّ نصوص المذهب مطبقة على أن المفقود على ستّة أقسام كما ستمرّ مفصلة الأحكام وعلى أن زوجته لابدّ لها من الرفع إلى القاضى أو الوالى أو من يقوم مقامهما عند عدمهما من والى الماء أو جماعة المسلمين لأنهم يقومون مقام الحاكم العدل عند عدمه ولكن عند وجود الثلاثة لا ترفع إلا للقاضى فان رفعت لغيره مع التمكّن من الرفع له حرم عليها ذلك وان مضى ما فعله ان كان

هو الوالی لا جماعۃ المسلمین۔ هذا ما یظهر من کلام ابن عرفه کما قاله الاجهوری وأمّا لو رفعت لجماعة المسلمين مع وجود الوالى فالظاهر مضى فعلهم وفى النهورى وتبعه اللقانی أن ظاهر کلام خلیل ان الثلاثة فی مرتبة واحدة الا أن القاضی أضبط ووجود القاضی أو غیره ممن ذکر مع کونه یجوز أو یاخذ المال الکثیر بمزلة عدمه فترفع لجماعة المسلمین من صالحی جیرانها وعدولهم وغیرهم لا نهم کالامام عند عدمه ومایفهم من تعبیرهم بجماعة المسلمین ان الواحد لا یکفی وکذا الاثنان وبه صرّح الاجهوری فعلم أنها إن أرادت الرفع فی شان زوجها ووجدت الثلاثة وجب الرفع للقاضی فان رفعت لغیره حرم وصحّ و ان رفعت لجماعة المسلمین لم یصح وإن لم یکن قاضٍ خُیّرت فیهما فان رفعت لجماعة المسلمین صحّ علی الظاهر وان لم یوجد واحد من الثلاثة رفعت لجماعة المسلمین۔ وأهلها منهم وکذا القضاة والأمناء المولون للأحکام من الکفار المستولین علی بلاد المسلمین لعجز الناس بعضهم عن بعض وقد ادعی أهل المذهب أنه واجب عقلاً و إن کان باطلاً تولیة الکافر لهؤلاء القضاة إمّا بطلب الرعیة له أو إقامته لهم للضرورة لذلك فلا یطرح حکمهم بل ینفذ کما لو ولّاهم سلطان مسلم فتمضی أحکامهم للضرورة ولئلا یزهد الناس فی قبول تولیتهم فتضیع الحقوق وفی کتاب الایمان فی مسئلة الحالف لیقضینّك حقك إلی أجل أقام شیوخ المکان مقام السلطان عند فقده لما یخاف من فوات القضیة وعن مطرف وابن الماجشون فیمن خرج علی الامام وغلب علی بلد فولّی قاضیاً عدلاً فأحکامه نافذة وقال ابن عرفة: لم یجعلوا قبول الولایة للمتقلب المخالف للامام جرحة لخوف تعطیل الاحکام۔

(۲) واما المفقود فی بلاد الاسلام فقد عرفه ابن عرفة بقوله هو من انقطع خبره ممکن الکشف عنه فالاسیر ونحوه ممن لا یمکن الکشف عنه لا یسمّی مفقوداً فی إصطلاح الفقهاء فالمفقود فی بلاد الاسلام فی غیر مجاعة ولا وباء إن لم ترض زوجته بالصبر إلی قدومه فلها أن ترفع أمرها إلی الخلیفة أو القاضی أو من یقوم مقامهما فی عدمهما لیفحّصوا عن حال زوجها بعد أن

تثبت الزوجية و غيبة الزوج والبقاء فى العصمة الى الآن و إذ اثبت ذلك عندهم كتبوا كتاباً مشتملاً على اسمه ونسبه وصفته إلى حاكم البلد الذى يظن وجوده فيه و إن لم يظن وجوده فى بلد بعينه كتب إلى البلد الجامع واستصوب ابن ناجى ان أجرة الرسول الذى يفحص عن المفقود على الزوجة فاذا انتهى الكشف ورجع إليه الرسول وأخبره بعدم وقوفه على خبره فالواجب أن يضرب له أجل أربع سنين للحر وسنتان للعبد وهذا التحرير محض تعبد لفعل عمر بن الخطاب وأجمع عليه الصحابة ومحل التأجيل المذكور إن كان للمفقود مال تنفق منه المرأة على نفسها فى الأجل ويزاد على ذلك عدم خشيتها الزنا بلاولى لشدة ضرر ترك الوطى الناشئ عن الزنا ألا ترى أنها لو أسقطت النفقة على زوجها يلزمها الاسقاط و إن أسقطت عنه حقها فى الوطء لايلزمها ولها أن ترجع فيه وأيضًا النفقة يمكن تحصيلها من غير الزوج بتسلف ونحوه بخلاف الوطء و إن دامت النفقة ولم تخش الفتنة فيؤجل الاجل المذكور من يوم ترفع ذلك للحاكم ويرسل فى النواحى للكشف عنه ولا يضرب له الاجل بمجرد الرفع بل بعد تمام الكشف و إلى جميع ماسبق اشار خليل بقوله ولزوجة المفقود الرفع للقاضى والوالى ووالى الماء و إلا فلجماعة المسلمين فيؤجل أربع سنين إن دامت نفقتها والعبد نصفها من العجز عن خبره ثم اعتدت كالوفاة وهى أربعة أشهر وعشراً للحرة وشهران وخمس ليال مع أيامها إن كانت رقيقة ويلزمها مايلزم المتوفى عنها من الاحداد زمن عدتها ولا نفقة لها زمن عدتها وأما فى مدة الاجل فتنفق من مال الزوج وإليه أشار خليل بقوله وسقطت بها النفقة وليس لها البقاء بعد انقضاء العدة فى عصمة المفقود لأنها أبيحت لغيره ولا حجة لها فى أنه أحق بها ان قدم لأنها على حكم الفراق حتى تظهر حياته إذ لو ماتت بعد العدة لم يوقف له إرث منها واما إن لم يكن له مال فلها التطليق عليه بالاعسار من غير تأجيل لكن بعد اثبات ما تقدم تزيد اثبات العدم واستحقاقها للنفقة وتحلف مع البينة الشاهدة لها أنها لم تقبض منه نفقة هذه المدة ولا اسقطتها عنه وبعد ذلك يمكنها الحاكم من تطليق نفسها بأن توقعه ويحكم به أو يوقعه الحاكم ومثل المفقود من علم

موضعه وشكت زوجته عدم النفقة يرسل إليه القاضى إما أن تحضر أو ترسل
النفقة أو تطلقها وإلا طلقها الحاكم بل ولو كان حاضرًا وعدمت النفقة ثم
بعد الطلاق تعتد عدة الطلاق بثلاثة أقراء للحرّة وقرئين للأمة فيمن تحيض و
إلا فثلاثة أشهر للحرّة والزوجة الامة لاستوائها فى الأشهر.

(۳) واما زوجة مفقود ارض الشرك ومثلها زوجة الاسير فانهما يبقيان
لانقضاء مدة التعمير ووالى مالهما واختلف فى قدرها فقيل سبعون سنة وهو
قول امام مالك وابن القاسم واشهب قال القاضى عبد الوهاب هو الصحيح و
قيل ثمانون سنة وحكم بخمس وسبعين سنة وانما لم يضرب لهما اجل كزوجة
مفقود ارض الاسلام لتعذّر الكشف عن زوجيهما ومحل بقائهما إن دامت نفقتهما
كغيرها وإلاّ فلهما التطليق وأمّا زوجة المفقود فى القتال الواقع بين المسلمين
والكفّار فإنّها تعتد بعد مضى سنة كائنة بعد الفحص عن حاله وأما زوجة
المفقود فى معترك المسلمين فتعتدّ بعد الفراغ من القتال والاستقصاء فى
الكشف عنه ولا يضرب لها أجل لأنه يحمل امره على الموت ولذلك يقسم ماله
حين شروعها فى العدّة أمّا لو شهدت البيّنة على أنّه خرج من الجيش ولم
نشاهده فى المعترك فانه يكون كالمفقود فى بلاد المسلمين فيجرى فى زوجته
ما تقدّم وأمّا زوجة المفقود فى زمن المجاعة أو الوباء او الكبة او اسعال فتعتدّ
بعد ذهاب ذلك المرض وبقى من شك فى حاله هل فقد فى بلاد المسلمين أو الكفار
لانصّ فى حاله. قال الاجهورى: وينبغى العمل بالأحوط فتعامل زوجته معاملة
زوجة مفقود ارض الشرك بخلاف من سافر فى البحر فانقطع خبره فسبيله سبيل
المفقود إلا أن يكون فقد فى شدّة ريح والمراكب فى المرسىٰ ولم يتبيّن له خبر فيحكم
بموته لغلبة الظن بغرقه - هذا ملخص أحكام المفقود بأقسامه.

حرّره ۷ رجادى الاولى سنة ١٣٨٣ه‍

سعيد بن صديق أحسن الله إليه فى الفانية والدائمة
ومنّ عليه وعلى المسلمين بحسن الخاتمة

سعيد بن صديق مهر

فتوئ علامہ محمد الفاہاشم مالکی مفتی مالکیہ مدینہ منورہ

استفتاء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماقول ساداتنا المالكية أطال الله بقاءهم ونفع المسلمين بعلومهم في هذا المسائل الآتية :

(١) امرأة مسلمة فقدت زوجها منذ سنين ولم يتبين أمره مع كثرة التفتيش والتنقير هل يجوز لها بعد مضى أربع سنين أن تعتد عدة الوفاة ثم تتزوج بزوج آخر؟ أم لا بد من رفع الأمر إلى الوالي أو الحاكم أو جماعة المسلمين ثم تفتيش ذلك المرفوع إليه فإذا يئس يحكم بعد ذلك بانتظار أربع سنين فإن لم يتبين تعتد عدة الوفاة كما يفهم من المدونة ومختصر الخليل وشرحه للدردير أم كيف الحكم ؟

(٢) هل يلزم (ان يشترط) حكم الحاكم أو حكم جماعة المسلمين لانتظار أربع سنين أم يصح ذلك بغير الحكم أيضًا ؟

(٣) بلاد اسلامية استولى عليها الكفار منذ مدة مديدة وفقدت مسلمة من أهلها زوجها فيها وليس هناك حاكم اسلامى يفصل الأحكام حسب القوانين الشرعية فكيف السبيل لها هناك؟ وفى أى قسم من الأقسام الاربعة المذكورة للمفقود فى مختصر الخليل يكون عداده؟ وهل يصح للمرأة هناك بعد مضى أربع سنين أن تعتد عدة الوفاة ثم تتزوج أم سبيلها التعمير فقط ؟

(٤) هل الصورة الثانية للمفقود المذكورة فى مختصر الخليل تختص بامرأة كانت من سكان البلاد الاسلامية فذهب زوجها إلى البلاد الشركية ففقد هنالك ام تشمل القاطنة بالبلاد التى استولى عليها الكفار وبالديار الحربية الاصلية أم كيف الامر

(٥) المفقود عنها زوجها سواء كانت من البلاد الاسلامية أو الشركية اذا لم يترك زوجها عندها نفقة وهى فى غاية من الاحتياج والفاقة او كانت بحيث يخشى عليها الفساد بالعزوبة كيف لها إذا أرادت التزوج أو أراد اهلها ذلك ؟

(٦) المفقود عنها زوجها إذا لم يكن عندها النفقة وهي محتاجة أو يخشى عليها من الفساد هل يصح تطليقها أو فسخ نكاحها بغير حكم الحاكم الشرعي أم لا بدّ من الحكم؟ وعلى الثاني كيف يعمل بالبلاد الاسلامية التي تغلب عليها الكفار؟ أفيدونا ولكم الأجر الجزيل.

الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم

ألحمد لمستحقه اتم الصلاة والتسليم على خير خلقه وآله وصحبه وتابع ما وصّى به.

أما السوال الأوّل: عن مسلمة فقدت زوجها سنين وبولغ في التفتيش عنه ليتبيّن فلم ينفع ذلك ولم يظهر أسالم هو أم هالك؟ فجوابه إذا كان الفقد في أرض الاسلام وله مال ينفق منه على زوجته المتروكة في المقام هو ما في المؤطأ والمدوّنة وغيرهما عن مالك عن يحيى بن سعيد أن عمر بن الخطّاب قال: أيّما امرأة فقدت زوجها فلم تدر أين هو فانها تنتظر أربع سنين ثم تعتد أربعة أشهر وعشرا ثم تحل وعن ابن وهب أن عمر عمل بذلك ورواه الائمة مالك والشافعي وأحمد وابن أبي شيبة والبيهقي والدارقطني عن عمر وعثمان وعلي وابن عباس وابن الزبير رضي الله عنهم۔ وقال مالك: ينفق على امرأة المفقود من ماله في الأربع سنين لا في العدّة۔ وقال: لا يقسم ميراث هذا المفقود حتى يأتي موته أو يبلغ من الزمان ما لا يجيء إلى مثله وهو سبعون أو خمس وسبعون أو ثمانون ذكره الشيخ خليل وغيره وفي هذا قال الناظم محمد بن عاصم في تحفة الحكام

ومن بأرض المسلمين يفتقد فاربع من السنين الأمد وباعتداد الزوجة الحكم جرى تبعصا والمال فيه عمرا۔

وقول السائل: هل تعتد لنفسها بعد الاربعة الأعوام عدة الحمام أم ترفع أمرها للحكام أو جماعة الاسلام فجوابه ما في المدوّنة لسحنون قلت: أرأيت امرأة المفقود أتعتد الأربع في قول مالك بغير امر السلطان۔ قال ابن القاسم قال مالك: لا وان أقامت عشرين سنة۔ ثم ذكر أنها ترفع أمرها للسلطان فيبحث عنه وبعد اليئس

يضرب أربع سنين وفي مختصر الشيخ خليل المالكي وشروحه وحواشيه أن لزوجة المفقود الرفع للقاضي والوالي ووالي الماء أي جابي الزكوٰة وإلا فلجماعة المسلمين قيل: أقلهم ثلاثة من الصلحاء أو واحد عدل عارف يرجع إليه في المهمات والرجاء۔ أما مفقود أرض الشرك والاسير فلا يورث مالهما ولا تنكح زوجتهما إلا بعد التعمير. وفي حاشية العدوي على الرسالة أن زوجة مفقود أرض الشرك وزوجة الاسير تبقيان مدة التعمير لتعذر الكشف عن زوجيهما ان دامت نفقتهما وإلا فلهم التطليق كما إذا خشيتا على أنفسهما الزنا ومثله في شروح المختصر وغيرها اعتاق ام ولده بعد مها النفقة أيضاً دفعاً للضرر أو تتزوج بمن ينفق عليها۔ وفي هذا قال الناظم محمد بن عاصم: وحكم مفقود بأرض الكفر في غير حرب حكم من في الأسر تعميره في المال والطلاق ممتنع ما بقي الانفاق،

أما المفقود في حرب المسلمين مع بعضهم أو في زمن الطاعون فيورث وتعتد زوجته عدة الوفاة بعد انفصال الصفين ورجوع الخبر إلى البلدين وفي ذلك قال الناظم محمد بن عاصم وحكم مفقود بأرض الفتن ـ في المال والزوجة حكم من فني مع التلوم لأهل الملحمة ـ بقدر ما تنصرف المنهزمة۔

واما المفقود في حرب المسلمين للكفار فتعتد زوجته عدة الوفاة ويقسم ماعنده من التركات بعد سنة وشئ من الانتظار وفي ذلك قال الناظم محمد بن عاصم:

وإن يكن في الحرب فالمشهور	في ماله والزوجة التعمير
وفيه أقوال لهم معينة	أصحها القول سبعين سنة
وقد أتى القول بضرب عام	من حين يأس منه لا القيام
ويقسم المال على مماته	وزوجه تعتد من وفاته
وذا به القضا في اندلس	لمن مضى فمقتضيهم مؤتس

أما السوال الثاني: وهو هل يلزم حكم الحاكم أو جماعة المسلمين بانتظار الاربع سنين أو يصح بلا حكم من المذكورين؟ فجوابه ما في شرح الدردير وحاشيته ان رفعت أمرها للقاضي بجيب فان رفعت لوالي السياسة أو والي الماء الجابي الزكوٰة مع وجود القاضي حرم عليها ذلك وصح الحكم وإن

رفعت لجماعة المسلمين مع وجود القاضى بطل الحكم وان لم يوجد قاضٍ خُيرت فى
الرفع للوالى أو الساعى فان رفعت لجماعة المسلمين مع وجودهما فالظاهر الصحة اما
ان كانوا جائرين بأخذ مال منها ظلماً ليكشفوا لها عن حال زوجها فلها الرفع لجماعة
المسلمين أمّا أجرة المبعوث لطلب الزوج فقيل على الزوجة وقيل على بيت المال، و
قيل: إن كان لها مال فعليها و إلّا فعلى بيت المال۔ وعند الحنابلة لايفتقر فى ضرب
المدّة إلى حاكم البلدة (فائدة عن المسئولة عند زائدة) عند الحنفية لا تطلق
زوجة المفقود ولايورث ماله الّا بعد سن التعمير مائة وعشرين أو تسعين أو
ثمانين أو سبعين أو ستّين أو برأى حاكم المسلمين وعند الحنابلة ان كان ظاهر
غيبته السلامة لا تطلق امرأته ولايورث فى تركته إلّا بعد تسعين سنة وإن كان
ظاهر الهلاك فبعد أربع سنين وعند الشافعية فى قول الشافعى القديم تطلق
بعد أربع سنين و يورث بعد مدة لايعيش إلى مثلها۔ و فى الجديد: لا تطليق
ولاتوريث إلا بعد ثبوت موته أو طلاقه لما رواه الشافعى عن على رضى الله عنه
امرأة المفقود ابتليت فلتصبر حتى يأتى يقين موته و لحديث امرأة المفقود امرأته حتى
يأتيها البيان ۔ رواه الدارقطنى والبيهقى عن المغيرة بن شعبة لكن الشافعية
والحنابلة كالمالكية فى جواز تطليقها لعدم النفقة

و أما السوال الثالث: عن مسلمة فقدت زوجها فى بلاد اسلامية استولى
الكافر عليها وحازها وليس هناك حاكم اسلامى كيف تعمل إذا ارادت زواجها؟ فجوابه
مافى الشرح أقرب المسالك للدردير: أن زوجة المفقود فى ارض الاسلام تعتد عدة
وفاة ان رفعت أمرها للحاكم ان كان ثمه أو لجماعة المسلمين عند عدمه ولو حكماً
قال: كما فى زماننا بمصر اذ لاحاكم فيها شرعى فيكفى الواحد من جماعة المسلمين
ان كان عدلاً عارفاً شانه أن يُرجع إليه فى مهمات الامور بين الناس لامطلق واحد
وعند الحنابلة لا تفتقر امرأة المفقود إلى حكم حاكم البلدة كما فى كشاف القناع و
شرح المنتهى للشيخ منصور الحنبلى، وقول السائل: وفى أىّ قسم للمفقود يكون
هذا؟ جوابه هو أنه من الفقد فى بلد الاسلام إذا كانت شعائره فيها تقام۔
وفى حاشية الصاوى والدسوقى أن بلاد الاسلام لا تصير دار حرب بأخذ الكفّار لها

بالقهر مادامت شعائر الاسلام قائمة بها وعليه يكون اعتدادها عدة الوفاة بعد أربع سنين وانتهاء الكشوفات ويختص حكم المفقود بزوجته الساكنة فى بلاد الاسلام او فى التى استولى عليها الكفار مع إقامة شعائر الاسلام فيها بين الانام أما الساكنة فى البلاد الحربية الاصلية فلا موالاة لنا فى أمورها بالكلية .

أمّا السوال الرابع عن فسخ نكاح المفقود بعدم النفقة فى زمن التربّص والقعود فجوابه ما فى شرح الدردير وعبد الباقى والخرشى وغيرها أن المفقود انما يؤجل لامرأته مادامت نفقتها وإلّا طلقت عليه بعدم النفقة وقضى صلى الله عليه وسلم فى الرجل لا يجد ما ينفق على امرأته بأن يفرق بينهما - رواه الدارقطنى والبيهقى وذكره مالك والشافعى وعلماء الحنابلة عن سعيد بن المسيب واخبر ان ذلك من السنة وعلى ذلك المالكية والشافعية والحنابلة واستحسن متأخروا الحنفية نصب غير حنفى يحكم بذلك للضرورة فى حضور الزوج . ذكره صدر الشريعة والكواكيسى وابن عابدين وغيرهم .

أمّا السوال الخامس عن فسخ نكاح امرأة المفقود بخشية الفساد والزنا فجوابه ما فى حاشية العدوى على الرسالة والصاوى على أقرب المسالك وشرحه للدردير أن ضرب الاجل لامرأة المفقود إنما هو إذا دامت نفقتها من ماله ولم تخش الفتنة والزنا وإلّا فلها التطليق بعدم النفقة او بخوف الزنا .

أمّا السوال السادس وهو هل يصح تطليقها أو الفسخ بغير حاكم شرعى و كيف العمل فى ذلك فى البلاد الاسلامية التى تغلب عليها الكفار بالقوة الظلامية فجوابه ما فى الحاشية الصاوى المالكى على أقرب المسالك وكتب الشافعية أن الفسخ بعدم النفقة ونحوها إنما يكون بحكم الحاكم أو المحكم وان لم يكن حاكم فجماعة المسلمين العدول يقومون مقامه فى ذلك وفى كل أمر يتعذّر فيه الوصول إلى الحاكم العادل والواحد منهم كافٍ إن كان عدلاً عارفاً يرجع اليه فى المهمات عمرنا الله بخيره فى الحياة وبعد الممات . وصلى الله وسلم على صاحب المعجزات والكرامات .

العبد الفقير محمد الشهير بألفا هاشم بن احمد لازال
مع الاخوان فى عناية الصمد .

آخر الجواب

بعد النظر فی جمیع الفتاوی الواصلة من المدینة المنورہ فی الباب، أقول وباللہ التوفیق۔ فتوٰی علامہ سعید بن صدیق مالکی و فتوٰی علامہ محمد الفاہاشم مفتی مالکیہ مدینہ منورہ سے امور ذیل مستفاد ہوتے ہیں اور زوجۂ مفقود کے لئے اس کے موافق فتوٰی دینے کا مضائقہ نہیں۔

(۱) زوجۂ مفقود ارض حرب کے لئے جو حکم تعمیر ہے وہ مطلقاً نہیں بلکہ وجود نفقہ وصبر علی البقاء فی العصمة کے ساتھ مقید ہے اور اگر نفقہ نہ ہو یا ہو مگر زوجۂ مفقود بقاء فی العصمة پر صابر نہ ہو بلکہ اپنے نفس پر ابتلاء بالزنا کا اندیشہ رکھتی ہو تو اس کے لئے اس صورت میں حکم تعمیر نہیں بلکہ اس کے لئے حکم تطلیق ہے۔ ملاحظہ ہو فتوٰی علامہ سعید بن صدیق من قوله و حمل التأجیل المذکور ان کان للمفقود مال إلی قوله و ان دامت النفقة ولم تخش العنت فیؤجل الاجل المذکور و من قوله وأما زوجة مفقود ارض الشرك و مثلها زوجة الاسیر فانهما یبقیان لانقضاء مدة التعمیر إلی قوله وحمل بقائهما إن دامت نفقتهما بغیرها و الا فلها التطلیق۔ نیز ملاحظہ ہو فتوٰی علامہ محمد الفاہاشم من قوله اما مفقود أرض الشرك و الأسیر إلی قوله و إلا فلها التطلیق و إلی قوله تعمیره فی المال و الطلاق ممتنع ما بقی الانفاق» و من قوله اما السؤال الرابع عن فسخ نکاح المفقود بعدم النفقة إلی قوله و الا طلقت علیه بعدم النفقة و إلی قوله فجوابه ما فی حاشیة العدوی علی الرسالة و الصاوی علی أقرب المسالك وشرحه للدردیر أن ضرب الاجل لامرأة المفقود الخ

(۲) دار الاسلام میں بھی چار سال کی مدت مقرر کرنا اور اس کے بعد عدت وفات کا پورا کرنا اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ زوجۂ مفقود کے لئے نفقہ موجود ہو اور وہ اندیشۂ ابتلاء بالزنا سے محفوظ ہو۔ ملاحظہ ہو عبارات متقدمہ جن کا حوالہ عہ میں دیا گیا ہے اگر نفقہ موجود نہ ہو یا ہو مگر عورت بقاء فی العصمة پر صابر نہ ہو تو دار الاسلام میں بھی حکم تطلیق مثل زوجۂ مفقود دار الحرب ہے البتہ بقاء نفقہ وصبر علی البقاء فی العصمة کی صورت

عہ مراد مجموعہ عبارات ذیل ہے جس میں حکم تعمیر بھی ایک جزو ہے۔

میں دار الحرب و دار الاسلام کا حکم مختلف ہے اور دار الحرب میں اس صورت میں حکم تعمیر ہے اور دار الاسلام میں حکم یہ ہے کہ عورت جس وقت حاکم مسلم ومن بحکمہ کی طرف مرافعت کرے تو حاکم مسلم اول مفقود کی تلاش کرے اور مفتش کی اجرت بیت المال کے ذمہ ہے اگر بیت المال ہو ورنہ عورت کے ذمہ ہے پھر بعد یأس کے زوجۂ مفقود کے لئے چار سال کی مدت مقرر کرے بعد تمام ہونے چار سال کے عورت عدتِ وفات چار ماہ دس دن مع احداد کے پوری کرے اور عدت وفات کے لئے حکم حاکم ومن بحکمہ شرط نہیں ۔

(۳) حکم تطلیق زوجۂ مفقود ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اگر شوہر کا مقام معلوم ہو مگر نفقہ نہ پہنچاتا ہو جب بھی یہی حکم ہے ۔ ملاحظہ ہو فتویٰ علامہ سعید بن صدّیق من قوله ومثل المفقود من علم موضعه وشكت زوجته عدم النفقة إلى قوله بل ولو كان حاضرًا وعدمت النفقة الخ وفتویٰ علامہ محمد ہاشم الفا من قوله طريق تطليق زوجة المفقود الى آخر الكلام ۔

(۴) تطلیق یا فسخ بعدم النفقۃ یا بخوف ابتلاء بحکم حاکم مسلم ہوگا اگر حاکم مسلم نہ ہو تا بحکم محکم مسلم یا بحکم جماعت مسلمین عدول ہوگا ۔ اور ایک .... عادل مسلمان بھی حکم کرسکتا ہے جبکہ وہ ایسا شخص ہو جس کی طرف مہمات میں رجوع کیا جاتا ہو پھر یا تو حاکم مسلم (ومن بحکمہ) عورت پر خود طلاق واقع کردے یا اس کو اختیار دیدے کہ اپنے نفس پر طلاق واقع کرے اور حاکم مسلم (ومن بحکمہ) اس طلاق کو جائز کردے ۔ ملاحظہ ہو فتویٰ علامہ محمد الفا ہاشم کی الحاقی عبارت ۔ لیکن علامہ سعید بن صدّیق نے عدم نفقہ کی صورت میں تطلیق بلا تاجیل کو بھی جائز کہا ہے اور علامہ الفا ہاشم نے ایک ماہ کا انتظار یا جو مقدار اجتہاد حاکم میں مناسب ہو ضروری قرار دی ہے اور خوف عنت کی صورت سے علامہ سعید نے تعرض نہیں کیا کہ اس میں تاجیل ہے یا نہیں ۔ اور علامہ ہاشم نے کم از کم ایک سال تک صبر کرنا ضروری فرمایا ہے ۔ ملاحظہ ہو فتوی علامہ ہاشم کی عبارت الحاق وفتویٰ علامہ سعید بن صدیق من قوله وأما إن لم يكن له مال فلها التطليق عليه بالاعسار ومن غير تاجيل اور علامہ محمد طیب نے عدم نفقہ وخوفِ زنا دونوں حالتوں میں تطلیق بلا تاجیل بیان کی ہے وهذا لفظه وقال شراحه يعنى شراح مختصر الخليل قاطعة فان لم تدم نفقتها أو خشيت الفساد فلها التطليق بلا تاجيل الخ

واللہ تعالیٰ اعلم ۔

(۵) طریقۂ تطلیق یہ ہے کہ عورت حاکم مسلم یا جماعت مسلمین یا واحد عدل مرجوع الیہ فی المہمات کے سامنے دو شاہدوں کی شہادت سے اس بات کا ثبوت دے کہ فلاں شخص سے اس کا نکاح ہوا ہے وہ اس کا شوہر ہے اور وہ اتنی مدت سے غائب ہے اور اس کے لئے کچھ نفقہ نہیں چھوڑا، نہ کسی کو وکیل بالنفقہ بنایا اور نہ عورت نے نفقہ کو معاف وساقط کیا اور عدم عفو واسقاط پر حلف کرے اس کے بعد حاکم مسلم یا جو بحکم حاکم ہو یوں کہے کہ میں نے نکاح کو فسخ کر دیا یا یوں کہے کہ میں نے تجھ پر مفقود کی طرف سے طلاق واقع کر دی یا عورت کو امر کرے کہ تو اپنے اوپر طلاق واقع کر لے یا اپنے نکاح کو فسخ کر دے پھر حاکم مسلم عورت کے فعل پر فیصلہ وحکم کر دے۔ یہ صورت تو تطلیق و فسخ بعدم النفقہ کی ہے اور بصورت خوفِ زنا یہ حکم ہے کہ عورت اول شہادتِ شاہدین سے اپنی زوجیت مع الغائب کا ثبوت دے اور اس کی غیبت کو ثابت کرے اس کے بعد حلف کرے کہ میں اپنی عصمت کی حفاظت سے عاجز ہوں اور ابتلاء بالزنا کا اندیشہ قوی رکھتی ہوں۔ پس اگر عورت نے ایک سال تک صبر کر کے مرافعہ کیا ہو تب تو اس وقت حاکم مسلم ومن بحکمہ اس پر طلاق واقع کر دے یا اس کو ایقاعِ طلاق کا امر کرے اور اگر سال پورا نہ ہوا ہو تو اس کو ایک سال پورا کرنے کا امر کرے بعد سال تمام[1] ہونے کے پھر اس پر طلاق واقع کر دے یا اس کو ایقاع کا امر کرے اور حاکم مسلم ومن بحکمہ اس کے ایقاع کے بعد حکم طلاق کر دے اور اس کے بعد عورت عدتِ طلاق تمام کر کے دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے۔ ھذا ما ذکرہ العلامۃ محمد الفاھاشم فی فتواہ ص۴ عبارت الحاق ومثلہ فی فتویٰ سعید بن صدیق ص۱ عبارت مخطوطہ۔ ومثلہ فی فتوی العلامۃ محمد الطیب بن اسحاق ص۲ س۱۵ واللہ تعالیٰ اعلم۔

تتمہ : یہ حکم نکاح وطلاق زوجۂ مفقود کا ہے رہا تقسیم ترکہ ومیراث کا حکم تو اس میں مالکیہ وشافعیہ وحنابلہ سب کے سب حنفیہ کے موافق ہیں الا فی بعض صور المفقود وھو ما اذا کان الفقد فی حالٍ یغلب علی الظن ھلاکہ۔ فافہم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ

۴ رجب ۴۷ھ

[1] ھذا ما ذکرہ الفاھاشم و أما علی ما ذکرہ الآخران فلھا التطلیق بلا تأجیل کما مر ولکن الأحوط ما قالہ الفاھاشم إلا أن یضطر إلی العمل بقول الآخرین فلا بأس بہ أیضاً۔ ظفر

الجواب الاخیر صحیح
بندہ محمد مرتضیٰ حسن عفی عنہ

الجواب الاخیر صحیح
حسین احمد غفرلہٗ
صدر مدرس دار العلوم دیوبند

الجواب صحیح
محمد رسول خان عفا عنہ

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع غفرلہٗ

الجواب الاخیر صحیح
بندہ محمد ابراہیم عفی عنہ

الجواب الاخیر ھو الصحیح
محمد اعزاز علی غفرلہٗ

الحاق : طریق تطلیق زوجة المفقود أو الغائب الذی تعذر الارسال الیه أو أرسل إلیه فتعانت ان کان بعدم النفقة فان الزوجة تثبت بشاهدین أن فلانا زوجها وغاب عنها ولم یترك لها نفقة ولا وکیلاً بها ولا اسقطتها عنه و تحلف علی ذلك فیقول الحاکم فسخت نکاحه أو طلقتك منه أو یأمرها بذلك ثم یحکم به وهٰذا بعد التلوم بنحو شهر او باجتهاده عند المالکیة وفورًا اومتراخیاً عند الحنابلة وبعد ثلاثة أیام عند الشافعیة وان کان لخوفها الزنا و تفردها بعدم الوطیٔ و الغنا مع وجود النفقة و الغنا فبعد صبرها سنة فاکثر عند جل المالکیة وبعد ستة أشهر عند الحنابلة - وفقنا الله إلی الأعمال الزکیة -

العبد الفقیر محمد القاسم بن احمد

تلخیص المعلومات فی تلخیص المظلومات

سوال :- نحمدہٗ ونصلی علی رسوله الکریم - ما قولکم علماء دین (۱) زید کہتا ہے کہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ فلاں شخص اپنی بیوی کو چھوڑ کر بے یار و مددگار مفقود الخبر ہوگیا یا فلاں شخص اپنی بیوی سے بے پرواہ ہوگیا اور غیر عورت سے ناجائز تعلق پیدا کرلیا اور عورت گھر میں محبوس اپنی مصیبت کے دن بسر کر رہی ہے بالخصوص مفقود الخبر کی عورت کا تو کوئی دوسرا نکاح مذہب فقہ حنفیہ کی رُو سے ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ نہ تو شوہر نے طلاق دی اور نہ اس کے مرنے کی خبر مصدقہ طور پر معلوم ہوئی لھٰذا ضرورت ہے کہ عورتوں کو اس ضروری مسئلہ سے آگاہ کیا جائے وہ یہ ہے کہ شریعت صاف حکم کرتی ہے کہ اگر عورت نکاح کے وقت شوہر سے یہ شرط کرے کہ میں نکاح اس شرط پر کرتی ہوں کہ جب میں چاہوں گی خود طلاق لے لوں گی

اور مرد قبول کرے تو نکاح بھی صحیح ہو جائیگا اور نیز ایسی عورتوں کو حق حاصل ہوگا کہ جب اس قسم کی کوئی ایذا رسانی کا سامان بہم پہنچایا جائے اور بجز علیحدگی کوئی صورتِ مفر باقی نہ رہے تو عورت جب چاہے طلاق لے سکتی ہے۔ یہ مسئلہ تمام کتبِ فقہ میں موجود ہے۔ چنانچہ درمختار (باب الامر بالید) میں ہے: "نكحها على أن أمرها بيدها صح"

(شامی باب الامر بالید) مقيد بما اذا ابتدأت المرأة فقالت زوجت نفسی منك على أن امرى بيدى أطلق نفسی كلما أريد أو على أنی طالق فقال الزوج: فعلت۔

(البحرالرائق) فصل فی الامر بالید۔ ولو بدأت المرأة فقالت زوجت نفسی منك على أنی طالق أو على أن أمرى بيدى أطلق نفسی كلما أريد فقال الزوج: قبلت وقع الطلاق وصار الامر بيدها۔

(قاضی خان جلد ۱) فصل فی النكاح على الشرط: وان ابتدأت المرأة فقالت زوجت نفسی منك على أنی طالق أو على أن يكون الأمر بيدى أطلق نفسی كلما شئت فقال الزوج: قبلتُ جاز النكاح۔

(عالمگیری) الباب الثانی فيما ينعقد به النكاح ومالا ينعقد: ان ابتدأت المرأة فقالت زوجت نفسی منك على أنی طالق أو على أن يكون الأمر بيدى أطلق نفسی كلما شئتُ فقال الزوج: قبلتُ جاز النكاح ويقع الطلاق و يكون الامر بيدها۔

اور احتیاط یہ ہے کہ نکاح کے وقت یہ شرط کی جائے کہ فلاں فلاں اشخاص جو متدین اور معتبر ہوں ان کے ہاتھ میں عورت کا معاملہ ہوگا جب وہ چاہیں طلاق دیدیں اگر شوہر عورت کے حقوقِ زوجیت ادا نہ کرے یا تکلیف پہنچائے یا آئندہ جیسا موقعہ محل ہو تو عورت کو اختیار دیا جائے۔ زید کا یہ قول صحیح ہے یا نہیں؟ مع حوالۂ کتب تحریر فرمایا جائے میں نے مختصر کر کے لکھا ہے اصل کتاب جو زید نے چھپوا کر شائع کی ہے وہ بھی برائے مطالعہ ہدیۃً ارسال ہے واپس کرنے کی ضرورت نہیں۔ فقط

محمد احمد ناظم کتب خانہ احیاء الدین

محلہ شاہ گنج الہ آباد ۱۴۵

الجواب

اس رسالہ مرسلہ کو دیکھا گیا مسئلہ بالکل صحیح ہے ۔ واقعی عورتوں کی بہت سی تکالیف کا اس صورت میں انتظام وانسداد ہو جائے گا مگر اس مسئلہ " الامر بالید کے جزئیات بہت دقیق ہیں اس لئے ہر عورت کو وہ الفاظ بتلائے جائیں جن میں کوئی خلجان پیش نہ آئے ہمارے نزدیک بہتر لفظ یہ ہے کہ نکاح کے وقت عورت یا اس کا ولی یا عورت کا وکیل (قاضی نکاح خوان) یوں کہے کہ میں نے مسماۃ فلاں دخترِ فلاں کا نکاح تم سے کر دیا اس شرط پر کہ مسماۃ کو اختیار ہو کہ وہ جس وقت چاہے اپنے خاندان یا بستی کے دوسرے برآوردہ نیک آدمیوں سے مشورہ کو موافقتِ رائے کر کے اپنے اوپر ایک طلاق بائن ایک دفعہ واقع کرے بدون دوسرے برآوردہ نیک آدمیوں کے مشورہ اور موافقت رائے کے عورت کو یہ اختیار نہ ہوگا اھ اگر الفاظ اختیار مثلاً اس طرح ہوئے کہ اگر شوہر نے سال بھر نفقہ وغیرہ نہ دیا یا سال بھر غائب رہا یا اس نے دوسری عورت سے تعلق کر لیا تو مسمّاۃ کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا تو ان لفظوں سے جو اختیار حاصل ہوتا ہے وہ اس ساعت کے ساتھ مقید ہوتا ہے جس ساعت میں سال تمام ہو کر دوسرا سال شروع ہوا یا اس مجلس سے مقید ہوتا ہے جس میں دوسری عورت سے تعلق کا علم ہوا ہے اگر اس ساعت یا اس مجلس میں عورت نے اپنے اوپر طلاق واقع نہ کی تو اب اختیار اس کے ہاتھ میں نہ رہیگا ۔ اسی طرح بعض لوگ ایجاب وقبول کے وقت شرطِ اختیار کو ظاہر نہیں کرتے بلکہ نکاح سے پہلے کابین نامہ لکھواتے ہیں اور بعد نکاح کے شوہر سے دستخط کرا لیتے ہیں ۔ یہ صورت بھی بعض دفعہ بیکار ثابت ہوتی ہے اس لئے مناسب یہ ہے کہ شرط اختیار ایجاب وقبول کے ساتھ ساتھ ہو اور الفاظِ اختیار میں صیغۂ شرط عام ہو کہ جس وقت عورت چاہے ، اور ایک طلاق بائن سے زیادہ کا اختیار دینا فضول ہے اور ایک دفعہ سے زیادہ اختیار دینا بھی زائد از ضرورت ہے اور عورت کے سوا کسی دوسرے کو بھی اختیار دینا مضر ہے بلکہ عورت ہی کو اختیار دیا جائے مگر اس کے اختیار کو دوسرے برآوردہ نیک آدمیوں کے مشورہ وموافقت رائے سے مشروط کر دیا جائے ۔

الدلائل : قال فی العالمگیریة ص۸۶ ج۲ : إذا قال لها طلقی سواء قال لها إن

شئت أو لاهلها ان تطلق نفسها فی ذلك المجلس خاصةً وليس له ان يعزلها اھ

وفيه صـ۹۴ جـ۲ : الفاظ الشرط - إن و إذا - و إذاما - وكل وكلما - ومتى - ومتىما ففى هٰذه الالفاظ إذاوجد الشرط انحلت اليمين وانتهت لانها لا تقتضى العموم والتكرار فبوجود الفعل مرّة تم الشرط وانحلت اليمين فلا يتحقق الحنث بعده إلّا فى كلما لانها توجب عموم الافعال اھ

وفيه أيضاً : ولو قال لها : أنت طالق متى شئت اومتى ماشئتِ واذاشئتِ واذاما شئتِ فلها ان تشاأ فى المجلس وبعد القيام عن المجلس ولو ردت لم يكن ردًّا ولا تطلق نفسها إلا واحدة ولو قال : أنت طالق زمان شئتِ أوحين شئتِ فهو بمنزلة قوله إذا شئتِ فلا يقتصر على المجلس اھ صـ۸۹ جـ۲ ولو قال : إن شئتِ وشاء فلان تعلق بمشيتهما - كذا فى الكافى.

وفيه أيضاً : ولو قال : اذامضى هٰذا الشهر فأمرها بيد فلان فمضى الشهر فأمرها بيده فى مجلس علمه و إن علم بعدشهرين لأن التفويض معلق بمضى الشهر والمعلق بالشرط يصير مرسلاً عند وجود الشرط ولوارسل التفويض بعد مضى الشهر يقتصر على مجلس علمه فكذا هٰذا اھ صـ۸۲ جـ۲

ولو قال : أمرك بيدك إلى عشرة أيام فالأمر بيدها من هٰذا الوقت إلى مضى عشرة أيام و يحفظ قضاء العشرة بالساعات - والله تعالیٰ أعلم.

حرّره الاحقر ظفر احمد عفا عنه

ازتھانہ بھون - ۲۵ رمضان ۴۷ھ

تتمہ سوالِ مذکور

سوال :- ماقولکم علماء دین رحمکم اللہ - زید کہتا ہے کہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ بیچاری عورتیں شوہر کے ظلم سے پریشان رہتی ہیں اس طرح کہ کوئی شخص عورت کو چھوڑ کر مفقود الخبر ہو گیا اور عورت نہایت تکلیف و مصیبت سے گھر کی چار دیواری میں اپنے انتظار کے دن بسر کر رہی ہے اور مذہبِ حقہ حنفیہ کی رو سے اس کا کوئی دوسرا نکاح نہیں ہو سکتا کیونکہ نہ تو شوہر نے طلاق دی، نہ اس کے مرنے کی خبر مصدقہ طور سے معلوم ہوئی - نیز ایسا واقعہ بھی ہوتا رہتا ہے کہ فلاں شخص اپنی منکوحہ سے بے پرواہ ہو گیا غیر عورت سے ناجائز تعلق کر لیا نہ تو نان نفقہ کی کفالت

کرتا ہے نہ طلاق دیتا ہے۔ علی ہذا القیاس بہت سے واقعات ہیں کہ جس سے دل دُکھتا ہے اس لئے ضرورت سمجھی گئی کہ اس مسئلہ سے آگاہ کیا جائے وہ یہ ہے کہ اگر نکاح کے وقت عورت شوہر سے یہ شرط کرے (خواہ بذریعۂ وکیل یا خود) کہ میں نکاح اس شرط پر کرتی ہوں کہ جب میں طلاق چاہوں گی طلاق لے لوں گی اور مرد قبول کرلے تو نکاح بھی صحیح ہوجائیگا اور عورت کو بھی یہ حق حاصل رہے گا کہ جب اس قسم کی کوئی ایذارسانی کا سامان بہم پہنچایا جائے اور بجز علیحدگی کوئی صورتِ مفر باقی نہ رہے تو جب چاہے طلاق لے سکتی ہے اور یہ مسئلہ تمام کتبِ فقہ میں موجود ہے۔ بحر الرائق میں ہے: ولو بدأت المرأة فقالت: زوّجتُ نفسي منك على اني طالق أو على أن أمري بيدي أطلّق نفسي كلما أريد فقال الزوج: قبلتُ وقع الطلاق وصار الأمر بيدها (فصل فی الامر بالید۔ قاضی خان جلد اول) وان ابتدأت فقالت زوّجت نفسي منك على أني طالق أو على أن يكون الأمر بيدي أطلّق نفسي كلّما شئتُ فقال الزوج: قبلتُ جاز النكاح ويقع الطلاق ويكون الامر بيدها۔

(فصل فی النكاح على الشرط) عالمگیری الباب الثانی فيما ينعقد به النكاح وما لا ينعقد و إن ابتدأت المرأة فقالت زوّجت نفسي منك على أني طالق أو على أن يكون الامر بيدي أطلّق نفسي كلما شئتُ فقال الزوج: قبلتُ جاز النكاح و يقع الطلاق ويكون الامر بيدها۔ انتہی کلام زید۔

اور بکر کہتا ہے کہ افسوس ہے کہ زید نے تحقیق نہیں کی یہ قول جو اس نے نقل کیا ہے نہ تو امام اعظمؒ کا قول ہے نہ امام محمدؒ کا بلکہ یہ فقیہ ابو اللیثؒ کی رائے ہے۔

قاضی خان میں ہے: تزوّج امرأة على أنها طالقٌ أو على ان امرها بيدها ذكر محمّد في الجامع أنه يجوز النكاح و الطلاق باطل ولا يكون الأمر بيدها۔ وذكر في الفتاوى عن حسن بن زياد إذا تزوّج امرأة على أنها طالق إلى عشرة أيام أو على أن يكون الأمر بيدها بعد عشرة أيام ان النكاح جائز والطلاق باطل ولا تملك أمرها۔

عالمگیری میں ہے: رجلٌ تزوّج امرأة على أنها طالقٌ أو على أن امرها في الطلاق بيدها ذكر محمد في الجامع أنه يجوز النكاح والطلاق باطل۔

بحر الرائق میں ہے: تزوّج امرأة على أنها طالقٌ أو على أن أمرها بيدها تطلّق نفسها كلما تريد لا يقع الطلاق ولا يصير الأمر بيدها۔

تمام کتبِ فقہ میں ہے کہ عقد میں وہ شرط لگانا جو منافی عقد نکاح ہو وہ شرط قابلِ قبول نہیں لہٰذا زید نے جو نقل کی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ بکر کے قول کی مصلحت یہ ہے کہ اگر زید کے قول کو صحیح مانا جائے تو اس میں ایک فساد برپا ہو جائے گا وہ یہ کہ عموماً عورتوں میں آزادی کا مادہ آجکل موجود ہے بس وہ ذرا ذراسی بات پر طلاق لے لیا کریں گی اور شوہر بیوی میں جو تعلقات رہنا چاہیئے وہ نہ رہ سکیں گے۔ نیز بناچہرہ جو عورتوں کی آزادی کا خواہاں ہیں ان کو اور تقویت ہو جائیگی۔ نیز وہ عورتیں جن کا نکاح بالشرط نہیں ہو رہے وہ بھی طلاق لے لیا کریں گی اگرچہ ان کا طلاق لینا زید کے قول پر صحیح نہ ہوگا مگر غلط فہمی سے شوہر بیوی میں جھگڑا پڑ جائیگا۔ علیٰ ھٰذا القیاس اور بہت سے فساد پیدا ہوں گے۔ غرض یہ کہ عورتیں آزاد ہو جائیں گی اور وہ مرد جو عورتوں پر ظلم کرتے ہیں ان کے لئے قاضی مقرر ہو جو ان کا فیصلہ کر دیا کرے تو کوئی فساد نہ رہے۔ انتہی کلام بکر۔

سائل عرض کرتا ہے کہ اس مسئلہ میں یہاں دونوں طرف سے مضمون شائع ہو گئے ہیں کوئی امر محقق طے نہیں ہوتا ہے عوام سخت خلجان میں ہیں ایک کا معتقد دوسرے کی بدگوئی کرتا ہے اس لیے احقر نے جناب والا کو یہ تمام تحریر نقل کر کے تحقیق اصل مسئلہ کی چاہی ہے۔ حضرت کے نزدیک جو امر محقق اور مفتٰی بہ ہو مع حوالہ کتب تحریر فرمایئے تاکہ یہاں الہ آباد میں جو جناب کے خدام ہیں ان کو خصوصاً اور دوسرے لوگوں کو عموماً اطمینان حاصل ہو اللہ تعالےٰ جناب کو اجر عظیم عطا فرمادے۔ السائل: عبدالودود

رانی منڈی الہ آباد فاسٹ کمپنی۔ درزی کی دکان

الجواب

بکر نے مسئلہ میں غور نہیں کیا اور قاضی خان وغیرہ کی ادھوری عبارتیں نقل کر کے خواہ مخواہ لوگوں کو مغالطہ میں ڈالا۔ دراصل جس صورت میں طلاق اور تفویض کو باطل کہا گیا ہے یہ وہ صورت ہے جبکہ مرد ابتداءً یوں کہے کہ میں تجھ سے نکاح کرتا ہوں اس شرط پر کہ تجھے اپنی ذات کے معاملہ میں اختیار ہوگا اور عورت بعد میں یوں کہے کہ میں نے قبول کیا تو اس صورت میں نکاح صحیح اور تفویض باطل ہے اور اگر عورت کی طرف سے ابتداءً ہو کہ عورت ابتداءً یوں کہے کہ میں تجھ سے نکاح کرتی ہوں اس شرط پر کہ مجھے

اپنے معاملہ کا اختیار ہوگا کہ جب چاہوں طلاق لے لوں تو اس صورت میں جب مرد اس کو بعد نکاح قبول کریگا تو نکاح اور شرط دونوں صحیح ہیں بکر کا یہ کہنا کہ یہ قول صرف فقیہ ابو اللیث کی اپنی رائے ہے بالکل غلط ہے یہ محض اگر ابو اللیث کی رائے ہے اور مذہب ابو حنیفہ و محمد و ابو یوسف اس کے خلاف ہے تو وہ اس صورتِ خاص میں جبکہ شرط کی ابتداء عورت کی طرف سے ہو اور مرد بعد میں قبول کرے کوئی جزئیہ دکھلادے جس میں تصریح ہو کہ نکاح اور شرط دونوں باطل یا صرف شرط باطل ہے اور نکاح صحیح ہے مگر وہ ہرگز اس کی جرأت نہیں کرسکتا اور جتنے جزئیات بکر نے پیش کئے ہیں وہ اس صورت میں ہیں جبکہ بداءت بالشرط مرد کی طرف سے ہو اور زید نے جس صورت کا اعلان کیا ہے وہ وہ ہے جس میں بداءت بالشرط عورت کی طرف سے ہے ۔ چنانچہ زید نے اپنے رسالہ میں جو عبارات فقہیہ بعبارت عربیہ نقل کی ہیں ان میں بداءت بالشرط من الرجل وبداءت بالشرط من المرأة کے احکام مختلف ہونے پر اشارہ موجود ہے البتہ اتنی کمی رہ گئی کہ زید نے اردو میں اس فرق پر تنبیہ نہیں کی تاکہ ناقص الاستعداد بھی فرق کو سمجھ جائے ۔

خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے : لو بدأت المرأة فقالت : زوّجتُ نفسی منك علی أنی طالقٌ أو علی أن الأمر بیدی أطلق نفسی کلما أرید فقال الزوج : قبلتُ وقع الطلاق وصار الأمر بیدها و مطلقة الثلاث ینبغی أن تقول ھکذا حتی ینقطع طمع المحلل اھ ص۲۹ ج۲

قاضی خان میں ہے : وعن ھذا قالوا : مطلقة الثلاث إذا أرادت أن تزوج المحلل وخافت أن لا یطلقھا فالحیلة لھا فی ذلك أن تقول زوّجت نفسی منك علی أن أمری بیدی أطلق نفسی کلما أرید ثم یقبل الزوج فیکون الأمر بیدھا بعد النکاح تطلق نفسھا متی شاءت اھ (ص ۱۵۵ - ج ۱) خلاصہ میں ابتداءِ تعلیق من المرأة کی صورت کو بدون ذکر اختلاف بیان کیا ہے اسی طرح خلاصہ میں اور قاضی خان میں مطلقۃ الثلاث کے مسئلہ کو جزماً بدون ذکر خلاف بلکہ سب فقہاء و مشائخ کی طرف منسوب کر کے ذکر کیا ہے پس اس کو صرف فقیہ ابو اللیث کی رائے بتلانا غلط ہے اور بکر نے جو یہ قاعدہ کلیہ بیان کیا ہے کہ عقد میں وہ شرط لگانا جو منافی عقد ہو قابلِ قبول نہیں "کلمۃ حقٍّ أرید بھا الباطل" کا مصداق ہے ۔ نکاح میں اصل یہ ہے کہ نکاح کو معلق

بالشرط کرنا تو باطل ہے اور مقرون بالشرط کرنا جائز ہے۔ معلق بالشرط تو بالکل باطل ہے کہ اس صورت میں نکاح ہی نہ ہوگا جیسے یوں کہے کہ میں نکاح کرتا ہوں اگر میرا باپ راضی ہو یا عورت یوں کہے کہ میں قبول کرتی ہوں اگر میرا باپ راضی ہو مثلاً۔ اور مقرون بالشرط میں حکم یہ ہے کہ شرطِ صحیح کے ساتھ نکاح مقرون ہو نکاح بھی صحیح اور شرط بھی، اور شرط فاسد کے ساتھ مقرون ہو تو نکاح صحیح اور شرط لغو ہے۔ مثلاً یوں کہے کہ میں اس شرط سے نکاح کرتا ہوں کہ عورت کے لئے مہر نہ ہوگا تو نکاح صحیح اور شرط باطل ہے اور شوہر کے ذمہ مہر مثل ہوگا گو عورت نے عدم مہر کی شرط کو قبول بھی کر لیا ہو کیونکہ نکاح بلا مہر امت کے لئے مشروع نہیں اب اگر بکر کے نزدیک نکاح بشرط تفویضِ طلاق میں اس لئے شرط باطل ہے کہ وہ اس شرط کو فاسد سمجھتا ہے تو اس کے فساد کی دلیل بیان کرے کیا اس کے نزدیک نکاح کے اندر طلاق مشروع نہیں یا تفویض الی المرأۃ جائز نہیں یقیناً ہر شخص جانتا ہے کہ شریعتِ اسلامیہ میں جس طرح نکاح مشروع ہے طلاق بھی مشروع ہے اور جس طرح بعض اوقات نکاح واجب ہو جاتا ہے اسی طرح بعض دفعہ طلاق بھی واجب ہو جاتی ہے جبکہ مرد حقوق ادا کرنے سے عاجز ہو جائے اور عورت صبر نہ کرنا چاہے۔ جب یہ ہے تو وہ اس شرط کو کس دلیل سے فاسد کہتا ہے اور کیا اس کے نزدیک بیع بشرط الخیار[1] صحیح نہیں اور کیا شرط خیار سے من لہ الخیار کو بیع کے ابقاء و فسخ کا اختیار حاصل نہیں ہوتا اگر بیع میں شرط خیار جائز اور من لہ الخیار کو اس سے ابقاء و فسخ عقد کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے تو نکاح میں اگر عورت یہ شرط کرلے کہ مجھے اختیار ہوگا جب چاہوں اپنے اوپر طلاق واقع کرلوں تو اس کے باطل کرنے کی کیا وجہ ہے۔ نیز وہ بتلائے کہ نکاح سے پہلے اجنبیہ کی طلاق کو معلق علی النکاح کرنا صحیح ہے یا نہیں مثلاً اِن تزوّجتکِ فانتِ طالِقٌ۔ پھر اس میں اور صورتِ متنازعہ میں کیا فرق ہے اگر شرط طلاق نکاح سے جمع نہیں ہوسکتی تو یہ تعلیق باطل ہونا چاہیئے اخیر میں ہم بکر کو بتلانا چاہتے ہیں کہ نکاح بشرط تفویض الی المرأۃ جبکہ ابتداء بالشرط عورت کی طرف سے ہو صرف فقیہ ابو اللیث کا

---

[1] اس تمثیل سے یہ مقصود نہیں کہ جو احکام بیع بشرط خیار کے ہیں بعینہٖ وہی احکام نکاح میں جائز ہیں بلکہ صرف یہ مقصود ہے کہ بکر کا نکاح بشرط تفویض مشروط بشرط منافی کہنا غلط ہے کیونکہ یہ نظیر بیع بشرط خیار کی ہے اور اس کو کسی نے شرط فاسد یا شرط منافی نہیں کہا۔ منہ

قول نہیں بلکہ فقیہ نے صرف بداءت من المرأۃ وبداءت من الزوج کے فرق کو ظاہر کیا ہے ورنہ نفسِ مسئلہ کہ اگر بداءت من المرأۃ ہو تو نکاح وشرط دونوں صحیح اور بداءت من الزوج ہو تو نکاح صحیح اور شرط لغو ہے، مسلّم بین الفقہاء ہے۔ فقیہ نے ان دونوں صورتوں میں فرق کو واضح کردیا ہے۔ ملاحظہ ہو عالمگیری۔

وفی الھندیۃ: کتاب الحیل ص۶۴ ج۶ وحیلۃ اخری فی اصل المسئلۃ أن تقول المرأۃ لمحلل زوّجتُ نفسی منك علی أن أمری بیدی أطلق نفسی کلّما أرید ثم یقبل الزوج فیصیر الامر بیدھا تطلق نفسھا کلما أرادت ولو بدأ المحلل فقال تزوّجتك علی أن أمرك بیدك تطلق نفسك کلما تریدین فقبلت صحّ النکاح ولایصیر الأمر بیدھا وحیلۃ أخری أن یقول المحلل للمرأۃ تزوّجتك علی أن أمرك بیدك بعد ما تزوّجتك وطلّقی نفسك کلما تریدین فقالت المرأۃ قبلت یصیر الأمر بیدھا أیضاً اھ

کتاب الحیل میں زوجۃ المحلل کے لئے یہ حیلہ بلا ذکر خلاف مذکور ہے جس کو فقیہ ابو اللیث کے ساتھ خاص کرنا کسی طرح درست نہیں۔ اب فقیہ نے بداءت من المرأۃ وبداءت من الزوج کے حکم میں اختلاف کی یہ وجہ بیان کی ہے:

لأن البداءۃ إذا کانت من الرجل کان الطلاق والتفویض قبل النکاح فلا یصح أمّا إذا کانت من المرأۃ یصیر التفویض بعد النکاح لأن الزوج لما قال بعد کلام المرأۃ قبلت والجواب یتضمن إعادۃ ما فی السوال صار کأنہ قال قبلت علی أنك طالق أو علی أن یکون الأمر بیدك فیصیر مفوضاً بعد النکاح اھ قاضی خان (ص۲۹ ج۲) وشامی (ص۶۹۹ ج۲) قلت: ولذا ان قال الزوج ابتداءً تزوّجتك علی أن أمرك بیدك بعد ما تزوّجتك وقبلت یصیر الامر بیدھا أیضاً لکونہ علّق التفویض علی النکاح فیکون مفوضاً بعدہٗ لا قبلہ فافھم۔

رہا بکر کا یہ کہنا کہ اس مسئلہ کو صحیح مان لیا جائے تو فساد برپا ہو جائیگا کیونکہ عورتوں میں آزادی کا مادہ آجکل موجود ہے اور نئے چہرے کی اس سے تائید ہوگی جو آزادی نسواں کے خواہاں ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ یہ فساد اس مسئلہ کی صورت پر متفرع نہیں کیونکہ یہ مسئلہ تو کتب میں بہت عرصہ سے موجود ہے اور اب تک اس سے کوئی فساد نہیں ہوا فساد کا اصلی

سبب عورتوں کی اصلاح و تعلیم کا اہتمام نہ کرنا ہے۔ نیز مردوں کا دین سے آزاد ہونا اور بہت سے بہت اگر اس مسئلہ کی وجہ سے کچھ فساد ہوگا بھی تو کیا ہوگا اس سے زیادہ تو نہ ہوگا کہ عورت جب چاہے گی طلاق لے لیگی تو طلاق لے لینا کچھ فساد نہیں اور اس سے زیادہ فساد یہ ہو سکتا ہے کہ طلاق کی کثرت ہو جائے گی تو نکاح و طلاق کی کثرت بھی فساد نہیں بلکہ کثرتِ زنا فساد ہے اور اس مسئلہ کی اشاعت سے زنا کا انسداد ہو جائے گا کیونکہ جو عورت مرد سے راضی نہ ہوگی یا مرد اس کو تنگ کریگا یا نفقہ نہ دیگا وہ ان صورتوں میں بسہولت اس کے نکاح سے آزاد ہو کر دوسرا نکاح کر سکے گی یہ تو نہ ہوگا کہ عورت مفقود و زوجۂ العنّین و زوجۂ الظالم خواہش نفس سے مجبور ہو کر دوسرے شخص سے ناجائز تعلق کر لیتی ہے اس کی کیا وجہ کہ بکر کو مردوں کی اس بے رحمی پر غصہ نہیں آتا اور عورتوں کی مظلومیت دور ہونے سے وہ ناخوش ہے اور جو صورت بکر نے عورتوں کے لئے بیان کی ہے کہ ہندوستان میں قاضی مقرر کیا جائے سو اول تو یہ علماء کے ہاتھ میں نہیں برسوں سے علماء حکومت کو اس طرف متوجہ کر رہے ہیں مگر حکومت توجہ نہیں کرتی اور قاضی مقرر ہو جانے کے بعد بھی عورتوں کی تکالیف کا بالکلیہ انسداد نہیں ہو سکتا گو ایک حد تک کم ہو جائیں گے کیونکہ قضاۃ و حکام کا مرتشی نہ ہونا یہ بکر کے ہاتھ میں نہیں اور کسی کے بھی قبضہ میں نہیں۔ اب اگر قاضی مرتشی ہو اور اس نے مرد سے رشوت لے کر عورت کی فریاد پر توجہ نہ کی تو کیا سبیل ہوگی اس لئے بہتر صورت یہی ہے جو زید نے بیان کی ہے اور اگر ہم تسلیم کر لیں کہ زید نے جس مسئلہ کو ظاہر کیا ہے اس سے فساد بھی برپا ہوں گے تو یہ فساد نفس مسئلہ کی صحت کا نتیجہ نہیں بلکہ اس مسئلہ کی اشاعت کا نتیجہ ہوگا۔ پس بکر کو لازم تھا کہ نفسِ مسئلہ کا ابطال نہ کرتا بلکہ زید سے یوں کہتا کہ مسئلہ تو صحیح ہے مگر یہ زمانہ اس کی اشاعت کا نہیں کیونکہ اس پر یہ فسادات متفرع ہوں گے مگر اس کے بعد بکر کو ان فسادات کا بھی کوئی سہل انتظام بتلانا چاہیے جو مردوں کے ظلم اور بے پروائی سے عورتوں میں رونما ہو رہے ہیں کہ تمام مدارس کے مفتی عورتوں کی فریاد سنتے سنتے تھک گئے۔ واللہ المستعان فقط

ظفر احمد عفا عنہ۔ از تھانہ بھون
۲ ر ذی قعدہ ۴۷ھ

الجواب صحیح
اشرف علی
۲۲ ر ذی قعدہ ۴۷ھ

واپسی مفقود کی ایک صورت کا حکم

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ کلثوم حنفی المذہب کا شوہر سولہ برس سے مفقود الخبر رہا اور مفقود الخبری سے سات برس بعد اس نے فتوی لے کر اپنے شوہر کے حقیقی چھوٹے بھائی سے نکاح کر لیا اور اس شوہر کے نطفہ سے دو بچے موجود ہیں۔ پہلا شوہر اب آیا اور عورت کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہے اور عورت اس کے ساتھ رہنے پر رضامند ہے تو اب عورت کو اس کے ساتھ رہنا چاہیئے یا نہیں اگر رہنا چاہیئے تو کیا اس کے ساتھ دوبارہ نکاح کرنے کی ضرورت ہے یا وہی اول نکاح کافی ہے ؟
واضح رہے کہ عورت اپنے پہلے شوہر کے ساتھ دو چار مرتبہ رہی۔ جواب باصواب عنایت فرمائیں۔ سائل : اللہ دین سبزی فروش محلہ حیدر گنج صدر ضلع سلطان پور اودھ

الجواب

یہ عورت اپنے پہلے شوہر کے ساتھ ہی رہے دوسرے شوہر سے الگ ہو جائے پہلے شوہر کے پاس رہنے کے واسطے دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں بلکہ پہلا نکاح باقی ہے لیکن اس عورت کو دوسرے شوہر سے الگ ہو کر عدّت گزارنا ضروری ہے بدون عدّت گزارے ہوئے پہلے شوہر کے پاس نہ جائے اور عدّت اس کی تین حیض ہے اگر حمل نہ ہو اور حمل ہو تو عدّت وضع حمل ہے اور دوسرے نکاح کے بعد جو اولاد ہوئی ہیں وہ دوسرے شوہر کی اولاد ہیں اور حلالی ہیں جو دوسرے شوہر کی وارث شرعی ہیں۔ فقط

ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون
۲۹ ربیع الثانی ۴۸ھ

حکم زوجۂ مجنون

سوال : ایک دوست کی سالی ہے اور اس کے شوہر کو عرصہ گیارہ بارہ سال کا ہوا پاگل ہو گیا ہے کبھی تو گفتگو ہوشیاروں کی سی کرتا ہے کبھی بالکل پاگلوں کی سی۔ مسماۃ علیحدہ ہیں اور کئی بچے بھی ہیں، مسماۃ کی عمر ۲۵ سال ہے۔ کیا اس کی علیحدگی کی کوئی شرعی صورت ہو سکتی ہے ؟ ایک صاحب کہتے ہیں کہ عدالت سے تو علیحدگی ہوگی وہ ہندو کی عدالت ہے یا انگریز کی مسلمان کی نہیں

کیا کوئی صورت ایسی ہوسکتی ہے کہ شرعی علیحدگی تو یہاں ہوجائے اور عدالتی عدالت میں بسماۃ واقعی بہت پریشان ہیں اکثر ملاقات کے وقت وہ دوست تذکرہ کرتے ہیں اور پریشانی بیان کرتے ہیں۔ آپ غور کریں اگر کوئی صورت سمجھ میں آجائے تو اس سے مطلع فرمادیں۔

المرسل : محمد عثمان دریبہ کلاں دھلی

الجواب

اگر مجنون ایک مرتبہ بھی ہم بستری کرچکا ہو خواہ جنون سے قبل یا جنون کے بعد تو پھر اس عورت کو تفریق کا حق نہیں رہتا۔ بس صورت مسئولہ میں جب وہ صاحب اولاد ہے تو تفریق کا حق حاصل نہیں، نہ غیر مسلم حاکم کرسکتا ہے نہ مسلم حاکم۔ اور غیر مسلم حاکم کی کسی صورت میں بھی تفریق معتبر نہیں۔ اور یہ صورت بھی کافی نہیں کہ شرعی فیصلہ عالم کردے اور تفریق غیر مسلم حاکم کردے الا آنکہ وہ حاکم کسی عالم کو اختیار فیصلہ کا باقاعدہ دیدے۔

فقط والسلام ۔ احقر عبدالکریم عفی عنہ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۱۲ رجب ۴۸ھ

ایضاً ایضاً ایضاً سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید ہندہ سے نکاح کرنے کے پندرہ سولہ روز کے بعد سفر کو چلا گیا ایک سال کے بعد وہ سفر سے مجنون ہوکر گھر واپس آیا اور اسی حالت پر اس کو متواتر پانچ سال گزر گئے ہیں کہ اس کو اپنی زوجہ سے کسی قسم کا تعلق زوجیت نہیں ہے لہذا ہندہ اپنے مجنون زوج کے زیر نکاح رہنے میں اس کے مجنون ہونے کے بعد ہی سے لے کر اس وقت تک برابر ناراضگی ظاہر کرتی ہے۔ حتیٰ کہ اولیاء جب زوج کے مکان پر جانے کے لئے مجبور کرتے ہیں اس وقت جواب دیتی ہے کہ میں خودکشی کرلوں گی مگر اس زوج کے مکان پر ہرگز نہیں جاؤں گی اور ہمیشہ یہ چاہتی ہے کہ کسی طرح اس زوج سے نکاح فسخ ہوجائے۔ اب استفتاء اس امر کا ہے کہ مطابق مذہب حنفی کے اس زوجہ سے نکاح فسخ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اگر ہوسکتا ہے تو اس کو مفصلاً دلائل وبراھین کے ساتھ تحریر فرمایا جائے۔ بینوا

توجروا ۔ المستفتی : محمد عنبر علی عفی عنہ

الجواب وهو الموفق للصواب

امام ابو حنیفہ وامام ابو یوسف علیہما الرحمۃ کے نزدیک تو مجنون کی زوجہ کا نکاح جنون کی وجہ سے فسخ نہیں ہو سکتا اور عموماً کتب فقہ میں انہیں کے مذہب کو لیا ہے۔ فتح القدیر نے اس کی ادلہ اور اس کے خلاف کی ادلہ کا جواب نہایت بسط سے دیا ہے۔ شامی نے بھی اس کو پسند کیا ہے۔ غرض حنفیہ کا قوی وراجح مذہب یہی ہے کہ جنون موجب فسخ وتفریق نہیں ہے۔ البتہ امام محمدؒ کے نزدیک جنون کی وجہ سے تفریق ہو سکتی ہے اور بعض فقہاء نے اس پر فتویٰ بھی دیا ہے۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے :

قال محمد : إن كان الجنون حادثاً يؤجله سنة كالعنة ثم تخير المرأة بعد الحول إذا لم يبرأ او ان كان مطبقاً فهو كالجب، وبه نأخذ كذا فى الحاوى القدسى (ص۱۵۷ ج۲)

اس لئے اس قول کو لینے کی بھی گنجائش ہے اور تفریق کا طریقہ یہ ہے کہ عورت قاضی کے پاس درخواست دے، قاضی مجنون کو ایک سال مہلت علاج کے واسطے دے دے۔ بعد ایک سال گزر جانے کے دیکھا جائے اگر تندرست ہو جائے تو فبہا ورنہ عورت اگر چاہے تو تفریق کردی جائے اور تفریق کے بعد عدت گزار کر کسی شخص سے نکاح ہو سکتا ہے اور گو اس ملک میں بقاعدۂ شرعیہ قاضی نہیں ہیں لیکن جو مسلمان حاکم ایسے امور کا فیصلہ کرنے کے واسطے سرکار کی طرف سے اختیار رکھتے ہیں وہ بھی مثل قاضی کے ہیں اس واسطے ایسے جج وغیرہ کے ہاں درخواست دی جائے۔ اور اگر اس جگہ کوئی مسلمان حاکم ایسا نہ ہو جو شریعت کے موافق فیصلہ کر سکے تو پھر اس صورت میں فقہ حنفی کی رو سے تو کوئی صورت تفریق کی معلوم نہیں ہوتی البتہ مالکیہ کے نزدیک ایسی صورت میں دیندار مسلمانوں کی پنچایت جس میں کوئی معاملہ فہم عالم بھی ہوں ایسے امور کا فیصلہ کر سکتی ہے۔

كما قال الخليل فى مختصره : ولزوجة المفقود الرفع للقاضى والوالى ووالى الماء والا فجماعة المسلمين اھ (از فتویٰ سعید صدیق مدنی)

اور ضرورت کے موقعہ پر دوسرے ائمہ کے مذہب پر فتویٰ ہو سکتا ہے جبکہ اپنے مذہب میں کوئی گنجائش نہ نکل سکے اس واسطے اگر اس علاقہ میں مسلمان حاکم ان امور میں اختیار رکھنے والا نہ ہو تو

محلہ یا شہر کی پنچایت میں معاملہ پیش کردیا جائے وہ باقاعدہ تحقیقات کرکے ایک سال کی میعاد مقرر کردیں اور سال گزرنے پر پھر جمع ہوکر زوج کے حال کی تفتیش کی جائے اگر اس کا جنون زائل نہ ہوا ہو تو عورت کو اس کے نکاح سے الگ کردیا جائے اور اس تمام کارروائی میں کم از کم ایک معاملہ فہم عالم پنچایت کے ہمراہ ضرور ہو۔ فقط واللہ اعلم۔

تنبیہ ضروری: امام محمدؒ کے قول میں کہ جس کو لیکر یہ فتویٰ دیا گیا ہے جنونِ حادث ومطبق کا حکم جداگانہ لکھا ہوا ہے مگر ہم نے مطلقاً ایک سال کی مہلت لکھی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جنون مطبق کی تفسیر نماز روزہ اور زکوٰۃ وغیرہ کے بارہ میں تو موجود ہے مگر زوجۃ المجنون کے بارے میں جنون مطبق کی تفسیر کہیں نہیں ملی اور قیاس کی جرأت نہیں ہے خاص کر جب مطبق کو حادث کا مقابل گردان کر کہیں تفسیر نہ ہو اور محض مطبق کی تفسیر سے یہ لازم نہیں آتا کہ حادث کے مقابلہ میں جب مطبق ہو تب بھی اس کی تفسیر یہی ہے پس احتیاط اس میں ہے کہ مطلقاً تاجیل پر عمل کیا جائے خصوصاً جبکہ پنچایت فیصلہ کرنے والی ہو کیونکہ پنچایت کا فیصلہ معتبر ہونا فقہ حنفی میں تو ہے نہیں فقہ مالکی سے اس کا فتویٰ دیا گیا ہے اور مالکیہ کے مذہب میں جنونِ مطبق وغیر مطبق میں کوئی تفصیل نہیں بلکہ صاحبِ تحفہ نے لکھا ہے: وھو معنی قول خلیل و مجنونھما وان مرّۃ فی الشھر قبل الدخول وبعدہ الخ

(از فتویٰ صالح تونسی مدرس مسجد نبوی) فقط واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبدالکریم از خانقاہ امدادیہ
تھانہ بھون - مورخہ ۱۰ ارجمادی الثانی ۱۳۵۰ھ

فصل فی احکام الحرمۃ المصاھرۃ

سوتیلی ماں کے مس کرنے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی پہلی بیوی مسماۃ زینب ایک لڑکا مسمیٰ خالد کو چھوڑ کر مرگئی تو زید نے اپنا نکاح ثانی ہندہ سے کیا اور کچھ دنوں کے بعد زید اپنا بیٹا خالد جس کی عمر ۲۵ سال ہے اور بیوی ثانی ہندہ کو چھوڑ کر پردیس چلا گیا تو بارہا دیکھا گیا کہ خالد اپنی سوتیلی ماں ہندہ کی چارپائی پر راتوں کو سورہا ہے اور اکثر مکان خلوت میں دونوں رہا کئے یہاں تک کہ غلبۂ نیند سے صبح ہوگئی اور دونوں ایک ہی

چارپائی پر دونوں پائے گئے اس حرکت سے خالد پر زنا کا جرم عائد ہوتا ہے یا کس گناہ کا مرتکب ہوگا اور ہندہ اپنے شوہر زید کی قابل ہے یا حرام ہوگئی ؟

سائل : مخلص حسین مدرس مدرسہ اسلامیہ
قصبہ جلال پور ضلع فیض آباد

الجواب

صورتِ مسئولہ میں خالد پر زنا کی تہمت بلا ثبوت شرعی کے نہیں لگائی جاسکتی۔ اور ہندہ اپنے شوہر پر جب حرام ہوگی جبکہ چند باتوں میں سے ایک بات ثابت ہو جائے

۱ یہ کہ خالد نے ہندہ کو یا ہندہ نے خالد کو شہوت کے ساتھ چھوا تھا اور جس حصہ جسم کو چھوا تھا وہ موٹے کپڑے سے مستور نہ تھا

۲ یا یہ کہ خالد نے ہندہ سے معانقہ کیا تھا اور معانقہ کے وقت اس کے عضو میں انتشار تھا۔

۳ یا ایک نے دوسرے کا بوسہ لیا تھا۔

۴ یا خالد نے ہندہ کے پستان چھوئے تھے۔

قال فی العالمگیریة : (ص ۵ و ۶ و ۷ - ج ۲) ولا تثبت بالنظر الی سائر الاعضاء إلّا بشھوة ولا بمس سائر الأعضاء إلا عن شھوة بلا خلاف۔ کذا فی البدائع

و فیه أیضاً : ثم لا فرق فی ثبوت الحرمة بالمسّ بین کونه عامداً أو ناسیاً أو مکرھاً أو مخطئاً۔ کذا فی فتح القدیر۔ أو نائماً۔ کذا فی معراج الدرایة۔ و اذا اقبّلها ثم قال لم یکن عن شھوة أو لمسھا أو نظر إلی فرجھا ثم قال لم یکن بشھوة فقد ذکر الصدر الشھید فی التقبیل یفتی بثبوت الحرمة مالم تتبیّن أنّه قبّل بغیر شھوة و فی المسّ و النظر لا یفتی بالحرمة إلا إذا تبیّن أنه فعل بشھوة لأن الاصل فی التقبیل الشھوة بخلاف المس والنظر۔ کذا فی المحیط۔ ولو أخذ ثدیھا وقال : ما کان عن شھوة لا یصدق لأن الغالب خلافه۔ و فی البقالی و یصدق إذا أنکر الشھوة فی المس إلا أن یقوم وآلته منتشرة فیعانقھا۔ کذا فی المحیط اھ

پس اگر ان تین باتوں میں سے ایک کا بھی ثبوت ہوگیا تو ہندہ زید پر حرام ہوگئی

اور اگر یہ باتیں ثابت نہ ہوئیں اور نہ ہندہ و خالد نے اقرار کیا تو زید کو اپنے وجدان سے اگر ظن غالب یہ ہو کہ ہندہ و خالد بہ نیتِ فاسد ایک پلنگ پر لیٹے تھے تو اس کو ہندہ کو طلاق دیدینا چاہئے۔ اور اگر ایسا گمان نہ ہو تو نکاح باقی ہے۔ واللہ اعلم

ظفر احمد

خسر کے اپنی بہو سے زنا کرلینے سے فسخ نکاح کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ چھکن کا نکاح بزمانہ نابالغہ ہمراہ مسمّٰی عمر پسر عبد الغنی سے ہوا تھا اس وقت مسماۃ چھکن بعمر سولہ سالہ ہے اور وہ بالغہ ہوگئی اور مسمّٰی عمر بعمر ۱۲ سال نابالغ ہے۔ مسماۃ چھکن سے اس کا خسر زنا کرتا ہے اور جس کے زنا کرنے کی تصدیق زوجۂ خسر و داماد خسر و دیگر معتبر مردمان سے ہوئی تو کیا از روئے شریعت مسماۃ چھکن کا نکاح ہمراہ عمر اس کے شوہر کے رہا یا نہیں؟ از طرف مسماۃ سونی۔ پانی پت مخدوم زادگان

الجواب

قال فی الدر: وبحرمة المصاهرة لا یرتفع النکاح حتی لا یحل لها التزوج بآخر إلا بعد المتارکة وانقضاء العدة اھ

وفی الشامیة: (قوله إلا بعد المتارکة) أی وإن مضی علیها سنون کما فی البزازیة وعبارة الحاوی إلا بعد تفریق القاضی أو بعد المتارکة اھ (ص ۴۶۳ ج-۲)

وفی الشامیة ایضاً: قال شمس الائمة السرخسی زعم بعض مشایخنا أن هذا الحکم (ای الطلاق) غیر مشروع أصلاً فی حق الصبی حتی ان امرأته لا تکون محلاً للطلاق وهذا وهم عندی فإن الطلاق یملك بملك النکاح إذ لا ضرر فی إثبات أصل الملك بل الضرر فی الایقاع حتی إذا تحققت الحاجة أی صحة إیقاع الطلاق من جهته لدفع الضرر کان[1] صحیحاً فاذا اسلمت زوجته وابی فرق بینهما وکان طلاقاً عند ابی حنیفةؒ ومحمدؒ وإذا ارتد والعیاذ باللہ وقعت البینونة وکان طلاقاً فی قول محمدؒ واذا وجدته مجبوباً فخاصمته فرق بینهما وکان طلاقاً عند بعض المشایخ اھ — قلتُ: حاصله أنه کالبالغ فی وقوع الطلاق منه

---

[1] قلت: ولا شك فی تحقیق الحاجة إلیه فی الصورة المسؤلة لدفع الضرر عنه ۱۲ منه

بهٰذه الاسباب إلا أنه لا يصح ايقاعه منه ابتداءً للضرر عليه ومثله المجنون اهـ

(ص ۶۳۹ ـ ج ۲)

وفي الدر : وجوزه (أي طلاق الصبي) الامام احمد قال الشامي أي إذا كان مميزًا يعقله بأن يعلم أن زوجته تبين منه كما هو مقرر في متون مذهبه فافهم الخ

(ص ۷۰۰ ـ ج ۲)

صورتِ مسئولہ میں مسماۃ چھکن اپنے شوہر عمر پر حرام ہوگئی اب زندگی بھر وہ اس کے لئے حلال نہیں ہوسکتی لیکن اس حرمت سے نکاح نہیں ٹوٹا عمر کا نکاح چھکن سے ابھی باقی ہے اس لئے جب تک عمر بالغ ہوکر طلاق نہ دے یا کوئی قاضی شرع ان دونوں میں تفریق نہ کردے چھکن کا نکاح کسی دوسرے سے نہیں ہوسکتا۔ اگر کوئی مسلمان حاکم جس کو اس مقدمہ کے فیصلہ کا اختیار دیا گیا ہو (گو وہ انگریزی حکومت ہی کی طرف سے ہو) زوجین کے درمیان تفریق کرے اور یہ فیصلہ کردے کہ میں نے اس نکاح کو توڑ دیا تو شوہر کی نابالغی میں بھی مسماۃ چھکن پر طلاق پڑجائے گی پھر وہ دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے۔

تتمۃ الجواب

قال الشامي : وقد علمت أن النكاح لا يرتفع بل يفسد وقد صرحوا في النكاح الفاسد بأن المتاركة لا تتحقق إلا بالقول إن كانت مدخولًا بها كتركتك أو خليت سبيلك وأما غير المدخول بها فقيل تكون بالقول وبالترك على قصد عدم العود إليها وقيل لا تكون إلا بالقول فيهما الخ (ص ۴۶۳ ـ ج ۲)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر مسماۃ چھکن کا شوہر اس سے ہم بستر نہ ہوا ہو اور بلوغ کے بعد بھی ہم بستر نہ ہو اور اس کو چھوڑ رکھے اور زبان سے اتنا کہدے کہ میں اس سے تعلق رکھنا اور اس کے پاس جانا نہیں چاہتا تب بھی یہ نکاح بلوغ کے بعد ٹوٹ جائیگا گو بالغ ہوکر شوہر طلاق نہ بھی دے پس اگر نابالغی کے زمانہ میں کسی حاکم مسلم نے اس نکاح کو فسخ بھی نہ کیا اور عمر کو بالغ ہونے کے بعد سمجھا دیا جائے کہ یہ لڑکی تجھ پر حلال نہیں رہی اور باتوں باتوں میں وہ اتنا کہدے کہ میں اس سے ہم بستر ہونے اور تعلق رکھنے کا ارادہ نہیں رکھتا تو اتنا کہدینے سے بھی مسماۃ چھکن اس کے نکاح سے نکل جائے گی واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۹ صفر ۴۱ھ

حرمتِ مصاہرت میں نفی شہوت کی تحقیق اور لمس بالشہوت کا حکم

سوال : زید نے اپنی خوشدامن سے کچے چاول نمونہ (دیکھنے) کے لئے مانگے اس نے چاول لیکر زید کے ہاتھ پر رکھدیئے زید کے دل میں یہ خیال تھا کہ اگر اس کے یعنی خوشدامن کے ساتھ ذرا بھی مس بالشہوت ہو جائے تو زوجہ حرام ہو جاتی ہے اس لئے وہ بہت احتیاط کرتا تھا لیکن اس وقت جب خوشدامن نے اس کے ہاتھ پر چاول رکھے تو اُسے معاً یہ خیال آیا کہ یہی مس بالشہوت باعثِ حرمت ہو جاتا ہے کہیں ایسا نہو جائے اس خیال کے آتے ہی اس کے آلہ تناسل میں خفیف سا احساس پیدا ہوا مگر یہ احساس قیام آلہ کی حد تک نہیں پہنچا صرف خفیف سا احساس تھا اور میلانِ قلب الی المباشرۃ بھی ہرگز ہرگز نہ تھا صرف تصور سے یہ احساس پیدا ہوا۔ زید نے ٹٹولا تو آلہ سُست اور افتادہ تھا مگر کچھ قلیل سی حس تھی جس کے قوی ہونے سے قیام اور انتشار ہو جاتا ہے ممکن ہے کہ اس حس سے پہلے کی نسبت کچھ تغیر پیدا ہوا ہو مگر قیام کی صورت نہ تھی صرف ضعیف سا احساس تھا۔ کتبِ فقہ میں حدِ شہوت یہ لکھی ہے "وحد الشهوة انتشار الآلة او ازدیادہ ان کانت منتشرۃ" عالمگیری ملخصاً وحدّ الشهوة تحرّك الآلة أو ازدیادہ (درمختار) زید یہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ انتشار آلہ کے کیا معنی ہیں اور کیا حد ہے۔ آیا ذرا سا احساس اور تغیر بھی اس میں آجاتا ہے یا نہیں؟ قاموس میں لکھا ہے: "انتشر فی الرجل الغظ" اور لغوظ کے معنوں میں لکھا ہے: "لغظ ذکرہ قام، والغظ الرجل والمرأۃ علاھا الشّبق۔ شبق: اشتدّت غلمته۔ اور غلمہ میں لکھا ہے: غلم واغتلم: غلب شھوۃ۔ غلم البعیر: ھاج"۔ اس عبارت سے تو معلوم ہوا کہ انتشار کے معنی سخت شہوت کے ہیں معمولی خیال یا احساس اس میں داخل نہیں لیکن یہ معلوم نہیں کہ فقہاء رحمہم اللہ نے یہ معنی مراد لئے ہیں یا نہیں؟ اور صورتِ مذکورہ میں حرمتِ مصاھرہ ثابت ہوتی ہے یا نہیں۔ نیز زید کو یہ قلیل احساس اس سے پیدا نہیں ہوا کہ وہ خوشدامن کی طرف مائل ہو گیا تھا۔ حاشا وکلاّ، یہ خیال اسے عمر بھر کبھی نہیں گزرا بلکہ اس تصوّر سے کہ مس سے ایسا فعل باعثِ حرمت ہے۔ اسی تصوّر سے یہ احساس پیدا ہو گیا۔ ازراہِ عنایت دونوں باتوں کا جواب دیں کہ انتشار اور تحرّک آلہ کے معنی قیامِ آلہ اور غالب شہوت کے ہیں جیسا کہ قاموس سے سمجھا جاتا ہے یا کچھ اور ہیں اور وہ کیا ہیں اور صورتِ مذکورہ میں زید کی زوجہ کے متعلق کیا حکم ہے؟ والسّلام

الجواب

اس صورت میں حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہے اور خفیف سا احساس حدِ شہوت میں داخل نہیں ہے جبکہ میلانِ قلب بھی نہ تھا اور بظاہر چاول ہاتھ میں رکھنے کے وقت بھی نہ تھا بلکہ بعد میں خیال مذکور آکر خفیف احساس سا ہوا جو کہ حدِ شہوت میں داخل نہیں ہے

قال فی الدر المختار: والعبرۃ للشہوۃ عند المس والنظر لا بعدھا۔ قال فی الشامی: فیفید اشتراط الشہوۃ حال المسّ فلو مسّ بغیر شہوۃ ثم اشتھٰی عن ذلك لا تحرم علیہ ردالمحتار ص ۲۸۰ - ج ۲ - فقط واللہ اعلم

کتبہٗ عزیز الرحمٰن عفی عنہ
مفتی دار العلوم دیوبند
۷، ربیع الاول ۴۵ھ

تنقیح

۱ یہ شخص جوان ہے یا بوڑھا؟

۲ سوال میں یہ مذکور نہیں کہ خوشدامن سے چاول لیتے ہوئے اس کا ہاتھ اس کے ہاتھ سے مس ہوا یا نہیں؟ اس کی تشریح کی جائے۔

۳ سوال میں یہ بھی مذکور نہیں کہ آلہ تناسل میں خفیف سا اثر چاول لیتے وقت ہوا یا اس کے بعد میں؟ اس کو بھی واضح کیا جائے

۴ سوال میں یہ تو مذکور ہے کہ میلان الی المباشرت ہرگز نہ تھا مگر کیا چاول لیتے ہوئے اس کو التذاذ اور شہوت بھی بالکل نہیں ہوئی کیونکہ التذاذ بدون میلان الی المباشرت کے بھی ہوسکتا ہے۔ ان تنقیحات کے جواب کے بعد حکم بتلایا جائیگا۔ یہ پرچہ بھی واپس کیا جائے۔ فقط ظفر احمد از تھانہ بھون

جناب مولانا صاحب!

صاحبِ واقعہ کے مستفسرہ حالات یہ ہیں:

۱ یہ شخص جوان، قادر علی المباشرت ہے اور بوقتِ شہوت اچھی طرح سے انتشار

ہوتا ہے۔

ع۲ چاول لیتے وقت تھوڑا سا مس بلا حائل خوشدامن کے ہاتھ سے ہوا۔

ع۳ اس کے متعلق یقین نہیں کہ یہ خفیف سا اثر کب پیدا ہوا۔ خیال راجح یہ ہے کہ پہلے تصوّر کی وجہ سے طبیعت میں کچھ ذرا سا اثر تھا اور مسِ ید کے وقت یقین نہیں کہ اس اثر میں اضافہ ہوا یا نہیں۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ اس شخص نے اپنی بیوی سے جو پاس ہی چارپائی پر پڑی تھی اور یہ شخص اس کے پاس دوسرے چارپائی پر بیٹھا تھا چاول دیکھنے کے لئے مانگے، بیوی نے اپنی والدہ کو کہدیا کہ چاول لادے اس شخص کو فوراً یہ تصوّر آیا کہ ساس سے مس بالشہوت ہونے سے (یا مباشرت کا وقوع ہونے سے) عورت حرام ہو جاتی ہے۔ اس نے بہیترا اِدھر اُدھر دیکھا کہ چاول کپڑے رکھالوں مگر اور کوئی چیز نہ تھی ناچار اس نے ہاتھ پھیلایا اور ساس نے چاول رکھدی اس وقت طبیعت میں خفیف سا اثر تھا اور غالباً پہلے سے پیدا ہوا تھا اور یہ معلوم نہیں کہ مس کے وقت اضافہ ہوا یا نہیں؟

ع۴ التذاذ کے متعلق بھی کچھ یقینی یاد نہیں کہ واقع ہوا یا نہیں؟ صرف تصوّر سے کچھ التذاذ قلب بھی ہوا ہو تو بعید نہیں یقینی امر اتنا ہے کہ خفیف سا احساس تھا فقط جو کچھ یاد تھا اور یاد آیا وہ سب لکھ دیا ہے۔ شاید بے اختیاری سے کچھ ذرا سا التذاذ ہوا ہو مگر یقین اس کے متعلق نہیں۔ والسلام

الجواب من جامع امداد الاحکام

صورتِ مسئولہ میں حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوئی۔ کیونکہ مس کے وقت اضافہ شہوت کا یقین نہیں۔

قال فی الدر المختار: وفی المس لا تحرم مالم تعلم الشهوة لأن الأصل فی التقبیل الشهوة بخلاف المس (ص ۴۶۲ - ج ۲)

اور شہوت کے معنی باب مصاہرت میں تحرکِ آلہ ہے یا ازدیادِ تحرک۔ اگر پہلے سے تحرک موجود ہو اور یہی مراد انتشار سے ہے۔ باقی لغوظ قوی یا قیام کامل مراد نہیں جیسا کہ

ع۵ اس مسئلہ کی مزید تفصیل جلد تاسع کے فتاویٰ ماہ ذیقعدہ ۴۸ھ میں موجود ہے۔ وہاں ملاحظہ کیا جائے۔ ظفر احمد

سائل نے سمجھا ہے کہ سخت شہوت مراد ہے۔

قال الشامی : عن الفتح وفرع علیه لو انتشر وطلب امرأته فأولج بین فخذی بنتها خطأ لا تحرم أمها مالم یزدد الانتشار اھ (ص۴۵۹ ج۲)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر عمداً فخذِ بنت میں ایلاج ہو تو زیادتِ انتشار کی ضرورت نہ تھی یا پہلے سے منتشر نہ ہوتا اور خطأً فخذِ بنت میں ایلاج ہو کر انتشار ہو تب بھی زیادت انتشار کی ضرورت نہ ہوتی والمراد بالإیلاج ماکان بدون المس بالید بلاحائل والا فهو کافٍ للحرمة۔ واللہ أعلم۔

ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون خانقاہِ اشرفیہ

۱۶ ر جمادی الاولیٰ ۱۳۴۵ھ

بیٹی سے زنا کیا تو بیوی حرام ہو جائے گی

سوال : مکرم جناب مولوی صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ایک شخص پوچھتا ہے کہ عرصہ دس سال کا ہوا کہ مجھ سے بیٹی کے ساتھ زنا کا گناہ ہو گیا اور اب تک اس کی ماں میرے پاس ہے اور اولاد بھی ہو رہی ہے۔ میں اس گناہ کا اقرار کرتا ہوں اور جو سزا میری ہو اس کے لئے تیار ہوں۔ اس کی ماں کو الگ کروں تو گھر بار نہ اجڑنے کے لئے یہ بھی ممکن ہے کہ میں اس سے بالکل علیحدہ رہوں لیکن وہ گھر میں رہے اور وہ بال بچوں کی پرورش کرے اور اس کو خرچ دیتا رہوں میں اس سے پردہ کروں یا اس کو طلاق دیکر بالکل کوئی تعلق نہ رکھوں ؟

الجواب : خانقاہ امدادیہ ۲۰ ر جمادی الاول ۱۳۴۳ھ

بیٹی کے ساتھ زنا کرنے سے اس کی ماں مرد پر حرام ہو گئی۔ اب اس سے وطی اور جماع جائز نہیں۔ باقی نکاح بدون فسخِ قاضی یا متارکت احد الزوجین کے نہیں ٹوٹتا اور متارکت کے معنی یہ ہیں کہ طلاق دیدے یا مرد عورت میں سے کوئی یہ کہدے کہ میں تجھ سے علاقہ نہیں رکھنا چاہتا۔ سو جب تک تفریقِ قاضی یا متارکت کا تحقق نہ ہو نکاح نہیں ٹوٹتا پس یہ شخص اپنی بیوی کو اسطرح گھر میں رکھ سکتا ہے کہ اس کے پاس نہ جائے اور نان ونفقہ دیتا رہے بشرطیکہ اس صورت میں یہ اندیشہ نہ ہو کہ کسی وقت مبتلائے جماع ہو جائیگا اور بیوی سے ترکِ جماع کر کے بدون نکاح رہنے میں اس کی عفت پر بھی اندیشہ نہ ہو اور بیوی

کی عفت پر بھی اندیشہ نہ ہو۔ والسلام

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

حرمتِ مصاہرہ کی ایک صورت کے متعلق مدرسہ سہارنپور و خانقاہِ امدادیہ کے دو مختلف فتویٰ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اور مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شریر لڑکا جو سنِ بلوغت کو نہ پہنچا تھا، عادت شرارت سے اکثر جو لڑکیوں میں کھیلا کرتا تھا بطور کھیل کے لڑکیوں سے زنا کی نقل کیا کرتا تھا۔ ایک روز اپنی سوتیلی چچی کے پاس جو جوان تھی لیٹ گیا، رات کا وقت تھا اور چچی اس کی بالکل برہنہ ہوتی تھی اس سے حسبِ عادتِ شرارت ہاتھ کی انگلی سے زنا کیا۔ اگر یہ بالغ ہوتا یا اس کو تندی ہوتی تو اصلی زنا کرنے میں اس کے کوئی شک نہ تھا۔ اور عمر کا حال اس عرصہ کا پورے طور سے معلوم نہیں کہ عمر دس برس کی تھی یا کچھ کم و بیش۔ چونکہ اس بات کو اس وقت عرصہ ۴۲ سال بلکہ زیادہ گزر چکا ہے۔ بالغ نہ ہونے کا تو پتہ خوب یاد ہے نہ تو اس عرصہ میں کبھی احتلام ہوتا تھا نہ انزال ہوتا تھا بلکہ تندی بھی شاید نہ ہوتی ہو اگر تندی ہوا کرتی تو ضرور اس وقت بھی ہوتی جس وقت یہ امر انگلی سے ہوا حالانکہ اس وقت اس لڑکے کی چچی کی جب آنکھ کھلی اس نے یہ معاملہ دیکھ کر اس لڑکے کو اپنے پیٹ پر لٹا لیا تب بھی اس کو تندی نہیں ہوئی۔ اس معاملہ کے دس بارہ برس بعد اس کی چچی کی لڑکی پیدا ہوئی۔ جوان ہونے پر اس کی شادی کردی اب وہ لڑکی بیوہ ہے اس لڑکی سے اس شخص کا جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے حسب قانونِ شریعت نکاح درست ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

حامدًا و مصلّیاً و مسلّماً

اقل مدت بلوغ لڑکے کی بارہ سال ہے اس سے پیشتر لڑکا بالغ نہیں ہوتا۔ بارہ برس کے بعد جو زمانہ ہوگا وہ زمانہ مراہقیت کا ہوگا جو وطی وغیرہ کے بارہ میں بالغ کا حکم رکھتا ہے۔ چونکہ لڑکے کی عمر اس وقت بارہ برس سے کم تھی اس لیے اس کے اس فعل سے حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوگی، اس کا نکاح اس عورت کی لڑکی سے شرعاً جائز ہے۔

فی الشامی تحت قولہ: فلو جامع غیر مراهق زوجة أبیه لم تحرم (فتح)

تتحصل من هذا أنه لابد في كل منهما من سن المراهقة و اقله للأنثى تسع وللذكر اثناعشر لأن ذلك أقل مدة يمكن فيه البلوغ اهـ واللہ أعلم

رقمہٗ ضیاء احمد عفی عنہ

مورخہ ۱۹ر جمادی الاول ۴۲ھ

صحیح

عبد اللطیف عفا اللہ عنہ — الجواب صحیح

مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور — خلیل احمد عفی عنہ

سوال مکرر از سائل بالا

جناب مولانا صاحب، دام ظلکم ۔ بعد سلام مسنون کے عرض پرداز ہوں ۔ چونکہ اس واردات کو عرصہ ۲۴ سال سے زیادہ گزر چکا ہے اس لئے عمر کا حال پورے طور سے معلوم نہیں ۔ آیا عمر لڑکے کی بارہ (۱۲) سال سے کم تھی یا کچھ زیادہ تھی عمر کی نسبت احتمال ہے ۔ البتہ نابالغ ہونے کا اطمینان پورے طور سے ہے ۔ چونکہ بالغ ہونے کا ثبوت انزال ہونے پر منحصر ہے اس عرصہ میں انزال مطلق نہ ہوتا تھا یہ خوب یاد ہے اور عمر کی نسبت اس لئے احتمال ہے کہ اکثر ہم لوگوں میں لڑکے پندرہ سال سے بھی زیادہ عمر میں بالغ ہوتے ہیں ۔ بارہ تیرہ برس کی عمر میں اکثر شہوت اور انتشار بھی نہیں ہوتا اس لئے قیاساً یہ احتمال ہے کہ شاید عمر ۱۲ سال کی ہوگئی ہو یا اس سے زیادہ یا کم ہو ۔ اس صورت میں علماء دین اور مفتیان شرع متین کی نکاح کر لینے کی نسبت کیا رائے ہے ؟ اگر قانونِ شریعت کے موافق کوئی صورت نکاح درست ہونے کی ہو تو کر لیا جائے ۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

جیسا کہ بلوغ کی اقل مدت بارہ سال ہے ایسا ہی مراہقیت کی بھی اقل مدت بارہ سال ہے ۔ مراہق اس کو کہتے ہیں جو قریب البلوغ ہو ۔ اور ثبوتِ حرمت کی اصلی علت وجودِ شہوت ہے ۔ چونکہ درصورتِ مسئولہ عمر شخصِ مذکور کی متعین نہیں اور عدم شہوت متیقن ہے اس لئے اس سے حرمت ثابت نہ ہوگی پس زید کا نکاح اس عورت کی لڑکی سے شرعاً جائز ہوگا ۔ رقمہٗ ضیاء احمد عفی عنہ ۔ مورخہ ۷ر جمادی الاول ۴۲ھ

صحیح
عبداللطیف
مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

صحیح
خلیل احمد عفی عنہ

الجواب من الخانقاہ الامدادیہ

صورتِ مسئولہ میں جب عمر کا حال مشکوک ہے کہ بارہ برس سے زیادہ تھی یا بارہ برس تھی یا اس سے کم تھی تو اس شخص کا عمر کے اعتبار سے تو مراہق ہونا مشکوک ہے مگر اس کے افعال سے مراہق ہونا غالب ہے کیونکہ چچی کے ساتھ یہ حرکت بدون شہوت کے عادۃً نہیں ہو سکتی ایسی شرارت اپنے ہم عمروں کے ساتھ ہوا کرتی ہے وہ بھی جاگتے ہوئے اور بڑے کے ساتھ سوتے ہوئے اس کا منشا محض شرارت نہیں بلکہ شہوت کو بھی دخل ہے اور مراہقیت مشکوک بھی اور موجب بھی باب فروج میں احتیاط لازم ہے۔

قال فی الشامیۃ: مس المراهق کالبالغ۔

وفی البزازیۃ: المراهق کالبالغ لو جامع اولمس بشهوة تثبت حرمة المصاهرة له (ص ۲۶۱)

وفی الاشباہ: إذا کان مراهقاً تتحرك آلته ويشتهي النساء اھ (۳۲۹)

قال الحموی: الظاهر أن تحرك الآلة يستلزم الاشتهاء فالاشتهاء علة التحرك فی نفس الامر والتحرك علة العلم بالاشتهاء اھ

اس سے معلوم ہوا کہ مراہق ہونے کے لئے عورتوں کی طرف خواہش ہونا اصل ہے اور تحرکِ آلہ مطلق ہے اسمیں تندی ہونا ضروری نہیں۔

وفی الشامیۃ: ولو شك اطلق واحدة أم أكثر بنى على الاقل اھ وعن الامام الثانی إذا کان لا يدری أثلاث أم أقل يتحرى وان استويا عمل بأشد ذلك عليه اشباه قال ط: وعلى قول الثانی اقتصر قاضی خان ولعله لأنه يعمل بالاحتياط خصوصاً فی باب الفروج اھ ـ قلتُ: ويمكن حمل الاول على القضاء والثانی على الديانة ويؤيده مسئلة المتون فی باب التعليق لو قال: إن ولدت ذكراً فأنت طالق واحدة وان ولدت أنثى فانت طالق ثنتين فولدتهما ولم يدر الأول تطلق

واحدة قضاءً وثنتين تنزهاً أی دیانةً اھ (ص ۷۴۵-ج ۲)

پس صورتِ مسئولہ میں یہ شخص خوب سوچے کہ اس وقت اس کی عمر بارہ سال تھی یا نہیں ؟ اور چچی کے ساتھ یہ حرکت کرتے ہوئے شہوت تھی یا نہیں ؟ اگر غالب گمان یہ ہو کہ عمر بارہ سال سے کم تھی اور اس فعل کے وقت شہوت نہ تھی تب تو اس کی لڑکی سے قضاءً و دیانۃً نکاح درست ہے اور اگر کسی ایک طرف گمان غالب نہ ہو بلکہ بارہ سال یا زیادہ یا کم سب کی طرف برابر خیال ہو۔اسی طرح شہوت و عدمِ شہوت کا خیال بھی برابر ہو تو اس صورت میں دیانۃً اس لڑکی سے نکاح درست نہیں اور اگر غلبۂ خیال کا بارہ سال اور شہوت کے وجود کی طرف ہو تب تو کسی طرح بھی نکاح درست نہیں ھکذا ینبغی التفصیل فی المقام والحمد للہ الملک المنعام۔

حرّرہ ظفر احمد عفاعنہ - از تھانہ بھون

۲۹ رجمادی الثانی ۴۲ھ

شوہر اس اقرار کے بعد کہ اس کے باپ نے اس کی بیوی سے زنا کیا ہے" انکار کرے اور عورت بھی مدعیہ زنا ہو جبکہ خسر انکار کرتا ہے تو اس صورت میں حرمتِ مصاہرت ثابت ہوگی یا نہیں۔

خلاصۂ سوال : اگر زوج اپنی عورت کے متعلق اس امر کا اقرار کر چکا ہو کہ میرے باپ نے اس سے زنا کیا ہے اور بعد میں انکار کردے اور عورت بھی دعویٰ زنا کا کرتی ہو اور اس کا خسر منکر ہو تو حرمتِ مصاہرت ثابت ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب

فی العالمگیریة : (ص ۶ ج ۲) ولو أقر بحرمة المصاهرة یؤاخذ به ویفرق بینهما (إلی أن قال) والاصرار علی هٰذا الاقرار لیس بشرط حتی لو رجع عن ذلك وقال کذبت فالقاضی لایصدّقه الخ

اس سے معلوم ہوا کہ صورتِ مسئولہ میں مسماۃ غلام بی بی شیخ غلام پر حرام ہو گئی لھذا اس سے الگ کرا دی جائی یعنی قاضی تفریق کر دے یا زوج خود طلاق دیدے یا بدون طلاق ہی یہ ظاہر کر دے کہ میں نے اس کو ترک کر دیا ہے۔

کما فی الدرمع الشامی : (ص ۴۶۳ - ج ۲) وبحرمة المصاهرة لایرتفع النکاح حتی لا یحل لها التزوج بآخر إلا بعد المتارکة۔ قال الشامی تحت قوله (إلا بعد المتارکة)

أی و إن مضی علیها سنون کما فی البزازیة وعبارة الحاوی الا بعد تفریق القاضی أو بعد المتارکة اھ وقد علمت أن النکاح لا یرتفع بل یفسد وقال صاحب الدر (ص ۱۰۶) (او) المتارکة ای اظهار العزم من الزوج (علی ترک وطئها) بان یقول بلسانه ترکتك بلا وطئ ونحوه ومنه الطلاق وانکار النکاح لو بحضرتها والا لا، لامجرد العزم لو مدخولة اور چونکہ حَکَمَ بمنزلہ قاضی ہوتا ہے اس لئے اگر زوج خود جدا نہ کرے تو حَکَمَ کے ذمہ بعد ثبوتِ شرعی تفریق واجب ہے۔

کمافی الدر المختار : بل یجب علی القاضی التفریق بینهما۔

وقال الشامی تحت قوله (علی القاضی) ای ان لم یتفرقا (ص ۵۲۶ ج ۲) واللہ اعلم

کتبه الاحقر عبدالکریم عفی عنه

۲۶ محرم ۱۳۴۴ھ

خسر نے شہوت کے ساتھ بہو کا ہاتھ پکڑا تو عورت خاوند پر حرام ہوجائے گی۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ باپ نے اپنے بیٹے کی عورت کا ہاتھ شہوت سے پکڑا عورت ہاتھ چھڑا کر بغرض بچانے عزت کے پڑوس کے مکان میں چلی گئی بحالتِ مذکورہ میں عورت اپنے شوہر پر حلال ہے یا نہیں؟ اور نکاح قائم ہے یا نہیں؟

تنقیح : ہاتھ پر کپڑا تو نہ تھا؟

جوابِ تنقیح : ہاتھ پر کپڑا نہ تھا۔

الجواب

اگر خسر شہوت کے ساتھ بدون کپڑے کے ہاتھ پکڑ لے تو عورت خاوند پر حرام ہوجاتی ہے لیکن جب تک حاکم اسلام علیحدہ نہ کرے یا زوج طلاق وغیرہ سے جدا نہ کرے اور اس کے بعد عدت نہ گزرے اس وقت تک اور کسی سے نکاح جائز نہیں۔

فی العالمگیریة (ص ۵ - ج - ۲) وکذا تحرم المزنی بها علی آباء الزانی واجداده وإن علوا وأبناءه وإن سفلوا - کذا فی فتح القدیر -

وفیه بعد أسطر : وکما تثبت هٰذه الحرمة بالوطی تثبت بالمس والتقبیل

عہ لیس فی سائر النسخ ولعله غلط ما قاله شیخنا

والنظر إلى الفرج بشهوة كذا في الذخيرة سواء كان بنكاح أو ملك أو فجور عندنا كذا في الملتقط۔

وفي الدر المختار: وبحرمة المصاهرة لا يرتفع النكاح حتى لا يحل لها التزوج بآخر إلا بعد المتاركة وانقضاء العدة۔ واللہ اعلم

احقر عبدالکریم عفی عنہ

۱۰ر جمادی الاول ۴۴ھ

جواب میں تفصیل کی ضرورت ہے وہ یہ کہ بیٹے کی عورت شہوت سے پکڑنے کا دعویٰ کرتی ہے اب خسر سے پوچھا جائے اگر شہوت سے انکار کر دے تو قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر ہے۔

قال الشامي نقلاً عن الجوهرة للحداوی: لو مس أو قبل وقال لم اشتهِ صدق إلا إذا كان المس على الفرج والتقبيل في الفم اھ (ص ۴۶۲ ج-۲)

اور اگر شوہر کا باپ خود سرے سے واقعہ ہی کا انکار کرے تو اب یا تو عورت کے پاس بیّنہ ہے (یعنی دو گواہ) یا نہیں؟ اگر بیّنہ ہے تو اس کے متعلق سوال دوبارہ کیا جائے۔ اور بینہ نہیں ہے تو اس عورت کا خاوند اگر عورت کو سچا سمجھے اور اس کا دل گواہی دے کہ اس کا قول سچّا ہے تب تو یہ اس پر حرام ہو جائے گی اور اگر اس کا دل واقعہ کی تصدیق نہ کرے یا باپ کے متعلق عورت کے ادعاءِ شہوت کو دل قبول نہ کرے تو حرمت نہ ہوگی۔ کذا يظهر من الشامية (ص ۴۵۷ ج-۲) واللہ أعلم۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۳ر جمادی الاول ۴۴ھ

حرمتِ مصاہرہ کے متعلق ایک استفتاء

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مثلاً زید نے اپنے والد عمر کی منکوحہ ہندہ سے حسب ذیل واقعات کیا جن کی تفصیل یہ ہے کہ زید عمر کا لڑکا ہے جو کہ پہلی منکوحہ سے ہے جب زید کی عمر تقریباً سات سال یا اس سے کچھ کم وبیش ہوئی اس وقت عمر نے دوسرا نکاح ہندہ سے کیا جب ہندہ اپنے خاوند کے گھر آئی تو زید چونکہ چھوٹی عمر کا لڑکا تھا اس لئے ہندہ اس کو اپنے لڑکے کی طرح محبت کرنے لگی اور زید کو بھی ان سے غایت

اُنسیت ہوگئی اور چونکہ ھندہ نہایت حسینہ جمیلہ نوجوان تھی اس وجہ سے بھی زید کو ان کی طرف طبعی میلان تھا اور بہت ممکن ہے کہ اس میں کچھ کچھ بدنگاہی کا بھی آمیزش ہو۔ غرض جبکہ زید ہمیشہ ھندہ کے پاس سہنے رہنے لگا اور عمر کی زیادتی کی وجہ سے کچھ کچھ شہوت میں بھی زیادتی ہونے لگی اور پھر زید بدچلن لڑکوں کے ساتھ رہکر (جو کہ اس سے عمر میں بڑے تھے اور بعض اس میں بالغ یا قریب البلوغ بھی تھے) بُری بُری باتیں سیکھنے لگا اور دن بدن زید میں بھی ان لڑکوں کی صحبت کی وجہ سے خباثت کی باتیں پیدا ہونے لگیں جب اس نے اپنے باپ کی منکوحہ ھندہ کو بھی بدنگاہی سے دیکھنے لگا اور جتنا اشتہا بڑھتا گیا اتنا ہی اس مرض میں زیادتی ہونے لگی چنانچہ انہی اثناء میں جبکہ اس کی عمر نو یا دس سال کی ہوئی ھندہ نے ایک دفعہ زید کو بوجہ تنہا ہونے کے رات کو اپنے پاس لیا تھا کیونکہ اس وقت زید سے عورتیں نہیں شرماتی تھیں اور ھندہ کو بھی زید کو اپنی طرف میلانِ بد کا اندیشہ نہ تھا پس زید نے اس کے پاس لیٹ کر غالباً ایک دفعہ سو جانے کے بعد جب آنکھ کھلی تو ھندہ کو سوتی ہوئی پایا تو یہ شرارت کی کہ اپنے رخسار کو ھندہ کے رخسار کے ساتھ اور غالباً اپنے ہونٹ اس کے ہونٹ یا رخسار کے ساتھ اشتہا کے ساتھ ملایا اور ہاتھ سے بھی دیگر اعضاء کے ساتھ مس کیا علاوہ فرج کے اور غالباً پستان کو بھی بوجہ خوف بیدار ہونے کے مس نہیں کیا مگر اس واقعہ کے وقت زید کو انزال تو بالکل نہیں ہوتا کیونکہ منی اس وقت پیدا نہ ہوا تھا البتہ اتنی بات تھی کہ پہلے سے لڑکوں کو دیکھا دیکھی جلق کرنے لگا تھا اول اول تو زید کا کچھ بھی خارج نہ ہوتا تھا مگر شاید اس واقعہ کے وقت ایک دو قطرہ مذی کی طرح رقیق یا اس سے کچھ کم وبیش نکلنے لگا تھا۔ کچھ اچھی طرح زید کو یاد نہیں۔ ہاں اس وقت عورت سے وطی کرنے کو جی چاہتا تھا اور غالباً اس واقعہ کے بعد (گو اس کو بعدیت میں ایک گونہ تردد ہے مگر اغلب بھی یاد آتا ہے کہ یہ واقعات پہلے مذکورہ واقعہ کے بعد میں ہوئے اور ممکن ہے کہ بعض دفعہ قبل ہو اور بعض دفعہ بعد میں ایسا ہوا ہو بلکہ اغلباً یہی صورت معلوم ہوتی ہے) بعض بعض دفعہ گھر کے کاموں میں کہ جس میں دو آدمی کی ضرورت ہوتی ہے زید ھندہ کے ساتھ ملکر کام کرتا تھا اور اس میں زید کو حظ آتا تھا اور اگر موقع پاتا تو اپنے بدن کو ھندہ کے بدن کے ساتھ لگا دیتا گو اغلب یہ ہے کہ ملانا کپڑے کے اوپر سے ہوتا تھا اور یاد آتا ہے کہ غالباً ھندہ کے ہاتھ کی چوڑیاں دیکھنے کے بہانے سے اپنے ہاتھ سے بلا حائل کپڑا وغیرہ کے اس کے ہاتھ سے مس کیا تھا لیکن مس کرتے ہی

جب اپنے اندر کچھ اشتہا کی زیادتی دیکھا تو فوراً ہاتھ کو علیحدہ کرلیا تھا اور غلبۂ ظن یہی ہے کہ ان تمام واقعات کے وقت زید کی عمر دس یا گیارہ سال سے متجاوز نہ تھی اور برس چھ مہینہ کی زیادتی کمی کا بھی احتمال ہے گو احتمال کمی کا زیادہ ہے شاید تحقیق کرنے کی کوشش کرنے سے کچھ صحیح اندازہ لگ جائے ان واقعات کے بعد جب زید میں آثارِ بلوغ ظاہر ہونے لگے اور غالباً ھندہ کو بھی اس امر کا احساس ہوگیا کہ زید کو میری طرف بُری میلان اور بد نگاہی ہے ، تب وہ زید سے بہت احتیاط کرنے لگی اور زید بد صحبت لڑکوں کے ساتھ رہ کر رات دن شہوت رانی کے قصّوں میں مبتلا ہوگیا چونکہ زید کو مع اس کے ہم مشربوں کے ھندہ پر پہلے سے نگاہ بد جم چکی تھی لیکن اپنی خواہش پوری کرنے کی اور تو کوئی صورت قابو میں نہ تھی آخر میں یہ بات طے کی کہ کسی طرح ھندہ کی فرج کو دیکھ کر اس پر تصوّر کر کے جلق وغیرہ کیا جائے۔ چنانچہ ایک دفعہ جبکہ ھندہ کے خاوند مکان پر نہ تھا اور رمضان شریف کا زمانہ تھا زید مع اپنے ایک ہم مشرب کے ھندہ کے پاس ارادہ مذکورہ سے جانے کا قصد کر کے چلا۔ لیکن دوسرا بوجہ خوف وغیرہ کے پیچھے رہ گیا اور زید ہندہ کے پاس پہنچا تو دیکھتا ہے کہ ھندہ جلتی چراغ چھوڑ کر سو رہی ہے اور چونکہ ھندہ کے وضع حمل کا زمانہ نہایت قریب تھا غالباً اس واقعہ کے پندرہ بیس روز بعد ہی ولادت ہوئی شاید اس لئے بھی بہت غافل ہو کر پڑی رہی اور زید نے اس کے پاس آہستہ سے بیٹھ کر مقامِ مخصوص سے کپڑا اٹھا کر خود گھور گھور کے فرجِ خارج کو دیکھا اور دوسرے اعضاء کو بھی شہوت کے ساتھ مس کرتا رہا یہاں تک کہ جب ان امور سے ہیجان بہت زیادہ ہوگیا اور خود انزال ہونے کا خوف ہوگیا تو زید وہاں سے بالکل چلے آنے کے ارادہ سے اٹھا لیکن ابھی تک ھندہ کے بستر سے علیحدہ ہونے نہ پایا تھا از خود انزال ہوگیا اور انزال کے وقت ھندہ زید کی ملموس بھا اور منظور الیھا نہ تھی۔ اس کے بعد جب ہیجان کم ہوگیا تو پھر دیکھنے کے ارادہ سے عود کیا کیونکہ مقصود تو صرف فرج کو دیکھنا تھا لیکن دوبارہ جا کر نہ تو ابھی تک کسی عضو کو ہاتھ وغیرہ سے مس کیا اور نہ فرج کو دیکھا اتنے میں ھندہ کو خبر ہوگئی اور ممکن ہے کہ جب وہاں سے جانے لگا تھا اس وقت خبر ہوگئی ہو۔ غرض جاتے ہی جب اس نے زید کو دیکھا دھمکایا تو زید وہاں سے بھاگ گیا اس واقعہ کے بعد کوئی ایسی بات نہیں کی کہ جس سے حرمتِ مصاہرۃ کا شبہ ہو پس ان واقعاتِ مذکورہ سے زید کا ھندہ سے موافق مذہب حنفیہ حرمت مصاہرۃ ثابت ہوگئی یا نہ؟ بر تقدیرِ اول عمر جو کہ زید کا والد ہے اس سے ھندہ کی تفریق واجب ہوگی یا نہیں ؟ اور

زید ان گناہوں سے توبۃ النصوح کیونکر حاصل کر سکتا ہے۔ بیّنوا توجروا

الجواب

زید کے جو واقعات دس یا گیارہ سال کی عمر کے لکھے ہیں ان سے تو حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں کیونکہ بارہ سال سے پہلے شرعاً لڑکا مراہق نہیں مانا گیا۔ لانہ لا یتصوّر منہ الاحبال وھو الاصل فی حرمۃ المصاھرۃ اور جو ایک واقعہ بلوغ کے زمانہ میں نظر الی الفرج اور مساس کا لکھا ہے اس سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی بوجہ مساس کے نہ بوجہ نظر الی الفرج کے کیونکہ نظر الی الفرج الخارج موجب حرمت نہیں فی الاصح اگر زید کو بعد مساس کے انزال نہ ہو جاتا۔ مگر چونکہ اس کو مساس کے بعد انزال ہو گیا اس لئے اس سے بھی حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوئی۔

قال فی الشامیة: لابد فی كلّ منهما من سن المراهقة وأقله للأنثى تسع وللذكر اثنا عشر لأن ذلك أقل مدة يمكن فيها البلوغ كما صرّحوا به فی باب بلوغ الغلام وهذا يوافق ما مرّ من أن العلّة هی الوطئ الذی يكون سبباً للولد أو المس الذی يكون سبباً بهذا الوطئ ولا يخفى أن غير المراهق منهما لا يتأتی منه الولد اھ (ص ۲۶۱ ج ۲)

وفی الدر: هذا إذا لم ينزل فلو أنزل مع مسّ أو نظر فلا حرمة، به يفتی ابن كمال وغيره اھ

قال الشامی: لأنه بالانزال تبين أنه غير مفضٍ إلى الوطئ (هدایه)

قال فی العناية: ومعنى قولهم هذا أن الحرمة عند ابتداء المس بشهوة كان حكمها موقوفاً إلى أن يتبين بالانزال فان أنزل لم تثبت والا ثبتت اھ (ص ۴۵۹ - ج ۲)

وفی التحرير المختار: قول الشارح: هذا إذا لم ينزل اھ أطلق فی الانزال فشمل ما إذا لو أنزل بمجرّد المسّ أو بعده ولو بجماع فی زوجته الأخرى اھ (سندی عن غاية البيان ص ۱۸۲ ج ۱) قلتُ: فيه تصريح بأن مقارنة الانزال (أی قبل سكون شهوة حادثة بالمس) بالمس غير شرط ويؤيده ما فی فتح القدير تحت قول الهداية: ولو مس فأنزل فقد قيل أنه يوجب الحرمة والصحيح أنه لا يوجبها الخ ما نصّه ثم شرط الحرمة بالنظر أو المسّ أن لا ينزل فان أنزل فالمختار لا تثبت كقول المصنف وشمس الائمة والبزدوی بناءً على أن الأمر موقوف حال المسّ إلى ظهور عاقبته إن

ظهر انه لم ينزل حرمت و إلا لا اھ (ص ج ۳) - قلت : وعاقبة الشئ مايعقبه لاما يقارنه فظهر أن مقارنة الانزال بالمس و نحوه ليس بشرط بل الشرط معاقبته و تفسيره ماذكره السندی عن غاية البيان - و أيضًا فقد صرّحوا بأن الافضاء والاتيان فی الدبر لا يوجبان حرمة المصاهرة ولم يقيدوهما بأن لا يكون قبلهما مسّ ولا نظر و إن كان شئ منهما فلا ينفصل جسمه عن جسمها حتی ينزل و ان انفصل جسمه عن جسمها بعد المس ولو لحل اللباس ثم جامعها و أفضاها أو أتاها فی دبرها حرمت حيث سكتوا عن كل ذلك تبين ان المقارنة بين المس والانزال وبين المس والافضاء وبين المس والاتيان فی الدبر ليس بشرط بل تكفی تعقب شئ منهما عن المس والنظر لنفی الحرمة للعلة التی ذكرها فی العناية -

تتمّہ : یہ تو معلوم ہو گیا کہ انزال مس کے بعد بھی مسقطِ حرمت ہے اور مقارنت شرط نہیں لیکن کیا اس بعدیت کی کوئی حد بھی ہے یا نہیں تو قواعد سے مفہوم ہوتا ہے کہ جب تک اس شہوت کو سکون نہ ہو جو مس و نظر سے پیدا ہوئی ہے اس مدت میں اگر انزال ہو گیا تو مسقطِ حرمت ہے ورنہ مسقطِ حرمت نہیں کیونکہ انزال کو عاقبۃ المس جب ہی کہہ سکتے ہیں جبکہ مس کو انزال میں دخل ہو اور سکونِ شہوت کے بعد جو انزال ہوگا وہ اس مس کی عاقبت نہیں بلکہ کسی دوسرے فعل کی عاقبت ہے اور غالباً درمختار کی عبارت میں "مَعَ مَسٍّ او نظر" بلفظ معیت اسی کی طرف اشارہ کرنے کے واسطے اطلاق کیا گیا ہو ولم اره صریحاً - واللہ اعلم

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۱۲ شوال ۴۶ھ

مصاہرت کی ایک خاص صورت کا حکم

سوال : ایک شخص نے اپنے لڑکے کی عورت سے فعل بد کرنے کی نیت سے اپنے دل کا راز بیان کیا اور کسی وقت موقع پا کر اس عورت سے جو اس کے بیٹے کی زوجہ ہے اس کا ہاتھ پکڑا لیکن دل کی مراد پوری نہ کر سکا اور کتنی راتوں کو اس عورت کے بستر کو خالی پا کر اس کے بستر پر جا کر سویا اور اس کے بدن پر ہاتھ رکھا لیکن جب عورت مذکور نیند سے بیدار ہوئی فوراً اٹھ کر بھاگی اور اپنی حرمت و عزت کو بچائی کسی وقت وہ مرد اس کو اپنے قابو میں نہ لا سکا اور ایک بار اس عورت کو ان کے والد کے مکان سے لاتے وقت اسی مرد مذکور نے یعنی اس عورت کے خاوند کے والد نے راستہ

میں اکیلا پاکر اس دن بھی اپنے دل کی باتیں بیان کیں اور بعض بعض دفعہ ہاتھ پکڑا لیکن عورت نے اپنی عزت کو بچائی اور مرد مذکور اس معاملہ کا انکار کرتے ہوئے قرآن شریف کی قسم کھانے کا وعدہ کرتا ہے۔ اب اس عورت کے بارے میں شریعتِ محمدیہ کا کیا حکم ہے ؟ یعنی اس عورت کو رکھنا اس مرد کے لڑکے کے لئے جائز ہے یا نہیں اگر رکھے تو اس کے واسطے نکاح دوبارہ کرنا ہوگا یا نہیں۔ نیز اس عورت پر طلاق ہوئی ہے یا نہیں ؟ برائے مہربانی ان ساری باتوں کا جواب عنایت فرمائیں۔

عرضگزار : خادم، غلام، محمد منصور علی
ساکن مرزاپور ڈاکخانہ ٹیٹوش ضلع ٹیرہ

تنقیح

۱۔ مندرجہ بالا تینوں واقعات میں عورت کے ہاتھ اور بدن پر کپڑا تھا یا نہیں ؟ اور کپڑا باریک تھا یا موٹا ؟

۲۔ یہ عورت بالغہ ہے اور یہ جو بیان لکھا ہے تمام عورت کی زبان سے سنا ہے ان سب باتوں کا کوئی گواہ نہیں ؟

۳۔ اس عورت نے اپنے شوہر سے بھی یہ قصّہ بیان کیا یا نہیں اور اس شوہر نے کیا جواب دیا اس کو سچّا سمجھا یا جھوٹا ؟

جوابِ تنقیح

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ عورتِ مذکورہ نے یہ تمام قصہ اپنے شوہر سے بیان کیا تھا اور عورت کی باتوں سے شبہ ہونے کے سبب سے اس عورتِ مذکورہ کے شوہر نے اپنے والد سے یہ تمام قصہ دریافت کیا تھا اسی سبب سے اس لڑکے کے والد نے ان تمام باتوں سے انکار کرکے قرآن شریف کی قسم کھانے کا وعدہ کیا اور یہ واقعہ جب ہوا تھا ان ایام میں عورت مذکورہ کے پہناوے میں (لباس میں) ہمارے اس ملک کے جولاہے کا بنا ہوا موٹا کپڑا تھا اور عورت مذکورہ کے بدن میں کپڑا لپٹا تھا اور یہ جو واقعہ عورت نے بیان کیا حضور کے ۱ و ۲ کے اس قصّہ کو قریب ایک برس سات ماہ گزر گئے اور ۳ کے قصے کو بھی ایک برس دو ماہ گزر گئے اور یہ عورت اتنی مدت تک اپنے شوہر کی خدمت میں تھی اور شوہر نے اپنی عورت کی تمام باتوں کو جھوٹا جانا اس وجہ سے شوہر نے اس عورت کو اپنی خدمت میں رکھا تھا۔

عورت کے ہاتھ میں کپڑا تھا یا نہیں اس کو عورت بھی نہیں کہہ سکتی اُسے یاد نہیں ہے۔ یہ عورت مذکورہ اور مرد مذکور ایک دوسرے پر جھوٹ بات بیان کرتے ہیں۔ اب حضور مہربانی فرماکر شریعت کے موافق جواب تحریر فرماکر دل خوش کیجئے

الجواب

تنقیح : عورت صرف چھونے اور ہاتھ پکڑنے کی مدعی ہے یا تقبیل واخذ ثدی ومس فرج، ومعانقہ بانتشارِ آلہ بلا حائل کی بھی مدعی ہے

اگر صرف چھونے اور ہاتھ پکڑنے کی مدعی ہے اور خسر شہوت کا منکر ہے تو خسر کا قول مع الیمین معتبر ہے عورت کا قول معتبر نہیں بلکہ اس پر بیّنہ ہے۔ اور اگر تقبیل واخذ ثدی و مس فرج ومعانقہ بلا حائل کی بھی مدعی ہے یا ان میں سے کسی ایک کی مدعی ہے تو اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ خسر ان افعال کا اقرار کر کے شہوت کا منکر ہے یا ان افعال ہی کا منکر ہے اگر ان افعال کا اقرار کر کے شہوت کا منکر ہے تو عورت کا قول معتبر ہے اور اگر ان افعال ہی کا منکر ہے تو خسر کا قول مع الیمین معتبر ہے اور عورت کے ذمہ بینہ ہے پس صورت واقعہ مفصل لکھ کر سوال کیا جائے۔

قال فی الدر : و ان ادعت الشهوة فی تقبیله أو تقبیلها ابنه وأنکرها الرجل فهو مصدق لاهی (لانه ینکر ثبوت الحرمة والقول للمنکر، شامی) إلا أن یقوم الیها منتشرًا آلته فعانقها أو یأخذ ثدیها أو مسّ فرجها أو یقبلها علی الفم والحق الکمال الخدّین بالفم اهـ (ص۴۶۲ ج۲) واللّٰه أعلم

ظفر احمد

تتمة الجواب

قال فی البحر وفی فتح القدیر : وثبوت الحرمة بلمسها مشروط بأن یصدقها ویقع فی أکبر رأیه صدقها وعلی هذا ینبغی أن یقال : ان فی مسه إیاها لا تحرم علی أبیه و ابنه إلا أن یصدقاها أو یغلب علی ظنهما صدقها ثم رأیت عن أبی یوسف ما یفید ذلک اهـ (ص۱۰۱ ج۳)

قلت : ولما کان ثبوت الحرمة مشروطًا بالتصدیق و إذا فات الشرط

فات المشروط فلا تثبت الحرمة بدون التصديق واذا لم تثبت يحل للمرأة القيام مع زوجها ولكن يحتمل أن يكون المراد الثبوت قضاءً ويؤيده ما فی الفتح بعد كلامه المذكور ثم رأيت أبا يوسف أنه ذكر فی الامالی قال امرأة قبلت ابن زوجها وقالت كان عن شهوة ان كذبها الزوج لا يفرق بينهما ولو صدقها وقعت الفرقة اھ (ج۳ ص۱۳۰) وأمّا ديانةً فينبغی أن تفتی المرأة بحرمة تمكينها إيّاه علی نفسها فلا تمكنه بالرضاء وتسعی فی الامتناع منه بالهرب أو بالخلع كما إذا طلقها ثلاثًا وأنكر تطليقه إياها ولا بينة لها فانه لا يفرق بينهما قضاءً ويفتی فی حق المرأة بالتحريم ووجوب الامتناع منه۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ۔ از تھانہ بھون

۱۷ ذی الحجہ ۴۶ھ

خلاصہ یہ کہ صورتِ مسئولہ میں اگر عورت کو خسر کے متعلق شہوت و بدنیتی کا دعویٰ ہے کہ اس نے شہوت سے اس کو مس کیا ہے اور عورت کے پاس بیّنہ نہیں ہے اور خسر اور شوہر دونوں عورت کی تکذیب کرتے ہیں تو قضاءً اس صورت میں حرمت ثابت نہیں ہوتی اور ظاہر میں نکاح صحیح ہے لیکن چونکہ عورت کو اپنا سچا ہونا معلوم ہے اس لئے اس کو اپنے حق میں اس نکاح کو فاسد سمجھنا چاہئے اور اگر ممکن ہو تو شوہر سے علیحدہ ہوجائے اور اپنی رضا سے شوہر کو اپنے اوپر قابو نہ دے بشرطیکہ ایسا کرنے پر وہ قادر ہو اور ضررِ عظیم کا اندیشہ نہ ہو اگر ضررِ عظیم اور تکلیف کا اندیشہ ہو تو وہ معذور ہے اسلئے تحمل ضررِ عظیم کی وہ مکلف نہیں

واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۱۷ ذی الحجہ ۴۶ھ

حدیث سے حرمت مصاہرت بالزنا کا ثبوت

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بہو یعنی اپنے بیٹے کی بیوی سے جبراً زنا کیا تو کیا وہ بیٹے پر حرام ہوجاتی ہے یا نہ؟ اب بیٹے کو اپنی بیوی سے جماع کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کسی صورت سے اس عورت کو خاوند کے گھر میں رہنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے تو اس کا نکاح فسخ سمجھا جائیگا یا ضرورت طلاق کی ہوگی؟ بیّنوا توجروا۔

ع‍ أفتينا بذلك أخذاً بقول الشافعی دفعًا للحرج۔ ظفر

الجواب

حنفیہ کے نزدیک زنا سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہوجاتی ہے اس لئے صورتِ مسئولہ میں بیٹے کی بیوی بیٹے پر حرام ہوگئی اور اس کو اس سے جماع و مقدماتِ جماع سب حرام ہوگئے لیکن نکاح فسخ نہیں ہوا بلکہ فاسد ہوا جس کا طلاق یا متارکت سے قطع کردینا بیٹے پر واجب ہے اگر اس کی زوجہ دوسرے شخص سے نکاح کرنا چاہتی ہو اور اگر وہ بخوشی اس کے گھر رہنا چاہے اور دونوں احتیاط من المقاربت ومن مقدماتھا پر قادر ہوں اور بے احتیاطی متعلق سترِ عورت وخلوت وغیرہا کا اندیشہ نہ ہو اور گھر میں اس کو رکھنے کی سخت ضرورت ہو مثلاً وہ صاحبِ اولاد ہے جن کی پرورش کے لئے اس کا رہنا ضروری ہے کیونکہ شوہر پرورشِ اولاد کا کوئی دوسرا سامان نہیں کرسکتا۔ یا کرسکتا ہے مگر خود عورت کو دوسرے سامان پر اطمینان نہیں تو ان قیود کے ساتھ یہ بھی جائز ہے کہ بیٹا اپنی بیوی کو طلاق ومتارکت سے الگ نہ کرے بلکہ اپنے ہی گھر میں رکھے اور دونوں باہم پوری احتیاط رکھیں۔ عورت وجہ وکفین کے سوا باقی جسم کو شوہر سے ہمیشہ مستور رکھے اور کبھی خلوت کا بھی موقع نہ دے بلکہ ہمیشہ کسی معتبر عورت کے ساتھ گھر میں رہے اور جن لوگوں کو واقعۂ زنا کی اطلاع ہوچکی ہو ان کو اس سے بھی اطلاع کردیا جائے کہ اب اس عورت کو اس صورت سے گھر میں رکھا گیا ہے۔ بیوی بنا کر نہیں رکھا گیا۔

وهذا مما يعرف ولا يعرف وإنما ذكرناه توسعة على المضطر وليس في قيام المرأة في بيت الزوج بعد حرمتها عليه إلا مثل ما في قيام المستأجرة لخدمة البيت في بيت المستاجر۔ اللّٰهم إلاّ أن يقال فرق بينهما وهو أن الرجل يحتشم من غير منكوحته وكذا تحتشم هي منه بخلاف ما اذا كانا زوجين قد اختلطا زماناً قلنا فلاجل ذلك قيّدناه بالقدرة على التوقي والاحتياط والاضطرار الى ذلك وإلا فلا يجوز ويمكن الاستيناس بقوله تعالىٰ : فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ۔ الآية۔ حيث أباح الاسترضاع من المطلقات بعد انقضاء عدّتهن فافهم۔ والاصل في ثبوت حرمة المصاهرة بالزنا قوله صلى الله عليه وسلم لسودة في ولد جارية زمعة : واحتجبي منه يا سودة ! الحديث، وهو متفق عليه۔

لأنه صلى الله عليه وسلم لما رأى الشبه بعتبة علم أنه من مائه فاجراه فى الاحتياط مجرى النسب. قال ابن حزم وهو قول الثورى. وفى المعالم للخطابى وهو مذهب أصحاب الرأى والاوزاعى وأحمد. قال وفى قوله صلى الله عليه وسلم: احتجبى منه ياسودة! حجة لهم. كذا فى الجوهر النقى (ص ۸۵- ج ۲)

وفيه أيضًا قبله (ص ۸۴- ج ۲) قال ابن حزم: وروينا عن ابن عباس أنه فرق بين رجل وامرأته بعد ان ولدت له سبعة رجال كلهم صار رجلاً يحمل السلاح لأنه كان أصاب من أمّها ما لا يحلّ. وروى عبد الرزاق فى مصنّفه عن عثمان بن سعيد عن قتادة عن عمران بن حصين فى الذى يزنى بأمّ امرأته قال حرمتا عليه جميعاً اهـ اسناده حسن وهذا أن صحابيين قد صرّحا بما دلّ عليه الحديث المرفوع وأقوال الصحابة عندنا حجّة وقد رواه ابن حزم عن سعيد بن المسيب وأبى سلمة بن عبد الرحمن وعروة بن الزبير (وهؤلاء كبار التابعين) ورواه ابن أبى شيبة بسند صحيح عن ابن المسيب والحسن وعبد الرزاق وعن عطاء وطاؤس وابن ابى شيبة عن قتادة وأبى هاشم فى الرجل يقبّل أمّ امرأته أو ابنتها قالا حرمت عليه ابنته. وعن ابن مغفل (وهو عبد الله صحابى) وعن عكرمة مثله كذا عن الجوهر النقى ملخصاً صحته او الحسن كما ذكرنا فى مقدّمة إعلاء السنن، نقلاً عن الحافظ ابن حجر فى الفتح والتلخيص- والله تعالےٰ أعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۹ محرم ۴۷ھ

جب تک مس بالشہوت نہ ہو مطلق مس موجب حرمت نہیں

سوال: ایک شخص مسمّٰی سوم بیان کرتا ہے کہ میری ساس یعنی میری منکوحہ کی ماں ایک شب کو جس میں میں نیند میں تھا میرے اوپر آکر چارپائی کے نزدیک کھڑے ہو کر ایک ہاتھ میرے سینہ کے اوپر رکھا اور منہ اپنا میرے منہ سے ملایا اُس وقت میں بیدار ہو گیا اور مجھ کو کہا کہ میں تیرے ساتھ سوتی ہوں میں نے ان کو کہا کہ یہ کام مجھ سے نہ ہو گا۔ پھر وہ چلی گئی۔ مجھ کو اس وقت شہوت کا انتشار وغیرہ کچھ نہ تھا اس کے بعد ایسے ہی زبانی میرے ساتھ محبت بہت کرتی

ہے اور دیگر لوگوں میں ان دونوں کی آپس میں ظاہری محبت دیکھ کر بُری محبت کی شہرت ہوگئی ہے عورت سے پوچھا گیا کہ تو اپنے داماد کے ساتھ منہ ملایا اور ہاتھ سینے کے اوپر رکھا کہ وہ ایسا کہتا ہے۔ عورت نے کہا کہ میں نے کچھ بھی نہیں کیا وہ میرا داماد ہے مجھ کو اسی کی وجہ سے اس سے محبت ہے، میں نے ہاتھ یا منہ اس پر نہیں لگایا، وہ جھوٹ کہتا ہے اب چونکہ سوہر خود اس بات کا مدعی ہے کہ میرا منہ لگایا اور سونے کے واسطے خواہش کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو شہوت تھی۔ کیا سوہر پر منکوحہ کی حرمت ثابت ہوئی یا نہیں؟

بندہ فخر الدین۔ گھوٹکی ضلع سکھر (سندھ)

الجواب

صورتِ مسئولہ میں مرد تقبیل کا مدعی نہیں بلکہ صرف اس کا مدعی ہے کہ عورت نے میرے منہ سے منہ لگایا اور یہ تقبیل نہیں بلکہ صرف مس ہے اور مس میں اس وقت تک حرمت نہیں ہوتی جب تک مس بالشہوت نہ ہو اور جب عورت شہوت کی منکر ہے تو اس سے قسم لے لی جائے اگر وہ قسم کھالے تو حرمت نہ ہوگی

منہ یا رخسار پر بوسہ لیا تو انکارِ شہوت معتبر نہیں

سوال: اگر عورت یا مرد ہاتھ لگانے یا بوسہ دینے کا اقرار کرے اور شہوت کا انکار کرے تو فقط ماس کا قول کافی ہے یا قسم پر اس کی شہوت کا انکار قبول ہوگا؟

(۱) اگر دو شاہد گواہی دیں مس اور بوسہ کی مرد اور عورت پر اور وہ عورت یا مرد شہوت کا انکار کریں تو حرمت ثابت ہوگی یا نہیں؟ کیونکہ مرد کا انتشار بھی شاہدوں کو دیکھنا مشکل ہے اور عورت کی شہوت تو ان کو دیکھنا ناممکن ہے شاید بظاہر مس یا بوسہ کی گواہی دیں گے پھر شہوت کا اقرار یا انکار تو عورت یا مرد پر منحصر رہا اس صورت میں گواہی پر حرمت ثابت ہوگی یا ان کے انکار پر حلت بدستور قائم رہیگی؟

بندہ فخر الدین۔ گھوٹکی ضلع سکھر (سندھ)

الجواب

(۱) بوسہ اگر منہ یا رخسار پر لیا ہے تو صحیح یہ ہے کہ انکارِ شہوت معتبر نہیں اور بوسہ کے معنی منہ چومنا یا رخسار چومنا ہے صرف منہ سے منہ ملانا یا رخسار پر منہ لگانا بوسہ نہیں اور ہاتھ لگانے میں انکارِ شہوت معتبر ہے مع الیمین۔ بدونِ یمین کے منکر کا قول معتبر نہیں۔

(۲) شاہدین کو شہادت علی المس میں مرد کے انتشار اور عورت کی حرکات کا مشاہدہ ضروری ہے اگر وہ مس کی شہادت بدون انتشار کے بیان کریں تو مرد کا انکار معتبر ہوگا مع الیمین

مساحقت موجب حرمتِ مصاہرت ہے یا نہیں؟

سوال : زید کی بیوی نے اس کی لڑکی بالغہ یا نابالغہ سے چپٹی کی یعنی جس طرح صحبت کرتے ہیں اسی طرح اس نے بھی کسی طریقہ سے اس کے ساتھ ایسا فعل کیا اور اس کے جسم کو دیکھنے سے اس فعل کا یقین ہے تو کیا لڑکی کا حکم بھی مثل لڑکے کے ہے؟ کہ جس طرح ابن الزوج کے ساتھ ایسا فعل کرنے سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے اس صورت میں بھی ہوگی یا نہیں بحوالہ کتاب تحریر فرمائیں۔

الجواب

اس صورت میں یعنی مساحقت میں حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوسکتی۔

قال فی الدر : أما غیرها أی غیر المشتهاة المزنیة فلا تثبت الحرمة بها اصلاً کوطی دبر مطلقًا أی سواء کان بصبی او امرأة اتی رجل رجلاً له ان یتزوج با بنته لأن هٰذا الفعل لو کان فی الاناث لا یوجب حرمة المصاهرة ففی الذکر أولی۔ قال الشامی : ان العلة هی الوطأ السبب للولد ولم یتحقق فی الصورتین اھ (ص ۴۶۱ ج ۲)

قلت : وکذا لم یتحقق الوطأ السبب للولد فی المساحقة اصلاً فلا حرمة بها۔

واللہ أعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۱۳ ذی قعدہ ۴۷ھ

هل یجوز للحنفی الافتاء بقول الشافعی فی مسئلة المصاهرة ام لا؟

سوال : غب إهداء السلام والتحیة اللائقة بالمقام۔ فیا سیدی! قد جاءنا سوال بواقعة تخبرنا فیها ان افتینا فیها بحرمة المصاهرة تخشی الفتن وإن لم نفت بها لم نجد لها مساغًا فی المذهب حسب فهمنا فرفعنا الامر إلی علو مقامکم کی تطمئن الخواطر فهل یجوز لنا ان نفتی فیها بقول الامام الشافعی رحمه الله تعالٰی؟ فالمرجو من مکارم أخلاقکم البهیة أن تفیدونا بما أراکم الله تعالٰی لا زلتم حلال المعاقد داعیکم حسین احمد غفرله من دیوبند

الجواب : الحمد لله وسلام علی عباده الذین اصطفٰی۔ ثم السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

وبعد فانا لا نجيز العمل بقول سيدنا الشافعي رحمه الله في مسئلة حرمة المصاهرة بوجوه:

الاول: عدم الحاجة إليه فانه لاضرر ولاحرج في طلاق امرأة بعينها والمفارقة عنها والتزوج بغيرها۔

والثاني: كثرة المفاسد وتفاقم الفتن في ترك قول الامام في المسئلة فان العوام إذا علموا بجواز العمل بقول غيره فيها تهوروا على المساس والنظر بشهوة إلى أمهات أزواجهم ونحوهن وعلى ارتكاب الزنا ومقدماته بحلائلهم او بأزواج آبائهم ونحوها والآن يرتدعون من ذلك مخافة على النكاح۔

والثالث: قوة قول الامام في المسئلة فقد أجمع الصحابة على حرمة الوطي بامة قد وطيت امها أو بنتها قبلها وما ذلك الا لحرمة المصاهرة وبسط الدلائل في الجوهر النقي فليراجع۔ والله تعالىٰ أعلم

حرره الاحقر ظفر احمد عفا عنه

۱۸ر ذی قعدہ ۱۳۴۸ھ

سوال: یہ ہے کہ ایک عورت نے دعویٰ ونالش کی کہ عورت کے زوج کے باپ نے اس سے بارہا جبراً زنا کیا جس کے دوگواہ بھی موقع کے ہیں۔ اس سے زنا تو ثابت نہیں ہوا مگر حرمت مصاہرت یعنی وہ عورت اس شخص کے بیٹے پر حرام ہوگی یا نہیں؟ جبکہ اس عورت کا شوہر عورت کے بیان کو بالکل تصدیق نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ میرے کسی دشمن نے یہ جھوٹی تہمت میرے باپ پر کرنے کو میری زوجہ کو تعلیم دی ہے تاکہ وہ مجھ پر حرام ہوجائے اور وہ دشمن خود اس سے نکاح کرسکے اس حالت میں جبکہ شوہر عورت کے بیان کی تصدیق نہیں کرتا حرمتِ مصاہرت ثابت ہوگی یا نہیں؟ اور اس عورت کو زوج سے تفریق کی جائیگی

عورت دعویٰ کرے کہ خسر نے اس کے ساتھ بارہا زنا کیا ہے اور شوہر اس کی تصدیق نہ کرے تو کیا دوگواہوں کی شہادت سے حرمت مصاہرت ثابت ہوجائے گی۔

عہ فان من العوام من لايخاف الله تعالىٰ ولايتقيه حق تقاته ولكن اكثرهم يهابون من فساد انكحتهم أو أنكحة أقربائهم من الاباء والابناء

یا نہیں ؟ جواب سے سرفراز فرمایا جائے۔

سائل : ظہور الحق

میرج رجسٹرار و قاضی پوسٹ قاضی پور

الجواب

صورتِ مسئولہ میں قضاءً حرمتِ مصاہرت کا ثبوت نہیں کیونکہ یہ دو گواہ زنا کے شاہد ہیں اور زنا کے گواہوں کے لئے چار گواہوں سے کم کافی نہیں اس لئے یہ گواہ شرعاً حد کے قابل ہیں۔ اگر قاضی اسلام ہوتا تو ان پر حد جاری کرتا پس ان کی گواہی سے نہ زنا کا ثبوت ہوا نہ حرمت مصاہرت کا۔ البتہ چونکہ صورت مسئولہ میں عورت خود مدعی ہے اس لئے دیانۃً عورت کو یہ فتویٰ دیا جائیگا کہ اگر وہ اپنے بیان میں سچی ہے تو اس کو اپنے شوہر سے الگ ہو جانا واجب ہے مگر دوسرے شخص سے نکاح کرنا اس کو جائز نہیں۔ جب تک زوج اس کو طلاق نہ دے یا متارکت کے الفاظ استعمال نہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون - ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ

بیوی کی سوتیلی ماں سے زنا کیا تو بیوی حرام نہیں ہوگی

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین متین و مفتیانِ شرع مبین اس مسئلہ میں کہ زید کی شادی بکر کی لڑکی زبیدہ کے ساتھ ہوئی ہے کچھ دنوں کے بعد زبیدہ کی ماں کا انتقال ہو جاتا ہے اور بکر دوسری شادی کرتا ہے پھر زید اپنی اہلیہ کی سوتیلی ماں سے مرتکبِ زنا کا ہوتا ہے یا اس کو شہوت کے زور سے ہاتھ لگاتا ہے تو ان دونوں صورتوں میں زبیدہ اپنے خاوند زید پر حرام ہوتی ہے یا نہیں اگر حرام ہوگئی ہے تو حرام ہو جانے کے بعد اگر زید اپنی بیوی زبیدہ سے صحبت کرے تو اس کا کیا حکم ہے ؟ عرض کہ ان صور کے متعلق فقہ حنفیہ کی رُو سے مفصل جوابات مع حوالہ تحریر فرمائیں۔

سائل : عبدالرحمٰن عفا عنہ

الجواب

بیوی کی سوتیلی ماں سے زنا اور مس بالشہوت کرنے سے بیوی شوہر پر حرام نہیں ہوئی مگر زید کو سخت گناہ ہوا جلد اس گناہ سے توبہ کرے ورنہ وبال دنیا و آخرت کے لئے تیار رہے۔ فقط واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ

وطی ربیبہ سے بیوی کا حرام ہونا

سوال : اگر کوئی شخص پہلے ایک عورت سے نکاح کرے اور وطی کرتا رہے پھر اس عورت کی پہلے خاوند کی لڑکی سے یعنی ربیبہ سے نکاح جہالۃً کرے اور وطی کرے تو دونوں حرام ہوں گی یا نہیں ؟ احمد علی ۔ از ہوشیار پور محلہ سنہری مدرسہ سبیل الرحمۃ

الجواب

جس شخص نے اپنی ربیبہ عورت سے ہم بستری وغیرہ کی ہے اس پر اس کی بیوی بھی حرام ہوگئی جیساکہ پہلے سے ربیبہ حرام ہے

كما في العالمگيريه : و تثبت (أي حرمة المصاهرة) بالوطي حلالاً كان أو عن شبهة أو زنا كذا في فتاوى قاضي خان : فمن زنا بامرأة حرمت عليه أمّها وإن علت و ابنتها وان سفلت (ص ۵ ج ۲)

البتہ اگر وطی اور اس کے دواعی میں سے کوئی امر واقع نہ ہوتا تو محض نکاح بنت الزوجہ سے زوجہ حرام نہ ہوتی ۔

كما في العالمگيرية ايضاً : وتثبت حرمة المصاهرة بالنكاح الصحيح دون الفاسد كذا في محيط السرخسي ۔ فلو تزوّجها نكاحاً فاسداً لا تحرم عليه أمّها بمجرد العقد بل بالوطي هكذا في البحر الرائق

وفيه بعد أسطر : وكما تثبت هذه الحرمة بالوطي تثبت بالمس والتقبيل والنظر إلى الفرج بشهوة ۔ كذا في الذخيرة سواء كان بنكاح أو ملك او فجور عندنا كذا في الملتقط قال أصحابنا : الربيبة وغيرها في ذلك سواء هكذا في الذخيرة ۔ و الله اعلم

احقر عبد الکریم عفی عنہ

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ ضلع مظفر نگر تھانہ بھون

۱۵ ر صفر ۱۳۴۵ھ

حرمتِ مصاہرت کے متعلق چند سوالوں پر مشتمل ایک استفتاء

سوال : ایک غلطی یہ سرزد ہوئی کہ ایک مرتبہ زید کے سینہ میں درد ہونے لگا زید کی پھوپھی جو (زید کی بیوہ بھاوج کی ماں ہیں) از راہِ شفقت فرمایا کہ لاؤ میں تمہارے سینہ میں دوا یا تیل کی مالش کردوں تاکہ درد موقوف ہو جائے چنانچہ زید چت لیٹ گیا اور زید کی پھوپھی

نے زید کے کمر کی دونوں طرف اپنے دونوں پیروں کو ڈال کر جھکے ہوئے زید کے سینہ پر دوا مالش کرنا شروع کر دی اس ہیئتِ کذائی سے مالش ہونے کی وجہ سے زید کے عضو مخصوص میں خود بخود ایک خفیف سا انتشار پیدا ہوگیا یعنی عضو میں خفیف ایستادگی پیدا ہوگئی اور مالش برابر ہوتی رہی اس وقت زید اپنی طبیعت اور اپنے خیال کو دفع کرنے اور دوسری طرف متوجہ کرنے کی برابر کوشش کرتا رہا اس مالش ہونے کے وقت نہ زید کی کوئی نیت خراب تھی اور نہ زید کی پھوپھی کی اور نہ اس قسم کا خیال طرفین میں کبھی پیدا ہوا۔ اور نہ ایسا ہوسکتا تھا اس لئے کہ زید ہمیشہ سے اپنی پھوپھی کو بزرگوں کی طرح سمجھتا ہے مگر اس مالش کے دوران میں محض پیروں کے حمائل کر دینے اور اس خاص صورت سے ایک عورت ذات کے ہاتھ سے مالش ہونے کی وجہ سے خود بخود زید کے دل میں کسی خفیف خیال کے گذرنے سے یہ کیفیت پیدا ہوگئی تھی۔

دوسری غلطی یہ ہوئی کہ زید کی پھوپھی غسل کر رہی تھیں یا خانہ میں تھیں زید نے بے احتیاطی سے بغیر آواز دئے ہوئے اندر مکان کے چلا آیا۔ یا بغیر کھانسے ہوئے پاخانہ کے اندر چلا گیا ایسی حالت میں زید نے اپنی پھوپھی کو برہنہ دیکھ لیا مگر زید نے اپنی نگاہ کو جمنے نہیں دیا۔ بلکہ فورًا نظر ہٹا لیا اور اُلٹے پیروں فورًا واپس ہوا جبکہ زید کو یہ معلوم ہوگیا کہ پاخانہ کے اندر کوئی شخص موجود ہے زید کی نظر خاص حصۂ جسم یعنی شرمگاہ پر نہیں پڑی بلکہ دیگر حصۂ جسم برہنہ پر پڑی۔

تیسری غلطی یہ ہوئی کہ ایک مرتبہ زید کی پھوپھی کو اپنے پیروں یا ہاتھوں کے کڑے اُتروانا مقصود تھا چونکہ کڑے کسی قدر سخت تھے لہذا زید سے یہ کہا کہ بھیا! میرے یہ کڑے اپنے ہاتھ سے ذرا ڈھیلا دو تاکہ آسانی سے اُتر جائیں زید نے اس کی تعمیل کی مگر کڑے اتارتے وقت زید نے اپنی پھوپھی کی پنڈلی کھلی ہوئی دیکھی۔ مگر کوئی شہوانی خیال طرفین میں قطعی نہیں تھا اور نہ اس کا گمان ہوسکتا ہے لہذا زید ان مذکورہ بالا وجوہات کے واقع ہوجانے سے یہ خیال کرتا ہے کہ شاید سسرالی رشتہ قائم ہوگیا ہو اور اب اپنی پھوپھی کی اولاد یعنی بیوہ بھاوج سے نکاح کرنا ناجائز ہو۔ لہذا حضور والا ازراہِ کرم اس مسئلہ پر توجہ فرمائیں اور مفصل جواب جلد ارسال فرمائیں تاکہ زید اس پر کاربند ہوے اور اگر خدانخواستہ اب اس کے لئے یہ نکاح ازروئے مذہبِ حنفیہ ناجائز ہے تو مذہبِ شافعیہ سے اجازت مل سکتی ہے یا نہیں؟

اور کوئی حنفی امام، امام شافعی رح کے کسی مسئلہ پر عامل ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب

① اس واقعہ میں چونکہ اس شخص کا خیال اس عورت کی جانب نہ تھا بلکہ محض خیال کی وجہ سے شہوت ہوئی اس لئے اس واقعہ سے حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوئی ۔

لما فی الشامیة : (ص ۴۵۹ - ج ۲) قلت : ویشترط وقوع الشهوة علیها لا علی غیرها لما فی الفیض لو نظر إلی فرج ابنته بلا شهوة فتمنّی جاریة مثلها فوقعت له الشهوة علی البنت تثبت الحرمة وان وقعت علی من تمنّاها فلا ۔

البتہ اگر وہ عورت کہتی ہو کہ اس کو اس وقت شہوت تھی تو مفصل بات لکھ کر دوبارہ سوال کریں اور یہ بھی لکھیں کہ زید کو اس عورت کا قول صحیح معلوم ہوتا ہے یا نہیں ؟

② اس واقعہ میں نہ شہوت ہوئی نہ نظر جسم خاص کی طرف اور یہ دونوں شرط ہیں پس کوئی وجہ حرمتِ مصاہرت کی نہیں ۔

③ اس میں بھی مس بلا شہوت ہونے کی وجہ سے حرمتِ مصاہرہ کا احتمال نہیں ہے غرض ان ہر سہ واقعات میں کوئی واقعہ ایسا نہیں جس سے حرمتِ مصاہرہ ثابت ہوتی ہو ۔ پس زید اس عورت کی لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے ۔

احقر عبدالکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۱۶ر شوال ۴۸ھ

الجواب صحیح

و إن ادعت المرأة الشهوة لما فی الدر المختار : و ان ادعت الشهوة فی تقبیله أو تقبیلها ابنه (و انکر الرجل فهو مصدق) لاهی الخ

وفی الشامی (ص ۴۶۴ - ج ۲) (قوله فهو مصدق) لانه ینکر الحرمة ، والقول للمنکر وهٰذا ذکره فی الذخیرة - فی المس لا فی التقبیل کما فعل الشارح فانه مخالف لما مشی علیه المصنف اولا من أنه فی التقبیل یُفتی بالحرمة مالم یظهر عدم الشهوة و قد مناعن الذخیرة نقل الخلاف فی ذلك فما ههنا مبنی علی مافی بیوع العیون اهـ

ظفر احمد عفاعنہ

مسئلہ مصاہرت | سوال : واقعہ یہ ہے کہ ایک منکوحہ نے بوجوہ متعددہ تکالیفِ

خانہ داری اپنے شوہر کے مکان سے جاکر اپنے سسر پر تہمت لگا دی کہ اس کے سسر نے اس کے ساتھ زنا کیا منکوحہ مذکورہ کا خاوند بغرض تحصیل علم دین غیر ملک گیا تھا جب وہ پردیس سے مکان میں آیا منکوحہ کے عم حقیقی نے داماد سے کہا کہ لڑکی قرآن مجید پکڑ کر حلف کرتی ہے کہ اس کے سسر نے اس سے زنا کیا لڑکی کی زبان بندی میرے نزدیک باور ہوئی اگر تم کو باور نہ ہو لڑکی سے دریافت کرو۔ تب داماد نے جواب دیا کہ میں بسواس کرتا ہوں کہ آپ نے میری زوجہ کی زبان بندی لی ہے لیکن میں اس وقت کچھ نہیں پوچھوں گا۔ چچا نے کہا یہ لڑکی تمہارے لئے عند القاضی حرام نہ ہوئی کیونکہ کوئی شاہد نہیں تم جاسوس کی طرح گواہ تلاش کرو۔ القصہ! لڑکی کے چچا نے داماد کو حکم دیا کہ تمہاری بیوی ہے کہ تم لے جاؤ۔ لیکن لڑکی کے سوتیلے باپ نے نہیں دیا۔ پھر چچا نے ایک کاغذ بطور زبان بندی کے اپنے ہاتھ سے لکھ کر اس پر داماد کا نام جعلی دستخط کر کے ایک مولوی صاحب کے پاس بھیجا اور اس کاغذ میں لکھا ہوا تھا کہ داماد نے واقعہ زنا کی تصدیق کی پس مولوی صاحب مذکور نے لڑکی اور اس کے سسر یعنی مدعیہ و مدعاعلیہ سے کچھ بھی دریافت نہ کیا اور ان کی زبان بندی بھی نہیں لی فقط داماد کو بلا کر کہا کہ بمطابق نوشتۂ ہذا کے معلوم ہوتا ہے کہ تم نے واقعۂ زنا کی تصدیق کی داماد نے جواب دیا نہیں صاحب! میں نے ہرگز واقعۂ زنا کی تصدیق نہیں کی بلکہ اپنے چچا سسر کو فقط اتنا بولا ہوں کہ "میں بسواس کرتا ہوں آپ نے میری زوجہ کی زبان بندی لی ہے"، پس مولوی صاحب مذکور نے اس کاغذ ہی پر اعتماد کر کے زنا کے دعویٰ پر ثبوت حرمتِ مصاہرت کا ایک فتویٰ لکھ دیا۔ اس مولوی صاحب کے فتویٰ نویسی سے پیشتر دیگر دو مولوی صاحبان یہ حکم دے چکے کہ صورتِ مسئول عنہا میں حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوئی۔

پس استفتاء یہ ہے کہ صورتِ مرقومۃ الصدر میں بلا ثبوتِ زنا فقط لڑکی کے چچا کے نوشتہ پر معتمد ہو کر حرمتِ مصاہرہ کا فتویٰ دینا صحیح ہے یا نہیں؟ اور نفس الامر میں بھی صورت مرقومہ میں حرمت ثابت ہوگی یا نہیں؟ جبکہ دو مولوی صاحبان نے عدم ثبوت حرمت کا حکم دیدیا پھر دوسرے مولوی صاحب کو اس کی تردید کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

یہ سوالات زائد ہیں اصل واقعہ کا حکم یہ ہے کہ اس قاضی یا مسلمان حاکم کے پاس

مقدمہ پیش کیا جائے جس کو اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کرنیکا حکومت کی طرف سے اختیار دیا گیا ہو اگر حاکم مسلم اور قاضی نہ ہو تو کسی کو بتراضی طرفین سے حکَم بنا لیا جائے جس کے پاس مقدمہ پیش ہو وہ عورت کا دعویٰ سُنے اور گواہ طلب کرے اگر اس کے پاس گواہ نہ ہوں تو مدعا علیہ یعنی خاوند[1] اور خسر سے حلف لیا جائے اگر گواہوں سے حرمتِ مصاہرہ ثابت ہو جائے یا خسر اور خاوند یمین سے انکار کر دیں تو قاضی حاکم یا حکَم تفریق کر دے اور تفریق کے بعد عدت گزار کر عورت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے بدون تفریق دوسری جگہ نکاح کرنا حرام ہے الا آنکہ خاوند کی طرف سے متارکت ہو جائے۔

كما قال صاحب الدر : لا يحل لها التزوّج بآخر إلا بعد المتاركة۔

وفي الشامي عن الحاوي : إلا بعد المتاركة أو تفريق القاضي اھ (ص۴۶۳ ج۲)

اور اگر مدعا علیہما حلف کر لیں تو نکاح قائم رہنے کا حکم دیدیا جائے لیکن نکاح قائم رہنے کا حکم دیدینے سے صرف قضاءً حلت کا فتویٰ دیا جائے گا مگر دیانۃً حلال ہونے میں تفصیل ہے یعنی جس کو حرمتِ مصاہرت کا علم ہو اس کے لئے تعلق ازدواج رکھنا حلال نہ ہوگا۔ اور جس کو علم نہیں وہ دیانۃً بھی معذور ہے پس واقعہ مسئولہ میں اگر خاوند درحقیقت عورت کی تصدیق کر چکا ہو تو قضاء قاضی کے بعد بھی اس کے لئے حلال نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح اگر کوئی امر موجب حرمت مصاہرت کا خسر سے سرزد ہو گیا ہے تو اس کو اخفاء جائز نہیں اور چونکہ عورت ایسے واقعہ کی مدعیہ ہے جس سے یقیناً حرمت مصاہرت ہو جاتی ہے اس لئے اس کے واسطے کسی حال میں تمکین جائز نہیں لیکن اگر کوئی صورت ایسی ہوتی جس میں احتمال ہوتا تو قضاء قاضی کے بعد اس کو تمکین جائز ہو جاتی۔ مثلاً خسر کی جانب سے تقبیل واقع ہوتی اور عورت شہوت ہونے کا دعویٰ کرتی اور خسر حلف سے کہدیتا کہ شہوت سے ہرگز نہ تھا تو تمکین حلال رہتی۔

والمسئلة مصرّحة في البدائع : حيث قال بعد نقل الاختلاف بين الإمام و صاحبيه في نفاذ القضاء باطناً بشهادة الزور فيما هو له ولاية إنشائية في الجملة وأجمعوا على انه لو ادعى نكاح امرأة وهي تنكر وتقول أنا أخته من الرضاع أو أنا في

---

[1] خسر سے تو اس بات پر حلف لیا جائے کہ اس نے کوئی فعل موجب حرمتِ مصاہرہ کا نہیں کیا اور خاوند سے اس پر لیا جائے کہ مجھ کو عورت کی بات پر یقین نہیں آیا۔ منہ

عدة من زوج آخر فشهد بالنكاح شاهدان وقضى القاضي بشهادتهما والمرأة تعلم أنها كما أخبرت لا يحل لها التمكين (ص ۱۵ ج ۷)

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ
از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
مورخہ یکم ذی قعدہ ۱۳۵۱ھ

حسن المحاضرة فی تحقیق بعض شرائط حرمة المصاهرة

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی ایک رشتہ کی پھوپھی جو کہ عمر میں ادھیڑ اور زید سے بہت زیادہ عمر میں بڑی ہیں۔ زید اپنی ان پھوپھی کی اپنی ماں کے برابر عزت کرتا ہے اور اسی طرح سے پھوپھی بھی زید کو اپنے لڑکے کی طرح سمجھتی ہیں زید کی پھوپھی کی ایک لڑکی کا زید کے ایک سگے بڑے بھائی کے ساتھ نکاح ہوا تھا مگر عرصہ تین چار سال کا ہوا کہ زید کے بڑے بھائی کا انتقال ہوگیا اب زید کی یہ بھاوج بیوہ ہیں اور زید کے بھائی مرحوم کی اولاد زید کی نگرانی و زیر پرورش ہیں۔ زید اور زید کی بیوہ بھاوج اور اس کی اولاد وغیرہ ایک ہی گھر میں رہتے سہتے ہیں اور سبھوں کا ایک گھر میں کھانا پینا ہے زید کے دوست و احباب عزیز واقارب کی یہ دلی خواہش ہے اور بہت کوشاں ہیں کہ زید کا نکاح زید کی اس بھاوج بیوہ کے ساتھ ہوجائے تاکہ یہ بیوہ زید کے گھر ہی میں رہے اور گھر کا شیرازہ نہ بکھرنے پائے اور زید کے بھائی مرحوم کی اولاد جو اس بیوہ سے پیدا ہوئیں ہیں ان کو کوئی تکلیف نہ پہنچے اور بدستور زید کی زیر نگرانی رہیں۔ اعزہ کا یہ خیال ہے کہ اس بیوہ کا نکاح اگر کسی غیر جگہ ہوگا تو گھر کا یہ سارا انتظام منتشر ہوجائیگا اور بچوں کو بھی تکلیف ہوگی نیز بیوہ کا ایسی صورتوں میں کسی دوسری جگہ نکاح ہونا بھی ایک امر محال سمجھا جاتا ہے۔ اگر اس بیوہ کا نکاح زید کے ساتھ نہ ہوا تو پھر یہ بیوہ ہمیشہ کے لئے نکاح کرنے سے محروم رہے گی اور ساری زندگی اس کی یوں ہی گذر جاے گی۔ بیوہ بیچاری ابھی نوجوان ہے اور اندازے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بھی یہ خواہش ہے کہ گھر ہی میں نکاح زید (دیور) کے ساتھ ہوجائے تو بہتر ہے۔ عزیز واقارب، دوست واحباب کے مجبور کرنے پر زید بھی راضی ہوگیا ہے کہ وہ اپنی اس بیوہ بھاوج کے ساتھ جو کہ کسی غیر جگہ مذکورہ بالا وجوہات کی بناء پر نکاح کرنے سے مجبور ہوا ہی ہے نکاح کرکے خدا تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرے مگر افسوس ہے کہ زید چند خاص وجوہات ومشکلات کی بناء پر جو کہ اس سے ناداستگی

اور غلطی سے عرصہ ہوا سرزد ہو گئی تھیں کہ جس کے باعث اس نکاح سے تامل کر رہا ہے تا وقتیکہ کوئی شرعی حکم صادر نہ ہو اور اطمینان نہ ہو جائے ۔

پہلی غلطی یہ سرزد ہوئی کہ ایک مرتبہ زید کے سینہ میں درد ہونے لگا زید کی پھوپھی مذکورہ نے جو (زید کی بیوہ بھاوج کی ماں ہیں) از راہِ شفقت فرمایا کہ لاؤ میں تمہارے سینہ میں دوا یا تیل مالش کر دوں تاکہ درد موقوف ہو جائے ۔ چنانچہ زید چت لیٹ گیا اور زید کی پھوپھی نے زید کے کمر کی دونوں طرف اپنے دونوں پیروں کو ڈالکر جھکے ہوئے زید کے سینہ پر مالش شروع کر دی ۔ اس ہیئتِ کذائی میں مالش ہونے کی وجہ سے زید کے عضو مخصوص میں خود بخود ایک خفیف سا انتشار پیدا ہو گیا یعنی عضو میں خفیف ایستادگی پیدا ہو گئی اور مالش برابر ہوتی رہی ۔ اس وقت زید اپنی طبیعت اور اپنے خیال کو دفع کرنے اور دوسری طرف متوجہ کرنے کی برابر کوشش کرتا رہا ۔ اس مالش ہونے کے وقت نہ زید کی کوئی نیت خراب تھی اور نہ زید کی پھوپھی کی ۔ اور نہ اس قسم کا خیال طرفین میں کبھی پیدا ہوا اور نہ ایسا ہو سکتا تھا اس لئے کہ زید ہمیشہ سے اپنی پھوپھی کو بزرگوں کی طرح سمجھتا ہے ۔ مگر اس مالش کے دوران محض کمر میں پیروں کے حائل کر دینے اور اس خاص صورت سے ایک عورت ذات کے ہاتھ سے مالش ہونے کی وجہ سے خود بخود زید کے دل میں کسی خفیف خیال کے گزرنے سے یہ کیفیت پیدا ہو گئی تھی ۔

دوسری غلطی یہ ہوئی کہ زید کی پھوپھی غسل کر رہی تھیں یا پاخانہ میں تھیں زید بے احتیاطی سے بغیر آواز دیئے ہوئے اندر مکان کے چلا آیا یا بغیر کھانسے ہوئے پاخانہ کے اندر چلا گیا ۔ ایسی حالت میں زید نے اپنی پھوپھی کو برہنہ دیکھ لیا مگر زید نے اپنی نگاہ کو جمنے نہیں دیا بلکہ فوراً نظر ہٹا لیا اور الٹے پیروں فوراً واپس ہوا جبکہ زید کو یہ معلوم ہو گیا کہ پاخانہ کے اندر کوئی شخص موجود ہے زید کی نگاہ خاص حصۂ جسم یعنی شرمگاہ پر نہیں پڑی بلکہ دیگر حصۂ جسم برہنہ پر پڑی ۔

تیسری غلطی یہ ہوئی ۔ ایک مرتبہ زید کی پھوپھی کو اپنے پیروں یا ہاتھوں کے کڑے اتروانا مقصود تھا چونکہ کڑے کسی قدر سخت تھے لھذا زید سے یہ کہا کہ بھیا ! میرے یہ کڑے اپنے

ہاتھ سے ذرا پھیلا دو تاکہ آسانی سے اُتر جائیں۔ زید نے اس کی تعمیل کی مگر کپڑے اتارتے وقت زید نے اپنی پھوپھی کی پنڈلی کھلی ہوئی دیکھی مگر کوئی شہوانی خیال طرفین میں قطعی نہیں تھا اور نہ اس کا گمان ہو سکتا ہے لھذا زید ان مذکورہ بالا وجوہات کے واقع ہو جانے سے یہ خیال کرتا ہے کہ شاید سسرالی رشتہ قائم ہو گیا ہو اب اپنی ان پھوپھی کی اولاد یعنی بیوہ بھاوج سے نکاح کرنا ناجائز ہو۔ لھٰذا حضور والا ازراہِ کرم اس مسئلہ پر توجہ فرمائیں اور مفصل جواب جلد ارشاد فرمائیں تاکہ زید اس پر کاربند ہو جائے۔ اور اگر خدانخواستہ اب اس کے لئے یہ نکاح از روئے مذہب حنفیہ ناجائز ہے تو مذہب شافعیہ سے اجازت مل سکتی ہے یا نہیں۔ اور کوئی حنفی امام شافعی کے کسی مسئلہ پر عامل ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

فقط والسلام۔ خادم فضل حق صدیقی

متعلم گورنمنٹ ہائی اسکول بہرائچ (اودھ) درجہ نہم سکشن (ب)

تنقیحات

(۱) پاؤں کس جگہ رکھے اور زید کے بدن سے اس عورت کا کون کون جسم لگا ہوا تھا ؟

(۲) آخر کچھ نہ کچھ خیال تو دل میں اس وقت ہو گا خواہ اس عورت کا یا کسی اور عورت کا ؟

(۳) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاً خود بخود اسی کی طرف خیال ہوا تھا بعد میں دوسری طرف متوجہ کیا ہے جو واقعہ ہو مفصل لکھا جائے۔

(۴) کیا یہ اندازے سے لکھا ہے یا اس سے دریافت کر کے لکھا ہے ؟

(۵) اس خیال کی تشریح کی جائے جب مسئلہ لکھا جا سکتا ہے۔

جوابِ تنقیح

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مسئلہ دریافت طلب میں جو خاص باتیں دریافت فرمائی گئی ہیں اس کے متعلق عرض ہے :

(۱) زید اپنے سینہ پر مالش کرانے کے لئے زمین پر ایک چٹائی پر سیدھا کر کے چت لیٹ گیا اور زید کی پھوپھی نے اپنا ایک پاؤں زید کے ایک کولے کے قریب اور دوسرا پاؤں دوسرے کولے کے قریب رکھا اور گھٹنے اور سرین اٹھائے ہوئے کمر سے خمیدہ ہو کر جس طرح زمین پر سے کوئی چیز جھک کر اٹھاتے ہیں زید کے سینہ پر ہاتھوں سے مالش کرنے لگیں یعنی زید عورت کے دونوں پیروں کے درمیان لیٹا ہوا تھا اور عورت کے دونوں

پاؤں زمین پر تھے صرف دونوں ہاتھ زید کے سینہ پر مالش کر رہے تھے اس کے سوا کوئی اور حصۂ جسم زید کے بدن سے نہیں لگا ہوا تھا۔

(۲) چونکہ اس واقعہ کو ہوئے بہت عرصہ ہو چکا ہے تاہم زید اپنی یاد داشت اور ذہن پر زور دیکر یقین کے ساتھ کہتا ہے کہ اسوقت دل میں کسی عورت کا خیال نہیں ہوا تھا نہ اس عورت کا اور نہ کسی دوسری عورت کا لیکن جسطرح کسی شہوت انگیز خیال سے کسی حیوان یا انسان کی شہوت انگیز کوئی حرکت کی طرف دیکھنے سے یا عضو مخصوص میں کسی کا ہاتھ لگ جانے سے از خود یہ کیفیت پیدا ہو جایا کرتی ہے حالانکہ اس وقت دیکھنے والے کی یہ نیت نہیں ہوتی کہ جس کی طرف دیکھا ہے یا عضو میں جس کا ہاتھ چھو گیا ہے اس سے کوئی ناجائز فعل کرے اگر عورت زید کے سرہانے بیٹھ کر سینہ پر مالش کرتی تو یہ کیفیت ہرگز پیدا نہ ہوتی لیکن چونکہ عورت اس خاص شکل سے زید کے جسم کے مقابل کھڑی ہو گئی اس لئے زید نے اسوقت اپنے دل میں یہ محسوس کیا کہ جسطرح ایک عورت ایک مرد کے اوپر آئی ہے اسی طرح مرد بھی عورت کے جسم کے اوپر آیا کرتا ہے بس ان وسوسات نے زید کے خیال کو منتشر کر دیا اور اسی وجہ سے زید میں یہ کیفیت خود بخود پیدا ہوئی اور اسی پیدا شدہ خیال کو دفع کرنے کی کوشش کرتا رہا مگر جو باتیں خاص جوش و شہوت کی حالت میں پیدا ہوا کرتی ہیں یعنی کامل ایستادگی یا بے خودی وغیرہ وہ قطعی نہیں تھیں۔ زید شروع سے آخر تک بے حس و حرکت زمین پر لیٹا رہا چونکہ زید کی پھوپھی ایک دیندار اور پابندِ صوم و صلوٰۃ عورت ہیں حج بھی کر چکی ہیں سن رسیدہ ہیں اور گھر میں مثل بزرگوں کے سمجھی جاتی ہیں۔ مگر جاہل ہیں۔ انہوں نے محض اپنی سادہ لوحی سے اور زید کو اپنا چھوٹا بیٹا خیال کر کے اس کے سینہ پر اس طرح بے احتیاطی سے مالش کرنے لگیں۔ بتقاضائے سن اور ان کی خدا ترسی کی وجہ سے ان کی نیت و ارادہ پر کسی طرح شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ ان کے دل میں ذرہ برابر بھی کوئی بُرا خیال پیدا ہوا ہوگا اور نہ کبھی اس قسم کی کوئی حرکت ان سے ظہور میں آئی اس لئے ان کا خیال دریافت کر کے نہیں لکھا گیا۔ بلکہ یقینی طور پر اندازہ کر کے لکھا گیا۔ زید اپنی پھوپھی سے اس قسم کی شرمناک بات کو بسبب ان کی بزرگی کے دریافت بھی نہیں کر سکتا ہے۔ فقط والسلام۔

خادم فضل حق صدیقی

الجواب

صورتِ مسئولہ میں حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوئی۔

بدلیل مافی الشامیۃ: فتمنی جاریۃ مثلھا فوقعت الشھوۃ علی من تمناھا فلا اھ (ص ۴۵۹ ج ۲)

پس سائل کو اس پھوپھی کی لڑکی سے نکاح جائز ہے۔ اور سوال اول کے واقعہ ۲ و ۳ سے بھی حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوئی

و أیضًا فإن حدّ الشھوۃ فی حق الشاب ان ینتشر عضو أو یزداد انتشارًا ومعنی الانتشار الانفاظ کما فی القاموس ونفظ ذکرہ أی قام والغفط الرجل علاہ الشبق ولم یوجد فی الصورۃ المسئول عنھا الانتشار وانما وجدت حرکۃ خفیفۃ من غیر شبق و قیام فقط

وفی قاضی خان: و دلیل الشھوۃ علی قول أبی الحسن القمی انتشار الآلۃ عند ذلک ان لم یکن منتشرًا قبل ذلک وان کانت منتشرۃ قبل ذلک فعلامۃ الشھوۃ زیادۃ الانتشار والشدۃ ثم ذکر معنی الشھوۃ فی حق الشیخ والعنین ثم قال، وقال عامۃ العلماء: الشھوۃ أن یمیل قلبہ إلیھا ویشتھی أن یواقعھا اھ (ص ۱۶۸ ج ۱) واللہ تعالیٰ أعلم

ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۵ ذی قعدہ ۴۸ھ

تنبیہ: جواب مذکور لکھنے کے بعد حضرت حکیم الامت دام مجدہم کی خدمت میں بغرضِ ملاحظہ پیش کیا گیا تو فرمایا کہ جواب کا مدار دو باتوں پر ہے:

ایک یہ کہ شہوت محرمہ میں انتشار بمعنی نفوظ تام شرط ہے مجھے اس میں کلام ہے۔

دوسرے یہ کہ: انتشار کے ساتھ عورت ملموسہ یا منظورہ الی فرجہا کی طرف رغبتِ جماع و خواہش مواقعت شرط ہے۔ مجھے اس میں بھی کلام ہے بلکہ صرف لمس و نظر سے دل میں ہیجان ہو جانا اور عضو میں حرکت پیدا ہو جانا شہوت محرمہ کے لئے کافی ہے گو ملموسہ و منظورہ کے جماع سے ذہن خالی ہو۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ یہ ہیجان

غیر ملموسہ وغیر منظورہ کی طرف منصرف نہ ہوا ہو اگر لمس ہوا اور خواہش جماع غیر ملموسہ سے ہوئی تو حرمت نہ ہوگی اور اگر کسی سے بھی خواہش جماع نہ ہوئی مگر لمس سے دل میں ہیجان اور عضو میں حرکت پیدا ہوئی تو حرمت ہو جائیگی، احقر نے عرض کیا کہ قاضی خان کی عبارت اس باب میں صریح ہے کہ ملموسہ و منظورہ کے ساتھ شہوتِ جماع شرط ہے فرمایا، ممکن ہے کہ "یشتھی ان یواقعھا" بطور تمثیل کے لکھدیا ہو۔ اس کے بعد رائے ہوئی کہ اس سوال کو دوسرے علماء کے پاس بھیجا جائے تو یہ سوال بعبارتِ ذیل مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے علماء کے پاس بھیجا گیا جو مع ان کے جوابات کے درج کیا جاتا ہے۔

سوال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ کیا فرماتے ہیں حضرات علماء دین اس مسئلہ میں کہ حرمتِ مصاہرت کیلئے جو مس بالشہوۃ حنفیہ کے نزدیک کافی ہے اس میں شہوت کی حقیقت کیا ہے۔ یعنی جن علماء نے صرف اشتہاءِ قلب و میلانِ قلب کو کافی نہیں سمجھا بلکہ انتشارِ عضو یا زیادت انتشارِ عضو کو شرط قرار دیا ہے ان کے نزدیک انتشار سے کیا مراد ہے؟ آیا عضو میں کسی قدر حرکت پیدا ہو جانا جو پہلے نہ تھی کافی ہے یا پوری طرح عضو کا قائم ہو جانا شرط ہے اور از دیادِ انتشار کے یہ معنی ہیں کہ حرکتِ سابقہ کے بعد عضو کو قیام ہو جائے یا یہ مراد ہے کہ قیام کے بعد عضو میں شدّت آجائے۔

دوسری بات قابلِ تحقیق یہ ہے کہ کیا شہوت کے یہ معنی ہیں کہ جس عورت کو چھولے ہے اس کی طرف میلان ہو اور اس سے مجامعت کی خواہش ہو؟ یا چھونے کے بعد گو یہ خیال پیدا نہ ہوا ہو مگر اس سے لذت حاصل ہوئی اور اس سے عضو میں انتشار پیدا ہو گیا۔ یہ بھی حرمت کے لئے کافی ہے؟ کیونکہ بعض دفعہ مس کرنے والے کو ممسوسہ کی طرف کسی قسم کا خیال نہیں ہوتا مگر جوانی کی وجہ سے خود مس کی لذت سے عضو میں انتشار ہو جاتا ہے جیسا کہ دو جانوروں کو مجامعت کرتے ہوئے دیکھ کر جوان کو انتشار ہو جاتا ہے حالانکہ ان میں کسی کے ساتھ مجامعت کا خیال اس کو نہیں ہوتا۔ عباراتِ فقہیہ اس باب میں مختلف ہیں اس لئے تردّد ہو گیا۔

عالمگیری میں ہے: وحدّ الشھوۃ انتشار الآلۃ او ازدیادہ ان کانت منتشرۃ

قاضی خان میں ہے: ودلیل الشھوۃ انتشار الآلۃ عند ذلك ان لم یکن منتشرًا وان کانت منتشرًا فعلامۃ الشھوۃ زیادۃ الانتشار والشدۃ (ص ۱۶۸ ج ۲)

اور قاموس میں ہے: انتشر الرجل انعظ ذکرہ اور نعوظ کے معنی لکھا ہے نفط ذکرہ

قام و انفط الرجل و المرأة علاهما الشبق ۔ شبق اشتدت غلمته ۔ اور غلمه میں لکھا ہے
غلم و اغتلم غلب شهوته. غلم البعير هاج ۔
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شہوت کی تفسیر انتشار ہے اور انتشار لغت میں قیامِ ذکر کو کہتے ہیں اور قاضی خان نے ازدیادِ انتشار کی تفسیر شدت سے کی ہے ۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ اگر مس بالشہوۃ ہو مگر عضو میں قیام پورا نہ ہو بلکہ کسی قدر حرکت ہو تو حرمت مصاہرت نہ ہو گی ۔ مگر درمختار میں ہے : الشهوة تحرّك الآلة أو ازدیاده ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عضو میں حرکت پیدا ہو جانا شہوت محرمہ کے لئے کافی ہے ۔
اب دریافت طلب یہ ہے کہ درمختار کی عبارت میں تحرک سے مراد انتشار کا درجہ مذکورہ ہے یا عالمگیری و قاضی خان کی عبارت میں انتشار سے مراد تحرک ہے ۔ نیز یہ کہ فقہاء کی عبارت میں انتشار سے وہی مراد ہے جو لغت میں مذکور ہے ۔ یا ان کے نزدیک انتشار کلی مشکک ہے کہ قیامِ کامل سے کم درجہ پر بھی صادق آسکتا ہے ۔
نیز شامی میں ہے : قلت : ويشترط وقوع الشهوة عليها لا على غيرها لما في الفيض : لو نظر إلى فرج ابنته بلا شهوة فتمنّى جارية مثلها فوقعت له الشهوة على البنت ثبتت الحرمة و إن وقعت على من تمنّاها (مع بقاء النظر إلى فرج البنت كما في قاضي خان) فلا اھ (ص ۴۵۹ ج ۲) وقاضی خان ص ۱۶۸ ج ۲ میں ہے : وقال عامة العلماء : الشهوة ان يميل قلبه إليها و يشتهي أن يواقعها اھ ۔ قاضی خان کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ شہوت محرمہ میں عورت ملموسہ کی طرف قصد جماع کے ساتھ میلان ضروری ہے ۔ شامی کی عبارت بھی بظاہر اس کی مؤید ہے ۔ مگر شامی کی عبارت میں یہ احتمال جاری ہو سکتا ہے کہ وقوع الشہوۃ علیہا اس وقت شرط ہے جبکہ خلو ذہن نہ ہو بلکہ دوسری طرف ذہن کو منتقل کرنے کی کوشش کی گئی ہو ۔ اگر مس و نظر سے شہوت پیدا ہونے کے وقت ذہن خالی ہو کہ نہ منظورہ و ملموسہ سے مجامعت کا خیال ہو نہ غیر سے مگر مس و نظر سے شہوت پیدا ہو گئی اس کے حکم سے عبارت شامیہ ساکت ہے ۔ امید ہے کہ ہر دو سوال مراجعتِ کتب کے بعد بواضح طور سے حل کئے جائیں کہ اس میں خلجان ہے ۔ فقط

المستفتی : ظفر احمد عفا عنہ خادم دار الافتاء

۹ ذی قعدہ ۱۳۴۸ھ بالخانقاہ الامدادیہ تھانہ بھون

الجواب

حامدًا ومصلّیاً ومسلّماً۔ مس اور نظر میں شہوت کی حد جو کہ درمختار میں لکھی ہے "وحدّھا فیما تحرّك آلته أو زیادته به یفتی" علامہ شامی اس کے تحت لکھتے ہیں "قوله أو زیادته أی زیادۃ التحرك ان کان موجودًا قبلھما علی ھٰذا" عالمگیری کی عبارت "وحدّ الشھوۃ إنتشار الآلة أو ازدیادہ إن کانت منتشرۃ" اوراس کے بعد قاضی خان کی عبارت "ودلیل الشھوۃ انتشار الآلة عند ذلك ان لم یکن منتشرًا وإن کان منتشرًا فعلامة الشھوۃ زیادۃ الانتشار والشدۃ" ہر سہ کتب مذکورۂ بالا کی عبارات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر پہلے شہوت بالکل نہ ہو تو ابتدائے حد شہوت یہ ہوگی کہ انتشار پیدا ہوجائے۔ چنانچہ عالمگیری و قاضی خان کی عبارتوں میں صریح انتشار کا لفظ واقع ہے۔ صاحبِ درمختار نے انتشار کی بجائے "تحرک الآلۃ" اور "زیادتہ" بولا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انتشار سے اس موقع میں تحرک الآلۃ ہی مراد ہے اور چونکہ تحرک الآلۃ کے بعد دو درجہ اور باقی ہیں ایک قیام ذکر دوسرا شدت پس تحرک الآلۃ کے بعد زیادۃ التحرک یا زیادۃ انتشار سے یقیناً قیامِ ذکر مراد ہوگا یعنی اگر تحرک آلہ پہلے سے ہو تو حرمت کے تحقق کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ نظر اور مس کی وجہ سے قیامِ ذکر ہوجائے اور اگر قیامِ ذکر پہلے سے موجود ہے تو اب تحققِ حرمت کے لئے شدت ضروری ہوگی۔ گویا مطلب یہ ہوا کہ مس اور نظر سے پہلے جو حالت تھی اگر بعد المس والنظر وہی حالت رہی تو حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوگی اور اگر اس میں تغیر ہو کر ترقی ہوگئی تو حرمت ثابت ہوجائے گی اور وجہ اس کی یہ ہے کہ انتشار عرف میں عام ہے شہوت کی تینوں حالتوں پر انتشار کا اطلاق ہوتا ہے اس لئے فقہاء کے کلام میں دوسری مرتبہ کو زیادۃ الانتشار کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے اگر انتشار ایک حالت کے ساتھ مخصوص ہوتا تو اس سے اعلیٰ مرتبہ کو زیادۃ الانتشار کے ساتھ تعبیر نہ کرتے بلکہ شدت یا کسی اور لفظ سے تعبیر کرتے دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر انتشار کو قیامِ ذکر کے ساتھ خاص کیا جائے اور زیادتِ انتشار سے شدّت مراد لی جائے تو انتشار کے اول مرتبہ یعنی تحرکِ آلہ کا کوئی حکم نہیں نکلتا اس وجہ سے کہ شہوتِ معتبرہ کے مقابل جو قول ذکر کیا ہے وہ یہ ہے

فی الشامی: وقیل حدّھا أن یشتھی بقلبه ان لم یکن مشتھیاً أو یزداد إن کان مشتھیاً ولا یشترط تحرّك الآلة (ص ۲۸۱ ج ۲)

پس جبکہ شہوت غیر معتبرہ کی تعریف میں صرف اشتہاء قلب کو لیا گیا ہے اگر شہوت معتبرہ میں تحرکِ آلہ معتبر نہ ہوتا تو وہ یقیناً غیر معتبرہ میں داخل کیا جاتا۔ پس شہوت غیر معتبرہ میں اس کو داخل نہ کرنا خود اس امر کا قرینہ ہے کہ ابتدائی مرتبہ شہوت معتبرہ کا تحرک آلہ ہے۔ اس توجیہ پر یہ شبہ البتہ ہوتا ہے کہ فقہاء کی عبارات سے شہوت معتبرہ کے دو درجے معلوم ہوتے ہیں تحرکِ آلہ یا زیادتِ تحرک۔ یا یہ کہا جائے کہ انتشار اور زیادت انتشار اور مذکورہ بالا توجیہ کی بناء پر تین درجے ہو گئے ہیں۔ سو اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ تحقق حرمت کے لئے چونکہ ایک جبکہ پہلے سے شہوت نہ ہو یا شہوت قلبی ہو یا دو کا وجود (اس صورت میں جبکہ پہلے سے تحرک آلہ یا قیام ذکر ہو) کافی ہے۔ اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں ہے اسی لئے صرف دو لفظوں پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اور چونکہ ہر دوسری حالت پہلی حالت سے اور کچھ زیادتی پر مشتمل ہوتی ہے اس لئے فقہاء کے کلام میں زیادہ کے ساتھ دوسری حالت کو تعبیر کیا گیا ہے پس اگر پہلے سے تحرک نہ ہو تو زیادت سے مراد قیام ہوگا اور اگر پہلے سے قیام ہو تو زیادت سے مراد شدت ہوگی جیسا کہ قاضی خان کی عبارت سے واضح ہے۔

امر ثانی کے متعلق در مختار کا یہ قول: "والعبرة للشهوة عند المس والنظر لا بعد" کافی ہے۔ علامہ شامی اس کے تحت لکھتے ہیں:

عن الفتح: وقوله بشهوة فی موضع الحال لیفید اشتراط الشهوة حال المس ولو مسّ بغیر شهوة ثم اشتهیٰ عن ذٰلك المسّ لا تحرم علیه اھ وکذا فی النظر کما فی البحر: لو اشتهی بعد ما غضّ بصره لا تحرم قلت: ویشترط وقوع الشهوة علیها الخ

پس اگر ابتداءً شہوت بالکل نہ ہو اور مس اور نظر کے وقت شہوت پیدا ہوئی، یعنی حالتِ مس اور حالتِ نظر موجود ہے اور اس سے تحرک آلہ پیدا ہو گیا تو حرمت ثابت ہو جائے گی اور اگر مس کے بعد ہاتھ علیحدہ کر دیا یا نظر دوسری طرف کر لی اور پھر تحرک آلہ ہوا تو اب حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ جس عورت کو ہاتھ لگا یا ہے میلان اسی کی طرف ہو اگر دوسرے کی طرف ہو گا تو حرمت ثابت نہ ہو گی جیسا کہ مثال کی مندرجہ بالا عبارت سے واضح ہے۔ پس ثبوتِ حرمت کے لئے دو شرطوں کا وجود ضروری ہے ایک شہوتِ معتبرہ کا وجود عند المس اور عند النظر دو ملموسہ اور منظورہ کی طرف

میلان اور مجامعت کی خواہش دونوں میں سے اگر کوئی شرط فوت ہو جائے گی حرمت ثابت نہ ہوگی اور مثال کا مقصود اس جزئیہ کے ذکر کرنے سے " ویشترط وقوع الشهوة علیها لا علی غیرها " کا اثبات ہے جو عام ہے کہ خلو ذہن ہو یا نہ ہو جیسا کہ مثال سے ظاہر ہے کیوں کہ نظر الی فرج البنت مطلقاً موجب حرمت نہیں جب تک خاص اسی کی طرف میلان نہ ہو اگر میلان دوسری طرف ہو تو حرمت نہ یہاں ثابت ہوگی اور نہ اس کے حق میں جس کی طرف میلان ہے کیوں کہ جس کی طرف نظر ہے اس کی طرف میلان نہیں اور جس کی طرف میلان ہے اس کی طرف نظر نہیں۔ پس اگر مس اور نظر سے شہوت پیدا ہونے کے وقت ذہن خالی ہو اور حالتِ مس اور نظر کی بقاء کے وقت ہی ملموسہ اور منظورہ سے مجامعت کا خیال پیدا ہو جائے تو حرمت ثابت ہو جائے گی اور اگر ملموسہ اور منظورہ سے مجامعت کا خیال نہیں ہو خواہ غیر سے ہوا ہو یا نہ ہوا ہو تو حسب تصریح " وقوع الشهوة علیها " اس شرط کے فوت ہونے کی وجہ سے حرمت ثابت نہ ہوگی۔ کما هو الظاهر۔ واللہ اعلم

رقمہ ضیاء احمد عفی عنہ

۱۵ ذی قعدہ ۴۸ھ

الجواب الثانی

از مولانا عبد الرحمن صاحب صدر المدرسین مظاہر العلوم سہارنپور

(۱) بظاہر فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے کلمات سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی خان کی عبارت میں انتشار سے مراد تحرّکِ عضو ہے۔ چنانچہ بدائع الصنائع (ص ۲۶۰ ج ۲) کی عبارت میں انتشار کو بطورِ عطف تفسیر کے ذکر کیا ہے " وتحرّك الآلة وانتشارها هل هو شرط تحقق الشهوة اختلف المشائخ فیه الخ " صاحبِ بحر کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے (ص ۱۰۱ ج ۳) ولم یذکر المصنّف حدّ الشهوة للاختلاف فقیل لابد أن تنتشر آلته إذا لم تکن منتشرة أو تزداد انتشارًا إن کانت منتشرة۔ و قیل حدّها أن یشتهی بقلبه إن لم یکن مشتهیاً أو یزداد إن کان مشتهیاً ولا یشترط تحرّك الآلة وصحّحه فی المحیط الخ ہر دو قولین کے تقابل سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے قول میں انتشار سے مراد تحرّک ہے ورنہ دوسرے قول میں بمقتضائے تقابل ولا یشترط انتشار الآلة کہنا چاہئے تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ فقہاءؒ کے کلام میں

انتشار سے مراد تحرک ہے جو کلی مشکک ہے استرخاءِ عضو کے بعد شدت قیام تک کے جتنے مراتب ہیں سب پر صادق ہے یعنی استرخاء کے بعد تشنج اور اس کے مابعد کے سب مراتب تحرک کے افراد ہوں گے۔ اور جمیع مراتب پر انفراداً اور اجتماعاً حرمتِ مصاہرت مرتب ہوگی۔ اور انتشار سے مراد وہ نہیں ہے جو لغویین نے لکھا ہے۔ یعنی قیامِ عضو۔

۲ شامی اور قاضی خان دونوں "اشتراط وقوع الشہوۃ علیھا لا علی غیرھا" میں متفق اللسان ہیں۔ بلکہ لا علی غیرھا سے نفی وقوع الشہوۃ علی الغیر کی طرف قاضی خان نے تعرض نہیں کیا جس سے قاضی خان کی عبارت مشعر عموم ہوگئی "ای یمیل قلبه الیها ویشتهی ان یواقعها اھ اعم من ان یکون قلبه فی ھٰذه الحالة مائلاً الیٰ غیرھا ام لا" شامی کی عبارت میں صرف ایک ہی احتمال ہے "یمیل قلبه الیها ولا یمیل الیٰ غیرھا" البتہ شامی نے جو استدلال میں فیض کی عبارت پیش کی ہے اس عبارت میں وہ احتمال جاری ہوسکتا ہے جس کے متعلق مولانا ظفر احمد صاحب فرماتے ہیں مگر علامہ شامی کا عبارت فیض کے نقل کرنے کے بعد قید عدم خلو الذھن عند حدوث الشھوۃ کی طرف تعرض نہ کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ علامہ شامی کے نزدیک اس قید کا اعتبار نہیں (کما ھو دابهٗ فی اَمثال ھٰذه العبارة من ذکر مفاھیم العبارات) ورنہ نقل عبارت کے بعد اس کی طرف حسب عادت تعرض فرماتے۔ نیز شامی کا "قلت : ویشترط الخ" درمختار کی اس عبارت کے ذیل میں "والعبرة للشھوۃ عند المس الخ" کہنا بظاہر اسی غرض کے لئے ہے کہ مصنف کی عبارت میں شہوت کا لفظ عام تھا یعنی شہوت منظورہ و ملموسہ وغیرہا دونوں کو شامل تھا۔ شامی صرف اس اطلاق کی تقیید کے لئے "قلت الخ" فرمارہے ہیں جس سے بظاہر مقصود صرف عموم کا ابطال ہے اور تقیید ہے۔ باقی عدم خلو الذھن عند حدوث الشھوۃ اوعند عدمہ اس کی طرف درمختار کی عبارت میں اشارہ نہ شامی کا مقصود ہے بلکہ اس کے لحاظ سے تعمیم ہی شامی کا مقصود ہے کما مرّ واللہ اعلم

نوٹ : اس کے بعد یہ سب تحریرات مولوی حبیب احمد صاحب کیرانوی کو دی گئیں کہ وہ بھی ان کو دیکھ کر اپنی رائے لکھیں۔ انہوں نے جو کچھ تحریر فرمایا وہ بھی درج کیا جاتا ہے۔ ظفر احمد عفا عنہ

الجواب الثالث: من مولانا حبیب احمد کیرانوی

تحقیق متعلق بہ حرمت مصاہرہ باللمس والنظر :

خواہشِ جماع کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے خواہشِ اکل اور شہوت کی مثال ایسی ہے

جیسے بھوک۔ پس جس طرح کبھی کسی شے کو بے بھوک کھانا چاہتا ہے یوں ہی کبھی آدمی بلا شہوتِ جماع کی خواہش کرتا ہے۔ پس شہوت نام ہے جماع تقاضائے طبعی کا۔ جیسے بھوک نام ہے خواہش غذا کی تقاضائے طبعی کا۔ اور خواہشِ جماع نام ہے تقاضائے نفس اور اس کی رغبت الی الجماع کا اور نہ ثبوت کے لئے رغبت الی الجماع لازم ہے اور رغبتِ جماع کیلئے شہوت ضروری ہے۔ کبھی یہ دونوں جمع ہوتے ہیں اور کبھی ایک دوسرے سے منفک۔ پھر چونکہ جماع ایک ایسا فعل ہے جو کہ طرفین کے ساتھ قائم ہے اس لئے رغبتِ جماع میں خیال طرفِ آخر ضروری ہے اور یہ خیال کبھی علی وجہ التعیین ہوتا ہے جیسے یوں کہ فلاں عورت کے ساتھ میں ایسا کروں اور کبھی لا علیٰ وجہ التعیین۔ مثلاً یوں کہ اسوقت کوئی عورت ہو جس سے میں ایسا کروں۔ جب یہ تفصیل معلوم ہوگئی تو اب سمجھنا چاہئے کہ اگر مس ونظر فی حال الشہوۃ ہے تو اس کی چند صورتیں ہیں :

ایک یہ کہ وہاں شہوت کے ساتھ رغبتِ جماع نہ ہو۔

دوسرے یہ کہ رغبتِ جماع ہو مگر طرفِ آخر متعیّن نہ ہو۔

تیسرے یہ کہ طرفِ آخر متعیّن ہو مگر ملموسہ ومنظورہ نہ ہو۔ بلکہ غیر ملموسہ ومنظورہ ہو۔

چوتھے یہ کہ وہ خاص ملموسہ ومنظورہ ہو۔ پہلی تین صورتوں میں بالاتفاق حرمتِ مصاہرت ثابت نہ ہوگی اور چوتھی صورت میں بالاتفاق حرمتِ مصاہرت ثابت ہوگی کیونکہ یہاں شہوت ورغبت دونوں جمع ہیں " و تحرّك الآلة لاتنفك عن الشهوة في حال صحة المزاج وفي حال فساد المزاج كالعنّين أو عدم الآلة كالمرأة والمجبوب " ہو غیر ضروری اور اگر مس فی حال الرغبۃ الی الجماع بلا شہوت ہے تو اس میں اختلاف ہے۔ بعض فقہاء کے نزدیک تو اصلاً حرمت نہ ہوگی کیونکہ ان کے نزدیک رغبت کے ساتھ شہوت شرط ہے اور بعض کے نزدیک اس میں تفصیل مذکور ہے۔ یعنی اگر خاص ملموسہ ومنظورہ سے جماع کی خواہش ہو اور اسی حالت میں لمس ونظر ہو تو حرمت ثابت ہوگی ورنہ نہیں۔ قائلین بالشہوۃ والانتشار کا قول : " و يشترط وقوع الشهوة عليها " اور قائلین بالرغبۃ کا قول : " وحدّ الشهوة أن يميل قلبه إليها ويشتهي جماعها " اس کی کافی دلیل ہیں۔ خلاصہ یہ کہ لمس ونظر عن شہوۃ میں ملموسہ ومنظورہ کا متعیّن للجماع ہونا بالاتفاق ضروری ہے اور اختلاف صرف تفسیرِ شہوت میں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ شہوت صرف خواہشِ جماع کا نام ہے خواہ

تحرکِ آلہ یا تحرکِ قلب یا ازدیاد تحرکِ آلہ یا قلب پایا جائے یا نہ پایا جائے۔ اور بعض کہتے ہیں
کہ شہوت میں میلانِ قلب و رغبتِ نفس کافی نہیں ہے بلکہ شہوت ایسی میلان و رغبتِ
جماع کا نام ہے جس کے ساتھ ہیجان و جوش ہو جس کے لئے بحالت موجودگی آلہ و صحتِ مزاج
تحرکِ آلہ اور بحالت عدم احد الشیئین تحرکِ قلب ضروری ہے۔ یہ دو مشہور قول ہیں۔ اور تیسرا
قول یہ ہے کہ شہوت صرف اس خواہشِ جماع کا نام ہے جس کے ساتھ تحرکِ آلہ ہو اور تحرکِ قلب
اس کے لئے کافی نہیں۔

" ذهب إليه محمد بن مقاتل الرازی وقال فی العناية هو أقرب إلی الفقه والظاهر
انه ليس بقول ثالث بل هو داخل فی القول الثانی لأن عدم تحرّك الآلة إما أن يكون
بسبب انعدامها كما فی المجبوب والمرأة أو يكون بسبب فساد مزاج الآلة مع صحة مزاج
المرأ كما فی المجلوق أو يكون بسبب فساد مزاج المرأ كما فی الشيخ الكبير والعنين
الاصلی والذی صار مثله لغلبة المرض وهو يقول بانتفاء الحرمة فی الصورة الثالثة
فقط لا فی الصورتين الاولين فيكون قوله مثل قول الآخرين لا غيره ثم أقول ومن جملة ما
يدلّ علی اشتراط وقوع الشهوة عليها انه صرّح فی فتح القدير : بانه لو استيقظ فطلب
امرأته فأولج بين فخذی بنتها خطأً لا تحرم عليه الأم مالم يزداد الانتشار اهـ لأن
هذه الشهوة لم تكن واقعةً عليها ولما ازداد الانتشار بالايلاج وقع الشهوة عليها
وإن كان مخطئًا فی ظنّه أنها امرأته وقال أيضًا : لو أيقظ زوجته ليجامعها فوصلت
يده إلی بنته منها فقرصها بشهوة وهی ممن تشتهی بظن أنها امرأته حرمت
عليه الام حرمة مؤبدة ومعناه أنه إن كان الشهوة موجودة قبل وقوع اليد فلا
تحرم له لمجرّد وقوع اليد لأن الشهوة لم تكن عليها حينئذٍ بل تحرم بالقرص
بالشهوة لوقوع الشهوة عليها اذ ذاك وان لم تكن الشهوة موجودة اذ ذاك
فعدم الحرمة بوقوع اليد والحرمة بالقرص ظاهر بوقوع الشهوة عليها حين القرص
لا قبلها۔

(۱) قال فی البدائع : وتثبت باللمس فيهما عن شهوة وبالنظر إلی فرجها
عن شهوة ولا تثبت بالنظر إلی سائر الأعضاء بشهوة ولا بمسّ سائر الأعضاء إلّا
عن شهوة بلا خلاف۔ وتفسير الشهوة هی أن يشتهی بقلبه ويعرف ذلك باقراره

لانہ باطن لاوقوف علیہ لغیرہ وتحرک الآلة وانتشارها هل هو شرط تحقق الشهوة اختلف المشائخ فیہ قال بعضهم: شرط، وقال بعضهم: لیس بشرط هو الصحیح لأن المسّ والنظر عن شهوة یتحقق بدون ذلك کالعنّین والمجبوب ونحو ذلك اھ وقال أیضا: لأن الحرمة انما تثبت عن النکاح لکونه سبباً داعیاً الی الجماع اقامة للسبب مقام المسبب فی موضع الاحتیاط والقُبلة والمباشرة أولی بالتسبیب والدعوة من النکاح فکان أولی باثبات الحرمة اھ

ان عبارتوں میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نظر ولمس وہی موجبِ حرمت ہیں جو کہ مسبب عن الشہوۃ ہوں "واللمس فی حال الشهوة مسبب عن الشهوة" نہیں ویدلّ علیہ قول اللمس عن شهوة والنظر عن شهوة فان معناه کون اللمس مسببا عن شهوة والنظر مسبباً عن شهوة قوله: والقبلة والمباشرة فی التسبیب والدعوة أبلغ من النکاح۔ پھر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قبلہ ولمس جو محرم ہیں تو وہ اس لئے محرم ہیں کہ وہ داعی الی الجماع ہیں اور لمس فی حال الشهوة من غیر میلان القلب الی الملموسة داعی الی جماع الملموسة نہیں لہٰذا وہ محرم ملموسہ بھی نہیں۔ اور عبارتِ شامی: "ویشترط وقوع الشهوة علیها لا علی غیرها" میرے نزدیک اس باب میں نص ہے اور یہ احتمال ہے کہ یہ اس وقت شرط ہے جبکہ حدوثِ شہوت کے وقت خلوِ ذہن نہ ہو بلکہ دوسری طرف ذہن کے منتقل کرنے کی کوشش کی گئی ہو اور اگر مس ونظر سے شہوت پیدا ہونے کے وقت ذہن خالی ہو نہ منظورہ وملموسہ سے مجامعت کا خیال ہو نہ غیر سے اس میں خلجان ہے اھ صحیح نہیں کیونکہ اس صورت میں اگر شہوت علی غیرها متحقق نہیں تو شہوت علیها بھی تو متحقق نہیں و یشترط وقوع الشهوة علیها مصرح ہے ولا فرق بین ان یکون متعلق الشهوة غیرها أو لم یکن هناك متعلق الشهوة اصلا بعد ان لم یکن متعلق الشهوة هی الملموسة او المنظورة لانہ لا دخل لمتعلق الشهوة بغیر الملموسة والمنظورة وعدمه فی حرمة الملموسة والمنظورة کما لا یخفی۔

(۲) قال فی رد المحتار: أما الشیخ والعنین فحدها تحرک قلبه أو زیادته ان کان متحرکاً لا مجرد میلان النفس فانه یوجد فیمن لا شهوة له أصلاً کالشیخ الفانی اھ

اس سے معلوم ہوا کہ شہوت اور میلانِ نفس میں فرق ہے اور مدارِ حرمت شہوت ہے نہ کہ میلانِ قلب اور چونکہ عادۃً شہوت تحرکِ آلہ سے منفک نہیں ہو سکتی اسلئے انہوں نے شہوت اور میلانِ قلب میں امتیاز کے لیے تحرکِ آلہ کی شرط لگائی ہے اور کہا ہے کہ اگر تحرکِ آلہ ہوا تو سمجھا جائیگا کہ شہوت ہے ورنہ سمجھا جائیگا کہ شہوت نہیں بلکہ صرف میلانِ نفس ہے جو کہ بلا شہوت کے بھی ہوتا ہے۔ جب یہ حقیقت معلوم ہو گئی تو معلوم ہوا کہ قیام شرط نہیں بلکہ تحرک کافی ہے

وقال فی خلاصة الفتاویٰ : قال فی المحيط : إن كان شيخاً أو عنيناً فحدّ الشهوة أن يتحرك قلبه بالاشتهاء ان لم يتحرك وان تحرك زاد الاشتهاء وان كان شاباً ان ينتشر آلته ويزداد ان كان متحركاً حكاه العمى عن أصحابنا۔ وإليه مال الامام خواهر زاده والامام السرخسي وكثير من أصحابنا وهم يشترطون الانتشار وجعلوا الحدّ أن يشتهى جماعها اهـ (ج-۲ ص۸) والظاهر من قوله : أن المشترطين للانتشار جعلوا حدّ الانتشار أن يشتهى جماعها وقال فی فتح القدير وماذكر فی حد الشهوة من أن الصحيح أن تنتشر الآلة أو تزداد الانتشار هو قول السرخسي وشيخ الاسلام وكثير من المشائخ لم يشترطوا سوى أن يميل قلبه اليها ويشتهى جماعها اهـ وهذه العبارة أن ما وقع فی الخلاصة عن قوله : وكثير من المشائخ وهم يشترطون الخ من خطأ الكاتب والصحيح أن كثيرًا من المشائخ لا يشترطون الانتشار وجعلوا الحدّ أن يشتهى جماعها وبالجملة ظهر من عبارة فتح القدير أن المشائخ متفقون على أنه يشترط أن يميل قلبه إليها ويشتهى جماعها وإنّما الاختلاف فی اشتراط الانتشار وعدمه ويظهر منه أمران : أحدهما : اشتراط وقوع الشهوة على الملموسة والمنظورة ، والثانی : عدم اشتراط النعوظ التام لان اشتراط الانتشار انما هو للتمييز من ميلان القلب وتمنّى الجماع والشهوة ۔ والله أعلم

وقوله : ما قال ابن همام : انه فرع عليه مالو انتشر وطلب امرأته فأولج بين فخذى بنتها خطأ لا تحرم أمّها ما لم يزداد الانتشار اهـ فلا يصح عندی هذا التفريع على مذهب من المذهبين لأنه إذا أولج بين فخذيها بالشهوة ظاناً أنها أمّها فقد وقع الشهوة على البنت حقيقة ولا يوثر الخطأ فی الظن لأنه قصد جماعها مع وجود الشهوة والانتشار فينبغی أن تحرم أمّها على كلا القولين ،

والذين شرطوا زيادة الشهوة عند اللمس والنظر وقت وجود الشهوة قبلهما فمقصودهم انه يشترط ذاك إذا لم تكن الملموسة والمنظورة مقصودة بالجماع إذ ذاك وإن كانت هي المقصودة بالجماع كما في مسئلة البنت فلا يشترط فيه الزيادة بل الشهوة الموجودة عند اللمس والنظر كافٍ في التحريم لوقوع الشهوة عليها في الواقع بعد ما كانت واقعةً على غيرها في الخيال وح ينبغي أن يقيد المسئلة الذى طلب امرأته للجماع فوقع يده على بنته فقرصها بالشهوة بانه لم يكن مشتهياً عند الطلب والا تحرم عليها أمّها بمجرّد وقوع اليد عليها لوجود وقوع الشهوة عليها في الواقع وان كانت واقعة على أمّها في الخيال أو يقال هذا إذا كان يعلم أنها بنته لم يكن قصد لمسّها ولكن وقع يده عليها خطأً فانه لا تحرم عليه أمّها بمجرّد وقوع اليد لعدم وقوع الشهوة على البنت لا في الواقع ولا في الخيال والظن لكن لما قرصها بالشهوة وقع الشهوة عليها حقيقةً فح تحرم عليه أمّها. فتدبّر فيه.

وليعلم أنه إذا هيّجت مرأة نفس رجل بحسنها أو كلاهما أو لوجه من الوجوه بحيث انتشر آلته وظهرت فيه آثار الشهوة ثم دعاه ذلك الهيجان إلى تقبيلها فقبّلها تثبت الحرمة سواء أراد الجماع أو لا لأن قصد الجماع وارادته ليس بشرط في الحرمة وإنما الشرط هو الانبعاث الطبعي إلى جماعها وقد وجد ذلك لانه لا شك في أنه وجد ههنا شهوة لوجود آثارها ولا شك أيضاً في أن معنى الشهوة هو الاقتضاء الطبعي للجماع وايضاً في ان هذه الشهوة عليها لا على غيرها ولا شك أيضاً في أن هذه الشهوة دعته إلى التقبيل فلا شك في ثبوت الحرمة لتحقق سببها وهو اللمس بالشهوة ولا تلتفت إلى قوله أى لم أشته جماعها وانما اشتهيتُ تقبيلها فقط لأنه إن اراد أنه لم يشته جماعها طبعًا فوجود الشهوة عليها مكذب له لأن الشهوة إنما هو الاقتضاء الطبعي للجماع وهى لا تنفك عن اقتضاء الجماع كما لا ينفك الجوع عن اقتضاء الغذاء وان أراد أنه لم يرده اختيارًا ولم يحس بذلك الاقتضاء الطبعي فلا يفيده هذا شيئًا لأنه ليس من شرط الحرمة إرادته وقصده للجماع ولا شعوره بالاقتضاء الطبعي، نعم إن كانت الشهوة وقعت على

غیرھا ثم قبلھا من غیر ان تدعوہ ھٰذہ الشھوۃ الی التقبیل لاتثبت الحرمۃ بھٰذا التقبیل لانّ ھٰذا التقبیل لیست بالشھوۃ بل فی حالۃ الشھوۃ ومع الشھوۃ و فرق بینھما فاحفظہ ینفعک ان شاء اللہ تعالیٰ ۔ انتھی ۔

خلاصہ یہ ہے کہ صورتِ مسئولہ میں اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوئی صرف علت میں گفت گو ہے۔ احقر نے دو علتیں بیان کی تھیں ایک نفوط تام نہ ہونا۔ دوسرے عورت لامسہ پر شہوت واقع نہ ہونا۔ علماءِ ثلاثہ نے پہلی علت کو تسلیم نہیں کیا دوسری علت کو تسلیم کیا۔ احقر بھی اس معاملہ میں ان کے ساتھ اتفاق کر کے پہلی علت سے رجوع کرتا ہے اور پہلے میں بھی نفوط تام کو شرط نہ سمجھتا تھا جیسا احقر کا فتویٰ مندرجہ امداد الاحکام جلد ۲ ص ۲۸۱ سے ظاہر ہے جس میں مفتی صاحب دیوبند کے اس امر کو رد کیا گیا ہے کہ حرمتِ مصاہرت کے لئے شہوت مع نفوط تام شرط ہے مگر بعد میں مجھے مفتی صاحب دیوبند کی رائے کی طرف میلان ہو گیا مگر اب علماء ثلاثہ کے بیان سے اپنی پہلی رائے کی صحت وپختگی واضح ہو گئی فالحمد للہ علیٰ ذٰلک

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۳۰ ذیقعدہ ۱۳۴۸ھ

(امور تنقیح طلب در حرمتِ مصاہرت)

۱۔ شہوت مس سے پہلے ہوئی یا مس کے ساتھ یا مس کے بعد؟

۲۔ اگر شہوت مس سے پہلے تھی تو مس سے حالت اولیٰ پر رہی یا زیادہ ہو گئی؟

۳۔ عضو میں شہوت سے حرکت ہوئی یا نہیں؟

۴۔ شہوت ملموسہ یا لامسہ پر واقع ہوئی یا نہیں یا اس سے جماع کی خواہش ہوئی یا نہیں یا اس کو چھوکر کسی دوسری عورت سے خواہشِ جماع ہوئی؟

۵۔ مجلس میں انزال تو نہیں ہوا۔ یا مجلس کے بعد سکون شہوت سے پہلے تو انزال نہیں ہوا

۶۔ لمس ومس کن مواقع پر ہوا کیونکہ بعض مواقع کے مس میں دعویٰ عدمِ شہوت قضاءً مسموع نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۰ ذی قعدہ ۱۳۴۸ھ

حکم حرمتِ مصاہرت از تقبیلِ فم و معانقہ | **سوال** : ایک عورت دعویٰ کرتی ہے کہ اس کے خسر نے اس کے لب کا بوسہ لیا اور سینہ سے لگایا اور ایک مرتبہ مٹھائی بھی اس کے قبل زبردستی دبا کر سینہ سے لپٹا کر کھلائی تھی جو اس نے باہر حجرہ سے اگل دی۔ عورت ان واقعات کو شہوتِ نفسانیہ سے بتلاتی ہے اور خسر ان کا منشأ محبت و شفقتِ پدری بتلاتا ہے مگر خسر کی ایک تحریر جو خفیہ طور سے بہو کے نام آئی ہے یہ بتلاتی ہے کہ ان واقعات کا منشأ شہوتِ نفسانیہ ہے۔ پس صورتِ مسئولہ میں حرمتِ مصاہرت ثابت ہوتی یا نہیں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

۱- قال فی الدر : تزوّج بکرًا فوجدها ثیّبًا وقالت ابوك فضنی ان صدقها بانت بلا مهر اھ (ص۴۵۷ ج۲) والعبرة للشهوة عند المس والنظر لا بعدهما وحدها فیهما تحرّك آلته او زیادته به یفتی اھ (ص۴۵۹ ج۲)

۲- قبّل امّ امراته فی ایّ موضع کان علی الصحیح جوهرة حرمت علیه امرأته ما لم یظهر عدم الشهوة ولو علی الفم کما فهمه فی الذخیرة وفی المس لا تحرم ما لم تعلم الشهوة لانّ الاصل فی التقبیل الشهوة بخلاف المس والمعانقة کالتقبیل وکذا القرص والعضّ بشهوة (ص۴۶۲ ج۲)

قال الشامی : وفی بیوع العیون خلاف هذا اذا اشتری جاریة علی انه بالخیار وقبّلها او نظر الی فرجها ثم قال لم یکن عن شهوة واراد ردّها صدّق ولو کانت مباشرة لم یصدّق ولو قبّل ولم تنتشر آلته وقال کان عن غیر شهوة یصدّق وقیل لا یصدّق ولو قبّلها علی الفم ۔ وبه یُفتٰی۔ فهٰذا کما ترٰی صریح فی ترجیح التفصیل واما تصحیح الاطلاق الذی ذکره الشارح فلم اره بغیره ثم ذکر الشامی عن القهستانی مایدلّ علی الحرمة فی التقبیل مطلقًا واستواء فی الفم والخدّ والذقن والرأس وقیل ان قبّل الفم یفتی بها وان قبّل غیره لا یفتی بها الا اذا ثبتت الشهوة اھ

قال الشامی : وظاهره ترجیح الاطلاق فی التقبیل لکن علمت التصریح بترجیح التفصیل تامّل اھ (ص۴۶۲ ج۱)

اقول وباللّٰه التوفیق : صورتِ مسئولہ میں احقر کے نزدیک حرمتِ مصاہرت اس وقت ثابت ہوگی جبکہ عورت یہ دعویٰ بھی کرے کہ جس وقت خسر نے اس کا بوسہ لیا

یا گلے سے لگایا یا سینہ سے لپٹا کر مٹھائی کھلائی اس وقت خسر کے عضوِ خاص میں انتشار پیدا ہو گیا تھا یا اگر پہلے سے انتشار تھا تو بوسہ لینے اور لپٹانے اور گلے لگانے کے وقت انتشار زیادہ ہو گیا تھا اگر عورت یہ دعویٰ نہیں کرتی تو حرمتِ مصاہرت ثابت نہ ہو گی۔ اگر وہ انتشار یا زیادتِ انتشار کا دعویٰ کرے اور شوہر کا دل قبول کرے کہ یہ سچی ہے تو شوہر پر یہ عورت حرام ہو گئی۔ للجزئیۃ الأولیٰ ۔ اور اگر وہ یہ سب دعویٰ کرے اور شوہر کا دل اس کے صدق کو قبول نہ کرے تو مرد پر عورت حرام نہیں۔ مگر اس صورت میں خود عورت کو شوہر سے علیحدگی واجب ہو گی کہ اپنی خوشی سے شوہر کو اپنے اوپر قابو نہ دے۔ لان المرأۃ کالقاضی لا یسع لھا الا الحکم بعلمھا اور گو بعض فقہاء نے تقبیل و معانقہ میں مطلقاً فتویٰ حرمت کا دیا ہے مگر واقعات پر نظر کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ گو بعض دفعہ تقبیل و معانقہ بالمحارم کا داعیہ شہوت سے پیدا ہوتا ہے مگر بعض دفعہ وقت تقبیل و معانقہ کے شہوت باقی نہیں رہتی بوجہ حیا و خوف وغیرہ کے۔ اور شرط حرمتِ شہوت عند المس والتقبیل ہے نہ شہوتِ سابقہ نہ لاحقہ ولھذا اقیّد حد الشھوۃ بزیادۃ الانتشار اذا کان منتشرًا قبل المسّ (جزئیہ ثانیہ) واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور اس صورت میں بیٹے کو واجب ہے کہ اپنی بیوی کا باپ سے پردہ کرا دے اور خلوت کا کبھی موقع نہ دے اور جس گھر میں بیٹا اور اس کی بیوی رہتے ہیں وہ گھر اگر باپ کی مِلک ہے تو اس گھر میں آنے سے باپ کو روکنے کا حق نہیں بلکہ بیٹے پر واجب ہے کہ دوسرا مکان کرایہ پر لے کر رہے یا بیوی کو اس کے باپ کے یہاں رکھے۔ نیز بیٹے کو باپ کا ادب و تعظیم لازم ہے اس میں کوتاہی عملاً نہ کرے گو دل کو نفرت ہو کہ طبعی نفرت معاف ہے۔ واللہ اعلم۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از خانقاہِ امدادیہ تھانہ بھون

۱۵؍ ذی قعدہ ۴۹ھ

فصل فی ارتداد الزّوجین او احدھما

عورت کا "من شریعتِ تو نخواہم" کہنے کا حکم۔ نیز زوجین کے بت پرستی کرنے اور تین طلاقوں کے بعد ارتداد کا حکم

سوال: چہ می فرمایند علماء دین و مفتیانِ شرع متین اندرین مسئلہ کہ زوجۂ زید مسماۃ زبیدہ ہمیشہ تماشا می بیند بارے زید او را از جر نمود و گفت تو تماشا مبین زیرا کہ تماشا در شریعتِ ما نامشروع است زوجہ گفت من تماشا دیدم و آئندہ نیز بینم، شریعتِ تو نخواہم حتی کہ زبیدہ بتقریبِ تماشا نیر وز کفار ہمدران روز از شوہرش پنہان گشتہ بتماشا گاہ شامل گردیدہ علانیہ تماشا بدید درین متنازعہ زید وطن اقامتش کہ ملک برھما است فروھشتہ بوطن اصلی خود کہ ملک بنگالہ است برفت۔ وبوقت نکاح ثانی افواہ افتاد کہ زید زوجۂ اولی را ہر کہ مسمّاۃ بزبیدہ است ۳ طلاق داد امّا گاھے او انکار کند و گاہے اقرار حالانکہ شاید ے بر آن طلاق یافتہ نشود بعد ازان بملکِ برھما آمدہ بزبیدہ زناشوئی آغاز نہاد و اہل محلّہ گرفت نمودند زید بتعلیم کدام جاھل بمصاحبت زبیدہ بیت خانہ بر ما رفتہ پیشِ بُت سجدہ نمودند و بعد توبہ ہر دو تجدیدِ نکاح ساختہ زناشوئی می نمایند و بعد مرورِ ایام بتحریر سوالات سہ گانہ آئندہ نزدیک مفتی بنگالہ خط نوشت۔

۱- استخفاف وانکارِ شریعت زبیدہ۔

۲- بت پرستی زوجین۔

۳- سہ طلاق دادنِ زید زبیدہ را۔ ومفتی سوالِ اول را بالکل ترک ساختہ سوال دوم وسوم تحریر نمودہ جواب داد کہ بہ ۳ طلاق یک طلاقِ رجعی واقع گردد فقط ومفتی ثانی ہر سہ سوال تحریر ساختہ جواب داد کہ شریک شدنِ زبیدہ بتماشا نیروزِ کفّار وانکارِ شریعت ہر دو کفراند۔ وبمجرّد وقوعِ این افعال نکاحِ ایشان باطل گردید وبعد ازان بر تقدیرِ راستی طلاقِ زید بزبیدہ واقع نشود۔ دلیلش قولِ ردّ المحتار است ومحلہ المنکوحۃ ای لو معتدۃ عن طلاق رجعی او بائن غیر ثلاث فی حرّۃ وثنتین فی امۃ او عن فسخ لتفریق لأباء احدھما عن الاسلام او بارتداد احدھما الخ وزبیدہ انکارِ شریعت وتماشا بینی خود را اقرار کند وگواہ نیز موجود است امّا بعضے از مخالفان

باعث عدم بشمول سوال اول در فتوی اول سوال اول را دروغ میگویند اما دلیل شان ہیچ نیست اکنون بر زید مذکور چہ حکم مترتب شود بیّنوا بالدلیل۔

الجواب

اگر زبیدہ کی حالت مجموعی بے پابندی شرع ظاہر ہوتی ہے اور غالب گمان یہ ہو کہ اس کے قلب میں شریعت کا استخفاف و بے حرمتی نہیں ہے تو اس کے قول "شریعتِ تو نخواہم" کا مطلب یہ ہوگا کہ زبیدہ کو شوہر کے قول پر اطمینان اور کامل وثوق نہیں ہوا کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے یہی حکم شرعی ہے اس لئے اس نے جواب دیا کہ میں تیری شریعت کو نہیں جانتی اصل شریعت کی تحقیر مراد نہیں اور اگر پہلے سے اس کے افعال سے شریعت کے ساتھ لاپروائی اور بے اعتنائی آشکارا ہو تو سوال دوبارہ کیا جائے اور ہنود کے میلہ کی شرکت سے کافر ہونا تغلیظاً فقہاء نے لکھا ہے پس جو لوگ اس کو کفر جانتے ہیں پھر ایسا کرتے ہوں وہ کافر ہیں اور جو جاہل ایسا کرتے ہیں ان کو کافر کہنے میں جلدی نہ کی جائے۔

۲ جیسا زید کے تین طلاق دینے پر گواہ نہیں ہیں تو اس کے اقرار پر بھی گواہ ہیں یا نہیں۔ اگر اس کے اقرار پر دو گواہ ہوں تو ان گواہوں کو زید کی زوجہ کو مطلع کردینا واجب ہے کہ زید نے ہمارے سامنے تین طلاق کا اقرار کیا ہے اس صورت میں زبیدہ پر تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔ جو شخص تین طلاق سے واحدہ رجعی کا وقوع بتلاتا ہے وہ غیر مقلّد گمراہ ہے اور اگر اقرار پر بھی دو گواہ نہ ہوں اور اقرار زبیدہ کے سامنے بھی نہیں ہوا تو اس صورت میں زبیدہ پر تین طلاق واقع ہونے کا کوئی ثبوت نہیں زبیدہ کو زید کے پاس رہنا جائز ہے۔ لیکن اگر زید نے واقع میں تین طلاق دی ہیں تو اس کو زبیدہ کے ساتھ شوہر کی طرح رہنا حرام ہے

۳ اس کے بعد جو زید اور زبیدہ نے بت کے سامنے سجدہ کیا ہے اس سے دونوں مرتد ہوگئے ان پر توجہ واستغفار وتجدید ایمان لازم ہے۔ وفّقهما الله له و ثبّتنا علیه الی یوم الممات۔ آمین۔ اس صورت میں حکم یہ ہے کہ اگر تین طلاق کا ثبوت پہلے ہوچکا ہے یعنی اقرار زید پر کم ازکم دو گواہ موجود ہوں تو اس ارتداد سے حلالہ ساقط نہ ہوگا حلالہ پھر بھی کرنا پڑے گا بدون حلالہ کے تین طلاق کے بعد کسی حال میں نکاح نہیں ہوسکتا۔

قال فی الدر: اوحرّة بعد ثلاث وردة اھ

قال الشامی : ای لو طلّقها ثنتین وھی امة ثم ملکھا او ثلاثًا وھی حرّة فارتدّت ولحقت بدار الحرب ثم سبیت، وملکھا لایحل له وطؤھا بملك الیمین حتی یزوّجھا فیدخل بھا الزوج فیطلقھا اھ (ص۸۸۶ ج ۱)

ظفر احمد عفا عنه

حکم نکاحِ مرتدّہ کہ بعد ازاں اسلام آوردہ اور اس سے متعلق مزید چند سوالات

سوال : کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرع متین ان مسائل میں کہ زید مسلمان نے ہمراہ مسماۃ زینب مسلمہ نکاح کیا چند سال کے بعد زینب نے رابطہ ناجائز دوستی کا ہمراہ خالد مسلمان پیدا کر لیا اور زینب خالد کے گھر بارادۂ بد آنے جانے لگی ایک دن زید نے زینب کو کہا کہ چونکہ خالد تمہارا نامحرم ہے اس کے گھر مت جایا کرو اس پر زینب نے اس کو جواب دیا کہ میں جایا کروں گی اور ہرگز خالد سے باز نہ آؤں گی اس بات کو سن کر خالد کو بھی غصہ آیا اس لئے خالد نے زینب کو کہا کہ تو مذہب نصرانیت (عیسائیت) اختیار کر لے پھر مذہب عیسائیت اختیار کر لینے کے بعد حکّام وقت کے محکمہ میں دعویٰ منسوخیِ نکاح کا کر لینا جب تمہارے نکاح کو حکّام وقت توڑ دیں گے تو بعدہٗ پھر تم مسلمان ہو جانا پھر تو (یعنی زینب) اور میں (یعنی خالد) آپس میں نکاح شرعی کر لیں گے۔ الغرض خالد نے یہ حیلہ مسمّاۃ زینب کو سکھلایا بعدہٗ زینب نے خالد کے کہنے پر مدرسہ عیسائیوں کے گرجا گھر میں جا کر مذہبِ عیسائیت اختیار کر لیا اور بعدہٗ حکّام وقت کی عدالت میں بایں مضمون دعویٰ دائر کر دیا کہ میں نے مذہب عیسائیت اختیار کر لیا ہے میرا نکاح زید سے قانونًا توڑ دیا جائے۔ اب التماس ہے کہ براہِ نوازش وکرم مندرجہ ذیل مسائل کے جواب سے مشکور وممنون فرمایا جائے۔

۱ جبکہ زینب نے مذہب عیسائیت اختیار کر لیا ہے کیا بروئے شرعِ محمدی کے زید اور زینب کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے یا نہ ؟ فقہاء تو فرماتے ہیں کہ اہل کتاب کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے اور مرتدہ کا نکاح نہیں ٹوٹتا بطور مفتیٰ بہ کے۔

۲ جبکہ خالد نے مسمّاۃ زینب کو مذہب عیسائیت اختیار کرنے کے لئے کہا اور اس کے کہنے پر زینب نے مذہب عیسائیت اختیار کر لیا تو خالد بروئے شرع محمدی کے کافر ہو جاتا ہے یا نہ ؟ اگر نہیں ہوتا تو رضا بالکفر، کفر کا مطلب کیا ہے ؟

۳ صورت متذکرہ میں علاوہ خالد کے جو شخص مسلمان مسماۃ زینب کی امداد دربارۂ فسخ نکاح کے کر رہے ہیں ان کے لئے کیا حکم ہے کیا ان کو مسماۃ زینب کی امداد کرنی چاہیئے یا کہ نہ؟

۴ اگر حکام وقت زید اور زینب کے نکاح کو توڑ دیں اور بعدہٗ پھر زینب مسلمان ہو جائے تو کیا زینب بروئے شرع محمدی کے خالد ترغیب دہندہ متذکرہ کے نکاح میں آسکے گی یا نہ؟

۵ کیا اگر زینب کسی وقت مذہب عیسائیت سے تائب ہو کر مسلمان ہو جائے تو کیا اس کی توبہ منظور ہوگی یا نہ؟ اور بصورتِ توبہ منظور ہونے کے اگر زینب مسمّٰی زید کو نکاح کرنا چاہے تو تجدیدِ نکاح کی جائے گی یا کہ نہ؟

۶ اگر بالفرض زینب نے عمداً زباناً تو مذہب عیسائیت اختیار کر لیا ہو لیکن اس کا اعتقاد مذہب اسلام کا ہو تو پھر زینب کے بارے میں کیا حکم ہوگا؟ فقہاء تو فرماتے ہیں کہ اعتقاد کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا کما فی البحر: من تکلم بکلمۃ الکفر ھازلاً او لاعباً کفر عند الکل ولا اعتبار باعتقادہ الخ بیّنوا بالصحۃ وبالکتاب توجروا۔

الجواب

۱ نکاح تو ٹوٹ گیا مگر زینب کو زید کے سوا کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کرنے کا حق نہیں بلکہ زید جبر و قہر سے اُس کو اپنے قبضہ میں باندی بنا کر رکھے مگر اس سے مقاربت نہ کرے۔ کیونکہ اس میں روایات مختلف ہیں اس لئے احتیاط کے خلاف ہے اور اس عورت کو مجبور کیا جائے کہ مذہب اسلام کی طرف رجوع کرے اگر وہ اسلام کی طرف رجوع کر لے تو پھر زید اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرے۔ والمسئلۃ فی الدر مع الشامیۃ ص ۴۶۹ ج ۲ والعالمگیریۃ (ص ۱۵۷ ج ۳)

۲ خالد صورتِ مسئولہ میں کافر ہو گیا۔ تلقینِ کفر کفر ہے صرح بہ فی العالمگیریۃ (ص ۱۵۸)

۳ نکاح تو فسخ ہو گیا لیکن جو لوگ زینب کو زید سے الگ کرنے کی سعی کر رہے ہیں وہ گناہگار ہیں اور اگر وہ زینب کے کفر سے راضی ہیں تو ان کا بھی وہی حکم ہے جو خالد کا اوپر گزرا۔

۴ زینب کو زید کے سوا کسی سے بھی نکاح کرنے کا حق نہیں اس کو زید ہی کے پاس

رہنے پر مجبور کیا جائیگا۔ اگر وہ مرتد نہ ہوتی بلکہ طلاق یا خلع سے الگ ہوتی تو پھر کسی دوسرے سے نکاح کرنے کا حق تھا اب یہ حق ہرگز نہیں۔

۵ ہاں۔ توبہ ہر وقت قبول ہے اور وہ زید سے نکاح کرنا چاہے تو نکاح کر دیا جائے بلکہ زینب کو اسی پر مجبور کیا جائے

۶ زبان کا اعتبار اکراہ میں نہیں ہوتا اور جو شخص بدونِ اکراہ کے محض نفس کی خواہش یا لعب کے طور پر زبان سے کلمۂ کفر نکالے وہ کافر ہے اس وقت اعتقاد کا اعتبار نہ ہوگا۔ کیونکہ دین کے ساتھ لعب اور کھیل کرنا خود کفر ہے واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ از تھانہ بھون۔ ۲۹ ربیع الثانی ۴۷ھ

عورتوں کے مرتد ہونے سے نکاح فسخ نہیں ہوتا

سوال: ایک عورت کافرہ کو ایک مجمع عام میں مسلمان بنایا گیا بعد از مسلمان بنانے کے ایک شخص زید اہل اسلام سے اسی مجمع میں نکاح کر دیا گیا یہ عورت بحالتِ کفر کافر کے نکاح میں تھی یعنی شادی شدہ تھی مگر اسلام سے قبل چھ ماہ اس عورت کی باقاعدہ ان کی جماعت میں فارغ خطی یعنی ان کے قواعد کے موجب طلاق ہوگئی تھی عین وقت اسلام وہ کسی کے نکاح میں نہ تھی اسلام سے مشرف کرکے اسی مجمع میں نکاح شرعی باقاعدہ پڑھایا گیا یہ عورت تخمیناً ۴ سال شوہر اسلامی کے ہمراہ رہی اولاد بھی ہوئیں۔ گردشِ زمن سے ایک اسلامی نے اس سے ناجائز تعلق پیدا کرنے کی غرض سے اس کی بہن کافرہ کو ورغلایا اس نومسلمہ کو اس کی بہن کافرہ کی معرفت و وساطت سے بہکا ورغلا کر نکلوایا۔ زید ناکح نومسلمہ نے اس شخص پر بھگا کر لیجانے کا مقدمہ دائر کیا اور ناجائز تعلق کرنے کا عورت کو ملزم چھوٹے بچوں کی وجہ سے نہیں بنایا صرف گواہی کے لئے بچا لیا تھا۔ بھگا کر لیجانے والے کو سخت جرم کی سزا میں مبتلا کر دیا جاتا مگر عورت نے اس کو بچانے کی خاطر مصلحت وقت دیکھ کر کورٹ میں کہدیا کہ مجھے یہ بھگا کر نہیں لے گیا۔ مجھ سے بدفعلی نہیں کی۔ اور میں تو اس کے نکاح میں نہیں ہوں اور نہ ہی مسلمان ہوئی ہوں اس کے اسلام کا کورٹ کو ثبوت پہنچایا گیا مگر چونکہ مقدمہ دوسرے پر تھا اس کے بھگانے سے انکار پر اس کو رہا کر دیا۔ اس شخص نے موقع پا کر چند اشخاص کے ہمراہ اس عورت کو نائب قاضی کے پاس لیکر پہنچا، کہا کہ اس کو مسلمان کرکے نکاح پڑھا دیجئے۔ نائب قاضی نے دریافت کیا عورت سے کہ تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا میرا نام سکینہ ہے قاضی کو شبہ ہوا کہ یہ لوگ تو مسلمان کرکے

نکاح کرنے کو کہتے تھے اور یہ تو مسلمان معلوم ہوتی ہے۔ نائب قاضی نے نکاح سے انکار کر دیا وہ لوگ قاضی شہر کے پاس گئے وہاں سے رقعہ لکھوا کر لائے کہ ان کا سردست نکاح پڑھا دو تب قاضی نے نکاح پڑھایا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ دوسرا نکاح شرعاً صحیح ہوگا یا نہیں؟

(۲) اگر کوئی عورت مسلمان یا نومسلمہ کسی اور مسلمان سے نکاح کرنا چاہے اور خاوند نہ چھوڑے تو مسلمان عورت مندر میں چلی جائے یا کفر کا کام کرلے اسی طرح نومسلمہ اپنے اسلام کا انکار کرے آیا یہ عورتیں اپنے یار بہکانے والے سے شرعاً نکاح کر سکتی ہیں یا نہیں؟ اور اسی طرح اسلام سے انکار کرنے سے ان کی مراد پوری ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

(۱) اس عورت کا پہلا نکاح تو صحیح ہوگیا کیونکہ وہ اسلام لانے سے پہلے کافر مرد کے نکاح سے علیحدہ ہو چکی تھی اور دوسرا نکاح صحیح نہیں ہوا بلکہ یہ عورت بدستور زید کے نکاح میں ہے بوجہین الاول التردّد فی ارتدادھا[۱] بقولھا "اور نہ ہی مسلمان ہوئی ہوں" فان الظاھر انما نفت عنھا الاسلام کاذبۃ لمصلحۃ ولم ترد بذلک الخروج عن الاسلام۔ والثانی ما فی رد المحتار[۲] (ص۴۶۹ ج۲) من فتوی الدبوسی والصفار وغیرھما بعدم وقوع الفرقۃ بارتداد الزوجۃ عن زوجھا واللہ تعالیٰ اعلم۔ غرض دوسرے شخص سے اس کا نکاح باقی نہیں رکھا جا سکتا مگر احتیاط یہ ہے کہ دوسرے خاوند سے جبراً طلاق لیکر بعد عدت کے زید سے دوبارہ نکاح کر دیا جائے بشرطیکہ وہ اس عورت کو اب بھی رکھنا چاہتا ہو اور اگر نہ رکھنا چاہتا ہو تو سوال دوبارہ لکھا جائے وھذا کلہ بالقواعد ولم نرہ صریحاً۔

(۲) جو عورت اپنے خاوند سے علیحدہ ہونے کے لئے مرتد ہو اس کا نکاح دوسرے شخص سے نہیں ہو سکتا بلکہ اس کو جبر کر کے پہلے ہی خاوند سے نکاح کرنے پر مجبور کیا جائیگا وافتی الدبوسی والصفار بعدم وقوع الفرقۃ رداً علیھا بارادتہ کما تقدم۔

واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ۔ از تھانہ بھون

خانقاہ امدادیہ

---

[۱] ھدایہ باب الاکراہ اور عالمگیریہ میں اخبار عن الکفر کاذباً سے مرتد ہو جائے گی تصریح موجود ہے۔

[۲] انما ذکرنا ھذا القول تأییداً واعتضاداً للتردد فی ارتداد المرأۃ ولا نفتی بہ فیما اذا کان الارتداد قطعیاً۔ ظفر

فصل فی الظہار والایلاء واللعان

شوہر نے کہا "اگر تیرے ساتھ جینا کروں تو تیرے پیٹ سے پیدا ہوئے سریکا کرکے"

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ ایک شخص اپنی عورت سے جھگڑا کرتے ہوئے عین جھگڑے میں یہ کہا کہ "اگر میں تیرے ساتھ جینا کروں تو تیرے پیٹ سے پیدا ہوئے سریکا کرکے"، یہ قول اس کا کیسا ہے ؟ اس قول سے نکاح فاسد ہوتا ہے یا طلاق واقع ہوتی ہے یا ظہار واقع ہوتا ہے یا لغو ہے ؟

بیّنوا توجروا

تنجاور کیل واسل کوچۂ عطاران متصل مسجد

مدرس حافظ محمد عبد الجبار علاقہ مدراس

الجواب

یہ قول لغو ہے مگر ایسا کہنا مکروہ ہے اس سے گناہ ہوتا ہے باقی ظہار یا طلاق کچھ نہیں ہوا۔

قال فی الھندیۃ : لو قال : ان وطئتك وطئت امّی فلا شئ علیه اھ

(ص۱۴۷ ج۔۲)

"تمہارے گھر جاؤں تو ماں کے گھر جاؤں" نہ طلاق ہے نہ ظہار

سوال : عرض یہ ہے کہ ایک آدمی نے غصّہ کی حالت میں اپنی بیوی کو کہا کہ میں اگر تمہارے گھر میں جاؤں تو اپنی ماں کے گھر جاؤں۔ اور مخفی نہ رہے کہ میں نے بھی اس کے جواب میں کہا کہ میں اگر تم کو بلاؤں تو اپنے باپ کو بلاؤں۔ اس مسئلہ میں شریعت کا کیا حکم ہے۔ امید ہے کہ بالتوضیح ومدلّل بیان کرنے سے غایت درجہ کی مسرّت ہوگی۔

سائل : محمد عبد الباری

۵ گوراچاند مین مسجد کلکتہ

الجواب

اس لفظ سے کچھ نہیں ہوا نہ ظہار نہ طلاق کیونکہ عورت کے گھر کو ماں کے گھر سے تشبیہ

دیانۃ الفاظ ظہار سے ہے نہ الفاظِ طلاق سے۔

قال فی الدر : وان نوی بانت علی مثل امی او کامی وکذا الوحذف علیّ خانیۃ ، برا اوظہارًا او طلاقًا صحت نیتہ ووقع مانواہ لانہ کنایۃ والاینو شیئًا أو حذف الکاف (بان قال : انت امی یدل علیہ ماذکرہ عن الفتح من انہ لابد من التصریح بالاداۃ (شامی) لغا ویکرہ قولہ : انت امی یا ابنتی ویا اختی ونحوہ اھ (ص۹۵ ج۲) قلت : وقولہ : ان دخلت بیتک دخلت بیت امی اھون من قولہ : انتِ امی فلما لغا ھٰذا لعدم اداۃ التشبیہ فإلغاء ذلک اولی والسر فیہ ان بحذف اداۃ التشبیہ لایفید اللفظ معنی التحریم شرعًا وھو المدار لصحۃ الظہار والطلاق۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ۔ از تھانہ بھون

۲۱ر رجب ۱۳۴۶ھ

بَابُ العِدَّۃ

نومسلمہ کی عدت کا حکم

سوال : ایک ہندو عورت مسلمان ہوئی اور وہ کسی شخص سے نکاح کرنا چاہتی ہے دو روز ہوئے ہیں مسلمان ہوئی تو اس کا نکاح پڑھایا جائے یا کہ نہیں؟ اور اگر پڑھایا جائے تو کب؟ کیا اس کے لئے بھی عدت ہے۔ جو حکم ہو اطلاع بخشیں۔ فقط

محمد حسین عفی عنہ بہاٹا پارہ

الجواب

جب کوئی ہندو عورت مسلمان ہو جائے تو اگر وہ پہلے سے کسی ہندو کے نکاح میں نہ تھی تب تو مسلمان ہوتے ہی اس کا نکاح ہو سکتا ہے اور اگر کسی ہندو کے نکاح میں تھی تو تین حیض گزرنے کے بعد اس کا نکاح پہلے شوہر سے ٹوٹیگا اس سے پہلے وہ اسی کافر کے نکاح میں ہے لھذا اس مدت میں اس کا نکاح کسی مسلمان سے بالکل درست نہ ہوگا۔ پھر تین حیض گزرنے کے بعد جب نکاح ٹوٹ گیا تو اگر کافر نے اس سے صحبت نہ کی تھی صرف نکاح ہی ہوا تھا تو اب دوسری عدت کی ضرورت نہیں اور

اگر صحبت بھی کی تھی تو صاحبینؒ کے نزدیک دوسری عدّت کی اور ضرورت ہے اور امام صاحبؒ کے نزدیک ضرورت نہیں۔

قال فی العالمگیریة : واذا اسلم احد الزوجین فی دار الحرب[1] ولم یکونا من اھل الکتاب اوکانا والمرأة ھی التی اسلمت[2] فانه یتوقف انقطاع النکاح بینھما علی مضی ثلاث حیض سواء دخل بھا اولم یدخل بھا کذا فی الکافی۔ (الی ان قال) وھٰذه الحیض لاتکون عدّة ولھٰذا یستوی فیھا المدخول بھا وغیر المدخول بھا ثم اذا وقعت الفرقة قبل الدخول بذلك فلاعدّة علیھا وان کان بعد الدخول والمرأة حربیة فکذلك وان کانت ھی المسلمة فکذلك الجواب عند ابی حنیفة رح اھ

ظفر احمد

۶ رجمادی الاولی ۱۳۴۰ھ

حاملہ کی عدّت مطلقاً وضع حمل ہے

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ ہندہ کی بدفعلی دیکھ کر عرصہ تین سال کا ہوا چھوڑ کر پردیس چلا گیا۔ معلوم ہوا کہ اپنے ملک سے تھوڑے فاصلہ پر ہی ہندہ کے رشتہ دار وہاں جاکر زید کو لے آئے ہندہ نے اپنا مہر جو زید نے دیا تھا بخش کر خلع کرلیا۔ ہندہ مذکورہ فعلِ زنا سے حاملہ بھی ہے ایا اب پہلے شوہر کی عدت کے اندر جس سے وہ زنا کے سبب حاملہ ہوئی ہے اس کے ساتھ نکاح کر دینا جائز ہے۔ یا بعد گزرنے عدّت کے؟ اس کا جواب بحوالۂ کتب جلد از جلد عنایت فرمائیں

راقم پیش امام عبدالحفیظ عفی عنہ کلمبندر
پوسٹ ضلع شمالی ارکاٹ

الجواب

صورتِ مسئولہ میں وضع حمل سے پہلے اس عورت کا نکاح کسی سے نہیں ہوسکتا کیونکہ

---

[1] قوله فی دار الحرب وکذلك فی دار الاسلام فالقید اتفاقی

[2] قوله والمرأة ھی التی اسلمت الخ اما اذا اسلم الزوج فقط لاینقطع النکاح بعد مضی ثلاث حیض ایضًا لصحة النکاح بالکتابیة بخلاف المشرکة فان زوجھا اذا اسلم یقع بینھما فرقة بعد ثلاث حیض

وضع حمل سے پہلے وہ عدت کے اندر ہے اور عدت میں شوہرِ سابق کا نکاح مرتفع نہیں ہوتا

قال فی الدر: والحامل مطلقاً ولو امة او کتابیة اومن زنا تعتد بالوضع اھ

قال الشامی عن الحاوی الزاھدی: اذا حبلت المعتدة وولدت تنقضی به العدة سواء کان من المطلق اومن زنا اھ (ص ۹۹۴ ج ۲)

اور اس حمل کو حمل زنا اور اس کے پیدا ہونے کے بعد بچہ کو ولد الزنا نہیں کہہ سکتے۔ اگر شوہر اول اس کو حمل زنا نہیں کہتا جب تو ظاہر ہے اور اگر وہ اس کو حملِ زنا کہتا ہے تو اس کا حکم لعان ہے۔ قاضی شرعی کے سامنے لعان ہو کر جب تفریق ہو جائے اس وقت یہ حمل اور ولد زوج اول سے منقطع النسب ہوگا اور بدون اس کے شوہر اول ہی کا شمار ہوگا۔

ففی الحدیث المشہور: الولد للفراش وللعاھر الحجر۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۱۸ / محرم ۴۵ھ

عنّین کی زوجہ مطلقہ غیر مدخولہ پر خلوتِ صحیحہ کی وجہ سے عدّت لازم ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کا نکاح اس کے ماں باپ نے ایک مادر زاد نامرد کے ساتھ کر دیا اس نے کئی سال تک اس کے ساتھ نباہ کیا۔ خواہش نے مجبور کیا۔ طلاق لے لی۔ اب اس عورت کو نکاح ثانی کی بہت عجلت ہے اور خواہش نے مجبور کر رکھا ہے۔ وہ عدت پورا کرنے کو نہیں مانتی، وہ کہتی ہے کہ جب میں اس کے ساتھ کبھی ہم بستر نہیں ہوئی تو پھر عدت کو کیوں پورا کروں

کاندھلہ ضلع مظفر نگر شمشیر جنگ

الجواب

قال فی الدر: والخلوة بلا مانع حسّی وطبعی وشرعی کالوطئ ولو کان الزوج مجبوباً او عنّیناً او خصیاً او خنثیٰ ان ظھر حاله فی ثبوت النسب وتاکد المھر والنفقة والسکنیٰ والعدة اھ (ص ۵۵۹ ج ۲)

اس سے معلوم ہوا کہ عنّین کی بیوی پر بھی عدّت واجب ہے جبکہ وہ تنہا مکان میں ایک بار شوہر کے پاس رہ چکی ہو گو ہم بستری نہ ہوئی ہو۔

حررہ الاحقر ظفر احمد۔
۱۴ / صفر ۴۵ھ

مسئلہ ممتدۃ الطہر | سوال : کسی نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی پس اس حالت میں ایک سال گزرا حیض نہیں آیا عمر اس کی ۲۵ سال ہے اب اس عورت نے دوسرے سے نکاح کرلیا۔ نکاح کرنے کے بعد اس مرد کے گھر میں دو حیض آیا اور ایک قبل نکاح کے آیا تھا پھر حیض نہ آنے لگا اب اس نے بھی طلاق دیدی پس اس حالت میں چھ یا سات ماہ گزرا حیض نہیں آیا اب اس عورت سے مرد اول نے نکاح کرلیا۔ نکاح اس کا صحیح ہوا یا نہیں ؟ حکم صادر فرمائیں ۔

تنقیح : اس سوال میں امورِ ذیل دریافت طلب ہیں ان کا مفصل جواب آنے پر جواب دیا جائیگا۔

① مرد اول نے کتنی طلاق دی ایک یا دو یا تین ؟
② اس عورت کو حیض طلاق دینے سے قبل کبھی آیا تھا یا نہیں ؟
③ طلاق کے کتنے روز بعد وہ حیض آیا جو نکاح ثانی سے قبل لکھا ہے ۔

نوٹ : اول تو یہ لکھا ہے کہ ایک سال گزرا حیض نہیں آیا اب دوسرے نے نکاح کرلیا پھر لکھا کہ ایک حیض قبل نکاح کے آیا۔ اس میں صریح تعارض ہے ۔ لہٰذا صاف طور پر صحیح واقعہ لکھنا لازم ہے ۔

عبدالکریم عفی عنہ۔ خانقاہِ امدادیہ تھانہ بھون
۱۵ر جمادی الاولےٰ ۱۳۴۴ھ

جوابِ تنقیح

① مرد اول نے تین طلاق دی ۔
② اس عورت کو حیض طلاق دینے کے قبل کبھی نہیں آیا ۔
③ طلاق کے ایک سال بعد ایک حیض آیا پس دوسرے نے نکاح کرلیا پھر نکاح کے بعد اور دو حیض آیا۔ اب مرد ثانی نے تین طلاق دی پس اس طلاق کے بعد چھ ماہ گزرا بدون حیض کے مرد اول نے نکاح کرلیا۔

الجواب

مرد اول نے جو نکاح کیا ہے وہ صحیح نہیں ہوا کیونکہ زوج ثانی کی طلاق کے بعد عدت (یعنی تین حیض) پوری نہیں ہوئی حالانکہ اس عورت کی عدت تین حیض ہے ۔

کما فی الدر المختار : (او بلغت بالسن) وخرج بقولہ (ولم تحض) الشابۃ الممتدۃ

بالطھر بان حاضت ثم امتد طھرھا فتعتد بالحیض الی ان تبلغ بسن الایاس۔ جوھرۃ

وقال الشامی : (قولہ : بلغت بالسن) ای خمسۃ عشرسنۃ عن العنایۃ ومثلھا لو بلغت بالانزال قبل ھٰذہ المدۃ۔

یہ تو جب ہے کہ زوجِ ثانی کا نکاح صحیح ہوگیا ہو ورنہ اس کی طلاق کے بعد تین حیض گزر جانے پر بھی زوجِ اول سے نکاح جائز نہیں کیونکہ تحلیل کے لئے نکاح صحیح ہونا شرط ہے۔

کمافی الدر المختار مع الشامی صـ۸۸۵ (لامطلقۃ بھا) بالثلاث (لوحرۃ وثنتین لو امۃ حتی یطأھا غیرہ ولو مراھقًا بنکاح) نافذ خرج الفاسد والموقوف۔

اور نکاح زوجِ ثانی کی صحت اور بطلان کی تحقیق کی ضرورت پڑے تو امورِ ذیل مفصل لکھ کر سوال کیا جائے۔

① جب زوجِ اول نے طلاق دی تو عورت کی کیا عمر تھی؟
② اگر عمر ۱۵ سال سے کم تھی تو کوئی نشانِ بلوغ پایا گیا تھا یا نہیں؟
③ جو حیض طلاق سے سال بھر بعد آیا اس سے قبل کیا عمر بھر کبھی حیض نہیں آیا؟ فقط واللہ اعلم

احقر عبدالکریم عفی عنہ
۱۹ رجادی الثانی ۴۴ھ

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا عنہ
۱۹ رجادی الثانی ۱۳۴۴ھ

مرضعہ کی عدت کس طرح شمار ہوگی جبکہ بوجہ رضاع حیض بند رہتا ہے

سوال : مرضعہ (جس کو بوجہ رضاعت حیض بند رہتا ہے) کی عدت کس طرح شمار ہوگی بوجہ ارضاعِ ولد جو عورت طاہر ہو اس طہر ممتد میں وطی کے بعد طلاق دیجائے تو کوئی گناہ تو نہیں۔ آیا یہ طلاق سُنی ہوسکتی ہے؟

محمد امام مدوری مددگار مدرس مدرسہ اسطانیہ
قصبہ مدور تعلقہ چرٹیال ضلع نلگیڈھ حیدر آباد دکن

الجواب

مرضعہ مطلقہ کی عدت تین حیض ہے چاہے وہ تین حیض تین سال میں آئیں لانّ ذوات الحیض عدتھنّ ثلاثۃ قروء اور مرضعہ کو طلاق دینا طلاق فی الطھر ہے۔ پس اگر مرضعہ سے حالتِ

ارضاع میں وطی نہ کی ہو تو یہ طلاق سنت ہو گی ورنہ نہیں لان طلاق السنۃ ماکان فی الطھر لاوطی فیہ ولا یصح قیاسہ علی الحمل فان حبل الحامل لا یتصور ولا کذلک المرضعۃ۔ ولھذا استثنی الفقھاء الآیسۃ والصغیرۃ والحامل فقط حیث قالوا بجواز طلاقھن عقب الوطی لفقد توھم الحبل ولم یستثنوا المرضع کما یظھر من الدر والشامی ص۶۸۶ ج۲

واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفاعنہ از تھانہ بھون

خانقاہ اشرفیہ - ۲۰ شعبان ۴۶ھ

خلع کی عدت ایک حیض ہے یا تین حیض

سوال: خلع کی عدت کتنی ہے؟ تین حیض ہے یا ایک حیض؟ زید کہتا ہے کہ خلع کی عدت ایک حیض ہے اور نیل الاوطار کے ص۱۷۲ و ۱۷۳ کا حوالہ بھی دیا ہے۔ عمرو کہتا ہے کہ خلع کی عدت تین حیض ہو گی کیونکہ خلع سے طلاقِ بائن واقع ہوتی ہے حکم شرعی کس کے قول کے موافق ہے؟ مع حوالہ کتب حدیث جواب عنایت فرمائیں

الجواب

خلع کی عدت طلاق کی طرح تین حیض ہے جس کی دلیل مؤطا مالکؒ کی یہ روایت ہے مالک عن نافع ان ربیعۃ بنت معوذ بن عفراء جاءت ھی وعمتھا الی عبداللہ بن عمر فاخبرتہ انھا اختلعت من زوجھا فی زمن عثمان فبلغ ذلک عثمان بن عفان فلم ینکرہ قال عبداللہ بن عمر: عدتھا عدۃ المطلقۃ۔ مالک انہ بلغہ ان سعید بن المسیب وسلمان بن یسار وابن شہاب کانوا یقولون عدۃ المختلعۃ مثل عدۃ المطلقۃ ثلاثۃ قروء اھ (ص۲۱۵)

اور جن لوگوں نے خلع کی عدت ایک حیض بتلائی ہے وہ ابن ماجہ کی ایک روایت سے استدلال کرتے ہیں مگر اس کی سند ضعیف ہے۔ اس میں محمد بن اسحاق عبادۃ بن الولید بن عبادۃ بن الصامت سے راوی ہے اور وہ مجہول ہیں۔ دوسرے اس میں یہ مذکور ہے کہ حضرت عثمان نے ربیعہ بنت معوذ بن عفراء کو ایک حیض کی عدت بتلائی اور ان کا یہ فیصلہ ثابت بن قیس کی بیوی کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے موافق تھا اور ثابت بن قیس کے متعلق بخاری میں یہ الفاظ ہیں: "قال لہ: اقبل الحدیقۃ وطلقھا تطلیقۃ" جس سے خلع کا حکم طلاق ہونا صاف ظاہر ہے۔ واللہ اعلم۔ حررہ ظفر احمد عفاعنہ

۲۰ ربیع الثانی ۴۸ھ

وجوب عدت ثبوتِ نسب کے تابع ہے

سوال : کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے نکاح کیا اور ایک لڑکی بھی پیدا ہوئی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ صغر سنی میں اس کا نکاح دوسرے شخص سے ہو چکا تھا اور دخول نہ ہوا تھا بلکہ مساس بھی نہیں ہوا پس شوہر اول کو کچھ مال دیکر طلاق حاصل کی گئی اب زید جو اس سے نکاح کی تجدید کرے تو آیا انقضائے عدت کا انتظار واجب ہے یا نہیں؟ اور عدت واجب ہے یا نہیں؟ شبہ اس سے یہ ہوا کہ لڑکی کا پیدا ہونا حکماً موطوئۃ الاول ہونے کی علامت ہے یا نہیں؟ - والسلام -

الجواب

صورتِ مسئولہ میں چونکہ نکاحِ اول کے بعد زوجین میں مقاربت نہیں ہوئی بلکہ اصلاً مساس نہیں ہوا اور اس کے بعد دوسرے شخص سے نکاح لاعلمی میں ہوا اور لڑکی نکاح ثانی سے چھ ماہ بلکہ مدت زائدہ کے بعد پیدا ہوئی جو قولِ مفتیٰ بہ کے موافق زوجِ ثانی سے ثابت النسب ہے تو اس لڑکی کا تولّد وطی زوج اول کی دلیل نہ ہوگی اور طلاق زوج اول کے بعد عدت بھی واجب نہ ہوگی کیونکہ وجوب عدت ثبوتِ نسب کے تابع ہے جب اول سے ثبوتِ نسب نہیں تو عدت بھی واجب نہیں۔

قال فی الدر: غاب عن امرأته نتزوجت بآخر وولدت اولادًا فالاولاد للثانی علی المذهب (ان اتت به لاكثر من ستة اشهر من عقد الثانی - شامی) وعلله ابن الملك بانه المستفرش حقيقة فالولد للفراش الحقيقي وان كان فاسدًا اھ (ص ۱۰۳۸ ج ۲)

وفی البحر عن الفتح: واذا لم يثبت النسب لم تجب العدة اھ - (ص ۱۴۳ ج ۴)

قلت: واذا لم تجب العدة لم تجعل موطوءة للزوج الاول - والله اعلم

حررہ ظفر احمد عفا عنہ

۲۸ ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ

مطلقہ ثلاث بعد انقضائے عدتِ نکاح ثانی اور صحبت کرانے کے مرتد ہوگئی مسلمان ہونے کے بعد زوج اول کے ساتھ بدون عدت پوری کیئے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

سوال : تین طلاق والی عورت نے عدت گزار کر دوسرے خاوند سے نکاح کیا اور دوسرے شوہر سے صحبت کرانے کے بعد یہ عورت کافرہ ہوگئی تو پہلے شوہر سے جس نے تین طلاقیں دی ہیں اب بلا عدت پوری کیئے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب : عدت پوری کیئے بغیر پہلے شوہر سے نکاح نہیں کر سکتی۔

ففی الدر المختار عن کافی الحاکم : و ان لحقت المرتدۃ بدار الحرب کان لزوجھا ان یتزوج اختھا قبل ان تنقضی عدتھا و ان عادت مسلمۃ کان لھا ان تتزوج من ساعتھا اھ (ص ۳۱۳ ج ۲) قلتُ : فقید اللحاق یشعر بانھا لا تتزوج من ساعتھا بدون اللحاق و تباین ۔ واللہ اعلم ۔ ظفر احمد عفا عنہ

۱۴ / ۱۲ / ۴۸

زنا کی عدت نہیں ہے

سوال : بے شوہر والی عورت نے زنا کیا کرنے والے کے سوا اور مرد سے بلا عدت پوری کئے نکاح کرنا درست ہے یا نہیں ؟

الجواب

بدون عدت کے نکاح کر سکتی ہے کیونکہ زنا کی کوئی عدت نہیں مگر زنا کے بعد سے ایک حیض آنے تک شوہر اس کے ساتھ جماع نہ کرے (صرح بہ فی الدر) ۔ اور اگر اس کو زانی کا حمل رہ گیا ہو تو مجامعت وضع حمل تک جائز نہیں ۔ واللہ اعلم

حررہ ظفر احمد عفا عنہ

۱۴ ذی الحجہ ۴۸ھ

فصل فی الحداد

بغرض دفعِ غم معتدۂ وفات کا گھر سے باہر نکلنا درست ہے یا نہیں ؟

سوال : معتدہ وفات جس کو شوہر کی وفات کا بہت صدمہ ہے ، تخفیفِ غم اور دل بہلانے کے لئے صبح سے شام تک کے واسطے اپنے والدین کے مکان پر جا سکتی ہے یا نہیں ؟ شب کے وقت شوہر کے مکان پر رہے گی ۔ نیز دن میں کسی رشتہ دار بیمار کو دیکھنے یا اس کی تجہیز و تکفین میں شرکت کے لئے جا سکتی ہے یا نہیں ؟

محمد کفایت اللہ عفی عنہ

الجواب

قال فی الدر : و تعتدان ای معتدۃ طلاق و موت فی بیت وجبت فیہ و لا یخرجان منہ الا ان تخرج او ینھدم المنزل او تخاف انھدامہ او تلف مالھا او لا تجد کراء البیت و نحو ذلک من الضرورات فتخرج لاقرب موضع الیہ اھ

وفیہ ایضًا قبلہ: ومعتدۃ موت تخرج فی الجدیدین وتبیت اکثر اللیل فی منزلہا لان نفقتہا علیہا فتحتاج للخروج حتی لوکان عندہا کفایتہا صارت کالمطلقۃ فلا یحل لہا الخروج "فتح" اھ (ص۱۰۲۱ ج ۲)

صورتِ مسئولہ میں اگر طبیب حاذق مسلم یہ تجویز کر دے کہ اس بیوہ کو تخفیفِ غم کے لئے اس گھر سے نکلنا اور دوسرے گھر میں جاکر دل بہلانا ضروری ہے ورنہ یہ بیمار ہو جائے گی یا ہلاکت کا اندیشہ ہے تو خروج من البیت جائز ہے۔ پھر اگر دن میں نکلنا کافی ہو تو رات کو مکانِ زوج پر آنا واجب ہوگا ورنہ جب تک ضرورت ہو اس وقت تک رات اور دن بھی دوسرے مکان میں رہ سکتی ہے کیونکہ ضرورتِ شدیدہ اور حاجت کے وقت خروج جائز ہے۔ واللہ اعلم

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۲۵ر شوال ۱۳۴۴ھ

حکم خروج معتدۂ وفات از خانۂ شوہر بعذر

سوال: کیا فرماتے علماء دین اس مسئلہ میں عرصہ دو ماہ کا ہوا کہ زید کا انتقال ہوگیا۔ ایک زوجہ اور دو خورد سال بچے اور کچھ اثاثہ چھوڑا۔ زوجۂ زید عدت میں ہے بچے اس کے پاس ہیں جو کچھ اثاثہ تھا وہ سب زید کے بہن بھائیوں نے اپنے قبضہ میں کر لیا زید کی زوجہ اس وقت ہر طرح سے تنگ ہے اور زید کے بھائی اس کو ہر طرح کی تکلیف پہنچا رہے ہیں۔ زید دوسرے شہر میں رہتا تھا چونکہ زید کی زوجہ کے والدین دوسرے شہر میں سکونت پذیر ہیں اس لئے وہ غیر شہر میں کسی طرح سے بھی اپنی دختر (زوجۂ زید) کی امداد نہیں کر سکتے۔ اور نہ زوجۂ زید کے والدین کے رشتہ داروں میں وہاں کوئی ایسا ہے کہ عدت تمام ہونے تک زوجۂ زید اور اس کے بچوں کی خورد ونوش اور ضروری اخراجات کی خبر گیری کر سکے۔ زوجۂ زید کے والدین اب یہ چاہتے ہیں کہ ہم اپنی دختر (زوجۂ زید) کو اپنے شہر میں لاکر اس کی اور اس کے بچوں کی خبر گیری کریں۔ از روئے شرع شریف ایسی حالت میں زوجۂ زید اور اس کے بچوں کو وہاں سے اپنے شہر میں لانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

قال فی الدر: وتعتدان ای معتدۃ طلاق وموت فی بیت وجبت فیہ ولا یخرجان منہ الا ان تخرج او ینہدم المنزل او تخاف انہدامہ او تلف مالہا او لا تجد کراء البیت ونحو ذلک من الضرورات فتخرج الی اقرب موضع الیہ

(وحکم ما انتقلت الیہ حکم المسکن الاصلی فلا تخرج منہ شامی صہ ۱۰۲۲/۲)

صورتِ مسئولہ میں زوجۂ زید اپنے والدین کے شہر میں جا سکتی ہے کیونکہ مجبوری کی حالت ہے پھر اس کو چاہیئے کہ والدین کے گھر پہنچ کر عدت پوری کرے اور اس گھر سے قبل اتمام عدت بلا ضرورت دن کو بھی نہ نکلے اور رات کو نکلنا تو ضرورت سے بھی نہ چاہیئے لیکن اضطرار کی حالت مثل خوف ہدم وغیرہ ہر حال میں مستثنیٰ ہے۔ فقط

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۱۰ محرم ۱۳۴۵ھ

ضرورتِ نفقہ کے علاوہ معتدۂ وفات دوسری ضروریات کے لئے گھر سے نکل سکتی ہے یا نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین دریں مسئلہ کہ ایک عورت عدتِ موت گزار رہی ہے اس کا لڑکا اور بہن بیمار رہیں اور علاج وغیرہ کے لئے کوئی مرد وغیرہ گھر میں ہے نہیں تو وہ حکیم کو مریضوں کی اطلاع کے لئے اور دوا کے لئے جا سکتی ہے یا نہیں؟ فقط والسلام

حافظ ولی محمد قنوجی

الجواب

ضرورتِ نفقہ کے علاوہ نکلنے میں اختلاف ہے اس لئے احتیاط اس میں ہے کہ صورتِ مذکورہ میں مکان سے باہر نہ جائے لیکن جب دوا وغیرہ کا انتظام کوئی اور نہ کرے اور دوا نہ کرنے سے مرض بڑھنے کا اندیشہ ہو یا خود اس عورت کو بدون علاج کے پریشانی ہو تو دوسرے قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔ سخت ضرورت کی مقدار چلی جایا کرے

ففی البحر الرائق (صـ۱۵۳ ج ۴) بعد نقل کلام فتح القدیر (حتی لو کان عندھا کفایتھا صارت کالمطلقۃ فلا یحل لھا ان تخرج لزیارۃ ولا لغیرھا لیلاً ولا نھاراً) فالظاھر من کلامھم جواز خروج المعتدۃ عن وفاۃ نھاراً ولو کانت قادرۃ علی النفقۃ الخ واللہ اعلم

احقر عبد الکریم عفی عنہ

۱۱ شوال ۴۴ھ

دو بیویوں میں سے ایک کے مکان پر شوہر کا انتقال ہو جائے جبکہ دوسری بیوی بھی بغرضِ عیادت وہیں مقیم ہو تو وہ عدت کہاں پوری کرے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین اس صورت میں کہ

حمد اللہ خاں مرحوم کی دو بیویاں ہیں اور دونوں بیویوں کو ان کے شوہر حمد اللہ خاں نے دو مکانات ان کی سکونت کے واسطے علیحدہ علیحدہ بنا دیئے ہیں جن میں وہ رہتی ہیں اور دونوں مکانات میں فاصلہ تقریباً دو سو قدم کا ہے۔ ایک بیوی مرض الموت حمد اللہ خاں میں دوسری بیوی کے مکان میں جس میں حمد اللہ خاں فوت ہوئے تیمار داری کے واسطے گئی تھی کہ حمد اللہ خان فوت ہوگئے اور دونوں بیویوں میں موافقت بھی نہیں ہے اب جو بیوی دوسری کے مکان میں اپنے مکان سے گئی ہوئی ہیں ان کو اپنے مکانِ مسکونہ میں آکر عدت پوری کرنی جائز ہے یا نہیں؟ یا اسی مکان میں جس میں حمد اللہ خاں کی فوتی ہوئی عدت پوری کرنی چاہیئے۔ بیّنوا توجروا۔ فقط

سائل: احسان اللہ ولد حمد اللہ خان مرحوم
از گڑھی عبد اللہ خان، ضلع مظفر نگر

الجواب

صورتِ مسئولہ میں اس بیوی کو اپنے مکان میں چلا جانا جائز ہے[۱]۔

قال فی الدر: طلقت او مات وهی زائرة فی غیر مسکنها عادت الیه فوراً لوجوبه علیها و تعتد ای معتدة الموت فی بیت وجبت فیه ولا یخرجان منه الا ان تخرج الخ

قال الشامی: (قوله فی بیت وجبت فیه) وما یضاف الیها بالسکنی قبل الفرقة الخ فیه ایضاً: قبل ذلک تحت قوله (ولا تخرج من بیتها الخ) ما نصّه والمراد ما یضاف الیها بالسکنی حال وقوع الفرقة والموت (هدایه ص۱۰۲۱ ج ۲) واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۷ رجمادی الاول ۴۶ھ

---

[۱] بلکہ واجب ہے، اشرف علی

بَابُ ثبوت النّسب و مُدّة الحمل

حکمِ نکاحِ زنِ مطلقہ کہ حاملہ شد و بیانِ نسب ولدِ آن کہ از زوج باشد یا نہ در صورت اقرار و انکارِ او۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین بابت مسئلہ صورتِ ذیل کے وہ یہ کہ زید ہندہ کو جو کہ باقر کی منکوحہ ہے باقر کے گھر سے پوشیدہ نکلوا کر بھگا لایا۔ غالباً عرصہ دو سال سے زید ہی کے پاس ہے اور باقر کو بھی پتہ چل گیا۔ جھگڑا آپس میں یا شاید قانونی چارہ جوئی کی ہوگی، عرصہ سے چلا آرہا ہے آخر نتیجہ یہ نکلا کہ زید کی جانب سے باقر کو کچھ روپیہ دے کر اس سے طلاق لے لی ہے۔ اس عرصہ میں (یعنی بحالتِ نزاع) ہندہ کو حمل رہا اور ساقط بھی ہو گیا جو کہ نہ معلوم باقر سے تھا یا زید سے وہ تو کہتی ہے کہ زید سے تھا اب وہ دوبارہ پھر حاملہ ہے بظاہر تو یہی خیال گزرتا ہے کہ یہ حملِ ثانی تو ضرور زید ہی سے ہوگا اور چونکہ خود بھی اقرار کرتی ہے اور نیز دوسرے باقر کا رہنا دور دوسرے شہر میں ہے اور زید کے گھر میں بلا تکلیف آنا بھی مشکل ہے اب ہندہ اور زید چاہتا ہے کہ ہم دونوں کا نکاح ہو جائے۔ لہٰذا عرض یہ ہے کہ اس ہندہ کی عدت کیا ہوگی تین حیض یا وضعِ حمل اور اس صورت میں یہ حملِ ثانی زید کا قرار دیا جائیگا یا باقر کا۔ اور چونکہ ثبوتِ نسب میں احتیاط مزید ہے جیسا کہ حضرت مولانا نے ایک دفعہ رسالہ "الامداد" میں تشریح کی تھی کہ میاں کو پردیس میں برسیں گزر گئیں اور گھر میں بچہ پیدا ہو گیا تو اسی کا کہلائیگا اس طرح یہاں بھی یہ احتمال ہو سکتا ہے یا نہیں؟ کہ عجب نہیں ہندہ کا خاوند کسی طریق سے اس سے ہم بستر ہو گیا ہو اور وہاں ہندہ کے اس قول کا اعتبار ہوگا یا نہیں کہ یہ موجودہ حمل زید کا ہے۔ یا باقر سے معلوم کرنے کے بعد باقر کے قول کا اعتبار ہوگا۔ اگر باقر کا قول معتبر ہوگا تو انکار کی صورت میں تہمت کی وجہ سے لعان تو نہ ہوگا اول تو بایں وجہ کہ چونکہ پیشتر اس تحقیق کے طلاق وہ دے چکا۔ غرضیکہ باقر سے تحقیق کی ضرورت ہے یا محض زید اور ہندہ کے قول کا اعتبار ہوگا۔ امید کہ ان کے نکاح و عدت وغیرہ کے متعلق بالتشریح مطلع فرمائیں گے اور اگر حضرت مولانا مدظلہم اللہ تعالیٰ کے دستخط بھی کرا دیں تو عوام کے لئے بھی مزید باعثِ اطمینان ہوگا اور اگر اتفاق سے حضرت سفر میں ہوں تو آن جناب ہی جواب باصواب سے جلد مشرف فرمائیں۔ اور وہاں کیا طلاق میں طلاق نامہ تحریر

شدہ مع ثبت انگوٹھا مُہر دستخطوں کے ہو تو محض تحریر کا اعتبار کرلیا جائیگا یا نہیں ؟
بینواتوجروا۔ فقط

الجواب

صورتِ مسئولہ میں اس عورت کی عدّت وضع حمل ہے قبلِ وضع حمل زید کو اس سے نکاح کرنا جائز نہیں اور اگر وقتِ طلاق سے چھ ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہوا تو وہ باقر ہی سے ثابت النسب ہوگا خواہ وہ اقرار کرے یا انکار کرے اور اگر وقتِ طلاق سے چھ ماہ کامل یا زیادہ میں پیدا ہوا مگر دو سال کے اندر اندر ہی پیدا ہوگیا اور اس عرصہ میں عورت نے اپنی عدت تمام ہونے کا بھی دعویٰ نہ کیا تھا تو اس صورت میں بھی لڑکا باقر ہی کا ہوگا خواہ یہ مطلقہ رجعی ہو یا مطلقہ بائنہ۔ اور اگر وقتِ طلاق سے دو سال پورے یا زیادہ میں پیدا ہوا تو مطلقہ بائنہ ہونے کی صورت میں بدون اقرار باقر ثبوتِ نسب نہ ہوگا اور مطلقہ رجعیہ ہونے کی صورت میں اس وقت بھی نسب زوج سے ثابت ہوگا۔ اور اگر عورت وضع حمل سے پہلے انقضاء عدّت کا دعویٰ کردے دراں حالیکہ یہ دعویٰ طلاق سے ساٹھ دن یا زیادہ گزر جانے کے بعد ہو تو اگر اس دعویٰ کے بعد چھ ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہوا تب بھی شوہر اول ہی سے ثابت النسب ہوگا اور اگر دعویٰ انقضاء عدت کے بعد چھ ماہ کامل یا زیادہ میں بچہ پیدا ہوا تو پھر باقر سے ثبوتِ نسب نہ ہوگا۔ باقی اس صورت میں ھندہ اور زید کے اس قول کا اعتبار نہ ہوگا کہ یہ حمل باقر کا نہیں بلکہ زید کا ہے اور باقر سے پوچھنے کی بھی ضرورت نہیں بلکہ وضع حمل سے پہلے ھندہ کا نکاح کسی طرح زید سے درست نہیں۔ اور جن صورتوں میں ثبوتِ نسب کا حکم دیا گیا ہے ان میں اگر باقر اس حمل کو اپنے سے نفی کرے تو مطلقہ رجعیہ ہونے کی صورت میں لعان کا حکم ہے اور مطلقہ بائنہ کی صورت میں لعان بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ لعان کے لئے بقاءِ زوجیت شرط ہے۔ بلکہ ہندوستان میں مطلقہ رجعیہ سے بھی لعان نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کے لئے دارالاسلام اور قاضی شرط ہے۔ وھما منتفیان ھٰھنا۔ اور جب لعان نہ ہوسکے تو ولد زوج اول سے ہی ثابت النسب ہوتا ہے اب اس کی نفی کسی طرح نہیں ہوسکتی۔ البتہ جن صورتوں میں ثبوت النسب من الباقر کا حکم دیا گیا ہے اگر ولادت کے بعد باقر ولادت ہی کا انکار کردے اور یہ کہدے کہ اس عورت نے کچھ نہیں جنا یہ جھوٹ کہتی ہے کہ میں نے بچہ جنا ہے تو ثبوتِ نسب کے لئے اس میں یہ شرط ہے کہ یا تو طلاق کے وقت حمل ظاہر ہو یا ظاہر نہ ہو مگر زوج نے حمل کا اقرار کرلیا ہو یا اقرار نہ کیا ہو مگر مدت کے اندر ولادت واقع ہونے پر شہادت قائم ہوجائے جس میں صرف دایہ کی شہادت کافی نہیں بلکہ

دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ضروری ہیں اور جب وہ حمل کا یا مدت کے اندر ولادت کا اقرار کرے تو پھر اس کا یہ کہنا کہ یہ بچہ میرا نہیں یا حمل مجھ سے نہ تھا معتبر نہ ہوگا بلکہ لعان کی ضرورت ہوگی مطلقہ رجعیہ میں اور مطلقہ بائنہ میں اس کی بھی ضرورت نہیں اور ہم کہہ چکے ہیں کہ ہندوستان میں لعان نہیں ہوسکتا۔ اس لئے نفی ولد کی کوئی صورت نہیں۔

الدلائل

قال فی الدر : فیثبت نسب ولد معتدۃ الرجعی ولو بالاشھر لایاسھا وان ولدت لاکثر من سنتین ما لم تقر بمضی العدۃ والمدۃ تحتملہ (ای تحتمل المضی بان تکون ستین یومًا علی قول الامام وتسعۃ وثلاثین علی قولھما ثم جاءت بولد لایثبت نسبہ الا اذا جاءت بہ لاقل من ستۃ اشھر من وقت الاقرار فانہ یثبت نسبہ للتیقن بقیام الحمل وقت الاقرار فیظھر کذبھا وکذا ھذا فی المطلقۃ البائنۃ والمتوفی عنھا اذا ادعت انقضاءھا ثم جاءت بولد لتمام ستۃ اشھر لایثبت نسبہ ولاقل یثبت اھ شامی) کما یثبت بلادعوۃ احتیاطًا فی مبتوتۃ جاءت بہ لاقل منھما من وقت الطلاق لجواز وجودہ وقتہ ولم تقر بمضیھا کما مر ولو لتمامھما لا الا بدعوتہ لانہ التزمہ وان لم تصدقہ المرأۃ لا فی روایۃ (ای فی ان الولد منہ اھ شامی) وھی الاوجہ اھ

(ص ۱۰۲۶ تا ۱۰۲۸ - ج ۲)

وفیہ ایضًا : ویثبت نسب ولد المعتدۃ بموت او طلاق ان جحدت ولادتھا بحجۃ تامۃ واکتفیا بالقابلۃ قیل وبرجل او حبل ظاھر وھل تکفی الشھادۃ بکونہ کان ظاھرًا فی البحر بحثًا نعم او اقرار الزوج بہ ای بالحبل ولو انکر تعیینہ تکفی شھادۃ القابلۃ اجماعًا اھ

(ص ۱۰۳۰ ج - ۲)

وفیہ ایضًا : وسیجیئ فی الاستیلاد ان الفراش علی اربع مراتب (ضعیف، وھو فراش الامۃ لایثبت النسب فیہ الا بالدعوۃ۔ ومتوسط، وھو فراش ام الولد فانہ یثبت فیہ بلادعوۃ لکنہ ینتفی بالنفی۔ وقوی، وھو فراش المنکوحۃ ومعتدۃ الرجعی فانہ فیہ لا ینتفی الا باللعان۔ واقوی، کفراش معتدۃ البائن فان الولد لا ینتفی فیہ اصلاً لان نفیہ متوقف علی اللعان وشرائط اللعان الزوجیۃ اھ شامی (ص ۱۰۲۷ ج - ۲)

وفی الدر : فمن قذف فی دار الاسلام زوجتہ (اخرج دار الحرب لانقطاع الولایۃ اھ شامی) العفیفۃ عن فعل الزنا تہمتہ او من نفی نسب الولد وطالبتہ بہ لاعن اھ ۔ ویسقط اللعان بالطلاق البائن ثم لا یعود وکذا یسقط بزناھا ووطیھا بشبہۃ اھ

وفی الدر ایضاً : ومتی سقط اللعان بوجہ ما (کعدم صلاح احدھما للشہادۃ اوعدم الاحصان شامی) لم ینتف نسبہ ابداً اھ (ص ۹۷۴ ج ۲ باب اللعان)

ھٰذا واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۔ از تھانہ بھون

۱۷ رجب ۴۲ھ

مدتِ حمل حنفیہ کے نزدیک زیادہ سے زیادہ دو سال ہے اس پر شبہ اور اس کا جواب

سوال : عرض اینکہ درمیانِ زنان مشہور است کہ حملِ زن گاہے خشک شود، بعضے ۳ سال خشک باشد، بعضے چار سال بعضے زیادہ ازان ہم خشک باشد باز در شکم تازہ شود وبچہ تولد شود این سخن درست است یانہ حال آنکہ در کتب مسطور است کہ "اکثر مُدّۃ الحملِ سنتان" واین ہم مشہور ست کہ تا زمانیکہ حمل خشک باشد زن راحیض ہم میشود این سخن ہم راست است یانہ؟ مع آنکہ در کتب مذکور است کہ "ما رأتہ الحاملُ من الدّم فھو استحاضۃ" بیّنوا توجروا ۔

السائل : رسول شاہ ۔ ڈاکخانہ نہ وضلع کوہاٹ موضع ڈھوڈھ

الجواب

قال الزیلعی : واخرج الدارقطنی ومن جہتہ البیہقی عن الولید بن مسلم قال : قلت : لمالک بن انس ای حدیث عن عائشۃ انہا قالت : لا تزید المرأۃ فی حملہا علی سنتین قدر ظل المغزل فقال : سبحان اللہ من یقول ھٰذا ھٰذہ جاء تنا امرأۃ محمد بن عجلان امرأۃ صدق وزوجہا رجل صدق حملت ثلاثۃ ابطن فی اثنی عشر سنۃ کل بطن فی اربع سنین اھ (ص ۵۱ ج ۲، نصب الرایہ)

اس سے معلوم ہوا کہ دو سال سے زیادہ مدت تک حمل کا بطن میں رہنا امام مالک رح

کے نزدیک بھی ممکن ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ عورتوں میں جو حمل کے خشک ہوجانیکا قصہ مشہور ہے یہ بھی کسی درجہ میں اصل رکھتا ہو۔ مگر حنفیہ نے حضرت عائشہ رضؓ کے اثر کی وجہ سے مدتِ حمل کو دو سال سے زائد نہیں مانا۔

اخرج البیھقی ثم البیھقی فی سننھا من طریق ابن المبارك عن داوٗد بن عبد الرحمٰن عن ابن جریج عن جمیلة بنت سعد عن عائشة رضؓ قلت: ما تزید المرأة فی الحمل علی سنتین قدر ما یتحول ظل عمود المغزل اھ (زیلعی ص ۵۱ ج ۲) قلتُ: سند صحیح رجاله رجال الصحیح وجمیلة بنت سعد صحابیة استشھد ابوھا یوم احد وھی حمل تزوجت زید بن ثابت الامام ذکرھا الحافظ فی الاصابة فی القسم الاول (ص ۴ ج ۸)۔ وفی حاشیة الھدایہ والظاھر ان عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنھا قالتہ سماعًا لان العقل لا یھتدی الی معرفة المقادیر اھ (ص ۱۳۴ ج ۲)

پس جس صورت میں عورتیں یہ دعویٰ کریں کہ حمل خشک ہوگیا تھا حنفیہ وہاں یہ کہیں گے کہ خشک ہونے سے پہلے جس کو تم نے حمل سمجھا تھا وہ حمل ہی نہیں تھا بلکہ نفخ یا پانی ہوگا جس کو غلطی سے حمل سمجھ لیا گیا پھر اس کو خشک مان کر خواہ مخواہ مدتِ حمل دو سال سے بڑھا دی کیونکہ حمل میں نفخ کا احتمال بھی کچھ بعید نہیں۔

قال فی الفتح: اذ یحتمل کونه نفخاً او ماءً وقد اخبرنی بعض اھلی عن بعض خواصھا انه ظھر بھا حمل واستمر الی تسعة اشھر ولم یشکلکن فیه حتی تھیأت له بتھیئة ثیاب المولود ثم اصابھا طلق وجلست الدایة تحتھا فلم تزل تعصر العصرة بعد العصرة وفی کل عصرة تصب الماء حتی قامت فارغةً من غیر ولد اھ (شامی ص ۷۹۲ ج ۲)۔ قلتُ: وھٰذا ھو جوابنا عن واقعہ امرأة محمد بن عجلان وھو ظاھر التقریر۔ واللہ اعلم

اکثر مدّتِ حمل کے بعد اور نکاحِ ثانی سے اقل مدّتِ حمل کے اندر بچّہ پیدا ہوا تو اس کا نسب شوہر متوفی سے ثابت ہوگا یا ناکح ثانی سے؟

سوال: ہمارے اطراف میں ایک منکوحہ کا حمل چھ یا سات مہینہ کی مدت کے بعد سوکھ گیا اور تین مہینہ کے بعد اس کے شوہر کا انتقال ہوگیا پھر تین برس کے بعد جس کے اندر مہینہ دو مہینہ کے فاصلہ پر کبھی کبھی خون بھی ظاہر ہوا دوسرے ایک مرد سے بغیر اطلاع دیئے صورت

صورہ کے ایک قاضی صاحب اور دو گواہ کے مقابل میں نکاح کیا اور نکاح ثانی سے دو مہینہ بعد پھر اگلا حمل ظاہر ہوا خوب احتمال ہے کہ چھ مہینے کے اندر ہی وضع حمل ہوگی۔ اب بحسب شرع شریف کہ اس منکوحہ اور نکاحِ ثانی پر کیا حکم ہے اور وہ ولد جو کہ مدتِ مذکورہ میں پیدا ہوئے ثابت النسب کس سے ہے اور حالتِ مذکورہ میں نکاح منعقد ہوا یا نہیں اگر نہیں ہوا تو قاضی صاحب پر کیا حکم ہے؟ لوجہ اللہ جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں توجروا عند اللہ العزیز۔ زیادہ آفتابِ ہدایت برسرِ عالمان تابان و درخشان باد۔ بالنون والصاد۔

الجواب

اگر نکاح ثانی کے بعد چھ ماہ سے قبل بچہ پیدا ہوا تو زوج ثانی کا نہیں ہوسکتا۔ اور چونکہ زوجِ اول کی وفات سے دو سال بعد اس کی پیدائش ہے اس لئے اس کی طرف بھی منسوب نہیں ہوسکتا۔

فی الدر: (واقلہا ستۃ اشہر اجماعاً ص۱۰۲۵) (و) یثبت نسب ولد معتدۃ (الموت لاقل منہا من وقتہ) ای الموت و قال الشامی تحت قولہ لاقل منہا: ای من سنتین ص ۱۰۲۹ ج-۲)

اور جب عدتِ وفات ختم ہوچکی کیونکہ تین سال گزر چکے وفاتِ زوج کو اور دو سال سے زائد زوجِ اول کا حمل نہیں رہ سکتا تو اس کا نکاح ثانی جائز ہوگیا مگر چونکہ محض روایات اس کے خلاف بھی ملی ہیں اس لئے احتیاطاً اس عورت کا نکاح بعد وضع حمل کے دوبارہ پڑھ لینا ضروری ہے اگر وضع حمل زوج ثانی کے دخول سے ۶ ماہ سے پہلے ہو۔ اور یہ جواب قواعد سے دیا گیا ہے جزئیہ نہیں ملا لھٰذا دوسرے علماء سے بھی دریافت کرلیا جائے۔ واللہ اعلم

الجواب صحیح — کتبہٗ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ

ظفر احمد عفا عنہ۔ ۱۶ محرم ۴۴ھ — ۱۶ محرم ۴۴ھ

تفصیل الجواب

قال فی البحر: (ص ۱۴۳ ج-۱) وان کان (الوضع) لاکثر من سنتین منذ طلقہا الاول ولا قل من ستۃ اشہر منذ دخل الثانی لم یلزم الاول

ولا الثانی بقی مالو جاءت به لاقل من سنتین من طلاق الاول وستة اشهر من دخول الثانی و ینبغی الحاقه بالاول اھ

وفی العالمگیریة : عدة الحامل ان تضع حملها کذا فی الکافی سواء کانت حاملاً وقت وجوب العدة اوحبلت بعد الوجوب کذا فی قاضی خان وسواء کانت عن طلاق او وفاة او متارکة او وطیٔ بشبهة کذا فی النهر۔ وسواء کان الحمل ثابت النسب ام لا۔ و یتصور ذلک فیمن تزوج حاملاً من الزنا کذا فی السراج الوهاج اھ (ص ۱۵۹۔ ج ۲)

اس سے معلوم ہوا کہ ۱ زوج اول کی طلاق یا موت سے دوسال بعد اور زوجِ ثانی کے دخول سے ۶ ماہ پہلے اگر بچہ پیدا ہوا تو وہ کسی سے ثابت النسب نہ ہوگا ۲ انقضاء عدت حاملہ کے لئے وضع حمل شرط ہے خواہ حمل ثابت النسب ہو یا نہ ہو۔ اب رہا یہ کہ نکاح ثانی صحیح ہوا یا نہیں تو چونکہ قبل موت زوج اول یہ عورت حاملہ تھی جو خشک ہو گیا تھا اس لئے اس کی عدت وضع حمل کے سوا کچھ نہ تھی اور اس کا نکاح ثانی عدت میں ہوا اس لئے صحیح نہیں۔ رہا یہ کہ حنفیہ کے یہاں تو اکثر مدتِ حمل دوسال ہے تو اس صورتِ مسئولہ میں تین سال تک اس کو حاملہ من الاول کیسے مانا جائیگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مدت لزوم نسب کے لئے ہے کہ اس سے زائد میں نسب زوج پر لازم نہ ہوگا باقی انقضاءِ عدت کے لئے نص سے وضع حمل معین ہے پس خشک حمل کے وضع کے بغیر مقتضاءِ نص یہ ہے کہ عدت تمام نہ ہوگی

قال ابن عابدین فی حاشیة البحر : قال فی النهر : فرع لو مات الحمل فی بطنها و مکث مدة بماذا تنقضی عدتها لم ار المسئلة وینبغی ان تبقی معتدة الی ان ینزل او تبلغ مدة الایاس اھ ۔ قال بعض الفضلاء قوله اوتبلغ مدة الایاس فیه انه مناف الآیة فتأمل اھ

وفی حاشیة الرملی نقلاً عن کتب الشافعیة لاتنقضی مع وجوده بعموم الآیة قال : ولا مبالاة بتضررها بذلک کما فی شرح المنهاج للرملی۔

و فی حاشیة المنهج لابن قاسم : قال شیخنا الطبلاوی رحمه الله : افتی جماعة عصرنا بتوقف انقضاء عدتها علی خروجه والذی اقوله عدم التوقف اذا یئس من خروجه لتضررها بمنعها من التزوج اھ ولاشئ من قواعد مذهبنا یدفع ما قالوه فاعلم ذلک اھ ملخصاً (ص س ۱۳۳ ج ۔ ۴)

اس سے معلوم ہوا کہ وجود حمل خواہ میت ہی مانع انقضاء عدت ہے اور یہ کہ انقضاء عدت میں دوسال کی مدت معتبر نہیں اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حمل میت حمل ہی نہیں کیونکہ جماعتِ فقہاء نے اس کو عموم آیت "حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ" کے تحت میں داخل کر کے مانع انقضاء کہا ہے پس حمل خشک بھی اسی کے مثل ہے بلکہ اس کا حمل ہونا بہ نسبت میت کے اظہر ہے اور جب وہ بوجہ حمل ہونے کے مانع ہے تو اس کا مانع ہونا اولیٰ ہے۔ اور علامہ خیر الدین نے فتویٰ شافعیہ کو نقل کر کے کہا ہے کہ یہ ہمارے قواعد کے خلاف نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ انقضاء عدت کا دوسال سے زائد مدت پر موقوف ہونا ہمارے قواعد کے خلاف نہیں اس سے اس تاویل کی تائید ہوتی ہے جو احقر نے اول میں لکھی ہے کہ یہ تخصیص مدت لزوم نسب کے لئے ہے۔

وقال فی رد المحتار بعد ذکرہ الاقوال المذکورۃ وبہ ظہر ان المراد من قولہ اوتبلغ حدّ الایاس ھو الایاس من خروجہ وھل المراد منہ نہایۃ حدّ الحمل وھو اربع سنین عند الشافعیۃ وسنتان عندنا او اعم من ذلک محتمل والذی ینبغی العمل بما قالہ الجماعۃ لموافقتہ صریح الآیۃ اھ (ص۹۹۶ ج۲)

اس سے بھی ظاہر ہوا کہ علامہ شامی کے نزدیک راجح یہی ہے کہ صورتِ مذکورہ میں انقضاء عدت وضع حمل و خروج ما فی البطن پر مطلقاً موقوف ہو اس میں نہایت مدتِ حمل کا اعتبار نہ ہو گا کیونکہ صریح آیت یہی ہے کہ عدت حاملہ وضع حمل ہے۔

وقد ذکرنا عن العالمگیریۃ: ان کون الحمل ثابت النسب غیر ضروری قلتُ: وھٰذا ھو الراجح عندی ای ما قالہ العلامۃ الشافعی۔ البتہ بحر میں خانیہ سے ایک جزئیہ نقل کیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوسال جو مدتِ حمل مقرر ہے وہ لزومِ نسب کے لئے بھی ہے اور انقضاءِ عدت کے لئے بھی

ونصّہ فی الخانیۃ: المتوفی عنھا زوجھا اذا ولدت لاکثر من سنتین من وقت الموت یحکم بانقضاء عدتھا قبل الولادۃ بستۃ اشھر وزیادۃ فتجعل کانھا تزوّجت بزوج آخر بعد انقضاء عدتھا وحبلت من الثانی اھ (ص۱۳۶ ج۴) ای لا نسیئ الظن بھا بل نجعلھا متزوّجۃ سرا کمسئلۃ الشرقی مع المغربیۃ ولا نجعلھا حاملا اکثر من سنتین وھٰذا اوسع والاول احوط۔

اس روایت کا مقتضاء یہ ہے کہ صورتِ سوال میں مسماۃ مذکورہ کا نکاحِ ثانی صحیح

ہوگیا۔ بہرحال صحت نکاح ثانی مختلف فیہ ہے لھٰذا دوبارہ نکاح پڑھ لینا خروج عن الخلاف کے لئے ضروری ہے باقی نکاح خوان کو تو کسی صورت میں بھی گناہ نہیں ہوا کیونکہ اس کو صورت حال کی اطلاع ہی نہ تھی۔ والذی قلنا من صحۃ النکاح وعدمہ کلہ من القواعد ولم نجد جزئیۃ صریحۃ فیہ فلیتحقق و لیحرر من غیرنا ایضاً۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفاعنہ۔

ازتھانہ بھون۔ ۲۵ محرم ۱۳۴۴ھ

حکم نفی نسب بتہمتِ زنا وبیان احکامِ نسب

سوال: زید نے اپنی بیوی ھندہ حاملہ کو یہ کہہ کر طلاق دیدی کہ یہ حمل حرام کا ہے میرا نہیں۔ ھندہ اپنے میکہ چلی آئی اور وہاں اس کی لڑکی پیدا ہوئی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ لڑکی زید سے ثابت النسب ہوگی یا نہیں؟ زید اور زید کی والدہ اور اس کے دیگر اعزہ سے بطور وراثت کے کچھ پائے گی یا نہیں؟ قول مفتیٰ بہ تحریر فرمائیں۔

الجواب

صورتِ مسئولہ میں زید پر لعان واجب ہوتا۔ اگر یہ جگہ دارالاسلام میں ہوتی اور یہاں قاضی اسلام موجود ہوتا جب، بوجہ دارالحرب اور قاضی اسلام نہ ہونے کے لعان نہیں ہوسکتا بلکہ اب تو چونکہ زوجہ طلاق کی عدت پوری ہونے سے مطلقہ بائنہ ہوچکی ہے تو دارالاسلام میں بھی لعان نہیں ہوسکتا۔ تو شوہر کے نفی کرنے سے حمل یا ولد منتفی نہیں ہوسکتا۔ بلکہ یہ لڑکی زید ہی کی لڑکی ہے اور شرعاً وہ زید سے اور زید کے خاندان سے حقِ وراثت پانے کی کامل مستحق ہے۔

قال فی الدر: الفراش علی اربع مراتب: (الی ان قال) وقوی وھو فراش المنکوحۃ ومعتدۃ الرجعی فانہ فیہ لا ینتفی الا باللعان۔ واقوی، کفراش المعتدۃ البائن فان الولد لا ینتفی فیہ اصلاً لان نفیہ متوقف علی اللعان ومن شرائط اللعان الزوجیۃ اھ (ص ۱۰۲۷ ج ۲)

وفیہ ایضاً: متی سقط اللعان بوجہ ما (کعدم صلاح احدھما للشھادۃ او عدم الاحصان) لم ینتف نسبہ ابداً اھ (ص ۹۷۴ ج ۲، باب اللعان مع الشامی)

حررہ الاحقر ظفر احمد عفاعنہ ازتھانہ بھون

۲۷ رجب ۴۵ھ

ثبوتِ نسب کی ایک صورت کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنے وطن سے پردیس چلا گیا وہ کہتا ہے کہ قبل روانگی میری، میری

اہلیہ ۵ - ۶ یوم پیشتر حیض سے فارغ ہوئی بعد فراغت مواصلت ہوتی رہی بعدازاں ۱۵ ذی الحجہ کو میں پردیس چلا گیا۔ بعد میرے جانے کے ماہِ محرم الحرام میں میری زوجہ کو گم ہیضہ ہوگیا زندگی کی امید باقی نہ رہی تین مرتبہ دم رُک گیا لیکن بفضلہ تعالیٰ چھ یوم کے بعد رُو بصحت ہوئی مگر صحت کلی نہ ہوئی کبھی حالت ان کی اچھی اور کبھی طبیعت ناساز ہو جایا کرتی رہی علاج ابتداء سے ہوتا رہا یعنی قرب وجوار کے حکماء واطباّء کا علاج نہایت سعی وکوشش کے ساتھ ہوتا رہا۔ یہ کیفیت مسلسل ایک سال چھ ماہ تک رہی مرض وبا پھر ترقی پذیر ہوا۔ میری زوجہ جب بالکل لاغر ہوگئی اور نشست وبرخاست سے مجبور ہوگئی تو مجھے مطلع کیا اور میری طلبی کے خطوط روانہ کئے۔ میں پردیس سے پورے ایک سال پانچ ماہ ۲۰ یوم کے بعد اپنے وطن پہنچا اور گردونواح کے حکماء سے دربارۂ علاجِ مریضہ تذکرہ ومشورہ کیا مگر چونکہ وہ حضرات علاج کرکے پہلے ہی سے مایوس ہو چکے تھے اس لئے ان لوگوں نے مجبوری ظاہر کی مگر ایک صاحب نے جو کہ فی الحال شہر جونپور کے شفاخانہ میں سول سرجن ہیں اور ان کا نام ڈاکٹر محمد حفیظ اللہ ہے مجھے یہ مشورہ دیا کہ تم مریضہ کو اعظم گڈھ کے زنانہ شفاخانہ میں داخل کردو کیونکہ وہاں ایک تجربہ کار لیڈی ڈاکٹر اس وقت موجود ہے علاج معقول ہو جائیگا ساتھ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ اگر خدانخواستہ وہاں صحت یاب نہ ہو تو پھر جونپور کے شفاخانہ میں کہ جہاں میں خود موجود ہوں لیکر آنا میں وہاں کے زنانہ اسپتال میں داخل کرادوں گا ڈاکٹر موصوف کے مشورہ پر میں نے عمل کیا اور مریضہ کو لیجاکر زنانہ اسپتال شہر اعظم گڈھ میں داخل کردیا اور بحکم لیڈی ڈاکٹر چند ایام وہیں مریضہ کے قیام کا انتظام کردیا اور علاج ہونا شروع ہوگیا بعد چند روز کے لیڈی ڈاکٹر نے کہا کہ اب مریضہ کو مکان میں لیجاؤ اور ہر چوتھے روز یہاں سے دوا لیجایا کرو میں نے کچھ مدت تک ایسا ہی کیا اس طرح مریضہ کو رفتہ رفتہ صحت معلوم ہوتی رہی اسی اثناء میں پہلی لیڈی ڈاکٹر کا تبادلہ کسی دوسرے مقام پر ہوگیا اور ان کے قائم مقام دوسری لیڈی ڈاکٹر آئی۔ میں نے مناسب سمجھا کہ مریضہ کو لاکر اس کو بھی معائنہ کرا دینا چاہیئے۔ چنانچہ پھر دوبارہ چند ایام وہیں قیام کرکے علاج کیا تو بظاہر کافی صحت معلوم ہونے لگی۔ ایک دن جدید لیڈی ڈاکٹر نے کہا کہ وہ بیماری یعنی ورمِ جگر تو جاتا رہا مگر ابھی اور بیماریاں باقی ہیں اور ان بیماریوں کا علاج بھی ممکن ہے مگر چونکہ مریضہ حمل سے ہے اسلئے تاوضع حمل علاج میں تردداًت ہیں۔ ورنہ بچہ ضائع ہونے کا اندیشہ ہے اس وجہ سے میری اہلیہ نے کہا کہ ابھی علاج تاوضع حمل ملتوی رکھا جائے

یہ سوچ کر اہلیہ کو مکان میں لایا اور پھر پردیس چلا گیا۔ اس عرصہ میں بھی صحبت گاہے گاہے ہوئی اور میرے پردیس جانے کے ۴-۵ یوم کے بعد دختر تولد ہوئی، میں نے ہر طرح حساب کیا تو میرے سفر کو ایک برس گیارہ ماہ کئی دن ہوئے ہیں اور دوسری مرتبہ مکان جانے پر صرف پانچ ماہ اٹھارہ یوم قیام رہا۔ اب عرض یہ ہے کہ یہ لڑکی حرامی ہے یا حلالی؟ مفصل و مستند طریقہ سے ساتھ دلیل کے ارسال فرمایا جائے۔ کیونکہ اس کا جھگڑا و فساد کی حالت روز بروز خطرناک ہوتی جا رہی ہے اس لئے دلیل طلب ہے، اگر کوئی رسالے اس کے متعلق ہوں تو بذریعہ وی۔پی ارسال فرمائیں ورنہ اس کا نام بھی تحریر میں لایا جائے ممکن ہے کہ فریقین میں صلح قائم ہو جائے لہٰذا نہایت ادب کے ساتھ عرض خدمت بابرکت ہوں کہ گستاخی معاف فرما کر جواب باصواب میں بہت عجلت فرمائی جائے۔ واجب تھا عرض کیا۔ عورت سے اس کے شوہر کو خاطری ہے کہ یہ عورت فرمان بردار اور پارسا ہے۔

المرقوم: ۱۵ر جنوری ۲۹ ھ

الجواب: اس لڑکی کے حرامی ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ حنفیہ کے یہاں اکثر مدتِ حمل دو سال ہے۔ ایک حمل دو سال تک پیٹ میں رہ سکتا ہے اور اس کی بہت سی نظائر موجود ہیں اور یہ لڑکی شوہر کی مواصلت سے دو سال کے اندر اندر پیدا ہوئی ہے پس اس کی حلالی ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ محض مدّت کے زیادہ ہونے سے بلاوجہ شبہ کرنا جائز نہیں چونکہ زوجہ بعد قیام حمل کے سخت بیمار ہوگئی اور اس کی بیماری مسلسل رہی اس لئے بچہ رحم میں جلدی پرورش نہ ہو سکا، دیر میں پرورش ہوئی اس لئے دیر سے پیدا ہوا اور امام شافعیؒ امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک تو چار سال تک بھی حمل پیٹ میں رہ سکتا ہے بس جو لوگ دیر میں بچہ ہونے سے عورتوں پر شبہ کرنے لگتے ہیں اور ان کی اولاد کو حرامی سمجھنے لگتے ہیں وہ سخت جرم و گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔

قال اللہ تعالیٰ: وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ط وقال: اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ○

وفی الدر المختار ورد المحتار والعالمگیریۃ وغیرھا من کتب الفقہ: اکثر مدۃ الحمل سنتان بخبر عائشۃ رضی اللہ عنہا (ما تزید المرأۃ فی الحمل علی سنتین)

وعند الأئمة الثلاثة اربع سنين (ص ۱۰۲۵ ج ۲) واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

خانقاہِ امدادیہ

۱۰ شعبان ۴۷ھ

بدون لعان کے نسب منتفی نہیں ہوسکتا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین رحمکم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی منکوحہ کو طلاق دیدی بعد ایک سال دو ماہ کے اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا لیکن اس نے ایک شخص کو بوقتِ حمل تہمتِ زنا کی لگائی تھی وہ قسم کھا کر بَری ہوگیا ہے اب نسب اس لڑکے کا اس کے شوہر سے ثابت ہوگا یا نہیں بیّنوا توجروا

المستفتی: محمد عبد الغفور۔ مقام خنڈل بہار پاڑہ
پوسٹ آفس خنڈل نیا پاڑہ ضلع اکیب ملک برما

الجواب

صورتِ مسؤلہ میں لڑکے کا نسب اس طلاق دینے والے سے ثابت ہے کیونکہ بدون لعان کے نسب منتفی نہیں ہوسکتا اور واقعۂ مذکورہ میں لعان ہوا نہیں بلکہ ان دیار میں بوجہ قاضی نہ ہونے کے لعان ہوتا ہی نہیں (گو حاکم مسلم جو انگریزوں کے مقرر کئے ہوئے ہیں وہ قاضی کے حکم میں ہیں مگر جہاں تک مجھ کو معلوم ہے کہ گورنمنٹ نے حکام کو لعان کا حکم نہیں دیا تاہم اگر لعان ہوا ہو تو سوال دوبارہ بھیجا جائے)

فی العالمگیریہ (ص ۱۵۳ ج ۲) وکذلك اذا کان من أهل اللعان فلم یتلاعنا فانه لاینتفی النسب کذا فی شرح الطحاوی۔

علاوہ ازیں جو علماء کرام اس ملک کو دار الحرب کہتے ہیں ان کے نزدیک نفی ولد کی کوئی صورت ممکن نہیں کیونکہ دار الحرب میں لعان نہیں ہے۔ واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ از خانقاہِ امدادیہ تھانہ بھون

مورخہ ۱۲ ربیع الثانی۔

غیر منکوحہ (داشتہ) کی اولاد کا ثابت النسب نہ ہونا عورت اور اس کی اولاد کا میراث سے محروم ہونا

سوال: زید متوفی کے ایک لڑکا اور لڑکی تو اصلی منکوحہ سے ہیں اور تین لڑکے

ایک لڑکی عورت داشتہ غیر منکوحہ (بغیر نکاح والی) سے ہیں۔ عورت غیر داشتہ اپنے اصل خاوند سے جبرًا طلاق لے کر اور کسی جگہ غیر مردوں سے حرام کر کے ڈھائی تین ماہ کا حمل لیکر زید متوفی کے گھر میں رہی اور عورتِ داشتہ کو جو غیر حرام کا حمل تھا وہ زید متوفیٰ کے یہاں رہ کر ایک حرام کا لڑکا جنا۔ اور اس عورت داشتہ نے زید متوفیٰ کے یہاں رہ کر دو لڑکے اور ایک لڑکی زید متوفی کے نطفہ سے جنا۔ یہ تین لڑکے اور ایک لڑکی زید متوفیٰ کے گھر میں موجود ہیں اور عورت داشتہ کو زید متوفیٰ کے یہاں رہتے ہوئے عرصہ ۳۵ سال کے قریب ہوگیا اور اس عرصہ تک یہ عورت داشتہ زید متوفیٰ کے یہاں بغیر نکاح کے رہی اور اب زید متوفیٰ کا انتقال ہوئے چند ماہ گزر گئے بعد انتقال متوفیٰ کے اس کی اولاد حقیقی اور اولاد عورت داشتہ میں جھگڑا ہوا وراثت پر یہاں تک کہ جھگڑا عدالت میں چلا گیا۔ یہاں پر نکاح خوانی کا یہ قاعدہ ہے، جتنے بھی جے پور میں نکاح ہوئے وہ سب شہر قاضی کے رجسٹر میں درج ہوتے ہیں چیف، عدالت سے نکاح کا رجسٹر طلب کیا تو عورت داشتہ کا مرحوم زید متوفی سے کہیں نکاح ثابت نہیں ہوا۔ اب انصاف عدالت میں یہ ہے کہ شرع محمدی ایک کتاب ہے انگریزی میں، اردو میں اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اگر کوئی عورت ۳۰ یا ۳۵ سال بغیر نکاح کے رہے تو اس کا نکاح سمجھا جائیگا اور وہ اور اس کی اولاد ورثہ کی مالک ہوگی۔ اب آپ سے دست بستہ گذارش ہے کہ بحوالہ کتب مع نامِ کتب اور صفحہ کے ارشاد فرمائیں کہ ایسا نکاح جائز سمجھا جائے گا یا نا جائز ؟ ورنہ ورثہ کا مالک کون کون ہوسکتا ہے۔ زید متوفیٰ کے ذمہ ایک مہاجن کا کچھ روپیہ قرض تھا۔ زید متوفیٰ نے بوجہ قبضہ جائیداد مہاجن کے اپنے مکانوں کو اس عورت داشتہ کے مہر میں مصنوعی طور پر لکھ دیا کہ مہاجن قبضہ نہ کر سکے اب جس وقت اولاد زید متوفیٰ میں جھگڑا ہوا تو صرف اس سندِ مصنوعی کے علاوہ اور کوئی نکاح کا ثبوت نہیں۔

السائل: محمد بخش بورحر۔ جے پور

الجواب: خدا کی پناہ! کس قدر تحریف ہے جو فقرہ کتاب "شرع محمدی" کا درج سوال ہے اس کو دیکھتے ہوئے وہ کتاب "برعکس نہند نامِ زنگی کافور" کی مصداق ہے۔ یہ قانون صراحۃً شریعتِ مقدسہ کے خلاف ہے۔ جب تک شرائط کے موافق نکاح نہ ہوا اس وقت تک وہ حرام کاری رہے گی، ہرگز نسب اور نکاح

ثابت نہ ہوگا زیادہ زمانہ گزرنے سے جرم اشد ہو جائیگا نہ کہ اس میں تخفیف۔ یہ بات تو عقل کے بھی بالکل خلاف ہے۔ اس قانون کا خلافِ شرع ہونا ایسا بدیہی ہے کہ اس کے لئے کسی حوالہ کی ضرورت نہیں۔ جملہ اہل اسلام کے نزدیک یہ مسئلہ غلط ہے اور ہر کتاب میں اس کے خلاف مسئلہ موجود ہے۔ حتی کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: وَاُحِلَّ لَکُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمۡ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا بِاَمۡوَالِکُمۡ مُّحۡصِنِیۡنَ غَیۡرَ مُسٰفِحِیۡنَ۔ غرض یہ کہ یہ عورت اور اس کی اولاد ہرگز وارث نہیں ہو سکتی۔ باقی رہا دوسرا معاملہ یعنی فرضی طور پر مہر میں جائیداد دیدینا سو اس کے متعلق مفصل واقعہ لکھا جائے تو حکم شرعی بتلایا جائیگا۔ یعنی اس کاغذ کی نقل اور اس تحریر کا واقعہ مفصل لکھا جائے تب اس کاغذ کے معتبر ہونے نہ ہونے کا مسئلہ بتلایا جائے گا۔ البتہ اتنا ظاہر ہے کہ جب تک نکاح ثابت نہ ہو جائے اس وقت تک مہر کا ثبوت ممکن نہیں۔ فقط واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ، تھانہ بھون
۴ ربیع الاول ۵۱ھ

تین طلاق ملنے کے بعد ایک عورت نے نکاحِ ثانی کیا۔ زوج نے قبل دخول طلاق دیدی پھر تیسرے شخص سے نکاح کیا، اس نے دخول کے بعد طلاق دی اور انقضاء عدت سے قبل زوجِ اول نے اس کے ساتھ وطی کیا اور عورت حاملہ ہوگئی تو یہ حمل کس سے تصوّر ہوگا۔

سوال: ماقولکم رحمکم اللہ تعالی اندر اینکہ شخصے زوجۂ خود را سہ طلاق دادہ اند باز نکاح خواہد کرد لھذا نکاح ثانی دادہ اند باو دخول نیافت طلاق دادہ است چنانچہ بموافق مذہب ابوحنیفہ درست نشد لھذا نکاح ثالث دادہ اند باو وطی یافت نشد وآن ناکح ثالث طلاق داد بعد انقضاء یک حیض زوج اول مطلق وطی نمود نطفہ قرار گرفت وعدت زوج ثالث تمام نیافت وآن حمل آیا آن زوج او باشد یا زوج ثالث بیّنوا بدلیل الکتاب وتوجروا عند اللہ الملک الوہاب

الجواب

درصورت مسئولہ چونکہ عدت زوج ثالث تمام نشدہ کہ درمیان عدت آثارِ حمل ظاہر گشت لھذا عدتِ این مطلقہ وضع حمل است قبل از وضع حمل نکاح زوج اول باین مطلقہ صحیح نخواہد شد واین حمل از زوج ثالث باشد لان الولد للفراش وللعاہر الحجر۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد۔ از تھانہ بھون۔ ۲۶ ذیقعدہ ۴۸ھ

کتاب الرّضاع

مسئلہ رضاعت کی ایک صورت

سوال : زینب اور رقیہ دو عورتیں ہیں زینب کا ایک لڑکا بعمرِ دو سال اور رقیہ کی تین لڑکیاں ہیں اور ایک لڑکا ہے۔ رقیہ کے لڑکے نے زینب کا دودھ پیا اب زینب کے لڑکے کا نکاح رقیہ کی لڑکی سے درست ہے یا نہیں ؟

الجواب

رقیہ کے جس لڑکے نے زینب کا دودھ پیا ہے وہ تو زینب کی کسی لڑکی سے نکاح نہیں کر سکتا لیکن زینب کا لڑکا رقیہ کی لڑکیوں میں سے جس سے چاہے نکاح کر سکتا ہے کیوں کہ اس نے رقیہ کا دودھ نہیں پیا۔

اگر ایک لڑکے نے دودھ پیا ہے تو جس نے دودھ پلایا ہے وہی حرام ہوگا یا سب ؟

سوال : اگر ایک لڑکے نے دودھ پیا ہے تو جس نے دودھ پیا ہے وہی حرام ہوگا یا سب حرام ہوں گے ؟

الجواب

جو لڑکا کسی عورت کا دودھ پیتا ہے اس کی اولاد پر وہی حرام ہوتا ہے اس لڑکے کا دوسرا بھائی جس نے دودھ نہیں پیا اس دودھ پلانے والی کی لڑکیوں پر حرام نہ ہوگا۔

رضاعت کی ایک صورت اور اس کا حکم

سوال : مسماۃ احمدیہ اور مسماۃ کلثوم دو عورتیں ہیں۔ مسماۃ احمدیہ کا ایک لڑکا بنام محمد حسین اور مسماۃ کلثوم کا ایک لڑکا بنام محمد صدیق اور تین لڑکیاں عظیمہ، کلیمہ، فسیحہ۔ مسماۃ کلثوم نے اپنے بیٹے محمد صدیق کو مسماۃ احمدیہ کا دودھ پلایا اس حال میں کہ محمد حسین کی عمر دو ڈھائی سال کی تھی اور محمد صدیق کی عمر چار یا چھ ماہ کی تھی اس صورت میں نکاح محمد حسین کا مسماۃ کلثوم کی کسی لڑکی سے بلا تفصیل ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب

محمد حسین کا نکاح مسماۃ کلثوم کی کسی ایک لڑکی سے جس کو وہ چاہے جائز ہے کیونکہ محمد حسین نے مسماۃ کلثوم کا دودھ نہیں پیا ہے اس کے لئے مسماۃ کلثوم کی اولاد حرام نہیں

ایضاً ، ایضاً ، ایضاً

سوال : مسماۃ فاطمہ کی ایک لڑکی بنامِ سائرہ اور مسماۃ فاخرہ

کا ایک لڑکا بنام عین الحق ہے۔ فاطمہ نے عین الحق کو دودھ پلایا اس حال میں کہ عمر عین الحق کی ۵ ماہ کی تھی اور عمر لڑکی فاطمہ کی چھ سال کی تھی اور ایک لڑکا فاخرہ بعمر دس سال ہے۔ علاوہ عین الحق کے اب نکاح دخترِ فاطمہ اور لڑکا فاخرہ جو کہ علاوہ عین الحق کے ہے، درست ہے یا نہیں ؟ اس لڑکی سے جس کی عمر ۶ سال کی تھی۔ بیّنوا بسند الکتاب توجروا عند اللہ الوھّاب۔

عبد العزیز مدرس مدرسہ اسلامیہ مہوا
بسم اللہ خان۔ ضلع بستی۔ ڈاکخانہ بھنڈریار بازار

الجواب

فاخرہ کا جو لڑکا عین الحق کے علاوہ جس نے فاطمہ کا دودھ نہیں پیا اس کا نکاح فاطمہ کی جس لڑکی سے چاہے درست ہے اور عین الحق کا نکاح فاطمہ کی کسی لڑکی سے جائز نہیں۔

قال فی الدر: وتحل اخت اخیہ رضاعاً یصح اتصالہ بالمضاف کان یکون لہ اخ نسبی لہ اخت رضاعیۃ وبالمضاف الیہ کان یکون لاخیہ رضاعاً اخت نسباً وبھما وھو ظاھر اھ (ص ۶۶۹ ج-۲)

۱۳ شعبان ۱۳۸۱ھ

رضاعی خالہ سے نکاح حرام ہے

سوال: بسمہٖ تعالیٰ، نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم۔ امّا بعد کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے خالدہ کا جھوٹا دودھ پیا خالدہ بقضائے الٰہی فوت ہوگئی اس کے ۳ سال بعد مادرِ خالدہ سے دوسری لڑکی آسیہ متولد ہوئی پس اس سے زید کا عقد ہوسکتا ہے یا نہیں ؟ اور خالدہ مرحومہ سے ایک بڑی بہن ہے اس سے زید کا عقد ہوسکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب

جب زید نے خالدہ کا دودھ پیا تو خالدہ کی ماں اس کی جدہ رضاعیہ اور خالدہ کی بہنیں اس کی رضاعی خالہ ہوگئیں لہٰذا زید کا نکاح خالدہ کی کسی بہن سے نہیں ہوسکتا نہ چھوٹی سے نہ بڑی سے۔ "لانہ یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب"

تنہا مرضعہ کی شہادت سے حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوتی

سوال: نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم۔ کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس صورتِ مسئلہ میں کہ زید کی دو خالہ زاد بہنیں ہیں ایک چھوٹی خالہ سے جس کا نام "زکیہ" ہے اور دوسری بڑی خالہ سے جس کا نام "علیہ"

ہے اول زید کی نسبت شادی کا خیال اس کے بزرگوں نے "زکیہ" سے کیا مگر والدۂ زید رضامند نہ ہوئی اس زمانہ میں زید کی بڑی خالہ نے زید کی پھوپھی سے کہا کہ میں نے ہر چند والدۂ زید کو سمجھایا کہ وہ زید کی شادی "زکیہ" سے کردیں مگر اس کی حماقت ہے وہ کسی طرح راضی نہیں ہوئی اس کے بعد بزرگانِ زید نے اس کی دوسری خالہ زاد بہن "علیہ" سے اس کی شادی کرنا چاہا مگر اس کی پھوپھی کو شبہ تھا کہ ایک بار "والدۂ علیہ" نے زید کو شیر خوارگی کی حالت میں گود میں لیکر اوپر سے آنچل ڈھک لیا تھا تو شاید دودھ پلادیا ہو "والدۂ علیہ" سے اس شبہ کو ظاہر کیا تو اس نے صاف انکار کیا کہ میں نے زید کو دودھ نہیں پلایا اور اس وقت میری لڑکی کی عمر ساڑھے تین سال تھی اور میرے پستان میں دودھ مطلق نہ تھا اس بیان کے گواہ تین عورتیں اور ایک مرد ہے اب زید کی والدہ "زکیہ" ہی سے زید کی شادی پر رضامند ہیں۔ اس پر زید کی بڑی خالہ یعنی "والدۂ علیہ" نے یہ کہا کہ میں نے زید اور زکیہ دونوں کو دودھ پلایا ہے دونوں کی شادی کیسے ہوسکتی ہے؟

اب سوال یہ ہے کہ آیا اس صورت میں "والدۂ علیہ" پہلے زید اور زکیہ کی شادی میں ساعی تھی اور نیز اپنی لڑکی کے ساتھ شادی کرنے کے لئے وہ زید کو دودھ پلانے سے صراحۃً انکار کرچکی تھی اب ان کا یہ دعویٰ کہ میں نے زید اور زکیہ دونوں کو دودھ پلایا ہے شرعاً معتبر ہوگا حالانکہ زید کو دودھ پلانے کا دعویٰ نہ اس سے پہلے انھوں نے کہیں کیا اور نہ کوئی اس کا گواہ ہے بلکہ خود مدعیہ اس کے خلاف پہلے صاف صاف کہہ چکی ہے۔ بیّنوا توجروا

شریف الحسن عفی عنہ۔ مقیم میرٹھ

مبسملاً وحامداً ومصلیاً

صورتِ مسئولہ میں زید کا نکاح مسماۃ "زکیہ" سے بلاشبہ درست ہے۔

قال فی البحر عن الخانیۃ: وکما لا یفرق بینھما بعد النکاح ولا تثبت الحرمۃ بشھادتھن وکذلک قبل النکاح اذا اراد الرجل ان یخطب امرأۃ فشھدت امرأۃ قبل النکاح انھا ارضعتھما کان فی سعۃ من تکذیبھا کما لو شھدت بعد النکاح اھ (ص ۲۳۲ ج ۲) (الی ان قال) فی (ص ۲۳۳ ج ۳) والحاصل ان الروایۃ قد اختلفت فی اخبار الواحدۃ قبل النکاح وظاھر المتون انہ لا یعمل بہ وکذا الاخبار برضاع طار فلیکن ھو المعتمد فی المذھب اھ

وفی تنقیح الفتاوی الحامدیة عن التنویر والبحر وغیرھما عن القنیة:
امرأة كانت تعطی ثدیها صبیة واشتهر ذلك بینهم ثم تقول لم یكن فی ثدیي لبن حین القمتها ثدیي ولا یعلم ذلك الا من جهتها جاز لابنها ان یتزوج بهذه الصبیة اھ

وفیه أیضاً: حجة الرضاع حجة المال وھو شهادة عدلین أو عدل وعدلتین ولا تثبت بشهادة النساء وحدھن لكن ان وقع فی قلبه صدق المخبر ترك قبل العقد او بعده كما فی البزازیة۔ قال المنقح الشامی: ای ترك احتیاطاً اھ (ص۳۵ ج۱)
قلت: ولا احتیاط فی الصورة المسئولة لظهور كذبها وغلبة الظن به لوقوع التناقض فی اقوالها فقد اقدمت اولاً علی نكاح زید بهذه الصبیة وسعت له ثم اقدمت علی نكاحه ببنتها۔ وانكرت صریحاً أن تكون أرضعته ثم ادعت الارضاع بعد مدة فلا یقبل قولها والحال هذه لأنها أقرت بعدم إرضاعها زیداً ثم ادعته رجوع عن الاقرار والرجوع بعد الاقرار فی المعاملات لا یصح وصل ام فصل كما فی حاشیة الهدایة (ص۲۲۳ ج۳)

وفی الدر من باب الاقرار: اذا أقر بشیء ثم ادعی الخطأ فیه لم یقبل إلا فی مسئلة وهذا اقرار الطلاق بناءً علی إفتاء المفتی ثم تبین عدم الوقوع لم یقع دیانةً اھ (ص۲۳، ج۴) لكونها لا یعلمات الرضاع الا من غیرها ولیست المرضعة كذلك فان الارضاع فعلها لا فعله من غیرها فرجوعها عن اقرارها الاول لا یصح ولا یوجب ایضاً۔ وفی عدة ارباب الفتوی فی نظیر هذه المسئلة ان امرأة ادعت الارضاع ثم انكرت ثم اقرت ما نصه لا یعمل بالاقرار بعد رجوعها عنه كما فی شرح التنویر للعلائی والرأی له فی الاقدم والاجتناب ولا یجب علی الحاكم الشرعی منعه بل لو قضی بالتفریق بشهادة امرأتین فی الرضاع لم ینفذ قضاءه كما فی شرح التنویر اھ (ص۲۲ ج۱)

حاصل تمام عبارات کا یہ ہے کہ ایک عورت یا چند عورتوں کے قول سے ثبوتِ رضاعت نہیں ہوسکتی۔ پس اگر کوئی شخص کسی لڑکی کو پیغام نکاح دے اور ایک عورت یہ دعویٰ کرے کہ میں نے ان دونوں کو دودھ پلایا ہے تو مرد کو جائز ہے کہ اسے جھوٹا سمجھ لے

بحر الرائق نے لکھا ہے کہ حاصل یہ ہے کہ ایک عورت کا قول باب رضاع میں ظاہر روایت کے موافق معتبر نہیں، یہی معتمد ہے مذہب ہیں۔ فتاویٰ حامدیہ، بحر اور تنویر وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ ایک عورت کسی لڑکی کے منہ میں اپنی پستان دیتی ہو اور یہ بات مشہور ہو جائے پھر وہ یہ ہے کہ میری پستان میں دودھ نہ تھا تو اس عورت کے لڑکے کو اس لڑکی سے نکاح جائز ہے۔ فتاویٰ حامدیہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ رضاع کا ثبوت دو عادل (نیک) مرد و زن یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتوں سے ہو سکتا ہے۔ فقط عورتوں کے قول سے نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر مرد کے دل میں مخبر واحد کا صحیح ہونا غالب ہو تو احتیاط یہ ہے کہ نکاح نہ کرے۔ میں کہتا ہوں کہ صورتِ مسئولہ میں احتیاط کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ جو عورت اب دعویٰ ارضاع کرتی ہے وہ اس سے پہلے خود زید اور زکیہ کے نکاح میں ساعی تھی اور والدۂ زید کو اس پر آمادہ کرتی تھی۔ نیز یہی عورت اپنی لڑکی کے ساتھ زید کے نکاح پر راضی اور آمادہ تھیں اور اس وقت یہ کہہ چکی تھی کہ میں نے زید کو دودھ نہیں پلایا اور جب اُسے گود میں لیکر آنچل ڈھکا لیا اس وقت میری پستان میں مطلق دودھ نہ تھا کیونکہ اس وقت میرے لڑکی کی عمر ساڑھے تین سال تھی۔ پس جب پہلے صراحۃً ارضاعِ زید سے انکار کر چکی ہے تو اب اس کا یہ قول جو پہلے قول کے صریح مناقض ہے، قابلِ قبول نہیں، نہ اس سے کچھ شبہ جوازِ نکاح میں ہو سکتا ہے جیساکہ درمختار میں ہے۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ
۲۰ ربیع الاول ۴۳ھ

نعم الجواب وھو عین الصواب
اشرف علی
۲۰ ربیع الاول ۴۳ھ

رضاعت کی ایک صورت

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اور ھندہ کا نکاح ہوا سات سال کا عرصہ ہو چکا اب چند ماہ سے یہ ظاہر ہوا کہ زید اور ھندہ کو حامدہ نے جو ھندہ کی بھاوج ہے اور زید کے چچا زاد بھائی کی بیوی ہے ان دونوں کو ایامِ رضاعت کے اندر دودھ پلایا حامدہ کا بحلف شرعی بیان ہے کہ میں نے ان دونوں کو متواتر دودھ پلایا جبکہ ان دونوں کی عمریں ایک سال کے اندر تھیں۔ ھندہ کے والدین کے حکم سے اور اس حالت میں کہ مجھے

دودھ کی سخت تکلیف تھی اس کے بعد اپنے شوہر کو بھی دودھ پلانے کی اطلاع دے کر ان سے اجازت حاصل کرلی تھی والدہ زید کا بحلف شرعی بیان ہے کہ حامدہ کا زید کو ایک بار دودھ پلانا بذریعہ اس کی کھلائی مجھے معلوم ہے مگر ہندہ کے دودھ پینے کی بابت مجھ کو کوئی علم نہیں۔ نہ میں نے کسی سے سنا۔ شوہر حامدہ کا بحلف بیان ہے کہ حامدہ کا ہندہ کو دودھ پلانا مجھے معلوم ہوا تھا اور مجھ سے اجازت بھی لی گئی تھی لیکن زید کے دودھ پینے کے متعلق مجھے کوئی علم نہیں ہوا۔ اس کے علاوہ اور کوئی شہادت اس رضاعت کے متعلق موجود نہیں ہے پس اس صورت میں رضاعت کے ثبوت یا عدم ثبوت اور اس نکاح کے جواز یا عدمِ جواز کے متعلق کیا حکم ہے؟ اور چونکہ یہ مسئلہ حلت وحرمت کا ہے لہٰذا جلد از جلد جواب عنایت فرمائیں۔

المکرر - دوسرے روز ہندہ نے ایک عورت مسمّاۃ ظہورن ملازمہ حامدہ کو پیش کیا کہ زید کو ایک بار اور ھندہ کو متعدد بار حامدہ کو دودھ پلاتے ہوئے میں نے اپنی آنکھ سے دیکھی ہے اور اس زمانہ میں بھی میں حامدہ کی ملازمہ تھی۔

الجواب

ثبوتِ رضاعت کے لئے ایک مرد عادل (نیک پابندِ شرع) اور دو عورتیں عادلہ (نیک پابندِ شرع) یا دو مرد عادل ہونے چاہئیں۔ صورتِ مسئولہ میں حامدہ کے ہندہ اور زید دونوں کو دودھ پلانے پر شرعی شہادت موجود نہیں لہٰذا زید اور ھندہ کا نکاح فتوٰی شرعی سے جائز ہے اور ان دونوں کو تعلقِ زوجیت بھی رکھنا جائز ہے لیکن احتیاط اسمیں ہے کہ زید حالتِ موجودہ میں ھندہ کو طلاق دیکر الگ کردے۔ یہ احتیاط استحباب کا درجہ ہے زید پر ایسا کرنا واجب ولازم نہیں بشرطیکہ زید و ھندہ حامدہ کے فعل کی تصدیق نہ کرتے ہوں اور اگر دونوں یا فقط زید حامدہ کے قول کی تصدیق کرتا ہو تو نکاح فاسد ہوجائیگا۔ اگر دونوں تکذیب کرتے ہوں یا صرف زید تکذیب کرتا ہو تو اس صورت میں وہ حکم ہے جو مذکور ہوا کہ نکاح بحالہ باقی ہے گو احتیاط پھر بھی علیحدگی میں ہے اور اگر ھندہ تصدیق کرے اور زید تکذیب کرے تب بھی نکاح جائز ہے لیکن اس صورت میں ہندہ زید سے قسم لیگی کہ تو قسم کھاکر کہہ کہ حامدہ نے ہم دونوں کو دودھ نہیں پلایا اگر وہ اس صورت میں قسم کھانے سے انکار کرے تو قاضی شرع ان میں تفریق کردے۔ اگر قاضی شرع نہ ہو تو مسلمان زید کو طلاق دینے پر مجبور کریں۔ واللہ اعلم

اور اگر وہ قسم کھالے تو پھر اس صورت میں ھندہ کو زید کے پاس رہنا ضروری ہوگا۔ فقط

قال فی الدر : و حجتہ حجۃ المال وھی شہادۃ عدلین او عدل و عدلتین لکن لا تقع الفرقۃ الا بتفریق القاضی (ای ان لم توجد المتارکۃ۔ شامی)

قال فی رد المحتار عن الھندیۃ : تزوج امراۃ فقالت امرأۃ ارضعتکما فھو علی اربعۃ اوجہ : ان صدقاھا فسد النکاح و ان کذباھا وھی عدلۃ فالتنزہ المفارقۃ ویسعہ المقام معھا وکذا لوشھد غیر عدول او امرأتان اورجل وامرأۃ وان صدقھا الرجل وکذبتھا فسد النکاح وان بالعکس لا یفسد و لھا ان تحلفہ ویفرق اذ نکل اھ (ص ۶۷۸ ج ۲) واللہ اعلم

حررہ ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۴ ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ

تحقیق اختلاف روایات درباب ثبوت رضاع

سوال : ایک عورت مسماۃ زینب کہتی ہے کہ میں نے مسماۃ کریمہ کو بسن صغیری اپنا دودھ پلایا ہے اور ایک عورت دوسری بھی گواہی دیتی ہے کہ ہم نے زینب کو کریمہ کو دودھ پلاتے ہوئے دیکھا تھا دوسرا کوئی گواہ نہیں اب اس زینب کے قول اور دوسری عورت کی گواہی سے اخ زینب کو کریمہ کے ساتھ نکاح کرنا درست ہے یا نہیں ؟ اور رضاعت ثابت ہے یا نہیں اگر نہیں تو ذیل کی عبارت کا کیا مقصد ہے

ففی الفتاوی الھندیۃ والمصریۃ : و اذا قالت ھذا ابنی رضاعا و اصرت علیہ جاز لہ ان یتزوجھا لان الحرمۃ لیست الیھا قالوا : و بہ یفتی فی جمیع الوجوہ کذا فی البحر الرائق (ص ۳۷۱ ج ۱)

اور فتاوی قاضیخان میں ہے : وان اراد الرجل ان یخطب امرأۃ فشھدت امرأۃ قبل النکاح انھا ارضعتھما کان فی سعۃ من تکذیبھا کما لوشھدت بعد النکاح

اور فتاوی بزازیہ میں ہے : ولا تثبت بشھادۃ الواحدۃ سواء کانت اجنبیۃ او ام احد الزوجین۔ انتھی۔

اگر درست ہے تو زیرین عبارتوں کا کیا مقصد ہے ؟ :

ففی البزازیۃ : صغیر و صغیرۃ بینھما شبھۃ الرضاع ولا یعلم ذلک حقیقۃ

لاباس بالنکاح بینھما اذا لم یخبر بہ واحد فان اخبرہ واحد عدل ثقۃ یؤخذ بقولہ ولا یجوز النکاح بینھما و ان اخبر بعد النکاح فالاحوط ان یفارقھا الخ

اور رد المحتار میں ہے : لو شھدت بہ امرأۃ قبل النکاح فھو فی سعۃ من تکذیبھا لکن فی محرمات الخانیۃ ان کان قبلہ والمخبر عدل ثقۃ لا یجوز النکاح وان بعدہ وھما کبیران فالاحوط التنزہ انتھی۔ بینوا توجروا

احقر غلام محمد ملک - قریہ قادر بخش سندھ

الجواب

اصل یہ ہے کہ ثبوتِ رضاع میں روایات مختلف ہیں۔ بعض روایات سے شہادتِ عادلہ واحدہ کا کافی ہونا بھی معلوم ہوتا ہے جیساکہ اخیر کی عبارات سے مفہوم ہوتا ہے اور ظاہر روایت جو متون میں مذکور ہے اس کا مقتضا یہ ہے کہ بدون دو عادل مرد یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتوں کے ثبوتِ رضاع نہیں ہوسکتا اور مذہب میں معتمد بھی یہی ہے۔

قال فی الدر : وحجتہ حجۃ المال وھی شھادۃ عدلین او عدل وعدلتین اھ

قال الشامی : وافاد انہ لا یثبت بخبر الواحد امرأۃ کان او رجلاً قبل العقد او بعدہ وبہ صرح فی الکافی والنھایۃ تبعاً لما فی رضاع الخانیۃ الی ان قال بعد نقل الروایات المفیدۃ لثبوتہ بخبر الواحد لکن قال فی البحر بعد ذلک ان ظاھر المتون انہ لا یعمل بہ مطلقاً فلیکن ھو المعتمد فی المذھب ۔ قلتُ : وایضاً ھو ظاھر کلام الکافی للحاکم الذی جمع کتب ظاھر الروایۃ وفرق بینہ وبین قول خبر الواحد بنجاسۃ الماء او اللحم ۔ فراجعہ من کتاب الاستحسان اھ (ص ٦٧٨ ج -٢)

پس صورتِ مسئولہ میں فتویٰ کی رُو سے ان دونوں میں نکاح درست ہے لیکن تقویٰ اور ورع یہ ہے کہ نکاح نہ کیا جائے اور ہوگیا ہے تو مفارقت کرلی جائے

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

٢٣ ذی الحجہ ٤٤ھ

مدتِ رضاعت کے بعد دودھ پلانے سے رضاعت کا معتبر نہ ہونا

سوال : تین برس کی لڑکی اگر نکاح کے بعد داماد کی ماں یعنی نابالغہ بیٹی نے شوہر کی ماں

کی پستان میں منہ میں ڈالا بشرطیکہ اس پستان میں مطلقاً دودھ نہیں اب فقط خوشدامن کی پستان میں منہ دینے سے رضاعی بہن ہوگی یا نہ اور حرام ہوگی یا نہیں ؟

الجواب

صورتِ مسئولہ میں رضاع متحقق نہیں ہوا کیونکہ رضاع مدتِ رضاع میں دودھ پینے کو کہتے ہیں اور یہاں نہ دودھ پیا گیا اور نہ وہ بچی اتنی عمر کی ہے جو رضاع کے لئے شرط ہے

وفی تنویر الابصار : حولان ونصف عندہ وحولان عندھما وھو الاصح (شامی ص ۶۶۱ ج ۲)

وایضاً فیہ : ویثبت التحریم فی المدۃ وقال الشامی تحت قولہ فی المدۃ فقط اما بعدھا فانہ لا یوجب التحریم ۔ بحر (ص ۶۶۲ ج ۲)

وقال الشامی تحت قول الدر : (فلو التقم الخ) وفی القنیۃ امراۃ کانت تعطی ثدیھا صبیۃ واشتھر ذلک بینھم ثم تقول لم یکن فی ثدیی لبن حین القمتھا فی ثدیی ولم یعلم ذلک الا من جھتھا جاز لابنھا ان یتزوج بھذہ الصبیۃ اھ (ص ۶۶۴ ج ۲) واللہ اعلم

الاجوبۃ صحیحۃ

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۶ ذی قعدہ ۴۳ھ

مسئلہ رضاعت | **سوال** : کیا رضاعت کے ثبوت کے لئے شہادت اس قدر کافی ہے کہ بچہ کو ایک عرصہ تک گود میں پستان منہ میں لیتے دیکھا ہے یا دودھ کا معاینہ ضروری ہے اگر معاینہ ضروری نہیں تو بعض کا کہنا کہ پستان دوھنے سے رقیق سا پانی نکلتا تھا دودھ نہیں تھا اور بعض کا کہنا ہے کہ کچھ بھی نہیں نکلتا تھا مخل فی الشہادۃ ہے یا نہیں مرضعہ کا انتقال ہوگیا ہے

الجواب

اگر رضاع کا دعویٰ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں کرتی ہوں (جن میں ایک دایہ بھی ہوسکتی ہے) تو ان کا بیان لکھا جائے کہ وہ کیا کہتی ہیں پھر جواب دیا جائیگا

احقر عبد الکریم عفا اللہ عنہ

۸ ربیع الثانی ۴۴ھ

الاجوبۃ صحیحۃ

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۸ ربیع الثانی ۴۴ھ

بیٹے کی اختِ رضاعیہ سے نکاح جائز ہے

سوال: ایک عورت ایک شیر خوار لڑکا چھوڑ کر مرگئی وہ لڑکا اپنی حقیقی نانی کا دودھ پیا اور لڑکے کی ایک نابالغہ خالہ ہے اس خالہ کے ساتھ لڑکے کے باپ نے نکاح کیا ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ یہ نکاح درست ہے یا نہیں ؟

محمد یسین خان

موضع الکدیہ پوسٹ بوگیہ ضلع جبر

الجواب

فی الدر : (فیحرم منه مایحرم من النسب الاام اخیه واخته واخت ابنه وبنته الخ » اس سے معلوم ہوا کہ وہ شخص اپنی سالی سے نکاح کر سکتا ہے

صحیح

احقر عبدالکریم

ظفر احمد عفا عنہ

۵ رذی قعدہ ۴۴ھ

آٹا گوندھتے وقت پستان سے دودھ گر کر آٹے میں مل گیا تو اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں شوہر اس کو کھا سکتا ہے

سوال: ایک عورت آٹا گوندھ رہی تھی اور اس کی پستان سے دودھ نکل کر آٹے میں گر کر مل گیا اب وہ اس گھر کا آٹا کھا سکتی ہے یا نہیں اور کون کون کھا سکتا ہے۔ سنا ہے کہ خاوند کو حرام ہے اور عورت کو مکروہ ہے اور بچوں کو جائز ہے۔ اس مسئلہ سے تفصیل کے ساتھ مطلع کریں۔ فقط زیادہ حد ادب۔ پٹیالہ خادم فتح محمد

الجواب

آٹے میں دودھ گرنے سے اس آٹے کا کھانا موجب حرمت نکاح نہ ہوگا لانه لیس فی معنی الرضاع لاسیما بعد اقرانه بالخبز اور نہ اس سے رضاع ثابت ہوگا البتہ دودھ جزو انسان ہے جس کا استعمال قصداً جائز نہیں چاہے کھانے ہی میں ہو پس اس سے احتراز اولیٰ ہے لیکن چونکہ وہ پکتے میں جل جائیگا اور شئی قلیل ہے اس لئے احتراز واجب نہیں اس کی روٹی سب کو کھانا جائز ہے۔ لما فیه من الحرج وهو مرفوع عن الامة۔ واللہ اعلم

ظفر احمد از تھانہ بھون

۱۶ رشعبان ۴۵ھ

رضاع کے متعلق ایک مفصل فتویٰ **سوال :** بخدمت اقدس حضرت مخدومی و معتمدی جناب مولانا اشرف علی صاحب ادام اللہ بقاءکم و رزقنا اللہ لقاءکم ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ مرجو کہ عنایت مربیانہ فرمودہ از ارسالِ اجوبہ اسئلہ بندہ را مفتخر و ممتاز فرمایند۔ امید کہ در ارسالِ اجوبہ دیر نہ فرمایند۔ اجوبہ مدلل و مؤید بعباراتِ فقہیہ ارشاد فرمایند کہ جمیع علماء در اسئلہ ذیل رجوع بآن حضرت بابرکت نمودہ اند صرف بہ آمدنِ اجوبہ از آں حضرت نزاع و مخاصمہ دینی ایشان مدفوع و مرفوع خواہد شد ۔

حقیقت ہمین طور است کہ درمیانِ ولی محمد نامی و مسماۃ حوا رضاع مشتہر شدہ بود از یکی مولوی صاحب پرسیدند مولوی صاحب تفحص نمود نزد مولوی صاحب مادرِ ولی محمد و خواہرِ مرضعہ گفتند کہ مارا مسماۃ خواہرِ مرضعہ اولیٰ کہ اکنون فوت شدہ است گفتہ بود کہ من ولی محمد را شیرِ خود در مدتِ رضاع دادہ ام مولوی صاحب گفت چونکہ شاہدان دیگر نیستند لہذا ولی محمد را میرسد کہ با خواہر حوا کہ ہم حوا نام دارد نکاح می تواند کرد ہمین تحریر را ولی محمد نزد مولوی صاحب دیگر برد، مولوی صاحب دیگر ولی محمد را گفت تو درین بارہ چہ میگوئی ولی محمد قرآن شریف بہ سر برداشتہ ہمین اقرار و تصدیق نمود

اقرار و تصدیقِ ولی محمد وھو ھٰذا

مرا مسماۃ ہاتل کہ زنِ برادرِ من است گفتہ کہ تو طفلِ شیر خوارہ بودی و گریہ میکردی برائے تسلی تو ترا پیش خواہرِ خود کہ مسماۃ حوا بود می بردم و حوا را می گفتم کہ ولی محمد را پستا نہائے خود بدہ پس مرا حوا می گفت کہ اکنون ولی محمد را شیرِ خود نوشانیدم یعنی پستا نہائے خود دادم اورا زیر دارو مرا عام مردمان دیگر ہمسایگان و خویشان ما ہستند ہم گفتہ کہ تو در صغر (مدت رضاع) پستا نہای حوا با خان محمد کہ پسرِ حوا بود نوشیدۂ اکنون آن مردمان مردہ اند ۔ اکنون من میگویم کہ آن کسان را کہ مرا گفتہ کہ تو پستا نہائے مسماۃ حوا نوشیدۂ حکایت و شہادتِ ایشان صدق است تا ھنوز نکاحِ من با حوا ثانیہ (خواہرِ حوا مرضعہ) نشدہ است باقی نامزدگی ہست نشانِ انگشتِ چپ ولی محمد ▭ پس مولوی صاحب دیگر گفت رضاع ثابت است ولی محمد را نمیرسد کہ با خواہرِ مسماۃ حوا کہ ہم حوا نام دارد نکاح کند حوا ثانیہ خالہ رضاعیہ ولی محمد می شود و ولی محمد اقرار مع الثبات و تصدیق شرعیہ نمودہ است۔

درین اثناء برگفتۂ مولوی صاحب اول اعتماد نمودہ و از گفتۂ مولوی صاحب دیگر بی اعتنائی

کردہ ولی محمد با خواثانیہ کہ خواہر مرضعۂ اوست نکاح نمود۔ آخر الامر ولی محمد و پدر حواثانیہ برائے فیصلہ شرعیہ محکم گرفتند محکم اولاً از ولی محمد پرسید کہ تو این اقرار و تصدیق نزد مولوی صاحب فلاں (دیگر) کردہ و محکم آن اقرار و تصدیق خواند و ولی محمد گفت ہر چہ درین بیان مرقوم می باشد مرا تا یتے نمی شود کہ ھمان بیان است یا نہ باقی نشان ترا انگشتِ من پس محکم از حافظ عبد اللہ کہ شاہد بر اقرار و تصدیقِ او بود پرسید حافظ عبد اللہ دست بر قرآن شریف داشتہ گفت من شاھدے میدہم کہ پیش من ولی محمد نزد مولوی صاحب دیگر ہمین اقرار ..... الخ نمودہ است و در اقرار خود ولی محمد گفتہ کہ بقسم صدق است و دستخط بر شہادت اقرار من است بعدہ محکم از مولوی شفیع محمد پرسید آن گفت کہ من شاھدے می دہم بقسم کہ نزد من ولی محمد تحریر مولوی صاحب اول بیاورد چونکہ در آن تحریر بیان ولی محمد مرقوم نہ بود از و پرسیدم او قرآن شریف بر سر داشتہ اقرار و تصدیق نبشتہ ..... الخ بعینہ نمود پس محکم صاحب خدا می داند بر کدامین دلیل حکم بجواز نکاح نمود ہر چند کہ گفتہ شد محکم صاحب تعجیل در حکم نباید تفتیش نمودہ و با علماء دیگر صفائی کردہ حکم باید کرد مگر محکم صاحب نہ صفائی و تفتیش منظور کرد ورنہ از حکم جواز باز ماند۔ از جوابات مسئولہ ہمیں ہم مرھون منّت فرمایند۔

سوالِ اوّل: در فتاوای عالمگیریہ است در باب رضاع ولو جحد الاقرار فشہد اثنان علی الاقرار فرق بینھما۔ مراد ازین اقرار مطلق اقرار است یا اقرار مع الثبات است؟ گرفتن شہود عند انکار الاقرار در مطلق اقرار است یا در اقرار مع الثبات؟ اگر اقرار رضاع بدون ثبات کرد پس در انکار ازین اقرار ھم قاضی را میرسد از گواہان گواھی شرعی گرفتہ تفریق نماید یا اقرار مع الثبات شرط گرفتن شہود عند الانکار است و بدون اقرار مع الثبات در صورت انکار اقرار مطلق شود نمی تواند گرفت۔

سوال دوم: در رجوع عن اقرار الرضاع و جحود عن الاقرار فرق است یا نہ؟

سوال سوم: چنانچہ تصدیق زوج مر مرضعہ را نکاح را فاسد میگرداند کذٰلک تصدیقِ زوج مر شہودِ رضاع را نکاح را فاسد می گرداند۔

سوالِ چہارم: اگر زوج زوجۂ خود را گفت ھٰذہ اختی و بعدہ بلا انقطاعِ نفس گفت و ھو صدق اقرار مع الثبات خواہد شد یا نہ یا در اقرار مع الثبات

درمیان کلام "هذه اختی" ومیان کلام "هو صدق مع انقطاع نفس وتاخیر... ومجلس دیگر شرط وضروری است۔

سوال پنجم: ثبات چنانچه بالفاظ "هو حق او صدق او کما قلت ونحوه" متحقق می شود یا نہ؟ — در اشباہ است در باب شہادات "وهذا مشروط بما اذا لم یثبت علی اقراره بان قال هو حق او صدق او کما قلت او شهد علیه بذلك شهود الخ"

السائل: بندہ شفیع محمد مسجدی پوسٹ قاضی محمد عارف
تعلقہ میہڑ ضلع لاڑکانہ سندھ بمعرفت قاضی عبدالکریم

الجواب

صورتِ مسئولہ میں چونکہ ولی محمد نے ایک عالم کے سامنے قرآن سر پر رکھ کر اقرارِ رضاعت کیا ہے اور یوں کہا ہے کہ: "من میگویم کہ آن کسان کہ مرا گفتہ اند کہ تو پستانہائے مسماۃ حوا نوشیدۂ حکایت وشہادتِ ایشان صدق است الخ۔ اور اس اقرار پر دو گواہ موجود ہیں۔ تو اگر یہ دونوں گواہ عادل ہوں تو مسمّٰی ولی محمد کا نکاح حوا ثانیہ سے درست نہیں ہوا دونوں کو ایکدوسرے سے متارکت وتفریق واجب ہے

قال فی البحر: وینبغی ان یکون الفساد فی الرضاع الطاری علی النکاح امّا لو تزوّج امرأة فشهد عدلان انها اخته ارتفع النکاح بالکلیة حتی لو وطئها یحد ویجوز لها التزوّج بعد العدّة من غیر المتارکة (صـ۲۳۰ ج-۳)

وقال فی رد المحتار: بخلاف ما اذا شهد علی اقراره او قال هو حق او نحوه فانه یدل علی علمه بصدق المخبر وانه جازم به فلا یقبل رجوعه بعده اھ (ص ۶۷۷ ج-۲)

سوالات زائدہ کا جواب حسب ذیل ہے

۱ عبارت عالمگیریہ میں اقرار سے مطلق اقرار مراد ہے اگر کوئی شخص اقرار رضاع کا منکر ہو جائے تو مطلق اقرار پر شہادت قبول کی جائیگی مگر مشہود علیہ رجوع کرسکتا ہے

عہ عطف علی قوله قال هو حق تحت قوله بان فافهم

اقرار مع الثبات پر شہادت لینے کی ضرورت نہیں اگر مشہود علیہ رجوع نہ کرے اگر مطلق اقرار پر شہادتِ عادلہ قائم ہوگئی تو قاضی تفریق کرسکتا ہے کیونکہ حجیت اقرار کے لئے ثبات شرط نہیں اگر مقر نے رجوع نہ کیا ہو بلکہ ثبات کی شرط صرف عدمِ صحت رجوع کے لئے ہے۔ کما یظہر من الدر والشامیۃ وغیرہما من المتون والشروح۔

۲ جحود عن الاقرار اور رجوع عن الاقرار میں فرق ظاہر ہے۔ جحود کے یہ معنی ہیں کہ یوں کہے کہ میں نے اقرار ہی نہیں کیا اور رجوع عن الاقرار میں اقرار کو تسلیم کرکے اس اقرار کی تکذیب و تغلیط کرتا ہے کہ میں نے اس اقرار میں غلطی کی تھی صحت رجوع عن الاقرار میں یہ شرط ہے کہ اقرار سابق مع الثبات نہ ہو اور اگر شہادتِ عادلہ سے اقرار سابق کا مع الثبات والاصرار ہونا ثابت ہو جائے تو رجوع معتبر نہ ہوگا۔

۳ ہاں تصدیقِ مرضعہ و تصدیق شہود رضاع دونوں موجبِ اقرار رضاع و مستلزم فساد نکاح ہیں لافادتہما اقرار الرضاع واثباتہ واللہ اعلم۔

۴ جب اقرار رضاع کے بعد " ہو صدق او حق او ہو کما قلت ونحوہ من الالفاظ المؤکدۃ استعمال کئے جائیں خواہ متصلاً یا منفصلاً تو یہ اقرار مع الثبات ہوگا

لما فی الدر: ولو ثبت علیہ بان قال بعدہ ہو حق کما قلت ونحوہ اھ (ص۶۶۶ ج ۲)

وقولہ بعدہ یعم المتصل والمنفصل کلیہما وانما لم یشترط اتحاد المجلس لان التاکید من بیان المقرر وبیان التفسیر والتقریر یجوز موصولاً ومفصولاً کما حققہ الاصولیون (ص۲۰۳ نور الانوار)

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۱۹ ربیع الثانی سنہ ۴۶ھ

ضمیمۂ متعلق سوال بالا

سوال: درحق شخصے ولی محمد نسبت رضاع از حوا مشہور بود ولی محمد از جہت تحقیق نسبت یک مولوی محمد ملوک نامی را گرفتہ آورد کہ شرعی تحقیق کردہ حکم نماید اگر رضاع ثابت بحجت شرعیہ شود فبہا والا ہمشیرۂ حوا را نکاح کند مولوی محمد ملوک آمدہ تحقیق کرد و خوب تفتیش نمود معلوم شد کہ مسماۃ ہاتل را خبر است ہاتل را طلبید ہاتل گفت کہ من ولی محمد را در خوردگی نزد حوا بردم کہ او را حفاظت کند بعدہ وقتیکہ از جہت برداشتن می آمدم حوامی گفت کہ من او را پستان دادہ ام من بچشم خود گاہے ولی محمد را شیر نوشاندہ از حوا ندیدم بنا بر خبر حوا حکایت رضاع مشہور کردم و بجز ہاتل ہیچ

شاہد پیدا نشد کہ از رضاع خبر دہد و شہادت اداکند مولوی صاحب حکم کرد رضاع ثابت نیست و ولی محمد را میرسد کہ ہمشیرۂ حوا را النکاح کند و تحریر نوشتہ داد کہ از مولوی صاحب شفیع محمد تصحیح کنانید آید مولوی شفیع محمد ولی محمد را گفت کہ من ترا حلف دادہ می پرسم کہ تو چہ میگوئی ؟ بعدہ مولوی صاحب اورا بہ مسجد شریف بردہ کلام اللہ شریف بر سرش دادہ پرسید کہ چہ حال ست۔ در جواب مولوی صاحب الفاظیکہ مولوی صاحب در اقرار نامہ نوشتہ از و نشانِ قبولیت گرفت اقرار نامہ بعینہ در زیر ثبت است بنا برین اقرار مولوی محمد شفیع تحریر کرد کہ رضاع ولی محمد از حوا ثابت است کہ نزدم تصدیقِ مخبران کردہ و تصدیق اقرار بعدہ ولی محمد بر آن اقرار مستقیم نماند و اصرار نہ کرد بلکہ گفت کہ من اقرار نہ کردہ ام مرا نسبتِ رضاع ہیچ خبر نیست مولوی صاحب بر سرم قرآن شریف در مسجد داد از ہیبتِ کلام اللہ شریف پریشان شدم و ندانستم کہ چہ گفتم بعدہ از اقرار جحود کردہ ہمشیرۂ خود را نکاح کرد از جہت تصفیۂ این فیصلہ یک محکمے مقرر کردند محکم از ولی محمد پرسید کہ تو نزد مولوی شفیع محمد تصدیق کردۂ گفت نہ، مولوی شفیع محمد شہادت داد کہ ولی محمد نزدم تصدیق کردہ و دیگر یک شاہد حافظ عبد اللہ نامی گفت کہ من یاد ندارم کہ اقرار رضاع و تصدیق کرد یا نہ ؟ بعدہ چون اقرار نامہ شنید گفت بلے این چنین در جواب مولوی شفیع محمد گفت محکم حکم کرد کہ رضاع ثابت نیست آیا درین صورت حکم محکم صحیح است یا نہ ؟ و رضاع ولی محمد از حوا ثابت می گردد یا نہ و اقرار و تصدیق کہ ولی محمد کردہ بدون اصرار و دوام مثبت رضاع قابل اخذ شہادت میشود یا نہ ؟ بلکہ از جہت عدم اصرار و ثبات حجت نیست و اخذ شہادت بی سود۔ بیّنوا توجروا

الجواب

درصورتِ مسئولہ خود اقرارِ ولی محمد مثبت حکم حرمت رضاع و مفید محرم نیست فضلاً عن التکلّف لاثباتہٖ علیہ، زیرا کہ ولی محمد بہ زبانِ خود نہ گفتہ است کہ من شیرِ حوا نوشیدہ ام یا خواہر حوا خالہ رضاعیہ ام می باشد بلکہ غایۃ الامر آن است کہ تصدیق گواہان بگفتن مولوی شفیع محمد نمودہ و آن نیز اگرچہ بموجبِ تفوّہ بما لا یتفقّہ کلامی بود کہ قائل از حقیقتِ آن آگاہ نبود امّا اگر تنزّل از ان کردہ تسلیم تصدیقِ او کنیم تاہم اقرار رضاع بدان ثابت نمی گردد چہ اقرار بہ تصدیق آن شہود ثبوت می پذیرد کہ شہادتِ اوشان نیز مثبت رضاع باشد و درصورتِ مسئولہ شہادتِ اوشان کہ حسب سماع است و فقط بہ اشاعت ہائل خبر بہ اسماع آنان رسیدہ و خود ہائل نیز مقر برویت خود نیست بلکہ خبر سماع از خواہرِ خود حوا میکند

چنانکہ فیصلۂ مولوی محمد ملوک صاحب و بیانِ ولی محمد برآن دلالت می دارد لهذا بتصدیقِ چنین شہود اقرار برضاع ثابت نخواهد شد واگر ازان ہم تنزل نمائیم و فرض کنیم کہ این تصدیق شہود عیانی است و تصدیق شہود اقرار است چنانکہ صاحبِ درالمختار تصدیقِ شہود را اقرار گفتہ است ۔

حیث قال فی کتاب الشهادة واما قوله صدقوا اوهم عدول صدقة فانه اعتراف بالحق فیقضی باقراره انتهی (ص ۴۱۵ جلد رابع رد المحتار مطبع مصری)

تاہم مفید مقصود محرم نیست زیراکہ بعد اقرار ثبات مقر بر اقرار نیز شرط برائے تفریق بین الزوجین است وآن درین صورت مفقود است ۔

قال فی الدر المختار (ص ۴۴۷ جلد ثانی رد المحتار مطبع مصری) فی باب الرضاع قال لزوجته هٰذه رضیعتی ثم رجع عن قوله صدق لان الرضاع مما یخفی فلا یمنع التناقض فیه ولو ثبت علیه بان قال بعده هو حق کما قلت ونحوه هکذا فسر الثبات فی الهدایة وغیرها فرق بینهما انتهی

وولی محمد راکہ مولوی شفیع محمد اقرار بہ اجراء کلام کنانیدہ است دران فقط اقرار است کہ رجعت ازان صحیح است وثبات بر اقرار کہ بعد از اقرار باشد چنانکہ لفظ بعده در عبارتِ مذکورہ برآن دلالت می دارد یافتہ نمی شود پس حکم مولوی شفیع محمد بحرمت رضاع باوجود انکار ولی محمد وگفتنِ او مراخبرے از سخنِ او نیفتادہ کہ چہ گفتہ من فقط الفاظ را حسب گفتنِ او می گفتم خلافِ شریعت است

والحاصل ان الثبات علی الاقرار هو ان یقول بعد الاقرار انه حق او هو کما قلت او ما یفید ذلك المعنیٰ کما تبین من عبارة الدر المختار التی نقلناها سابقاً وکما صرح به فی فتح المعین حاشیة المسکین شرح الکنز حیث قال: قال لزوجته هی امی او اختی او بنتی من الرضاع و اصرّ علی ذلك بان قال بعده هو حق کما قلت فرق بینهما ولم یصر بل قال أخطأت او نسیت لم یفرق انتهی فالبعدیة المصرح بها فی هاتین العبارتین تستلزم ان یکون الاقرار سابقاً علی الثبات ومن المعلوم ان غایة ما یثبت فیما نحن فیه من کلام ولی محمد هو تصدیق الشهود فان ولی محمد قال (ان شهادة الشهود صادقة) فلو جعلتم هٰذا التصدیق اقراراً کما تشهد به عبارة الدر فی کتاب الشهادة فاین اللفظ الدال علی الثبات الذی یکون بعد الاقرار

وان جعلتموه ثباتًا علی الاقرار فاین الاقرار السابق علی الثبات فعلم انه لیس ھٰھنا الا الاقرار المعرّی عن الثبات۔ قد تقرر انہ یجوز الرجوع عنہ ۔ ھذا ما ظھرلی فی ھٰذا الباب واللہ اعلم بالصواب ۔

حرّرہ الفقیر محمد ابراھیم الیاسینی تجاوز اللہ عنہ

ھٰذا ھو الحق الصریح والجواب الصحیح وانا المصدّق

الفقیر محمد قاسم المتوطن فی گڑھی یاسین — نشان مہر: برسر کوثر محمد قاسم است

نقل اقرار نامہ ولی محمّد

مرا مسماۃ ہاتل کہ زن برادرِ من است خبر کردہ بود کہ ترا از جہت نظر داری نزد ہمشیرۂ خود مسمّاۃ حوا می بُردم و حوا را می گفتم کہ ولی محمد را پستان بدہ بعدہ مرا می گفت کہ الحال پستان او را دادہ ام و شیر نوشانیدہ ام باخود برداشتہ ببردم مرا و دیگر آدمیان از جوار و اقرباء نیز عام می گفتند کہ تو از حوا بمعہ خان محمد در صغارت پستان نوشیدۂ الحال آن آدمیان مردہ اند درین وقت میگویم کہ آن آدمیان کہ مرا گفتہ اند کہ تو از حوا شیر نوشیدۂ حکایتِ اوشان و شاھدے راست ست، من تا ہنوز بہ حوا صغیرہ (ہمشیرۂ حوا کلان کہ از نسبت رضاع مشہور بود) نکاح نکردہ ام باقی نامزدگی شدہ است ۔

الجواب من جامع امداد الاحکام

اس سوال میں اور پہلے سوال میں جو مولوی شفیع محمد صاحب نے بھیجا تھا فی الجملہ تخالف ہے ۔ پہلے سوال میں مسماۃ ہاتل کو لکھا ہے کہ مر گئی ہے، اب زندہ نہیں اور اس سوال میں مسمّاۃ ہاتل کو زندہ ظاہر کیا ہے اور یہ کہ اس کو طلب کر کے اس سے بیان لیا گیا لیکن بہرحال قاعدۂ فقہیہ یہ ہے کہ "المرأ یؤخذ باقرارہ" مسمّٰی ولی محمد نے مسمّاہ ہاتل کا جو بیان اپنے اقرار میں ظاہر کیا ہے اور اس پر قسم کھائی ہے وہی اس پر حجّت ہے ۔ بیّنہ اور شہادت کی ضرورت تو وہاں ہو جہاں مقر کا اقرار موجود نہ ہو ۔ پھر مسمّٰی ولی محمد نے اپنے اقرار میں صرف مسمّاہ ہاتل پر مدار نہیں رکھا بلکہ دوسروں سے بھی سماعِ رضاع بیان کیا ہے کہ مرا دیگر آدمیان از جوار و اقرباء نیز عام می گفتند کہ تو از حوا بمعہ خان محمد در صغارت پستان نوشیدۂ الحال آن آدمیان مردہ اند اور مسمّٰی ولی محمد اگر اسی بیان پر اکتفا کرتا تو اس سے اقرار رضاع بحوا ثابت ہو جاتا کیونکہ ولی محمد نے

یہ سب بیان حلف کے ساتھ دیا ہے مگراس کے بعد وہ کہتا ہے "دریں وقت من میگویم کہ آن آدمیان کہ مرا گفتہ اند کہ تو از خواشیر نوشیدۂ حکایتِ اوشان وشاہدے راست است" اور یہ ثبات ہے مجیب کا اسی کو اقرار سمجھنا اور یہ کہنا کہ اس کے بعد ثبات کہاں ہے نہایت عجیب ہے اور اگر بالفرض مان لیا جائے کہ یہی اقرار ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ اقرار مع الثبات ہے اور اس نے جو در مختار کے قول " ولو ثبت علیہ بان قال بعدہ الخ" سے یہ سمجھا ہے کہ ثبات کے لئے اقرار کے بعد ہونا ضروری ہے، صحیح نہیں بلکہ بعدہٗ کی قید محض تمثیل وتوضیح ہے ورنہ ثبات مع الاقرار بھی ہو سکتا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیۂ ابن عابدین علی البحر (ص۲۳۴ ج-۳)

صریح ھذہ النقول ومنطوقہا مع العلم بوقوع العطف التفسیری فی الکلام الفصیح شاھد بان المراد بالثبات والدوام والاصرار واحد۔ وبان الثبات علیہ لا یحصل الا بالقول بان یشھد علی نفسہ بذلك اویقول حق اوکما قلت اوفی معناہ کقولہ ھوصدق اوصواب اوصحیح اولاشك فیہ عندی ولا ریب ان قولہ ھوصدق اکد من قولہ ھوکما قلت اھ

اس میں صاف بتلایا گیا ہے کہ شہادت علی الرضاع یعنی قسم اور شہادت کے لفظ سے رضاع کا اقرار بھی ثبات میں داخل ہے اور ظاہر ہے کہ قسم وشہادت مقسم بہ سے مقدم ہوتی ہے نہ مؤخر اور بحر و درر وغیرہ میں بھی کسی نے "بعدہٗ" کی قید بیان نہیں کی۔ پس ہمارے نزدیک تفسیر ثبات کی یہی ہے کہ اقرار مؤکد ہو چنانچہ عبارتِ بحر میں " ھوصدق " کو "ھو کما قلت " سے مؤکد ہونے ہی کی وجہ سے ثبات میں داخل کیا ہے۔ پس اگر اقرار مؤکد ہوگا خواہ یمین سے خواہ اس قول کے ساتھ کہ یہ بیان صحیح ہے تو ثبات کا تحقق ہو جائیگا اور رجوع قبول نہ ہوگا کیونکہ ثبات تاکید ہے اور تاکید مفیدِ جزم ہے۔

قال الشامی : بخلاف ما اذا شھد علی اقرارہ اوقال ھوحق اونحوہ فانہ یدل علی علمہ بصدق المخبر وانہ جازم بہ فلا یقبل رجوعہ بعدہ الخ (ص۶۶۷ ج-۲)

اس سے صاف معلوم ہوا کہ ثبات کے بعد اس لئے رجوع صحیح نہیں کہ وہ علم بصدق مخبر اور جزم بہ پر دال ہے اور یہ فائدہ ہر اس کلام سے حاصل ہو سکتا ہے جس میں تاکید موجود ہو خواہ اقرار کے ساتھ تاکید ہو یا اقرار سے منفصل ہو۔ پس صورتِ مسئولہ میں اقرارِ ولی محمد مع الثبات متحقق ہے۔ اب اس کا اس بیان سے رجوع کرنا اور یہ کہنا کہ میں نے قرآن کی دہشت سے

یہ کہا تھا اور بے خبری میں کہا تھا سب لغو ہے۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۹ر جمادی الاول ۴۶ھ

مسئلہ رضاعت | **سوال**: اگر کسے کہ درحق او البتہ نسبتِ رضاع مشہور بود ازو پرسیدہ شد کہ تو چہ می گوئی؟ او قرآن شریف بر سر داشتہ گفت کہ مرا ایک زن خبر کردہ کہ رضاع ہست تصدیقِ آں قول نہ کرد نہ تکذیب این را اقرار بہ رضاع گفتہ شود یا نہ؟ بلکہ از جہتِ اقرار تصدیق ضرور است؟

الجواب

اس صورت میں محض اخبار رضاع ہے اقرار ثبوت رضاع نہیں۔ کیونکہ قائل نے یہ نہیں کہا کہ میں اس کے قول کی تصدیق کرتا ہوں اور محض ایک عورت کا بیان ثبوتِ رضاع میں حجت نہیں اور قرآن سر پر رکھنا بدون لفظ قسم کے قسم نہیں اور ہو بھی تو اس سے محض اخبار مرأۃ پر جزم کا اظہار ہوا اس کی تصدیق پر تو جزم نہیں ہوا۔ ھٰذا ما علمتہ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۸ر شعبان ۴۶ھ

رضاعی بھتیجی سے نکاح حرام ہے | **سوال**: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید و عمرو آپس میں ایک دوسرے کے علی الترتیب حقیقی ماموں بھانجے ہیں عمرو نے ایام طفولیت میں زید کی والدہ یعنی اپنی حقیقی نانی کا دودھ پیا ہے اس وقت نانی کی عمر ۳۵ سال کی تھی اور جس زمانے میں عمرو نے اپنی حقیقی نانی کا دودھ پیا اس زمانہ میں زید کی عمر دو سال کی تھی اب تجویز یہ ہے کہ زید کی جو ایک ہندہ نامی لڑکی ہے اس کو عمرو کی زوجیت میں دیا جائے لھذا اس مسئلہ کا جواب باصواب مع حوالہ کتب مستند تحریر فرما کر ارسال کریں فقط بیّنوا توجروا۔ المستفتی: محمد حشمت اللہ ایاضی چوک برہانپور

الجواب

عمرو کا نکاح زید کی کسی لڑکی سے بھی جائز نہیں کیونکہ زید و عمرو رضاعاً بھائی ہوگئے پس زید کی لڑکی عمرو کی بھتیجی ہوتی اور بھتیجی سے نکاح حرام ہے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب" متفق علیہ

والمسئلۃ مصرحۃ فی سائر کتب الفقہ   واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون خانقاہِ امدادیہ

۲۴؍ شوال

تنہا مرضعہ کی شہادت ثبوتِ رضاعت کے لئے کافی نہیں ہے

سوال : کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ ھندہ کے ہاں دختر تولّد ہوئی۔ ولادت کے وقت اس لڑکی کے منہ میں دانت بھی دو عدد موجود تھے ایسے بچہ کو عام طور پر منحوس خیال کیا جاتا ہے اس لڑکی کے ماموں مسمّٰی زید کی منشا اپنے بیٹے کے ساتھ اس لڑکی کو منسوب کرنے کی تھی ہندہ بھی رضامند تھی مگر عام طور پر یہ مشہور ہوگیا کہ زید کی بیوی نے ہندہ کی بیٹی کو دودھ اپنا پلا دیا ہے۔ ہندہ فوت ہوگئی ہے اور اس کا خاوند بھی فوت ہوگیا گویا عام خیال کے مطابق اس لڑکی کا منحوس ہونا بھی مسلّم ہوگیا مگر زید اپنے خیال پر قائم ہے اور ان خیالات کو لغو قرار دیتا ہے چنانچہ اپنے لڑکے کے ساتھ ھندہ کی لڑکی کا عقد کرنے کا سب انتظام زید نے درست کرلیا۔ برات آموجود ہوئی مگر چونکہ سب میں یہ بات مشہور ہو چکی تھی کہ اس لڑکی کو زید کی بیوی نے دودھ پلایا ہے۔ پس ناکح نے عدمِ جواز کا فتویٰ دیکر نکاح پڑھانے سے انکار کردیا۔ زید اور دیگر معتبر اشخاص کہتے تھے کہ دراصل دودھ نہیں پلایا گیا۔ یہ صرف اس لڑکی کی نحوست سے بچنے کے لئے زنانہ وہم کی بناء پر ایک چال کی گئی لوگ کہتے تھے کہ خود زید کی عورت کہہ چکی ہے کہ میں نے دودھ پلایا ہے۔ آخر زید کی بیوی سے دریافت کیا گیا۔ پہلے تو وہ کچھ ہچکچائی پھر اس نے بھری مجلس میں بہ ایں الفاظ اقرار کیا کہ ھندہ کی اس لڑکی کو جبکہ وہ بسن ۱۲ یوم کی تھی ضرور گود میں لیکر اپنی چھاتی اس کے منہ میں دی تھی صرف اس بناء پر کہ یہ منحوس لڑکی میرے بیٹے سے منسوب نہ ہوسکے اور میں نے یہ بات اس غرض سے عام لوگوں میں مشہور کردی تھی لیکن درحقیقت نہ اس لڑکی نے میری چھاتی دبائی نہ کوئی گھونٹ دودھ کا اس نے پیا۔ فوراً ہی میں نے گود سے ہٹا کر الگ لٹا دیا بعد ازاں ہرگز ہرگز کبھی چھاتی بھی اس کے منہ میں نہیں دی۔

زید کی بیوی نے حلفیہ برسر مجلس مذکورہ بیان دیا جب اس کو عذابِ الٰہی سے ڈرایا گیا اور ایمان جاتے رہنے کا خوف دلایا گیا جب بھی اس نے مذکورہ بیان ہی کی تائید کی اور یہ بھی کہا کہ یہ بیان میرا اگر غلط ہو تو میرا منہ کالا ہو اور جہنم نصیب ہو۔ اس پر ناکح نے ہندہ کی لڑکی کا نکاح زید کے بیٹے کے ساتھ پڑھا دیا کہ از روئے فقہ تین گھونٹ دودھ کے پی لینے

سے بھی مانع نکاح نہیں چہ جائیکہ مرضعہ کے قول کے موافق مطلق کوئی گھونٹ دودھ کا پیا ہی نہیں۔ اگر یہ جھوٹ کہتی ہے تو اس کا وبال اس کی گردن پر ہوگا۔ ہم نے حجت تمام کردی پس کیا یہ نکاح صحیح ہوگیا یا نہیں ؟ نیز کیا یہ بات ٹھیک ہے کہ تین گھونٹ تک ممانعت یا حرمتِ نکاح ثابت نہیں ؟

الجواب

یہ نکاح صحیح ہوگیا کیونکہ ثبوتِ رضاع کے لئے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت ضروری ہے اور صورتِ مسئولہ میں صرف ہندہ کی شہادت بیان کی جاتی ہے جو ناکافی ہے پھر ہندہ نے بھی صرف چھاتی کا منہ میں دینا بیان کیا ہے، دبانے اور دودھ نکلنے کا اور بچی کے دودھ پینے سے وہ حلف کے ساتھ منکر ہے لہذا رضاع کا ثبوت کسی درجہ میں نہیں ہوا اور افواہی شہرت قابلِ اعتبار نہیں۔ اسی طرح اس لڑکی کو منحوس سمجھنا ہی جائز نہیں۔ شریعت میں اس نحوست کی کوئی اصل نہیں اور جو لوگ ایسی بے اصل باتوں کے معتقد ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کبھی بطورِ سزا کے دنیا میں ان پر کوئی وبال واقع کردیتے ہیں پس اس عقیدے سے توبہ کرنا چاہئے۔

حضرات تابعین و تبع تابعین میں بعض بچے ماں کے پیٹ سے دانت نکالے ہوئے پیدا ہوئے اور بڑے درجہ کے عالم ہوئے جن سے آج تک برکتیں پھیل رہی ہیں (منهم الضحاك الراوي عن ابن عباس روى عنه التفسير والحديث والقرأة) نیز ناکح کا یہ قول بھی غلط ہے کہ تین گھونٹ سے حرمتِ رضاع نہیں ہوتی۔ حنفیہ اس کے قائل نہیں۔ ہمارے مذہب میں ایک گھونٹ سے بھی حرمتِ رضاع ثابت ہوجاتی ہے۔ جبکہ بیّنہ سے ثبوت ہوجائے۔ والمسئلة مشهورة فی الفقہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفاعنہ از تھانہ بھون

۱۶ محرم الحرام ۴۸ھ

رضاعت کا ایک مسئلہ

سوال : دو سگی بہنیں ہیں جن دونوں کا نکاح دو سگے بھائیوں سے ہوا ان میں سے ایک کا لڑکا ہے اور دوسری کی ایک لڑکی ہے ان کا ارادہ تھا کہ آپس میں ہی اپنی اولاد کی شادی کریں ان کی نند ہے جس کے تعلقات دونوں بھاوجوں سے کشیدہ ہیں۔ وہ گوارا نہیں کرتی کہ ان کی آپس میں رشتہ داری ہو کر اتحاد بڑھے۔ ایک روز لڑکا والی عورت (بڑی بہن) اپنے بچہ کو سوتا چھوڑ کر کسی کے یہاں چلی گئی بعد میں لڑکا جاگ اٹھا۔ چھوٹی

بہن اور نند مذکورہ اس کے پاس تھی نند نے باصرار ادھر اُدھر کی باتیں ملاکر لڑکے کو اس کی خالہ سے (جو لڑکی کی ماں ہے) دودھ پلوا دیا جو اپنی لڑکی اس لڑکے کے نکاح میں دینا چاہتی تھی۔ دودھ پلاتے وقت اس کو بالکل یاد نہ رہا کہ مجھے تو اس لڑکے یا اس کے بھائی سے اپنی لڑکی کا رشتہ کرنا ہے۔ بعد میں دوسری بہن نے آکر یاد دلایا۔ مگر لڑکا دودھ پی چکا ہے اور نند اپنا کام کر چکی تھی۔ اب فتویٰ درکار ہے کہ جیسے روزہ میں بھولے سے کھانا کھانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا کیا یہ بھول شرعاً معاف ہو کر اب بھی ان دونوں بہنوں کے بچوں کا آپس میں نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ والسلام

السائل: عبدالمتین۔ از تھانیسر ضلع کرنال

الجواب

صورتِ مسئولہ میں حرمتِ رضاع ثابت ہو گئی۔ اب اس لڑکے کا اس خالہ کی کسی لڑکی سے نکاح جائز نہیں، قطعاً حرام ہے۔ بھول چوک کا اول تو اس قصہ میں کچھ لگاؤ ہی نہیں ہے بلکہ قصداً پلایا ہے۔ بھول چوک تو اس کو کہتے ہیں کہ مثلاً اپنا بچہ سمجھ کر اندھیرے وغیرہ کی وجہ سے دوسرے بچہ کو دودھ پلا دیا جائے۔ دوسرے اس بارے میں بھول چوک معاف نہیں ہوتی۔ البتہ جس لڑکے نے دودھ پیا ہے اس کے بھائی کا اس لڑکی سے نکاح جائز ہے۔

واللہ اعلم۔ کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ۔

۲۷ جمادی الاول ۴۸ھ

الجواب صحیح

وما تضمّنه کلام السائل من ان الحرام لایباح الا لامرٍ واجبٍ غیر مسلم فان الفطر فی رمضان حرام ومع ذلك نیباح لامرٍ جائزٍ کسفر۔ کذا فی فتح الباری (ص۲۹۱ ج-۱) قلتُ: والاصل فیہ ماقالہ فقہائنا قد یفتقر ضمناً مالا یفتقر قصداً (الاشباہ ص۹۶) واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ

۲۷ جمادی الاوّل ۴۸ھ

مسئلہ رضاعت | سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس بارے میں کہ ہندہ اور صابرہ دونوں حقیقی بہنیں ہیں اور رشید و قادر دو حقیقی برادر۔ صابرہ نے قادر

کی والدہ کا دودھ پیا جبکہ اس کی والدہ بیمار تھی یہاں پر قادر کو صابرہ کی ماں کا دودھ انہیں ایام میں جبکہ اس کا سینہ پکا ہوا تھا کھینچانے کی غرض سے ایک دن دیا گیا کہ قادر ہوشیار ہو گیا تھا طاقت دودھ نکالنے کی رکھتا تھا ممکن ہے کہ پیا بھی ہو لیکن دوسرے دن علیحدہ کر لیا گیا ۱ کیا یہ دونوں (صابرہ وقادر) بھائی بہن ہوئے جبکہ صورت شک کی ہے ۲ اور نیز کیا ھندہ اور رشید بھی رضاعی بھائی بہن ہوئے جنہوں نے دودھ بالکل ایک دوسرے کی ماں کا نہیں پیا؟ ۔ صورتِ مسئولہ ۲ میں عقدِ ہندہ ورشید کا ہو چکا ہے ایک بچی بھی موجود ہے یہ عقد جائز ہوا یا نہیں اولاد کا کیا حکم ہے؟ اگر یہ دونوں رضاعی بھائی بہن ہوئے تو کیا اب طلاق کی ضرورت بھی ہو گی؟ بیّنوا توجروا ۔ خادم محمد نور عفی عنہ

الجواب

ہندہ سے رشید کا نکاح جائز ہے گو قادر کا دودھ پینا متیقّن یا مظنون بھی ہو ۔

کما فی الشامی (ص ۴۱۹ ج ۔۲) فرع فی البحر عن آخر المبسوط لو کانت ام البنات ارضعت احد البنین وام البنین ارضعت احدی البنات لم یکن للابن المرتضع من ام البنات ان یتزوج واحدۃ منھن وکان لاخوتہ ان یتزوجوا بنات الاخریٰ الا الابنۃ التی ارضعتھا امّھم وحدھا لانھا اختھم من الرضاعۃ فقط واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ

از خانقاہِ امدادیہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر

۲۹ ربیع الثانی ۵۰ھ

دو برس سے زائد کی بچہ کو دودھ پلانے سے حرمتِ رضاع ثابت نہیں ہوتی

سوال : کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ولیما اور رسول بخش دونوں حقیقی بہن وبھائی ہیں مسماۃ ولیما کا ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام شمس الحق رکھا گیا جب شمس الحق کی عمر تین سال کی ہوئی اس وقت شمس الحق کی ماں کا انتقال ہو گیا ۔ اسی دوران رسول بخش کی بیوی سے ایک لڑکا پیدا ہوا اور ضائع ہو گیا اس وقت رسول بخش کی بیوی نے شمس الحق کو دودھ پلایا جس وقت رسول بخش کی بیوی نے دودھ پلایا اس وقت شمس الحق کی عمر تین سال کی تھی بعد ازاں رسول بخش کی بیوی کے دو تین لڑکے پیدا ہو کر ضائع ہو گئے اس کے بعد رسول بخش کی بیوی سے لڑکی پیدا ہوئی ۔ اب دونوں میں عقد شرعاً جائز ہے یا نہیں ۔ فقط رسول بخش

۲۱ ذیقعدہ ۵۰ھ

الجواب

اگر یہ بات صحیح ہے کہ رسول بخش کی بیوی نے جس وقت شمس الحق کو دودھ پلایا تھا اس وقت شمس الحق کی عمر تین سال کی تھی تو اس صورت میں شمس الحق کا نکاح رسول بخش کی لڑکی سے درست ہے کیونکہ دو برس سے زائد کی بچہ کو دودھ پلانا جائز نہیں اور نہ اس سے حرمتِ رضاع ثابت ہوتی ہے ــــــ فانہ لارضاع بعد الحولین و انما الرضاعۃ من المجاعۃ صرح بہ اصحاب المتون من اھل المذھب ۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفاعنہ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

٢٦ ذی قعدہ ۴۸ھ

باب الحضانۃ

نابالغ کے حقِ حضانت وولایت مال میں دادی، ہمشیرہ اور پھوپھی زاد بھائی میں کون مقدم ہے

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ محمد اختر نابالغ پسرِ منظور حق مرحوم کے عزیز حسب ذیل ہیں :

١ مسماۃ شمس النساء۔ حقیقی دادی۔ ٢ مسماۃ حسینہ۔ حقیقی ہمشیرہ۔ ٣ انوار احمد۔ حقیقی بہنوئی اور محمد اختر کا پھوپی زاد بھائی۔ ان میں شرعًا محمد اختر کا ولی فی النکاح یا ولی فی المال کون ہے اور اس ولی کو کیا کیا اختیارات حاصل ہیں۔ ولی فی النکاح اور ولی فی المال دونوں کے متعلق شرعًا جو کچھ حکم ہو مفصل بیان فرمائیں۔

الجواب

صورتِ مسئولہ میں محمد اختر کا ولی فی النکاح اس کی حقیقی دادی ہے۔

قال فی الدر : فان لم یکن عصبۃ فالولایۃ للام ثم لأم الاب وفی القنیۃ عکسہ اھ (ص ۵١٢ ج ۔ ٢)

اور ولی فی النکاح کے اختیارات یہ ہیں کہ بلوغ سے پہلے بدون اس کی اجازت کے بچہ کا نکاح صحیح نہیں ہو سکتا اور ولی فی المال ان ورثاء مذکورین میں سے کوئی نہیں۔

قال فی الشامی : فان الولی فیہ الاب ووصیہ والجد ووصیہ والقاضی و نائبہ فقط اھ (ص ۵٠٩ ج ۔ ٢)

پس اگر نابالغ کے باپ نے کسی شخص کو وصی بنایا ہو خواہ انہی ورثہ میں سے یا کسی اور کو وہ ولی فی المال ہوگا ورنہ پھر ولایتِ مال اس کو ہوگی جس کو حقِ حضانت حاصل ہو اور صورت مسئولہ میں حقِ حضانت بھی دادی ہی کو حاصل ہے۔

لما فی الدر: ثم ای بعد الام ام الام ثم ام الاب اھ (ص ۱۵۰ ج ۲)

وقال فی الکفایة: وان لم یکن احد من ھٰؤلاء الاربعة (ای الأب ووصیہ والجد ووصیہ) جاز قبض من کان الصبی فی عیالہ وحجرہ ولم یجز قبض من لم یکن فی عیالہ لانہ اذا کان فی عیالہ فلہ علیہ ضرب ولایة الخ (ص ۴۹۴ ج ۷ مع الفتح)

وفی الھدایة: ونوع آخر ما کان من ضرورة حال الصغار وھو شراء ما لابد للصغیر منہ وبیعہ واجارة الاظآر وذلک جائز ممن یعولہ وینفق علیہ کالاخ والعم والام والملتقط اذا کان فی حجرھم (ج ۴ ص ۲٦۰)

وفی الحامدیة: قولھم: ان عائل الیتیم یملک بیع ما لابد منہ خاص بغیر العقار من نحو المنقولات اما العقار فلیس لہ بیعہ اھ (ص ۲۹٦ ج ۲)

ولی فی المال کے اختیارات یہ ہیں کہ یتیم کو کوئی شخص کچھ ھبہ کرے تو اس پر قبضہ کر کے اس کی حفاظت کرے۔ یتیم کی جائیداد وغیرہ کی حفاظت کرے۔ خود یا بواسطہ وکیل کے اور جس چیز کی اُس کے لئے خریدنے کی ضرورت ہو خریدے اور اس کی اشیاءِ منقولہ میں سے جس چیز کا بیع کرنا مصلحت ہو اس کی بیع کر دے لیکن جائیداد و مکاناتِ غیر منقولہ کی بیع نہیں کر سکتا واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ انتھانہ بھون

۱٦ محرم الحرام ۴۵ھ

اس صورت میں حق حضانت حقیقی خالہ کو اور ولایتِ نکاح نانا حقیقی کو حاصل ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسلم سُنّی حنفی نے تین نابالغ لڑکیاں (۱۰ سال، ۸ سال، ۵ سال) اور ایک نابالغ لڑکا (٦ سال) بوقتِ انتقال چھوڑا۔ اور پھر شخصِ مذکور کی موت کے چھ ماہ بعد ان کی اہلیہ یعنی ان چار بچوں کی ماں بھی گذر گئیں۔ فی الحال ان نابالغ بچوں کے قرابت داروں میں ایک حقیقی پھوپھی نانا حقیقی ایک حقیقی خالہ ہیں۔ حقیقی نانا کے بہت سے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ بچوں کی حقیقی نانی ۲۵ سال قبل گذر گئیں سوتیلی نانی موجود ہیں اور سوتیلی نانی ہی کے سارے بچے حقیقی نانا کے ساتھ ہیں۔ خالہ حقیقی

کے شوہر جو پیشہ سرکاری ملازمت میں ہیں شہر بشہر بدلتے رہتے ہیں ایک شہر میں دو تین سال بھی مستقل طور پر قیام نہیں کر سکتا۔ پھوپھی نا بالغ بچوں کے ساتھ ہمیشہ بیوہ ہو کر رہ رہی ہیں اور ہمیشہ اپنے بھائی مرحوم (بچوں کے والد) کے ساتھ رہی ہیں اور ایک شہر ہی میں مستقل رہنے والی ہیں، لاولد ہیں خالہ کے بچے متعدد چھوٹے چھوٹے ہیں لهٰذا صورتِ مذکورہ بالا میں بچوں کا ولی شرعاً کون مقرر ہو سکتا ہے اور حقِ ولایت اور حقِ حضانت کس کو حاصل ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اگر خالہ حقیقی کے شوہر ان لڑکیوں کے محرم ہوں اور خالہ حقیقی باوجود ایسی ملازمت کے بھی حضانت پر راضی ہو تو خالہ حقیقی حقِ حضانت میں مقدم ہے ورنہ پھوپھی کو حقِ حضانت حاصل ہوگا۔

قال فی الدر: ثم الخالات کذلک ای لابوین ثم لام ثم لاب ثم العمات کذلک اھ (ص ۱۰۵۰ ج ۲ مع الشامی)

وفیہ: والحاضنة یسقط حقها بنکاح غیر محرمه ای الصغیر وکذا بسکناها عند المبغضین له اھ (ص ۱۰۵۲ ج ۲)

اور حقِ ولایت نکاح نانا حقیقی کو ہے۔

قال الشامی بعد کلام طویل عن فتح القدیر وقیاس ما صحح فی الجد والاخ من تقدم الجد تقدم الجد الفاسد علی الاخت اھ فثبت بهذا ان المذهب ان الجد الفاسد بعد الام قبل الاخت اھ کلام البحر (ج ۲ ص ۵۱۳) باب الولی

واللہ اعلم — حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۱۶ محرم ۱۳۴۵ھ

احکامِ حضانت اور یتیم کے مال و زمین میں حاضنہ کے تصرف کا حکم	سوال مسـ

محمد اسماعیل

زوجہ۔ ابنین صغیرین۔ عم وصہر عم۔ ابن العم

عبدالمجید شفاعت اللہ عبدالغفور

اب سوال یہ ہے کہ محمد اسماعیل مرحوم کی زوجہ ان کے نابالغ دونوں لڑکوں کی ماں ہے اب ان دونوں لڑکوں کی پرورش کے ولی صورتِ مرقومہ بالا میں سے کون ہوں گے اور نکاح کے کون اور مال و جائیداد کے انتظام و حفاظت

کے ولی کون ہون گے تحریر فرماکر عند اللہ ثواب حاصل فرمایئں۔

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

من بعض علماء بنگال

محمد اسماعیل مرحوم کے نابالغ دونوں لڑکوں کی پرورش کے ولی لڑکوں کی ماں ہے۔ کذا فی کتاب الحضانۃ۔ اور نکاح کے واسطے مرحوم کے دونوں چچے شفاعت اللہ وعبد المجید ولی ہیں مگر عبد المجید ذوالقرابتین ہونے کی وجہ سے اقرب ہے۔

درمختار باب الولی میں ہے: الولی فی النکاح العصبۃ بنفسہ وھو من یتصل بالمیت بلا توسط انثیٰ علی ترتیب الارث والحجب۔

اور مال وجائیداد کے انتظام وحفاظت کے بارے میں ردالمحتار باب الولی میں مذکور ہے:

الولی فیہ الاب ووصیہ والجد ووصیہ والقاضی ونائبہ وقال الطحطاوی فی باب الولی تحت قول صاحب درالمختار (لا المال) اما الولی فیہ فالاب ووصیہ و وصی وصیہ والجد کذلک والقاضی ووصیہ کما ذکرہ المصنّف متناً کما سیأتی۔

پس صورتِ مسئولہ میں بوجہ فقدانِ وصیِ اَب وَجَد کے مال کے انتظام وحفاظت قاضی یا نائب قاضی کے ساتھ متعلق رہیگا۔

اب دوسرا سوال یہ ہے کہ: محمد اسماعیل مرحوم کی اولادِ صغار ریاست بڑرہ غیر مسلم راجہ کے عملداری میں رہنے والے ہیں اور یہاں مسلمان حاکم یا قاضی وغیرہ کچھ نہیں ہیں۔ اب مرحوم کے ترکہ کس کے حوالہ کیا جائے۔

الجواب

مرحوم کے کنبہ والے ومحلہ دار سب ملکر کسی کو حَکَم مقرر کر کے ترکہ کو حَکَم کی ذمہ داری میں رکھیں کیونکہ حَکَم اموال کے بارے میں مثل قاضی کے ہے۔ درمختار باب التحکیم میں ہے:

والحاصل انہ کالقاضی الا فی مسائل۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ: عبد المجید محمد اسماعیل مرحوم کے چچا اور خسر ذوالقرابتین ہے اور کنبہ اور محلہ کے معتمد لوگوں میں سے بھی ہے لہٰذا ان کو نابالغوں کے مال وجائیداد کی حفاظت وانتظام کے لئے حَکَم بنانے میں کوئی حرج ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر عبد المجید واقعی اوصافِ مذکورہ فی السؤال کے ساتھ متّصف ہے

تو محلہ والوں کے مشورہ سے مرحوم کی اولادِ صغار عاقل بالغ ہونے تک ان کے مال وجائیداد کی حفاظت وانتظام کے لئے عبدالمجید ہی کو حکم بنانے میں کوئی حرج نہیں بلکہ افضل معلوم ہوتا ہے

واللہ اعلم

راقم سید واحد علی عفا اللہ عنہ ساکن اسلام آباد
ڈاکخانہ کھوالی ضلع ٹپرہ اسٹیٹ

۳۰ / ۱ / ۴۵ھ

تفصیل الجواب من جامع امداد الاحکام

قال فی الهداية : و اذا وهب لليتيم هبة فقبضها وليه وهو الاب ووصی الاب او جدّ اليتيم او وصيّه جاز لأنّ لهؤلاء ولاية عليه لقيامهم مقام الاب. وان كان فی حجر أمّه فقبضها له جائز لأنّ لها الولاية فيما يرجع الى حفظه وحفظ ماله وهٰذا من بابه لانه لا يبقى الا بالمال فلابد من ولاية التحصيل. و قال صاحب الكفاية تحت قوله "لأنّ لهؤلاء الخ" و ان لم يكن من هؤلاء اربعة جاز قبض من كان الصبی فی حجره وعياله ولم يجز قبض من لم يكن فی عياله لانه اذا كان فی عياله فله عليه ضرب ولاية الخ (مع فتح القدير ص ۴۹۴ ج-۷)

و فی الهداية ايضاً : ونوع آخر ما كان من ضرورة حال الصغار وهو شراء ما لابدّ للصغير منه وبيعه واجارة الآظار و ذلك جائز ممن يعوله وينفق عليه كالاخ والعم والام والملتقط اذا كان فی حجرهم و اذا ملك الملتقط هٰذا النوع فالولی اولى به الا انه لايشترط فی الولی ان يكون الصبی المذكور فی الفرع الاول (ص۲۶۱ ج۴)

و فی الفتاوى الحامدية : نعم ويجوز شراء مالا بد للطفل منه وبيعه لاخيه و عمّه و امّه و ملتقطه ان هو فی حجرهم دفعاً للضرر عنه وتوجر امّه فقط وكذا ملتقطه على الاصح (الى ان قال) وجاز ايضاً شراء ما لابد للصغير منه كالنفقة والكسوة واستيجار الظئر ونحو ذلك وبيعه اى بيع مالابدّ منه ايضاً للصغير لاخ وعم وام هو اى الصغير فی حجرهم دفعاً للضرر عنه اهـ (ص ۲۹۵ ج ۲)

و فيه ايضاً : ثم ان ما مرّ من ان عائل اليتيم يملك بيع مالابدّ منه خاص بغير العقار من نحو المنقولات فليس له بيعه ولو مع وجود المسوغات لما فی الدر المختار:

وھذا ای بیع العقار للمسوغ لو البائع وصیاً لا من قبل ام واخ فانھما لا یملکان بیع العقار مطلقاً ولا شراء غیر طعام وکسوۃ الخ (ص ۲۹۶ ج ۲)

مجیب اول کا یہ جواب تو بالکل صحیح ہے کہ ان صغیرین غیر بالغین کا حقِ حضانت ماں کو حاصل ہے البتہ اس میں اتنی تفصیل ہے کہ اگر یہ صغیرین دونوں لڑکے ہیں تو ماں کو حقِ حضانت سات برس کی عمر تک ہے۔ جب یہ لڑکے سات سال کے ہوجائیں اس کے بعد حقِ حضانت ولی اقرب عصبہ کو ہے اور اگر ان میں سے کوئی لڑکی بھی ہے تو حقِ حضانت لڑکی کے بالغ ہونے تک ہے۔

قال فی الدر: والحاضنۃ اما او غیرھا أحق بہ ای بالغلام حتی یستغنی عن النساء وقدر بسبع وبہ یفتیٰ والام والجدۃ احق بھا ای بالصغیرۃ حتی تحیض ای تبلغ فی ظاھر الروایۃ اھ (ص ۱۰۵۴ ج ۲)

نیز مجیب اول کا یہ جواب بھی صحیح ہے کہ ولایت نکاح صغیرین میت کے دونوں چچا کو حاصل ہے مگر مجیب نے ایک چچا کو بوجہ ذوالقرابتین ہونے کے جو ترجیح دی ہے اس ترجیح کی کوئی دلیل بیان نہیں کی اور قواعد سے یہ ترجیح صحیح نہیں کیونکہ علاقۂ مصاہرت کو ولایتِ نکاح میں کچھ دخل نہیں اسکی وجہ سے ایک عصبہ کو دوسرے عصبہ پر کیونکر ترجیح ہوسکتا ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ ان صغیرین کا ولی ہر چچا بدرجہ مساوی ہے ان میں سے جو بھی صغیرین کا نکاح اول کرے گا نافذ و معتبر ہوگا بشرطیکہ کفو سے کرے اگر یہ صغیر لڑکی ہو اور صغار ذکور میں رعایت کفاءت مختلف فیہ ہے۔

قال فی الدر: ولو زوجھا ولیان مستویان (کأخوین شقیقین) قدم السابق فان لم یدر او وقعا معاً بطلا اھ (ص ۵۱۵ ج ۲)

قال الشامی تحت قول الدر وان کان المزوج غیرھما لا یصح النکاح من غیر کفؤ مثل قول الکنز ولو زوج طفلہ غیر کفؤ او بغبن فاحش صح ولم یجز ذلک لغیر الاب والجد ومقتضاہ ان الاخ لو زوج اخاہ الصغیر امرأۃ ادنی منہ لا یصح وفیہ مامر عن الشرنبلالی من ان الکفاءۃ لا تعتبر للزوج اھ (ص ۵۰۰ ج ۲)

اور مجیب اول نے ولایتِ مال وحفظِ جائیداد کے متعلق جو تکلف کیا ہے اس کی کچھ ضرورت نہیں بلکہ بر تقدیر فقدان اب وجد ووصی ایشان ولایتِ حفظ مال وانتظام جائیداد اس ولی کو حاصل ہے جس کو حقِ حضانت حاصل ہے جیسا کہ جزئیاتِ مذکورہ سے

مستفاد ہوتا ہے پس صورتِ مسئولہ میں ولایت حفظِ مال و انتظام جائیداد بھی صغیرین کی ماں کو حاصل ہے جب تک کہ اس کو حقِ حضانت حاصل ہے جس کی حد اوپر مذکور ہو چکی خواہ وہ خود انتظام کرے یا کسی معتبر شخص کو وکیل بنا کر اس کے ذریعہ انتظام کرائے البتہ ماں کو صغیرین کی جائیداد کی بیع کا حق حاصل نہیں اور منقولات میں سے بھی بلا ضرورتِ شدیدہ کسی شئی کو بیع نہیں کر سکتی۔ فقط واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ۔

۸ ر صفر ۴۵ھ

بچے کے غیر محرم سے حاضنہ کا نکاح مسقطِ حقِ حضانت ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین رحمکم اللہ اس مسئلہ میں کہ دو لڑکیاں نابالغ یتیم ہیں ماں باپ کا انتقال ہو گیا ہے نانی، دادی بھی زندہ نہیں ہیں لیکن خالائیں اور پھوپھیاں، نیز چچا بھی ہیں اور ماموں بھی، ابتداء سے ان لڑکیوں کی مجھلی خالہ نے ان کو پالا ہے ان کی والدہ مرحومہ کی زندگی میں بھی اور ڈھائی تین مہینہ تک بعد انتقال کے بھی۔ مرتے وقت ان کی والدہ نے اسی خالہ کے حوالہ بھی ان کو کیا تھا۔ یہ مجھلی خالہ ان لڑکیوں کی والدہ مرحومہ سے عمر میں بھی بڑی ہے اور شادی بھی مرحومہ کی شادی سے ۵ / ۶ سال قبل ہوئی ہے۔ اس خالہ کی کوئی اولاد نہیں ہے، لاولد ہے۔ اب ان لڑکیوں کو ان کی والدہ مرحومہ کے انتقال کے ڈھائی تین مہینہ کے بعد ان کی پھوپھیوں نے اپنے یہاں بلا کر روک لیا ہے اور خالہ کے پاس بالکل آنے نہیں دیتیں خالہ ان کے فراق میں بہت بے قرار ہے۔ اس نے مثل اولاد کے بچپن سے اب تک پالا ہے محبت کے باعث آب دیدہ رہا کرتی ہے۔ یہ لڑکیاں اپنی والدہ مرحومہ کے ساتھ اور خالائیں سب ایک ہی مکان میں جو ان کے نانا کا ہے اب تک رہتی تھیں اور خالائیں اب بھی اسی مکان میں بدستور ہیں، خالہ دعویدار ہے کہ میرا حق سب سے زیادہ ہے یہ لڑکیاں مجھ کو بغرضِ پرورش ملنی چاہئیں۔ ایک پھوپھی جس کی ابھی شادی نہیں ہوئی ہے اور دوسری پھوپھیوں سے چھوٹی ہے اس کے پاس یہ لڑکیاں اب ہیں وہ پھوپھی بھی اب دعویدار ہوئی ہے کہ لڑکیوں کی پرورش میں کروں گی میرا سب سے زیادہ حق ہے اس واسطے کہ جو خالہ دعویدار ہے و نیز دیگر خالہ پھوپھیاں سب شادی شدہ ہیں اور سب کے شوہر لڑکیوں کے غیر محرم ہیں لہٰذا سب کے حقوق جاتے رہے صرف اب میں حقدار ہوں جو خالہ دعویدار ہے اس نے بھی شادی کر لی ہے اس کا شوہر بھی لڑکیوں کا محرم نہیں ہے۔ خالہ یہ جواب

ہے کہ میں نے اب دوسرا شوہر نہیں کیا۔ میری شادی کو سولہ برس ہو چکے ہیں پہلے شوہر ہونے سے گو وہ لڑکیوں کا نامحرم ہی ہو حق پرورش نہیں جا سکتا کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کو ان کی خالہ کے سپرد فرمایا تھا جو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں پیشتر سے تھیں۔ اور فرمایا تھا کہ خالہ بمنزلہ ماں کے ہے۔ اگر پہلے کے شوہر غیر محرم ہونے سے حق جاتا رہتا تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیسے اس خالہ کو حوالہ فرماتے حالانکہ حضرت جعفر حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی کے غیر محرم اور چچیرے بھائی تھے۔ حضرت شاہ اہل اللہ صاحب برادر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے بھی کنز الدقائق کے ترجمے میں جس کا نام "احسن المسائل کامل ترجمہ کنز الدقائق" ہے اور جو مطبع مجیدی کانپور میں ۱۹۱۹ء کو چھپی ہے، اس بات کو خوب صاف فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں: پھر اسی (سگی سوتیلی کے) ترتیب سے خالائیں۔ اگر خالائیں بھی نہ ہوں تو اس ترتیب سے پھوپھیاں اور جو عورت بچہ کے غیر محرم سے نکاح کرے تو اس کا حق جاتا رہے گا۔ (ف) یعنی جس سے اب اس عورت نے دوسرا نکاح کیا ہے وہ اس بچہ کا قریبی رشتہ دار نہیں ہے تو اب اس بچہ کی پرورش کرنے میں اس عورت کا حق نہ رہا۔ ص ۱۲۶

تو سوال یہ ہے کہ مذکورۂ بالا صورت میں لڑکیاں کس کو بغرض پرورش ملنی چاہئیں۔ کس کا حق ہے؟ اور خالہ اور پھوپھی میں کس کس کی بات صحیح اور شرع کے موافق ہے؟ جواب مدلل، مشرح اور مفصل درکار ہے۔ بیّنوا توجروا

حسین محمد صالح محلا از مولمین پوسٹ بکس ۱۰۸

الجواب

چھوٹی پھوپھی کا یہ قول صحیح ہے کہ خالہ کا شوہر چونکہ یتیم لڑکیوں کا محرم نہیں ہے اس لئے خالہ کا حقِ حضانت ساقط ہو گیا۔

قال فی الدر: تثبت للام الا ان تکون مرتدۃ أو فاجرۃ او متزوجۃ بغیر محرم الصغیر اھ

قال فی الشامی: و مثلہ (فی سقوط حق الحضانۃ) لو تزوجت باجنبی وصارت الحضانۃ لغیرھا کالاخت فانہ لا یلزمھا ان تربیہ او ترضعہ عند الام (ص ۱۰۴۳ ج ۲)

اور خالہ نے جو دلیل بیان کی ہے اس کی صحت اس پر موقوف ہے کہ اول یہ ثابت کر دے کہ بنت حمزہ کی کوئی پھوپھی بغیر نکاح کے اس وقت موجود تھی اور جب خالہ اور پھوپھی

سب کے سب صغیر یتیم کے نامحرم کے نکاح میں ہوں تو اس صورت میں خالہ مقدم ہوگی پس بصورتِ موجودہ چھوٹی پھوپھی ان یتیم لڑکیوں کی پرورش کا زیادہ حق رکھتی ہے بشرطیکہ وہ بالغ ہو اور پرورش کے قابل ہو اگر اس چھوٹی پھوپھی نے کسی وقت ان یتیم لڑکیوں کے نامحرم سے نکاح کرلیا تو حقِ حضانت پھر چچا کی طرف عود کریگا اگر اس وقت بھی یہ لڑکیاں نابالغ ہوں۔
قال فی الدر: ثم الخالات ثم العمات ثم العصبات بترتیب الارث الخ (۲ج۱۰۵)

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
۲ر رجب ۱۳۴۵ھ

لڑکا سات سال کا ہو تو ماں کو اس کی پرورش کا حق نہیں بلکہ ولی عصبہ کو ہے

سوال: عبد الغفور ایک شخص ہے جو اپنے حقیقی چچا کے پاس رہتا تھا بعد انتقالِ چچا کے عبد الغفور کی چچی نے دوسرے شخص سے شادی کرلی جو کہ عبد الغفور کی مرضی کے خلاف ہوئی۔ لیکن یہ عقد ہونے پر کیا کر سکتا تھا چچا کے صرف دو لڑکے ہیں جو نابالغ ہیں ایک کی عمر دس برس ہے اور دوسرے کی عمر بارہ یا تیرہ برس ہے۔ اب عبد الغفور لڑکوں کی پرورش خود کرنا چاہتا ہے اور جس شخص سے عبد الغفور کی چچی نے عقد کیا ہے اس کے ذریعہ سے وہ پرورش کرانا نہیں چاہتا اور یہ ہی عدالت میں عبد الغفور کو بھتیجا قرار دیا گیا ہے سوائے اس ایک بھتیجے کے اور کوئی حقیقی رشتہ دار نہیں ہے۔ اب عدالت نے فتویٰ طلب کیا ہے کہ تم فتویٰ پیش کرو کہ آیا تم اپنے چچا کے لڑکوں کے اور کل مال و جائیداد وغیرہ کے شرعی حقدار ہو یا نہیں؟ لہٰذا براہ کرم جواب سے فوراً مطلع فرمائیں کہ یہ شخص یعنی عبد الغفور اپنے چچا کے لڑکوں کو شرعاً ان کی والدہ سے لیکر خود پرورش کر سکتا ہے یا نہیں؟ عبد الغفور کے چچا کو مرے ہوئے تین برس ہو گئے ہیں اور لڑکے دونوں اپنی والدہ کے پاس ہیں بعد انتقال والد ان کی پرورش آج تک ان کی والدہ ہی نے کی ہے اور جو کچھ مال اسناد جائیداد چچا کا ہے اس کا مالک کون ہے؟ اور کس کے تحت میں وہ رہے جب تک لڑکے بالغ نہ ہوں۔

عبد الغفور تھانوی بیرون جالوری دروازہ حویلی جوشی
ابنا داس جی۔ جودھ پور

الجواب

قال فی الدر: والحاضنة اما أو غیرھا أحق بہ ای بالغلام حتی یستغنی عن النساء وقدر بسبع وبہ یُفتیٰ لانہ الغالب اھ

قال الشامی : وفی شرح المجمع : واذا استغنی الغلام عن الخدمة الاب او الوصی او الولی علی أخذه لانه أقدر علی تادیبه و تعلیمه اھ

وفی الخلاصة وغیرھا : واذا استغنی الغلام و بلغت الجاریة فالعصبة اولی یقدم الاقرب فالاقرب اھ (ص ۱۰۵۴ ج ۲)

ان نصوص سے معلوم ہوا کہ صورتِ موجودہ میں جب نابالغ بچوں کی عمر ۷ سال سے زیادہ ہے تو اب ماں کو ان کی پرورش کا حق نہیں بلکہ ان بچوں کے ولی عصبہ کو یعنی میت کے بھتیجے عبدالغفور کو ان کی پرورش کا حق ہے اور وہی میت کی جائیداد کی حفاظت و انتظام کا حقدار ہے باقی ملکیت کا اس جائیداد میں اس کو کوئی حق نہیں کیونکہ جب میت کے لڑکے موجود ہیں تو ان کے سامنے بھتیجے کو میراث کچھ نہیں مل سکتی۔ ہاں وہ ان کے بلوغ تک جائیداد وغیرہ کا انتظام کر سکتا ہے اور اس انتظام کا معاوضہ حاکم کی رائے میں جتنا مناسب ہو وہ پا سکتا ہے اس سے زیادہ اس کو اور کچھ حق نہیں سب میّت کے لڑکوں کا ہے جو فرائضِ شرعی سے معلوم ہو سکتا ہے۔

از خانقاہِ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون

۱۴ شعبان ۴۳ھ

بالغ ہونے تک لڑکیوں کی پرورش کا حق ماں کو ہے | **سوال** : جناب مولانا صاحب۔ السلام علیکم!

طلاق دی ہوئی عورت کے پاس لڑکیاں جن میں ایک کی عمر چھ سال اور دو کی عمر تین سال ہے رکھنا جائز ہے یا ناجائز؟ اور طلاق دی ہوئی عورت اپنے میکے یعنی اپنی ماں کے گھر رہتی ہے مرد کے مکان سے کوئی نسبت نہیں اور نہ کبھی آئندہ رہ سکتی ہے دونوں لڑکیوں کی نانی وغیرہ کہتی ہیں کہ ابھی بالکل بچہ ہے یہیں رہیں گی۔ مرد اس وجہ سے دریافت کرنا چاہتا ہے کہ طلاق دی ہوئی عورت کی بڑی بہن جس کی بیوہ ہونے کو آٹھ دس برس ہوا اس نے ابھی تک دوسرا نکاح نہیں کیا اس وجہ سے اس کی ساس وسسر بہت کرتے ہیں اور محبت سے پہلے کی طرح رکھ رہے ہیں اسی وجہ سے وہ دوسرا نکاح کرتی ہے اسی خیال سے اگر مرد لڑکیوں کو طلاق دی ہوئی عورت کے پاس رکھے اور وہیں خرچ بھیجے تو خرچ کی بدولت اور بچوں کی محبت کی وجہ سے دوسرا نکاح نہ کرے تو اس کا کیا حکم ہے لڑکیوں کو طلاق دی ہوئی عورت کے پاس رکھے یا اپنے ماں باپ یعنی لڑکیوں کے دادا، دادی کے گھر رکھے اور مرد کو پورا یقین ہے کہ اگر خرچ طلاق دی

ہوئی عورت کے پاس گھر جائیگا بچوں کے واسطے تو وہ ہرگز ہرگز دوسرا نکاح نہیں کرسکتی ہے فقط۔ خاکسار محمد عزیز خطوط نویس الہ آباد سٹی پوسٹ آفس الہ آباد

۱۶ر اپریل ۱۹۳۰ء یوم چہارشنبہ

الجواب

جب تک زوجہ مطلقہ دوسرا نکاح نہ کرے اس وقت تک وہ ان لڑکیوں کے بالغ ہونے تک ان کی پرورش کا حق رکھتی ہے۔ باپ کو لازم ہے کہ اس سے لڑکیوں کو بلا وجہ الگ نہ کرے بلکہ لڑکیوں کا خرچ ان کی ماں ہی کے پاس بھیجتا رہے اور جو وجہ شبہ کی سائل نے بیان کی ہے اس سے ماں کا حقِ پرورش باطل نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ اپنی اولاد کی محبت اور پرورش کی وجہ سے دوسرا نکاح نہ کرے تو اس میں حرج کیا ہے بلکہ اس کو صبر کا اجر ملیگا نکاح ثانی اس عورت پر لازم ہے جو رسم و رواج کی وجہ سے اس سے رُکتی ہو حالانکہ اس کو اپنی عفت محفوظ نہ رہنے کا خطرہ ہو اور جس کو یہ خطرہ نہ ہو بلکہ اپنی اولاد کی پرورش کرنے کے لئے اپنے کو خاک میں ملادے اس پر نکاحِ ثانی لازم نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہِ امدادیہ

۱۹ر ذی قعدہ ۱۳۴۸ھ

باپ، ماں کی خالہ، دادا، دادی میں کون احق بالحضانت ہے؟

سوال: ایک عورت سات برس کی لڑکی چھوڑ کر اور اس کو اپنی خالہ کے سپرد کرکے مرگئی اور اس لڑکی کے حسب ذیل اقارب ہیں: ایک ماں کی خالہ مذکورہ جو لڑکی کو خوشی سے پرورش کر رہی ہے اور باپ جو اس مذکورہ کی پرورش پر راضی ہے اور دادا، دادی جو کہ لڑکی کو اس مذکورہ پرورش کنندہ سے لینا چاہتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا صورتِ مذکورہ میں دادا۔ دادی اس لڑکی کو جبراً اس مذکورہ پرورش کنندہ سے شرعاً لے سکتے ہیں یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب

فی الدر: فی باب الحضانۃ ثم بعد الام أمّ الام ثم أمّ الأب وان علت ثم الاخت ثم الخالات ثم العمّات ثم خالۃ الامّ ثم خالۃ الاب ثم عمّات الامّھات والآباء ثم العصبات بترتیب الارث اھ (ص ۱۰۵ ج ۲)

پس صورتِ مسئولہ میں اس لڑکی کا حقِ حضانت دادی کو ہے ماں کی خالہ اور باپ کو نہیں

ہے وہ اگر بچہ کی پرورش کرنا چاہیں تو دادی کی اجازت سے کر سکتے ہیں بدون اس کے نہیں
فان لمن له حق الحضانة له اسقاط هذا الحق ایضاً۔ واللہ اعلم

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
۲۳ر ذی قعدہ ۴۸ھ

حاضنہ ایام حضانۃ میں بچے پر صرف کی ہوئی رقم بچے کے مال سے اس کی ملک میں اگر مال ہو لے سکتی ہے ورنہ باپ کے ذمہ ایام حضانۃ کا خرچ لازم ہوگا

سوال: فاطمہ مرحومہ کے تعلقات آخر میں خراب ہوگئے تھے کیونکہ اس کا شوہر باوجود بلانے کے نہیں آیا تھا۔ چنانچہ مرتے وقت فاطمہ مرحومہ نے اپنی والدہ کو یہ وصیت کی تھی کہ میرا تمام سامان اور روپیہ پیسہ اور میرا لڑکا ان سب کو اپنے پاس رکھنا اپنے شوہر کے متعلق یہ کہا تھا کہ اس کو کچھ نہ دینا جب لڑکا جوان ہوجائے تو سب کچھ اس لڑکے کو دیدینا۔ مرحومہ کی ماں یعنی بچہ کی نانی نے پرورش کرتے وقت یہ نیت کی تھی کہ اگر لڑکے کے باپ نے مجھ سے اچھے تعلقات نہ رکھے تو میں اس سے پرورش کا پورا صرفہ لوں گی۔ چنانچہ بچے کے باپ نے تعلقات خراب کر لئے، ملنا جلنا ترک کر دیا، بچے کو جب دس سال کا ہوگیا تو زبردستی بذریعہ عدالت بچے کی نانی سے لے لیا بچے کی نانی نے صرفۂ پرورش کا مطالبہ بچے کے باپ سے کیا تو بچے کے باپ نے انکار کر دیا۔ بچہ کی نانی نے پرورش میں اور تعلیم میں اور عقیقہ و ختنہ کی تقریب میں کافی رقم صرف کی اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ بچے کی نانی زرِ مہر اور مرحومہ کے دیگر ترکہ سے مذکورۂ بالا رقم سے لے سکتی ہے یا نہیں؟

خادم عبدالمجید

الجواب

چونکہ نانی کو اس صورت میں حقِ حضانت حاصل تھا اس لئے اس نے جسقدر رقم بچے کے کھانے کپڑے میں اور تعلیم میں صرف کی ہو وہ بچہ کے حصہ میں سے جو اس کو اپنی ماں کے ترکہ میں سے ملا ہو لے سکتی ہے اور جو رقم تقریبات میں خرچ کی ہے وہ نہیں لے سکتی اور شوہر کے حصے میں سے اس وقت لے سکتی ہے جبکہ بچہ کا حصہ نفقہ کے لئے کافی نہ ہو۔

والمسئلة فی الشامية ص۱۴۵ ج۲۔ واللہ اعلم۔ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۶ر محرم ۴۹ھ

باپ حاضن اپنے مالدار صغیر بیٹے کا کھانا اپنے ایندھن سے پکائے تو ایندھن کے عوض اس میں سے باپ کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟

سوال: ایک شخص اپنے صغیر لڑکے کا حاضن ہے اور صغیر مالدار ہے اور صغیر کے مال سے صغیر کے لئے باپ اپنا ایندھن لکڑی وغیرہ جلا کر کھانا پکاتا ہے تو کیا باپ کے لئے جائز ہے کہ اس کھانے میں سے اپنی مؤنت اور ایندھن کے عوض میں کچھ کھالیا کرے یا نہیں؟

الجواب

وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ

اگر باپ غنی ہے تو اس کو صغیر کے مال میں سے نہ کھانا چاہئے ہاں ایندھن کا عوض نقد لے سکتا ہے جبکہ ایندھن کی مقدارِ معین صغیر کے لئے جلانے سے پہلے الگ کردی جائے باقی مؤنت کے عوض نہیں لے سکتا لعدم تحقق الاجارۃ۔ اور فقیر ہے تو مؤنت کا عوض بھی لے سکتا ہے لا لکونہٖ اجرۃ بل لکون الاب محتاجاً الیٰ مالہٖ۔ اور بدون مؤنت کے بھی حاجت کے وقت بقدرِ ضرورت کھا سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۷ر ذی الحجہ ۴۹ھ

کتاب النفقات

فصل فی نفقۃ الزوجۃ وسکناھا

زوجہ شوہر کی اجازت کے بغیر اس کا مال خرچ نہیں کر سکتی۔

سوال: ھندہ زوجۂ زید ہے اور زید پچاس روپیہ ماہوار پیدا کرتا ہے تو کیا پورا پچاس روپیہ ماہوار ھندہ کا نفقہ زید کے ذمہ واجب ہیں یا کس قدر؟ اور اگر اس کی پوری آمدنی پچاس روپیہ کی ہندہ کے پاس امانت رہتی ہو تو کیا وہ ان سب کے صرف کر دینے کی بلا رضامندی شوہر خود مالک و مختار ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر ھندہ کو سب رقم خرچ کرنے کی زید نے اجازت دیدی ہو تو وہ سب صرف کر سکتی ہے ورنہ نہیں اور اجازت دینے کی صورت میں زید کو اپنے باپ کی حق تلفی کا گناہ ہوگا اور اگر ھندہ زید کو اغواء کرتی ہے کہ تو اپنے باپ کی خدمت نہ کر تو اس کو بھی گناہ ہوگا اور بھائی بہن اگر اپاہج نہیں ہیں تو زید کے ذمہ ان کا نفقہ نہیں ہے واللہ اعلم

۲۷ ربیع الثانی

عورت کے ناشزہ ہونے کی صورت میں اس کا نان نفقہ اور مہر کا مطالبہ کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے نکاح کیا بعد چار پانچ ماہ کے ھندہ نے اپنے والدین کے گھر جانے کی غرض سے زید سے دو روز کی مہلت چاہی زید نے دو روز کے بعد آنے کے اقرار پر ہندہ کو اس کے والدین کے گھر روانہ کیا۔ ہندہ اپنے ماں باپ کے گھر جاتے وقت زیورات وغیرہ جو نکاح کے وقت ڈالے گئے تھے ہمراہ لے کر گئی لیکن ہندہ اپنے اقرار کے موافق دو روز کے بعد نہیں آئی۔ یہاں تک کہ چار پانچ مہینہ تک آئی نہیں۔ زید بھی ھندہ کے اقرار پر نہ آنے کی وجہ سے خفا ہو کر خاموش ہو گیا بعد دو چار ماہ کے زید نے کسی کو یوں کہلا بھیجا کہ اس وقت تیری مرضی کیا ہے کہ اس طرح اپنے والدین کے گھر بیٹھی ہوئی ہے تو اس کے جواب میں ھندہ یوں کہتی

ہے کہ میں زید سے ناراض ہوں، میرا اس کے پاس آنا نہ ہوسکے گا، مجھے نان نفقہ اور مہر ادا کرنا چاہئے اور زیورات وغیرہ جو بوقتِ روانگی ہمراہ لے گئی تھی اس سے انکار کرتی ہے کہ میں نے کچھ نہیں لایا۔ تمام زیورات وغیرہ زید کے گھر میں ہیں وہ بھی مجھے دینا چاہئے۔ تو زید کہتا ہے کہ ھندہ تو اپنے اقرار پر ثابت نہیں رہی کہ دو روز کے بعد آنے کے اقرار پر ماں باپ کے گھر بیٹھ گئی۔ دوسرے بلوانے پر بے باکانہ طور پر نان ونفقہ اور مہر چاہنا۔ زیورات وغیرہ ہمراہ لیجاکر اس سے انکار کرنا اور پھر زیورات کا چاہنا لہٰذا یہ نان ونفقہ اور مہر کی حقدار نہیں اور کوئی حق اس کا میرے پاس ثابت نہیں پس دریں صورت زید کا قول صحیح ہے یا ہندہ کا؟ بیّنوا بالتفصیل توجروا بالآخرۃ۔

الجواب

اگر مہر کل مؤجل ہے تب تو عورت کو قبل از موتِ زوج یا طلاق، مطالبۂ مہر کا کوئی حق نہیں اور اگر بعض معجل ہے تو مہر معجّل کے مطالبہ کا ھندہ کو حق حاصل ہے۔ اور نفقہ کا حکم یہ ہے کہ اگر مہر کُل مؤجل ہے تو اس کے وصول کرنے کے لئے ھندہ کو زوج سے رُکنے کا حق نہیں اس صورت میں وہ ناشزہ ہے جس کے لئے نفقہ نہیں۔ اور اگر کل مہر یا بعض معجل ہے اور ھنوز ھندہ کو وصول نہیں ہوا تو اس کے وصول کرنے کے لئے شوہر سے رُکنے کا اُسے حق حاصل ہے۔ اس صورت میں وہ ناشزہ نہ ہوگی اس کو نفقہ بھی ملیگا۔ اور اگر مہرِ معجّل اس کو مل چکا ہے تو اب اس کو رُکنے کا حق حاصل نہیں ہے وہ ناشزہ ہے جس کے لئے نفقہ نہیں۔

قال فی الخلاصۃ: ولو کان المھر الیٰ أجل لیس لھا ان تمنع نفسھا لاستیفائہ لا قبل حلول الاجل ولا بعدہٗ وکذا لو کان البعض عاجلاً والبعض آجلاً فاستوفت العاجل (ص ۳۳ ج ۲) واللہ اعلم

۱۸ رجادی الاولیٰ ۱۳۴۰ھ

اگر عورت شوہر کے ساتھ سفر میں جانے سے انکار کردے تب بھی اس کے لئے نفقہ واجب ہے،

سوال: زید "گیا" کا رہنے والا ہے۔ اب اس کو تھانہ بھون میں مدّتِ طویلہ قیام کرنے کا ارادہ ہے۔ اس نے اپنی زوجہ کو بھی ساتھ لانا چاہا اس نے انکار کردیا اور ساتھ نہیں آئی۔ اس صورت میں زوجہ کے لئے نفقہ ہے یا نہیں؟

سائل۔ اکرام الحق گیاوی

الجواب

صورتِ مسئولہ میں زوجہ کے لئے نفقہ ہے۔

قال فی الدر : و یسافر بها بعد اداء کله مؤجلاً و معجلاً اذا کان مامونًا علیها والّا یؤدکله او لم یکن مامونًا لا یسافر بها و به یفتی کما فی شرح المجمع واختاره فی ملتقی الابحر ومجمع الفتاوی واعتمده المصنف و به افتی شیخنا الرملی لکن فی النهر والذی علیه العمل فی دیارنا انه لا یسافر بها جبرًا علیها وجزم به البزازی وغیره وفی المختار وعلیه الفتوی اهـ

قال فی الشامیة ومثله فی الابحر : ذکر اولاً انه اذا اوفاها المعجل فالفتوی علی انه یسافر بها کما فی جامع الفصولین ـ وفی الخانیة : وفی الولوالجیة انه ظاهر الروایة ثم ذکر عن الفقیهین ابی القاسم الصغار و ابی اللیث انه لیس له السفر مطلقًا بلا رضاها لفساد الزمان لانها لا تأمن علی نفسها فی منزلها فکیف اذا خرجت وانه صرّح فی المختار بان علیه الفتوی ـ وفی المحیط : انه المختار ـ وفی الولوالجیة : ان جواب ظاهر الروایة کان فی زمانهم اما فی زماننا فلا وقال فجعله من باب اختلاف الحکم باختلاف العصر والزمان ثم قال فقد اختلف الافتاء والاحسن الافتاء بقول الفقیهین من غیر تفصیل واختاره کثیر من مشائخنا کما فی الکافی وعلیه عمل الفقهاء فی زماننا ـ کما فی انفع الوسائل اهـ ولا یقال انه اذا اختلف الافتاء لا یعدل من ظاهر الروایة لان ذلک فی ما لا یکون مبنیاً علی اختلاف الزمان ـ کما افاده کلام الولوالجیة ـ وقول البحر فجعله اهـ

وفیه : وبعد ایفاء المهر اذا اراد ان یخرجها الی بلاد الغربة یمنع من ذلک لان الغریب یؤذی و یتضرر لفساد الزمان ـ

ـه ما اذن الغریب ما اسقاه ؛ کل یوم یُهَیِّنُه من یراه

کذا اختاره الفقیه و به یفتی ـ قال القاضی : قول الله تعالیٰ : اَسْکِنُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ سَکَنْتُمْ من قول الفقیه ـ قیل : قوله تعالیٰ : وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ فی آخره دلیل قول الفقیه لانا قد علمنا من عادة زماننا مضارة قطعیة فی الاغتراب بها اهـ (ص ۵۹۰ و ۵۹۱ ـ ج ۲)

وفی الدر فی باب النفقۃ : بخلاف ما اذا خرجت من بیت الغصب او ابت الذهاب الیہ او السفر معہ او مع اجنبی بعثہ لینقلها فلها النفقۃ الخ

قال الشامی : قولہ ، او السفر معہ ای بناءً علی المفتیٰ بہ من انہ لیس لہ السفر بها لفساد الزمان فامتناعها بحق قولہ او مع اجنبی الخ ھٰذا مفهوم بالاولیٰ لانها اذا استحقت النفقۃ عند امتناعها عن السفر معہ فمع الاجنبی بالاولیٰ الخ واللہ اعلم

(ص ۱۰۶۵ ج ۲)

۲۶ صفر ۱۳۸۱ھ

ناشزہ مطلقہ کے نان ونفقہ کا شوہر کے ذمہ واجب نہ ہونا

سوال : بکر نے اپنی زوجہ ہندہ کو اپنے گھر سے اپنی خوشی سے اپنے حقیقی بھائی بڑے زید کے گھر بھیجا۔ جب بکر لینے گیا تو ھندہ نے بکر کے ساتھ چلنے سے انکار کیا اور ہندہ خلاف مرضی بکر اپنے شوہر کے، زید کے ساتھ جو ھندہ کا نامحرم ہے اور پردہ ضروری ہے رہنا چاہتی ہے بکر نے حسب حکم شرعی ہندہ کو بذریعہ نوٹس اطلاع دیدی کہ زید تیرا نامحرم ہے، پردہ کیا جائے اور ھندہ کا زید کے ساتھ رہنا ناجائز ہے اور جب تک ھندہ زید کے گھر رہیگی خلاف مرضی شوہر ہے اور شرعاً ناجائز ہے، نان ونفقہ نہیں دیا جائیگا اس نوٹس بکر کی ہندہ نے کچھ پرواہ نہ کی اور نہ حکم شرع کی تعمیل میں پردہ کیا بدستور زید کے ساتھ ہندہ رہتی ہے اور نہ زید اس کو رکھا ہوا ہے لانے نہیں دیتا۔ بکر سے جھگڑا کرنے کو تیار ہے جبکہ شرعاً زید کو ھندہ کے رکھنے کا کوئی حق نہیں ہے اور جس کی اطلاع زید کو دی گئی ہے مگر زید حکم شرع کی کچھ پرواہ نہیں کرتا یہ گمان غالب ہے کہ زید اور ھندہ کا ناجائز تعلق ہوگیا ہے اسی وجہ سے ھندہ خلاف مرضی شوہر وخلاف حکم شرع نامحرم کے ساتھ رہنا چاہتی ہے تو ایسی صورت میں اگر بکر ھندہ کو طلاق دیدے تو ایامِ عدت طلاق کا نان ونفقہ دینا ہوگا یا نہیں؟

سید محمد عابد حسین۔ از آگرہ

الجواب

نفقہ واجب نہ ہوگا البتہ اگر وہ طلاق کے بعد شوہر کے گھر میں چلی آئے تو پھر عدت کا بھی واجب ہوگا۔

قال فی الدر : بخلاف حرۃ نشزت فطلقت فعادت۔

وفی رد المحتار : ای ان المرأۃ اذا نشزت فطلقها زوجها فلها النفقۃ والسکنیٰ اذا عادت الی بیت زوجها (الی ان قال) ونکاح الحرۃ حال الطلاق سببٌ لوجوب النفقۃ الا انها فوتت بالنشوز فاذا عادت وجبت اھ (ص ۱۰۹۰ ج ۲) واللہ اعلم

۱۸ ر جمادی الاولیٰ ۱۳۸۱ھ

زوجہ اور والدین میں نا اتفاقی کی صورت میں اگر زوجہ علیحدہ گھر کا مطالبہ کرے

سوال : والدین اور زوجہ کے درمیان نا اتفاقی کی صورت میں کیا شوہر اس امر کا مجاز رکھتا ہے کہ والدین سے علیحدگی اختیار کرے ؟

الجواب

قال فی الدر، وفی البحر، عن الخانیۃ : یشترط ان لا یکون احد من احماء الزوج یؤذیها اھ ـ قال الشامی وذکر الخصاف ان لها ان تقول لا اسکن مع والدیك واقربائك فی الدار فافرد لی دارًا۔ قال صاحب الملتقط هذه الروایۃ محمولۃ علی الموسرۃ الشریفۃ وما ذکرنا قبله ان افراد بیت فی الدار کافٍ انما هو فی المرأۃ الوسط اعتبارًا فی السکنیٰ بالمعروف اھ (ص ۱۰۹۲ ج ۲)

اگر زوجہ غنیہ اور شریفہ ہے اور وہ والدین زوج کے ساتھ رہنا پسند نہیں کرتی ان سے الگ رہنا چاہتی ہے تو شوہر کے ذمہ واجب ہے کہ اس کو الگ مکان میں رکھے اور اگر زوجہ متوسط الحال ہے تو شوہر پر اس کو جدا گھر میں رکھنا واجب نہیں۔ لیکن اگر وہ اپنی راحت کے لئے جدا رہنا چاہے تو جائز ہے بلکہ اگر ساتھ رہنے میں والدین کے حقوق تعظیم وغیرہ ضائع ہونیکا اندیشہ ہو یا نزاعات کی وجہ سے قطع رحم کا خوف ہو تو الگ ہوجانا ضروری ہے

واللہ اعلم

۸ ر شعبان ۱۳۸۱ھ

حکم نفقہ زوجۂ ناشزہ اور کن امور میں زوج کی اطاعت زوجہ پر واجب ہے،

سوال : کوئی امر خواہ بروئے شریعت ہو یا خلافِ شریعت وہ قولِ علماء ہو، جو کچھ شوہر بیوی کو حکم کرے وہ حکم بیوی کو ضرور اس پر حق بجانب عمل کرنا چاہئے ورنہ اس کی حکم عدولی پر شوہر کو حق ہے کہ وہ اس عورت کا نان و نفقہ ضرور بند کردے۔

اس لئے بہ امید طلب جوابِ شافی درین امورِ مرقومہ بالا مستدعی خدمتِ عالی

ہوں کہ تردیدِ فتوٰی اس کے معہ قلمی دستخط ومعہ حوالہ آیتِ قرآنی وحدیثِ صحیح وقولِ علماء سے ضرور پتہ مرحمت فرماکر احقر کو مشکور فرمائیں گے۔

الجواب

عورت کو شوہر کی اطاعت انہی امور میں واجب ہے جو شرعًا مباح ہوں اور اگر وہ نافرمانی کرے تو صرف نافرمانی اور عدول حکمی سے شوہر کو نان ونفقہ بند کرنے کا حق نہیں ہے بلکہ جب وہ بلا اجازتِ شوہر کے اس کے گھر سے چلی جائے جب ناشزہ ہوگی۔

قال العلامۃ عبدالحی فی فتاواہ ناقلاً عن شرعۃ الاسلام وعلیھا ان تطیعھا فی الامور الشرعیۃ ولو امر ان تنقل الحجر من جبل وان لا تخرج من بیتہ الا باذنہ اھ (ص ۲۳ ج ۲ مع الخلاصۃ

قلت: ولکن لو خرجت الی ابویھا او الی محارمھا فی المدۃ التی لھا الخروج فیھا وقد ذکرناھا فی الجواب الثانی فلا تکون ناشزۃ فی الاثم نعم لا تکون لھا نفقۃ حینئذٍ واللہ اعلم

یکم رجب ۱۳۴۰ھ

سال بھر میں زوجہ کے والدین اور عزیز و اقارب سے ملنے کی مدت اور اس عرصہ کے نفقہ کا حکم

سوال: اور یہ بھی تحریر فرمائیں گے کہ شوہر کی نارضامندی پر عورت اپنے خویش واقارب خصوصًا اپنی خالہ کے یہاں اور اپنے حقیقی بھائی کے یہاں جاسکتی ہے یا وہ لوگ مرقوم بالا اس کے یہاں آمد ورفت کرسکتے ہیں یا نہیں ویا خط وکتابت کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر وہ لوگ طرفین میں سے یہ تعلقات بروئے شریعت رکھ سکتے ہیں تو آمد ورفت کتنے کتنے عرصہ پر کرسکتے ہیں۔ سال بھر میں ایک بار یا دوبار یا مہینہ میں ایک بار یا ہر ہفتہ میں۔ امید کہ شافی جواب سے مطلع فرمائیں گے۔ فقیر حاجی محمد عبد اللطیف القادری عفاعنہ

از کلکتہ۔ از ضمیمہ ۵۴

الجواب

والدین سے ایک شہر میں ہفتہ میں ایک بار اور شہر سے باہر ہر مہینہ میں ایک بار عورت کو ملنے کا حق ہے اگر والدین نہ آسکتیں تو وہ خود جاسکتی ہے اور وہ آسکیں تو ہر ہفتہ خود وہیں آکر

مل جائیں ہاں سال میں دوچار دفعہ جس طرح عرف ودستور ہے خود بھی جاسکتی ہے اور محارم غیر والدین سے شہر کے اندر اور شہر سے باہر سال بھر میں ایک بار ملنے کا عورت کو حق ہے اور محارم کو خط وکتابت کا بھی حق ہے اور وہ عورت عہ کے پاس خود بھی آسکتے ہیں اور شوہر کو یہ حق البتہ ہے کہ ان کو اپنے گھر کے اندر رہنے سے روکدے پس وہ اگر اس سے مل لیں اور بات چیت کرلیں اور کچھ دیر بات کرکے واپس چلے جائیں اگر رات کو بھی رہنا چاہیں تو زوج سے اجازت لینے کی ضرورت ہے۔

قال فی الدر: ولا یمنعها من الخروج الی الوالدین فی کل جمعة ان لم یقدرا علی اتیانها علی ما اختاره فی الاختیار ولو کان ابوها زمناً فاحتاجها فعلیها تعاهده ولو کافراً وان ابی الزوج اھ

قال الشامی: وهل لها النفقة الظاهر لا وان کانت خارجة من بیته بحق کما لو خرجت لفرض الحج اھ (ص ۱۱۹۴ ج ۲)

وقال الشامی: فقوله المختار مقابلة القول بالشهر فی دخول المحارم کما افاده فی الدر والفتح الی ان قال بعد کلام طویل عن البحر أن الصحیح المفتیٰ به من أنها تخرج للوالدین فی کل جمعة باذنه وبدونه وللمحارم فی کل سنة مرّة باذنه وبدونه اھ - وقال قبل ذلك وقد اختار بعض المشائخ منعها من الخروج الیهما واشار الی نقله فی شرح المختار والحق الاخذ بقول ابی یوسف إذا کان الابوان بالصفة التی ذکرت (ای لا یقدران علی اتیانها) ولا ینبغی ان یأذن لهما فی زیارتها فی الحین بعد الحین علی قدر متعارف اما فی کل جمعة فهو بعید اھ (ص ۱۰۹۳ ج ۲) وجمعت بین روایتی الشهر والجمعة بکونهما فی بلد الزوج او خارجه ولعلّه جمع حسن۔

لیکن اگر عورت بلا اذنِ زوج کے جائے گی تو ظاہر یہ ہے کہ نفقہ کی مستحق

عہ قال فی الدر ولا یمنعهما من الدخول علیها فی کل جمعة وفی غیرها من المحارم فی کل سنة - (قلت: صححه الشامی خلافاً لمن قال له المنع من الدخول) لها الخروج ولهم الدخول، زیلعی ویمنعهم من الکینونة وفی نسخة من البتوتة ولفظ مسکین من القرار۔

نہ ہوگی اگرچہ وہ حق جانے کا رکھتی ہے۔ واللہ اعلم

از تھانہ بھون ۲۹ رجادی الثانی سنہ

ایسی دو بیویوں کے نفقہ کا حکم جن میں ایک کی اولاد زیادہ ہو

سوال: فیض گنج، فیض رساں حضرت مولانا صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ احقر کی دو زوجہ ہیں ایک زوجہ سے ایک لڑکی ہوئی اور دوسری زوجہ سے پانچ لڑکے اور ایک لڑکی ہے۔ پانچوں لڑکوں میں بڑا لڑکا تقریباً ۱۴ سال ہے اور سب اس سے چھوٹے ہیں۔ میں یہ دریافت کرتا ہوں کہ میری جو کمائی ہے اس میں سے دونوں زوجہ کو کس طرح سے دوں اور دونوں زوجہ علیحدہ علیحدہ مکان میں رہتی ہیں اور جو لڑکے لڑکیاں ہیں ان کے رشتہ وشادی وغیرہ کا جو خرچ ہوئے دونوں گھروں میں سے کیا جائے یا کہ جن بیوی کی اولاد ہو اس گھر سے خرچ کیا جائے اور زمینداروں میں عام رواج ہے کہ کپاس وغیرہ کھیتوں میں سے چُن کر لاتی ہیں دونوں زوجہ اپنی چنی ہوئی علیحدہ علیحدہ رکھیں یا کہ کس طرح تقسیم کیا جائے۔ تحریر فرمائیں۔ فقط والسلام

مرسلہ احقر میاں چٹن الدین از مقام مونہ ڈیبودر
جھلا چوہدری محمد حیات خان صاحب ضلع گجرات

الجواب

جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور دونوں صاحب کی اولاد ہوں ان کو زوجین میں مساوات اس طرح کرنا چاہئے کہ ہر زوجہ کا نفقہ الگ مقرر کرے اور اس میں دونوں بیویوں کو برابر رکھے اور اولاد کا نفقہ علیحدہ مقرر کرے اور دونوں کی اولاد کو فرداً فرداً حاجت کے لحاظ سے برابر رکھے یعنی ایک کی ضروریات دس روپے میں مہیا ہوسکتی ہوں اس کے دس روپیہ اور ایک کی ضروریات پانچ روپیہ میں مہیا ہوں اس کے پانچ روپیہ مہیا کرے گو مجموعہ ایک کی طرف زیادہ ہو مثلاً ہر بیوی کا ماہوار پندرہ روپیہ مقرر کردے اور ہر لڑکے لڑکی کا دس روپیہ ماہوار۔ اس

عــه ۱۰؎ اگر عورت شوہر کی اجازت سے جائے چاہے کہیں جائے تو ظاہر یہ ہے کہ عورت مستحق نفقہ ہے مگر یہ کہ شوہر شرط کرے کہ میں نفقہ نہ دوں گا۔ قال فی العالمگیریۃ: الکبیرۃ اذا طلبت النفقۃ وھی لم تزف الی بیت الزوج فلھا اذا لم یطالبھا الزوج بالنقلۃ فان کان الزوج طالبھا بالنقلۃ فان لم تمتنع عن الانتقال۔

صورت میں زیادہ اولاد والی کی طرف جو زیادہ رقم جائے گی وہ بیوی کے نفقہ میں زیادتی نہیں بلکہ یہ زیادتی اولاد کی وجہ سے ہے اس پر دوسری بیوی اگر اعتراض کرے تو لغو ہے اور متفرق اخراجات شادی وغیرہ کے اس ضابطہ سے علیحدہ ہیں جن میں یہ شخص مختار ہے۔ اس جواب سے سائل کے سب سوالات کا جواب نکل آیا۔ واللہ اعلم

از تھانہ بھون۔ خانقاہِ امدادیہ اشرفیہ

۳ رجب ۴۶ھ

فصل فی نفقۃ الأولاد والآباء والأمھات

دوسرے شوہر پر بیوی کی پہلی اولاد کا نفقہ شرعاً واجب نہیں۔

(سوال) ہندہ کہتی ہے کہ زوجہ کی اولاد جو دوسرے خاوند رافضی ہے وہ شوہر حال اہل سنت کی اولاد ھے اور شوہر اھل سنت کو مثل اولادِ خود زوجہ کی خدمت واجب ہے۔

الجواب :- دوسرے شوہر پر بیوی کی پہلی اولاد کی خدمت شرعاً واجب نہیں واللہ اعلم

۲۷ ر ربیع الثانی

باپ اگر حاجتمند ہو تو اس کا نفقہ غنی اولاد کے ذمہ واجب ھے

(سوال) شوہر کے باپ بھائی اہل سنت جو زوجہ کی اولاد دختری بالغ منکوحہ والدہ مستطیعہ سے ہر طرح زیادہ حاجت مند ہیں غیر مستحق بتلاتی ھے۔

الجواب :- جب ماں باپ حاجت مند ہوں تو اس کا نفقہ غنی اولاد کے ذمہ واجب ھے واللہ اعلم

۲۷ ر ربیع الثانی

رسالہ "خیر الارشاد فی العدل بین الاولاد" یعنی اولاد میں برابری اور مساوات کی تحقیق

(سوال) (۱) اولاد کے ساتھ برابری کرنا کس کس امر میں اور کس حد تک شرعاً ضروری ہے اور کس درجہ کی ضروری ھے ؟ اگر نابالغ اور بالغ لڑکی اور لڑکے کے حکم میں فرق ہو تو اسکو بھی ظاہر فرما دیا جائے۔ اور آیا یہ برابری ماں کے ذمہ بھی، یا صرف باپ کے ذمہ ھے ؟ اور صرف اولاد کے حق میں ھے یا دیگر وارثان شرعی کے حق میں بھی ھے ؟

(۲) تبرعات اور نفقات میں برابری کے احکام جدا جدا تحریر فرمائے جائیں۔

(۳) اس قسم کی برابری بوجہ اولاد کے مختلف الحال ہونے کے بظاہر بہت دشوار ھے، مثلاً ایک کی کم عمر ہے ایک کی زیادہ عمر ہے ایک اپنے پاس ہے ایک دور ہے ایک غنی ہے ایک محتاج ہے ایک کی ضروریات زیادہ ہیں، مثلاً کالج میں پڑھتا ہے ایک کی کم ہیں، مثلاً مکتب میں پڑھتا ہے ایک کی شادی میں کم خرچ ہوتا ہے، ایک کی شادی میں زیادہ، ایک لڑکی ہے جس کو جہیز اور

زیور کی ضرورت پڑتی ہے ایک لڑکا ہے جسکی شادی میں ان اخراجات کی ضرورت نہیں، ایک کی شادی آج ہے ایک کی دس برس یا کم وبیش مدت کے بعد ہے غرض حاجات اور حالات اسقدر متخالف ہوتے ہیں کہ عطا میں برابری کرنا نہایت دشواری ہے، اگر واجب ہو تو اسکی سہل صورت تجویز فرمائی جائے، اگر ایک بچہ کو اسکی ضد پر ایک پیسہ یا چیز دی تو کیا سب بچوں کو خواہ حاضر ہوں یا غائب ایک ایک پیسہ تقسیم کیا جائے؟

(۴) نانی نانا یا دادی، دادا وغیرہ کے ذمہ تو اس قسم کی برابری ضروری نہیں؟

(۵) اوپر تو صرف چند جزئیات کا حوالہ ہے، دیگر صدہا جزئیات اس معاملہ میں ہوسکتی ہیں علاوہ جواب کلّی کے جہانتک ممکن ہوسکے جزئیات کے متعلق بھی احکام تحریر فرمائے جائیں تاکہ عمل کے وقت دشواری یا خلط نہ ہو چونکہ اس معاملہ میں عام طور پر غفلت ہے اسلئے مفصل اور اگر ضرورت ہو تو مدلل احکام قلمبند فرما دینے کی بظاہر ضرورت معلوم ہوتی ہے تاکہ ہر عاملین کو اس طرف توجہ ہو اور عاملین کو ادائے حقوق میں سہولت ہو۔ بینوا توجروا۔

السائل: خواجہ عزیز الحسن صاحب اسسٹنٹ انسپکٹر
مدارس اسلامیہ لکھنؤ فرنگی محل۔

الجواب:۔ قال فی الدر، عن الخانیۃ: ولا بأس بتفضیل بعض الاولاد فی المحبۃ لانہا عمل القلب وکذا فی العطایا ان لم یقصد بہ الاضرار وان قصدہ یسوی بینہم یعطی البنت کالابن عند الثانی وعلیہ الفتوٰی ولو وھب فی صحتہ کل المال للولد جاز واثم اھ (ص ۸۵۷ ج ۴)

وفی البدائع: وینبغی للرجل ان یعدل بین اولادہ فی النحلی بقولہ سبحانہ وتعالٰی: اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ، ولما روی ان بشیرًا ابا النعمان اتی بالنعمان الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الحدیث وھذا اشارۃ الی العدل بین الاولاد فی النحلۃ وھو التسویۃ بینہم ولان فی التسویۃ تالیف القلوب والتفضیل یورث الوحشۃ بینہم فکانت التسویۃ اولٰی ولو نحل بعضاً وحرم بعضاً جاز من طریق الحکم لانہ تصرف فی خالص ملکہ لاحق لاحد فیہ الا انہ لا یکون عدلاً سواء کان المحروم فقیہاً تقیاً اوجاھلاً فاسقاً علی قول المتقدمین من مشائخنا واما علی قول المتأخرین

منہم لا بأس ان یعطی المتأدبین والمتفقہین دون الفسقۃ الفجرۃ اھ (ص۱۲۷ ج ۶)
وفی البحر: یکرہ تفضیل بعض الاولاد علی البعض فی الھبۃ حالۃ الصحۃ الا لزیادۃ فضل لہ فی الدین وان وھب مالہ کلہ لواحد جاز قضاءً وھو آثم کذا فی المحیط، وفی الخلاصۃ: المختار التسویۃ بین الذکر والأنثیٰ فی الھبۃ ولو کان ولدہ فاسقاً فاراد ان یصرف مالہ الیٰ وجوہ الخیر ویحرمہ عن المیراث ھذا خیر من ترکہ لان فیہ اعانۃ علی المعصیۃ ولو کان ولدہ فاسقاً لا یعطی لہ اکثر من قوت یومہ ولو اتخذ لولدہ ثیاباً ثم اراد ان یدفع الیٰ آخر لیس لہ ذالک الا ان یبین وقت الاتخاذ انہ عاریۃ اھ وقال محشیہ: قال الرملی: وفی الحاوی الزاھدی دفع لولدہ الصغیر قرضاً فاکل نصفہ ثم اخذہ منہ ودفعہ لآخر یضمنہ اذا کان دفعہ لولدہ علی وجہ التملیک واذا دفعہ علی وجہ الاباحۃ لا یضمن قال عرف بہ ان مجرد الدفع من الاب الی الصغیر لا یکون تملیکاً وانہ حسن اھ (ص۲۸۸ ـ ج ۷)
وفی الخلاصۃ: رجل لہ ابن وبنت اراد ان یھب لھما شیئاً فالافضل ان یجعل للذکر مثل حظ الانثیین عند محمد وعند ابی یوسف بینھما سواء ھو المختار لورود الآثار ولو اعطیٰ بعض ولدہ شیئاً دون البعض لزیادۃ رُشدہ لا بأس بہ وان کانا سواء لا ینبغی ان یفضل اھ (ص۴۰۰ ج ۴ کتاب الھبۃ)
قلت: ویلحق بالرشد فقرہ ایضاً کما لا یخفی۔
وقال العینی فی شرح البخاری: وقال المھلب: وفی الحدیث دلالۃ علی انہ لا تلزم المعدلۃ فیما یھبہ غیر الاب لولدغیرہ اھ (ص ۱۴۷ ـ ج ـ ۶)
وفیہ ایضاً: احتج بہ ای بحدیث النعمان بن بشیر من اوجب التسویۃ فی عطیۃ الاولاد وبہ صرح البخاری وھو قول طاؤس والثوری واحمد واسحاق وقال بہ بعض المالکیۃ ثم المشھور عند ھؤلاء انھا باطلۃ وعن احمد یصح ویجب علیہ ان یرجع وعنہ یجوز التفاضل ان کان لہ سبب کاحتیاج الولد لزمانتہ اودینہ اونحو ذالک وقال ابو یوسف: تجب التسویۃ ان قصد بالتفضیل الاضرار وذھب الجمھور الیٰ ان التسویۃ مستحبۃ

فان فضل بعضا صح وکرہ وحملوا الامر علی الندب والنہی علی التنزیۃ واجاب عن حدیث النعمان من حمل الامر بالتسویۃ علی الندب بوجوہ نذکرہا بالتفصیل الیٰ ان قال الخامس ان عمل الخلیفتین ابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی عدم التسویۃ قرینۃ ظاہرۃ فی ان الامر للندب اما اثر ابی بکر فاخرجہ الطحاوی (بسند صحیح) عن عائشۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وان ابا بکر الصدیق نحلہا جاد عشرین وسقا من مالہ بالغابۃ فلما حضرتہ الوفاۃ قال: واللہ یا بنیۃ! ما من احد من الناس احب الیٰ غنی بعدی منک ولا اعز علی فقرا بعدی منک وانی کنت نحلتک جاد عشرین وسقا فلو کنت جددتہ واحرزتہ کان لک وانما ہو الیوم مال الوارث الحدیث قال الشافعی وفضل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عاصما بشیئ وفضل ابن عوف ولد ام کلثوم اما اثر عمر فذکرہ الطحاوی ایضا کما ذکرہ البیہقی عن الشافعی واخرج عبد اللہ بن وہب فی مسندہ قال بلغنی عن عمرو بن دینار ان عبد الرحمٰن بن عوف نحل ابنتہ من ام کلثوم بنت بنت عقبۃ اربعۃ آلاف درہم ولہ ولد من غیرہا اھ (ص ۲۷۵، ۲۷۶ ج ۶)

ان نصوص سے امور ذیل مستفاد ہوئے

(۱) تسویہ بین الاولاد عطایا اور ھبات میں ہے نفقات میں نہیں کیونکہ احادیث و اقوال فقہاء لفظ عطیہ وھبہ سے مقید ہیں نفقات میں کسی نے وجوب یا استحباب عدل کی تصریح نہیں کی وقیود الفقہ احترازیۃ، تسویۃ فی النفقۃ زوجات میں واجب ہے اولاد کے متعلق اسکی کوئی تصریح نہیں ملی باوجود تتبع کثیر کے۔

(۲) تسویہ بین الاولاد عطایا میں بھی حنفیہ وجمہور آئمہ کے نزدیک واجب نہیں بلکہ مستحب ھے اور ترک تسویہ مکروہ تنزیہی ھے اور اگر قصد اضرار ہو تو مکروہ تحریمی ھے وعلیہ یحمل قول المحیط اثم فیجتمع مع قول العینی وحملو النہی علی التنزیہ۔

(۳) اگر ایک لڑکے یا لڑکی کو کسی خاص وجہ سے ھبہ کیا جائے یا زائد دیا جائے اور دوسروں کو نہ کیا جائے اور اضرار آخرین کا قصد نہ ہو تو جائز ھے۔

(۴) اگر ایک لڑکے یا لڑکی کو اسکی دینداری یا طلب علم دین وغیرہ کی وجہ سے زیادہ

دیا جائے تو مضائقہ نہیں اسی طرح ایک کو بوجہ فقر کے زیادہ دیا جائے تو یہ بھی جائز ہے۔
(۵) فاسق اولاد کو صالح کے برابر دینا لازم نہیں بلکہ فاسق کو قوت سے زیادہ نہ دیا جائے

اب سوالات کے جوابات معروض ہیں

(۱) اولاد کے ساتھ برابری کرنا ان عطایا وھبات میں مستحب ہے جو ان کی ملک کر دی جائیں باقی نفقہ یعنی ماکول ومشرب وملبوس میں بقدر حاجت متفق علیہ جو کہ مقدار واجب نفقہ کی ھے تسویہ واجب ومستحب نہیں اگرچہ تملیکاً ہو اور قدر واجب قدر کفایت ھے یعنی ما یتضرر بالنقص منہ اور قدر واجب سے زائد نفقہ میں بھی اگر وہ بطور ھبہ کے نہ ہو بلکہ بطریق اباحت و عاریت کے ہو تسویہ نہ لازم ھے نہ مستحب بلکہ باپ کو اختیار ھے کہ جسکو جیسا چاھے کھلائے اور جیسا چاھے پہنائے البتہ اگر بطور ھبہ کے قدر واجب سے زائد نفقہ دیا جائے تو رعایت تسویہ مستحب ہے اور قدر واجب سے زائد نفقہ کی اباحت وعاریت میں بھی اگر تفضیل سے اولاد میں وحشت وکراھت کا اندیشہ ہو تو اس میں بھی تسویہ مستحب ہوگا " لان علۃ التسویۃ فی العطایا ھی الاحتراز عن الوحشۃ بینھم والحکم یدور مع علتہٖ "
اور یہ تسویہ ماں باپ دونوں کے حق میں ہے دیگر وارثان شرعی کے حق میں نہیں۔ دوسروں کو بلا کراھت جائز ہے کہ ایک شخص کے ایک لڑکے کو دیں یا زائد دیں اور دوسروں کو نہ دیں۔
(۲) اس کا جواب نمبر ایک کے جواب سے معلوم ہوگیا۔
(۳) اس سوال میں نفقات وتبرعات کو خلط کیا گیا ہے سو اوپر گذر چکا کہ نفقات میں تسویہ ضروری نہیں نہ وجوباً نہ استحباباً پس اگر ایک لڑکا کم عمر ہے دوسرا بڑا ھے تو ان دونوں میں نفقہ واجبہ کے اندر کمی وزیادتی بلا کراھت جائز ہے اسیطرح ایک اپنے پاس ھے ایک دور ھے ان میں بھی نفقہ واجبہ کے اندر کمی زیادتی جائز ھے کیونکہ نفقہ واجبہ ہر بیٹے کی قدر کفایت سے مقدر ھے اور اس صورت میں قدر کفایت ہر ایک کی جدا ھے پس رعایت تسویہ ضروری نہیں نہ مستحب۔ رہا یہ کہ ایک غنی ھے، ایک محتاج ھے تو نفقہ واجبہ میں تو تسویہ ضروری نہیں جبکہ نفقہ واجبہ ہر ایک کا متفاوت ہوتا ہو اگر نفقہ واجبہ متفاوت نہ ہو تو جب بھی محتاج کو نفقہ واجبہ سے زائد دینا جائز ہے جبکہ مقصود اسکو نفع پہونچانا ھے اور دوسرے کا اضرار مقصود نہیں۔ اور اگر ایک کالج میں پڑھتا ہے اور ایک مکتب میں تو اگر ان دونوں کا نفقہ واجبہ بھی متفاوت ہو تو اس میں کمی زیادتی کا مضائقہ نہیں اور اگر نفقہ واجبہ متفاوت نہ ہو تو محض کالج میں پڑھنا

زیادت استحقاق کا سبب نہیں کیونکہ یہ طلبِ دین بار شدو احتیاج سے خارج ہے اس صورت میں مستحب ہے کہ دونوں کو نفقۂ واجبہ سے زائد میں برابر رکھا جائے جسکی سہل صورت یہ ہے کہ جتنی رقم کالج والے کو زائد دی جاتی ہے اسی کے برابر دوسرے کیلئے بعد تملیک کے رقم جمع کر دی جائے یا اسکو محفوظ رکھکر آئندہ برابری کا قصد رکھا جائے اور شادی میں جو خرچ ہوتا ہے وہ محض تبرع وھبہ ہے اسمیں اولیٰ یہ ہے کہ اسکی رعایت رکھی جائے کہ ایک لڑکے کی شادی میں جتنا خرچ ہوا اتنا ہی دوسرے لڑکے کی شادی میں کیا جائے اور جتنا ایک لڑکی کو جہیز دیا جائے اُتنا ہی دوسری کو دیا جائے یعنی ذکور کو ذکور کے برابر اور اناث کو اناث کے برابر رکھا جائے اور یہ رعایت اس خرچ میں مستحب ہے جو والد اپنے اختیار سے کرتا ہے اضطراری میں نہیں، مثلاً ایک کی شادی قریب جگہ ہوئی۔ دوسرے کی دور جگہ ہوئی جسکی وجہ سے کرایہ آمدورفت میں تفاوت ہوگیا باقی اس کا مضائقہ نہیں کہ لڑکی کی شادی میں بوجہ جہیز دینے کے لڑکے کی شادی سے زیادہ خرچ ہوجائے کیونکہ یہ تفاوت بھی مثل اضطراری کے ہے لڑکیوں کو بوجہ اُنکی احتیاج کے کہ وہ کسب سے عاجز ہیں جہیز دیا جاتا ہے اور لڑکوں کو اسکی ضرورت نہیں ہوتی اور عموماً لڑکوں کو اس سے اعتراض بھی نہیں پیدا ہوتا البتہ اگر کسی جگہ لڑکوں کو اسپر اعتراض ہوتا ہو، وہاں مستحب ہے کہ ذکور و اناث کی شادی میں بھی تسویہ کیا جائے، بہر حال مدارِ تسویہ خوفِ وحشت و عدم خوف پر ہے اگر کہیں زیادت سے باھم وحشت کا خطرہ ہو وہاں تسویہ مستحب ہے ورنہ زیادت بلا کراہت تنزیھیہ جائز ہے جبکہ قصدِ اضرار نہ ہو اور ایک کو کسی خاص وجہ سے جو شرعاً وجہ معتبر ہو مثلاً رُشد و علم و تقویٰ و احتیاج وغیرہ ہو، زیادہ دیا جائے پس اگر ایک بچہ کو اسکی ضد پر پیسہ دیا جائے تو دوسرے چھوٹے بچوں کو بھی دیا جائے جو حاضر ہوں باقی بڑوں کو دینا یا صغار غائبین کو دینا ضروری نہیں کیونکہ ان کو نہ دینے سے توحش وغیرہ کا خطرہ نہیں۔

(۴) نانا، نانی، یا دادا، دادی کے ذمہ باپ کی موجودگی میں یہ تسویہ ضروری نہیں اور باپ کی عدم موجودگی میں جسکی پرورش میں یہ لڑکے ہوں وہ بمنزلہ باپ کے ہے اُسکو تسویہ مستحب ہے بالتفصیل الذی قدمر اور جس کی پرورش میں نہ ہوں ان پر تسویہ لازم نہیں، وھذا بالقیاس ولم اره صریحاً لان العائل کالاب فی کثیر من

الاحکام، البتہ اگر نانا، نانی، یا دادا، دادی ایک لڑکی یا لڑکے کی اولاد کو زائد دیں دوسرے کی اولاد کو کم یا دوسرے کی اولاد کو بالکل نہ دیں اور اس تفضیل سے باھم خود نانا، نانی، یا دادا، دادی کی اولاد میں توحش و نفرت پیدا ہونیکا اندیشہ ہو تو قیاس کا مقتضی یہ ہے کہ رعایت تسویہ ان پر بھی لازم ھے یعنی استحباباً اسلئے کہ عرفاً نواسوں اور پوتوں کو دینا اپنی بیٹی یا بیٹے کو دینا شمار ہوتا ہے فرجع الیٰ تفضیل بعض ولدہ علی الآخر۔

(۵) چونکہ یہ تسویہ حنفیہ کے نزدیک مستحب ہے جبکہ قصدِ اضرار نہ ہو اسلئے جتنی سہولت سے رعایت ہو سکے کی جائے اور زیادہ کاوش کی ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ اشرفیہ
۱۷ ربیع الثانی ۴۵ھ

فصل فی نفقۃ ذوی الارحام

بہن کا نفقہ اور اس کے مصارفِ نکاح بھائی کے ذمہ ہیں یا نہیں

(سوال) ہندہ کا شوہر تقریباً پچاس روپیہ ماہوار پیدا کرتا ہے اور سوائے اسکی زوجہ اور زوجہ کی اولاد کے باپ بھائی حاجتمندوں کو کچھ نہیں دیتا۔ اب شوہرِ ہندہ نے اپنی بہن کی شادی اپنے باپ اور اپنی رائے سے بلاشرکتِ دیگر برادران مفلوک کردی ہے۔ اب وہ اس شادی کا صرفہ باپ بھائی سے لینا چاھتا ہے تو کیا باپ بھائی اسکے ذمہ دار ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر اس نے یہ کہکر خرچ کیا تھا کہ میں باپ اور بھائیوں سے یہ رقم وصول کرلونگا اور انہوں نے بھی اسکو قبول کرلیا تھا تب تو ان سے لینے کا حقدار ہے ورنہ کچھ بھی نہیں۔ واللہ اعلم

چچا کے ذمہ بھتیجے کے نفقہ کا حکم

(سوال) زید کی بیوی کا نواسہ جو اس کے ماں باپ رافضی سے ہے اور جسکو بعد پرورش ہونے کے وہ ماں باپ اپنے پاس رکھیں گے

اور زید کے برادر زادہ حقیقی ہے تو زید کی بیوی اپنے نواسہ کو متبنیٰ بنلا کر اپنے شوہر کی آمدنی سے اس کی تعلیم دلاتی ہے اور اگر اہل سنت زید کا بھائی چاہتا ہے کہ میرے بچہ کو بھی تعلیم دی جائے تو زوجۂ زید حارج ومانع ہے تو کیا ایسی صورت میں زید کی زوجہ کا نواسہ، زید کی آمدنی سے تعلیم پانیکا مستحق ہے؟ یا برادر زادہ زید مستحق ہے؟ یا دونوں نہیں؟ بینوا توجروا

المستفتی: ظہور الحق ٹیپیری ڈاکخانہ تترون ضلع سہارنپور

الجواب:- زید کے ذمہ اسکی بیوی کے نواسہ کا کوئی حق نہیں اور اگر برادر زادہ کا باپ زندہ ہے تو اس کا بھی کچھ حق نہیں اور اگر اس کا باپ زندہ نہیں اور اس کی خبر لینے والا زید کے سوا کوئی نہیں تو زید کے ذمہ اپنے برادر زادہ کی خبر گیری لازم ہوگی واللہ اعلم

۲۷ ربیع الثانی

یتیم کے مال سے اس کے معلم کو تنخواہ اور ضیافت کرنا جائز ہے یا نہیں۔

(سوال) عرض یہ ہے کہ مسئلہ ذیل کے حکم سے واقف فرماکر مسرور فرماویں وہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں محلہ کے سب لوگ ملکر بچوں کی تعلیم کیلئے معلم رکھتے ہیں اس میں یتامیٰ بھی شامل رہتے ہیں۔ اس میں دریافت یہ ہے کہ جو یتیم کا مال علیحدہ ہے اُس سے اس کے وارث بالغ چچا یا بھائی کیلئے اس یتیم کے مال سے معلم کی تنخواہ ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جو یتیم اپنے بھائی یا چچا کے ساتھ مخلوط ہیں وہ بھائی یا چچا کیلئے یتیم کے مال مخلوط سے معلم کی تنخواہ اور خورد ونوش دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- قال فی الدر: له ان ينفق فی تعليم القرآن والأدب ان تأهل لذالك والا فلينفق عليه بقدر ما يتعلم القراءة الواجبة فی الصلوٰة مجتبیٰ اھ

قال الشامی: وفی الخلاصة وغيرها: ان كان صالحاً لذالك جاز وصار لوحی مأجوراً والا فعليه ان يتكلف فی تعليم قدر ما يقرأ فی صلاته اھ فلم يقيده بالقراءة الواجبة تامل۔

وفی القنية: ولا يضمن ما انفق فی المصاهرات بين اليتيم واليتيمة وغيرها فی خلع الخاطب او لخطيبة وفی الضيافات المعتادة والهدايا

المعهودة ، وفی الاعیاد ان کان له منه بد وفی اتخاذ ضیافة لختنه للاقارب والجیران ما لم یسرف فیه وکذا المؤدب به ومن عنده من الصبیان وکذا العیدین وقال بعضهم : فی ضیافة المؤدب والعیدین اھ (ص ۱۰۷ ج ۵)

اگر یتیم لڑکا تعلیم قرآن وادب کے قابل ہو یعنی جو پڑھایا جاتا ہے اسکو پڑھ سکتا ہو یا پڑھ سکنے کی امید بظن غالب ہو تو اسکی تعلیم میں اس کے مال سے معلم کی تنخواہ دینا ولی کو جائز ہے اور معلم کو تنخواہ لینا بھی جائز ہے اور اگر اس میں تعلیم حاصل کرنیکی قابلیت نہ ہو تو صرف اتنی مقدار کی تعلیم دی جائے جس سے اسکو نماز پڑھنا آجائے اور اس مقدار میں اس کے مال سے ولی کو تنخواہ دینا جائز اور معلم کو لینا جائز ہے اسکے بعد جائز نہیں اور اس میں یتیم مختلط وغیر مختلط دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔ واللہ اعلم

۲۹ ربیع الثانی ۲۵ھ

حکم نفقۂ ذوی الارحام

(**سوال**) میری ایک اخیافی بہن گیارہ بارہ برس کی ہے اسکے والد کا انتقال ہوگیا ہے۔ شادی ہوگئی ہے خاوند چھوٹا ہے اور لڑکی بھی بالغ نہیں ہوئی اور اس کے چار بھائی حقیقی ہیں بڑا بھائی میں ہوں اور حقیقی بھائی میں سے جو بڑا ہے اسکی شادی ابھی ہوئی ہے معمولی کاروبار کرکے بچوں کا گذارہ کرتا ہے۔ اور بہن اسکے ہمراہ رہتی ہے مگر بھابی سے جنگ وجدال ہوتی ہے اور بھابی مارتی رہتی ہے اور خدمت بھی زیادہ لیتی ہے اس لئے بہن پریشان غمگین رہا کرتی ہے اور احقر کو یاد کرتی رہتی ہے اور حقیقی بھائی میں سے دوسرا بھائی ڈابھیل فارسی وغیرہ پڑھتا ہے بیس برس کی عمر ہے اور اس سے چھوٹا ملازمت کرتا ہے اور فضول خرچی کرتا ہے ان صورتوں میں ہر ایک پر اس کا نان ونفقہ وغیرہا اور نگرانی وغیرہ ضروری اور فرض ہے یا کسی پر زیادہ ہے؟ اور میں آئندہ سال تعلیم وغیرہ کی غرض سے رہنا چاہتا ہوں اور اسیطرح دوسرا بھائی جو ڈابھیل پڑھتا ہے تعلیم کیلئے رہے تو بہن کا کوئی حق آنکی وجہ سے گنا ھگار تو نہ ہونگے؟ بینوا توجروا

عبد الرحمن اناوادی عفرلہ مدرسہ امینیہ دہلی ، رجب

الجواب :۔ والنفقة لکل ذی رحم محرم (الی قولہ) ویجب ذالک علی قدر المیراث (ھدایہ ص ۴۲۵ ج ۲)

مسئلہ لصـ ۲۴

ھنـ ۵

مـ

اخ لام	اخ لهما	اخ لهما	اخ لهما	اخ لهما
۴	۵	۵	۵	۵

صورت مسئولہ میں اس بہن کے نان ونفقہ کے چھ سہام میں سے پانچ حصہ اسکے حقیقی بھائیوں کے ذمہ ہیں اور ایک حصہ اسکے اخیافی بھائی کے ذمہ ہے یعنی جوان میں سے غنی ہو یا غنی نہ ہو لیکن کمانے والا ہو اگر کوئی حقیقی بھائی اس کا نان ونفقہ نہ دے تو پھر وہ کالعدم قرار پاکر باقی بھائیوں پر اسی نسبت سے نفقہ ہوگا اگر حقیقی بھائی سب کے سب نفقہ نہ دیں تو پھر اخیافی بھائی کے ذمہ کل نفقہ ہوگا جبکہ وہ غنی یا کمانے والا ہو اور سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بہن کو اس کا حقیقی بھائی ساتھ رکھتا ہے اور نان نفقہ دیتا ہے تو اگر وہ تنہا اسکے کل نفقہ کا خوشی سے متحمل ہے تو باقی بھائیوں پر وجوب نفقہ نہیں اور اگر وہ تنہا کل نفقہ دینے پر راضی نہ ہو تو بقیہ حقیقی بھائیوں پر چھ سہام میں سے پانچ سہام میں علی السواء اسکے نفقہ میں شرکت واجب ھے اور اخیافی بھائی پر چھٹے حصہ کی شرکت واجب ھے نیز سب بھائیوں پر اس بہن کو بھاوج کے عذاب سے بچانا واجب ہے اور اس میں حقیقی اور اخیافی بھائی سب برابر ہیں انکو چاہیئے کہ بڑے بھائی کو سمجھائیں کہ اپنی بیوی کو ان افعال سے روکے اور کوشش کے ساتھ اس کا انتظام کریں کہ اگر اس میں کامیابی نہ ہو تو بہن کو کسی اور معتبر عورت کے پاس رکھیں اور سب بھائی حقیقی چھ سہام میں سے پانچ سہام میں شرکت کر کے علی السواء اس کا نفقہ بھیجتے رہیں اور اخیافی بھائی چھٹا حصہ نفقہ کا ادا کرے بشرطیکہ ان میں سے کوئی معسر معذور نہ ہو اور اس وقت غنی ہو نہ کمانے پر قدرت رکھتا ہو اور جب تک حقیقی بھائی نفقہ میں کوتاہی کریں اخیافی بھائی پر کل نفقہ کا وجوب نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

قال فی الحامدیہ: بعد التفصیل فی نفقات الاقارب، القسم السابع اذا کانوا حواشی فقط (ومرادنا بالحواشی من لیس اصلاً ولا فرعاً) یعتبر فیہ الارث ای اھلیتہ وحقیقتہ (اذلا یتحقق الا بعد الموت) وعند الاستواء فی المحرمیۃ واھلیۃ الارث یترجح الوارث حقیقۃً ففی خال وابن عم علی الخال لانہ رحم محرم اھل للارث عند عدم ابن العم ولا شئ علی ابن العم وان کان المیراث کلہ لہ لانہ غیر محرم ولا تجب نفقۃ علی غیر محرم اصلاً اھ (ص۶۶ ج ۱)

قلت: وفی الصورۃ المسئولۃ الاخوۃ کلھم سواء فی المحرمیۃ

واھلیۃ الارث فالنفقۃ علی کلھم علی قدر میراثھم من الاخت کما قال فی الحامدیۃ فی العمۃ والخالۃ ان النفقۃ علیھما اثلاثاً کارثھما اھ (صفحہ مذکورہ)۔ واللہ اعلم۔

(تنبیہ) واعلم ان الفقہاء جعلوا المعسر العاجز عن الکسب کالعدم ولم یجعلوا الموسر الممتنع عن اداء النفقۃ ولا العاجز المکسوب کذالک کالعدم لان القاضی یجبرھما علیھا ولکن بلادنا لاقاضی فیھا ولا یمکن اجبار الممتنع علیھما اصلاً فجعلنا الممتنع ایضاً کالعدم واوجبنا کل النفقۃ علی الباقین بقدر ارثھم وھو ھذا ھو الظاھر عندی ولعل اللہ یحدث بعد ذالک امراً واللہ اعلم

۱۱ رجب سنہ ۳۶ھ

اِمدادُ الاحکام

امداد الفتاوٰی کا تکملہ جو ۱۳۴۰ھ کے بعد کے فتاوٰی پر مشتمل ہے

تالیف

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

زیرِ نگرانی

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ دار العلوم کراچی ۱۴